ان جنگی مہمات غزوات کا مستند، مفصل اور جامع احوال
جن میں آپؐ نے بنفسِ نفیس مجاہدین اور اسلامی عساکر کی
قیادت فرمائی یا جن سرایا میں صحابہ کرامؓ کو روانہ فرمایا

غزواتُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مع

جہاد
آیات، احادیث و فضائل
از حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ

تالیف
علامہ علی بن برہان الدین حلبیؒ

ترجمہ و تشریح
مولانا محمد اسلم قاسمی صاحب فاضل دیوبند

ترتیب
مولانا محمد زکریا اقبال فاضل جامعۃ العلوم کراچی

دارُالاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 021-2213768

www.KitaboSunnat.com

غزوات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

غزوات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مع

جہاد

آیات، احادیث و فضائل

از حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ

ان جنگی مہمات، غزوات کا مستند، مفصل اور جامع احوال
جن میں آپ ﷺ نے بنفس نفیس مجاہدین اور اسلامی عساکر کی
قیادت فرمائی یا جن سرایا میں صحابہ کرامؓ کو روانہ فرمایا۔

تالیف: علامہ علی بن برہان الدین حلبیؒ
ترجمہ و تشریح: مولانا محمد اسلم قاسمی صاحب فاضل دیوبند
ترتیب: مولانا محمد زکریا اقبال فاضل جامعۃ العلوم کراچی

دارالاشاعت
اردو بازار، ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 021-2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی
طباعت : اپریل ۲۰۰۱ء شکیل پریس کراچی۔
ضخامت : 884 صفحات

ملنے کے پتے

بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت العلوم 26 نابھہ روڈ لاہور
کشمیر بکڈپو۔ چنیوٹ بازار فیصل آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
دارالکتاب ایم اے جناح روڈ، لائٹ ہاؤس کراچی

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
مکتبہ رحمانیہ ۱۸۔ اردو بازار لاہور

عرضِ ناشر

نبی کریم سرور دو عالم رحمت عالم ﷺ کی مبارک زندگی کا ایک ایک لمحہ امتِ مسلمہ کے لئے اسوۂ حسنہ اور کامل نمونہ ہے اور آپؐ کی اتباع بہترین راستہ ہے اپنے انفرادی واجتماعی امور کی اصلاح کا۔ آپ ﷺ کی زندگی کا ایک اہم ترین حصہ اور حیاتِ طیبہ کا ایک خاصا طویل دور دشمنانِ اسلام اور کفار و مشرکین یہود و نصاریٰ اور منافقین سے معرکہ آرائی میں گزرا۔ یہ دور مدنی دور کہلاتا ہے۔ جس میں آنحضرت ﷺ کو ابتداءً دفاعی اور مشروط قتال کی اجازت ملی اور پھر اقدامی جہاد کی بھی اجازت بلکہ حکم فرمادیا گیا۔

نبی کریم ﷺ کی یہ جنگی مہمات تاریخِ اسلام کا ایک روشن اور زریں باب ہیں جس نے امت کو جہاد کی دعوت سے روشناس کرایا' جس نے امت کو یہ بتلایا کہ دین کی دعوت میں ایک مرحلہ وہ بھی آتا ہے جب داعی دین کو اپنے ہاتھوں میں اسلحہ تھامنا پڑتا ہے اور دین کی دعوت میں رکاوٹ کھڑی کرنے والے عناصر کو اور دین کی راہ میں سدّ باب بننے والی طاغوتی قوتوں کو بزور طاقت ان کی سازشوں سے روکنا پڑتا ہے۔ بدر سے لیکر حنین و تبوک تک اور قادسیہ سے لیکر یرموک تک رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ترک تازیاں جہاں ایک طرف امتِ مسلمہ کو دعوتِ دین کے ایک اہم ترین شعبہ اور مرحلہ سے روشناس کراتی ہیں وہاں دوسری جانب ایک مسلمان کو ایمانی غیرت و حمیت' شجاعت و بسالت، جاں نثاری و جاں سپاری، اسلام کی راہ میں مر مٹنے کا عزم اور اعلاء کلمۃ اللہ اور پرچم اسلام کی سربلندی کی خاطر گردن کٹوانے اور منہ زور و سرکش کفر کے سرغنوں کے غرور کو خاک و خون میں ملانے اور شجر اسلام کی آبیاری کرنے کی ایسی رخشندہ اور تابناک مثالیں پیش کرتی ہیں کہ دنیا اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔

تاریخ کا سبق امتِ مسلمہ کے لئے یہ ہے کہ جہاد کی عظیم دعوت اور عمل کو جب بھی امت نے ترک کیا، ذلت و رسوائی اور اہلِ کفر کے ہاتھوں تباہی و بربادی اس کا مقدر بن گئی اور جب کبھی اور کہیں یہ فریضہ و طریقۂ نبویؐ زندہ کیا گیا، باوجود بے سروسامانی کے فرزندانِ توحید کی توقیر اور فرزندانِ کفر و شرک کی تذلیل کی ناقابلِ یقین مثالیں دنیا نے دیکھیں۔

محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ، طارقؒ بن زیاد، موسیٰؒ بن نصیر، عقبہؒ بن نافع سے لے کر صلاح الدین ایوبیؒ' بایزیدؒ یلدرم، سلطان محمود غزنویؒ اور ٹیپو سلطانؒ تک سب نے جب جب اس دعوتِ دین کے اس شعبہ کو اپنایا، رب العزت نے کامیابی اور سرخروئی کی وہ معراج عطا کی کہ وہ دنیا والوں کے لئے قابل رشک بن گئے۔

جس طریقہ سے دین و دنیا کے دوسرے شعبوں اور پہلوؤں میں ایک مسلمان کے لئے سرکار دو عالم ﷺ کا عمل، اسوۂ حسنہ اور بہترین نمونہ ہے اسی طرح کارگاہِ حیات میں کفر سے معرکہ آرائی اور رزم گاہوں میں اس کا مقابلہ کرنے کے لئے،

دعوتِ حق کی راہ میں رکاوٹ بننے والے مفسد اور فتنہ پرداز عناصر کے فساد اور کینسر کا علاج کرنے کے لئے اسلام نے جو دلیرانہ اور آبرو مندانہ راستہ "جہاد فی سبیل اللہ" کا عطا فرمایا ہے اس کو اپنانے کیلئے بھی ایک مسلمان کیلئے سرکار دو عالم ﷺ کا عمل ہی بہترین نمونہ ہے اور آپ کے مبارک طرز سے ہٹ کر کی جانے والی معرکہ آرائیاں جنگ کہلاسکتی ہیں' انہیں قتل و غارتگری باور کیا جاسکتا ہے لیکن "جہاد" کا عظیم نام اس کیلئے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔

نبی الرحمۃ، نبی الملحمہ نبی السیف ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ کے دور مدینہ طیبہ میں یعنی حیاتِ مبارکہ کے آخری دس برسوں میں جبکہ عمر مبارک ضعف واضمحلال کی طرف طبعی طور پر گامزن تھی، باطل قوتوں کی سرکشی روکنے اور ان کے فساد کا علاج اسلام کے جہاد سے کرنے کیلئے تقریباً ستائیس بار مدینہ طیبہ سے دور دراز کا پر از مشقت سفر طے فرمایا' جبکہ تقریباً سینتالیس بار صحابہ کرامؓ کو فوجی مہمات پر روانہ فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ کے یہ مبارک و مقدس غزوات غازیان و مجاہدینِ اسلام کیلئے تاقیامت مشعلِ راہ رہیں گے۔ ان مقدس غزوات پر اردو زبان میں یوں تو متعدد کتابیں موجود ہیں لیکن ایک ایسی کتاب جس میں از اول تا آخر تمام غزوات و سرایا کی تفصیلات جزئیات سمیت موجود ہوں، نہ صرف یہ' بلکہ جہاد سے متعلق احکامِ فقہیہ و مسائل شرعیہ کو بھی بیان کیا گیا ہو، ایسی کتاب سے اردو کا دامن ابھی تک محروم تھا۔ علامہ علی ابنِ برہان الدین حلبیؒ کی "انسان العیون فی سیرۃ الأمین المأمون" المعروف "سیرتِ حلبیہ" سیر و تاریخ کی کتابوں میں ایک نمایاں مقام رکھتی ہے اور اردو زبان میں حضرت مولانا اسلم قاسمی صاحب فرزند حضرت حکیم الاسلام قاری طیب صاحبؒ کے خوبصورت ترجمہ کے ساتھ دارالاشاعت سے شائع ہو چکی ہے۔ اس میں غزوات و سرایا کے احوال کو بہت تفصیل کے ساتھ جمع کیا گیا ہے۔ ضرورت محسوس ہوئی کہ ان غزوات مقدس کو علیحدہ کتابی شکل میں شائع کیا جائے تاکہ اس سے استفادہ آسان ہو جائے۔

دارالاشاعت کی فرمائش پر مولانا محمد زکریا اقبال صاحب نے اس کو از سرِ نو ترتیب دیا اور ان کی ضروری ایڈیٹنگ کے بعد اب اس کتاب کو ترتیب جدید کے ساتھ شائع کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو تمام مسلمانوں کیلئے عموماً اور مجاہدینِ اسلام کیلئے خصوصاً نافع و مفید بنائے۔ آمین

خلیل اشرف عثمانی

دارالاشاعت کراچی

فہرست مضامین غزوات النبی ﷺ

آنحضرت ﷺ کے غزوات

غزوات کی تعداد اور نام..... ایک قول ہے کہ آنحضرت ﷺ کے غزوات کی تعداد یعنی جن میں آپ ﷺ نے خود بہ نفسِ نفیس شرکت فرمائی ہے، ستائیس ہیں، ان غزوات کے نام یہ ہیں:

غزوۂ بواط، غزوۂ عشیرہ، غزوۂ سفوان، غزوۂ بدر کبریٰ، غزوۂ بنی سلیم، غزوۂ بنی قینقاع، غزوۂ سویق، غزوۂ قرریۃ الکدر، غزوۂ غطفان جس کو غزوۂ ذی امر بھی کہا جاتا ہے، غزوۂ نجران یا حجاز، غزوۂ احد، غزوۂ حمراء الاسد، غزوۂ بنی نضیر، غزوۂ ذات الرقاع جس کو غزوۂ محارب اور بنی ثعلبہ بھی کہتے ہیں، غزوۂ بدر آلاخرۃ جس کو غزوۂ بدر الموعد بھی کہتے ہیں، غزوۂ دومۃ الجندل، غزوۂ بنی مصطلق جس کو غزوۂ مریسیع بھی کہتے ہیں، غزوۂ خندق، غزوۂ بنی قریظہ، غزوۂ بنی لحیان، غزوۂ حدیبیہ، غزوۂ ذی قرد، اس کو قرد، کہتے ہیں جس کے معنی گھٹیا اون کے ہیں، غزوۂ حنین، غزوۂ وادی القریٰ، غزوۂ عمرۃ القضاء، غزوۂ فتح مکہ، غزوۂ حنین و طائف اور غزوۂ تبوک۔ (ان غزوات کی ترتیب بھی یہی ہے)۔

جن غزوات میں جنگ ہوئی..... ان میں سے وہ غزوے جن میں قتل و قتال ہوا ہے نو (۹) ہیں یعنی جن میں آپ ﷺ کے صحابہ نے جانبازی و سرفروشی کی ہے، چنانچہ اصل کتاب یعنی عیون الاثر میں یہی بات یوں کہی گئی ہے کہ وہ غزوات جن میں آنحضرت ﷺ نے قتل و قتال فرمایا ان کی تعداد نو ہے، ان غزووں کے نام یہ ہیں:

غزوۂ بدر کبریٰ، غزوۂ احد، غزوۂ مریسیع یعنی غزوۂ بنی مصطلق، غزوۂ خندق، غزوۂ بنی قریظہ، غزوۂ خیبر، غزوۂ فتح مکہ اور غزوۂ حنین و طائف۔

بعض علماء نے ان میں سے فتح مکہ کو نکال دیا ہے یعنی فتح مکہ کو ان غزوات میں شامل نہیں کیا جن میں خونریزی ہوئی ہے، اس بارہ میں امام نوویؒ کا قول یہ ہے کہ مکہ صلح کے ذریعہ فتح ہوا ہے، جیسا کہ امام شافعیؒ اور ان کے کچھ ماننے والوں کا بھی یہی قول ہے، لہٰذا مکہ کے مکانات کو بیچنا اور کرائے پر دینا جائز ہے اسکی دلیل امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر مکہ جنگ کے ذریعہ فتح ہوا ہوتا تو اسکے مکانات اور جائیدادوں کو غازیوں میں تقسیم کر دیا جاتا۔

ان دونوں روایتوں میں موافقت کا بیان آگے آئے گا کہ مکہ کا زیریں حصہ تو جنگ کے ذریعہ فتح ہوا تھا کیونکہ یہاں خالد ابن ولیدؓ نے مشرکوں کے ساتھ حملہ کر کے مسلمانوں سے جنگ کی تھی، اور بالائی حصہ صلح کے ذریعہ فتح ہوا تھا کیونکہ وہاں خونریزی نہیں ہوئی۔

کتاب ہدیٰ میں یہ ہے کہ جو شخص صحیح حدیثوں پر غور کریگا تو اسے معلوم ہو گا کہ وہ سب حدیثیں جمہور کے اس قول کو ہی ثابت کرتی ہیں کہ مکہ طاقت کے ذریعہ ہی فتح ہوا ہے کیونکہ وہاں جنگ ہوئی ہے، چنانچہ ان میں سے ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مکہ والوں سے مکہ شہر کے متعلق کوئی صلح نامہ نہیں فرمایا تھا اور نہ آپ ﷺ کے اس ارشاد کو دلیل نہ بنایا جاتا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو کر پناہ حاصل کرے گا اس کو امان ہے وغیرہ وغیرہ، پھر یہ کہ آپ ﷺ نے مکہ کی فتح کے مالِ غنیمت کی کوئی تقسیم نہیں فرمائی کیونکہ وہ ارکان حج کا گھر ہے اور اس شہر میں ہر مسلمان کا برابر حق ہے۔

مؤلف کہتے ہیں: ظاہر ہے یہ حکم مکہ کے گھروں کے علاوہ جگہوں کیلئے ہے (کہ ان پر ہر مسلمان کا حق ہے مکانات ذاتی ملک ہیں اس لئے یہ حکم نہیں) اگرچہ کتابِ مواہب میں یہ قول ہے کہ ان میں سے نو غزوات ایسے ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے خود بھی جنگ میں عملی حصہ لیا مگر ہماری تحقیق کے مطابق ان تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ نے سوائے غزوۂ اُحد کے کسی غزوۂ میں بھی خود عملی طور پر حصہ نہیں لیا جیسا کہ آگے بیان ہو گا لہٰذا پیچھے جو بعض علماء کا یہ قول گزرا ہے کہ آپ ﷺ نے نو غزووں میں خود بھی قتل و قتال فرمایا' کتابِ مواہب کے مصنف کو اسی سے دھوکہ ہوا ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کے خود شریک ہونے کا جو مطلب ہے وہ بیان کیا جا چکا ہے۔ واللہ اعلم۔

طاقت کے استعمال پر پابندی...... واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ کئی سال تک بغیر جنگ اور قتل و قتال کے اسلام کی طرف تبلیغ فرماتے رہے حالانکہ مکہ میں عرب اور مدینہ میں یہودی آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے صحابہؓ کو شدید ترین تکلیفیں پہنچاتے رہے مگر چونکہ آنحضرت ﷺ کو حق تعالیٰ نے لوگوں کو صرف ڈرانے اور تبلیغ کرنے کا حکم دیا تھا (تلوار اٹھانے کا نہیں) اسلئے آپ ﷺ ان تکلیفوں پر صبر فرماتے رہے اور ان کو ڈراتے رہے جس کی بنیاد حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ: "وَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ" ان سے مت الجھو' اور یہ کہ "وَاصۡبِرۡ" یعنی صبر سے کام لیں' اسکے ساتھ ہی حق تعالیٰ نے آپ ﷺ سے فتح اور کامیابی کا وعدہ فرمایا تھا۔

چنانچہ جب آنحضرت ﷺ مکہ میں تھے تو اکثر آپ ﷺ کے صحابہؓ آپ ﷺ کے پاس اس حالت میں آتے کہ کفار کے ہاتھوں پٹ کر اور زخم کھائے ہوئے ہوتے تو آنحضرت ﷺ ان کو دیکھ کر فرماتے: "صبر کرو' کیونکہ مجھے جنگ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا"۔

جنگ کی مشروط اجازت...... اس کی وجہ یہ تھی کہ مکہ میں رہتے ہوئے مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور وہ ایک چھوٹی سے جماعت تھے' پھر جب ہجرت کے بعد مسلمانوں کی تعداد اور قوت بڑھ گئی اور وہ ایک طاقتور فرقہ بن گئے' نیز ساتھ ہی مسلمانوں کے دلوں میں آنحضرت ﷺ کی محبت اپنے باپ دادا' اپنی اولاد اور اپنی بیویوں سے بھی زیادہ رچ بس گئی اور دوسری طرف مشرکین اپنے کفر اور آنحضرت ﷺ کے جھٹلانے پر تلے رہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ کو مشرکوں سے جنگ کرنے کی اجازت عطا فرما دی۔ یہ حکم ماہ صفر ۲ھ میں ملا' مگر صرف ان لوگوں سے لڑنے کیلئے جو خود مسلمانوں پر حملہ کریں اور جنگ میں پہل کریں' جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"فَاِنۡ قَاتَلُوۡكُمۡ فَاقۡتُلُوۡهُمۡ" (اگر وہ تم سے لڑیں تو تم ان سے لڑو)

بعض علماء نے حق تعالیٰ کے اس ارشاد کے متعلق لکھا ہے:

اُذِنَ لِلَّذِيۡنَ يُقَاتَلُوۡنَ بِاَنَّهُمۡ ظُلِمُوۡا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصۡرِهِمۡ لَقَدِيۡرُ (ج ۱۷/۵/ ۳۹)

اب لڑنے کی ان لوگوں کو اجازت دی گئی جن سے کافروں کی طرف سے لڑائی کی جاتی ہے اس وجہ سے کہ ان پر بہت ظلم کیا گیا ہے۔

جہاد آسمانی عذابوں کا بدل ہے...... لہٰذا یہ جنگ گویا اللہ تعالیٰ کے اس عذاب کے عوض اور بدلے میں تھی جو پچھلی امتوں پر اسی وجہ سے نازل کئے گئے تھے کہ انہوں نے اپنے نبیوں اور پیغمبروں پر ایمان لانے کے بجائے ان کو جھٹلایا تھا (لہٰذا جب اللہ کا عذاب آیا تو پوری پوری قوموں اور علاقوں کو تہس نہس کر گیا مگر اس امت پر اللہ تعالیٰ نے وہ آسمانی عذاب اور بربادیاں نہیں بھیجیں بلکہ ان کی جگہ مشرکوں اور جھٹلانے والوں سے جہاد کرنے کا حکم فرمایا): اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (نساء ۵/۱۰/۷۷)

"کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا کہ ان کو یہ کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو تھامے رہو اور نمازوں کی پابندی رکھو اور زکوۃ دیتے رہو"۔

اس آیت کے نازل ہونے کے سبب میں کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت تھی جس میں عبدالرحمٰنؓ ابن عوف' مقدادؓ ابن اسود' قدامہؓ ابن مظعون اور سعدؓ بن ابی وقاص تھے' ان سب کو مکہ میں مشرکین بڑی زبردست تکلیفیں پہنچایا کرتے تھے' آخر ایک دن انہوں نے وہیں آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

"یارسول اللہ! جب ہم مشرک تھے تو بڑے معزز اور محترم لوگ تھے اور اب جب کہ ہم ایمان لے آئے تو انتہائی ذلیل ہو گئے اس لئے آپ ﷺ ہمیں اجازت دیں کہ ہم ان مشرکوں سے جنگ کریں"۔

اس پر آنحضرت ﷺ نے ان مسلمانوں سے فرمایا:

"تم ان سے اپنے ہاتھ روکے رکھو کیونکہ مجھے ان سے جنگ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے"۔

اس کے بعد جب آنحضرت ﷺ ہجرت فرما کر مکہ سے مدینہ آگئے اور آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مشرکوں سے جنگ کرنے کا حکم فرمایا تو بعض لوگوں کو یہ ناگوار محسوس ہوا اور آپ ﷺ کو اس پر گرانی ہوئی' اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

کیا آنحضرت ﷺ نے خود بھی قتال فرمایا ہے؟...... پیچھے ایک قول گزرا ہے کہ ان تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ نے خود جنگ اور قتال فرمایا ہے' اس کی تائید بظاہر بعض صحابہ کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ ہم جب بھی کسی مشرک دستے سے دوچار ہوتے ہیں یا کوئی دستہ ہمارے مقابلہ پر آجاتا تو سب سے پہلے ضرب لگانے والے آنحضرت ﷺ ہوتے تھے۔

آنحضرت ﷺ سب سے زیادہ بہادر تھے...... مگر اس روایت کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ اس میں ضرب لگانے سے مراد لڑنا نہیں ہے بلکہ آگے بڑھنا اور مسافت طے کرنا ہے (کیونکہ عربی میں مسافت طے کرنے اور چلنے کے لئے بھی ضرب کا لفظ ہی استعمال ہوتا ہے) لہٰذا اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ ایسے موقعہ پر سب سے پہلے پیش قدمی فرمانے والے یا سفر فرمانے والے آنحضرت ﷺ ہوا کرتے تھے' چنانچہ حضرت علیؓ کی ایک روایت سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے کہ غزوۂ بدر کے موقعہ پر ہم مشرکوں سے حفاظت کے لئے آنحضرت ﷺ کو آگے کر لیا کرتے تھے کیونکہ آپ ﷺ سب سے زیادہ بہادر اور دلیر انسان تھے' اس موقعہ پر ہم میں دشمنوں کے سب سے زیادہ قریب آنحضرت ﷺ ہی ہوا کرتے تھے۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ جب جنگ پورے زوروں پر آجاتی اور لشکر ایک دوسرے سے ٹکراتے تھے تو ہم آنحضرت ﷺ کے ذریعہ اپنا بچاؤ کرتے تھے۔ (ی) یعنی آپ ﷺ مجاہدوں کے لئے بہترین ڈھال بن جاتے تھے۔

اس بارے میں تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ ایسی کوئی روایت نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہو کہ کبھی کسی بھی جنگ میں اور کسی بھی موقعہ پر خود آنحضرت ﷺ اپنی جگہ سے پسپا ہو کر پیچھے ہٹ آئے ہوں' بلکہ صحیح حدیثوں سے یہ بات ثابت ہے کہ ہر موقعہ پر آنحضرت ﷺ اپنی جگہ ثابت قدم رہے ہیں اور آگے بڑھے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے خود جنگ کرنے نہ کرنے کے سلسلے میں آگے بدر کے بیان میں سیرت شامی کے حوالے سے ایک روایت آرہی ہے جو غیر اہم ہے جس سے گذشتہ قول میں شبہ ہوتا ہے' وہ روایت یہ ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے زبردست قتال فرمایا اور شدید جنگ کی' اسی طرح حضرت ابوبکرؓ نے بھی شدید جنگ کی' اس وقت یہ دونوں حضرات عریش یعنی اپنے چھپر

میں تھے اور مسلسل دعا کے ذریعہ جہاد فرمارہے تھے' تو گویا دونوں نے اپنے بدنوں سے بھی جہاد کیا ہے اور دعا کے ذریعہ بھی جہاد کیا ہے' اسی طرح آگے غزوۂ خیبر کے بیان میں بھی روایت آئیگی کہ آنحضرت ﷺ نے خود بہ نفسِ نفیس جنگ اور قتال فرمایا تھا۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اس روایت میں جو اشکال ہے وہ بھی آگے ذکر ہوگا کہ ایسی روایت موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے سوائے غزوۂ احد کے کسی غزوہ میں آپ ﷺ کے ہمراہ فرشتوں نے جنگ میں حصہ نہیں لیا' اس روایت میں جو اشکال ہے وہ بھی آگے آئے گا۔

اسی طرح سوائے ان مذکورہ تین غزوات کے کسی اور غزوۂ میں آپ ﷺ نے دشمن کے منہ پر کنکریاں نہیں پھینکیں مگر ان کے بھی تیسرے یعنی غزوۂ احد کے متعلق اختلاف ہے۔

اسی طرح سوائے غزوۂ احد کے کسی اور غزوہ میں آنحضرت ﷺ کے زخم نہیں آئے' اسی طرح سوائے غزوۂ طائف کے کسی اور غزوہ میں منجنیق نصب نہیں کیا گیا (منجنیق قدیم زمانے کی ایک جنگی ایجاد تھی جس کے ذریعہ بڑے بڑے پتھر دور تک دشمن پر پھینکے جاسکتے تھے مگر عرب میں اس مشین کا رواج نہیں تھا) اس روایت پر اشکال ہوتا ہے کیونکہ ایک روایت کے مطابق آپ نے غزوۂ خیبر کے موقعہ پر خیبر کی بعض حویلیوں پر منجنیق نصب کرائے تھے' ان دونوں روایتوں میں موافقت کا ذکر بھی آگے آئے گا' ایسے ہی آپ ﷺ نے سوائے غزوۂ احزاب کے کسی غزوۂ میں خندق کے ذریعہ دفاع نہیں فرمایا۔

جہاد کا اعلان...... جہاد کے سلسلے میں جو آیت پیچھے گزری ہے یعنی أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ الخ اس کے بارے میں بعض علماء نے کہا ہے کہ جہاد کی اجازت کے سلسلے میں یہ پہلی آیت ہے جو آنحضرت ﷺ پر نازل ہوئی اور جب یہ نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو اس کی اطلاع ان الفاظ میں دی:

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے اس وقت تک جنگ کروں جب تک وہ لاالہ الا اللہ نہ کہہ دیں"۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ "جب تک وہ اس بات کی گواہی نہ دے دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں' جب بھی وہ یہ کلمے کہہ دیں گے تو اس کے حق کو چھوڑ کر ہر طرح وہ اپنے خون اور اپنے مال کو مجھ سے محفوظ کرلیں گے اور ان کا حساب اللہ کے ذمے ہوگا' اس پر آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اس کلمے کا حق یعنی حق تلفی کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"یہ کہ شادی شدہ ہو کر زنا کرے یا اسلام قبول کرنے کے بعد کفر کرے یا کسی شخص کی جان لے لے"۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: اس تفصیل کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں آنحضرت ﷺ کے لئے اسی مذکورہ جنگ کا حکم ہے' مگر اس بارے میں تامل ہے' اس لئے یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ﷺ کو جنگ کا حکم اس آیت کے بغیر یعنی اس سے پہلے ہی مل چکا ہو' کیونکہ جہاں تک اس آیت کا تعلق ہے تو اس میں جہاد کے صرف جائز ہونے کو ظاہر کیا گیا ہے جب کہ جائز ہونے یا کرنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس کا حکم دیا گیا ہے۔

اب جہاں تک اس دوسری آیت کا تعلق ہے فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ تو یہ بھی صرف جائز ہونے کے لئے ہے کیونکہ اس میں جو امر یا حکم کا صیغہ ہے وہ صرف جائز ہونے کے لئے آرہا ہے چاہے اس میں اصل واجب ہونا ہی ہو۔ ادھر آنحضرت ﷺ کا جو یہ ارشاد ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے' اور یہ حکم اس آیت کے بغیر مانا جائے تو آنحضرت ﷺ کے اس لفظ حکم سے بھی جواز مراد لیا جائے گا کیونکہ حکم میں امر اور جواز دونوں ہی چیزیں مشترک ہوتی ہیں' لہٰذا اب یہ بات اس گزشتہ قول کے

خلاف نہیں رہتی جس میں کہا گیا ہے کہ اس وقت تک مسلمانوں پر قتال کرنا واجب نہیں ہوا تھا۔ واللہ اعلم

غرض جب سارے ہی عربوں نے مسلمانوں کو نشانہ پر رکھ لیا اور ہر طرف سے ان کو جنگ کیلئے مجبور کرنے لگے تو مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ وہ رات کو بھی ہتھیار لگا کر سوتے اور صبح کو ہتھیار لگائے ہوئے اٹھتے اور وہ یہ کہتے:

"کیا کبھی ایسا وقت بھی آئے گا جب ہم امن کے ساتھ رات گزار سکیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہمیں کسی کا خوف نہ ہو"۔

تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا (نور ۱۸ ع ۷ آیت ۵۵)

ترجمہ:۔ "اے مجموعہ امت تم میں جو لوگ ایمان لاویں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو اس اتباع کی برکت سے زمین میں حکومت عطا فرمائے گا جیسا ان سے پہلے اہل ہدایت لوگوں کو حکومت دی تھی اور جس دین کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے پسند کیا ہے یعنی اسلام اس کو ان کے نفع آخرت کے لئے قوت دے گا اور ان کے اس خوف کے بعد اس کو مبدل بہ امن کردے گا"۔

حرام مہینوں کے سوا جہاد کا اذن عام...... اس کے بعد جنگ کی اجازت مل گئی' یعنی ایسے شخص کے ساتھ خود سے جنگ کرنے کی اجازت بھی ہوگئی جس نے جنگ نہ چھیڑی ہو' مگر یہ اجازت حرام مہینوں کے سوا باقی مہینوں میں تھی' اشہر حرم یعنی حرام مہینوں سے مراد یہ مہینے ہیں۔ رجب، ذی قعدہ' ذی الحجہ اور محرم حق تعالیٰ نے ان مہینوں کو جنگ کی اجازت سے مستثنیٰ فرمادیا۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ۔ (سورہ توبہ' پ ۱۰' ع آیت ۵)

ترجمہ:۔ سو جب اشہر حرم گذر جائیں تو اس وقت ان مشرکین کو جہاں چاہو مارو۔

پھر ۲ھ کے بعد جہاد واجب ہوگیا۔ یہ وجوب مطلق یعنی بلا کسی قید کے تھا' یعنی اس میں کوئی شرط نہیں تھی اور کسی خاص زمانے یا مہینے کی قید نہیں تھی' اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً۔ (سورۂ توبہ' پ ۱۰' ع ۵ آیت ۳۶)

ترجمہ: اور ان مشرکین سے سب سے لڑنا جیسا کہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں۔

بلا شرط اذن عام...... مراد یہ ہے کہ کسی بھی زمانے میں ان سے جنگ کرو' اب اس سے معلوم ہوا کہ جہاد ہجرت کے پہلے کے پورے زمانے میں اور ہجرت کے بعد صفر ۲ھ تک حرام تھا' کیونکہ اس پورے عرصہ میں آپ کو صرف تبلیغ اور بغیر جنگ کئے ڈرانے کا حکم تھا جیسا کہ آپ ﷺ کو ستر کے قریب آیتوں میں اس سے روکا گیا ہے اس کے بعد آپ ﷺ کو جہاد کی اجازت حاصل ہوگئی یعنی ان لوگوں سے جنگ کرنے کی اجازت مل گئی جو مسلمانوں سے جنگ کریں' پھر اس کے بعد ایسے شخص سے بھی جنگ کرنے کی اجازت مل گئی جس نے خود سے ابتداء نہ کی ہو مگر اس شرط کے ساتھ کہ حرام مہینوں میں سے کوئی مہینہ نہ ہو اور پھر مطلقاً بلا کسی قید کے جہاد کرنے کا حکم ہوگیا (یعنی اس میں نہ یہ قید تھی کہ اسی شخص کے ساتھ جنگ کی جائے جس نے خود سے پہل کی ہو اور نہ اشہر حرام کی قید تھی) یعنی اس کے ساتھ بھی جس نے خود سے پہل کی ہو اور اس کے ساتھ بھی جس نے پہل نہ کی ہو اور ہر زمانے میں وہ چاہے وہ حرام مہینے ہوں یا نہ ہوں۔

(اب گویا جہاد کے حکم کی دو حالتیں ہوگئیں' ایک پہلی حالت جس میں جہاد کی اجازت قید کے ساتھ تھی اور ایک دوسری

حالت میں جو بلا قید تھی) اس بارے میں علامہ اسنوی کے الفاظ یہ ہیں:
"جب آنحضرت ﷺ کا ظہور ہوا تو آپ ﷺ کو بغیر جنگ کئے تبلیغ کرنے اور ڈرانے کا حکم ہوا تھا' آپ ﷺ کو حکم ہوا تھا کہ ان مشرکوں سے (الجھئے مت بلکہ) دامن بچائے رکھئے۔ نیز آپ ﷺ سے حق تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ صبر کیجئے پھر ہجرت کے بعد آپ ﷺ کو اس طرح جنگ کرنے کا حکم دیا گیا کہ اگر وہ مشرک لڑائی کی ابتدا کریں تو آپ ﷺ ان سے قتال کر سکتے ہیں' چنانچہ آپ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ "فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ" یعنی اگر مشرکین آپ ﷺ سے قتال کریں تو آپ ﷺ بھی ان کے ساتھ قتال کیجئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ کو یہ حکم دیا گیا کہ مشرکین کی طرف سے ابتداء ہوئے بغیر بھی آپ ﷺ ان سے جنگ کر سکتے ہیں مگر حرام مہینوں کے سوا دوسرے مہینوں میں جنگ کر سکتے ہیں' چنانچہ یہ حکم اس آیت کے ذریعہ دیا گیا فَإِذَا انْسَلَخَ الخ (جو پیچھے ذکر ہو چکی ہے) پھر اس کے بعد آپ کو بلا قید کے جنگ کرنے کا مطلق حکم دے دیا گیا اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً"۔ یہاں تک امام اسنوی کا کلام ہے۔

مسلمانوں سے متقابل کفار کی پہلی قسم...... پھر سورۂ براءت کے نازل ہونے کے بعد یہ بات واضح ہو گئی کہ آنحضرت ﷺ کے مقابل جو لوگ تھے وہ تین قسم کے تھے۔

پہلی قسم...... ان کفار کی تھی جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہر وقت برسر پیکار رہتے تھے اور آپ کو ایذائیں پہنچانے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے' یہ جنگ باز اگر اپنے وطنوں میں ہوں تو ہر سال ایک مرتبہ اس طرح ان سے جنگ کرنا ضروری ہے کہ کچھ لوگ جنگ میں شریک ہو جائیں تو سب کی طرف سے کافی ہو جائے گا۔ یعنی اس صورت میں صرف چند آدمی جنگ کر کے حکم پورا کر دیں تو کافی ہے جیسے کعبہ کی تعمیر اور اس کو ہر وقت آباد رکھنے کا حکم ہے کہ کچھ لوگ بھی کر لیں تو سبکی طرف سے فرض پورا ہو جائیگا (اسی کو فرض کفایہ کہتے ہیں جیسے نماز جنازہ ہے) اس بات کی دلیل حق تعالیٰ کے اس ارشاد سے نکلتی ہے:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ (سورۂ توبہ 'پ ۱۱ ع ۱۵ آیت ۱۲۲)

ترجمہ: سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر ہر بڑی جماعت میں سے ایک ایک چھوٹی جماعت جہاد میں جایا کرے۔

ایک قول یہ ہے کہ ایسے لوگوں سے جنگ کرنا فرض کفایہ نہیں بلکہ فرض عین تھا۔ چنانچہ اسی وجہ سے ان تین صحابہ کا واقعہ پیش آیا تھا جو غزوۂ تبوک میں شریک نہیں تھے (یعنی ان سے باز پرس کی گئی) یہ بات جواب کی محتاج ہے۔ ایک قول ہے کہ اس وقت جہاد انصاریوں کیلئے فرض کفایہ تھا اور مہاجرین کے حق میں فرض عین تھا۔

دوسری قسم...... دوسری قسم میں وہ لوگ آتے ہیں جن سے بغیر جزیہ کے مسلمانوں کا معاہدہ تھا یعنی ان کو امن دینے کے معاوضہ میں ان سے کوئی ٹیکس نہیں لیا جاتا تھا یعنی ان لوگوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ نے مصالحت فرمائی اور ان لوگوں نے آپ ﷺ سے عہد لیا کہ ہم آپ ﷺ کے خلاف نہ جنگ کریں گے اور نہ آپ ﷺ کے مقابلے پر آپ ﷺ کے دشمنوں کے ساتھ ساز باز کریں گے' یہ لوگ اپنے اس عہد کے باوجود کفر پر ہی تھے مگر انہوں نے اپنی جان و مال کے لئے امان حاصل کر لیا تھا۔

تیسری قسم...... تیسری قسم میں ذمی لوگ آتے ہیں' یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنی جانوں کے بدلے جزیہ دینا طے کر لیا تھا' پھر ان کے ساتھ ہی ایک قسم اور بھی بن جاتی ہے' یعنی وہ لوگ جنہوں نے اپنی جانوں کے خوف سے دکھاوے کیلئے اسلام قبول کر لیا تھا' یہ لوگ منافق تھے جیسا کہ بیان ہوا۔

منافقوں کے متعلق آنحضرت ﷺ کا طرز عمل...... ان منافقوں کے متعلق آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو حکم

دے دیا تھا کہ ان کے ظاہری اسلام کو قبول کرتے ہوئے ان کو مسلمان ہی شمار کریں اور ان کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں' چنانچہ آنحضرت ﷺ (یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ لوگ مسلمان نہیں منافق ہیں) ان سے چشم پوشی فرماتے تھے (اور ان کی حرکتوں کو ٹالتے رہتے تھے' البتہ اسلام کے جو ظاہری شعار اور نشانیاں تھیں ان میں آپ ﷺ چشم پوشی سے کام نہیں لیتے تھے جیسے نماز کا معاملہ ہے کہ اس بارے میں آپ ﷺ منافقوں کی بھی غفلت برداشت نہیں فرماتے تھے۔

اب یہ بات شیخین کی اس روایت کے خلاف نہیں رہتی جس میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

"میں نے ارادہ کیا تھا کہ کسی دوسرے کو اپنی جگہ نماز پڑھنے کا حکم دوں تاکہ نماز جاری رہے اور کوئی امام امامت کرتا رہے' پھر میں اس طرح نکلوں کہ میرے ساتھ ایسے لوگ ہوں جو لکڑیوں کے گٹھر لئے ہوئے ہوں اور میں ان لوگوں کے پاس جاؤں جو جماعت میں نہیں آتے (مراد ہیں منافقین) اور وہاں میں ان کے سامنے ان کے گھروں کو آگ لگادوں"۔

ہمارے یعنی شافعی علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث منافقوں کے بارے میں ہے جو جماعت سے بچتے پھرتے ہیں اور نماز نہیں پڑھتے' یعنی گذشتہ حدیث کی رو سے قطعاً نماز نہیں پڑھتے تھے کیونکہ جو حدیث بیان ہوئی اس کا شروع کا حصہ اس طرح ہے:

"منافقوں کے لئے سب سے بھاری نماز عشاء اور فجر کی نماز ہے (یعنی ان دونوں نمازوں کو جماعت سے پڑھنا) کاش اگر وہ ان دونوں نمازوں کا رتبہ اور اجر جانتے تو لازمی طور پر وہ ان نمازوں کو جماعت سے پڑھنے کے لئے آیا کرتے چاہے انہیں سر کے بَل گھسٹتے ہوئے ہی آنا پڑتا۔ میں نے ارادہ کیا......

کتاب خصائص صغریٰ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں جہاد شافعی علماء کے نزدیک فرض عین اور فرض کفایہ میں سے فرض عین تھا اور جب کسی غزوہ میں رسول اللہ ﷺ خود تشریف لے جائیں تو ہر مسلمان کیلئے آپ ﷺ کے ساتھ جہاد کے لئے نکلنا حق تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق واجب تھا:

مَاكَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ (سورۂ توبہ 'پ ۱۱' ع ۵ آیت ۱۲۰)

ترجمہ:۔ مدینہ کے رہنے والوں کو اور جو دیہاتی ان کے گرد و پیش رہتے ہیں ان کو یہ زیبا نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا ساتھ نہ دیں۔

چنانچہ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر جن لوگوں نے آنحضرت ﷺ کا ساتھ نہیں دیا ان کے ساتھ جو کچھ معاملہ ہوا وہ ظاہر ہے (جس کی تفصیل آگے آئیگی)۔

اسلام کا اولین غزوہ...... جب آنحضرت ﷺ کو جہاد کی اجازت ملی تو آپ ۱۲ ربیع الاول ۲ھ میں پہلی بار جہاد کی غرض سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ (ی) یعنی آپ مکہ سے ہجرت کر کے ربیع الاول ہی کے مہینے میں مدینہ تشریف لائے تھے۔ آپ ﷺ ان بقیہ مہینوں میں مدینہ میں قیام فرما رہے اور پھر ۲ھ کے صفر کے مہینے تک رہے اور بارہ صفر کو غزوہ کیلئے مدینہ سے نکلے اور ودان کے مقام پر پہنچے۔ یہ ایک بڑی بستی تھی اور ابواء کے مقام سے چھ یا آٹھ میل کے فاصلے پر تھی' اور خود ابواء مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک گاؤں تھا جیسا کہ بیان ہوا اور اس کا نام ابواء اس لئے پڑا کہ یہاں اس علاقہ میں سیلاب بہت زیادہ آتے تھے۔

غرض اب یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ابن خفاف نے اس غزوہ کو غزوۂ ودّان کیوں کہا اور امام بخاریؒ نے اس کو غزوۂ ابواء کیوں کہا' یعنی چونکہ دونوں بستیاں قریب قریب تھیں اس لئے کسی نے ایک بستی کے نام پر اس غزوہ کا نام متعین کیا اور کسی نے دوسری بستی کی نسبت سے نام متعین کیا۔ کتاب امتاع میں یہ ہے کہ ودّان مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ایک پہاڑ کا نام ہے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: اس اختلاف سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے کہ یہ گاؤں اس پہاڑ کے نزدیک ہو لہٰذا

اسی کے نام پر بستی کا نام بھی رکھ دیا اور اس کو بھی ودان کہنے لگے۔ واللہ اعلم

اس غزوہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ صرف مہاجر مسلمان تھے جن میں کوئی انصاری نہیں تھا۔ آنحضرت ﷺ قریش کے ایک تجارتی قافلے کا راستہ روکنے اور بنی ضمرہ کی سرکوبی کیلئے تشریف لے گئے تھے۔ (ی) آنحضرت ﷺ اصل میں بنی ضمرہ کے ارادہ سے نکلے تھے مگر آپ کا یہ خروج دونوں مقصدوں کے لئے ہو گیا جیسا کہ اصل یعنی کتاب عیون الاثر کی عبارت سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے' ادھر کچھ دوسرے اقوال سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ ستر صحابہ کے ساتھ روانہ ہوئے اور آپ ﷺ کا رخ قریش اور بنی ضمرہ کی طرف تھا۔

بنی ضمرہ کے ساتھ معاہدہ...... کتاب سیرت شامی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی روانگی اصل میں تجارتی قافلہ کا راستہ روکنے کیلئے تھی مگر اتفاق سے بنی ضمرہ کا معاملہ بھی پیش آگیا' اسی قول کی تائید حافظ دمیاطی نے بھی کی ہے کہ آنحضرت ﷺ قریش کے تجارتی قافلے پر حملہ کرنے کیلئے نکلے تھے مگر کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا اور اسی غزوہ میں بنی ضمرہ کے ساتھ صلح کا معاہدہ ہو گیا (یعنی بنی ضمرہ نے مسلمانوں سے لڑنے کے بجائے صلح کر لی) اس سردار کا نام مجدی ابن عمرو تھا۔

بعض حضرات نے اس طرح بیان کیا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ ابواء کے مقام پر پہنچے تو آپ ﷺ کو بنی ضمرہ کا سردار مجدی ابن عمرو ضمری ملا اور اس نے آپ ﷺ سے صلح کر لی جس پر آنحضرت ﷺ واپس مدینہ تشریف لے آئے۔

بنی ضمرہ سے جن شرطوں پر صلح ہوئی وہ یہ تھیں کہ دونوں فریق ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے نہ ہی آنحضرت ﷺ کے مقابلے میں حملہ کریں گے اور نہ مسلمانوں کے کسی دشمن کی مدد کریں گے' (قال) دونوں فریقوں کے درمیان ایک معاہدہ لکھا گیا جس اس طرح شروع ہوا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ عہد نامہ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بنی ضمرہ کیلئے ہے کہ ان کو ان کے مال اور انکی جانوں کو امان دی جاتی ہے اور ان کو ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد دی جائے گی۔ جب تک دریائے صوفہ میں تری باقی ہے اس عہد نامہ پر عمل کیا جائے گا (یعنی ہمیشہ کے لئے اس عہد کی پابندی کی جائے گی) مگر اس شرط کے ساتھ کہ یہ لوگ اللہ کے دین کے مقابلہ پر نہ آئیں اور یہ کہ جب بھی آنحضرت ﷺ ان کو مدد کے لئے بلائیں ان کو مدد کے لئے آنا ضروری ہوگا۔ اس عہد نامہ کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ہے' یعنی یہ امان اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے دی گئی ہے"۔

اس غزوہ میں آنحضرت ﷺ کا جھنڈا سفید رنگ کا تھا اور آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ کے ہاتھ میں تھا' غزوہ کے لئے روانگی کے وقت آپ ﷺ نے مدینہ میں حضرت سعد ابن عبادہؓ کو اپنا جانشین بنایا تھا۔

غرض اس معاہدہ کے بعد آپ ﷺ واپس مدینہ تشریف لے آئے' اس طرح یہ آنحضرت ﷺ کا سب سے پہلا غزوہ ہے جس کے لئے آپ بہ نفس نفیس تشریف لے گئے' اس سفر میں آپ کو پندرہ دن لگے۔ واللہ اعلم

غزوۂ بواط

پھر اسی سال یعنی ۲ھ میں آپ ﷺ دوسرے غزوہ کے لئے تشریف لے گئے' یہ غزوہ ربیع الاول کے مہینہ میں' اور ایک قول کے مطابق ربیع الثانی کے مہینہ میں پیش آیا' اس غزوہ میں بھی آپ ﷺ قریش کے ایک تجارتی قافلے پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوئے تھے جس میں امیہ بن خلف سردار تھا اور اس کے ساتھ قریش کے دو دوسرے آدمی تھے' اس قافلے میں دو ہزار پانچ سو اونٹ تھے (جن پر تجارتی سامان لدا ہوا تھا)۔

جنگی پرچم...... اس غزوہ میں آنحضرت ﷺ دو سو صحابہ کو ساتھ لے کر تشریف لے گئے جن میں مہاجرین ہی شامل تھے' اس معرکہ کا جھنڈا بھی سفید تھا جس کو حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ اٹھائے ہوئے تھے اس جھنڈے کو عربی میں ''لواء'' کہتے ہیں جو جنگی جھنڈا ہوتا ہے اور اس جھنڈے سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ لشکر کا امیر کس جگہ پر ہے۔ کبھی جنگی جھنڈا خود امیر لشکر کے ہاتھ میں ہی رہتا ہے اور کبھی جھنڈا لشکر کے آگے رکھا جاتا ہے۔

سب سے پہلے جس شخص نے جنگی جھنڈا بنایا وہ حضرت ابراہیمؑ ہیں' ان کو خبر ملی کہ ایک قوم نے حضرت لوطؑ پر حملہ کر دیا ہے' حضرت ابراہیمؑ نے ایک جھنڈا تیار کیا اور اپنے غلاموں اور خادموں کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے۔

غرض آنحضرت ﷺ جب غزوۂ بواط کے لئے روانہ ہوئے تو آپ ﷺ نے مدینہ میں حضرت سعد ابن معاذؓ کو اپنا قائم مقام بنایا۔ ایک قول یہ ہے کہ عثمان ابن مظعون کے بھائی سائب ابن مظعون کو اور ایک قول کے مطابق سائب ابن عثمان کو قائم مقام بنایا۔ مدینہ سے روانہ ہو کر آپ ﷺ بواط کے مقام پر پہنچے۔ یہ بواط ینبع کے پہاڑ کا نام ہے اسی کی نسبت سے اس غزوہ کا نام غزوۂ بواط پڑ گیا۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ اسی پہاڑ سے سنگ موسیٰ حاصل کیا جاتا ہے اور رضوی پہاڑ کی جانب سے یہ بنی جہینہ کا پہاڑ ہے' یہ رضوی پہاڑ ان پہاڑوں میں سے ایک ہے جن کے پتھروں سے کعبہ کی بنیاد رکھی گئی تھی۔

غرض بواط پہنچنے کے بعد آنحضرت ﷺ کا دشمنوں سے سامنا نہیں ہوا اس لئے آپ ﷺ اس دفعہ بھی بغیر جنگ کے ہی واپس مدینہ تشریف لے آئے (کیونکہ قریشی قافلہ آپ ﷺ کے پہنچنے سے پہلے وہاں سے گزر چکا تھا)۔

غزوۂ عشیرہ

(ی) امام بخاریؒ نے اپنے غزوات کے باب کو اسی غزوہ سے شروع کیا ہے (یعنی اس طرح انہوں نے غزوہ عشیرہ کو پہلا غزوہ قرار دیا ہے) اس بات کی تائید حضرت زید ابن اسلم کی ایک روایت سے ہوتی ہے 'ان سے پوچھا گیا'

"وہ غزوہ کون سا ہے جس میں آنحضرت ﷺ تشریف لے گئے؟" انہوں نے کہا کہ پہلا غزوہ عشیرہ ہے"۔

(اس طرح دونوں باتوں میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ علامہ حلبیؒ نے پہلا غزوہ ابواء کو قرار دیا ہے۔ اس روایت کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ اس سوال سے مراد یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کا وہ پہلا غزوہ کون سا ہے جس میں آپ آنحضرت ﷺ کے ساتھ چلے۔ غرض غزوہ بواط کے بعد آنحضرت ﷺ کا تیسرا غزوہ غزوہ عشیرہ ہے جو آپ ﷺ کو جمادی الاول کے مہینے میں پیش آیا۔ سیرت ومیاطی میں ہے کہ یہ غزوہ عشیرہ جمادی الثانی میں پیش آیا' یہی کتاب امتاع میں بھی ہے۔

قریشی قافلے کا تعاقب...... اس دفعہ بھی آنحضرت ﷺ قریش کے ایک تجارتی قافلے کے لئے تشریف لے گئے تھے جو ملک شام کو جارہا تھا' کہا جاتا ہے کہ قریش نے اس تجارتی قافلے میں اپنا تمام مال و دولت شامل کیا تھا' مکہ میں کوئی قریشی مرد و عورت ایسا باقی نہیں تھا جس کا تھوڑا بہت مال اس قافلے کے ساتھ نہ ہو۔ ہاں صرف حُویطب ابن عبدالعزیٰ ایک ایسا شخص تھا جس کا کوئی مال اس قافلے میں نہیں تھا۔

کہا جاتا ہے کہ اس قافلے کے ساتھ پچاس ہزار دینار تھے (ی) اور ایک ہزار اونٹ تھے' اس قافلے کا امیر ابوسفیان تھا' اس کے ساتھ ستائیس آدمی تھے' ایک قول ہے کہ انتالیس آدمی تھے جن میں مخرمہ ابن نوفل اور عمرو ابن عاص بھی شامل تھے' یہی وہ قافلہ ہے جس کا راستہ روکنے کے لئے آپ ﷺ روانہ ہوئے جب کہ یہ قافلہ ملک شام سے واپس آرہا تھا اور یہی واقعہ غزوہ بدر کا سبب بھی بنا جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

آنحضرت ﷺ اس غزوہ کے لئے ڈیڑھ سو صحابہ کے ساتھ تشریف لے گئے' ایک قول ہے کہ دو سو صحابہ ساتھ میں تھے جن میں صرف مہاجرین ہی شامل تھے' غرض آپ ﷺ مدینہ سے روانہ ہوئے اور عشیرہ کے مقام پر پہنچے۔

آنحضرت ﷺ اس غزوہ کے لئے مدینے سے روانہ ہوئے تو آپ نے ابوسلمہ ابن عبدالاسد کو مدینے میں اپنا جانشین مقرر فرمایا' اس غزوہ میں بھی آپ کے جھنڈے کا رنگ سفید تھا جو آپ کے چچا حضرت حمزہ ابن عبدالمطلب کے ہاتھ میں تھا۔

بغیر جنگ واپسی...... یہ اسلامی لشکر بیس اونٹوں پر روانہ ہوا (اس طرح کہ باری باری سب سوار ہوتے تھے) آنحضرت ﷺ اس قریشی قافلے کے تعاقب میں روانہ ہوئے تھے مگر عشیرہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ تجارتی قافلہ چند دن پہلے گزر کر ملک شام کی طرف جاچکا ہے' چنانچہ آنحضرت ﷺ پھر بغیر جنگ کے واپس مدینہ تشریف لے آئے' البتہ اس موقع پر یہاں بنی مدلج کے ساتھ آنحضرت ﷺ نے امن اور سلامتی کا معاہدہ فرمالیا۔

کتاب عیون الاثر میں ہے کہ یہ معاہدہ بنی مدلج اور بنی ضمرہ میں جو ان کے معاہدہ بردار تھے' ان کے ساتھ کیا گیا۔ کتاب مواہب میں اس موقعہ پر معاہدہ کی تحریر کی نقل کی ہے جو بالکل وہی ہے جو غزوہ ودان میں آنحضرت ﷺ اور بنی ضمرہ کے درمیان لکھی گئی تھی جیسا کہ بیان ہوا لہٰذا اس بناء پر یہ بات قابل غور ہے۔

غزوۂ سفوان

اسی غزوہ کو غزوہ بدر اولیٰ بھی کہا جاتا ہے۔ جب آنحضرت ﷺ غزوہ عشیرہ سے واپس تشریف لائے تو آپ ﷺ مدینہ میں چند راتوں سے زیادہ نہیں ٹھہرے' اس قیام کی مدت دس رات بھی نہیں ہوئی تھی کہ آپ ﷺ کو پھر ایک مہم پیش آئی اور آپ کو کرز ابن جابر فہری کی سرکوبی کے لئے نکلنا پڑا۔

یہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے' انہوں نے مدینہ کی چراگاہوں اور مویشیوں پر حملہ کیا تھا۔ آنحضرت ﷺ اس کی تلاش میں روانہ ہوئے یہاں تک کہ آپ ﷺ ایک وادی میں پہنچے جس کا نام سفوان تھا' یہ وادی بدر کی طرف اس کے قریب ہے' اسی وجہ سے اس غزوہ کو بدر اولیٰ بھی کہا جاتا تھا۔ اس دفعہ بھی آنحضرت ﷺ کرز کو نہ پا سکے کیونکہ وہ وہاں سے نکل چکا تھا۔

اس غزوہ کے موقعہ پر آپ ﷺ نے مدینہ میں زید ابن حارثہ کو اپنا جانشین بنایا تھا اور اسلامی جھنڈا جو سفید رنگ کا تھا حضرت علیؓ ابن ابو طالب کے ہاتھوں میں تھا۔

کتاب عیون الاثر میں بھی علامہ دمیاطی کی تقلید میں غزوہ سفوان کو غزوہ عشیرہ کے بعد ہی ذکر کیا گیا ہے۔ مگر یہ بات سیرت شامی کے برخلاف ہے جس کی ترتیب سیرت دمیاطی کے مطابق ہے اور وہی ترتیب کتاب امتاع میں بھی ہے۔ واللہ اعلم

شام سے آتے ہوئے حجاز کی سرزمین کے قریب پہنچا تو جاسوسوں کے ذریعہ راستے کی خبریں معلوم کیا کرتا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے ڈر کی وجہ سے راہ میں جو بھی سوار ملتا اس سے حالات معلوم کرتا رہتا تھا' چنانچہ اسے خبر ملی کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کو لیکر اس کے تجارتی قافلے پر حملہ کرنے کیلئے روانہ ہو چکے ہیں' یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسے ایک شخص ملا تھا جس نے اسے بتلایا کہ آنحضرت ﷺ شروع ہی میں اس کے قافلے کا راستہ روکنا چاہتے تھے اور یہ کہ اب اس نے آنحضرت ﷺ کو راہ میں اس قافلے کی واپسی کا انتظار کرتے ہوئے چھوڑا ہے۔

ضمضم کے ذریعہ قریش کو خبر دینے کا منصوبہ...... یہ خبر سن کر ابوسفیان بہت خوفزدہ ہوئے اور اس نے ایک شخص ضمضم ابن عمرو غفاری سے اجرت پر معاملہ کر کے اس کو مکہ جانے کے لئے تیار کیا' اس شخص سے ابوسفیان نے بیس مثقال پر معاملہ کیا تھا' نیز یہ کہ اس شخص یعنی ضمضم کے اسلام کے متعلق کوئی روایت نہیں ہے کہ آیا اس نے اسلام قبول کیا تھا' البتہ جو ضمضم صحابہ میں شمار ہیں وہ ضمضم ابن عمر خزاعی ہیں۔

غرض ابوسفیان نے ضمضم سے کہا کہ وہ مکہ جائے (ی) اور اپنے اونٹ کے کان کاٹ دے' کجاوہ الٹا کرے اور اپنی قمیض کا اگلا اور پچھلا دامن پھاڑے اور اس حالت میں مکہ میں داخل ہو وہاں وہ قریش کو جنگ پر چلنے کے لئے تیار کرے اور ان سے بتلائے کہ محمد ﷺ ان کے قافلے پر اپنے صحابہ کے ساتھ حملہ کر رہے ہیں۔

مکہ میں عاتکہ کا خواب...... چنانچہ ضمضم نہایت تیز رفتاری کے ساتھ روانہ ہوا' ادھر ضمضم کے مکہ پہنچنے سے تین رات پہلے آنحضرت ﷺ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب نے ایک خواب دیکھا' اس عاتکہ کے اسلام قبول کرنے کے سلسلے میں اختلاف ہے۔

اس نے ایک ڈراؤنا خواب دیکھا جس سے یہ سخت گھبرائی اس نے اپنے بھائی عباس ابن عبدالمطلب کے پاس آدمی بھیج کر انہیں بلایا اور ان سے کہا:

''بھائی! خدا کی قسم میں نے رات ایک نہایت وحشت ناک خواب دیکھا ہے اور مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ شاید تمہاری قوم پر کوئی بڑی تباہی اور مصیبت آنے والی ہے' اس لئے جو کچھ میں بتلاؤں اس کو پوشیدہ رکھنا''۔

خواب سنانے سے پہلے عباسؓ سے راز داری کا عہد...... ایک روایت میں یہ لفظ ہے کہ عاتکہ نے حضرت عباسؓ سے کہا:

''جب تک تم مجھ سے یہ عہد نہیں کرو گے کہ تم اس بات کا کسی سے ذکر نہیں کرو گے اس وقت تک میں تمہیں نہیں بتلاؤں گی کیونکہ ان لوگوں نے یعنی قریشی مشرکوں نے یہ بات سن لی تو وہ ہمیں پریشان کریں گے اور ہمیں برا بھلا کہیں گے''۔

چنانچہ حضرت عباسؓ نے اس سے عہد کیا اور پوچھا کہ تم نے کیا دیکھا ہے؟ عاتکہ نے کہا؟

''میں نے دیکھا کہ ایک شخص اونٹ پر سوار ہے یہاں تک کہ وہ ابطح میں آ کر رکا' یعنی جو محصب اور مکہ کے درمیان ہے' وہاں کھڑے ہو کر اس نے پوری آواز سے پکار پکار کر کہا: لوگو! اے آل غدر تین دن کے اندر اپنی قتل گاہوں پر چلنے کو تیار ہو جاؤ''۔

علامہ سہیلیؒ نے آل غُدر یعنی غین کے پیش کے ساتھ لکھا ہے یعنی اگر تم لوگ مدد کو نہیں آتے تو تم غدّار ہو' غرض اس کے بعد عاتکہ نے آگے بیان کرتے ہوئے کہا:

''پھر میں نے دیکھا کہ لوگ اس کے اردگرد جمع ہو گئے' اب وہ آنے والا وہاں سے چل کر مسجد حرام میں داخل ہوا اور لوگ اس کے پیچھے پیچھے آئے' ابھی لوگ اس کے گرد جمع ہو رہے تھے کہ وہ شخص اچانک اپنے اونٹ سمیت کعبہ کی چھت پر نظر آیا اور وہاں سے وہ پوری طاقت سے پکارا اس کے بعد وہ شخص ابوقبیس پہاڑ پر نظر آیا ور وہاں سے بھی وہ اسی طرح پکارا پھر اس نے ایک

شام سے آتے ہوئے حجاز کی سرزمین کے قریب پہنچا تو جاسوسوں کے ذریعہ راستے کی خبریں معلوم کیا کرتا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے ڈر کی وجہ سے راہ میں جو بھی سوار ملتا اس سے حالات معلوم کرتا رہتا تھا' چنانچہ اسے خبر ملی کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کو لیکر اس کے تجارتی قافلے پر حملہ کرنے کیلئے روانہ ہو چکے ہیں' یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسے ایک شخص ملا تھا جس نے اسے بتلایا کہ آنحضرت ﷺ شروع ہی میں اس کے قافلے کا راستہ روکنا چاہتے تھے اور یہ کہ اب اس نے آنحضرت ﷺ کو راہ میں اس قافلے کی واپسی کا انتظار کرتے ہوئے چھوڑا ہے۔

ضمضم کے ذریعہ قریش کو خبر دینے کا منصوبہ...... یہ خبر سن کر ابوسفیان بہت خوفزدہ ہوئے اور اس نے ایک شخص ضمضم ابن عمرو غفاری سے اجرت پر معاملہ کر کے اس کو مکہ جانے کے لئے تیار کیا' اس شخص سے ابوسفیان نے بیس مثقال پر معاملہ کیا تھا' نیز یہ کہ اس شخص یعنی ضمضم کے اسلام کے متعلق کوئی روایت نہیں ہے کہ آیا اس نے اسلام قبول کیا تھا' البتہ جو ضمضم صحابہ میں شمار ہیں وہ ضمضم ابن عمر خزاعی ہیں۔

غرض ابوسفیان نے ضمضم سے کہا کہ وہ مکہ جائے (ی) اور اپنے اونٹ کے کان کاٹ دے' کجاوہ الٹا کرے اور اپنی قمیض کا اگلا اور پچھلا دامن پھاڑے اور اس حالت میں مکہ میں داخل ہو' وہاں وہ قریش کو جنگ پر چلنے کے لئے تیار کرے اور ان سے بتلائے کہ محمد ﷺ ان کے قافلے پر اپنے صحابہ کے ساتھ حملہ کر رہے ہیں۔

مکہ میں عاتکہ کا خواب...... چنانچہ ضمضم نہایت تیز رفتاری کے ساتھ روانہ ہوا' ادھر ضمضم کے مکہ پہنچنے سے تین رات پہلے آنحضرت ﷺ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب نے ایک خواب دیکھا' اس عاتکہ کے اسلام قبول کرنے کے سلسلے میں اختلاف ہے۔

اس نے ایک ڈراؤنا خواب دیکھا جس سے یہ سخت گھبرائی اس نے اپنے بھائی عباس ابن عبدالمطلب کے پاس آدمی بھیج کر انہیں بلایا اور ان سے کہا:

''بھائی! خدا کی قسم میں نے رات ایک نہایت وحشت ناک خواب دیکھا ہے اور مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ شاید تمہاری قوم پر کوئی بڑی تباہی اور مصیبت آنے والی ہے' اس لئے جو کچھ میں بتلاؤں اس کو پوشیدہ رکھنا''۔

خواب سنانے سے پہلے عباسؓ سے رازداری کا عہد...... ایک روایت میں یہ لفظ ہے کہ عاتکہ نے حضرت عباسؓ سے کہا:

''جب تک تم مجھ سے یہ عہد نہیں کرو گے کہ تم اس بات کا کسی سے ذکر نہیں کرو گے اس وقت تک میں تمہیں نہیں بتلاؤں گی کیونکہ ان لوگوں نے یعنی قریشی مشرکوں نے یہ بات سن لی تو وہ ہمیں پریشان کریں گے اور ہمیں برا بھلا کہیں گے''۔

چنانچہ حضرت عباسؓ نے اس سے عہد کیا اور پوچھا کہ تم نے کیا دیکھا ہے؟ عاتکہ نے کہا؟

''میں نے دیکھا کہ ایک شخص اونٹ پر سوار ہے یہاں تک کہ وہ ابطح میں آ کر رکا' یعنی جو محصب اور مکہ کے درمیان ہے' وہاں کھڑے ہو کر اس نے پوری آواز سے پکار پکار کر کہا: لوگو! اے آل غدر تین دن کے اندر اپنی قتل گاہوں پر چلنے کو تیار ہو جاؤ''۔

علامہ سہیلیؒ نے آل غُدر یعنی غین کے پیش کے ساتھ لکھا ہے یعنی اگر تم لوگ مدد کو نہیں آتے تو تم غدّار ہو' غرض اس کے بعد عاتکہ نے آگے بیان کرتے ہوئے کہا:

''پھر میں نے دیکھا کہ لوگ اس کے ارد گرد جمع ہو گئے' اب وہ آنے والا وہاں سے چل کر مسجد حرام میں داخل ہوا اور لوگ اس کے پیچھے پیچھے آئے' ابھی لوگ اس کے گرد جمع ہو رہے تھے کہ وہ شخص اچانک اپنے اونٹ سمیت کعبہ کی چھت پر نظر آیا اور وہاں سے وہ پوری طاقت سے پکارا اس کے بعد وہ شخص ابوقبیس پہاڑ پر نظر آیا ور وہاں سے بھی وہ اسی طرح پکارا پھر اس نے ایک

پتھر اٹھا کر لڑھکایا جو وہاں سے لڑھکتے لڑھکتے جب پہاڑ کے دامن تک پہنچا تو اچانک ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا' اور پھر مکہ کے گھروں میں سے کوئی گھر اور مکان ایسا نہیں رہا جس میں اس کے ٹکرے نہ پہنچے ہوں"۔

خواب سن کر حضرت عباسؓ نے عاتکہ سے کہا:

"خدا کی قسم یہ بہت عجیب خواب ہے' تم خود بھی اس کو پوشیدہ رکھو اور کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا"۔

مکہ میں اس خواب کا چرچا...... اس کے بعد عباس یہاں سے نکلے تو راستہ میں ان کو ولید بن عتبہ ملا یہ ان کا دوست تھا' عباس نے خواب اس سے بیان کر دیا اور اس سے وعدہ لیا کہ وہ کسی سے نہیں کہے گا' ولید نے جا کر یہ ساری بات اپنے بیٹے عتبہ ابن ولید سے بتلا دی اور اس طرح پر خواب ایک سے دوسرے تک پہنچنے لگا اور یہ بات سارے مکہ میں عام ہو گئی۔

بنی ہاشم پر ابو جہل کی جھلاہٹ...... حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ اگلے دن میں صبح کو طواف کرنے گیا تو میں نے دیکھا کہ حرم میں ابو جہل ابن ہشام قریشیوں کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا ہوا اسی خواب کے متعلق باتیں کر رہا تھا' جوں ہی اس نے مجھے دیکھا تو کہنے لگا کہ ابو الفضل جب تم طواف سے فارغ ہو تو ذرا میرے پاس آنا' چنانچہ میں طواف کر کے اس کے پاس آیا تو وہ کہنے لگا:

"ابو الفضل! تم میں اس نبیہ کا ظہور کب ہوا ہے؟"

میں نے پوچھا کیا بات ہے؟ تو کہنے لگا کہ عاتکہ کے خواب کے متعلق کہہ رہا ہوں' میں نے کہا اس نے تو کوئی خواب نہیں دیکھا۔ اس پر وہ بولا:

"اے عبد المطلب کی اولاد! تم اس سے زیادہ آخر اور کیا چاہتے ہو' تمہارے خاندان کے مرد تو نبی ہوتے ہیں اب عورتیں بھی نبوت اور پیغمبری کا دعویٰ کرنے لگیں"۔

ایک روایت کے لفظ یوں ہیں:

"اے بنی ہاشم! کیا اتنا ہی تمہیں کافی نہیں تھا کہ تمہارے مرد جھوٹ بولتے ہیں اب عورتیں بھی جھوٹ گھڑنے لگیں"۔

تین دن تعبیر کا انتظار...... پھر ابو جہل بولا:

عاتکہ کہتی ہے کہ اس نے خواب میں اس آنے والے شخص کو یہ کہتے سنا کہ تین دن کے اندر جنگ کو چلنے کے لئے تیار ہو جاؤ' اب ہم تین دن تک انتظار کریں گے' اگر جو کچھ عاتکہ کہہ رہی ہے سچ ہے تو تین دن بعد یہ واقعہ ثابت ہو جائے گا اور اگر تین دن گزر گئے اور اس طرح کی کوئی بات پیش نہ آئی تو ہم تمہارے خلاف ایک تحریر لکھ کر لٹکا دیں گے کہ تمہارا گھرانہ عرب کا سب سے جھوٹا گھرانہ ہے۔

حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! میں نے اس کے سوا اس سے کچھ نہیں کہا کہ عاتکہ نے کوئی خواب نہیں دیکھا اور اس واقعہ سے انکار کرتا رہا۔

ایک روایت میں ہے کہ عباس نے ابو جہل سے کہا:

"او بزدل عیب دار ہیجڑے! کیا تو یہ بات کہہ رہا ہے؟ جھوٹا تو خود اور تیرا سارا گھرانہ ہے؟"

اس پر وہاں جو دوسرے لوگ جمع تھے انہوں نے حضرت عباس سے کہا'

"اے ابو الفضل! تم ہرگز بے عقل اور سٹھیائے ہوئے نہیں ہو"۔

خواتین بنی ہاشم میں ابو جہل کے خلاف غصہ...... اس راز کے کھولنے پر حضرت عباس کو ان کی بہن عاتکہ نے سخت

اذیتیں پہنچائیں۔ عباس کہتے ہیں کہ شام کو بنی عبدالمطلب کی ساری ہی عورتیں ایک ایک کر کے میرے پاس آئیں اور ہر ایک (ابوجہل کی بکواس پر غصے کی وجہ سے مجھے ملامت کرتے ہوئے) یہ کہتی تھی:

"تم نے آخر اس خبیث فاسق کی یہ بات کیسے برداشت کر لی کہ وہ تمہارے خاندان کے مردوں کی عیب جوئی کرتا رہا اور پھر اس نے عورتوں کو بھی نہیں بخشا بلکہ ان کے متعلق بھی زبان درازی کی اور تم سنتے رہے' اس کا مطلب ہے کہ تم میں غیرت ہی نہیں ہے جو تم یہ باتیں سن کر آ گئے"۔ میں نے کہا:

"نہیں یقیناً میں اس سے لڑوں گا اور اگر اس نے دوبارہ ایسی بات کہی تو میں اس سے خونریزی کروں گا"۔

تعبیر خواب کا ظہور...... آخر عاتکہ کے خواب کا تیسرا دن آ گیا' میں سخت غصے میں تھا کہ اس وقت میں نے اس معاملہ کو کیوں ٹال دیا اور چاہتا تھا کہ پھر کوئی بہانہ مل جائے' چنانچہ میں اسی حالت میں حرم میں داخل ہوا جہاں میں نے اس کو بیٹھے ہوئے دیکھا' خدا کی قسم! میں اس ارادہ سے اس کی طرف بڑھا کہ اس سے الجھوں تاکہ وہ وہی بات ایک بار پھر کہہ دے اور میں اس پر حملہ کر دوں' مگر اسی وقت میں نے دیکھا کہ وہ دوڑتا ہوا حرم کے دروازے کی طرف جھپٹا' میں سوچنے لگا کہ اس کم بخت پر خدا کی لعنت ہو شاید یہ مجھ سے ڈر کر بھاگ رہا ہے مگر فوراً ہی میں نے محسوس کیا کہ وہ ایک ایسی آواز سن کر خوفزدہ ہو رہا تھا جو میں اب تک نہیں سن سکا تھا' وہ ضمضم ابن عمرو غفاری کی آواز سن رہا تھا جو وادیٔ مکہ کے بیچ میں کھڑا ہوا پکار رہا تھا' وہ اپنے اونٹ پر کھڑا تھا جس کے کان کٹے ہوئے تھے اور اس نے اپنی قمیص پھاڑ رکھی تھی' اس حالت میں وہ چیخ چیخ کر فریاد کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا:

"اے گروہ قریش! اپنے تجارتی قافلے کی خبر لو' اپنے تجارتی قافلے کی خبر لو' تمہارا جو مال و دولت ابوسفیان لئے آ رہا تھا اس پر محمد ﷺ نے اپنے صحابہ کے ساتھ حملہ کر دیا ہے' مجھے ڈر ہے (تم اس کو نہیں پا سکو گے)"۔

ایک روایت کے لفظ یوں ہیں:

"اگر محمد ﷺ اس مال و دولت پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تو تم ہمیشہ کے لئے برباد ہو جاؤ گے۔ مدد۔ مدد!"

حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ یہ آواز سن کر میری توجہ ابوجہل کی طرف سے ہٹ گئی اور اس معاملہ کی وجہ سے اس کی توجہ بھی میری طرف سے ہٹ گئی' اب لوگوں نے جلدی جلدی جنگ کی تیاری شروع کی' وہ سب بے حد گھبرائے ہوئے تھے اور عاتکہ کے خواب کی وجہ سے سخت خوفزدہ ہو رہے تھے۔

قریش کے دم خم...... ایک روایت ہے کہ ان لوگوں نے کہا:

"کیا محمد ﷺ اور ان کے ساتھی یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تجارتی قافلہ بھی ابن حضرمی کے قافلے کی طرح ثابت ہو گا' خدا کی قسم ان کو پتہ چل جائے گا کہ یہ ویسا نہیں ہے"۔

اس تجارتی قافلے میں تمام قریشیوں کا مال لگا ہوا تھا اور قریش میں سے یا تو وہ لوگ تھے جو اس قافلے میں خود گئے تھے اور یا وہ تھے کہ انہوں نے مال دوسرے کے سپرد کر کے اس کو بھیجا ہوا تھا۔

مکہ میں جنگی تیاریاں...... (اسی وجہ سے وہ لوگ بڑی مستعدی کے ساتھ جنگ کے لئے نکلنے کی تیاری میں مصروف ہو گئے اور) مالی طور پر مضبوط لوگوں نے کمزور اور غریب لوگوں کی مدد کر کے ان کو چلنے پر آمادہ کیا' بڑے بڑے قریشی سردار لوگوں کو کوچ کرنے کے لئے اکسانے میں لگ گئے' سہل ابن عمرو نے لوگوں کے سامنے تقریر کی اور کہا:

"اے آل غالب! کیا تم اس کو برداشت کر لو گے کہ محمد ﷺ اور ان کے یثرب کے بے دین ساتھی تمہارے مال و دولت پر

قبضہ کرلیں (لہٰذا جنگ کے لئے نکلنے کے سلسلہ میں) تم میں سے جس کو مال کی ضرورت ہو تو میرا مال حاضر ہے اور جس کو کھانے کی ضرورت ہو تو میرا رزق حاضر ہے''۔

ابولہب کا خوف اور جنگ سے پہلو تہی......اس طرح قریشی سرداروں میں سے سوائے ابولہب کے کوئی ایسا نہیں رہا جو جنگ کو جانے کے لئے تیار نہ ہو گیا ہو' مگر ابولہب عاتکہ کے خواب کی وجہ سے بے حد ڈرا ہوا تھا' چنانچہ وہ کہتا تھا:

''عاتکہ کا خواب بالکل سچا خواب ہے اور اسی طرح ظاہر ہوگا''۔

ابولہب کا جنگی قائم مقام......ابولہب نے خود جانے کے بجائے عاص ابن ہشام ابن مغیرہ سے چار ہزار درہم میں معاملہ کیا کہ اس کی طرف سے وہ جنگ میں چلا جائے' ابولہب کے چار ہزار درہم عاص پر قرض تھے' ابولہب نے اسی رقم کے بدلے میں اس سے معاملہ کرلیا تھا' ابولہب نے اس سے کہا کہ تم جنگ کے لئے چلے جاؤ اور اس کے بدلے میں میرا قرض جو تمہارے ذمے ہے وہ میں چھوڑتا ہوں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عاص کے ذمہ ابولہب کے قرض کی یہ رقم سود کی رقم تھی' عاص نے اپنی غربت اور تنگ دستی کی وجہ سے ابولہب سے روپیہ قرض لیا تھا' چنانچہ ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ ابولہب نے چار ہزار سود در سود پر اس سے معاملہ کیا تھا۔

علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ ابولہب اور یہ دونوں جوا کھیلا کرتے تھے' اس جنگ کے موقعہ پر ابولہب نے اس بات پر عاص کے ساتھ جوا کھیلا کہ اگر عاص ہار جائے تو وہ ابولہب کی فرمانبرداری اور اطاعت کیا کرے چنانچہ جوئے میں ابولہب جیت گیا' اب ابولہب نے اس پر تقاضہ کر کے اس کو تنگ کرنا شروع کیا' پھر عاص نے دوبارہ وہی جوا کھیلا مگر اس دفعہ بھی ابولہب جیت گیا چنانچہ اس نے عاص کو اپنی جگہ جنگ بدر میں بھیج دیا' اس عاص ابن ہشام کو اسی غزوہ بدر میں حضرت عمر فاروقؓ نے قتل کیا تھا۔

امیہ کا جنگ سے انکار اور قریش کا دباؤ......اس جنگ کے لئے قریشی سردار ہر شخص کو لے جانے کیلئے تقاضہ کر رہے تھے' امیہ ابن خلف نے جانے سے انکار کر دیا کیونکہ یہ بوڑھا بھی تھا اور بے حد موٹا اور بھاری بدن کا تھا' یہ اپنی ایک مجلس میں دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے پاس عقبہ ابن معیط آیا جس کے ہاتھ میں بخوردان تھا اور اس میں بخورات تھے (جن سے عورتیں دھونی دیا کرتی ہیں) عقبہ نے وہ بخوردان امیہ کے سامنے لا کر رکھا اور کہنے لگا:

''اے ابوعلی! ذرا دھونی دے دوں کیونکہ تم بھی تو عورتوں ہی کی صنف سے تعلق رکھتے ہو''۔

امیہ نے کہا خدا تمہارا اور اس بخوردان کا ناس کرے' جیسا کہ فتح الباری میں ہے یہ عقبہ ابن معیط ایک نہایت بدتمیز اور منہ پھٹ آدمی تھی اور ابوجہل نے ہی اس کو اس کام پر متعین کرلیا تھا کہ جو لوگ جنگ میں جانے سے پہلو بچائیں ان کو یہ شرمندہ کرے اور غیرت دلائے۔

ایک روایت میں ہے کہ امیہ کے پاس ابوجہل آیا اور کہنے لگا:

اے ابوصفوان! تم وادی کے سرداروں میں سے ہو' ایک روایت کے لفظ ہیں کہ تم وادی کے معزز لوگوں میں سے ہو' اگر لوگوں نے تمہیں جنگ سے پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھا تو وہ بھی رک جائیں گے اس لئے ہمارے ساتھ ضرور چلو چاہے ایک دو دن کے سفر تک ہی ساتھ چلو (اس کے بعد واپس آ جانا)۔''

ان دونوں کے درست ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہوتا کہ عقبہ بھی امیہ کے پاس گیا اور ابوجہل بھی گیا ہو' چنانچہ امیہ بھی

ساتھ جانے پر راضی ہو گیا۔

امیہ کے انکار کا سبب..... امیہ کے جنگ سے پہلو بچانے کا سبب یہ تھا کہ حضرت سعدؓ ابن معاذ مدینہ سے عمرہ کرنے کیلئے مکہ آئے تھے وہ مکہ میں امیہ کے یہاں آ کر ٹھہرے کیونکہ جب یہ امیہ تجارت کے سلسلے میں شام جایا کرتا تھا تو مدینہ میں حضرت سعد ابن معاذؓ کے یہاں ٹھہرا کرتا تھا یہاں حضرت سعدؓ نے امیہ سے کہا:

''میرے لئے اس کا خیال رکھنا کہ جب بھی حرم خالی ہو تو مجھے بتانا' ممکن ہے میں بیت اللہ کا طواف کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔'' امیہ نے کہا:

''ذرا انتظار کرو! جب دوپہر ہو جائے گی اور لوگ غافل ہو جائیں گے تو چل کر طواف کر لینا''۔

سعد ابن معاذ اور ابو جہل کا جھگڑا..... ایک روایت میں ہے کہ دوپہر کے قریب امیہ حضرت سعدؓ کو لے کر حرم میں آیا' ابھی حضرت سعد طواف کر رہے تھے کہ ابو جہل وہاں آ گیا' اس نے پوچھا یہ طوف کرنے والا کون ہے؟ حضرت سعدؓ نے کہا کہ میں سعد ابن معاذ ہوں۔

یہ سن کر ابو جہل نے کہا:

تم اتنے اطمینان کے ساتھ کعبہ کا طواف کر رہے ہو حالانکہ تم لوگوں نے محمد ﷺ اور ان کے صحابہ کو پناہ دے رکھی ہے' ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ تم لوگوں نے ان بے دینوں کو پناہ دے رکھی ہے اور ساتھ ہی یہ خیال بھی کئے بیٹھے ہو کہ تم لوگ محمد ﷺ کی مدد حمایت کرو گے! خدا کی قسم اگر تو ابو صفوان یعنی امیہ کے ساتھ نہ ہوتا تو زندہ بچ کر اپنے گھر والوں کے پاس نہ جا سکتا''۔

اس پر ان دونوں میں تیز کلامی اور جھگڑا ہونے لگا۔ حضرت سعدؓ بہت زور زور سے کہنے لگے:

''خدا کی قسم اگر تو نے مجھے طواف کرنے سے روکا تو میں تجھے اس چیز سے روک دوں گا جو تیرے لئے اس سے بھی زیادہ سخت بات ہوگی' میں تجھے مدینہ سے گزرنے سے روک دوں گا (جہاں سے ہو کر تم لوگ تجارت کے لئے ملک شام کو جاتے ہو)''۔

اُمیہ کے قتل کے متعلق آنحضرت ﷺ کی پیشن گوئی..... حضرت سعدؓ چونکہ بہت بلند آواز سے بول رہے تھے اس لئے امیہ انہیں بار بار روکتا تھا کہ ابوالحکم یعنی ابو جہل کے سامنے اتنا زور زور سے مت چیخو کیونکہ وہ وادی کے لوگوں کا سردار ہے' وہ بار بار حضرت سعدؓ کو خاموش کرنے لگا' حضرت سعدؓ نے امیہ سے کہا:

تم بھی سن لو! میں نے محمد ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ وہ تمہیں قتل کریں گے!''

امیہ کی بدحواسی..... امیہ نے گھبرا کر پوچھا' مجھے؟ انہوں نے کہا' ہاں۔ امیہ نے کہا مکہ ہی میں۔ حضرت سعدؓ نے کہا یہ میں نہیں جانتا' یہ سن کر امیہ کہنے لگا:

''خدا کی قسم! محمد ﷺ نے کبھی کوئی غلط بات نہیں کہی''۔

امیہ اس خبر پر اتنا بدحواس ہو گیا کہ پاجامے میں اس کا پیشاب نکلنے لگا' وہ گھبرایا ہوا گھر پہنچا اور بیوی سے کہنے لگا کہ معلوم ہے میرے یثربی بھائی یعنی سعدؓ ابن معاذ نے کیا کہا ہے؟ اس نے پوچھا کیا کہا ہے' تو امیہ نے بتلایا کہ اس کے دعویٰ کے مطابق محمد ﷺ نے کہا ہے کہ وہ مجھے قتل کرنے والے ہیں' امیہ کی بیوی بولی کہ محمد ﷺ نے کبھی کوئی غلط بات نہیں کہی ہے۔

چنانچہ اس واقعہ کے بعد جب ابوسفیان کا قاصد مکہ آیا اور اس نے چیخ چیخ کر قافلے پر حملے کی اطلاع دی اور لوگوں نے جنگ کیلئے نکلنے کا ارادہ کیا تو امیہ کی بیوی نے اس سے کہا کہ کیا وہ بات بھول گئے جو تمہارے یثربی بھائی نے تم سے کہی تھی' امیہ نے کہا تب تو میں

اس موقعہ پر ہر گز نہیں جاؤں گا' چنانچہ اس نے فیصلہ کر لیا بلکہ حلف اٹھا کر قسم کھائی کہ میں مکہ سے باہر ہر گز نہیں نکلوں گا' پھر عتبہ اور ابو جہل نے آکر اس کو شرم دلائی اور اصرار کیا تو وہ یہ فیصلہ کر کے چلنے پر تیار ہو گیا کہ میں راستے میں سے لوٹ آؤں گا۔

جہاں تک اس جملہ کا تعلق ہے کہ آنحضرت ﷺ اس کو قتل کریں گے اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ اسکے قتل کا سبب بنیں گے ورنہ آنحضرت ﷺ نے سوائے امیہ کے بھائی ابی ابن خلف کے کسی کو خود قتل نہیں کیا اس کو غزوہ احد میں قتل کیا گیا تھا جیسا کہ آگے بیان آئیگا' غرض آنحضرت ﷺ امیہ کے قتل کا سبب تھے چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے کہ سعدؓ ابن معاذ نے امیہ سے کہا کہ محمد ﷺ کے صحابہ تجھے قتل کریں گے ادھر یہ بھی ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت سعدؓ کے سامنے یہ فرمایا ہو کہ میں ابی ابن خلف کو قتل کرونگا اور سعد نے یہ سمجھا ہو کہ آپ ﷺ نے ابی کے بجائے امیہ ابن خلف کے بارے میں فرمایا ہے۔

پانچ قریشی سرداروں کی قرعہ اندازی...... کتاب امتاع میں ہے کہ امیہ ابن خلاف' عتبہ اور شیبہ ابن ربیعہ' زمعہ ابن اسود اور حکیم ابن حزام نے تیروں کے ذریعہ پانسہ ڈالا تھا جس میں انکار والا تیر نکلا تھا کہ یہ لوگ جنگ میں نہ جائیں یعنی وہ تیر نکلا تھا جس پر یہ لکھا ہوتا تھا کہ "مت کرو" لہٰذا ان سب نے مل کر فیصلہ کر لیا کہ یہ لوگ جنگ میں نہیں جائیں گے' مگر پھر ان کے پاس ابو جہل آیا اور اس نے انہیں لے جانے پر اصرار کر لیا' اس سلسلہ میں عقبہ ابن معیط اور نضر ابن حرث نے بھی ابو جہل کا ساتھ دیا اور ان لوگوں پر ساتھ چلنے کے لئے اصرار کیا۔

عداس کی طرف سے آقاؤں کو روکنے کی کوشش...... کہا جاتا ہے کہ عداس نے اپنے آقاؤں عتبہ اور شیبہ ابن ربیعہ سے کہا تھا کہ خدا کی قسم آپ دونوں جنگ میں نہیں بلکہ اپنی قتل گاہ میں جا رہے ہیں' اس پر ان دونوں نے جنگ میں نہ جانے کا فیصلہ کر لیا تھا مگر ابو جہل کا اصرار اتنا بڑھا کہ یہ دونوں اس نیت سے اسکے ساتھ جانے پر تیار ہو گئے کہ راہ میں سے واپس آجائیں گے۔

قریشی لشکر کا طمطراق اور کوچ...... آخر قریش کے لوگ تین دن میں' اور ایک قول کے مطابق دو دن میں اپنی تیاریوں سے فارغ ہو گئے اور اب انہوں نے کوچ کرنے کا فیصلہ کیا' ان کے لشکر کی تعداد ساڑھے نو سو تھی' ایک قول ہے کہ ایک ہزار تھی' ان کے ساتھ سو گھوڑے تھے جن کے سوار زرہ پوش' نیز ان کے علاوہ ایک سو پیدل زرہ پوش تھے' یہ لوگ جلدی کی وجہ سے سخت اور دشوار گزار راستوں کی پرواہ کئے بغیر روانہ ہوئے ان کے ساتھ گانے بجانے والیاں بھی تھیں۔ کتاب امتاع میں بھی ہے کہ ان کے ساتھ گانے والیاں تھیں جو دف بجا بجا کر ایسے گانے گا رہی تھیں جن میں مسلمانوں کی ہجو اور برائی کی گئی تھی۔

قریش اور بنی کنانہ کی پرانی آویزش...... آگے اُحد کے موقعہ پر قریشی عورتوں کے بھی لشکر کے ساتھ نکلنے کا بیان آئے گا جس میں ہے کہ ان کے ساتھ دف اور باجے تھے۔

غرض اس روانگی کے وقت ان کو بنی کنانہ کی طرف سے بھی اندیشہ تھا کہ کہیں وہ پیچھے سے آکر ان پر حملہ نہ کر دیں کیونکہ قریش اور بنی کنانہ کے درمیان سخت دشمنی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ قریشیوں نے ایک دفعہ بنی کنانہ کے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا' اسی طرح بنی کنانہ نے بھی قریش کے ایک نوجوان کو قتل کر دیا تھا جس کا واقعہ یہ ہوا تھا کہ ایک قریشی نوجوان جو نہایت حسین و خوبصورت اور بہترین کپڑے پہنے ہوئے تھا اپنی کسی گمشدہ چیز کی تلاش میں نکلا' اس کا گزر بنی کنانہ کے علاقہ میں بھی ہوا' وہاں بنی کنانہ کا سردار عامر ابن خلوج بھی بیٹھا ہوا تھا اس نے اس قریشی نوجوان کو دیکھا تو یہ اسے بہت اچھا لگا اس نے اس سے پوچھا کہ لڑکے تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ میں قریشی ہوں' اس کے بعد جب یہ نوجوان وہاں سے واپس ہونے لگا تو عامر نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا:

"کیا قریش کے ذمہ تمہارا کوئی خون نہیں ہے"؟

لوگوں نے کہا بے شک ہے' عامر نے ان لوگوں کو ابھار دیا اور انہوں نے اس نوجوان کو قتل کر ڈالا' اس کے بعد بنی کنانہ نے قریش سے یہ کہہ دیا کہ ایک آدمی کے بدلے میں ایک آدمی کو قتل کر دیا گیا ہے (لہٰذا آپ کو ہم پر چڑھ دوڑنے کا کوئی موقع نہیں ہے) اس کو قریش نے بھی مان لیا ہاں ایک جان کے بدلے میں ایک جان ہو گئی ہے۔

اس کے بعد اتفاق سے ایک مرتبہ مقتول شخص کے بھائی کو مرظہران کے مقام پر عامر مل گیا اس نے فوراً تلوار بلند کر کے عامر پر حملہ کر دیا اور اس کو قتل کر دیا پھر اس نے اسی کی تلوار سے اس کا پیٹ چاک کر دیا' پھر اس کے بعد رات کے وقت حرم میں آ کر اس کی تلوار غلاف کعبہ کے ساتھ لٹکا دی' صبح کو قریش نے عامر کی تلوار وہاں دیکھی وہ اس کو بھی پہچان گئے اور یہ بھی پہچان گئے کہ اس کا قاتل کون ہے۔

سرداران قریش ابلیس کے دام میں...... اس واقعہ پر قریب تھا کہ قریش جنگ کے لئے کوچ کا ارادہ ملتوی کر دیں کہ ان کے سامنے ابلیس ظاہر ہوا جو سراقہ بن مالک مدلجی کی شکل میں تھا' سراقہ بنی کنانہ کے معزز لوگوں میں سے ایک شخص تھا۔ اس نے قریشیوں سے کہا:

"میں تمہیں بنی کنانہ کی طرف سے امان دیتا ہوں کہ وہ اس موقعہ پر پشت سے آ کر تم پر نہ حملہ کریں گے اور نہ کوئی ایسی بات کریں گے جس سے تمہارے لئے دشواریاں پیدا ہوں"۔

اس اطمینان دہانی پر قریش کے لوگوں کی گھبراہٹ دور ہو گئی اور وہ تیزی کے ساتھ روانہ ہو گئے ان کے ساتھ ہی شیطان بھی اس بھیس میں چلا اور ان کو یہ اطمینان دلایا کہ بنی کنانہ تمہاری مدد کے لئے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں' اس نے قریش کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا:

"آج کوئی شخص تم پر غالب نہیں آ سکتا' میں تمہاری مدد پر ہوں"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ سے روانگی...... ادھر جب آنحضرت ﷺ مدینہ سے روانہ ہوئے تھے تو آپ ﷺ نے بیر عتبہ نامی کنویں کے پاس لشکر کو پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا' آپ ﷺ نے صحابہ کو اس کنویں سے پانی پینے کا حکم دیا اور خود بھی پیا۔

کتاب امتاع میں ہے کہ آپ ﷺ نے بیوت سقیاء نامی چشمے کے پاس پڑاؤ ڈالا' یہ جگہ مدینہ سے دو دن کے سفر پر تھی' اس کنویں سے آنحضرت ﷺ کے لئے پانی لایا جاتا تھا' ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے غلام رُباح آپ ﷺ کے لئے ایک دفعہ بیر غرس نامی کنویں سے پانی لاتے تھے اور ایک مرتبہ بیوت سقیاء نامی چشمے سے لاتے تھے۔

کمسن مجاہدوں کو واپسی کا حکم...... جب آپ ﷺ بیوت سقیاء سے نکل گئے تو آپ ﷺ حکم دیا کہ مسلمانوں کو شمار کیا جائے چنانچہ بیر عتبہ کے پاس ٹھہر کر تعداد شمار کی گئی' یہ جگہ مدینہ سے ایک میل کے فاصلے پر ہے' چنانچہ صحابہ آپ ﷺ کے سامنے پیش ہوئے' ان میں جو کم عمر تھے آپ ﷺ نے ان کو واپس فرما دیا ان واپس کئے جانے والوں میں اسامہ ابن زید' رافع ابن خدیج' براء ابن عازب' اسید ابن ظہیر' زید ابن ارقم اور زید ابن ثابت رضی اللہ عنہم شامل تھے۔

آپ نے عُمیر ابن وقاص کو بھی واپس ہونے کا حکم دے دیا تھا جس پر وہ رونے لگے' آخر پھر آپ ﷺ نے ان کو جنگ پر چلنے کی اجازت دے دی' چنانچہ وہ جنگ میں شریک ہوئے اور شہید ہو گئے' اس وقت ان کی عمر سولہ سال تھی' مگر ان کو واپسی کا حکم دینے کے سلسلے میں اشکال ہوتا ہے' کیونکہ ہمارے شافعی علماء کے نزدیک پندرہ سال کی عمر بالغ ہونے کی عمر ہے۔

لشکر اسلام کا معائنہ...... آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس لشکر میں تین سو پانچ (۳۰۵) صحابہ تھے' ان میں چونسٹھ (۶۴) مہاجرین تھے اور باقی انصاری مسلمان تھے' ایک قول یہ ہیکہ مہاجرین کی تعداد اسّی (۸۰) سے کچھ زیادہ تھی اور انصاریوں کی تعداد دو سو چالیس (۲۴۰) سے کچھ اوپر تھی۔

مجاہدین بدر کی ناموں کی برکت...... امام دوانی نے لکھا ہے کہ میں نے مشائخ حدیث سے سنا ہے کہ اصحاب بدر کا نام لے کر جو دعا کی جاتی ہے وہ مقبول ہوتی ہے' وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس کا تجربہ بھی کیا ہے (جو صحیح ثابت ہوا)۔

حضرت عثمانؓ کو مدینہ میں ٹھہرنے کا حکم...... حضرت عثمانؓ کو آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں ہی چھوڑ دیا تھا کیونکہ آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ یعنی حضرت عثمانؓ کی بیوی بیمار تھیں۔ ایک قول ہے کہ خود حضرت عثمانؓ بیمار تھے اور ان کے چیچک نکلی ہوئی تھی' بہر حال دونوں ہی باتیں رہی ہوں تو بھی کوئی شبہ کی بات نہیں ہے' آپ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو مدینہ میں ٹھہرنے کا حکم دے کر فرمایا کہ تمہارے لئے ایک آدمی کا اجر بھی ہے اور ایک آدمی یعنی مجاہد کا حصہ بھی ہے۔

ابوامامہ ابن ثعلبہ کی والدہ اگر چہ بیمار تھیں مگر ابوامامہ نے جنگ میں جانے کا فیصلہ کرلیا' مگر پھر آنحضرت ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اپنی والدہ کے پاس ٹھہریں' جب آپ ﷺ غزوہ بدر سے واپس آئے تو ان کا انتقال ہو چکا تھا' آپ ﷺ نے ان کی قبر پر جا کر ان کی نماز پڑھی۔

مدینہ میں آنحضرت ﷺ کی قائم مقامی...... آنحضرت ﷺ نے اس موقعہ پر حضرت ابولبابہؓ کو مدینہ کے والی کی حیثیت سے اپنا قائم مقام بنایا' یہ بیر ابوعتبہ تک آپ ﷺ کے ساتھ ہی تھے' مگر یہاں آپ ﷺ نے ان کو اپنا قائم مقام متعین فرما کر واپس مدینہ بھیج دیا' کتاب اصل یعنی عیون الاثر میں یوں ہی ہے' دوسرا مشہور قول یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو روحاء کے مقام سے واپس فرمایا تھا' یہ مدینہ سے دورات کی مسافت پر ایک گاؤں تھا جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔

مدینہ میں امامت کے جانشین...... اپنی عدم موجودگی کے دوران مدینہ میں آپ ﷺ نے حضرت ابن ام مکتومؓ کو مسلمانوں کا امام متعین فرمایا کہ وہ نماز پڑھایا کریں' اسی طرح قبا والوں کا والی حضرت عاصمؓ کو بنایا' نیز ان کو ہی اہل عالیہ کا والی بھی متعین فرمایا جس کی وجہ یہ تھی کہ جن منافقوں نے مسجد ضرار بنائی تھی ان کے متعلق آپ ﷺ کو کچھ تشویشناک خبریں ملی تھیں لہٰذا آپ ﷺ نے ان کے معاملات کو دیکھنے کے لئے حضرت عاصم ابن عدی کو والی بنایا۔

خوات کی غزوہ بدر میں شرکت سے معذوری...... اسی طرح روحاء کے مقام پر حضرت خوّاتؓ ابن جبیر کے چوٹ آ گئی۔ (ی) علامہ ابن عبدالبر نے موسیٰ ابن عقبہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ خوّات ابن جبیر آنحضرت ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے مگر جب وہ صفراء کے مقام پر پہنچے تو ان کی ٹانگ میں ایک پتھر سے چوٹ لگ گئی اور خون بہہ نکلا جس کی وجہ سے وہ چلنے کے قابل نہ رہے اس لئے وہ واپس ہو گئے اسی لئے آنحضرت ﷺ نے مال غنیمت میں ان کا حصہ لگایا۔ مگر مؤرخین و محدثین کہتے ہیں کہ وہ جنگ بدر میں شریک ہوئے ہیں۔

خوّات سے آنحضرت ﷺ کا مزاح...... ان کا جاہلیت کے زمانہ کا ایک قصہ ذات النحیین کے ساتھ مشہور ہے جس کے متعلق عرب میں ایک کہاوت بھی چلتی تھی کہ ذات النحیین کی وجہ سے دھیان بٹ گیا (ذات النحیین ایک لڑکی تھی) اس کا نام خولہ تھا' ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خوّات ابن جبیر سے ایک مرتبہ ذات النحیین کے بارے میں پوچھا اور آپ ﷺ مسکرانے لگے خوّات نے کہا:

''یارسول اللہ! مجھے اللہ تعالیٰ نے اب اس سے بہتر عورت دے دی ہے اور میں گو ریعنی بھڑوں کے چھتہ کے بعد حور سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں''۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اسی قصہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک مرتبہ ان سے پوچھا:

''تمہارے بدکنے والے اونٹ کا کیا ہوا؟'' انہوں نے کہا:

''یارسول اللہ! اس کو اسلام نے گرفتار کر کے باندھ دیا ہے''۔

ایک قول یہ ہے کہ اونٹ کے متعلق اس سوال میں آنحضرت ﷺ نے ذات النحیین کے واقعہ کی طرف اشارہ نہیں فرمایا تھا بلکہ ایک دوسرے واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا تھا جو یہ تھا کہ ایک دفعہ جاہلیت کے زمانے میں خوات کچھ عورتوں کے پاس سے گزر رہے تھے کہ ان کا حسن و جمال ان کو بھا گیا' انہوں نے ان عورتوں سے کہا کہ میرے اونٹ کیلئے جوان کے خیال میں بدکنے والا اونٹ تھا' ایک رسی بٹ دو' یہ کہہ کر اس بہانے سے یہ خوات ان عورتوں کے پاس بیٹھ گئے۔ اسی وقت جب کہ یہ وہاں بیٹھے ان عورتوں سے باتوں میں لگے ہوئے تھے وہاں سے آنحضرت ﷺ کا گزر ہوا۔ آنحضرت ﷺ ان کو دیکھ کر ان کی یا ان عورتوں کی طرف توجہ دیئے بغیر گزر گئے (یعنی آپ ﷺ انکے وہاں بیٹھنے کا مقصد سمجھ گئے مگر ان کو نظر انداز کر کے گزر گئے) جب یہ خوات مسلمان ہوئے تو آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے ان سے اس اونٹ کے متعلق سوال کیا (جو گذشتہ سطروں میں بیان ہوا ہے)۔

لشکر اسلام کے جاسوس...... اسی طرح حرث ابن صمہ کے بھی چوٹ آ گئی تھی' ادھر رسول اللہ ﷺ نے طلحہؓ ابن عبید اللہ اور سعیدؓ ابن زید کو جاسوس کی حیثیت سے آگے روانہ کیا تا کہ وہ قریش کے تجارتی قافلے کی خبریں لائیں۔

غرض آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کو مدینہ سے ہی خبریں معلوم کرنے کے لئے بھیج دیا تھا' اس لئے یہ دونوں جنگ میں شریک نہیں ہوئے کیونکہ خبریں معلوم کرنے کے بعد یہ دونوں اس خیال سے واپس مدینہ ہی آئے کہ آپ ﷺ مدینہ میں ہوں گے یہاں جب انکو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ جا چکے ہیں تو یہ دونوں بدر کیلئے روانہ ہو گئے مگر راستہ ہی میں انکی آنحضرت ﷺ سے ملاقات ہوگئی جب کہ آپ ﷺ غزوہ بدر سے فارغ ہو کر واپس تشریف لا رہے تھے آپ ﷺ نے مال غنیمت میں سے ان دونوں کا حصہ نکالا' مجاہدوں میں آپ ﷺ جس کا حصہ بھی دیتے وہ یہی پوچھتا:

''یارسول اللہ! میرا جو ثواب ہے وہ بھی باقی ہے؟''

آپ ﷺ فرماتے ہاں تمہارے لئے اجر بھی ہے۔

غزوہ بدر کے اسلامی پرچم...... اس غزوہ کا جنگی پرچم سفید تھا آنحضرت ﷺ نے یہ اسلامی جھنڈا حضرت مصعبؓ ابن عمیر کو عنایت فرمایا۔ آنحضرت ﷺ کے آگے آگے لشکر میں دو سیاہ رنگ کے جھنڈے تھے' ان میں سے ایک حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تھا اس پرچم کا نام عقاب تھا' یہ پرچم حضرت عائشہؓ کی چادر میں سے بنایا گیا تھا۔

قریش کا پرچم...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ ابوسفیان ابن حرب جو قریش کے نہایت بلند مرتبہ سرداروں میں سے تھا اس کے پاس ایک پرچم تھا جس کا نام عقاب تھا اور جنگوں میں اس پرچم کو صرف ابوسفیان ہی اپنے ہاتھ میں رکھتا تھا یا پھر کوئی ایسا شخص اپنے ہاتھ میں لے سکتا تھا جو اس کے برابر معزز اور بلند مرتبہ سردار ہو۔ آگے بیان آ رہا ہے کہ اس غزوہ بدر میں اس عقابی پرچم کو جس شخص نے اٹھا رکھا تھا وہ امام شافعی کی پانچویں پشت کا باپ یعنی سائب بن یزید تھا۔

آنحضرت ﷺ کے آگے آگے لے جایا جانے والا دوسرا پرچم ایک انصاری مسلمان کے ہاتھ میں تھا (اور یہ بھی سیاہ رنگ کا تھا) مگر ابن قتیبہ نے غزوہ بدر کے ذکر میں صرف اس سفید جھنڈے کا ذکر کیا ہے جو حضرت مصعبؓ کے ہاتھ میں آنحضرت ﷺ نے دیا تھا' بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ دوسرا سیاہ پرچم جس انصاری کے ہاتھ میں تھا وہ حضرت سعدؓ ابن معاذ تھے اور ایک قول کے مطابق حضرت حباب ابن منذرؓ تھے۔

ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ بدر میں آنحضرت ﷺ نے اسلامی پرچم حضرت علیؓ کے ہاتھ میں دیا اور اس وقت ان کی عمر بیس سال تھی۔

کتاب ھدیٰ میں یہ ہے کہ مہاجرین کا جھنڈا حضرت مصعب ابن عمیرؓ کے ہاتھ میں تھا' اسی طرح قبیلہ خزرج کا جھنڈا حضرت حباب ابن منذرؓ کے ہاتھ میں تھا اور قبیلہ اوس کا پرچم حضرت سعد ابن معاذؓ کے ہاتھ میں تھا' مگر اس روایت میں ان دو سیاہ جھنڈوں کا ذکر نہیں ہے (جن میں سے ایک حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تھا جو مہاجرین کا پرچم تھا اور دوسرا کسی انصاری کے ہاتھ میں تھا جو انصاریوں کا پرچم تھا)۔

کتاب امتاع میں بھی یوں ہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس موقعہ پر تین جھنڈے بنائے تھے' ایک جھنڈا حضرت مصعب ابن عمیرؓ کے پاس تھا باقی دو پرچم سیاہ رنگ کے تھے جن میں سے ایک حضرت علیؓ کے پاس اور دوسرا کسی انصاری کے پاس تھا۔

کتاب اصل کے حوالے سے آگے آئے گا کہ آنحضرت ﷺ کے لئے جو عریش یعنی چھپر ڈالا گیا تھا اس کی نگہبانی حضرت سعد ابن معاذؓ کرتے تھے۔

(ی) حضرت سعد ابن معاذ کے ہاتھ میں پرچم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ روانگی کے وقت اور راستے میں ان کے پاس رہا (کیونکہ عریش کی نگہبانی اور پرچم برادری دونوں ایک ساتھ سمجھ میں نہیں آتیں) مگر اس تفصیل کے بعد اس میں کوئی اشکال نہیں رہتا کیونکہ ممکن ہے میدان بدر میں پہنچ کر حضرت سعد ابن معاذؓ نے آنحضرت ﷺ کے حکم پر پرچم کسی دوسرے شخص کے سپرد کر دیا ہو تاکہ خود عریش میں آپ ﷺ کی نگہبانی کے فرائض انجام دے سکیں۔

عسکری لباس میں آنحضرت ﷺ کی دعا...... آنحضرت ﷺ نے اس موقعہ پر اپنی زرہ زیب تن فرمائی جس کا نام ذات الفضول تھا اسی طرح آپ ﷺ نے اپنی تلوار جس کا نام "عضب" تھا حمائل فرمائی' جب آپ ﷺ بیوت السقیاء سے آگے بڑھے تو آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

"اَللّٰھُمَّ اِنَّھُمْ حُفَاۃٌ فَاحْمِلْھُمْ وَعُرَاۃٌ فَاکْسِھِمْ وَجِیَاعًا فَاشْبِعْھُمْ وَعَالَۃٌ فَاغْنِھِم مِنْ فَضْلِكَ"۔

"اے اللہ! یہ مسلمان پیادہ پا ہیں ان کو سواریاں عطا فرما دے' یہ ننگے ہیں ان کو لباس عطا فرما دے' یہ بھوکے ہیں ان کو شکم سیری عطا فرما دے اور یہ لوگ مسکین و غریب ہیں ان کو اپنے فضل و کرم سے غنی اور خوشحال بنا دے۔

دعا کی قبولیت...... چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی اور غزوہ بدر سے واپس آنے والوں میں سے کوئی شخص ایسا نہیں تھا کہ اگر اس نے سواری پر جانا چاہا تو اس کو ایک دو ایسے اونٹ نہ مل گئے ہوں جن کو وہ استعمال کر سکے اسی طرح جن کے پاس کپڑے نہیں تھے ان کو پہننے اوڑھنے کے لئے کپڑے مل گئے' اسی طرح دشمن کا سامان رسد اتنا ملا کہ کھانے پینے کی کوئی تنگی نہیں رہی' اسی طرح جنگی قیدیوں کی رہائی کا اتنا زبردست معاوضہ ملا کہ ہر ہر خاندان دولت مند ہو گیا۔

آنحضرت ﷺ کی طرف سے غیر مسلم کی مدد لینے سے انکار...... مدینہ میں حبیب ابن یساف نامی ایک نہایت

طاقتور اور بہادر شخص تھا، یہ شخص قبیلہ خزرج کا تھا اور غزوہ بدر کے موقعہ تک مسلمان نہیں ہوا تھا مگر یہ بھی اپنی قوم خزرج کے ساتھ جنگ کیلئے روانہ ہوا اور جنگ جیتنے کی صورت میں اس کو مال غنیمت ملنے کی بھی امید تھی، مسلمانوں کو اس سے بہت خوشی ہوئی کہ یہ بھی ان کے ساتھ جنگ میں شریک ہو رہا ہے، مگر آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا:

"ہمارے ساتھ صرف وہی جنگ میں جائے گا جو ہمارے دین پر ہے، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اس لئے تم واپس جاؤ ہم مشرک کی مدد نہیں لینا چاہتے"۔

آگے غزوہ احد کے واقعہ میں آئے گا کہ آنحضرت ﷺ نے جب سردار منافقین عبداللہ ابن ابی ابن سلول کے ساتھیوں کو لشکر سے واپس کیا تو یہ فرمایا تھا کہ ہم مشرکوں کے مقابلے میں مشرکوں کی مدد نہیں لیں گے۔

ان حبیب ابن یساف کو آنحضرت ﷺ دو مرتبہ واپس لوٹا چکے تھے، آخر تیسری مرتبہ میں آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ کیا تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں اور اس کے بعد یہ مسلمان ہو گئے، پھر انہوں نے نہایت بہادری کے ساتھ زبردست جنگ کی۔

کتاب امتاع میں یوں ہے کہ یہ حبیب ابن یساف مسلمان کی حیثیت سے روحاء کے مقام پر آکر اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے تھے مگر اس سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا کیونکہ ممکن ہے یہ روحاء سے پہلے مسلمان ہوئے ہوں۔

اس غزوہ کے لئے روانگی سے پہلے آنحضرت ﷺ نے ایک یا دو دن روزے رکھے، پھر آپ ﷺ کے قاصد نے آپ ﷺ کی طرف سے یہ اعلان کیا کہ اے سرکشوں کے گروہ! میں افطار کر چکا ہوں اس لئے اب تم بھی روزے نہ رکھو۔

اس اعلان کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ اس سے پہلے آنحضرت ﷺ نے لوگوں کے پاس کہلایا تھا کہ اب روزے مت رکھو بلکہ کھاؤ پیو، مگر لوگوں نے روزہ نہیں چھوڑا تھا۔ آگے فتح مکہ کے بیان میں بھی آئیگا کہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو افطار کا حکم دیا تھا مگر کچھ لوگوں نے اس پر عمل نہیں کیا جس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ لوگ سرکش یعنی گنہگار ہیں۔

لشکر میں اونٹوں کی تعداد...... کوچ کے وقت صحابہ کے اونٹوں کی تعداد جو ان کے ساتھ تھے ستر تھی اسلئے ایک ایک اونٹ تین تین آدمیوں کے لئے کرنا پڑا اور ہر ایک باری باری سوار ہوتا تھا، البتہ ایک اونٹ چار آدمیوں پر بھی تقسیم تھا جن میں سے حضرت حمزہؓ زیدؓ ابن حارثہ، ابی کبشہؓ اور آنحضرت ﷺ کے غلام انیسہؓ شامل تھے یہ چاروں ایک اونٹ پر باری باری سوار ہوتے تھے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے حکم پر غزوہ بدر کے موقعہ پر اونٹوں کی گردنوں سے گھنٹیاں نکال دی گئی تھیں۔ کتاب امتاع میں یہ ہے کہ غزوہ بدر کے موقعہ پر اونٹوں کی کمی کی وجہ سے ایک ایک اونٹ دو دو اور تین تین اور چار چار آدمیوں کے حصے میں آیا تھا، یہاں تک امتاع کا حوالہ ہے۔

چنانچہ ایک اونٹ میں رسول اللہ ﷺ، حضرت علیؓ کے ساتھ مرثدؓ شریک تھے اور باری باری بیٹھتے تھے۔

ایک روایت میں آنحضرت ﷺ اور حضرت علیؓ کے ساتھ مرثدؓ کے بجائے ابولبابہؓ کا نام ہے، مگر یہ ابولبابہؓ روحاء کے مقام سے واپس مدینہ بھیج دیئے گئے تھے لہٰذا جب تک یہ ساتھ رہے آنحضرت ﷺ اور حضرت علیؓ کے اونٹ میں شریک تھے پھر ان کے واپس کئے جانے کے بعد ان کی جگہ مرثدؓ نے لے لی۔ ایک قول کے مطابق ان کی جگہ زیدؓ ابن حارثہ آگئے تھے، مگر ایک قول یہ ہے کہ حضرت زیدؓ، حضرت حمزہؓ کے ساتھ تھے جیسا کہ گزرا، یہ ممکن ہے کہ حضرت زیدؓ کبھی حضرت حمزہؓ کے ساتھ رہتے ہوں اور کبھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے اونٹ میں شریک رہتے ہوں۔

مساوات کا عملی نمونہ......(غرض آنحضرت ﷺ کے ساتھ دو ساتھی اس اونٹ میں شریک تھے اور تینوں اپنی اپنی باری پر سوار ہوتے تھے یعنی ایک سوار ہوتا تو بقیہ دو ساتھی پیدل چلتے) مگر جب بھی آنحضرت ﷺ کے پیدل چلنے کی باری آتی تو آپ ﷺ کے دونوں ساتھی عرض کرتے کہ نہیں آپ ﷺ سوار رہیں ہم پیدل چلیں گے' مگر آپ ﷺ فرماتے:

''تم دونوں پیدل میں مجھ سے زیادہ مضبوط نہیں ہو اور نہ میں تمہارے مقابلے میں اس کے اجر سے بے نیاز ہوں''۔

ایک معجزہ نبوی......اسی طرح حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہم ایک اونٹ میں شریک تھے' نیز رفاعہ و خلاد ابن رافع ورعبید ابن یزید انصاری رضی اللہ عنہم ایک اونٹ میں شریک تھے ان کا اونٹ روحاء کے مقام پر پہنچا تو تھک کر بیٹھ گیا' اسی وقت وہاں سے آنحضرت ﷺ کا گزر ہوا تو ان لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمارا اونٹ تھک کر بیٹھ گیا ہے (یعنی اس کی ہمت جواب دینے لگی ہے) آپ نے فوراً پانی منگوایا اور منہ میں کچھ پانی لے کر ایک برتن میں کلی کر دی۔

امتاع میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے اس پانی سے کلی کی اور وضو کر کے وہ پانی ایک برتن میں جمع کیا' پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اونٹ کا منہ کھولو' چنانچہ آپ ﷺ نے اس برتن کا کچھ پانی تو اونٹ کے منہ میں ڈالا اور باقی اس کے بدن پر ڈال دیا' پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب سوار ہو کر روانہ ہو جاؤ' چنانچہ وہ اونٹ تیز رفتاری سے چل کر لشکر سے جاملا اور اس پر تھکان کا نشان بھی نہ رہا۔

لشکر اسلام کی تعداد......یہاں آپ ﷺ نے لشکر کے معائنہ کا حکم دیا' ممکن ہے آپ ﷺ نے روحاء کے بعد دوبارہ معائنہ کا حکم دیا ہو کیونکہ اس سے پہلے آپ ﷺ بیر ابی عتبہ نامی کنویں پر لشکر کا معائنہ فرما کر ابولبابہ کو وہاں سے واپس فرما چکے تھے' غرض جب یہاں لشکر کا معائنہ اور شمار کیا گیا تو معلوم ہوا کہ لشکر کی تعداد تین سو تیرہ ہے' آپ ﷺ یہ جان کر بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ یہ وہی تعداد ہے جو طالوت کے ان ساتھیوں کی تھی جو اس کے ساتھ نہر تک پہنچے تھے۔

لشکر کی تعداد کے متعلق ابن جریر کے کہنے کے مطابق عام سلف کا قول یہی ہے اب جن لوگوں نے تعداد اس سے زیادہ بتلائی ہے انہوں نے شاید ان لوگوں کو بھی ان میں شامل کر لیا ہے جن کو رسول اللہ ﷺ نے روحاء کے مقام سے واپس فرما دیا تھا اور میدان جنگ میں غیر حاضر ہونے کے باوجود جن کا آپ ﷺ نے مال غنیمت میں حصہ لگایا تھا (جن کی تفصیل گذشتہ سطروں میں ذکر ہوئی ہے)۔

ادھر بعض علماء نے لشکر کی تعداد تین سو تیرہ سے کم بھی لکھی ہے مثلاً تین سو پانچ' تین سو چھ اور تین سو سات تک بیان کی ہے اس کا جواب واضح ہے۔

لشکر میں گھوڑوں کی تعداد......اس لشکر میں گھوڑوں کی تعداد صرف پانچ تھی ان میں سے دو گھوڑے آنحضرت ﷺ کے تھے' ایک گھوڑا حضرت مرثدؓ کا تھا جس کا نام سیل تھا اور ایک گھوڑا حضرت مقداد ابن اسودؓ کا تھا' ان مقداد کو اسود کا بیٹا اس لئے کہا جاتا ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں اسود نے حضرت مقداد کو گود لے لیا تھا اور پرورش کیا تھا جیسا کہ بیان ہوا' اس گھوڑے کا نام سبحہ تھا' اور پانچواں گھوڑا حضرت زبیرؓ کا تھا جس کو یعسوب کہا جاتا تھا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ اس لشکر میں صرف دو ہی گھوڑے تھے ایک مقدادؓ کا گھوڑا تھا اور دوسرا حضرت زبیرؓ کا گھوڑا تھا' حضرت علیؓ کی روایت یہ ہے کہ غزوہ بدر کے موقعہ پر سوائے مقداد کے ہم میں سے کسی کے پاس گھوڑا نہیں تھا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں' ممکن ہے مراد یہ ہو کہ غزوہ بدر میں گھوڑے پر سوار ہو کر سوائے حضرت مقدادؓ کے کوئی نہیں لڑا اور یہ کہ باقی جن لوگوں کے پاس گھوڑے تھے وہ پیادہ لڑے' چنانچہ اسی بات کی تائید آگے آنے والے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ

آنحضرت ﷺ نے جب مال غنیمت تقسیم فرمایا تو آپ ﷺ نے پیدل لڑنے والے کو دوسرے پر ممتاز نہیں فرمایا اور ایک گھوڑے سوار کو دوسرے گھوڑے سوار پر فوقیت نہیں دی (مگر اس روایت سے گذشتہ قول کی تائید ہونا خود قابل غور ہے) لیکن علامہ زمخشری کے قول سے اس بات کی تردید ہوتی ہے کہ گھوڑے پر لڑنے والے صرف حضرت مقدادؓ تھے۔ زمخشری کا یہ قول خصائل عشرہ میں ہے کہ حضرت زبیرؓ غزوہ بدر میں آنحضرت ﷺ کا پرچم اٹھائے ہوئے تھے اور اس دن میمنہ یعنی دائیں بازو پر سوائے ان کے اور کوئی گھوڑے سوار نہیں تھا (یعنی حضرت زبیرؓ کا بھی گھوڑے پر سوار ہونا معلوم ہوا) یہاں تک علامہ زمخشری کا حوالہ ہے۔

اب یہی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت زبیرؓ کے دائیں بازو میں گھوڑے پر سوار ہونے سے یہ لازم نہیں ہوا کہ حضرت مقدادؓ کسی دوسرے ایسے حصے میں گھوڑے پر سوار ہو کر نہیں لڑ رہے ہوں گے جہاں حضرت علیؓ بھی رہے ہوں لہٰذا حضرت علیؓ کا یہ قول قابل غور ہے کہ غزوہ بدر میں سوائے مقدادؓ کے ہم میں کوئی گھوڑ سوار نہیں تھا۔ واللہ اعلم

ایک دیہاتی سے کفار کے متعلق پوچھ گچھ...... غرض یہ اسلامی لشکر رواں تھا کہ راستے میں عرق ظبیہ کے مقام پر انہیں ایک دیہاتی ملا انہوں نے اس سے لوگوں یعنی دشمن کے بارے میں پوچھا مگر اس نے لاعلمی ظاہر کی جس سے معلوم ہوا کہ اس شخص کے پاس کوئی خبر نہیں ہے' پھر صحابہ نے اس سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو سلام کرو' اس نے پوچھا کیا تم میں رسول اللہ ﷺ بھی موجود ہیں' انہوں نے کہا ہاں! چنانچہ اس دیہاتی نے آپ ﷺ کو سلام کیا اور پھر کہنے لگا:

"اگر آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں تو مجھے بتلایئے کہ میری اس اونٹنی کے پیٹ میں کیا ہے؟ (یعنی نر بچہ ہے یا مادہ ہے)"

یہ سن کر سلامہ ابن سلامہ ابن دقش نے اس سے کہا:

"تجھے رسول اللہ ﷺ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں میرے پاس آ' میں تجھے اس کے متعلق بتلاؤں گا' تو نے خود اس اونٹنی کے ساتھ بدفعلی کی ہے اور اب اس کے پیٹ میں خود تیرا ہی بچہ موجود ہے"۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے سلامہ کو ڈانٹا اور فرمایا:

"خاموش رہو! تم اس شخص پر ایسا گندہ الزام لگا رہے ہو"۔

قریشی لشکر کے کوچ کی اطلاع اور صحابہ سے مشورہ...... پھر آپ ﷺ نے سلامہ کی طرف سے منہ پھیر لیا' غرض اس کے بعد لشکر آگے بڑھا اور اگلا پڑاؤ ایک وادی میں جس کا نام "ذِفران" تھا' یہ صفراء کے مقام کے قریب ایک وادی ہے جب آپ ﷺ ذِفران پہنچے تو آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ قریش مکہ ایک لشکر لیکر اپنے تجارتی قافلے کو بچانے کے لئے مکہ سے کوچ کر چکے ہیں' آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو جمع کر کے ان کو یہ خبر سنائی اور ان سے مشورہ مانگا' آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

"قریش کے لوگ انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ کوچ کر چکے ہیں' اب بتلاؤ تم کیا کہتے ہو آیا جنگ کے مقابلے میں تم صرف تجارتی قافلے کو ہی ترجیح دیتے ہو؟

بعض صحابہ کی طرف سے جنگ کے متعلق تامل...... اس پر بعض لوگوں نے یہ کہا کہ ہاں! یعنی چند لوگ ایسے تھے جنہوں نے یہ کہا کہ ہاں ہم دشمن سے ٹکرانے کے بجائے صرف تجارتی قافلے پر حملہ کرنے کو ہی ترجیح دیتے ہیں۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ ان چند لوگوں نے یہ کہا:

"آپ ﷺ نے ہم سے صرف تجارتی قافلے کا ذکر فرمایا تھا اور اسی کیلئے ہم آئے ہیں ورنہ ہم جنگ کی تیاری کر کے آتے"۔

ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

"یارسول اللہ! آپ ﷺ صرف تجارتی قافلے پر ہی بس کیجئے دشمن کو چھوڑ دیجئے"۔

اس پر آنحضرت ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل گیا' حضرت ابوایوبؓ نے کہا ہے کہ یہ آیت اسی موقعہ پر نازل ہوئی تھی:

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ (سورۃ انفال' پ۹' ع آیت ۵)

جیسا آپ کے رب نے آپ کے گھر اور بستی سے مصلحت کے ساتھ آپ کو بدر کی طرف روانہ کیا اور مسلمانوں کی ایک جماعت اس کو گراں سمجھتی تھی۔

مہاجرین کی طرف سے جاں نثاری کا اظہار...... مگر اسی وقت حضرت ابو بکرؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ جاں نثاری اور فرمانبرداری کا اظہار کیا' پھر حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھی نہایت خوبصورت انداز میں جاں نثاری کا اقرار کیا' ان کے بعد حضرت مقدادؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جو کچھ حکم فرمایا ہے اس کے مطابق عمل فرمایئے' ہم آپ ﷺ کے ساتھ ہیں' خدا کی قسم ہم اس طرح نہیں کہیں گے جیسے بنی اسرائیل نے موسیٰؑ سے کہا تھا کہ آپ اور آپ کا رب جاکر جنگ لڑ لیجئے ہم تو یہیں بیٹھے ہیں' بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کا رب جاکر جنگ کریں ہم آپ ﷺ کے ساتھ ہیں اور اس وقت تک ساتھ ہی لڑیں گے جب تک کہ ہماری آنکھوں میں روشنی اور حرکت باقی ہے کیونکہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو نبی بنا کر بھیجا ہے اگر آپ ﷺ ہمیں برک غماد میں بھی لے جائیں گے (جو ملک حبشہ کا شہر ہے) تو ہم آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ چلیں گے اور لڑیں گے یعنی اپنی تلواروں سے لڑتے اور راستہ بناتے ہوئے وہیں تک چلیں گے۔ ایک روایت میں یہ لفظ بھی ہیں کہ ہم آپ ﷺ کے دائیں اور بائیں اور آگے اور پیچھے لڑیں گے اور آخر دم تک لڑیں گے"۔

آنحضرت ﷺ کی خوشی...... ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ اس تقریر پر میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کا چہرۂ مبارک خوشی اور مسرت کی وجہ سے چمکنے لگا اور آپ ﷺ بہت مسرور ہوئے' تفسیر کشاف میں ہے کہ اس تقریر پر آنحضرت ﷺ خوشی کی وجہ سے مسکرانے لگے اور آپ ﷺ نے حضرت مقدادؓ کے حق میں کلمۂ خیر فرمایا اور ان کو دعا دی۔

کتاب عرائس میں روایت ہے کہ غزوہ حدیبیہ کے موقعہ پر جب آپ ﷺ کو کفار قریش نے بیت اللہ کی زیارت سے روک دیا تو آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا تھا کہ میں ہدی کے جانور لے کر جا رہا ہوں' آپ ﷺ بیت اللہ کے قریب پہنچ کر رک گئے' پھر آپ ﷺ نے اس بارے میں صحابہ سے مشورہ فرمایا اس وقت حضرت مقداد ابن اسودؓ نے عرض کیا تھا کہ خدا کی قسم ہم ہرگز اس طرح نہیں کہیں گے جیسے موسیٰؑ کی قوم نے کہا تھا کہ آپ خود جاکر لڑ لیجئے ہم تو یہیں ہیں بلکہ ہم یہ کہتے ہیں ہم آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ لڑیں گے۔

ہم آپ ﷺ کے دائیں بائیں اور سامنے لڑیں گے' اگر آپ سمندروں کو بھی عبور کریں گے تو ہم آپ ﷺ کے ساتھ سمندر میں اتر جائیں گے' اگر آپ ﷺ پہاڑوں پر چڑھیں گے تو وہاں بھی ہم آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ رہیں گے اور اگر آپ ﷺ برک غماد کا بھی رخ کریں گے تو وہاں بھی ہم آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے ہوں گے"۔

انصار کی یقین دہانی کے لئے آنحضرت ﷺ کی خواہش...... تو حدیبیہ کے موقعہ پر جب حضرت مقدادؓ کی یہ عاشقانہ تقریر دوسرے صحابہ نے سنی تو انہوں نے بھی ان ہی جذبات کا اظہار کیا اور آنحضرت ﷺ کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا' اگرچہ یہ ممکن ہے کہ حضرت مقدادؓ نے دونوں موقعوں پر یہ بات کہی ہو مگر یہ بات قرین قیاس نہیں ہے۔

غرض حضرت مقدادؓ کی تقریر سننے کے بعد آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہ مجھے مشورہ دو تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! یہ قریش کے لوگ ہیں جنہیں عزت وناموری حاصل ہے' خدا کی قسم جب سے یہ لوگ معزز ہوئے ہیں ان کی کبھی ذلت ورسوائی نہیں ہوئی اور جب سے یہ لوگ گمراہ ہوئے کبھی ان کو ایمان کی روشنی نہیں حاصل ہوئی۔ آپ ﷺ ان سے ضرور جنگ کیجئے اور اس کے لئے پوری تیاری فرمایئے اور ضروری ہتھیار فراہم فرمایئے"۔

آنحضرت ﷺ نے پھر تیسری مرتبہ یہی کلمہ فرمایا کہ مجھے مشورہ دو۔ اب انصاری مسلمان سمجھ گئے کہ آپ ﷺ کا ارشاد ان ہی کی طرف ہے اور آپ ﷺ ان کی طرف سے جاں نثاری کا اظہار سننا چاہتے ہیں کیونکہ انصاریوں کی تعداد ہی سب سے زیادہ تھی' چنانچہ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ اس مجلس میں رسول اللہ ﷺ کے بار بار یہ سوال کرنے کا مقصد یہی تھا کہ آپ ﷺ انصاریوں کا جذبہ اور حال دیکھنا چاہتے تھے' کیونکہ آپ ﷺ کو خیال تھا کہ کہیں انصار کے ذہن میں یہ نہ ہو کہ ان پر آپ ﷺ کی مدد اور حفاظت کی ذمہ داری صرف اس صورت میں ہے جب کہ کوئی دشمن اچانک مدینہ میں آپ ﷺ پر حملہ کردے' یعنی وہ یہ نہ سمجھتے ہوں کہ مدینہ سے آنحضرت ﷺ کے ساتھ کہیں دوسری جگہ جاکر آپ ﷺ کی مدد کرنا اور آپ ﷺ کی حفاظت کرنا ان کی ذمہ داری نہیں ہے' کیونکہ عقبہ کے مقام پر جب انہوں نے آپ ﷺ سے بیعت اور عہد کیا تھا تو اس میں یہ کہا تھا کہ جب تک آپ ﷺ ہمارے وطن یعنی مدینہ میں تشریف نہیں لاتے اس وقت تک تو ہم آپ ﷺ کی حفاظت کی ذمہ داری لینے سے معذور ہیں ہاں جب آپ ﷺ ہمارے وطن میں ہمارے درمیان پہنچ جائیں گے تو آپ ﷺ ہماری ذمہ داری اور پناہ میں ہوں گے ہم جن نقصانات سے اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کرتے ہیں ان ہی سے آپ ﷺ کی حفاظت بھی کریں گے۔

سعد ابن معاذؓ کی حفاظت سے جاں سپاری کا اعلان..... غرض اسی وجہ سے حضرت سعد ابن معاذؓ نے جو قبیلہ اوس کے سردار تھے اور ایک قول کے مطابق قبیلہ خزرج کے سردار سعد ابن عبادہؓ نے آپ ﷺ کے بار بار پوچھنے پر عرض کیا' صحیح قول یہی ہے کہ حضرت سعد ابن معاذؓ بولے تھے کیونکہ حضرت سعد ابن عبادہؓ کو مجاہدین بدر میں شمار نہیں کیا جاتا اور صحیح قول یہی ہے کہ وہ غزوہ بدر میں شریک نہیں تھے کیونکہ انہوں نے جنگ کے لئے کوچ کا ارادہ کیا تھا مگر روانہ ہونے سے پہلے ہی ان کے سانپ نے کاٹ لیا اس لئے وہ مدینہ ہی میں رہ گئے تھے (مگر چونکہ وہ جنگ میں جانے کا فیصلہ کر چکے تھے) اس لئے مال غنیمت میں ان کا حصہ لگایا گیا تھا' غرض حضرت سعد ابن معاذؓ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! غالباً آپکا اشارہ ہم انصاریوں کی طرف ہے"۔؟

آپ ﷺ نے فرمایا' بیشک' تب حضرت سعدؓ نے عرض کیا:

"تو عرض یہ ہے کہ ہم آپ ﷺ جو کچھ دین وشریعت لے کر آئے ہیں وہ حق اور سچی ہے' اسی بنیاد پر ہم آپ ﷺ کو یہ عہد و پیمان دے چکے ہیں کہ ہم ہر حال میں آپ ﷺ کے تابعدار اور فرمانبردار رہیں گے"۔

ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ:

"یارسول اللہ ﷺ! شاید آپ ﷺ کو یہ ڈر ہے کہ انصاری یہ سوچتے ہیں کہ وہ صرف اپنے وطن میں آپ ﷺ کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں' اس لئے میں یہ بات سب انصار کی طرف سے آپ ﷺ سے عرض کرتا ہوں کہ آپ ﷺ جس طرف چاہیں تشریف لے چلیں' جس کے ساتھ چاہیں نیک سلوک کریں اور جس کے ساتھ چاہیں بے تعلقی کا اظہار فرمائیں' جس کو چاہیں امن دیں اور جس سے چاہیں دشمنی رکھیں اور ہمارے مال میں سے جتنا چاہیں لے لیں جو کچھ ہمارے مال میں سے

آپ کی خدمت میں خرچ ہو گا وہی ہمارا سب سے بڑا سرمایہ ہو گا' ہم جو کچھ آپ ﷺ کو پیش کریں گے تو ہمارے لئے وہ زیادہ خوشی کا باعث ہو گا بہ نسبت اس چیز کے جو آپ ﷺ کو نہیں پیش کر سکیں گے' آپ ﷺ جس معاملہ میں بھی ہمیں کوئی حکم فرمائیں گے تو ہم اس کو اپنے معاملات سے مقدم رکھیں گے' اس لئے یارسول اللہ! آپ ﷺ نے جو ارادہ فرمایا ہے اس کے مطابق چلئے ہم آپ ﷺ کے ساتھ ہیں' قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے اگر آپ ﷺ ہمیں سمندر کے کنارے لے جا کر اس میں اترنا چاہیں گے تو ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ اس میں چھلانگ لگادیں گے' ہم میں سے کوئی شخص پیچھے نہیں رہے گا' ہم دشمن سے ٹکرانے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے بلکہ ہم جنگوں میں بڑے ثابت قدم رہتے ہیں اور بڑی پامردی سے دشمن کا مقابلہ کرتے ہیں' خدا کرے آپ ﷺ ہمارے جوہر دیکھیں اور آپ ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں"۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ:

"اس لئے اللہ کے نام پر ہمیں لے کر بڑھئے ہم دائیں بائیں اور آگے پیچھے آپ کے قدم بقدم رہیں گے"۔

پیش قدمی کا حکم...... حضرت سعد ابن معاذؓ کی یہ پُر جوش اور مخلصانہ تقریر سن کر آنحضرت ﷺ بے انتہا مسرور ہوئے اور خوشی سے آپ ﷺ کا چہرۂ انور اور زیادہ درخشاں و تابناک ہو گیا چنانچہ اس کے بعد آپ ﷺ نے کوچ کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

"اب آگے بڑھو' تمہارے لئے خوشی خبری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ دو جماعتوں میں سے ایک پر مجھ کو فتح عطا فرمائے گا"۔

دو جماعتوں سے ایک تو ابوسفیان کا تجارتی قافلہ مراد ہے اور دوسرا قریش کا وہ لشکر ہے جو اس تجارتی قافلے کی مدد کیلئے مکہ سے بڑے کروفر اور آن بان کے ساتھ روانہ ہوا تھا' پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

"خدا کی قسم' ایسا ہے جیسے میں قریش کی قتل گاہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں" (کہ کون کس جگہ قتل ہو گا)۔

حق تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ اس دوسری جماعت یعنی لشکر قریش پر فتح و نصرت عطا فرمائے گا اور اس کے بعد آپ ﷺ کو قریش کے سرداروں کی قتل گاہیں دکھلادی تھیں کہ میدان جنگ میں کس کا مقتل کہاں ہو گا؟ چنانچہ آپ ﷺ نے پہلے ہی صحابہ کو اطلاع دے دی تھی کہ انہیں جنگ سے دوچار ہونا ہے وہ تجارتی قافلہ ان کو نہیں مل سکے گا (جس کے لئے وہ مدینہ سے روانہ ہوئے تھے)۔

ایک بوڑھے سے معلومات...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ذفران کی وادی سے کوچ کیا اور مقام بدر کے قریب ایک جگہ پڑاؤ ڈالا' یہاں پہنچنے کے بعد آنحضرت ﷺ سوار ہو کر ایک طرف چلے آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ بھی تھے' ایک قول ہے کہ ابو بکرؓ کے بجائے قتادہ ابن نعمانؓ تھے اور ایک قول کے مطابق آپ ﷺ کے ساتھ حضرت معاذ ابن جبلؓ تھے' یہاں تک کہ آپ ﷺ ایک بوڑھے عرب کے پاس پہنچ کر رکے جس کا نام سفیان تھا۔ کتاب نور میں ہے کہ اس شخص کے اسلام کے بارے میں کچھ پتہ نہیں ہے' آپ ﷺ نے اس بوڑھے سے قریش اور خود اپنے اور اپنے صحابہ کے متعلق سوال کیا کہ کیا ان سب کے متعلق اسے کچھ خبر ہے؟ بوڑھے نے کہا:

"جب تک آپ دونوں اپنے متعلق مجھے نہیں بتلائیں گے کہ آپ کون ہیں اس وقت تک میں آپ کو کچھ نہیں بتلاؤں گا"۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"پہلے تم ہمیں بتلاؤ تو ہم اپنے بارے میں بتلائیں گے"۔

بوڑھے نے پوچھا کیا میری خبر کے بدلے میں ہی آپ اپنے بارے میں بتلائیں گے؟

آپ ﷺ نے فرمایا۔ ہاں! تب بوڑھے نے کہا:

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ محمد ﷺ اور ان کے صحابہ نے فلاں فلاں دن مدینہ سے کوچ کیا ہے لہٰذا اگر اس بتانے والے نے مجھ سے صحیح بتایا تو آج اس کو فلاں جگہ ہونا چاہئے"۔

یہ جگہ اس نے وہی بتلائی جہاں مسلمانوں کا لشکر ٹھہرا ہوا تھا' پھر اس نے کہا:

"دوسرے مجھے معلوم ہوا ہے کہ قریش کے لشکر نے فلاں فلاں دن مکہ سے کوچ کیا ہے' لہٰذا اس اگر بتانے والے نے مجھ سے صحیح کہا ہے تو آج وہ فلاں جگہ ہوں گے"۔

یہ بھی وہی جگہ تھی جہاں اس روز قریشی لشکر پہنچ چکا تھا' غرض جب وہ یہ اطلاعات دے چکا تو اس نے پھر اپنا سوال دہرایا کہ آپ دونوں کون ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"ہم پانی سے تعلق رکھتے ہیں"۔

اس طرح آنحضرت ﷺ نے اس بوڑھے کو گول مول جواب دے کر اپنا وعدہ بھی پورا فرمادیا اور اس کو اپنے بارے میں بے خبر بھی رکھا (عرب میں یہ طریقہ تھا کہ مختلف علاقوں میں جہاں لوگ رہتے تھے وہاں کا پتہ وہ پانی کا نام لے کر بتایا کرتے تھے کہ ہم فلاں علاقہ کے پانی سے تعلق رکھتے ہیں' چنانچہ وہ بوڑھا یہ جواب سن کر اچنبھے میں پڑ گیا اور کہنے لگا:

"پانی سے تعلق رکھتے ہیں کیا عراق کے پانی سے آئے ہیں؟"۔

(یعنی وہ پانی سے مراد اس محاورہ کے مطابق سمجھا جب کہ آپ ﷺ کا اشارہ اس حقیقت کی طرف تھا کہ انسان کی اصل پانی یعنی منی کا ایک قطرہ ہے جس سے وہ اس دنیا میں آتا ہے جس کو قرآن پاک میں مَاءٍ دَافِقٍ یعنی اچھل کر نکلنے والا پانی فرمایا گیا ہے) مگر کتاب امتاع میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب یہ فرمایا کہ ہم پانی سے آئے ہیں تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے عراق کی سمت میں اشارہ فرمایا تھا' اسی لئے اس نے پوچھا کہ کیا عراق کے پانی سے آئے ہیں؟ چونکہ عراق میں پانی کی کثرت اور بہتات تھی اس لئے بوڑھے نے اس اشارہ سے یہ سمجھ لیا کہ عراق کا پانی مراد ہے کہ ہم عراق سے آئے ہیں۔

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اس جواب میں توریہ اور مغالطہ دیا گیا ہے کہ ایک بات کہہ کر دوسری بات مراد لی گئی ہے' جب کہ ہجرت کے بیان میں گزر چکا ہے کہ نبی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ظاہری طور پر ہی سہی جھوٹ بولے اور مغالطہ آمیز بات کہے۔

مگر قاضی بیضاویؒ نے لکھا ہے کہ وہ روایت جو ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے ابراہیمؑ کے بارے میں فرمایا ہے کہ انہوں نے تین جھوٹ بولے تو وہاں آپ ﷺ نے اسی مغالطہ آمیزی اور تعریضوں کو جھوٹ کا نام دیا ہے کیونکہ ظاہری طور پر تو یہ جھوٹ ہی ہیں (یہ تین جھوٹ کے متعلق حدیث مسلم کی ہے جس پر بہت طویل اور مفصّل بحثیں ہیں جو یہاں غیر ضروری ہیں)۔

غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ کے درمیان واپس تشریف لے آئے اور آپ ﷺ نے ان کے لئے دعا فرمائی جو پیچھے گزر چکی ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو میدان بدر میں فتح و نصرت عطا فرمائی اور جب وہ وہاں سے لوٹے تو ان کی حالت ہی بدلی ہوئی تھی' کوئی شخص ایسا نہیں تھا جس کے پاس ایک دو اونٹ نہ ہوں' سب کے پاس لباس اور کپڑوں کی

بہتات ہو گئی اور حق تعالیٰ نے ان کو رزق سے مالا مال فرمادیا' یہ روایت ابوداؤد نے حضرت عمرو ابن عاصؓ سے پیش کی ہے کہ قریش کا جو سامان رسد اور کپڑے وغیرہ تھے وہ سب مجاہدوں کو مل گئے۔

کتاب امتاع میں یہ ہے کہ یہ دعا آنحضرت ﷺ نے اس وقت فرمائی تھی جب آپ ﷺ مدینہ سے روانہ ہوئے تھے یعنی مدینہ میں لشکر کے کوچ سے پہلے جو چھاؤنی بنی ہوئی تھی وہاں سے روانگی کے وقت یہ دعا فرمائی تھی اور وہ جگہ بیوت السقیاء تھی جیسا کہ بیان ہوا' پیچھے جو اس دعا کے الفاظ گزرے ہیں ان میں یہ بھی تھا کہ یہ مسلمان نادار ہیں ان کو غنی بنادے' چنانچہ مجاہدوں نے جو جنگی قیدی بنائے ان کی وجہ سے مسلمانوں کو دولت بھی ملی اور ہر خاندان خوشحال ہو گیا' بہرحال یہ بات قرین قیاس ہو سکتی ہے کہ آپ ﷺ نے یہ دعا دو مرتبہ فرمائی ہو۔

ایک عربی بھشتی سے پوچھ گچھ...... شام کو آنحضرت ﷺ نے لشکر کے پڑاؤ سے حضرت علیؓ' حضرت زبیر ابن عوامؓ اور حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کو چند دوسرے صحابہ کے ساتھ میدان بدر کی طرف روانہ کیا تاکہ وہاں کے بارے میں تازہ خبریں لے کر آئیں' انہیں قریش کا ایک پانی ڈھونے والا جانور نظر آیا اس کے ساتھ ایک تو بنی حجاج کا غلام تھا اور ایک بنی عاص کا غلام تھا' صحابہ ان لوگوں کو پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے' اس وقت آنحضرت ﷺ نماز میں مشغول تھے' صحابہ نے ان سے پوچھا کہ تم دونوں کون ہو؟ صحابہؓ یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ ابوسفیان کے آدمی ہیں (اور اس تجارتی قافلے سے تعلق رکھتے ہیں) ان دونوں نے کہا:

"ہم قریش کے پانی ڈھونے والے ہیں"۔

صحابہ نے اس پر یقین نہیں کیا اور انہیں مارا' جب ان پر مار پڑی تو انہوں نے جان بچانے کے لئے کہہ دیا کہ ہم ابوسفیان کے آدمی ہیں' اس پر صحابہ نے ان کو مارنا چھوڑ دیا' اسی وقت آنحضرت ﷺ نماز سے فارغ ہو گئے' آپ ﷺ نے فرمایا:

"جب ان دونوں نے تم سے سچ بولا تو تم نے ان کو مارا اور جب انہوں نے جھوٹ بولا تو تم نے مارنے سے ہاتھ روک لئے۔ خدا کی قسم یہ قریش کے لشکر کے آدمی ہی ہیں اور مجھے قریش کے متعلق خبریں دے گے"۔

رسول اللہ کی حکمت عملی...... انہوں نے کہا کہ قریش ریت کے اس ٹیلے کے پیچھے ہیں جو وادی کے بلند کنارے کی طرف ہے' آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا کہ ان لوگوں کی تعداد کتنی ہے' انہوں نے کہا بہت ہے (یعنی انہوں نے صحیح تعداد نہیں بتلائی) ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا:

"خدا کی قسم ان کی تعداد بہت زیادہ ہے اور بڑے بڑے بہادر لوگ ہیں"۔

آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہ ان کی تعداد کیا ہے' انہوں نے کہا ہمیں معلوم نہیں ہے' آپ ﷺ نے بہت کوشش کی کہ ان سے قریش کی صحیح تعداد معلوم فرمالیں مگر انہوں نے انکار کر دیا' آخر آپ ﷺ نے حکمت عملی کے ساتھ یہ بات معلوم فرمائی۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ وہ لوگ روزانہ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں' ان سقوں نے کہا کہ کسی دن نو اور کسی دن دس جانور ذبح کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بس تو ان کے لشکر کی تعداد نو سو اور ایک ہزار کے درمیان ہے' یعنی ایک اونٹ کا گوشت سو آدمیوں کو کافی ہوتا ہے' پھر آپ ﷺ نے پوچھا؟

"قریش کے معزز لوگوں میں سے ان کے ساتھ کون کون ہے؟"

انہوں نے کہا کہ عتبہ اور شیبہ ابن ربیعہ' ابوالبختری ابن ہشام' حکیم ابن حزام' نوفل ابن خویلد' حرث ابن عامر ابن

نوفل ٗطعیمہ ابن عدی ابن نوفل ٗنضر ابن حرث ٗزمعہ ابن اسود ٗابوجہل ابن ہشام ٗامیہ ابن خلف ٗنبیہ اور منبہ ابن حجاج اور سہیل ابن عمرو عامری۔

یہ حضرت سہیل بعد میں فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوگئے تھے اور قریش کے بڑے سرداروں اور بلند پایہ خطیبوں میں سے تھے ٗآگے آئے گا کہ یہ اس غزوہ میں گرفتار ہوگئے تھے ٗان کے علاوہ قریشی لشکر میں عمرا بن عبدود بھی تھا۔

غرض یہ سن کر آنحضرت ﷺ صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ ﷺ نے فرمایا:

"مکہ نے اپنا دل جگر نکال کر تمہارے مقابلے کے لئے بھیجا ہے ٗیعنی اپنے تمام معززاور بڑے بڑے لوگ بھیج دیئے ہیں"۔

قریشی لشکر کا سفر...... کہا جاتا ہے کہ قریش کے سفر اور قیام میں دس راتیں لگیں یہاں تک کہ وہ جحفہ کے مقام پر پہنچ گئے جو رابغ کے قریب ایک گاؤں ہے جیسا کہ بیان ہوا ٗیہاں وہ شام کے وقت پہنچے ٗکتاب امتاع میں ہے کہ جحفہ کے مقام پر پہنچ کر انہوں نے اپنے ساتھ کی گانے ناچنے والیاں واپس بھیج دی تھیں۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: مسلم اور ابوداؤد میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب حضرت علیؓ وغیرہ کو قریش کی خبریں لینے کے لئے مقام بدر کی طرف بھیجا تو وہاں قریشی بھشتی انہیں ملے جو پانی ڈھور ہے تھے ان میں بنی حجاج کا ایک سیاہ فام غلام بھی تھا۔ حضرت علیؓ وغیرہ اس شخص کے پاس آئے اور اس سے ابوسفیان کے متعلق معلوم کرنے لگے ٗوہ کہنے لگا کہ ابوسفیان کے متعلق بھلا مجھے کیا معلوم ہے ٗجب وہ یہ کہتا تو صحابہ اس کو مارتے اور جب کہتا کہ یہ لوگ ابوسفیان کے آدمی ہیں تو صحابہ اس کو چھوڑ دیتے۔

کتاب امتاع میں یوں ہے کہ اس رات عبیدہ ابن سعید ابن عاص کا غلام یسار پکڑا گیا ٗمنبہ ابن حجاج کا غلام مسلمان ہوگیا ٗنیز امیہ ابن خلف کا غلام ابورافع بھی پکڑا گیا ٗان سب کو آنحضرت ﷺ کے پاس لایا گیا جو اس وقت نماز میں مشغول تھے وغیرہ وغیرہ۔

اس سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا صرف اتنا ہے کہ بعض راویوں نے تینوں گرفتار ہونے والوں کا ذکر کیا اور بعض نے صرف دو ہی کا ذکر کیا ٗجب کہ بعض راویوں نے ایک ہی شخص کا تذکرہ کیا۔ واللہ اعلم

قریش کے ایک لشکری جہم کا خواب...... قریش کے ساتھ بنی مطلب ابن عبد مناف میں کا ایک شخص بھی تھا جس کا نام جہم ابن صلت تھا ٗیہ غزوہ خیبر کے سال میں مسلمان ہوگئے تھے اور آنحضرت ﷺ نے خیبر کے مال غنیمت میں سے ان کو تیں وسق وزن کا مال دیا تھا (عرب کا ایک وزن جو ساٹھ صاع کا ہوتا تھا اور ایک صاع ساڑھے تین سیر یا تین کلو کا ہوتا ہے ٗوسق ایک اونٹ کے وزن کو بھی کہتے ہیں) ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔

غرض ایک دن لشکر میں یہ سونے کے لئے لیٹے جیسے ہی ان کی آنکھ لگی کہ اچانک یہ گھبرا کر اٹھ بیٹھے اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے:

"کیا تم نے وہ سوار دیکھا جو ابھی میرے سامنے آکر رکا تھا؟"

لوگوں نے کہا نہیں (ہم نے تو کچھ نہیں دیکھا) تو یہ کہنے لگے:

"ابھی میرے سامنے ایک سوار آیا تھا وہ یہاں رکا اور کہنے لگا کہ ابوجہل ٗعتبہ ٗشیبہ ٗزمعہ ٗابوالبختری ٗامیہ ابن خلف اور فلاں فلاں شخص قتل ہوگئے"۔

انہوں نے ان تمام سرداران قریش کے نام گنوائے جو غزوہ بدر میں قتل ہوئے ٗپھر انہوں نے کہا کہ اس سوار نے پھر کہا

کہ سہیل ابن عمرو اور فلاں فلاں لوگ گرفتار ہو گئے' انہوں نے ان سب لوگوں کے نام گنائے جو غزوہ بدر میں گرفتار کر کے قیدی بنائے گئے تھے' پھر جہم ابن صلت نے کہا:

"پھر اس سوار نے اپنے اونٹ کے سینے میں ہتھیار مارا اور اسے قریشی لشکر کی طرف دوڑا کر لے گیا' وہاں کوئی خیمہ ایسا باقی نہیں بچا جس میں اس اونٹ کا خون نہ پہنچا ہو"۔

یہ عجیب و غریب بات سن کر ان کے ساتھیوں نے کہا:

"معلوم ہوتا ہے تمہارے ساتھ شیطان آ کر کوئی دل لگی کر گیا ہے"۔

اس کے بعد جلد ہی یہ خواب تمام قریشی لشکر میں مشہور ہو گیا' جب ابو جہل نے سنا تو وہ بولا:

"اب بنی ہاشم کے ساتھ ساتھ بنی مطلب کا جھوٹ اور دروغ گوئی بھی سامنے آنے لگی ہے' کل تم دیکھ ہی لو گے کہ کون قتل ہوتا ہے؟"۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ ابو جہل نے یہ خواب سن کر کہا:

"لو بنی مطلب میں یہ دوسرا نبی پیدا ہو گیا ہے' کل پتہ چل جائے گا کہ کون مارا جاتا ہے ہم یا محمد ﷺ اور ان کے ساتھی"۔

لشکر میں بدشگونی اور بنی عدی کی واپسی...... قریشی لشکر جب مکہ سے چلا تو جس نے اونٹ ذبح کئے وہ ابو جہل ہی تھا' اس نے دس اونٹ مرظہران کے مقام پر ذبح کئے تھے' ان میں سے کچھ اونٹ پوری طرح ذبح نہیں ہو سکے اور اٹھ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور زخمی حالت میں لشکر کے درمیان چکراتے پھرنے لگے' نتیجہ یہ ہوا کہ لشکر کے خیموں میں سے کوئی خیمہ ایسا نہیں بچا جس میں ان کا خون نہ پہنچا ہو۔ کتاب امتاع میں یوں ہی ہے۔

لشکر کی ضیافتیں......ان کے ساتھ بنی عدی کے جو لوگ تھے وہ یہ واقعہ دیکھ کر یہیں سے واپس ہو گئے کیونکہ انہوں نے اس کو بڑی بدشگونی سمجھا۔

پھر عسفان کے مقام پر پہنچے تو اس دفعہ سفیان ابن امیہ نے نو اونٹ ذبح کئے' پھر قدید کے مقام پر سہلی ابن عمرو نے دس اونٹ ذبح کئے' قدید سے روانہ ہو کر یہ لوگ راستہ بھٹک گئے آخر صبح کو جحفہ کے مقام پر پہنچے تو یہاں عقبہ ابن ربیعہ نے دس اونٹ ذبح کئے' اس کے بعد ابواء کے مقام پر پہنچے تو مقیس ابن عمرو جمی نے نو اونٹ ذبح کئے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابواء کے مقام پر جس نے جانور ذبح کئے تھے وہ نبیہ اور منبہ ابن حجاج تھے انہوں نے دس اونٹ ذبح کئے تھے' اسی طرح حضرت عباس نے بھی اپنی طرف سے دس اونٹ ذبح کر کے لشکر کو کھانا کھلایا' پھر حرث ابن عامر ابن نوفل نے نو اونٹ ذبح کئے' مقام بدر کے پانی پر پہنچ کر ابوالبختری نے دس اونٹ ذبح کئے' پھر اسی مقام پر مقیس ابن عمرو جمی نے نو اونٹ ذبح کئے۔

اس کے بعد جنگ شروع ہو گئی تو سب لوگ اپنے کھانے میں سے کھانے لگے جو ہر ایک ساتھ لے کر آیا تھا (یعنی اب تک تو اس طرح بڑے بڑے سرداروں کی طرف سے دعوتیں اور ضیافتیں ہو رہی تھیں پھر جنگ کے ہنگامہ میں ہر شخص خود اپنی رسد میں کھانے لگا)۔

مسلم جاسوسوں کی سراغ رسانی......ادھر آنحضرت ﷺ کے لشکر اور قریشی لشکر کے بدر پہنچنے سے پہلے صحابہ میں سے دو آدمی بدر کے مقام پر پہنچے تھے جیسا کہ آنے والی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں صحابہ ان دونوں لشکروں سے پہلے یہاں پہنچے تھے اگرچہ گذشتہ تفصیل اس کے خلاف ہے' یہ دونوں بدر میں ایک ٹیلے کے پاس آ کر ٹھہرے (یعنی یہ دونوں

آنحضرت ﷺ کی طرف سے روانہ کئے گئے تھے تاکہ قریشی لشکر کے متعلق تازہ خبریں لے کر آئیں) یہاں یہ دونوں بدر کے چشمہ پر پہنچ کر اپنے مشکیزے بھرنے لگے' وہاں ایک اور شخص بھی تھا اور وہیں دو لڑکیاں کھڑی ہوئی آپس میں قرض کے لین دین پر جھگڑ رہی تھیں' ان میں سے جو قرض خواہ تھی وہ قرض دار پر تقاضہ کر رہی تھی' آخر قرض دار لڑکی نے کہا:

"کل یا پرسوں یہاں ایک تجارتی قافلہ پہنچنے والا ہے میں اس کی مزدوری سے تیرا قرض چکا دوں گی"۔

ابوسفیان کے قافلے کا بحفاظت سفر...... اس پر اس شخص نے جو وہاں کھڑا ہوا تھا کہا کہ تو ٹھیک کہہ رہی ہے' پھر اس نے ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرادیا' یہ بات ان دونوں آدمیوں نے سن لی (کہ کل یہاں تجارتی قافلہ پہنچنے والا ہے) وہ دونوں فوراً اپنے اونٹ پر سوار ہو کر واپس لوٹے اور آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ کر آپ ﷺ کو یہ اطلاع دی' ادھر ابوسفیان اپنے قافلے کو (مسلمانوں کے ڈر سے) بچا کر نکال لے گیا اور دوسرے راستے سے نکلتا ہوا وہیں بدر کے چشمہ پر جا پہنچا' وہاں اس نے اسی شخص کو دیکھا تو ابوسفیان نے اس سے پوچھا کہ تو نے یہاں کسی کو آتے دیکھا' اس نے کہا:

"میں نے یہاں کسی کو نہیں دیکھا' ہاں دو اونٹ سوار ضرور یہاں آئے تھے انہوں نے اس ٹیلے کے پاس اپنا اونٹ بٹھایا پھر اپنے مشکیزے پانی سے بھرے اور اس کے بعد دونوں یہاں سے روانہ ہو گئے"۔

ابوسفیان کا تجسس اور اضطراب...... یہ معلوم کر کے ابوسفیان اس جگہ آیا جہاں انہوں نے اپنے اونٹ بٹھائے تھے' یہاں سے اس نے اونٹوں کی مینگنیاں اٹھائیں اور انہیں توڑ کر دیکھا۔ ایک مینگنی میں سے ایک گٹھلی نکلی' ابوسفیان اس کو دیکھ کر کہنے لگا کہ خدا کی قسم یہ مدینہ کی کھجور کی گٹھلی ہے۔

ابوسفیان کا قریشی لشکر کو واپسی کا پیغام...... اس کے بعد وہ تیزی سے اپنے قافلہ میں آیا اور اپنے قافلہ کو ایک دوسرے راستہ سے اس طرح لے گیا کہ مقام بدر کو بائیں جانب چھوڑتا ہوا بڑھ گیا' ابوسفیان نہایت تیزی سے اپنے قافلہ کو لئے جا رہا تھا' آخر جب اسے اطمینان ہو گیا کہ وہ اپنے قافلہ کو بچا لانے میں کامیاب ہو گیا ہے تو اس نے قریش کے پاس پیغام بھیجا کیونکہ اسے معلوم ہو چکا کہ قریش مکہ اس کے قافلہ کو بچانے کیلئے پورا لشکر لیکر مکہ سے روانہ ہو چکے ہیں اور اس وقت جحفہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں' لہٰذا ابوسفیان نے قافلہ کیطرف سے اطمینان ہو جانے کے بعد قریشی لشکر میں قاصد بھیجا جس نے ان سے کہا:

"تم لوگ لشکر لے کر اسی لئے نکلے تھے کہ اپنے قافلے' اپنے آدمیوں اور مال و دولت کو دشمن سے بچا سکو۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ نے بچا دیا ہے اس لئے اب تم لوگ واپس مکہ کو روانہ ہو جاؤ"۔

ابوجہل کا واپسی سے انکار اور رنگ رلیاں...... مگر یہ پیغام سن کر ابوجہل نے کہا:

"خدا کی قسم ہم اس وقت تک واپس نہیں ہوں گے جب تک کہ بدر کے میلے میں تین دن نہ ٹھہر لیں' وہاں ہم تین دن تک اونٹ ذبح کریں گے' شراب و کباب میں وقت گزاریں گے اور حوروش رقاصائیں تین روز کے اس جشن میں نغمہ و ساز سے ہمارا دل بہلائیں گی' جب عرب کے لوگ ہماری آمد اور ہمارے لشکر کے متعلق سنیں گے تو ان کے دلوں میں ہماری ہیبت بیٹھ جائے گی اور وہ ہمیشہ ہم سے ڈرتے رہیں گے"۔

آگے بدر موعد کے بیان میں آئے گا کہ بدر کی بستی میں ہر سال ذی قعدہ کا چاند نظر آنے پر میلہ لگا کرتا تھا جو آٹھ دن تک جاری رہتا تھا' مگر یہ بات قرین قیاس نہیں ہے کہ ابوجہل نے اس میلے تک بدر کے مقام پر ٹھہرنے کا ارادہ کیا ہو کیونکہ اس کا مطلب ہے کہ اس کے لشکر کو وہاں رمضان کا بقیہ مہینہ اور پورا شوال کا مہینہ ٹھہرنا پڑتا۔ (لہٰذا گذشتہ سطروں میں ابوجہل کا

جو قول گزرا ہے کہ ہم بدر کے میلے میں تین دن ٹھہر کر قربانیاں کریں گے وہ قابل غور ہے)۔

(قال) جب ابوسفیان نے اپنے قافلے کے طرف سے مطمئن ہونے کے بعد قریشی لشکر کو واپس مکہ جانے کے لئے کہلایا اور اس پر ابوجہل نے یہ جواب دیا کہ ہم بدر کے میلے تک ٹھہریں گے جیسا کہ بیان ہوا تو اس پر ابوسفیان نے کہا:

"یہ سرکشی کی بات ہے اور سرکشی نقصان اور بدقسمتی کا نشان ہوتی ہے"۔

ابوسفیان کے پیغام پر بنی زہرہ کی واپسی..... ابوسفیان کی طرف سے اس پیغام اور ابوجہل کے جواب پر اس کے لشکر میں سے بنی زہرہ کے لوگ فوراً واپس چلے گئے' ان کی تعداد تقریباً ایک سو تھی' ایک قول ہے کہ تین سو تھی اور ان کا امیر اخنس ابن شریق تھا' اسی لئے علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ غزوہ بدر میں بنی زہرہ کے لوگوں میں سے ایک آدمی بھی قتل نہیں ہوا' مگر ایک دوسرا قول یہ ہے کہ بنی زہرہ میں سے غزوہ بدر میں دو آدمیوں کے سوا کوئی شریک نہیں ہوا جو دونوں کفر کی حالت میں قتل ہوئے' غرض اخنس ابن شریق نے اپنی قوم بنی زہرہ سے کہا:

"اے بنی زہرہ! اللہ تعالیٰ نے تمہارا مال و دولت بچالیا اور تمہارے آدمی مخرمہ ابن نوفل کو بھی رہائی دلادی تم اسے اور اس کے مال کو ہی بچانے کے لئے ان لوگوں کے ساتھ آئے تھے"۔

سردار بنی زہرہ کی ابوجہل سے گفتگو..... (بنی زہرہ کے قبیلے میں سے یہ مخرمہ ابن نوفل' ابوسفیان کے قافلے کے ساتھ تجارت کی غرض سے گیا تھا اور اس کے مال میں قبیلے کے دوسرے لوگوں کا مال بھی رہا ہوگا' اس لئے جب ابوسفیان کے قافلے کو بچانے کے لئے قریش کے لوگ لشکر لے کر نکلے تو بنی زہرہ کے لوگ بھی اپنے آدمی اور اس کے مال کو بچانے کے لئے نکلے تھے' اب جب کہ ابوسفیان اپنے قافلے کو مسلمانوں سے بچا کر نکال لے گیا تو ابوسفیان نے لشکر کے سردار ابوجہل سے کہلایا کہ تمہارے آنے کا مقصد میرے قافلے کو بچانا تھا سو وہ بچ گیا اس لئے اب واپس مکہ چلے جاؤ مگر ابوجہل نے گھمنڈ میں آکر یہ کہا کہ اب میں بدر کے میلے میں شرکت کر کے ہی جاؤں گا' اس پر بنی زہرہ کے سردار اخنس ابن شریق نے اپنے آدمیوں کو واپس چلنے کے لئے کہا ہمارا جو مقصد تھا وہ پورا ہو گیا لہٰذا اب بلاوجہ ہم مسلمانوں سے ٹکرانا نہیں چاہتے غرض اخنس نے کہا:)

"اب تم میرے ساتھ اس مال کی حفاظت کرو اور لوٹ چلو کیونکہ بے فائدہ تمہیں لشکر لے کر نکلنے کی کوئی ضرورت نہیں اور اس کی کیا ضرورت ہے کہ بدر کے میلے میں شریک ہوں جیسا کہ یہ شخص یعنی ابوجہل کہتا ہے"۔

پھر اس نے ابوجہل سے علیحدگی میں کہا:

"کیا تمہارا خیال ہے کہ محمد ﷺ جھوٹے ہیں؟"

ابوجہل نے کہا:

"انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا یہاں تک کہ ہم ان کو امین کہا کرتے تھے' مگر اصل مسئلہ یہ ہے کہ اگر بنی عبدالمطلب کے خاندان میں منصب سقایہ یعنی حاجیوں کو پانی پلانے کا اعزاز' منصب رفادہ یعنی حاجیوں کے لئے کھانے کے انتظام کا اعزاز اور منصب مشورہ کے ساتھ ساتھ نبوت کا اعزاز بھی چلا گیا تو آخر ہمارے لئے کیا اعزاز اور بڑائی باقی رہ جائے گی"۔

اس پر اخنس وہاں سے ہٹ آیا اور بنی زہرہ کو ساتھ لے کر لشکر سے لوٹ گیا' اخنس کا اصل نام اُبی تھا' اس کو اخنس اسی وجہ سے کہا جانے لگا تھا جب یہ قریشی لشکر کا ساتھ چھوڑ کر پیچھے ہٹ آیا تھا کیونکہ اخنس کے معنی پیچھے ہٹ آنے کے ہیں' یہ اخنس بنی زہرہ کا حلیف یعنی معاہدہ بردار تھا اور ان میں سرکردہ آدمی سمجھا جاتا تھا' پھر یہ فتح مکہ کے وقت مسلمان ہو گئے تھے اور

آنحضرت ﷺ نے ان کو بھی دلداری کے طور پر کچھ مال عنایت فرمایا تھا جیسا کہ آپ ﷺ نے کچھ دوسرے لوگوں کی بھی اسی طرح دلداری فرمائی تھی۔

مگر علامہ سہیلیؒ نے ایک روایت بیان کی ہے کہ یہ غزوہ بدر میں کفر کی حالت میں مارے گئے تھے' یہی بات علامہ تلمسانی نے کتاب شفاء کے حاشیہ میں بھی لکھی ہے' انہوں نے اس سلسلے میں قاضی بیضاوی کے قول کو دلیل بنایا ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُه' فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلىٰ مَافِىْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ۔ (آیت ۲۰۴ سورۂ بقرہ' پ ۲' ع ۲۵)

ترجمہ:۔ اور بعض آدمی ایسا بھی ہے کہ آپ کو اس کی گفتگو جو محض دنیوی غرض سے ہوتی ہے مزیدار معلوم ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر بتاتا ہے اپنے مافی الضمیر پر حالانکہ وہ آپ کی مخالفت میں نہایت شدید ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ یہ آیت اخنس ابن شریق کے متعلق نازل ہوئی تھی' ادھر کتاب اصابہ میں ہے کہ اخنس (مسلمان ہوئے اور) ان لوگوں میں سے ہیں جن کی آنحضرت ﷺ نے مال دے کر دلداری فرمائی ہے اور یہ کہ حضرت عمرؓ کی خلافت میں ان کی وفات ہوئی۔

سدیؒ سے روایت ہے کہ اخنس نے آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہو کر اپنے اسلام کا اعلان کیا تھا اور کہا تھا کہ اللہ جانتا ہے کہ میں سچا ہوں' اس کے بعد یہ وہاں سے فرار ہو گئے' راستے میں یہ مسلمانوں کے ایک علاقہ سے گزرے تو وہاں انہوں نے مسلمانوں کی کھیتیاں جلا دیں اس پر وہ آیت نازل ہوئی جو پیچھے بیان ہوئی۔

ابن عطیہ کہتے ہیں کہ یہ بات قطعاً ثابت نہیں ہے کہ اخنس مسلمان ہوئے تھے مگر میں کہتا ہوں کہ صحابہ کی ایک جماعت نے ان کا مسلمان ہونا ثابت کیا ہے لہٰذا اب یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاید وہ مسلمان ہوئے اور پھر بعد میں مرتد ہو گئے اور اس کے بعد پھر مسلمان ہو گئے' یہاں تک کتاب اصابہ کا حوالہ ہے۔

ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ اخنس مسلمان نہیں ہوئے تھے' مگر بعض علماء نے یوں لکھا ہے کہ غزوہ بدر میں شریک ہونے والے تین آدمی ایسے تھے جو بیٹا' باپ اور دادا تھے یعنی اخنس' ان کا بیٹا یزید اور اس کا بیٹا معن بہر حال روایتوں کے اس خلاف کی وجہ سے یہ بات قابل غور ہے۔

بنی ہاشم کی واپسی کی خواہش اور ابو جہل کا دباؤ...... (قال) غرض آگے کہتے ہیں کہ پھر بنی ہاشم نے بھی یہیں سے واپس مکہ جانے کا ارادہ کیا مگر ابو جہل نے ان پر بہت زیادہ سختی کی اور لوگوں سے کہا کہ یہ گروہ کسی صورت میں بھی ہمیں چھوڑ کر جانے نہ پائے بلکہ ہمارے ساتھ ہی جائے۔

مسلمانوں کو پانی کی پریشانی اور غیبی امداد...... غرض اس کے بعد یہ قریشی لشکر آگے بڑھتا رہا' یہاں تک کہ اس نے عدوۃ القصویٰ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا جہاں سے پانی قریب تھا' ادھر آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کے لشکر نے پانی سے کافی فاصلے پر پڑاؤ ڈالا۔ مسلم پڑاؤ سے پانی تک ایک منزل کا فاصلہ تھا' مسلمانوں کو پیاس کی تکلیف ہوئی اور بہت سوں کو غسل کی ضرورت پیش آ گئی ان میں سے اکثر مضطرب ہو گئے اور ان کے دلوں میں شیطان نے غصہ پیدا کر دیا اور یہ وسوسہ ڈالا کہ تم اپنے آپ کو اللہ والے سمجھتے ہو کہ تم حق پر ہو اور تم میں اللہ کے رسول موجود ہیں جب کہ مشرک تم پر اس لحاظ سے غالب آ گئے کہ انہوں نے پانی پر قبضہ کر لیا اور تم پیاس سے بلک رہے ہو اور ناپاکی کی حالت میں نماز پڑھ رہے ہو' جب کہ تمہارے دشمن صرف

اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ پیاس کی وجہ سے تمہارے حوصلے ٹوٹ جائیں اور تمہاری قوت و طاقت ختم ہو جائے تاکہ پھر وہ جیسے چاہیں تمہارے ساتھ معاملہ کریں۔

کتاب شفا میں یہ لفظ ہیں کہ تاکہ جب پیاس سے تم لوگ نڈھال اور کمزور ہو جاؤ تو وہ تمہاری طرف بڑھیں اور جن کو قتل کرنا چاہیں انہیں قتل کر کے بقیہ کو اپنے ساتھ قیدی بنا کر مکہ کی طرف ہنکالے جائیں (یہ وسوسے مسلمانوں کے دلوں میں شیطان نے ڈالنے شروع کئے) اس پر وہ بہت سخت پریشان اور فکر مند ہوئے' جس وادی میں مسلمان ٹھہرے ہوئے تھے اس میں مٹی اور ریت بہت تھا اور زمین نرم تھی جس میں پیر دھنستے تھے' اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی پریشانی دیکھ رہا تھا اس نے اچانک وہاں بارش برسادی جس سے گرد و غبار دب گیا اور مٹی جم گئی اس طرح آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کی تکلیف ختم ہو گئی' سب بارش کے پانی سے تازہ ہو گئے' لوگوں کے دلوں سے شیطان کے وسوسے دور ہو گئے' سب نے سیر ہو کر پانی پیا اور اپنے چھاگل بھر لئے اور اپنی سواریوں کو بھی پانی پلایا اور خوب نہا دھو کر ترو تازہ ہو گئے' اسی کے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ (آیت ۱۱' سورۂ انفال' پ ۹' ع ۲)

ترجمہ:۔ اور اس کے قبل تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تاکہ اس پانی کے ذریعہ تم کو حدث اصغر و اکبر سے پاک کر دے اور تم سے شیطانی وسوسے کو رفع کر دے اور تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور تمہارے پاؤں جما دے۔

یعنی حق تعالیٰ نے تم پر بارش کا پانی نازل فرمایا تاکہ تمہیں گندگیوں سے پاک کر دے اور شیطانی وسوسے تمہارے دلوں سے نکال دے اور تمہارے دلوں کو قوت و حوصلہ عطا فرمائے اور تمہارے پاؤں جما دے یعنی مٹی اور ریت کو جما دے تاکہ اس میں تمہارے قدم نہ دھنسیں۔

غیبی امداد مسلمانوں کیلئے رحمت اور کفار کے لئے زحمت...... ادھر اسی بارش کی وجہ سے قریش سخت مصیبت میں پڑ گئے اور نہ تو اپنے پڑاؤ سے نکلنے کے قابل رہے اور نہ پانی کے چشمے تک پہنچنے کے قابل رہے' اس طرح یہ بارش جہاں ایک طرف مسلمانوں کے لئے نعمت اور قوت ثابت ہوئی وہیں دوسری طرف مشرکوں کے لئے ایک مصیبت اور بلا بن گئی۔

آنحضرت ﷺ کی دعائیں...... حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رات میں اچانک بارش ہوئی اور ہم پانی سے بچنے کے لئے درختوں وغیرہ کے نیچے پہنچ گئے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب سے دعائیں مانگتے ہوئے گزاری۔

حضرت علیؓ سے ہی روایت ہے کہ اس رات ہم میں سے سوائے رسول اللہ ﷺ کے کوئی شخص شب بیدار نہیں تھا' آپ ﷺ ایک درخت کے نیچے کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور بہت لمبے لمبے سجدے کر رہے تھے' آپ سجدے میں گر کر مسلسل یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ کا ورد فرما رہے تھے یہاں تک کہ اسی طرح صبح ہو گئی۔ (ی) اس لئے کہ اس رات تمام مسلمانوں کو زبردست سستی اور نیند کا خمار محسوس ہوا جس کی وجہ سے ہر شخص پہلو پر لیٹ کر سو گیا۔

(ی) حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دل کا سکون حاصل ہو گیا تھا' جہاں تک سستی اور اونگھ کا تعلق ہے تو ایسی سستی اور اونگھ دو ہی مرتبہ پیدا ہوئی ہے' ایک غزوہ بدر کی سستی اور دوسری غزوہ احد کی سستی' کیونکہ یہاں یعنی غزوہ بدر میں رات کے وقت یہ اونگھ اور سستی پیدا ہوئی تھی اور غزوہ احد میں جنگ کے وقت یہ سستی پیدا ہوئی تھی۔

اب جہاں تک جنگ کے وقت یا جنگ کی تیاری کے وقت جو ٹکراؤ کا وقت تھا اونگھ اور سستی کے دل کا سکون ہونے کا تعلق

ہے تو یہ بات ظاہر ہے ہاں اس سے پہلے نہیں (اور اونگھ اور نیند کا خمار بے فکری کی دلیل ہے تو گویا حق تعالیٰ نے غزوہ بدر سے پہلے اور غزوہ احد کی شکست کے وقت مسلمانوں میں سستی یعنی بے فکری پیدا فرما دی)۔

غزوہ بدر میں ملائکہ کی شرکت...... علامہ شمس شامی نے لکھا ہے کہ جب اس جنگ میں ملائکہ یعنی فرشتے نازل ہوئے اور لوگ اپنی صفوں میں کھڑے تھے انہوں نے دشمن پر حملہ نہیں کیا تھا اور آنحضرت ﷺ نے ان کو فرشتوں کے نازل ہونے کی خوشخبری سنائی تو سب لوگوں کو اطمینان اور سکون حاصل ہو گیا' ساتھ ہی ان کو اونگھ اور سستی بھی پیدا ہوئی جو اطمینان کی دلیل ہے' اس کا یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ لوگوں کو عین ٹکراؤ کے وقت نیند کا خمار محسوس ہوا۔

چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ میدان جنگ میں ٹکراؤ کے وقت سستی اور خمار کا محسوس ہونا ایمان کی علامت ہے اور نماز میں خمار کا محسوس ہونا نفاق کی علامت ہے۔ (ی) کیونکہ جنگ کے وقت خمار کا محسوس ہونا دل جمعی اور اطمینان قلب کو ظاہر کرتا ہے اور نماز کی حالت میں خمار کو ہونا نماز سے لا پروائی کو ظاہر کرتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کا خطبہ اور فہمائش...... غرض جب صبح ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ لوگو! نماز کے لئے تیار ہو جاؤ' چنانچہ لوگ درختوں وغیرہ کے نیچے سے نکل نکل کر آ گئے اور آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھائی اور پھر آپ نے جو خطبہ دیا اس میں لوگوں کو جنگ کے لئے ابھارا' آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرنے کے بعد فرمایا:

"اما بعد! میں تمہیں ایسی بات کیلئے ابھارتا ہوں جس کیلئے تمہیں اللہ تعالیٰ نے ابھارا ہے' یہاں تک کہ پھر آپ ﷺ نے فرمایا تنگی اور سختی کے موقعوں پر صبر کرنے سے اللہ تعالیٰ تمام تکلیفوں سے بچا لیتا ہے اور تمام غموں سے نجات عطا فرماتا ہے"۔

حبابؓ کا مشورہ...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ قریش سے پہلے پانی تک پہنچنے کے لئے بڑھے اور کامیاب ہوئے اور آپ ﷺ مقام بدر کے قریب ترین پانی کے چشمے پر پہنچ گئے جو بدر کے سب سے زیادہ قریب تھا اور وہیں آپ ﷺ نے قیام فرمایا' حضرت حباب ابن منذرؓ نے آپ ﷺ سے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! یہاں جس منزل پر آپ ﷺ نے قیام فرمایا ہے کیا یہ ایسی منزل ہے جہاں قیام کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا ہے اور ہم یہاں سے نہ آگے بڑھ سکتے ہیں نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں یا یہ صرف آپ ﷺ کی رائے اور جنگی چال ہے"۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں یہ صرف رائے اور جنگی چال ہے' تب حضرت حبابؓ نے عرض کیا'

"تو یا رسول اللہ! یہ جگہ مناسب نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ لوگوں کو یہاں سے ہٹا لیجئے اور وہاں قیام کیجئے جو دشمن کے پانی سے قریب ترین جگہ ہو' جب دشمن یعنی قریش پڑاؤ ڈالیں تو وہ چشمہ وہاں سے قریب ترین ہو"۔

پھر حضرت حبابؓ نے عرض کیا:

"میں اس چشمے کے زبردست سوت اور پانی کی کثرت سے واقف ہوں کہ وہ کبھی خشک نہیں ہوتا ہم وہیں پڑاؤ ڈالیں گے اور پھر اس کے علاوہ جو گڑھے اور سوت ہیں ان کو پاٹ دیں گے"۔

یعنی جو دوسرے خام اور کچے کنوئیں ہیں ان کو بھر دیں گے پھر ہم اس چشمے پر حوض بنا کر اس میں پانی جمع کر لیں گے اور اس طرح ہمارے پاس پینے کا پانی کافی مقدار میں ہوگا جب کہ ان لوگوں کو پانی نہیں ملے گا کیونکہ دوسرے تمام گڑھے اس چشمے کے پیچھے ہوں گے۔

یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم نے بہت اچھی رائے دی ہے' اسی وقت جبرئیلؑ نازل ہوئے اور انہوں نے

آنحضرت ﷺ سے کہا کہ حباب نے جو رائے دی ہے وہ بہت عمدہ اور مناسب ہے' چنانچہ اس کے بعد آنحضرت ﷺ اور تمام لوگ وہاں سے روانہ ہوئے اور اس چشمے پر آئے جو اس جگہ سے قریب ترین تھا جہاں قریش نے پڑاؤ ڈالا تھا' مسلمانوں نے یہاں قیام کیا اور پھر آپ ﷺ نے گڑھے بھرنے کا حکم دیا۔

لشکر اسلامی کے لئے حوض کی تعمیر...... پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کچے کنویں پر ایک حوض بنوائی جہاں آپ ﷺ نے پڑاؤ ڈالا تھا اور اس میں پانی بھروادیا اور ڈول ڈلوادیئے (اور اس طرح حضرت حباب کے مشورے پر عمل فرمایا' ایسے کچے اور بغیر مَن کے کنویں کو عربی میں قلیب کہتے ہیں)۔

اسی وقت سے حضرت حبابؓ کو ذی رائے کہا جانے لگا تھا' اگرچہ بعض لوگوں کے کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حبابؓ اس سے پہلے اس لقب سے مشہور تھے۔

یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب وہ قلیب مسلمانوں کی پشت پر تھا اور باقی گڑھے اس قلیب کے پیچھے تھے تو پھر ان کو پاٹ دینے کا کیا مطلب ہے کیونکہ اگر ان کو نہ بھی پاٹا جائے تو بھی مسلمانوں کو پانی ملتا رہتا اور مشرکوں کو نہ ملتا' لہٰذا اب یہی کہا جاسکتا ہے کہ مراد یہ ہے کہ مشرکین پشت کی طرف سے نہ آئیں لہٰذا گڑھوں کو پاٹ دینے کی غرض یہ تھی کہ مشرکوں کو پانی کا لالچ بھی نہ رہے' بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

حضرت حبابؓ کے پوچھنے پر آنحضرت ﷺ نے اپنے پڑاؤ ڈالنے کے متعلق یہ فرمایا تھا کہ یہاں خدا تعالیٰ کے حکم پر پڑاؤ نہیں ڈالا گیا ہے بلکہ صرف جنگی چال اور رائے کے پیش نظر پڑاؤ ڈالا گیا ہے' اس سے یہ دلیل نکلتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے لئے جنگ میں اجتہاد کرنا جائز تھا' اب یہ جواز یا تو مخصوص حالات کے لحاظ سے تھا یا مطلقاً کیونکہ صورت سبب مخصوص نہیں ہوتی' البتہ ترجیحی قول یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے لئے مطلقاً اجتہاد کرنا جائز تھا' اب احکام کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ سے جو اجتہاد سرزد ہو اس کی دلیل آپ ﷺ کے اس قول سے ملتی ہے کہ آپ ﷺ نے حرم کی سب چیزوں یعنی ڈلے' پتھر اور لکڑی وغیرہ کو کاٹنا حرام قرار دیا تھا مگر اسی وقت حضرت عباسؓ نے کہا کہ سوائے گھاس کے' تو آپ ﷺ نے اجتہاد کر کے فرمادیا تھا کہ ہاں سوائے گھاس کے' مگر علامہ سبکیؒ نے کہا ہے کہ اجتہاد پر یہ دلیل نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے اسی وقت آپ ﷺ کو اس سلسلے میں وحی بھیجی گئی ہو۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ مسلمان اس قلیب کے قریباً آدھی رات کے وقت پہنچے اور تبھی انہوں نے حوض بنا کر اس میں پانی بھرا اور ڈول ڈالے جب کہ اس سے پہلے انہوں نے سیر ہو کر پانی پیا۔ اس روایت کی تائید آگے آنے والی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے۔

سعدؓ کی طرف سے عریش بنانے کا مشورہ...... ادھر یہاں پہنچ کر حضرت سعد ابن معاذ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

"یا نبی اللہ! ہم آپ ﷺ کے لئے ایک عریش یعنی چھپر نہ بنادیں' جو کھجور کے پتوں کا ایک سائبان ہوتا ہے' آپ ﷺ اس میں تشریف رکھیں' اس کے پاس آپ ﷺ کی سواریاں تیار رہیں اور ہم دشمن سے جا کر مقابلہ کریں' اب اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح کی عزت عطا فرمائی اور دشمن پر غالب فرمادیا تو ہمارے دل کی مراد بر آئے گی لیکن اگر دوسری شکل ہوئی (یعنی ہمیں شکست ہوگئی) تو آپ ﷺ سواریوں پر سوار ہو کر اپنے ان ساتھیوں کے پاس پہنچ جائیں جنہیں ہم پیچھے یعنی مدینہ میں چھوڑ آئے ہیں' کیونکہ جن لوگوں کو ہم گھروں پر چھوڑ آئے ہیں وہ ہم سے بھی زیادہ آپ ﷺ کے عشاق اور جاں نثار ہیں اور وہ بھی آپ ﷺ کے لئے جہاد کا

جذبہ کچھ کم نہیں رکھتے' اگر انہیں خیال ہوتا کہ اس سفر میں آپ ﷺ کو جنگ کا سامنا کرنا پڑے گا تو وہ لوگ ہرگز وہاں نہ رکتے وہ تو صرف یہ سمجھ رہے تھے کہ آپ ﷺ دشمن کے تجارتی قافلے پر حملہ کرنے جارہے ہیں' ورنہ شاید ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی حفاظت فرماتا اور وہ انتہائی خیر خواہی کے ساتھ آپ ﷺ کے شانہ بشانہ جہاد کرتے"۔

یہ مشورہ سن کر آنحضرت ﷺ نے حضرت سعدؓ کے جذبہ کی تعریف فرمائی اور ان کیلئے دعائے خیر فرمائی' پھر آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

"اے سعد! اور اگر اللہ تعالیٰ نے اس سے زیادہ بہتر چیز کا فیصلہ فرمالیا ہو؟"۔

یعنی ان کی فتح و نصرت کا اور دشمن پر ان کو غالب کرنے کا ارادہ فرمالیا ہے۔

سائبان کی تیاری...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ کے لئے ایک چھپر بنایا گیا جو ایک ایسے اونچے ٹیکرے پر بنایا گیا تھا جہاں سے آپ ﷺ پورے میدانِ جنگ کو ملاحظہ فرماسکتے تھے' پھر آنحضرت ﷺ اسی میں قیام فرما ہوئے۔

ابو بکرؓ بہادر ترین شخص...... حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا:

"بتلاؤ سب سے زیادہ بہادر شخص کون ہے؟

صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ ہیں! آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے بہادر شخص ابو بکرؓ ہیں' حضرت علیؓ اسکی وجہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ غزوہ بدر میں جب ہم نے آنحضرت ﷺ کیلئے وہ چھپر بنادیا تو ہم نے آپ ﷺ سے کہا کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ یہاں کون شخص رہے گا تاکہ مشرکوں میں سے کوئی شخص آپ ﷺ کے قریب نہ آسکے' حضرت علیؓ کہتے ہیں:

"خدا کی قسم یہ سن کر ہم میں ابو بکرؓ ہی آگے بڑھے اور آنحضرت ﷺ کے سر مبارک پر اپنی تلوار کا سایہ کر کے کہنے لگے کہ جو شخص بھی آنحضرت ﷺ کی طرف آنے کی جرأت کرے گا اسے پہلے اس سے یعنی ان کی تلوار سے نمٹنا پڑے گا"۔

اسی لئے آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کو سب سے زیادہ بہادر شخص قرار دیا' چنانچہ اس روایت سے شیعوں اور رافضیوں کے اس قول کی تردید ہو جاتی ہے کہ خلافت کا مستحق حضرت علیؓ کے سوا کوئی شخص نہیں تھا کیونکہ وہ سب سے زیادہ بہادر شخص تھے۔

مگر یہ بات جنگ کی آگ بھڑکنے سے پہلے کی ہے کہ (صرف حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرت ﷺ کی حفاظت کی ذمہ داری لی تھی) کیونکہ جنگ کے شروع ہونے کے بعد خود حضرت علیؓ' چھپر کے دروازے پر نگہبانی کے فرائض انجام دے رہے تھے جب کہ وہیں یعنی چھپر کے دروازے کے پاس حضرت ابو بکرؓ اور حضرت سعد ابن معاذ انصاریوں کے ایک دستے کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی حفاظت کے لئے تعینات تھے جیسا کہ آگے آئے گا۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حضرت ابو بکرؓ' حضرت علیؓ سے زیادہ بہادر تھے تو اس کی دلیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت علیؓ کو آنحضرت ﷺ پہلے ہی اطلاع دے چکے تھے کہ ان کو ابن ملجم ہی قتل کرے گا' اسی لئے حضرت علیؓ جب بھی جنگ میں شریک ہوتے اور دشمن کے سامنے پہنچتے تو ان کو یقین سے معلوم ہوتا تھا کہ ان میں سے کوئی شخص بھی مجھے قتل نہیں کر سکتا لہٰذا وہ ایسے مطمئن رہتے تھے جیسے اپنے بستر پر سو رہے ہوں' لیکن جہاں تک حضرت ابو بکرؓ کا تعلق ہے تو ان کو اسکی اطلاع نہیں تھی کہ ان کو قتل کرنے والا کون ہے؟ چنانچہ وہ جب جنگ میں شریک ہوتے تو ان کو معلوم نہیں ہوتا تھا کہ آیا وہ قتل ہو جائیں گے یا زندہ رہیں گے' لہٰذا اس حالت میں بھی وہ جتنی محنت اور ہمت کرتے تھے اتنی کوئی دوسرا نہیں کرتا تھا' چنانچہ اس

کی مثال میں مرتدوں کے ساتھ ان کی جنگ کو پیش کیا جاسکتا ہے' نیز انہوں نے جس عزم اور حوصلہ کے ساتھ ان لوگوں کے خلاف جنگ کرنے کا فیصلہ کیا جو زکوۃ دینے سے انکار کرتے تھے وہ اس کا ثبوت ہے حالانکہ حضرت عمرؓ اس وقت نرم پڑ گئے تھے۔

مجاہدین قریشی لشکر کے سامنے...... غرض جب صبح ہوئی تو قریشی لشکر ریت کے ٹیلے کے پیچھے سے نمودار ہوا' اس سے اس گذشتہ قول کی تائید ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ رات کے وقت ہی پانی پر قبضہ کرنے کے لئے پہنچ گئے تھے کیونکہ قریش کی آمد فجر طلوع ہونے اور صبح کی نماز کے بعد ہوئی جیسا کہ بیان ہوا کیونکہ راوی کے الفاظ سے یہی ظاہر ہے کہ جس وقت قریش نمودار ہوئے تو مسلمان وہاں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔

آنحضرت ﷺ کی طرف سے قریش کی قتل گاہوں کی نشاندہی...... ادھر مسلم میں حضرت انسؓ کی روایت ہے اس سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے' اس روایت میں ہے کہ بدر کی رات میں جب کہ آپ ﷺ میدان جنگ میں پہنچ گئے آپ ﷺ نے زمین پر ہاتھ رکھ کر فرمایا:

"انشاء اللہ کل یہ جگہ فلاں شخص کی قتل گاہ ہو گی اور یہاں اس جگہ فلاں شخص قتل ہو گا اور یہاں فلاں قتل ہو گا"۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جن لوگوں کے نام آنحضرت ﷺ نے لے کر ان کی قتل کی جگہ بتلائی تھی وہ اسی جگہ قتل ہوئے اس سے بال برابر ادھر یا ادھر نہیں ہوئے' بہر حال روایتوں کا یہ اختلاف قابل غور ہے اور ان میں موافقت کی ضرورت ہے۔

دعائے نبوی ﷺ...... رسول اللہ ﷺ نے جب قریش کو دیکھا جو سر سے پیر تک آہن پوش تھے اور جن کا عظیم الشان لشکر پورے ہتھیاروں سے لیس بڑھا چلا آرہا تھا تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی:

"اے اللہ! یہ قریش کے لوگ اپنے تمام بہادر سرداروں کے ساتھ بڑے غرور سے تجھ سے جنگ کرنے یعنی تیری دشمنی کرنے' تیرے احکام کی خلاف ورزی کرنے اور تیرے رسول کو جھٹلانے آئے ہیں' پس اے اللہ! تو نے مجھ سے اپنی جس مدد اور نصرت کا وعدہ فرمایا ہے وہ مدد بھیج دے"۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں۔ "اے اللہ! تو نے مجھ پر کتاب نازل فرمائی اور مجھے ثابت قدم رہنے کا حکم فرمایا اور قریش کی دو جماعتوں میں سے ایک پر غلبہ کا وعدہ فرمایا ہے' ان دو جماعتوں میں سے ایک تو ہماری دسترس سے نکل چکی ہے یعنی قریش کا تجارتی قافلہ۔ تو اپنے وعدہ کا سچا ہے (لہٰذا اس دوسری جماعت پر ہمیں غلبہ عطا فرما) اے اللہ! ان کو آج ہلاک فرما دے"۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ "اے اللہ! اس امت کے فرعون ابو جہل کو کہیں پناہ اور ٹھکانہ نہ دیجئے' اے اللہ! زمعہ ابن اسود بچ کر نہ جائے' اے اللہ ابو زمعہ کو راندۂ درگاہ کر دے گا' اے اللہ ابو زمعہ کو کور چشم کر دے' اے اللہ سہیل بچ کر نہ جائے!"۔

قریش کے جاسوس...... غرض جب قریشی لشکر ٹھہر گیا تو انہوں نے عمیر ابن وہب جمحی کو جاسوسی کے لئے بھیجا یہ عُمیر بعد میں مسلمان ہو گئے تھے اور نہایت اچھے مسلمان بنے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ غزوہ احد میں شریک ہوئے۔ قریش نے عُمیر سے کہا جا کر محمد ﷺ کے لشکر کی تعداد معلوم کرو اور ہمیں خبر دو' عُمیر اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے اور انہوں نے اسلامی لشکر کے گرد ایک چکر لگایا' پھر قریش کے پاس آکر ان سے بولے:

"وہ لوگ تقریباً تین سو ہیں ممکن ہے کچھ کم یا کچھ زیادہ ہوں' مگر ٹھہرو میں ذرا یہ دیکھ لوں کہ ان لوگوں کی کوئی کمین گاہ تو نہیں جہاں اور لوگ چھپے ہوئے ہوں یا کوئی مدد تو آنے والی نہیں ہے"۔

مجاہدوں کی عزم و ہمت پر جاسوس کی حیرت...... یہ کہہ کر عُمیر پھر روانہ ہو گئے اور وادی میں بہت دور تک گئے مگر انہیں

کوئی چیز نظر نہیں آئے تب وہ پھر واپس آئے اور کہنے لگے:

"مجھے اور کچھ نظر نہیں آیا، مگر اے گروہ قریش! میں نے دیکھا کہ یہ سر بکف لوگ موت کو اپنے کاندھوں پر اٹھائے ہوئے ہیں جیسے وہ اونٹنی ہوتی ہے جو اس کے مالک کی قبر پر باندھ دی جاتی ہے نہ اس کو چارہ دیا جاتا ہے نہ پانی یہاں تک کہ اسی حالت میں مر جاتی ہے، یعنی یثرب کے یہ جیالے قتل وخون کا بازار گرم کرنے آئے ہیں، بعض راویوں نے یہ اضافہ بھی بیان کیا ہے کہ کیا تم دیکھتے نہیں یہ لوگ گونگوں کی طرح خاموش اور مہر بہ لب ہیں، سانپوں کی طرح پھنکارتے ہیں، انہیں لوٹ کر اپنے گھروں کو جانے کی تمنا نہیں ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کے نہ حمایتی ہیں اور نہ ان کی تلواروں کے سوا ان کا کوئی ٹھکانہ ہے، خدا کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ ان کا کوئی آدمی اس وقت تک قتل نہیں ہوگا جب تک وہ تمہارے میں کے ایک آدمی کو نہیں مار لیگا، اس طرح اگر تمہارے آدمی بھی اتنے ہی مرے جتنے ان کے تو اس کے بعد زندگی کا کوئی مزا نہیں، اسلئے اس بارے میں سوچ لو"۔

قریش کی واپسی کے لئے حکیم کی عتبہ سے درخواست...... حکیم ابن حزام نے یہ بات سنی تو وہاں سے عتبہ ابن ربیعہ کے پاس آئے اور کہنے لگے:

"ابو ولید! تم قریش کے بڑے اور سردار ہو اور لوگ تمہاری بات مانتے ہیں، کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ رہتی دنیا تک تمہارا ذکر بھلائی اور خیر کے ساتھ ہوتا رہے"۔

عتبہ نے پوچھا کیا بات ہے تو حکیم نے کہا کہ بہتری اسی میں ہے کہ قریشی لشکر کو واپس لے چلو، عتبہ نے جب ساری بات سنی تو اس کی سمجھ میں آگئی اور اس نے محسوس کیا کہ یہ خون ریزی نقصان دہ ہے چنانچہ اس نے لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور کہا:

اے گروہ قریش! خدا کی قسم تمہیں محمد اور ان کے صحابہ سے جنگ کر کے کچھ فائدہ نہیں پہنچے گا (محمد کے صحابہ سب کے سب تمہارے رشتہ دار اور عزیز ہی ہیں اس لئے) خدا کی قسم اگر تم نے ان لوگوں کو مار ڈالا تو تم میں سے ہر شخص (ایک دوسرے کے رشتہ داروں کا قاتل ہوگا اور تم میں سے ہر ایک) ہمیشہ دوسرے کو اس وجہ سے بُری نظر اور نفرت سے دیکھے گا کہ ہر شخص دوسرے کے رشتہ داروں اور خاندان والوں کا قاتل ہوگا، لہٰذا بہتری اسی میں ہے کہ واپس لوٹ چلو اور محمد ﷺ سے نمٹنے کے لئے تمام عربوں کو چھوڑ دو، اگر انہوں نے محمد ﷺ کو نقصان پہنچا دیا تو یہ تمہارے دل کی مراد ہوگی، اور اگر دوسری صورت ہوئی تو تمہارے اوپر کوئی ذمہ داری نہ ہوگی بلکہ وہ بھی تمہاری ہی عزت ہوگی لہٰذا تم ان کے ساتھ مت الجھو۔ اے قوم! آج اگر تمہیں اس طرح لوٹنے میں غیرت آتی ہے تو اس کی عار اور ذمہ داری تم مجھ پر ڈال دو اور مجھے بزدل کہہ سکتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تم میں بزدل نہیں ہوں"۔

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حکیم ابن حزام نے عتبہ ابن ربیعہ سے یوں کہا:

"تم لوگوں کو اپنی پناہ دے دو اور عمرو ابن حضرمی کا خون بہا اپنے ذمہ لے لو جو تمہارا حلیف تھا اور اس کے تجارتی قافلے کا جو سامان محمد ﷺ کے دستہ کے امیر عبداللہ ابن جحش کے ہاتھ لگا اس کا تاوان اپنے سر لے لو کیونکہ یہ لوگ محمد ﷺ سے صرف اسی کے خون بہا اور مال تجارت کا مطالبہ کر سکتے ہیں"۔

(عمرو ابن حضرمی عتبہ ابن ربیعہ کا حلیف یعنی معاہدہ بردار تھا جو تجارت کی غرض سے سفر میں تھا، آنحضرت ﷺ نے ایک دستہ حضرت عبداللہ ابن جحش کی سربراہی میں نخلہ کی طرف دشمنوں کی سرکوبی اور ان کے قافلے روکنے کے لئے بھیجا ہوا

تھا'حضرت عبداللہ کا سامنا ابن حضرمی کے قافلے سے ہوا اس مقابلے میں حضرت واقد ابن عبداللہ نے عمرو ابن حضرمی کو قتل کر دیا اور حضرت عبداللہ ابن جحش نے اس قافلے کے مال پر قبضہ کر لیا) اس واقعہ کی تفصیل آگے آئے گی۔

اس طرح عمرو ابن حضرمی وہ پہلا شخص ہے جس کو مسلمانوں نے مقابلے میں قتل کیا (حکیم ابن حزام نے عتبہ کو اسی کے متعلق مشورہ دیا کہ لڑائی کی بنیاد عمرو ابن حضرمی کا قتل ہے لہٰذا تم اس کی جان کی قیمت اپنے ذمہ لے لو اور اس کے قافلے کا جو مال تجارت مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا ہے اس کی ادائیگی بھی اپنے سر لے لو اور اسی طرح اس جنگ کو نہ ہونے دو جو سر پر آ چکی ہے) عتبہ اس پر راضی ہو گیا اور اس نے کہا:

"ہاں' میں اس کا خون بہا اپنے ذمہ لیتا ہوں' وہ میرا حلیف تھا اس لئے اس کی جان کی قیمت اور مال کے نقصان کی ادائیگی کا ذمہ میں اپنے سر لیتا ہوں' تم نے جو کہا اور جو مشورہ دیا میں اس کو قبول کرتا ہوں"۔

اس کے بعد عتبہ اپنے اونٹ پر سوار ہو کر لشکر کی صفوں میں گھوما اور قریش کے سامنے اعلان کرتا گیا:

"اے قوم کے لوگو! میری بات مانو! تم صرف عمرو ابن حضرمی کے خوں بہا اور اس کے لٹے ہوئے مال کا مطالبہ ہی تو کرتے ہو' میں ان دونوں کی ادائیگی کا ذمہ لیتا ہوں"۔

بعض علماء نے اس میں یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے:

"اے گروہ قریش! میں تمہیں ان چہروں کی قسم دیتا ہوں جو چراغوں کی طرح روشن اور تابناک ہیں یعنی قریش کے چہرے کہ تم ان کو ان چہروں کی نظیر بنا دو جو سرچشمہ حیات کی طرح ہیں' یعنی انصار کے چہرے"۔

اس بارے میں ایک قول یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عمرو ابن حضرمی کی جان کی قیمت ادا کر دی تھی مگر اس گذشتہ روایت اور آگے آنے والی ایک دوسری روایت سے اس قول کی تردید ہوتی ہے۔

عتبہ کی کوششوں کی آنحضرت ﷺ کی اطلاع...... ادھر جب رسول اللہ ﷺ نے ریت کے ٹیلے کے پیچھے سے قریشی لشکر کو نمودار ہوتے دیکھا اور اسکے بعد لشکر میں عتبہ ابن ربیعہ کو ایک سرخ رنگ کے اونٹ پر گھومتے دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"ان دونوں یعنی لشکر یا اونٹ والے میں سے اگر کسی کے ساتھ اس وقت خیر ہے تو وہ سرخ اونٹ والے کے ساتھ ہے"۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ اگر کوئی خیر کا حکم دینے والا شخص ہو تا جس کی بات لوگ مانتے تو وہ سرخ اونٹ والا ہے جس سے یہ لوگ فلاح پاتے۔

جب آنحضرت ﷺ نے اس سرخ اونٹ والے شخص کو قریشی لشکر میں گھومتے دیکھا تو آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ حمزہ کو آواز دو' حضرت حمزہؓ مشرکوں کی صفوں کے سب سے زیادہ قریب تھے' آنحضرت ﷺ نے حضرت حمزہ سے پوچھا:

"یہ سرخ اونٹ والا شخص کون ہے اور کیا کہہ رہا ہے؟"

حضرت حمزہ نے عرض کیا:

"وہ عتبہ ابن ربیعہ ہے جو لوگوں کو جنگ کرنے سے منع کر رہا ہے"۔

اب گویا آنحضرت ﷺ کا عتبہ کے بارے میں وہ گذشتہ ارشاد آپ ﷺ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک تھا (کہ آپ ﷺ نے دور سے اس شخص کو دیکھ کر اور بغیر پہچانے اور بغیر اس کی آواز سنے اس کے متعلق خبر دے دی)۔

ابو جہل کا عتبہ پر غصہ...... غرض حکیم ابن حزام سے بات کرنے کے بعد جب عتبہ نے عمرو ابن حضرمی کا خون بہا اپنے ذمہ

لینے کا اعلان کر دیا تو اب اس نے حکیم سے کہا کہ تم ذرا ابن حنظلیہ یعنی ابو جہل کے پاس جاؤ' حکیم کہتے ہیں کہ میں روانہ ہوا یہاں تک کہ ابو جہل کے پاس پہنچا' میں نے دیکھا کہ وہ زرہ بکتر پہن کر ہتھیار لگا رہا تھا' میں نے اس سے کہا'

"مجھے عتبہ نے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے"۔

عتبہ کو بزدلی کا طعنہ...... ابو جہل یہ سن کر غضبناک ہو گیا اور اس نے بڑی حقارت سے کہا کہ عتبہ بزدل ہو گیا ہے' یہاں عربی کا ایک خاص محاورہ استعمال ہوا ہے جو بزدلی کا طعنہ دینے کے لئے بولا جاتا ہے' ایک روایت میں یوں ہے کہ ابو جہل فوراً عتبہ کے پاس آیا اور غصہ کے ساتھ اس نے عتبہ سے کہا:

"یہ بات تم نے ہی کہی ہے' خدا کی قسم اگر تمہارے علاوہ کسی اور نے یہ بات کہی ہوتی تو میں اس کو بزدلی کا زبردست طعنہ دیتا کہ تیرے دل میں دشمن کا خوف اور ڈر بیٹھ گیا ہے' خدا کی قسم ہم اس وقت تک ہرگز واپس نہیں جائیں گے جب تک اللہ تعالیٰ ہمارے اور محمد ﷺ کے درمیان فیصلہ نہ فرمادے"۔

پھر ابو جہل نے حکیم سے کہا:

"عتبہ نے یہ بات یوں ہی نہیں کہی بلکہ اس لئے کہی ہے کہ وہ جانتا ہے مسلمانوں کی تعداد اس قدر کم ہے کہ ان کو ہمارے اونٹ اور گھوڑے ہی کافی ہو جائیں گے اور ان میں ہی عتبہ کا بیٹا ابو حذیفہ بھی ہے (لہٰذا مسلمانوں کی ہلاکت کا مطلب ہے کہ عتبہ کا بیٹا بھی ہلاک ہو جائے گا) لہٰذا وہ تم کو خواہ مخواہ ڈرا رہا ہے"۔

حضرت ابو حذیفہ اسی عتبہ ابن ربیعہ کے بیٹے تھے اور بہت پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ ابو جہل نے عتبہ کی بات سن کر قریشی لشکر سے کہا:

"اے گروہ قریش! عتبہ تمہیں یہ مشورہ اس لئے دے رہا ہے کہ اس کا بیٹا بھی محمد ﷺ کے ساتھ ہے اور خود محمد ﷺ اس کے چچازاد بھائی ہیں لہٰذا وہ نہیں چاہتا کہ تم اس کے بیٹے اور اس کے چچازاد بھائی کو قتل کرو"۔

یہ سن کر عتبہ بگڑ گیا اور ابو جہل کو گالیاں دینے لگا' پھر بولا:

"جلد ہی پتہ چل جائے گا کہ ہم میں سے کون اپنی قوم کے حق میں کانٹے بو رہا ہے!"۔

کفر و اسلام میں عتبہ کے کنبہ کی تقسیم...... ایک عجیب بات یہ ہے کہ اسی عتبہ ابن ربیعہ کی بیٹی اُمّ ابان کے چار بھائی اور دو چچا تھے اور سب ہی اس جنگ بدر میں شریک ہوئے ان میں سے دو بھائی مسلمان تھے اور دو مشرک تھے اور اسی طرح ان دونوں چچاؤں میں سے ایک مسلمان تھے اور ایک کافر تھے' دونوں مسلمان بھائی تو حضرت ابو حذیفہ اور حضرت مصعب ابن عمیر تھے' یہ حضرت مصعب غالباً اُمّ ابان کے ماں شریک بھائی تھے' یعنی عتبہ کے بیٹے نہیں تھے بلکہ عتبہ کی بیوی کے بیٹے تھے' اور دو کافر بھائی ولید ابن عتبہ اور ابو عزیز تھے' اسی طرح اُمّ ابان کے مسلمان چچا معمر ابن حرث تھے' یہ بھی شاید عتبہ کے ماں شریک بھائی تھے' اور کافر چچا شیبہ ابن ربیعہ تھا۔

غیبی نصرت و حمایت...... اللہ کی حکمت اس موقع پر یہ ظاہر ہوئی کہ جب تک جنگ شروع نہیں ہوئی مشرکوں کو مسلمانوں کی تعداد بہت کم نظر آتی رہی جس سے پیش قدمی کرنے کیلئے ان کے حوصلے بڑھ گئے مگر جب جنگ شروع ہوئی تو حق تعالیٰ نے کافروں کی نظر میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ کر دی یعنی اس وقت انہیں مسلمان بہت زیادہ تعداد میں نظر آنے لگے تاکہ ان کے دلوں میں خوف اور رعب بیٹھ جائے' ادھر جنگ شروع ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی نظر میں مشرکوں کی تعداد

بہت کم کر دی تاکہ حملہ کرنے کے لئے ان کے حوصلے بڑھ جائیں۔

چنانچہ ایک روایت میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں:

"غزوہ بدر کے موقعہ پر مشرکین ہمیں اتنے کم نظر آ رہے تھے کہ میں نے ایک شخص سے کہا کہ شاید یہ سب ملا کر ساٹھ آدمی ہیں' اس پر اس نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں ان کی تعداد سو تک ہے"۔

چنانچہ حق تعالیٰ نے یہ وحی نازل فرمائی:

وَاِذْ یُرِیْکُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْٓ اَعْیُنِکُمْ قَلِیْلاً وَّ یُقَلِّلُکُمْ فِیْٓ اَعْیُنِهِمْ لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا کَانَ مَفْعُوْلاً ط وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ط (سورۂ انفال' پ ۱۰' ع ۵ آیت ۴۴)

ترجمہ:۔ اور اس وقت یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ تم کو جب کہ تم مقابل ہوئے وہ لوگ تمہاری نظر میں کم کر کے دکھلا رہے تھے اور اسی طرح ان کی نگاہ میں تم کو کم کر کے دکھلا رہے تھے تاکہ جو اللہ کو کرنا منظور تھا اس کی تکمیل کر دے اور سب مقدے اللہ ہی کی طرف رجوع کئے جائیں گے۔

چنانچہ حق تعالیٰ کا ایک اور ارشاد ہے:

قَدْ کَانَ لَکُمْ اٰیَةٌ فِیْ فِئَتَیْنِ الْتَقَتَا ط فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰی کَافِرَةٌ یَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَیْهِمْ رَاْیَ الْعَیْنِ (آیت ۱۳' سورۂ آل عمران' پ ۳' ع ۲)

ترجمہ: بے شک تمہارے لئے بڑا نمونہ ہے دو گروہوں کے واقعہ میں جو کہ باہم ایک دوسرے سے مقابل ہوئے تھے ایک گروہ تو اللہ کی راہ میں لڑتے تھے یعنی مسلمان اور دوسرا گروہ کافر لوگ تھے یہ کافر اپنے کو دیکھ رہے تھے کہ ان مسلمانوں سے کئی حصہ زیادہ ہیں کھلی آنکھوں کو دیکھنا۔

نبوت کی ایک اور نشانی...... ایک روایت ہے کہ قباث ابن اشیم جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے اور غزوہ بدر میں کافر کی حیثیت سے شریک تھے اپنے دل میں سوچنے لگے (کہ مسلمان اتنے تھوڑے سے ہیں) کہ اگر قریش کی عورتیں بھی ساری کی ساری نکل آئیں تو وہی محمد ﷺ اور ان کے صحابہ کو پسپا کر دیں گی۔

پھر اس واقعہ کے کئی سال بعد یعنی غزوہ خندق کے بعد قباث مسلمان ہونے کے لئے پہنچے' وہ کہتے ہیں کہ مدینہ پہنچ کر میں نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھا تو لوگوں نے بتلایا کہ آپ ﷺ مسجد نبوی میں صحابہ کے مجمع میں بیٹھے ہوئے ہیں' میں وہاں پہنچا مگر صحابہ کے مجمع میں آپ ﷺ کو پہچان نہ سکا' میں نے سلام کیا تو آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

"قباث! غزوہ بدر کے موقعہ پر یہ بات تم نے ہی کہی تھی کہ اگر قریش کی عورتیں بھی ساری کی ساری نکل آئیں تو وہی محمد ﷺ اور ان کے صحابہ کو پسپا کر دیں گی"۔

قباث نے کہا:

"قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق دیکر بھیجا کہ یہ بات میری زبان سے نکلی نہیں تھی اور نہ ہی میرے ہونٹوں تک یہ لفظ آئے تھے' نہ اس بات کو کسی نے سنا تھا کیونکہ یہ بات تو میرے دل میں صرف ایک خیال کے طور پر گزری تھی"۔

اس کے بعد قباث فوراً ہی کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے' اب گویا آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ یہ بات تم نے ہی تو اپنے دل میں سوچی تھی! قباث نے فوراً ہی کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور محمد ﷺ اس کے

رسول ہیں اور جو پیغام وہ لے کر آئے ہیں وہ سچا اور حق ہے۔

عتبہ کا ابو جہل پر غصہ...... غرض جب عتبہ کو معلوم ہوا کہ ابو جہل نے اس کو بزدل کہا ہے تو عتبہ نے کہا:

"اس شخص کو جو اپنے سرین خوشبوؤں سے رنگ رہا ہے' جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ کون شخص بزدل ہے' میں یا وہ؟

سُرین کو خوشبو سے رنگنے کا مطلب پیچھے گزر چکا ہے' اس موقعہ پر اس محاورہ کے استعمال کی تشریح کرتے ہوئے علامہ سہیلیؒ نے لکھا ہے کہ یہ کلمہ عتبہ کا ایجاد کیا ہوا نہیں تھا نہ وہ اس کو سب سے پہلے استعمال کرنے والا شخص ہے بلکہ یہ محاورہ اصل میں ایک بادشاہ کو طعنہ کے طور پر کہا گیا تھا (جس کا نام قابوس ابن نعمان یا قابوس ابن منذر تھا) یہ بادشاہ بہت زیادہ عیش پسند تھا اور جنگوں سے جان چراتا تھا یعنی ہر وقت خوشبوؤں میں معطر عیش و نشاط میں غرق رہتا تھا) اس لئے اس کو کہا گیا کہ وہ بدن پر خوشبوئیں ملے ہوئے یعنی زعفران وغیرہ لگائے رنگ رلیوں میں مصروف رہتا ہے' تو محاورہ میں رنگا ہوا ہونے سے مراد خوشبوؤں یعنی زعفران وغیرہ کی زردی ہے' چنانچہ سرداران عرب صرف آسودگی اور سکون و چین کے وقت ہی خوشبوئیں لگاتے تھے' جنگ کے موقعوں پر خوشبوئیں لگانا بے انتہا برا اور معیوب سمجھتے تھے (کیونکہ اس سے نزاکت اور عیش پسندی کا اظہار ہوتا ہے)۔

علامہ سہیلیؒ کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ جب ابو جہل کو یہ معلوم ہوا کہ ابوسفیان کا تجارتی قافلہ صحیح سلامت بچ کر نکل گیا ہے تو اس خوشی میں اس نے اونٹ ذبح کئے' بدر کے مقام پر شراب و کباب کی محفل سجائی اور اس میں طوائفوں کے رقص و نغمہ سے دل بہلایا اسی وقت اس نے شاید خوشبو بھی لگائی ہو یا اس کا ارادہ کیا' اسی لئے عتبہ نے اس کے متعلق یہ محاورہ استعمال کیا جس سے اس کا مقصد یہ طعن کرنا تھا کہ وہ میدان جنگ میں خوشبوئیں لگاتا اور بنتا سنورتا ہے۔

جہاں تک سرین کا لفظ بولنے کا تعلق ہے تو اس سے مراد تو سارا بدن ہے لیکن انتہائی نفرت و بیزاری ظاہر کرنے کے لئے جسم کے سب سے گندے اور ارزل حصے کا ذکر کیا گیا ہے' یہاں تک علامہ سہیلی کا کلام ہے۔

ابو جہل کی ضد اور سرکشی...... ایک روایت ہے کہ جنگ سے پہلے آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر ابن خطاب کو مشرکین کے پاس یہ پیغام دیکر بھیجا کہ تم لوگ واپس چلے جاؤ کیونکہ یہ معاملہ اگر میں تمہارے سوا دوسروں کے ساتھ کروں تو یہ میرے لئے زیادہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ تمہارے ساتھ پیش آئے' یہ پیغام سن کر حکیم ابن حزام نے کہا:

"خدا کی قسم یہ انصاف کی بات ہے' اس انصاف کے بعد تم لوگ ہرگز ان پر فتح نہیں حاصل کر سکتے"۔

مگر ابو جہل بولا:

"اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہمارے قابو میں کر دیا ہے تو خدا کی قسم ہم ہرگز نہیں لوٹیں گے"۔

عتبہ کے خلاف عامر کا اشتعال...... اس کے بعد ابو جہل نے عامر ابن حضرمی کو بلایا جو اس مقتول شخص یعنی عمرو ابن حضرمی کا بھائی تھا اور اس سے کہا:

"یہ عتبہ تمہارا دوست اور معاہدہ بردار ہے اور لوگوں کو واپس لے جانا چاہتا ہے' ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ یہ چاہتا ہے کہ سب لوگوں کو رسوا کرے' اس نے تمہارے بھائی کی جان کی قیمت اپنے پاس سے ادا کرنے کا اعلان کیا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ تم اس خون بہا کو قبول کر لو گے' تمہیں اپنے بھائی کا خون بہا عتبہ کے مال سے لیتے ہوئے شرم نہیں آئے گی جب کہ تم اس کا حشر اپنی آنکھوں دیکھ چکے ہو' اٹھو اور اپنے بھائی کے خون کا واقعہ لوگوں کے سامنے بیان کرو"۔

یہ عامر ابن حضرمی بھی اپنے بھائی عمرو ابن حضرمی کی طرح عتبہ کے معاہدہ برداروں میں سے تھا جس کی تفصیل آگے آئے گی' چنانچہ عامر اٹھا اور اس نے اپنا بدن کھول کر اس پر مٹی ملی اور لوگوں کے درمیان چیخنا شروع کیا ہائے میرا بھائی' ہائے میرا بھائی۔ یہ سن کر لوگوں میں جوش و خروش پھیل گیا۔

عامر کے بھائی عُلاء کا مرتبہ...... عامر ابن حضرمی کے مسلمان ہونے کی کوئی روایت نہیں ہے کتاب استیعاب میں ہے کہ عامر جنگ بدر میں کافر کی حیثیت سے قتل ہوا' جہاں تک ان دونوں کے بھائی حضرت عُلاء کا تعلق ہے تو وہ بڑے جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں' ایک قول ہے کہ وہ مستجاب الدعوات تھے یعنی ان کی دعا قبول ہوتی تھی اور یہ سمندر پر چلے تھے' یہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے کی بات ہے جب انہوں نے ان کو ایک دستہ کا امیر بنا کر بھیجا تھا' ایک قول یہ ہے کہ ان کیلئے دریا خشک ہو گیا تھا یہاں تک کہ گھوڑوں کے کھروں پر گرد و غبار جم گیا' یہ ان کلموں کا اثر تھا جو انہوں نے ان کلموں کے ساتھ دعا کی تھی:

يَاعَلِيُّ يَاحَكِيْمُ يَاعَلِيُّ يَاعَظِيْمُ اِنَّا عَبِيْدُكَ وَفِيْ سَبِيْلِكَ نُقَاتِلُ عُدُوَّكَ اَللّٰهُمَّ فَاجْعَلْ لَنَا اِلَيْهِمْ سَبِيْلاً۔

ترجمہ: اے اللہ بلند و برتر اور اے حکمت والے' اے بلند و برتر اور اے عظمت والے ہم تیرے حقیر بندے ہیں اور تیری راہ میں نکلے ہیں' ہم تیرے دشمنوں سے لڑنے کیلئے نکلے ہیں' پس اے اللہ! ان تک پہنچنے کے لئے ہمارے لئے راستہ بنا دے۔

ایک اور عجیب واقعہ...... اسی قسم کا ایک واقعہ بغیر کشتی وغیرہ کے سمندر میں داخل ہو کر سفر کرنے کا ایک اور بھی پیش آیا ہے' یہ واقعہ ابو مسلمؒ خولانی تابعی کا ہے' اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب یہ رومیوں سے لڑنے کے لئے اپنا لشکر لے کر نکلے تو راستے میں ایک بہت بڑا دریا پڑا جو ان کے لشکر اور رومیوں کے لشکر کے درمیان حائل تھا' اس وقت حضرت خولانی نے دعا کی اور حق تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا:

"اے اللہ! تو نے بنی اسرائیل کو سمندر عبور کرا دیا تھا' ہم تیرے بندے ہیں اور تیری راہ میں نکلے ہیں اس لئے آج ہمیں بھی یہ دریا عبور کرا دے"۔

اس دعا کے بعد انہوں نے اپنے لشکر سے کہا:

"بسم اللہ پڑھ کر دریا عبور کر لو"۔

چنانچہ سب دریا میں اتر گئے اور اسے عبور کر لیا' دریا کا پانی گھوڑے کے پیٹ تک بھی نہیں پہنچا۔

اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت ابو عبیدؒ ثقفی تابعی کے ساتھ بھی پیش آیا ہے' یہ بھی حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں ایک اسلامی لشکر کے امیر تھے اور دشمن کی طرف بڑھ رہے تھے کہ ایک جگہ دریائے دجلہ ان کے اور دشمن کے درمیان حائل ہو گیا' اس وقت انہوں نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت کی:

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتَاباً مُّؤَجَّلاً۔ (سورۂ آل عمران' پ ۴' ع' آیت ۱۴۵)

ترجمہ: اور کسی شخص کی موت کا آنا ممکن نہیں بدون حکم خدا کے اس طور سے کہ اس کی میعاد معین لکھی ہوئی رہتی ہے۔

اس کے بعد انہوں نے اللہ کا نام لیا اور اپنا گھوڑا پانی میں اتار دیا ساتھ ہی ان کے لشکر نے بھی اپنے گھوڑے پانی میں ڈال دیئے' جب ان کو عجمیوں یعنی دشمنوں نے پانی میں اس طرح پانی میں اترتے دیکھا تو وہ ایک دم چیخ اٹھے کہ یہ دیوانے اور پاگل ہیں' یہ مجنوں ہیں' اس کے بعد وہ لوگ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے مسلمانوں نے ان کا پیچھا کر کے ان کو قتل کرنا شروع کر دیا

اور ان کے مال و دولت کو مال غنیمت کے طور پر حاصل کیا۔

حضرت علاء ابن حضرمی کے ایک بھائی اور بھی تھے جن کا نام میمون تھا' ان ہی میمون نے مکہ کے بالائی حصہ میں وہ کنواں کھدوایا تھا جس کا نام بیر میمون ہے' مگر انکے اسلام کے بارے میں مجھے معلوم نہیں ہے البتہ ان کی ایک بہن تھیں جن کا نام صعبہ تھا اور یہ حضرت طلحہ ابن عبید اللہ کی والدہ تھیں اور صحابیہ تھیں' پہلے یہ ابو سفیان ابن حرب کی بیوی تھیں پھر انہوں نے صعبہ کو طلاق دیدی تو عبید اللہ نے ان سے نکاح کر لیا جن سے حضرت طلحہ پیدا ہوئے' حضرت طلحہؓ کے بارہ میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"جو شخص روئے زمین پر چلتے پھرتے شہید کو دیکھنا چاہے وہ طلحہؓ ابن عبید اللہ کو دیکھ لے"۔

اَسود مخزومی کا عہد اور انجام...... غرض مسلمانوں نے پانی کے جس چشمہ پر حوض بنائی تھی اس سے مشرکین زیادہ غضبناک تھے ان میں ایک شخص تھا جس کا نام اسود ابن عبد الاسد مخزومی تھا اور انتہائی بیہودہ اور بد فطرت آدمی تھا اور رسول اللہ ﷺ کا شدید ترین دشمن تھا' اس کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن جس شخص کے بائیں ہاتھ میں سب سے پہلے اعمال نامہ تھمایا جائے گا وہ یہی اسود ہو گا جیسا کہ اس روز سب سے پہلے جس شخص کے دائیں ہاتھ میں اس کا نامہ اعمال دیا جائے گا وہ اس کے بھائی ابو سلمہ ہوں گے جیسا کہ بیان ہوا' غرض اس شخص اسود نے قسم کھا کر کہا:

"میں اللہ کے سامنے عہد کرتا ہوں کہ یا تو مسلمانوں کی بنائی ہوئی اس حوض سے پانی پیوں گا یا اس کو توڑ دوں گا اور یا اس کوشش میں جان دے دوں گا"۔

اس کے بعد جنگ شروع ہونے کے وقت جب یہ اسود میدان میں آیا تو اس کے مقابلے کیلئے حضرت حمزہ ابن عبد المطلب نکلے جب یہ دونوں آمنے سامنے ہوئے تو حضرت حمزہ نے اس پر تلوار کا وار کیا اور ایک ہی وار میں اس کی پنڈلی کٹ کر دور جا گری اس وقت یہ اسود حوض کے قریب تھا' یہ زخمی ہو کر زمین پر چت گرا اور اس کی ٹانگ سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا تھا اسی حالت میں یہ حوض کی طرف سرکا یہاں تک کہ اس نے حوض میں منہ ڈال دیا اور اس میں سے پانی پی لیا ساتھ ہی اپنی وہ ٹانگ جو صحیح و سالم تھی اس سے اس نے حوض کو توڑ دیا' اس کا مقصد اپنی قسم پوری کرنا تھا' حضرت حمزہ نے اس کو حوض کے پاس دیکھا تو وہ فوراً اس کے سر پر پہنچے اور دوسرا وار کر کے اس کو حوض کے اندر ہی قتل کر دیا۔

حوض کی طرف پیش قدمی کی کوشش...... اس کے بعد قریش کے کچھ اور لوگ حوض کی طرف بڑھے ان میں حکیم ابن حزام بھی تھے' رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو حوض کے پاس آتے دیکھ کر صحابہ سے فرمایا:

"ان کو آنے دو' آج کے دن جو شخص اس حوض سے پانی پی لے گا وہ یہیں کفر کی حالت میں قتل ہو گا"۔

سوائے حکیم ابن حزام کے کہ وہ قتل نہیں ہوئے بلکہ اس کے بعد اسلام لے آئے اور بہت اچھے مسلمان بنے چنانچہ اس کے بعد اگر وہ کوئی بڑی قسم کھاتے تو کہتے کہ نہیں' قسم ہے اس ذات کی جس نے جنگ بدر کے وقت مجھے بچایا تھا۔

جنگ کا آغاز...... جہاں تک اس حوض کا تعلق ہے تو اس کے متعلق گزر چکا ہے کہ یہ حوض آنحضرت ﷺ کے یعنی آپ ﷺ کے چھپر کے پیچھے تھے' اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہو گا کہ یہ لوگ جو حوض کی طرف آئے تھے آنحضرت ﷺ کی پشت کی طرف سے آئے تھے' یہ بات قابل غور ہے۔

عتبہ اور اس کے بھائی اور بیٹے کو مقابلے کے لئے للکار...... غرض عتبہ ابن ربیعہ اور ابو جہل کے درمیان یہ تکرار ختم ہونے کے بعد عتبہ نے جنگ کے لئے اپنے سر پر اوڑھنے کیلئے خود تلاش کی مگر پورے لشکر میں کوئی اتنی بڑی خود نہ مل سکی جو اس

کے سر پر صحیح آجاتی کیونکہ اس کا سر بہت بڑا تھا' آخر اس نے اپنی چادر ہی عمامہ کی طرف لپیٹ لی مگر اس کی گردن کھلی رہی' اس کے بعد وہ اپنے بھائی شیبہ اور اپنے بیٹے ولید کیساتھ کفار کی صفوں سے نکل کر میدان میں آیا (سب سے پہلے خود اور اپنے خاندان کو لے کر میدان جنگ میں نکلنے سے عتبہ کا مقصد یہ بھی تھا کہ ابو جہل نے اس کو بزدلی کا جو طعنہ دیا تھا اس کا جواب ہو جائے) غرض ان تینوں نے میدان میں آکر مسلمانوں کو للکارا کہ ہم سے کوئی مقابلہ کرنے والا ہو تو نکل کر سامنے آئے۔

اس للکار پر مسلمانوں میں سے تین انصاری نوجوان نکلے جو تینوں بھائی تھے' ان کے نام معوّذ' معاذ' اور عوف تھے اور ان کی ماں کا نام عفراء تھا' ایک قول ہے کہ عوف کے بجائے عبداللہ ابن رواحہ تھے' غرض ان تینوں نوجوانوں کو سامنے دیکھ کر عتبہ' شیبہ اور ولید نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم انصاری مسلمان ہیں تو انہوں نے کہا:

"ہمیں تم سے کوئی مطلب نہیں' ایک روایت میں یہ لفظ ہیں' نہیں ہمارے برابر کے اور معزز لوگ یعنی مہاجرین میں سے بھیجو' ہم اپنی قوم کے آدمیوں سے مقابلہ کریں گے' ایک روایت میں یوں ہے کہ نہیں ہمارے خاندان کے آدمی ہمارے سامنے لاؤ"۔

شیرانِ خدا سے معرکہ...... ایک روایت میں ہے کہ اس پر آنحضرت ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ واپس آجاؤ' چنانچہ وہ اپنی صفوں میں واپس آکر کھڑے ہوگئے' آنحضرت ﷺ نے ان کی تعریف فرمائی کیونکہ آنحضرتؐ نہیں چاہتے تھے کہ جنگ کی ابتداء آپ کے خاندان والوں کے علاوہ کسی اور کے ذریعہ ہو' اس وقت مشرکوں کی طرف سے کسی نے پکار کر کہا:

"اے محمد! ہمارے سامنے ہماری برادری اور قوم کے لوگوں میں سے کسی کو بھیجو"۔

اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"عبیدہ ابن حرث اٹھو! اے حمزہ اٹھو! اے علی اٹھو!" ایک روایت میں یہ ہے کہ:

"اے بنی ہاشم اٹھو اور اپنے اس اعزاز کی بنیاد پر مقابلہ کرو جس کے تحت تم میں نبی کا ظہور ہوا ہے' کیونکہ یہ لوگ اس کو جھٹلانے اور اللہ کے نور کو بجھانے کے لئے آئے ہیں' عبیدہ اٹھو! حمزہ اٹھو! علی اٹھو!"۔

جب یہ تینوں سر فروش اپنی صفوں سے نکل کر ان کے قریب پہنچے تو عتبہ وغیرہ نے پوچھا کہ تم لوگ کون ہو مشرکین ان تینوں کو اس لئے نہیں پہچان سکے کہ یہ سر اور منہ ڈھکے ہوئے تھے' اس پر حضرت عبیدہ نے کہا عبیدہ' حضرت حمزہ نے کہا حمزہ اور حضرت علی نے کہا علی۔ اس پر ان تینوں نے کہا:

"ہاں تم لوگ برابری کے اور معزز لوگ ہو!"۔

تینوں سرکش موت کی آغوش میں...... حضرت عبیدہؓ ابن حرث بہت عمر رسیدہ تھے' ان کی عمر رسول اللہ ﷺ سے دس سال زیادہ تھی' ان کا مقابلہ عتبہ ابن ربیعہ سے ہوا' حضرت حمزہ کا مقابلہ شیبہ سے ہوا اور حضرت علیؓ کا مقابلہ ولید سے ہوا۔ حضرت حمزہ نے تو شیبہ کو وار کرنے کا موقعہ بھی نہ دیا اور ایک ہی ہاتھ میں اس کا کام تمام کر دیا' اس طرح حضرت علی نے ولید کا پہلے وار میں صفایا کر دیا' البتہ حضرت عبیدہ اور عتبہ کے درمیان تلواروں کے وار ہونے لگے اور دونوں زخمی ہوگئے حضرت حمزہ اور حضرت علی اپنے اپنے مقابل کا کام تمام کرنے کے بعد مڑے اور انہوں نے ان دونوں کی لڑائی دیکھی تو وہ اپنی تلواریں تولتے ہوئے عتبہ پر جھپٹے اور اسے ختم کر دیا' اس کے بعد انہوں نے حضرت عبیدہ کو اٹھایا اور اپنے لشکر میں آکر ان کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لٹا دیا' آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے اپنا گھٹنا پھیلایا اور حضرت عبیدہؓ نے اپنے رخسار آپ ﷺ کے قدم مبارک پر رکھ کر

آپ ﷺ سے دریافت کیا:

"یارسول اللہ! کیا میں شہید نہیں ہوں!" آپ ﷺ نے فرمایا:

"میں گواہی دیتا ہوں کہ تم شہید ہو!"۔

حضرت عبیدہؓ کی شہادت...... اس کے بعد صفراء میں حضرت عبیدہ کا انتقال ہو گیا اور ان کو وہیں دفن کر دیا گیا جب کہ مسلمان غزوہ بدر سے فارغ ہو کر مدینہ کو لوٹ رہے تھے' ایک قول یہ ہے کہ عتبہ سے حضرت حمزہ کا مقابلہ ہوا تھا' شیبہ سے حضرت عبیدہؓ کا اور ولید سے حضرت علی کا پھر شیبہ اور حضرت عبیدہ کے درمیان تلواروں کے وار ہوتے رہے یہاں تک کہ دونوں زخمی ہو گئے' حضرت عبیدہ کی پنڈلی میں زخم آیا تھا جس سے ان کا ایک پیر جاتا رہا اور پنڈلی کی ہڈی سے خون کی دھار نکل رہی تھی' اس وقت حضرت حمزہ اور حضرت علی شیبہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کو ختم کر دیا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت عبیدہؓ کے وار سے شیبہ زمین پر گرا مگر فوراً ہی اٹھ کر اس نے وار کیا' اسی وقت حضرت حمزہ اس کے مقابلے میں آ گئے اور دونوں میں تلواروں کے وار ہونے لگے' مگر دونوں کے وار بے کار گئے تو دونوں ایک دوسرے کو لپٹ گئے' اس وقت حضرت عبیدہ جو زمین پر گرے ہوئے تھے اٹھنے لگے تو شیبہ نے ان پر وار کیا جس سے ان کی پنڈلی کٹ گئی' اسی وقت حضرت حمزہ نے شیبہ کا کام تمام کر دیا۔

ایک قول یہ ہے کہ شیبہ سے حضرت علیؓ کا مقابلہ ہوا تھا اور ولید سے حضرت عبیدہ کا مقابلہ ہوا اور عتبہ سے حضرت حمزہ نبرد آزما ہوئے تھے' چنانچہ حسن سند کے ساتھ حضرت علیؓ نے روایت بیان کی ہے کہ میں اور حمزہ ولید کے مقابلے میں عبیدہ کی مدد کو پہنچے اس پر آنحضرت ﷺ نے ہم پر اعتراض نہیں فرمایا۔

حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ یہی روایت سب سے زیادہ صحیح ہے' مگر مشہور یہی ہے کہ حضرت علیؓ کا مقابلہ ولید سے ہوا تھا اور یہی بات مناسب بھی معلوم ہوتی ہے کیونکہ عتبہ اور شیبہ حضرت عبیدہؓ اور حضرت حمزہؓ کی طرح پختہ کار اور عمر رسیدہ تھے جب کہ ولید اور حضرت علیؓ دونوں نوجوان اور کم عمر تھے۔

اسی طرح حضرت حمزہ نے مطعم ابن عدی کے بھائی طعیمہ ابن عدی کو بھی قتل کیا' یہ بات پیچھے بیان ہو چکی ہے کہ خود مطعم اس غزوہ بدر سے چھ مہینے پہلے کافر کی حیثیت سے مر چکا تھا' ایک قول ہے کہ حضرت حمزہ وغیرہ اور عتبہ وغیرہ کے درمیان جو یہ مقابلہ ہوا یہ اسلام میں پہلا مقابلہ ہے۔

صحیحین میں روایت ہے کہ حضرت ابوذرؓ قسم کھا کر اس آیت پاک کے بارے میں کہا کرتے تھے:

هٰذٰنِ خَصۡمٰنِ اخۡتَصَمُوۡا فِیۡ رَبِّهِمۡ فَالَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا قُطِّعَتۡ لَهُمۡ ثِیَابٌ مِّنۡ نَّارٍ ط یُصَبُّ مِنۡ فَوۡقِ رُءُوۡسِهِمُ الۡحَمِیۡمُ (آیت ۱۹ سورۂ حج' پ ۱۷' ع ۲)

ترجمہ: یہ جن کا اوپر آیت میں ذکر ہوا دو فریق ہیں جنھوں نے در بارہ اپنے رب کے دین کے باہم اختلاف کیا' سو جو لوگ کافر تھے ان کے پہننے کیلئے قیامت میں آگ کے کپڑے قطع کئے جاویں گے اور ان کے سر کے اوپر سے تیز گرم پانی چھوڑا جاویگا۔

کہ یہ آیت حضرت حمزہؓ اور ان کے ساتھیوں یعنی حضرت عبیدہ اور حضرت علیؓ اور عتبہ اور اس کے ساتھیوں یعنی شیبہ اور ولید کے غزوہ بدر کے سلسلے میں نازل ہوئی تھی۔

بخاری میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جو لوگ باہمی دشمنی کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے سامنے

گھٹنوں کے بَل کھڑے ہوں گے' اور ایک قول کے مطابق حق تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوں گے وہ علی اور معاویہ ہوں گے۔
لشکروں کا ٹکراؤ...... غرض اس کے بعد دونوں لشکر آپس میں ٹکرا گئے اور لوگ ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے' آنحضرت ﷺ نے صحابہ کی صفوں کو ایک نیزہ کے ذریعہ سیدھا کیا تھا جو آپ ﷺ اپنے ہاتھ میں لے رہے تھے' اس مونٹھ میں پھل یا نیزہ لگا ہوا نہیں تھا' آپ ﷺ جب اس مونٹھ کے ذریعہ صفوں کو سیدھا کرتے ہوئے سواد ابن غزیہ کے پاس سے گذرے جو بنی نجار کے حلیف تھے تو وہ اپنی صف سے کچھ آگے کو کھڑے ہوئے تھے آپ ﷺ نے اس مونٹھ سے ان کے پیٹ میں ٹھوکا دیا اور فرمایا:

"سواد! سیدھے یعنی صف میں کھڑے ہو"

اس پر حضرت سواد نے عرض کیا:

شیدائے رسول ﷺ...... "یارسول اللہ! آپ ﷺ نے مجھے ٹھوکر مار کر تکلیف پہنچائی' آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے حق اور انصاف دے کر بھیجا ہے لہٰذا مجھے موقعہ دیجئے کہ میں آپ ﷺ سے بدلہ لوں"

آنحضرت ﷺ نے فوراً اپنا پیٹ کھولا اور حضرت سود سے فرمایا:

"لو! اپنا بدلہ لے لو"۔

حضرت سواد فوراً آنحضرت ﷺ کے سینے سے لگ گئے اور آپ ﷺ کے شکم مبارک کو بوسہ دیا۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم نے ایسا کس لئے کیا تو حضرت سواد نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! آپ ﷺ دیکھ رہے ہیں کہ جنگ سر پر ہے اسلئے میری تمنا تھی کہ آپ ﷺ کیساتھ میرے آخری جو لمحے گزریں وہ اس طرح کہ میرا جسم آپ ﷺ کے جسم مبارک سے مَس کرے' اس پر آپ ﷺ نے حضرت سواد کیلئے دعاء خیر فرمائی۔

یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ ہمارے یعنی شافعی فقہاء کے نزدیک ایسے معاملے میں قصاص اور بدلہ واجب نہیں ہوتا' لہٰذا یہ بات قابل غور ہے۔

ان ہی حضرت سواد ؓ کو آنحضرت ﷺ نے خیبر فتح ہونے کے بعد وہاں کا عامل یعنی حاکم بنادیا تھا جیسا کہ آگے بیان آرہا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف سے ایک حسن حدیث ہے کہ غزوہ بدر کے موقعہ پر جب کہ آنحضرت ﷺ ہماری صفیں درست فرما رہے تھے کہ کچھ لوگ صفوں سے آگے بڑھ کر (جوش جہاد میں) پیش قدمی کرنے لگے' آنحضرت ﷺ نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ ٹھہرو میرے ساتھ ساتھ رہو۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: سواد ابن غزیہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا جو واقعہ پیش آیا ایسا ہی ایک واقعہ ایک انصاری کے ساتھ بھی آپ ﷺ کو پیش آیا تھا جن کا نام سواد ابن عمرو تھا' چنانچہ ابوداؤد میں روایت ہے کہ ایک انصاری شخص جو بہت پُر مذاق آدمی تھے وہ لوگوں کے ساتھ باتیں کررہے تھے اور ان کو ہنسا رہے تھے کہ آپ ﷺ نے ان کے پہلو میں ایک چھڑی سے ٹھوکا دیا جو آپ ﷺ کے ہاتھ میں تھی' ایک روایت میں ہے کہ کھجور کے گچھے کی ٹہنی سے ایک اور روایت کے مطابق اپنے عصا سے ٹھوکا دیا' اس پر سواد نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے بدلہ لینے کی اجازت دیجئے! آپ ﷺ نے فرمایا تم بدلہ لے سکتے ہو' اس پر حضرت سواد نے عرض کیا:

"مگر آپ تو کرتہ پہنے ہوئے ہیں جب کہ میرے آپ نے مارا تو میں کرتہ پہنے ہوئے نہیں ہوں' اس پر آنحضرت ﷺ

نے اپنا کرتہ اٹھادیا' حضرت سواد اسی وقت آپ کے پہلو سے لپٹ گئے اور آپ کے جسم مبارک پر اس جگہ بوسے دینے لگے۔
خصائص صغریٰ میں آنحضرت ﷺ کی یہ خصوصیت ذکر ہے کہ جس مسلمان نے بھی آپ ﷺ کے جسم مبارک کو چھولیا اس کے جسم کو آگ نہیں چھوئے گی' خصائص صغریٰ میں ہی ایک دوسری جگہ ہے کہ جو چیز آنحضرت ﷺ کے جسم مبارک سے لگ گئی آگ اس کو نہیں جلائے گی اور تمام انبیاءؑ کا یہی حال ہے۔
پھر جب آپ ﷺ نے صفوں کو سیدھا کر دیا تو صحابہ سے فرمایا:
"جب دشمن تم سے قریب آجائے تو ان کو تیر اندازی کر کے پیچھے دھکیلنا مگر اپنے تیروں کو اس وقت تک مت چلانا جب تک دشمن قریب نہ آجائے کیونکہ فاصلے سے تیر اندازی اکثر بے کار ثابت ہوتی ہے اور تیر ضائع ہوتے رہتے ہیں' اسی طرح تلواریں بھی اس وقت تک نہ سونتنا جب تک کہ دشمن بالکل قریب نہ آجائے"۔
پھر آپ ﷺ نے صحابہ کے سامنے خطبہ دیا جس میں ان کو جہاد کی ترغیب دی اور صبر کی تلقین فرمائی' خطبہ میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
"مصیبت کے وقت صبر کرنے سے اللہ تعالیٰ پریشانیاں دور فرماتا ہے اور غموں سے نجات عطا فرماتا ہے"۔
یعنی یہ جملے آپ ﷺ نے غزوہ بدر میں دو موقعوں پر فرمائے' ایک تو میدان جنگ میں پہنچنے سے پہلے اور ایک دفعہ میدان جنگ میں پہنچنے کے بعد (کیونکہ آپ ﷺ کے یہ کلمات اس سے پہلے بھی گزرے ہیں) اس بارے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔
اس کے بعد آنحضرت ﷺ اپنے عریش یعنی چھپر میں تشریف لے گئے' اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ بھی تھے ان کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا' چھپر کے دروازے پر حضرت سعد ابن معاذؓ کچھ انصاری مسلمانوں کے ساتھ ننگی تلوار ہاتھ میں لئے کھڑے تھے تاکہ دشمن سے آنحضرت ﷺ کی حفاظت کر سکیں' نیز آنحضرت ﷺ کے لئے سواریاں بھی تیار کھڑی تھیں تاکہ اگر ضرورت پڑے تو فوراً سوار ہو کر روانہ ہو سکیں۔
جب مسلمان جنگ کے لئے صف بندی کر کے فارغ ہوئے تو ابن عامر نے ایک پتھر اٹھا کر دو صفوں کے درمیان ڈال دیا اور کہا کہ اگر یہ پتھر یہاں سے فرار ہو سکتا ہے تو میں بھی فرار ہوں گا (یعنی میں ہرگز یہاں سے فرار نہیں ہوں گا)۔
مہجع اور حارثہ کی شہادت...... مسلمانوں میں سب سے پہلے مہجع نامی شخص آگے بڑھے جو حضرت عمر فاروقؓ کے غلام تھے' ان کو عامر ابن حضرمی نے تیر مار کر شہید کر دیا' بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس امت کے وہ پہلے شخص ہیں جن کو شہید پکارا جاتا ہے' اور اسی دن آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا مہجع اس امت کے شہیدوں کے سردار ہیں۔
یہ بات اس حدیث کے مخالف نہیں ہے جس میں ہے کہ قیامت کے دن شہیدوں کے سردار حضرت یحییٰ ابن زکریا علیہ السلام ہوں گے' وہی جنت کی طرف شہیدوں کی رہنمائی کریں گے اور وہی قیامت کے دن موت کو ذبح کریں گے' وہ موت کو زمین میں گرائیں گے اور ایک چھری سے جوان کے ہاتھ میں ہوگی اس کو ذبح کر دیں گے' تمام لوگ یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔
مگر ایک حدیث میں آتا ہے کہ شہیدوں کے سردار ہابیل ابن آدم ہیں' اس لئے مطلب یہ ہوگا کہ یہاں ہابیل کا ذکر اضافی ہے یعنی آدمؑ کی براہ راست اولاد میں جو شہید ہیں ہابیل ان کے سردار ہیں۔
اسی طرح مہجع کو مسلمانوں میں پہلا شہید کہنا اس روایت کے خلاف نہیں ہے جس میں ہیکہ مسلمانوں کے پہلے شہید عُمیر ابن حمام ہیں کیونکہ مہجع مہاجر مسلمانوں میں سب سے پہلے شہید ہیں اور عُمیر انصاری مسلمانوں میں سب سے پہلے شہید ہیں۔

اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ انصاری مسلمانوں میں سب سے پہلے شہید حارثہ ابن قیس ہیں مگر اس سے بھی کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اس سے مراد یہ ہے کہ حارثہ انصاری مسلمانوں میں ایسے پہلے شہید ہیں جو ایک اَن دیکھے تیر سے ہلاک ہوئے یعنی قاتل کا پتہ نہیں ہوا' چنانچہ بخاری میں حمید سے روایت ہے کہ حضرت انسؓ کہتے ہیں غزوہ بدر میں حارثہ کے ایک تیر آکر لگا اس وقت حارثہ نوعمر لڑکے تھے۔(ی) گویا تیر آکر لگا مگر تیر انداز کا پتہ نہیں کہ کس نے وہ تیر پھینکا تھا' اس وقت حارثہ حوض میں سے پانی پی رہے تھے۔

پیکر صبر و شکر...... بعض حضرات نے لکھا ہے کہ مسلمانوں میں جو شخص سب سے پہلے قتل ہوا وہ حضرت عمرؓ کے غلام مہجع تھے اور ان کے بعد حارثہ ابن سُراقہ تھے' حضرت حارثہ کی والدہ جو حضرت انسؓ ابن مالک کی پھوپی تھیں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہنے لگیں:

"یارسول اللہ! مجھے حارثہ کے متعلق بتلایئے اگر وہ جنت میں ہے تو میں اس پر نہیں روؤں گی بلکہ صرف اس کا غم کروں گی اور اگر وہ جہنم میں ہے تو جب تک اس دنیا میں زندہ رہوں گی اس پر روتی رہوں گی"۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ ......اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کروں گی اور اگر ایسا نہیں ہے تو زیادہ سے زیادہ رونے کی کوشش کروں گی"۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"اے امّ حارثہ! جنت ایک نہیں ہے بلکہ وہاں بہت سی جنتیں ہیں اور حارثہ فردوس اعلیٰ میں ہیں' یہ سن کر اُمّ حارثہ بہت خوش بخوش اور ہنستی ہوئی واپس گئیں وہ کہتی جاتی تھیں:

"آفریں ہے تمہیں اے حارثہ"!۔

واقدی سے یوں روایت ہے کہ جب حارثہ کے قتل کی خبر مدینہ میں ان کی والدہ اور بہن کو پہنچی تو اُمّ حارثہ نے کہا کہ خدا کی قسم میں آنحضرت ﷺ کے مدینہ واپس تشریف لانے تک نہیں روؤں گی' پھر آپ ﷺ سے پوچھوں گی کہ اگر میرا بیٹا جنت میں ہے تو اس کے لئے روؤں گی نہیں بلکہ صبر کروں گی اور اگر دوزخ میں ہے تو میں اس پر روؤں گی' ایک روایت میں یوں ہے کہ دوسری صورت میں دیکھوں گی کہ کیا کروں؟

چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ بدر سے فارغ ہو کر مدینہ واپس پہنچے تو حارثہ کی والدہ نے آپ ﷺ کے پاس آکر عرض کیا:

"یارسول اللہ! میرے دل نے مجھے حارثہ کی موت کی خبر دے دی تھی میں نے اس پر رونا چاہا مگر پھر سوچا کہ جب تک رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق نہ پوچھ لوں اس وقت تک نہیں روؤں گی' اگر وہ جنت میں ہے تو نہیں روؤں گی اور جہنم میں ہے تو روؤں گی"۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"تمہارا بُرا ہو کیا سمجھتی ہو کہ وہاں صرف ایک جنت ہے' جنتیں بہت سی ہیں اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ وہ فردوس اعلیٰ سب سے اونچی جنت میں ہیں"۔

پھر آنحضرت ﷺ نے پانی سے بھرا ایک پیالہ منگایا' آپ نے اس میں اپنا دست مبارک ڈالا پھر منہ میں پانی لے کر اس میں ڈالا اور وہ پیالہ اُمّ حارثہ کو عنایت فرمایا' انہوں نے تھوڑا سا پانی پیا اور پھر وہ پیالہ اپنی بیٹی کو دیا اور انہوں نے بھی وہ پانی پیا پھر

آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ کچھ پانی اپنے اوپر چھڑک لیں' انہوں نے ایسا ہی کیا اور وہاں سے واپس ہوئیں' اس کے بعد جب تک یہ دونوں عورتیں زندہ رہیں مدینہ میں ان سے زیادہ مطمئن اور خوش و خرم کوئی دوسری عورت نہیں تھی۔

شوق شہادت...... حضرت حارثہؓ نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی تھی کہ آپ ان کیلئے شہادت کی دعا فرمائیں' چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ ایک صبح جب حارثہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا:

"حارثہ! تم نے کس حال میں صبح کی"۔

انہوں نے عرض کیا'

"میں اس حال میں صبح کو اٹھا کہ اللہ تعالیٰ پر صدق دل سے ایمان رکھتا تھا"۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

"تم جو کچھ کہہ رہے ہو دیکھ کر کہو کیونکہ ہر قول کی ایک حقیقت ہوتی ہے"۔

حارثہ نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! میں نے اپنے نفس کو دنیا سے بیگانہ کر لیا ہے' لہٰذا اب میں نے اپنی راتوں کو بے خواب اور دنوں کو پیاسا کر لیا ہے گویا میں اپنے پروردگار کے عرش کے سامنے کھڑا ہوں اور گویا میں جنت والوں کو کیف و نشاط میں دیکھ رہا ہوں اور گویا دوزخ والوں کو بلبلاتے دیکھ رہا ہوں"۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

"تم نے صحیح دیکھا' تم ایسے بندے ہو جس کے دل میں حق تعالیٰ نے ایمان کا بیج بو دیا ہے"۔

حارثہؓ کہتے ہیں پھر میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ میرے لئے شہادت کی دعا فرمایئے' آنحضرت ﷺ نے ان کیلئے دعا فرمائی۔

غرض جب اس پہلے اور انفرادی مقابلے میں مشرکوں کے تین بڑے سردار عتبہ' شیبہ اور ولید قتل ہو گئے تو ابو جہل اور اس کے ساتھیوں نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا:

"صبر کرو! ہمارے ساتھ ہمارا معبود عزیٰ ہے جب کہ تمہارے ساتھ عزیٰ نہیں ہے"۔

اس پر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایک شخص نے پکار کر کہا:

"ہمارے ساتھ ہمارا معبود اللہ ہے جب کہ تمہارے ساتھ اللہ نہیں ہے' اور ہمارے مقتولین یعنی شہید بھی ہیں جب کہ تمہارے مقتولین جہنم میں ہیں"۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں' آگے بیان آئے گا کہ یہی جملے غزوہ احد کے موقع پر ابو سفیان نے کہے تھے اور آنحضرت ﷺ کی طرف سے ان کا اسی طرح جواب دیا گیا تھا۔ واللہ اعلم

رسول اللہ ﷺ اپنے پروردگار کے سامنے گڑگڑا رہے تھے اور اس سے وہ فتح و نصرت مانگ رہے تھے جس کا آپ ﷺ سے وعدہ کیا گیا تھا۔

فتح و نصرت کے لئے نبی کی دعائیں...... جہاں تک آنحضرت ﷺ کے اس عریش کا تعلق ہے جس کا ذکر گذشتہ سطروں میں ہوا ہے تو بخاری میں اس کو قبہ کہا گیا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے کہ غزوہ بدر کے دن جب کہ آنحضرت ﷺ اپنے قبہ میں تھے آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! میں تجھ سے تیرا وعدہ مانگتا ہوں جو تو نے مجھے دیا تھا'

آپ ﷺ دعا کے لئے ہاتھ اٹھا کر فرماتے تھے:

"اے اللہ! اگر آج مومنوں کی یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو پھر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا"۔

مسلم شریف میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے اس طرح فرمایا کہ اے اللہ! اگر تو چاہتا ہے کہ تیرے عبادت گزار زمین پر باقی نہ رہیں، یعنی آپ ﷺ نے غزوہ بدر اور احد میں یہی جملے کہے تھے۔

امام نوویؒ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے ان جملوں کے بارے میں جو یہ قول ہیکہ یہ آپ ﷺ نے غزوہ بدر میں فرمائے تھے تو یہی مشہور قول ہے اور تفسیر اور غزوات کی کتابوں میں ہے کہ آپ ﷺ نے یہ دعا غزوہ احد میں مانگی تھی، مگر دونوں باتوں سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا، ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے دونوں موقعوں پر یہ بات فرمائی ہو یہاں تک علامہ نوویؒ کا کلام ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے دعا میں یہ فرمایا تھا کہ اے اللہ! اگر مومنوں کی یہ جماعت مغلوب ہو گئی تو کفر و شرک کا بول بالا ہو جائے گا اور تیرا دین باقی نہیں رہے گا۔ (ی) کیونکہ آنحضرت ﷺ جانتے تھے کہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں لہٰذا اگر آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھی ہلاک ہو گئے تو اس شریعت پر چلنے اور عمل کرنے والا کوئی نہیں رہے گا۔

"ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ: اے اللہ! مجھے نہ چھوڑیئے اور نہ رسوا فرمایئے میں تجھے تیرے اس وعدے کا واسطہ دیتا ہوں جو تو نے مجھ سے کیا ہے، یعنی وہ وعدہ جو حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کو فتح و نصرت عطا فرمانے کے لئے دیا تھا۔

سوز صدیق...... ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ اسی طرح قبلہ رو بیٹھے ہاتھ اٹھائے دعا فرماتے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی چادر آپ ﷺ کے شانے سے سرک کر گر گئی۔ حضرت ابو بکرؓ نے چادر سنبھالی اور اٹھا کر دوبارہ آپ ﷺ کے شانوں پر ڈال دی، پھر وہ آپ ﷺ کے پیچھے ہی بیٹھے رہے، اس کے بعد انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

"اے اللہ کے نبی! آپ ﷺ اپنے پروردگار سے بہت کچھ مانگ چکے ہیں حق تعالیٰ نے آپ ﷺ سے جو وعدہ فرمایا ہے اسے ضرور پورا کریگا، ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ...... خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی ضرور مدد فرمائے گا اور آپ ﷺ کو سرخرو فرمائے گا ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ...... آپ ﷺ اپنے رب کے سامنے بہت گڑگڑا چکے ہیں۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ بغیر پورا ہوئے نہیں رہ سکتا تو یہ حقیقت ہے اور بہت زیادہ گڑگڑانے اور دعا مانگنے سے اس حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ اللہ تعالیٰ دعاؤں میں گڑگڑانے والوں کو پسند کرتا ہے۔

حضرت ابو بکرؓ نے یہ بات آنحضرت ﷺ سے اس لئے عرض کی کہ اس شدت سے گڑگڑا کر دعا مانگنے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کو جو تعب ہو رہا تھا حضرت ابو بکرؓ اس سے بے چین ہو رہے تھے کیونکہ صدیق اکبرؓ بہت رقیق القلب تھے اور آنحضرت ﷺ سے بے اندازہ محبت و عشق رکھتے تھے۔

مقام خوف اور مقام رجاء...... حضرت ابو بکرؓ کے اس قول کی ایک تشریح یہ کی گئی ہے کہ صدیق اکبرؓ اس وقت رجاء یعنی امید و آس کے مقام پر تھے اور رسول اللہ ﷺ مقامِ خوف میں تھے کیونکہ حق تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے، علامہ سہیلی نے کہا کہ یہ دونوں ہی مقام فضیلت میں برابر ہیں یعنی مقام رجاء اور مقام خوف۔

فرشتوں کے ذریعہ مدد...... غرض جب مسلمانوں نے دیکھا کہ جنگ کی آگ بھڑک اٹھی ہے تو وہ سب بھی انتہائی گریہ و زاری کے ساتھ کامیابی کی دعا مانگنے لگے، اس وقت حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ (سورۂ انفال، پ ۹، ۹)

اس وقت کو یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری سن لی کہ میں تم کو ایک ہزار فرشتوں سے مدد دوں گا جو سلسلے وار چلے آئیں گے۔

مُردِفین کے ایک معنی تو سلسلے وار کے کئے گئے ہیں اور ایک قول کے مطابق یہ ہیں کہ بطور تمہاری مدد کے ہوں گے' ایک قول ہے کہ یعنی ہر فرشتے کے پیچھے دوسرا فرشتہ ہوگا' اسی بات کی تائید حضرت ابن عباسؓ کے قول سے بھی ہوتی ہے جس میں کہ بدر کے دن اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار فرشتوں سے اپنے نبی کی مدد فرمائی' پانچ سو فرشتے جبرئیلؑ کے ساتھ تھے اور پانچ سو میکائیلؑ کے ساتھ تھے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ مدد فرمائی اور ایک ہزار فرشتے جبرئیلؑ کے ساتھ تھے اور ایک ہزار میکائیلؑ کے ساتھ تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ تین ہزار فرشتوں کے ذریعہ مدد فرمائی گئی جن میں سے ایک ایک ہزار جبرئیل و میکائیلؑ کے ساتھ تھے اور ایک ہزار اسرافیلؑ کے ساتھ تھے' یہ روایت بیہقی نے کتاب دلائل النبوۃ میں حضرت علیؓ سے بیان کی ہے مگر اس کی سند میں ضعف ہے۔

ایک قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا تھا کہ ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ ان کی مدد کی جائے گی پھر اس وعدے میں دو ہزار کا اضافہ ہوا اور پھر دوبارہ دو ہزار کا اضافہ ہوا' ایک قول کے مطابق تین ہزار فرشتوں سے مدد دی گئی اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی تعداد پورے پانچ ہزار فرمادی۔

حق تعالیٰ جل شانہ کا ارشاد ہے:

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ۝ بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ۔ (سورۂ آل عمران' پ ۴' ع ۱۳)

ترجمہ: جب کہ آپ مسلمانوں سے یوں فرمارہے تھے کہ کیا تم کو یہ امر کافی نہ ہوگا کہ تمہارا رب تمہاری امداد کرے تین ہزار فرشتوں کیساتھ جو اتارے جاویں گے' ہاں کیوں نہیں اگر مستقل رہو گے اور متقی رہو گے اور وہ لوگ تم پر ایک دم سے آپہنچیں گے تو تمہارا رب تمہاری امداد فرمائے گا پانچ ہزار فرشتوں سے جو کہ ایک خاص وضع بنائے ہوئے ہونگے۔

یہاں تین ہزار کا جو ذکر ہے اس میں ایک ہزار جبرئیلؑ کے ساتھ اور ایک ایک ہزار میکائیلؑ و اسرافیلؑ کے ساتھ مراد ہیں' غرض کہ پانچ ہزار فرشتوں کا جو ذکر ہے یہ اکثر علماء کے نزدیک غزوہ بدر کے سلسلے میں ہی مراد ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ مراد غزوہ احد ہے جس میں تین ہزار کی امداد تھی پھر اس تعداد کو پورے پانچ ہزار تک کر دینے کا وعدہ دیا گیا اس شرط پر کہ مجاہدین تقویٰ اختیار کریں گے اور مال غنیمت جمع کرنے کے سلسلے میں صبر سے کام لیں گے مگر انہوں نے مال غنیمت کے سلسلے میں صبر نہیں کیا لہٰذا تین ہزار سے اوپر کی جو امداد تھی وہ نہیں ملی۔

یہ دوسری جو روایت ہے یہ کتاب نہر میں ابو حیان نے پیش کی ہے کہ بدر کے دن ایک ہزار فرشتوں کی مدد تھی اور غزوہ اُحد کے موقعہ پر تین ہزار فرشتوں سے مدد کا وعدہ تھا' پھر پانچ ہزار کا وعدہ اس شرط پر ہوا کہ مسلمان مال غنیمت جمع کرنے کے سلسلے میں صبر کریں' انہوں نے اس پر صبر نہیں کیا لہٰذا بقیہ مدد نہیں آئی یہاں تک کتاب نہر کا حوالہ ہے۔

اب یہ بات واضح ہو جاتی ہے کیونکہ مال غنیمت جمع کرنے کے سلسلے میں مسلمانوں کا صبر نہ کرنا اور حکم خدا اور رسول کو پورا نہ کرنا غزوہ احد میں پیش آیا تھا بدر کے دن نہیں۔

مشرکوں پر قہر خداوندی...... بیہقی نے حکیم ابن حزام سے روایت نقل کی ہے کہ بدر کے دن مشرکوں پر آسمان سے چیونٹیاں گریں اور اس قدر زیادہ تعداد میں گریں کہ افق نظروں سے اوجھل ہو گیا اور پوری وادی میں چیونٹیوں کا سیلاب آ گیا' اسی وقت میرے دل میں یہ بات جم گئی کہ یہ یقیناً رسول اللہ ﷺ کی مدد کے لئے ہوا ہے اور یہ فرشتے ہیں۔

اسی طرح ایک حسن سند سے جبیرؓ ابن مطعم سے روایت ہے کہ مشرکوں کے شکست کھانے سے پہلے جب کہ خونریزی کا بازار گرم تھا میں نے سیاہ دھاریاں سی دیکھیں جو اس قدر تھیں کہ ساری وادی ان سے بھر گئی' اس وقت مجھ کو یقین ہو گیا کہ حقیقت میں یہ فرشتے ہیں اور قوم یعنی مشرکوں کو شکست ضرور ہو گی۔

فرشتوں کی مدد کی نوعیت...... (قال) جہاں تک فرشتوں کا تعلق ہے تو وہ مسلمانوں کے ساتھ ان کی کچھ کوششوں میں صرف شریک تھے تاکہ ان کوششوں کی نسبت رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کی طرف ہی رہے ورنہ تنہا جبرئیلؑ کو ہی یہ طاقت ہے کہ وہ اپنے بازوؤں کے صرف ایک پَر سے مشرکوں کو پیچھے دھکیل دیں' جیسا کہ انہوں نے مدائن میں لوطؑ کی قوم کے ساتھ کیا تھا اور اپنی صرف ایک گرج سے قوم ثمود اور صالحؑ کی قوموں کو ہلاک کر دیا تھا' اس لئے ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ دشمن کے دل میں یہ ہیبت بیٹھ جائے کہ مسلمانوں کے ساتھ فرشتے بھی جنگ میں شریک ہیں۔

اس تفصیل سے اس قول کی تردید ہو جاتی ہے جس میں ہے کہ بدر کے دن فرشتے جنگ نہیں کر رہے تھے بلکہ وہ صرف مسلمانوں کی تعداد کو اپنی شرکت سے بڑھا رہے تھے ورنہ صرف ایک فرشتہ ساری دنیا کو ہلاک کرنے کے لئے کافی ہے۔

فرشتوں کی ہیبت...... حدیث میں آتا ہے کہ بدر کے دن جو فرشتے نازل ہوئے تھے اگر ان کے اور ہمارے درمیان اللہ تعالیٰ پردے حائل نہ فرما دیتا تو ان کی گرج اور ہیبت ناک آوازوں سے ڈر کر ساری دنیا کے لوگ ختم ہو جاتے۔

مشرکوں کو ابلیس کی شہ...... ایک مرسل حدیث میں آتا ہے کہ یوم عرفہ کے علاوہ کبھی شیطان اتنا ذلیل دیچ اور بے بس نہیں دیکھا گیا جتنا بدر کے دن دیکھا گیا۔ (ی) اور اسی طرح تمام مغفرت اور دوزخ سے چھٹکارے کے موقعوں پر بھی جیسا کہ رمضان کے دن ہوتے ہیں اور خاص طور پر شبِ قدر میں۔

حدیث میں آتا ہے کہ بدر کے دن ابلیس سُراقہ ابن مالک مُدلجی کنانی کی صورت میں شیاطین کے ایک لشکر کے ساتھ آیا جو سب کے سب بنی کنانہ کے لوگوں کے بھیس میں تھے' اس کے ہاتھ میں اس کا جھنڈا بھی تھا اس نے مشرکوں سے آ کر کہا:

"آج کوئی انسان تم پر غالب نہیں آ سکتا اور میں تمہارا محافظ ہوں"۔

یہی بات شیطان نے مشرکوں کی مکہ سے روانگی کے وقت بھی ان سے کہی تھی جو بنی کنانہ یعنی سُراقہ کی قوم کی وجہ سے بہت ڈر رہے تھے (کہ ایسے میں کہیں وہ قریش سے اپنی دشمنی نہ نکالیں) اگرچہ اس موقعہ پر بیان ہوا ہے کہ شیطان تنہا تھا مگر اس سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ شاید ابلیس کا لشکر یعنی جنات کے مشرکین بعد میں آ کر اس کے ساتھ شامل ہوئے۔

جبرئیل کو دیکھ کر ابلیس کی بدحواسی اور فرار...... (قال) اسی وقت جبرئیلؑ اور دوسرے ملائکہ نے ابلیس کو دیکھا جو ایک مشرک کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑے کھڑا تھا۔ (ی) یہ مشرک ابوجہل کے بھائی حرث ابن ہشام تھے جو اس وقت تک مشرک تھے' ابلیس ان کو دیکھ کر بدحواس ہو گیا اور اس طرح اس کیساتھ اس کے لشکری بھی حواس باختہ ہو گئے' اسی وقت حرث ابن

ہشام نے ابلیس سے کہا:

"سراقہ! کیا تم واقعی محافظ بن کر آئے ہو؟"

اس نے کہا:

"میں تم لوگوں سے بَری اور بیزار ہوتا ہوں کیونکہ میں وہ چیز دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے' میں اللہ سے ڈرتا ہوں' اللہ تعالیٰ بہت سخت سزا دینے والا ہے"۔

حرث ابن ہشام نے یہ جواب سن کر اسکا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا اور کہا:

"خدا کی قسم میں تو صرف یہ دیکھ رہا ہوں کہ یثرب کی چمگادڑیں نکل کر سامنے آگئی ہیں"۔

سُراقہ یعنی ابلیس کے فرار پر ابو جہل کی تلملاہٹ...... اس پر ابلیس نے حرث کے سینے پر ہاتھ مار کر انہیں دھکا دیا جس سے وہ گر پڑے' دوسری طرف حرث ابن حشام کے بھائی عمرو ابن ہشام یعنی ابو جہل نے سُراقہ یعنی ابلیس کی دغا بازی دیکھی تو لوگوں سے کہا:

"لوگو! تم سُراقہ کی دغا پر ہمت نہ ہارنا کیونکہ وہ پہلے ہی محمد ﷺ کے ساتھ یہ سازش کر کے آیا تھا نہ ہی تم لوگ عتبہ وشیبہ اور ولید کے قتل پر بھی بددل نہ ہونا کیونکہ انہوں نے جلد بازی سے کام لیا تھا' لات وعزّیٰ کی قسم! ہم اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے جب تک محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو رسیّوں سے نہیں جکڑ لیں گے"۔

پھر وہ لوگوں سے پکار پکار کر کہنے لگا:

"انہیں قتل مت کرو بلکہ پکڑ لو"۔

سُراقہ کی حقیقت کا علم...... علامہ سہیلیؒ نے روایت بیان کی ہے کہ جنگ کے بعد جو قریشی زندہ بچے اور بھاگ کر مکہ پہنچے تو انہوں نے سُراقہ ابن مالک مُدلجی کو مکہ میں موجود پایا (جب کہ وہ ابلیس کو سراقہ کی شکل میں میدان بدر میں دیکھ چکے تھے اور اس کو سراقہ ہی سمجھ رہے تھے) انہوں نے مکہ میں سُراقہ کو دیکھ کر کہا:

"سراقہ! تم ہماری صفیں توڑ کر بھاگ آئے اور ہمیں جنگ میں ناکام کرا دیا"۔

سُراقہ نے کہا:

"خدا کی قسم! تمہارے معاملات کا مجھے کچھ پتہ نہیں ہے نہ میں میدان بدر میں گیا اور نہ مجھے کچھ خبر ہے"۔

ابلیس کے قول کا تجزیہ...... مگر ان لوگوں نے سُراقہ کی بات کا یقین نہیں کیا یہاں تک کہ یہ لوگ جب مسلمان ہو گئے اور انہوں نے اس بارے میں نازل ہونے والی وحی سنی تب ان کو پتہ چلا کہ میدانِ جنگ میں جو شخص ان سے سُراقہ کی صورت میں ملا تھا وہ سراقہ نہیں بلکہ اصل میں ابلیس تھا' یہاں تک علامہ سہیلی کا حوالہ ہے۔

کتاب ینبوع حیات میں ہے کہ مجھے اس بات پر کوئی تعجب نہیں کیونکہ ابلیس اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتا ہے وہ اس سے یقیناً ڈرتا ہے' یعنی چاہیے حقیقت میں جس طرح اللہ سے ڈرنا چاہیئے اس طرح ابلیس نہ ڈرتا ہو۔

ایک قول یہ ہے کہ ابلیس اس لئے ڈرا تھا کہ کہیں یہ دن ہی متعین دن نہ ہو جس کے بارے میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا۔ (الفرقان پ۱۹ ع۳ ۲۲)

جس روز یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے اس روز مجرموں یعنی کافروں کیلئے کوئی خوشی کی بات نہ ہو گی اور کہینگے کہ پناہ ہے پناہ ہے۔

غزوہ بدر میں جنّات کی شرکت...... کہا جاتا ہے کہ بدر کے دن مسلمانوں کے ساتھ جنّات میں کے ستّر افراد بھی شریک تھے جو مومن تھے' مگر یہ بات ثابت نہیں ہے کہ آیا انہوں نے جنگ میں حصہ بھی لیا یا وہ صرف مدد کے طور پر ساتھ تھے۔

نصرت کی بشارت...... پھر وہاں عریش میں آنحضرت ﷺ کو کچھ دیر کے لئے غنودگی یعنی غنودگی کی وجہ سے آپ ﷺ کی گردن مبارک ایک طرف ڈھلک گئی مگر فوراً ہی آپ ﷺ چونک گئے اور آپ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا:

"اے ابو بکرؓ! تمہیں خوشخبری ہو تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی مدد آگئی ہے' یہ جبرئیلؑ اپنے گھوڑے کی لگام تھامے کھڑے ہیں"۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں:

"اپنے گھوڑے کا سر پکڑے ہوئے اسے گرد و غبار میں ہنکاتے ہوئے لے جا رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ جو مدد تم نے مانگی تھی اللہ کی وہ مدد تمہارے لئے آگئی ہے"۔ ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ بدر کے معرکہ سے فارغ ہو گئے تو جبرئیلؑ آپ ﷺ کے پاس ایک ایسے سرخ رنگ کے گھوڑے پر آئے جس کی پیشانی پر داغ تھا اور اس کا منہ غبار آلودہ تھا جبرئیلؑ زرہ بکتر پہنے ہوئے تھے' انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا:

"اے محمد ﷺ! مجھے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے پاس بھیجا ہے اور اس وقت تک آپ ﷺ کے پاس سے نہ جاؤں گا جب تک کہ آپ ﷺ مطمئن نہ ہو جائیں"۔

بہر حال اس میں اشکال کی بات نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس موقعہ پر دو مرتبہ جبرئیلؑ کو دیکھا ہو اور یہ کہ یہ واقعہ اس کے بعد رہا ہو' جہاں تک پہلی روایت کا تعلق ہے تو اس کی تفصیل سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس وقت جبرئیلؑ کو خواب میں دیکھا تھا' اب جہاں تک غبار کا تعلق ہے تو وہ پہلی مرتبہ میں بہت زیادہ تھا اتنا کہ اس کا منہ بھی گرد آلود ہو گیا تھا۔

مجاہدوں کے سامنے آنحضرت ﷺ کے ولولہ انگیز کلمات...... غرض اسکے بعد آنحضرت ﷺ اپنے عریش یعنی چھپر سے باہر نکل کر لوگوں کے درمیان تشریف لائے اور آپ نے ان کو جنگِ بدر پر ابھارتے ہوئے فرمایا:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے کہ جو شخص بھی آج ان مشرکوں کے مقابلہ میں صبر و ہمت کے ساتھ لڑے گا' ان کے سامنے سینہ تانے جما رہے گا اور پیٹھ نہیں پھیرے گا اس کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائے گا"۔

صحابہ کا جوش و خروش اور شوق شہادت...... یہ سن کر حضرت عُمیر ابن حمام نے جن کے ہاتھ میں کچھ کھجوریں تھیں جنہیں وہ کھا رہے تھے کہا:

"واہ واہ' تو میرے اور جنت کے دروازے کے درمیان صرف اتنا فاصلہ ہے کہ ان میں سے کوئی مجھے قتل کر دے"۔

یہ کہہ کر انہوں نے ہاتھ سے کھجوریں پھینک دیں اور تلوار سونت کر دشمنوں سے بھڑ گئے یہانتک کہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"اس جنت کی طرف بڑھو جو زمینوں اور آسمانوں سے بڑی ہے اور متقیوں کے واسطے تیار کی گئی ہے"۔

یہ سن کر حضرت عُمیر ابن حمام نے واہ واہ کہا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"تم کس بات پر حیرت اور خوشی کا اظہار کر رہے ہو؟"۔

"عُمیر نے کہا اس پر کہ وہ وقت آ گیا ہے جب میں جنت والوں میں شامل ہو جاؤں گا"۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم نے کس بنا پر واہ واہ کہا؟ عُمیر نے کہا:

"یارسول اللہ! اور کچھ نہیں صرف اس امید و آرزو میں کہ میں بھی جنت کے باسیوں میں کہلاؤں"۔

پھر وہ جلدی جلدی کھجوریں چبانے لگے اور بولے:

"خدا کی قسم اگر میں ان کو کھاتا رہا' ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ...... اگر میں ان کو کھانے کی وجہ سے اتنی دیر اور زندہ رہا تو یہ بڑی طویل زندگی ہو جائے گی"۔

یہ کہہ کر انہوں نے باقی کھجوریں پھینک دیں اور لڑنا شروع کر دیا' جنگ کے دوران وہ یہ شعر پڑھتے جاتے تھے:

رَکَضنَا اِلَی اللّٰہِ بغَیْرِ زَادٖ
اِلَّا التُّقیٰ وَ عَمَلَ المعادٖ

ہم اللہ تعالیٰ کی طرف اس حالت میں سفر کر رہے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی زادراہ نہیں ہے سوائے اللہ کے خوف اور تھوڑے سے عمل کے۔

وَالصَّبرُ فِی اللّٰہِ علی الجِہَادِ
وکُلُّ زَادٍ عَرضَۃُ النَّفادِ
غیرِ التُّقیٰ والبِرِّ والرَّشادِ

ترجمہ: اس کے علاوہ اپنی کوشش اور اس جہاد میں ہمارے پاس اللہ کی راہ میں صبر کا سرمایہ ہے اور ہر سرمایہ اور زادراہ ختم ہونے والی چیز ہے سوائے اس زادراہ کے جو اللہ کے خوف' نیکی اور راستی کی شکل میں ہو۔

آخر حضرت عُمیرؓ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

آگے غزوہ اُحد میں اسی قسم کا ایک واقعہ ایک دوسرے صحابی کے متعلق بھی آ رہا ہے' جنہوں نے اسی طرح کھجوریں پھینک کر لڑنا شروع کیا تھا ان کی روایت حضرت جابرؓ نے بیان کی ہے مگر ان کا نام ظاہر نہیں کیا۔

چنانچہ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ غزوہ اُحد میں ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

"کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اگر میں شہید ہو جاؤں تو کہاں ہوں گا؟"

آپ ﷺ نے فرمایا: جنت میں۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں یہ سن کر اس شخص نے وہ کھجوریں پھینک دیں جو ہاتھ میں لے رہا تھا اور پھر لڑنا شروع کر دیا یہاں تک کہ وہ لڑتے لڑتے شہید ہو گیا' اس روایت کو بخاری' مسلم اور نسائی نے پیش کیا ہے اس میں جو شبہ ہے وہ بھی آگے بیان ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کی ہنسی...... حضرت عوف ابن عفراء نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

"یارسول اللہ! بندے کے کس عمل پر پروردگار کو ہنسی آتی ہے' یعنی کس عمل پر اللہ تعالیٰ بہت زیادہ خوش ہوتے ہیں؟"۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

"مجاہد کے بغیر زرہ بکتر پہنے دشمن پر حملہ آور ہونے پر"۔

یہ سن کر حضرت عوفؓ نے اپنے جسم پر سے زرہ بکتر اتار کر پھینک دی اور تلوار سونت کر دشمن پر ٹوٹ پڑے یہاں تک کہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

یہاں حق تعالیٰ کی ہنسی سے اس کی انتہائی پسندیدگی اور خوشی مراد ہے' حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت طلحہ ابن عمرؓ کے متعلق فرمایا:

"اے اللہ! طلحہ سے اس طرح ملاقات فرما کہ وہ تیرے لئے ہنستا ہو تو اس کے لئے ہنستا ہو"۔

غزوہ بدر میں حضرت معبد ابن وہب دونوں ہاتھوں میں تلواریں لے کر لڑے' یہ حضرت معبدؓ' ہریرہ بنت زمعہ کے شوہر تھے جو ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ کی بہن تھیں' اس طرح یہ حضرت سعیدؓ رسول اللہ ﷺ کے ہم زلف تھے۔

مشرکوں پر آنحضرت ﷺ کی طرف سے مُشت خاک...... غرض پھر آنحضرت ﷺ نے زمین سے مٹھی میں کچھ باریک کنکریاں اٹھائیں' اس کا حکم آپ ﷺ کو حضرت جبرئیلؑ نے دیا تھا جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ جبرئیلؑ نے آپ ﷺ سے کہا:

"زمین سے ایک مٹھی بھر مٹی اٹھا کر ان لوگوں یعنی دشمن پر پھینک دیجئے!"۔

آنحضرت ﷺ نے مٹی اٹھائی' ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ مجھے مٹی اٹھا کر دو' پھر وہ مٹی لے کر آپ ﷺ نے قریش کی طرف رخ کیا اور فرمایا:

"یہ چہرے خراب ہو جائیں' ایک روایت میں یہ لفظ بھی ہیں کہ...... اے اللہ!! ان کے دلوں کو خوف سے بھر دے اور ان کے پاؤں اکھاڑ دے"۔

مشرکوں پر مُشتِ خاک کا اثر...... یہ کہہ کر آپ ﷺ نے وہ مٹی قریش کی طرف اچھال دی' قریش میں کوئی شخص ایسا باقی نہیں رہا جس کی آنکھ میں یہ مٹی نہ پہنچی ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ جس کی ناک اور منہ میں یہ مٹی نہ پہنچی ہو اور ہر شخص اس قدر بدحواس ہو گیا کہ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کدھر جائے اور کس طرح آنکھوں سے مٹی صاف کرے۔

بندگان کفر کی پسپائی...... آخر نتیجہ یہ ہوا کہ مشرکین شکست کھا کر بھاگے اور مسلمان ان کا پیچھا کر کے انہیں قتل اور گرفتار کرنے لگے۔

مگر اس سلسلے میں مشہور اور روایاتی قول یہ ہے کہ یہ واقعہ غزوہ حنین میں پیش آیا تھا' مگر بعض علماء نے ایک روایت نقل کی ہے جس سے اسی پہلے قول کی تائید ہوتی ہے (کہ یہ واقعہ غزوہ بدر میں پیش آیا تھا) وہ قول یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (سورۂ انفال' پ۹' ع۲ آیت ۱۷)

اور آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی لیکن اللہ تعالیٰ نے وہ پھینکی۔

جو غزوہ بدر میں نازل ہوا تھا' یہی بات عروہ' عکرمہ' مجاہد اور قتادہ نے بھی کہی ہے' ان ہی بعض علماء کا قول ہے کہ اسی طرح آنحضرت ﷺ نے غزوہ احد میں بھی مٹی اٹھا کر پھینکی تھی' یہاں تک اس قول کا حوالہ ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تین مٹھی خاک اٹھائی تھی' آپ ﷺ نے ایک مٹھی خاک دشمن کے میمنہ یعنی دائیں جانب پھینکی' دوسری مرتبہ میسرہ یعنی بائیں حصے میں پھینکی اور تیسری مرتبہ دشمن کے سامنے کے حصہ میں پھینکی اور وہی جملہ فرمایا کہ یہ چہرے بگڑ جائیں جس پر دشمن کو شکست ہو گئی۔

حضرت جابر ابن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ یہ تینوں مشت خاک بدر کے دن آسمان سے اس طرح نازل ہوئیں جیسے کسی طشت میں بھر کر ڈالی گئی ہوں' آنحضرت ﷺ نے اس کو اٹھا کر مشرکوں کے چہروں کی طرف پھینک دیا یعنی دائیں بائیں اور سامنے کے حصوں میں۔ جب آپ ﷺ نے یہ مشت خاک مشرکوں کی طرف پھینکی تو صحابہ سے فرمایا کہ تیزی سے حملہ کرو' نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کو بری طرح شکست کا سامنا کرنا پڑا' اسی وقت حق تعالیٰ نے وہ آیت نازل فرمائی جو گذشتہ سطروں میں بیان ہوئی۔

آنحضرت ﷺ کی معرکہ آرائی ..... اس سلسلے میں ایک بات کہی جاتی ہے کہ دونوں صورتوں کے مان لینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے اور دونوں ہی باتیں آیت سے مراد ہو سکتی ہیں۔

(قال) اس روز آنحضرت ﷺ نے زبردست جنگ فرمائی اور اسی طرح حضرت ابو بکرؓ نے بھی، یعنی جس طرح آپ ﷺ دونوں حضرات اپنے عریش میں دعا کے ذریعہ جہاد فرمارہے تھے اسی طرح آپ دونوں نے اپنے جسموں سے بھی جہاد فرمایااور اس طرح ان حضرات نے دونوں مقامات کو حاصل کیا۔

مؤلف کہتے ہیں: یہ روایت اموی سے اس طرح بیان کی گئی ہے مگر اسکے قبول کرنے میں تامل کیا گیا ہے کیونکہ یہ روایت سوائے ان کے اور کسی کے کلام میں نہیں ملتی' ایسا لگتا ہے کہ اس راوی کو آنحضرت ﷺ کے جنگ کے درمیان موجود رہنے سے غلط فہمی ہوئی ہے' جیسا کہ پیچھے حضرت علیؓ کی روایت بیان ہوئی ہے کہ بدر کے دن ہم آنحضرت ﷺ کے ذریعہ مشرکوں سے اپنا بچاؤ کرتے تھے (یعنی انتہائی خطرناک موقعوں پر بھی آنحضرت ﷺ مردانہ وار اپنی جگہ جمے رہتے تھے اور ہم آپ ﷺ کو اپنی ڈھال بنالیتے تھے) اور آنحضرت ﷺ ہم میں سب سے زیادہ بہادر اور دلیر تھے' تو اگرچہ اس روایت سے کہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آنحضرت ﷺ نے خود بھی جنگ فرمائی مگر شاید گذشتہ روایت کے راوی کو اسی روایت سے غلط فہمی ہوئی ہے۔ واللہ اعلم

ہاں البتہ ابن سعد نے بیان کیا ہے کہ جب مشرکوں کو شکست فاش ہو گئی اور وہ میدان جنگ سے بھاگے تو آنحضرت ﷺ کو تلوار سونتے ان کا پیچھا کرتے ہوئے دیکھا گیا اس وقت آپ ﷺ یہ آیت تلاوت فرمارہے تھے:

سَيُهۡزَمُ الۡجَمۡعُ وَيُوَلُّوۡنَ الدُّبُرَ (سورۂ قمر' پ ۲۷' ع ۲ آیت ۴۵)

عنقریب ان کی یہ جماعت شکست کھاوے گی اور پھر پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔

کتاب اتقان میں ہے کہ یہ آیت ان میں سے ہے جن کا حکم آیت کے نازل ہونے کے بعد نازل ہوا کیونکہ یہ آیت تو مکہ میں نازل ہو چکی تھی اور یہ واقعہ جس کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے غزوہ بدر میں پیش آیا۔

چنانچہ حضرت عمرؓ سے بھی روایت ہے کہ یہ آیت تو پہلے نازل ہو چکی تھی' جب بدر کا واقعہ پیش آیا اور مشرکین مکہ شکست کھا کر بھاگے تو میں نے آنحضرت ﷺ کو تلوار لئے ان کے تعاقب میں دیکھا' آپ ﷺ اس وقت یہ آیت پڑھتے جاتے تھے جو اوپر بیان ہوئی' لہٰذا یہ آیت غزوہ بدر کے لئے نازل ہوئی تھی' اس روایت کو طبرانی نے اوسط میں پیش کیا ہے۔

اگر آنحضرت ﷺ نے خود جنگ فرمائی ہوتی تو آپ ﷺ نے مقابل کو زخمی یا قتل کیا ہوتا اور اگر ایسا کوئی شخص آنحضرت ﷺ کے ہاتھوں زخمی یا قتل ہوا ہوتا تو اس واقعہ کی کوئی نہ کوئی روایت ضرور ملتی کیونکہ ایسی بات کی روایت کے اسباب موجود ہیں۔

کتاب نور کے حوالے سے غزوہ احد کے بیان میں آگے آرہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سوائے اُبی ابن خلف کے نہ پہلے نہ بعد میں کبھی کسی شخص کو اپنے دست مبارک سے قتل نہیں کیا (لہٰذا جو روایت گزری وہ قابل غور ہے)۔

حضرت سعدؓ کا کفر کے خلاف شدید جذبہ ...... آخر جب دشمن نے شکست کھا کر ہتھیار پھینک دیئے اور صحابہ ان کو گرفتار کرنے لگے تو آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ حضرت سعدؓ کے چہرے پر اس منظر سے ناگواری کے آثار ہیں یعنی مسلمانوں کے اس عمل کو وہ ناپسندیدگی کی نظروں سے دیکھ رہے تھے' آپ ﷺ نے حضرت سعدؓ سے فرمایا:

"اے سعد! ایسا لگتا ہے کہ تم قوم کی اس حرکت کو یعنی مشرکوں کے گرفتار کرنے کو ناپسند کر رہے ہو۔

انہوں نے عرض کیا:

"بے شک یارسول اللہ! مشرکوں کے ساتھ یہ ہماری پہلی اور کامیاب جنگ ہے لہٰذا اس میں میرے نزدیک مشرکوں کو زندہ رکھنے کے مقابلے میں زیادہ سے زیادہ قتل کر دینا بہتر ہے۔

بنی ہاشم کو قتل نہ کرنے کی ہدایت...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا:

"تمہیں معلوم ہے کہ مشرکوں کے لشکر میں بنی ہاشم کے بھی کچھ لوگ تھے"۔

جو زبردستی قریش کے ساتھ چلے آئے تھے ورنہ انہیں ہم سے جنگ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی' لہٰذا تم میں سے جو بھی ہاشمی شخص کو پکڑے وہ اس کو قتل نہ کرے۔(ی) بلکہ اس کو گرفتار کرلے۔

ان لوگوں میں آپ ﷺ نے ابوالبختری ابن ہشام کا بھی ذکر کیا اور فرمایا:

"جو شخص ابوالبختری کو پکڑے وہ اسے قتل نہ کرے"۔

کیونکہ یہی ابوالبختری ہے جو اس وقت مسلمانوں کی حمایت میں سب سے آگے آگے تھا جب قریش نے مکہ میں رسول اللہ ﷺ اور تمام مسلمانوں کا مقاطعہ اور بائیکاٹ کر رکھا تھا' اس نے کوشش کی تھی کہ قریش کے اس عہد نامے کو پھاڑ دے جو انہوں نے مسلمانوں کے خلاف کیا تھا اور جسے حرم میں لٹکا رکھا تھا جیسا کہ بیان ہوا۔

اس ہدایت پر ابوحذیفہ کو ناگواری...... اسی طرح آپ ﷺ نے حضرت عباسؓ کو بھی قتل نہ کرنے کی ہدایت فرمائی اس پر حضرت ابوحذیفہؓ نے کہا:

"کیا ہمارے باپ' بھائیوں اور خاندان والوں کو تو قتل کر دیا جائے اور عباسؓ کو چھوڑ دیا جائے"۔

کیونکہ جیسا کہ بیان ہوا ان کا باپ عتبہ' ان کا چچا شیبہ اور بھائی ولید وہ لوگ ہیں جو غزوہ بدر میں شخصی مقابلے کے دوران سب سے پہلے قتل کئے گئے تھے' اسی طرح ان کے یعنی حضرت ابوحذیفہؓ کے خاندان کے دوسرے کئی لوگ جنگ کے دوران قتل کئے گئے تھے (لہٰذا انہوں نے ناراض ہو کر کہا):

"اگر عباس مجھے کسی جگہ مل گئے تو میں یقیناً ان کو تلوار پر رکھ لوں گا' یعنی قتل کر دوں گا"۔

آنحضرت ﷺ کو گرانی...... حضرت ابوحذیفہؓ کی یہ بات رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے حضرت عمر فاروقؓ سے فرمایا:

"اے ابوحفص! کیا خدا کے رسول کے چچا کی گردن تلوار سے ناپ دی جائے گی؟"۔

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ یہ پہلا دن تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ابوحفص کا لقب عطا فرمایا' غرض یہ سنکر انہوں نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں خود ابوحذیفہ ہی کی گردن اپنی تلوار سے ناپ دوں کیونکہ خدا کی قسم اس نے منافقانہ بات کہی ہے"۔

ابوحذیفہ کی ندامت و افسوس...... اس کے بعد خود حضرت ابوحذیفہؓ کو اپنے اس جملے پر سخت افسوس اور رنج ہوا وہ کہا کرتے تھے کہ وہ کلمہ جو اس دن میں نے کہہ دیا تھا اس کی وجہ سے میں ہمیشہ بے چین رہتا ہوں اور ہمیشہ اس کی وجہ سے ڈرتا رہتا ہوں' اب میں اس غلطی کو اسلام کیلئے شہید ہو کر ہی اپنے اوپر سے دھو سکتا ہوں' چنانچہ جنگ یمامہ میں جہاد کرتے ہوئے دوسرے صحابہ کے ساتھ شہید ہوئے' اس جنگ میں چار سو پچاس صحابہ قتل ہوئے تھے' ایک قول ہے کہ چھ سو صحابہ شہید ہوئے تھے۔

ابوالبختری کو قتل نہ کرنے کی ہدایت...... غرض اس کے بعد جب کہ مسلمان مشرکوں کو پکڑ پکڑ کر گرفتار کر رہے تھے

ابوالبختری حضرت مجذرؓ کے ہاتھ آیا' مجذرؓ نے اس سے کہا:

"رسول اللہ ﷺ نے تمہیں قتل کرنے سے ہمیں منع کیا ہے"۔

اپنے ساتھی کے لئے ابوالبختری کی قربانی...... ابوالبختری نے کہا اور میرے ساتھی کے بارہ میں کیا کہا ہے؟ اس کے ساتھ اس کا ایک ساتھی بھی جو مکہ سے اس کے ساتھ ہی آیا تھا اس کا نام جنادہ ابن ملیحہ تھا مجذر نے کہا:

"نہیں۔ خدا کی قسم ہم تمہارے ساتھی کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے' آنحضرت ﷺ نے ہمیں صرف اکیلے تمہارے متعلق ہی حکم دیا تھا"۔

ابوالبختری نے کہا:

"نہیں۔ خدا کی قسم تب پھر ہم دونوں اکٹھے ہی مریں گے ورنہ مکہ کی عورتیں مجھے طعنہ دیں گی کہ وقت پڑنے پر میں اپنے ساتھی سے منہ پھیر گیا"۔

یعنی اپنی جان بچانے کی خاطر اس کو قتل کرا دیا' یہ کہہ کر ابوالبختری نے مجذرؓ سے مقابلہ کیا اور ان کے ہاتھوں قتل ہو گیا' اس کے بعد حضرت مجذرؓ رسول اللہ ﷺ کے خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے"۔

"قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ ظاہر فرمایا میں نے پوری کوشش کی کہ وہ گرفتار ہو جائے اور میں اس کو آپ ﷺ کی خدمت میں لا کر پیش کروں مگر اس نے انکار کر دیا اور لڑنے پر آمادہ ہو گیا' آخر لڑتے ہوئے میں نے اس کو قتل کر دیا"۔

مؤلف کہتے ہیں: شاید مجذرؓ آنحضرت ﷺ کے حکم کا مطلب یہ سمجھے تھے کہ جن لوگوں کو قتل کرنے کی آنحضرت ﷺ نے ممانعت فرمائی ہے ان کے علاوہ جو بھی دوسرے لوگ ہاتھ آئیں وہ چاہے اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کریں ان کو قتل کیا جائے گا' اسی لئے انہوں نے یہ کہا کہ ہم تمہارے ساتھی کو نہیں چھوڑیں گے یعنی وہ اگر ملا تو چاہے خود کو گرفتاری کے لئے پیش کرے اسے قتل ہی کیا جائے گا' ان کے اسی جواب پر ابوالبختری نے خود کو گرفتار کرانے سے انکار کر دیا کہ اپنے ساتھی کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا کہ اسے قتل کر دیا جائے اور میں زندہ رہ کر قریشی عورتوں کے طعنے سنوں۔ واللہ اعلم

جنگ بدر کیلئے مشرکوں کے ساتھ جو لوگ مکہ سے آئے تھے ان میں حضرت عبدالرحمٰن ابن ابوبکر بھی تھے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے' اسلام سے پہلے ان کا نام عبدالکعبہ تھا' ایک قول ہے کہ عبدالعزیٰ تھا' ان کے اسلام قبول کر لینے کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کا نام عبدالرحمٰن رکھا تھا' یہ انتہائی بہادر قریشیوں میں سے تھے' بہت طاقتور اور بہترین تیر انداز تھے' یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سب سے بڑے بیٹے تھے' ساتھ ہی یہ بہت نیک اور سیدھے بھی تھے۔

جب یہ مسلمان ہوئے تو اپنے والد حضرت ابوبکرؓ سے کہنے لگے:

"جنگ بدر میں آپ کئی بار میرے تیر کے نشانے پر آئے مگر ہر دفعہ میں نے آپ کو چھوڑ دیا"۔

حضرت ابوبکرؓ نے کہا:

"اگر تم میرے تیر کی زد پر آجاتے تو میں ہرگز نہ چھوڑتا"۔

یہاں تیر کی زد پر آنے سے مراد یہ ہے کہ نادانستگی میں تیر انداز کے سامنے آگئے اور اس سے بے خبر رہے کہ تیر کے نشانے پر پہنچ گئے ہیں' چنانچہ اب یہ بات اس قول کے خلاف نہیں ہے کہ بدر کے دن عبدالرحمٰن بن ابوبکر نے مسلمانوں کو

للکارا کہ کوئی ان کے سامنے شخصی مقابلے کیلئے آئے' اس پر ابو بکرؓ نے بڑھ کر بیٹے کے مقابلہ پر جانا چاہا تو آنحضرت ﷺ نے ان کو روکتے ہوئے فرمایا:

حضرت ابو بکرؓ کا بلند مرتبہ ...... "ابو بکر! تمہاری جان ہمارے لئے قیمتی ہے' کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تم میرے لئے آنکھوں اور کان کی حیثیت رکھتے ہو"۔

سیرت کی بعض کتابوں میں ہے کہ بدر کے دن جب کہ عبدالرحمٰن مشرکوں کے ساتھ تھے حضرت ابو بکرؓ نے ان سے کہا:

اے خبیث! میرا مال کہاں ہے"۔

عبدالرحمٰن نے جواب دیا:

"ہرگز نہیں' ہمارے پاس کچھ نہیں بچا سوائے ان ہتھیاروں کے اور تیز رفتار گھوڑوں کے اور باغوں کے جن کیلئے بڈھے اور عمر رسیدہ لوگ باہم دست و گریباں ہو رہے ہیں"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب صدیق اکبرؓ نے مکہ سے ہجرت فرمائی تو اپنا مال اپنے گھر والوں کے پاس چھوڑ آئے تھے' مگر اس بات سے حضرت اسماء بنت ابو بکرؓ کی اس گذشتہ روایت کی مخالفت ہوتی ہے جس میں گزرا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کو بھیجا جو وہاں سے ان کا مال و دولت غار ثور میں لے آئے تھے اس مال کی مقدار پچاس ہزار درہم تھی' عبداللہ کے مال لے جانے کے بعد ہمارے پاس ہمارے دادا ابو قحافہ آئے وغیرہ وغیرہ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مال سے حضرت ابو بکرؓ کی مراد نقد روپیہ نہیں تھی بلکہ سامان اور مویشی وغیرہ تھے' اس طرح ان دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ غزوہ احد میں حضرت ابو بکرؓ نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو جو مشرکوں کیساتھ تھے مقابلے کیلئے للکارا' اس پر آنحضرت ﷺ نے صدیق ابو بکرؓ سے وہ جملے فرمائے تھے جو پیچھے بیان ہوئے کہ تمہاری جان ہمارے لئے قیمتی ہے وغیرہ۔ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ۔ (سورۂ انفال' پ ۹' ۳۰ ر ۲۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کہنے کو بجا لایا کرو جب کہ رسول تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے ہیں۔

مگر اس سے کوئی شبہ نہیں پیدا ہونا چاہئے کیونکہ اس بات کے ایک سے زائد مرتبہ پیش آنے میں کوئی اشکال نہیں ہے حتیٰ کہ ایک سے زیادہ مرتبہ نازل ہونے میں بھی کوئی شبہ کی بات نہیں ہے ہاں البتہ اس آیت کا غزوہ اُحد میں نازل ہونا قرین قیاس نہیں ہے کیونکہ جب یہ آیت ایسے ہی موقعہ پر غزوہ بدر میں نازل ہو چکی تھی تو اس کے بعد غزوہ احد میں دوبارہ حضرت ابو بکرؓ کا بیٹے کو مقابلے کے لئے للکارنا ممکن نہیں معلوم ہوتا۔

ادھر علامہ ظفرؒ نے کتاب ینبوع حیات میں لکھا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کا بیٹے کو مقابلے کیلئے للکارنا ثابت نہیں ہے مگر یہ واقعہ تفسیر کی کتابوں میں ہی کہیں کہیں ملتا ہے کہ اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی تھی جو پچھلی سطروں میں بیان ہوئی ہے۔

جہاں تک اس آیت کا تعلق ہے یہ مدینہ میں نازل ہونے والی آیت ہے مکہ میں نہیں ہے' اس بات سے وہ روایت غلط ثابت ہو جاتی ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کا سبب یہ واقعہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابو بکرؓ نے اپنے باپ کو برے انداز میں

آنحضرت ﷺ کا ذکر کرتے سنا‘ اس پر حضرت ابو بکرؓ نے ابو قحافہ یعنی اپنے باپ کے منہ پر اس زور سے طمانچہ مارا کہ وہ زمین پر گر پڑے‘ اس کے بعد صدیق اکبرؓ نے آنحضرت ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”آئندہ ایسا کبھی مت کرنا“۔

حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا:

”خدا کی قسم اگر اس وقت میرے پاس تلوار ہوتی تو میں ان کو قتل کر دیتا“۔

(تو گویا بعض علماء کے قول کے مطابق اس واقعہ پر مذکورہ آیت نازل ہوئی تھی‘ مگر اس قول سے جس کے مطابق یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی مکہ میں نہیں اس روایت کی تردید ہو جاتی ہے)۔

علامہ زمخشریؒ کے کلام میں ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکر حدیبیہ کے موقعہ پر مسلمان ہوئے تھے‘ اس کے بعد ہی انہوں نے مدینہ کو ہجرت کی اور ۵۳ھ میں مکہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ایک مقام پر ان کا انتقال ہوا یہاں سے ان کا جنازہ کاندھوں پر اٹھا کر مکہ لے جایا گیا‘ پھر ان کی بہن ام المومنین حضرت عائشہؓ مدینہ سے مکہ آئیں تو وہ اپنے بھائی کی قبر پر گئیں اور وہاں نماز پڑھی۔

ابو عبیدہؓ کے ہاتھوں باپ کا قتل...... غرض اسی بدر کے دن حضرت ابو عبیدہ ابن جراح نے اپنے باپ کو قتل کیا جو مشرک تھا‘ ان کے باپ نے پہلے خود بیٹے پر حملہ کیا تھا حضرت ابو عبیدہؓ نے اس کو دھوکہ دیکر وہاں سے ہٹ جانے کی کوشش کی مگر باپ نے پیچھا نہ چھوڑا آخر حضرت ابو عبیدہ پلٹ پڑے اور حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا‘ اسی سلسلے میں حق تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ یہ آیت نازل فرمائی:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ۔ (سورۂ مجادلہ‘ پ ۲۸ آیت ۲۲)

ترجمہ: جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر پورا پورا ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھتے ہیں جو اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے برخلاف ہیں گو وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہوں۔

اُمیہ ابن خلف کی گرفتاری...... حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ سے روایت ہے کہ (میدان بدر میں) مجھے اُمیہ ابن خلف ملا وہ جاہلیت کے زمانے میں میرا دوست تھا‘ اُمیہ کے ساتھ اسکے بیٹے علی بھی تھے جو باپ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے یہ علی مسلمان تھے اور اسی زمانے میں اسلام قبول کر چکے تھے جب کہ آنحضرت ﷺ مکہ میں تھے یعنی ہجرت سے پہلے کا زمانہ تھا‘ اس وقت ان کے اور ان جیسے دوسرے لوگوں کے رشتہ داروں نے انہیں اسلام سے پھیرنے کی کوشش کی آخر کار وہ لوگ اپنی کوشش میں کامیاب ہو گئے‘ اور پھر یہ لوگ کفر کی حالت میں ہی مرے‘ ان ہی لوگوں کے بارے میں حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ط قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ۔ (سورۂ نساء‘ پ ۵‘ ع ۱۴ آیت ۹۷)

ترجمہ: بے شک جب ایسے لوگوں کی جان فرشتے قبض کرتے ہیں جنہوں نے اپنے کو گنہگار رکھا تھا تو وہ ان سے کہتے ہیں کہ تم کس کام میں تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم سرزمین میں محض مغلوب تھے۔

ایسے لوگوں میں علی ابن امیہ کے علاوہ جو دوسرے لوگ تھے ان کے نام یہ ہیں‘ حرث ابن ربیعہ‘ ابو قیس ابن فاکہ‘

ابو قیس ابن ولید' عاص ابن منبہ وغیرہ۔ (یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا اور پھر لوگوں کے دباؤ سے مرتد ہوگئے)۔

کتاب سیرت ابن ہشام میں ہے کہ ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے پہلے ہی اسلام قبول کیا تھا' پھر جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو ان کے باپ دادا اور خاندان والوں نے ان لوگوں کو مکہ میں زبردستی روک لیا اور دین سے پھیرنے کی کوشش کرنے لگے' آخر نتیجہ یہ ہوا کہ یہ لوگ انکے دباؤ میں آکر پھر کفر و شرک کی ظلمتوں میں گم ہوگئے۔

اس کے بعد جب غزوہ بدر کا وقت آیا تو دوسرے مشرکوں کے ساتھ یہ لوگ بھی مسلمانوں سے لڑنے کے لئے روانہ ہوئے مگر میدان بدر میں ان لوگوں کو ان کی موت کھینچ کر لائی تھی کیونکہ یہ سب کے سب وہیں قتل ہوگئے تھے۔

اس پوری تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ یہ لوگ آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے پہلے اپنے دین سے نہیں پھرے بلکہ آپ ﷺ کے مکہ سے تشریف لے جانے کے بعد مرتد ہوئے' جب کہ حضرت عبدالرحمٰن کی روایت سے یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ یہ لوگ آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے پہلے ہی مرتد ہوگئے تھے۔

غرض عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ میدان بدر میں مجھے امیہ ابن خلف اپنے بیٹے علی کے ساتھ ملا' میرے ساتھ کئی زرہیں تھیں جن کو میں اٹھائے ہوئے تھا' جب امیہ نے مجھے دیکھا تو اس نے مجھے میرے جاہلیت کے نام سے اے عبد عمرو کہہ کر پکارا' میں نے اس کو جواب نہیں دیا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جب میرا نام عبدالرحمٰن رکھا تھا تو فرمایا تھا:

''کیا تم اپنے اس نام کو چھوڑنا پسند کرو گے جو تمہارے باپ دادا نے رکھا تھا؟''۔

میں نے عرض کیا۔ ''جی ہاں''۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

''عبدالرحمٰن۔ مگر یہ نام سنا نہیں گیا' اس لئے میں تمہارا نام عبداللہ رکھتا ہوں''۔

سرکش امیہ کی بے بسی...... جیسا کہ بیان ہوا' پھر اسکے بعد جب اس نے مجھے عبداللہ کہہ کر پکارا تو میں نے اسکو جواب دیا۔

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جب امیہ نے ان کے پرانے نام سے پکارا تھا تو یہ سمجھ تو گئے تھے کہ مراد یہی ہیں مگر انہوں نے اس پکار پر اسلئے جواب نہیں دیا کہ پکارنے والے نے ان کو ایک بت کا بندہ کہہ کر پکارا تھا' ساتھ ہی اس بات کا بھی بڑی حد تک امکان ہے کہ وہ سمجھے ہی نہ ہوں کہ ان کو پکارا گیا ہے کیونکہ یہ نام چھوڑے ہوئے ان کو کافی عرصہ گذر چکا تھا' پھر جب امین نے ان کے موجودہ نام سے پکارا تو وہ سمجھ گئے کہ وہی مراد ہیں اور وہ جواب دیکر اس کی طرف متوجہ ہوئے' تب امیہ نے ان سے کہا:

''اگر میرا تم پر کچھ حق ہے تو میں تمہارے لئے ان زرہوں سے بہتر ہوں جو تم ہاتھ میں لئے ہوئے ہو''۔

میں نے کہا ٹھیک ہے' پھر میں نے زرہیں پھینک دیں اور اس کا اور اس کے بیٹے علی کا ہاتھ پکڑ لیا (چونکہ مشرکوں کو بری طرح شکست ہو چکی تھی اس لئے جو مشرکین زندہ بچے تھے وہ جان بچانے کے لئے پناہ ڈھونڈتے پھر رہے تھے) امیہ کہنے لگا:

''میں نے زندگی میں کبھی ایسا دن نہیں دیکھا تھا''۔

کچھ وقفہ کے بعد پھر اس نے کہا:

''اے عبداللہ! تم میں وہ شخص کون ہے جس کے سینہ پر زرہ میں بال و پر کا نمدہ لگا ہوا ہے؟''۔

میں نے کہا حمزہ ابن عبدالمطلب ہیں' تو امیہ نے کہا:

''یہ سارا کیا دھرا اسی شخص کا ہے''۔

اپنے ظالم آقا کو دیکھ کر بلال کی فریاد...... ایک قول یہ ہے کہ یہ بات امیہ کے بیٹے نے کہی تھی۔

اس کے بعد میں ان دونوں کو لے کر روانہ ہوا' ابھی ہم جا ہی رہے تھے کہ اچانک حضرت بلالؓ نے امیہ کو میرے ساتھ دیکھ لیا' مکہ میں یہ امیہ ابن خلف ہی حضرت بلالؓ کو اسلام سے پھیرنے کے لئے بڑے بڑے ہیبت ناک عذاب دیا کرتا تھا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے' حضرت بلالؓ اس کو دیکھتے ہی بولے:

"کافروں کا سردار امیہ ابن خلف یہ رہا اگر امیہ بچ گیا تو سمجھو میں نہیں بچا"۔

(حضرت عبدالرحمٰن چونکہ اس کے دوست تھے اس لئے چاہتے تھے کہ امیہ کو قتل کرنے کے بجائے گرفتار کر لیا جائے ممکن ہے اس سلوک کی وجہ سے اس کو اسلام قبول کرنے کی توفیق ہو جائے) بلالؓ کی فریاد سن کر انہوں نے کہا:

"اے بلال! کیا یہ معاملہ تم میرے قیدیوں کے ساتھ کر رہے ہو"۔

حضرت بلالؓ نے پھر بار بار یہی جملہ کہا کہ اگر امیہ بچ گیا تو سمجھو میں نہیں بچا' پھر انہوں نے لوگوں کو جمع کرنے کیلئے پکار کر فریاد کی:

"اے انصاریو! اے اللہ کے مددگارو! یہ کافروں کا سردار امیہ ابن خلف ہے' اگر یہ بچ گیا تو سمجھو میں نہیں بچا!"۔

اُمیہ کا قتل...... عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ یہ سن کر انصاری دوڑ پڑے اور انہوں نے ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیا' پھر اس شخص یعنی بلالؓ نے تلوار کھینچ لی اور حملہ کیا (حضرت عبدالرحمٰن نے امیہ کو بچانے کے لئے اس کے بیٹے کو آگے کر دیا) بلال کی تلوار اس کے لگی اور وہ کشتہ ہو کر گرا' امیہ نے اس پر خوف کی وجہ سے ایسی بھیانک چیخ ماری کہ ایسی چیخ میں نے کبھی نہیں سنی تھی' اس کے بعد لوگوں نے ان دونوں پر تلواریں بلند کیں اور انہیں ختم کر دیا۔

"اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: بخاری میں حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کی روایت اس طرح ہے کہ جب بلالؓ نے چیخ کر انصاریوں کو بلایا تو مجھے امیہ کی طرف سے ڈر ہوا اس لئے میں نے اس کے بیٹے کو حملہ کرنے والوں کے آگے کر دیا تاکہ وہ اس میں لگ جائیں اور امیہ کی طرف سے ان کی توجہ ہٹ جائے' مسلمانوں نے اسے قتل کر دیا اور اس کے بعد پھر ہماری طرف بڑھے یہاں تک کہ ہمیں گھیر لیا۔

امیہؔ موٹے بدن کا آدمی تھا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اس لئے میں نے اس سے کہا کہ زمین پر لیٹ جاؤ اور اس کے بعد خود اس کے اوپر لیٹ گیا اور اس کو نیچے چھپا لیا کہ لوگ تلواریں نہ چلائیں مگر لوگوں نے میرے نیچے ہاتھ ڈال کر اس پر وار کئے اور اسے قتل کر دیا' اسی جدوجہد میں ان میں سے ایک شخص کی تلوار میرے پاؤں پر بھی لگی اور پیر کے اوپر کا حصہ زخمی ہو گیا۔

علامہ ابن عبدالبر نے ابن ہشام کے حوالے سے لکھا ہے کہ امیہ ابن خلف کو قتل کرنے والے حضرت معاذ ابن عفراء' خارجہ ابن زید اور حبیب ابن اساف تھے یعنی ان سب نے مل کر اسے قتل کیا۔

ابن اسحاقؒ کہتے ہیں کہ امیہ کے بیٹے علی کو عمار ابن یاسر اور حبیب ابن اساف نے قتل کیا' یہ حبیب ابن اساف آنحضرت ﷺ کے تمام غزوات میں شریک ہوئے ہیں' انہوں نے بنت خارجہ سے نکاح کر لیا تھا جب کہ ان کے پہلے شوہر حضرت ابوبکر صدیقؓ کا انتقال ہو گیا' یہی حبیب حضرت مالکؒ کے شیخ حبیب کے دادا تھے۔ واللہ اعلم۔

(غرض حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف نے امیہ کو بچانے کے لئے وہ زرہیں بھی پھینک دی تھیں جو ان کو میدان جنگ سے حاصل ہوئی تھیں اور اس وقت ہاتھ میں لے رہے تھے جب امیہ ان کو ملا تھا) اسی لئے حضرت عبدالرحمٰن کہا کرتے تھے کہ

خدا بلال پر رحم فرمائے میری زرہیں بھی گئیں، قیدی بھی گئے اور زخم بھی کھایا۔

حضرت عبدالرحمٰن اس واقعہ کو ایک دوسری روایت میں بیان کرتے ہیں کہ غزوہ بدر میں مجھے دو زرہیں حاصل ہوئیں راہ میں مجھے امیہ ملا اور بولا کہ میرا اور میرے بیٹے کا ہاتھ پکڑ لو کیونکہ میرا تم پر ان زرہوں سے زیادہ حق ہے، میں نے زرہیں ایک طرف پھینک دیں اور دونوں کا ہاتھ پکڑ لیا پھر جب امیہ اور علی قتل ہو گئے تو عبدالرحمٰن کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ بلالؓ پر رحم کرے میرے حصہ میں نہ زرہیں ہی آئیں اور نہ قیدی ہی ملا۔

ان کے ایسا کہنے کی وجہ آنحضرت ﷺ کا وہ اعلان تھا جس کے مطابق ہر قیدی اس شخص کا حق ہو گا جو اس کو گرفتار کرے گا جیسا کہ بیان ہوا، نیز آگے بیان آئے گا کہ اسی اعلان کے مطابق اگر قیدی کا کوئی عزیز یا دوست وغیرہ ان کی جان کی قیمت یعنی فدیہ دے کر اسے چھڑانا چاہے تو وہ فدیہ اسی شخص کو ملے گا جس کا وہ قیدی تھا۔

مگر یہ بات شافعی علماء کے اس قول کے خلاف ہے جس میں ہے کہ قیدی کا فدیہ اور جان کی قیمت دوسرے تمام مال غنیمت کے حکم میں ہی ہوتا ہے (اس شخص کی ملک نہیں ہوتا جس نے قیدی کو گرفتار کیا تھا)۔

اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ شروع اسلام میں جان کی قیمت گرفتار کرنے والے کو ہی دینے کا حکم تھا تاکہ لوگوں کو جہاد میں حصہ لینے کی ترغیب ہو اور پھر جب اسلام نے دلوں میں گھر کر لیا تو وہ حکم ہو گیا جو شافعی فقہاء نے بیان کیا ہے۔

دشمن خدا نوفل کا قتل...... غرض پھر میدان بدر میں ہی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کیا کسی کو نوفل ابن خویلد کا بھی پتہ ہے، حضرت علیؓ نے عرض کیا:

"اس کو میں نے قتل کیا ہے!"

اس پر رسول اللہ ﷺ نے تکبیر کہی اور فرمایا:

"اس پروردگار کا شکر ہے جس نے اس شخص کے متعلق میری دعا قبول فرمائی"۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جنگ شروع ہونے پر جب دونوں لشکر ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے تو نوفل نے نہایت بلند آواز سے کہا تھا:

"اے گروہ قریش! آج کا دن عزت و سر بلندی کا دن ہے"۔

یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا:

"اے اللہ! نوفل ابن خویلد کا انجام مجھے دکھلا"۔

بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ نوفل ابن خویلد کو پہلے حضرت جبار ابن صخر نے گرفتار کر لیا تھا مگر پھر حضرت علیؓ نے اس کو قتل کر دیا۔

چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت جبارؓ نوفل کو گرفتار کر کے لئے جا رہے تھے کہ اس کی نظر حضرت علیؓ پر پڑی، نوفل نے جبار سے کہا:

"اے انصاری بھائی! یہ شخص کون ہے؟ لات و عزیٰ کی قسم یہ میری تاک میں رہا ہے"۔

جبار نے کہا یہ علی ابن ابو طالب ہیں، اسی وقت حضرت علیؓ نوفل کی طرف بڑھے اور اس کو قتل کر دیا۔

ابو جہل کی لاش ڈھونڈنے کا حکم اور اس کی علامت...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ قتل شدہ لوگوں میں

ابو جہل کو تلاش کیا جائے' ساتھ ہی آپ ﷺ نے فرمایا:

"اگر تم لوگ اس کو شناخت نہ کر سکو یعنی اس کی گردن کاٹ ڈالی گئی ہو اور جسم سے علیحدہ پڑی ہو تو اس کی لاش کی شناخت یہ ہے کہ اس کے گھٹنے میں زخم کا ایک نشان تلاش کرنا' کیونکہ جب میں اور وہ دونوں نو عمر لڑکے تھے تو ایک دن ہم دونوں عبداللہ ابن جدعان کے یہاں دعوت میں گئے وہاں بہت زیادہ بھیڑ تھی اور ہم دونوں ہی گھسنے کی کوشش کر رہے تھے' میں ابو جہل سے عمر میں کچھ بڑا تھا میں نے اس کو دھکا دیا تو وہ گھٹنوں کے بل گرا جس سے اس کے ایک گھٹنے میں چوٹ آگئی اور اس زخم کا نشان آج تک اس کے گھٹنے پر باقی ہے"۔

غالباً یہی واقعہ ہے جس کو بعض راویوں نے اس طرح بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ اور ابو جہل کے درمیان زور آزمائی ہوئی تھی جس میں آپ ﷺ نے ابو جہل کو پچھاڑ دیا تھا لیکن یہ روایت غلط ہے کہ کبھی آنحضرت ﷺ اور ابو جہل میں زور آزمائی ہوئی۔

نیز شاید اسی نشان کی طرف حضرت ابن مسعودؓ نے بھی اپنے قول میں ارشاد کیا ہے کہ جب میں نے ابو جہل کو قتل کر دیا (یعنی ابن مسعودؓ نے اس کو اس وقت قتل کیا جب کہ وہ زخموں سے چور پڑا تھا) اور میں نے آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی کہ میں نے ابو جہل کو قتل کیا ہے تو اس وقت آپ ﷺ کے پاس عقیل بھی موجود تھا جو جنگی قیدی تھا اس نے میری بات سن کر کہا کہ تو جھوٹا ہے تو نے اس کو قتل نہیں کیا میں نے کہا:

"او خدا کے دشمن! تو خود جھوٹا اور گنہگار ہے خدا کی قسم میں نے ہی اس کو قتل کیا ہے"۔

اس پر اس نے کہا کہ اچھا اس کی یعنی ابو جہل کی کوئی علامت بتلاؤ۔ میں نے کہا'

"اس کی ران پر ایک ایسا گول نشان ہے جیسا منڈے ہوئے اونٹ کے سر پر ہوتا ہے"۔

ابو جہل کے منہ سے خود اپنے انجام کی دعا...... اس نے کہا' تو ٹھیک کہتا ہے۔

ابو جہل نے اپنے انجام کے لئے خود ہی دعا کی تھی کیونکہ جب جنگ شروع ہوئی اور دونوں لشکر ٹکرائے تو اس نے کہا'

"اے اللہ! ہم نے آج خونی رشتوں کے سب علاقوں کو ختم کر دیا ہے' ہمارے سامنے ایسی چیز لائی گئی ہے جس کو ہم نہیں جانتے اس لئے ایسی چیز لانے والے کو ہلاک کر دے"۔

بعض راویوں نے اس میں یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے کہ

"اے اللہ! تیرے نزدیک ہم میں جو زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہو"۔ ایک روای میں یہ لفظ ہیں کہ......

"اے اللہ! ہم میں حقانیت اور سچائی کے لحاظ سے جو بہتر ہے اسی کی آج مدد فرما"۔

چنانچہ جو گروہ حق پر تھا' اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد فرمائی اور یہ آیت نازل فرمائی'

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ۔ (سورۂ انفال' پ۹' ع۲' آیت۱۹)

اور اگر تم لوگ یہ فیصلہ چاہتے ہو تو وہ فیصلہ تو تمہارے سامنے آموجود ہوا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: یہ بات کہ ابو جہل نے خود ہی اپنے انجام کی دعا کی تھی اور اپنی جان کا فیصلہ چاہا تھا اس صورت میں تو واضح تھا کہ اس نے اپنی دعا میں یہ نہ کہا ہوتا کہ ہمارے سامنے ایسی چیز لائی گئی ہے جس کو ہم نہیں جانتے' کیونکہ اس جملہ میں اس نے رسول اللہ ﷺ کی طرف صاف اشارہ کیا ہے (کیونکہ اگر وہ صرف یہ کہتا کہ ہم میں سے جو حق پر ہے اس کی مدد فرما تو یہ کہنا

ٹھیک تھا کہ اس نے خود ہی اپنا انجام مانگ لیا تھا کیونکہ اس کے قتل اور شکست سے ظاہر ہو گیا کہ وہی ناحق پر تھا' لیکن اس نے ساتھ ہی آنحضرت ﷺ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو کچھ کہا اس سے اس نے یہ ظاہر کر دیا کہ حق پر وہ خود ہے اور فیصلہ اللہ تعالیٰ پر نہیں چھوڑا)۔

سہل کی تفسیر میں یہ ہے کہ ابو جہل نے بدر کے دن یہ کہا تھا کہ اے اللہ! دونوں دینوں میں جو دین تیرے نزدیک زیادہ افضل اور پسندیدہ ہو اسی کی مدد اور نصرت فرما' اس پر حق تعالیٰ نے وہ آیت نازل فرمائی جو گذشتہ سطروں میں بیان ہوئی' واقدی نے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے غریب اور کمزور مہاجروں کے ذریعہ فیصلہ چاہا تھا۔ واللہ اعلم

ابو جہل تلوار کی زد میں...... حضرت معاذ ابن عمرو ابن جموح کہتے ہیں کہ جنگ کے دوران میں نے دیکھا کہ ابو جہل کو بہت سے لوگ اپنی حفاظت میں لئے ہوئے تھے اور اس کے چاروں طرف گھیرا ڈالے ہوئے تھے' وہ لوگ کہہ رہے تھے کہ ابو الحکم یعنی ابو جہل کے پاس تک کوئی پہنچ نہیں پائے گا' میں نے جب یہ سنا تو میں اس کی طرف بڑھا اور اس پر حملہ کر کے تلوار کا ایک ہاتھ مارا اور اس کی ٹانگ کی پنڈلی کاٹ ڈالی۔ خدا کی قسم میں نے جب اس کی پنڈلی پر ایک زوردار وار کیا تو بالکل ایسا ہی لگا جیسے کھجور کی گھٹلی کٹ کر گر جاتی ہے' یہاں "مرضحۃ النوی" کا لفظ استعمال ہوا ہے جو خشک کھجور اور تازہ کھجور کی پھٹن یا اس کی گٹھلی کے شگاف کو کہتے ہیں۔

حضرت معاذؓ کی سرفروشی......ابو جہل کے بیٹے عکرمہ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے' انہوں نے یہ دیکھا تو میرے مونڈھے پر تلوار کا وار کیا جس سے میرا بازو کٹ گیا صرف ذرا سی کھال کا تسمہ باقی رہ گیا جس سے ہاتھ لٹکا ہوا تھا' میں جنگ میں مصروف تھا مگر اس ہاتھ کے لٹکنے کی وجہ سے میرا دھیان بٹ رہا تھا' میں تمام دن لڑتا رہا اور وہ لٹکا ہوا ہاتھ میرے ساتھ جھول رہا تھا' جب اس کی وجہ سے مجھے زیادہ تکلیف ہونے لگی تو میں نے اس پر اپنا پاؤں رکھ کر جھٹکا دیا جس سے وہ کھال کا تسمہ بھی ٹوٹ گیا اور میں نے اپنے ہاتھ کو اٹھا کر پھینک دیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت معاذؓ اس ہاتھ کو اسی طرح لٹکائے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' آپ ﷺ نے کٹے ہوئے حصہ پر اپنا لعاب دہن لگایا اور اسے ملا دیا وہ ہاتھ وہیں چپک گیا۔

امام سبکیؒ نے اسی واقعہ کی طرف اپنے قصیدہ تائیہ میں اشارہ کیا ہے مگر اس میں انہوں نے معاذ کے بجائے ابن عفراء کا ذکر کیا ہے مگر اس سے کوئی شبہ نہیں ہوتا کیونکہ شاید انہوں نے (ضرورت شعری کی وجہ سے) معاذ ابن عمرو ابن جموح ابن عفراء کو صرف ابن عفراء لکھا ہے' آگے آنے والی روایت سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ امام سبکی کے قصیدہ میں اس سلسلے کا شعر یہ ہے:

وَبَانَتْ بِهَا كَفُّ ابنِ عفراءَ فَاشْتَكىٰ
إِلَيْكَ فَعَادَتْ بَعْدَها أَحْسَنَ عَوْدَة

ابن عفراء کا ہاتھ اس غزوہ میں کٹ کر علیحدہ ہو گیا انہوں نے آپ ﷺ سے فریاد کی تو آپ کی برکت سے وہ ہاتھ بالکل پہلے کی طرح جوں کا توں ہو گیا۔

البتہ یہاں یہ بات ضرور ہے کہ اس شعر میں بھا (یعنی اس غزوہ میں) کا اشارہ غزوہ اُحد کی طرف ہے جب کہ اب واضح ہے کہ یہ واقعہ غزوہ بدر میں پیش آیا تھا' نیز یہ بات بھی تقریباً ناقابل یقین ہے کہ ایک ہی واقعہ ایک ہی شخص کے ساتھ غزوہ بدر اور غزوہ احد دونوں میں پیش آیا ہو' سوائے اس کے کہ ایسی بات روایتوں سے ثابت ہوتی ہو تو مانی جا سکتی ہے۔

ابوجہل موت کی سرحد پر...... اس کے بعد جب کہ ابوجہل سخت زخمی حالت میں تھا اس کے پاس سے معوذ ابن عفراء کا گزر ہوا' انہوں نے اس پر وار کیا جس سے وہ گر گیا اور وہ اس کو مردہ سمجھ کر وہیں چھوڑ گئے مگر ابوجہل میں ابھی زندگی کی رمق باقی تھی۔

بعض روایتوں میں یوں ہے کہ...... معوذ نے اس پر وار کیا یہاں تک کہ وہ ٹھنڈا ہو گیا' مگر اس سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ مراد یہ ہو سکتی ہے کہ وہ مردوں کی طرح بے حس و حرکت ہو کر گر گیا۔ حضرت معوذ اس کے بعد آگے بڑھ گئے اور مسلسل جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ وہ خود بھی شہید ہو گئے۔

ابن مسعودؓ ابوجہل کے سر پر...... حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے ابوجہل کو (جنگ ختم ہونے کے بعد) تلاش کیا تو ایک جگہ پڑے ہوئے پایا اس میں کچھ جان باقی تھی میں نے اسے پہچان لیا اور اپنا پیر اس کی گردن پر رکھ کر اس سے کہا:

"اے خدا کے دشمن! کیا تجھے خدا نے رسوا نہیں کر دیا؟"۔

موت کے منہ میں ابوجہل کی سرکشی...... "کیوں میری کیا رسوائی ہوئی' کیا جس شخص کو تم نے قتل کیا ہے اس کیلئے یہ کوئی عار اور شرم کی بات ہے؟"۔

یعنی تم نے مجھے قتل کر دیا تو یہ بات میرے لئے کوئی عار اور شرم کی چیز نہیں ہے ایک روایت میں ہے کہ:

"تم نے ایک ایسے شخص کو قتل کیا ہے جو اپنی قوم کا بڑا ستون ہے یعنی میں اپنی قوم کا بڑا سردار ہوں کیونکہ قوم کا ستون قوم کا سردار ہوتا ہے' لہٰذا تم لوگوں کا مجھے قتل کر دینا میرے لئے شرم کی کیا بات ہے"۔

ابوجہل کو ایک انصاری مسلمان نے مارا تھا اور انصاری مسلمان زیادہ تر کھیتی باڑی کرتے تھے لہٰذا ایک روایت میں ہے کہ پھر ابوجہل نے کہا:

"اگر ان کسانوں کے علاوہ کسی اور نے مجھے قتل کیا ہوتا تو یہ بات میرے لئے زیادہ اونچے درجہ کی اور میری شان کے مطابق ہوتی اور اس میں بھی میری شان سے کمتر درجہ کی بات نہ ہوئی' مگر تو...... اے بکریوں کے چرانے والے!" بڑی اونچی جگہ کھڑا ہے (کیونکہ ابن مسعودؓ ابوجہل کی گردن پر پیر رکھے کھڑے تھے' مجھے بتا' آج فتح و کامیابی کس کو حاصل ہوئی ہے"۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ...... "ہمیں فتح ہوئی ہے یا دشمن کو ہم پر فتح ہوئی ہے؟"۔

میں نے کہا:

"اللہ اور اس کے رسول کو فتح ہوئی ہے"۔

فرعون امت کے لئے نبی ﷺ کی بددعا...... موسیٰ ابن عقبہ کی کتاب مغازی میں ہے (جس کے متعلق امام مالک نے کہا ہے کہ غزوات پر یہ سب سے زیادہ صحیح کتاب ہے) کہ رسول اللہ ﷺ مشرکین کی لاشوں کے درمیان کھڑے ہوئے تھے اور آپ ﷺ کی نگاہیں ابوجہل کی لاش کو تلاش کر رہی تھیں مگر آپ ﷺ کو وہ لاش نظر نہیں آئی' اس تلاش و جستجو کا اثر آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک سے بھی ظاہر ہو رہا تھا' آخر آپ ﷺ نے فرمایا:

"اے اللہ! اس امت کا فرعون بچ کر نہ نکلا ہو"۔

اسی وقت لوگ ابوجہل کی تلاش مین دوڑ پڑے یہاں تک کہ حضرت ابن مسعودؓ اس کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

بخاری و مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کون ہے جو ابوجہل کو تلاش کر کے لائے تو حضرت ابن مسعودؓ اسکی تلاش میں نکلے انہوں نے اس کو اس حالت میں پایا کہ ابن عفراء نے اس کو مار کر ٹھنڈا کر دیا تھا۔

ابو جہل کا قتل...... حضرت ابن مسعودؓ نے ابو جہل کی داڑھی پکڑ کر اس سے کہا کہ تو ہی ابو جہل ہے' یہاں داڑھی پکڑنا اس روایت کے خلاف نہیں ہے جس میں گزرا ہے کہ ابن مسعودؓ نے اس کی گردن پر پاؤں رکھ دیا تھا کیونکہ ممکن ہے ان سے دونوں باتیں سرزد ہوئی ہوں۔

غرض حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ پھر میں نے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔

ایک دوسری روایت میں ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ جب میں اس کے تلوار مارنے لگا تو ابو جہل کا اور کچھ بس نہ چلا تو اس نے میرے منہ پر تھوک دیا' پھر وہ کہنے لگا:

"میری تلوار لے اور اس سے میری گردن شانوں کے پاس سے کاٹنا تاکہ (زمین پر رکھی جائے تو) ممتاز اور اونچی رہے"۔

(یعنی گردن کے نچلے حصے کی جڑ میں سے کاٹنا تاکہ یہ سر اونچا رہے اور معلوم ہو کہ ایک بڑے سردار کا سر ہے) چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور اسے لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

فرعون امت کا سر بارگاہِ نبوت میں...... "یا رسول اللہ! یہ اللہ کے دشمن ابو جہل کا سر ہے"۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

"برتری ہے اسی ذات خداوندی کے لئے جس کے سوا کوئی سزاوار الوہیت نہیں"۔

آپ ﷺ نے یہ کلمہ تین بار فرمایا' طبرانی نے یہ روایت بیان کی ہے کہ ابن مسعودؓ سے یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

"کیا واقعی تم نے ابو جہل کو قتل کر دیا ہے؟"

میں نے عرض کیا:

"ہاں! قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے"۔

آنحضرت ﷺ کا سجدۂ شکر...... پھر میں نے ابو جہل کا سر آنحضرت ﷺ کے سامنے رکھ دیا جس پر آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا' یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس پر آنحضرت ﷺ نے شکرانے کے لئے پانچ سجدے کئے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"اللہ اکبر' تعریف و حمد ہے اس ذات کے لئے جس کا وعدہ سچ ہوا' جس نے اپنے بندے کی مدد کی اور تنہا نے تمام فرقوں کے لشکر کو شکست دی"۔

مگر جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے کہ ابو جہل نے ابن مسعود کے منہ پر تھوکا اور ان سے کہا کہ میری تلوار سے میری گردن کاٹو' تو یہ بات اس قول کے خلاف ہے جس میں گزرا ہے کہ ابو جہل زخمی ہونے کے بعد بے حس و حرکت ہو کر مردوں کی طرح گر پڑا تھا۔

اس سلسلے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ شاید شروع میں تو وہ مردوں ہی کی طرح بے حس و حرکت ہو گیا تھا مگر پھر بعد میں اس کو ہوش آ گیا تھا یہاں تک اس نے مذکورہ باتیں کہیں' بہر حال یہ بات آئندہ ذکر ہونے والی روایت کی روشنی میں قابل غور ہے۔

آنحضرت ﷺ کے سامنے کس کس کے سر لائے گئے؟

ایک قول کے مطابق اس روایت سے کہ ابو جہل کا سر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لا کر پیش کیا گیا' علامہ زہریؒ کے قول کی تردید ہو جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے کوئی سر کبھی نہیں لایا گیا' ایک سر حضرت ابو بکرؓ کے سامنے لایا گیا تھا مگر اس بات کو انہوں نے بھی ناپسند کیا تھا۔

اس کے جواب میں علامہ بیہقیؒ کا قول ہے کہ ابو جہل کا سر لائے جانے کی جو روایت ہے اس میں کلام کیا گیا ہے اور اس کو صحیح جو مانا گیا ہے تو وہ اس طرح کہ ایک جگہ سے سر اٹھا کر دوسری جگہ تو لایا جا سکتا ہے مگر ایک شہر سے دوسرے شہر میں لانا درست نہیں ہے یعنی دار الکفر سے دار الاسلام میں لانا درست نہیں ہے اور یہی وہ بات ہے جس کو حضرت ابو بکرؓ نے ناپسند کیا ہے کیونکہ انہوں نے اس پر ناپسندیدگی ظاہر کی تھی کہ کسی کا سر دار الکفر سے دار الاسلام میں لایا جائے۔

شافعی علماء میں علامہ ماوردیؒ اور امام غزالیؒ نے اس بات کو اس صورت میں جائز قرار دیا ہے کہ اس طرح کفار کے لئے کوئی فریب اور مکر مقصود ہو۔

کتاب نور میں یہ ہے کہ ہمیں ایسے بہت سے لوگوں کے نام معلوم ہیں جن کے سر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے گئے ایسے لوگ یہ ہیں' ابو جہل' سفیان ابن خالد' کعب ابن اشرف' مرحب یہودی' ایک روایت کی بنیاد پر اسود عنسی' عصماء بنت مروان' رفاعہ ابن قیس یا قیس ابن رفاعہ' اور عقبہ ابن ابی وقاص کا سر جس نے غزوہ احد میں آنحضرت ﷺ کے سامنے کے چار دانت توڑ دیئے تھے اور آپ کے ہونٹوں کو زخمی کر دیا تھا جیسا کہ آگے اس کی تفصیل آئے گی۔

حضرت ابن مسعودؓ نے ابو جہل کی گردن پر جو پیر رکھا اور پھر اس کا سر کاٹا تو اس میں ان کے خواب کی تعبیر کی تصدیق ہے جو انہوں نے ابو جہل کے متعلق دیکھا تھا اور اس سے کہا تھا کہ اگر میرا خواب سچا ہے تو میں تیری گردن کو اپنے پاؤں سے پامال کروں گا اور تجھے بکرے کی طرح ذبح کروں گا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے اس کو لوہے میں غرق یعنی زرہ بکتر میں سر سے پیر تک ملبوس پایا' وہ زخمی حالت میں بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا' ابن مسعودؓ نے اس کے خود کو گردن پر سے سرکایا اور پھر اس پر وار کیا جس سے اس کا سر کٹ کر ایک طرف جا پڑا۔

طبرانی کی کتاب معجم الکبیر میں خود ابن مسعودؓ ہی کی روایت ہے کہ جب میں ابو جہل کے پاس پہنچا تو وہ زمین پر پڑا تھا اور اس کے پاس اس کی تلوار بھی تھی جو نہایت عمدہ قسم کی تھی جب کہ میری تلوار نہایت گھٹیا قسم کی تھی' میں اس کی کھوپڑی پر ٹھوکریں مارنے لگا اس وقت مجھے وہ ضربیں یاد آ رہی تھیں جو مکے میں ابو جہل میرے سر پر مارا کرتا تھا' اس کے بعد میں نے اس کی تلوار اٹھالی' اسی وقت ابو جہل نے اپنا سر اٹھایا اور کہنے لگا:

"شکست کس کو ہوئی ہے' کیا تو مکے میں ہماری بکریوں کا چرواہا نہیں تھا"

فرشتوں کے لگائے ہوئے زخم...... غرض اس کے بعد ابن مسعودؓ نے اس کو قتل کر دیا اور اسکے جسم پر جو ہتھیار وغیرہ تھے وہ اتار لئے' اسکے بعد ابو جہل کی لاش پر ان کی نظر پڑی تو انہوں نے دیکھا کہ اسکے جسم پر زخم کا کہیں نشان نہیں ہے بلکہ جلنے کے نشانات ہیں یعنی اس کی گردن پر ہاتھوں پر اور مونڈھوں پر ورم سا ہے اور ایسے آثار ہیں جیسے یہ حصے آگ کا کوڑا لگنے سے سیاہ

ہو گئے ہیں یعنی اس کے جسم پر زخموں کے وہ اندرونی حصے تھے وہ ایسے نہیں تھے جیسے آدمی کے ہاتھ سے زخم لگتے ہیں۔

لہٰذا اس تشریح کے بعد یہ بات اب اس گزشتہ روایت کے خلاف نہیں رہی جس میں تھا کہ ابن جموح نے اس کی ٹانگ کاٹ دی تھی' یہ بھی ممکن ہے کہ ابن عفراء کی جس ضرب سے وہ زمین پر گر پڑا تھا اس سے بدن کے اندر کوئی زخم نہیں پڑا تھا۔

غرض اس کے بعد ابن مسعودؓ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو یہ حیرت ناک بات بتلائی تو آپ نے فرمایا:

"یہ ملائکہ اور فرشتوں کے لگائے ہوئے زخموں کے نشانات ہیں"۔

(ی) فرشتے یہ نہیں جانتے کہ آدمیوں کو کیسے قتل کیا جاتا ہے اس لئے حق تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد کے ذریعہ ان کو اس کا طریقہ بتلایا:

فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ (۹ انفال 'ع ۲ / ۱۲)

ترجمہ: سو تم کفار کی گردنوں پر مارو اور ان کے پور پور کو مارو۔

چنانچہ اسی وجہ سے مشرک مقتولین میں جن کو فرشتوں نے مارا تھا ان کے بدن پر جلنے کے جیسے نشانات دیکھ کر پہچان لیتے تھے کہ یہ نشانات فرشتوں کی لگائی ہوئی ضربوں کے ہیں اور ان کو فرشتوں نے مارا ہے۔

فرشتوں کی ضرب...... بعض روایتوں میں ابو جہل کے جسم پر سبزی مائل نشانات کا ذکر ہے مگر اس سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اکثر گہرا سبز رنگ جس کو کاہی سبز کہتے ہیں سیاہی مائل ہوتا ہے اور اس کو سیاہ بھی کہہ دیا جاتا ہے' پھر سر یا ہاتھ کٹ جانے کے باوجود گردن اور پوروں پر ان نشانات کا باقی رہنا بظاہر اسی لئے تھا کہ یہ معلوم ہو سکے یہ سر اور ہاتھ فرشتوں نے ان کے تن سے جدا کئے ہیں' نیز اکثر حالات میں تو فرشتوں کی ضربیں گردن اور جوڑوں کے اوپر ہی ہوتی تھیں لیکن اس کا اثر مونڈھوں پر بھی ظاہر ہو جاتا تھا جیسا کہ پیچھے ذکر ہوا لہٰذا اس سے کوئی شبہ نہیں پیدا ہوتا' اسی لئے ان ضربوں کے آثار چہرے اور ناک پر بھی مل جاتے تھے' چنانچہ بعض صحابہ سے روایت ہے کہ ہمیں اپنے سامنے کسی مشرک کی لاش پڑی نظر آتی تو دیکھتے کہ اس کی ناک ٹوٹی ہوئی ہے اور چہرہ ایسے پھٹا ہوا ہے جیسے کسی کوڑے کی ضرب سے پھٹا ہو اور وہ جگہ سبزی مائل ہو گئی ہے (یعنی جیسے سخت چوٹ کی وجہ سے نیل پڑ جاتا ہے)۔

سہل ابن حنیفؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں جو کہتے ہیں کہ بدر کے دن میں نے دیکھا کہ ہم میں سے کوئی بھی مسلمان مشرک کے سامنے پہنچ کر اسکو قتل کرنے کیلئے تلوار بلند کرتا مگر تلوار کے اس تک پہنچنے سے پہلے اس کا سر تن سے جدا ہو کر گر جاتا تھا۔

اب اس موجودہ اور گزشتہ روایت کے درمیان اس طرح موافقت پیدا ہو جاتی ہے کہ کبھی تو فرشتوں کی ضرب سے گردن علیحدہ ہو جاتی تھی اور کبھی نہیں ہوتی تھی مگر دونوں حالتوں میں گردن پر سیاہ نشان ضرور ہوتا تھا تاکہ یہ ثابت ہو سکے کہ یہ فرشتوں کی لگائی ہوئی ضرب ہے جیسا کہ بیان ہوا۔

حضرت ابن مسعودؓ ایک دوسری روایت میں ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب میں ابو جہل کے پاس پہنچا اور وہ زمین پر پڑا ہوا اپنی تلوار کے ذریعہ لوگوں کو قریب آنے سے روک رہا تھا' میں نے اسے دیکھ کر کہا کہ اے خدا کے دشمن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے تجھے رسوا کیا' اس نے کہا:

"اس سے زیادہ اور کیا بات ہے کہ ایک شخص کو اسی کی قوم نے قتل کر دیا"۔

"ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ پھر میرے ہاتھ میں جو چھوٹی سی تلوار تھی میں اس سے کچھ کے لگانے لگا آخر اس کے ہاتھ پر

میری تلوار لگی اور اس کی تلوار چھوٹ کر گر گئی' میں نے فوراً اس کی تلوار اٹھا کر اس کو قتل کر دیا' پھر میں آنحضرت ﷺ کے پاس آیا تو خوشی کی وجہ سے اپنے آپ کو انتہائی ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا' پھر میں نے آپ کو یہ خوش خبری سنائی تو آپ نے وہی جملہ فرمایا جو پیچھے ذکر ہو چکا ہے' اس موقعہ پر آپ کا ایک دوسرا جملہ بھی گزرا ہے جو آپ نے تین مرتبہ فرمایا تھا۔

ایک روایت میں حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اس خبر پر آنحضرت ﷺ نے مجھ سے تین مرتبہ حلف لیا اور پھر یہ جملہ تین مرتبہ فرمایا:

"حمد ہے اس خدائے پاک کی جس نے اسلام اور مسلمانوں کو یہ عزت عطا فرمائی"۔

ابو جہل کی تلوار ابن مسعود کا انعام..... پھر آپ ﷺ سجدے میں گر گئے اور آپ ﷺ نے شکرانے کے پانچ سجدے کئے جیسا کہ ذکر ہوا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے دو رکعت نماز شکرانہ پڑھی' حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ پھر آپ میرے ساتھ ابو جہل کی لاش دیکھنے کے لئے تشریف لائے اور وہاں کھڑے ہو کر آپ ﷺ نے وہی جملہ فرمایا کہ اے خدا کے دشمن! حمد ہے اس خدائے پاک کی جس نے تجھے رسوا اور ذلیل کیا' یہ شخص اس امت کا فرعون تھا' ایک روایت میں آپ کے یہ لفظ بھی ہیں کہ' اور کافروں کے گروہ کا سرغنہ تھا۔

پھر آنحضرت ﷺ نے ابو جہل کی تلوار مجھے عنایت فرمائی یہ تلوار لمبائی میں چھوٹی اور چوڑائی میں زیادہ تھی' اس پر چاندی کا کام تھا اور اس کا دستہ بھی چاندی کا تھا' یعنی اس کی تلوار ابن مسعودؓ سے چھوٹی تھی۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: یہاں آنحضرت ﷺ کے ابو جہل کی لاش کے پاس جانے کا ذکر ہے بظاہر آپ کے قدموں میں ابو جہل کا سر لائے جانے کے بعد آپ اس کی لاش پر تشریف لے گئے کیونکہ اس کا قتل بہت بڑا معاملہ تھا۔

ادھر اس روایت میں ابن مسعودؓ نے نہ تو ابو جہل کا سر کاٹنے کا ذکر کیا اور نہ ہی اس کو آنحضرت ﷺ کے پاس لے کر آنے کا ذکر کیا ہے مگر اس سے کوئی شبہ نہیں پیدا ہونا چاہئے (جیسا کہ ظاہر ہے)۔

ایک مرتبہ مکہ میں ابو جہل نے رسول اللہ ﷺ کا دامن پکڑ کر کھینچا' آپ نے اسکو یہ جواب دیا جو قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے:

أَوْلَى لَكَ فَأَوْلَى (۲۹ القیامہ ع ۲ / ۳۴' ۳۵)

ترجمہ: تیری کم بختی پر کم بختی آنے والی ہے۔

اس پر ابو جہل نے جواب دیا:

"تم اور تمہارا رب میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے' میں اس وادی کے لوگوں میں سب سے زیادہ باعزت اور بلند مرتبہ آدمی ہوں"۔

اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلَّى ٥ وَلَكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّى ٥ ثُمَّ ذَهَبَ إِلَى أَهْلِهِ يَتَمَطَّى (پ ۲۹' سورۂ قیامہ ع ۲ آیت ۳۱' ۳۳)

ترجمہ: تو اس نے نہ تو خدا اور رسول کی تصدیق کی تھی اور نہ نماز پڑھی تھی لیکن خدا اور رسول کی تکذیب کی تھی اور احکام سے منہ موڑا تھا اور پھر ناز کرتا ہوا اپنے گھر چل دیتا تھا۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت گزشتہ آیت کی طرح عدی ابن ربیعہ کے سلسلے میں ہی نازل ہوئی تھی جب کہ اس نے آپ

سے قیامت کے دن کے متعلق پوچھا تھا۔ آپ نے اس کو روز قیامت کے متعلق بتلایا تو عدی نے کہا:

''اگر اس دن کو میں خود اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لوں تب بھی تمہاری تصدیق نہیں کروں گا' کیا اللہ تعالیٰ ان ہڈیوں کو جوڑ کر پھر انسان بنائے گا؟''۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جو اس سے پہلے اسی سورت میں ہے:

اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَلَّنۡ نَّجۡمَعَ عِظَامَہٗ' (۲۹القیامہ ع۱ر ۳)

ترجمہ: کیا انسان خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں ہر گز نہ جمع کریں گے۔

فرعون امت ابو جہل...... حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ہر امت کا ایک فرعون ہوتا ہے اور اس امت کا فرعون ابو جہل ہے' جس کو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ بہت بری حالت میں قتل کرایا' ایک روایت میں یوں ہے کہ اسکو ابن (عفراءؓ) اور فرشتوں نے قتل کیا اور ابن مسعودؓ نے اسکو ہلاک کیا''۔

جہاں تک ابن عفراء کا تعلق ہے تو یہ حضرت معاذ ابن عمرو ابن جموع بھی ہو سکتے ہیں اور ان کے بھائی معاذ ابن حرث بھی ہو سکتے ہیں' ان کو ابو جہل کا قاتل اس لئے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اس کو زخمی کر کے ادھ مرا کر دیا تھا (اگرچہ وہ اس کے بعد مرا نہیں تھا مگر مردوں کی طرح بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا) جیسا کہ بیان ہوا۔

دو کمسن مجاہد...... مسلم میں حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن عوف سے روایت ہے کہ غزوہ بدر کے دوران جب کہ میں اپنی صف میں کھڑا ہوا جنگ میں مصروف تھا میں نے اپنے دائیں بائیں دیکھا تو اپنے آپ کو دو انصاری نوجوانوں کے درمیان پایا جو دونوں ابھی کمسن تھے' اسی وقت ایک نے ان میں سے مجھے آنکھ سے اشارہ کیا اور کہا:

''اے چچا! کیا آپ ابو جہل ابن ہشام کو پہچانتے ہیں؟''۔

میں نے کہا: ''ہاں! تمہیں اس سے کیا کام ہے''۔

اس نے کہا:

''میں نے سنا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیتا ہے' قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میں نے اس کو دیکھ لیا تو وہ مجھ سے بچ کر نہیں جا سکتا' یہاں تک کہ ہم میں سے وہ موت کے گھاٹ اتر جائے جس کا وقت آ چکا ہے''۔

اسی وقت دوسرے نے مجھے آنکھ سے اشارہ کرتے ہوئے وہی بات کہی جو پہلے نے کہی تھی میں اس بات پر اور ان دونوں کے اس جذبے پر حیران ہو رہا تھا کہ دونوں اپنے اس ارادہ کو ایک دوسرے سے چھپا رہے تھے' یعنی دونوں کا مقصد ایک تھا مگر ان میں سے ہر ایک دوسرے کو اپنے اس ارادہ سے بے خبر رکھنا چاہتا تھا تاکہ وہ اکیلے ہی یہ کارنامہ انجام دے سکے' تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ اتفاق سے ابو جہل پر میری نظر پڑ گئی جو لوگوں کو جوش دلاتا ہوا ادھر سے ادھر پھر رہا تھا' میں نے ان سے کہا:

''وہ دیکھو! یہی تو وہ شخص ہے جس کے متعلق تم پوچھ رہے تھے!''

یہ سنتے ہی وہ دونوں اپنی تلواریں بلند کر کے اس کی طرف بڑھے اور اس پر وار کئے یہاں تک کہ ابو جہل کشتہ ہو کر گر پڑا' یعنی انہوں نے ادھ مرا کر کے ڈال دیا جس سے وہ بے حرکت ہو کر زمین پر گر پڑا یہ دونوں سمجھے کہ وہ مر چکا ہے) اس کے بعد یہ دونوں کمسن مجاہد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور آپ ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع دی' آپ نے ان دونوں سے فرمایا:

آنحضرت ﷺ کی طرف سے ہمت افزائی...... ''تم دونوں میں سے کس نے اسے قتل کیا ہے؟''۔

اس پر دونوں نے اپنے متعلق کہا کہ میں نے قتل کیا ہے' آخر آپ ﷺ نے فرمایا "کیا تم نے اپنی تلواریں صاف کر لی ہیں؟"۔ انہوں نے کہا نہیں۔ تب آپ نے ان کی تلواروں کو دیکھا اور دونوں کی تلواروں کو خون آلودہ دیکھ کر فرمایا:

"تم دونوں ہی نے اسے قتل کیا ہے!"

پھر آپ نے فیصلہ دیا کہ ابو جہل کے جسم کے کپڑے اور زرہ بکتر وغیرہ ان دونوں کو دی جائیں البتہ ابو جہل کی تلوار کے متعلق آپ ﷺ نے یہ حکم نہیں دیا تھا' لہٰذا اب یہ حدیث اس گذشتہ روایت کے خلاف نہیں رہی جسکے مطابق ابو جہل کی تلوار آپ ﷺ نے حضرت ابن مسعودؓ کو عنایت فرمائی تھی۔

عفراء کے بیٹے ابو جہل کے قاتل...... یہ دونوں کمسن غازی معاذ ابن عمرو ابن جموح اور معاذ ابن عفراء ابن حرث تھے اب یوں کہنا چاہئے کہ معاذ ابن عمرو ابن جموح اور معاذ ابن حرث دونوں ہی معاذ ابن عفراء ہوئے یعنی پہلے معاذ اپنے باپ عمرو ابن جموح کی نسبت سے مشہور ہوئے اور دوسرے معاذ اپنی ماں کی نسبت سے مشہور ہوئے جو عفراء تھیں۔

اس بات پر کتاب نور کے کلام سے بھی کوئی اشکال نہیں ہوتا جو امام نووی سے نقل کیا گیا ہے کہ عمرو ابن جموح اور ابن عفراء نامی دونوں شخص یعنی معاذ اور معوذؓ ابو جہل کے قتل میں برابر کے شریک تھے' یہاں اشکال اس لئے نہیں ہوتا کہ دوسرے معاذ جو ہیں وہ ابن حرث ہیں' لہٰذا یوں کہا جائے گا کہ ان دونوں کے باپ یعنی عمرو ابن جموح اور حرث نے عفراء نامی عورت سے شادی کی اور دونوں ہی نے اس عورت کے پیٹ سے پیدا ہونے والے بچوں کا نام معاذ رکھا' چنانچہ آگے آنے والی امتاع کی روایت سے بھی اسی قول کی تائید ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ عفراء کے دونوں بیٹوں پر رحمت فرمائے کہ وہ دونوں ہی اس امت کے فرعون کے قتل میں شریک ہیں"۔

ابو جہل کے قتل میں ملائکہ کی شرکت...... پھر جب آپ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ان دونوں کے ساتھ اور کون شریک تھا تو آپ نے فرمایا کہ ملائکہ۔ یہ نہیں فرمایا کہ عمرو ابن جموح' مگر بعض علماء نے لکھا ہے کہ عفراء کے سات بیٹوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی جن میں سے تین تو اس کے پہلے شوہر حرث ابن رفاعہ سے تھے جن کا نام معوذ' معاذ اور عامر تھے اور چار بیٹے عفراء کے دوسرے شوہر بکر ابن عبدیالیل سے تھے جن کے نام یہ ہیں' خالد' اساس' عاقل اور عامر اور ان میں سے معاذ' معوذ اور عاقل غزوہ بدر میں شہید ہوئے' یہاں تک ان بعض علماء کا حوالہ ہے۔

یہاں پہلے شوہر کی اولاد میں عامر (یعنی عامر ابن حرث ابن عفراء) کا جو ذکر آیا ہے پیچھے اس کے بجائے عوف ابن حرث ابن رفاعہ گزرا ہے جو واضح ہے یعنی پیچھے ایک روایت گزری ہے جس میں ہے کہ عوف ابن حرث ابن عفراء نے آنحضرت ﷺ سے حق تعالیٰ کی ہنسی کے متعلق سوال کیا تھا۔

(غرض یہ ذکر چل رہا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے ابو جہل کے قتل کی اطلاع پا کر اس کے جسم پر کا سامان معاذ ابن عمرو ابن جموح اور معاذ ابن عفراء ابن حرث کو دیئے جانے کا فیصلہ فرمایا) ایک قول یہ ہے کہ آپ نے معاذ ابن عمرو ابن جموح کو دیئے جانے کا فیصلہ دیا' یعنی اس قول میں معاذ ابن عفراء ابن حرث کا ذکر نہیں ہے۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: اس کی وجہ یہ ہے کہ معاذ ابن عمرو نے ہی ابو جہل کی مدافعت کی قوت کو ختم کیا تھا (جس سے وہ ناکارہ ہو کر مُردوں کی طرح گر گیا تھا) لہٰذا ان ہی کو ابو جہل کے جسم پر کا سامان دیئے جانے کا حکم دیا گیا' مگر اس بات سے آنحضرت ﷺ کے اس گزشتہ قول کی مخالفت نہیں ہوتی جس میں گزرا ہے کہ تم دونوں ہی نے اس کو قتل کیا ہے' کیونکہ شاید

آپ نے دوسرے کی دلداری کیلئے یہ بات فرمادی ہو تاکہ دوسرے کا دل بھی بڑھے اور جہاد کی ترغیب بھی ہو کیونکہ بہر حال ابو جہل کے قتل میں شرکت تو اس کی بھی یقیناً تھی اور اس نے بھی وار کر کے اس کو مزید زخمی کیا تھا۔

ادھر اس بات سے اس کی تردید بھی ہو جاتی ہے کہ آنحضرتؐ نے ابو جہل کے جسم کا ساز و سامان دونوں قاتلوں کے درمیان تقسیم کرنے کا حکم کر دیا تھا' چنانچہ اسی لئے ہمارے یعنی شافعی فقہاء کا قول ہے کہ جسم کا سامان اس کو دیا جاتا ہے جو زخمی کر کے دشمن کی قوت اور مدافعت ختم کر دے اس کو نہیں جو اس ادھ مرے دشمن کی گردن کاٹ کر اسے قتل کر دے' چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ابو جہل کے جسم پر کا سامان اس کو ادھ مرا کرنے والوں یعنی دونوں ابن عفراء کو دیا' ابو جہل کے قاتل حضرت ابن مسعودؓ کو نہیں دیا۔

مگر جہاں تک اس گزشتہ قول کا تعلق ہے کہ یہ سامان معاذ ابن عمرو ابن جموح کو دیا گیا تو ہمارے بعض فقہاء نے بھی یہ بات کہی ہے اور یہی بات بخاری میں بھی ہے جو مال غنیمت کا پانچواں حصہ فرض ہونے کے باب میں بیان ہوئی ہے کہ معاذ ابن عمرو ابن جموح اور معاذ ابن عفراء نے ابو جہل کو قتل کیا اور پھر ان دونوں کے درمیان اس سلسلے میں جھگڑا ہوا' یہ اس بناء پر کہ آنحضرت ﷺ نے دونوں کی تلواریں دیکھیں تو دونوں کو خون آلودہ پایا اور فرمایا کہ دونوں ہی نے ابو جہل کو قتل کیا ہے اور اس کے بعد آپ ﷺ نے معاذ ابن عمرو ابن جموح کو ابو جہل کے جسم کا سامان دیئے جانے کا فیصلہ فرمایا' اس کی وجہ یہ بتلائی گئی کہ معاذ ابن عمرو نے ابو جہل کی مدافعت اور قوت ختم کی اور دوسرے نے اس کے بعد اس کو مزید زخمی کیا' آپ نے دونوں کو اس کا قاتل دلداری کے طور پر فرمایا' یہاں تک بخاری کا حوالہ ہے اور یہ اختلاف قابل غور ہے۔

جہاں تک میرا خیال ہے کہ یہ بات کہ آپ نے دونوں کی تلواروں کو خون آلودہ پایا' تو یہ راوی کی غلط فہمی ہے کیونکہ یہ واقعہ کعب ابن اشرف یہودی کے قتل کے موقعہ پر پیش آیا تھا (جس کا بیان آگے آئیگا) راوی کو اس روایت سے مغالطہ ہوا اور اس نے یہ بات ابو جہل کے قتل میں بیان کر دی' ادھر ابن مسعودؓ کی گزشتہ روایت سے بھی اس مغالطہ کی تائید ہوتی ہے کہ انہوں نے ابو جہل کے بدن کے اندرونی حصوں میں زخم کے نشانات نہیں دیکھے۔

کتاب امتاع میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ عفراء کے دونوں بیٹوں پر رحمت فرمائے کہ ان دونوں نے اس امت کے فرعون کے قتل میں شرکت کی جو کفر کے سرغنوں کا سردار تھا اس پر آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! ان دونوں کے ساتھ اور کس نے ابو جہل کو قتل کیا تو آپ ﷺ نے وہی فرمایا کہ فرشتوں نے اور ابن مسعود نے اس کا کام تمام کیا' اب آنحضرت ﷺ سے یہ سوال کیا جانا کہ ان دونوں کے ساتھ اور کس نے شرکت کی اور خود آپ کا ان دونوں کے بارے میں شرکت کا لفظ استعمال کرنا' خود اس بات کی دلیل ہے کہ ان دونوں کے ساتھ ان کے علاوہ کسی اور نے بھی اس کام میں شرکت کی تھی' یہ بات قابل غور ہے۔

کتاب روض الانف کی شرح میں ہے جو ہماری یعنی شوافع کی اہم ترین کتابوں میں ہے کہ عبد اللہ ابن رواحہ اور عفراء کے دونوں بیٹے ابو جہل کو مقابلے کیلئے للکار کر یعنی مبارزت کے ساتھ لڑے اور پھر جب آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے ان کے اس قتل کو درست قرار دیا اور اسی سے انہوں نے یہ دلیل پیدا کی کہ ایک طاقت ور کا کسی ایسے کافر کو للکار کر اس سے لڑنا' جائز ہے جس نے مبارزت یعنی مقابلے کے لئے للکارا نہ ہو۔

اب جہاں تک اس گزشتہ واقعہ کا تعلق ہے جس میں آپ نے حضرت حمزہ علی اور عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عتبہ وشیبہ

ابن ربیعہ اور ولید ابن عتبہ کے مقابلے کے لئے روانہ فرمایا تو وہ ایک ایسے کافر کے معاملے میں تھا جس نے مبارزت اور مقابلہ طلب کیا تھا چنانچہ پیچھے اس سلسلہ میں بیان ہوا ہے کہ عتبہ اپنے بھائی شیبہ اور بیٹے ولید کے ساتھ اپنی صف سے نکل کر آیا اور مقابلہ کیلئے للکارا جس پر تین انصاری نوجوان معاذ و معوذ اور عوف ابن عفراء نے ان سے مقابلہ کرنا گوارا نہیں کیا تب آنحضرت ﷺ نے حضرت حمزہ وغیرہ کو بھیجا' مگر میرے نزدیک شرح روض الانف میں جو عبداللہ ابن رواحہ اور دونوں ابن عفراء کی ابوجہل سے جس مبارزت کا ذکر کیا ہے اس میں ابوجہل کا نام غلط فہمی سے ذکر ہو گیا ہے بلکہ اصل میں یہ وہی مقابلہ ہے جس کے لئے عتبہ نے للکارا تھا اور پہلے یہ تینوں بڑھے تھے تو گویا ان تینوں نے مبارزت اور مقابلہ کی دعوت نہیں دی تھی بلکہ مقابلے کے لئے ان کو پکارا گیا تھا' مگر یہ واقعہ واقع نہیں ہو سکا کیونکہ للکارنے والوں نے اس سے لڑنا پسند نہیں کیا تھا) ویسے بھی تین آدمیوں کا ایک شخص کو مقابلے کے لئے للکارنا سمجھ میں نہیں آتا' بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ابوجہل کے قتل پر فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے اس امت کے فرعون ابوجہل کو قتل فرمادیا' پس شکر ہے اس خدائے پاک کا جس نے اپنا وعدہ سچا فرمادیا اور اپنے دین کی مدد فرمائی۔ واللہ اعلم

بدر میں شریک ملائکہ کی ہیئت...... بدر کے دن جو ملائکہ مجاہدوں کی مدد کے لئے بھیجے گئے تھے ان کے سروں پر سفید عمامے تھے جن کے پلے انہوں نے اپنی پشت پر لٹکا رکھے تھے سوائے جبرئیل علیہ السلام کے کہ وہ زرد رنگ کا عمامہ اوڑھے ہوئے تھے' ایک قول کے مطابق سرخ رنگ کا تھا بعض علماء نے یوں لکھا ہے کہ بعض فرشتوں کے عمامے سبز تھے' بعض کے زرد اور بعض کے سرخ تھے' اسی طرح بعض کے عمامے سفید تھے اور بعض کے سیاہ تھے' مگر اس سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا۔

ایک روایت ہے کہ جس روز فرعون کو غرق کیا گیا اس روز جبرئیل علیہ السلام کا عمامہ سیاہ رنگ کا تھا۔

(قال) ایک روایت میں ہے کہ ان کے سروں پر سیاہ عمامے تھے' ابن مسعود کے نزدیک بدر کے دن ملائکہ کی پیشانیوں پر سبز' زرد اور سرخ عمامے تھے جن کے پلے انہوں نے دونوں شانوں کے بیچ میں پشت پر لٹکا رکھے تھے (ی) نیز ان کے رنگ سیاہ اور سفید بھی تھے' بعض علماء نے یوں لکھا ہے کہ بدر کے دن فرشتے اس حالت میں نازل ہوئے کہ ان کے عمامے زرد تھے' اور جہاں تک سیاہ و سفید رنگ کے عمامے کی روایت ہے تو وہ ضعیف ہے۔

ابن اسحاق نے ابن عباس کی روایت نقل کی ہے انہوں نے بھی وہی بات کہی ہے کہ بدر کے دن فرشتوں کے عمامے سفید تھے مگر جبرئیل علیہ السلام کا عمامہ اپنے نور کی وجہ سے زرد رنگ کا تھا' جب کہ غزوہ احد کے دن ان سب کے عمامے سرخ رنگ کے تھے' اسی طرح غزوہ حنین میں بھی سرخ رنگ کے تھے۔ کتاب جامع صغیر میں اس طرح ہے کہ بدر کے دن سیاہ تھے) اُحد کے دن سرخ تھے' بہر حال ان باتوں سے اس قول کی تردید نہیں ہوتی جس میں بدر کے دن زرد عمامے بتلائے گئے ہیں۔

ایسے ہی وہ روایت ہے کہ بدر کے دن حضرت زبیرؓ زرد رنگ کا عمامہ باندھے ہوئے تھے' آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ آج میرے پاس جو فرشتے نازل ہوئے وہ ابوعبداللہ یعنی زبیرؓ کے عمامے جیسے عمامے باندھے ہوئے تھے' بہر حال ان باتوں سے گزشتہ روایتوں کی مخالفت نہیں ہوتی کیونکہ ممکن ہے ان میں سے اکثر کے عماموں کا رنگ زرد ہی رہا ہو۔

بدر میں حضرت زبیرؓ کی سرفروشی...... ایک روایت میں ہے کہ بدر کے دن حضرت زبیرؓ نے نہایت زبردست جنگ کی کہ ان کے جسم پر اتنے بڑے اور اتنے زیادہ زخم پائے گئے کہ کمر کے زخم میں سے ہاتھ ڈال کر گردن میں سے نکل آتا تھا۔

گزشتہ صفحات میں قرآن پاک کی یہ آیت ذکر ہوئی ہے:

يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَآئِكَةِ مُسَوِّمِينَ (۴' آل عمران ع ۱۳ آیت ۱۲۵)

ترجمہ: تو تمہارا رب تمہاری امداد فرمائے گا پانچ ہزار فرشتوں سے جو کہ ایک خاص وضع بنائے ہوئے ہوں گے۔

یہاں مُسَوّمین کا ترجمہ کیا گیا ہے خاص وضع والے۔ شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے اس لفظ کا ترجمہ کیا ہے 'نشانی کرنے والے' اسی لفظ کے متعلق ایک مرتبہ علامہ سیوطیؒ سے پوچھا گیا کہ سمتہ اور خاص وضع سے کیا مراد ہے جو اس وقت فرشتے اختیار کئے ہوئے تھے؟۔

فرشتوں کے گھوڑوں کی نشانی...... علامہؒ نے جواب میں کہا ہے کہ ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں حضرت علیؓ کی سند سے ایک روایت نقل کی ہے حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ وہ نشانی یہ تھی کہ ان فرشتوں کے گھوڑوں کی پیشانیوں اور دموں پر سفید اون یعنی داغ تھے (گویا اس روایت کے مطابق وہ فرشتے اس نشانی کے ساتھ غزوہ بدر میں شریک ہوئے' مگر مکحول وغیرہ سے روایت ہے کہ اس نشانی سے مراد خود فرشتوں کے عمامے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہی روایت ہے کہ وہ فرشتے عمامے باندھے اور ان کے پلے لٹکائے ہوئے تھے۔ مگر اس سند میں ایک راوی ضعیف ہے ان ہی سے ایک روایت کے مطابق سیاہ عمامے تھے' مگر اس سند میں ایک راوی متروک ہے' اس کے بعد ابن ابو حاتم نے کہا ہے کہ سیاہ اور سفید والی روایت ضعیف ہے' یہاں تک ابن ابو حاتم کا حوالہ ہے' بہر حال اس حوالے کو اگر درست مانا جائے تو ہمارے گزشتہ قول کی مخالفت نہیں ہوتی بلکہ وہی جواب دیا جائے گا جو پیچھے ہو چکا ہے۔

انصار اور مہاجرین کے جنگی نعرے...... غزوہ بدر میں انصاریوں کا شعار یا نشان جسے نعرہ کہنا چاہئے "اَحد اَحد" تھا جو اس لئے متعین کیا گیا تھا کہ رات کے اندھیرے میں یا بے حد گھمسان کی لڑائی کے دوران اس نعرہ سے پہچانا جاسکے کہ یہ انصاری ہیں' اسی طرح مہاجر مسلمانوں کا نعرہ "یا بنی عبد الرحمٰن" تھا۔

حضرت زید ابن علی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا نعرہ یعنی مہاجرین کا یا خود آنحضرت ﷺ کا "یا منصور اَمِت" تھا تاکہ دوسروں کے ساتھ مغالطہ نہ پیدا ہو۔ ایک قول کے مطابق آپ کا نعرہ "اَحد اَحد" تھا۔

اسی طرح قبیلہ خزرج کا نعرہ "یا بنی عبد اللہ" تھا اور قبیلہ اوس کا نعرہ "یا بنی عبید اللہ" تھا' ابن سعدؒ سے یہ روایت ہے کہ غزوہ بدر میں سب کا مشترکہ نعرہ "یا منصور اَمت" تھا' کہا جاتا ہے کہ اس میں اور گزشتہ روایت میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ یہاں سب یا جمیع سے مراد مجموع ہے یعنی تمام مہاجرین کا نعرہ یہی تھا' مگر اس صورت میں گزشتہ تمام روایتوں کو درست ماننے کی صورت میں ان کے درمیان موافقت کی ضرورت ہے۔

اس روز فرشتوں کے گھوڑے سیاہ و سفید رنگ کے تھے' حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ اس روز فرشتوں کی پیشانیاں یعنی فرشتوں کے گھوڑوں کی پیشانیاں سفید اون یعنی سفید رنگ کی تھیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ان گھوڑوں میں سے اکثر کی پیشانیاں اور دمیں سرخ رنگ کی تھیں' اس سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ مراد بظاہر یہ ہے کہ کچھ ایسے تھے اور کچھ ایسے تھے۔

پھر اسی وقت آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ اپنے گھوڑوں کے نشان لگاؤ کیونکہ فرشتوں نے بھی نشان لگائے ہیں' اس طرح یہ پہلا دن تھا کہ جب گھوڑوں کی پیشانیوں اور دموں پر اون باندھا گیا مگر مجھے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ اون کس رنگ کا تھا۔

جبرئیلؑ کا گھوڑا...... حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ مجھ سے بنی غفار کے ایک شخص نے یہ روایت بیان کی کہ غزوہ بدر کے موقعہ پر میں اور میرا ایک چچازاد بھائی جنگ میں شریک تھے اس وقت ہم دونوں مشرک تھے ہم ایک پہاڑ کے سامنے پہنچے اور اس پر چڑھ گئے جہاں سے ہم میدان بدر کو دیکھ رہے تھے ہم وہاں اس کا انتظار کر رہے تھے کہ کس کو فتح ہوتی ہے تاکہ جو بھی مالِ غنیمت لوٹنے والا لشکر ہو ہم اسی کے ساتھ شامل ہو کر مال لوٹیں' اچانک ایک بادل ہمارے قریب آیا پھر اس میں سے ہم نے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز سنی' ساتھ ہی مجھے کسی کے بولنے کی آواز آئی جو کہہ رہا تھا:

"حیزوم۔ آگے بڑھ!"

(حیزوم جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کا نام ہے) اس وحشت ناک آواز پر میرے چچازاد بھائی کا تو سینہ پھٹ گیا اور وہ اسی جگہ مر گیا اور خود میں بھی خوف و دہشت کی وجہ سے موت کے کنارے پر پہنچ گیا تھا مگر پھر سنبھل گیا۔

حیزوم' یا حیات کا مظہر گھوڑا...... یہاں فرشتے کی جو آواز سنائی دی تھی وہ یہ کلمہ تھا" اقدم حیزوم" یہ اقدم کا کلمہ گھوڑوں کو ڈپٹنے کے لئے بولا جاتا ہے اور حیزوم جس کو کہیں حیزون بھی کہا گیا ہے جبرئیل علیہ السلام کا گھوڑا ہے اور غالباً زندگی کا مظہر یہی ہے اور ان دونوں لفظوں میں سے ایک تو اس کا نام ہے اور دوسرا لقب ہے' اس گھوڑے کو حیات یا زندگی کا نام اس لئے دیا گیا ہے کہ یہ جس چیز کو بھی چھو دیتا ہے اس چیز میں زندگی پیدا ہو جاتی ہے یہ ہی وہ گھوڑا یا زندگی کا سرچشمہ ہے جس کا ہلکا سا اچڑ یعنی اس گھوڑے کی گرد یا یا وہ مٹی جس سے اس کا کھر پڑا تھا سامری کو حاصل ہوئی تھی۔

زمین پر رحمت یا مصیبت کے لئے جبرئیلؑ کا نزول...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ جبرئیلؑ کے گھوڑے حیزوم کی آواز یعنی ہنہناہٹ جو ہے وہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تقدیس کرتا ہے اور جب جبرئیل علیہ السلام اس پر سوار ہو کر زمین پر اترتے ہیں تو تمام فرشتے جان لیتے ہیں کہ اس پر ان کا نزول رحمت کے لئے ہو رہا ہے اور جب وہ اپنے پر پھیلا کر یعنی اڑتے ہوئے زمین پر اترتے ہیں تو سب فرشتے جان لیتے ہیں کہ وہ عذاب کے لئے اتر رہے ہیں۔

بدر میں جبرئیل کے نزول کا مقصد...... اب گویا غزوہ بدر کے دن جبرئیل علیہ السلام کا اپنے گھوڑے حیزوم پر سوار ہو کر نازل ہونا مسلمانوں کے لئے رحمت خداوندی کی علامت تھا اگرچہ ان کا یہی نزول کافروں کے لئے عذاب تھا' اور اگر وہ صرف عذاب دینے کے لئے اترتے ہیں تو اپنے پر پھیلا کر اڑتے ہوئے ہی اترتے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی ممکن ہے کہ حیزوم وہ گھوڑا نہ ہو جو سرچشمہ حیات و زندگی ہے بلکہ زندگی کا گھوڑا اس کے علاوہ کوئی دوسرا ہو۔ علامہ سہیلی کا قول یہی ہے کیونکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ حیات نامی گھوڑا بھی جبرئیل علیہ السلام کا ہی گھوڑا ہے۔

زندگی اور موت کے مظہر...... علامہ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ واہی روایتوں کے مطابق موت ایک مینڈھے کی شکل میں ہے جس چیز کو بھی اس کی ہوا لگ جاتی ہے وہ ہلاک ہو جاتی ہے اور زندگی ایک ابلق یعنی سیاہ و سفید گھوڑی کی شکل میں ہے اور کتاب عرائس کے مطابق اس کی ایک ٹاپ یعنی قدم اتنا لمبا ہوتا ہے جتنی دور تک آدمی کی آنکھ دیکھ سکتی ہے۔ یہی حیات وہ گھوڑی ہے جس پر جبرئیل اور انبیاء علیہم السلام سوار ہوتے ہیں یعنی تمام ہی انبیاء اس پر سوار ہوئے ہیں جیسا کہ عرائس میں ہے' یہ گھوڑی جس چیز کے پاس سے گزر جاتی ہے اور جس کو بھی اس کی ہوا چھو جاتی ہے اس چیز میں زندگی پیدا ہو جاتی ہے۔

ایک مرسل اثر یعنی صحابی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا:

"غزوۂ بدر کے دن فرشتوں میں سے کس نے اقدم حیزوم یعنی حیزوم آگے بڑھ' کہا تھا؟"۔

جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا:

"اے محمد! آسمان کے تمام رہنے والوں کو میں نہیں جانتا!"۔

اب ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ اس روایت سے ان لوگوں کی تردید ہو جاتی ہے جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حیزوم جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کا نام ہے' مگر یہاں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے کہ کسی دوسرے فرشتے نے جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کو اقدم حیزوم کہہ دیا ہو اور کہنے والے کا پتہ نہ چلا ہو کہ کون ہے' ابن کثیر اس روایت میں آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے کہ یہ جملہ کہنے والا کون ہے' یہ سمجھے ہوں کہ وہ گھوڑا کہنے والے کا ہی رہا ہوگا۔

ہاں اگر یہ روایت اس روایت کے بعد واقع ہوئی ہے جو اس کے بعد ذکر ہونے والی ہے تو علامہ ابن کثیر نے جو کچھ سمجھا ہے وہ درست ہو سکتا ہے یا یہ کہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد میں ایک لفظ اور رہا ہو جو روایت میں ذکر ہونے سے چھوٹ گیا ہو یعنی روایت کے الفاظ یہ رہے ہوں کہ بدر کے دن فرشتوں میں سے کس نے اپنے گھوڑے کے لئے یہ کہا تھا کہ اقدم حیزوم۔ تو بھی علامہ ابن کثیر کا ایسا سمجھنا صحیح ہو سکتا ہے لہٰذا یہ بات قابل غور ہے۔

بادلوں پر فرشتے...... ایک روایت میں اسی گزشتہ واقعہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ جب کہ ہم اس پہاڑ پر تھے اچانک ایک بدلی آئی ساتھ ہی ہمیں لوگوں کے بولنے اور ہتھیاروں کے کھنکھنانے کی آواز آئی۔ پھر ہم نے کسی شخص کو اپنے گھوڑے کو اس طرح ڈپٹتے سنا کہ حیزوم آگے بڑھ۔ اس کے بعد وہ سب کے سب رسول اللہ ﷺ کی دائیں جانب آکر اتر گئے' اس کے بعد ایک دوسری بدلی آئی اور اس میں سے جو فرشتے اترے وہ آنحضرت ﷺ کے بائیں جانب صف آرا ہو گئے' اب جو ہم نے ان آنے والوں کی تعداد دیکھی تو معلوم ہوا کہ قریشی لشکر سے دوگنے ہیں۔

یہ ہیبت ناک منظر دیکھ کر میرا چچازاد بھائی تو اسی دم ہلاک ہو گیا اور میں موت کے منہ سے بال بال بچا' اس کے بعد میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حیرت ناک واقعہ کی اطلاع دی اور مسلمان ہو گیا' چنانچہ اس شخص کو صحابہ میں شمار کیا گیا ہے 'کتاب نور میں ہے کہ یہ شخص صحابہ میں سے ہیں' گزشتہ سطروں میں جو پہلی روایت بیان ہوئی ہے اس میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جس سے ان کے اسلام اور مسلمان ہونے کا ثبوت ملتا ہو سوائے اس کے کہ اس شخص کا رسول اللہ ﷺ کے اس معجزے کو ابن عباسؓ سے بیان کرنا اس شخص کے اسلام کو ظاہر کرتا ہے۔ یہاں تک کتاب نور کا حوالہ ہے۔

یہاں یہ شبہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اس شخص کا یہ کہنا کہ ہم مشرک تھے اس بات کی دلیل ہے کہ اس واقعہ کو ابن عباسؓ سے ذکر کرنے کے وقت وہ شخص مسلمان ہو چکا تھا (لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ روایت سے کہیں یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ راوی مسلمان ہے)۔

وہ بادل...... حضرت عباسؓ نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ جس بادل نے میدان تیہہ میں بنی اسرائیل پر سایہ کیا تھا وہی بادل ہوگا جس پر جلوہ فگن ہو کر قیامت کے دن حق تعالیٰ آئیں گے اور وہی وہ بادل تھا جس پر سوار ہو کر بدر کے دن فرشتے آئے تھے۔

آندھی کی صورت میں مدد خداوندی...... حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ غزوہ بدر کے دوران اس قدر زبردست آندھی آئی کہ ایسی شدید ہوا میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی' تھوڑی دیر بعد پھر ایسی ہی شدید آندھی آئی' تھوڑی دیر بعد پھر تیسری دفعہ ایسی ہی طوفانی ہوا چلی اور اس کے تھوڑی دیر بعد پھر ایسی ہی خوفناک ہوا چلی' یعنی پہلی مرتبہ میں جبرئیل علیہ السلام ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ نازل ہوئے تھے' یعنی آپ کے قول کی روشنی میں دیکھا جائے تو وہ آنحضرت ﷺ کے آگے آکر اترے' دوسری دفعہ میں میکائیل علیہ السلام ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ نازل ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے دائیں

جانب آکر اترے، اور تیسری دفعہ میں اسرافیل علیہ السلام ایک ہزار فرشتوں کے جلو میں آکر آنحضرت ﷺ کے بائیں جانب اترے، مگر اس روایت میں چوتھی مرتبہ کی آندھی کے متعلق کوئی تشریح نہیں ہے کہ وہ کس کی آمد تھی۔

کتاب امتاع میں اس روایت میں اضافہ بھی ہے کہ اسرافیل علیہ السلام اپنی صف کے بیچ میں تھے مگر دوسرے فرشتوں کی طرح وہ نہیں لڑ رہے تھے، اب اس روایت کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام دونوں ہی خود لڑ رہے تھے۔

مددگار فرشتوں کی تعداد...... ادھر پیچھے بیان ہو چکا ہے کہ غزوہ بدر میں ایک قول کے مطابق ان فرشتوں کی تعداد ایک ہزار سے زائد نہیں ہوئی تھی اور دو ہزار کی روایت ضعیف روایت ہے جو حضرت علیؓ کی ہے، لہٰذا حضرت علیؓ کی یہ روایت بھی ضعیف ہو گی، نیز اس گزشتہ قول کو اہمیت دینے کی ضرورت نہیں کہ بدر کے دن ابتداء میں تین ہزار فرشتوں کے ذریعہ امداد کی گئی تھی اور ان کو وعدہ دیا گیا تھا کہ اگر انہوں نے یعنی صحابہ نے ثابت قدمی اور صبر سے کام لیا تو ان کو مزید پانچ ہزار فرشتوں کی مدد دی جائے گی، اکثر علماء کا قول بھی یہی ہے مگر اس قول کو اہمیت دینے کی ضرورت یوں نہیں کہ یہ واقعہ غزوہ احد کے سلسلے کا ہے جیسا کہ بیان ہوا، اس سلسلے کی مزید تفصیلات آگے اُحد کے بیان میں آئیں گی۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ فرشتوں نے سوائے غزوہ بدر کے کسی اور غزوہ میں جنگ نہیں کی، یعنی اس کے علاوہ دوسرے غزوات میں جنگ کئے بغیر شامل رہے عملی طور پر انہوں نے جنگ میں شرکت نہیں کی، مگر آگے بعض روایتیں ذکر ہونگی جن میں ہے کہ فرشتوں نے غزوہ احد اور غزوہ حنین میں بھی جنگ کی تھی، چنانچہ مسلم میں سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے احد کے دن رسول اللہ ﷺ کے دائیں اور بائیں دو شخص دیکھے جو سفید کپڑوں میں تھے اور ان دونوں کو میں نے نہ اس سے پہلے کبھی دیکھا تھا اور نہ اسکے بعد دیکھا، یعنی یہ جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام تھے، جو زبردست جنگ کر رہے تھے۔

امام نوویؒ کہتے ہیں کہ فرشتوں کی عملی جنگ صرف غزوہ بدر میں ہی مخصوص نہیں تھی اور یہی بات درست ہے سوائے ان لوگوں کے جو یہ کہتے ہیں کہ فرشتوں نے آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ سب کی طرف سے جنگ کی جب کہ دوسرے غزوات میں فرشتوں کی جنگ صرف آنحضرت ﷺ کی طرف سے تھی، اس طرح دونوں باتوں میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔

موافقت کی یہی صورت غزوہ اُحد کے بیان میں ہے جو علامہ بیہقی کے حوالے سے بھی بیان کی گئی ہے مگر اس کے بعد یہ روایت ہے کہ اس دن یعنی غزوہ احد میں فرشتوں نے عبدالرحمٰن ابن عوف کی طرف سے جنگ کی، اب اس بات کو تسلیم کرنے کی صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر فرشتے غزوہ احد میں بھی جنگ میں عملی حصہ لیتے تو ان کے لگائے ہوئے زخموں کے نشان اس دن بھی لوگوں کے جسموں پر اسی طرح ظاہر ہوتے جیسے غزوہ بدر میں ظاہر ہوئے تھے۔

اس سلسلے میں ایک جواب یہ دیا جاتا ہے کہ غزوہ احد میں فرشتوں کے جنگ کرنے سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے عملی طور پر جنگ کئے بغیر مسلمانوں کی دشمن سے مدافعت کی جب کہ غزوہ بدر میں جنگ سے مراد ان کی عملی جنگ ہے۔ واللہ اعلم

جنگ کے دوران معجزات نبوی ﷺ...... غزوہ بدر کے دوران حضرت عکاشہ (اس کو عُکاشہ بھی پڑھا جاتا ہے) ابن محصن کی تلوار لڑتے لڑتے ٹوٹ گئی، آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک لکڑی کا تنہ دیا اور فرمایا کہ عکاشہ اس سے لڑو۔ حضرت عکاشہ نے وہ لکڑی آنحضرت ﷺ کے ہاتھ سے لیکر جیسے ہی بلند کی وہ اسی دم ایک نہایت لمبی بے حد مضبوط اور سفید چمک دار اور آبدار تلوار بن گئی، حضرت عکاشہ وہ تلوار لیکر دشمن پر ٹوٹ پڑے یہاں تک کہ آخر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی، اس تلوار کا نام عون تھا اور بدر کے بعد ہمیشہ یہ تلوار حضرت عکاشہ کے پاس رہی پھر وہ تمام غزووں میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ

شریک رہے اور اسی تلوار سے جنگ کرتے رہے۔ عکاشہؓ کے انتقال کے بعد یہ تلوار ان کی اولاد کو وراثت میں ایک سے دوسرے کے پاس پہنچتی رہی۔ اسی قسم کا ایک واقعہ آگے غزوہ احد کے بیان میں بھی آئیگا جو عبداللہ ابن جحش کے ساتھ پیش آیا تھا۔

اسی طرح سلمہ ابن اسلم کی تلوار بھی ٹوٹ گئی تھی آنحضرت ﷺ نے ان کو کھجور کے کچھے کی جڑ دی اور فرمایا کہ اس سے لڑو' انہوں نے جیسے ہی اس کو اپنے ہاتھ میں لیا وہ ایک نہایت بہترین تلوار بن گئی اور اس غزوہ کے بعد ہمیشہ ان کے پاس رہی۔

(قال) حضرت حبیب ابن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ غزوہ بدر کے موقعہ پر حبیب نے (غالباً اسی نام کا کوئی مشرک شخص تھا) میرے دادا پر ایک وار کیا جس سے ان کی ایک پسلی الگ ہو گئی' آنحضرت ﷺ نے زخم پر لعاب دہن لگا کر اس ٹوٹے ہوئے عضو کو وہیں لگایا جس کے بعد وہ پہلے ہی کی طرح جم گیا اور ٹھیک ہو گیا۔

حضرت رفاعہؓ ابن مالک سے روایت ہے کہ غزوہ بدر میں میرے ایک تیر آ کر لگا جس سے میری آنکھ پھوٹ گئی' آنحضرت ﷺ نے میری آنکھ میں اپنا لعاب دہن ڈال دیا جس سے وہ اسی گھڑی ٹھیک ہو گئی اور پھر کبھی اس آنکھ میں مجھے کوئی تکلیف نہیں محسوس ہوئی۔

قلیب بدر یعنی مشرک مقتولوں کی مشترکہ قبر یا کنواں...... غرض اسکے بعد آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ مشرکین کی لاشوں کو ان جگہوں سے اٹھا لیا جائے جہاں جہاں آپ نے ان کی قتل گاہوں کی پہلے ہی خبر دیدی تھی جب کہ اس وقت تک جنگ بھی شروع نہیں ہوئی تھی چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بدر میں قتل ہونے والے مشرکوں کی قتل گاہیں دکھادی تھیں۔

آپ یہ قتل گاہیں دکھاتے ہوئے فرماتے جاتے تھے کہ کل انشاء اللہ یہ عتبہ ابن ربیعہ کی قتل گاہ ہوگی' یہ شیبہ ابن ربیعہ کی قتل گاہ ہوگی' یہ امیہ ابن خلف کی قتل گاہ ہوگی' یہ ابو جہل ابن ہشام کی قتل گاہ ہوگی اور یہ فلاں کی قتل گاہ ہوگی۔

آپ اپنا دست مبارک زمین پر رکھ کر یہ نشان دہی فرماتے جاتے تھے' اور پھر اگلے دن غزوہ بدر میں جو لوگ مرے ان کی لاشیں اس جگہ سے ذرہ بھی ادھر ادھر نہیں تھیں جہاں جہاں آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک رکھا تھا' جیسا کہ حضرت انسؓ کی روایت سے یہ بات ذکر ہو چکی ہے' نیز یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ یہ واقعہ غزوہ بدر کی رات کا ہے جب کہ آنحضرت ﷺ میدان جنگ میں پہنچ چکے تھے کیونکہ ظاہر ہے میدان جنگ میں پہنچے بغیر یہ نہیں سوچا جا سکتا کہ آپ نے اپنا دست مبارک رکھ کر ان جگہوں کی نشاندہی دو مرتبہ فرمائی ایک دفعہ تو غزوہ سے ایک دن یا اس سے زائد پہلے اور دوسری مرتبہ خاص غزوہ بدر کے دن' یہاں تک کہ ان بعض علماء کا حوالہ ہے۔

اب اس سلسلے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ خاص غزوہ بدر کے دن سے مراد یہ ہے کہ آپ دن کے وقت میدان بدر میں پہنچے تھے' جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ یہ نشاندہی رات کے وقت کی گئی تھی تو وہ اس قول کی بنیاد پر ہے کہ آپ میدان بدر میں رات کے وقت پہنچے تھے' بہرحال یہ مسلمہ ہے کہ آپ نے اپنا دست مبارک رکھ کر ان جگہوں کی نشاندہی فرمائی تھی۔

امیہ بن خلف کا انجام...... غرض آپ نے صحابہ کو ان مشرکوں کی لاشیں اٹھانے کا حکم فرمایا کہ ان سب کو ایک گڑھے میں ڈال دیا جائے' چنانچہ صحابہؓ نے سب کو اٹھا کر گڑھے میں ڈال دیا سوائے امیہ ابن خلف کے کہ اس کی لاش اس کی زرہ کے اندر ہی پھول کر اس میں پھنس گئی' صحابہ نے اس کو ہلا کر زرہ نکالنی چاہی مگر اس کے نتیجہ میں اس کے بدن کے ٹکڑے علیحدہ ہو گئے' چنانچہ مسلمانوں نے اس کو اسی حالت میں ایک جگہ ڈال کر اس پر مٹی اور پتھر ڈال دیئے تاکہ لاش چھپ جائے۔

اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ حربی کو دفن کرنا ضروری نہیں ہے چنانچہ یہی بات ہمارے یعنی شافعی فقہاء نے کہی ہے بلکہ انہوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ حربیوں کی لاشوں کو کتوں کو کھلا دینا بھی جائز ہے۔

آنحضرت ﷺ کے نزدیک لاش کی پردہ پوشی کا اہتمام...... کتاب دار قطنی میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ غزوہ میں جب بھی آپ کا کسی انسانی لاش کے پاس سے گزر ہوتا تو آپ اس کو دفن کرنے کا حکم دیتے اور یہ نہیں پوچھتے کہ وہ مومن تھا یا کافر۔

غزوہ بدر میں چونکہ مشرکوں کی لاشیں بہت زیادہ تھیں اس لئے آنحضرت ﷺ نے اسے گوارا نہیں فرمایا کہ اپنے صحابہ کو ان سب کے دفن کا حکم فرما کر تکلیف میں ڈالیں' اس کے مقابلے میں ان لاشوں کو کھینچ کر ایک کنویں میں لاڈالنا بہت آسان تھا (اس لئے آپ نے ایسا کرنے کا حکم دیا) یہ کنواں بنی نجار کے ایک شخص کا کھودا ہوا تھا اور گویا جیسا کہ علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ اس کنویں کا وجود مشرکوں کے لئے ایک پیشگی بدشگونی تھی۔

جب حضرت ابو حذیفہ کے باپ عتبہ کو گڑھے میں ڈالا گیا تو ابو حذیفہ کے چہرے کا رنگ بدل گیا' آنحضرت ﷺ نے اس تبدیلی کو محسوس فرما کر کہا:

"شاید تمہیں اپنے باپ کا خیال ہو رہا ہے"۔

ابو حذیفہ نے عرض کیا:

"خدا کی قسم نہیں' بلکہ دراصل میں اپنے باپ کو ایک ذی رائے بلند مرتبہ اور رودار آدمی سمجھتا تھا اسی لئے میری تمنا تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائیگا مگر جب میں نے اس حالت میں ان کی موت دیکھی تو مجھے اس سے بہت افسوس ہوا"۔

اس پر رسول اللہ ﷺ نے ابو حذیفہ کے لئے دعائے خیر فرمائی اور ان کی تعریف فرمائی۔

اقول مولف کہتے ہیں: ہمارے یعنی شافعی فقہاء نے بیان کیا ہے کہ اس غزوہ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو حذیفہؓ کو اس بات سے منع فرما دیا تھا کہ وہ اپنے باپ کو قتل نہ کریں کیونکہ ابو حذیفہ نے ایسا ارادہ کیا تھا۔ واللہ اعلم

مقتولین بدر سے آنحضرت ﷺ کا خطاب...... غرض مشرکوں کی لاشوں کو گڑھے میں ڈالے جانے کے بعد ایک قول کے مطابق تین دن بعد آنحضرت ﷺ اس گڑھے کے کنارے پر آکر کھڑے ہوئے یہ رات کا وقت تھا۔ صحیحین میں حضرت انسؓ سے یوں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب غزوہ میں فتح حاصل ہوئی تھی تو آپ اسی مقام پر تین رات قیام فرما رہے تھے' تیسرے دن آپ نے لشکر کو تیاری کا حکم دیا اور وہاں سے کوچ کے وقت آپ صحابہ کے ساتھ آکر اس گڑھے کے کنارے کھڑے ہوئے' وہاں آپ نے لاشوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

"اے فلاں ابن فلاں۔ اور اے فلاں ابن فلاں! کیا تم نے دیکھ لیا کہ اللہ اور اس کے رسول کا وعدہ سچا تھا' میں نے تو اس وعدہ کو سچ پایا جو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا تھا"۔

بعض سندوں کے ساتھ اس حدیث میں ہے کہ آپ نے ان لوگوں کے نام لے کر پکارے اور اس طرح فرمایا کہ: اے عتبہ ابن ربیعہ! اے شیبہ ابن ربیعہ! اے امیہ ابن خلف! اور اے ابو جہل ابن ہشام! وغیرہ وغیرہ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت میں یا فلاں ابن فلاں ہی کہا گیا تھا مگر یہ بات قرین قیاس نہیں ہے' لہٰذا یہ الفاظ قابل غور ہیں۔

اس سلسلے میں ایک شبہ یہ کیا گیا ہے کہ امیہ ابن خلف کو اس گڑھے میں نہیں ڈالا گیا تھا جیسا کہ بیان ہوا (پھر آپ نے دوسروں کے ساتھ اس کا نام لے کر بھی کیوں پکارا"۔

اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ جہاں اس کو دبایا گیا تھا وہ جگہ اس گڑھے سے قریب ہی تھی۔

غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان لاشوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

"تم لوگ نبی کا خاندان ہوتے ہوئے بہت برے ثابت ہوئے' تم مجھے جھٹلاتے تھے جب کہ لوگ میری تصدیق کر رہے تھے' تم نے مجھے وطن سے نکالا جب کہ دوسروں نے مجھے پناہ دی' تم نے میرے مقابلہ میں جنگ کی جب کہ غیروں نے میری مدد کی!"۔

یہ سن کر حضرت عمر فاروق ؓ نے کہا:

"یا رسول اللہ! آپ ان مردوں سے بات کر رہے ہیں جو بے روح لاشے ہیں"۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ جو گلی ہوئی لاشیں ہیں' ایک روایت میں ہے کہ جو گل سڑ چکی ہیں!"

آپ نے فرمایا:

"جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس کو تم لوگ اتنا نہیں سن رہے ہو جتنا یہ سن رہے ہیں"۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ...... جو کچھ میں نے کہا انہوں نے اس کو سنا ہے مگر یہ لوگ اب جواب نہیں دے سکتے!"۔

حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان مردوں میں جان ڈال دی تھی تا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی گفتگو سنیں اور خود پر پھٹکار اور حسرت وافسوس کریں۔

کیا مقتولین نے آپ ﷺ کی آواز سنی تھی...... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: ان کے زندہ کئے جانے سے مراد یہ ہے کہ ان کی روحوں کا ان کے جسموں سے قریبی تعلق پیدا کر دیا گیا جس سے وہ زندوں کی طرح ہو گئے مقصد وہی تھا جو بیان ہوا' کیونکہ جسم سے جدا ہو جانے کے بعد بھی روح کا جسم سے کچھ نہ کچھ تعلق باقی رہتا ہے یا کم از کم اتنا ہی کہ اس جسم کی وجہ سے وہ باقی رہتی ہے چاہے وہ تعلق کتنا ہی کم کیوں نہ ہو' کیونکہ چاہے جسم کو مٹی کھا کر فنا کر دے یا درندے یا مردار خور پرندے کھالیں یا آگ میں جل کر نیست و نابود ہو جائے مگر روح فنا نہیں ہوتی وہ باقی رہتی ہے (اور جب روح باقی رہتی ہے تو جو جسم اس کا مسکن رہا ہے اس سے کچھ نہ کچھ تعلق ضرور باقی رہتا ہے) چنانچہ اسی تعلق کے واسطہ سے مردہ ہر اس شخص کو پہچانتا ہے جو اس کی قبر پر جاتا ہے' مردہ اس آنے والے سے انسیت محسوس کرتا ہے اور جب وہ سلام کرتا ہے تو مردہ جواب دیتا ہے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے (کیونکہ اگر روح کا جسم سے کوئی تعلق نہ ہوتا تو مردے کے کسی کو دیکھنے یا سننے یا جواب دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا) مگر اس تعلق کے باوجود مردہ اس کی وجہ سے ایسا زندہ نہیں کہلاتا جیسا وہ اپنی زندگی میں تھا بلکہ وہ زندہ اور مردہ کی اس درمیانی کیفیت میں رہتا ہے جس کی روح کا اس کے جسم سے تعلق باقی نہ رہا ہو' عام طور پر تو یہی ہوتا ہے مگر کبھی یہ تعلق مضبوط ہو جاتا ہے تو وہ شخص ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسا وہ دنیا کی زندگی میں تھا' مگر شاید اس کے باوجود بھی اس کو یہ قدرت حاصل نہیں ہوتی کہ وہ اپنے فعل اور حرکتیں کر سکے' لہٰذا اب یہ بات سعد کے اس قول کے خلاف نہیں رہتی جس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں میں قدرت اور اختیاری فعل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھی' یہاں تک سعد کا حوالہ ہے۔

شہید اور نبی اس دارِ فانی میں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں...... یہ تمام گفتگو انبیاء اور ان شہداء کے علاوہ ہے جو کسی جنگ میں شہید ہوئے ہیں' کیونکہ جہاں تک انبیاء علیہم السلام اور شہداء کا تعلق ہے تو ان کی روحوں کا ان کے جسموں سے ایسا تعلق ہوتا ہے کہ اسی

طرح زندہ رہتے ہیں جیسے اپنی دنیا کی زندگی میں زندہ تھے اور انہیں اپنے اختیاری فعل کرنے کی قدرت بھی رہتی ہے۔

چنانچہ علامہ بیہقیؒ نے جو کتاب قبروں میں انبیاء کی زندگی کے موضوع پر لکھی ہے اس میں حضرت انسؓ کی یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: انبیاء اپنی قبروں میں زندہ رہتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ میری موت کے بعد میرا علم ایسا ہی رہے گا جیسا میری زندگی میں ہے۔

ابو یعلیٰ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے حدیث بیان کی ہے کہ: عیسیٰ علیہ السلام یقیناً آسمان سے اس دنیا میں آئیں گے اس وقت وہ اگر میری قبر پر کھڑے ہو کر مجھے خطاب کرتے ہوئے محمد کہیں گے تو میں ان کو جواب دوں گا' اسی لئے امام سبکی نے کہا ہے کہ انبیاء اور شہداء کی زندگی موت کے بعد بھی ان کی دنیا کی زندگی کی طرح ہی ہوتی ہے' اس بات کی شہادت موسیٰ علیہ السلام کے اپنی قبر میں نماز پڑھنے سے ملتی ہے (جو حدیث میں بتلایا گیا ہے) کیونکہ نماز کے لئے ضروری ہے کہ زندہ جسم ہو (اسکے بغیر نماز نہیں پڑھی جا سکتی) اسی طرح شب معراج میں آنحضرت ﷺ نے انبیاء کی جو صفات اور مصروفیات دیکھی اور بتلائی ہیں وہ سب بھی زندہ جسم والوں کی صفات ہیں' مگر اس زندگی کے حقیقی اور اصلی زندگی ہونے کے ساتھ یہ ضروری نہیں کہ روح کے ساتھ بدن کھانے پینے کا اسی طرح محتاج ہو جیسا وہ دنیا میں رہتا تھا' البتہ جہاں تک ادراکات اور فہم و حواس کا تعلق ہے جیسے علم ہے اور سننے کی قوت ہے تو یہ بلا شک ثابت ہے کہ ان میں اور تمام مردوں میں یہ ادراکات اسی طرح برقرار رہتے ہیں۔ یہاں تک امام سبکیؒ کا کلام ہے۔ یہاں تمام مردوں میں کفار کے مردے بھی شامل ہیں۔

فتح کی خوشخبری کے پیغامبر...... غرض غزوہ بدر سے فارغ ہونے اور اسلام کی پہلی اور عظیم الشان فتح حاصل کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت عبد اللہؓ ابن رواحہ کو خوشخبری دے کر عالیہ کے مقام کی طرف بھیجا جو مدینے منورہ کے قریب اس سے چند میل کے فاصلے پر ہے' اسی طرح حضرت زید ابن حارثہؓ کو آپ نے سافلہ کے مقام کی طرف یہ خوشخبری دے کر بھیجا۔ حضرت زیدؓ کو آنحضرت ﷺ نے اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار کر کے بھیجا اور ایک قول ہے کہ عضباء نامی اونٹنی پر بھیجا کہ حق تعالیٰ نے اپنے نبی اور مسلمانوں کو جو عظیم فتح نصیب فرمائی ہے اس کی اطلاع لوگوں کو پہنچا دیں چنانچہ عالیہ کے علاقوں میں حضرت عبد اللہؓ ابن رواحہ اور سافلہ کے علاقوں میں حضرت زید ابن حارثہؓ نے جا کر اعلان کیا۔

"اے گروہ انصار! تمہیں خوشخبری ہو' رسول اللہ ﷺ کی سلامتی اور مشرکوں کے قتل اور گرفتاری کی"۔

فتح کی خبر پر کعب یہودی کا پیچ و تاب...... ساتھ ہی دونوں کہتے جاتے تھے کہ قریشی سرداروں میں سے فلاں اور فلاں قتل ہو گئے اور فلاں فلاں گرفتار ہو گئے۔

ان دونوں کے منہ سے یہ اعلان سن کر اللہ کا دشمن کعب ابن اشرف یہودی ان کو جھٹلانے لگا' وہ کہنے لگا:

"اگر محمد ﷺ نے ان بڑے بڑے سورماؤں کو مار ڈالا ہے تو زمین کی پشت پر رہنے سے زمین کے اندر رہنا' یعنی زندہ رہنے سے موت بہتر ہے"۔

فتح کی خبر اور منافقین...... غرض جب حضرت زید ابن حارثہؓ نے مدینے کے سافلہ کے علاقہ میں آ کر فتح کی خوش خبری سنائی تو ایک منافق شخص نے کہا:

"اصل بات یہ ہے کہ تمہارے ساتھی یعنی صحابہ شکست کھا کر اس بری طرح تتر بتر اور منتشر ہو گئے ہیں کہ اب کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکیں گے' محمد ﷺ قتل ہو گئے ہیں اور ان کے صحابہ شکست کھا گئے ہیں' دیکھو یہ محمد ﷺ کی اونٹنی ہے جس پر زید

ابن حارثہ بیٹھ کر آئے ہیں (یعنی اگر محمد ﷺ زندہ ہوتے تو اپنی اونٹنی پر خود سوار ہوتے) مگر یہ زید ایسے بدحواس ہو رہے ہیں کہ انہیں خود بھی پتہ نہیں کہ کیا کہہ رہے ہیں"

اسامہ ابن زیدؓ کہتے ہیں کہ منافقوں کی باتیں سن کر میں تنہائی میں اپنے والد حضرت زیدؓ کے پاس آیا اور ان سے اس منافق کی افواہوں کے بارے میں پوچھا' اس پر انہوں نے مجھے پوری تفصیل بتلائی' اس پر اسامہ نے (انتہائی مسرت کی وجہ سے) کہا:

"کیا آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ سچ ہے"۔

حضرت زیدؓ نے کہا:

"ہاں بیٹے! خدا کی قسم جو کچھ میں کہہ رہا ہوں بالکل سچ ہے"۔

اسامہؓ کہتے ہیں' اب میرے دل کو اطمینان ہو گیا تو میں اسی منافق شخص کے پاس واپس آیا اور اس سے بولا:

"او آنحضرت ﷺ کے بارے میں جھوٹی افواہیں پھیلانے والے! رسول اللہ ﷺ کو یہاں آنے دے ہم تجھے آپ ﷺ کے سامنے پیش کریں گے' اس وقت تیری گردن ماردی جائے گی۔

یہ سن کر اس شخص نے کہا:

"یہ باتیں تو میں نے لوگوں کو کہتے سنیں اور وہی خود بھی بیان کر دیں"۔

یہ باتیں اسامہ نے اس وقت سنی تھیں جب کہ اپنے والد سے ان کی ملاقات نہیں ہوئی تھی (اسی لئے یہ وحشت ناک افواہ سن کر وہ فوراً اپنے والد حضرت زید ابن حارثہ کے پاس گئے اور ان سے صحیح حالات معلوم کئے)۔

مال غنیمت کی تقسیم..... غرض فتح کے ان پیغامبروں کو بھیجنے کے بعد آنحضرت ﷺ خود میدان بدر سے مدینہ واپسی کے لئے روانہ ہوئے' راستے میں جب آپ صفراء کی گھاٹی میں پہنچے تو وہاں آپ نے مال غنیمت تقسیم فرمایا' اس مال میں ایک سو پچاس اونٹ اور دس گھوڑے تھے' اس کے علاوہ ہر قسم کا سامان ہتھیار' کپڑے اور بے شمار کھالیں اور اون وغیرہ تھی جو مشرک اپنے ساتھ تجارت کیلئے لے کر آئے تھے' اس تقسیم کے وقت رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایک شخص نے اعلان کیا:

"جس شخص نے کسی کو قتل کیا اس کے جسم کا سامان اسی کو ملے گا اور جس نے جس شخص کو گرفتار کیا وہ قیدی اسی کا ہے"۔

جیسا کہ بیان ہوا' غالباً یہ اعلان آنحضرت ﷺ کی طرف سے دو مرتبہ کرایا گیا ایک مرتبہ جنگ کے وقت تاکہ مجاہدین کو جہاد کی ترغیب ہو اور دوسری مرتبہ مال غنیمت تقسیم کئے جانے کے وقت یہی اعلان دہرایا گیا۔

تقسیم پر مسلمانوں میں اختلاف..... چنانچہ مرنے والوں کے جسموں کے ساز و سامان اور قیدیوں کے علاوہ جو مال بچا وہ مسلمانوں میں برابر تقسیم کیا گیا' تقسیم کے وقت اس بارے میں مسلمانوں کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے تھے' جن لوگوں نے دشمن سے جنگ کی اور ان کی پیش قدمی کو روکا وہ کہتے تھے کہ مال غنیمت کے ہم سب سے زیادہ حقدار ہیں' دوسری طرف جن لوگوں نے مال غنیمت کو جمع کیا تھا وہ کہتے تھے کہ ہم اسکے حقدار ہیں' اسی طرح جن صحابہ نے یعنی اس چھپر میں رسول اللہ ﷺ کی حفاظت اور نگہبانی کی تھی وہ کہتے تھے کہ ہمارے مقابلے میں دوسرے اس کے حقدار نہیں ہیں۔

"حضرت سعدؓ ابن معاذ اس عریش کے دروازے پر محافظ تھے جس پر رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کچھ انصاریوں کے ساتھ مقیم تھے' حضرت عبادہؓ ابن صامت سے روایت ہے کہ دشمن جس وقت شکست کھا کر بھاگا تو صحابہ کی ایک جماعت نے اس کا پیچھا کیا ایک جماعت مال غنیمت اکٹھا کرنے میں مشغول ہو گئی اور اس نے تمام مال ایک جگہ جمع کیا اور صحابہ کی تیسری

جماعت دشمن کے پسپا ہونے کے وقت اس عریش کے گرد آنحضرت ﷺ کی حفاظت کے لئے ٹھہر گئی کہ مبادا دشمن اچانک دوسری طرف سے آنحضرت ﷺ کو گزند پہنچانے کی کوشش کرے' غالباً یہ جماعت ان لوگوں کے علاوہ تھی جو حضرت سعد ابن معاذ کی سر براہی میں پہلے سے عریش کے گرد پہرہ دے رہے تھے۔

غرض اب ان لوگوں نے جنہوں نے مال غنیمت اکٹھا کیا تھا دعویٰ کیا کہ اس کے حقدار سب سے زیادہ ہم ہیں' ادھر ان کے علاوہ جو دوسرے لوگ تھے انہوں نے ان کے دعویٰ کو تسلیم نہیں کیا اور کہا کہ تم سے زیادہ ہم اس کے حقدار ہیں۔

جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے کہ دشمن کے پسپا ہونے کے وقت ایک جماعت آنحضرت ﷺ کی حفاظت کیلئے عریش کے گرد پہرہ دے رہی تھی' تو اس قول سے حضرت سعدؓ کی اس گزشتہ روایت کی تردید نہیں ہوتی جس میں گزرا ہے کہ جب مشرک پسپا ہوئے تو آنحضرت ﷺ ننگی تلوار لئے ان کے تعاقب میں تشریف لیگئے اور یہ آیت پڑھتے جاتے تھے کہ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ کیونکہ یہ ممکن ہے آنحضرت ﷺ تھوڑی دیر کیلئے مشرکوں کے تعاقب میں نکلے ہوں اور اسکے بعد فوراً ہی واپس عریش میں تشریف لے آئے ہوں اور اس وقت ان حضرات نے عریش کے گرد آپ ﷺ کی حفاظت کیلئے پہرہ دیا ہو!"۔

آسمانی فیصلہ ...... غرض صحابہ کے درمیان مال غنیمت کی تقسیم کے وقت پیدا ہونے والے اختلاف پر حق تعالیٰ نے یہ سورۂ انفال نازل فرمائی۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلَ ج فَاتَّقُوْا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ص وَاَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (الآیہ پ۹ سورۂ انفال ع آیت ۱)

ترجمہ: یہ لوگ آپ سے خاص غنیمتوں کا حکم دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ یہ غنیمتیں اللہ تعالیٰ کی ہیں اور رسول کی ہیں سو تم اللہ سے ڈرو اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو اور اللہ کی اور اسکے رسول کی اطاعت کرو اگر تم ایمان والے ہو۔

یہاں نفل (انفال) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ نفل کا لفظ مال غنیمت کے لئے بھی بولا جاتا ہے جس طرح یہاں ہوا ہے جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا' یہاں حق تعالیٰ نے نفل کے بجائے اس کی جمع انفال کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کے معنی ہیں غنیمتیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مال سے مسلمانوں کے مال میں اضافہ ہوا ہے اور یہ اس کے علاوہ ہے' اسی طرح انفال کے علاوہ فئی کا لفظ ہے جو سورہ حشر میں ذکر ہوا ہے سورہ حشر غزوہ بنی نضیر کے موقعہ پر نازل ہوئی تھی' وہاں فئی کا لفظ بھی مال غنیمت کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

فیے کے معنی لوٹائی ہوئی چیز کے ہیں مال غنیمت کو حق تعالیٰ نے اس لئے فئی فرمایا ہے کہ خدا نے اس مال ودولت کو کفار سے لے کر مومنوں کے پاس لوٹا دیا کیونکہ اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کی (یعنی مومنوں کی) اعانت اور مدد کے لئے مال کو پیدا فرمایا ہے کیونکہ مخلوق کو عبادت کے لئے ہی پیدا کیا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے پاس وہ چیز لوٹا دی جس کے وہ مستحق تھے جیسا کہ اگر کسی شخص کی میراث غصب کرلی گئی ہو اور وہ اس کو دلادی جائے چاہے اس سے پہلے بھی وہ میراث اس کے قبضے میں نہ رہی ہو (مگر اس کا مستحق وہی ہوگا)۔

اسی بنیاد پر بعض علماء کا قول ہے کہ فیئ کے مستحق صدقہ کے مستحق لوگوں سے علیحدہ ہیں اور صدقہ کے مستحق فئی کے مستحقوں سے علیحدہ ہیں' صدقہ سے یتیموں' مسکینوں اور کمزوروں کی امداد کی جاتی ہے۔

پھر جب وہ یتیم بالغ ہو جائے تو وہ صدقہ کے بجائے فئی یعنی مال غنیمت کا مستحق ہو جاتا ہے اور صدقہ کے استحقاق سے نکل جاتا ہے۔

لہٰذا حق تعالیٰ نے وہ مال ان مشرکوں کے ہاتھوں سے نکال کر اپنے رسول کو ہاتھ میں دے دیا یعنی اس نے جہاں چاہا اس مال کو پہنچا دیا' لہٰذا یہ آیت جو اوپر تحریر ہوئی اس بات کی دلیل ہے کہ تمام مال غنیمت خاص رسول اللہ ﷺ کا تھا اس میں سے کوئی چیز ان لوگوں کی نہیں تھی جنھوں نے جہاد کیا تھا' مگر پھر اس کے بعد اس آیت کا حکم حق تعالیٰ کے اس دوسرے حکم سے منسوخ ہو گیا جو یہ ہے:

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْئٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَه' وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسَاكِيْنَ وَابْنِ السَّبِيْلِ (لآیہ پ۱۰ سورہ انفال ع۵ آیت ۴۱)

ترجمہ: اور اس بات کو جان لو کہ جو شئے کفار سے بطور غنیمت تم کو حاصل ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ کل کا پانچواں حصہ اللہ کا اور اس کے رسول کا ہے اور ایک حصہ آپ کے قرابت داروں کا ہے اور ایک حصہ یتیموں کا ہے اور ایک حصہ غریبوں کا ہے اور ایک حصہ مسافروں کا ہے۔

غازیوں اور بیت المال کے حصے...... اب گو پانچواں حصہ بیت المال کے لئے نکالنے کے بعد باقی چار حصے سر فروشوں اور غازیوں کے ہیں' گویا یہ پانچواں حصہ جو ہے اس کے پانچ حصے کئے جائیں گے' ایک رسول اللہ ﷺ کا ہوگا جس میں سے آپ جو چاہیں کریں اور اس پانچویں حصے کے باقی چار حصے ان لوگوں کا حق ہوں گے جن کا آیت پاک میں ذکر کیا گیا ہے اور باقی چار عدد پانچویں حصے مجاہدین اور غازیوں کا حق ہوں گے۔

آگے حضرت عبداللہ ابن جحش کے نخلہ کے سریہ میں بیان ہوگا کہ جو مال غنیمت حضرت عبداللہؓ لیکر آئے آپ نے ان کو اسی طرح تقسیم فرمایا کہ آپ ﷺ نے اسکا پانچواں حصہ تو اللہ کیلئے نکالا اور باقی چار حصے غازیوں میں تقسیم فرمائے' ایک قول یہ ہے کہ خود حضرت عبداللہ نے ہی اس مال کے اس طرح پانچ حصے کر دیئے تھے اور آنحضرت ﷺ نے اس کو درست قرار دیا تھا۔

اس طرح یہ مال غنیمت اسلام کا پہلا غنیمت ہے اور یہی وہ غنیمت ہے جس کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا تو گویا اس غنیمت کے پانچ حصے سورۂ انفال کی اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے لئے گئے جس میں غنیمت کو پانچ حصوں میں تقسیم کرنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ جیسا کہ بتایا گیا' یہ آیت غزوہ بدر کے واقعہ کے بعد نازل ہوئی تھی اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ آیت ان آیتوں میں سے ہے جن کا حکم پہلے نازل ہو گیا اور آیت بعد میں نازل ہوئی:

بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس امت کیلئے مال غنیمت کو حلال کئے جانے کی ابتداء غزوہ بدر میں ہی ہوئی جیسا کہ بخاری و مسلم کی حدیثوں سے ثابت ہے' غنیمت کو حلال کئے جانے کا حکم حق تعالیٰ کے اس ارشاد میں دیا گیا ہے۔

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالاً طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (لآیۃ پ۱۰ انفال ع۹ آیت ۶۹)

ترجمہ: سو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کو حلال پاک سمجھ کر کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑی رحمت والے ہیں۔

لہٰذا اس حکم کے ذریعہ مال غنیمت مسلمانوں کے لئے حلال کر دیا گیا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: اب یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نخلہ کے معرکہ کی غنیمت کی تقسیم کو غزوہ بدر سے اپنی واپسی تک روکے رکھا تھا (یعنی اگر غزوہ بدر کے مال غنیمت کو وہ پہلی غنیمت مانا جائے جو مسلمانوں کے لئے حلال کی گئی) مگر یہ بات اس گزشتہ قول سے کمزور ہو جاتی ہے کہ نخلہ کے مال غنیمت کو

غزوہ بدر سے پہلے فوراً آنحضرت ﷺ نے پانچ حصوں میں تقسیم فرمایا تھا یا عبداللہ ابن جحش نے تقسیم کیا تھا اور آنحضرت ﷺ نے اس کو درست قرار دیا تھا' یہ بات علم میں آچکی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے غزوہ بدر کے مال غنیمت کو مسلمانوں کے درمیان برابر برابر تقسیم فرمایا تھا' یعنی اس میں ایک دوسرے کے درمیان کوئی فرق اور امتیاز نہیں فرمایا تھا' پیدل کو پیدل کے برابر اور گھوڑے سوار کو گھوڑے سوار کے برابر رکھا تھا' مگر یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس دن گھوڑے سوار کو پیدل پر فضیلت حاصل تھی (یعنی اس کا حصہ زیادہ تھا) اس کا جواب آگے آئے گا۔

اس سے اس قول کی بھی تائید ہوتی ہے جس کے مطابق اس روز اسلامی لشکر میں پانچ یا دو گھوڑے تھے بخلاف اس قول کے جس کے مطابق بدر میں صرف ایک ہی گھوڑا تھا جیسا کہ بیان ہوا' (اس قول کی تائید اس لفظ سے ہوتی ہے کہ گھوڑے سوار کو گھوڑے سوار کے برابر حصہ ملا جس سے معلوم ہوا کہ گھوڑے سوار ایک سے زائد تھے)۔

یہاں تک کہ خود آنحضرت ﷺ کا بھی ایک ہی حصہ لگا یعنی جتنا دوسرے گھوڑے سواروں کو ملا اتنا ہی آپ کو بھی ملا (یعنی ایک گھوڑے سوار کے برابر حصہ ملا) یہ وضاحت اس قول کی بنیاد پر ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس غزوہ بدر میں دو گھوڑے تھے' البتہ آپ کو جو چیز زائد ملی وہ ذوالفقار نامی تلوار تھی جو آپ نے اپنے لئے منتخب فرمائی تھی جس کی تفصیل آگے بیان ہوگی۔

اب حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو یہ قول ہے کہ کیا گھوڑے سوار کو بھی اتنا ہی دے رہے ہیں جتنا کمزور کو دے رہے ہیں جس سے وہ ناراض ہو رہے ہیں' تو اس میں گویا گھوڑے سوار سے ان کی مراد قوی ہے چنانچہ مسند امام احمد میں حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! گھوڑے سوار جس کو قوم کی ضرورت ہوتی ہے کیا اس کا اور دوسرے کا حصہ برابر ہوگا!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"تمہارا برا ہو' کیا تم اپنے کمزور لوگوں کے بغیر فتح پا سکتے ہو"۔

اب گویا مسند امام احمد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ گھوڑے سوار سے حضرت سعدؓ کی مراد قوی ہے کیونکہ انہوں نے اس کے مقابلہ میں پیدل کہنے کے بجائے کمزور کا لفظ استعمال کیا ہے' لہٰذا جب یہاں گھوڑے سوار مراد نہیں تو اب اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہا کہ گھوڑے سوار کو اس کے گھوڑے کے دو حصے دیئے گئے اور خود سوار کو پیدل کی حیثیت سے ایک حصہ دیا گیا۔

معذورین کا حصہ ...... آنحضرت ﷺ نے اس مال غنیمت میں ان لوگوں کے حصے بھی نکالے جو غزوہ بدر میں حاضر نہیں تھے جیسے وہ لوگ جن کو خود آنحضرت ﷺ نے ان کے کسی عذر کی وجہ سے غزوہ میں شرکت سے منع فرما دیا تھا جیسے حضرت عثمانؓ ابن عفان کہ ان کو آنحضرت ﷺ نے ان کی بیوی یعنی آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کی بیماری کی وجہ سے مدینے میں ٹھہرنے کا حکم فرمایا جیسا کہ بیان ہوا یا اس وجہ سے کہ خود حضرت عثمانؓ کے چیچک نکلی ہوئی تھی جیسا کہ بیان ہوا' اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے ان کو مدینے والوں کے پاس چھوڑا تھا' اسی طرح حضرت عاصم ابن عدی تھے کہ ان کو آپ نے قبا اور عالیہ کے پاس چھوڑا تھا۔

اسی طرح آپ نے ان لوگوں کا حصہ بھی لگایا جن کو آپ نے جاسوس کے طور پر دشمن کی خبریں لانے کے لئے بھیجا تھا اور وہ لوگ اس وقت واپس آئے جب کہ غزوہ بدر ختم ہو چکا تھا' یہ لوگ حضرت طلحہ ابن عبیداللہ اور سعید ابن زید تھے جیسا کہ بیان ہوا۔

ان کے علاوہ حرث ابن حاطب تھے کہ ان کو بنی عمرو ابن عوف کے واقعات کے سلسلے میں آپ نے بھیجا تھا' اسی طرح

خوات ابن جبیر اور حرث ابن صمہ تھے کہ وہ لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے مگر روحاء کے مقام پر دونوں کے چوٹ آگئی اور وہ چلنے کے قابل نہ رہے اس لئے آپ نے ان کو واپس فرمادیا جیسا کہ بیان ہوا۔

مگر ان کے مسئلہ میں علامہ سیوطیؒ نے تامل کا اظہار کیا ہے' انہوں نے خصائص صغریٰ میں بیان کیا کہ آپ نے غزوہ بدر میں غیر حاضر لوگوں میں حضرت عثمانؓ کا ایک حصہ لگایا' ان کے علاوہ غیر حاضر لوگوں میں آپ نے کسی اور کا حصہ نہیں نکالا' اس روایت کو ابوداؤد نے ابن عمر سے بیان کیا ہے۔

علامہ خطابیؒ نے کہا ہے کہ مال غنیمت کا یہ حصہ صرف حضرت عثمانؓ کیلئے خاص ہے کیونکہ وہ مدینے میں رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی یعنی اپنی بیوی کی تیمارداری کر رہے تھے' یہاں تک علامہ خطابی کا حوالہ ہے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے چودہ ایسے شہیدوں کا حصہ بھی نکالا جو غزوہ بدر میں شہید ہوئے غالباً یہ حضرات جنگ کے دوران شہید نہیں ہوئے بلکہ زخمی ہو کر غزوہ ختم ہونے کے بعد ان کی وفات ہوئی لہٰذا یہ بات ہمارے یعنی شافعی فقہاء کے قول کے خلاف نہیں رہتی جس کے مطابق وہ حضرات جو غزوہ کے دوران شہید ہو جائیں مالِ غنیمت میں سے ان کا حصہ نہیں نکالا جاتا۔

شمشیر ذوالفقار...... آنحضرت ﷺ نے مال غنیمت میں سے اپنے حصے سے زیادہ وہ تلوار لی جس کا نام ذوالفقار ہوا' یہ تلوار منبہ ابن حجاج کی تھی' ایک قول یہ ہے کہ اس کے بیٹے عاص کی تھی وہ بھی بدر کے دن ہی قتل ہوا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کے چچا منبیہ کی تھی' مگر ابی العباس ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ یہ تلوار ابوجہل کی تھی۔

اب یہ بات ممکن ہے کہ اصل میں یہ تلوار ابوجہل کی ہی رہی ہو اور پھر اس نے اس کو منبہ ابن حجاج یا ان دونوں میں سے کسی کو دے دی ہو جن کا گزشتہ سطروں میں ذکر ہوا' مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے برعکس بھی ممکن ہے (کہ اصل میں منبہ کی رہی ہو اور اس نے ابوجہل کو دے دی ہو) کیونکہ گزشتہ سطروں میں بیان ہو چکا ہے کہ ابوجہل کی تلوار حضرت ابن مسعودؓ کو ملی تھی' بہر حال اس تفصیل کے ساتھ گذشتہ روایتوں میں کوئی مخالفت باقی نہیں رہتی۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ نے ابوجہل کا اونٹ بھی اپنے لئے لے لیا تھا (جو آپ کے حصے کے علاوہ تھا) یہ اونٹ مہری یعنی نہایت بہترین اور بے حد تیز رفتار تھا (تیز رفتاری کو مہری کہتے ہیں' یہ لفظ مہرا ابن حیدان کی طرف نسبت کیا جاتا ہے کہ تیز رفتاری اور بھاگنے میں کوئی اونٹ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا)۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے سب غزوؤں میں اسی اونٹ پر سوار ہو کر شرکت فرمائی یہاں تک کہ حدیبیہ کے موقعہ پر آپ نے اس کو قربانی کیلئے حرم میں بھیج دیا' جیسا کہ آگے بیان آئیگا۔

اپنے حصہ سے زیادہ آپ نے جو چیزیں لیں' یعنی غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس صورت میں جب کہ آنحضرت ﷺ بھی لشکر کے ساتھ ہوں تو اس کو صفی اور صفیہ کہتے ہیں وہ چیز چاہے غلام ہو یا باندی' سواری ہو یا تلوار یا زرہ بکتر۔

مگر کتاب امتاع میں محمد ابن ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے لئے ہر مال غنیمت میں ''صفی'' ہوتی تھی چاہے آپ اس لشکر کے ساتھ رہے ہوں یا غیر حاضر رہے ہوں (یعنی ہر مال غنیمت میں آنحضرت ﷺ کو اپنے لئے کسی بھی چیز کے انتخاب کا حق تھا جس کو صفی کہتے ہیں اور جو آپ کے حصے کے علاوہ ہوتی تھی)۔

مگر بعض لوگوں کا قول یہ ہے کہ یہ صفی اور انتخاب کی چیز جب آنحضرت ﷺ پسند کر لیتے تھے تو اس کے برابر چیز آپ کے حصے میں سے کم کر دی جاتی تھی' مگر ایک قول یہ ہے کہ وہ چیز آپ کے حصے کے علاوہ ہوتی تھی۔

اس بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ چیزیں جن کے متعلق یہ اختلاف ہوا پانچواں حصہ نکالنے کی آیت کے نزول کے بعد کی

اس شعر میں اس نے ابوسفیان پر طنز کیا ہے کیونکہ قریش کا سردار و سرغنہ وہی بن گیا تھا۔

مدینے میں مشرک قیدیوں کے متعلق مشورہ...... (قال) جنگ بدر کے بعد جو مشرک قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے انکے متعلق بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان کچھ اختلاف پیدا ہو گیا تھا' یہ اختلاف اس وقت پیدا ہوا جب آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے قیدیوں کے بارے میں سوال فرمایا' آپ نے فرمایا تھا۔

"ان قیدیوں کے بارے میں آپ لوگوں کی کیا رائے ہے' اللہ تعالیٰ نے ان پر تمہیں قابو عطا فرمایا ہے"۔

مگر یہ بات اس گزشتہ روایت کے خلاف ہے جس میں بیان ہوا کہ جس نے جس شخص کو گرفتار کیا ہے وہ اسی کا ہوگا (کیونکہ جب یہ واضح اعلان موجود تھا تو اختلاف کی گنجائش باقی نہیں رہتی) اس سلسلے میں ایک جواب یہ دیا جاتا ہے کہ قیدی کا گرفتار کرنے والے کا ہونے سے مراد یہ تھی کہ اس کو اختیار ہے چاہے وہ اس قیدی کو قتل کردے اور چاہے اس سے جان کی قیمت لے کر اسے چھوڑ دے۔

یہ بات غالباً اس گزشتہ روایت کے خلاف بھی نہیں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے نضر ابن حرث کو قتل کرنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت مقداد نے جنہوں نے نضر کو گرفتار کیا تھا رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ تو میرا قیدی ہے اور اس پر آنحضرت ﷺ نے جواب دیا تھا کہ یہ شخص کتاب اللہ کے بارے میں بیہودہ باتیں کرتا تھا۔

صدیق اکبر کی طرف سے جان بخشی کا مشورہ...... ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قیدیوں کے بارے میں حضرت ابو بکر' حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔

ایک روایت میں حضرت علیؓ کے بجائے عبداللہ ابن جحش کا نام ہے' غرض آپ نے ان حضرات سے مشورہ فرمایا کہ آیا ان قیدیوں کو قتل کرنا مناسب ہوگا یا ان کا فدیہ یعنی جان کی قیمت لینی مناسب ہوگی اس پر حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا:

یارسول اللہ' یہ لوگ آپ کے خاندان اور قوم کے ہیں' ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ' یہ لوگ آپ کے دادھیالی اور آپ کے خاندان کے بھائی ہیں' اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح اور ان لوگوں پر کامیابی عطا فرمائی ہے اس لئے میری رائے یہ ہے کہ آپ ان کو زندہ رہنے دیں اور ان لوگوں سے فدیہ لے لیں' اس صورت میں ہم جو کچھ ان سے لیں گے اس سے کفار کے مقابلے میں ہماری قوت میں اضافہ ہوگا' اور پھر یہ بھی امید ہے کہ (آپ کے اس احسان کے نتیجہ میں) ان لوگوں کو حق تعالیٰ کی طرف سے ہدایت میسر ہو جائے اور اس طرح یہ لوگ ہمارا زور بازو بن جائیں۔

یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا:

"اے ابن خطاب! تم اس سلسلے میں کیا کہتے ہو"۔

فاروق اعظمؓ کی طرف سے قتل کا مشورہ...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا' آپ کو وطن سے نکالا اور آپ سے جنگ کی' اس لئے ابو بکرؓ کی جو رائے ہے میں اس سے متفق نہیں ہوں بلکہ میری رائے یہ ہے کہ ان قیدیوں میں سے جو میرے رشتے دار ہیں ان کو میرے حوالے فرما دیجئے تاکہ میں ان کی گردن مار دوں' علیؓ کا جو بھائی عقیل ہے اس کو علیؓ کے حوالے فرمائیے تاکہ اس کی گردن وہ مار دیں' حمزہؓ کا جو بھائی ہے یعنی عباس اس کو حمزہ کے حوالے کیجئے کہ اس کی گردن وہ مار دیں' تاکہ معلوم ہو جائے کہ مشرکوں کے لئے ہمارے دلوں میں کوئی محبت نہیں ہے میری رائے یہ نہیں ہے کہ آپ ان کو قیدی بنا کر رکھیں بلکہ ان کی گردنیں مار دیجئے یہ قریش کے

سرغنے اور ان کے سر گروہ ہیں۔

ابن رواحہ کی طرف سے آگ میں جلانے کا مشورہ...... عبداللہ ابن رواحہ نے کہا تھا:

"کوئی ایسی وادی تلاش کرو جس میں بہت زیادہ لکڑیاں یعنی خشک درخت اور ٹہنیاں ہوں اور وہاں ان سب کے اوپر آگ دہکا دو"۔

حضرت عباسؓ نے جو اس وقت خود قیدی تھے اور یہ باتیں سن رہے تھے ابن رواحہ کا یہ مشورہ سن کر فوراً کہا۔

"تیرے رشتے دار خود برباد ہو جائیں"۔

صدیق اکبر و فاروق اعظم کے متعلق ارشادات رسول...... غرض یہ مشورے سن کر رسول اللہ ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ آپ گھر میں چلے گئے 'اب لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہونے لگیں کسی نے کہا کہ آپ حضرت ابو بکرؓ کا مشورہ مانیں گے کسی نے کہا عبداللہ ابن رواحہ کا مشورہ مانیں گے مگر یہ کسی نے نہیں کہا کہ آپ عمرؓ کا مشورہ مانیں گے 'اس کے بعد آنحضرت ﷺ باہر تشریف لائے اور آپ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کے قلوب اتنے نرم و ملائم بنا دیتا ہے کہ وہ دودھ سے بھی زیادہ نرم ہوتے ہیں اور کچھ لوگوں کے دل اتنے سخت فرما دیتا ہے کہ وہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتے ہیں 'اے ابو بکر! فرشتوں میں تمہاری مثال میکائیل علیہ السلام کی سی ہے جو رحمت لے کر نازل ہوتے ہیں"

پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"اور (اے ابو بکر) پیغمبروں میں تمہاری مثال ابراہیم علیہ السلام کی سی ہے جو یہ فرماتے تھے کہ جس نے میری پیروی اور اطاعت کی وہ مجھ سے وابستہ ہے اور جس نے میری خلاف ورزی کی تو اے اللہ اس کیلئے تو معاف فرمانے والا اور رحمت والا ہے' اور اے ابو بکر! پیغمبروں میں ہی تمہاری مثال عیسیٰ علیہ السلام کی سی ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ اگر تو ان (سرکشوں کو) عذاب دیتا ہے تو بہر حال وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف فرماتا ہے تو بڑا غالب حکمت والا ہے جس کو چاہے معاف کر دے تیری معافی حکمت سے خالی نہیں ہے۔

(عیسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا قرآن پاک میں بیان ہوئی ہے جو یہ ہے:

إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (۷ مائدہ ع۱۶ آیت ۱۱۸)

اگر آپ ان کو سزا دیں گے تو یہ آپکے بندے ہیں اور اگر آپ ان کو معاف فرما دیں تو آپ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔)

غرض آنحضرت ﷺ نے پھر حضرت عمرؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"اور اے عمر! ملائکہ میں تمہاری مثال جبرئیل علیہ السلام کی سی ہے جو جب بھی زمین پر اترتے ہیں تو اللہ کے دشمنوں کے حق میں سختی اور شدت و مصیبت لے کر اترتے ہیں۔

مراد یہ ہے کہ زیادہ تر جبرئیل علیہ السلام سختی و شدت لے کر ہی اترتے ہیں 'لہٰذا یہ بات اس قول کے خلاف نہیں ہے جس میں ہے کہ کبھی کبھی جبرئیل علیہ السلام رحمت لے کر بھی اترتے ہیں 'پھر آپ نے آگے فرمایا:

"اور (اے عمر) پیغمبروں میں تمہاری مثال نوح علیہ السلام کی سی ہے جنہوں نے اپنے پروردگار سے عرض کیا تھا کہ:

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا (۲۹ نوح ۲/۲۶)

اے میرے پروردگار کافروں میں سے زمین پر ایک بھی باشندہ مت چھوڑ۔

اور نبیوں ہی میں تمہاری مثال موسیٰ علیہ السلام کی سی ہے جنہوں نے حق تعالیٰ سے عرض کیا تھا:

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰی اَمْوَالِھِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ

(۱۱یونس۹/۸۸)

اے ہمارے رب ان کے مالوں کو نیست و نابود کر دیجئے اور ان کے دلوں کو زیادہ سخت کر دیجئے جس سے ہلاکت کے مستحق ہو جائیں سو یہ ایمان نہ لانے پائیں یہاں تک کہ عذاب الیم کے مستحق ہو کر اس کو دیکھ لیں۔

غرض حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے متعلق یہ ارشاد فرمانے کے بعد پھر آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا:

"اگر تم دونوں کسی ایک رائے پر متفق ہوتے تو میں تمہاری رائے کی مخالفت نہ کرتا اور ان میں سے کوئی بھی اس کے بغیر نہ بچتا کہ یا تو اس کو فدیہ دینا پڑتا (یعنی اپنی جان کی قیمت ادا کرنی ہوتی) اور یا اس کی گردن ماردی جاتی۔

آنحضرت ﷺ کے سامنے ایک اور موقعہ پر بھی حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم کی رائے میں ایک دوسرے میں اختلاف ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ بنی تمیم پر دو آدمیوں میں سے ایک کو بنی تمیم کا والی بنانا چاہتے تھے مگر حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی رائیں مختلف رہیں کہ انہیں سے ایک نے کسی کی تائید کی اور دوسرے نے کسی اور کے نام کی رائے دی' حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ فلاں شخص کو ان لوگوں پر عامل یعنی امیر بنائیے' اور حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ فلاں کو ان کا عامل بنائیے' تب آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"اگر تم دونوں ایک رائے پر متفق ہوتے تو میں تمہارے مشورے پر عمل کرتا مگر کبھی کبھی میرے لئے تم دونوں کا مشورہ مختلف ہو جاتا ہے۔

تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ

(الآیہ پ۲۶' سورۂ حجرات ع ۱ آیت ۱)

اے ایمان والو اللہ اور رسول کی اجازت سے پہلے تم سبقت مت کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے سب اقوال کو سننے والا اور تمہارے سب افعال کو جاننے والا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ کے متعلق قرآن پاک سے جو مثالیں دیں ان سے یہ دلیل لی جاتی ہے کہ قرآن پاک سے مثال دینا جائز ہے یعنی یہ بات اس صورت میں جائز ہے کہ مذاق کے معاملے اور لغویات میں یہ مثال نہ دی جائے' ورنہ قرآن پاک کی آیات سے مثال دینا جائز ہے۔

اب جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ مشورہ میں حضرت علیؓ کو یا حضرت عبداللہ ابن جحش کو بھی شریک کیا گیا مگر ان کی رائے کا کوئی ذکر نہیں ہے ان کی رائے حضرت ابو بکرؓ یا حضرت عمرؓ میں سے کسی ایک کے موافق رہی ہو یعنی انہوں نے ان میں سے کسی کی رائے کی تائید کی ہو اس لئے اس کو ذکر نہیں کیا گیا' ادھر حضرت عبداللہ ابن رواحہ کی رائے علیحدہ سے ذکر کی گئی ہے حالانکہ وہ مشورہ میں شامل بھی نہیں تھے (مگر اس کا جواب بھی وہی ہے کہ ان کی چونکہ ایک علیحدہ اور مستقل رائے تھی اس لئے اس کو علیحدہ بیان کیا گیا)۔

امام احمدؒ نے یوں لکھا ہے کہ غزوہ بدر کے قیدیوں کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے مشورہ کیا اور وہی جملہ فرمایا

کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر قابو عطا فرمایا ہے (لہٰذا بتاؤ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے) اس پر حضرت عمر نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ ان کی گردنیں مار دی جائیں' اس پر آنحضرت ﷺ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور پھر وہی جملہ ارشاد فرمایا اور اس میں یہ الفاظ بھی فرمائے:

"لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان پر قابو عطا فرمایا ہے اور یہ لوگ کل تک تمہارے بھائی بند تھے!"

اس پر پھر حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے اور آپ نے وہی مشورہ دیا کہ ان کی گردنیں اڑا دیجئے' آپ نے پھر ان کی طرف توجہ نہیں دی' اور تیسری مرتبہ وہی جملہ فرمایا اور لوگوں سے ان قیدیوں کے بارے میں مشورہ مانگا' تب حضرت ابو بکرؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! ہماری رائے ہے کہ آپ ان کو معاف فرما دیں اور ان سے فدیہ لے لیں!"

قیدیوں کی جان بخشی اور فدیہ کا اعلان...... یہ رائے سن کر آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک سے غم کا غبار چھٹ گیا اور آپ نے ان لوگوں کی جان بخشی فرما دی اور ان سے فدیہ لیکر انہیں چھوڑ دینے کا فیصلہ فرمایا اگلے دن حضرت عمرؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ دونوں رو رہے ہیں حضرت عمرؓ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! آپ دونوں کس لئے رو رہے ہیں' ایک روایت کے لفظ یوں ہیں کہ آپ اور آپ کے ساتھی کس بات پر رو رہے ہیں' تاکہ اگر رونے کی بات ہے تو میں بھی روؤں ورنہ آپ کی گریہ وزاری میں شرکت کے لئے رونے کی کوشش کروں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

جاں بخشی پر عتاب خداوندی...... "ابن خطاب! تمہاری رائے کی مخالفت کرنے میں اللہ تعالیٰ کا زبردست عذاب ہمارے سامنے پیش کیا گیا' اگر یہ عذاب خداوندی نازل ہوتا تو سوائے ابن خطاب کے یعنی سوائے تمہارے کوئی نہ بچتا"۔

مسلم اور ترمذی میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا:

"تمہارے ساتھیوں پر فدیہ لینے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو عذاب پیش کیا گیا اس پر روتا ہوں"۔

یعنی چونکہ تمہارے ساتھیوں نے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینے کی رائے دی تھی اس لئے اس کے نتیجہ میں ان کا عذاب میرے سامنے اس درخت سے بھی قریب پیش کیا گیا' آپ نے یہ بات اس درخت کی طرف اشارہ کر کے فرمائی جو آپ کے قریب تھا' اس عتاب کے سلسلے میں جو آیت نازل ہوئی وہ یہ ہے:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَا اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰى اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّا اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (الآیات پ ۱۰' سورۃ انفال' ع ۱۰ آیت ۶۷ تا ۷۰)

نبی کی شان کے لائق نہیں کہ ان کے قیدی باقی رہیں (بلکہ قتل کر دیئے جائیں) جب تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح کفار کی خوں ریزی نہ کر لیں' تم تو دنیا کا مال و اسباب چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ آخرت کی مصلحت کو چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والے ہیں' اگر خدائے تعالیٰ کا ایک نوشتہ مقدر نہ ہو چکتا تو جو امر تم نے اختیار کیا ہے اس کے بارہ میں تم پر

کوئی بڑی سزا واقع ہوتی' سو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کو حلال سمجھ کر کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑی رحمت والے ہیں' اے پیغمبر! آپ کے قبضہ میں جو قیدی ہیں آپ ان سے فرماد یجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو تمہارے قلب میں ایمان معلوم ہوگا تو جو کچھ تم سے فدیہ میں لیا گیا ہے دنیا میں اس سے بہتر تم کو دیدیگا اور آخرت میں تم کو بخش دیگا اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے ہیں بڑی رحمت والے ہیں۔

ان آیات میں جس عذاب کا ذکر کیا گیا ہے آنحضرت ﷺ نے صرف حضرت عمرؓ کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے کہ عمرؓ کے سوا سب اس عذاب کی لپیٹ میں آجاتے (کیونکہ حضرت عمرؓ کی پہلے یہ رائے تھی قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنے کے بجائے قتل کر دیا جائے) بہر حال صرف حضرت عمرؓ کو مستثنیٰ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ باقی تمام صحابہ حضرت ابو بکرؓ کی اس رائے سے متفق تھے کہ قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا جائے' نیز یہ کہ سب لوگوں نے حضرت عمرؓ کی اس رائے کی مخالفت کی تھی کہ قیدیوں کی گردنیں ماردی جاتیں' ادھر گزشتہ صفحات میں یہ بات حضرت سعد ابن معاذؓ کے متعلق بھی گزر چکی ہے کہ انہوں نے غزوہ بدر کے دوران حضرت عمرؓ سے بھی پہلے اس بات کو ناپسند کیا تھا کہ مشرک قیدیوں کو زندہ چھوڑا جائے' کیونکہ پیچھے گزرا ہے کہ جب مسلمان مشرکوں کی شکست کے بعد ان کو گرفتار کرنے لگے تو آنحضرت ﷺ نے حضرت سعد ابن معاذ کی طرف دیکھا جن کے چہرے پر مسلمانوں کے اس فعل کی وجہ سے ناگواری کے آثار تھے' آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ایسا لگتا ہے تمہیں مسلمانوں کی یہ حرکت ناگوار ہے کہ وہ مشرکوں کو گرفتار کر رہے ہیں' انہوں نے عرض کیا بے شک یا رسول اللہ خدا کی قسم یہ پہلی جنگ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں مشرکوں سے لڑنے کا موقع عطا فرمایا اور فتح عطا فرمائی' اس لئے میرے نزدیک زیادہ بہتر یہ ہے کہ ان سب کا خون بہا دیا جائے' بہ نسبت اس کے کہ ان کو زندہ رکھا جائے' چنانچہ اسی بناء پر آنے والی روایت میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر عذاب نازل ہوتا تو سوائے ابن خطاب یعنی حضرت عمرؓ اور حضرت سعد ابن معاذؓ کے کوئی اس سے نہ بچتا۔

قیدیوں سے فدیہ لینے کے متعلق اللہ کی طرف سے مشروط اختیار...... کتاب اصل یعنی عیون الاثر میں یہ روایت ہے کہ جنگ بدر کے قیدیوں کے سلسلے میں جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا۔

"اگر آپ لوگ چاہیں تو ان قیدیوں سے فدیہ لے سکتے ہیں (یعنی اپنے صحابہ کو یہ اختیار دے دیں) مگر یہ شرط رکھ دیں کہ اس کے بعد یعنی آئندہ سال تم میں سے ستر آدمی شہید کئے جائیں گے۔

اس پر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے لوگوں کو بلانے کا اعلان کیا گیا' چنانچہ سب صحابہ یا ان میں سے اکثر جمع ہو گئے تو آپ نے ان سے فرمایا:

"یہ جبرئیل علیہ السلام آئے ہیں جو تمہیں اختیار دے رہے ہیں کہ چاہے تم آگے بڑھ کر ان قیدیوں کو قتل کر دو اور چاہے فدیہ لے کر چھوڑ دو مگر فدیہ لینے کی صورت میں یہ شرط ہے کہ آئندہ سال تم میں سے اتنی ہی تعداد کو شہید کیا جائے"۔

صحابہ نے عرض کیا:

"نہیں ہم ان سے فدیہ ہی لیں گے تاکہ اس طرح اس کے ذریعہ ان کے مقابلے میں ہماری طاقت مضبوط ہو اور پھر آئندہ سال ہم میں سے ستر آدمی شہید ہو کر جنت میں داخل ہو جائیں گے' ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ آئندہ سال ہم میں سے اسی تعداد میں شہید ہو جائیں گے"۔

اس دوسری روایت کے الفاظ کے بعد اس روایت میں کوئی شبہ کی بات نہیں رہتی' بہر حال اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہؓ نے حضرت ابو بکرؓ کی رائے کی تائید کی تھی کہ قیدیوں کو قتل کرنے کے بجائے ان سے فدیہ لے لیا جائے۔

اب جہاں تک جبرئیل علیہ السلام کی طرف سے یہ اختیار لانے کا تعلق ہے تو شاید یہ اس مشورہ کے بعد نازل ہوا جس میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اپنا اپنا مشورہ دیا تھا اور یہ کہ آنحضرت ﷺ کے رونے کا جو واقعہ پیش آیا وہ شاید اس دوسرے مشورہ کے بعد کا ہے۔

کتاب ھدای کے مصنف نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کے رونے کا سبب آپ کی رحمت و شفقت تھی اور یہ خوف تھا کہ یہ عذاب عام ہو گا خاص ان ہی لوگوں پر اس کا اثر نہیں ہو گا جن کے لئے یہ نازل ہو گا' اب اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فدیہ لینے کی رائے تمام صحابہ کی نہیں تھی بلکہ ان میں صرف ایک جماعت کی تھی۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: مگر اب اس روایت میں اشکال ہوتا ہے جس میں بیان ہوا ہے کہ اگر عذاب نازل ہوتا تو سوائے ابن خطابؓ اور سعد ابن معاذؓ کے کوئی اس سے نہ بچتا' کیونکہ اس ارشاد میں صراحت موجود ہے کہ اگر عذاب نازل ہوتا تو وہ عام نہ ہوتا اور اس سے صرف وہی متاثر ہوتے جنہوں نے فدیہ لینے کا مشورہ دیا تھا۔

یہاں ایک شبہ اور اشکال اور ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے فدیہ لینے کا مشورہ دیا تھا انہوں نے حق تعالیٰ کے دیئے ہوئے اختیار میں سے زیادہ سے زیادہ یہ کیا تھا کہ صلح کے علاوہ دوسری صورت اختیار کرلی تھی جو اختیار کے دو پہلوؤں میں سے ایک تھا (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے قتل اور فدیہ میں سے ایک بات کو قبول کرنے کا اختیار دے دیا گیا تھا) اور صلح کے علاوہ دوسری صورت کو قبول کرنے میں عذاب ضروری نہیں ہوتا کیونکہ فدیہ قبول کرنے کا جائز ہونا حضرت عبداللہ ابن جحش کے اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے جس میں عمرو ابن حضرمی قتل ہوا تھا کیونکہ اس واقعہ میں عثمان ابن مغیرہ اور حکم ابن کیسان گرفتار ہوئے تھے' (جن کا فدیہ قبول کرکے انہیں رہا کر دیا گیا تھا) مگر حق تعالیٰ نے اس کو ناپسند نہیں فرمایا تھا' یہ واقعہ غزوہ بدر سے ایک سال سے بھی زیادہ پہلے کا ہے (جس کی تفصیل آگے سرایا یعنی صحابہ کی فوجی مہموں میں بیان ہو گی)۔

اب اس شبہ کے جواب میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ غزوہ بدر میں چونکہ قیدیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور اس میں مشرکوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ بہت شدید جنگ کی تھی اس لئے یہاں فدیہ قبول نہ کرنے کا حکم دے کر حق تعالیٰ کو اس واقعہ کی عظمت کا اظہار مقصود تھا۔

کتاب مواہب میں اس آیت پر جو بحث ہے وہ قابل غور ہے' اس کتاب میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کی تفسیر یوں کی ہے:

"اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میں اپنے نافرمانوں کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتا جب تک ان کے لئے حجت تمام نہ کر دوں تو تمہارے فدیہ قبول کرنے پر تم پر کوئی عذاب واقع ہوتا"۔

اعمش سے روایت ہے کہ حق تعالیٰ کا نوشتہ جو مقدر ہو چکا تھا یہ تھا کہ وہ غزوہ بدر میں شریک ہونے والوں میں سے کسی کو عذاب نہیں دے گا' چنانچہ ایک حدیث جو آگے بیان ہو گی کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! میرا بھتیجا منافق ہو گیا ہے' یعنی مجھے اجازت دیجئے کہ اس کی گردن مار دوں!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"وہ غزوہ بدر کے شریک ہونے والوں میں سے ہے اور تمہیں کیا معلوم بے شک اللہ تعالیٰ نے اصحاب بدر پر نظر کرم فرمائی ہے اور یہ کہہ دیا ہے کہ جو چاہے کرو تمہارے لئے جنت واجب ہو چکی ہے۔ واللہ اعلم

اب اس بات سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ اگلے سال یعنی غزوہ احد میں مسلمانوں میں سے ستر مجاہد قتل ہوئے حالانکہ ان میں سے چند قیدی جو بدر میں گرفتار ہوئے تھے قید کی حالت میں ہی اس سے پہلے مر گئے تھے اور ان سے فدیہ بھی نہیں لیا جا سکا تھا جیسے مالک ابن عبیداللہ جو طلحہ ابن عبیداللہ کا بھائی تھا اور بعض کو بغیر فدیہ لئے چھوڑ دیا گیا تھا' شبہ اس لئے نہ ہونا چاہئے کہ جو چیز حق تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ تھی وہ ان ستر آدمیوں کو قتل نہ کرنا تھا جو قیدی بنائے گئے تھے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ کا جو یہ ارشاد ہے:

اَوَلَمَّا اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا (الآیہ پ۴ سورۂ آل عمران ع۱۷ آیت ۱۶۵)

اور جب تمہاری ایسی ہار ہوئی جس سے دوچند تم جیت چکے تھے تو کیا ایسے وقت میں تم یوں کہتے ہو کہ یہ کدھر سے ہوئی۔

اس ارشاد کے مخاطب اصحاب احد ہیں یعنی بدر کے دن جتنا نقصان تم نے مشرکوں کو پہنچایا تھا اتنے ہی تمہارے آدمی غزوہ احد میں شہید ہو گئے کہ ستر شہید ہوئے اور ستر گرفتار ہوئے۔ واللہ اعلم

ابو وداعہ کی رہائی اور فدیہ کی پہلی وصولیابی...... قریش نے آپس میں یہ طے کیا کہ قیدیوں کی رہائی کے لئے فدیہ کی بات چیت میں جلدی نہ کرنی چاہئے تاکہ محمد ﷺ اور ان کے صحابہ فدیہ کی رقم بڑھا چڑھا کر نہ مانگ بیٹھیں' مگر مطلب ابن ابی وداعہ سہمی نے قریش کے اس فیصلہ کی کوئی پرواہ نہ کی بلکہ خاموشی کے ساتھ رات کو مکے سے روانہ ہو کر مدینے پہنچا اور چار ہزار درہم دے کر اپنے باپ کو چھڑا لے گیا۔

جب یہ ابو وداعہ بدر میں قید ہوا اور آنحضرت ﷺ نے اس کو دیکھا تو آپ نے صحابہ سے فرمایا:

"مکے میں اس کا ایک بیٹا ہے جو بہت مالدار تاجر ہے' وہ اپنے باپ کو فدیہ دے کر چھڑانے کے لئے تمہارے پاس آئے گا"۔

اس طرح ابو وداعہ پہلا قیدی ہے جس کو فدیہ لے کر مسلمانوں نے رہا کیا' ابو وداعہ کا نام حرث تھا اور صحابہ میں اس کا ذکر کیا گیا ہے' زبیر ابن بکار کہتے ہیں لوگوں کا خیال تھا کہ جب آنحضرت ﷺ مکے میں تھے تو ابو وداعہ آپ کا تجارتی شریک تھا' مگر مشہور قول یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے شریک سائب ابن ابو سائب تھے جو فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے تھے' جب لوگ ان کی تعریفیں کرنے لگے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا:

"میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں' یہ میرے شریک ہیں اور بہت اچھے شریک ہیں جو نہ فریب کرتے تھے اور نہ دھوکہ دیتے تھے!"

ایک روایت میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے ان کے متعلق یہ فرمایا تو انہوں نے کہا:

"آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ نے سچ فرمایا' میں آپ ﷺ کا شریک تھا اور بڑے بہترین ساتھی کا شریک تھا جو نہ دھوکہ دیتا تھا اور نہ فریب کرتا تھا"۔

غرض اس کے بعد پھر تمام قریشیوں نے قیدیوں کے فدیہ کے لئے بات چیت کی' فدیہ ہر شخص کی مالی حیثیت کے مطابق رکھا گیا' چنانچہ فدیہ کی رقم چار ہزار درہم سے تین ہزار درہم بھی تھی اور دو ہزار درہم سے ایک ہزار درہم بھی تھی۔

نادار قیدیوں کی رہائی کے لئے شرط...... کچھ لوگ ایسے تھے جن کا کوئی فدیہ نہیں ملا یعنی ان کے پاس مال ہی نہ تھا تو ان کی

آزادی کی یہ شرط رکھی گئی کہ اگر وہ اچھی طرح لکھنا پڑھنا جانتا ہے تو مدینے کے لڑکوں میں سے دس دس لڑکے اس کے سپرد کئے گئے تاکہ وہ ان کو لکھنا سکھلائے یعنی جب وہ لڑکے لکھنا سیکھ جائیں گے تو یہی اس قیدی کا فدیہ ہو جائے گا۔

آنحضرت ﷺ کی احسان شناسی...... جبیر ابن مطعم جب کافر تھے تو بدر کے قیدیوں کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ کے پاس درخواست اور سفارش کرنے کے لئے آئے تھے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"اگر تمہارا بزرگ یا تمہارے باپ کا بزرگ زندہ ہوتا اور وہ ہمارے پاس ان قیدیوں کی سفارش لے کر آتا تو ہم اس کی سفارش قبول کر لیتے"۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ اگر مطعم زندہ ہوتا اور ان لوگوں کے لئے مجھ سے بات کرتا"۔

ایک روایت کے لفظ ہیں کہ اگر ان قیدیوں کی سفارش کرتا' تو میں اس کے لئے ان سب کو چھوڑ دیتا"۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ مطعم ابن عدی نے آنحضرت ﷺ کو مکے کے دشمنوں سے اس وقت پناہ دی تھی جب آپ طائف سے واپس تشریف لائے تھے' اور پھر آنحضرت ﷺ کے خلاف قریش نے مقاطعہ یعنی بائیکاٹ کر کے جو تحریر حرم میں لٹکائی تھی اس کو پھاڑنے کے سلسلے میں بھی مطعم نے بہت کوشش کی تھی۔

ان قیدیوں میں امیر معاویہ کا بھائی عمرو ابن ابوسفیان ابن حرب بھی تھا' اس کو حضرت علیؓ نے گرفتار کیا تھا' چنانچہ لوگوں نے ابوسفیان سے کہا کہ اپنے بیٹے کا فدیہ دے کر اسے رہا کرالو' تو ابوسفیان نے کہا:

ابوسفیان کا بیٹے کو چھڑانے سے انکار...... اسکا مطلب ہے کہ انکے یعنی مسلمانوں کے ذمہ میرا ایک خون بھی باقی رہے اور اب میں ان کو فدیہ کی رقم بھی دوں' انہوں نے حنظلہ یعنی ابوسفیان کے بیٹے کو قتل کیا' جو ام المومنین حضرت ام حبیبہ کا سگا بھائی تھا' اور اب میں دوسرے بیٹے عمرو کیلئے ان کی فدیہ کی رقم دوں اسے ان کے ہاتھوں میں رہنے دو جب تک جی چاہے قید رکھیں!"

بیٹے کے بدلے ابوسفیان کے ہاتھوں ایک مسلمان کی گرفتاری...... اسی دوران میں اچانک ابوسفیان نے سعد ابن نعمان کو دیکھا جو مدینہ سے عمرہ کرنے کیلئے مکے آئے تھے' یہ مدینے کے خاندان بنی عمرو ابن عوف سے تعلق رکھتے تھے' ابوسفیان نے جیسے ہی سعد کو دیکھا اس نے جھپٹ کر ان پر حملہ کیا اور ان کو اپنے بیٹے کے بدلے میں پکڑ کر قید کر لیا۔

ابوسفیان کے بیٹے کی رہائی...... بنی عمرو ابن عوف کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو سعد ابن نعمان کے واقعہ کی اطلاع دے کر آپ سے درخواست کی کہ عمرو ابن ابوسفیان کو ہمارے حوالے کر دیا جائے تاکہ ہم اس کو چھوڑ کر اس کے بدلے میں سعد کو رہا کرائیں' چنانچہ آنحضرت ﷺ نے عمرو کو بنی عمرو ابن عوف کے حوالے کر دیا' انہوں نے اپنے آدمی کے ساتھ عمرو کو مکے بھیجا جس پر ابوسفیان نے سعد کو آزاد کر دیا۔

ان قیدیوں میں جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے اس میں اس عمرو کا نام نہیں تھا' بظاہر یہ کفر و شرک کی حالت میں ہی مرا ہے۔

قیدیوں میں آنحضرت ﷺ کے داماد...... ادھر ان ہی قیدیوں میں آنحضرت ﷺ کے داماد (یعنی آپ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کے شوہر ابوالعاص ابن ربیع بھی تھے' یہ ابوالعاص بعد میں مسلمان ہو گئے تھے جیسا کہ آگے بیان ہوگا' یہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی یعنی اپنی بیوی حضرت زینبؓ کی خالہ کے بیٹے بھی تھے یعنی ہالہ بنت خویلد کے بیٹے جو حضرت خدیجہ بنت خویلد کی بہن تھیں۔

ابوالعاص کی بیٹی اور آنحضرت ﷺ کی لاڈلی نواسی...... ابوالعاص کے یہاں حضرت زینبؓ کے پیٹ سے ایک بیٹا بھی ہوا

ہیں جب کہ یہ بات اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کی ہے 'لہٰذا اب یہ بات اس گزشتہ تفصیل کے خلاف نہیں رہی کہ آپ نے تقسیم سے پہلے جو چیزیں لے لی تھیں وہ آپ کے اس حصے سے زائد تھیں جو سب لوگوں کے حصوں کے برابر تھا (یعنی مال غنیمت کے حصے کیے جانے اور اسے تقسیم کرنے سے پہلے آپ ﷺ نے اپنے لئے صفی کا انتخاب فرما لیا تھا)۔

جاہلیت میں تقسیم کے طریقے...... جاہلیت کے زمانے میں جب سردار خود لشکر کے ساتھ ہوتا تھا اور اپنے حصے سے زائد کوئی چیز چھانٹ لیتا تھا تو اس کو "مرباع" کہتے تھے یہ لفظ ربع یعنی چوتھائی سے بنا ہے کہ سردار مال غنیمت کا چوتھا حصہ لے لیتا تھا۔

مرباع کے بارے میں یہی سننے میں آیا ہے کہ وہ چوتھائی ہی ہوتا تھا' بخلاف اس کے پانچواں حصہ اور اس کے بعد کے حصے ہوتے تھے' دوسری طرف صفایا یعنی صفی ہوتے تھے' صفی وہ ہوتا تھا جس کو قوم کا سردار اپنے اختیار کے تحت مال غنیمت میں سے چن لیتا تھا' تیسری چیز "نشیطہ" ہوتی تھی' نشیطہ اس مال کو کہتے ہیں جو لشکر کو اس کی اصل منزل اور مقصد تک پہنچنے سے پہلے راستے میں حاصل ہو جاتا تھا۔

اس طرح سردار قوم کیلئے ایک چیز اور ہوتی تھی جو صرف اسی کا حق سمجھی جاتی تھی اور اس کو "نقیعہ" کہتے ہیں نقیعہ وہ اونٹ ہوتا تھا جس کو قوم کا سردار مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے چھانٹ کر ذبح کرتا تھا اور اس سے لوگوں کی دعوت کرتا تھا' یہ سب تفصیلات علامہ تبریزیؒ کی کتاب شرح حماسہ میں درج ہیں۔

(قال) اسلام آنے کے بعد جہاں جاہلیت کے زمانے کی اور رسمیں اور قاعدے قانون ختم ہوئے ہیں نقیعہ اور نشیطہ کے قاعدے بھی ختم کر دیئے گئے (اسلام نے مال غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال کے لئے وقف کیا اور باقی سب کیلئے رکھا)۔

نضر ابن حرث کا قتل...... غرض غزوہ بدر سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو حکم دے کر صفراء کے مقام پر نضر ابن حرث کو قتل کرایا۔

کتاب امتاع میں ہے کہ نضر ابن حرث جنگی قیدی کی حیثیت سے آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش ہوا' آپ نے اس کی طرف دیکھا' اس پر نضر نے یسیر سے کہا جو اس کی برابر میں کھڑے تھے۔

"خدا کی قسم یہ محمد ہی میرے قاتل ہوں گے کیونکہ انہوں نے جن نظروں سے مجھے دیکھا ہے ان میں موت پوشیدہ ہے!"

یسیر نے کہا:

"ہرگز نہیں۔ یہ صرف تمہارا خوف اور دہشت ہے!"

پھر نضر نے حضرت مصعب ابن عمیر سے کہا:

"مصعب! تم رشتہ کے لحاظ سے انکے مقابلے میں مجھ سے زیادہ قریب ہو اس لئے اپنے ان صاحب یعنی آنحضرت ﷺ سے کہو کہ میرے دوسرے ساتھیوں یعنی قیدیوں کی طرح مجھے بھی سمجھیں' خدا کی قسم یہی میرے قاتل ہوں گے!"

حضرت مصعبؓ نے کہا:

"تو اللہ کی کتاب کے بارے میں کیا کچھ نہیں کہتا تھا' تو خدا کے رسول کے متعلق کیا کیا کہا کرتا تھا اور تو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کو بڑی بڑی اذیتیں دیتا تھا"۔

علامہ سیوطیؒ کی کتاب اسباب نزول میں اس سلسلے میں ایک روایت ہے جس کو علامہ نے درست قرار دیا ہے حضرت مقدادؓ نے نضر ابن حرث کو گرفتار کیا تھا' اس کے بعد جب رسول اللہ ﷺ نے نضر کے قتل کا حکم دیا تو مقدادؓ نے عرض کیا کہ

یارسول اللہ! یہ میرا قیدی ہے (کیونکہ آنحضرت ﷺ یہ اعلان فرماچکے تھے کہ جس شخص نے جس قیدی کو گرفتار کیا ہے وہ اسی کا غلام ہوگا) حضرت مقداد کی یہ بات سن کر آپ نے ان سے فرمایا کہ یہ کتاب اللہ کے بارے میں بدزبانی کیا کرتا تھا۔

نضر کے قتل پر بہن کا مرثیہ اور آنحضرت ﷺ کا تاثر...... غرض صفراء کے مقام پر آپ ﷺ کے حکم سے نضر ابن حرث کو ہلاک کر دیا گیا اس کی موت پر اس کی بہن نے اس کا مرثیہ لکھا تھا' ایک قول ہے کہ بیٹی نے لکھا تھا: یہ اس کے بعد فتح مکہ کے وقت مسلمان ہو گئی تھیں' ان کے کہے ہوئے مرثیہ کے چند مصرعے یہ ہیں۔

امحمد یاخیر ضن ء کریمہ حماسہ میں اس مصرعہ کو میں نے اس طرح دیکھا ہے۔

امحمد ولات ضمن ء نجیبة☆ فی قومها والفحل فحل معرق

ترجمہ: محمد ﷺ اپنے قبیلے میں ایک شریف ترین انسان ہیں اور جواں مرد وہی ہے جو قبیلے کا شریف ترین انسان ہو۔

ما كان ضرك لومننت وربما☆ من الفتي وهوا الفغيظ المحنق

ترجمہ: اے محمد اگر اس مقتول پر رحم کھا کر اس کو چھوڑ دیتے تو آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچتا کیونکہ شریف آدمی کبھی ایسے شخص پر بھی احسان کر دیتا ہے جو اس کے نزدیک گردن زدنی ہو۔

آنحضرت ﷺ نے جب یہ شعر سنے تو آپ آبدیدہ ہو گئے اور اتنا روئے کہ آپ کی داڑھی تر ہو گئی' پھر آپ نے فرمایا۔

"اگر اس کو قتل کرانے سے پہلے میں یہ شعر سن پاتا تو اس کو معاف کر دیتا"۔

مطلب یہ ہے کہ ان شعروں کو بطور سفارش کے قبول کر کے اس کو امان دیدیتا' یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ نضر کے قتل کرانے پر نادم ہوئے پچھتائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ جو کچھ بھی حکم فرماتے تھے اور جو کچھ کرتے تھے وہ حق اور صرف حق ہوتا تھا۔

اسی نضر ابن حرث کے ایک بھائی تھے جن کا نام نضیر تھا یہ سب سے بوڑھے مہاجر تھے' ایک قول ہیکہ فتح مکہ کے وقت مسلمان ہونے والوں میں سے تھے' غالباً اسی بات کی تائید اس روایت سے ہوتی ہیکہ غزوہ حنین کے مال غنیمت میں سے آنحضرت ﷺ نے انکو سو اونٹ مرحمت فرمائے' اس پر ایک شخص نضیر کے پاس سو اونٹوں کی خوش خبری لیکر آیا تو انہوں نے کہا۔

"میں یہ اونٹ نہیں لوں گا' کیونکہ میں سمجھتا ہوں آنحضرت ﷺ یہ سو اونٹ مجھے اس لئے دے رہے ہیں کہ اسلام پر میرا دل جم جائے' مگر میں ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ اس سلسلے میں کوئی رشوت قبول کروں"۔

ان سے کہا گیا کہ یہ تو آنحضرت ﷺ کا عطیہ ہے' اس پر انہوں نے یہ سو اونٹ قبول کر لئے اور ان میں سے دس اونٹ خوشخبری لانے والے کو دیئے اور باقی نوے اونٹ آنحضرت ﷺ کے عطیہ کے طور پر اپنے پاس رکھے)۔

عقبہ ابن معیط کا قتل...... غرض صفراء کے مقام پر نضر ابن حرث کو قتل کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ وہاں سے آگے روانہ ہوئے' عرق ظبیہ کے مقام پر آپ نے عقبہ ابن معیط کو قتل کئے جانے کا حکم دیا' یہ عرق ظبیہ ایک درخت تھا جس کے نیچے مسافر سائے میں آرام کرتے تھے۔

جب عقبہ کو قتل کرنے کیلئے آنحضرت ﷺ کے سامنے لایا گیا تو اس نے کہا کہ اے محمد! ایک بے دین کا ٹھکانہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا جہنم۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب عقبہ کو قتل کے لئے لایا گیا تو اس نے فریاد کرتے ہوئے مسلمانوں سے کہا۔

"اے گروہ قریش! مجھے کس وجہ سے تمہارے سامنے یوں بے کسی کے ساتھ قتل کیا جا رہا ہے"۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"تمہارے کفر اور فتنہ انگیزیوں کی وجہ سے'ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ 'میرے منہ پر تھوکنے کی وجہ سے!"۔

یہ عقبہ آنحضرت ﷺ کے پاس اکثر بیٹھا کرتا تھا' ایک مرتبہ اس کے یہاں ایک دعوت کا اہتمام ہوا اس نے رسول اللہ ﷺ کو بھی دعوت میں بلایا' آپ نے فرمایا کہ آپ اس وقت تک اس کا کھانا نہیں کھائیں گے جب تک کہ یہ کلمہ شہادت نہیں پڑھے گا' یعنی مسلمان نہیں ہو جائے گا۔ عقبہ نے کلمہ شہادت پڑھ دیا (تاکہ مہمان کی بات پوری ہو جائے) ابی ابن خلف عقبہ کا دوست تھا اس نے عقبہ کو بہت بہت ملامت کی اور کہا کہ تو بے دین ہو گیا ہے۔ عقبہ نے کہا۔

انہوں نے اس کے بغیر کھانا کھانے سے انکار کر دیا تھا' وہ اس وقت میرے گھر میں تھے اس لئے مجھے شرم آئی کہ وہ بغیر کھائے چلے جائیں! اس لئے میں نے ان کی خواہش کے مطابق شہادت کا کلمہ کہہ دیا مگر میرے دل میں کچھ نہیں ہے"۔

اس پر ابی ابن خلف نے کہا۔

"اچھا تو اس وقت تک تم پر میری صورت دیکھنا حرام ہے جب تک کہ تم ان کی گردن کو پامال نہ کرو اور ان کے منہ پر نہ تھوکو اور ان کی آنکھوں پر تھپڑ نہ مارو!"

چنانچہ اس کے بعد ایک دن عقبہ نے آنحضرت ﷺ کو دار الندوہ میں دیکھا' آپؐ اس وقت سجدہ میں تھے' عقبہ نے وہی سب کیا جو ابی ابن خلف نے اس سے کہا تھا' آنحضرت ﷺ نے عقبہ سے فرمایا۔

"مکے سے باہر میں تجھ سے جب بھی ملوں گا تو اسی حالت میں ملوں گا کہ تلوار سے تیرا سر قلم کروں گا"۔

کشاف میں یہ تفصیل اسی طرح ہے' غرض جب عرق ظبیہ کے مقام پر آنحضرت ﷺ نے عقبہ کو قتل کرنے کیلئے بلوایا اور عقبہ نے فریاد کی تو آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا کہ تجھے تیری ان بیہودگیوں کی وجہ سے قتل کیا جا رہا ہے' ایک روایت میں آپ کے الفاظ یہ ہیں کہ:

"تیرے کفر' تیری بدتمیزیوں اور تیری اس سرکشی کی وجہ سے جو تو نے اللہ اور اس کے رسول کے مقابلے میں کی"۔

اسی عقبہ کے متعلق حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ يَلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلاً (پ۱۹' الفرقان ع ۳/ ۲۸)

ترجمہ: اور جس روز ظالم یعنی آدمی غایت حسرت سے اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کر کھاوے گا اور یہ کہے گا کیا اچھا ہوتا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دین کی راہ پر لگ جاتا۔

ابن قتیبہ نے روایت بیان کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے عقبہ کے قتل کا حکم دیا اور اس نے فریاد کی کہ اے گروہ قریش! مجھے تمہارے سامنے کیوں اس بے کسی کے ساتھ قتل کیا جا رہا ہے جب کہ میں بھی تم ہی میں سے ایک ہوں تو اس کے بعد اس نے آنحضرت ﷺ سے کہا۔

"اے محمد! میں تمہیں خدا کا اور رشتہ داری کا واسطہ دیتا ہوں!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"تم صرف صفوریہ کے یہودیوں میں سے ایک یہودی ہو!"

یعنی تم سے قبیلے یا خاندان کی کوئی رشتہ داری نہیں ہے کہ تم صلہ رحمی کا واسطہ دے رہے ہو' اس سے معلوم ہوا کہ عقبہ

بن معیط قبیلہ قریش سے نہیں تھا۔

اسکی تفصیل یہ ہے کہ عقبہ کے باپ معیط کا دادا امیہ اپنے چچا ہاشم کے ساتھ ملک شام کو گیا تھا جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے' پھر وہ وہیں صفوریہ کے مقام پر رہ پڑا' وہیں ایک یہودی عورت سے اس کے تعلقات ہو گئے اور امیہ نے اسکے ساتھ زنا کیا جب کہ اس کا شوہر بھی تھا جو صفوریہ کے یہودیوں میں سے تھا' اس زنا کے نتیجہ میں اس عورت کے یہاں اپنے شوہر کے گھر ایک لڑکا پیدا ہوا جس کو ابو عمرو کہا جاتا تھا یہی ابو عمرو عقبہ کا باپ معیط تھا لہٰذا جاہلیت کے زمانے کی رسم کے مطابق وہ بچہ باپ کے حوالے کیا گیا' امیہ اس کو لیکر مکے آگیا یہاں اس نے بچے کا نام ذکوان رکھا اور اس کا لقب ابو عمرو رکھا حالانکہ وہ اس کا ناجائز بیٹا تھا۔

ایک قول یہ ہے کہ ابو عمرو' امیہ کا غلام تھا پھر اس نے اس غلام کو منہ بولا بیٹا بنا لیا' اس کے بعد جب امیہ کا انتقال ہوا تو جاہلیت کے دستور کے مطابق ابو عمرو اپنے باپ کی بیوی کا مالک ہو گیا۔

غرض عرق ظبیہ کے مقام پر اس کو آنحضرت ﷺ کے حکم پر حضرت عاصم ابن ثابت نے قتل کیا' ایک قول یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے قتل کیا تھا' نیز عقبہ کے متعلق ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کو ایک درخت پر لٹکا کر پھانسی دی گئی تھی۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: محمد ابن صہیب ہاشمی نے کہا ہے کہ اسلام آنے کے بعد یہ عقبہ پہلا شخص ہے جسکو پھانسی پر لٹکایا گیا' مگر علامہ ابن جوزی نے اس قول کی تردید کی ہے اور کہا ہیکہ اسلام میں وہ پہلا شخص جسکو پھانسی دی گئی خبیب ابن عدی ہیں۔

مگر ان دونوں اقوال سے کوئی شبہ نہیں پیدا ہونا چاہئے کیونکہ خبیب ابن عدی کو جن لوگوں نے پہلا پھانسی پانے والا قرار دیا ہے وہ اس لحاظ سے ہے کہ یہ مسلمانوں میں پہلے شخص ہیں جن کو سولی پر لٹکایا گیا اور عقبہ مشرکوں میں ایسا پہلا شخص ہے۔

ابن قتیبہ نے سعید ابن جبیر سے روایت بیان کی ہے کہ طعیمہ ابن عدی کو بھی عقبہ ابن معیط اور نضر ابن حرث کیساتھ ہی شامل کیا جاتا ہے کیونکہ طعیمہ بھی اسی طرح ان کے ساتھ بے کسی میں قتل کیا گیا (یعنی جس طرح غزوہ بدر سے واپسی کے دوران راہ میں نضر ابن حرث اور عقبہ ابن معیط قتل کئے گئے اسی طرح اسی راستے میں طعیمہ کو بھی قتل کیا گیا)۔

مگر اس روایت کو ماننے میں تامل ہوتا ہے کیونکہ پیچھے بیان ہوا ہے کہ طعیمہ کو حضرت حمزہؓ نے جنگ کے دوران ہلاک کیا تھا' ادھر آگے غزوہ احد میں بیان آ رہا ہے کہ غزوہ بدر میں اسی طعیمہ کو قتل کرنا غزوہ احد میں حضرت حمزہؓ کے قتل کئے جانے کا سبب بنا۔

مدینہ میں آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری...... غرض اس کے بعد رسول اللہ ﷺ آگے روانہ ہوئے یہاں تک کہ آپ قیدیوں سے ایک دن پہلے مدینے پہنچے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب میں مدینے پہنچا تو مجھے بھوک لگی تھی' اسی وقت ایک یہودی عورت نے میرا استقبال کیا جو اپنے سر پر بکری کا بھنا ہوا گوشت ایک پیالے میں اٹھائے ہوئے تھی اس نے کہا۔

"اے محمد! اس خدائے پاک کا شکر ہے جس نے آپ کو صحیح سلامت رکھا' میں نے منت مانی تھی کہ اگر آپ صحیح سلامت مدینے پہنچے تو میں اس بکری کو ذبح کروں گی اور اس بکری کا گوشت بھون کر آپ کے لئے لاؤں گی اور اس سے آپ کی تواضع کروں گی"۔

زہر خورانی کی کوشش......اسی وقت اللہ تعالیٰ نے اس بکری کو بولنے کی قوت عطا فرما دی اور اس نے کہا۔

"اے محمد ﷺ میرا گوشت نہ کھایئے کیونکہ اس میں زہر ملا ہوا ہے۔

مگر خیبر کے موقع پر جب اسی طرح ایک یہودی عورت آپ کے لئے بکری کا بھونا ہوا گوشت لائی تھی تو اس نے آپ کو اس

میں ملے ہوئے زہر کی خبر نہیں دی' یہاں تک کہ اسے منہ میں رکھنے کے بعد آپ کو پتہ چلا جیسا کہ آگے اس کی تفصیل آئے گی' وہیں یہ بھی ذکر آئے گا کہ آپ نے اس عورت سے گوشت میں زہر ملانے کا سبب بھی پوچھا تھا مگر یہاں آپ نے نہیں پوچھا۔

آنحضرت ﷺ جب مدینے کے قریب پہنچے تو مسلمان آپ کا استقبال کرنے اور فتح پر آپ کو مبارک باد دینے کیلئے شہر سے باہر آئے یہ لوگ آپ سے روحاء کے مقام پر ملے' جب مسلمان مبارک باد دینے لگے تو غازیوں میں سے حضرت سلمہ ابن سلامہ ابن دقش نے ان سے کہا۔

"تم کس چیز پر ہمیں مبارک باد دے رہے ہو' خدا کی قسم ہمارا تو بوڑھی عورتوں سے سابقہ پڑا ایسا لگتا تھا جیسے مشرکین رسیوں میں بندھے ہوئے اونٹ تھے جن کو ہم ذبح کرتے چلے گئے"۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور آپ نے فرمایا۔

"وہی لوگ تو مکے کے بڑے بڑے سردار اور اشراف تھے!"

مدینے میں استقبال...... غرض اس کے بعد آپ مدینے میں داخل ہوئے تو شہر کی بچیوں نے آپ کا استقبال اس طرح کیا کہ ان کے ہاتھوں میں دف تھے اور وہ یہ گیت گا رہی تھیں۔

طلع البدر علینا ☆ من ثنیات الوداع

ہمارے سامنے ثنیات دواع کیطرف سے بدر کامل طلوع ہوا ہے۔

وجب الشُّکر علینا ☆ ما دعا لِلّٰہِ داع

اس نعمت کے بدلے میں ہم پر ہمیشہ حق تعالیٰ کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔

پھر آپ کو حضرت اسید ابن حضیر ملے اور انہوں نے کہا۔

"اس خدائے پاک کا شکر و احسان ہے جس نے آپ کو کامیاب و کامران فرمایا اور آپ کی آنکھیں ٹھنڈی فرمائیں"۔

غزوہ بدر سے واپسی میں ایک جگہ اچانک لوگوں کو معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ موجود نہیں ہیں' سب لوگ وہیں رک گئے' تھوڑی دیر بعد رسول اللہ ﷺ حضرت علیؓ کے ساتھ تشریف لائے لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم نے آپ کو کھو دیا تھا' آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

"ابوالحسن کے پیٹ میں اچانک درد ہو گیا تھا' میں ان کی وجہ سے پیچھے رہ گیا تھا"۔

پھر آنحضرت ﷺ کے مدینے پہنچنے کے اگلے دن بدر کے جنگی قیدی مدینے پہنچے' آپ نے ان کو صحابہ میں تقسیم فرمایا اور ہدایت کی کہ ان کے ساتھ نیکی اور بھلائی کا معاملہ کرو!"۔

مکے میں شکست کی اطلاع...... دوسری طرف جنگ بدر میں قریش کی شکست کے بعد مکے میں جو شخص سب سے پہلے یہ خبر لے کر پہنچے وہ ابن عبد عمرو تھے جو اس وقت تک کافر تھے اور بعد میں مسلمان ہو گئے تھے' انہوں نے وہاں پہنچتے ہی پکار پکار کر لوگوں سے کہنا شروع کیا۔

"عتبہ و شیبہ قتل ہو گئے' ابوالحکم یعنی ابوجہل اور امیہ بھی قتل ہو گئے اور سرداران قریش میں سے فلاں فلاں بھی قتل ہو گئے"!

قاصد کے ہوش و حواس پر شبہ...... ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی بتایا کہ فلاں فلاں لوگ گرفتار ہو گئے۔

یہ وحشت ناک خبر صفوان ابن امیہ نے بھی سنی جس کو بطحا کا سردار کہا جاتا تھا اور جو قریش کے سب سے زیادہ فصیح لوگوں

میں سے تھا' یہ اس وقت حرم میں حجر اسود کے پاس بیٹھا ہوا تھا' (اس نے ابن عبد عمرو کی بات کا یقین نہیں کیا بلکہ وہ سمجھا کہ شاید یہ شخص پاگل ہو گیا ہے) اس لئے اس نے لوگوں سے کہا۔

"اگر یہ شخص صحیح الدماغ ہے تو اس سے ذرا میرے بارے میں تو پوچھنا"۔

چنانچہ لوگوں نے ابن عبد عمرو سے پوچھا کہ صفوان کا کیا ہوا' اس پر انہوں نے جواب دیا۔

"وہ تو یہ سامنے حجر اسود میں بیٹھا ہے مگر میں نے اس کے باپ اور بھائی کو قتل ہوتے خود دیکھا ہے!"

ابن عباس کے غلام عکرمہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے غلام ابو رافع نے ان سے بتایا تھا کہ میں پہلے عباس ابن عبدالمطلب کا غلام تھا یعنی بعد میں حضرت عباسؓ نے ان کو آنحضرت ﷺ کے خدمت میں ہبہ کر دیا تھا آگے سرایا یعنی صحابہ کی فوجی مہمات کے بیان میں اس پر تفصیلی بحث آئے گی (حضرت عباسؓ قریش کے ساتھ جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے)۔

غرض حضرت عباس اور ان کی بیوی ام فضل اس وقت مسلمان ہو چکے تھے' ایک قول یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے بعد ام فضل پہلی عورت ہیں جو مسلمان ہوئیں جیسا کہ بیان ہوا' حضرت عباسؓ کی اولاد ان ہی کے پیٹ سے تھی جو یہ ہیں' عبداللہ' عبید اللہ' عبدالرحمٰن' فضل' قثم و معبد اور ام حبیب۔ ام حبیب کے بارے میں ایک کمزور قول ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کے سامنے گڈلیوں چل رہی تھیں تو آپ نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

"اگر اس کے بالغ ہونے کے وقت تک میں زندہ رہا تو میں اس سے شادی کروں گا"۔

مگر پھر ام حبیب کے بالغ ہونے سے پہلے آنحضرت ﷺ کی وفات ہو گئی۔

علامہ ابن جوزیؒ کہتے ہیں کہ صحابیات میں اس لقب یعنی ام فضل نام کی صرف یہی خاتون تھیں جن سے حضرت عباسؓ رضی اللہ عنہ نے شادی کی۔

غرض ابو رافعؓ کہتے ہیں کہ میں بھی مسلمان ہو چکا تھا اور ہم اپنا اسلام قریش سے چھپایا کرتے تھے کیونکہ حضرت عباسؓ اپنی قوم کو اپنا مخالف بنانا پسند نہیں کرتے تھے اس لئے کہ حضرت عباسؓ بہت دولت مند آدمی تھے اور ان کی دولت کا اکثر حصہ تجارت کے سلسلے میں قریش کے ہاتھوں میں رہتا تھا' اس بات کا جواب آگے آئے گا کہ مسلمان ہونے کے باوجود حضرت عباسؓ کیوں گرفتار کئے گئے اور ان کی جان کی قیمت یعنی فدیہ کیوں لیا گیا' آگے یہ بھی بیان آئے گا کہ انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان فتح مکہ کے دن کیا تھا۔

غیر انسانی مخلوق کے متعلق خبر اور ابو رافع کی تصدیق......ابو رافعؓ کہتے ہیں کہ جب مکے میں یہ خبر پہنچی کہ میدان بدر میں قریش کو ذلت ناک شکست اٹھانی پڑی تو ہمیں اس سے بہت خوشی ہوئی خدا کی قسم ابھی میں بیٹھا ہی ہوا تھا کہ ابو لہب گھسٹتا ہوا آیا اور ہمارے پاس بیٹھ گیا' اسی وقت وہاں ابو سفیان ابن حرث آیا جو جنگ بدر میں قریش کے ساتھ شریک تھا' ابو لہب نے اسے دیکھتے ہی کہا۔

"میرے پاس آؤ۔ تمہاری کیا خبریں ہیں"۔

ابو سفیان نے کہا۔

"خدا کی قسم بس یوں سمجھ لو کہ جیسے ہی دشمن سے ہمارا ٹکراؤ ہوا تو گویا ہم نے اپنی گردنیں ان کے سامنے پیش کر دیں اور انہوں نے جیسے چاہا ہمیں قتل کرتے رہے اور جیسے چاہا گرفتار کرتے تھے' پھر بھی میں لوگوں یعنی قریش کو الزام نہیں دوں گا

کیونکہ جن لوگوں سے پالا پڑا وہ سفید رنگ کے تھے اور سیاہ و سفید گھوڑوں پر سوار آسمان و زمین کے درمیان پھر رہے تھے' خدا کی قسم ان کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی تھی"۔

ابو رافع کہتے ہیں میں نے یہ سنتے ہی کہا۔

"تب تو خدا کی قسم وہ فرشتے تھے!"

ابولہب کی ابو رافع ؓ پر دست درازی...... میری بات سنتے ہی ابولہب نے غصہ میں ہاتھ اٹھا کر پوری طاقت سے میرے منہ پر تھپڑ مارا اور اس کے بعد ابولہب نے مجھے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا اور میرے سینے پر چڑھ کر بے تحاشہ مجھے مارنے لگا' ام فضل یعنی میری مالکن بھی وہاں موجود تھیں انہوں نے ایک لکڑی کا پایہ اٹھایا اور اتنی زور سے ابولہب کے سر پر مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا' ساتھ ہی ام فضل نے ڈپٹ کر ابولہب سے کہا۔

"تو اس کو کمزور سمجھ کر مار رہا ہے کہ اس کا آقا یعنی عباس ؓ یہاں موجود نہیں ہیں!"۔

اس طرح ابولہب ذلیل و خوار ہو کر وہاں سے چلا گیا۔

ابولہب کی عبرتناک موت...... جنگ بدر میں قریش کی اس ذلت ناک شکست کے حادثہ کے بعد ابولہب سات دن بھی زندہ نہیں رہ سکا یہاں تک کہ وہ پھنسی یعنی طاعون کی گلٹی کی بیماری میں مبتلا ہو کر مر گیا یعنی اس مرض میں گرفتار ہونے سے پہلے سات ہی دن وہ ٹھیک رہا۔

یہ گلٹی مسور کی دال کے دانے جیسے پھنسی ہوتی ہے جو طاعون کی بیماری کی علامت ہے' وہ اس مرض میں مر گیا' اسی وجہ سے لوگوں نے اس کو دبانے کے لئے کوئی گڑھا بھی نہیں کھودا بلکہ اس کو اس کے گھر کے پاس کوڑی پر پھینک کر اس کے اوپر پتھر ڈال دیئے اور اس کو ڈھانپ دیا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ طاعون کی بیماری نہایت گندی بیماری ہے اور عرب کے لوگ اس بیماری سے بہت ڈرتے تھے وہ اس کو بے حد متعدی اور چھوت کی بیماری سمجھتے تھے' اس لئے جب ابولہب کو یہ بیماری ہوئی تو اس کے بیٹے بھی اسے چھوڑ کر وہاں سے بھاگ گئے' چنانچہ وہ اس بیماری میں مرا تو کوئی شخص اس کے پاس نہیں تھا' تین دن تک اس کی لاش گھر میں پڑی سڑتی رہی کوئی شخص نہ اس کے پاس جانے کی ہمت کرتا تھا اور نہ اس کو دفن کرنے کی جرات کرتا تھا' آخر اسی حالت میں اس کی لاش سڑنے لگی اور شدید بدبو پھیلنے لگی' اس وقت اس کے بیٹوں کو ڈر ہوا کہ لوگ ان کے باپ کی لاش سڑنے کے لئے چھوڑنے پر برا بھلا کہیں گے اسی لئے انہوں نے اتنا کیا کہ اس کو کھینچ کر کوڑی پر ڈال دیا اور پھر اس پر پتھر پھینک پھینک کر اسے ڈھک دیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ انہوں نے ایک گڑھا کھودا اور ایک لکڑی کے ذریعہ اس کی لاش کو دھکیلتے ہوئے لے گئے پھر لکڑی مار کر اس کو گڑھے میں گرا دیا اور پھر دور کھڑے ہو کر اس گڑھے میں پتھر پھینکے یہاں تک کہ اسے پاٹ دیا۔

مکے میں شکست پر صف ماتم...... غرض جب قریش کی اس ذلت ناک شکست کی خبر پھیلی تو کفار مکہ نے مہینوں اپنے مقتولوں کا نوحہ و ماتم کیا' عورتوں میں آہ و فغان کا شور مچ گیا' انہوں نے اپنے بال بکھیر لئے وہ اپنے آدمیوں کے گھوڑوں اور سواریوں کے پاس جاتیں ان پر ماتمی کپڑے ڈھانپ دیتیں پھر ان سواریوں کے گرد نوحہ و شیون کرتیں اور اسی حالت میں گلیوں اور سڑکوں میں نکل آتیں۔

قریش کی طرف سے نوحہ و ماتم پر پابندی...... آخر لوگوں نے عورتوں کو نصیحت کی اور مشورہ دیا کہ ایسا مت کرو' یہ باتیں

محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں تک پہنچیں گی تو ہمارا مذاق اڑائیں گے لوگوں نے عورتوں کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

ابتداء اسلام میں اسود کی دریدہ دہنی اور دعاء رسول کا اثر...... ہم اپنے مقتولوں پر آنسو نہیں بہائیں گے بلکہ ان کے خون کا انتقام لیں گے۔

اسود ابن زمعہ ابن عبدالمطلب کی جنگ بدر میں تین اولادیں ہلاک ہوئیں تھیں دو بیٹے اور ایک پوتا' وہ ان پر رونا اور آنسو بہانا چاہتا تھا' آنحضرت ﷺ کی بددعا سے اس کی آنکھیں جاتی رہی تھیں کیونکہ جیسا کہ پیچھے گزرا یہ اسود جب بھی آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ کو دیکھتا تو ان کا مذاق اڑاتا اور کہتا۔

"دیکھو یہ تمہارے سامنے روئے زمین کے بادشاہ پھر رہے ہیں جو قیصر و کسریٰ کے ملکوں کو فتح کریں گے"۔

یہ آنحضرت ﷺ سے ایسی باتیں کہتا جن سے آپ کو سخت تکلیف پہنچتی' آخر آنحضرت ﷺ نے اس کو اندھا ہو جانے کی بددعا دی۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسود کو یہ بددعا دی تھی کہ وہ اندھا ہو جائے اور اس کی اولاد ختم ہو جائے' اللہ تعالیٰ نے پہلے اس کے اندھا ہونے کی دعا قبول فرمائی اور اس کے بعد جنگ بدر کے موقعہ پر اس کو یہ صدمہ پہنچا کہ اس کے بیٹے کی موت کی خبر آئی یعنی زمعہ کی جو ان تین لوگوں میں سے ایک تھا جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے قریشی لشکر کے سواروں کو زاد راہ دیا تھا جیسا کہ بیان ہوا' دوسرے اسود کے بھائی عقیل اور حرث تھے کیونکہ وہ دونوں کفر کی حالت میں غزوہ بدر کے موقعہ پر قتل ہوئے' اس طرح اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی دعا قبول فرمائی۔

غرض چونکہ جنگ بدر کے بعد مشرکوں کی طرف سے اپنے مقتولین پر ماتم سرائی کرنے کی ممانعت کر دی گئی تھی اس لئے یہ اسود ابن زمعہ رونا چاہنے کے باوجود نہیں رو سکتا تھا' ایک رات جب کہ وہ اپنے گھر میں پڑا ہوا تھا اس نے کسی عورت کے رونے کی آواز سنی تو فوراً اپنے غلام سے کہا۔

"ذرا دیکھو تو کیا رونے اور ماتم کرنے کی اجازت ہو گئی ہے' کیا قریش نے اپنے مقتولوں پر رونا شروع کر دیا ہے' شاید میں بھی رو سکوں کیونکہ ایسا لگتا ہے جیسے میرے سینے میں آگ لگی ہوئی ہے!"

"کوئی عورت اپنے اونٹ کے گم ہو جانے پر رو رہی ہے"۔

اسود نے یہ سنا تو فوراً یہ شعر پڑھے۔

اتبکی ان یضلّ لھا بعیرٌ
و یمنعھا من النّوم السھودُ

کیا وہ عورت اسلئے رو رہی ہے کہ اسکا اونٹ گم ہو گیا ہے اور اسکی وجہ سے وہ رات رات بھر بے خواب اور بے چین رہتی ہے۔

فلا تبکی علیٰ بکرٍ و لکن
علیٰ بدر تقاصرت الجدودُ

اسے چاہئے کہ وہ اونٹ کو رونے کے بجائے جنگ بدر کو روئے جس نے خوشیوں اور سرتوں کو کاٹ ڈالا ہے۔

اَلا قد سادَ بعد ھمو رجالٌ
ولا لا یوم بدرٍ لم یسوّدوا

کیا اس آفت اور لوگوں کو تباہ کرنے کے بعد کچھ لوگ سردار نہیں بن گئے' اگر جنگ بدر نہ ہوتی تو ان کو سرداری کہاں سے ملتی۔

تھا جس کو فتح مکہ کے دن آنحضرت ﷺ نے اپنے ساتھ سواری پر بٹھا رکھا تھا اس بچے کا انتقال اس وقت ہوا جب یہ مراہق یعنی سن بلوغ کو پہنچنے کے قریب تھا' اسی طرح ابوالعاص کے یہاں حضرت زینبؓ کے پیٹ سے ایک بیٹی بھی ہوئی جس کا نام امامہ تھا اور جس کو آنحضرت ﷺ نماز کے وقت گود میں لے کر آتے تھے اور جس سے آنحضرت ﷺ بے حد محبت فرماتے تھے۔

چنانچہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کو ایک ہدیہ پیش کیا گیا جس میں لکڑی کا ایک ہار تھا' آپ نے فرمایا:

"میں یہ ہار اس کو دوں گا جو اپنے گھر والوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے!"

آنحضرت ﷺ کی ازواج یہ سن کر کہنے لگیں کہ تب تو یہ ہار ابی قحافہ کی بیٹی یعنی حضرت عائشہؓ کو ملے گا مگر آنحضرت ﷺ نے اپنی نواسی حضرت امامہ کو بلایا اور خود اپنے دست مبارک سے یہ ہار ان کے گلے میں پہنایا۔

حضرت فاطمہؓ کے انتقال کے بعد جو حضرت امامہ کی خالہ تھیں ان کی وصیت کے مطابق حضرت علیؓ نے ان سے شادی کر لی' ان کی شادی حضرت زبیر ابن عوام نے کی کیونکہ حضرت امامہ کے والد حضرت ابوالعاص انکو حضرت زبیر کے سپرد کر گئے تھے' پھر حضرت علیؓ کا انتقال ہو گیا تو مغیرہ ابن نوفل ابن حرث ابن عبدالمطلب نے ان سے شادی کر لی اور ان ہی کے نکاح میں حضرت امامہ کا انتقال ہوا' مغیرہ سے ان کی شادی حضرت علیؓ کی وصیت کے مطابق ہوئی تھی۔

صاحبزادی کی طرف سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں فدیہ کا ہار...... (غرض آنحضرت ﷺ کے داماد ابوالعاص بھی غزوہ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوئے' ان کی بیوی حضرت زینبؓ مکے میں تھیں انہوں نے وہ ہار اپنے شوہر کے فدیہ میں بھیجا جو ان کی والدہ حضرت خدیجہؓ نے ان کی شادی کے موقعہ پر بیٹی کو پہنایا تھا یہ فدیہ لے کر آنے والا ابوالعاص کا بھائی عمرو ابن ربیع تھا' اس عمرو کے اسلام کے بارے میں کوئی تحقیق نہیں ہے۔

حضرت خدیجہ کا ہار دیکھ کر آنحضرت ﷺ کی دل گیری...... غرض آنحضرت ﷺ نے جب یہ ہار دیکھا تو آپ بہت زیادہ دل گیر اور آبدیدہ ہو گئے' پھر آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا:

"اگر تم مناسب سمجھو تو زینبؓ کے قیدی کو رہا کر دو اور اس کا یہ ہار بھی واپس کر دو!"۔

ابوالعاص کی رہائی...... صحابہ نے عرض کیا ضرور یا رسول اللہ۔ چنانچہ ابوالعاص کو رہا کر دیا گیا اور حضرت زینبؓ کا ہار بھی لوٹا دیا گیا مگر آنحضرت ﷺ نے ابوالعاص کو اس شرط پر رہا کیا کہ مکے جاتے ہی وہ حضرت زینب کو اجازت دیں کہ وہ مدینے کو ہجرت کر سکیں۔

واضح رہے کہ حضرت زینبؓ کی شادی کے بعد مشرکین قریش نے ابوالعاص پر زور دیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی کو طلاق دیدیں جیسے ابولہب کے دونوں بیٹوں نے آنحضرت ﷺ کی دونوں صاحبزادیوں حضرت رقیہ اور حضرت کلثوم کو ان کیساتھ خلوت سے بھی پہلے طلاق دے دی تھی جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے' مشرکوں نے ابوالعاص سے آکر کہا تھا کہ ہم قریش کی کسی بھی اس عورت سے تمہاری شادی کر دیں گے جس کو تم پسند کرتے ہو' مگر ابوالعاص نے اس پیش کش کو ٹھکرا دیا اور کہا:

"خدا کی قسم! میں اپنی شریک زندگی کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا' اور نہ میں قریش کی کسی عورت سے شادی کا آرزومند ہوں!"۔

جب آنحضرت ﷺ کو یہ معلوم ہوا تھا تو آپ نے اس پر ابوالعاص کا شکریہ ادا کیا تھا اور ان کے حق میں کلمہ خیر فرمایا تھا۔

حضرت زینبؓ کو لانے کیلئے زیدؓ کی مکے کو روانگی...... غرض مدینے سے رہا ہونے کے بعد ابوالعاص مکے پہنچے تو انہوں نے

بیوی حضرت زینبؓ سے کہا کہ تم اپنے والد کے پاس مدینے چلی جاؤ' حضرت زینبؓ فوراً مکے سے روانہ ہوگئیں۔

ادھر آنحضرت ﷺ نے حضرت زید ابن حارثہؓ اور ایک انصاری مسلمان کو ابوالعاص کے پیچھے روانہ کیا تھا تا کہ وہ حضرت زینبؓ کو مدینے لے آئیں' آپ نے ان دونوں کو ہدایت فرمائی:

''تم دونوں مکے کے قریب فلاں جگہ پر ٹھہر جانا' جب حضرت زینب وہاں پہنچیں تو تم انکے ساتھ ہو جانا اور انہیں یہاں لے آنا''۔

حضرت زینبؓ کے نکل جانے پر قریش کا غصہ..... کہا جاتا ہے کہ حضرت زینبؓ کے دیور کنانہ ابن ربیع نے کسی کی پرواہ نہ کی بلکہ اپنے بھاوج کیلئے اونٹ لایا' اپنی کمان اور ترکش سنبھالا اور حضرت زینبؓ کو اونٹ پر سوار کرا کے دن دہاڑے مکے سے لے کر چلا' حضرت زینبؓ اونٹ پر ہودج پر بیٹھی ہوئی تھیں اور کنانہ اونٹ کی نکیل پکڑے چل رہا تھا' حضرت زینبؓ ان دنوں حاملہ یعنی امید سے تھیں' یہ بات قریش کو معلوم ہوئی تو وہ فوراً ان کا پیچھا کرنے کیلئے روانہ ہوئے یہاں تک کہ ذی طویٰ کے مقام پر انہوں نے حضرت زینبؓ کو جالیا' یہاں سب سے پہلے جو شخص حضرت زینبؓ کی جانب بڑھے وہ ھبار ابن اسود تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے انہوں نے اپنے نیزے سے اونٹ کو زخمی کر دیا' اس دھکے سے حضرت زینبؓ اونٹ پر سے گریں اور ان کا حمل ضائع ہو گیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ ھبار اور ایک دوسرا شخص جس کا نام نافع تھا' اور ایک روایت کے مطابق خالد ابن عبد قیس تھا حضرت زینبؓ کی طرف بڑھے' یہ دیکھ کر کنانہ بیٹھ گیا اور اس نے فوراً تیر چڑھا کر کمان ان لوگوں کی طرف تان لی اور کہا:

''جو شخص بھی میرے قریب آئے گا یہ تیر اس کے جسم میں پیوست کر دوں گا!''

یہ صورت دیکھ کر ابوسفیان کچھ دوسرے قریشیوں کے ساتھ آگے آیا اور ان سے کہنے لگا۔

''اپنا تیر کمان ہماری طرف سے ہٹا لو ہم تم سے بات کرنا چاہتے ہیں''۔

کنانہ نے تیر کمان گرا لیا تو ابوسفیان نے کہا۔

''تم نے جو کچھ کیا اچھا نہیں کیا کہ دن دہاڑے سب لوگوں کی آنکھوں کے سامنے اس عورت کو لیکر روانہ ہو گئے تمہیں ہماری مصیبت کا حال معلوم ہے جو محمد ﷺ کیطرف سے ہم پر آئی ہے' اگر زینب اس طرح کھلے عام اور ہماری نظروں کے سامنے نکل گئی تو لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ سب ہماری اسی ذلت اور رسوائی کے نتیجہ میں ممکن ہو سکا ہے جو ہو چکی ہے' اسکو لوگ ہماری کمزوری سمجھیں گے' میں اپنی جان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہمیں اس لڑکی کو اسکے باپ سے جدا کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ اس وقت تم اسے کر واپس مکے چلے جاؤ اور پھر جب لوگوں کا غصہ اور چہ میگوئیاں دب جائیں اور وہ یہ سمجھ لیں کہ ہم لڑکی کو واپس لے آئے ہیں تو تم اسے خاموشی کے ساتھ لیکر نکل جانا اور اسکے باپ کے پاس پہنچا دینا''۔

کنانہ نے یہ بات مان لی اور انہیں واپس لے آیا' پھر حضرت زینبؓ چند دن مکہ میں رہیں اور اس کے بعد ایک رات کنانہ ان کو لے کر خاموشی سے روانہ ہوا یہاں تک کہ (مکے سے نکل کر) اس نے انہیں حضرت زید اور ان کے ساتھی کے سپرد کر دیا۔

ایک روایت میں ہیکہ آنحضرت ﷺ نے جب زیدؓ ابن حارثہ کو حضرت زینبؓ کے لانے کیلئے بھیجنے کا ارادہ کیا تو زیدؓ سے کہا:

''کیا تم زینب کو یہاں لانے کے لئے سفر کر سکتے ہو''۔

انہوں نے عرض کیا ''بے شک یارسول اللہ!'' آپ نے فرمایا:

تو میری یہ انگوٹھی لو اور اس کو دے دینا!''

زید روانہ ہو گئے مکہ کے قریب انہیں ایک چرواہا ملا حضرت زیدؓ نے اس سے پوچھا کہ تم کس کے چرواہے ہو؟ اس نے کہا ابوالعاص کا' زیدؓ نے پوچھا یہ بھیڑیں کس کی ہیں؟ اس نے کہا:

''یہ بھیڑیں زینب بنت محمد کی ہیں''۔

اب حضرت زیدؓ نے اس سے بات چیت شروع کی پھر کہا:

''اگر میں تمہیں زینبؓ کیلئے کوئی چیز دوں تو کیا تم وہ ان تک پہنچا سکتے ہو مگر اس طرح کہ کسی دوسرے سے اسکا ذکر مت کرنا''۔

چرواہا راضی ہو گیا' حضرت زیدؓ نے اس کو انگوٹھی دی' چرواہا انگوٹھی لے کر روانہ ہوا گھر پہنچ کر بھیڑوں کو ان کے ٹھکانے پر پہنچایا اور پھر وہ انگوٹھی لے جا کر حضرت زینبؓ کو دی حضرت زینبؓ انگوٹھی کو دیکھتے ہی پہچان گئیں' انہوں نے چرواہے سے پوچھا کہ تمہیں یہ انگوٹھی کس نے دی تھی؟ اس نے کہا ایک آدمی نے دی تھی' حضرت زینبؓ نے پوچھا تم نے اس آدمی کو کہاں چھوڑا تھا؟ اس نے فلاں فلاں جگہ پر چھوڑا تھا' اس کے بعد حضرت زینبؓ خاموش ہو گئیں۔

جب رات کا اندھیرا پھیل گیا تو وہ گھر سے نکل کر روانہ ہوئیں اور حضرت زیدؓ کے پاس پہنچ گئیں حضرت زیدؓ نے ان کو دیکھ کر کہا کہ میرے آگے اونٹ پر بیٹھ جاؤ' حضرت زینب نے کہا نہیں میں پیچھے بیٹھوں گی تم آگے بیٹھ جاؤ' چنانچہ زید بیٹھ گئے تو ان کے پیچھے حضرت زینب بیٹھ گئیں یہاں تک کہ منزلیں طے کرتے ہوئے وہ مدینہ منورہ اپنے والد رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئیں' یہ واقعہ غزوہ بدر کے دو ماہ بعد کا ہے' آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے:

''میری بیٹیوں میں زینبؓ سب سے زیادہ افضل ہیں جو میری وجہ سے آزمائش میں مبتلا ہوئی تھی''۔

گزشتہ سطروں میں بیان ہوا ہے کہ ابوالعاص کا فدیہ لے کر ان کا بھائی عمرو ابن ربیع آیا تھا' مگر ایک حدیث سے اس بات کی تردید ہو جاتی ہے جو یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے ابوالعاص اور ان کے بھائی عمرو ابن ربیع دونوں کا فدیہ بھیجا' انہوں نے جو مال بھیجا اس میں وہ ہار بھی تھا' وغیرہ۔

مگر غالباً اس روایت میں الفاظ کا ردو بدل ہو گیا ہے ورنہ اصل حقیقت یہی ہے کہ حضرت زینبؓ نے اپنے شوہر ابوالعاص کا فدیہ ان کے بھائی عمرو ابن ربیع کے ہاتھ بھجوایا تھا' چنانچہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے بھی اسی بات کا پتہ چلتا ہے جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ اگر تم مناسب سمجھو تو زینب کے قیدی کو رہا کر دو' کیونکہ آپ نے یہاں قیدیوں یا دونوں قیدیوں کا لفظ استعمال نہیں فرمایا۔

سہیل کی رہائی...... ان ہی جنگی قیدیوں میں سہیل ابن عمرو العامری تھے جن کے متعلق پیچھے بیان ہو چکا ہے کہ قریش کے معزز لوگوں میں سے تھے اور بہت بہترین خطیب تھے' چنانچہ جاہلیت کے زمانے میں ایک مرتبہ حضرت سعید ابن مسیبؓ سے پوچھا گیا کہ قریش کے مشہور خطیب یعنی بہترین اور فصیح گفتگو کرنے والے کون کون لوگ ہیں' انہوں نے جواب دیا اسود ابن عبدالمطلب اور سہیل ابن عمرو ابن عامری' پھر ان سے پوچھا گیا کہ مسلمانوں میں بہترین خطیب کون کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ معاویہ ابن ابوسفیان اور ان کا بیٹا یعنی یزید اور سعید ابن عاص اور ان کے بیٹے عمرو ابن سعید اور عبداللہ ابن زبیر۔

غرض یہ سہیل ابن عمرو قریش کے زبردست خطیب تھے اور آنحضرت ﷺ کے خلاف زبان درازی کیا کرتے تھے جس وقت یہ قید ہو کر آئے تو حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

"مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کے سامنے کے دانت توڑ دوں کہ اس کی زبان باہر نکل آئے"۔
مقصد یہ تھا کہ یہ شخص بہت زبان دراز اور بہترین کلام کرنے والا آدمی ہے لیکن اگر کسی خطیب کے سامنے کے دانت نہ ہوں تو کلام کرنے کی اس میں قدرت نہیں رہتی کیونکہ بولتے ہوئے الفاظ کے بننے سے پہلے ہوا باہر نکل جاتی ہے' اس لئے حضرت عمرؓ نے عرض کیا:

"تاکہ اس کے بعد وہ کبھی بھی کسی جگہ کھڑے ہو کر آپ کے خلاف زبان درازی نہ کر سکے!"

آپ نے فرمایا:

"میں اس کو عیب دار نہیں کروں گا کہ پھر اللہ تعالیٰ میرے ساتھ بھی یہی معاملہ نہ فرمائے اگرچہ میں نبی ہی کیوں نہ ہوں' کیا خبر کسی وقت وہ کسی بلند مقام پر پہنچ جائے اس لئے اس کی برائی نہ کرو"۔

چنانچہ آگے چل کر ایسا ہی ہوا کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی تو مکے کے اکثر لوگوں نے اسلام کو چھوڑنا چاہا یہاں تک کہ مکے کے امیر حضرت عتاب ابن اسیدؓ اس صورت حال سے اس قدر گھبرائے اور اتنے خوفزدہ ہوئے کہ لوگوں سے چھپ کر بیٹھ گئے' اس وقت حضرت سہیل ابن عمرو ہی تھے جنہوں نے لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر خطبہ دیا' پہلے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی پھر رسول اللہ ﷺ کی وفات کا تذکرہ کیا اور اس کے بعد کہا:

"لوگو! جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ محمد ﷺ کی وفات ہو چکی ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور کبھی نہیں مر سکتا کیا تم نہیں جانتے کہ آنحضرت ﷺ کے لئے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ (۲۳ زمر ۳/۳۰)

ترجمہ: آپ کو بھی مرنا ہے اور ان کو بھی مرنا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے متعلق فرمایا ہے:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ (۴ آل عمران ۱۵/۱۴۴)

ترجمہ: اور محمد نرے رسول ہی تو ہیں' آپ سے پہلے اور بھی بہت رسول گزر چکے ہیں۔

اس کے علاوہ حضرت سہیل نے دوسری آیتیں بھی تلاوت کیں اور پھر کہا:

خدا کی قسم! میں جانتا ہوں کہ یہ دین سورج کی طرح مشرق سے مغرب تک پھیلے گا اس لئے تم اس شخص یعنی ابوسفیان کی وجہ سے اپنی جانوں کو مصیبت میں ہرگز مت ڈالو کیونکہ یہ شخص اس دین کے متعلق اگرچہ وہ سب کچھ جانتا ہے جو میں جانتا ہوں مگر اس کے سینے میں بنی ہاشم کے خلاف حسد کی مہر لگ چکی ہے' لہٰذا تم لوگ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور توکل کرو کیونکہ اللہ کا دین قائم رہنے والا ہے اور اس کا کلمہ پورا ہونے والا ہے' اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مدد فرمائے گا جنہوں نے اس کے دین کی مدد کی اور وہ اپنے دین کو قوت وطاقت عطا فرمانے والا ہے' اللہ تعالیٰ نے تم سب کو ایک ایسے شخص یعنی حضرت ابوبکرؓ پر متفق کر دیا ہے جو تم میں سب سے بہتر ہیں۔

پھر انہوں نے کہا:

"تم لوگوں کی حرکتوں سے بھی اس دین کو قوت وطاقت ہی ملے گی یہ کمزور نہیں ہوگا' لہٰذا کان کھول کر سن لو کہ جس کو ہم

نے مرتد ہوتے دیکھا ہم اس کی گردن اڑادیں گے!"

حضرت سہیل کی اس ولولہ انگیز اور ایمان افروز تقریر سے لوگ اپنے ارادوں سے باز آگئے اور جو کچھ انہوں نے سوچا تھا اس کو دلوں سے نکال دیا' اسی وقت عتاب ابن اسید یعنی امیر مکہ بھی اپنی روپوشی سے نکل آئے۔

غرض ان ہی سہیل ابن عمرو کو فدیہ کے بدلے آزاد کرانے کے لئے مکے سے مکرز ابن حفص آیا' بات چیت کے بعد سہیل کے فدیہ کیلئے جب مال کی ایک مخصوص مقدار پر مسلمانوں اور مکرز میں سمجھوتہ ہو گیا تو صحابہ نے مکرز سے کہا کہ لاؤ فدیہ کی رقم دے دو' (مگر مکرز اس وقت صرف بات چیت کرنے آیا تھا مال لے کر نہیں آیا تھا لہٰذا) اس نے صحابہ سے کہا۔

"تم سہیل کی جگہ مجھے روک لو اور سہیل کو رہا کر دو' جب وہ مکے پہنچ کر اپنے فدیہ کی رقم بھیج دے گا تو مجھے چھوڑ دینا"۔

مسلمان اس پر راضی ہو گئے اور انہوں نے سہیل کو رہا کر دیا اور ان کی جگہ مکرز کو اس وقت تک مدینے میں روکے رکھا جب تک فدیہ کی رقم نہیں آگئی۔

ولید ابن ولید کی رہائی اور اسلام..... ان ہی قیدیوں میں حضرت خالد ابن ولید کے بھائی ولید ابن ولید بھی تھے' ان کو ان کے بھائیوں ہشام اور خالد ابن ولید نے رہا کرایا تھا' جب وہ ان کا فدیہ دے کر انہیں چھڑا لے گئے تو ولید ابن ولید مکے جا کر مسلمان ہو گئے' اس پر بھائیوں نے ان کو بہت برا بھلا کہا (کہ رہا ہونے سے پہلے ہی اسلام قبول کیوں نہ کر لیا) اس پر ولید ابن ولید نے کہا:

"مجھے یہ گوارا نہیں تھا کہ لوگ میرے بارے میں یہ کہیں کہ میں قید سے گھبرا کر مسلمان ہوا ہوں"۔

مکے پہنچ کر جب یہ مسلمان ہو گئے تو انہوں نے مدینے کو ہجرت کرنے کا فیصلہ کر لیا مگر ان کے بھائیوں نے انہیں ہجرت سے روک دیا اور وہیں قید کر لیا چنانچہ رسول اللہ ﷺ نماز کے دوران دعائے قنوت میں ان کی رہائی کے لئے دعا فرمایا کرتے تھے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے' اس کے بعد ایک دن ولید ابن ولید مکے سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گئے اور عمرہ قضا کے موقع پر رسول اللہ ﷺ سے آملے جیسا کہ آگے بیان ہو گا۔

ان قیدیوں میں سائب بھی تھا جو امام شافعی کی پانچویں پشت میں دادا تھا غزوہ بدر میں یہ سائب بنی ہاشم کا پرچم بردار تھا' اس جنگی پرچم کو عقاب کہا جاتا ہے' اس پرچم کو سرداروں کا پرچم یعنی پرچم رؤسا بھی کہا جاتا تھا' جنگ کے وقت اس پرچم کو سردار قوم ہی اٹھا سکتا تھا' یہ پرچم اصل میں ابوسفیان کے تجارتی قافلے کے ساتھ گیا ہوا تھا اسلئے اس موقع پر یہ پرچم عقاب سائب کے ہاتھ میں تھا کیونکہ ابوسفیان کے بعد اپنی قوم میں وہی سب سے بلند مرتبہ سردار تھا' سائب نے اپنا فدیہ خود ادا کر کے اپنے کو رہا کرا لیا۔

جہاں تک امام شافعی کی چوتھی پشت کے دادا یعنی سائب کے بیٹے شافع کا تعلق ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ سے اس زمانے میں ملے تھے جب کہ وہ کم عمر تھے اور پھر مسلمان ہو گئے تھے' ان ہی شافع کی نسبت سے امام صاحب کو شافعی کہا جاتا ہے۔

وہب ابن عمیر کی رہائی..... ان ہی قیدیوں میں وہب ابن عمیر بھی تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے ان کو رفاعہ ابن رافع نے گرفتار کیا تھا' ان کا باپ عمیر قریش کے شیطانوں میں سے ایک شیطان تھا جس نے مکے میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کو زبردست تکلیفیں پہنچائیں مگر پھر بعد میں یہ بھی مسلمان ہو گئے تھے۔

صفوان سے عمیر کا آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے کا عہد..... مسلمان ہونے سے پہلے ایک دن مکے میں حجر اسود کے پاس یہ عمیر اور صفوان ابن امیہ بیٹھے ہوئے تھے' صفوان بھی اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے' یہ دونوں جنگ بدر میں

اپنی شکست اور اپنے ان بڑے بڑے سرداروں کے متعلق باتیں کر رہے تھے جو اس جنگ میں قتل ہو گئے تھے۔ صفوان نے کہا:

''خدا کی قسم! ان سرداروں کے قتل ہو جانے کے بعد زندگی کا مزہ ہی ختم ہو گیا''۔

عمیر نے کہا:

''خدا کی قسم تم سچ کہتے ہو' خدا کی قسم اگر میرے اوپر ایک شخص کا قرض نہ ہوتا جس کی ادائیگی کا میرے پاس کوئی انتظام نہیں ہو رہا ہے اور پھر اپنے پیچھے اپنی بیوی کی پریشانی کا خیال نہ ہوتا جو میرے بعد تنگ دستی میں مبتلا ہو سکتے ہیں تو میں محمد کے پاس پہنچ کر ان کو قتل کر دیتا کیونکہ میرے وہاں پہنچنے کی وجہ بھی موجود ہے کہ میرا بیٹا ان کے ہاتھوں میں قید ہے''۔

یہ سنتے ہی صفوان نے عمیر کے قرض وغیرہ کی ذمہ داری لے لی اور کہا:

''تمہارا قرضہ میرے ذمہ رہا میں اس کو ادا کر دوں گا اور تمہارے بیوی بچے میرے بیوی بچوں کے ساتھ رہیں گے اور جب تک وہ زندہ ہیں میں ان کی کفالت اور پرورش کا ذمہ لیتا ہوں''۔

عمیر یہ سنتے ہی جانے پر راضی ہو گیا اور صفوان سے بولا:

تو پھر میرے اور تمہارے درمیان جو یہ معاملہ ہوا ہے اس کو راز میں رکھنا''۔

قتل کی نیت سے عمیر مدینے میں ..... صفوان نے وعدہ کر لیا' اب عمیر نے گھر جا کر اپنی تلوار نکالی اس پر دھار لگائی اور اس کو زہر میں بجھایا اور اس کے بعد مکے سے روانہ ہو کر وہ مدینے پہنچے جب عمیر مسجد نبوی پہنچے تو وہاں حضرت عمر فاروقؓ کچھ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے غزوہ بدر کی باتیں کر رہے تھے' عمیر نے جوں ہی مسجد نبوی کے دروازہ پر اپنی اونٹنی بٹھائی تو حضرت عمرؓ کی ان پر نظر پڑی کہ عمیر ننگی تلوار ہاتھ میں لئے اتر رہے ہیں حضرت عمرؓ نے ان کو دیکھتے ہی کہا:

''یہ کتا خدا کا دشمن عمیر ابن وہب ضرور کسی برے ارادے سے یہاں آیا ہے!''

پھر حضرت عمر فوراً ہی وہاں سے اٹھ کر آنحضرت ﷺ کے پاس آپ کے حجرہ مبارک میں گئے اور عرض کیا۔

''اے پیغمبر خدا! خدا کا یہ دشمن ابن وہب ننگی تلوار لئے ایا ہے!''

آپ نے فرمایا۔

''اسے میرے پاس اندر لے آؤ!''

حضرت عمرؓ سیدھے عمیر کے پاس آئے اور تلوار کا جو پٹکا ان کی گردن میں پڑا ہوا تھا اس کو مضبوطی سے پکڑ کر عمیر کو لے چلے حضرت عمرؓ کے ساتھ اس وقت جو انصاری مسلمان موجود تھے ان سے فاروق اعظمؓ نے کہا۔

''میرے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس اندر چلو اور آپ کے قریب ہی بیٹھو کیونکہ اس خبیث کی طرف سے مجھے اطمینان نہیں ہے''۔

اسکے بعد حضرت عمرؓ انہیں لیکر آنحضرت ﷺ کے پاس اندر آئے' آنحضرت ﷺ نے جب دیکھا کہ حضرت عمرؓ اس حال میں آ رہے ہیں کہ ہاتھ سے عمیر کی تلوار کا وہ پٹکا مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں جو ان کی گردن میں تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

عمیر آنحضرت ﷺ کے روبرو ..... عمر اس کو چھوڑ دو' عمیر قریب آؤ!''

چنانچہ عمیر قریب آئے اور انہوں نے جاہلیت کے آداب کے مطابق انعموا صباحا یعنی صبح بخیر کہا۔ آپ نے فرمایا:

''عمیر! ہمیں اسلام نے تمہارے اس سلام سے بہتر سلام سے سرفراز فرمایا ہے جو جنت والوں کا سلام ہے' تم کس لے

آئے ہو؟'' عمیر نے کہا:

''میں اپنے اس قیدی یعنی اپنے بیٹے کے سلسلے میں بات کرنے آیا ہوں جو آپ لوگوں کے قبضے میں ہے! میری درخواست ہے کہ اس کے سلسلے میں آپ لوگ اچھا اور نیک معاملہ کریں!''

آپ نے فرمایا:

''پھر اس تلوار کا کیا مطلب ہے''

''خدا اس تلوار کا ناس کرے' کیا آپ نے ہمیں کسی قابل چھوڑا ہے!''

آپ نے فرمایا۔

''مجھے سچ سچ بتلاؤ تم کس مقصد سے آئے ہو''۔

عمیر نے کہا کہ میں واقعی اس کے سوا اور کسی ارادے سے نہیں آیا کہ اپنے قیدی کے متعلق آپ ﷺ سے بات کروں) تب آپ ﷺ نے فرمایا۔

معجزہ نبوی دیکھ کر قبول اسلام:...... نہیں بلکہ ایک دن تم اور صفوان ابن امیہ حجر اسود کے پاس بیٹھے تھے اور اپنے ان مقتولوں کی باتیں کر رہے تھے جن کو جنگ بدر میں قتل کر کے گڑھے میں ڈالا گیا ہے' اس وقت تم نے صفوان سے کہا تھا کہ اگر مجھ پر ایک قرض نہ ہوتا اور اپنے بیوی بچوں کی فکر نہ ہوتی تو میں جا کر محمد کو قتل کر دیتا' صفوان نے میرے قتل کی شرط پر تمہارا قرض اتارنے اور بیوی بچوں کی ذمہ داری لے لی' مگر اللہ تعالیٰ تمہارے اور اس ارادے کے درمیان حائل ہے۔

عمیر جو ہکا بکا کھڑے یہ بات سن رہے تھے' فوراً بول اٹھے۔

''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں' یا رسول اللہ آپ کے پاس آسمان سے جو خبریں آیا کرتی ہیں اور آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی ہے ہم اس کو جھٹلایا کرتے تھے' اور جہاں تک اس معاملہ کا تعلق ہے تو اس وقت حجر اسود کے پاس میرے اور صفوان کے سوا کوئی تیسرا شخص موجود نہیں تھا (اور نہ ہی کسی اور کو ہماری اس گفتگو کی خبر ہے' کیونکہ ہم نے راز داری کا عہد کیا تھا) اس لئے خدا کی قسم اللہ تعالیٰ کے سوا آپ ﷺ کو اور کوئی اس کی خبر نہیں دے سکتا' پس حمد و ثنا اس ذات باری کے لئے جس نے اسلام کی طرف ہماری رہنمائی اور ہدایت فرمائی اور مجھے اس راہ پر چلنے کی توفیق بخشی!''

اس کے بعد عمیر نے کلمۂ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو گئے' پھر آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا۔

''اپنے بھائی کو دین کی تعلیم دو اور اس کو قرآن پاک پڑھاؤ اور اس کے قیدی کو رہا کر دو''۔

صحابہ نے فوراً ہی حکم کی تعمیل کی اور ان کے قیدی کو رہا کر دیا اور پھر حضرت عمیر نے آنحضرت سے عرض کیا۔

''یا رسول اللہ! میں ہر وقت اس کوشش میں لگا رہتا تھا کہ اللہ کے اس نور کو بجھا دوں اور جو لوگ اللہ کے دین کو قبول کر چکے تھے ان کو زبردست تکلیفیں پہنچایا کرتا تھا' اب میرے آپ سے درخواست ہے کہ آپ ﷺ مجھے مکے جانے کی اجازت دیں تاکہ وہاں مکے والوں کو اللہ کی طرف بلاؤں اور اسلام کی دعوت دوں ممکن ہے اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت عطا فرمائے' ورنہ پھر میں ان لوگوں کو ان کی بت پرستی کی بناء پر اسی طرح تکلیفیں پہنچاؤں گا جیسے میں اسلام کی وجہ سے آپ ﷺ کے صحابہ کو تکلیفیں پہنچاتا رہا ہوں''۔

آنحضرت ﷺ نے ان کو مکے جانے کی اجازت عطا فرما دی' چنانچہ وہ مکے واپس پہنچ گئے جہاں ان کے بیٹے وہب ابن عمر

بھی مسلمان ہو گئے۔

ادھر عمیر کے مکے سے روانہ ہونے کے بعد صفوان ان لوگوں سے کہا کرتا تھا۔

"میں تمہیں ایک ایسے واقعہ کی خوش خبری سناتا ہوں جو عنقریب رونما ہونے والا ہے اور اس کے نتیجہ میں تم جنگ بدر کے حادثے اور مصیبت کو بھول جاؤں گے!"

ادھر صفوان ہر آنے والے سوار سے عمیر کی کارگزاری کے متعلق پوچھا کرتا تھا' آخر ایک سوار مکے پہنچا اور اس نے صفوان کو بتلایا کہ عمیر اسلام قبول کر چکے ہیں (صفوان اس خبر پر بھونچکا رہ گئے) انہوں نے حلف اٹھایا کہ کبھی اس سے بات نہیں کروں گا اور اپنی ذات سے کبھی ان کو کوئی نفع نہیں پہنچنے دوں گا۔

اس کے بعد جب عمیر مکے پہنچے تو وہ پہلے صفوان کے گھر نہیں گئے بلکہ سیدھے اپنے گھر گئے' وہاں انہوں نے گھر والوں کے سامنے اپنے اسلام کا اعلان کیا اور ان کو مسلمان ہونے کی دعوت دی' جب صفوان کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے کہا:

"میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ کیوں وہ پہلے میرے پاس آنے کے بجائے اپنے گھر گیا ہے' وہ بے دین اور گمراہ ہو گیا ہے میں کبھی اس سے بات نہیں کروں گا' اور نہ اسے یا اس کے گھر والوں کو کبھی میری ذات سے کوئی فائدہ پہنچے گا"۔

اس کے بعد عمیر صفوان کے پاس پہنچے اور اس کو پکار کر کہا۔

"تم ہمارے سرداروں میں سے ایک سردار ہو تمہیں معلوم ہی ہے کہ ہم پتھروں کی پوجا اور ان کے لئے قربانیاں کیا کرتے تھے کیا یہ کوئی دین ہوا' میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

مگر صفوان نے عمیر کی بات کا نہ کوئی جواب دیا اور نہ ان کی طرف متوجہ ہوئے' آگے بیان آئے گا کہ فتح مکہ کے وقت عمیر نے ہی رسول اللہ ﷺ سے صفوان کے لئے امان مانگی تھی"۔

اسی طرح ان قیدیوں میں ابو عزیز ابن عمیر بھی تھا جو حضرت مصعبؓ ابن عمیر کا سگا بھائی تھا' ابو عزیز کہتا ہے کہ میرے پاس سے میرے بھائی مصعب ابن عمیر گزرے اور اس شخص سے کہنے لگے جس نے مجھے گرفتار کر رکھا تھا۔

"اس کو مضبوطی سے تھامے رکھو کیونکہ اس کی ماں بہت دولت مند عورت ہیں ممکن ہے وہ اس کے فدیہ کی رقم تمہیں دے کر اسے رہا کرائے"۔

میں نے بھائی کے منہ سے یہ بات سن کر ان سے کہا۔

"بھائی! کیا میرے ساتھ تمہارا یہی تعلق ہے"۔

غرض اس کے بعد ابو عزیز کی ماں نے بیٹے کی رہائی کے لئے فدیہ کی رقم بھیجی جو چار ہزار درہم تھی۔ چنانچہ اس کے بدلے میں ابو عزیز کو رہا کیا گیا۔

قیدیوں میں آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباس...... اسی طرح ان ہی جنگی قیدیوں میں آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباس بھی تھے لوگوں نے ان کی رسی بہت سخت کر کے باندھی تھی جس کی وجہ سے حضرت عباس مسلسل کراہتے رہے' ان کی اس تکلیف کی وجہ سے آنحضرت ﷺ رات بھر بے چین اور بے خواب رہے' چنانچہ آنحضرت ﷺ سے کسی نے پوچھا:

"یا رسول اللہ! آپ کس لئے رات بھر جاگتے رہے؟"۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ عباس کی کراہتوں کی وجہ سے۔

اسی وقت ایک شخص اٹھا اور اس نے عباس کی رسیاں ڈھیلی کر دیں ساتھ ہی انہوں نے دوسرے تمام قیدیوں کی رسیاں اور بندشیں بھی ڈھیلی کر دیں۔

حضرت عباس کو ابوالیسر کعب ابن عمرو نے گرفتار کیا تھا' یہ ابوالیسر چھوٹے قد کے دبلے پتلے آدمی تھے جب کہ حضرت عباس بہت موٹے اور لمبے قد کے تھے' چنانچہ کسی نے حضرت عباس سے کہا۔

"اگر آپ ابوالیسر کو اپنے ہاتھ سے پکڑتے تو وہ آپ کی ہتھیلی میں ہی سما جاتے!"

یعنی ایک اتنے مختصر اور کمزور آدمی نے آپ جیسے تحیم شحیم آدمی کو کیسے گرفتار کیا' حضرت عباس نے کہا حقیقت یہ ہے کہ جب وہ یعنی ابوالیسر میرے سامنے آیا تو مجھے وہ خندمہ پہاڑ کے برابر نظر آیا' جو مکے کا ایک پہاڑ تھا"۔

ان ابوالیسر نے ہی مشرکوں کا جنگی پرچم چھین کر سرنگوں کیا تھا' یہ جنگی پرچم ابو عزیز ابن عمیر کے ہاتھ میں تھا۔

"یارسول اللہ ان کو گرفتار کرنے میں ایک مبارک فرشتے نے میری مدد کی تھی"۔

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت عباسؓ سے ان کی گرفتاری کے متعلق وہ بات کہی گئی جو پیچھے بیان ہوئی تو انہوں نے یہ جواب دیا۔

"خدا کی قسم اس شخص نے مجھے گرفتار نہیں کیا بلکہ مجھے تو ایک بڑے خوبصورت اور لمبے تڑنگے آدمی نے گرفتار کیا تھا جو ایک سیاہ و سفید گھوڑے پر سوار تھا مگر میں نے پھر اس شخص کو تم لوگوں میں نہیں دیکھا"۔

اس وقت اس شخص نے جس نے ان کو قید کیا تھا یعنی ابوالیسر نے آنحضرت ﷺ سے کہا۔

"یارسول اللہ! خدا کی قسم میں نے ہی ان کو گرفتار کیا ہے!"

آپ نے فرمایا۔

"خاموش رہو' اللہ تعالیٰ نے اس معاملے میں ایک فرشتے کے ذریعہ تمہاری مدد فرمائی ہے!"

تفسیر کشاف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباس کو جب مسلمانوں نے گرفتار کیا تو ان کے لئے کسی کے پاس ان کے ناپ کی قمیض نہیں نکلی کیونکہ حضرت عباس بہت لمبے قد کے تھے' آخر ان کو منافقوں کے سردار عبداللہ ابی بن سلول نے اپنی قمیض پہنائی۔

حضرت عباس کا فدیہ...... آنحضرت ﷺ نے حضرت عباس کا فدیہ چار سو اوقیہ' اور ایک روایت میں سو اوقیہ' اور ایک روایت کے مطابق چالیس اوقیہ سونا متعین فرمایا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت عباس پر ہی ان کے بھتیجے عقیل کا فدیہ بھی عائد کیا جو اسی اوقیہ متعین کیا گیا تھا' اسی طرح ان ہی کو ان کے دوسرے بھتیجے نوفل ابن حرث کے فدیہ کا ذمہ دار بھی ٹھہرایا گیا' ایک روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت عباس سے فرمایا:

"عباس اپنا فدیہ اور اپنے دونوں بھتیجوں عقیل ابن ابوطالب اور نوفل ابن حرث ابن عبدالمطلب کا فدیہ اور اپنے حلیف عتبہ ابن عمرو کا فدیہ ادا کرو"

چنانچہ حضرت عباسؓ نے اپنا فدیہ سو اوقیہ دیکر ادا کیا اور باقی تینوں میں سے ہر ایک کیلئے چالیس اوقیہ سونا فدیہ ادا کیا۔

آگے ایک روایت آئیگی کہ حضرت عباس نے صرف اپنا اور اپنے ایک بھتیجے عقیل کا فدیہ ادا کیا اور آنحضرت ﷺ سے کہا۔

''آپ نے مجھے بالکل کنگال اور فقیر کر دیا ہے اب میرے پاس کچھ بھی نہیں بچا' ایک روایت میں یہ لفظ ہیں' آپ نے مجھے اس طرح فقیر اور تہیدست کر دیا ہے کہ میں لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کے قابل ہو گیا ہوں!'' تب آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا۔

''پھر وہ مال کہاں ہے جو آپ ام فضل یعنی اپنی بیوی کو دے کر آئے ہیں اور ان سے کہہ کر آئے ہیں کہ اگر میں قتل ہو جاؤں تو یہ مال میرے بیٹوں فضل وعبداللہ اور قثم کا ہے''۔

ابن قتیبہ نے یہ روایت یوں نقل کی ہے کہ تو اس میں سے فضل کا اتنا حصہ ہے عبداللہ کا اتنا حصہ ہے اور قثم کا اتنا حصہ ہے''۔

حضرت عباس نے (حیرت زدہ ہو کر یہ سنا اور) کہا۔

''خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں' یہ بت جو آپ نے بتلائی ہے میرے اور ام فضل کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا' ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور آپ اس کے بندے اور رسول ہیں''۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت عباس نے آنحضرت ﷺ سے جب یہ کہا کہ آپ نے تو مجھے قریش میں بالکل ہی کنگال کر دیا ہے تو آپ نے ان سے فرمایا۔

آپ کنگال کیونکر ہو گئے حالانکہ آپ ام فضل کو سونے کی تھیلیاں دے کر آئے ہیں اور یہ کہہ کر آئے ہیں کہ اگر میں قتل ہو گیا تو بھی تمہاری زندگی بھر کے لائق مال چھوڑے جا رہا ہوں' ایک روایت میں آنحضرت ﷺ کے یہ لفظ ہیں کہ وہ مال کہاں ہے جو آپ نے اور ام فضل نے دفن کر رکھا ہے اس پر حضرت عباس نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ جو کہہ رہے ہیں وہ درست ہے اور یہ بات آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہی بتلائی ہے۔

حضرت عباس کا ہر فدیہ پر احتجاج ..... مگر پیچھے حضرت عباس کے غلام ابورافع کا یہ قول گزرا ہے کہ حضرت عباس اور ان کی بیوی ام فضل مسلمان ہو چکے تھے اور یہی نہیں بلکہ ام فضل کو حضرت خدیجہؓ کے بعد سب سے پہلی مسلمان ہونے والی خاتون کہا ہے' نیز یہ کہ وہ دونوں اپنا اسلام چھپایا کرتے تھے اور خود ابورافع کا بھی یہی معاملہ تھا۔

ادھر ایک دوسری روایت سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ گرفتاری کے وقت حضرت عباس مسلمان تھے' اس روایت میں ہے کہ (جب آنحضرت ﷺ نے ان سے فدیہ کا مطالبہ کیا تو) انہوں نے کہا۔

''ہم سے فدیہ کیوں لیا جا رہا ہے جب کہ ہم پہلے ہی مسلمان ہیں' ایک روایت میں یوں ہے کہ جب کہ مسلمان ہوں مگر میری قوم اس کو پسند نہیں کرتی''۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

''آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کو اللہ تعالیٰ ہی جاننے والا ہے' اگر یہ بات سچ ہے تو حق تعالیٰ آپ جو جزا دے گا مگر ظاہری معاملہ تو یہی ہے کہ آپ ہمارے مقابل اور خلاف تھے''۔

تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْ أَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْأَسْرٰى إِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْلَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (الآیہ پ۱۰ سورہ انفال ع۱۰ آیت ۷۰)

ترجمہ: اے پیغمبر آپ کے قبضہ میں جو قیدی ہیں آپ ان سے فرما دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو تمہارے قلب میں ایمان معلوم ہو گا تو جو کچھ تم سے فدیہ میں لیا گیا ہے دنیا میں اس سے بہتر تم کو دے دے گا اور آخرت میں تم کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں۔

اس آیت کے نازل ہونے پر حضرت عباسؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

''تب تو کاش آپ مجھ سے اس کا دوگنا لے لیتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حقیقت میں مجھے اس سے بہتر مال عطا فرمایا ہے کہ سو غلام۔ اور ایک روایت کے مطابق چالیس ایسے غلام عطا فرمائے جو سب کے سب تاجر ہیں' اور میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا بھی امیدوار ہوں''۔

یعنی حق تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ تو پورا فرما دیا کہ اس مال سے بہتر عطا فرمایا اور اس کے دوسرے وعدے کے پورا ہونے کا میں امیدوار ہوں کہ وہ میری مغفرت بھی فرمائے گا' حضرت عباس کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اسی موقعہ پر نازل نہیں ہوئی تھی جب ان سے فدیہ کا مطالبہ کیا گیا تھا بلکہ بعد میں نازل ہوئی۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ جب حضرت عباس جنگ بدر کے لئے روانہ ہوئے تھے تو اپنے ساتھ بیس اوقیہ سونا لے کر چلے تھے تا کہ اس سے مشرکوں کو کھانا کھلائیں اور ان کی ضیافت کریں' وہ سونا جنگ میں ان سے لے لیا گیا تھا' چنانچہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے بات کی کہ اس بیس اوقیہ سونے کو بھی اس کے فدیہ میں شمار کر لیں مگر آپ نے اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا اور فرمایا۔

''جو مال آپ ہمارے مقابلے میں ہمارے خلاف استعمال کرنے کیلئے لے کر چلے تھے اس کو ہم آپ کیلئے نہیں چھوڑیں گے''۔

انصار کا عباس کو قتل کرنے کا ارادہ...... ایک روایت میں ہے کہ حضرت عباس قیدی بنائے گئے تو کچھ انصاری مسلمانوں نے ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا' آنحضرت ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا۔

''میں اپنے چچا عباس کی وجہ سے تمام رات نہیں سو سکا' انصار ان کو قتل کرنا چاہتے ہیں''۔

حضرت عمرؓ انصاریوں کے پاس آئے اور ان سے بولے کہ عباس کو چھوڑ دو' انہوں نے کہا خدا کی قسم ہم ہرگز نہیں چھوڑیں گے' حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر آنحضرت ﷺ اس بات پر راضی ہوں تو۔

انصاریوں نے کہا۔

''اگر رسول اللہ ﷺ اس بات پر راضی ہوں تو آپ ان کو لے جا سکتے ہیں!''

حضرت عمرؓ ان کو لیکر روانہ ہو گئے' جب حضرت عباس حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں آ گئے تو فاروق اعظم نے ان سے فرمایا:

''عباس! تم مسلمان ہو جاؤ۔ خدا کی قسم تمہارا مسلمان ہونا میرے لئے اس سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ خطاب یعنی میرے باپ مسلمان ہو جائیں!''

حضرت علی و حضرت عباس کا مکالمہ...... علامہ واحدی کی کتاب اسباب نزول میں ہے کہ بدر کے دن جب عباس گرفتار ہوئے تو مسلمان ان کو شرم دلانے لگے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور صلہ رحمی یعنی رشتہ داریوں کا خیال نہیں کرتے' حضرت علیؓ نے ان کو سب سے زیادہ کہا سنا' آخر حضرت عباسؓ نے کہا۔

''تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ تم صرف ہماری برائیاں ہی بیان کر رہے ہو' ہماری خوبیوں کا کوئی ذکر نہیں کرتے''۔

حضرت علی نے کہا ''اچھا۔ کیا آپ میں خوبیاں بھی ہیں''۔

حضرت عباس نے کہا۔

''بے شک۔ ہم مسجد حرام کو آباد رکھتے ہیں' کعبہ کو زندہ یعنی پر رونق رکھتے ہیں حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں اور غلاموں کو آزاد کرتے ہیں!''

حضرت علی نے کہا "اچھا۔ کیا آپ میں خوبیاں بھی ہیں"۔

حضرت عباس نے کہا۔

"بے شک۔ ہم مسجد حرام کو آباد رکھتے ہیں کعبہ کو زندہ یعنی پررونق رکھتے ہیں حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں اور غلاموں کو آزاد کرتے ہیں!"

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ (۱۰ توبہ ۱۷۳)

ترجمہ: مشرکین کی یہ لیاقت ہی نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں جس حالت میں کہ وہ خود اپنے اوپر کفر کی باتوں کا اقرار کر رہے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عباس نے مسلمانوں سے کہا۔

"اگر تم لوگ اسلام لانے، ہجرت کرنے اور جہاد کرنے میں ہم سے سبقت لے گئے تو ہم بھی مسجد حرام کو آباد کرنے اور حاجیوں کی خدمت میں لگے ہوئے تھے!"

اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ جٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔ (پ ۱۰ سورہ توبہ ع ۳ آیت ۱۹)

ترجمہ: کیا تم لوگوں نے حجاج کے پانی پلانے کو اور مسجد حرام کو آباد رکھنے کو اس شخص کے برابر قرار دے لیا جو کہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہو اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہو یہ لوگ برابر نہیں اللہ کے نزدیک اور جو لوگ بے انصاف ہیں اللہ تعالیٰ ان کو سمجھ نہیں دیتا۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت عباس قریش کے ایک بڑے سردار تھے اور مسجد حرام کو آباد رکھنے کی ذمہ داری ان ہی کی تھی، حضرت عباس کسی شخص کو حرم میں عاشقانہ شعر پڑھنے اور فحش کلام کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے، چنانچہ قریش نے متفقہ طور پر طے کر کے یہ خدمت انکے سپرد کر دی تھی اور اس سلسلے میں وہ ان کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا کرتے تھے، اسی لئے حضرت عباس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ خدا کی قسم یہ بہت بڑا اعزاز ہے کہ وہ بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور بے تہذیبوں کو تہذیب و سلیقہ سکھاتے ہیں، اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عباس کا کھانا غریبوں کیلئے تھا اور ایک قول کے مطابق ان کا کوڑا بنی ہاشم کے بے تمیزوں کو ادب سکھانے کیلئے تھا اور جب یہ کوڑا بنی ہاشم کے بے تمیزوں کیلئے تھا تو دوسرے خاندانوں کے بے تمیزوں کیلئے یقیناً تھا، بظاہر یہ بات ان شریروں کے مسجد حرام میں ٹھہرنے ہی کیلئے مخصوص نہیں تھی جیسا کہ گزشتہ روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ کا ایک قول پیچھے گزرا ہے جو انہوں نے حضرت عباسؓ سے کہا تھا کہ تم مسلمان ہو جاؤ، جب کہ پیچھے عباس کے غلام ابو رافع کا یہ بیان ہوا ہے کہ عباسؓ مسلمان تھے ادھر خود انہوں نے بھی آنحضرت ﷺ سے اپنے مسلمان ہونے کا اقرار کیا تھا اور کلمہ شہادت پڑھا تھا، مگر ان دونوں میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ حضرت عباسؓ نے سب کے سامنے اپنے اسلام کا اعلان نہیں کیا تھا بلکہ صرف آنحضرت ﷺ کے سامنے اس بات کا اظہار کیا تھا حضرت عمر اور دوسروں کو اس کی خبر نہیں تھی، ادھر آنحضرت ﷺ نے بھی حضرت عباس کی خاطر اس بات کو کسی کے سامنے ظاہر نہیں فرمایا تھا اس کی وجہ جیسا کہ بیان ہوئی

یہ تھی کہ ان کا بہت سارا روپیہ قریشیوں کے ذمہ قرض تھا اور حضرت عباسؓ ڈرتے تھے کہ اگر انہوں نے اپنے مسلمان ہونے کا اظہار کر دیا اور قریش کو اس کا پتہ چل گیا تو وہ لوگ ان کا قرض دبا بیٹھیں گے چنانچہ جب فتح مکہ کے دن قریش نے اسلام کی سر بلندی اور شوکت کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے تو حضرت عباسؓ نے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا تو گویا فتح مکہ سے پہلے حضرت عباسؓ کے مسلمان ہونے کا کسی کو پتہ نہیں تھا۔

اس دوران میں انہوں نے کئی دفعہ آنحضرت ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ ان کو ہجرت کی اجازت دے دیں کہ وہ مکہ چھوڑ کر مدینے پہنچ جائیں مگر ہر مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان کو یہ لکھوا دیا کہ مکے میں آپ کا قیام زیادہ بہتر ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عباسؓ نے آنحضرت ﷺ سے ہجرت کی اجازت طلب کی تو آپ نے ان کو جواب میں لکھا۔

"چچا۔ آپ جہاں ہیں وہیں رہیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ پر ہجرت کو اسی طرح ختم فرمائے گا جس طرح اس نے مجھ پر نبوت کو ختم فرمایا ہے! چنانچہ بعد میں ایسا ہی ہوا۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے چچازاد بھائی نوفل ابن حرث ابن عبدالمطلب سے کہا۔

"نوفل تم اپنا فدیہ خود ادا کرو!"

نوفل نے کہا۔

"میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے کہ میں اپنے فدیہ کی رقم دے سکوں!"

اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"تم اپنا فدیہ اپنے اس مال میں سے۔ اور ایک روایت کے مطابق' اپنے ان ہتھیاروں میں سے کیوں ادا نہیں کرتے جو جدہ میں ہیں"۔

نوفل یہ سنتے ہی پکار اٹھے۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں' خدا کی قسم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو یہ بات معلوم نہیں کہ جدہ میں میرے ہتھیار رکھے ہوئے ہیں"۔

اس نے بعد انہوں نے خود اپنا فدیہ ادا کر دیا حضرت عباسؓ نے ان کے فدیہ کی رقم نہیں دی۔

اسی بات کی تائید بخاری میں حضرت انسؓ کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس بحرین سے خراج کا مال آیا آپ نے فرمایا کہ اس مال کو مسجد میں ڈھیر کر دو' یہ خراج کا سب سے زیادہ مال تھا جو آپ کے پاس لایا گیا' اس کی تعداد ایک لاکھ کی مالیت کی تھی اور یہ سب سے پہلا خراج تھا جو آپ کو پیش کیا گیا اور یہ خراج ہر سال ادا کیا جاتا تھا۔

یہاں ایک شبہ یہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جابرؓ سے وعدہ فرمایا تھا کہ اگر بحرین کا مال آ گیا تو میں اس سے تمہیں بھی دوں گا' مگر پھر اس روایت میں ہے کہ لیکن بحرین کا مال نہیں آیا یہاں تک کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔ مگر یہ شبہ غلط ہے کیونکہ مراد یہ ہے کہ اس سال بحرین کا مال نہیں آیا تھا جس میں آپ ﷺ نے جابرؓ سے وعدہ فرمایا تھا۔

غرض آنحضرت ﷺ کے حکم پر جب بحرین کے خراج کا یہ مال مسجد میں ڈھیر کر دیا گیا تو آپ نماز کے لئے مسجد میں تشریف لائے مگر آپ نے اس مال کی طرف توجہ نہیں دی' نماز پڑھنے کے بعد آپ وہاں آ کر بیٹھے جہاں وہ مال ڈھیر تھا' پھر جو بھی سامنے آتا گیا اس مال میں سے اس کو دیتے گئے یہاں تک کہ حضرت عباسؓ بھی آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے۔

غرض آنحضرت ﷺ کے حکم پر جب بحرین کا خراج کا یہ مال مسجد میں ڈھیر کر دیا گیا تو آپ نماز کے لئے مسجد میں تشریف لائے مگر آپ نے اس مال کی طرف توجہ نہیں دی' نماز پڑھنے کے بعد آپ وہاں آ کر بیٹھے جہاں وہ مال ڈھیر تھا' پھر جو بھی سامنے آتا گیا اس مال میں سے اس کو دیتے گئے یہاں تک کہ حضرت عباسؓ بھی آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے۔

''یارسول اللہ! مجھے بھی کچھ مال عنایت فرما دیجئے کیونکہ میں نے اپنا فدیہ بھی ادا کیا ہے اور بھتیجے عقیل کا فدیہ بھی ادا کیا ہے۔

یہاں حضرت عباسؓ نے اپنے دوسرے بھتیجے نوفل کا بھی ذکر نہیں کیا اور اپنے حلیف عتبہ ابن عمرو کا بھی ذکر نہیں کیا۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ لے لو' حضرت عباسؓ نے فوراً کپڑا پھیلا کر اس میں بہت سارا مال بھر لیا اور اس گٹھڑی کو اٹھا کر چلنے لگے مگر مال زیادہ تھا اس لئے اتنی بھاری گٹھڑی ان سے اٹھ نہ سکی' آخر آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

آپ کسی کو حکم فرما دیجئے کہ مجھے گٹھڑی اٹھوا دے''۔

آپ نے فرمایا نہیں! حضرت عباسؓ نے کہا۔

''پھر آپ ﷺ خود ہی اٹھوا کر میرے سر پر رکھوا دیجئے۔

آپ نے اس سے بھی انکار فرما دیا۔ آخر وہ خود کوشش کرنے لگے مگر جب اٹھاتے تو توازن نہ کر سکنے کی وجہ سے گٹھڑی گر جاتی اور اس میں سے ہر دفعہ کچھ نہ کچھ مال گر کر بکھر جاتا' یہاں تک کہ گرتے گرتے گٹھڑی میں اتنا مال رہ گیا جس کو وہ اٹھا سکتے تھے' چنانچہ حضرت عباس نے اس کو اٹھا کر اپنی پیٹھ پر لاد لیا اور یہ کہتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔

''میں نے اتنا مال لے لیا تھا جتنا اللہ نے مجھے دینے کا وعدہ فرمایا تھا مگر خیر میں اپنی ضرورت پوری کر لوں گا۔

ان کے اس لالچ کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کی نگاہیں حیرانی کیساتھ ان پر اس وقت تک لگی رہیں جب تک وہ نظر آتے رہے۔

ایک احسان فراموش...... چند قیدیوں پر آنحضرت ﷺ نے یہ احسان فرمایا کہ ان کو بغیر فدیہ لئے ہی رہا فرما دیا ان میں سے ایک ابوعزہ عمرو جمحی شاعر تھا جو آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف شعر لکھ لکھ کر آپ ﷺ کو تکلیف پہنچایا کرتا تھا' اس نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔

یارسول اللہ! میں ایک غریب اور عیالدار آدمی ہوں اور آپ ﷺ جانتے ہیں کہ خود بہت ضرورت مند ہوں اس لئے مجھ پر احسان فرمایئے''۔

چنانچہ آپ ﷺ نے اس پر احسان فرمایا اور اسے رہا کر دیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ اس نے آپ ﷺ سے عرض کیا۔

''میری پانچ بیٹیاں ہیں اور ان کے لئے میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے اس لئے ان کی خاطر مجھ پر کرم فرمائیں۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس کی درخواست فرمائی' نیز آپ ﷺ نے اس سے عہد لیا کہ وہ کسی کو آپ ﷺ کے خلاف نہیں اکسائے گا' اور اس کے بعد اسے رہا فرما دیا' مگر جب یہ یہاں سے چھوٹ کر مکے پہنچا تو اس نے لوگوں سے کہا کہ میں نے محمد پر جادو کر دیا تھا' پھر جنگ احد کے موقعہ پر یہ مشرکوں کے لشکر کیساتھ تھا اور ان کو اپنے شعروں کے ذریعہ مسلمانوں کے خلاف جوش دلا رہا تھا' اس وقت یہ پھر گرفتار کر لیا گیا اور قتل کیا گیا' نیز اس کا سر کاٹ کر مدینے لایا گیا تھا جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جنگ بدر کے قیدیوں میں کچھ تو وہ تھے جن کو فدیہ لیکر آزاد کیا گیا اور ان میں کچھ ایسے بھی تھے جن کو بغیر کسی قسم کا فدیہ اور مال لئے رہا کر دیا گیا تھا' ایسے لوگوں میں ابوالعاص ابوعزہ اور وہب ابن عمیر تھے' اسی طرح ان قیدیوں میں کچھ وہ بھی

تھے جو قید کے دوران ہی مر گئے اور کچھ ایسے تھے جو قتل کر دیئے گئے ایسے لوگوں میں ایک تو نضر ابن حرث تھا اور دوسرا عقبہ ابن معیط تھا جیسا کہ بیان ہوا۔

شاہ حبشہ کی فتح بدر پر بے پایاں مسرت...... ادھر جب غزوہ بدر میں رسول اللہ ﷺ کی فتح اور کامیابی کی اطلاع حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو پہنچی تو وہ بے حد خوش ہوا' چنانچہ حضرت جعفر ابن ابو طالب سے روایت ہے کہ ایک دن نجاشی نے ان کو اور حبشہ میں موجود ان کے دوسرے ساتھیوں کو اپنے پاس بلایا' جب یہ نجاشی کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہ مٹی پر بیٹھا ہوا ہے اور پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے ہے' ان لوگوں نے بادشاہ کو اس حالت میں دیکھا تو حیران ہو کر پوچھا۔

''جہاں پناہ یہ کیا ہے''۔

نجاشی نے کہا۔

''میں نے تمہیں ایک ایسی خوشخبری سنانے کے لئے بلایا ہے جسے سن کر تم لوگ بے حد خوش ہو گے' تمہارے علاقے سے میرے پاس ایک جاسوس آیا ہے اور اس نے مجھے بتلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو فتح و نصرت عطا فرمائی ہے اور ان کے دشمنوں میں فلاں فلاں کو ہلاک کر دیا ہے' اس نے بہت سے مشرکوں کے نام بتلائے' یہ جنگ جس میدان میں ہوئی اس کا نام بدر ہے جہاں پیلو کے درخت کثرت سے پائے جاتے ہیں' اور یہ کہ میں وہاں اپنے بنی ضمرہ کے آقا کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔

حضرت جعفرؓ نے کہا۔

''آپ ان پھٹے پرانے کپڑوں میں اور زمین پر کیوں بیٹھے ہوئے ہیں''۔

نجاشی نے کہا۔

''عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے جو کتاب یعنی انجیل نازل فرمائی تھی اس میں ہم یہ تعلیم پاتے ہیں کہ بندوں کے اوپر اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نعمت اور خوش خبری حاصل ہو تو وہ تواضع اور انکساری کے اظہار میں مٹی پر بیٹھ کر اس کو بیان کریں''۔

ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ:

''عیسیٰ علیہ السلام کو جب حق تعالیٰ کی طرف سے کوئی نعمت حاصل ہوتی تو وہ اور زیادہ تواضع اور انکساری کا اظہار کیا کرتے تھے' چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی نبی کو فتح و نصرت کی نعمت سے نوازا تو میں اس طرح اپنی تواضع کا اظہار کر رہا ہوں۔!''

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ

''انجیل میں ہم یہ تعلیم پاتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو کسی نعمت سے نوازے تو بندہ پر واجب ہے کہ وہ اللہ کے لئے تواضع اور انکساری کا اظہار کرے' اب اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک بے حد عظیم نعمت سے نوازا ہے......

شکست کے بعد قریش کی ایک اور سازش

(قال) جب حق تعالیٰ نے بدر کے دن مشرکوں کو ذلیل و خوار کیا اور ان کو زبردست شکست اٹھانا پڑی تو انہوں نے غصہ سے پیچ و تاب کھا کر کہا۔

"ہماری انتقامی کاروائی حبشہ کی سرزمین میں ہے' ہم اب حبشہ کے بادشاہ کے پاس پیغام بھیجیں گے کہ محمد ﷺ کے جو اطاعت گزار اس کے پاس ہیں ان کو ہمارے حوالے کر دے' پھر ہم ان کو اپنے آدمیوں کے بدلے میں قتل کریں گے"۔

نجاشی کے پاس قریشی وفد میں عمرو ابن عاص...... اس کے بعد قریش نے مکے پہنچ کر عمرو ابن عاص اور عبداللہ ابن ابی ربیعہ کو نجاشی کے پاس بھیجا' یہ دونوں بعد میں مسلمان ہو گئے تھے' قریش نے ان دونوں کو یہ درخواست دے کر نجاشی کے پاس بھیجا تھا کہ جو مسلمان اس کے پاس پناہ لئے ہوئے ہیں ان کو ہمارے حوالے کر دے' نجاشی کو خوش کرنے کے لئے انہوں نے اس کے واسطے ہدیہ اور تحفے بھی بھیجے تھے۔

نجاشی کے پاس آنحضرت ﷺ کا سفیر...... ادھر رسول اللہ ﷺ کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت عمرو ابن امیہ ضمری کو نجاشی کے نام ایک خط دے کر بھیجا جس میں بادشاہ کو مسلمانوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔

کتاب اصل میں بھی یہ روایت اسی طرح ہے مگر اس میں ایک اشکال یہ ہے کہ حضرت عمرو ابن امیہ ضمری اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے کیونکہ اصل یعنی کتاب عیوان الاثر میں ہی ہے کہ عمرو ابن امیہ ضمری جنگ بدر اور جنگ احد میں مشرکوں کے ساتھ شریک ہوئے تھے' مسلمانوں کے ساتھ وہ جس پہلے غزوہ میں شریک ہوئے وہ غزوہ بیر معونہ ہے' اس غزوہ میں وہ گرفتار ہو گئے تھے اور ان کی پیشانی زخمی ہو گئی تھی' پھر بعد میں وہ رہا کر دیئے گئے تھے' یہ واقعہ ۴ھ کا ہے جیسا کہ آگے تفصیل آئے گی۔

(قال) غرض جب عمرو ابن عاص اور عبداللہ ابن ابی ربیعہ مشرکوں کے قاصد کی حیثیت سے نجاشی بادشاہ کے پاس پہنچے تو بادشاہ نے ان کو مایوس کر کے لوٹا دیا' چنانچہ حضرت عمرو ابن عاص اس واقعہ کو خود بیان کرتے ہیں کہ جب میں نجاشی بادشاہ کے دربار میں پہنچا تو میں نے اس کو سجدہ کیا' اس نے میرا استقبال کرتے ہوئے کہا۔

"خوش آمدید میرے دوست! کیا تم اپنے وطن سے میرے لئے کوئی تحفہ لائے ہو"۔

میں نے کہا۔

"جی ہاں! جہاں پناہ! میں اپنے وطن سے بہت سے عمدہ اون آپ کے لئے ہدیہ کے طور پر لایا ہوں!"

اس کے بعد میں نے وہ اون بادشاہ کی نذر کی' بادشاہ نے میرے ہدیہ کو بے حد پسند کیا' اس نے ان تحفوں میں سے کچھ چیزیں اپنے امیروں اور مقرب لوگوں کو تقسیم کیں اور باقی سامان کو محل میں بھجوا دیا اور حکم دیا کہ اس کی فہرست بنا کر اس کو محفوظ کر دیا جائے' عمرو ابن عاص کہتے ہیں کہ جب میں نے بادشاہ کو ان ہدیوں پر اس قدر خوش اور مسرور دیکھا جو ہم لائے تھے تو میں نے ان کے سامنے زبان کھولی اور کہا۔

"اے بادشاہ! میں نے ابھی ایک شخص کو آپ کے پاس سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا! یعنی عمرو ابن امیہ ضمری کو۔ وہ ہمارے اس دشمن کا ایلچی ہے جس نے ہمیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا' ہمارے سرداروں اور بہترین آدمیوں کو قتل کر دیا ہے' آپ اس ایلچی کو میرے حوالے کر دیجئے تاکہ میں اسے قتل کر دوں!"

عمرو ابن عاص پر نجاشی کا غصہ...... یہ سنتے ہی نجاشی بادشاہ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور اس نے اچانک ہاتھ اٹھا کر اس زور سے میری ناک پر گھونسہ مارا کہ مجھے خیال ہوا میری ناک ٹوٹ گئی ہے' میری ناک سے خون بہہ کر میرے کپڑوں کو رنگین کرنے لگا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ نجاشی نے ہاتھ بلند کر کے غصے میں خود اپنی ناک پر اس زور سے مارا کہ مجھے خیال ہوا اس کی ناک ٹوٹ گئی' بہر حال ممکن ہے نجاشی سے یہ دونوں ہی فعل سرزد ہوئے ہوں جیسا کہ اس کی تشریح کی جاتی ہے۔

غرض حضرت عمرو کہتے ہیں کہ اس وقت مجھے اس قدر خوف اور ذلت محسوس ہوئی کہ دل چاہتا تھا زمین پھٹ جائے اور میں اس میں سما جاؤں' میں نجاشی کے غصہ سے بے حد خوفزدہ تھا' آخر میں نے کہا۔

"جہاں پناہ! کاش میں جانتا کہ میں آپ سے جو درخواست کر رہا ہوں وہ آپ کو اس قدر گراں گزرے گی"۔

نجاشی نے کہا۔

"اے عمرو! تم یہ چاہتے ہو کہ میں اس شخص کے ایلچی کو تمہارے حوالے کر دوں جس کے پاس وہی ناموس اکبر یعنی جبرئیل علیہ السلام آتا ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتا تھا اور پھر عیسیٰ ابن مریم کے پاس آتا تھا' اور پھر تم اس ایلچی کو قتل کر دو!"

میں نے کہا۔

جہاں پناہ! کیا آپ بھی یہ گواہی دیتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں"۔

نجاشی نے کہا۔

"ہاں۔ عمرو! میں اللہ تعالیٰ کے حضور اس بات کی گواہی دیتا ہوں' تم بھی میری بات مانو اور اس کی اطاعت قبول کر لو' خدا کی قسم وہ حق اور سچائی پر ہیں!"

عمرو آغوش اسلام میں...... میں نے کہا۔

"کیا پھر آپ ان کی طرف سے اسلام پر میری بیعت لے سکتے ہیں"۔

نجاشی نے کہا۔ ہاں' اور فوراً ہی بیعت لینے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا' میں نے اسی وقت اس کے ہاتھ پر اسلام کیلئے بیعت کر لی' اس کے بعد میں وہاں سے اٹھ کر اپنے ساتھیوں کے پاس آیا' بادشاہ نے مجھے ایک بیش قیمت خلعت پہنایا تھا میں وہی پہنے ہوئے آیا' میرے ساتھیوں نے جب شاہی خلعت دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے۔

"کیا بادشاہ نے تمہاری بات پوری کر دی' یعنی عمرو ابن امیہ ضمری کے قتل کو منظور کر لیا"۔

میں نے کہا۔

"نہیں۔ میں نے اس بات کو پسند نہیں کیا کہ پہلی ہی ملاقات میں بادشاہ سے اپنا مقصد بیان کر دوں! پھر میں نے کہا۔

"میں ان کے پاس پھر جاؤں گا!"

میرے ساتھیوں نے کہا تمہاری رائے بالکل ٹھیک ہے' اس کے بعد میں ان لوگوں کے پاس سے اٹھ گیا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ عمرو ابن عاص اور عبداللہ ابن ابی ربیعہ کے ساتھ قریش کے کچھ اور لوگ بھی تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ عمرو ابن عاص نے جہاں اپنے ساتھیوں کا لفظ بولا ہے تو اس سے ان کی مراد اپنے ساتھی عبداللہ ابن ربیعہ ہوں مگر پہلی بات کی تائید آگے آنے والی روایت سے بھی ہوتی ہے اس لئے یہ دوسرا پہلو قابل غور ہے۔

عمرو ابن عاص کا عزم مدینہ...... غرض عمرو ابن عاص کہتے ہیں کہ میں ان کے پاس سے اس طرح اٹھا گویا مجھے کسی کام سے جانا ہے' پھر میں سیدھا بندرگاہ پر پہنچا جہاں میں نے ایک جہاز دیکھا جس پر مال اور مسافر بار کئے جاچکے تھے' میں بھی اسی جہاز میں ان کے ساتھ بیٹھ گیا' جہاز فوراً ہی روانہ ہو گیا یہاں تک کہ ہم شعبیہ کے ساحل پر پہنچ گئے' یہ جدہ کی مشہور بندرگاہ تھی جہاں اس علاقہ کیلئے جہاز آکر لگتے تھے' یعنی جدہ آباد ہونے سے بھی پہلے اسی مقام پر جہاز لنگرانداز ہوا کرتے تھے جیسا کہ بیان ہوا۔

میں نے جہاز سے اتر کر ایک اونٹ خریدا اور مدینے کی طرف روانہ ہو گیا' یہاں تک کہ میں ھدات کے مقام پر پہنچا (جو راستے کی ایک منزل تھی) وہاں میں نے دو آدمیوں کو دیکھا' یہ دونوں خالد ابن ولید اور عثمان ابن ابی طلحہ تھے' انہوں نے مجھے دیکھ کر خوش آمدید کہا' پھر گفتگو کے دوران معلوم ہوا کہ وہ دونوں بھی اسی مقصد سے مدینے جارہے ہیں جس مقصد سے میں جارہا تھا۔ چنانچہ ہم تینوں ساتھ ہی مدینے کی طرف روانہ ہوئے۔

گزشتہ سطروں میں وہ شبہ بیان ہو چکا ہے جو غزوہ بدر کے فوراً بعد عمرو ابن امیہ ضمری کو مسلمانوں کی طرف سے نجاشی بادشاہ کے پاس بھیجنے کی روایت سے ظاہر کیا گیا ہے کہ اس وقت تک عمرو ابن امیہ ضمری مسلمان نہیں ہوئے تھے' بلکہ کافر تھے کیونکہ غزوہ احد میں وہ مشرکوں کی طرف سے شریک ہوئے تھے چنانچہ اصل یعنی کتاب عیون الاثر میں اس جگہ یہ کہا گیا ہے کہ جب ربیع الاول اور ایک قول کے مطابق محرم ۷ھ اور ایک قول کے مطابق ۶ھ کا مہینہ آیا جو عبدالبر نے واقدی سے نقل کیا ہے' تو آنحضرت ﷺ نے نجاشی بادشاہ کو ایک فرمان بھیجا جس میں اس کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی' آپ کا یہ خط حضرت عمرو ابن امیہ ضمری لے کر گئے تھے' نجاشی نے یہ فرمان نبوت پڑھا اور فوراً مسلمان ہو گیا آنحضرت ﷺ نے نجاشی کو یہ بھی لکھا تھا کہ حضرت ام حبیبہ سے آپ کا نکاح کردے چنانچہ نجاشی نے اس حکم کی تعمیل کی' آپ ﷺ نے نجاشی کو یہ بھی لکھا تھا کہ مسلمانوں میں سے جو لوگ ابھی تک حبشہ میں موجود ہیں ان کو مدینے بھیج دے' بادشاہ نے اس حکم کی بھی فوراً ہی تعمیل کی۔

ادھر جہاں حبشہ کی طرف مسلمانوں کی ہجرت کا بیان گزرا ہے وہیں اس پر بھی گفتگو ہوئی ہے کہ حضرت عمرو ابن امیہ ضمری آنحضرت ﷺ کے دو خط نجاشی بادشاہ کے پاس لے کر گئے تھے جن میں سے ایک میں تو آپ نے نجاشی کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی اور دوسرے خط میں ام حبیبہ کے ساتھ اپنے نکاح کے لئے لکھا تھا' ایک قول یہ ہے کہ عمرو ابن امیہ کو ربیع الاول ۶ھ میں بھیجا گیا تھا' آگے جہاں آنحضرت ﷺ کے ان خطوں اور فرمانوں کا ذکر آئیگا جو آپ نے مختلف بادشاہوں کے نام بھیجے تھے وہیں آنحضرت ﷺ کے ان دونوں خطوں کا بیان بھی ہوگا جو آپ ﷺ نے حضرت عمرو ابن امیہ ضمری کے ہاتھ نجاشی بادشاہ حبشہ کے پاس بھیجے تھے' یہ سب کتاب عیون الاثر کا کلام ہے اور اس میں جو اشکال ہوتا ہے وہ قابل غور ہے۔

نجاشی کا اسلام...... پھر میں نے اس سلسلے میں کتاب نور کا مطالعہ کیا جس میں ہے کہ ایک سے زائد حضرات نے یہ بات لکھی ہے کہ نجاشی بادشاہ ۷ھ میں مسلمان ہوا مگر اس سے اس روایت پر اشکال پیدا ہوتا ہے جس کے مطابق غزوہ بدر کے فوراً بعد جب قریش نے عمرو ابن عاص اور عبداللہ ابن ربیعہ کو نجاشی کے پاس بھیجا تو نجاشی نے عمرو ابن عاص کے سامنے آنحضرت ﷺ کی نبوت کی شہادت دی اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ اللہ کے رسول ہیں' یہاں تک کتاب نور

کا حوالہ ہے' لہٰذا یہاں شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب نجاشی پہلے ہی مسلمان ہو چکا تھا تو ۷ھ میں اس کو رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی دعوت کیسے دی؟۔

اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ مراد ہے اس کو اپنے اسلام کا اعلان کرنے کی دعوت دی گئی یعنی آپ ﷺ نے عمرو ابن امیہ ضمری کو یہ پیغام دے کر بھیجا تھا کہ اب نجاشی اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھنے کے بجائے اس کا اعلان کر دے اور اپنی قوم کو اس سے آگاہ کر دے کیونکہ اس وقت تک نجاشی اپنی قوم سے اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھا۔

پھر جب نجاشی قوم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ ان کا بادشاہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہنے کے بجائے اللہ کا بندہ ماننے لگا ہے اور اس بارے میں حضرت جعفر ابن ابو طالب کا ہمنوا ہو گیا ہے تو قوم کے لوگ اس سے سخت ناراض ہوئے کہ تم نے تو ہمارا دین چھوڑ دیا' اور اس کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے' نجاشی نے فوراً حضرت جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں کو بلوایا' ان کے لئے کشتیوں کا انتظام کر کے ان سے بولا۔

"تم لوگ جہازوں میں سوار ہو جاؤ' اور یہیں رہو' اگر قوم کی دشمنی کی وجہ سے مجھے بھاگنا پڑا تو تم لوگ جہاں چاہے بھاگ جانا اور اگر میں ان کی مخالفت کو ختم کرنے میں کامیاب ہو گیا تو تم یہیں ٹھہرنا"۔

پھر اس نے ایک تحریر لکھی جس میں لکھا کہ یہ شہادت دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور شہادت دیتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور رسول اور اس کی وہ روح اور کلمہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مریم میں ڈالی تھی۔

نجاشی قوم کی عدالت میں...... نجاشی نے یہ تحریر اپنے کپڑوں کے نیچے دائیں شانے کے پاس رکھ لی اور اس کے بعد حبشی قوم کے سامنے پہنچا وہ لوگ صفیں باندھے بادشاہ کے انتظار میں کھڑے تھے نجاشی نے ان کے سامنے پہنچ کر کہا۔

"اے گروہ حبشہ! کیا میں تم میں سب سے زیادہ نرم دل آدمی نہیں ہوں"۔

انہوں نے کہا۔ "بے شک!" پھر نجاشی نے کہا۔

"اور میرے طور طریقوں اور سیرت کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے"۔

انہوں نے کہا ہم آپ کو ایک نیک سیرت آدمی کی حیثیت سے جانتے ہیں' نجاشی نے کہا پھر تمہیں کیا ہوا کہ یہاں چڑھ کر آئے ہو' انہوں نے کہا۔

آپ نے ہمارا دین چھوڑ دیا ہے اور یہ کہنے لگے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے ہیں!"

نجاشی نے کہا۔

"تم خود عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہو"۔

قوم کی رضامندی...... انہوں نے کہا ہم انہیں اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔

نجاشی نے اپنا ہاتھ اپنے سینے پر قباء کے اوپر رکھتے ہوئے کہا۔

مگر یہ تو شہادت دیتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مریم کے بیٹے ہیں"۔

نجاشی اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا' اس کا مقصد اس تحریر کی طرف اشارہ کرنا تھا' غرض اس کے بعد قوم کے لوگ نجاشی سے راضی ہو گئے۔

نجاشی کا بیٹا......ایک روایت میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے مکے میں ایک تاجر کے پاس نجاشی کے بیٹے کو غلام کی حیثیت سے دیکھا جسے وہ بیچ رہا تھا' حضرت علیؓ نے اس کو خرید ااور نجاشی کے ان احسانات کے بدلے میں اس کو آزاد کر دیا جو اس نیک دل بادشاہ نے مسلمانوں کے ساتھ کئے تھے نجاشی کے اس بیٹے کا نام نیزر تھا اور اس کو نیزر غلام علی کہا جاتا تھا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب حبشیوں کو نیزر کے متعلق خبر پہنچی تو انہوں نے اپنا وفد اس کے پاس بھیجا کہ وہ آجائے تا کہ وہ اس کو اپنا بادشاہ بنالیں اور اس کی تاج پوشی کر دیں' اس کے متعلق کسی کو اختلاف نہیں تھا مگر نیزر نے انکار کر دیا اور کہا۔

"اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اسلام کی نعمت سے نواز دیا ہے تو مجھے ملک وسلطنت کی کوئی تمنا نہیں ہے"۔

مگر علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ عمرو ابن عاص قریش کی طرف سے غزوہ بدر کے بعد نجاشی کے پاس نہیں گئے تھے بلکہ یہ واقعہ غزوہ احزاب کے بعد کا ہے جب کہ وہ قریش کے ساتھ اس غزوہ کے بعد واپس ہوئے تھے چنانچہ حضرت عمرو ابن عاص خود روایت کرتے ہیں کہ جب ہم غزوہ خندق کے بعد احزاب یعنی مختلف جتھوں کے ساتھ ہوئے تو قریش کے ان لوگوں کو ایک دن میں نے جمع کیا جو میرے مرتبہ کی وجہ سے میری بات مانتے تھے چنانچہ میں نے ان سے کہا۔

"آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ محمد ﷺ کا معاملہ میرے خیال میں نا قابل برداشت بڑھتا چلا جارہا ہے' اب اس سلسلے میں میری ایک رائے ہے اس کے بارے میں آپ کا مشورہ لینا ہے!"

لوگوں نے کہا آپ کی کیا رائے ہے تو عمرو ابن عاص نے کہا۔

"میری رائے ہے کہ ہم لوگ نجاشی بادشاہ سے سمجھوتہ کر کے اسی کے پاس رہنا شروع کر دیں' اب اگر محمد ﷺ ہم لوگوں یعنی قریش پر غالب آگئے تو (ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہو گا کیونکہ) ہم نجاشی کے پاس اس کی پناہ میں ہوں گے اس لئے کہ ہمارے نزدیک نجاشی کے ماتحت رہ کر زندگی گزار دینا اس سے بہتر ہے کہ ہم محمد ﷺ کے ماتحت ہوں اور اگر آخر کار ہماری قوم محمد ﷺ پر غالب آگئی تو ہم بہر حال اپنی قوم کے ممتاز لوگ ہیں اور ہماری قوم کے لوگ ہمارے ساتھ اچھا ہی معاملہ کریں گے"۔

لوگوں نے کہا۔

"واقعی یہ رائے بہت مناسب اور عمدہ ہے!"

پھر میں نے ان لوگوں سے کہا۔

"بس تو پھر نجاشی کو پیش کرنے کے لئے ہدیئے جمع کرو!"

خود میرے نزدیک اس کو تحفہ میں دینے کیلئے ہمارے ملک کی بہترین چیز اون تھا' چنانچہ ہم نے بادشاہ کے لئے بہت زیادہ اون جمع کیا اور پھر حبشہ کی طرف روانہ ہو گئے' ابھی ہم حبشہ میں پہنچے ہی تھے کہ وہاں عمرو ابن امیہ ضمری پہنچ گئے جو مسلمان تھے اور بادشاہ کے پاس مدینے سے رسول اللہ ﷺ کے قاصد کی حیثیت سے آئے تھے اور آپ نے ان کو حضرت جعفر ابن ابو طالب اور ان کے ساتھی مسلمانوں کے سلسلے میں بھیجا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔

عمرو ابن امیہ ضمری...... مگر اس روایت سے یہ لازم نہیں آتا کہ عمرو ابن عاص عبداللہ ابن ربیعہ کے ساتھ غزوہ بدر میں بعد نجاشی کے پاس نہیں گئے تھے' بس اتنا ہے کہ اس صورت میں حضرت عمرو کا نجاشی کے پاس تین مرتبہ جانا ثابت ہو جاتا ہے' ایک مرتبہ عمارہ کے ساتھ اس وقت جب کہ کچھ مسلمانوں نے مکے سے حبشہ کو ہجرت کی تھی' دوسری مرتبہ عبداللہ ابن ابی ربیعہ کے ساتھ غزوہ بدر کے بعد اور تیسری مرتبہ غزوہ احزاب کے بعد اس موقع پر جس کی تفصیل گزشتہ سطروں میں بیان

ہوئی' اسی سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ عمرو ابن امیہ ضمری کا حبشہ پہنچنا اور عمرو ابن عاص کا نجاشی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنا اسی تیسری مرتبہ کا واقعہ ہے' اب عمرو ابن امیہ ضمری کے حبشہ پہنچنے پر کوئی اشکال نہیں رہتا کیونکہ اس وقت عمرو ابن امیہ یقیناً مسلمان ہو چکے تھے۔

لہٰذا یوں کہنا چاہئے کہ عمرو ابن امیہ ضمری اس وقت حبشہ گئے تھے جب کہ حضرت عمرو ابن عاص تیسری مرتبہ یعنی غزوہ احزاب کے بعد حبشہ گئے تھے' عمرو ابن عاص کے دوسرے سفر یعنی غزوہ بدر کے بعد حبشہ جانے کی روایت میں عمرو ابن امیہ کا حبشہ پہنچنا جن روایتوں میں بیان کیا گیا ہے وہ مغالطہ ہے جو بعض روایوں کو اس سلسلے میں ہوا' اسی طرح اس دوسرے سفر میں حضرت عمرو ابن عاص کا نجاشی کے ہاتھ پر مسلمان ہونا بھی راوی کی غلط فہمی اور مغالطہ کی وجہ سے ہے کہ اس نے ایک روایت کی بات دوسری میں بیان کر دی۔

پھر میں نے اس بارے میں کتاب امتاع کا مطالعہ کیا جس میں ہے کہ حبشہ کو مسلمانوں کی ہجرت اور نجاشی کے مسلمان ہونے کا واقعہ مختلف سندوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جن میں کچھ سندیں مختصر ہیں اور کچھ طول طویل ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے ایک سفیر...... آنحضرت ﷺ اپنے مختلف اہم معاملات میں حضرت عمرو ابن امیہ ضمری کو اپنا قاصد اور نمائندہ بنا کر بھیجا کرتے تھے کیونکہ وہ بے حد ذی رائے اور سمجھ دار لوگوں میں سے تھے' یہ بات ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ انہیں ان کے مسلمان ہونے کے بعد ہی بھیجتے رہے ہوں گے اور ان کے اسلام کے بارے میں یہ بات معلوم ہے کہ وہ ۴ھ میں مسلمان ہوئے ہیں۔

حضرت عمروؓ ابن عاص...... حضرت عمرو ابن عاص سے بھی پہلے انکے بیٹے حضرت عبداللہ مسلمان ہو چکے تھے' ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں باپ بیٹے اور ان کی والدہ یعنی حضرت عمرو ابن عاص کی بیوی کے متعلق فرمایا۔

"کیسا اچھا گھرانہ ہے وہ جس میں عبداللہ' ابو عبداللہ اور ام عبداللہ ہیں!"

آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ کو ان کے باپ حضرت عمرو ابن عاص سے زیادہ افضل فرمایا ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بڑے عابد و زاہد صحابہ میں سے تھے جن کا علم و فضل بہت زیادہ تھا اور انہوں نے بے شمار حدیثیں روایت کی ہیں۔

ابن مرزوق نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ ابن عمرو حضرت عبداللہ میدان بدر سے گزرے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص کو سخت عذاب دیا جا رہا ہے جس سے وہ بلبلا رہا ہے' جیسے ہی ان نے ان کو دیکھا وہ ایک دم پکار اٹھا اے عبداللہ! حضرت عبداللہ فوراً اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس شخص نے کہا۔

"مجھے پانی پلا دو!"

حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے اسے پانی دینے کا ارادہ کیا تو اچانک اس سیاہ مخلوق نے جو اس شخص کو عذاب دینے پر مامور تھی مجھے روکتے ہوئے کہا۔

"عبداللہ۔ اسے پانی مت پلانا کیونکہ یہ ان مشرکوں میں سے ہے جن کو رسول اللہ ﷺ نے قتل فرمایا ہے!"

دشمن خدا ابو جہل کا عذاب...... اس روایت کو طبرانی نے اوسط میں بیان کیا ہے کہ پھر علامہ سیوطیؒ نے خصائص میں اس کے بعد یہ اضافہ بھی بیان کیا ہے کہ پھر میں یعنی حضرت عبداللہ کہتے ہیں' آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور اس کو اس واقعہ کی خبر دی' آپ ﷺ نے فرمایا:

"کیا تم نے اس کو دیکھا تھا؟"۔

میں نے کہا ہاں! تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

"وہ خدا کا دشمن ابو جہل تھا اور وہ اس کا عذاب تھا جو قیامت تک اسی طرح جاری رہے گا!"

ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے شعبی سے ایک روایت پیش کی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔

"میں میدان بدر سے گزر رہا تھا کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا جو زمین سے نکلتا ہے اور ایک دوسرا شخص اس کو لوہے کی ایک سلاخ سے مارتا ہے' ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ لوہے کی ایک لاٹ سے اس کو مارتا ہے یہاں تک کہ وہ نکلنے والا شخص پھر واپس زمین کے اندر غائب ہو جاتا ہے' اس کے بعد پھر وہ نکلتا ہے اور اس کے ساتھ پھر یہی معاملہ ہوتا ہے!"

آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ ابو جہل ہے جس کو قیامت تک اسی طرح عذاب دیا جاتا رہے گا۔

غازیان بدر کے فضائل...... اصحاب بدر کی فضیلت میں جو احادیث ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

آپ لوگ اصحاب بدر کو اپنے میں کس درجہ کا شمار کرتے ہیں؟"۔

آپ نے فرمایا کہ افضل ترین مسلمانوں میں شمار کرتے ہیں' یا اسی قسم کا کوئی اور کلمہ فرمایا۔

حضرت جبرئیل ؑ نے فرمایا۔

"ایسا ہی ان فرشتوں کو بھی شمار کیا جاتا ہے جو غزوہ بدر میں شریک ہوئے ہیں!"

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

"ان فرشتوں کو جو غزوہ بدر میں شریک ہوئے ہیں آسمان میں دوسرے فرشتوں پر زبردست فضیلت حاصل ہے"۔

ایک صحابی آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور انہوں نے اپنے اس بھائی کے متعلق شکایت کی جو غزوہ بدر میں شریک ہوا تھا۔

"یارسول اللہ! میرا چچازاد بھائی منافق ہو گیا ہے' کیا آپ مجھے اجازت دیں گے کہ میں اس کی گردن مار دوں"۔

آپ نے فرمایا۔

"وہ غزوہ بدر میں شریک ہوا ہے اس لئے بہت ممکن ہے کہ یہ فضیلت اس کی غلطی کا کفارہ بن جائے!"

غازیان بدر پر اللہ کی نظر کرم...... ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔

"تمہیں کیا معلوم۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے اصحاب بدر پر نظر کرم فرمائی ہے اور یہ فرما دیا ہے کہ جو چاہے کرو میں تمہیں بخش چکا ہوں!"

(قال) طبرانی میں بھی ایک عمدہ سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ ؓ کی ایسی ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب بدر پر اپنا خاص فضل و کرم فرمایا ہے اور ان سے کہہ دیا ہے کہ جو چاہو کرو میں تمہارے گناہ معاف کر چکا ہوں' یا یہ فرما دیا ہے کہ تمہارے لئے جنت واجب ہو چکی ہے' یعنی تمہارے گزشتہ گناہ بھی معاف کئے جا چکے ہیں اور وہ بھی جو آئندہ تم سے سرزد ہو سکتے ہیں۔

غازیان بدر کے گناہوں کی بخشش...... اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے جو آئندہ کبیرہ گناہ سرزد ہو سکتے ہیں ان کیلئے انہیں توبہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جیسے ہی ان سے کوئی کبیرہ گناہ سرزد ہو گا ساتھ ہی اس کی بخشش اور معافی بھی

ہو جائیگی'گزشتہ گناہوں کے سلسلہ میں اس روایت میں مبالغہ ظاہر کرنے کیلئے کہا گیا ہے' نیز یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ یہ معافی اور بخشش کا اعلان آخرت کے اعتبار سے ہے دنیا کے احکام کے اعتبار سے نہیں ہے' (یعنی ان میں سے اگر کوئی کسی گناہ کا مرتکب ہوگا تو دنیا میں شریعت کے قانون کے مطابق اس کو سزا دی جائیگی) چنانچہ حضرت عمر فاروق کی خلافت کے زمانہ میں حضرت قدامہ ابن مظعون نے جو اصحاب بدر میں سے ہیں ایک دفعہ شراب پی لی تو حضرت عمرؓ نے ان پر حد یعنی شرعی سزا جاری کی حالانکہ وہ بدری تھے۔

اس بخشش کے اعلان کی تشریح یہ بھی کی جاتی ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں توبہ کرنا ضروری ہے اور واجب ہے لیکن اگر توبہ نہیں کی تو آخرت میں اس پر کوئی پکڑ اور گرفت نہیں کی جائے گی' جہاں تک توبہ کرنے کا تعلق ہے تو یہ اس لئے ضروری ہے کہ توبہ دنیا کے احکام میں سے ہے آخرت کے نہیں۔

یہاں یہ شبہ پیدا کیا جاسکتا ہے کہ جب یہ بات تسلیم کرلی گئی کہ جیسے ہی گناہ سرزد ہوگا ساتھ ہی اس گناہ سے معافی بھی ہو جائے گی تو پھر توبہ کے واجب ہونے کے کوئی معنی نہیں رہتے' اب جہاں تک حضرت عمرؓ کی طرف سے سزا دیئے جانے کا معاملہ ہے جو انہوں نے حضرت قدامہؓ کو دی تو وہ شراب پینے پر تنبیہ کے طور پر تھی (گناہ کے کفارہ کے لئے نہیں تھی)۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا میں توبہ کا واجب ہونا یقیناً معنی رکھتا ہے چاہے وہ گناہ سرزد ہوتے ہی معاف ہو گیا ہو' کیونکہ معافی سے مراد یہ ہے کہ آخرت میں اس گناہ پر اس بدری شخص کی پکڑ نہیں ہوگی اور یہ بات دنیا میں توبہ کے واجب ہونے کے خلاف نہیں ہے کیونکہ دنیا میں توبہ کا واجب ہونا اور آخرت میں گناہ کا معاف ہونا ایک دوسرے کے لئے لازم نہیں ہیں۔

ادھر خصائص صغریٰ میں شرح جمع الجوامع سے یہ بات نقل کی گئی ہے کہ وہ گناہ جس کے کرنے سے ایک عام آدمی فاسق ہو جاتا ہے وہ گناہ اگر صحابہ سے سرزد ہو جائے تو ان کو فاسق نہیں کرتا۔

غازی بدر قدامہ کا واقعہ ...... یہ حضرت قدامہؓ اور حضرت عمر فاروقؓ ایک دوسرے کے سالے بہنوئی تھے یعنی حضرت قدامہ کی بہن حضرت عمرؓ کے گھر میں تھیں اور حضرت قدامہ کی بیوی حضرت فاروق اعظم کی بہن تھیں' حضرت فاروق اعظم کی یہی بیوی ام حفصہ تھیں یعنی حضرت حفصہؓ کی والدہ تھیں جو آنحضرت ﷺ کی زوجہ مطہرہ تھیں' اس طرح یہ حضرت قدامہ حضرت حفصہ اور ان کے بھائی حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے ماموں تھے اور حضرت عمرؓ کیطرف سے ایک علاقہ یعنی بحرین کے گورنر تھے۔

جب حضرت قدامہ بحرین کے گورنر تھے تو وہاں سے جارود سعد ابن عبدالقیس حضرت عمرؓ کے پاس مدینے آئے انہوں نے حضرت عمر سے آکر شکایت کی کہ قدامہ نے شراب پی تھی اور نشہ میں مدہوش تھے' جارود نے یہ اطلاع دیکر امیر المومنین سے عرض کیا۔

"میں سمجھتا ہوں حق تعالیٰ نے اس بارے میں جو سزا مقرر فرمائی ہے مجھ پر حق ہے کہ اس کیلئے آپ کو متوجہ کروں!"

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمہارے علاوہ اس بات کا گواہ اور کون ہے؟ انہوں نے کہا ابو ہریرہؓ اس کے شاہد ہیں' چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ نے اس بات کی شہادت دی کہ میں نے قدامہ کو نشہ کی حالت میں دیکھا تھا' حضرت ابو ہریرہ نے کہا۔

"میں نے ان کو پیتے ہوئے تو نہیں دیکھا مگر نشہ کی حالت میں اور قے کرتے ہوئے دیکھا ہے!"

اسکے بعد قدامہ کو بلایا گیا تو جارود نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ ان پر حد یعنی شرعی سزا جاری کیجئے حضرت عمرؓ نے جارود سے کہا۔

"تم مدعی اور فریق ہو یا گواہ ہو!"

اس پر جارود خاموش ہوگئے مگر تھوڑی دیر بعد وہ پھر سزا کا مطالبہ کرنے لگے' حضرت عمرؓ نے ان کو ڈانٹ کر فرمایا:

"تم اپنی زبان کو قابو میں رکھو ورنہ میں بہت بری طرح پیش آؤں گا"۔

جارود نے کہا۔"یہ حق نہیں ہے' ایک روایت میں یوں ہے کہ یہ بات درست نہیں ہے کہ آپ کے چچازاد بھائی نے شراب پی اور آپ میرے ساتھ برا معاملہ کریں!"

آخر حضرت عمرؓ نے قدامہ کی بیوی یعنی اپنی بہن کو بلوایا' اس سے پہلے حضرت ابوہریرہؓ نے ان سے کہا تھا کہ اگر آپ کو ہماری شہادت میں شک ہے تو آپ ولید کی بیٹی یعنی قدامہ کی بیوی کو بلا کر تصدیق کر لیجئے' غرض قدامہ کی بیوی نے آکر شوہر کے خلاف شہادت دی کہ یہ نشے میں پائے گئے تھے' تب حضرت عمرؓ نے قدامہ سے کہا کہ میں تم پر حد جاری کروں گا' قدامہ نے کہا کہ آپ کو اس کا حق نہیں ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا (پ ۷ المائدہ ع ۱۲ آیت ۹۳)

ایسے لوگوں پر جو کہ ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس کو وہ کھاتے پیتے ہوں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم نے تاویل کرنے میں غلطی کی کیونکہ بقیہ آیت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (لآیہ پ ۷ سورۂ مائدہ ع ۱۲ آیت ۹۳)

ترجمہ: جب کہ وہ لوگ پرہیز رکھتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں۔

اگر تم پرہیز رکھتے تو اس چیز سے بچتے جس کو اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام فرمایا ہے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کے حکم پر قدامہ پر حد جاری کی گئی (یعنی کوڑے لگائے گئے) اس پر قدامہ ان سے ناراض ہو گئے' اسکے بعد حضرت عمرؓ اور قدامہ نے ایک ساتھ حج کیا' حج کے دوران ایک روز حضرت عمرؓ سو رہے تھے کہ گھبرا کر ان کی آنکھ کھل گئی اور انہوں نے کہا کہ جلدی سے قدامہ کے پاس چلو کیونکہ ابھی میرے پاس ایک شخص آیا اور بولا کہ قدامہ سے صلح کر لو یعنی ان کو راضی کر لو کیونکہ وہ تمہارا بھائی ہے' چنانچہ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ان سے صلح کر لی۔

امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے جو حضرت حفصہؓ کی اس روایت کی بنیاد پر ہے کہ آنحضرت ﷺ کو میں نے یہ فرماتے سنا کہ مجھے امید ہے کہ انشاءاللہ جو شخص بھی غزوہ بدر اور غزوہ حدیبیہ میں شریک ہوا ہے جہنم میں داخل نہیں ہوگا'...... چنانچہ اسی بات کی تائید حضرت جابرؓ کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس شخص نے بھی (مقام حدیبیہ کے) درخت کے نیچے بیعت کی وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا (یعنی اس سے معلوم ہوا کہ صرف حدیبیہ میں شریک ہونے والا بھی آگ سے محفوظ رہیگا لہٰذا یہی صورت صرف بدر میں شریک ہونے والے کی بھی ہے) اب یہ بات مسلم اور ترمذی میں جابر کی اس روایت کے خلاف نہیں کہ ایک دفعہ حاطب کا غلام آنحضرت ﷺ کے پاس آکر اپنے آقا یعنی حاطب کی شکایت کرنے لگا اور بولا کہ یارسول اللہ حاطب یقیناً جہنم میں ڈالا جائے گا' آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو جھوٹا ہے وہ جہنم میں داخل نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ غزوہ بدر اور حدیبیہ میں شریک ہوا ہے' تو یہاں بھی اور کا لفظ ہے مگر ممکن ہے چونکہ حاطب دونوں موقعوں پر شریک ہوئے اس لئے یہ بات خاص طور پر ان ہی کیلئے فرمائی گئی ہو۔

طبرانی میں حضرت ابورافع ابن خدیج کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بدر کے دن فرمایا تھا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر کوئی بچہ دینداری کے ماحول میں آنکھ کھولے اور چالیس سال تک اللہ کی اطاعت کرے اور ہر قسم کے گناہوں سے بچتا رہے یہاں تک کہ پستی کی عمر تک پہنچ جائے یا اسی طرح عبادت کرتا ہوا وہاں پہنچ جائے جہاں انسان کو کسی چیز کی خبر نہیں رہتی تب بھی وہ تم میں سے کسی کے آج کی رات کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔

غزوہ بنی سلیم

غزوہ بدر کے بعد آنحضرت ﷺ واپس مدینے تشریف لائے تو وہاں صرف رات ہی ٹھہرے اور اس کے بعد وہاں سے خود بہ نفس نفیس بنی سلیم کی سرکوبی کے لئے تشریف لے گئے مدینے میں آپ نے سباع ابن عرفطہ غفاری یا ابن ام مکتوم کو اپنا قائم مقام بنایا۔

مدینے میں قائم مقامی......ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ ابن ام مکتوم کی قائم مقامی مدینے میں نمازیں پڑھانے کیلئے تھی معاملات اور مقدمات فیصل کرنے کیلئے نہیں تھی کیونکہ ایک نابینا کے لئے جائز نہیں کہ وہ لوگوں کے درمیان فیصلے کرے کیونکہ وہ نہ تو لوگوں کو دیکھ سکتا ہے اور نہ گواہوں کو پہچان سکتا ہے وہ نہیں جانتا کہ کس کے حق میں اور کس کے خلاف فیصلہ دے رہا ہوں' لہٰذا اب یہ بات ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مقدمات اور احکام کے سلسلے میں حضرت سباع ابن عرفطہ کو متعین فرمایا ہو اس طرح ان دونوں باتوں میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔

غرض آنحضرت ﷺ مدینے سے روانہ ہو کر بنی سلیم کے ایک چشمے پر پہنچے جس کو کدر کہا جاتا تھا' کدر کے معنی مٹیالے کے ہیں' اس چشمے کو کدر اس لئے کہا جاتا تھا کہ یہاں پرندے آتے تھے جس کے رنگوں میں مٹیالا پن تھا۔

بلاجنگ کئے واپسی...... آنحضرت ﷺ نے اس چشمے پر تین رات قیام فرمایا اور اس کے بعد مدینے واپس لوٹ آئے یہاں دشمن سے سامنا نہیں ہوا' اس غزوہ میں آپ کے پرچم کا رنگ سفید تھا جسے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اٹھائے ہوئے تھے۔

غزوہ بنی قینقاع

یہ لفظ قینقاعؔ ن کے پیش کے ساتھ ہے مگر ایک قول کے مطابق زیر کے ساتھ اور ایک قول کے مطابق زبر کیساتھ بھی پڑھا جاتا ہے لیکن مشہور قول یہی ہے کہ اس میں ن پر پیش ہے۔

یہ قینقاع یہودیوں کی ایک قوم یعنی قبیلے کا نام تھا' یہ لوگ یہودیوں میں سب سے زیادہ بہادر شمار کئے جاتے تھے یہ سب یہودی صراف اور جوہری تھے یعنی سونا ڈھالنے کا کام کرتے تھے' قینقاع کے یہ یہودی حضرت عبادہ ابن صامت اور عبد اللہ ابن ابی ابن سلول کے حلیف اور معاہدہ بردار تھے۔

جب غزوہ بدر میں حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو شاندار فتح عطا فرمائی تو ان لوگوں کی سرکشی کھل کر سامنے آگئی اور آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں سے ان کا حسد ظاہر ہو گیا' اپنی اس جلن اور بغض کی وجہ سے انہوں نے اپنے معاہدہ کو عملاً ختم کر دیا' رسول اللہ ﷺ نے بنی قینقاع' بنی قریظہ اور بنی نضیر کے یہودی قبیلوں کے ساتھ ایک معاہدہ فرمایا تھا کہ یہ لوگ نہ کبھی آنحضرت ﷺ کے مقابلے پر آئیں گے اور نہ آپ ﷺ کے دشمنوں کو مدد دیں گے' (یہودیوں کے یہ تینوں خاندان مدینے میں ہی رہتے تھے اور ان کے محلے الگ الگ تھے۔

ایک قول کے مطابق معاہدہ یہ تھا کہ جنگ وغیرہ کی صورت میں یہ لوگ نہ آنحضرت ﷺ کے طرفدار ہوں گے اور نہ آپ کے مخالف ہوں گے یعنی آپ کے دشمن کا ساتھ بھی نہیں دیں گے بلکہ ایسے موقعوں پر غیر جانبدار رہا کریں گے' اور ایک قول کے مطابق معاہدہ یہ تھا کہ اگر آنحضرت ﷺ کا کوئی دشمن آپ پر حملہ آور ہوگا تو یہ لوگ آنحضرت ﷺ کا ساتھ دیں گے اور آپ ﷺ کی پوری پوری مدد کریں گے جیسا کہ بیان ہوا۔

یہود کی طرف سے معاہدہ کی خلاف ورزی...... غرض یہودیوں کے ان تینوں قبیلوں میں جنہوں نے سب سے پہلے معاہدہ کی خلاف ورزی اور غداری کی وہ بنی قینقاع کے یہودی تھے' اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ ایک عرب عورت اپنا تجارتی سامان لے کر وہاں آئی جس میں اونٹ اور بکریاں وغیرہ تھیں تاکہ یہ مال فروخت کر کے نفع حاصل کرے' یہ مال اس نے بنی قینقاع کے بازار میں فروخت کیا اور اس کے بعد وہیں ایک یہودی جوہری کے پاس بیٹھ گئی۔

کتاب امتاع میں یوں ہے کہ یہ عورت ایک انصاری شخص کی بیوی تھی' مگر یہ بات ظاہر ہے کہ انصاری مدینے ہی میں رہتے تھے (اس لئے باہر سے اس کے آنے کی بات قابل غور ہو گی) مگر اسکے جواب میں کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے یہ عورت کسی انصاری کی بیوی ہو مگر دیہات کی رہنے والی ہو اور اپنے میکے سے کچھ تجارتی مال لے کر آئی ہو۔

ایک مسلمان عورت کے ساتھ یہود کی چھیڑ خانی...... غرض وہ عورت جوہری کی دکان پر بیٹھی ہوئی تھی اور مسلمان ہونے کی وجہ سے اپنا بدن اور چہرہ چھپائے ہوئے تھی) کہ کچھ یہودی اوباشوں نے اس پر چہرہ کھولنے کیلئے اصرار کرنا شروع کیا مگر اس نے انکار کر دیا' اسی وقت اس دکان دار جوہری نے اٹھ کر اس کے نقاب کا ایک کونہ چپکے سے اس کی پشت کی طرف کسی چیز سے باندھ دیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ اس نے خاموشی سے اس کی چادر کا ایک سرا ایک کانٹے یا کیل میں الجھا دیا' عورت کو اس کا پتہ

ہی نہیں ہوا' اس کے بعد وہ عورت جانے کے لئے کھڑی ہوئی تو کپڑا الجھا ہوا ہونے کی وجہ سے وہیں رہ گیا اور چہرہ اچانک کھل گیا' اس پر یہودیوں نے قہقہے لگائے' عورت نے ان کی اس بیہودگی پر چیخنا شروع کر دیا۔

مسلمانوں اور یہود میں اشتعال...... وہیں ایک مسلمان گزر رہا تھا اس نے جیسے ہی یہودیوں کی یہ شرارت دیکھی وہ جوہری کی طرف جھپٹا اور تلوار بلند کر کے اس کو قتل کر دیا یہ دیکھ کر یہودیوں نے اس مسلمان پر حملہ کیا اور اس کو قتل کر ڈالا' اس واقعہ پر دوسرے مسلمانوں نے چیخ چیخ کر مسلمانوں کو جمع کر لیا اور مسلمان غضب ناک ہو کر یہودیوں پر چڑھ دوڑے۔

معاہدے سے براُت کا اعلان...... اسی قسم کا ایک واقعہ پیچھے بھی گزر چکا ہے جو پہلی جنگ فجار کا سبب بنا تھا' غرض مسلمانوں میں بنی قینقاع کے یہودیوں کے خلاف سخت غم و غصہ پیدا ہو گیا (بنی قینقاع سے مسلمانوں کا امن اور دوستی کا جو معاہدہ تھا وہ حضرت عبادہ ابن صامت کی معرفت ہوا تھا) یہودیوں کی اس حرکت کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"اس قسم کی حرکتوں کے لئے ہمارا ان کا سمجھوتہ نہیں ہوا تھا' اب عبادہ ابن صامت اس معاہدہ سے بری ہو گئے!"

ادھر خود حضرت عبادہؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! میں اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کا ساتھی ہوں اور ان کافروں کے معاہدے سے بری ہوتا ہوں"۔

(مسلمانوں کے ساتھ یہودیوں کے اس معاہدہ کا دوسرا رکن عبداللہ ابن ابی سلول تھا جس نے مسلمانوں کی طرف سے یہودیوں کے ساتھ یہ معاملہ کیا تھا یہ شخص ظاہری طور پر مسلمان ہو چکا تھا مگر حقیقت میں اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کا بدترین دشمن تھا اور منافقوں کا سردار تھا) یہ شخص اس واقعہ کے بعد بھی اس معاہدہ سے چمٹا رہا اس نے عبادہ ابن صامت کی طرح اس وقت معاہدے سے بری ہونے کا اعلان نہیں کیا چنانچہ اسی سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ۔ تا۔ فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ۔ (الآیات پ۶ سورۂ مائدہ ع۸ آیت ۵۱ تا ۵۶)

ترجمہ: اے ایمان والو تم یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں' آخر آیات تک۔

بنی قینقاع کی کھلی دھمکی...... غرض اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کو جمع کر کے ان سے فرمایا۔

اے گروہ یہود! اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی ہی تباہی نازل ہونے سے بچنے کی کوشش کرو جیسی بدر کے موقعہ پر قریش کے اوپر نازل ہوئی ہے اس لئے مسلمان ہو جاؤ کیونکہ تم جانتے ہو کہ میں اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا رسول ہوں اور اس حقیقت کو تم اپنی کتاب میں درج پاتے ہو اور اس عہد کو بھی جو اللہ نے تم سے لیا تھا"۔

یہودیوں نے کہا:

"اے محمد! ﷺ آپ شاید یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بھی آپ کی قوم والوں کی طرح ہیں' اس دھوکے میں نہ رہئے کیونکہ اب تک آپ کو ایسی ہی قوموں سے سابقہ پڑا ہے جو جنگ اور اس کے طریقے نہیں جانتے لہٰذا آپ نے انہیں آسانی سے زیر کر لیا لیکن ہم! خدا کی قسم اگر آپ نے ہم سے جنگ کی تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ کیسے بہادروں سے پالا پڑا ہے"۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ "آپ نے ہم جیسوں سے آج تک جنگ نہیں کی"۔

اسکی وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ یہودیوں میں سب سے زیادہ بہادر لوگ تھے' ساتھ ہی یہ لوگ خود یہودیوں میں سب سے زیادہ دولت مند اور سخت گیر شمار کئے جاتے تھے اور بے انتہا سرکش اور باغی قسم کے لوگ تھے اس موقعہ پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

قُلْ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمِهَادِ۔ (۳ آل عمران ع ۲ آیت ۱۲)

ترجمہ: آپ ان کفر کرنے والوں سے فرما دیجئے کہ عنقریب تم مسلمانوں کے ہاتھ سے مغلوب کئے جاؤ گے اور آخرت میں جہنم کی طرف جمع کر کے لے جائے جاؤ گے اور وہ جہنم ہے برا ٹھکانہ۔

دوسری آیت حق تعالیٰ نے یہ نازل فرمائی۔

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ اِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ۔

(الآیہ پ ۱۰ سورۂ انفال ع ۷ آیت ۵۷)

ترجمہ: اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت یعنی عہد شکنی کا اندیشہ ہو تو آپ ان کو وہ عہد اس طرح واپس کر دیجئے کہ آپ اور وہ اس اطلاع میں برابر ہو جائیں' بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

یہود کا محاصرہ...... غرض اس دھمکی کے بعد بنی قینقاع کے یہودی وہاں سے جا کر اپنے محلے میں اپنی حویلیوں کے اندر قلعہ بند ہو گئے' آنحضرت ﷺ مجاہدین کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے' آپ ﷺ کا پرچم سفید تھا آپ کے چچا حضرت حمزہ ابن عبدالمطلب کے ہاتھ میں تھا۔

ابن سعد کہتے ہیں کہ غزوات میں کبھی کوئی پرچم نہیں رہا' مگر ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں کہ اس بات کی اس گزشتہ روایت سے تردید ہو جاتی ہے جو غزوہ بدر کے سلسلے میں بیان ہوئی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے آگے دو سیاہ پرچم تھے جن میں سے ایک حضرت علی کے ہاتھ میں تھا جس کا نام عقاب تھا' غالباً یہ نام جاہلیت کے زمانے کے اس پرچم کے مقابلے میں رکھا گیا تھا جو اسی نام سے یاد کیا جاتا تھا' اُس کو پرچم رؤسا یعنی سرداروں کا پرچم بھی کہا جاتا تھا کیونکہ اس پرچم کو جنگ کے وقت سردار کے سوا کوئی نہیں اٹھا سکتا تھا' آنحضرت ﷺ کے زمانے میں یہ پرچم ابوسفیان کے لئے مخصوص تھا اور اس کے سوا اس کو کوئی دوسرا نہیں اٹھا سکتا تھا یا پھر کوئی اسی کے مرتبے کا سردار اٹھا سکتا تھا اگر ابوسفیان موجود نہ ہو جیسا کہ غزوہ بدر کے موقعہ پر ہوا کہ ابوسفیان موجود نہیں تھا اور بدر کے موقعہ پر دوسرا اسلامی پرچم ایک انصاری مسلمان کے ہاتھ میں تھا' آگے بیان آئے گا کہ یہ پرچم عقاب حضرت عائشہؓ کی چادر کا ایک ٹکڑا کاٹ کر بنایا گیا تھا۔

یہودی علاقے کی طرف کوچ کرتے وقت آنحضرت ﷺ نے حضرت ابولبابہ کو مدینے میں اپنا قائم مقام بنایا اور پندرہ دن تک بنی قینقاع کے یہودیوں کا بے انتہا شدید محاصرہ کیا' کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اس غزوہ کے لئے شوال کی پندرہ تاریخ کو کوچ فرمایا تھا اور ذی قعدہ کے چاند تک وہیں رہے۔

جلاوطن ہونے کی پیش کش...... اس شدید محاصرہ کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا خوف اور رعب پیدا فرما دیا' بنی قینقاع کے ان یہودیوں میں چار سو جنگ جو تو قلعہ کی حفاظت پر تھے اور تین سو زرہ پوش جاں باز تھے۔

آخر محاصرہ سے تنگ آ کر یہودیوں نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ اگر آپ ہمارا راستہ چھوڑ دیں تو ہم جلاوطن ہو کر مدینہ سے ہمیشہ کیلئے چلے جانے کو تیار ہیں' اس کے ساتھ ہی انہوں نے آنحضرت ﷺ کو پیشکش کی کہ صرف ہماری عورتوں اور بچوں کو ہمارے لئے چھوڑ دیجئے جنہیں ہم اپنے ساتھ لے جائیں اور ہمارا مال و دولت آپ لے لیجئے' یعنی مال میں ہتھیار وغیرہ بھی شامل ہوں گے جو وہ مسلمانوں کو دے جائیں گے۔

ان کی اس پیشکش سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس باغات اور کھیتی کی زمینیں نہیں تھیں بلکہ ان کا یہ تمام مال و

دولت تجارت کے ذریعہ تھا یا سودی کاروبار کے ذریعہ تھا جو آج تک یہودیوں کا خاص مشغلہ ہے۔

فیٔ اور مال غنیمت...... آنحضرت ﷺ نے یہودیوں کی یہ بات قبول فرمالی اور ان کے مال و دولت پر قبضہ کر کے ان کو مدینہ سے نکل جانے کا راستہ دے دیا) مال غنیمت میں سے آپ کے لئے پانچواں حصہ نکالا گیا حالانکہ آنحضرت ﷺ کے لئے اس میں فیٔ کا حق تھا کیونکہ یہ مال جنگ کے بعد حاصل نہیں ہوا تھا نہ ہی لشکروں کا ٹکراؤ اور مقابلہ ہوا تھا' بہر حال آپ کو اس میں سے پانچواں حصہ ملا اور باقی چار عدد پانچویں حصے صحابہ میں تقسیم کر دیئے گئے۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ یہودیوں سے جو مال غنیمت حاصل ہوا تھا اس میں ان کے مکانات و محلات اور حویلیاں بھی شامل تھیں مگر میری نظر سے ایسی کوئی روایت نہیں گزری جس سے صاف طور پر یہ معلوم ہو سکتا کہ ان مکانات وغیرہ کا کیا کیا گیا۔

بنی ہاشم کا حصہ اور بنی نوفل اور عبد شمس کی محرومی...... آنحضرت ﷺ نے رشتہ داروں کا حصہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کے مردوں اور عورتوں کے لئے استعمال فرمایا مگر ہاشم اور مطلب کے دوسرے بھائیوں عبد شمس اور نوفل کی اولاد یعنی بنی عبد شمس اور بنی نوفل کے لئے استعمال نہیں فرمایا حالانکہ یہ چاروں بھائی عبدالمناف کے بیٹے تھے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے' جب آنحضرت ﷺ نے رشتے داروں کا حصہ صرف بنی ہاشم اور بنی مطلب میں تقسیم فرمایا تو بنی نوفل میں سے جبیر ابن مطعم اور بنی عبد شمس میں سے عثمان غنیؓ آپ کے پاس حاضر ہوئے اور بولے:

"یارسول اللہ ﷺ بنی ہاشم کے یہ لوگ ہمارے بھائی ہیں اور ہم ان کی اس فضیلت سے انکار نہیں کر سکتے جو حق تعالیٰ نے آپ کو ان میں سے پیدا کر کے انہیں عطا فرمائی ہے' مگر آپ دیکھتے ہیں کہ آپ نے ہمارے بھائیوں بنی مطلب کو تو حصہ عنایت فرمایا ہے مگر ہمیں چھوڑ دیا ہے' ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ ہمارے لئے روک لگا دی حالانکہ ہمارا اور ان کا رشتہ ایک ہی ہے' ایک روایت میں اس طرح ہے کہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کو آپ کے رتبے کی وجہ سے یقیناً شرف اور فضیلت حاصل ہے مگر ہم بھی آپ سے ایک ہی نسب اور ایک درجے کا تعلق رکھتے ہیں پھر آپ نے کس لئے ان لوگوں کو ہم پر فضیلت دی"۔

بنی ہاشم کی فضیلت...... آنحضرت ﷺ نے اس کے جواب میں اپنی انگلیوں کو ایک دوسری میں پھنسا کر اور ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

"جہاں تک بنی ہاشم اور بنی مطلب کا تعلق ہے وہ اس طرح باہم ایک ہیں' ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ انہوں نے ہمیں نہ تو جاہلیت کے زمانے میں چھوڑا اور نہ اسلام کے زمانے میں چھوڑا"

اس سے آنحضرت ﷺ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا تھا کہ جب قریش مکہ نے آپ کے اور مسلمانوں کے خلاف مقاطعہ اور بائیکاٹ کی تحریر مرتب کی تھی تو وہ تحریر بنی ہاشم اور بنی مطلب کے بھی خلاف تھی کیونکہ اس وقت بھی یہ دونوں خاندان آنحضرت ﷺ کی حمایت میں تھے اور مسلمانوں کے ساتھ یہ بھی شعب ابو طالب نامی گھاٹی میں پناہ گزین ہوئے تھے۔

یہود کے لئے ابن اُبی کی سفارش...... غرض جب بنی قینقاع اپنی حویلیوں سے نکلے تو ایک قول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ان لوگوں کی مشکیں باندھ دو' چنانچہ ان کی مشکیں کس دی گئیں اور آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو قتل کرنے کا ارادہ فرمایا مگر اسی وقت سردار منافقین عبداللہ ابن ابی ابن سلول جو یہودیوں کا حلیف اور حمایتی تھا آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور ان لوگوں کی سفارش کرنے لگا' اس نے گڑگڑاتے ہوئے آپ سے عرض کیا:

اے محمد! میرے ان غلاموں یعنی بے بس دوستوں کے ساتھ اچھا معاملہ کیجئے!"

آنحضرت ﷺ پر بیجا اصرار...... آنحضرت ﷺ نے عبداللہ ابن ابی کی بات ان سنی کرتے ہوئے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا' آنحضرت ﷺ اس وقت اپنی وہی زرہ پہنے ہوئے تھے جس کا نام ذات الفضول تھا' عبداللہ ابن ابی آنحضرت ﷺ کی پشت کی طرف سے آیا' اور آپ کی زرہ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر یعنی آپ ﷺ کو پشت کی طرف سے اپنے ہاتھوں سے پکڑ کر کھڑا ہو گیا اور اصرار کرنے لگا' آپ ﷺ نے اس کو ڈانٹ کر فرمایا:

"تیرا برا ہو' مجھے چھوڑ دے!"

اس وقت آنحضرت ﷺ کو اتنا سخت غصہ آیا کہ اس کی وجہ سے آپ ﷺ کا چہرہ سرخ ہو گیا آپ ﷺ نے پھر فرمایا: تیرا برا ہو مجھے چھوڑ دے۔ اس نے کہا:

"خدا کی قسم اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک آپ میرے غلاموں کیساتھ احسان کرنے کا وعدہ نہیں کر لیں گے' یہ لوگ میرے کنبے والے ہیں اور میں مصیبتوں اور تباہیوں سے بہت ڈرتا ہوں"۔

یہود کی جان بخشی...... آخر آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا:

ان لوگوں کو چھوڑ دو۔ ان لوگوں پر اور ان کے ساتھ اس پر بھی اللہ کی لعنت ہو "

اس طرح آپ نے بنی قینقاع کے یہودیوں کو قتل کرنے کا ارادہ ترک کر دیا' پھر آپ نے عبداللہ ابن ابی سے فرمایا۔

"انہیں لے جاؤ۔ اللہ تمہیں ان کے ذریعہ کوئی برکت نہ دے"۔

نبی ﷺ کی دعا کا نتیجہ...... پھر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ان یہودیوں کو مدینہ سے ہمیشہ کے لئے نکال کر جلاوطن کر دیا جائے ان کو جلاوطن کرنے کی ذمہ داری آپ ﷺ نے حضرت عبادہؓ ابن صامت کے سپرد فرمائی اور یہودیوں کو مدینے سے نکل جانے کیلئے تین دن کی مہلت دی' چنانچہ یہودی تین دن بعد مدینے کو خیرباد کہہ کر چلے گئے' اس سے پہلے یہودیوں نے عبادہ ابن صامت سے درخواست کی تھی کہ ان کو تین دن کی جو مہلت دی گئی ہے اس میں کچھ اضافہ کر دیا جائے' مگر حضرت عبادہ نے کہا کہ نہیں ایک گھنٹے کی مہلت بھی نہیں بڑھائی جا سکتی' پھر عبادہ ابن صامت نے اپنی نگرانی میں ان کو جلاوطن کیا یہ لوگ یہاں سے نکل کر ملک شام کی ایک بستی کے میدانوں میں جا بسے۔ مگر ایک سال کی مدت بھی نہیں گزری تھی کہ وہ سب کے سب وہیں ہلاک ہو گئے جو آنحضرت ﷺ کی اس دعا کا اثر تھا جو آپ ﷺ نے عبداللہ ابن ابی کے سامنے کی تھی کہ اللہ تمہیں ان کے ذریعہ کوئی برکت نہ دے۔

ایک روایت ہے کہ یہودیوں کے مدینے سے جانے سے پہلے ابن ابی آنحضرت ﷺ کے پاس آپ ﷺ کے مکان پر یہ درخواست لیکر آیا کہ یہودیوں کو معاف کر کے مدینے میں رہنے کی اجازت دیجائے مگر آنحضرت ﷺ اس سے ملنے کے بجائے اندر تشریف لے گئے' ابن ابی نے اندر جانا چاہا مگر ایک صحابی نے ہاتھ مار کر اسکو پیچھے دھکیل دیا جس کے نتیجہ میں اس کا منہ دیوار سے ٹکرایا اور زخمی ہو گیا' ابن ابی انتہائی غضب ناک ہو کر واپس ہوا' بنی قینقاع کے یہودیوں کو اس واقعہ کا پتہ چلا تو وہ بولے۔

"ہم اس شہر میں ہرگز نہیں رہیں گے جس میں ابو حباب یعنی ابن ابی کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا ہے نہ ہی ہم اب اس سے کوئی مدد لیں گے"۔

اس کے بعد ان لوگوں نے جلاوطنی کی تیاری شروع کر دی' ایک قول یہ ہے کہ بنی قینقاع کو جلاوطن کرنے کے نگراں

حضرت محمد ابن مسلمہ تھے' مگر اس روایت میں کوئی اشکال نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے عبادہ ابن صامت اور محمد ابن مسلمہ دونوں ہی کو یہ ذمہ داری سپرد کی گئی ہو۔

یہودیوں کے جانے کے بعد آنحضرت ﷺ کو ان کے مکانوں میں سے بے شمار ہتھیار ملے کیونکہ جیسا کہ بیان ہوا بنی قینقاع کے یہودی دوسرے یہودیوں میں سب سے زیادہ مالدار اور سب سے زیادہ بہادر اور جنگ جو لوگ تھے۔

غنیمت میں سے آنحضرت ﷺ کا انتخاب...... آنحضرت ﷺ نے ان ہتھیاروں میں سے تین کمانیں لیں' ان کمانوں میں سے ایک کمان کو کتوم یعنی خاموش کہا جاتا تھا کیونکہ جب اس کمان سے تیر چلایا جاتا تھا تو بالکل آواز نہیں پیدا ہوتی تھی' یہی وہ کمان ہے جس سے آنحضرت ﷺ نے غزوہ احد میں تیر اندازی فرمائی اور جس میں سے تیر اندازی کے وقت چنگاریاں سی نکلتی تھیں جیسا کہ آگے بیان آئے گا' نیز اس میں جو اشکال ہے وہ بھی بیان ہو گا۔

ان میں سے دوسری کمان کا نام روحاء تھا اور تیسری کو بیضاء کہا جاتا تھا' ان کے علاوہ آپ نے دو زرہیں لیں جن میں سے ایک زرہ کا نام سعدیہ تھا' اس زرہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کی تھی اور جب جالوت کو قتل کیا گیا تو اس وقت داؤد علیہ السلام یہی زرہ پہنے ہوئے تھے' دوسری زرہ کا نام فضہ تھا جو آپ ﷺ نے یہودیوں کے ہتھیاروں میں سے اپنے لئے منتخب فرمائی۔

اس کے علاوہ آپ نے تین نیزے اور تین تلواریں بھی اپنے لئے منتخب فرمائیں' ان میں سے ایک تلوار کو قلعی کہا جاتا تھا' دوسری کو بتار کہا جاتا تھا اور تیسری کا کوئی نام نہیں تھا' اس تلوار کا نام خود آپ نے صیف رکھا' نیز ان میں سے آنحضرت ﷺ نے ایک زرہ محمد ابن مسلمہ کو اور ایک سعد ابن معاذ کو ہبہ فرمائی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

غزوہ سویق

ابوسفیان کا عہد...... قریش کو جنگ بدر میں ایک شرمناک شکست ہوئی تو ابوسفیان نے عہد کیا اور منت مانی کہ میں اس وقت تک ہم بستری کے غسل کا پانی سر پر نہیں ڈالوں گا جب تک محمد ﷺ کے ساتھ ایک فیصلہ کن جنگ نہیں کروں گا۔

یہاں غسل نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت تک عورتوں کے ساتھ ہم بستری نہیں کروں گا یہاں غالباً غسل کا پانی سر پر نہ ڈالنے کا جو مطلب بیان کیا گیا ہے یہ کسی صحابی کا اضافہ ہے اور یہ مطلب انہوں نے اس قول سے لیا ہے جس میں ابوسفیان کے یہ لفظ ذکر ہوئے ہیں کہ اس وقت تک عورتوں کے پاس نہیں جاؤں گا' چنانچہ اس بات کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں ابوسفیان کے یہ لفظ ہیں کہ اس وقت تک نہ عورتوں کے پاس جاؤں گا اور نہ خوشبو لگاؤں گا جب تک محمد ﷺ سے جنگ نہیں کرلوں گا' یہ بھی ممکن ہے کہ وہ غسل کے لفظ بھی ابوسفیان کے ہی ہوں کیونکہ قریش کے لوگ جاہلیت کے زمانے میں ہم بستری کرنے کے بعد غسل کیا کرتے تھے۔

عہد کی تکمیل کے لئے ابوسفیان کی مہم...... غرض یہ عہد کرنے کے بعد ابوسفیان قریش کے دو سو سواروں کو لے کر مکے سے روانہ ہوا تا کہ اپنی قسم پوری کر کے اس سے بری ہو جائے' یہاں تک کہ اس نے مدینے کے قریب ایک جگہ پہنچ کر پڑاؤ ڈالا' اس کے بعد وہ بنی نضیر کے پاس پہنچا جس کی بستی وہیں تھی' یہ بنی نضیر خیبر کے یہودیوں میں سے تھے اور اپنے آپ کو حضرت موسیٰؑ کے بھائی ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے بتلاتے تھے' ابوسفیان رات کے اندھیرے میں ان یہودیوں کے سردار حُیی ابن اخطب کے پاس پہنچا۔ یہی حُیی ابن اخطب رسول اللہ ﷺ کا سسر بھی تھا کیونکہ اُم المومنین حضرت صفیہؓ اسی کی بیٹی تھیں' غرض یہ حی بنی نضیر کے سرداروں میں سے تھا' ابوسفیان نے اس کے گھر پہنچ کر دروازے پر دستک دی مگر حُیی نے ڈر کی وجہ سے دروازہ نہیں کھولا ابوسفیان مایوس ہو کر وہاں سے لوٹ گیا۔

اس کے بعد ابوسفیان یہودیوں کے دوسرے بڑے سردار سلام ابن مشکم کے دروازے پر پہنچا جو یہودیوں کا خزانچی بھی تھا' یعنی سلام یہودیوں کے اس خزانے کا محافظ تھا جو وہ اپنے برے وقتوں کے لئے جمع کر رہے تھے' اس میں کچھ زیورات بھی تھے جو وہ مکے والوں کو بھی مانگنے پر دے دیا کرتے تھے یعنی کرائے پر دیدیتے تھے۔

یہود سے ساز باز...... ابوسفیان نے سلام ابن مشکم کے دروازے پر دستک دی تو اس نے اسے بلا لیا اور ملاقات کی' اس کے بعد ابوسفیان وہاں سے نکل کر اپنے ساتھی قریشیوں کے پاس پہنچا اور ان میں سے کچھ لوگوں کو لے کر مدینے کی طرف چلا' وہ لوگ مدینے کی ایک نواحی بستی یعنی محلے میں پہنچے جہاں ایک باغ کو آگ لگادی' وہیں انہیں ایک انصاری شخص ملا' کتاب امتاع میں ہے کہ یہ شخص معبد ابن عمرو تھا اور ایک ان کا حلیف تھا' مشرکوں نے ان دونوں کو قتل کر دیا' اسکے بعد یہ لوگ وہاں سے واپس ہو گئے۔

آنحضرت ﷺ ابوسفیان کے تعاقب میں...... مسلمانوں کو اس واقعے کی خبر ہوئی تو آنحضرت ﷺ دو سو مہاجر اور انصاری مسلمانوں کے ساتھ اس کی تلاش میں مدینے سے نکلے' اس غزوہ کے موقعہ پر آپ ﷺ نے مدینے میں حضرت بشیر ابن عبدالمنذر کو اپنا قائم مقام بنایا' آپ نے ۵/ ذی الحجہ کو مدینے سے کوچ فرمایا (مگر ابوسفیان اس کارنامے پر یہ سمجھ رہا تھا کہ اس نے

اپنی قسم پوری کر دی' لہٰذا وہ وہاں سے بھاگ گئے) راستے میں وہ اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ستو کے تھیلے پھینکتے جاتے تھے جو اپنے ساتھ لائے تھے۔

سُویق یعنی ستو کے تھیلے...... یہ ستو جو یا گیہوں کو کوٹ پیس کر بنایا جاتا تھا اور گرمیوں کے موسم میں کبھی پانی کبھی گھی میں ملا کر پیا جاتا تھا' کبھی شہد اور گھی کے ساتھ ملا کر بھی کھاتے تھے' قریش کے لوگ عام طور پر سفر میں جاتے ہوئے ناشتے اور زادِ راہ کیلئے ستو ہی ساتھ لیتے تھے۔ غرض مشرکین مکہ ستو کے جو تھیلے پھینکتے گئے وہ راستے میں مسلمانوں کو بھی مسلمانوں کو ملے (عربی میں ستو کو سویق کہتے ہیں اسی لئے اس غزوہ کا نام غزوہ سویق یعنی ستو والا غزوہ پڑ گیا)۔

مسلمانوں نے مشرکوں کا دور تک پیچھا کیا مگر وہ ہاتھ نہیں آئے' اس طرح اس غزوہ میں بھی کوئی جنگ نہیں ہوئی' آخر رسول اللہ ﷺ پانچ دن بعد واپس مدینے تشریف لے آئے۔

غزوہ قرقرۃ الکدر

بنی سلیم اور غطفان کی جنگی تیاریاں......اس غزوہ کو قرقرۃ الکدرہ بھی کہتے ہیں اور قراقر بھی کہتے ہیں' غزوہ سویق سے واپسی کے بعد آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ بنی سلیم اور غطفان کے لوگ قرقرۃ الکدر کے مقام پر جمع ہو رہے ہیں' چونکہ اس سے پہلے بھی آنحضرت ﷺ ان کے مقابلے کیلئے جا چکے تھے اس لئے شاید آپ کو یہ معلوم ہوا کہ وہ لوگ مدینے پر چڑھائی کرنا چاہتے ہیں' اس واقعہ کی تفصیل پیچھے غزوہ بنی سلیم کے بیان میں گزر چکی ہے۔

یہ قرقرۃ الکدر ایک جنگلی علاقہ تھا جہاں مختلف پرندے بسیرا کرتے تھے جن کے رنگوں میں دھندلا پن تھا عربی میں کدرہ چونکہ دھندلے اور مٹیالے رنگ کو کہتے ہیں اس لئے اس علاقہ کا نام بھی کدرہ کے نام سے مشہور ہو گیا جیسا کہ پیچھے بیان ہوا کہ ان کے علاقے میں جو چشمہ تھا وہاں تک آنحضرت ﷺ پہنچ گئے تھے اور جہاں آپ ﷺ کو دشمنوں میں سے کوئی نہیں ملا تھا' اس علاقہ کو ان پرندوں کے پائے جانے کی وجہ سے کدر کہا جاتا تھا۔

سرکوبی کے لئے آنحضرت ﷺ کی روانگی...... غرض آنحضرت ﷺ بنی سلیم اور غطفان کے لوگوں کی سرکوبی کیلئے دو سو صحابہ کے ہمراہ مدینے سے روانہ ہوئے اس غزوہ میں آپ کا جھنڈا حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تھا' اپنی غیر موجودگی کے دوران مدینے میں آپ نے حضرت ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین بنایا۔

پیچھے بیان ہوا ہے کہ اس غزوہ میں آپ نے سباعؓ ابن عرفطہ یا بن ام مکتومؓ کو اپنا جانشین بنایا تھا نیز اس بارے میں جو شبہ ہوتا تھا وہ بھی گزر چکا ہے (جو حضرت ابن ام مکتومؓ کو نابینا ہونے کی وجہ سے ہے)۔

دشمن کا فرار......جب آنحضرت ﷺ روانہ ہو کر اس مقام قرقرۃ الکدر پر پہنچے تو وہاں آپ کو دشمنوں میں سے کوئی نہیں ملا' پھر آپ نے اپنے صحابہ میں سے ایک جماعت کو وادی کے بالائی حصہ کی طرف روانہ کیا اور خود آپ نے وادی کے اندر ان کو تلاش کیا وہاں آپ کو پانچ سو اونٹ ملے جن کے ساتھ کچھ چرواہے بھی تھے ان میں سے ایک لڑکا تھا جس کا نام یسار تھا' مسلمانوں نے ان اونٹوں کو اپنے قبضہ میں کیا اور مدینے کو واپس ہوئے۔

مال غنیمت کے اونٹ...... مدینے سے تین میل کے فاصلے پر آنحضرت ﷺ نے اس مال غنیمت کو پانچ حصوں میں تقسیم فرمایا اور ایک پانچواں حصہ اس میں سے نکالا باقی چار عدد پانچویں حصے آپ ﷺ نے صحابہ کے درمیان تقسیم فرما دیئے' اس طرح ہر صحابی کو دو دو اونٹ ملے' وہ لڑکا یسار آنحضرت ﷺ کے حصے میں آیا مگر آنحضرت ﷺ نے اسکو آزاد کر دیا کیونکہ آپ نے اسکو نماز پڑھتے دیکھا تھا' یہ لڑکا گرفتار ہونے کے بعد مسلمان ہو گیا تھا اور اس نے مسلمانوں سے نماز کی تعلیم حاصل کر لی تھی۔

اس غزوہ کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ پندرہ دن مدینے سے باہر رہے' اب اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی سلیم کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا غزوہ پیش آیا اور آپ اس غزوہ میں ان کے اس چشمہ تک پہنچ گئے جس کو ان پرندوں کی وجہ سے کدر کہا جاتا تھا' نیز یہ کہ اس موقعہ پر آپ نے سباع ابن عرفطہ غفاری یا ابن ام مکتوم کو مدینے میں جانشین بنایا تھا' مگر یہاں غزوہ قرقرۃ الکدر میں یقین کے ساتھ ابن ام مکتومؓ کو قائم مقام بنانے کا ذکر ہوا ہے سباعؓ ابن عرفطہ کا تذکرہ ہی نہیں کیا گیا' ادھر غزوہ بنی سلیم کے بیان میں یہ کہیں بیان نہیں ہوا کہ اس موقعہ پر آپ کو کوئی مال غنیمت بھی حاصل ہوا تھا۔

لہٰذا ظاہری طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ بنی سلیم اور یہ غزوہ قرقرۃ الکدر دو علیحدہ علیحدہ غزوے ہیں' یہی بات کتاب اصل یعنی عیون الاثر میں ہے' اب یوں کہا جائے گا کہ یہ پرندے اس چشمے پر بھی پائے جاتے تھے جس کا ذکر غزوہ بنی سلیم میں گزرا ہے اور اس علاقے میں بھی پائے جاتے تھے جس کا ذکر اس غزوہ قرقرۃ الکدر میں ہے۔

اب یوں کہنا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کو بنی سلیم کے ساتھ دو مرتبہ غزوہ کی نوبت آئی' ایک مرتبہ آپ ان کے علاقے میں اس چشمہ تک پہنچے مگر وہاں کسی کو نہیں پایا اور نہ کوئی مال غنیمت حاصل ہوا' دوسری مرتبہ میں آپ اس خاص علاقے تک پہنچے جہاں آپ کو یہ مال غنیمت ہاتھ آیا' یہ بات میرے علم میں نہیں ہے کہ آیا وہ چشمہ اس خاص علاقے سے پہلے پڑتا تھا یا اس کے بعد یعنی اس سے آگے تھا۔

مگر کتاب سیرت شامی میں یہ ہے کہ غزوہ بنی سلیم ہی قرقرۃ الکدر ہے' اس قول کی روشنی میں اب یہ کہا جائے گا کہ آنحضرت ﷺ کو بنی سلیم کے ساتھ ایک ہی مرتبہ غزوہ کی نوبت آئی' لہٰذا یوں کہنا چاہئے کہ وہ چشمہ جہاں وہ پرندے پائے جاتے تھے یا تو اسی جنگلی علاقے میں تھا اور یا اس کے قریب ہی تھا' بہر حال یہ بات قابل غور ہے ادھر حافظ دمیاطی نے غزوہ بنی سلیم اور آگے آنے والے غزوہ بحران کو ایک قرار دیا ہے اس کی تفصیل آگے بیان ہوگی۔

غزوہ ذی اَمَرّ

بنی محارب وثعلبہ کے جنگی ارادے...... یہ لفظ اَمَرّ یعنی ر پر تشدید کے ساتھ ہے حاکم نے اس غزوہ کو غزوہ انمار کے نام سے یاد کیا ہے' یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ غزوہ غطفان تھا' آنحضرت ﷺ کو اطلاع ملی کہ ایک شخص نے جس کا نام دُعثُور ابن حرث غطفانی تھا اور جو بنی محارب میں سے تھا ذی امر کے مقام پر ایک لشکر جمع کر لیا ہے جس میں بنی ثعلبہ اور بنی محارب کے لوگ شامل ہیں' یہ ذی امر غطفان کے علاقے میں ایک بستی تھی' غالباً وہ چشمہ کدر جس کا پیچھے بیان ہوا ہے اسی جگہ تھا۔

سر کوبی کے لئے نبی ﷺ کا کوچ...... غرض آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ یہ لوگ مدینے کے گرد و پیش میں لوٹ مار کرنا چاہتے ہیں' آنحضرت ﷺ چار سو پچاس صحابہ کے ساتھ ماہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو ان لوگوں کی سر کوبی کے لئے روانہ ہوئے' مدینے میں آپ ﷺ نے حضرت عثمان ابن عفان کو اپنا قائم مقام متعین فرمایا۔

کمین گاہوں میں دشمن کی روپوشی...... صحابہ نے ان غطفانیوں کے ایک شخص کو جس کا نام جبار' اور ایک قول کے مطابق حباب تھا پکڑ لیا یہ شخص بنی ثعلبہ میں سے تھا' یہ شخص آنحضرت ﷺ کے پاس لایا گیا اور اس نے آپ کو ان لوگوں کے متعلق کچھ خبریں دی' ساتھ ہی اس نے آپ ﷺ سے کہا:

"وہ لوگ آپ ﷺ سے مقابلہ نہیں کریں گے اور اگر ان کو یہ پتہ چل گیا کہ آپ ﷺ ان کے تعاقب میں روانہ ہو چکے ہیں تو وہ لوگ پہاڑوں کی چوٹیوں پر جا چھپیں گے' میں خود بھی آپ کے ساتھ ہی چل رہا ہوں"۔

آنحضرت ﷺ نے اس کو اسلام کی دعوت دی وہ فوراً ہی مسلمان ہو گیا' آنحضرت ﷺ نے اس شخص کو حضرت بلالؓ کے حوالے کر دیا' وہ شخص مسلمانوں کو ایک دوسرے راستے سے لے کر چلا اور ان کے علاقہ میں لے آیا۔

آنحضرت ﷺ پر تنہائی میں حملہ...... ادھر ان لوگوں کو آنحضرت ﷺ کے تعاقب کی خبر مل گئی اور وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر جا چھپے' آنحضرت ﷺ پیش قدمی کرتے ہوئے ایک چشمہ پر پہنچے جس کو ذی امر کہا جاتا تھا' آپ ﷺ نے وہیں پڑاؤ ڈال دیا' اچانک وہاں زبردست بارش شروع ہو گئی اور اتنا پانی پڑا کہ آنحضرت ﷺ کے کپڑے بھیگ کر پانی میں شرابور ہو گئے' تمام صحابہ بھی سر سے پیر تک بھیگ گئے آنحضرت ﷺ نے اپنے بھیگے ہوئے کپڑے اتارے اور انہیں سکھانے کے لئے ایک درخت پر پھیلا دیا خود آپ وہیں پر لیٹ گئے' وہ جگہ ایسی تھی جہاں آپ لیٹے ہوئے تھے کہ مشرکین جو پہاڑوں میں چھپے ہوئے تھے آپ کو اپنی کمین گاہ سے دیکھ سکتے تھے' ادھر مسلمان بھی اپنے اپنے کاموں میں لگ گئے۔

مشرکوں نے جو آنحضرت ﷺ کو ایک جگہ تنہا لیٹے ہوئے دیکھا تو وہ اپنے سردار دُعثور کے پاس آئے یہ شخص ان میں سب سے زیادہ بہادر تھا' مشرکوں نے اس سے کہا:

"اس وقت محمد ﷺ بالکل تنہا لیٹے ہوئے ہیں اب یہ تمہارا کام ہے کہ ان سے نمٹ لو!"

ایک روایت میں یوں ہے کہ خود دعثور نے جب آنحضرت ﷺ کو وہاں تنہا لیٹے ہوئے دیکھا تو اس نے کہا "اگر اس وقت بھی میں محمد ﷺ کو قتل نہ کروں تو اللہ خود مجھے ہلاک کر دے!"

یہ کہہ کر دعثور تلوار سونتے ہوئے چلا اور بالکل آنحضرت ﷺ کے سرہانے پہنچ کر رکا' پھر اچانک اس نے آپ ﷺ کو

مخاطب کر کے کہا:

"آج۔یا۔اب آپ کو میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے؟"۔

آنحضرت ﷺ نے سکون کے ساتھ فرمایا۔اللہ!

غیبی حفاظت اور دشمن نبی کی تلوار کی زد میں...... ساتھ ہی جبرئیل علیہ السلام نے دُعثور کے سینے پر اپنے ہاتھ سے ضرب لگائی جس سے وہ زمین پر گرا اور تلوار اسکے ہاتھ سے چھوٹ گئی' آنحضرت ﷺ نے فوراً اسکی تلوار اٹھالی اور اس سے فرمایا:

"اب تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟"

دعثور نے کہا:

"کوئی نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ (ایک روایت کے مطابق آپ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں!"

دشمن کے سر گروہ کا اسلام...... (اس طرح دعثور جو آپ کو قتل کرنے آیا تھا آپ کے غلاموں میں شامل ہو کر لوٹا) آنحضرت ﷺ نے اس کی تلوار اسے واپس فرمادی' دعثور وہاں سے اپنی قوم میں واپس پہنچا تو اس کا حال ہی بدلا ہوا تھا اور وہ اپنی قوم کو اسلام کی تبلیغ کر رہا تھا' اس نے لوگوں کو بتلایا کہ میں نے ایک بہت لمبا اور قد آور آدمی دیکھا جس نے میرے سینے پر ہاتھ مارا اور اس دھکے سے میں زمین پر گر پڑا۔ اپنا یہ واقعہ سنا کر دعثور نے کہا:

"میں اسی وقت سمجھ گیا کہ مجھے گرانے والا کوئی فرشتہ ہے' اس لئے (یہ کھلی نشانی دیکھ کر) میں فوراً ہی مسلمان ہو گیا"۔

اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ۔ (الآیہ پ۶ سورۂ مائدہ ع ۲ آیت ۱۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے انعام کو یاد کرو جو تم پر ہوا ہے جب کہ ایک قوم اس فکر میں تھی کہ تم پر دست درازی کریں سو اللہ تعالیٰ نے ان کا قابو تم پر نہ چلنے دیا۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ واپس مدینے تشریف لے آئے اور کہیں کوئی مقابلہ نہیں ہوا اس غزوہ کے موقع پر آپ ﷺ گیارہ دن مدینے سے غیر حاضر رہے۔

غزوہ بحران

یہ لفظ بحران بؔ کے زبر کے ساتھ ہے۔ حافظ و میاطی نے اس غزوہ کو غزوہ بنی سلیم کا نام دیا ہے جیسا کہ بیان ہوا' یہ بحران حجاز کے علاقے میں ایک مقام کا نام تھا اور اس کے اور مدینے کے درمیان آٹھ منزل کا فاصلہ تھا۔

بنی سلیم کے جنگی عزائم...... آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ مقام بحران میں بنی سلیم کا ایک لشکر جمع ہو رہا ہے آپ جمادی الاول کی چھ تاریخ کو تین سو صحابہ کے ساتھ بنی سلیم کے اس لشکر کی سرکوبی کے لئے مدینے سے روانہ ہوئے' آنحضرت ﷺ نے مدینے میں حضرت ابن ام مکتوم کو اپنا قائم مقام بنایا اور کسی کو اپنی روانگی کا مقصد نہیں بتلایا' آپ تیزی سے منزلیں سر کرتے ہوئے چلے یہاں تک کہ بحران پہنچ گئے وہاں پہنچ کر آپ کو معلوم ہوا کہ بنی سلیم کے لوگ جو وہاں جمع ہو رہے ہیں وہ منتشر ہو کر اپنے مختلف چشموں پر چلے گئے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کا خروج اور دشمن کا فرار...... بحران پہنچنے سے ایک رات پہلے آنحضرت ﷺ کو راستے میں بنی سلیم کا ایک شخص ملا' اس سے آپ کو معلوم ہوا تھا کہ دشمن کے لوگ مختلف جگہوں پر منتشر ہو گئے ہیں' آپ نے اس شخص کو ایک دوسرے آدمی کے ساتھ روک لیا اور آگے روانہ ہوئے یہاں تک کہ بحران کے مقام پر پہنچ کر آپ کو اس شخص کی خبر کی تصدیق ہو گئی' آپ نے اس شخص کو چھوڑ دیا اور خود اس مقام پر چند دن قیام فرمایا' اس کے بعد آپ واپس مدینے کو روانہ ہو گئے اور اس غزوہ میں بھی کوئی مقابلہ اور جنگ نہیں ہوئی' اس غزوہ میں آپ کو دس دن لگے۔

کتاب اصل یعنی عیون الاثر اور اس روایت کے مطابق گویا آنحضرت ﷺ کو تین مرتبہ غزوہ کی نوبت آئی ایک مرتبہ تو غزوہ بدر کے فوراً بعد دوسرے بحران اور تیسرے غزوہ ذی امر جو دونوں ۳ھ میں پیش آئے۔

غزوہ اُحد

یہ غزوہ شوال ۳ھ میں پیش آیا یہی قول جمہور علماء کا ہے البتہ ایک شاذ قول یہ بھی ہے کہ یہ غزوہ ۴ھ میں پیش آیا ہے' یہ لفظ احد مدینے کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کا نام ہے ایک قول ہے کہ اس کو احد اس لئے کہا جانے لگا کہ یہ پہاڑ وہاں دوسرے پہاڑوں کے مقابلے میں یکتا اور منفرد ہے جو احد کے معنی ہیں' (غزوۂ احد میں حضرت حمزہؓ شہید ہوئے تھے) ان کا اور احد کے دوسرے شہیدوں کے مزارات وہیں ہیں اس لئے اب یہ پہاڑ لوگوں کی زیارت گاہ ہے۔

احد پہاڑ...... یہ احد مدینے سے تقریباً دو میل کے فاصلہ پر ہے۔ ایک قول ہے کہ تین میل کے فاصلہ پر ہے کہا جاتا ہے کہ اس پہاڑ کے دامن میں موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون علیہ السلام کی قبر ہے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام دونوں حج یا عمرہ کے لئے جا رہے تھے راستے میں اس پہاڑ کے دامن میں موسیٰ علیہ السلام نے اسی جگہ اپنے بھائی کو سپرد خاک کر دیا تھا۔

مگر ابن دحیہ نے کہا ہے کہ یہ روایت بالکل باطل اور غلط ہے کیونکہ تورات کی نص کے مطابق ان کی قبر شام کی ایک بستی کے کسی پہاڑ میں ہے' کہا جاتا ہے کہ روایتوں کے اس اختلاف سے کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ اکثر مدینے کو بھی شامیہ کہا جاتا ہے' ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ دونوں کے دونوں تیہہ کے میدان میں دفن ہیں جیسا کہ بیان ہوا۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ: یہ احد پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں جب تم لوگ اس کے پاس سے گزرو تو اس کے درختوں کا پھل تبر کا کھا لیا کرو چاہے کتنا ہی تھوڑا سا کیوں نہ ہو مقصد رغبت دلانا ہے کہ کبھی کوئی شخص بغیر کھائے ہوئے یوں ہی گزر جائے (اگر اس پر کوئی کھانے کی چیز نہ ہو تو) ایک تنکا ہی منہ میں ڈال لے تاکہ برکت ہو۔

آنحضرت ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے کہ: احد پہاڑ جنت کے ارکان میں سے ایک رکن ہے یعنی جنت کی سمتوں میں سے ایک بہت بڑی سمت ہے' ایک روایت ہے کہ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے یہ جنت کے دروازے کی طرف کا ایک رکن ہو ایک روایت میں ہے کہ احد جنت کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے۔

یہ بات ممکن ہے کہ پہاڑ کے محبت کرنے سے حقیقی معنی مراد ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس پہاڑ میں محبت کا مادہ اسی طرح رکھ دیا جیسے داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح کرنے والے پہاڑوں میں تسبیح کا مادہ رکھ دیا تھا' جیسے حق تعالیٰ نے ان پتھروں میں اللہ کے خوف اور خشیت کا مادہ رکھ دیا تھا جن کے بارے میں ارشاد باری ہے:

وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ (الآیہ پ ا سورۂ بقرہ ع ۹ آیت ۷۴)

ترجمہ: اور ان ہی پتھروں میں بعض ایسے ہیں جو خدا تعالیٰ کے خوف سے نیچے لڑھک آتے ہیں اور حق تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ جملہ مختصر ہے مراد یہ ہے کہ احد کے لوگ یعنی انصار ہم سے محبت کرتے ہیں' یا اس لئے کہ اس احد پہاڑ کا نام احدیت کے مادے سے نکلا ہے (لہٰذا اس کی فضیلت بیان کی گئی)۔

اسی حدیث سے یہ مطلب نکالا گیا ہے کہ یہ پہاڑ سب سے افضل ترین پہاڑ ہے' ایک قول ہے کہ سب سے افضل پہاڑ

عرفہ کا ہے ایک قول کے مطابق افضل ترین پہاڑ ابو قبیس ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ پہاڑ سب سے افضل ہے جس پر کھڑے ہو کر موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے کلام کیا تھا' اسی طرح ایک قول کوہ قاف کے بارے میں بھی ہے۔

غزوہ احد کا سبب...... غزوہ احد کا سبب یہ ہوا کہ جب غزوہ بدر میں قریش ایک عبرتناک شکست کھا کر وہاں سے مکے پہنچے تو عبداللہ ابن ابو ربیعہ' عکرمہ ابن ابو جہل اور صفوان ابن امیہ اور قریش کے کچھ دوسرے معزز لوگ ابو سفیان کے پاس آئے' یہاں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ یہ تینوں حضرات جن کے نام گزشتہ سطر میں بیان ہوئے بعد میں مسلمان ہو گئے تھے' نیز فتح مکہ کے وقت خود ابو سفیان بھی مسلمان ہو گئے تھے۔

قریش کی جنگی تیاریاں...... غرض یہ سب قریشی سردار کچھ دوسرے معززین کے ساتھ ابو سفیان اور ان کے ان ساتھیوں کے پاس پہنچے جن کا مال ابو سفیان کے اس تجارتی قافلے میں تھا اور جو قافلہ جنگ بدر کا سبب بنا تھا' ابو سفیان کا یہ تجارتی مال مکے میں لا کر دارالندوہ میں رکھ دیا گیا تھا اور مالکوں تک اس لئے نہیں پہنچایا گیا تھا کہ جنگ کی وجہ سے مکے کے حالات خراب تھے اور قریش جو لشکر لے کر گئے تھے اس کی واپسی شکست کے ساتھ ہوئی جس کی وجہ سے وہ سارا مال اب تک دارالندوہ میں رکھا ہوا تھا' ان لوگوں نے آ کر ابو سفیان سے کہا:

"محمد ﷺ نے تمہارے بے شمار آدمیوں کو قتل کر دیا ہے اور ان بہترین لوگوں کا خون تم سے فریادی ہے' اس لئے بہتر ہو گا کہ اس مال تجارت سے محمد ﷺ کے ساتھ لڑنے کے لئے اگلی جنگ کی تیاری کریں ممکن ہے ہم اپنے مقتولوں کا بدلہ لینے میں کامیاب ہو سکیں!"

پھر ان لوگوں نے مزید کہا:

"ہم خوشی سے اس بات پر تیار ہیں کہ اس مال تجارت کے نفع سے محمد ﷺ کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے ایک لشکر تیار کیا جائے!"

یہ سن کر ابو سفیان نے کہا:

"سب سے پہلے میں اس تجویز کو منظور کرتا ہوں اور بنی عبد مناف میرے ساتھ ہیں!"

اس کے بعد انہوں نے اس مال میں سے نفع الگ کر کے جو اصل مال تھا وہ مالکوں کو دے دیا جس کی مالیت پچاس ہزار دینار تھی' جو اس کا نفع تھا وہ بھی سو فیصدی تھا یعنی کل نفع ملا کر بھی پچاس ہزار دینار ہوا وہ انہوں نے لشکر کی تیاری کے لئے علیحدہ کر لیا' ایک قول ہے کہ جو نفع علیحدہ کیا گیا وہ پچیس ہزار دینار تھا ادھر ان لوگوں کے متعلق حق تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ۔ (الآیہ پ۹ سورہ انفال ع ۴ آیت ۳۶)

ترجمہ: بلاشک یہ کافر لوگ اپنے مالوں کو اس لئے خرچ کر رہے ہیں کہ اللہ کی راہ سے روکیں سو یہ لوگ تو اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہی رہیں گے مگر پھر وہ مال ان کے حق میں باعث حسرت ہو جائیں گے پھر آخر مغلوب ہی ہو جائیں گے۔

ایک احسان فراموش...... قریش کے ساتھ ساتھ جو دوسرے لوگ ان کی جنگی تیاریوں میں شامل تھے وہ بنی کنانہ اور تہامہ کے عرب قبائل تھے ایک روز صفوان ابن امیہ نے ابو عزہ سے کہا۔

"اے ابو عزہ! تم ایک شاعر آدمی ہو اس لئے تمہیں اپنی زبان اور اس کی صلاحیتوں کے ذریعہ ہماری مدد کرنی چاہئے' اس

کے صلے میں تمہیں میں یہ وعدہ دیتا ہوں کہ اگر اس جنگ سے زندہ سلامت لوٹ آئیں تو تمہیں مالا مال کر دوں گا اور اگر تم ختم ہو گئے تو تمہاری بیٹیوں کو اپنی بیٹیوں کی طرح رکھوں گا اور تنگی و راحت میں جو کچھ میری بیٹیوں کو میسر ہو گا اس میں وہ بھی شریک رہیں گی!"

ابو عزہ جنگ بدر میں قید ہوا تھا اس کی منت خوشامد پر آنحضرت ﷺ نے اس پر یہ احسان کیا کہ اس کو بغیر فدیہ لئے چھوڑ دیا تھا جیسا کہ پیچھے بیان ہوا اُس نے صفوان کی پیشکش سن کر کہا۔

"مگر محمد ﷺ نے میرے اوپر احسان کیا تھا اور مجھے چھوڑتے وقت مجھ سے یہ وعدہ اور شرط لی تھی کہ میں ان کے خلاف کبھی کسی کو نہیں بھڑکاؤں گا' اس وقت میں بدر کے جنگی قیدیوں میں ان کے قبضہ میں تھا' اب میں نہیں چاہتا کہ ان کے خلاف کوئی کاروائی کروں!"

صفوان نے کہا:

"ٹھیک ہے مگر تمہیں کم از کم اپنی زبان سے ہماری مدد ضرور کرنی چاہئے!"

آخر ابو عزہ مان گیا اور وہ ایک دوسرا شاعر مسامع لوگوں کو اپنے اشعار کے ذریعہ جوش دلانے لگے' ان میں جہاں تک اس مسامع کا تعلق ہے تو اس کے اسلام کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے لیکن علامہ ابن عبدالبر کے کلام میں یہ ہے کہ مسافع ابن عیاض ابن صخر قرشی تیمی کو اسلام میں آنحضرت ﷺ کی صحبت حاصل ہے' یہ ایک شاعر تھے مگر ان سے کوئی روایت نہیں آتی' مگر میں نہیں جانتا کہ یہ مسافع ہی مسامع تھا یا کوئی اور شخص تھا۔

جہاں تک ابو عزہ کا تعلق ہے تو اس غزوہ احد کے بعد حمراء اسد کے مقام پر آنحضرت ﷺ نے اس پر قابو پالیا تھا یعنی پکڑ لیا تھا' یہ حمراء اسد ایک مشہور مقام کا نام ہے جس کا بیان آگے آ رہا ہے اور کہیں کہیں گزر بھی چکا ہے اس کے بعد آنحضرت ﷺ کے حکم پر عاصم ابن ثابت نے اس کا سر قلم کر دیا تھا' پھر اس کا سر مدینے لایا گیا جیسا کہ بیان ہو گا اور پیچھے بھی ایک آدھ جگہ گزر چکا ہے۔

تیر انداز وحشی...... غرض قریش ایک نئی اور فیصلہ کن جنگ کی تیاریاں کر رہے تھے جبیر ابن مطعم کا ایک حبشی غلام تھا یہ جبیر اور وحشی دونوں بعد میں مسلمان ہو گئے تھے' یہ وحشی ایک بے انتہا ماہر تیر انداز تھے اور ان کا نشانہ اتنا اچھا تھا کہ کبھی غلط نہیں ہوتا تھا جبیر نے وحشی کو بلا کر کہا۔

"تم بھی لوگوں کے ساتھ جنگ پر چلو' اگر تم نے میرے چچا طیمہ ابن عدی کے بدلے میں جن کو حمزہ نے بدر میں قتل کیا تھا محمد ﷺ کے چچا حمزہ ابن عبدالمطلب کو قتل کر دیا تو تم آزاد ہو"۔

ایک قول ہے کہ یہ وحشی خود طیمہ کا ہی غلام تھا اور طیمہ کی بیٹی نے اس سے یہ بات کہی تھی کہ اگر تم نے میرے باپ کے بدلے میں محمد یا حمزہ یا علی کو قتل کر دیا تو تم آزاد ہو' یہ تین نام میں نے اس لئے بتلائے ہیں کہ میرے خیال میں ان تینوں کے سوا رتبے میں میرے باپ کا ہم پلہ کوئی دوسرا نہیں ہے۔

شمشیر و سنان اور طاؤس و رباب...... اس جنگ میں قریش کے ساتھ عورتیں بھی تھیں جو دف بجاتی ہوئی چلی جا رہی تھیں' علامہ سبط ابن جوزی نے لکھا ہے کہ مشرکوں کے ساتھ طوائفیں اور گانے ناچنے والیاں دف اور شراب اور باجے گاجے لے کر نکلی تھیں' یہاں تک علامہ ابن جوزی کا حوالہ ہے۔

قریشی عورتوں میں سے پندرہ عورتیں لشکر کے ساتھ روانہ ہوئی تھیں وہ اپنے شوہروں کے ساتھ لشکر میں شامل تھیں' ان عورتوں میں ایک تو ابوسفیان کی بیوی ہندہ تھیں جو بعد میں مسلمان ہوگئے تھے۔ دوسری ام حکیم بنتِ طارق تھیں جو عکرمہ ابن ابوجہل کی بیوی تھیں • یہ دونوں بعد میں مسلمان ہوگئیں تھیں' تیسری سلافہ تھیں جو اپنے شوہر طلحہ ابن طلحہ کے ساتھ تھیں' اسی طرح ایک ام مصعب ابن عمیر تھیں۔

یہ سب عورتیں جنگ بدر کے قریشی مقتولوں پر روتی پیٹتی اور ان کا نوحہ و ماتم کرتی ہوئی چل رہی تھیں' اسی طرح یہ عورتیں اپنے مردوں کو جنگ پر اکسا بھی رہی تھیں ان میں جوش و جذبہ پیدا کر رہی تھیں اور انہیں شکست کھانے یا میدان جنگ سے بھاگنے پر غیرت دلاتی ہوئی چل رہی تھیں۔

عباسؓ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کو اطلاع..... آنحضرت ﷺ کو قریش کی ان جنگی تیاریوں اور جوش و خروش کی اطلاع مکے میں آپ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ نے بھیجی جو مکے میں تھے' اس سے پہلے قریش نے حضرت عباسؓ کو اپنے ساتھ اس جنگ میں بھی لے جانے کی کوشش کی مگر عباسؓ نے عذر کر دیا اور قریش کی اس لاپروائی کا ذکر کیا جو جنگ بدر کے موقعہ پر ان کے ساتھ کی گئی تھی کہ وہ گرفتار ہوئے تو کسی نے ان کی رہائی میں ان کی مدد نہیں کی۔

خبر کی رازداری..... حضرت عباسؓ نے آنحضرت ﷺ کو یہ اطلاع ایک خط کے ذریعہ دی تھی جو انہوں نے بنی غفار کے ایک شخص کے ہاتھ بھیجا تھا حضرت عباسؓ نے اس شخص کو خط لے جانے کے لئے اجرت پڑ تیار کیا تھا اور اس سے یہ شرط کی تھی کہ وہ تین دن رات مسلسل سفر کر کے مدینے پہنچے اور آپ ﷺ کو یہ خط حوالے کر دے' چنانچہ اس نے دن رات سفر کیا اور تیسری دن آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچ گیا' آپ اس وقت قباء میں تھے' جب اس شخص نے یہ خط آپ ﷺ کو پہنچایا تو آپ ﷺ نے اس کی مہر توڑی اور اس کے بعد ابیؓ بن کعب کو خط دے کر سنانے کے لئے کہا' ابی ابن کعب نے خط آپ کو سنایا' آپ ﷺ نے ابی سے اس خط اور خبر کو چھپانے کے لئے کہا' آنحضرت ﷺ سعد ابن ربیع کے یہاں ٹھہرے ہوئے تھے آپ نے ان کو اس خط کے متعلق بتلایا اور فرمایا:

"خدا کی قسم مجھے امید ہے کہ خیر ہی ہوگی مگر تم اس خبر کو ابھی پوشیدہ رکھنا"۔

جب آپ سعد ابن ربیع کے پاس تشریف لے گئے تو ان کی بیوی نے ان سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ سے کیا کہا ہے؟۔ انہوں نے کہا:

"تمہارا برا ہو' تمہیں اس سے کیا مطلب!

ان کی بیوی نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے جو کچھ فرمایا تھا وہ میں نے سن لیا ہے' اس کے بعد انہوں نے آپ ﷺ کی کہی ہوئی باتیں شوہر کو سنائیں' حضرت سعدؓ یہ سن کر بہت خوفزدہ ہوئے اور بیوی کا ہاتھ پکڑ کر انہیں آنحضرت ﷺ کے پاس لے گئے اور آپ ﷺ کو سارا واقعہ سنا کر کہنے لگے۔

"یارسول اللہ ﷺ! مجھے ڈر ہے کہ لوگ اس خبر کو مشہور کر دینگے اور آپ یہ سمجھیں گے کہ آپ کے منع کرنے کے باوجود میں نے اس خبر کو افشا کیا ہے!"

مگر آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر صرف اتنا فرمایا کہ اس عورت کو جانے دو۔

قریشی لشکر کا کوچ..... تمام تیاریوں کے بعد مکے سے قریشی لشکر روانہ ہوا اس لشکر میں تین ہزار آدمی تھے بعض راویوں نے

لکھا ہے کہ ابوسفیان نے تقریباً تین ہزار آدمیوں کا لشکر جمع کیا جس میں قریش کے علاوہ ان حلیفوں اور حبشیوں کی تعداد بھی شامل تھی‘ ابوسفیان کے ساتھ ابو عامر راہب بھی ستر گھوڑے سواروں کا ایک دستہ لے کر چلا۔

بنی مصطلق و بنی ہون سے دفاعی معاہدہ...... کتاب اصل یعنی عیون الاثر میں ہے کہ ان حبشیوں میں جنہوں نے قریش مکہ کے ساتھ اس جنگ میں شرکت کا معاہدہ کیا بنی مصطلق اور بنی ہون ابن حزیمہ کے لوگ تھے اور حبشی نامی پہاڑ کے پاس آکر جمع ہوئے تھے جو مکے کے زیریں حصے میں ہے‘ ان لوگوں نے قریش کے ساتھ یہ معاہدہ کیا تھا کہ جب تک راتوں کو تاریکیاں ہوتی رہیں گی اور دنوں میں سورج چمکتا رہے گا اور جب تک یہ حبشی پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہے گا ہم لوگ ایک جان ہو کر قریش کے ساتھ رہیں گے اور ان کے مخالفوں کا مقابلہ کریں گے مراد یہ ہے کہ ہم ہمیشہ ہمیشہ قریش مکہ کا ساتھ دیتے اور ان کے لئے جان کی بازی لگاتے رہیں گے۔

چونکہ یہ معاہدہ حبشی پہاڑ کے دامن میں ہوا تھا اس لئے ان لوگوں کو احابیش یعنی حبشی کہا جانے لگا۔

ایک قول یہ ہے کہ چونکہ یہ لوگ اس پہاڑ کے پاس آکر جمع ہوئے تھے اس لئے انہیں احابیش کہا گیا۔

احابیش کے اس لشکر میں دو سو گھوڑے سوار تین ہزار اونٹ اور سات سو زرہ پوش تھے‘ غرض یہ لشکر مکے سے روانہ ہو کر مدینے کے سامنے یعنی قریب میں ذی الحلیفہ کے مقام پر فروکش ہوا‘ یہ ذی الحلیفہ مدینے والوں کی میقات ہے جہاں سے وہ احرام باندھ کر مکے جاتے ہیں۔

اس موقعہ پر مدینے کے یہودیوں اور منافقوں نے افواہیں اور ہراس پھیلانا شروع کر دیا‘ آنحضرت ﷺ نے دشمن کا حال معلوم کرنے کے لئے اپنے دو جاسوس روانہ کئے جنہوں نے واپس آکر آپ ﷺ کو قریشی لشکر کے متعلق اپنی اطلاعات دیں۔

اس قریشی لشکر کے ساتھ عمرو ابن سالم خزاعی بھی بنی خزاعہ کے جوانوں کا ایک دستہ لے کر شامل ہو گیا تھا مگر ذی طوی کے مقام پر پہنچ کر اچانک اس نے اپنے دستے سمیت قریش کا ساتھ چھوڑ دیا اور یہ سب آنحضرت ﷺ کے ساتھ آگئے انہوں نے آپ کو دشمن کے لشکر کی پوری تفصیلات بتلائیں اور اس کے بعد واپس اپنے گھروں کو چلے گئے۔

حضرت آمنہ کی قبر کھودنے کا ارادہ...... ادھر قریشی لشکر مکے سے روانہ ہو کر راستے میں جب ابواء کے مقام پر پہنچا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ کی قبر کھود کر بے حرمتی کرنے کا ارادہ کیا تاکہ اسی طرح دل کی کچھ بھڑاس نکالیں) یہ مشورہ ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ نے دیا تھا‘ اس نے کہا تھا:

"تم محمد ﷺ کی والدہ کی قبر کھود کر ہڈیاں نکال لو‘ پھر جنگ میں تمہارے جو لوگ گرفتار ہوں تو ہر قیدی کے بدلے میں تم آمنہ کی ہڈیوں میں سے ایک ایک ہڈی فدیہ کے طور پر بھیجنا"۔

سمجھدار قریش...... اس پر بعض قریشیوں نے کہا:

"ہمیں یہ دروازہ نہیں کھولنا چاہئے ورنہ کل بنی بکر ہمارے مقابلے پر آئیں گے تو وہ ہمارے مُردوں کی قبریں کھود ڈالیں گے!"

قریشی لشکر نے مدینے کے سامنے پہنچ کر محاصرہ شروع کر دیا‘ حضرت سعد ابن معاذ حضرت اُسید ابن حضیر اور حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ عنہم مسلح ہو کر اور تمام ہتھیار لگائے پوری رات مسجد نبوی ﷺ میں آنحضرت ﷺ کے دروازے پر پہرہ دیتے رہے‘ یہاں تک کہ اسی طرح نگہبانی کرتے کرتے صبح ہو گئی‘ ادھر آنحضرت ﷺ نے رات میں ایک خواب دیکھا اور فرمایا:

آنحضرت ﷺ کا خواب اور اس کی تعبیر...... "رات میں نے خواب میں خیر دیکھی میں نے ایک گائے دیکھی جو ذبح کی جارہی تھی اور اپنی تلوار یعنی ذوالفقار کے ایک حصے میں شکستگی دیکھی' ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ میری تلوار کا دستہ ٹوٹ گیا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ میں نے دیکھا میری تلوار ذوالفقار میں دستے کے پاس ٹیڑھ آگئی ہے اور میں اس صورت حال کو برا سمجھتا تھا' یہ دونوں باتیں کوئی مصیبت ہیں' پھر میں نے دیکھا کہ میں ایک مضبوط زرہ میں ہاتھ ڈال رہا ہوں' ایک روایت میں یوں ہے کہ میں ایک مضبوط زرہ پہنے ہوئے ہوں اور دشمن کے سردار فوج کے سر پر مسلط ہو گیا ہوں"۔

صحابہ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ آپ نے اس کی کیا تعبیر لی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

"جہاں تک گائے کا تعلق ہے تو اس سے یہ اشارہ ہے کہ میرے کچھ صحابہ شہید ہوں گے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ گائے سے مراد میں نے یہ لی ہے کہ وہ ذبح ہونے والی گائے ہم میں سے ہوں گے اور جہاں تک میری تلوار میں ٹیڑھ یا شگاف کا تعلق ہے تو اس سے اشارہ یہ ہے کہ میرے گھر والوں یا خاندان میں سے کوئی شخص قتل ہو گا' ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ میری تلوار کی دھار میں شکستگی کا مطلب ہے کہ یہ نقصان تم لوگوں میں سے کسی کا نہیں ہو گا"۔

یہاں فلول کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں تلوار کی دھار کا کہیں سے کند ہو جانا یا پھر تلوار کے دستے میں شگاف پڑنا یا اس کا ٹوٹ جانا اس بات کی علامت ہے کہ دو حادثے پیش آئیں گے۔

"اور مضبوط زرہ کا مطلب مدینہ ہے' اور مینڈھے سے مراد ہے کہ میں دشمن کے حامیوں کو قتل کروں گا"۔

صحابہ سے مشورہ اور نبی کی رائے...... پھر آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے قریشی لشکر کے سلسلے میں مشورہ کیا (خود آپ کی رائے یہ تھی کہ قریش پر حملہ کرنے کے بجائے شہر میں رہ کر اپنا دفاع کیا جائے) آپ نے فرمایا:

"اگر تمہاری رائے ہو تو تم مدینے میں رہ کر ہی مقابلہ کرو ان لوگوں کو وہیں رہنے دو جہاں وہ ہیں' اگر وہ وہاں پڑے رہتے ہیں تو وہ جگہ ان کے لئے بدترین ثابت ہو گی اور اگر ان لوگوں نے شہر میں آکر ہم پر حملہ کرنا چاہا تو ہم شہر میں ان سے جنگ کریں گے اور شہر کے پیچ و خم کو ہم ان سے زیادہ جانتے ہیں"۔

ابن ابی کی رائے...... مدینہ شہر کی عمارتوں کو ہر طرف سے اس طرح ایک دوسری کے ساتھ ملا کر اور پیوست کر کے بنایا گیا تھا کہ وہ ایک قلعہ کی طرح ہو گیا تھا' مقابلے کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ نے جو رائے دی تھی یہی رائے تمام بڑے بڑے مہاجر اور انصاری صحابہ کی بھی تھی۔ (قال) یہاں تک کہ اس رائے پر منافقوں کے سردار عبداللہ ابن ابی نے بھی اتفاق کیا' آپ ﷺ نے اس کے پاس آدمی بھیج کر اس سے مشورہ مانگا تھا جب کہ اس سے پہلے آپ نے کبھی کسی معاملے میں اس سے مشورہ نہیں لیا تھا' غرض عبداللہ ابن ابی نے آکر آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! آپ مدینے میں ہی رہیئے باہر نکل کر مقابلہ نہ کیجئے کیونکہ خدا کی قسم جب کبھی بھی کسی دشمن کے حملہ کے موقعہ پر ہم نے اس شہر سے نکل کر مقابلہ کیا تو نقصان اٹھایا اور جب بھی کوئی دشمن یہاں شہر میں داخل ہوا تو اس کو نقصان اٹھانا پڑا' اس لئے اے پیغمبر خدا! ان لوگوں کو وہیں پڑے رہنے دیجئے' اگر وہ پڑے رہے تو وہ ان کے لئے بدترین جگہ ثابت ہو گی اور اگر انہوں نے شہر میں داخل ہونے کی کوشش کی تو آگے لوگ ان سے دوبدو مقابلہ کریں گے اور پیچھے سے بچے ان پر پتھراؤ کریں گے' اور اگر وہ انتظار کر کے باہر سے باہر ہی واپس چلے گئے تو ناکام و نامراد اسی طرح چلے جائیں گے جیسے آئے ہیں!"

اس روایت کے مطابق تو بظاہر ابن ابی نے یہ رائے دی تھی مگر یہ بات دوسرے راویوں کے قول کے خلاف ہے' انہوں

نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ابن ابی کو پہلی بار مشورہ کے لئے بلایا جب کہ کبھی آپ نے اس سے کسی معاملے میں مشورہ نہیں لیا تھا' آپ کے مشورہ لینے پر اس نے کہا:

"یارسول اللہ! ان کتوں سے جنگ کرنے کے لئے ہمارے ساتھ شہر سے باہر چلئے!"

مگر گزشتہ روایت ہی زیادہ درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ آگے عبداللہ ابن ابی کے لشکر سے نکل کر واپس چلے جانے کا واقعہ آرہا ہے اور اس کی روشنی میں وہی روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے جس کے مطابق اس نے مدینے میں ہی رہنے کا مشورہ دیا تھا۔

نوجوان صحابہ کا جوش اور حملہ کے لئے اصرار...... جہاں تک اس کے اس قول کا تعلق ہے کہ آنحضرت ﷺ نے میری مخالفت کی' وغیرہ تو یہ بات ایک مسلمان نے کہی تھی جو غزوہ احد میں شہید ہوا' ادھر جو نوجوان صحابہ تھے وہ اور کچھ پختہ عمر کے لوگ یہ بھی چاہتے تھے کہ شہر سے نکل کر دشمن سے مقابلہ کیا جائے تو ان میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جنہیں بدر میں اپنے شریک نہ ہو سکنے کا افسوس تھا اور اس دفعہ اپنے ارمان پورے کرنا چاہتے تھے ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا:

"ہمیں لے کر دشمن کے مقابلے کے لئے باہر چلئے تاکہ وہ ہمیں کمزور اور بزدل نہ سمجھنے لگیں' کیونکہ اس طرح ہمارے مقابلے کے لئے ان کے حوصلے بڑھ جائیں گے' خدا کی قسم عرب یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ ہم کو دھکیلتے ہوئے ہمارے گھروں میں گھس آئیں۔

ایک روایت میں ہے کہ انصاریوں نے آپ سے عرض کیا:

"یارسول اللہ! خدا کی قسم جو دشمن بھی ہمارے علاقے میں آیا ہم سے شکست کھا کر گیا ہے' اور اب جب کہ آپ ہمارے درمیان موجود ہیں دشمن کیسے غالب آسکتا ہے"۔

حضرت حمزہ ابن عبدالمطلب نے بھی ان ہی لوگوں کی تائید کی اور کہا:

"قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر قرآن پاک نازل فرمایا ہے کہ میں اس وقت تک کوئی چیز نہیں کھاؤں گا جب تک مدینے سے باہر دشمن کے ساتھ جنگ نہیں کرلوں گا"۔

اکثریت کی رائے پر حملہ سے اتفاق...... ادھر تو لوگوں کی ایک بڑی تعداد یہ مشورہ دے رہی تھی اور دوسری طرف آنحضرت ﷺ کو شہر سے باہر جاکر لڑنا پسند نہیں آرہا تھا مگر لوگ جب مستقل طور پر اصرار کرتے رہے تو آخر آپ کو ان سے اتفاق کرنا پڑا۔ آپ ﷺ نے جمعہ کی نماز پڑھی اور لوگوں کے سامنے وعظ فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ وہ پوری تندہی اور ہمت کے ساتھ جنگ کریں آپ ﷺ نے ان کو خوش خبری دی کہ اگر لوگوں نے صبر سے کام لیا تو حق تعالیٰ ان کو فتح و کامرانی عطا فرمائے گا' پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ دشمن کے سامنے جاکر لڑنے کی تیاری کریں۔

آنحضرت ﷺ کی تیاری...... لوگ یہ حکم سن کر خوش ہوگئے اس کے بعد آپ نے سب کے ساتھ عصر کی نماز پڑھی اس وقت تک وہ لوگ بھی جمع ہوگئے جو قرب و جوار سے آئے تھے' پھر آنحضرت ﷺ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ اپنے گھر میں تشریف لے گئے' ان دونوں نے آنحضرت ﷺ کے عمامہ باندھا اور آپ کو جنگی لباس پہنایا باہر لوگ آپ ﷺ کے انتظار میں صفیں باندھے کھڑے ہوئے تھے اس وقت حضرت سعد ابن معاذ اور حضرت اسید ابن حضیر نے لوگوں سے کہا:

حضرت اسیدؓ کی نوجوانوں کو ملامت...... "تم لوگوں نے باہر نکل کر لڑنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کو آپ کی مرضی کے خلاف مجبور کر دیا ہے اس لئے اب بھی معاملہ کو آپ کے اوپر چھوڑ دو آپ جو بھی حکم دیں گے اور آپ کی جو رائے ہوگی

تمہارے لئے اسی میں بھلائی ہو گی‘اس لئے آپ ﷺ کی فرمانبرداری کرو"۔

آنحضرت ﷺ کا جنگی لباس...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ باہر تشریف لائے‘ آپ نے جنگی لباس پہن رکھا تھا آپ نے دوہری زرہ پہن رکھی تھی یعنی ایک کے اوپر دوسری زرہ تھی‘ یہ ذات الفضول اور فضہ نامی زرہیں تھیں جو آپ نے بنی قینقاع کے مال غنیمت میں سے لی تھیں جیسا کہ بیان ہوا‘ ذات الفضول وہ زرہ تھی جو اس وقت آپ کو حضرت سعد ابن عبادہ نے بھیجی تھی جب کہ آپ غزوہ بدر کے لئے تشریف لے جا رہے تھے اور یہی وہ زرہ تھی کہ جب آپ کا انتقال ہوا تو یہ زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی پھر حضرت ابو بکرؓ نے اس زرہ کو چھڑایا تھا۔

آنحضرت ﷺ نے زرہ لباس کے اوپر پہنی تھی اور درمیان میں جہاں تلوار کا تسمہ حائل تھا اسی کے ساتھ کمر میں ایک چمڑے کا پٹکہ باندھا ہوا تھا‘ مگر امام ابو العباس ابن تیمیہ نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ آپ نے پٹکہ بھی باندھا تھا‘ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ایسی کوئی روایت نہیں ملی جس سے معلوم ہو کہ آنحضرت ﷺ نے کمر میں پٹکہ یعنی پیٹی باندھی تھی۔

مگر کہا جاتا ہے کہ ابن تیمیہ کی اس سے مراد وہ مشہور اور عام پٹکہ ہے جو لوگ باندھتے ہیں جب کہ یہ پٹکہ وہ عام پٹکہ نہیں تھا (بلکہ مخصوص قسم کا تھا) مگر بعض روایتوں سے اس بات کی تردید ہوتی ہے کیونکہ ان میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس چمڑے کا ایک پٹکہ تھا جس کی تین کڑیاں چاندی کی تھیں اور سرے بھی چاندی کے تھے‘ اس کے جواب میں بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کے پاس پٹکہ کے ہونے سے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ آپ نے اس کو باندھا بھی ہو‘ بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

نوجوانوں کا اظہار ندامت...... غرض اس کے ساتھ ہی آنحضرت ﷺ نے پہلو میں تلوار حائل فرمائی ہوئی تھی اور پشت پر ترکش لگا رکھا تھا‘ ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ سکب نامی اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے تلوار حمائل فرمائی اور نیزہ ہاتھ میں لیا‘ بہر حال ممکن ہے دونوں باتیں پیش آئی ہوں‘ غرض حضرت سعد ابن معاذ اور حضرت اسید ابن حضیر کے کہنے پر اب لوگوں کو آنحضرت ﷺ پر اپنے اصرار کا خیال ہوا تھا لہذا انہوں نے آپ سے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! ہمارا یہ مقصد نہیں تھا کہ ہم آپ کی رائے کی مخالفت کریں یا آپ کو مجبور کریں‘ لہذا آپ جو مناسب سمجھیں اسی کے مطابق عمل فرمائیں‘ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اگر آپ شہر سے نکل کر مقابلہ پسند نہیں فرماتے تو یہیں رہیئے!"

اٹل فیصلہ اور نبی کا مقام...... آپ نے فرمایا:

"میں نے تم سے یہیں شہر میں رہنے کو کہا تھا مگر تم نے انکار کر دیا (اب میں ہتھیار لگا چکا ہوں) اور کسی نبی کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ ہتھیار لگانے کے بعد اس وقت تک انہیں اتارے جب تک اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے دشمنوں کے درمیان فیصلہ نہ فرما دے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ جب تک وہ جنگ نہ کرے!"

اسی فرمان سے یہ مسئلہ نکالا گیا ہے کہ ہتھیار لگانے کے بعد نبی کے لئے بغیر دشمن سے مقابلہ کئے انہیں اتارنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ ہمارے شافعی علماء کا یہی مذہب ہے‘ ایک قول ہے کہ اس طرح بغیر جنگ کئے ہتھیار اتار دینا نبی کے لئے مکروہ ہے مگر یہ بات قرین قیاس نہیں ہے۔

ادھر آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد کہ کسی نبی کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے‘ اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ اس مسئلے میں تمام ہی نبی آپ کی طرح ہیں اور یہ مسئلہ اور حکم سب پیغمبروں کے لئے اسی طرح ہے‘ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہتھیار لگا کر بغیر لڑے اتار دینا بزدلی کو ظاہر کرتا ہے اور بزدلی نبیوں کے لئے ممکن نہیں ہے‘ یہ بات کتاب نور میں کہی گئی ہے‘ اور حرام چیزوں میں اگر

کوئی مستثنیٰ ہو تو وہ مکروہ ضرور ہوتی ہے کیونکہ ممانعت کی چیزوں میں حرام کا درجہ ایسا ہے جیسے ان چیزوں میں واجب کا درجہ ہوتا ہے جن سے منع کیا گیا ہو (یعنی یوں کہا جائے کہ فلاں فلاں چیز حرام ہے سوائے اس چیز کے تو یہاں جس چیز کو حرام چیزوں میں مستثنیٰ کیا گیا وہ حرام تو نہیں مگر مکروہ ضرور ہوگی)۔

اس غزوہ کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے تین پرچم تیار کرائے' ایک پرچم قبیلہ اوس کا تھا جو حضرت اسید ابن حضیر کے ہاتھ میں تھا۔ دوسرا پرچم مہاجرین کا تھا جو حضرت علی ابن ابو طالب کے ہاتھ میں تھا۔ ایک قول ہے کہ حضرت مصعب ابن عمیر کے ہاتھ میں تھا' یہ قول اس بنیاد پر ہے کہ جب یہ پوچھا گیا کہ مشرکوں کا پرچم کس شخص کے ہاتھ میں ہے تو کہا گیا کہ طلحہ ابن ابو طلحہ کے ہاتھ میں ہے جو بنی عبد الدار میں سے ہے' یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے مہاجروں کا پرچم حضرت علیؓ کے ہاتھ میں سے لے کر حضرت مصعبؓ ابن عمیر کے ہاتھ میں دے دیا' اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت مصعبؓ بھی بنی عبد الدار میں سے تھے اور جاہلیت کے زمانے میں بنی عبد الدار ہی لوگ جنگی پرچم اٹھایا کرتے تھے جیسا کہ بیان ہوا اور آگے بھی اس کی تفصیل آئے گی۔

تیسرا اسلامی پرچم قبیلہ خزرج کا تھا جو حضرت حباب ابن منذر کے ہاتھ میں تھا' ایک قول یہ ہے کہ حضرت سعد ابن عبادہ کے ہاتھ میں تھا جو اسی قبیلہ خزرج کے سردار تھے۔

اسلامی لشکر کی تعداد...... آنحضرت ﷺ ایک ہزار صحابہ کا لشکر لے کر روانہ ہوئے' ایک قول ہے کہ لشکر کی تعداد نو سو تھی' مگر شاید روایت کی غلطی سے یہاں سات سو کے بجائے نو سو کہا گیا ہے' کیونکہ آگے روایت آئے گی کہ راستے میں سے عبد اللہ ابن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کے لے کر واپس چلا گیا تھا لہٰذا اس کا مطلب ہے کہ ابتداء میں اس لشکر کی تعداد ایک ہزار تھی پھر ابن ابی کی غداری کی وجہ سے تین سو کم ہو کر کل تعداد سات سو رہ گئی' ان سات سو میں سے ایک سو افراد زرہ پوش تھے۔

لشکر میں رسول اللہ ﷺ کے آگے آگے دونوں سعد یعنی حضرت سعدؓ ابن معاذ اور حضرت سعدؓ ابن عبادہ چل رہے تھے جو قبیلہ اوس اور قبیلہ خزرج کے سردار تھے' یہ دونوں حضرات زرہ پوش تھے۔

یہود کی مدد لینے سے انکار...... آنحضرت ﷺ نے حضرت ابن ام مکتومؓ کو مدینے میں اپنا قائم مقام بنایا اور مدینے سے کوچ فرما کر شنیہ کے مقام پر پہنچے۔ یہاں پہنچ کر آپ نے دیکھا کہ ایک خاصا بڑا فوجی دستہ وہاں پہلے سے موجود ہے' آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ تو لوگوں نے کہا۔

"یہ یہود کے وہ لوگ ہیں جو عبد اللہ ابن ابی ابن سلول کے حلیف اور معاہدہ بردار ہیں (لہٰذا ابن ابی کی حمایت میں مسلمانوں کے دوش بدوش لڑنے کے لئے آئے ہیں!"

آپ نے پوچھا کیا یہ لوگ مسلمان ہو گئے ہیں؟ تو بتایا گیا کہ نہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا:

"ہم مشرکوں سے لڑنے کے لئے کافر کی مدد نہیں لیں گے"۔

اس طرح آپ نے ان لوگوں یعنی ان یہودیوں کو واپس فرما دیا جو بنی قینقاع کے یہودیوں کے علاوہ تھے۔ یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ بنی قینقاع کی جلاوطنی غزوہ احد کے بعد ہوئی تھی مگر یہ بات نہیں ہے کیونکہ ابن ابی کے یہ یہودی حلیف بنی قینقاع کے حلیفوں کے علاوہ تھے جن کا ذکر گزرا ہے اس لئے کہ ہم اس بات کو نہیں مانتے کہ یہودیوں میں اس کے حلیف صرف بنی قینقاع میں ہی تھے۔

لشکر کا معائنہ اور کمسنوں کی واپسی...... غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ وہاں سے روانہ ہوئے اور شیخین کے مقام پر

پہنچ کر آپ نے پڑاؤ ڈالا۔ یہ شیخین دو پہاڑوں کا نام تھا' یہاں پہنچ کر آپ نے لشکر کا معائنہ فرمایا اور اس میں سے ان نوجوانوں کو واپس فرمادیا جن کے متعلق آپ نے اندازہ لگایا کہ وہ پندرہ سال کیا چودہ سال کی عمر کے بھی نہیں ہیں۔ امام شافعی سے اسی طرح نقل ہے۔ بعض علماء نے ان سے اس طرح نقل کیا ہے کہ جن کو آپ نے دیکھا کہ وہ چودہ سال کی عمر کے نہیں ہیں' ایسے لوگوں میں عبداللہ ابن عمرؓ' زید ابن ثابتؓ' اسامہ ابن زیدؓ' زید ابن ارقمؓ' براءؓ ابن عازب' اسیدؓ ابن ظہیر' عرابہؓ ابن اوس۔ ان عرابہ کے متعلق بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ صحابی نہیں ہیں۔ غرض ان کمسن لوگوں میں ان کے علاوہ ابو سعید خدریؓ اور سعدؓ ابن خثیمہ بھی شامل تھے۔

دو کمسنوں کا جوش جہاد...... حضرت زید ابن حارثہ انصاری کا باپ حارثہ منافقوں میں سے تھا اور مسجد ضرار کے بنانے والوں میں سے تھا (جس کا ذکر آگے آئے گا مگر خود حضرت زیدؓ اتنے پرجوش مجاہد تھے کہ کمسنی کے باوجود جنگ میں جانے پر آمادہ تھے) اسی طرح ان کمسن مجاہدوں میں رافع ابن خدیج اور سمرہ ابن جندب بھی تھے جنہیں آنحضرت ﷺ نے واپس ہونے کا حکم دیا مگر پھر رافع ابن خدیج کو آنحضرت ﷺ نے جنگ میں شریک ہونے کی اجازت دے دی تھی کیونکہ ان کے بارے میں ایک قول ہے کہ وہ غزوہ احد میں ایک تیر سے زخمی ہوئے تھے اور اس وقت آنحضرت ﷺ نے ان کے متعلق فرمایا تھا:

"میں قیامت کے دن اس کے لئے گواہی دوں گا!"

ان کا انتقال عبدالملک ابن مروان کی خلافت کے زمانے میں ہوا جب کہ ان کا یہی زخم پھر تازہ ہو گیا تھا' غرض جب آنحضرت نے رافع ابن خدیج کو جنگ میں شرکت کی اجازت دے دی تو انہوں نے (سمرہ نے) اپنے سوتیلے باپ سے کہا:

"رسول اللہ ﷺ نے رافع ابن خدیج کو اجازت دے دی اور مجھے واپس ہونے کا حکم دے دیا حالانکہ میں ان کے مقابلے میں زیادہ طاقتور ہوں"۔

جب آنحضرت ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا اچھا تم دونوں کی کشتی ہو جائے' چنانچہ دونوں کی کشتی ہوئے اور سمرہ ابن جندب نے رافع کو پچھاڑ دیا' اس پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت سمرہؓ کو بھی جنگ میں شریک ہونے کی اجازت دے دی۔

اسی طرح جن لوگوں کو آنحضرت ﷺ نے کمسنی کی وجہ سے غزوہ احد میں شریک کرنے سے روکا ان میں سعد ابن حبتہ بھی تھے حبتہ ان کی ماں کا نام تھا اور یہ اپنی ماں کی نسبت سے ہی مشہور تھے' غزوہ خندق کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ یہ بہت شدید جنگ کر رہے ہیں اور انتہائی سرفروشی کے ساتھ لڑ رہے ہیں' آپ نے ان کو بلا کر ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کو ان کی اولاد اور نسل میں برکت کی دعا دی' چنانچہ اس دعا کا اثر یہ تھا کہ یہ چالیس بھتیجوں کے چچا چالیس بھانجوں کے ماموں اور بیس بیٹوں کے باپ ہوئے' ان کی اولاد میں امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد خاص امام ابو یوسفؒ بھی ہیں۔

پیچھے غزوہ بدر کے بیان میں گزرا ہے کہ آپ نے بدر کے موقعہ پر بھی حضرت زید ابن ثابت زید ابن ارقم اور اسید ابن حضیر کو واپس فرمادیا تھا (اور اب غزوہ احد کے موقعہ پر بھی ان کو کم عمری ہی کی وجہ سے واپس فرمادیا)۔

غرض جب آنحضرت ﷺ لشکر کے معائنے سے فارغ ہوئے تو سورج غروب ہو گیا' حضرت زبیرؓ نے اذان دی اور آنحضرت ﷺ نے مغرب کی نماز پڑھائی' کچھ دیر بعد عشاء کی اذان ہوئی اور آپ نے عشاء کی نماز پڑھائی۔ اس کے بعد آپ آرام فرمانے کے لئے لیٹ گئے' لشکر کی حفاظت کے لئے اس رات آپ نے حضرت محمد ابن مسلمہ کو پچاس مجاہدوں کے ساتھ متعین کیا جو تمام رات سارے اسلامی لشکر کے گرد گشت کرتے رہے اور آنحضرت ﷺ سو گئے' جب آپ سو رہے تھے تو ذکوان

ابن عبید قیسؓ آنحضرت ﷺ کی حفاظت کے لئے وہیں کھڑے رہے" وہ آپ کے پاس سے ایک گھڑی کو بھی علیحدہ نہیں ہوئے کیونکہ سونے سے پہلے آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا:

"کون ہے جو آج رات صبح تک ہمارے پاس پہرہ دے"۔

حمزہ کی شہادت کی پیشین گوئی...... اس پر حضرت ذکوان نے اپنی خدمات پیش کیں' حدیث میں آتا ہے کہ صبح کو آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ فرشتے حضرت حمزہؓ کو غسل دے رہے ہیں!"

رات کے آخری حصے میں آنحضرت ﷺ نے شیخین کے مقام سے آگے کوچ فرمایا اور مدینے اور احد کے درمیان یعنی احد کے قریب صبح کی نماز کا وقت ہو گیا (اور اس جگہ آپ نے نماز ادا فرمائی) اس جگہ کا نام شوط تھا۔

ابن ابی اور منافقوں کی غداری...... اسی جگہ عبداللہ ابن ابی ابن سلول اپنے ساتھی منافقوں سمیت آنحضرت ﷺ کا ساتھ چھوڑ کر واپس ہو گیا۔ اس کے ساتھیوں کی تعداد تین سو تھی جو سب منافق تھے' واپس ہوتے ہوئے عبداللہ ابن ابی کہنے لگا:

"انہوں نے یعنی آنحضرت ﷺ نے میری بات نہیں مانی بلکہ لڑکوں کی باتوں میں آگئے جن کی رائے کوئی رائے ہی نہیں ہے اب خود ہی ہماری رائے کا پتہ چل جائے گا ہم خواہ مخواہ اپنی جانیں دیں' اس لئے ساتھیو واپس چلو!

واضح رہے کہ عبداللہ ابن ابی کی رائے یہ تھی کہ مدینے ہی میں رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے' شہر سے نکل کر دشمن کا سامنا کرنا مناسب نہیں ہے۔ یہی رائے خود آنحضرت ﷺ اور تمام بڑے بڑے انصاری اور مہاجر صحابہ کی تھی مگر عام طور پر لوگوں کی رائے یہ تھی جن میں زیادہ تر نوجوان اور پرجوش صحابہ تھے اور کچھ عمر رسیدہ حضرات بھی تھے کہ دشمن جب ہمارے دروازے پر دستک دینے آیا ہے تو اس کے اندر آنے کا انتظار نہیں کرنا چاہئے بلکہ باہر نکل کر تلواروں اور نیزوں سے اس کا استقبال کرنا چاہئے' چنانچہ نوجوانوں کے اس جوش و خروش اور اصرار کو دیکھتے ہوئے آنحضرت ﷺ شہر سے نکل کر مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے' اس وقت ابن ابی نے اسی بات کو اپنی واپسی کا بہانہ بنایا حالانکہ لڑنا اور مسلمانوں کا ساتھ دینا تو اسے کسی بھی حال میں منظور نہیں تھا لیکن اسے کسی بہانے کی تلاش تھی جس کو بنیاد بنا کر وہ یہاں سے بھاگ سکے' بہانے کی ضرورت اس لئے تھی کہ ظاہر میں تو وہ بہر حال اسلام قبول کر چکا تھا اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا تھا اس لئے بے سبب کیسے مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ سکتا تھا)۔

ابن حرام کی منافقوں کو ملامت...... غرض سردار منافقین کے اس حکم پر اس کے منافق ساتھی مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر مدینے کو لوٹ گئے' ان کو جاتے دیکھ کر حضرت جابرؓ کے والد حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن حرام ان کے پیچھے لپکے۔ یہ بھی عبداللہ ابن ابی کی طرح قبیلہ خزرج کے بڑے تھے انہوں نے واپس جانے والوں سے کہا:

"میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا یہ بات تمہارے لئے مناسب ہے کہ تم عین اس وقت اپنے نبی اور اپنی قوم کے ساتھ غداری کرو جب کہ دشمن اپنی پوری قوت و طاقت کے ساتھ ان کے سامنے کھڑا ہے"۔

ان لوگوں نے کہا:

"اگر ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ تم لوگ جنگیں لڑو گے تو ہم تمہارے ساتھ ہی نہ آتے' ہم تو یہ سمجھے تھے کہ جنگ وغیرہ کچھ نہیں ہو گی!"

اس طرح انہوں نے صاف صاف واپسی کا اعلان کر دیا۔ اس پر حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن حرام نے کہا:

"خدا کے دشمنو! اللہ تمہیں ہلاک و برباد کرے' جلد ہی حق تعالیٰ اپنے نبی کو تم سے مستغنی کر دے گا!"

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ یہ مذکورہ قول ابن ابی کے اس قول کے خلاف ہے کہ ہم کس لئے جنگ کریں (کیونکہ اس وقت میں جنگ کے امکان کو وہ مان رہا ہے لیکن اپنے لئے وہ اس کو بے فائدہ سمجھتا ہے جب کہ آگے وہ یوں کہتا ہے کہ اگر ہمیں پتہ ہوتا کہ جنگ بھی کرنی پڑے گی تو ہم تمہارا ساتھ ہی نہ دیتے) اس اشکال کے جواب میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ اول تو جنگ کا ہمیں خیال ہی نہیں تھا اور اگر بالفرض محال جنگ کا امکان ہو بھی تو ہم کس لئے اپنی جانیں گنوائیں۔

منافقوں کے متعلق صحابہ میں رائے زنی...... (عبداللہ ابن ابی کے اس طرح راستے میں سے ساتھ چھوڑ کر جانے کے نتیجہ میں مسلمانوں میں دو جماعتیں ہو گئیں) چنانچہ اس کے اور اس کے ساتھیوں کے واپس ہوتے ہی ایک جماعت یہ کہنے لگی کہ ان منافقوں کو قتل کر دینا چاہئے اور ایک جماعت یہ کہنے لگی کہ انہیں قتل نہیں کرنا چاہئے (وہ بھی مومن ہیں) یہ دو گروہ قبیلہ اوس میں سے بنی حارثہ اور قبیلہ خزرج میں سے بنی سلمہ کے تھے' اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا (الآیہ پ۵ سورۂ نساء ع۱۲ آیت ۸۸)

پھر تم کو کیا ہوا کہ ان منافقوں کے باب میں تم دو گروہ ہو گئے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انکو الٹا پھیر دیا انکے بداعمال کے سبب۔

ایک جماعت صحابہ کی منجانب اللہ دستگیری...... علامہ سبط ابن جوزیؒ نے لکھا ہے کہ جب بنی مسلمہ اور بنی حارثہ نے عبداللہ ابن ابی کو غداری کرتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے بھی واپس ہونے کا ارادہ کیا یہ دونوں قبیلے لشکر کے دونوں بازوؤں پر تھے مگر پھر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں گروہوں کو اس گناہ سے بچالیا اور انہوں نے واپس جانے کا ارادہ ختم کر دیا' اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ

(پ ۴ آل عمران ۱۳/ ۱۲۲)

ترجمہ: جب تم میں سے دو جماعتوں نے دل میں خیال کیا کہ ہمت ہار دیں اور اللہ تعالیٰ ان دونوں جماعتوں کا مددگار تھا اور پس مسلمانوں کو تو اللہ تعالیٰ ہی پر اعتماد کرنا چاہئے۔

غرض ابن ابی اور اس کے تین سو ساتھیوں کی اس غداری کے بعد اب آنحضرت ﷺ کے ساتھ صرف سات سو آدمی رہ گئے' چنانچہ مواہب میں جو کچھ ہے اس کو اس پس منظر کے ساتھ دیکھنا چاہئے' مواہب میں ہے کہ کہا جاتا ہے ان لوگوں کے کفر کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے ایک مقام پر جس کو شوط کہا جاتا تھا ان کو واپس ہونے کا حکم دیا' کیونکہ یہ لوگ جن کو آپ ﷺ نے ان کے کفر کی وجہ سے لوٹایا عبداللہ ابن ابی ابن سلول کے حلیف اور حمایتی تھے اور یہودیوں میں سے تھے' ان لوگوں کی واپسی شوط کے مقام سے پہلے ہوئی تھی اور وہ لوگ جن کے ساتھ عبداللہ ابن ابی واپس ہوا تھا منافق تھے اور یہ لوگ شوط کے مقام سے واپس ہوئے تھے۔

احد کے موقعہ پر اس دن مسلمانوں کے پاس صرف دو گھوڑے تھے جن میں سے ایک رسول اللہ ﷺ کا تھا اور دوسرا گھوڑا ابو بردہ کا تھا' ایک قول یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے پاس کوئی گھوڑا نہیں تھا' یہ قول موسیٰ ابن عتبہ کی روایت سے فتح الباری میں نقل کیا گیا ہے اور اس کو درست قرار دیا گیا ہے۔

ادھر جب عبداللہ ابن ابی واپس ہوا تو انصاریوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! کیا یہودیوں میں جو لوگ ہمارے حلیف اور حمایتی ہیں ان سے اس موقعہ پر مدد نہ لے لیں"۔

ان کی مراد مدینے کے یہودی تھے اور ان میں شاید بنی قریظہ کے یہودی مراد تھے کیونکہ بنی قریظہ کے یہودی حضرت سعد ابن معاذؓ کے حلیف تھے اور حضرت سعد ابن معاذ قبیلہ اوس کے سردار تھے' حضرت سعد کے بارے میں بعض علماء نے کہا ہے کہ انصاریوں میں ان کی حیثیت اور درجہ ایسا ہی تھا جیسا مہاجروں میں حضرت ابو بکرؓ کا مقام تھا' غرض انصاریوں کے اس سوال پر آنحضرت ﷺ نے صرف یہ فرمایا:

"ہمیں ان کی مدد کی ضرورت نہیں ہے!"

اقول۔ مولف کہتے ہیں (پیچھے بیان ہو چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہودیوں سے مدد لینے کے سوال پر اس سے پہلے بھی یہ فرمایا تھا کہ ہم مشرکوں کے مقابلے کے لئے کافروں کی مدد نہیں لیں گے (لہٰذا آپ کے اس ارشاد کے بعد انصاریوں کا یہ سوال بے معنی معلوم ہوتا ہے) لہٰذا اس روشنی میں مراد یہ ہوگی کہ قبیلہ اوس کے انصاریوں میں سے کچھ ایسے لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے یہ بات دریافت کی جنہوں نے یہودیوں کے بارے میں آپ کا وہ ارشاد نہیں سنا تھا۔ واللہ اعلم

ایک اندھے منافق کی بکواس...... پھر آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

"کون ہے جو ہمیں قریب کے راستے سے دشمن کی طرف لے جائے"۔

یعنی ایسے راستے سے جو عام گزرگاہ نہیں ہے' اس پر حضرت ابو خثیمہ نے کہا کہ یارسول اللہ میں لے چلوں گا' چنانچہ وہ آپ کو بنی حارثہ کے محلے اور ان کی نجی زمینوں اور املاک میں سے نکالتے ہوئے مع مسلمانوں کے لے چلے یہاں تک کہ وہ مربع ابن قیظی حارثی کے باغ میں داخل ہوئے یہ ایک منافق شخص اور اندھا تھا (اس نے اندازہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کے ساتھ اس کے باغ میں داخل ہوئے ہیں) اس نے مٹی اٹھا اٹھا کر مسلمانوں کے منہ کی طرف پھینکنی شروع کر دی اور چلانے لگا:

"اگر تم خدا کے رسول ہو تو میں تمہیں اپنے باغ میں گھسنے کی اجازت نہیں دے سکتا"۔

اس کے ہاتھ میں مٹی سے بھرا ہوا ایک پیالہ تھا' چونکہ یہ شخص اندھا تھا اس لئے آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے کہنے لگا:

"اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ میں مٹی پھینکوں تو تمہارے ہی منہ پر لگے گی تو اے محمد! میں اس مٹی کو تمہارے منہ پر مارتا!"

یہ سن کر حضرت سعد ابن زید اس پر جھپٹے اور انہوں نے اپنی کمان مار کر اس کا سر پھاڑ دیا' دوسرے مسلمان بھی غضب ناک ہو رہے تھے انہوں نے اس شخص کو قتل کرنا چاہا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"اسے قتل مت کرو۔ یہ اندھا دل کا بھی اندھا ہے اور آنکھ کا بھی اندھا ہے!"

اس اندھے کی طرف سے بنی حارثہ کے وہ لوگ بھی بگڑ اٹھے جو اسی کا سا دماغ رکھتے تھے یعنی جو منافقوں میں سے تھے مگر عبداللہ ابن ابی کے ہمراہ لوٹنے والوں کے ساتھ نہیں آئے تھے' ان کے ارادے بھانپ کر حضرت اسید ابن حضیر نے ان کی طرف لپکنا چاہا مگر آنحضرت ﷺ نے ان کو اشارے سے منع فرمادیا"۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ آگے بڑھے یہاں تک کہ احد کی گھاٹی میں پہنچ کر آپ نے پڑاؤ ڈالا یہاں آپ نے اس طرح پڑاؤ ڈالا کہ احد پہاڑ کو تو اپنی پشت کی طرف کر لیا اور مدینے کو سامنے کے رخ پر کر لیا۔

میدان جنگ میں صف بندی اور آنحضرت ﷺ کا خطبہ...... مسلمانوں نے احد پہاڑ میں صفیں بنالیں' یہ صف بندی یہاں رات گزارنے کے بعد کی گئی جب کہ صبح کی نماز کا وقت ہو گیا تھا مسلمان اپنے سامنے مشرکوں کو ان کے پڑاؤ میں دیکھ رہے تھے۔

حضرت بلالؓ نے اذان دی اور تکبیر کہی اور آنحضرت ﷺ نے صف بستہ صحابہ کو نماز پڑھائی' نماز کے بعد آپ نے مسلمانوں کے سامنے خطبہ دیا جس میں ان کو جہاد پر ابھارا اس خطبہ کا ایک حصہ یہ ہے:

"جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس پر جمعہ اور سب کا ساتھ دینا واجب ہے' سوائے بچوں' عورتوں' بیماروں اور غلاموں کے جو دوسروں کی ملک ہوں"۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ سوائے عورتوں مسافروں' غلاموں یا مریضوں کے!"

یہاں مستثنیٰ محذوف یعنی پوشیدہ ہے کہ سوائے ان چار قسم کے لوگوں کے اس کے بعد جو تفصیل ہے' وہ اس کا بدل ہے' پھر آپ نے فرمایا۔

"جو شخص اس سے مستثنیٰ ہو گیا اللہ تعالیٰ اس سے مستثنیٰ ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ غنی اور تمام تعریفوں کا سزاوار ہے' میرے علم میں اب ایسا جو بھی عمل ہے جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے قریب پہنچانے والا ہو وہ میں تمہیں بتلا چکا ہوں اور اس کا حکم دے چکا ہوں' اسی طرح میرے علم میں جو بھی ایسا عمل ہے جو تمہیں جہنم سے قریب کرنے والا ہے وہ میں تمہیں بتلا چکا ہوں اور اس سے تمہیں روک چکا ہوں' روح الامین یعنی جبرئیل علیہ السلام نے میرے قلب میں یہ وحی ڈالی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ وہ اپنے حصے کا رزق کا ایک ایک دانہ نہیں حاصل کر لے گا چاہے وہ کچھ دیر میں حاصل ہو مگر اس میں کوئی کمی نہیں واقع ہو سکتی۔ اس لئے اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو اور رزق کی طلب میں نیک راستے اختیار کرو ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہئے کہ رزق ملنے میں دیر لگنے کی وجہ سے تم اس کو اللہ کی نافرمانی کر کے حاصل کرنے لگو' ایک مومن کا دوسرے مومن سے ایسا ہی رشتہ ہے جیسے سر اور بدن کا رشتہ ہوتا ہے کہ اگر سر میں تکلیف ہو تو سارا بدن درد سے کانپ اٹھتا ہے اور بس تم پر سلام ہو"۔

دائیں بائیں بازوؤں پر دستوں کی تعیناتی...... غرض جب لشکر آمنے سامنے کھڑے ہو گئے تو مشرک لشکر میں خالد ابن ولید اور عکرمہ ابن ابو جہل دائیں بائیں تھے۔ یہ دونوں بعد میں مسلمان ہو گئے تھے آنحضرت ﷺ نے حضرت زبیر ابن عوام کو ایک دستہ دے کر روانہ فرمایا اور ان سے فرمایا:

"تم لوگ خالد ابن ولید کی طرف سے ان کے مقابل رہنا"۔

دوسرے سواروں کو آپ نے دوسری سمت میں بھیجا کیونکہ مشرکوں کے یہ دونوں سردار اپنے لشکر کے دائیں اور بائیں بازوؤں پر تھے' یہاں غالباً سواروں سے مراد صحابہ کی جماعت ہے کہ وہ مشرکوں کے دوسری طرف کے سواروں کے سامنے جائیں۔ کیونکہ یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ مسلمانوں کے پاس صرف ایک یا دو گھوڑے تھے۔

پشت کی حفاظت کے لئے تیر انداز دستے کی تعیناتی..... مگر کتاب ھدیٰ میں یہ ہے کہ غزوہ احد کے موقعہ پر مسلمانوں میں گھوڑے سواروں کی تعداد پچاس تھی' مگر شاید یہ بات سبقت قلم یعنی غلطی سے لکھی گئی (کیونکہ اس بات کی تائید کسی روایت سے نہیں ہوتی)۔

غرض آپ نے حضرت زبیرؓ اور ان کے دستے سے فرمایا۔

اس دستے کے لئے سخت ترین ہدایات...... "اس وقت تک اپنی جگہ سے مت ہلنا جب تک میں اجازت نہ دوں' پھر فرمایا کوئی شخص اس وقت تک نہ لڑے جب تک میں حکم نہ دوں"۔

ان تیر اندازوں کی تعداد پچاس تھی۔ آپ نے ان پر حضرت عبداللہ ابن جبیر کو امیر بنایا اور ان سے فرمایا:

"تم مشرکوں کے گھوڑے سوار دستوں کو تیر اندازی کر کے ہم سے دور ہی رکھنا' کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ پشت کی طرف سے آ کر ہم پر حملہ کر دیں' اور ہمیں چاہے فتح ہو یا شکست تم لوگ اپنی جگہ سے مت ہلنا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ اگر تم پرندوں کو بھی ہم پر اچکتے ہوئے دیکھو تب بھی اپنی جگہ سے جنبش نہ کرنا سوائے اس کے کہ میں خود ہی تم کو بلا بھیجوں۔ اگر تم یہ دیکھو کہ ہم دشمن پر فتح پا گئے ہیں اور ان کو روندتے ہوئے پیش قدمی کر رہے ہیں تب بھی اپنی جگہ سے مت ہلنا سوائے اس کے کہ میں ہی تمہیں بلواؤں"۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ "اگر تم ہمیں مال غنیمت جمع کرتے ہوئے بھی دیکھو تب بھی ہمارے ساتھ شریک ہونے کی کوشش مت کرنا"۔

(قال) ایک روایت میں ہے کہ تیر اندازوں کے اس دستے کو آپ نے یہ حکم دیا:

"تم اپنی جگہ جمے رہنا اور وہاں سے مت ہلنا' اگر تم یہ دیکھو کہ ہم دشمن کو شکست دے کر ان کا پیچھا کرتے ہوئے ان کے پڑاؤ میں داخل ہو گئے ہیں تب بھی تم اپنی جگہ مت چھوڑنا' اور اگر تم ہمیں قتل ہوتے دیکھو تو بھی ہماری مدد کو مت آنا اور نہ ہی دشمن کو پیچھے دھکیلنے کے لئے بڑھنے کی کوشش کرنا بلکہ ان کو تیر اندازی سے ہی روکنا' کیونکہ گھوڑے سوار لشکر کو تیروں ہی کی بوچھاڑ سے روکا جا سکتا ہے' جب تک تم اپنی جگہ جمے رہو گے ہم دشمن پر غالب رہیں گے' اے اللہ! میں تجھے ان پر گواہ بناتا ہوں!"

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ایک تلوار نکالی جس کے ایک طرف یہ شعر لکھا ہوا تھا:

فی الجبن عارٌ وفی الاقبال مکرمةٌ
والمرء بالجبن لاینجو من القدر

ترجمہ: بزدلی شرم کی بات ہے در رو برو ہونا عزت و سر بلندی کی علامت ہے' ایک بزدل شخص کی نہ کوئی عزت ہے اور نہ قدر و منزلت ہے۔

نبی کی تلوار کا حق ادا کرنے والا کون ہے...... یہ تلوار نکال کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"یہ تلوار لے کر کون اس کا حق ادا کر سکتا ہے؟"۔

اس پر کئی آدمی اٹھ کر آپ کی طرف بڑھے مگر آپ ﷺ نے ان میں سے کسی کو وہ تلوار نہیں دی' ان لوگوں میں حضرت علیؓ بھی تھے جو یہ تلوار لینے کے لئے اٹھے تھے مگر آپ نے ان سے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ حضرت عمرؓ بھی کھڑے ہوئے مگر آپ نے ان کو بھی یہ تلوار نہ دی' اسی طرح حضرت زبیرؓ نے تین مرتبہ یہ تلوار لینی چاہی مگر ہر مرتبہ آپ نے انکار کر دیا' آخر مجمع میں سے حضرت ابو دجانہ کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ سے بولے:

"یا رسول اللہ! اس تلوار کا حق کیا ہے؟"۔

آپ نے فرمایا:

"اس کا حق یہ ہے کہ اس سے دشمن کے منہ پر وار کر کے اسے کشتہ کیا جائے!"

ابو دجانہؓ کو تلوار کی بخشش...... حضرت ابو دجانہ نے عرض کیا:

"میں اس کو لے کر اس کا حق ادا کروں گا!"

آنحضرت ﷺ نے وہ تلوار حضرت ابو دجانہؓ کو عطا فرما دی' ابو دجانہ بے حد بہادر آدمی تھے اور جنگ کے دوران اکڑ کر

پر غرور انداز میں چلا کرتے تھے' آنحضرت ﷺ نے جنگ کے دوران جب ان کو دونوں لشکروں کے درمیان اس طرح اکڑ کر اور تکبر کے ساتھ چلتے ہوئے دیکھا تو آپ نے لوگوں سے فرمایا:

"یہ چال ایسی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نفرت فرماتا ہے سوائے اس قسم کے موقعوں کے یعنی جنگ کے دوران"۔

اس قسم کے موقعوں پر اس چال کے جائز اور پسندیدہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شخص دشمن کی طاقت سے قطعاً خوفزدہ نہیں ہے اور اس کے جنگی سازوسامان کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔

ابوسفیان کی انصار کو ورغلانے کی کوشش اور مایوسی...... ادھر جب دونوں لشکروں کی صف بندی ہو رہی تھی تو ابوسفیان نے اپنے لشکر میں سے پکار کر انصاری مسلمانوں سے کہا:

"اے گروہ اوس وخزرج تم لوگ ہمارے اور ہمارے ان خاندان والوں کے درمیان سے ہٹ جاؤ' ہمیں تم سے کوئی سروکار نہیں ہے"۔

زبیر ابن عوام کا شخصی مقابلہ...... اس پر انصاریوں نے ابوسفیان کو بہت برا بھلا کہا اور اس کو سخت لعنت ملامت کی۔

(قال) اس کے بعد مشرکوں کی طرف سے ایک شخص جو اونٹ پر سوار تھا میدان میں نکل کر آیا اور مبارز طلب کیا' یعنی شخصی مقابلے کے لئے مسلمانوں کو للکارا مگر لوگ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے یہاں تک کہ اس نے تین مرتبہ للکارا تو حضرت زبیرؓ اسلامی صفوں میں سے نکل کر اس کی طرف بڑھے۔ حضرت زبیرؓ پیدل تھے اس کے پاس پہنچ کر وہ ایک دم زور سے اچھلے اور اس کے برابر پہنچ کر اس کی گردن پکڑ کر اس کو لپٹ گئے' پھر دونوں میں اونٹ کے اوپر زور آزمائی ہونے لگی' ان کی زور آزمائی دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"ان میں جو بھی پہلے زمین کو چھوئے گا وہی قتل ہو جائے گا"۔

حضرت زبیر کو حواری رسول کا لقب...... اسی وقت زور آزمائی کے دوران وہ مشرک اونٹ سے نیچے گرا اور اس کے اوپر حضرت زبیرؓ گرے' انہوں نے فوراً ہی اس مشرک کو ذبح کر دیا' آنحضرت ﷺ نے حضرت زبیرؓ کی تعریف کی اور فرمایا:

"ہر نبی کا حواری یعنی دوست ہوا کرتا ہے میرے حواری زبیر ہیں!"

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

اگر اس مشرک کے مقابلے کے لئے زبیر نہ نکلتے تو میں خود نکلتا!"

کیونکہ آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ مسلمان اس کے للکارنے کے باوجود اس سے گریز کر رہے تھے۔

طلحہ کی مبارزت طلبی اور لاف وگزاف...... اس کے بعد مشرکوں کی صفوں میں سے ایک اور شخص نکلا' یہ طلحہ ابن ابوطلحہ تھا اس کے باپ ابوطلحہ کا نام عبداللہ ابن عثمان ابن عبدالدار تھا' اور اسی کے ہاتھ میں مشرکوں کا پرچم تھا کیونکہ جنگوں میں پرچم اٹھانے کا اعزاز بنی عبدالدار کے خاندانوں کے ساتھ مخصوص تھا کیونکہ قریشی پرچم بنی عبدالداز کے باپ عبدالدار نے ہی بنایا تھا اور یہ اسی کا تھا (اس کے بعد یہ اعزاز اسی خاندان کے ساتھ مخصوص ہو گیا تھا) جیسا کہ بیان ہوا۔

غرض اب مشرکوں کی صفوں میں سے نکل کر طلحہ ابن ابوطلحہ نے مبارز طلب کیا کہ کون ہے جو میرے مقابلے کو آئے' اس نے بھی کئی بار مسلمانوں کو للکارا مگر کوئی شخص بھی اسلامی صفوں میں سے نہیں نکلا آخر طلحہ نے پکار کر کہا۔

"محمد کے ساتھیو! تمہارا تو یہ خیال ہے کہ تمہارے مقتول یعنی شہید جنت میں جاتے ہیں اور ہمارے مقتول جہنم میں جاتے

ہیں‘ایک روایت میں یوں ہے کہ محمد کے ساتھیو! تمہارا خیال تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں جلدی جلدی تمہاری تلوار کی دھار پر رکھ کر جہنم میں جھونکتا ہے اور تمہیں ہماری تلواروں سے قتل کروا کر فوراً جنت میں داخل کر دیتا ہے‘ اسلئے تم میں سے کون ہے جو مجھے اپنی تلوار کے ذریعے جلد از جلد جہنم میں پہنچادے یا جلد از جلد میری تلوار کے ذریعہ جنت میں پہنچ جائے‘ لات وعزیٰ کی قسم تم جھوٹے ہو‘ اگر تم اپنے عقیدہ پر یقین رکھتے تو یقیناً تم میں سے کوئی نہ کوئی اس وقت میرے مقابلے کیلئے نکل کر آتا“۔

شیر خدا کے ہاتھوں طلحہ جہنم رسید...... یہ سن کر حضرت علیؓ اسلامی صفوں سے نکل کر مقابلے کے لئے اس کے سامنے پہنچ گئے‘ دونوں میں تلواروں کے وار شروع ہی ہوئے تھے کہ اچانک حضرت علیؓ نے اپنی خاراشگاف تلوار بلند کی اور اس کو قتل کر دیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ دونوں لشکروں کے درمیان میں دونوں زور آزما ایک دوسرے کے مقابل ہوئے‘ اچانک حضرت علیؓ اس پر جھپٹے اور اس کو زمین سے اکھاڑ کر نیچے دے پٹخا۔ یعنی حضرت علیؓ نے تلوار کے وار سے اس کی ٹانگ کاٹ دی اور اسے گرادیا‘ اس طرح گرنے کی وجہ سے طلحہ کے جسم کے پوشیدہ حصے کھل گئے‘ اس وقت طلحہ نے کہا۔

”میرے بھائی۔ میں خدا کا واسطہ دے کر تم سے رحم کی بھیک مانگتا ہوں!“

یہ سن کر حضرت علیؓ اسے یوں ہی چھوڑ کر وہاں سے لوٹ آئے اس پر مزید وار نہیں کئے‘ اس پر بعض صحابہ نے حضرت علیؓ سے کہا۔

”آپ نے اس کو قتل نہیں کیا“۔

حضرت علیؓ نے کہا۔

”اس کی شرم گاہ کھل گئی تھی اور اس کا رخ میری طرف تھا اس لئے مجھے اس پر رحم آ گیا اور میں نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ہلاک کر دیا ہے“۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم نے اس کو کس لئے چھوڑ دیا؟ حضرت علیؓ نے عرض کیا۔

”اس نے خدا کا واسطہ دے کر مجھ سے رحم کی بھیک مانگی تھی“۔

آپ نے فرمایا اسے قتل کر آؤ‘ چنانچہ حضرت علیؓ نے اسے قتل کر دیا۔

حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ صفین میں بھی اسی طرح کا واقعہ دو مرتبہ پیش آیا‘ ایک مرتبہ تو یہ واقعہ ہوا کہ حضرت علیؓ نے نضر ابن ارطاۃ پر حملہ کیا‘ جب اس نے یہ دیکھا کہ اب وہ قتل ہی ہوا چاہتا ہے تو اس نے ایک دم اپنی شرمگاہ کھول دی حضرت علیؓ فوراً ہی اسے یوں ہی چھوڑ کر وہاں سے ہٹ آئے۔

دوسری مرتبہ یہ ہوا کہ حضرت علیؓ نے ابن عاص پر حملہ کیا جب اس نے دیکھا کہ موت سامنے آ گئی ہے تو اس نے اپنا ستر کھول دیا‘ حضرت علیؓ فوراً ہی وہاں سے واپس آ گئے۔

(واضح رہے کہ اس قسم کی بہت سی روایتیں شیعہ حضرات نے پیش کی ہیں جن کی سند قابل غور ہے)۔

طلحہ کے بھائی کا حضرت حمزہؓ کے ہاتھوں انجام...... غرض طلحہ کے قتل کے بعد مشرکوں کا پرچم اس کے بھائی عثمان ابن ابو طلحہ نے لے لیا‘ یہی عثمان اس شیبہ کا باپ ہے جس کی طرف شیبی فرقہ کے لوگ اپنی نسبت کرتے ہیں اور جن کو بنی شیبہ کہا جاتا ہے۔

غرض جب عثمان نے وہ پرچم اٹھالیا تو حضرت حمزہؓ نے اس پر حملہ کیا اور اس کا ہاتھ مونڈھے پر سے کاٹ ڈالا اور ان کی تلوار عثمان کی ہنسلی تک کاٹ گئی۔ حضرت حمزہؓ اس کو قتل کرنے کے بعد یہ کہتے ہوئے وہاں سے واپس ہوئے۔

"میں حاجیوں کے ساقی یعنی عبدالمطلب کا بیٹا ہوں!"

تمام قریشی پرچم بردار موت کی راہ پر...... اس کے بعد مشرکوں کے پرچم کو عثمان اور طلحہ کے بھائی نے اٹھالیا جس کا نام ابوسعید ابن ابو طلحہ تھا' اس پر حضرت سعد ابن ابی وقاص نے تیر چلایا جو اس کے سینے میں لگا اور یہ بھی ہلاک ہو گیا' اس کے بعد طلحہ ابن ابو طلحہ جس کو حضرت علیؓ نے قتل کیا تھا کے بیٹے نے پرچم اٹھایا تو حضرت عاصم ابن ثابت ابن ابوالافلح نے اس پر تیر چلایا اور وہ بھی قتل ہو گیا۔ اس شخص کا نام مسافع تھا' اس کے بعد مسافع کے بھائی حرث ابن طلحہ نے پرچم سنبھالا تو پھر حضرت عاصم نے تیر چلایا اور اس کو بھی قتل کر دیا۔

طلحہ کے ان دونوں بیٹوں مسافع اور حرث کی ماں بھی مشرک لشکر کے ساتھ تھی' اس عورت کا نام سلافہ تھا اور اس کے یہ دونوں بیٹے اس کی گود میں مرے کیونکہ جس کے بھی حضرت عاصم کا تیر لگتا وہ بیٹا وہاں سے زخمی ہو کر لوٹتا اور ماں کی گود میں سر رکھ کر لیٹ جاتا۔ سلافہ کہتی۔

"بیٹے! تجھے کس نے زخمی کیا؟"

بیٹا جواب میں کہتا۔

میں نے اس شخص کی آواز سنی ہے اس نے مجھ پر تیر چلانے کے بعد کہا تھا۔

"لے سنبھال میں ابوالافلح کا بیٹا ہوں"۔

اس جملے سے سلافہ سمجھ گئی کہ تیر انداز حضرت عاصم ابن ثابت ابن ابوالافلح ہیں' چنانچہ اس نے منت مانی کہ اگر عاصم ابن ثابت کا سر میرے ہاتھ لگا تو میں اس میں شراب بھر کر پیوں گی' ساتھ ہی اس نے اعلان کیا کہ جو شخص بھی عاصم ابن ثابت کا سر کاٹ کر میرے پاس لائے گا تو میں اسے سو اونٹ انعام میں دوں گی' مگر حضرت عاصم اس غزوہ احد میں قتل نہیں ہوئے بلکہ آگے بیان آئے گا کہ ان کا قتل سریہ رجیع میں ہوا۔

غرض ان دونوں بھائیوں کے قتل کے بعد مسافع اور حرث کے بھائی نے وہ پرچم اٹھایا اس کا نام کلاب ابن طلحہ تھا اس کو حضرت زبیرؓ نے قتل کر دیا' ایک قول میں قزمان کا نام ہے غرض اس کے بعد ان کے بھائی جلاس ابن طلحہ نے پرچم اٹھایا تو اس کو حضرت طلحہ ابن عبیداللہ نے قتل کر دیا۔

اس طرح یہ چاروں بھائی یعنی مسافع حرث کلاب اور جلاس ابن طلحہ اپنے باپ طلحہ کی طرح وہیں قتل ہو گئے اور ان کے ساتھ ہی ان کے دونوں چچا یعنی عثمان اور ابوسعید ابن ابو طلحہ بھی اسی غزوہ احد میں قتل ہو گئے۔

ان کے بعد قریشی پرچم ارطاۃ ابن شرجیل نے اٹھایا تو اس کو حضرت علی ابن ابی طالب نے قتل کر دیا ایک قول ہے کہ حضرت حمزہؓ نے قتل کیا تھا' اس کے بعد شریح ابن قارظ نے پرچم سنبھالا تو وہ بھی قتل ہو گیا مگر اس کے قاتل کا نام معلوم نہیں ہو سکا' اس کے بعد یہ پرچم ابوزید ابن عمرو ابن عبد مناف ابن ہاشم ابن عبدالدار نے اٹھایا تو اس کو قزمان نے قتل کر دیا' اس کے بعد شرحبیل ابن ہاشم کے بیٹے نے پرچم بلند کیا تو اس کو بھی قزمان نے قتل کر دیا۔

اس کے بعد ان لوگوں کے ایک غلام صواب نے یہ پرچم اٹھالیا یہ ایک حبشی شخص تھا' یہ لڑتا رہا یہاں تک کہ اس کا ہاتھ کٹ

گیا' یہ جلدی سے بیٹھ گیا اور اپنے سینے اور گردن کے سہارے سے پرچم کو اٹھائے رہا یہاں تک کہ اس کو بھی قزمان نے قتل کر دیا' ایک قول یہ ہے کہ اس کے قاتل حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ تھے' اور ایک قول کے مطابق حضرت علیؓ تھے۔

احد میں بنی عبد الدار کی تباہی...... ابو سفیان نے مشرکوں کے پرچم بردار بنی عبد الدار کے لوگوں کو جنگ کا جوش دلاتے ہوئے ان سے کہا تھا:

"اے بنی عبد الدار! جنگ بدر کے موقعہ پر تم نے ہمارا پرچم نہیں اٹھایا تھا اس کے نتیجہ میں ہمیں جس تباہی کا سامنا کرنا پڑا وہ معلوم ہی ہے' جنگی پرچم لوگوں کو اس تصور کے ساتھ دیئے جاتے ہیں کہ اگر پرچم سرنگوں ہو گیا تو قوم بھی سرنگوں ہو گئی' اس لئے اگر تم بنی عبد الدار کے لوگ ہمارے پرچم کی ذمہ داری سنبھالو تو ٹھیک ہے ورنہ درمیان سے ہٹ جاؤ تو ہم خود ہی اس ذمہ داری کو سنبھالیں گے!"

بنی عبد الدار نے یہ سن کر پرچم اٹھانے کا وعدہ کر لیا تھا' اور فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"ہم اپنا جھنڈا آپ کے تحت میں دیتے ہیں (یعنی بنی عبد الدار کا جنگی پرچم اس جنگ میں آپ کی ماتحتی میں قبول کرتے ہیں) اور کل جب ہم دشمن سے ٹکرائیں گے تو آپ ہماری سرفروشی دیکھ لیں گے!"

ابو سفیان کا مقصد بھی یہی تھا جو پورا ہو گیا تھا' ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ یہ آیت بنی عبد الدار کے متعلق ہی نازل ہوئی تھی۔

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ۔ (لآیہ پ۹ سورۃ انفال ع ۳ آیت ۲۲)

ترجمہ: بے شک بدترین خلائق اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو بہرے ہیں گونگے ہیں جو کہ ذرا نہیں سمجھتے۔

ادھر جب مشرکوں کا پہلا پرچم بردار یعنی طلحہ ابن ابو طلحہ مارا گیا تو آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ نے اس کو ایک غیبی بشارت سمجھا کیونکہ وہ اپنے لشکر کا سردار اور پرچم بردار تھا اور اسی سردار قوم کے متعلق آنحضرت ﷺ نے خواب دیکھا تھا کہ آپ دشمن کے سردار فوج پر مسلط ہیں جیسا کہ بیان ہوا' اس خواب کی تعبیر آپ نے یہ بتلائی تھی کہ میں دشمن کے سردار کو قتل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا' لہٰذا یہی وہ دشمنوں کا سردار اور سالار تھا۔

ادھر جب مشرکوں کے پرچم بردار ایک ایک کر کے قتل ہو گئے تو ان کا لشکر چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بٹ گیا' مسلمانوں نے یہ صورت حال دیکھی تو انہوں نے دشمن پر ایک فیصلہ کن حملہ کیا اور ان کو قتل کرنے لگے۔

مسلم اور مشرک جنگی نعرے...... اس جنگ میں مسلمانوں کا جنگی نعرہ "اَمِتْ اَمِتْ" تھا اور مشرکوں کا جنگی نعرہ "یا لَلعُزّیٰ" اور "یالَلہُبل" تھا۔ یہ عزّیٰ ایک درخت تھا جس کو وہ پوجتے تھے' اور ہبل ایک بت کا نام تھا جو کعبے کے اندر تھا اور وہاں جو کنواں تھا اس پر نصب تھا' مگر آگے فتح مکہ کے بیان میں آئے گا کہ یہ ہبل نامی بت کعبے سے باہر کعبے کے دروازے کے پاس نصب تھا' مگر اس سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ممکن ہے یہ پہلے کعبہ کے اندر رکھا ہو اور پھر وہاں سے نکال کر کعبے کے دروازے کے پاس نصب کر دیا گیا ہو۔

صدیق اکبر کے بیٹے سے مقابلے کی کوشش...... غرض جنگ کا آغاز اسی اونٹ سوار سے ہوا جس نے میدان میں آکر مبارز طلب کیا تھا اور قتل ہو گیا تھا' اس کے بعد شخصی مقابلے کے لئے قریشی لشکر سے لوگ آتے رہے' ان میں مشرک لشکر سے عبد الرحمٰن ابن ابو بکر نکلے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے انہوں نے دونوں لشکروں کے درمیان میں آکر کہا:

"کون ہے جو میرے مقابلے کو سامنے آئے!"

اس پر ان کے والد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تلوار سونت کر اٹھے اور انہوں نے بیٹے کے مقابلہ کو جانا چاہا، مگر آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا:

"اپنی تلوار میان میں ڈال کر اپنی جگہ واپس جاؤ، اپنی ذات سے ہمیں اور فائدے اٹھانے دو!"

پیچھے غزوہ بدر کے میدان میں بھی گزرا ہے کہ عبدالرحمٰن ابن ابو بکر نے بدر میں مبارز طلب کیا تھا، ادھر بدر کے بیان میں ہی حضرت ابن مسعودؓ کی روایت گزری ہے کہ غزوہ احد میں حضرت ابو بکرؓ نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن ابن ابو بکر کو شخصی مقابلے کی دعوت دی تھی، مگر یہاں بیان ہونے والی روایت اس کے خلاف ہے (کیونکہ یہاں تو خود عبدالرحمٰن نے سامنے آکر کسی کو مقابلے کے لئے طلب کیا ہے)۔

اس بارہ میں کہا جاتا ہے کہ یہاں دونوں باتیں ممکن ہو سکتی ہیں کہ صدیق اکبرؓ نے خود بھی اپنے بیٹے کو شخصی مقابلہ کی دعوت دی ہو اور عبدالرحمٰن ابن ابو بکر نے بھی اپنے والد کو شخصی مقابلے کی دعوت دی ہو (یعنی دونوں باتوں کا پیش آنا ناممکن نہیں ہے)۔

(حضرت صدیق اکبرؓ کا ہی واقعہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد عرب کے قبائل مرتد ہونے یا دین اسلام سے کنارہ کشی اختیار کرنے لگے تو وہ خود لشکر لیکر ان کے مقابلے کیلئے نکلے اور لشکر کے آگے خود ننگی تلوار لئے اپنی سواری پر بیٹھے تھے حضرت علیؓ نے یہ دیکھا تو سواری کی لگام پکڑ کر کھڑے ہو گئے اور حضرت صدیق اکبرؓ سے جو خلیفۃ المسلمین تھے کہنے لگے:

"اے خلیفہ رسول کہاں کا ارادہ ہے؟ میں بھی آج آپ سے وہی بات اس طرح کہتا ہوں جس طرح آپ سے غزوہ احد کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے فرمائی تھی کہ اپنی تلوار میان میں ڈال لیجئے اور ہمیں اپنی شخصیت سے محروم نہ کیجئے بلکہ مدینہ کو لوٹ چلئے، خدا کی قسم اگر ہم آپ سے محروم ہو گئے تو پھر کبھی اسلام کا کوئی نظام اور حکومت قائم نہیں ہو سکے گی!"

یہ سن کر حضرت صدیق اکبرؓ مان گئے اور لشکر کو آگے روانہ کر کے خود مدینے لوٹ آئے۔

خالد ابن ولید کے ناکام حملے...... غرض جنگ احد کے شروع میں مشرکوں کے گھوڑے سوار دستے نے تین مرتبہ مسلم لشکر پر حملہ کیا مگر آنحضرت ﷺ نے پہاڑی کے اوپر جو تیر اندازوں کا دستہ متعین فرمایا تھا وہ ہر دفعہ تیروں کی باڑھ مار کر اس گھوڑے سوار دستے کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیتا تھا اور مشرکین بدحواسی کے عالم میں پسپا ہو جاتے تھے۔

قریشی عورتیں میدان عمل میں...... اس کے بعد مسلمانوں نے مشرکوں پر ایک بھرپور حملہ کیا، یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ مشرکوں کی طاقت کو سخت نقصان پہنچا، اسی وقت جب کہ لڑائی شباب پر تھی اور گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی مشرک لشکر میں ابو سفیان کی بیوی ہندہ اٹھی اور اس نے اور اس کی ساتھی عورتوں نے اپنے ہاتھوں میں دف سنبھالے۔ پھر یہ عورتیں اپنے جانباز مردوں کے پیچھے دف بجا بجا کر پرجوش گیت گانے لگیں۔

ویھا بنی عبدالدار * ویھا حماة الادبار * ضربا بکل بتار

آگے بڑھو اے بنی عبدالدار ہمت کرو اے پشت پناہو۔ ہر شمشیر خارا شگاف سے وار کرو

نحن بنات طارق * نمشی علی النمارق * مشی القطا النوازق

ہم ستاروں کی بیٹیاں ہیں۔ ہم غالیچوں پر چہل قدمی کرنے والیاں ہیں۔ ایک مستانہ اور رعنائی سے بھرپور چال کے ساتھ

والمسک فی المفارق * والدر فی المخالق * ان تقتلو نعانق

ہماری مانگ میں مشک کی نکہت ہے۔ گلے موتیوں کے ہاروں سے آراستہ ہیں، اگر تم آگے بڑھو گے تو ہم تم سے بغل گیر ہوں گی

ونفرش النمارق* اوتدبروا نفارق* فراق غیر وامق۔

تمہارے لئے دیدہ دل فرش راہ کریں گی لیکن اگر تم پیٹھ پھیرو گے تو ہم تم سے اس طرح منہ پھیر لیں گے کہ پھر کبھی تم ہماری رعنائیاں نہ پاسکو گے

آنحضرت ﷺ جب ہندہ کے یہ شعر سنتے جن سے وہ مشرکوں کو جوش دلا رہی تھی تو آپ فرماتے:

"اے اللہ تجھ ہی سے میں طاقت چاہتا ہوں تجھ ہی سے جماؤ اور پامردی مانگتا ہوں اور تیرے ہی نام پر جنگ کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہی مجھے کافی ہے اور وہی سب سے بہتر سہارا اور ذمہ دار ہے!"

ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ دشمن سے دوبدو ہوتے تو فرماتے کہ اے اللہ میں تیرے ہی ذریعہ پامردی چاہتا ہوں اور تجھ ہی سے طاقت مانگتا ہوں۔

ابو دجانہ شمشیر نبوی ﷺ کے صحیح حقدار...... آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو دجانہ کو جو تلوار عنایت فرمائی تھی انہوں نے حقیقت میں اس کا حق ادا کیا اور لوگوں میں ان کے چرچے ہونے لگے' چنانچہ حضرت زبیرؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے اس تلوار کے لئے اعلان فرمایا کہ کون ہے جو اس کا حق ادا کرے گا؟ تو میرے تین دفعہ مانگنے کے باوجود آپ ﷺ نے وہ تلوار مجھے نہیں دی حالانکہ میں آپ ﷺ کا پھوپھی زاد بھائی تھا' بلکہ آپ نے تلوار ابو دجانہؓ کو دے دی' اس وقت مجھے یہ بات بہت ناگوار گزری اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں خود دیکھوں گا کہ یہ شخص یعنی ابو دجانہ کس طرح اس تلوار کا حق ادا کرتا ہے اس کے بعد میں نے ان کا پیچھا کیا اور سائے کی طرح ان کے ساتھ لگا رہا۔

میں نے دیکھا کہ انہوں نے اپنے موزے کی ٹانگ میں سے ایک سرخ رنگ کی پٹی نکالی جس کے ایک طرف تو یہ آیت نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ لکھی ہوئی تھی اور دوسری طرف یہ کلمات لکھے ہوئے تھے کہ جنگ میں بزدلی شرم کی بات ہے جو شخص میدان سے بھاگا وہ جہنم کی آگ سے نہیں بچ سکتا۔ ابو دجانہ نے یہ پٹی نکال کر اپنے سر پر باندھ لی انصاری مسلمانوں نے یہ دیکھا تو کہا:

"ابو دجانہ نے موت کی پٹی نکال لی ہے!"

ابو دجانہ کی بے مثال سر فروشی...... کیونکہ انصاریوں میں مشہور تھا کہ حضرت ابو دجانہؓ جب یہ پٹی سر پر باندھ لیتے ہیں پھر دشمن پر اس طرح ٹوٹتے ہیں کہ جو بھی سامنے آتا ہے وہ بچ کر نہیں جا پاتا (چنانچہ اس پٹی کے باندھنے کے بعد انہوں نے انتہائی خوں ریز جنگ شروع کر دی) انسانی جسموں کو مسلسل کاٹنے کی وجہ سے جب ان کی تلوار کند ہو جاتی تو وہ اس کو پتھر پر رگڑ کر دھار دیتے اور تیز کرتے اور اس کے بعد پھر دشمنوں پر موت بن کر ٹوٹ پڑتے۔ انہوں نے اس تلوار کا اس قدر حق ادا کیا کہ آخر یہ تلوار مڑ گئی اور خم ہو کر درانتی کے جیسی ہو گئی۔

مشرکوں میں سے ایک شخص تھا جو ہمارے یعنی مسلمانوں کے زخمیوں کو میدان جنگ میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر رہا تھا' جو زخمی بھی اس کو کہیں پڑا ملتا وہ جھپٹ کر اس کو قتل کر دیتا تھا۔

حضرت زبیرؓ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اس کا ابو دجانہ سے آمنا سامنا ہو جائے چنانچہ میری دعا قبول ہو گئی اور یہ شخص ابو دجانہ کے سامنے پڑ گیا۔ دونوں میں تلواروں کے وار ہونے لگے اچانک اس مشرک نے ابو دجانہ پر تلوار بلند کی جس کو انہوں نے اپنی چمڑے کی ڈھال پر روکا مشرک کی تلوار ان کی ڈھال میں پھنس گئی' ابو دجانہ نے فوراً اس پر وار کیا اور اس کو قتل کر دیا۔

پھر ایک موقعہ پر میں نے دیکھا کہ ابو دجانہ نے اپنی وہی تلوار ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ کو قتل کرنے کے لئے بلند کی' ایک قول ہے کہ ہند کے علاوہ کوئی دوسری عورت تھی مگر پھر فوراً ہی انہوں نے اس کے سر سے پیچھے ہٹالی۔

خود حضرت ابودجانہ سے روایت ہے کہ جنگ کے دوران میں نے دیکھا کہ ایک شخص لوگوں کو جنگ کا جوش دلا رہا ہے اور ان کے حوصلے بلند کر رہا ہے میں فوراً ہی اس کی طرف جھپٹا مگر جب میں نے اس پر حملہ کر کے تلوار اس کے سر پر بلند کی تو اچانک اس نے بلبلا کر چیخنا شروع اور فریاد کرنا شروع کر دیا' اس وقت اس کی آواز سے میں نے پہچانا کہ یہ کوئی عورت ہے' میں نے اسے پسند نہیں کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی تلوار سے ایک عورت کو قتل کروں اس لئے میں اسے چھوڑ کر پیچھے ہٹ آیا۔

شیر خدا حمزہؓ کی کفن بردوشی...... اسی طرح حضرت حمزہ ابن عبدالمطلب انتہائی سرفروشی کے ساتھ زبردست جنگ کر رہے تھے' ایک دفعہ سباع ابن عبدالعزیٰ کا حضرت حمزہؓ سے سامنا ہو گیا یہ سباع مشرک تھا اور اس کی ماں کا نام انمار تھا جو اخنس کے باپ شریق کی باندی تھی اور مکے میں عورتوں کی ختنہ کیا کرتی تھی (جاہلیت میں مکے میں عورتوں کی ختنہ کا بھی رواج تھا' اس عورت ام انمار کا یہی پیشہ تھا) حضرت حمزہؓ نے سباع کو سامنے دیکھا تو ایک دم للکارا :

"سامنے آ۔ او عورتوں کی ختنہ کرنے والی کے بیٹے!"

بخاری میں حضرت حمزہؓ کے یہ کلمات روایت میں ہیں۔

"اے سباع! اے عورتوں کی ختنہ کرنے والی ام انمار کے بیٹے' سامنے آ' کیا تو اللہ اور اسکے رسول سے جنگ کرنے آیا ہے"۔

اس روایت میں ایک شبہ ہوتا ہے کیونکہ ایک دوسری روایت کے مطابق جب دونوں لشکروں نے صف بندی کر لی تو مشرک لشکر سے سباع نکل کر سامنے آیا اور اس نے مسلمانوں میں سے شخصی مقابلہ کے لئے مبارز طلب کیا' اس پر حضرت حمزہؓ اس کی طرف بڑھے اور تیزی سے اس کے سر پر پہنچ کر انہوں نے تلوار کا وار کیا اور سباع کو قتل کر دیا۔ اس روز حضرت حمزہؓ نے جتنے لوگوں کو قتل کیا ان کی تعداد اکتیس تھی' مگر آگے کتاب اصل یعنی عیون الاثر کے حوالے سے یہ روایت آ رہی ہے کہ احد کے دن کفار قریش میں سے تیئس آدمی قتل ہوئے۔

وحشی کا تیر اور شیر خدا کی شہادت...... غرض سباع کو قتل کر کے حضرت حمزہؓ اس کی زرہ اتارنے کے لئے اس پر جھکے حضرت جبیر ابن مطعم کے غلام وحشی کہتے ہیں جو اس وقت کافر تھے کہ میں حمزہؓ کو دیکھ رہا تھا کہ ان کی تلوار بے تحاشہ لوگوں کو کاٹ رہی ہے' ایک جگہ حمزہ کا پیر پھسلا جس سے ان کی زرہ ان کے پیٹ پر سے سرک گئی' میں نے جلدی سے کمان میں تیر چڑھایا اور نشانہ لے کر ان کے کھلے ہوئے پیٹ پر تیر چلا دیا' تیر ان کی ناف کے نیچے پیوست ہو گیا' حضرت حمزہؓ وہیں نڈھال ہو کر گرے' میں چپکے سے اپنی کمین گاہ سے نکل کر ان کے پیروں کی طرف سے ان کی جانب بڑھا' اچانک حمزہؓ نے اٹھ کر میری طرف رخ کیا مگر پھر تکلیف اور کمزوری کی وجہ سے لڑکھڑا کر گر پڑے میں اپنی جگہ پر پھر چھپ گیا اور انتظار کرنے لگا کہ یہ ٹھنڈے ہو جائیں تو ان کے پاس پہنچوں' چنانچہ ان کے ختم ہونے کے بعد میں ان کے قریب گیا اور دیکھ کر اطمینان کر لیا' اس سے فارغ ہو کر میں نے اپنا تیر کمان اٹھایا اور لشکر سے علیحدہ جا کر ایک طرف بیٹھ گیا' کیونکہ حمزہ کو قتل کرنے کے سوا مجھے اس جنگ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی (اس لئے کہ حمزہ کو قتل کرنے کی صورت میں ان کو آزاد کرنے کا وعدہ دیا گیا تھا)۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت حمزہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے دو تلواروں سے لڑ رہے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے کہ میں شیر خدا ہوں۔ اسی دوران میں اچانک ان کو ٹھوکر لگی جس سے وہ کمر کے بل گر پڑے اور ان کی زرہ پیٹ پر سے کھل گئی۔ اس

وقت وحشی حبشی نے ان کے پیٹ پر تیر چلا دیا۔

مشرکوں میں ابتری اور فرار...... پھر جب مشرکوں کے پرچم بردار ایک ایک کر کے قتل ہو گئے اور کوئی شخص بھی اب پرچم اٹھانے یا اس کے قریب آنے کی ہمت نہ کر سکا تو ایک دم مشرک پسپا ہونے لگے اور پیٹھ پھر کر چیختے اور بلاوجہ بلبلاتے ہوئے بھاگنے لگے' ان کی عورتیں بھی جو کچھ دیر پہلے خوش ہو کر اور دف بجا بجا کر گا رہی تھیں دف پھینک پھینک کر پہاڑ کی طرف بھاگیں' یہ عورتیں چیختی چلاتی اور بدحواسی میں اپنے کپڑے نوچ نوچ کر بھاگتی ہوئی جا رہی تھیں۔

تیر انداز دستہ اور حکم رسول کی خلاف ورزی...... مسلمانوں نے دشمن کو بھاگتے دیکھا تو وہ ان کا پیچھا کر کے ان کے ہتھیار لینے اور مال غنیمت جمع کرنے لگے' اسی وقت مسلمانوں کا وہ تیر انداز دستہ جس کو آنحضرت ﷺ نے پہاڑی پر تعینات کر کے حکم دیا تھا کہ کسی بھی حال میں اپنی جگہ سے نہ ہلیں وہاں سے مال غنیمت جمع کرنے کے لئے بھاگا' یہ دیکھ کر ان کے امیر حضرت عبداللہ ابن جبیر نے ان کو سختی سے منع کیا کہ ان کو کسی حال میں بھی یہاں سے ہٹنے کا حکم نہیں ہے مگر وہ لوگ نہیں مانے اور کہنے لگے:

"مشرکوں کو شکست ہو گئی ہے اب ہم یہاں ٹھہر کر کیا کریں گے!"

دستے کے امیر کی اطاعت شعاری اور شہادت...... یہ کہہ کر وہ لوگ پہاڑی سے اتر آئے اور مال غنیمت جمع کرنے لگے اگرچہ ان میں سے اکثر لوگ اپنی جگہ چھوڑ کر جا چکے تھے مگر ان کے امیر حضرت عبداللہ ابن جبیرؓ اور کچھ دوسرے صحابہ اپنی جگہ جمے رہے جن کی تعداد دس سے بھی کم تھی' انہوں نے نیچے جانے والوں سے کہا:

"میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی ہرگز نہیں کروں گا"۔

خالد ابن ولید کا خالی عقب سے حملہ...... اسی وقت خالد ابن ولید نے دیکھا کہ وہ پہاڑی جہاں تیر اندازوں کا دستہ جما ہوا تھا خالی ہو چکی ہے صرف چند آدمی وہاں باقی رہ گئے ہیں' یہ دیکھتے ہی وہ اپنے گھوڑے سوار دستے کے ساتھ پلٹے ان کے ساتھ ہی عکرمہ ابن ابوجہل بھی پلٹ پڑے' یہ دونوں آدمی بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔

انہوں نے پہاڑی پر پہنچ کر ان چند لوگوں پر حملہ کر دیا جو تیر انداز دستے کے بچے کھچے وہاں موجود تھے' ان کا یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ ایک ہی ہلے میں انہوں نے دستے کے امیر حضرت عبداللہ ابن جبیر اور ان کے چند ساتھیوں کو قتل کر دیا ان لوگوں نے حضرت عبداللہ ابن جبیر کی لاش کا مثلہ کیا یعنی ان کے ہاتھ پیر اور جسم کے دوسرے اعضاء کاٹ ڈالے' ان کے جسم پر اتنے نیزے لگے کہ ان کی آنتیں باہر نکل آئیں۔

فتح شکست میں تبدیل اور مسلمانوں میں ابتری...... اس کے بعد اس دستے نے نیچے اتر کر اچانک مسلمانوں کو گھیر لیا۔ مسلمان اس وقت بے خبری کے عالم میں مال غنیمت جمع کرنے اور مشرکوں کو قیدی بنانے میں لگے ہوئے تھے کہ اچانک مشرکوں کے گھوڑے سوار دستے گھوڑے دوڑاتے ہوئے ان کے سروں پر پہنچ گئے۔ یہ لوگ "یاللعزیٰ" اور "یالھبل" کے نعرے لگا رہے تھے' انہوں نے مسلمانوں کے پاس پہنچتے ہی بے خبری میں ان کو تلواروں پر رکھ لیا' اس اچانک افتاد سے مسلمان بدحواس ہو گئے اور جدھر جس کا منہ اٹھا وہ اسی طرف بھاگنے لگا' جو کچھ مال غنیمت انہوں نے جمع کیا تھا اور جتنے قیدی بنائے تھے ان سب کو چھوڑ کر مسلمان ہر طرف بکھر گئے' نہ ان کی صفیں باقی رہیں نہ ترتیب۔ ایک کو دوسرے کی کوئی خبر نہیں تھی' اس بے حواسی میں ان کو اپنا نعرہ بھی یاد نہ آیا جس سے ایک دوسرے کی پہچان ہوتی تھی اور اس کے نتیجے میں وہ ایک دوسرے ہی پر حملے کرنے

لگے' کیونکہ اپنے جنگی نعرے کے ذریعہ ہی وہ رات کے اندھیرے اور گھمسان کے دن میں اپنے پرائے کی شناخت کرتے تھے' مسلمانوں کا جنگی نعرہ اَمِتْ اَمِتْ تھا۔

قریشی پرچم پھر سربلند...... مشرکوں کا پرچم اس وقت تک زمین پر پڑا ہوا تھا کہ اس نئی صورت حال کو دیکھ کر اچانک ایک عورت عمرہ بنت علقمہ نے اس کو اٹھا کر بلند کر دیا' بھاگتے ہوئے مشرکوں نے اپنے پرچم کو سربلند ہوتے دیکھا تو وہ سمجھ گئے کہ جنگ کا پانسہ پلٹ چکا ہے اور سب کے سب) پلٹ کر پھر اپنے جھنڈے کے گرد جمع ہو گئے۔

اسی وقت ابن قمئہ نے پکار کا اعلان کیا کہ محمد قتل ہو گئے ہیں۔ ایک قول ہے کہ یہ اعلان کرنے والا ابلیس تھا جو جعال یا جعیل ابن سراقہ کی شکل میں تھا۔ یہ جعیل ابن سراقہ ابتداء اسلام میں ہی مسلمان ہو چکے تھے اور ایک صالح اور پاک باز شخص تھے اور اصحابہ صفہ میں سے تھے۔ ایک قول ہے کہ غزوہ خندق کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے ان ہی کا نام تبدیل کر کے عمر رکھ دیا تھا جیسا کہ آگے بیان ہو گا' نیز اس قول میں جو شبہ ہے وہ بھی ذکر ہو گا۔

آنحضرت ﷺ کے قتل کی افواہ اور مسلمانوں میں ہراس...... جنگ کے بعد لوگ جعال پر چڑھ دوڑے تھے تاکہ اسے قتل کر دیں' اس وقت جعال نے اپنی برات کی کہ میں نے یہ اعلان نہیں کیا تھا اس کی سچائی کی گواہی خوات ابن جبیر اور ابو بردہ نے دی کہ جب کسی شخص نے پکار کر یہ اعلان کیا اس وقت جعال ہمارے پاس اور ہمارے برابر ہی میں موجود تھے۔

ایک قول ہے کہ یہ اعلان کرنے والا ازب العقبہ یعنی بالشتیا تھا جس نے تین مرتبہ پکار کر یہ اعلان کیا' کیونکہ جب آنحضرت ﷺ کو شیطان کے اس اعلان کے متعلق معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ یہ ازب عقبہ ہے' یہ ازب الف کے زیر اور زبر پر جزم کے ساتھ ہے جس کے معنی بالشتیا کے ہیں جیسا کہ پیچھے گزرا۔

ایک قول ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ نے ایک دفعہ اپنی رحل پر ایک آدمی کو کھڑے دیکھا جس کا قد دو بالشت کا تھا' حضرت زبیرؓ نے اس سے پوچھا کہ تو کیا چیز ہے؟ اس نے کہا ازب ہوں! انہوں نے کہا ازب کیا ہوتا ہے' اس نے کہا کہ جنات کے آدمی کو کہتے ہیں' حضرت ابن زبیرؓ نے اپنے درے کی مونٹھ اس کے سر پر ماری جس سے وہ بھاگ گیا۔

غرض اس بارے میں کئی قول ہیں کہ یہ اعلان کس نے کیا تھا' ممکن ہے تینوں نے کیا ہو یعنی ابن قمئہ' ابلیس اور ازب عقبہ میں سے ہر ایک نے اعلان کیا ہو' اس اعلان کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو شکست چند گھڑی پہلے مشرکوں کو ہوئی تھی وہ مسلمانوں پر لوٹ آئی۔ اسی وقت کسی نے پکار کر کہا:

"اللہ کے بندو! دوسری طرف سے ہوشیار رہو!"

افراتفری میں باہم دست و گریبان...... مسلمان دوسری طرف متوجہ ہوئے اور بدحواسی میں آپس ہی میں ایک دوسرے پر تلواریں چلانے لگے' ان میں سے کچھ لوگ مدینے کی طرف پسپا ہوئے مگر شہر میں داخل نہیں ہوئے' ادھر جب رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ افواہ مشہور ہوئی تو (مسلمانوں نے اس پر اس لئے یقین کیا کہ انہیں ایک دوسرے کا ہوش تھا نہ خبر۔ سب اس طرح تتر بتر ہو گئے تھے کہ کسی کو کسی کا حال معلوم نہیں تھا' لہذا اس خبر سے مسلمانوں میں اور بدحواسی پھیل گئی یہاں تک کہ مایوسی کے عالم میں) بعض لوگوں نے کہا:

"اب جب کہ آنحضرت ﷺ قتل ہو چکے ہیں تو تم اپنی قوم کے پاس لوٹ چلو وہ تمہیں امان دیں گے"۔

اس پر کچھ دوسرے لوگوں نے کہا:

"اگر رسول اللہ ﷺ قتل ہو گئے ہیں تو کیا تم اپنے نبی کے دین اور اس پیغام کے لئے جو تمہارے نبی کا ہے نہیں لڑو گے' یہاں تک کہ تم شہید کی حیثیت سے اپنے خدا کے سامنے حاضر ہو"۔

کتاب امتاع میں ہے کہ حضرت ثابت ابن وحداح نے انصاریوں سے کہا:

"اے گروہ انصار! اگر محمد ﷺ قتل ہو گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور اسے موت نہیں آ سکتی' اپنے دین کے لئے لڑو اللہ تعالیٰ تمہیں فتح و کامرانی عطا فرمانے والا ہے!"

یہ سن کر انصاری مسلمانوں کا ایک گروہ اٹھا اور انہوں نے حضرت ثابتؓ کے ساتھ مل کر مشرکوں کے اس دستے پر حملہ کر دیا جس میں خالد ابن ولید عکرمہ ابن ابو جہل عمرو ابن عاص اور ضرار ابن خطاب تھے مسلمانوں کو اس چھوٹی سی جماعت کو حملہ کرتے دیکھ کر خالد ابن ولید نے ان پر ایک سخت جوابی حملہ کیا اور ثابت ابن وحداح اور ان کے ساتھی انصاریوں کو قتل کر دیا۔

جو لوگ میدان جنگ سے مدینے کی طرف پسپا ہوئے تھے ان میں حضرت عثمان ابن عفان' ولید ابن عقبہ' خارجہ ابن زید اور رفاعہ ابن معلیٰ بھی تھے' یہ تین دن تک وہیں رہے اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آئے' آپ نے ان سے فرمایا:

"تم اگرچہ چلے گئے تھے مگر اس کو درگزر کر دیا گیا ہے!"

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (پ ۴ سورۂ آل عمران ع ۱۶ آیت ۱۵۵)

ترجمہ: یقیناً تم میں جن لوگوں نے پشت پھیر دی تھی جس روز کہ دونوں جماعتیں باہم مقابل ہوئیں اس کے سوا اور کوئی بات نہیں ہوئی کہ ان کو شیطان نے لغزش دے دی ان کے بعض اعمال کے سبب سے اور یقین سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا' واقعی اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت کرنے والے ہیں بڑے حلم والے ہیں۔

بعض مسلمانوں کی مایوسی ...... بعض لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے بارے میں افواہ کے اور جنگ کا پانسہ پلٹنے کے بعد کہا:

"کاش ہمارا کوئی ایلچی عبداللہ ابن ابی (سردار منافقین) کے پاس پہنچ سکتا جو ابوسفیان سے ہمارے لئے امان حاصل کر لیتا لوگو! محمد ﷺ قتل ہو چکے ہیں اس لئے اپنی قوم کے پاس لوٹ چلو اس سے پہلے کہ وہ لوگ خود تمہارے سروں پر پہنچ کر تمہیں قتل کرنا شروع کر دیں"۔

کچھ صحابہ پسپا ہو کر مدینہ میں ...... ادھر مسلمانوں کی ایک جماعت پسپا ہو کر مدینے میں داخل ہو گئی راستے میں ان کو ام ایمن ملیں' وہ ان بھاگ کر آنے والوں کے منہ پر خاک ڈالنے لگیں اور ان میں سے کسی سے کہنے لگیں:

"لو یہ تکلہ اور بیٹھ کر اون کاتو۔ اور تلوار مجھے دو!"

اس طرح گویا پسپا ہونے والوں کی دو جماعتیں تھیں ایک تو وہ جو مدینے کی طرف پسپا ہوئی مگر مدینے میں داخل نہیں ہوئی اور دوسری وہ جو مدینے میں داخل ہو گئی' ادھر گزشتہ روایت سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ ام ایمن تو مسلم لشکر کے ساتھ تھیں جہاں وہ زخمیوں کو پانی پلانے کی خدمات انجام دے رہی تھیں' چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ حباب ابن عرفہ نے جنگ کے دوران تیر چلایا' وہ تیر حضرت ام ایمن کے لگا جو وہاں زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں' ام ایمن تیر کھا کر گر پڑیں اور ان کا بدن کھل گیا' یہ دیکھ کر وہ شخص قہقہے لگانے لگا' آنحضرت ﷺ کو اس بات سے تکلیف اور گرانی پیش آئی' آپ ﷺ نے فوراً ایک تیر حضرت سعدؓ کو

دیا کہ اس شخص پر تیر چلائیں' انہوں نے فوراً تیر چلایا جو حباب ابن عرفہ کی گردن میں لگا' وہ خدا کا دشمن کمر کے بل زمین پر گرا اور اس کی شرم گاہ کھل گئی' آنحضرت ﷺ اس پر ہنسنے لگے یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک بھی نظر آنے لگے کیونکہ عام طور پر رسول اللہ ﷺ اس طرح نہیں ہنستے تھے بلکہ ہنسی کی بات پر صرف مسکرا دیا کرتے تھے) پھر آپ نے فرمایا:

"سعد نے ان کا یعنی ام ایمن کا بدلہ لے لیا' اللہ تعالیٰ نے ان کی یعنی سعد کی دعائیں قبول فرمائیں

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ "اے اللہ! جب سعد تجھ سے کوئی دعا مانگے تو اس کی دعائیں قبول فرما"۔

آنحضرت ﷺ کی اس دعا کی برکت سے حضرت سعدؓ مستجاب الدعوات ہو گئے تھے یعنی جو دعا بھی مانگتے تھے وہ قبول ہوتی تھی۔

اب گویا ام ایمن کے متعلق دو روایتیں ہو گئیں' ایک کے مطابق وہ مدینے میں تھیں اور دوسری کے مطابق میدان احد میں زخمیوں کو پانی پلانے کی خدمت انجام دے رہی تھیں' مگر ان دونوں روایتوں میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہ بات ممکن ہے کہ اس وقت تک ام ایمن احد سے واپس مدینے آچکی ہوں۔

منافقوں کی دریدہ دہنی اور مسلمانوں کی سراسیمگی...... سردار منافقین عبداللہ ابن ابی کے لشکر کے غداری کر جانے کے بعد بھی کچھ منافقین لشکر کے ساتھ رہ گئے تھے جو ابن ابی کے ساتھ نہیں گئے تھے انہوں نے جب آنحضرت ﷺ کے قتل کے بارے میں یہ افواہ سنی تو کہا:

"جو کچھ وہ دعویٰ کرتے تھے اگر اس میں اصلیت ہوتی تو ہم یہاں آج اس طرح ہلاک نہ ہوتے!

بعض منافقوں نے یوں کہا:

"اگر وہ نبی ہوتے تو قتل نہ ہوتے' لوگوں اپنے پچھلے دین پر واپس آجاؤ!"

کتاب نہر میں ہے کہ کچھ لوگوں نے کہا:

"ہم ہاتھ پھیلا کر ان لوگوں یعنی کفار قریش سے مل جائیں گے کیونکہ وہ لوگ بہر حال ہماری قوم کے اور ہمارے خاندان ہی کے ہیں!"

مضطرب دلوں کو نیند کے ذریعہ تسکین...... اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات کہنے والے لوگ انصاری مسلمان نہیں تھے بلکہ مہاجرین میں سے تھے۔

حضرت زبیر ابن عوامؓ ایک روایت میں کہتے ہیں کہ جب جنگ کا پانسہ پلٹا اور ہم سخت بدحواس اور خوفزدہ تھے تو میں نے اپنے آپ کو آنحضرت ﷺ کے قریب پایا' اسی وقت ہم لوگوں پر نیند کا خمار پیدا کر دیا گیا (جو بے فکری کی علامت ہے اور ذہن سے خوف و پریشانی کو دور کر دیتا ہے) چنانچہ ہم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں تھا جو نیم بیداری کی حالت میں نہ ہو یہی وجہ ہے کہ مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے معتب ابن قشیر کی آواز کہیں دور سے خواب میں سنائی دے رہی ہے جب وہ یہ کہہ رہا تھا کہ جو کچھ وہ دعویٰ کرتے ہیں اگر اس میں اصلیت ہوتی تو ہم یہاں آج اس طرح ہلاک نہ ہوتے۔

معتب ابن قشیر کو ابن بشیر بھی کہا جاتا ہے اور یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو عقبہ کی بیعت میں شریک تھے' میں نے ان کے اس جملے کو یاد کر لیا' اس موقعہ کے متعلق حق تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاساً يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ وَطَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ (پ ۴ سورۂ آل عمران ع ۱۶ آیت ۱۵۴)

پھر اللہ تعالیٰ نے اس غم کے بعد تم پر چین بھیجا یعنی اونگھ کہ تم میں سے ایک جماعت پر تو اس کا غلبہ ہوا اور ایک جماعت وہ تھی کہ ان کو اپنی جان ہی کی فکر پڑی ہوئی تھی' وہ لوگ اللہ کے ساتھ خلاف واقع خیالات کر رہے تھے جو کہ محض حماقت کا خیال تھا۔

حضرت کعب ابن عمرو انصاریؓ سے روایت ہے کہ غزوہ احد کے دن ایک موقعہ پر میں اپنی قوم کے چودہ آدمیوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے برابر میں تھا' اس وقت ہم پر ایک بے فکری کی سی نیند کا خمار طاری تھا' کیونکہ ظاہر ہے خاص طور پر ایسے موقعہ پر اسی شخص کو نیند کا خمار محسوس ہو سکتا ہے جو ماحول سے بے پرواہ اور بے فکر ہو۔ کوئی شخص ایسا نہیں تھا جس کے سینے سے دھونکنی کی طرح خراٹوں کی آواز نہ نکل رہی ہو اور اونگھ میں ان کے سر اپنے ہتھیاروں سے نہ ٹکرا رہے ہوں' میں نے دیکھا کہ بشر ابن براء ابن معرور کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ کر گر گئی اور انہیں اتنی سخت اونگھ اور خمار تھا کہ تلوار کے گرنے کا احساس بھی نہیں ہوا حالانکہ مشرکین ہم پر چڑھ آ رہے تھے۔

پیچھے غزوہ بدر کے بیان میں گزرا ہے کہ اس موقعہ پر مسلمانوں پر نیند کا خمار جنگ کی رات میں ہوا تھا عین جنگ کے دوران نہیں ہوا تھا' اس کی وجہ اور سبب بھی وہیں بیان ہوا ہے' یہ بھی وہیں بیان ہوا ہے کہ میدان جنگ میں پیدا ہونے والا نیند کا خمار ایمان کی علامت ہے اور نماز میں خمار کا اثر شیطانی چیز ہے۔

دشمن کے نرغہ میں نبی اکرم ﷺ کی ثابت قدمی...... ادھر جب لڑائی کا پانسہ پلٹنے کے بعد صحابہ بدحواسی میں منتشر اور تتر بتر ہو گئے تو آنحضرت ﷺ اس افراد تفری میں اور اپنے چاروں طرف دشمنوں کے جمگھٹے کے باوجود اپنی جگہ ثابت قدم اور جمے رہے' صحابہ کو گھبراہٹ میں ادھر ادھر بھاگتے دیکھ کر ان کو پکارتے ہوئے فرماتے جاتے تھے:

"اے فلاں میری طرف آؤ۔ اے فلاں میری طرف آؤ۔ میں خدا کا رسول ہوں۔!"

مگر اس بدحواسی میں کوئی آپ کی طرف نہیں پلٹتا تھا' ہر طرف سے آپ پر تیروں کی بوچھار ہو رہی تھی مگر اللہ تعالیٰ ان کا رخ آپ کی طرف سے پھیر دیتا تھا' کتاب امتاع میں آپ کے الفاظ یوں ہیں:

"میں نبی ہوں اس میں جھوٹ نہیں ہے' میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں' میں عواتک یعنی عاتکاؤں کا بیٹا ہوں!"

یہ بات قابل غور ہے کیونکہ عام طور پر روایات اور سیرت کی کتابوں میں یہ ہے کہ یہ کلمات آپ نے غزوہ حنین میں فرمائے تھے مگر اس میں بھی کوئی اشکال کی بات نہیں ہے کہ یہی کلمے آپ نے احد میں بھی فرمائے ہوں اور حنین میں بھی۔

شمع نبوت کے پروانے...... اس نازک موقعہ پر صحابہ کی ایک جماعت آنحضرت ﷺ کے گرد جمی رہی جو آنحضرت ﷺ پر مشرکوں کے مسلسل حملوں کو روک روک کر آپ پر پروانوں کی طرح نثار ہو رہے تھے اور جانیں دے رہے تھے ان میں ابو طلحہؓ بھی تھے جو آنحضرت ﷺ کے سامنے جمے ہوئے تھے اور دشمن کے وار اپنی ڈھال پر روک رہے تھے' یہ بڑے بہترین تیر انداز اور سچے نشانہ باز تھے انہوں نے اپنا ترکش رسول اللہ ﷺ کے سامنے بکھیر دیا اور کہہ رہے تھے:

"میری جان آپ کی زندگی کے لئے فدا ہو جائے اور میرا چہرہ آپ کے چہرہ کے لئے ڈھال بن جائے!"

ابو طلحہ یہ کہتے اور مسلسل تیر چلاتے جاتے تھے' وہاں کوئی تیروں سے بھرا ترکش لے گزرتا تو آنحضرت ﷺ اس سے فرماتے:

"اس کو ابو طلحہ کے سامنے الٹ دو"۔

اس روز دو یا تین کمانیں مسلسل تیر اندازی کی وجہ سے ٹوٹ گئیں آنحضرت ﷺ دشمن کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو جاتے' ایک روایت میں ہے کہ جس طرف سے تیر آ رہے تھے آپ اس طرف رخ کر کے دشمن کو دیکھنے لگے تو ابو طلحہ گھبرا کر کہتے:

"اے اللہ کے نبی! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں دشمن کی طرف مت دیکھئے کہ ان کا کوئی تیر آکر خدانخواستہ آپ کے لگ جائے آپ کے لئے میری گردن کٹ جائے!"

یعنی آنحضرت ﷺ اوپر کو کھڑے ہو کر دشمن کی طرف دیکھنے لگتے تو ابو طلحہ آپ سے یہ کہتے اور پھر گھبراہٹ میں اچک کر آپ کے سینہ مبارک کے سامنے آجاتے تاکہ کوئی تیر آپ کے نہ لگ جائے (یعنی پنجوں کے بل ابھر کر آپ کے سینے کے برابر ہو جاتے تھے تاکہ آنے والے تیروں کو اپنے سینے یا ڈھال پر روک سکیں)۔

اسی سے یہ مسئلہ نکالا جاتا ہے کہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی زندگی کو اپنی زندگی پر ترجیح دے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ یہ جاں نثاری آنحضرت ﷺ کے سوا کسی دوسرے کے لئے واجب نہیں ہے۔

یہاں حضرت ابو طلحہؓ کا جو یہ جملہ گزرا ہے کہ میری گردن آپ کیلئے کٹ جائے اس کو ابن منیر نے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کیلئے ہر مسلمان پر جان نثاری واجب ہے اسی لئے حضرت سعدؓ نے غزوہ احد میں کہا تھا کہ میری گردن آپ کیلئے کٹ جائے۔

(یعنی ابن منیر نے یہ جملہ ابو طلحہ کے بجائے حضرت سعدؓ سے منسوب کیا ہے۔

آنحضرت ﷺ کی تیر افگنی...... اس موقعہ پر آنحضرت ﷺ مسلسل اپنی کمان سے تیر اندازی فرماتے رہے جس کا نام کتوم تھا کیونکہ اس سے تیر اندازی کے وقت کوئی آواز پیدا نہیں ہوتی تھی' آخر مسلسل تیر اندازی کی وجہ سے اس کمان کا ایک حصہ ٹوٹ گیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ:

یہاں تک کہ آپ کی اس کمان کا ایک سرا ٹوٹ گیا جس میں تانت باندھی جاتی ہے' غرض مسلسل تیر چلانے سے وہ کمان ٹوٹ گئی اور آپ کے ہاتھ میں کمان کی بالشت بھر ڈوری باقی رہ گئی۔ حضرت عکاشہ ابن محصن نے کمان کی ڈور باندھنے کے لئے وہ آپ سے لی مگر وہ ڈور چھوٹی پڑ گئی اور انہوں نے آپ سے عرض کیا:

یا رسول اللہ! یہ ڈور چھوٹی پڑ گئی ہے!

آپ نے فرمایا:

"اسے کھینچو پوری ہو جائے گی!"

عکاشہ کہتے ہیں کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آنحضرت ﷺ کو حق دے کر بھیجا ہے میں نے وہ ذرا سی ڈور کھینچی تو وہ کھنچ کر اتنی لمبی ہو گئی کہ میں نے اسے کمان کے سرے پر دو تین بل بھی دیئے اور اطمینان سے اس کو باندھ دیا۔

ادھر رسول اللہ ﷺ دشمن پر مسلسل پتھر پھینک رہے تھے اس وقت آپ سب سے زیادہ دشمن کے قریب کھڑے ہوئے تھے۔

مگر امام ابو العباس ابن تیمیہؒ نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی کمان سے اتنے تیر چلائے کہ وہ ٹوٹ کر ٹکڑے ہو گئی' اس کی دلیل میں وہ یہ بات کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ تیر چلائیں تو یہ ممکن نہیں ہے کہ تیر نشانے پر نہ لگے اور آپکے پھینکے ہوئے تیر نے کسی کو زخمی کیا ہوتا تو روایات میں یقیناً اس کا ذکر ہوتا کیونکہ ایسی بات کا نقل ہونا ضروری تھا۔

آنحضرت ﷺ کیلئے ابن ابی وقاصؓ کی جاں سپاری...... ادھر آنحضرت ﷺ کے پاس موجود صحابہ کی ایک جماعت نے زبردست جنگ کی جن میں حضرت سعد ابن ابی وقاص بھی تھے' یہ بھی ان ہی تیر اندازوں میں سے تھے جنہوں نے آپ کی کمان سے تیر اندازی کی تھی' حضرت سعدؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ تیر اٹھا اٹھا کر مجھے دے رہے تھے

اور فرماتے جاتے تھے:

تیر اندازی کرتے رہو تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں!"

یہاں تک کہ آپ نے مجھے ایسا تیر دیا جس پر پھل نہیں تھا' آپ ایسا تیر دے کر فرماتے کہ یہی چلاؤ۔

پیچھے بیان ہوا ہے کہ انہوں نے ایسا ہی بلا پھل کا ایک تیر اس شخص پر بھی چلایا جس نے ام ایمن کے تیر مارا تھا (یعنی ایسے بے پھل کا تیر آدمی کو زخمی نہیں کرتا۔)

ایک روایت میں حضرت سعدؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے اپنے آگے بٹھالیا' میں تیر چلاتا اور یہ کہتا جاتا تھا:

"اے اللہ! یہ تیرا تیر ہے تو اس کو اپنے دشمن کے جسم میں پیوست کر دے!"

ساتھ ہی آنحضرت ﷺ یہ فرماتے جاتے تھے:

"اے اللہ! سعد کی دعا قبول فرما۔ اے اللہ! اس کی تیر اندازی کو درست فرما اور اس کی دعا کو قبولیت عطا فرما!"

سعد ابن ابی وقاصؓ مستجاب الدعوات تھے...... یہاں تک کہ جب میرا ترکش تیروں سے خالی ہو گیا تو آپ نے اپنا ترکش میرے سامنے الٹ دیا چنانچہ جیسا کہ بیان ہوا حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ مستجاب الدعوات تھے یعنی وہ جو دعا بھی مانگتے تھے حق تعالیٰ اس کو قبولیت عطا فرماتے تھے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کی خلافت کے زمانے میں حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کوفہ کے امیر تھے ایک دفعہ کوفہ والوں نے فاروق اعظمؓ کے پاس ان کی چغل خوری کی اور ان کے خلاف جھوٹی سچی شکایتیں پہنچائیں امیر المومنین نے تحقیقات کیلئے ایک جماعت کوفہ کو روانہ کی' اس جماعت کے لوگوں نے کوفہ پہنچ کر جس کسی شخص سے بھی حضرت سعدؓ کے بارے میں اسکی رائے پوچھی اس نے ان کی تعریفیں کیں اور ان کے حق میں کلمہ خیر کہا' صرف ایک شخص ایسا ملا جس نے حضرت سعدؓ کی مخالفت میں رائے دی۔ اس شخص کا نام ابو سعدہ تھا' جب اس سے حضرت سعد کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے ان کی برائیاں کیں اور کہا کہ وہ نہ تو مال سب لوگوں میں برابر تقسیم کرتے ہیں اور نہ مقدمات کو انصاف کے ساتھ فیصل کرتے ہیں' حضرت سعدؓ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے ابو سعدہ کیلئے بددعا کی اور کہا:

"اے اللہ! اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کو لمبی عمر دے' اس کو ہمیشہ فقر و فاقہ میں مبتلا رکھ' اس کو اندھا فرما دے اور اسے فتنوں میں مبتلا فرما دے!"

ان کی دعا قبول ہوئی اور ابو سعدہ اندھا ہو گیا' تنگدستی اور فقر و فاقہ میں مبتلا ہوا' اس کی عمر بہت زیادہ ہوئی اور وہ کوفہ کے گلی کوچوں میں ٹھوکریں کھاتا ہوا پھرتا تھا' جب اس سے کوئی پوچھتا کہ ابو سعدہ کیا حال ہے تو وہ جواب دیتا:

"مصیبتوں اور پریشانیوں میں مبتلا ایک بوڑھا آدمی ہوں۔ مجھے سعد کی بددعا کھا گئی!"

ایک دفعہ حضرت سعدؓ سے پوچھا گیا کہ دوسرے صحابہ کے مقابلے میں آپکی دعائیں کیوں فوراً قبول ہو جاتی ہیں' انہوں نے کہا:

"میں زندگی بھر کوئی لقمہ یہ جانے بغیر اپنے منہ تک نہیں لے گیا کہ یہ کہاں سے آیا ہے اور کہاں سے نکلا ہے!"

چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ آیت:

يَا اَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلَالاً طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (لآیہ ۲ سورہ بقرہ ۱۲۲)

اے لوگو! جو چیزیں زمین میں موجود ہیں ان میں سے شرعی حلال پاک چیزوں کو کھاؤ برتو اور شیطان کے قدم بقدم مت چلو فی الواقع وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔

یہ سنتے ہی حضرت سعد ابن ابی وقاص کھڑے ہو گئے اور بولے۔

"یا رسول اللہ! میرے لئے دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مستجاب الدعوات فرمادے!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے کہ بندہ جب بھی کوئی حرام لقمہ اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے تو چالیس دن تک اس کی کوئی دعا قبول نہیں ہوتی"۔

ایک حدیث میں آتا ہے:

"جس کا کھانا حرام ہو' جس کا پینا حرام ہو' اور جس کا لباس حرام ہو اس کی دعائیں کیسے قبول ہو سکتی ہیں؟"

حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ نے اپنے حرام کمائی سے بچنے کے متعلق جو بات کہی ہے اس کی دلیل میں مصنف نے یہ دلیل دی ہے جو قابل غور ہے کیونکہ یہ بات کسی طرح بھی اس دعوی کی دلیل نہیں بن سکتی جو حضرت سعدؓ نے کہا ہے البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اپنے مستجاب الدعوات ہونے کی دعا کرانے سے حضرت سعدؓ کی مراد یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان لوگوں میں سے فرمادے جو حلال و پاک مال کھاتے ہیں اور کھانے کے وقت حرام و حلال میں تمیز کر سکتے ہیں' یہاں تک کہ میں مستجاب الدعوات ہو جاؤں۔

حرام لقمہ کے بارے میں جو حدیث گزری ہے اس میں صرف کھانے کا ذکر فرمایا گیا ہے' غالباً یہاں کھانے کے ساتھ پینے کی چیزیں بھی مراد ہیں' اور لباس کے سلسلے میں اس حدیث میں جو سکوت ہے وہ اس لئے ہے کہ کھانے اور پینے کے مقابلے میں حرام لباس نادر اور خال خال پیش آنے والی بات ہے۔

حضرت سعدؓ کی اس درخواست کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے جو قسم کھائی ہے وہ گویا اسی بات کو ثابت کرتی ہے جو حضرت سعدؓ سمجھے ہیں کہ جو شخص حرام کی کمائی کھائے گا وہ مستجاب الدعوات نہیں ہو سکتا' بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

اس سلسلے میں حقیقت یہ ہے کہ حضرت سعد کے مستجاب الدعوات ہونے کا سبب آنحضرت ﷺ کی وہ دعا ہے جو آپ نے ان کے لئے اس مقصد سی کی تھی مگر جب کسی نے ان سے وہ سوال کیا جو پیچھے گزرا کہ دوسرے صحابہ کے مقابلہ میں آپ کی دعائیں کیوں قبول ہوتی ہیں تو انہوں نے جواب میں اس کا یہ سبب نہیں بتلایا بلکہ دوسری بات بتلائی (جو خود حدیث سے ثابت ہے) اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان کے مستجاب الدعوات ہونے کے لئے آنحضرت ﷺ کی دعا اس واقعہ کے بعد کی ہو مگر یہ سب تفصیل قابل غور ہے۔

سعد کے لئے آنحضرت ﷺ کے محبت آمیز کلمات..... کتاب شرف میں ہے کہ احد کے دن حضرت سعد ابن ابی وقاص نے ایک ہزار تیر چلائے اور ہر تیر پر آنحضرت ﷺ نے ان سے یہ جملہ فرمایا کہ 'تیر اندازی کرو تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں' لہٰذا اس طرح آپ نے ان پر فدائیت کا ایک ہزار مرتبہ اعلان فرمایا۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ جملہ کہ تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں سوائے حضرت سعدؓ کے اور کسی کے لئے استعمال کرتے ہوئے نہیں سنا۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سوائے حضرت سعدؓ کے کبھی

کسی کے لئے اپنے ماں باپ کو جمع نہیں کیا۔

کتاب نور میں ہے کہ پہلی روایت درست ہے کیونکہ اس میں حضرت علیؓ نے کہا ہے کہ میں نے کسی اور کیلئے یہ جملہ نہیں سنا۔ چنانچہ اس سے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی اس روایت پر کوئی اثر نہیں پڑتا جس میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے باپ یعنی حضرت زبیرؓ کے لئے اپنے ماں اور باپ دونوں کی فدائیت کو جمع کیا اور حضرت سعدؓ کی طرح ان سے بھی فرمایا کہ تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں' یہ واقعہ غزوہ خندق کا ہے جب آپ نے حضرت زبیر کے لئے یہ جملہ استعمال فرمایا۔ حضرت زبیرؓ آپ کے پاس بنی قریظہ کے یہودیوں کے متعلق خبر لے کر آئے تھے' اسی طرح دوسری روایت کا بھی حال ہے کیونکہ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ کسی اور کیلئے یہ جملہ میں نے نہیں سنا (یعنی دونوں میں صرف اپنے نہ سننے کا ذکر ہے) لہٰذا اگر کسی دوسرے کیلئے بھی آپ کیلئے یہ جملہ استعمال کرنے کی روایت ہے تو وہ اس کے ظاہری الفاظ کے لحاظ سے غلط نہیں ہوگی۔

حضرت سعدؓ پر آنحضرت ﷺ کا فخر...... مگر کتاب نور میں ہے کہ حضرت علیؓ کا اصل مقصد اس روایت میں یہ ہے کہ آپ نے اس طرح ایک ہزار مرتبہ کسی اور کے لئے اپنی ماں باپ کی فدائیت کا اظہار نہیں فرمایا یا یہ کہ خاص غزوہ احد میں کسی اور کے لئے یہ جملہ نہیں فرمایا۔

آنحضرت ﷺ حضرت سعدؓ پر فخر کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے:

"یہ سعد میرے ماموں ہیں کوئی مجھے اپنا ایسا ماموں تو دکھائے!"

حضرت سعدؓ کو آپ نے اپنا ماموں اس لئے فرمایا کہ وہ بنی زہرہ کے خاندان سے تھے اور اسی خاندان سے آنحضرت ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بھی تھیں جیسا کہ اس کی تفصیلات گزر چکی ہیں۔

اگر حضرت سعدؓ سے کچھ دیر آنحضرت ﷺ کی ملاقات نہ ہوتی تو آپ (بے چین ہو جاتے اور) فرماتے۔

"کیا بات ہے صبیح و ملیح و فصیح نظر نہیں آرہے ہیں!"

گویا آنحضرت ﷺ نے ان کو ان خطابات سے نوازا تھا' صبیح کے معنی ہیں خوبصورت' ملیح کے معنی بھی خوبصورت کے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ صبیح کے معنی ہیں حسن شیریں اور ملیح کے معنی ہیں حسن نمکین اور فصیح کے معنی عمدہ کلام کرنے والا اور ادیب شخص کے ہیں۔

جب حضرت سعدؓ کی بینائی جاتی رہی تو کسی نے ان سے کہا:

"آپ دعا کیوں نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی بینائی لوٹا دے!"

حضرت سعدؓ نے جواب دیا۔

"اپنی بینائی کے مقابلے میں مجھے حق تعالیٰ کا فیصلہ اور تقدیر زیادہ عزیز ہے!"

جب حضرت سعد ابن ابی وقاص کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنا پرانا اونی جبہ منگایا اور فرمایا:

"مجھے اس میں کفن دینا کیونکہ یہی جبہ پہن کر میں نے غزوہ بدر کے دن مشرکوں کے ساتھ جنگ کی تھی اور میں نے اس جبہ کو اسی مقصد کے لئے احتیاط سے رکھا ہوا تھا"۔

غرض اسی طرح جو دوسرے آدمی تیر اندازی میں مشہور تھے وہ حضرت سہل ابن حنیف تھے اور غزوہ احد میں اس نازک موقعہ پر جو لوگ آنحضرت ﷺ کے قریب جمے رہے ان میں یہ بھی شامل تھے' بعض علماء نے کہا ہے کہ انہوں نے اس دن

آنحضرت ﷺ کے ساتھ موت کی بیعت کی تھی' چنانچہ آنحضرت ﷺ کے گرد دشمن کے انتہائی دباؤ کے وقت بھی یہ ثابت قدمی کے ساتھ آپ کی حفاظت کرتے رہے یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ پر سے دباؤ کم ہو گیا اور دشمن پیچھے ہٹ گیا' یہ اس سخت وقت میں آپ کے بچاؤ کے لئے دشمن پر تیر برسا رہے تھے' آنحضرت ﷺ اس وقت دوسرے لوگوں سے فرماتے جاتے تھے کہ سہل کو تیر دیتے رہو۔

ایک بہادر خاتون کی نبی ﷺ کے لئے جان فروشی...... حضرت ام عمارہ مازنیہ سے روایت ہے' ان کا نام نسیبہ تھا یعنی مشہور قول کے مطابق ن پر پیش اور س پر زیر کے ساتھ۔ یہ حضرت زید ابن عاصم کی بیوی تھیں۔ ان سے روایت ہے کہ غزوہ احد کے موقعہ پر میں یہ دیکھنے کے لئے روانہ ہوئی کہ لوگ کیا کر رہے ہیں' میرے پاس پانی سے بھرا ہوا ایک مشکیزہ بھی تھا جو میں نے زخمیوں کو پلانے کے لئے ساتھ لے لیا تھا' یہاں تک کہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ گئی اس وقت آپ صحابہ کے درمیان میں تھے اور اس وقت مسلمانوں کا پلہ بھاری چل رہا تھا۔ پھر اچانک مسلمانوں کو شکست ہو گئی (اور صحابہ افراتفری میں ادھر ادھر ہو گئے' ادھر مشرکوں نے چاروں طرف سے آنحضرت ﷺ پر یلغار کر دی) میں جلدی سے آنحضرت ﷺ کے قریب پہنچی اور کھڑی ہو کر جنگ کرنے لگی' میں تلوار کے ذریعہ دشمنوں کو آپ کے قریب آنے سے روک رہی تھی' یہاں تک کہ اسی میں خود بھی زخمی ہو گئی۔

ان کے مونڈھے پر ایک بہت گہرا زخم لگا تھا' جب ان سے پوچھا گیا کہ تمہیں کس نے زخمی کیا تو انہوں نے کہا:

"ابن قمہ نے۔ جب اچانک مسلمان آنحضرت ﷺ کے پاس سے تتر بتر ہو گئے تو وہ یہ کہتا ہوا آگے بڑھا کہ مجھے محمد کی نشاندہی کر دو کیونکہ اگر آج وہ بچ گئے تو سمجھو میں نہیں بچا' یعنی آج تو وہ رہیں گے یا میں رہوں گا' وہ جب قریب آیا تو میں نے اور مصعب ابن عمیر نے ان کا راستہ روکا اس وقت اس نے مجھ پر حملہ کر کے یہ زخم لگایا میں نے اس کے کئی ہاتھ مارے مگر وہ خدا کا دشمن دو زرہیں پہنے ہوئے تھا (اس لئے اس کے زخم نہیں آیا)۔

ایک قابل فخر گھرانہ...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ غزوہ احد کے موقعہ پر نسیبہ' ان کے شوہر حضرت زید ابن عاصم اور ان کے دونوں بیٹے خبیب اور عبد اللہؓ سب کے سب جنگ کے لئے گئے تھے' آنحضرت ﷺ نے ان سب کو کمربستہ دیکھ کر فرمایا:

"اللہ تعالیٰ تم گھر والوں پر رحمتیں نازل فرمائے' ایک روایت میں یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گھرانے میں برکت عطا فرمائے"

جنت میں آنحضرت ﷺ کے ساتھی...... اس پر حضرت ام عمارہ یعنی نسیبہ نے آپ سے عرض کیا:

ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ ہم جنت میں آپ کے ساتھ ہوں!"

آپ نے دعا کرتے ہوئے فرمایا:

"اے اللہ! ان کو جنت میں میرا رفیق اور ساتھی بنا۔

اسی وقت حضرت ام عمارہؓ نے کہا۔

"مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے کہ دنیا میں مجھ پر کیا گزرتی ہے!"

آنحضرت ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ احد کے دن میں دائیں یا بائیں جدھر بھی دیکھتا تھا ان کو دیکھتا تھا کہ میرے بچاؤ اور میری حفاظت کے لئے جان کی بازی لگا کر دشمنوں سے لڑ رہی ہیں۔

نسیبہ کے بیٹے مسیلمہ کذاب کے قاتل...... غزوہ احد میں حضرت ام عمارہؓ کے بارہ زخم آئے جن میں نیزوں کے زخم بھی تھے

اور تلواروں کے بھی تھے' ان ہی کے بیٹے حضرت عبداللہ اس جھوٹے نبی یعنی مسیلمہ کذاب لعنہ اللہ کے قاتل تھے۔

چنانچہ حضرت ام عمارہ سے روایت ہے کہ جنگ یمامہ کے موقعہ پر جب کہ میں مسیلمہ کذاب کو قتل کرنا چاہتی تھی کہ میرا ہاتھ کٹ گیا' اس وقت میرے پاس بچاؤ اور حفاظت کا کوئی سامان نہیں تھا' اسی وقت میں نے اس خبیث کو کشتہ ہو کر گرتے دیکھا اور ساتھ ہی یہ دیکھا کہ وہیں میرا بیٹا عبداللہ کھڑا ہوا اپنی تلوار پونچھ رہا ہے' میں نے اس سے پوچھا کہ کیا تم نے اس کو قتل کیا ہے' اس نے کہا ہاں! میں نے فوراً اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ شکر ادا کیا۔

مسیلمہ کے قتل کا واقعہ ...... یہ روایت اس مشہور روایت کے خلاف نہیں ہے جس کے مطابق مسیلمہ کذاب کے قاتل وحشی ہیں (جنہوں نے غزوہ احد میں حضرت حمزہؓ کو قتل کیا تھا اور بعد میں مسلمان ہو کر اس جھوٹے نبی کو قتل کیا) چنانچہ خود حضرت وحشی سے روایت ہے کہ جب میں بنی ثقیف کے وفد میں آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا جیسا کہ آگے بیان ہو گا' تو آپ نے مجھ سے فرمایا۔

"اے وحشی! جاؤ اللہ کی راہ میں نکل کر اسی طرح جہاد کرو جیسے تم اللہ کا راستہ روکنے کے لئے لڑا کرتے تھے!"

چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت کے زمانے میں جب مسلمان مسیلمہ کذاب سے جنگ کرنے کے لئے روانہ ہوئے جو یمامہ کے علاقہ میں حکمرانی کر رہا تھا اور جب کہ عربوں میں مرتد ہونے یعنی اسلام سے پھرنے کا فتنہ چل رہا تھا تو میں بھی مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ تھا' میں نے اپنا ہتھیار یعنی تیر کمان لیا اور جب میدان جنگ میں مسیلمہ کو دیکھا تو اس پر حملہ کرنے کے لئے نشانہ لیا' اسی وقت میں نے نشانہ لے کر تیر چلا دیا جو ٹھیک مسیلمہ کے جا کر لگا اسی وقت اس انصاری شخص نے مسیلمہ پر حملہ کر دیا اور تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا (یعنی دونوں کا حملہ ایک ساتھ ہوا) لہٰذا اب آپ کا رب ہی جانتا ہے کہ ہم میں سے کس نے اس بدبخت کو قتل کیا۔

بعض حضرات نے کہا کہ وہ انصاری شخص عبداللہ ابن زید ابن عاصم تھے جیسا کہ بیان ہوا' ایک کمزور قول یہ بھی ہے کہ ان کے علاوہ کوئی دوسرا شخص تھا۔

بعض علماء نے یوں لکھا ہے کہ مسیلمہ کذاب لعنہ اللہ کے قتل میں حضرت ابودجانہ' عبداللہ ابن زید اور وحشی تینوں شریک تھے' ادھر تاریخ ابن کثیر یعنی البدایہ والنہایہ میں صرف حضرت ابودجانہ اور وحشی کا ہی نام ہے' مگر اس اختلاف سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا کہ ہر راوی نے صرف اس شخص کا ہی ذکر کیا جس نے اس کو حملہ کرتے دیکھا (جس نے تینوں کو حملہ کرتے دیکھا اس نے تینوں کا ذکر کیا اور جس نے دو کو دیکھا اس نے دو کا ہی ذکر کیا) کتاب تاریخ ابن کثیر میں ہے کہ حضرت ابودجانہ کی روایت سے ان کی طرف جو یہ بات منسوب ہے کہ انہوں نے بھی اس کو کاٹا۔ اس روایت کی سند کمزور ہے اس لئے اس پر توجہ دینے کی ضرورت نہیں۔

حضرت وحشی سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ کہا۔

"میں نے اپنے اس ہتھیار سے ایک بہترین انسان کو قتل کیا (یعنی حضرت حمزہؓ کو) اور ایک بدترین انسان کو قتل کیا (یعنی مسیلمہ کذاب کو)"۔

مسیلمہ جس وقت قتل ہوا اس کی عمر ایک سو پچاس سال کی تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ غزوہ احد میں حضرت ابودجانہ رسول اللہ ﷺ کی حفاظت میں آپ کی ڈھال بنے ہوئے تھے چنانچہ

وہ آنحضرت ﷺ کے سامنے آپ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوگئے آنحضرت ﷺ پر بے تحاشہ تیر اندازی ہو رہی تھی مگر جو تیر بھی آتا وہ حضرت ابو دجانہ کی کمر پر لگتا وہ جھکے ہوئے کھڑے تھے اور تمام تیر اپنی کمر پر لے رہے تھے تاکہ آنحضرت ﷺ محفوظ رہیں یہاں تک کہ ان کی کمر میں بے شمار تیر پیوست ہوگئے۔

ایک مثالی موت...... اسی طرح حضرت زیاد ابن عمارہ بھی آنحضرت ﷺ کی حفاظت میں مردانہ وار اوپر زخم کھا رہے تھے یہاں تک کہ ان کو اتنے زخم لگے کہ آخر ان کی قوت جواب دے گی (اور وہ گر پڑے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ان کو میرے قریب لاؤ۔ چنانچہ ان کی خوش قسمتی یہ ہے کہ آپ کے قریب لا کر زمین پر لٹایا گیا تو انہوں نے اپنا منہ اور رخسار رسول اللہ ﷺ کے قدموں پر رکھ دیئے اور اسی حالت میں ان کا دم آخر ہو گیا کہ ان کے رخسار آنحضرت ﷺ کے مبارک قدموں پر رکھے ہوئے تھے۔

اللہ اللہ! یہ موت ہے جو حاصل زندگی ہے اور جس پر لاکھوں زندگیاں قربان ہیں' مبارک ہیں وہ ہستیاں جنہوں نے مر کر موت کو زندگی سے سربلند کر دیا۔

ساقی کے پاؤں پر ہم غش کھا کے گر پڑے ہیں
اس بے خودی کے صدقے دل آج قبلہ رُو ہے

حضرت مصعبؓ کی جاں نثاری...... اسی طرح حضرت مصعب ابن عمیر آنحضرت ﷺ کی مدافعت اور بچاؤ کرتے کرتے ابن قمہ کے ہاتھوں شہید ہوگئے۔ ابن قمہ حضرت مصعبؓ کو رسول اللہ ﷺ سمجھ رہا تھا (کیونکہ حضرت مصعبؓ میں آنحضرت ﷺ کی شباہت آتی تھی) چنانچہ اس نے حضرت مصعبؓ کو محمد ﷺ سمجھ کر ہی قتل کیا اور پھر قریش کے پاس جا کر ان کو اطلاع دی کہ میں نے محمد ﷺ کو قتل کر دیا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ حضرت مصعب ابن عمیر کا قاتل ابن ابی خلف ہے کیونکہ وہ یہ کہتا ہوا رسول اللہ ﷺ کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"محمد کہاں ہیں۔ آج یا تو وہ رہیں گے یا میں رہوں گا"!

امیہ کی آنحضرت ﷺ کے دست مبارک سے زخمی...... پھر آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ میں سے ایک کے ہاتھ سے ہتھیار لیا' یہ صحابی حرث ابن صمہ یا زبیر ابن عوام تھے جیسا کہ آگے بیان ہوگا' آنحضرت ﷺ نے اس نیزہ کی نوک ابی کی گردن میں بہت ہی آہستہ سے چبھادی' آپ نے یہ نیزہ اتنے آہستہ سے چبھایا تھا کہ اس کے خون بھی نہیں نکلا' مگر اس ہلکی سی خراش کے لگتے ہی وہ چیختا ہوا وہاں سے بھاگا۔

"خدا کی قسم محمد نے مجھے مار ڈالا!"

اس پر مشرکوں نے اس کو روکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"خدا کی قسم تو تو بہت چھوٹے دل کا نکلا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ 'خدا کی قسم تیری عقل جاتی رہی ہے' تو اپنے پہلو میں تیر لئے پھرتا ہے اور تیر اندازی کرتا ہے پھر یہ کیا ہے' یہ تو کوئی ایسا زخم نہیں جس سے تو اتنا چلا رہا ہے' ایک معمولی سی خراش ہے جیسی خراش تیرے لگی ہے اگر ہم میں سے کسی کی آنکھ میں بھی لگتی تو وہ اف نہ کرتا"۔

ابی نے چلاتے اور درد و تکلیف سے بلبلاتے ہوئے کہا۔

اس زخم کی شدت و سوزش...... "لات و عزی کی قسم! مجھے اس وقت جتنی زبردست اور اذیت ناک تکلیف ہو رہی ہے اگر وہ

ذی المجاز کے میلے کے سارے آدمیوں میں بھی تقسیم کر دی جاتی تو وہ سب کے سب مر جاتے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ ' اگر یہ تکلیف سارے بنی ربیعہ اور بنی مضر کے ہوتی تو سارے ختم ہو جاتے "۔

ایک روایت میں ہے کہ "روئے زمین کے سارے انسانوں کے بھی ہوتی وہ سب ختم ہو جاتے محمد ﷺ نے مکے میں ایک دفعہ مجھے کہا تھا کہ میں ہی تجھے قتل کر دوں گا۔ خدا کی قسم زخم تو بڑی چیز ہے گر وہ مجھ پر تھوک بھی دیتے تو میں اسی گھڑی ختم ہو جاتا (چونکہ آپ یہ فرما چکے ہیں اس لئے آپ کا معمولی سا حملہ بھی مجھے ختم کر دے گا)"۔

ابی ابن خلف کے اس خوف کا سبب یہ تھا کہ یہ مکے میں رسول اللہ ﷺ سے کہا کرتا تھا:

"اے محمد! میرے پاس ایک بہترین گھوڑا ہے جس کو میں روزانہ ایک فرق یعنی بارہ مد چارہ کھلا کر موٹا کر رہا ہوں اور اس پر سوار ہو کر میں تمہیں قتل کر دوں گا"۔

فرق ایک عربی پیمانہ تھا جس میں آٹھ کلو وزن کی چیز آسکتی تھی' ابی کی یہ بکواس اور لاف و گزاف سن کر آنحضرت ﷺ اس سے فرماتے تھے:

"انشاءاللہ میں خود تجھے قتل کروں گا!"۔

چنانچہ آپ کے اس فرمان کے مدتوں بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی اس بات کو حقیقت کر دکھایا۔ حضرت سعید ابن مسیبؒ سے یوں روایت ہے کہ غزوہ بدر میں ابی ابن خلف گرفتار ہوا تھا جب اس نے اپنا فدیہ ادا کر کے رہائی پائی تب اس نے اپنے گھوڑے کے متعلق یہ بات کہی تھی' آنحضرت ﷺ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا۔ "نہیں بلکہ میں انشاءاللہ اسے قتل کروں گا"۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں۔ ان دونوں روایتوں میں موافقت اس طرح ممکن ہے کہ ابی نے یہی بات دونوں موقعوں پر کہی ہو اور اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی دونوں مرتبہ یہی جواب دیا ہو۔ واللہ اعلم

ایک روایت میں ہے کہ جب ابی بن خلف آنحضرت ﷺ کے سامنے پہنچا تو اگرچہ وہ زرہ بکتر اور خود پہنے ہوئے تھے جس سے اس کا سارا جسم ڈھکا ہوا تھا مگر اس کی گردن پر جو زرہ کا حصہ تھا اس میں آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ ایک جگہ سے کھلا ہوا ہے اور ہنسلی نظر آرہی ہے آپ نے اسی جگہ نیزہ سے کچوکہ لگایا جس میں اس کی ایک پسلی ٹوٹ گئی' چنانچہ یہی بات اس روایت کے مطابق بھی ہے جس میں ہے کہ جب آپ نے اس کے یہ خراش لگائی تو وہ بار بار اپنے گھوڑے پر لوٹ پوٹ ہو کر گرا اور اس طرح ڈکرانے لگا جیسے ذبح ہوتا ہوا بیل ڈکرایا کرتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے جب ابی کے مارنے کے لئے حرث ابن صمہ یا زبیر ابن عوام سے وہ ہتھیار یعنی نیزہ لیا تو آپؐ نے پہلے اس کو بڑے زور سے ہلایا اور اس کے بعد ابی کا سامنا کر کے اس کی گردن میں وہ خراش لگائی۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: یہاں گردن اور ہنسلی کے لفظ سے کوئی شبہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ ہنسلی گردن کی جڑ میں ہوتی ہے (لہٰذا کسی نے گردن کے زخم کا ذکر کیا اور کسی نے گردن کے بجائے ہنسلی کا لفظ استعمال کیا' ساتھ ہی ان دونوں باتوں میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس کچوکے سے اس کے صرف خراش آئی تھی حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اس پر نیزہ کا پورا وار کیا تھا اور پھر وار کے لئے آنحضرت ﷺ کا ارادہ فرمانا ہی کافی تھا کہ آپ کا مقصد اس کو قتل کرنا تھا' کیونکہ ظاہر طور پر اگرچہ صرف ایک خراش تھی یعنی دیکھنے والے کو صرف اتنی ہی نظر آتی تھی مگر اندرونی طور پر اس کی شدت اور تکلیف کیا تھی اس کا اندازہ

دیکھنے والا صحیح طور پر نہیں کر سکتا (بلکہ خود ابی کی بلبلاہٹ ہی اس کو کسی حد تک ظاہر کر سکتی ہے) پھر یہ کہ اس خراش میں جو شدید تکلیف رہی ہو گی اس کی دلیل ابی ابن خلف کا بار بار گھوڑے پر لوٹ پوٹ ہونا اور گرنا اور اس کا ذبح ہونے والے بیل کی طرح ڈکرانا ہے' ادھر گردن میں لگنے والے نیزے کے وار سے پسلی کا ٹوٹ جانا خرق عادات اور معجزات میں سے ہی ہو سکتا ہے' مگر ایک روایت میں میں نے یہ دیکھا ہے کہ آپ نے ابی کی بغل کے نیچے وار کیا تھا جس سے اس کی ایک پسلی ٹوٹ گئی' چنانچہ اس سلسلہ میں کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے وہ ہتھیار اس جگہ یعنی بغل سے پار ہو گیا ہو (بہر حال یہ بات سامنے کی ہے کہ بغل میں کئے جانے والے وار سے پسلی ٹوٹ سکتی ہے)۔

نبی کے دست سے پہلا اور آخری قتل...... کتاب نور میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے صرف ابی ابن خلف کو قتل کیا اور نہ اس کے سوا آپ نے نہ اس سے پہلے نہ اس کے بعد کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا (یعنی یہی وہ پہلا اور آخری شخص ہے جو نبی کریم ﷺ کے ہاتھوں زخم کھا کر مرا اس کے سوا کبھی آپ نے کسی شخص کو قتل نہیں کیا)

غرض آنحضرت ﷺ کے ہاتھوں یہ زخم کھا کر ابی بلبلاتا اور چیختا ہوا لوٹا' قریش مکہ اس کو لے کر واپس مکے کو روانہ ہوئے مگر اس تکلیف سے سرف کے مقام پر ہی ابی ابن خلف نے دم توڑ دیا۔ یہ لفظ سَرِف ہے جو اسراف سے بنا ہے جس کے معنی فضول خرچی اور زیادتی کے ہیں' یہی اس کے مناسب بھی ہے کیونکہ ابی بھی حد سے تجاوز کر گیا تھا۔

ایک قول ہے کہ یہ جگہ رابغ کے عین درمیان میں واقع تھی۔

چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ جب کہ رات ڈھل رہی تھی میں رابغ کی وادی میں سفر کر رہا تھا' اچانک میں نے دیکھا کہ میرے سامنے ایک جگہ آگ کی لپٹیں اٹھ رہی ہیں اور اس آگ میں سے ایک شخص جو زنجیروں میں بندھا ہوا تھا اپنی بیڑیاں کھینچتا ہوا آ رہا ہے اور پانی پانی چلا رہا ہے پھر اس نے مجھے اے عبداللہ کہہ کر آواز دی' میں نہیں جانتا کہ وہ شخص میرا نام جانتا تھا یا اس نے یا عبداللہ یعنی اے اللہ کے بندے اس طرح کہہ دیا تھا جیسے (عرب کے لوگ) انجان آدمی کو یا عبداللہ کہہ کر پکار لیا کرتے تھے' میں اس کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے کہا مجھے پانی پلا دو۔ میں نے اس کو پانی دینے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ ایک شخص جو اس کو عذاب دینے پر مامور تھا مجھ سے بولا:

"اسکو پانی مت پلانا' یہ شخص وہ ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے قتل کیا تھا' یہ ابن ابی خلف ہے خدا اس پر لعنت کرے"

اس روایت کو بیہقی نے روایت کیا ہے اور یہ روایت اس حدیث کی تائید کرتی ہے جس میں ہے۔

نبی کے ہاتھوں مقتول کا عبرتناک انجام...... "ہر وہ شخص جس کو نبی نے قتل کیا ہو یا جس کو نبی کی زندگی میں نبی کے حکم پر قتل کیا گیا ہو اس کو اس کے قتل کے وقت سے قیامت کے صور تک عذاب دیا جاتا رہے گا!"

ایک حدیث میں ہے کہ سب سے زیادہ سخت عذاب اس کو دیا جاتا ہے جس کو نبی نے خود قتل کیا ہو۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ اس شخص پر حق تعالیٰ کا غضب بے حد شدید ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے فی سبیل اللہ قتل کیا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاءؑ اللہ کے بندوں پر لطف و کرم اور شفقت کے لئے مامور ہوتے ہیں لہٰذا کسی شخص کو قتل کرنے پر وہ جبھی مجبور ہو سکتے ہیں جب کہ اس شخص کی طرف سے کوئی بڑی خطا سرزد ہوتی ہے' پھر یہ کہ تمام نبیوں میں رسول اللہ ﷺ اپنے لطف و کرم اور شفقت و درگزری میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔

کتاب شرح تقریب میں یہ حدیث جو بیان کی گئی ہے اس کی شرح میں مصنف نے ان لوگوں کیلئے جن کو رسول اللہ ﷺ نے شرعی سزا یا قصاص یعنی جان کے بدلے کے طور پر قتل کرایا ہے فی سبیل اللہ کا لفظ استعمال کرنے سے گریز کیا ہے کیونکہ جس کو رسول اللہ ﷺ خود قتل فرمائیں گے وہ شخص وہی ہو گا جو خود نبی کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہو گا' اور یہ بات ابی ابن خلف میں پائی جاتی تھی لعنہ اللہ۔

ادھر پیچھے ابن مرزوق کے حوالے سے بیان ہوا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ بدر کے میدان سے گزرے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص کو عذاب دیا جا رہا ہے اور وہ بلبلا رہا ہے اس نے ان کو یا عبداللہ کہہ کر پکارا یہ اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے پانی مانگا۔ انہوں نے پانی دینے کا ارادہ کیا تو ایک سیاہ رو شخص نے جو اس کو عذاب دینے پر مامور تھا ان کو پانی دینے سے روکتے ہوئے کہا کہ اسکو پانی مت پلاؤ کیونکہ یہ ان مشرکوں میں سے ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے یعنی آپ کے صحابہ نے قتل کیا ہے' اس روایت کو طبرانی نے کتاب اوسط میں نقل کیا ہے' مگر اس واقعہ کے دونوں موقعوں پر پیش آنے میں کوئی اشکال کی بات نہیں ہے۔

چنانچہ میں نے کتاب صغرٰی میں بھی دیکھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ایک سے زائد مرتبہ پیش آیا ہے اس میں علامہ سیوطی نے آنحضرت ﷺ کی ضرورت سے حضرت ابن عمرؓ کے میدان بدر سے گزرنے کا ذکر کیا ہے اور یہ واقعہ نقل کیا ہے' اس پر آنحضرت ﷺ نے ان کو بتلایا کہ وہ شخص ابو جہل تھا اور وہ اس کا عذاب تھا جو قیامت تک اس کو دیا جاتا رہے گا۔ یہ تفصیل ہم غزوہ بدر کے بیان میں ذکر کر آئے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کا گڑھے میں گرنا...... ابو عامر فاسق نے میدان احد میں بہت سے گڑھے جگہ جگہ کھود دیئے تھے تاکہ مسلمان بے خبری میں ان میں گرتے رہیں اور نقصان اٹھاتے رہیں' ان ہی میں سے ایک گڑھے میں رسول اللہ ﷺ گر پڑے۔

ایک باپ اور ایک بیٹا...... یہ ابو عامر فاسق حضرت حنظلہؓ کا باپ تھا اور حضرت حنظلہؓ کا مقام یہ ہے کہ ان کو فرشتوں نے غسل دیا تھا چنانچہ ان کو غسیل الملائکہ کہا جاتا ہے۔ ابو عامر کا نام عبد عمرو تھا اور یہ کفر کی حالت میں سرزمین روم میں مرا کیونکہ فتح مکہ کے بعد یہ فرار ہو کر روم چلا گیا تھا۔

آنحضرت ﷺ بے خبری میں ان میں سے ایک گڑھے میں گر پڑے آپ پر غشی طاری ہو گئی اور آپ کے دونوں گھٹنے زخمی ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے جلدی سے بڑھ کر آپ کو ہاتھوں میں لیا اور حضرت طلحہ ابن عبید اللہ نے آپ کو اوپر اٹھا کر باہر نکالا۔

آنحضرت ﷺ پر پے در پے حملے...... آنحضرت ﷺ کے گرنے کا سبب بھی وہی بدبخت ابن قمہ بنا تھا کیونکہ اس نے آنحضرت ﷺ پر حملہ کر کے تلوار کا وار کیا' آپ کی گردن پر پڑی اگرچہ تلوار نے آپ پر کوئی اثر نہیں کیا مگر اس کی چوٹ سے آپ کی گردن مبارک میں اتنا سخت جھٹکا آیا کہ اس کے بعد ایک مہینہ یا اس سے زائد تک آپ کی گردن میں تکلیف رہی۔ ساتھ ہی اس نے آپؐ پر پتھر چلانے شروع کئے جن میں سے ایک پتھر آپ کے پہلو میں لگا۔ ادھر عتبہ ابن ابی وقاص نے جو حضرت سعد ابن ابی وقاص کا بھائی تھا آنحضرت ﷺ پر ایک پتھر کھینچ کر مارا جو آپ کے منہ پر لگا اور آپ کے نیچے کے چار دانت ٹوٹ گئے ساتھ ہی اس سے نچلا ہونٹ پھٹ گیا' آنحضرت ﷺ نے اس کے لئے ان الفاظ میں بد دعا فرمائی:

"اے اللہ! ایک سال گزرنے سے پہلے ہی اس کو کافر کی حیثیت سے موت دے!"

حملہ آور عتبہ اپنے انجام کو...... اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی اور اسکو اسی دن حاطب ابن ابی بلتعہ نے قتل کر دیا۔

حضرت حاطبؓ کہتے ہیں کہ جب میں نے عتبہ ابن ابی وقاص کی یہ شرمناک جسارت دیکھی تو میں نے فوراً آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ عتبہ کدھر گیا ہے؟ آپ نے اس سمت اشارہ کیا جس طرح وہ گیا تھا' میں فوراً ہی اس کے تعاقب میں روانہ ہوا یہاں تک کہ ایک جگہ میں اس کو پانے میں کامیاب ہو گیا' میں نے فوراً ہی اس پر تلوار کا وار کیا جس سے اس کی گردن کٹ کر دور جا گری' میں نے بڑھ کر اس کی تلوار اور گھوڑے پر قبضہ کیا اور اسے لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس آیا آپ ﷺ نے یہ خبر سن کر دو مرتبہ یہ فرمایا رضی اللہ عنک۔ رضی اللہ عنک یعنی اللہ تم سے راضی ہو گیا۔ اللہ تم سے راضی ہو گیا۔

بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ 'پھر آنحضرت ﷺ کی بددعا کو زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ عتبہ مر گیا' مگر دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے' البتہ ایک روایت اس کے خلاف ہے جس میں ہے کہ فتح مکہ کے بعد وہ مسلمان ہو گیا تھا اور پھر مر گیا۔ اور یہ کہ اس واقعہ کے بعد عتبہ کے جو بھی بیٹا یا پوتا ہوا اس کے سامنے کے چار دانت گر جاتے تھے' نیز عتبہ کے منہ سے اتنی شدید بدبو آنے لگی تھی کہ اگر یہ کہیں سے گزر بھی جاتا تو لوگ سمجھ لیتے کہ یہاں سے گندہ دہن عتبہ گزرا ہے۔

اسی حملے میں آنحضرت ﷺ کے سر پر جو خود تھا وہ بھی ٹوٹ گیا' نیز دشمن کے مسلسل حملوں میں آپ کا چہرہ مبارک بھی زخمی ہو گیا اور کھال پھٹ گئی۔ آپؐ کے چہرہ مبارک پر وار کرنے والے حضرت عبداللہ ابن شہاب زہری تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ یہی عبداللہ امام زہری کے دادا ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ نانہالی جد یعنی نانا ہوں (کیونکہ عربی میں دادا اور نانا دونوں کے لئے جد کا لفظ استعمال ہوتا ہے)۔

آنحضرت ﷺ حملہ آور کی نگاہ سے اوجھل..... ان کو عبداللہ اصغر کہا جاتا تھا (جو امام زہری کے نانا تھے) ادھر اس سے پہلے یہ ہوا تھا کہ عبداللہ آنحضرت ﷺ کے برابر میں موجود تھے اور اس جگہ آپ کے ساتھ کوئی جاں نثار نہیں تھا بلکہ آپ بالکل تنہا تھے (مگر عبداللہ آپ کو نہیں دیکھ سکے) انہوں نے کہا:

"مجھے بتاؤ محمد کہاں ہے' خدا کی قسم آج یا تو وہ رہیں گے یا میں رہوں گا!"

یہ کہہ کر عبداللہ آنحضرت ﷺ کے پاس سے گزر کر آگے چلے گئے' اس پر صفوان ابن امیہ نے ان کو ڈانٹا اور کہا کہ تم محمد ﷺ کے پاس ہی کھڑے ہو کر یہ کہہ رہے تھے اور ان کو چھوڑ کر چلے آئے۔ اس پر عبداللہ نے کہا:

"خدا کی قسم! میں نے ان کو نہیں دیکھا۔ اب میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہم سے ان کی (غیبی) حفاظت کی جارہی ہے!"

اب یوں کہنا چاہیئے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک پر جو زخم لگایا تھا وہ یا تو اس واقعہ سے پہلے کی بات ہے اور یا بعد کی بات ہے (کیونکہ اس موقعہ پر تو یہ آپ کو چھوڑ کر چلے آئے تھے)

قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک کے اسی زخم کی طرف اپنے چند شعروں میں بھی اشارہ کیا ہے کہ اس زخم کے نشان سے آپ کا جمال کچھ اور زیادہ ہو گیا تھا۔

مظهر شجة الجبين على البرء
كما اظهر الهلال البراء

ستر الحسن منه بالحسن فاعجب
لجماله له الجمال وقاء

فھو کاالزھر لاح من سجف
الاکمام و العود شق عنہ اللحاء

مطلب: آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک پر یعنی جبین مبارک پر جو زخم کا نشان ظاہر ہو گیا وہ ہلالی شکل اختیار کر کے آپ کے حسن و جمال کا ایک نشان بن گیا۔ تو گویا اس زخم کی وجہ سے آپ کے اصلی حسن کیساتھ ایک عارض یعنی نو پیدا شدہ حسن کا بھی اضافہ ہو گیا۔ اس طرح یہ عارض حسن آپ کے اصلی حسن کیلئے ایک حجاب اور پردہ بن گیا یعنی یہ پردہ گویا اصلی حسن کے تحفظ کیلئے ڈھال کی حیثیت میں تھا' لہذا یوں کہنا چاہئے کہ اس زخم کا اثر جو ظاہر ہوا وہ اس پھول کی طرح تھا جو اپنے حجاب سے اچانک نکل آئے یا جیسے وہ خوشبودار لکڑی ہوتی ہے جس کا چھلکا اتارنے سے اسکی خوشبو کی لپٹیں پھوٹتی ہیں۔

حضرت حسان ابن ثابت نے آنحضرت ﷺ کی جبیں مبارک کے بارے میں ایک شعر کہا ہے:

متی یبدو فی الداجی البھیم جبینہ
یلح مثل مصباح الدجی المتوقد

جس وقت انتہائی تاریکی میں انکی جبین روشن رونما ہوتی ہے تو وہ اس طرح جگمگاتی ہے جیسے اندھیروں میں شمع

ابن قمیہ کے لئے نبی کی بددعا...... ابن قمیہ کے حملے کے وجہ سے آنحضرت ﷺ کے دونوں رخسار بھی زخمی ہو گئے تھے کیونکہ اس چوٹ کی وجہ سے زرہ کی دو کڑیاں رخساروں میں پیوست ہو گئی تھیں۔ ابن قمیہ نے جب آنحضرت ﷺ پر وار کیا تو ساتھ ہی اس نے للکار کر کہا:

"لو یہ سنبھالو۔ میں ابن قمیہ ہوں!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

اقمئك الله عزوجل۔ یعنی اللہ تجھے ذلیل و پست اور برباد کر دے!"

ابن قمیہ جنگلی بکرے کا شکار...... حق تعالیٰ نے اس کے حق میں آنحضرت ﷺ کی یہ بددعا قبول فرمائی۔ چنانچہ اس جنگ کے بعد جب وہ اپنی بکریوں کے گلے میں پہنچا تو انہیں لے کر پہاڑ پر چڑھنے اور بکریوں مینڈھوں کو گھیر گھیر کر لے جانے لگا اچانک ایک مینڈھے نے اس پر حملہ کیا اور اس زور سے اس کے سینگ مارا کہ یہ پہاڑ سے نیچے لڑھک گیا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک پہاڑی بکرا مسلط فرمادیا۔ وہ اچھل اچھل کر اسکے سینگ مارتا رہا یہاں تک کہ اس نے اسکو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں۔ ان دونوں روایتوں میں موافقت ممکن ہے کہ اس مینڈھے نے اس کو اپنے سینگوں سے مار مار کر زخمی کر کے پہاڑ کی چوٹی سے نیچے دھکیل دیا' اور وہاں نیچے اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک پہاڑی بکرا مسلط فرمادیا اور اس نے وہاں اس کو اپنے سینگوں پر رکھ لیا جس کے نتیجہ میں اس کا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہوا' اس طرح گویا اس کی بدبختی اور تباہی و بربادی زیادہ سے زیادہ مکمل ہو گئی لعنہ اللہ علیہ۔ واللہ اعلم

قوم کی حالت پر افسوس...... جب آنحضرت ﷺ کا چہرہ مبارک زخمی ہوا تو زخموں سے خون بہنے لگا اور آپ خون پونچھتے

اور یہ فرماتے جاتے تھے:

"وہ قوم کیسے فلاح اور کامکاری پائے گی جنہوں نے اپنے نبی کے چہرے کو اس لئے خون سے رنگین کر دیا کہ وہ ان کو ان کے پروردگار کی طرف بلاتا ہے"۔

ایک روایت میں ہے کہ ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب بے حد شدید ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے چہرہ انور کو خون سے رنگین کر دیا۔ چنانچہ اسی واقعہ کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْئٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ (۴ آل عمران ۳/۱۲۸)

آپ کو کوئی دخل نہیں یہاں تک کہ خدا تعالیٰ یا تو ان پر متوجہ ہو جاویں اور یا ان کو کوئی سزا دے دیں کیونکہ وہ ظلم بھی بڑا کر رہے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ اس وقت آنحضرت ﷺ یہ فرمانے لگے:

"اے اللہ! فلاں اور فلاں پر لعنت فرما!"

یعنی اے اللہ ابوسفیان پر لعنت فرما۔ اے اللہ حرث ابن ہشام پر لعنت فرما۔ اے اللہ سہیل ابن عمرو پر لعنت فرما۔ اے اللہ صفوان ابن امیہ پر لعنت فرما۔

اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت پاک نازل فرمائی تھی۔

یہاں آنحضرت ﷺ کے زخمی ہونے پر ایک شبہ ہو سکتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے کہ۔

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ- اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ (۶ المائدہ ۱۰/۶۷)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ان کافر لوگوں کو راہ نہ دیں گے۔

تو اس آیت کے بعد جب آنحضرت ﷺ کو حق تعالیٰ کی حفاظت حاصل تھی۔ آپ کیسے زخمی ہوئے؟

اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ یہ آیت غزوہ احد کے بعد نازل ہوئی ہے' لیکن اگر یہ بھی کہا جائے کہ یہ غزوہ احد سے پہلے نازل ہو چکی تھی تو بھی اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کی حفاظت سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کو قتل ہونے سے محفوظ فرما دیا ہے۔

پیغمبروں کا اجر و ثواب...... شیخ محی الدین ابن عربی کا قول ہے کہ واضح رہے کہ ہر نبی کے لئے تبلیغ کا اجر و ثواب ان شدتوں اور تکلیفوں پر ہوتا ہے جو اس کو اس تبلیغ دین کے نتیجہ میں اپنے مخالفوں اور دشمنوں کی طرف سے برداشت کرنی پڑتی ہیں' اور جو لوگ نبی پر ایمان لا کر ان کے اطاعت گزار بن جاتے ہیں ان کو ہدایت پانے کا اجر و ثواب ملتا ہے۔ جہاں تک آنحضرت ﷺ کا تعلق ہے تو آپ کے اجر و ثواب کا مقابلہ کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تبلیغ کے نتیجہ میں امت کے سرکشوں کی طرف سے آپ کو جو تکلیفیں اور اذیتیں پہنچیں وہ کسی اور کو نہیں پہنچیں اور اسی طرح امت کے جتنے نیک لوگوں نے آپ کی اطاعت کی اتنی کسی اور کو حاصل نہیں ہوئی۔

مالک ابن سنان کا نبی ﷺ کے زخموں کا خون چوسنا...... غرض ان زخموں کے نتیجہ میں آپ کے چہرہ مبارک سے جب خون بہنے لگا تو حضرت مالک ابن سنان خدری نے اس کو اپنے منہ سے چوس کر خشک کیا اور اسے نگل گئے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جس کے خون میں میرا خون شامل ہو گیا اس کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی!"

ایک روایت میں آپ نے ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔

مالکؓ کو جنت کی بشارت...... "جو شخص جنت کے باشندوں میں سے کسی کو دیکھنا چاہے وہ ان کو دیکھ لے!"

اس کے بعد حضرت مالک ابن سنان خدری اسی غزوہ میں شہید ہو گئے۔ یہ حضرت ابو سعید خدریؓ کے والد تھے۔ ایک روایت میں آپ کے یہ لفظ ہیں کہ:

"جو شخص ایسے آدمی کو دیکھنا چاہے جس کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی تو وہ مالکؓ ابن سنان کو دیکھ لے"۔

کیا نبی ﷺ کے فضلات پاک ہوتے ہیں...... اس واقعہ اور بعض دیگر واقعات سے مسئلہ یہ نکالا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے فضلات پاک تھے کیونکہ آپ نے پینے والے کو منہ دھونے کا حکم نہیں دیا اور نہ ہی پینے والے نے خود اپنا منہ دھویا۔ اس سے ثابت ہوا کہ ان فضلات کا پینا جائز ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے منہ دھونے کا حکم نہ دینے یا خون پینے کے وقت روکنے سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

ادھر کتاب استیعاب میں ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کے پچھنے لگائے اور جو خون نکلا اس کو پی لیا تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا:

"کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہر خون یعنی اس کا پینا حرام ہے"۔

مگر یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند نامعلوم ہے لہٰذا یہ حدیث گزشتہ قول کے خلاف نہیں ہے اور اگر اس کو صحیح بھی مان لیا جائے تو ممکن ہے یہ واقعہ اس سے پہلے کا ہو جب کہ آپ نے اس فعل کی تصدیق فرمائی۔ واللہ اعلم

دانتوں کے ذریعہ چہرہ مبارک سے زرہ کی کڑیاں نکالنا...... غرض جب آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک میں زرہ کی کڑیاں گھس گئیں تو حضرت ابو عبیدہ عامر ابن جراحؓ نے آنحضرت ﷺ کے رخسار سے ان میں سے ایک کڑی اپنے دانتوں سے پکڑ کر کھینچی جس سے ان کا سامنے کا ایک دانت ٹوٹ گیا' پھر انہوں نے دوسری کڑی بھی دانت سے پکڑ کر نکالی اور اس دفعہ دوسرا دانت ٹوٹ گیا۔

ایک قول ہے کہ یہ کڑیاں کھینچنے والے عقبہ ابن وہب کلدہ تھے اور ایک قول کے مطابق طلحہ ابن عبید اللہ تھے۔ مگر ممکن ہے کہ تینوں ہی نے اپنے اپنے طور پر کڑیاں نکالنے کی کوشش کی ہو لیکن سب سے زیادہ قوت حضرت ابو عبیدہ نے صرف کی ہو۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابو عبیدہ ابن جراح کے سامنے کے دانت ٹوٹ جانے کی وجہ سے وہ بوڑھے ہو گئے تھے مگر بوڑھوں میں ان سے زیادہ خوبصورت کوئی دوسرا شخص دیکھنے میں نہیں آیا کیونکہ اس بوڑھے پن نے ان کے منہ کے دبانے کو بڑا دلکش بنا دیا تھا۔

قتل کی افواہ کے بعد آنحضرت ﷺ کا اچانک دیدار...... (جنگ کے دوران جب مسلمانوں کو شکست ہوئی تو مشرکوں نے یہ افواہ مشہور کر دی تھی کہ رسول اللہ ﷺ قتل ہو گئے ہیں) حضرت ابو عبیدہؓ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس وقت سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو پہچانا کہ آپ زندہ سلامت موجود ہیں۔ حضرت ابو عبیدہؓ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو آپ کی آنکھوں کی وجہ سے پہچانا جو خود کے نیچے سے روشن اور منور نظر آ رہی تھیں۔ خود وہ خول ہوتا ہے جو جنگ کے وقت سپاہی سر

اور چہرے کی حفاظت کے لئے اوڑھتا ہے۔ غرض میں نے جیسے ہی آپ کو پہچانا تو پوری قوت سے چلایا:

"اے مسلمانو! تمہیں خوشخبری ہو۔ یہ رسول اللہ ﷺ موجود ہیں!"

اسی وقت آنحضرت ﷺ نے میری طرف اشارہ کر کے مجھے روکا کہ خاموش رہو۔

بعض صحابہ سے روایت ہے کہ جب شیطان نے یہ افواہ گرم کی کہ محمد ﷺ قتل ہو گئے ہیں تو ہمیں اس خبر کی سچائی میں کوئی شک نہیں تھا (کیونکہ اچانک جنگ کا پانسہ پلٹ جانے کی وجہ سے صورت حال ایسی ہی نازک اور ناگفتہ بہ ہو گئی تھی) چنانچہ بہت دیر تک ہم اس پر یقین کئے رہے کہ اچانک رسول اللہ ﷺ حضرت سعد ابن معاذ اور حضرت سعد ابن عبادہ کے درمیان آتے ہوئے نمودار ہوئے اور ہم نے آپ کی چال سے آپ کو پہچان لیا۔ اس وقت ہماری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا اور ایسا لگتا تھا جیسے نہ ہمیں شکست ہوئی اور نہ ہمارا کوئی نقصان ہوا۔

پروانہ ہائے نبوت آنحضرت ﷺ کے گرد...... پھر جب سب مسلمانوں نے آپ کو دیکھ اور پہچان لیا تو وہ آپ کے گرد پروانوں کی طرح جمع ہو گئے اور آپ ان سب کو لے کر ایک گھاٹی کی طرف روانہ ہوئے اس وقت آپ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت حرث ابن صمہؓ تھے۔

علامہ زمخشری کی کتاب خصائص عشرہ میں ہے کہ احد کے دن حضرت زبیرؓ آنحضرت ﷺ کے ساتھ بڑی ثابت قدمی کے ساتھ رہے اور انہوں نے اس موقعہ پر آنحضرت ﷺ سے موت کی بیعت کی تھی یعنی یہ عہد کیا تھا کہ آپ کی حفاظت میں جان دے دیں گے مگر آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے' یہ بات قابل غور ہے۔

رافضیوں کی لغو روایات...... بعض رافضیوں کا قول ہے کہ جنگ احد میں سوائے حضرت علیؓ کے تمام صحابہ آنحضرت ﷺ کے پاس سے پسپا ہو کر ادھر ادھر ہو گئے تھے مگر یہ قول بالکل لغو ہے' اسی طرح رافضیوں کا ایک قول ہے کہ احد کے دن حضرت علیؓ کی لڑائی اور اس کی شان دیکھ کر فرشتے بھی حیران ہو رہے تھے تو انہوں نے کہا کہ سوائے ذوالفقار کے کوئی تلوار نہیں اور سوائے علیؓ کے کوئی جواں مرد نہیں ہے۔ ایک قول ہے کہ اس غزوہ احد میں حضرت علی نے سب سے زیادہ مشرکوں کو قتل کیا اور اس طرح اس جنگ کی فتح کا سہرا حضرت علیؓ کے نام ہی ہے۔

ایک قول ہے کہ حضرت علیؓ نے کہا کہ غزوہ احد میں مشرکوں کے سولہ وار میرے لگے جن میں سے چار چوٹوں سے میں زمین پر گر پڑا۔ اسی وقت میرے سامنے ایک حسین و خوش شکل انسان آیا جس کی داڑھی بھی بڑی خوبصورت تھی اور اس شخص کے جسم میں سے خوشبوئیں پھوٹ رہی تھیں' اس نے میری بغلوں میں ہاتھ دے کر مجھے اپنے سہارے سے اٹھایا اور پھر کہا:

"دشمن پر ٹوٹ پڑو اور اللہ اور رسول کی اطاعت میں جنگ کرو کیونکہ وہ دونوں تم سے راضی ہیں!"

میں نے یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کو سنایا تو آپ نے پوچھا کہ علی کیا تم اس شخص کو نہیں پہچانتے۔ میں نے عرض کیا نہیں مگر مجھے اس میں دحیہ کلبی کی شباہت آرہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر فرمایا:

"علی! اللہ تعالیٰ نے تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کیں کیونکہ وہ جبرئیلؑ تھے!"

رافضیوں کی پیش کی ہوئی یہ تمام روایتیں لغو ہیں۔ امام ابوالعباس ابن تیمیہ نے ان سب کا رد کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ ہم لوگوں کے نزدیک یہ سب قول اور روایات جھوٹ اور باطل ہیں۔ امام ابن تیمیہ نے اس سلسلے میں ایک لمبی بحث کی جس کا ذکر یہاں غیر ضروری ہے۔

آنحضرت ﷺ پر ایک اور حملہ......(قال) جب کہ آنحضرت ﷺ مشرکوں کے گھیرے سے نکل کر اپنے جاں نثاروں کے ساتھ اس گھاٹی کی طرف جارہے تھے عثمان ابن عبداللہ ابن مغیرہ ایک سیاہ وسفید گھوڑے پر آنحضرت ﷺ کی طرف بڑھا وہ سر سے پیر تک لوہے میں غرق تھا اور اس گھاٹی کی طرف بڑھ رہا تھا جدھر رسول اللہ ﷺ جارہے تھے وہ کہہ رہا تھا کہ یا تو وہ زندہ رہیں گے یا میں۔ آنحضرت ﷺ اس کی آواز سن کر ٹھہر گئے اسی وقت عثمان کے گھوڑے کو ان گڑھوں میں سے ایک میں ٹھوکر لگی اور وہ اس میں گر پڑا۔ اسی وقت حضرت حرث ابن صمہ اس کی طرف جھپٹے تھوڑی دیر دونوں میں تلواروں کے وار ہوئے اچانک حضرت حرث نے اس کے پاؤں پر تلوار ماری عثمان اس زخم سے ایک دم بیٹھ گیا اسی وقت حضرت حرث نے اس کا کام تمام کر دیا اور اس کی زرہ بکتر اتار لی آنحضرت ﷺ نے اس دشمن خدا کو کشتہ ہوتے دیکھ کر فرمایا۔

"خدا کا شکر ہے کہ اس نے اس کو ہلاک کر دیا!"

اسی وقت عبید اللہ ابن جابر عامری نے حضرت حرث پر حملہ کیا اور ان کے مونڈھے پر وار کر کے انہیں زخمی کر دیا۔ ان کے ساتھی اٹھا کر لے گئے ساتھ ہی حضرت ابودجانہ نے لپک کر عبید اللہ پر حملہ کیا اور اسے اپنی تلوار سے ذبح کر کے واپس رسول اللہ ﷺ کے پاس آگئے۔

آنحضرت ﷺ کے زخموں کی دھلائی......رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ اس گھاٹی کے دہانے پر پہنچ گئے حضرت علیؓ جا کر اپنے مشکیزے میں پانی بھر لائے پھر انہوں نے آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک سے خون دھویا۔ ساتھ ہی وہ کہتے جاتے تھے۔

"ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب بہت سخت ہوگا جنہوں نے اس کے نبی کے چہرے کو خون سے رنگین کر دیا"۔

گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا تھا تو وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ خون سے رنگین کر دیا۔ تو اس کے بعد انہوں نے بھی وہ حملہ فرمادیا تھا جو گزشتہ سطروں میں ذکر ہوا' یہ بات آپ کے زخم دھوئے جانے سے پہلے کی ہے۔

ٹیلے پر چڑھنے کے لئے طلحہؓ کے شانوں کا سہارا......(قال) پھر آنحضرت ﷺ نے اس چٹان کے اوپر جانے کا ارادہ کیا جو گھاٹی کے اندر ابھری ہوئی تھی مگر جب آپ چڑھنے لگے تو خون نکل جانے اور کمزوری کی وجہ سے طاقت نے ساتھ نہیں دیا کیونکہ ان زخموں میں سر مبارک کا بہت سا خون ضائع ہو چکا تھا پھر اس کے ساتھ میں آپ کے جسم پر دو زرہوں کا بوجھ تھا یہ دیکھ کر حضرت طلحہ ابن عبید اللہ جلدی سے آپ کے سامنے بیٹھ گئے اور آپ کو کاندھوں پر بٹھا کر چٹان کے اوپر لے گئے۔ اسی وقت آپ نے فرمایا۔

"طلحہ اس کے اس نیک عمل کی وجہ سے ان کے لئے جنت واجب ہو گئی!"

طلحہؓ کو اس خدمت کا انعام......ایک قول ہے کہ حضرت طلحہؓ کی ایک ٹانگ میں لنگڑاہٹ تھی جس سے وہ صحیح چال کے ساتھ نہیں چل سکتے تھے جب وہ آنحضرت ﷺ کو اپنے کاندھے پر بٹھا کر لے چلے تو وہ بہت کوشش کر کے اپنی چال اور اپنے قدم ٹھیک رکھ رہے تھے تاکہ لنگڑاہٹ کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کو تکلیف نہ ہو۔ اس کے بعد ان کے چال سے ہمیشہ کے لئے وہ لنگ ختم ہو گیا اور وہ ٹھیک ہو گیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ گھاٹی کی طرف روانہ ہوئے اور صحابہ کی اس جماعت کے قریب پہنچ گئے جو چٹان پر چڑھ کر مورچہ بنا چکے تھے یہ چٹان اس گھاٹی کے اندر تھی آپ چٹان کے نیچے ہی تھے کہ اوپر سے صحابہ کی نظر پڑی مگر وہ

کچھ فاصلے کی وجہ سے اور کچھ اس لئے کہ آپؐ زرہ بکتر پہنے ہوئے تھے آپؐ کو پہچان نہیں سکے چنانچہ ان میں سے ایک صحابی نے آپ ﷺ کو دیکھتے ہی کمان میں تیر چڑھالیا۔ وہ آپ پر تیر چلانے کا ارادہ ہی کر رہے تھے کہ آپ نے پکار کر فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں یہ سنتے ہی سب لوگ خوشی سے سرشار ہو گئے کہ (ناامیدی میں جب کہ وہ آپ کے قتل کی خبر سن چکے تھے) آپ زندہ سلامت مل گئے۔ ادھر آنحضرت ﷺ بھی اپنے جاں نثاروں کے درمیان پہنچ کر مسرور و مطمئن ہو گئے۔

آنحضرت ﷺ کو پیاس...... (قال) اسی وقت آنحضرت ﷺ کو سخت پیاس لگی جو پانی حضرت علیؓ آپ کا منہ دھلانے کے لئے اپنے مشکیزے میں لے کر آئے تھے اس میں آپ کو کچھ بو محسوس ہوئی اس لئے آپ نے اس میں سے پانی نہیں پیا تھا۔ اب آپ کو پیاس لگی تو حضرت محمد ابن مسلمہ پانی لینے کے لئے گھاٹی میں پھرے مگر کہیں پانی نہ ملا۔ آخر وہ ایک چشمہ پر گئے اور وہاں سے آپ کے لئے ٹھنڈا اور میٹھا پانی لے کر آئے جیسے آنحضرت ﷺ نے سیر ہو کر پیا اور حضرت محمد ابن مسلمہ کے لئے دعائے خیر فرمائی۔

حضرت فاطمہؓ کے ذریعہ مرہم پٹی...... ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کی خیریت معلوم کرنے کے لئے مدینے کی کچھ عورتیں احد کی طرف آئیں۔ ان خواتین میں حضرت فاطمہؓ بھی تھیں جیسے ہی انہوں نے اپنے والد ماجد رسول اللہ ﷺ کو دیکھا بے اختیار آپ سے لپٹ گئیں اور پھر آپ کو زخمی دیکھ کر آپ کے زخم دھونے لگیں حضرت علیؓ پانی ڈالتے جاتے تھے مگر دھونے کی وجہ سے خون پہلے سے بھی زیادہ نکلنے لگا' حضرت فاطمہؓ نے یہ دیکھا تو جلدی سے اپنی چادر میں سے ایک ٹکڑا پھاڑ کر اسے جلا دیا جب وہ جل کر راکھ ہو گیا تو وہ راکھ انہوں نے آپ کے زخموں میں بھر دی جو جلد ہی زخموں میں چپک گئی اور خون بند ہو گیا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ کپڑے میں خون روکنے کی بڑی زبردست صلاحیت ہوتی ہے کیونکہ یہ راکھ زخم میں جم جاتی ہے اور خون نکالنے والی رگوں کا منہ تنگ ہو کر بند کر دیتی ہے (ساتھ ہی جل جانے کی وجہ سے یہ راکھ زخم کو CEPTIC ہونے یعنی خراب ہونے اور پکنے سے بھی روک دیتی ہے)۔

ایک غریب حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جلی ہوئی ہڈی سے اپنے زخموں کا علاج کیا' مگر اس حدیث کو صحیح ماننے کی صورت میں کہا جائے گا کہ راوی نے جلے ہوئے کپڑے کو یعنی اس کی راکھ کو جلی ہوئی ہڈی کی راکھ سمجھا۔

کیا آنحضرت ﷺ کے زخموں کو داغا گیا تھا...... آپ کے چہرہ مبارک کے زخموں پر جلے ہوئے کپڑے کی گرم گرم راکھ رکھے جانے کو بعض علماء نے اس طرح تعبیر کیا ہے کہ آپ نے اپنے چہرے کے زخموں کا علاج کرنے کے سلسلے میں ان کو داغنے کا حکم دیا تھا۔ اور اس طرح ان علماء نے اس روایت کو اس صحیح حدیث کے مخالف بنا دیا ہے جس میں ہے کہ ایسے ستر ہزار آدمی جنت میں بغیر حساب داخل ہوں گے جو اپنے جسموں پر داغ نہیں لگواتے۔ (کیونکہ بہت سے لوگ شوقیہ یا آرائش کے طور پر جسموں کو دغوا لیتے ہیں)۔

کیا جسم دغوانا جائز ہے؟...... اسی طرح یہ روایت بھی اس صحیح حدیث کے مخالف ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد ابن معاذؓ کے زخم کے علاج کے سلسلے میں دو مرتبہ زخم داغا تاکہ خون بند ہو جائے۔ اسی طرح آپ نے حضرت سعد ابن زرارہ کے علاج کے سلسلے میں بھی ان کا جسم داغا جو ذبحہ کے مرض میں مبتلا تھے (یہ ذبحہ حلق کے درد کی بیماری کو کہتے ہیں) چنانچہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت سعد ابن زرارہ کی موت جس مرض میں واقعہ ہوئی اس کو ذبحہ کہا جاتا ہے' اس

کے علاج کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ نے ان کو خود اپنے دست مبارک سے داغا تھا اور فرمایا تھا۔

"ان یہودیوں پر خدا کی مار ہو وہ مجھے کہتے ہیں کہ تم اپنے ساتھی کا مرض بھی دور نہ کر سکے۔ حالانکہ میں اس کے لئے تو کیا خود اپنے لئے بھی کوئی قدرت نہیں رکھتا"۔

ان روایتوں سے جو اس حدیث صحیح پر اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اس حدیث میں وہ داغنا مراد ہے جو مرض پیدا ہونے کے خطرہ کے پیش نظر ہوتا ہے یا آپؐ کے زخموں کو اس لئے داغا گیا تھا کہ صحابہ کے نزدیک چونکہ آپ کا معاملہ بہت زیادہ اہم تھا اور انہیں خطرہ تھا کہ بیماری پیدا ہو جائے گی اور اگر انہوں نے اس حصے کو نہ داغا تو یہ عضو شل ہو جائے گا۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ کی ایک اور حدیث ہے کہ جس نے اپنا بدن دغوایا اور جو شخص دوسری تدبیریں ہونے کے باوجود اس طریقہ کو اختیار کرتا ہے اس نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہیں کیا' اس حدیث کا مطلب بھی وہی ہے کہ یہ طریقہ مجبوری کی صورت میں اختیار کیا جا سکتا ہے۔

اس طرح ایک اور روایت ہے کہ فرشتے حضرت عمرا بن حصینؓ کے ساتھ تیس سال تک مصافحہ کرتے رہے اور ان کے گھر کی طرف رخ کر کے ان پر سلام بھیجتے رہے جب کہ وہ اپنی تکلیف برداشت کرتے تھے مگر پھر وہ اپنے بواسیر کے مرض کے لئے اپنا بدن دغوانے لگے تو فرشتوں نے سلام بھیجنا چھوڑ دیا اس طرح بدن دغوانے سے ان کو وقتی طور پر آرام ملتا تھا' لیکن پھر اس عارضی آرام کی خاطر بدن دغوانا چھوڑ دیا (اور اپنی تکلیف پر صبر کرتے رہے) تو فرشتے پھر ان پر سلام بھیجنے لگے۔ یہ بات توکل کے خلاف تھی اس لئے اس روایت سے بھی اس صحیح حدیث پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

علاج کے تین طریقے...... اسی طرح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"شفاء و صحت تین طریقوں سے حاصل ہوتی ہے (یعنی علاج کے تین طریقے ہیں) شہد پینے سے' پچھنے لگوانے سے اور آگ کے ذریعہ بدن کو داغنے سے۔ میں اپنی امت کو داغنے کا علاج اختیار کرنے سے روکتا ہوں۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ میں داغے جانے کو پسند نہیں کرتا!"

جسم دغوانے کی ممانعت...... اس سے معلوم ہوا کہ یہ ممانعت کراہت کی حد تک ہے حرمت کی نہیں ورنہ حضرت عمران یہ جانتے ہوئے اپنا بدن نہ دغواتے۔ کتاب ھدیٰ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کا جو یہ ارشاد ہے کہ میں امت کو داغنے کا طریقہ اختیار کرنے سے روکتا ہوں۔ اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ داغنے کا طریقہ صرف اسی وقت اختیار کیا جائے جب کوئی دوا اور کوئی طریقہ اثر نہ کرے یعنی علاج کی ابتداء ہی اس سے نہ کی جائے۔ اسی لئے آپ نے اس کو سب سے آخر میں رکھا۔

ایک قول ہے کہ فصد کھلوانا پچھنے لگوانے میں ہی شامل ہے مگر گرم ملکوں میں فصد کھلوانے کے مقابلے میں پچھنے لگوانا زیادہ مفید اور نفع بخش ہے۔ یہاں تک اس قول کا حوالہ ہے۔

اس ٹیلے پر دشمن کا سامنا اور نبی کی دعا...... غرض جب کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کی جماعت کے ساتھ اس چٹان پر قیام فرما تھے اچانک قریش کی ایک جماعت پہاڑ کے اوپر پہنچ گئی اس جماعت میں خالد ابن ولید بھی تھے۔ آنحضرت ﷺ نے دشمن کو اوپر دیکھ کر دعا فرمائی۔

"اے اللہ! ان کا غالب آجانا ہمارے لحاظ سے مناسب نہیں ہے۔ اے اللہ! ہماری طاقت و قوت صرف تیری ہی ذات

ہے"۔

اسی وقت حضرت عمر فاروقؓ نے مہاجروں کی ایک جماعت کے ساتھ ان لوگوں کا مقابلہ کیا اور انہیں پیچھے دھکیل کر پہاڑی سے نیچے اترنے پر مجبور کر دیا۔ اسی واقعہ کے سلسلے میں حق تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ (لآیہ سورہ آل عمران ع ۱۴ آیت ۱۳۹)

ترجمہ: اور تم ہمت مت ہارو رنج مت کرو اور غالب تم ہی رہو گے اگر پورے مومن رہے۔

یعنی نہ تو جنگ میں کمزوری دکھاؤ اور نہ اس پر غم کرو کہ مشرکوں کے مقابلے میں کامیاب ہونے کے بعد تمہیں نقصان اٹھانا پڑا۔ غالباً یہ اس سے پہلے واقعہ ہے جب کہ آنحضرت ﷺ اس چٹان کے اوپر چڑھے تھے جیسا کہ بیان ہوا۔ ورنہ پھر یہ پہاڑ اس چٹان سے اونچا رہا ہو گا۔

صرف ایک تیر سے دشمن دستے کی پسپائی...... (قال) ایک روایت میں ہے کہ جب مشرک پہاڑ پر نظر آئے تو آپ نے حضرت سعدؓ سے فرمایا کہ ان کو پسپا کرو۔ انہوں نے عرض کیا۔

"میں اکیلا کس طرح ان کو پسپا کروں گا"۔

آپ نے پھر فرمایا کہ ان کو پسپا کرو۔ حضرت سعدؓ کہتے ہیں کہ اب میں نے اپنے ترکش میں سے ایک تیر نکالا اور نشانہ لے کر ایک شخص کے اوپر چلایا جو کشتہ ہو کر گرا۔ اس کے بعد میں نے دوسرا تیر نکالا۔ اب دیکھتا ہوں تو یہ وہی تیر ہے جو میں نے ابھی چلایا تھا۔ میں نے وہ تیر پھر چلایا اور ایک اور شخص قتل ہو کر گرا۔ پھر میں نے تیسری مرتبہ تیر نکالا تو پھر یہ وہی تیر تھا جو میں نے دو مرتبہ ابھی چلا چکا تا میں نے پھر اسے چلایا اور تیسرا آدمی بھی قتل ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے چوتھی بار تیر نکالا تو میرے ہاتھ میں پھر وہی تیر تھا جو تین بار چلا چکا تھا۔ میں نے پھر اسے چلایا اور چوتھا آدمی بھی ختم ہو گیا۔

اس کے ساتھ ہی مشرکین کی وہ جماعت جو پہاڑ پر آگئی تھی وہاں سے گھبرا کر نیچے اتر گئی (اس کے بعد وہی تیر پھر ترکش میں موجود تھا) میں نے کہا یہ بڑا مبارک تیر ہے اس کے بعد یہ تیر ہمیشہ میرے ترکش میں رہا اور کبھی ترکش سے غائب نہیں ہوا۔ حضرت سعدؓ کے بعد یہ تیر ان کی اولاد کے پاس نسلوں تک باقی رہا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ مشرکوں کی اس جماعت کو حضرت سعدؓ نے اکیلے ہی اس تیر سے پسپا کر دیا تھا جب کہ پیچھے بیان ہوا ہے کہ ان لوگوں کو حضرت عمرؓ نے مہاجرین کی ایک جماعت کے ساتھ پہاڑ سے پسپا کیا تھا۔ ان دونوں روایتوں میں موافقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے (ورنہ ایک کو غلط ماننا ہو گا)۔

حضرت سعدؓ سے ہی ایک روایت ہے کہ احد کے دن میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ میں ایک تیر چلاتا تھا جس کو فوراً ہی ایک گورے رنگ کا خوبصورت آدمی جو میرے لئے اجنبی تھا واپس لا دیتا تھا' وہ شخص میرے لئے جنگ کے بعد بھی انجان رہا آخر میں نے سمجھ لیا کہ وہ کوئی فرشتہ رہا ہو گا۔

ان ہی سے ایک روایت میں یہ بات اس طرح بیان کی گئی ہے کہ میں وہ تیر چلاتا تھا اور رسول اللہ ﷺ وہی تیر مجھے واپس دے دیتے تھے وہ میرا ہی تیر تھا اور میں اس کو پہچان لیتا تھا۔ یہ صورت تقریباً آٹھ یا نو مرتبہ پیش آئی کہ میری تیر افگنی کے بعد آپ مجھے وہی تیر دے دیتے تھے میں نے کہا کہ یہ بڑا خونی تیر ہے چنانچہ میں نے اس کو ہمیشہ اپنے ترکش میں رکھا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: پچھلی روایت میں یہ کہا گیا ہے کہ۔ پھر میں نے اور تیر لیا۔ اور یہاں کہا گیا ہے کہ مجھے آنحضرت

ﷺ نے تیر دیا۔ مگر اس سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ سعدؓ نے ترکش میں سے ہی تیر لیا بلکہ یہ ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دینے پر لیا ہو۔ اسی طرح اس بات سے بھی کوئی اشکال نہیں پیدا ہوتا کہ ایک گورے رنگ کا خوبصورت آدمی تیر دے رہا تھا جو میرے لئے اجنبی تھا جو تیر واپس کر دیتا تھا کیونکہ ممکن ہے یہی شخص مرنے والے کے جسم سے تیر نکال کر لاتا ہو تاکہ ان کے ترکش کے تیر ختم نہ ہو جائیں کیونکہ وہ شخص تیر واپس لا کر سعد کو نہیں دیتا تھا بلکہ آنحضرت ﷺ کو دیتا تھا اور آپ ﷺ وہ تیر سعدؓ کو دے دیتے تھے۔

اسی طرح پہلی روایت میں انہوں نے تیر چلانے کا جو ذکر کیا تھا ان کی تعداد پانچ تک پہنچی ہے جب کہ اس دوسری روایت میں آٹھ نو مرتبہ تیر اندازی کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں ممکن ہے پانچ مرتبہ تو ہر تیر سے ایک ایک آدمی مرا ہو اور باقی تیروں سے دشمن کو نقصان نہ پہنچا ہو (لہٰذا پہلی روایت میں صرف ان ہی تیروں کا ذکر کیا گیا جو نشانے پر لگے اور جن سے کوئی شخص ہلاک ہوا۔ بہر حال یہ اختلاف قابل غور ہے)۔ واللہ اعلم

کمزوری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بیٹھ کر ظہر کی نماز پڑھائی کیونکہ زخموں کی وجہ سے آپ نڈھال ہو رہے تھے آپ کے پیچھے صحابہؓ نے بھی بیٹھ کر نماز پڑھی۔ غالباً یہ نماز دشمن کے واپس چلے جانے کے بعد پڑھی گئی جہاں تک صحابہ کے بھی بیٹھ کر نماز پڑھنے کا تعلق ہے تو انہوں نے ایسا اس لئے کیا تاکہ امام اور مقتدی کی نمازوں میں یکسانیت رہے اس کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ یا یہ صورت ہو گی کہ جن لوگوں نے بیٹھ کر نماز پڑھی وہ بھی زخمی ہی رہے ہوں گے اور چونکہ اکثریت زخمی صحابہ کی تھی جنہوں نے بیٹھ کر نماز پڑھی اس لئے یہ لفظ استعمال کئے گئے کہ مسلمانوں نے بیٹھ کر نماز پڑھی (یعنی ان میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے بھی تھے مگر وہ صرف وہ لوگ تھے جو زخمی نہیں تھے اور ایسے لوگوں کی تعداد کم تھی اکثریت زخمیوں کی تھی لہٰذا اکثریت کا لحاظ کرتے ہوئے سب مقتدیوں کے بارے میں یہی کہہ دیا گیا کہ مقتدیوں نے بیٹھ کر نماز پڑھی)۔

صحابہؓ کے زخموں کی کیفیت...... صحابہ کے زخمی ہونے کا اندازہ اس حدیث سے ہو سکتا ہے جس میں ہے کہ صرف حضرت طلحہؓ کے جسم پر کم و بیش ستر زخم تھے جن میں کچھ نیزوں اور برچھوں کے تھے کچھ تلوار کے اور کچھ تیروں کے تھے۔ نیز ان کی انگلیاں بھی کٹ گئی تھیں۔ ایک روایت کے مطابق انگلیوں کے پورے کٹ گئے تھے۔ اس وقت انہوں نے کہا کہ بہت اچھا ہوا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"اگر تم بسم اللہ کہتے تو ابھی فرشتے تمہیں اس طرح اٹھا کر لے جاتے کہ یہ لوگ تمہیں آسمانوں کی بلندیوں میں گم ہوتے ہوئے کھلی آنکھوں دیکھتے۔ ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اور تم دنیا میں رہتے ہوئے اپنا وہ محل دیکھ لیتے جو حق تعالیٰ نے جنت میں تمہارے لئے بنایا ہے!"

طلحہ کا عشق رسول اللہ...... بخاری میں قیس ابن ابو حازم سے روایت ہے کہ غزوہ احد میں حضرت طلحہؓ جس ہاتھ سے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت فرما رہے تھے وہ لڑتے لڑتے زخمی ہو کر بے کار ہو گیا یعنی اس میں ایک تیر آ کر پیوست ہو گیا تھا۔ ایک قول ہے کہ اس میں نیزہ لگا تھا۔ اس سے مسلسل خون بہنے لگا یہاں تک کہ کمزوری کی وجہ سے حضرت طلحہؓ بیہوش ہو گئے حضرت ابو بکرؓ ان کے منہ پر پانی کے چھینٹے دینے لگے جس سے انہیں ہوش آیا تو انہوں نے فوراً ہی پہلا سوال یہ کیا:

"رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟"۔

حضرت ابو بکرؓ نے کہا۔

"آپؐ بخیریت ہیں اور آپ ﷺ ہی نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے!"

حضرت طلحہؓ نے کہا۔

"اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ ہر مصیبت کے بعد آسانی ہوتی ہے!"

حضرت طلحہؓ کا لقب فیاض تھا جو آنحضرت ﷺ نے ان کو غزوہ عشیرہ میں دیا تھا جیسا کہ بیان ہوا پھر احد میں آپ نے ان کو طلحہ جُود کا خطاب دیا۔ لفظ جُود کے معنی بھی فیاض کے ہیں۔ یہ خطاب آپ نے اس لئے دیا کہ اس غزوہ کے موقعہ پر حضرت طلحہؓ نے سات سو درہم اپنی طرف سے خرچ کئے تھے غزوہ احد ہی میں آپ نے ان کو طلحہ خیر کا لقب عطا فرمایا۔

اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن کے منہ پر اس غزوہ میں ضرب آئی جس سے ان کے دانت ٹوٹ گئے اس کے علاوہ ان کے جسم پر بیس زخم تھے اور ایک روایت کے مطابق بیس سے بھی زائد ہی رہے ہوں گے ایک زخم ان کے پیر میں بھی آیا تھا جس سے وہ لنگڑے ہو گئے تھے۔

حضرت کعب ابن مالک کے دس زخم آئے تھے اور ایک روایت کے مطابق بیس زخم لگے تھے۔ (اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ صحابہ میں سے اکثر حضرات بہت زیادہ زخمی حالت میں تھے اس لئے یہ بات بڑی حد تک قرین قیاس ہے کہ سب نے یا اکثر صحابہ نے زخموں سے چور ہونے کی وجہ سے آپ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی ہو)۔

قزمان...... حضرت عاصم ابن عمر ابن قتادہ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس ایک اجنبی آدمی رہتا تھا مگر ہم یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کن لوگوں میں سے اور کس قوم سے ہے ظاہر میں مسلمان ہی معلوم ہوتا تھا اس شخص کا نام قزمان تھا اور یہ بڑا بہادر اور بے خوف شخص تھا مگر جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کا تذکرہ ہوتا تو آپ فرماتے کہ وہ جہنمی ہے۔ جب غزوہ احد کا موقع آیا تو وہ بھی مسلمانوں کی طرف سے جنگ میں شریک ہوا اور اس نے بڑی زبردست جنگ کی۔ مسلمانوں کی طرف سے سب سے پہلے جس شخص نے تیر چلایا وہ یہی تھا۔ وہ دھواں دھار تیر افگنی کر رہا تھا اور اس کے بعد اس نے اپنی تلوار کے جوہر دکھانے شروع کئے اور زبردست سرفروشی سے لڑا۔ وہ مشرکوں کے اونٹ سوار دستے پر ٹوٹ پڑا اور آٹھ یا دس مشرکوں کو آن کی آن میں خاک و خون میں لٹا دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو قزمان کی اس سرفروشی اور جاں بازی کی خبر ہوئی تو آپ نے پھر یہی فرمایا کہ وہ جہنمی ہے۔ مسلمانوں کو اس ارشاد پر بے حد حیرت اور تعجب ہوا۔

قزمان کی سرفروشی اور محرومی...... جب قزمان لڑتے لڑتے بہت زیادہ زخمی ہو گیا تو اس کو میدان جنگ سے اٹھا کر بنی ظفر کے محلے میں پہنچا دیا گیا کیونکہ یہ بنی ظفر کا حلیف تھا (یعنی بنی ظفر سے اس کا معاہدہ تھا کہ ان کی مصیبت کے وقت یہ ان کا ساتھ دیگا) غرض یہاں مسلمان اس سے کہنے لگے کہ قزمان آج تم نے بڑی زبردست جان فروشی کا ثبوت دیا ہے اس لئے تمہیں خوشخبری ہو (یعنی تمہیں اس جاں فروشی کی جزاء ضرور ملے گی) یہ سن کر قزمان نے کہا۔

"مجھے کاہے کی خوش خبری خدا کی قسم میں تو صرف اپنی قوم کی عزت و فخر کے لئے لڑا ہوں اگر قوم کا معاملہ نہ ہوتا تو میں ہرگز نہ لڑتا!"

یعنی وہ اللہ اور اس کے رسول کا کلمہ بلند کرنے کیلئے نہیں لڑا تھا اور نہ اللہ اور رسول کے دشمنوں کو مٹانے کے لئے لڑا تھا۔
ایک روایت میں ہے کہ حضرت قتادہؓ نے قزمان کو زخموں سے چور حالت میں دیکھ کر کہا۔

قزمان! تمہیں شہادت کا مرتبہ مبارک ہو۔

'ابو عمرو! خدا کی قسم میں کسی دین و مذہب کے لئے نہیں لڑا۔ میں نے تو صرف اس خطرہ کے پیش نظر جنگ کی ہے کہ قریش حملہ آور ہماری سرزمین کو پامال کر رہے ہیں!"

زخموں سے بیتاب ہو کر قزمان کی خودکشی...... جب قزمان کے زخموں میں بہت زیادہ تکلیف اور سوزش ہو گئی تو اس نے اپنے ترکش میں سے ایک تیر نکال کر خود ہی اپنے آپ کو ہلاک کر دیا۔ یعنی اس نے اس تیر کے پھل سے زرہ کے نیچے ایک رگ کاٹ ڈالی جس کو زواہن کہتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ اس نے اپنی تلوار کی نوک اپنے سینے پر رکھی اور اپنا سارا بوجھ اس پر ڈال دیا جس سے تلوار اس کے سینے کے آرپار ہو گئی اور یہ ہلاک ہو گیا۔ کتاب نور میں ہے کہ یہی بات زیادہ صحیح ہے ممکن ہے کہ اس نے دونوں حرکتیں کی ہوں۔

واقعہ دیکھتے ہی ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس دوڑا ہوا گیا اور کہنے لگا۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں!"

آپ نے فرمایا۔ کیا ہوا؟

"ابھی آپ نے جس شخص کے بارے میں فرمایا تھا کہ وہ جہنمی ہے اس نے ایسا ایسا کیا یعنی خودکشی کر لی ہے!"

ایک حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ سے تین طرح کے آدمیوں کے بارے میں سوال کیا گیا۔ ایک وہ جو بہادری کی وجہ سے لڑتا ہے۔ دوسرا وہ جو حمیت و غیرت اور خودداری کی وجہ سے لڑتا ہے اور تیسرا وہ جو ریاکاری کی وجہ سے لڑتا ہے۔ یعنی اگر ان تینوں قسموں کے لوگ اس لڑائی میں حصہ لیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہو رہی ہے' تو ان کے بارے میں کیا مسئلہ ہے آیا ان کی جنگ فی سبیل اللہ ہو گی؟ آپ نے فرمایا۔

"جو شخص اس نیت کے ساتھ لڑتا ہے کہ اللہ کا کلمہ ہی سربلند ہونا چاہئے اسی کی جنگ فی سبیل اللہ ہو گی!"

اس طرح آپ نے اس شخص کے انجام کی تصدیق فرما دی۔

عمل کا ظاہر اور باطن...... پھر آپ نے اسی شخص کے متعلق اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

"بعض دفعہ تم میں کوئی شخص ایسا عمل کرتا ہے جو لوگوں کی نظروں میں جنتیوں کا عمل ہوتا ہے مگر وہ شخص حقیقت میں جہنمی ہوتا ہے اور کبھی کوئی شخص ایسا عمل کرتا ہے جو لوگوں کے نزدیک جہنمیوں کا عمل ہوتا ہے لیکن وہ شخص جنتی ہوتا ہے!"

اس فرمان میں یہ اشارہ ہے کہ کبھی کبھی عمل کی حقیقت اس کی ظاہری شکل کے خلاف ہوتی ہے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حمایت ایک ایسے شخص سے بھی کرا دیتا ہے جو فاجر ہوتا ہے۔ امام سبکی نے اسی قزمان کے واقعہ کی طرف اپنے قصیدہ کے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

وقلت لشخص يدعي الدين انه
بنار فالقى نفسه للمنية

میں نے کہا کہ جو شخص کسی کے بارے میں یہ دعویٰ کرتا ہے کہ فلاں شخص جہنم میں ہے اس نے خود اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا۔

علامہ ابن جوزیؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ خیبر میں گئے۔ آنحضرت ﷺ نے ایک ایسے شخص کے بارے میں جو خود کو مسلمان کہتا تھا فرمایا کہ یہ جہنمی ہے۔ پھر جب جنگ شروع ہوئی تو

اس شخص نے زبردست جنگ کی اور وہ بہت زیادہ زخمی ہو گیا اس وقت آنحضرت ﷺ سے کسی نے کہا۔
"یارسول اللہ! اس شخص نے جس کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا کہ وہ جہنمی ہے' آج بڑی خوں ریز جنگ کی ہے اور مر گیا ہے!"
آپ نے پھر پہلے کی طرح فرمایا کہ وہ جہنم میں پہنچ گیا۔ پھر آپ کو بتلایا گیا کہ وہ مرا نہیں بلکہ بہت زیادہ زخمی حالت میں ہے۔ غرض پھر رات کو جب اس کے زخموں کی تکلیف ناقابل برداشت ہو گئی تو اس نے خودکشی کر لی۔ اس وقت آپ کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپ نے فرمایا۔
"اللہ اکبر! میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں!"
پھر آپ نے حضرت بلالؓ کو لوگوں میں یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ جنت میں سوائے مسلمان کے کوئی دوسرا شخص داخل نہیں ہو گا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس دین کی حمایت ایک فاجر شخص سے بھی کرا دیتا ہے۔ اس شخص کا نام قزمان تھا اور یہ منافقوں میں سے تھا۔ یہاں تک ابن جوزی کا حوالہ ہے اور یہ اختلاف قابل غور ہے کیونکہ یہ بات قرین قیاس نہیں کہ ایک شخص کے دو نام ہوں اور دونوں کے ساتھ ایک ہی واقعہ پیش آیا ہو ہاں یہ ممکن ہے راوی نے غلط فہمی کی وجہ سے غزوہ احد کے بجائے غزوہ خیبر کہہ دیا ہو۔
جہاں تک آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا تعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس دین کی حمایت ایک فاجر شخص سے بھی کرا دیتا ہے تو یہ ایک عام جملہ ہے جس میں ہر وہ بادشاہ اور عالم بھی شامل ہے جس نے اپنے اقتدار یا علم کو دنیاداری اور حرام خوری میں صرف کیا ہو' کیونکہ بسا اوقات ان کے ذریعہ ہی اللہ تعالیٰ دلوں کو زندہ فرما دیتا ہے اور ان کے اعمال کے ذریعہ سیدھے راستے کی طرف ہدایت فرما دیتا ہے حالانکہ وہ دونوں فاجر ہوتے ہیں۔
ایک مشرک کو توفیق خداوندی...... بنی عبدالاشہل کا ایک شخص اُصیرم بھی غزوہ احد میں قتل ہوا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اصیرم ہمیشہ اپنی قوم کو اسلام لانے سے روکنے کی کوشش کرتا تھا اور خود بھی مسلمان نہیں ہوا (مگر بنی عبدالاشہل کے لوگ مسلمان ہو گئے)۔
جس روز رسول اللہ ﷺ غزوہ احد کے لئے مدینے سے روانہ ہوئے' یہ مدینے آیا اور اپنی قوم کے لوگوں یعنی بنی عبدالاشہل کے متعلق معلوم کیا کہ وہ لوگ کہاں ہیں (بنی عبدالاشہل آنحضرت ﷺ کے ساتھ غزوہ احد کے لئے روانہ ہو چکے تھے) اس کو بتلایا گیا کہ وہ میدان احد کی طرف گئے ہیں۔ اس وقت اچانک اس کو بھی اسلام کی طرف رغبت ہوئی چنانچہ وہ مسلمان ہوا اور اس کے بعد اپنی تلوار و نیزہ لے کر اور زرہ وغیرہ پہن کر گھوڑے پر سوار ہوا اور میدان جنگ میں پہنچ کر مسلمانوں کی ایک صف میں شامل ہو کر لڑنے لگا۔ یہاں تک کہ جنگ کرتے کرتے وہ بے انتہا زخمی ہو کر گر پڑا۔ جنگ کے بعد جب بنی عبدالاشہل کے لوگ اپنے مقتولوں کو تلاش کر رہے تھے اچانک انہیں اصیرم نظر آیا جو زخموں سے چور پڑا تھا۔ وہ لوگ اسے دیکھتے ہی پہچان گئے کہ خدا کی قسم یہ تو اصیرم ہے (انہیں اس کو میدان جنگ میں زخمی دیکھ کر حیرت ہوئی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اصیرم اسلام کا دشمن اور آنحضرت ﷺ کا مخالف ہے) انہوں نے اس سے کہا۔
"تم یہاں کیسے آئے تھے۔ کیا قومی جذبہ سے یا اسلام سے رغبت پیدا ہونے کی بناء پر"۔
اصیرم نے کہا!

"نہیں۔ اسلام سے رغبت ہونے کی وجہ سے۔ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا۔ پھر میدان میں آ کر میں نے جنگ کی یہاں تک کہ زخموں سے چور ہو کر اس حال کو پہنچ گیا!"

بغیر نماز پڑھے جنت کا حقدار...... اس کے تھوڑی ہی دیر بعد اصیرم کا دم آخر ہو گیا۔ بنی عبد الاشہل نے آ کر رسول اللہ ﷺ کو یہ سارا واقعہ بتلایا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ جنتی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ ان کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ مجھے ایسے شخص کے بارے میں بتلاؤ جس نے کبھی نماز نہیں پڑھی اور وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ ان کا اشارہ اصیرم کی طرف ہوتا تھا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کا وہ گزشتہ ارشاد اس واقعہ پر صادق آتا ہے کہ کبھی کوئی شخص ایسا عمل کرتا ہے جو لوگوں کے نزدیک جہنمیوں کا عمل ہوتا ہے لیکن وہ شخص جنتی ہوتا ہے۔

اسی طرح ایسے لوگوں میں جو کبھی نماز نہ پڑھنے کے باوجود جنتی ہیں اسود بھی ہے جو خیبر کے یہودی کا چرواہا تھا۔ وہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہو کر عرض گزرا ہوا۔

"یا رسول اللہ! میرے سامنے اسلام پیش کیجئے!"

چنانچہ آپ نے اس کو اسلام پیش کیا اور وہ مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد وہ فوراً ہی جہاد میں شریک ہوا جہاں ایک پتھر لگنے سے ہلاک ہو گیا۔ اس نے اس وقت تک ایک دفعہ بھی نماز نہیں پڑھی تھی (مگر وہ شخص جنتی ہے) جیسا کہ آگے غزوہ خیبر کے واقعہ میں اس کی تفصیل آئے گی۔

غرض اسی غزوہ احد میں حضرت حنظلہ ابن ابو عامر فاسق بھی شہید ہو گئے۔ ان کا باپ ابو عامر جاہلیت کے زمانے میں ابو عامر راہب کہلاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا لقب راہب کے بجائے فاسق رکھ دیا جیسا کہ بیان ہوا۔

ابو عامر فاسق...... یہ ابو عامر فاسق اور عبداللہ ابن ابی ابن سلول مدینے کے بڑے سرداروں میں سے تھے اور مدینے والوں پر بادشاہی کے لئے اپنی تاجپوشی کے خواب دیکھا کرتے تھے۔ یہ ابو عامر قبیلہ اوس میں سے تھا اور اس کو ابن صیفی کہا جاتا تھا۔ دوسری طرف عبداللہ ابن ابی قبیلہ خزرج میں سے تھا ان میں سے عبداللہ ابن ابی نے تو ظاہری طور پر اسلام قبول کر لیا مگر ابو عامر فاسق اپنے کفر پر جما رہا یہاں تک کہ اسی حالت میں وہ تنہائی اور بیکسی کی حالت میں مر گیا۔ اسی واقعہ کی طرف امام سبکی نے اپنے قصیدے کے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

ومات ابن صیفی علی الصفة التی
ذکرت وحیدا بعد طرد و غربة

ابن صیفی اسی طرح سے مرا جیسے آنحضرت ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی تھی یعنی تن تنہا اور راندۂ درگاہ ہو کر اور بیکسی و کسمپرسی میں۔

ابو عامر قریش کے دامن میں...... یہ ابو عامر فاسق آنحضرت ﷺ سے کنارہ کشی اور بیزاری کے جذبہ کے ساتھ مدینے سے نکل گیا تھا۔ اس کے ساتھ پچاس غلام تھے۔ ایک قول ہے کہ پندرہ تھے جو سب کے سب اسی کی قوم اوس کے تھے یہ ان کو لیکر مکے میں قریش کے پاس پہنچ گیا اس نے قریش کو یقین دلایا کہ (جب میں تمہارے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے کیلئے جاؤنگا تو) سامنے مسلمانوں میں جو لوگ میری قوم اوس کے ہوں گے وہ سارے متفق ہو کر میرا ساتھ دیں گے اور ان میں دو آدمی بھی ایسے نہیں نکلیں گے جو میرے خلاف جائیں۔ چنانچہ جب وہ قریش کے لشکر کے ساتھ جنگ احد میں آیا تو اس نے مسلم صفوں میں اوسیوں سے پکار کر کہا۔

"اے گروہ اوس! میں ابو عامر ہوں!"

اس پر مسلمانوں میں سے قبیلہ اوس کے لوگوں نے جواب میں کہا۔

"اے فاسق۔ خدا تجھے ہر نعمت و مسرت سے محروم رکھے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ اے فاسق۔ تو خوش آمدید کسی نیک کلمے کا مستحق نہیں!"

ممکن ہے مسلمانوں نے یہ دونوں ہی جملے کہے ہوں۔ ابو عامر نے جب اوسیوں کا یہ جواب سنا تو کہنے لگا۔

"میرے بعد میری قوم بہت بڑی برائی میں مبتلا ہو گئی!"

پھر اس نے مسلمانوں کے مقابلے میں بڑی خوں ریز جنگ کی۔ یہی ابو عامر فاسق ہے جس نے میدان احد میں جگہ جگہ گڑھے کھدوائے تھے تاکہ مسلمان بے خبری میں ان کے اندر گر پڑیں۔ ان ہی میں سے ایک گڑھے میں آنحضرت ﷺ گر پڑے تھے جیسا کہ بیان ہوا۔ یہ ابو عامر فاسق ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے جنگ کی آگ کو ہوا دی اور کفر کی پوری طاقت کے ساتھ مسلمانوں کے سروں پر چڑھ آیا۔

(ابو عامر کے بیٹے حضرت حنظلہ آنحضرت ﷺ کے سچے غلاموں میں سے تھے) انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت مانگی کہ اپنے باپ کو خود قتل کریں۔ مگر آپ نے ان کو ایسا کرنے سے روک دیا۔

ابو عامر کے بیٹے حضرت حنظلہؓ...... حضرت حنظلہؓ کے قتل کا واقعہ یہ ہے کہ جنگ کے دوران وہ ایک دفعہ ابوسفیان کے سامنے پہنچ گئے ابوسفیان گھوڑے پر تھا حضرت حنظلہؓ نے اس کے گھوڑے پر وار کر کے اسے زخمی کر دیا جس کے نتیجہ میں گھوڑے نے ابوسفیان کو نیچے گرا دیا۔ ابوسفیان نیچے گرتے ہی چلانے لگا ادھر حضرت حنظلہؓ نے فوراً تلوار بلند کر کے ابوسفیان کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا مگر اسی وقت شداد ابن اوس کی ان پر نظر پڑی۔ کتاب اصل یعنی عیون الاثر میں شداد ابن اوس ہی ہے مگر ایک قول کے مطابق صحیح نام شداد ابن اسود ہے۔ غرض شداد نے حضرت حنظلہ کو ابوسفیان پر تلوار بلند کرتے دیکھا تو اس نے جلدی سے حضرت حنظلہؓ پر تلوار کا وار کر کے انہیں شہید کر دیا!

حنظلہؓ جنہیں فرشتوں نے غسل دیا...... آنحضرت ﷺ نے حضرت حنظلہ کے قتل پر فرمایا:

"تمہارے ساتھی یعنی حنظلہ کو فرشتے غسل دے رہے ہیں!"

ایک روایت میں یوں ہے کہ۔

"میں فرشتوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ آسمان و زمین کے درمیان چاندی کے برتنوں میں صاف و شفاف پانی لئے حنظلہؓ کو غسل دے رہے ہیں!"

حضرت حنظلہؓ کی بیوی کا نام جمیلہ تھا اور یہ سردار منافقین عبد اللہ ابن ابی سلول کی بیٹی اور حضرت عبد اللہ ابن عبد اللہ ابن ابی ابن سلول کی سگی بہن تھیں۔ حضرت جمیلہ نے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سن کر عرض کیا:

"وہ یعنی حضرت حنظلہ جنابت یعنی ناپاکی کی حالت میں ہی میدان جنگ میں آگئے تھے!"

یعنی ان کو غسل کرنے کی ضرورت تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ احد سے ایک دن پہلے ہی ان کی شادی ہوئی تھی اور اس رات میں انہوں نے حضرت جمیلہ کے ساتھ عروسی اور شادی کی پہلی رات منائی تھی جس کی صبح کو جنگ احد ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت جمیلہ کی بات سن کر فرمایا۔

"اسی لئے فرشتے ان کو غسل دے رہے ہیں!"

نوشہ حنظلہ اور نئی نویلی دلہن جمیلہ..... حضرت حنظلہ رات کو اپنی نئی نویلی دلہن کے ساتھ عروسی منانے کے لئے رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے کر گئے تھے۔ صبح کی نماز کے بعد جب وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آنے کیلئے روانہ ہوئے تو ان کی بیوی بھی اصرار کر کے ان کے ساتھ ہو گئیں اس طرح وہ ان کے ساتھ تھیں اور حضرت حنظلہؓ کو غسل کی ضرورت ہو گئی مگر اسی وقت آنحضرت ﷺ کی طرف سے لشکر کے کوچ کا اعلان ہو گیا اور حضرت حنظلہ کوچ کی جلدی میں غسل نہ کر سکے۔ ایک روایت میں حضرت جمیلہ نے آنحضرت ﷺ سے یوں کہا تھا کہ جب حنظلہ نے دشمن کے مقابلے کے لئے کوچ کا اعلان سنا تو بغیر غسل کئے ہی نکل کھڑے ہوئے تھے۔

یہاں روایت میں تین لفظ ہیں ایک ھاتفہ دوسرا ھائعہ اور تیسرا ھیعہ ان تینوں کے معنی ہیں وہ اعلان جو گھبراہٹ یا جلدی ظاہر کرنے کے لئے ہو۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ بہترین شخص وہ ہے جو گھوڑے کی لگام پکڑے تیار کھڑا ہوا اور جیسے ہی اعلان سنے فوراً چل کھڑا ہو۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت حنظلہ نے غسل شروع کر دیا تھا اور ابھی جسم کے ایک ہی حصے پر پانی ڈال پائے تھے کہ اعلان ہو گیا لہٰذا وہ بقیہ حصے پر پانی ڈالے بغیر ہی نکلے اور میدان جنگ کو روانہ ہو گئے۔

دولہا کے متعلق دلہن کا خواب..... اسی رات میں حضرت جمیلہ نے خواب دیکھا تھا کہ اچانک آسمان میں ایک دروازہ کھلا اور ان کے شوہر حضرت حنظلہ اس دروازے میں داخل ہوئے اس کے بعد فوراً ہی وہ دروازہ بند ہو گیا (جس سے وہ سمجھ گئی تھیں کہ ان کے شوہر کا اس دنیا سے رخصت ہونے کا وقت آ گیا ہے)۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت جمیلہ نے اپنی قوم کی چار عورتوں کو اس بات کا گواہ بنایا تھا کہ حضرت حنظلہ میرے ساتھ ہم بستری کر چکے ہیں ایسا ان کو اس لئے کرنا پڑا کہ ان کے حمل کے سلسلے میں لوگوں کو شبہات نہ پیدا ہوں۔ حضرت جمیلہ خود کہتی ہیں کہ ایسا اس لئے کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ آسمان میں ایک دروازہ کھلا جس میں وہ داخل ہو گئے اور دروازہ بند ہو گیا۔ چنانچہ میں سمجھ گئی کہ حنظلہ کا وقت آ چکا ہے اور میں ان کے ذریعہ اسی رات حاملہ ہو گئی تھی اس حمل سے عبداللہ ابن حنظلہ پیدا ہوئے تھے۔ یہی وہ عبداللہ بن حنظلہ ہیں جن کو مدینے والوں نے اس وقت اپنا امیر بنایا تھا جب انہوں نے یزید ابن معاویہ کو برطرف کر دیا تھا۔ یہ واقعہ پھر جنگ حرہ کا سبب بنا۔

ابو عامر کی وجہ سے حنظلہ کی لاش کے ساتھ رعایت..... قریش نے حضرت حنظلہ کو قتل کرنے کے بعد ان کی لاش کے کان اور ناک کاٹ' آنکھ کاٹ کر اسے مثلہ نہیں بنایا کیونکہ ان کا باپ ابو عامر فاسق ان کے ساتھ تھا۔ (یاد رہے کہ قریش مکہ نے دوسرے تمام مقتول صحابہ کی لاشوں کا مثلہ کر دیا تھا)۔

لاشوں کی بے حرمتی پر قتادہ کا غصہ..... کتاب امتاع میں ہے کہ حضرت ابو قتادہ انصاریؓ نے جب دیکھا کہ مشرکوں نے مسلمانوں کی لاشوں کا مثلہ کیا ہے تو انہوں نے مشرکوں کی لاشوں کا بھی مثلہ کرنے کا ارادہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

"اے ابو قتادہ! قریش کے لوگ بڑے امانت والے ہیں۔ ان میں جو لوگ سرکشی اور سینہ زوری کرنے والے ہیں ان کی سرکشی کو اللہ تعالیٰ ان کے منہ پر مار دے گا (ورنہ ان کا مقام یہ ہے کہ) شاید جلد ہی (ان کے ہدایت پا جانے کے بعد) تم ان کے اعمال کے سامنے اپنے اعمال کو اور ان کے کارناموں کے سامنے اپنے کارناموں کو کمتر سمجھنے لگو گے۔ اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ قریش اترانے

اور اکڑنے لگیں گے تو میں ان کو بتلا تا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کا کیا مقام اور درجہ محفوظ ہے!"
حضرت ابو قتادہؓ نے عرض کیا۔
"یا رسول اللہ! مجھے اس وقت جو غصہ آیا تھا وہ صرف اللہ اور اس کے رسول کی خاطر آیا تھا!"
آپ نے فرمایا۔
"تم نے سچ کہا۔ یہ لوگ اپنے نبی کے لئے بہت بری قوم ثابت ہوئے!"

بددعا کا ارادہ اور ممانعت...... (قال) ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دشمنوں کے لئے بددعا کرنے کا ارادہ فرمایا اس وقت وہ آیت نازل ہوئی تھی جو گزشتہ صفحات میں ذکر ہوئی۔ یعنی لیس لك من الامر شيئی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ ان کے لئے بددعا کرنے سے رک گئے۔

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ یہ آیت آنحضرت ﷺ کی اس بددعا کے بعد ہی نازل ہوئی تھی کہ اے اللہ فلاں شخص پر لعنت فرمایا۔ اے اللہ فلاں شخص پر لعنت فرما۔ جیسا کہ پیچھے بعض روایتوں کے حوالے سے بیان ہوا (تو گویا بددعا آپ پہلے ہی فرما چکے تھے جس پر آیت نازل ہوئی تھی)۔

اس کے جواب میں یہ ہی کہا جاسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ان کے لئے مستقل اور دائمی طور پر بددعا کرنا چاہتے تھے جس سے اس آیت نے آپ کو روکا۔ لہٰذا اب آپ کے لئے بددعا کرنے اور بددعا نہ کرنے کا ارادہ کرنے کے سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں رہتا کیونکہ ممکن ہے مراد یہ ہو کہ آپ نے دوبارہ ان دشمنان خدا اور رسول کے حق میں بددعا کرنے کا ارادہ کیا ہو (اور اس وقت یہ آیت نازل ہوئی)۔

حضرت حنظلہ کے بارے میں پیچھے حدیث بیان ہوئی ہے کہ ان کو فرشتوں نے غسل دیا تھا۔ اسی لئے ان کو غسیل ملائکہ کہا جاتا ہے) حضرت ابو سعید ساعدی سے روایت ہے کہ ہم حضرت حنظلہ کی لاش کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ان کے سر کے بالوں سے پانی ٹپک رہا ہے۔

بخاری، مسلم اور نسائی میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ احد کے دن ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اگر میں جنگ میں قتل ہو گیا تو کہاں ہوں گا؟ آپ نے فرمایا جنت میں۔ یہ سن کر اس نے فوراً وہ کھجوریں پھینک دیں جو ہاتھ میں لئے کھا رہا تھا اور جنگ کی آگ میں کود گیا یہاں تک کہ لڑتے لڑتے قتل ہو گیا۔

خطیبؒ نے کہا ہے کہ یہ واقعہ غزوہ بدر کا ہے غزوہ احد کا نہیں ہے اس طرح انہوں نے صحیحین کی اس روایت کو ضعیف قرار دیئے جانے کی طرف اشارہ کیا ہے مگر اس بات کے لئے کوئی بنیاد نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک کے ذریعہ دوسری بات کو ضعیف قرار دینے کی ایک مثال ہے کہ انہوں نے ان دونوں کو ایک واقعہ قرار دے دیا جب کہ یہ دونوں واقعے صحیح ہیں اور دو مختلف آدمیوں کے دو علیحدہ علیحدہ واقعے ہیں، غزوہ بدر کے بیان میں اس کا حوالہ گزر چکا ہے۔ لہٰذا یہ بات قابل غور ہے۔

ایک مشرک کی مبارزت طلبی...... جنگ کے دوران ایک مشرک صفوں میں سے نکل کر سامنے آیا۔ وہ سر سے پیر تک لوہے میں غرق تھا اس نے گویا مقابلہ کے لئے للکارتے ہوئے کہنا شروع کیا کہ میں ابن عویف ہوں۔ یہ سن کر مسلمانوں میں سے ایک شخص آگے بڑھے جن کا نام رشید انصاری فارسی تھا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر ابن عویف کی گردن پر تلوار کا وار کیا جس سے اس کی زرہ کٹ گئی۔ ساتھ ہی انہوں نے کہا۔ لے میرا وار سنبھال میں ایک فارسی غلام ہوں۔ رسول اللہ ﷺ یہ سارا

منظر دیکھ رہے تھے اور آپ نے ان دونوں کے جملے بھی سنے تھے آپ ﷺ نے حضرت رشید سے فرمایا کہ تم نے یہ کیوں نہ کہا کہ لے میرا وار سنبھال میں ایک انصاری غلام ہوں۔

اس کے بعد ابن عویف کا بھائی رشید انصاری کے مقابلے کے لئے آ گیا۔ وہ بھی یہی کہتا ہوا آیا کہ۔ میں ابن عویف ہوں۔ یہ بھی اپنے سر پر لوہے کا خود اوڑھے ہوئے تھا۔ حضرت رشید نے اس کے سر پر وار کیا جو خود کو کاٹتا ہوا اس کے سر کو اڑا گیا۔ ساتھ ہی حضرت رشید نے کہا: لے میرا وار سنبھال میں ایک انصاری غلام ہوں۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت رشیدؓ کو اس موقعہ پر ابو عبداللہ کہا جس کے معنی ہیں عبداللہ کے باپ حالانکہ اس وقت تک رشید انصاری کے کوئی بیٹا یا اولاد نہیں تھی (یعنی آپ نے یہ لقب ان کو پہلے ہی دے دیا تھا)۔

ایک معذور صحابی کا جوش جہاد...... اس غزوہ احد میں حضرت عمرو ابن جموح شہید ہو گئے ان کی ٹانگ میں بہت سخت لنگ تھا ان کے چار بیٹے تھے جو شیر کی طرح بہادر اور جنگ جو تھے اور ہر غزوہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے غزوہ احد کے موقعہ پر ان چاروں نے اپنے والد حضرت عمرو ابن جموح کو جنگ میں شریک ہونے سے روکنا چاہا اور ان سے بولے کہ آپ کے پاس قدرتی عذر موجود ہے۔ حضرت عمروؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے:

"میرے بیٹے مجھے آپ کے ساتھ جنگ میں جانے سے روکنا چاہتے ہیں مگر خدا کی قسم میری تمنا ہے کہ میں اپنے اس لنگ کے ساتھ ہی جنگ میں پہنچ جاؤں!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"جہاں تک تمہارا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں معذور کر دیا ہے اس لئے تم پر جہاد فرض نہیں ہے!"

پھر آپ نے ان کے بیٹوں سے فرمایا۔

"تمہیں ان کو جہاد میں شریک ہونے سے روکنا نہیں چاہئے ممکن ہے اللہ تعالیٰ ان کو شہادت نصیب فرما دے"۔

شہادت کی دعا اور قبولیت...... یہ سنتے ہی حضرت عمرو نے اپنے ہتھیار سنبھالے اور جہاد کیلئے نکل کھڑے ہوئے۔ اس وقت انہوں نے قبلہ رو ہو کر دعا کی۔

"اے اللہ! مجھے شہادت کی نعمت عطا فرما اور واپس گھر والوں کے پاس زندہ آنے کی رسوائی سے بچا!" چنانچہ یہ اس جنگ میں شہید ہو گئے۔

اللہ جن کی قسموں کا پاس کرتا ہے...... آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ تم میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر وہ کسی بات میں قسم کھا جائیں تو حق تعالیٰ ان کی قسم کو پورا فرما دیتا ہے۔ ان ہی لوگوں میں سے عمرو ابن جموح بھی ہیں۔ میں نے انہیں جنت میں ان کے اسی لنگ کے ساتھ چلتے پھرتے دیکھا ہے۔

یعنی حق تعالیٰ نے قیامت کے دن کا ان کا حال آنحضرت ﷺ پر آشکار فرما دیا تھا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا تھا۔

"یا رسول اللہ! مجھے بتلایئے کہ اگر میں اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہوا قتل ہو جاؤں تو کیا جنت میں پہنچ کر میری یہ ٹانگ ٹھیک ہو جائے گی اور میں چل سکوں گا؟"۔

آنحضرت ﷺ نے ان کے قریب آکر فرمایا۔

"یوں سمجھو گویا میں جنت میں اس طرح چلتا پھرتا دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری یہ ٹانگ بالکل ٹھیک ہے!"

اقول۔ مولف کہتے ہیں۔ ان دونوں روایتوں میں جو اختلاف ہے وہ اس طرح دور ہو جاتا ہے کہ ابتدا میں جب وہ جنت میں داخل ہوں گے تو اسی لنگ کے ساتھ جنگ میں چلے پھریں گے اور اس کے بعد ان کی ٹانگ ٹھیک ہو جائے گی۔

یہ عمرو ابن جموح جاہلیت کے زمانے میں بتوں کے خادم اور دربان تھے اور اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے اپنے ذمہ جو خدمت لی وہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کا جب کوئی نکاح ہوتا تو یہ ولیمہ کی دعوت کا انتظام کرتے تھے۔

ہندہ کے شوہر' بھائی اور بیٹے کی شہادت...... غرض غزوہ احد میں حضرت عمرو ابن جموح خود بھی شہید ہوئے اور ایک ان کے بیٹے بھی شہید ہوئے جن کا نام خلاد تھا۔ اسی طرح ان کے سالے یعنی ان کی بیوی ہندہ بنت حزام کے بھائی بھی قتل ہوئے ان کا نام عبداللہ تھا جو حضرت جابر ابن عبداللہ کے والد تھے۔

ہندہ کا صبر اور عشق نبوی ﷺ...... حضرت ہندہ ان تینوں یعنی اپنے شوہر' بیٹے اور بھائی کی لاشیں ایک اونٹ پر رکھوا کر لے چلیں تاکہ ان کو مدینے میں دفن کرائیں راہ میں ان کی ملاقات حضرت عائشہؓ سے ہوئی جو کچھ عورتوں کے ساتھ حالات معلوم کرنے کے لئے مدینے سے آرہی تھیں' حضرت عائشہؓ نے ان سے کہا کہ کیا لشکر کی خبر آئی ہے۔ حضرت ہندہ نے کہا۔

"جہاں تک رسول اللہ ﷺ کا تعلق ہے تو آپ بخیریت ہیں اور آپ کی خیریت کی طرف سے اطمینان ہو جانے کے بعد اب ہر مصیبت ہیچ اور بے حقیقت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے مومنوں میں سے کچھ لوگوں کو شہادت کا مرتبہ عطا فرمایا ہے۔!

پھر حضرت عائشہؓ نے ان کے اونٹ پر لاشیں دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں تو انہوں نے کہا۔

"میرا بھائی عبداللہ' میرا بیٹا خلاد اور میرے شوہر عمرو ابن جموح ہیں!"

لاشیں مدینے میں دفن کرنے کا ارادہ اور اونٹ کا چلنے سے انکار...... اسی وقت وہ لاشوں والا اونٹ زمین پر بیٹھ گیا۔ اب اس کو کھڑا کر کے جب بھی مدینے کی طرف ہانکنا چاہتے وہ فوراً بیٹھ جاتا لیکن جب میدان احد کی طرف اس کا رخ کرتے تو فوراً چلنے لگتا۔ آخر حضرت ہندہ رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس گئیں اور آپ کو پورا واقعہ بتلایا' آپ نے فرمایا:

"یہ اونٹ مامور ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہے مدینے نہیں جائے گا) اس لئے ان تینوں کو یہیں میدان احد میں دفن کر دو!"

پھر آپ نے حضرت ہندہ سے فرمایا۔

"اے ہندہ! جب سے تمہارا بھائی قتل ہوا ہے اس وقت سے اب تک فرشتے اس پر سایہ کئے ہوئے ہیں اور یہ دیکھ رہے ہیں کہ وہ کہاں دفن کیا جاتا ہے!"

غالباً یہ بات اس اعلان سے پہلے کی ہے جس میں کہا گیا تھا کہ ہر شہید کو اسی جگہ دفن کیا جائے جہاں وہ قتل ہوا ہے۔

حضرت جابر ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ اس غزوہ میں سب سے پہلے میرے والد حضرت عبداللہ ابن حزام قتل ہوئے تھے جن کو ابوالاعور سلمی نے قتل کیا تھا۔

عائشہؓ صدیقہ اور ام سلیم زخمیوں کو پانی پلانے پر...... صحیح بخاری میں ہے کہ میدان جنگ میں حضرت عائشہؓ اور ام سلیم زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں اور اس طرح کہ ہر زخمی کے منہ میں وہ اپنے مشکیزوں سے پانی ڈال دیتی تھیں۔

(پیچھے بیان ہوا کہ حضرت عائشہ میدان احد کی طرف خیریت معلوم کرنے کے لئے کچھ عورتوں کے ساتھ آ رہی تھیں جس کا مطلب ہے کہ وہ میدان احد میں موجود نہیں تھیں) مگر اس سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ممکن ہے میدان احد میں پہنچنے کے بعد ان کی یہ مصروفیت رہی ہو۔

دو بوڑھوں کا جذبہ جہاد...... مسلم لشکر میں حضرت حذیفہ کے والد یمان اور ثابت ابن دقس عورتوں کے پاس ان خیموں میں تھے کیونکہ یہ دونوں بہت زیادہ بوڑھے تھے اس لئے خود آنحضرت ﷺ نے ہی ان کو لشکر کے پیچھے عورتوں کے پاس چھوڑ دیا تھا، وہاں ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا۔

"خدا کی مار! آخر ہم کس بات کا انتظار کر رہے ہیں۔ خدا کی قسم! اس عمر کو پہنچنے کے بعد اب ہم میں سے کسی کیلئے بھی کوئی کوشش باقی نہیں رہی ہے، کیوں نہ ہم اپنی تلواریں اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ جائیں۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ ہمیں شہادت کی دولت سے سرفراز فرمادے!"

یہ کہہ کر دونوں نے اپنی تلواریں سنبھالیں اور وہاں سے چل کر اس سمت سے جدھر مشرک تھے مسلمانوں کے ساتھ آ ملے، مسلمانوں نے ان دونوں کے آنے کا حال معلوم نہیں کیا تھا۔ جہاں تک ان میں سے حضرت ثابت کا تعلق ہے تو ان کو تو مشرکوں نے قتل کر دیا اور حضرت یمان کے ساتھ یہ ہوا کہ چونکہ مسلمانوں کو خبر نہیں تھی کہ یہ بھی جنگ میں شامل ہو گئے ہیں اس لئے وہ ان کو مشرکوں کی سمت سے آتا دیکھ کر تلواریں لے کر ان پر ٹوٹ پڑے اور اس طرح بے خبری میں یہ مسلمانوں کے ہی ہاتھوں قتل ہو گئے۔

حضرت یمان کا غلط فہمی میں قتل...... علامہ سہیلی نے تفسیر ابن عباس کے حوالے سے لکھا ہے کہ یمان کو جس مسلمان نے غلطی سے قتل کیا تھا وہ عتبہ ابن مسعود تھے جو حضرت عبداللہ ابن مسعود کے بھائی تھے۔ یہی عتبہ ہیں جنہوں نے پہلی بار مصحف یعنی قرآن پاک کا نام مصحف رکھا۔ غرض جیسے ہی مسلمانوں نے حضرت یمان پر حملہ کر کے ان کو قتل کیا اور حضرت حذیفہؓ نے ان کو پہچانا وہ پکار اٹھے کہ یہ تو میرے والد یمان ہیں۔ مسلمانوں نے کہا کہ ہم ان کو قطعاً پہچان نہیں سکے۔ اس واقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہؓ کو ان کے والد کا خون بہا یعنی جان کی قیمت ادا کرنی چاہی مگر حضرت حذیفہؓ نے مسلمانوں کے نام پر اس کو چھوڑ دیا۔ ان کے اس ایثار پر آنحضرت ﷺ کے نزدیک ان کی وقعت اور زیادہ بڑھ گئی۔

حضرت یمان...... حضرت یمان کا اصل نام حسیل تھا۔ یمان اصل میں ان کے دادا یمان ابن حرث کا نام تھا ان ہی کی طرف نسبت کرتے ہوئے ان کو یمان کہا جانے لگا تھا۔ ان کو یمان کہنے کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے اپنی قوم کے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔ اس کے بعد یہ اپنی قوم میں سے بھاگ کر مدینے آ گئے اور یہاں پہنچ کر انہوں نے بنی عبدالاشہل کی پناہ لی اور ان کے حلیف یعنی معاہدہ بردار بن گئے۔ اس پر ان کی قوم نے ان کو یمان کہنا شروع کر دیا کیونکہ انہوں نے یمانیوں یعنی مدینے والوں سے معاہدہ کر لیا تھا۔

حضرت حذیفہؓ کے جو قول مشہور ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ان سے ایک دفعہ پوچھا گیا کہ زندہ انسانوں میں مردہ شخص کون ہے؟ تو انہوں نے کہا۔

"وہ شخص جو کہ برائی کو اپنے ہاتھوں، اپنی زبان اور اپنے دل سے برا نہ سمجھے!"

کشاف میں حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ جب کہ ان کے باپ مسلمان نہیں ہوئے تھے

آنحضرت ﷺ سے اپنے باپ کو قتل کرنے کی اجازت مانگی جو مشرکوں کی صف میں تھے۔ آپ نے فرمایا:

"تم انہیں نہ چھیڑو۔ ان سے تمہارے علاوہ کوئی دوسرا نمٹ لے گا!"

یہاں تک کشاف کا حوالہ ہے۔ مگر میں نہیں جانتا کہ یہ کون سے غزوہ کا واقعہ ہے۔ پیچھے حضرت یمان کے متعلق جو تفصیل بیان ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انصاری تھے اور بنی عبدالاشہل کے حلیف تھے مگر ایسی کوئی روایت نہیں ہے کہ کسی بھی انصاری نے اسلام قبول کرنے سے پہلے آنحضرت ﷺ سے جنگ کی ہو لہٰذا تفسیر کشاف نے جو واقعہ لکھا ہے وہ قابل غور ہے۔

قریشی عورتوں کے ہاتھوں مسلمانوں کی لاشوں کا مثلہ...... غرض جب اچانک مسلمانوں کو احد میں شکست ہو گئی اور وہ منتشر ہو گئے تو ابوسفیان کی بیوی ہندہ اور دوسری وہ عورتیں جو قریشی لشکر کے ساتھ آئی تھیں میدان جنگ میں مسلمانوں کی لاشیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کا مثلہ کرنے لگیں یعنی ان کے کان' ناک اور آنکھ کاٹنے لگیں وہ ان اعضاء کو کاٹ کا ان کے ہار بناتیں اور گلے میں ڈالتیں۔

شیر خدا حمزہ کا جگر ہندہ کے منہ میں...... ابوسفیان کی بیوی ہندہ حضرت حمزہؓ کی لاش پر پہنچی۔ اس نے شیر خدا کا پیٹ چاک کر کے اس میں سے ان کا جگر نکالا اور ان کو منہ میں ڈال کر دانتوں سے چبایا مگر وہ اس کو نگل نہ سکی۔ آخر اس نے چبا کر اس کو اگل دیا۔ ہندہ نے دراصل پہلے سے یہ منت مان رکھی تھی کہ اگر حضرت حمزہ پر اس کا قابو چل گیا تو ان کا جگر کھائے گی' رسول اللہ ﷺ کو جب یہ معلوم ہوا کہ ہندہ نے حضرت حمزہؓ کا جگر نکال کر چبایا تھا تو آپ نے پوچھا۔

"کیا اس نے کچھ حصہ کھا بھی لیا ہے!"

لوگوں نے کہا نہیں وہ کھا نہیں سکی۔

حضرت حمزہ کا بلند مقام...... آپ نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے جہنم پر حرام کر رکھا ہے کہ حمزہ کے گوشت کا کوئی حصہ بھی چھو سکے"

(ی) یعنی اگر ہندہ ان کے جسم کا کوئی حصہ بھی کھا لیتی یعنی اس کے پیٹ میں پہنچ جاتا تو ہندہ کو جہنم کی آگ نہ چھو سکتی۔ ایک روایت میں ہے کہ۔ اگر ان کا ذرا سا گوشت بھی ہندہ کے پیٹ میں پہنچ جاتا تو ہندہ کو جہنم کی آگ نہ چھو سکتی کیونکہ حق تعالیٰ نے حمزہ کو یہ عزت عطا فرمائی ہے کہ ان کے جسم کا کوئی جز بھی جہنم میں داخل نہیں ہو گا۔

مگر میں نے سیرت کی بعض کتابوں میں دیکھا ہے کہ ہندہ نے حضرت حمزہ کا کلیجہ بھون کر اس میں سے کچھ حصہ کھا لیا تھا۔ مگر کہا جاتا ہے کہ اس سے کوئی شبہ نہیں پیدا ہونا چاہئے کیونکہ یہاں کھانے سے مراد صرف چبانا ہے نگلنا نہیں ہے۔

وحشی کو ہندہ کا انعام...... (قال) ایک روایت میں ہے کہ حضرت حمزہ کا پیٹ چاک کر کے جگر نکالنے والا خود وحشی تھا جس نے حضرت حمزہؓ کو قتل کیا تھا۔ اس نے ان کا جگر نکالا اور اسے لے کر ہندہ کے پاس آیا۔ پھر اس نے ہندہ سے کہا۔

"اگر میں تمہارے باپ کے قاتل کو قتل کر دوں تو مجھے کیا انعام ملے گا"۔

ہندہ نے کہا۔ میرے جسم کا تمام سامان اور لباس وغیرہ۔

وحشی نے کہا۔ تو سنبھالو یہ حمزہ کا جگر ہے!"

ہندہ کے گلے میں حمزہ کی آنکھ ناک اور کانوں کا ہار...... ہندہ نے اسی وقت وحشی کو اپنا لباس اور زیورات دے دیئے جو وہ

پہنے ہوئے تھی۔ ساتھ ہی اس نے وعدہ کیا کہ مکے پہنچ کر وہ دس دینار مزید دے گی۔ اس کے بعد وحشی اس کو وہاں لایا جہاں حضرت حمزہ کی لاش پڑی تھی۔ یہاں پہنچ کر ہندہ نے لاش کی ناک اور کان کاٹے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ اس نے لاش کے مردانے اعضاء کاٹے اور اس کے بعد ناک اور کان کاٹے۔ پھر اس نے اعضاء کے ہار اور کنگن بنا کر ہاتھوں اور گلے میں پہنے وہ ان کو پہنے پہنے ہی مکہ تک پہنچی۔

ابو حیان کی کتاب نہر میں ہے کہ وحشی کو یہ وعدہ دیا گیا تھا کہ اگر اس نے حمزہ کو قتل کر دیا تو اسے آزاد کر دیا جائے گا مگر جب اس نے حمزہ کو قتل کر دیا تو یہ وعدہ پورا نہیں کیا گیا۔ اس وقت وحشی کو اپنی اس حرکت پر سخت ندامت اور افسوس ہوا۔

ہندہ کی خوشی اور ابوسفیان کا اعلان فتح...... اس کے بعد ہندہ ایک بلند ٹیلے پر چڑھی جہاں کھڑے ہو کر اس نے اس خوشی میں گلا پھاڑ پھاڑ کر چند شعر پڑھے۔ اس کے بعد اس کا شوہر ابوسفیان پہاڑ پر چڑھا بخاری میں یہی لفظ ہیں کہ وہ پہاڑ کے اوپر چڑھا۔ مگر ایک روایت ہے کہ وہ پہاڑ کے دامن میں تھا۔ ممکن ہے دونوں ہی باتیں رہی ہوں کہ پہلے اس نے نیچے سے آواز لگائی اور پھر اوپر چڑھا ہو۔ غرض پھر ابوسفیان پوری آواز سے چلا کر کہنے لگا:

"ہمارا نیک شگون صحیح نکلا۔ جنگ ایک ہار جیت کی بازی ہے۔ (ی) اور بازی کبھی تمہاری ہے تو کبھی ہماری ہے۔ آج جنگ احد میں جنگ بدر کا بدلہ چکا دیا گیا!"

ابوسفیان اور پانسہ کے تیر...... یہاں ابوسفیان نے انعمت کا لفظ استعمال کیا ہے یہ لفظ خود اپنے آپ کو مخاطب کرنے کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور فال کے تیروں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے (جیسا کہ جاہلیت کے دور میں عربوں کا دستور تھا کہ خانہ کعبہ میں کچھ تیر رکھے ہوئے تھے جو پانسہ کے تیر کہلاتے تھے جن کو عربی میں "ازلام" کہا جاتا ہے۔ ان پر مختلف جملے لکھے ہوئے تھے مثلاً ایک پر لکھا ہوا تھا۔ "کرو"۔ اور ایک پر لکھا ہوا تھا۔ "مت کرو"۔ قریش کوئی کام کرنے سے پہلے ان تیروں کا پانسہ ڈالا کرتے تھے اگر پانسہ میں وہ تیر آگیا جس پر۔ کرو۔ لکھا ہوا تھا تو وہ اس یقین سے کرتے تھے کہ کامیاب ہوں گے اور وہ تیر آگیا جس پر "مت کرو" لکھا ہوا تھا تو اس یقین کے ساتھ رک جاتے تھے کہ اس کام میں کامیابی نہیں ہوگی) ابوسفیان جنگ اُحد کے لئے کوچ کرنے لگا تو اس نے ان تیروں کا پانسہ ڈالا تھا اور وہ تیر نکلا تھا جس پر "کرو" لکھا ہوا تھا۔

آگے ابوسفیان نے فعال کا لفظ بولا ہے اس میں ف پر زبر ہے اور یہ کلمہ کا جز نہیں بلکہ لفظ عال ہے مراد یہ ہے کہ یہ معاملہ پانسہ اندازی یا نفس کی ملامت سے بالاتر ہو گیا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ عال عنی یعنی مجھ سے بلند تر ہو گیا۔

جنگ ایک بازی ہے...... ایک روایت میں ابوسفیان کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ:

"کوئی دن تمہارا ہے تو کوئی دن ہمارا ہے۔ ایک دن ہم غمگین ہیں تو ایک دن مسرور و مطمئن بھی ہوتے ہیں۔ آج حنظلہ کے بدلے میں حنظلہ اور فلاں کے بدلے میں فلاں کا سب حساب چکا دیا گیا ہے"۔

ایک حدیث میں بھی آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جنگ ایک بازی ہے' حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۚ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (۴/ آل عمران ۱۴۰)

اگر تم کو زخم پہنچ جاوے تو اس قوم کو بھی ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے اور ان ایام کو لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہا کرتے ہیں۔

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت غزوہ احد کے موقعہ پر نازل ہوئی ہے۔

غرض اس کے بعد ابوسفیان نے پکار کر کہا جس سے مسلمانوں کو سنانا مراد تھا:

مثلہ لاشوں کے متعلق ابوسفیان کا خطاب...... "تمہیں لوگوں میں۔ اور ایک روایت کے مطابق۔ اپنے مقتولوں میں کچھ لاشیں مثلہ کی ہوئی ملیں گی۔ مگر اس کے لئے میں نے حکم نہیں دیا تھا نہ ہی مجھے اس بات سے کچھ خوشی ہوئی ہے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ خدا کی قسم اس حرکت پر نہ تو میں خوش ہوا اور نہ ناراض ہی ہوں۔ میں نے ایسا کرنے کا حکم دیا اور نہ کرنے والوں کو اس سے منع کیا۔ نہ میں نے اسے پسند کیا اور نہ ناپسند کیا۔ نہ مجھے یہ ناگوار گزرا اور نہ خوشگوار ہی معلوم ہوا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ تم اپنے مقتولوں میں ناک کان کٹی لاشیں پاؤ گے جو ہمارے سرداروں کی رائے سے نہیں کیا گیا"۔

اس کے بعد ابوسفیان میں جاہلیت کی ہڑک اور حمیت کا جذبہ بیدار ہوا اور وہ کہنے لگا۔

"لیکن اگر یہ ایسا ہی ہوتا تو بھی ہم اس بات کو ناپسند نہ کرتے!"

شیر خدا کی لاش اور ابوسفیان کی بہادری...... ابوسفیان کے سامنے سے احابیش کا سردار حلیس گزرا اس وقت ابوسفیان حضرت حمزہؓ کی لاش میں نیزہ کی نوک مار مار کر کہہ رہا تھا:

"ذُق۔ عقق۔ ہماری مخالفت کرنے کا مزہ چکھ۔ اے اپنی قوم کو چھوڑنے والے شخص اپنی اس حرکت کو بھگت"۔

اس طرح گویا ابوسفیان نے حضرت حمزہؓ کے اسلام کو ایک بے مقصد اور نافرمانی کی بات قرار دیا۔ حلیس نے ابوسفیان کی یہ حرکت دیکھی تو بنی کنانہ سے کہا:

ابوسفیان پر بنی کنانہ کا طعن...... اے بنی کنانہ! دیکھو یہ قریش کا سردار ہے جو اپنے چچا کے بیٹے کے ساتھ یہ برتاؤ کر رہا ہے"

ابوسفیان (کو اس وقت اپنی اس پست اور گری ہوئی حرکت کا احساس ہوا اور اس) نے کہا۔

"اس کا کسی سے ذکر نہ کرنا۔ واقعی یہ ایک نیچ حرکت ہے!"

پھر ابوسفیان نے بلند آواز سے کہا۔

ابوسفیان کا نعرہ ہبل...... ہبل زندہ باد۔ تیرا دین سربلند ہوا۔ یہ اسی طرح سربلند ہوتا رہے!

آنحضرت ﷺ کی طرف سے جواب...... آنحضرت ﷺ نے ابوسفیان کا یہ جملہ سنا تو آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا عمر اٹھو اور اس کی بات کا جواب دو۔ اور کہو کہ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی سربلند و برتر ہے۔ ہماری تمہاری کوئی بات برابر نہیں ہے۔ ہمارے شہید جنت میں ہیں اور تمہارے مقتول جہنم میں ہیں!"

(حضرت عمرؓ نے بلند آواز سے یہ جملے کہہ کر ابوسفیان کو سنا دیئے تو) ابوسفیان نے ادھر سے پکار کر کہا۔

"تو تم اب بھی یہ سمجھتے ہو کہ ہم ہی رسوا اور خوار ہوئے ہیں!"

ہبل کے بارے میں بیان ہو چکا ہے کہ یہ ایک بت تھا اور اس پر تفصیلی کلام بھی ہو چکا ہے۔ علامہ شیخ محی الدین ابن عربی نے لکھا ہے کہ اب یہ ہبل نامی بت حرم کے باب بنی شیبہ کے نچلے چوکھٹ میں نصب ہے جہاں سے داخل ہونے والے لوگ اس کو پامال کرتے ہوئے اندر جاتے ہیں۔ بادشاہوں نے اس کو وہاں رکھوا کر اس کے اوپر فرش کرا دیا ہے۔

ابوسفیان و عمر فاروقؓ کا مکالمہ...... غرض اس کے بعد ابوسفیان نے پکار کر مسلمانوں سے کہا۔

"ہمارا عزیٰ ہے جب کہ تمہارا کوئی عزیٰ نہیں ہے!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"ہمارا اولی و آقا اللہ تعالیٰ ہے جب کہ تمہارا کوئی ایسا آقا نہیں ہے!"

ابوسفیان آنحضرت ﷺ کے قتل کی غلط فہمی میں...... (ابوسفیان ابھی تک یہی سمجھ رہا تھا کہ ہم محمد ﷺ کو قتل کر چکے ہیں۔ ادھر یہاں سے اس کی باتوں کا جواب بھی آنحضرت ﷺ کے بجائے حضرت عمرؓ دے رہے تھے اس سے اس کو اور زیادہ یقین ہوا) آخر اس نے حضرت عمرؓ کو پکارا کہ عمر! ذرا سامنے آؤ۔ آنحضرت ﷺ نے فاروق اعظمؓ کو حکم دیا کہ اس کے سامنے جاؤ اور دیکھو وہ کیا کہتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ ابوسفیان کے سامنے آئے تو اس نے فاروقؓ اعظم سے کہا:

"عمر! کیا واقعی ہمارے کسی شخص نے محمد ﷺ کو قتل کر دیا ہے"۔

حقیقت کا انکشاف...... حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"ہرگز نہیں۔ بلکہ اس وقت حضور ﷺ تیری باتیں سن رہے ہیں!"

(واضح رہے کہ آنحضرت ﷺ کے قتل کی خبر ابن قمئہ نے اڑائی تھی۔ ابوسفیان نے کہا۔

"تم میرے نزدیک ابن قمئہ سے زیادہ سچے اور قابل یقین ہو!"

ابن قمئہ نے آنحضرت ﷺ کے قتل کی خبر اس لئے اڑائی تھی کہ وہ آپ کی تاک میں آگے بڑھا تھا مگر آنحضرت ﷺ کے بجائے اس کے سامنے حضرت مصعب ابن عمیر آئے ابن قمئہ نے ان کو قتل کر دیا اور یہ سمجھا کہ اس نے آنحضرت ﷺ کو قتل کیا ہے۔ چنانچہ وہاں سے لوٹ کر اس نے سب سے کہا کہ میں نے محمد ﷺ کو قتل کر دیا ہے۔ یہ تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

ابوسفیان کی غلط فہمی کا سبب...... ایک روایت میں ہے کہ (آنحضرت ﷺ کے متعلق اس افواہ کے بعد) ابوسفیان نے پکار پکار کر با آواز بلند کہا۔

"کیا تم لوگوں میں محمد ﷺ موجود ہیں۔ کیا تم لوگوں میں محمد ﷺ موجود ہیں"۔

ابوسفیان نے تین مرتبہ یہ اعلان کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ آواز سنی مگر آپ نے صحابہ کو اس کا جواب دینے سے روک دیا۔

پھر ابوسفیان نے پکار کر پوچھا کہ۔ کیا تم لوگوں میں ابن قحافہ یعنی ابوبکر موجود ہیں؟ یہ اعلان بھی اس نے تین مرتبہ کیا۔

پھر اس نے کہا۔ کیا تم لوگوں میں عمر موجود ہیں؟ یہ آواز بھی اس نے تین مرتبہ لگائی۔ ایک روایت میں ابوسفیان کے الفاظ اس طرح ہیں کہ: ابن ابوکبشہ کہاں ہیں؟ ابن ابوقحافہ کہاں ہیں؟ ابن خطاب کہاں ہیں؟ (مگر ابوسفیان کو ان میں سے کسی بات کا جواب نہیں ملا تو وہ اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔

"جہاں تک ان تینوں کا معاملہ ہے تو یہ سب کے سب قتل ہو چکے ہیں اور تم نے ان کا کام تمام کر دیا ہے کیونکہ اگر یہ لوگ زندہ ہوتے تو جواب دیتے!"

ابوسفیان کا یہ جملہ حضرت عمرؓ نے سن لیا تو وہ برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے وہیں سے پکار کر کہا۔

"اے اللہ کے دشمن! خدا کی قسم تو بکتا ہے' جن جن لوگوں کو تو کہہ رہا ہے وہ سب زندہ ہیں اور تیری تباہی کیلئے باقی ہیں!"

ابوسفیان کا اگلے سال میدان جنگ میں ملاقات کا وعدہ...... اس کے بعد ابوسفیان نے پکار کر مسلمانوں سے کہا۔

"اچھا۔ تو آئندہ میدان بدر میں ہم تم پھر ملیں گے!"

اس پر آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ میں سے ایک شخص سے فرمایا۔

"کہہ دو کہ ہاں ہمارا تمہارا ملنے کا وعدہ رہا"۔

پھر جب قریشی لشکر میدان احد سے واپس روانہ ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ ابن ابی طالب کو۔ اور ایک قول کے مطابق حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص کو ان کے پیچھے جانے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا۔

دشمن کی واپسی اور حضرت علیؓ کو تعاقب کا حکم...... دشمن کے پیچھے پیچھے جاؤ اور دیکھو کہ وہ کیا کرتے ہیں اور کیا چاہتے ہیں اگر وہ لوگ اونٹوں پر سوار ہیں اور گھوڑوں کو اپنے ساتھ ہانکتے ہوئے لے جارہے ہیں تو سمجھ لو کہ وہ مکے ہی جارہے ہیں لیکن اگر وہ گھوڑوں پر سوار ہیں اور اونٹوں کو برابر ہانک رہے ہیں تو سمجھو کہ وہ مدینے جارہے ہیں۔ مگر قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر انہوں نے مدینے کا رخ کیا تو میں ہر قیمت پر مدینے پہنچ کر ان کا مقابلہ کروں گا!"

مدینہ پر حملہ کا ارادہ اور صفوان کی مخالفت...... حضرت علیؓ حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ پھر میں ان کے پیچھے یہ دیکھنے کو روانہ ہوا کہ وہ لوگ کیا کرتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ وہ اونٹوں پر سوار ہوئے اور گھوڑوں کو برابر ہانکتے ہوئے مکے کی طرف کوچ کر گئے۔ اس سے پہلے انہوں نے آپس میں مشورہ کیا تھا اور اور کچھ لوگوں کی رائے تھی کہ یہاں سے مدینے پر چڑھائی کر کے لوٹ مار کی جائے۔ مگر صفوان ابن امیہ نے انہیں اس سے روکا اور کہا۔

معلوم نہیں تم ہی کسی لپیٹ میں آجاؤ لوگ اپنے مقتولوں کی وجہ سے ویسے ہی پریشان ہیں!"

ابن ربیع کے متعلق تحقیق حال کا حکم...... ادھر مسلمان اپنے مقتول کی وجہ سے پریشان تھے" آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا:

"کوئی ہے جو جا کر سعد ابن ربیع کا حال معلوم کر کے آئے۔ آیا وہ زندہ ہے یا مردہ ہے۔ ایک روایت میں آگے یہ لفظ بھی ہیں کہ۔ کیونکہ میں نے اس کے اوپر تلواریں چمکتے ہوئے دیکھی تھیں!"

ابن ربیع کو نبی کا سلام...... اس پر ایک انصاری مسلمان یعنی ابی ابن کعب نے کہا۔ اور ایک قول کے مطابق وہ محمد ابن مسلمہ تھے۔ نیز ایک قول کے مطابق زید ابن حارثہ تھے اور ایک قول کے مطابق کوئی اور تھے۔ ممکن ہے آپ نے ان سب کو ہی بھیجا ہو۔ بہر حال ان میں سے کسی نے آپ سے عرض کیا کہ میں جا کر دیکھا ہوں۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے ان جانے والے شخص سے فرمایا۔

"اگر تم سعد ابن ربیع کو زندہ پاؤ تو ان سے میرا سلام کہنا اور کہنا رسول اللہ ﷺ تم سے پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں ہو!"

لب دم حالت میں ابن ربیع کی دریافت...... یہ انصاری مسلمان حضرت سعدؓ کی تلاش میں گئے تو ایک جگہ انہوں نے سعدؓ کو زخموں سے چور پڑا پایا اس وقت تک ان میں زندگی کی کچھ رمق اور آثار باقی تھے۔ انہوں نے فوراً ہی حضرت سعدؓ سے کہا۔

"مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ تمہارا حال معلوم کروں کہ آیا تم زندوں میں ہو یا مردوں میں ہو!"

ابن ربیع کا نبی کو سلام اور قوم کو پیغام...... حضرت سعدؓ نے کہا:

"میں اب مردوں ہی میں ہوں۔ میرے جسم پر نیزوں کے بارہ زخم لگے ہیں میں اس وقت تک لڑتا رہا جب تک مجھ میں سکت باقی تھی۔ اب تم رسول اللہ ﷺ سے میرا سلام عرض کرنا اور کہنا کہ ابن ربیع آپ ﷺ کیلئے عرض کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے وہی بہترین چیز عطا فرمائے جو ایک امت کی طرف سے اس کے نبی کو مل سکتی ہے۔ نیز اپنی قوم کو بھی میرا سلام پہنچا دینا اور ان سے کہنا کہ سعد ابن ربیع تم سے کہتا ہے کہ اگر ایسی صورت میں تم نے دشمن کو اللہ کے نبی تک پہنچنے دیا کہ تم میں جھپکنے والی ایک آنکھ۔ اور ایک روایت کے مطابق۔ ہلنے والا ایک بھی ہونٹ موجود ہے۔ یعنی ایک شخص بھی زندہ موجود ہے تو اس جرم کے لئے اللہ تعالیٰ کے یہاں تمہارا کوئی عذر قبول نہیں ہو گا"۔

ابن ربیع کا دم واپسیں...... یہ کہنے کے چند ہی لمحوں بعد حضرت سعدؓ ابن ربیع کا دم آخر ہو گیا۔ وہ انصاری شخص کہتے ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور آپ کو سعدؓ ابن ربیع کے متعلق ساری تفصیل بتلائی۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ جس شخص کو آنحضرت ﷺ نے سعدؓ ابن ربیع کا حال معلوم کرنے کیلئے بھیجا تھا وہ لاشوں کے درمیان ان کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ حضرت سعدؓ نے جو زخمی پڑے تھے اس شخص سے پوچھا کہ کیا بات ہے تم کس کی تلاش میں ہو۔ اس نے کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے تمہارا حال معلوم کر کے آپ کو اطلاع دینے کیلئے بھیجا ہے۔ اس پر حضرت سعد نے وہی سب کہا جو بیان ہوا۔

پروانہ نبوت کا سوز و گداز عشق...... ایک روایت میں یوں ہے کہ محمد ابن مسلمہ سعدؓ کی تلاش میں آئے اور انہوں نے لاشوں کے درمیان کھڑے ہو کر اور کئی بار سعد ابن ربیع کہہ کر پکارا مگر انہیں جواب نہ ملا۔ آخر انہوں نے پکار کر کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے تمہارا حال معلوم کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ اس پر حضرت سعد ابن ربیع نے نہایت کمزور آواز میں ان کو جواب دیا۔ ایک روایت میں حضرت سعد ابن ربیع کے الفاظ اس طرح ہیں:

"اپنی قوم سے میرا اسلام کہنا اور کہنا کہ سعد ابن ربیع کہتا ہے۔ اللہ اللہ۔ تم نے عقبہ کے مقام پر اس رات رسول اللہ ﷺ کو کیسے کیسے عہد دیئے تھے۔ ان وعدوں اور اس عہد کے بعد اب خدا کی قسم اللہ تعالیٰ کے یہاں تمہارا کوئی عذر نہیں سنا جا سکتا"۔

(مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے پہلے مکے میں عقبہ کی گھاٹی میں مدینے کے لوگوں نے آنحضرت ﷺ کو جو بڑے بڑے عہد دیئے تھے ان کے بعد اب اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کیلئے اس کی کوئی گنجائش نہیں کہ وہ کسی بھی موقعہ پر رسول اللہ ﷺ کا ساتھ چھوڑیں۔ اور جنگ احد کی اس آزمائش میں انہیں اس وقت تک آنحضرت ﷺ کا ساتھ دینا واجب ہے جب تک کہ ان کے جسموں میں خون کا آخری قطرہ بھی باقی ہے)۔

ابن ربیع کے متعلق کلمات رسول اللہ...... جب آنحضرت ﷺ کو ان کے متعلق تفصیلات معلوم ہوئیں تو آپ نے ان کے حق میں فرمایا:

"اللہ تعالیٰ اس پر رحمت فرمائے۔ اس نے صرف اللہ اور رسول کے لئے زندہ اور مردہ حالتوں میں نصیحتیں کیں"۔

ابن ربیع کے پسماندگان...... حضرت سعد ابن ربیعؓ نے پسماندگان میں دو بیٹیاں چھوڑی تھیں آنحضرت ﷺ نے حضرت سعد کی میراث میں ان دونوں کو دو تہائی حصہ دیا چنانچہ قرآن پاک میں میراث سے متعلق جو آیت ہے آنحضرت ﷺ کا یہ فیصلہ گویا اس آیت کی عملی تفسیر تھا۔ وہ آیت یہ ہے:

فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ۔ (لآیہ پ ۴ سورہ نساء ع ۲ آیت ۱۱)

اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں گو دو سے زیادہ ہوں تو ان لڑکیوں کو دو تہائی ملے گا اس مال کا جو کہ مورث چھوڑ مرا ہے۔

یہ آیت اسی بارے میں نازل ہوئی تھی کہ دو بیٹیاں ہوں یا دو سے زائد ہوں۔ چونکہ یہ قرآن پاک کا صاف حکم ہے اس لئے اب اس کی ضرورت نہیں رہتی کہ دو بیٹیوں کو دو بہنوں پر قیاس کرتے ہوئے صرف اس لئے ان کا حکم یکساں مانا جائے کہ جب دونوں صورتوں میں اکیلی کو آدھا ملتا ہے تو دو دو کی صورت میں بھی دونوں کا حکم ایک ہی ہو گا۔

خلفاء رسول اللہ ﷺ کے دلوں میں ابن ربیع کا احترام...... ان کی ایک صاحبزادی ایک مرتبہ حضرت ابو بکرؓ کے پاس ان کی خلافت کے زمانے میں آئیں تو انہوں نے ان خاتون کو بٹھانے کے لئے اپنی چادر بچھادی۔ اسی وقت وہاں حضرت عمر فاروقؓ

تشریف لے آئے فاروق اعظمؓ نے صدیق اکبرؓ سے ان خاتون کے بارے میں پوچھا کہ یہ کون ہیں تو صدیق اکبرؓ نے فرمایا:
"یہ اس شخص کی بیٹی ہیں جو مجھ سے اور تم سے بہتر تھا"
حضرت عمرؓ نے پوچھا۔
"اے خلیفہ رسول وہ کون شخص تھا؟"۔
صدیق اکبر کی زبانی بنت ربیع کا تعارف...... صدیق اکبرؓ نے فرمایا۔
"وہ شخص وہ تھا جو (سبقت کر کے) جنت نشین بھی ہو گیا اور میں اور تم رہ گئے یہ سعد ابن ربیعؓ کی بیٹی ہیں!"۔
آنحضرت ﷺ حمزہؓ کی نعش کی تلاش میں...... غرض اس کے بعد جب کہ جنگ ختم ہو چکی تھی اور مشرکین جا چکے تھے آنحضرت ﷺ اپنے چچا حضرت حمزہؓ کی نعش کی تلاش میں نکلے۔ اسی وقت ایک شخص نے آپ ﷺ سے عرض کیا۔
شیر خدا کی آخری دعا...... "میں نے ان کو ان چٹانوں کے قریب دیکھا تھا۔ اس وقت وہ یہ کہہ رہے تھے کہ میں اللہ کا شیر ہوں اور اس کے رسول کا شیر ہوں۔ اے اللہ! میں تیرے سامنے ان باتوں اور ان مقاصد سے برات و بیزاری کا اعلان کرتا ہوں جن کو لیکر ابو سفیان اور اس کے ساتھی اس لشکر کے ساتھ یہاں آئے تھے۔ اور میں تیرے سامنے ان لوگوں کی اس حرکت پر معذرت پیش کرتا ہوں جو انہوں نے اس شکست کی صورت میں کی ہے"
انس ابن نضر کی یہی دعا...... یہی دعا حضرت انس ابن نضر کے متعلق بھی نقل کی جاتی ہے جو آنحضرت ﷺ کے خادم حضرت انس ابن مالک کے چچا تھے۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ وہ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے اور اس پر انہیں بے حد افسوس تھا۔ اس کے بعد غزوہ احد ہوا اور مسلمانوں کو شکست اٹھانا پڑی۔ انہوں نے غزوہ بدر کے بعد آنحضرت ﷺ سے عرض کیا تھا:
"یا رسول اللہ! میں مسلمانوں کے اولین غزوہ میں شریک ہو کر مشرکوں سے جنگ نہ کر سکا۔ خدا کی قسم اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے مشرکوں کے مقابلے میں لڑنے کا کوئی موقعہ عطا فرمایا تو میں دکھاؤں گا کہ میں کیا کرتا ہوں"
پھر غزوہ احد میں مسلمانوں کی شکست (اور صحابہ کے آنحضرت ﷺ کے پاس سے تتر بتر) ہو جانے پر انہوں نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! ان لوگوں نے یعنی صحابہ نے جو کچھ کیا اس کے لئے میں تیرے سامنے معذرت پیش کرتا ہوں اور ان لوگوں یعنی مشرکوں نے جو کچھ کیا اس سے میں تیرے سامنے برأت و بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔
نبی کے قتل کی افواہ پر انسؓ کا رد عمل...... جب ان انس ابن نضر نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کی خبر سنی تو مجاہدوں سے کہا:
"آنحضرت ﷺ کے بعد اب زندہ رہ کر کیا کرو گے۔ چلو تم بھی اسی مقصد کیلئے مر جاؤ جس کے لئے رسول اللہ ﷺ نے جان دی ہے!"
یہ خلد آشیاں روحیں...... یہ کہہ کر حضرت انسؓ دشمن پر جھپٹے اور حضرت سعد ابن معاذ سے بولے۔
"دیکھو یہ جنت نظر آتی ہے۔ رب کعبہ کی قسم مجھے احد کے پاس سے اس کی خوشبوئیں آ رہی ہیں!"
اس کے بعد انہوں نے نہایت خون ریز جنگ کی یہاں تک کہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ ان کے جسم پر اسی سے زائد زخم تھے جن میں تلوار کے بھی تھے، برچھے کے بھی تھے، نیزے کے بھی تھے اور تیروں کے بھی۔
انسؓ کی لاش کا مثلہ...... جب یہ قتل ہو گئے تو مشرکوں نے ان کی لاش کو مثلہ کیا یعنی ان کے کان اور ناک آنکھ کاٹ ڈالے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی بہن ربیع ان کو صرف ان کی انگلیوں کی وجہ سے پہچان سکیں ورنہ پہچاننے کی کوئی اور صورت نہیں تھی۔

ان حضرت انس ابن نضر کی بھتیجے حضرت انس ابن مالک اس آیت کے سلسلے میں کہتے ہیں:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا۔ (الآیہ پ۲۱ سورہ احزاب ع۳ آیت ۲۳)

ان مومنین میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انہوں نے جس بات کا اللہ سے عہد کیا تھا اس میں سچے اترے پھر بعضے تو ان میں وہ ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے اور بعضے ان میں مشتاق ہیں اور انہوں نے ذرا تغیر و تبدل نہیں کیا۔

چچا کی مثلہ شدہ لاش پر نبی کی افسردگی...... جب یہ آیت نازل ہوئی تو ہم نے کہا کہ یہ انس ابن نضر اور مومنین میں ان جیسوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

غرض اس شخص کے بتلانے پر رسول اللہ ﷺ ان چٹانوں کی طرف چلے جہاں اس نے حضرت حمزہؓ کو دیکھا تھا۔ آخر وادی کے عین درمیان میں آپ کو شیر خدا کی لاش اس حالت میں ملی کہ ان کا پیٹ چاک تھا اور لاش کو مثلہ کر دیا گیا یعنی ناک کان وغیرہ کاٹ دیئے گئے تھے نیز ان کے مردانہ اعضا کاٹ دیئے گئے تھے' آنحضرت ﷺ کے لئے یہ منظر اس قدر اندوہناک تھا کہ ایسی قلبی اذیت آپ کو کبھی کسی چیز پر نہیں ہوئی تھی پھر آپ نے لاش کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"آپ سے زیادہ اندوہناک حادثہ کسی کو نہیں پیش آیا۔ اس جیسا تکلیف دہ منظر میں نے کوئی نہیں دیکھا!"

دشمن کی لاشیں مثلہ کرنے کیلئے آنحضرت ﷺ کی قسم...... اس کے بعد آپ نے فرمایا:

"آپ پر حق تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں میں نے آپ کو ہمیشہ نیکوکار اور رشتہ داروں کی خبر گیری کرنے والا پایا' خدا کی قسم! میں آپ کے بدلے میں انکے ستر آدمیوں۔ اور ایک روایت کے مطابق۔ تیس آدمیوں کو مثلہ کرونگا' ایک روایت میں یوں ہیکہ اگر اللہ تعالیٰ کسی اور موقعہ پر مجھے قریش پر غلبہ عطا فرمائیگا تو میں آپ کے بدلے ان کے ستر آدمیوں کو مثلہ کرونگا"۔

آنحضرت ﷺ کے شدید ردعمل پر صحابہ کرام کا جوش!...... جب صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے چچا کے لئے اس قدر حزین و غمگین دیکھا تو انہوں نے کہا۔

"اگر زمانے میں کبھی حق تعالیٰ نے ہمیں قریش پر غلبہ عطا فرمایا تو بے شک ہم لوگ ان کی لاشوں کو اس طرح مثلہ کریں گے کہ سرزمین عرب میں آج تک کبھی کسی نے اس طرح کسی کو مثلہ نہیں کیا ہوگا!"

قسم پر وحی کا نزول...... حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ۔ (۱۴پ النحل ع۱۶ آیت ۱۲۶)

ترجمہ: اور اگر بدلہ لینے لگو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا تمہارے ساتھ برتاؤ کیا گیا ہے اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہت ہی اچھی بات ہے۔ اور صبر کیجئے اور آپ کا صبر کرنا خاص خدا تعالیٰ ہی کی توفیق سے ہے اور ان پر غم نہ کیجئے اور جو کچھ یہ تدبیریں کیا کرتے ہیں اس سے تنگ دل نہ ہوجئے۔

نبی کی طرف سے عفو اور قسم کا کفارہ...... اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے مشرکوں کو معاف فرما دیا اور آپ نے صبر فرمایا۔ ساتھ ہی آپ نے لاشوں کو مثلہ کرنے کی مسلمانوں کو ممانعت فرمادی۔ نیز آپ نے حضرت حمزہؓ کا بدلہ لینے کے لئے جو قسم کھائی تھی اس کا کفارہ ادا کر دیا۔

ان آیتوں کا نزول اس واقعہ کے بعد ہوا تھا جب رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کی ایک جماعت کو قتل کرا کے ان کی لاشوں کا مثلہ کرایا تھا کیونکہ انہوں نے بے وجہ چند مسلمانوں کے ساتھ یہی سلوک کیا تھا۔ اس واقعہ کی تفصیل آگے صحابہ کی فوجی مہمات کے بیان میں آئے گی۔

چچا کی لاش پر گریہ بے اختیار...... حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ہم نے آنحضرت کو اتنا روتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا تھا جتنا آپ حضرت حمزہؓ پر روئے۔ آپ نے لاش کو قبلہ رو کر کے دیکھا پھر آپ جنازے کے پاس کھڑے ہو گئے اور اس قدر زار و قطار روئے کہ آپ ﷺ پر غشی سی طاری ہونے لگی۔ اس وقت آپ لاش کو مخاطب کر کے کہتے جاتے تھے:

"اے رسول خدا کے چچا! اے اللہ کے شیر! اے رسول خدا کے شیر! اے حمزہ! اے نیکیوں کے کرنے والے! اے حمزہ! اے برائیوں کو کھونے والے! اے رسول خدا کے محافظ!"

یعنی آپ نے یہ کلمے اس وقت نہیں فرمائے جب کہ آپ رو رہے تھے لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ تو وہ نوحہ و شیون ہے جو حرام ہے، بلکہ یہ میت کی خوبیوں کو گنانا تھا کیونکہ وہ نوحہ و ماتم جو حرام ہے رونے کے ساتھ خاص ہے۔ یہ بات جاہلیت کے دور کی وہ فغان و ماتم بھی نہیں تھی جو اسلام میں ناپسندیدہ سمجھی گئی ہے کیونکہ اس صورت میں میت کا ولی مردے کے سرہانے کھڑے ہو کر چیخ چیخ کر اور بین کر کے مردے کی خوبیاں بیان کیا کرتا تھا جس کو ندا کہا جاتا تھا کیونکہ ایسے موقعہ پر یوں ندا کرنا ناپسند اور ناجائز فعل ہے کیونکہ وہ ندا فخر و غرور اور تعظیم کیلئے کی جاتی تھی کسی نیک مقصد کے لئے نہیں ہوتی تھی کہ اس کی خوبیاں سن کر لوگ اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔

اہل فلک میں حمزہؓ کی شہرت...... پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جبرئیلؑ نے آ کر مجھے بتلایا کہ ساتوں آسمانوں کے رہنے والوں میں حمزہ کا نام جو مکتوب ہے وہ یوں ہے۔ "حمزہ ابن عبد المطلب اللہ اور اس کے رسول کے شیر ہیں"۔

بہن کو لاش نہ دکھانے کی کوشش...... پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت زبیرؓ کو حکم دیا کہ وہ اپنی والدہ حضرت صفیہؓ کو جو حضرت حمزہ کی بہن تھیں حضرت حمزہ کی لاش نہ دیکھنے دیں (کیونکہ ان کی لاش اس قدر بے حرمتی ہو چکی تھی کہ اس کو دیکھ کر وہ قابو میں نہ رہ سکتی تھیں) چنانچہ حضرت زبیرؓ نے اپنی والدہ کے پاس جا کر ان سے کہا:

"ماں۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ آپ واپس چلی جائیں!"

اس پر حضرت صفیہ نے بیٹے کے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔

شیر دل بھائی کی شیر دل بہن...... "کیوں آخر؟ مجھے معلوم ہے کہ میرے بھائی کی لاش کو مثلہ کر دیا گیا ہے۔ مگر یہ سب کچھ خدا کی راہ میں ہے لہٰذا مجھے اس حرکت سے زیادہ یہ بات عزیز ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کی راہ میں ہوا ہے۔ یعنی میں اس پر دوسروں سے زیادہ راضی برضا ہوں۔ میں انشاء اللہ اس حادثہ پر صبر و رضا کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑوں گی"۔

حضرت زبیرؓ یہ سن کر آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو ان کی گفتگو بتلائی۔ آپ نے فرمایا: اچھا انہیں آنے دو، چنانچہ حضرت صفیہ نے آ کر بھائی کی لاش دیکھی۔ انا للہ پڑھی اور پھر ان کے لئے مغفرت کی دعا کی۔

صفیہؓ کے صبر و ثبات کیلئے نبی کی دعا...... ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت صفیہ کی ملاقات حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ سے ہوئی۔ انہوں نے ان دونوں سے پوچھا کہ حمزہ کا کیا ہوا؟ انہیں حضرت صفیہ کی حالت پر رحم آیا اور انہوں نے ان سے یہ ظاہر کیا گویا ان کو معلوم نہیں ہے۔ تب وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں، انہوں نے کہا کہ مجھے صفیہ کی ذہنی حالت دیکھ کر ڈر

لگتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنا دست مبارک ان کے سینے پر رکھا اور ان کے لئے دعا فرمائی۔ اس کے بعد حضرت صفیہ نے بھائی کی لاش دیکھی تو انا للہ پڑھی اور رونے لگیں۔

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت علی اور حضرت زبیر نے ان کو دیکھنے سے روکا تو انہوں نے کہا۔

"میں اس وقت تک نہیں جاؤں گی جب تک رسول اللہ ﷺ سے نہ مل لوں۔"

پھر جب وہ آنحضرت ﷺ سے ملیں تو کہنے لگیں۔

"یارسول اللہ! میرا ماں جایا حمزہ کہاں ہے؟"۔

آپ نے فرمایا وہ لوگوں کے درمیان میں ہیں۔ یہ سن کر وہ غم واندوہ کی ماری کہنے لگیں کہ جب تک میں ان کو ایک نظر نہ دیکھ لوں گی ہر گز یہاں سے واپس نہیں جاؤں گی۔ اس پر حضرت علی اور حضرت زبیر نے ان کو پکڑ لیا اور وہاں جانے سے روکنے لگے' آخر آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کو حکم دیا کہ انہیں جاکر دیکھ آنے دو۔ چنانچہ وہ سیدھی لاش کے پاس گئیں اور اسے دیکھ کر بے اختیار رو پڑیں آنحضرت ﷺ ان کو روتے اور سسکتے دیکھتے تو خود بھی رونے لگتے۔ آخر آپ نے اپنی چادر سے لاش کو ڈھکوا دیا۔

کفن کی جستجو اور دو انصاریوں کی پیشکش...... ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کیا ان کے لئے کوئی کفن یعنی ڈھکنے کو چادر نہیں ہے؟ اس پر ایک انصاری شخص آگے بڑھا اور اس نے اپنی چادر ڈال کر لاش کو ڈھانپ دیا۔ پھر ایک دوسرا شخص اٹھا اور اس نے بھی اپنی چادر میت پر ڈال دی۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت جابرؓ سے فرمایا۔

"جابر! ان میں سے ایک چادر تمہارے والد کے لئے ہو گی اور دوسری میرے چچا کے لئے رہے گی!"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک حضرت جابر کے والد کی لاش بھی دفن نہیں کی گئی تھی مگر یہ بات گزشتہ تفصیل کے ظاہری الفاظ کے خلاف ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت صفیہ حضرت حمزہ کے لئے دو چادریں لے کر آئی تھیں۔ پھر ان میں سے ایک حضرت حمزہ کے لئے استعمال کی گئی اور دوسری ایک انصاری شہید کے لئے استعمال کی گئی۔ غالباً وہی حضرت جابرؓ کے والد ہوں گے۔

غالباً ایسا ہوا ہے کہ (پہلے ان دونوں آدمیوں نے اپنی چادریں حضرت حمزہ پر ڈھانپ دیں جن میں سے ایک آپ نے حضرت حمزہ کے لئے رکھ کر دوسری ایک انصاری شہید کے لئے رکھ لی) پھر جب حضرت صفیہ دو چادریں لے کر آگئیں تو آپ نے ان دونوں آدمیوں کی دی ہوئی چادریں چھوڑ دیں اور ان کی دو چادریں ان دونوں شہیدوں کے لئے لے لیں۔

بے سر و سامانی...... ایک روایت میں ہے کہ حضرت حمزہ کو ایک دھاری دار چھوٹے سے اونی کپڑے میں کفن دیا گیا۔ وہ کپڑا اتنا چھوٹا تھا کہ اگر اس سے سر ڈھکتے تھے تو پیر کھل جاتے تھے اور اگر پیر ڈھکتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔ آخر چادر سے سر ڈھانک دیا گیا اور پیروں پر تنکے وغیرہ اور چھال ڈال کر انہیں ڈھانپ دیا گیا۔

شہیدوں کا کفن...... اب اگر ان دونوں روایتوں کو درست مانا جائے تو ان میں مطابقت پیدا کرنے کی ضرورت ہو گی۔ مشہور روایت یہی ہے کہ ایک چھوٹے سے اونی کپڑے کا کفن دیا گیا تھا۔ اس بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بڑی چادر کے مقابلے میں اس چھوٹے سے کپڑے کو اس لئے ترجیح دی کہ اس پر شہادت کا خون لگا ہوا تھا (یعنی یہ کپڑا یا چھوٹی چادر خود حضرت حمزہؓ کی ہی تھی جو وہ اس وقت اوڑھے ہوئے تھے جب ان کو شہید کیا گیا) تو غالباً آنحضرت ﷺ نے ان کو اس کپڑے میں اس لئے کفنایا کہ ان پر کسی کا کوئی احسان نہ رہے۔ پہلی بات کی تائید آگے آنے والی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ

شہیدوں کو ان ہی کپڑوں میں کفنا دیا گیا تھا جن کو پہنے ہوئے وہ قتل ہوئے تھے۔ بہر حال یہ بات قابل غور ہے کیونکہ اس واقعہ کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ضرور تا کیا گیا تھا۔ آگے جو روایات آ رہی ہیں ان سے اس بات کی تائید بھی ہوتی ہے اور تردید بھی ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ بات قابل غور ہی رہتی ہے۔

مصعبؓ ابن عمیر کا کفن...... حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف سے روایت ہے کہ احد کے دن مصعب ابن عمیر قتل ہوئے اور ان کو کفن کیلئے ایک اتنا چھوٹا ادنیٰ کپڑا میسر آیا کہ اگر سر ڈھکتے تھے تو پیر کھل جاتے تھے اور اگر پیر ڈھکتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ وہ قتل ہوئے تو ان کے پاس صرف ایک اونی چادر (نمرۃ) ملی جس سے ان کی لاش کے پاؤں ڈھکے تو سر کھل گیا۔ یہ دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"اس کپڑے سے سر ڈھانپ دو اور پیروں پر چھال اور پھونس ڈال کر ڈھک دو!"

مصعب اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد...... یہ حضرت مصعب ابن عمیر اسلام قبول کرنے سے پہلے مکے کے بڑے شوقین مزاج نوجوانوں میں سے تھے۔ یہ ایک خوبصورت جوان رعنا تھے اور ہمیشہ نہایت عمدہ اور بہترین لباس پہنا کرتے تھے جو خوشبوؤں سے مہکتا رہتا تھا۔ پھر جب یہ مسلمان ہوگئے تو شوقین مزاجی ختم کر کے نہایت سادہ اور پراگندہ حال رہنے لگے۔

مصعب کا زھد اور خوف خدا...... حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کے متعلق روایت ہے کہ ایک دن وہ روزے سے تھے افطار کے وقت ان کے سامنے کھانا لایا گیا وہ کھانے کو دیکھ کر کہنے لگے۔

"مصعب ابن عمیر قتل ہوگئے جو مجھ سے کہیں بہتر انسان تھے مگر ان کو ایک چھوٹی سی چادر (بردۃ) کے سوا کفن بھی میسر نہ آیا جس سے سر ڈھانکتے تھے تو پاؤں کھل جاتے جاتے تھے پاؤں ڈھانکتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔ اور ہمارے سامنے اتنی دنیا پھیلی ہوئی ہے اتنی نعمتیں چنی ہوئی ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں ہمارے لئے یہ سب نعمتیں آخرت کے بجائے اس دنیا ہی میں نہ پوری کر دی جائیں!"

اس کے بعد وہ زار و قطار رونے لگے اور کھانا واپس کر دیا۔

مشترک کفن اور مشترک قبریں...... حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ غزوہ احد کے موقعہ پر میں نے کہا کہ کپڑے موجود نہیں اور شہید اتنے ہیں۔ آخر ایک ایک کپڑے میں دو دو اور تین تین لاشوں کو لپیٹ کر ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے حمزہ کی لاش دیکھ کر فرمایا:

چچا کی بیکسی پر آنحضرت ﷺ کے شدید جذبات...... "اگر صفیہ اور خاندان کی دوسری عورتوں کے صدمہ اور غم کا خیال نہ ہوتا ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ صفیہ اس بات کو بہت زیادہ محسوس کرے گی اور یہ کہ کہیں میرے بعد لوگ اس بات کو سنت نہ بنالیں۔ تو ہم حمزہ کی لاش کو دفن بھی نہ کرتے بلکہ یوں چھوڑ دیتے یہاں تک کہ حشر کے دن پرندوں اور درندوں کے پیٹ میں سے نکل کر حق تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوتے۔ ایک روایت میں ہے کہ۔ یہاں تک کہ جنگلی جانور ان کو کھا لیتے اور حشر کے دن وہ ان کے پیٹ سے برآمد ہو کر خدا کے سامنے حاضر ہوتے تاکہ ان لوگوں پر حق تعالیٰ کا غضب سخت ہو جاتا جنہوں نے ان کی لاش کی یہ بے حرمتی کی ہے!"

حمزہ اور دوسرے شہیدوں کی نماز...... پھر آنحضرت ﷺ نے ان کی نماز پڑھی اور چار تکبیرات کہیں۔ اس کے بعد دوسرے صحابہ کی لاشیں لا کر حضرت حمزہؓ کے برابر ایک کے بعد ایک رکھی جاتی رہیں اور آپ نے حضرت حمزہؓ کے ساتھ ہر

ایک کی نماز پڑھی۔ پھر وہ لاش ہٹادی جاتی اور دوسری لاش حضرت حمزہ کے برابر رکھ لی جاتی۔ اس طرح آپ نے ہر ایک کی نماز پڑھی اور ہر نماز میں حضرت حمزہ کو شریک رکھا۔ اس طرح گویا حضرت حمزہ پر آپ نے ٧٢ نمازیں پڑھیں ایک روایت میں بانوے نمازوں کا ذکر ہے مگر یہ غریب روایت ہے۔ اس طرح ستر والی روایت ضعیف ہے۔ پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ احد میں جو صحابہ شہید ہوئے ان کی کل تعداد ٧٢ تھی اور دوسری روایت کے مطابق ٩٢ تھی۔

پیچھے بیان ہوا کہ حضرت حمزہ کے برابر ایک کے بعد ایک لاش رکھی جاتی رہی۔ مگر یہ بات حضرت انسؓ اس گزشتہ روایت کے خلاف ہے کہ ایک ایک کفن میں دو دو اور تین تین لاشیں کفنائی گئیں یہ بات قابل غور ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے دس دس شہیدوں پر نمازیں پڑھیں۔ یعنی نو لاشیں دوسروں کی لائی جاتی اور دسویں حضرت حمزہؓ کی ہوتی تھی اور آپ سب کی مشترک نماز پڑھتے تھے۔ پھر وہ نو لاشیں ہٹادی جاتیں اور حضرت حمزہ کی لاش وہیں رہتی اس کے بعد پھر دوسری نو لاشیں حمزہ کے برابر رکھ دی جاتیں اور آپ حمزہ سمیت سب کی نماز پڑھتے۔ اس طرح آپ نے سات بار کیا۔ اس حساب سے کل لاشیں ٦٣ بنتی ہیں۔ شہداء احد کی تعداد پر آگے گفتگو آرہی ہے۔

ایک قول ہے کہ ان جنازوں پر آپ نے نوبار' سات بار اور پانچ بار تکبیرات کہیں یعنی جب کہ اس سے پہلے آپ نے تنہا حضرت حمزہؓ پر چار تکبیرات کہی تھیں۔ بہر حال یہ بات گذشتہ قول کے خلاف نہیں ہے مگر مجھے یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ آپ نے کتنی مرتبہ میں تکبیرات کہی تھیں جیسا کہ گذشتہ سطروں میں اس کا ذکر ہوا ہے۔

کیا شہداء احد کی تجہیز و تکفین اور نماز نہیں ہوئی؟...... ایک حدیث میں ہے کہ غزوہ احد کے شہیدوں کو نہ تو غسل دیا گیا اور نہ ان کی نماز پڑھی گئی۔ ان کا جو کفن تھا وہ بھی صرف وہی کپڑے تھے جن میں وہ شہید ہوئے تھے' یعنی سوائے چمڑے کی چیزوں کے (جیسے ڈھال وغیرہ لباس)۔ یہ بات آگے آنے والی روایت کی بنیاد پر کی گئی ہے۔ جہاں تک ان میں سے بعض کے جسموں کے کھلے ہوئے حصوں کو چھال وغیرہ ڈھک کر چھپایا گیا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اب اس حدیث کی روشنی میں کہا جائے گا کہ حضرت حمزہ کی تکفین ان کی چادر (نمرۃ سے) اور حضرت مصعبؓ ابن عمیر کی تکفین ان کے کپڑے (بردۃ) سے ضرورت کے مد میں نہیں کی گئی جیسا کہ گزشتہ سطروں میں عبدالرحمٰنؓ ابن عوف اور انسؓ کی روایتوں میں کہا گیا ہے۔

علامہ مغلطائی نے کہا ہے کہ حضرت حمزہ اور دوسرے شہیدوں کو بغیر غسل دیئے ان پر نماز پڑھی گئی تھی اور یہ بات کہ ان شہیدوں کو بغیر غسل دیئے ہی دفنایا گیا ایسی ہے جس میں ایک آدھ کے سوا سب ہی علماء کا اجماع اور اتفاق ہے اختلاف کرنے والے حضرات بعض تابعین ہیں۔ مگر یہ بات یقیناً قابل غور ہے۔

ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں نے فرشتوں کو دیکھا کہ وہ حمزہ کو غسل دے رہے ہیں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ دیکھنا خواب کی بات تھی چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت قابل غور بن جاتی ہے کہ جب حضرت حمزہ شہید ہوئے تو وہ جنبی تھے یعنی ان کو غسل کی حاجت تھی اس لئے رسول اللہ ﷺ نے یہ بات فرمائی تھی کہ میں نے فرشتوں کو انہیں غسل دیتے دیکھا۔ (یعنی اس تفصیل کے بعد اب آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کو خواب کی بات سمجھنا مناسب نہ ہوگا)۔ لیکن بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس راوی نے حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت نقل کی اس نے غلطی سے حنظلہ کے بجائے حمزہ کہہ دیا (کیونکہ حضرت حنظلہؓ کے بارے میں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ

شہادت کے وقت وہ جنبی تھے)۔

شیر خدا کے قاتل وحشی...... حضرت حمزہ کے قاتل وحشی بعد میں مسلمان ہوگئے تھے، فتح مکہ کے وقت جب مکہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا تو یہ وحشی مکے سے فرار ہو کر طائف چلے گئے تھے پھر جب طائف کے لوگ مسلمان ہونے کیلئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وحشی بھی ان کے ساتھ مسلمان ہونے کے لئے آئے۔

لہو پکارے گا آستین کا...... ایک قول ہے کہ مسلمان ہونے سے پہلے اور مکے سے فرار ہونے کے بعد وحشی کی زندگی اجیرن ہوگئی تھی اور دنیا ان کے لئے تنگ تھی۔ اس وقت ان سے کسی نے کہا۔

"تم عجیب آدمی ہو۔ خدا کی قسم جو شخص محمد ﷺ کے دین میں داخل ہو جاتا ہے اس کو وہ قتل نہیں کرتے!"

وحشی کا اسلام اور آنحضرت ﷺ سے ملاقات...... وحشی کہتے ہیں کہ پھر آنحضرت ﷺ سے میرا سامنا صرف ایک ہی دفعہ ہوا تھا جب کہ میں نے آپ کے پاس کھڑے ہو کر حق و صداقت کی شہادت دی آپ نے پوچھا تم ہی وحشی ہو۔ پھر دریافت کیا کہ تم نے حمزہ کو کیسے قتل کیا تھا؟ میں نے آپ کو وہ واقعہ بتلایا، تو آپ نے فرمایا۔

"تیرا برا ہو۔ میرے سامنے سے دور ہو جا۔ میں تجھے دیکھنا نہیں چاہتا"۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ "مجھے اپنی صورت مت دکھانا!"

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے تین مرتبہ میرے منہ پر تھوکا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے زمین پر تھوکا۔ اس وقت آپ سخت غصے میں تھے پھر وحشی یہاں سے نکل کر ملک شام کو چلے گئے۔

حمزہ کا قاتل اور فطرت کا انتقام...... حضرت عمرؓ کی خلافت سے زمانے میں وحشی کو برابر شراب پینے کے جرم میں شرعی سزا دی جاتی رہی یہاںتک کہ دیوان خلافت (یعنی مجاہدوں کے رجسٹر) سے ان کا نام ہی کاٹ دیا گیا، حضرت عمرؓ نے انکے متعلق فرمایا:

"میں جانتا تھا اللہ تعالیٰ حمزہ کے قاتل کو یوں ہی نہیں چھوڑے گا"۔

یعنی حمزہ کے قاتل کو مصیبتوں میں مبتلا کئے بغیر نہیں چھوڑے گا۔ ظاہر ہے ان پر شراب پینے کے جرم میں بار بار حد یعنی شرعی سزا جاری ہونا اور دیوان مجاہدین سے ان کا نام کاٹ دیا جانا ابتلاء اور مصیبت کی بدترین قسم ہے حق تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔

علامہ دار قطنی نے اپنی صحیح میں حضرت سعید ابن مسیّب کی روایت بیان کی ہے جو کہا کرتے تھے کہ مجھے تعجب ہوتا تھا کہ حمزہ کا قاتل کیسے مصیبتوں و ابتلاؤں سے نجات پائے گا۔ آخر مجھے خبر ملی کہ وہ شراب کے نشے میں ڈوبا ہوا مر گیا۔ ظاہر ہے گزشتہ سطروں میں جس ابتلاء و مصیبت کا بیان ہوا ہے یہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔

ابن جحش کی لاش ان کی آرزو کے مطابق...... "غزوہ احد میں جن صحابہ کی لاشوں کو مثلہ کیا گیا ان میں حضرت عبداللہ ابن جحش بھی شامل ہیں اور یہ بات ان کی دعا کے مطابق تھی جو وہ اپنے لئے کیا کرتے تھے چنانچہ غزوہ احد سے ایک دن پہلے انہوں نے یوں دعا کی تھی:

"اے اللہ! کل کسی نہایت بہادر اور طاقتور آدمی کو میرا مقابل بنا دینا جو مجھے قتل کرے۔ پھر میری لاش اٹھا کر میری ناک کاٹے اور میری ناک کاٹے اور میرے کان کاٹے اور پھر جب قیامت میں تیرے روبرو حاضر ہوں تو تو مجھ سے فرمائے کہ۔ اے عبداللہ! تیری ناک اور کان کس وجہ سے کاٹے گئے؟ تو میں کہوں کہ تیری اور تیرے رسول کی وجہ سے۔ اور اس وقت حق تعالیٰ

کا ارشاد ہو کہ۔ تو نے سچ کہا!"

موت کی تمنا کب ناجائز ہے؟...... (قال) موت کی تمنا کرنا اگرچہ ناجائز ہے مگر یہ تمنا اس میں شامل نہیں ہے جس کی ممانعت کی گئی ہے کیونکہ موت کی جو تمنا ناجائز ہے وہ یہ ہے کہ کسی آفت یا بیماری سے گھبرا کر آدمی موت کی دعائیں مانگنے لگے۔ یہ بات قابل غور ہے۔

ابن جحش کی تلوار ایک معجزہ نبوی...... ایک حدیث میں آتا ہے کہ غزوہ احد میں حضرت عبداللہ ابن جحش کی تلوار ٹوٹ گئی تھی آنحضرت ﷺ نے ان کو کھجور کی ایک ٹہنی دی جوان کے ہاتھ میں پہنچ کر ایک آبدار تلوار بن گئی۔ اس تلوار کا نام انہوں نے "عرجون" رکھ دیا تھا (کیونکہ عربی میں ٹہنی کو عرجون کہتے ہیں) یہ عبداللہ اور ان کے خالو حضرت حمزہ ایک ہی قبر میں دفن کئے گئے۔ حضرت حمزہ ان کے خالو اس لئے تھے کہ حضرت عبداللہ کی والدہ امیمہ عبدالمطلب کی بیٹی اور آنحضرت ﷺ کی پھوپھی تھیں، عبداللہ ابن جحش کا قاتل ابوالحکم ابن اخنس ابن شریق تھا۔ یہ ابوالحکم خود بھی اسی غزوہ احد میں کفر کی حالت میں قتل ہوا۔

ابن عمرو اور ابن جموح ایک قبر میں...... پھر آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ عبداللہ ابن عمرو اور عمرو ابن جموح کو ایک ہی قبر میں دفن کیا جائے۔ یہ عبداللہ ابن عمرو حضرت جابر کے والد تھے اور یہ عمرو ابن جموح حضرت جابرؓ کی پھوپھی کے شوہر تھے۔ آپ نے ان دونوں کو ایک قبر میں دفن کئے جانے کا حکم ان کی آپس کی محبت و تعلق کی وجہ سے دیا تھا۔

ابن عمرو کا خون شہادت...... ان عبداللہ ابن عمروؓ کے چہرے پر زخم آیا تھا جس وقت اس زخم کی وجہ سے ان کا دم آخر ہوا تو ان کا ہاتھ اس زخم کے اوپر رکھا ہوا تھا چنانچہ جب ان کی لاش اٹھائی گئی تو ان کا ہاتھ چہرے سے ہٹایا گیا مگر ہاتھ کے ہٹتے ہی پھر خون جاری ہو گیا اس پر ہاتھ کو پھر اسی جگہ رکھ دیا گیا تو خون رک گیا۔

کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ احد کے علاقہ میں زبردست سیلاب آیا جس کی وجہ سے حضرت عبداللہ ابن عمرو اور حضرت عمرو ابن جموح کی قبل کھل گئی (یعنی پانی کے زور سے مٹی بہہ گئی اور لاشیں سامنے آگئیں۔ یہ واقعہ غزوہ احد کے ایک طویل مدت کے بعد کا ہے مگر ان کی لاشیں دیکھی گئیں تو ایسی نکلیں کہ ان میں کوئی فرق یا تغیر نہیں ہوا تھا اور ایسا لگتا تھا جیسے کل ہی دفن کی گئی ہیں۔ (حضرت عبداللہ ابن عمرو کا ہاتھ اسی طرح ان کے چہرے کے زخم پر رکھا ہوا تھا) اس وقت کسی نے ان کا ہاتھ چہرے سے ہٹا کر برابر میں رکھا مگر جیسے ہی چھوڑا ہاتھ پھر چہرے پر جا کر رک گیا۔ یہ واقعہ غزوہ احد کے چھیالیس سال بعد کا ہے۔

چالیس سال بعد شہداء احد کے ترو تازہ لاشیں...... حضرت جابر ابن عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ۔ امیر معاویہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں میدان احد میں شہداء احد کی قبروں کے درمیان نہر کھدوانے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے مردے وہاں موجود قبروں میں سے نکال کر دوسری جگہ دفن کر دیں۔ چنانچہ ہم روتے ہوئے اپنے مقتولوں کی قبروں پر پہنچے جب ہم نے قبروں میں سے لاشوں کو نکالا تو وہ بالکل ترو تازہ اور ملائم تھیں جن کے جسم کے تمام جوڑ نرم تھے۔ یہ واقعہ احد کے پورے چالیس سال بعد کا ہے۔

(پیچھے جو ایک روایت گزری ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کی قبر سیلاب کی وجہ سے کھل گئی تھی اور جب ان کے چہرے پر ان کا ہاتھ ہٹا کر الگ رکھا گیا تو وہ دوبارہ اپنی جگہ پہنچ گیا۔ اس کے بارے میں یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ کچھ وقت گزر جانے کے بعد مردہ کا جسم سخت جاتا ہے اور پھر لاش کے اعضاء جس حالت میں ہوتے ہیں اسی طرح رہتے ہیں لہٰذا اگر چھیالیس سال بعد ان کا ہاتھ ہٹانے کی کوشش کی گئی اور وہ دوبارہ اپنی جگہ پہنچ گیا تو یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے کیونکہ جسم سخت ہو چکا تھا۔ لیکن اس روایت

کے بعد یہ شبہ باقی نہیں رہتا اور اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ بات غیر معمولی اور قدرت خداوندی کا مظاہرہ تھی کیونکہ شہداء احد کے جسم سڑے نہیں تھے بلکہ چالیس سال گزر جانے کے باوجود بھی تروتازہ اور ملائم تھے)۔

غالباً یہ واقعہ اور اس سے پہلا سیلاب والا واقعہ علامہ سہیلی کے اس قول کے خلاف نہیں جس میں ہے کہ یہ بات غزوہ احد کے تیس سال بعد کی ہے (کیونکہ ہو سکتا ہے یہاں صرف تخمینی مدت بتلائی گئی ہو)۔

اسی میں حضرت حمزہؓ کی لاش میں یعنی پاؤں میں کدال لگ گئی تو اس سے خون جاری ہو گیا (یعنی جسم اسی طرح تروتازہ تھا جیسے زندہ انسان کا جسم ہوتا ہے حتیٰ کہ خون بھی خشک نہیں ہوا تھا اور اس طرح شریانوں میں رواں تھا کہ ذرا سی خراش پر زندہ جسم کی طرح خون بہنے لگتا تھا) نیز یہ کہ اس وقت جب یہ قبریں کھول کر لاشوں کو وہاں سے منتقل کیا گیا تو ان شہداء کی قبروں سے ایسی خوشبو پھوٹ رہی تھی جیسی مشک و عنبر کی خوشبو ہوتی ہے۔

وہ لوگ جن کی لاشیں خراب نہیں ہوتیں...... ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ یہ واقعہ غزوہ احد کے تقریباً پچاس سال بعد کا ہے اور جب کہ مدینے کی مٹی بھی اس قدر شور ہے کہ پہلی ہی رات میں لاش میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔ (ی) اس تروتازگی کی وجہ یہ ہے کہ زمین ان شہیدوں کے جسم کو بھی اسی طرح نہیں کھاتی جو کسی غزوہ یا جنگ میں قتل ہوئے ہوں جیسے نبیوں کے جسموں کو نہیں کھاتی۔ نیز بعض علماء نے ایسے لوگوں میں قرآن پاک کے قاری، عالم اور مؤذن کو بھی شامل کیا ہے۔ موذن کے متعلق طبرانی میں پیش کردہ ایک حدیث سے تائید ہوتی ہے جسے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے روایت کیا ہے کہ پابندیٔ وقت کے ساتھ اذان کہنے والے شخص کا درجہ ایسا ہی ہے جیسے اپنے خون میں لت پت شخص یعنی جہاد میں قتل ہونے والے شہید کا درجہ ہے کہ قبر میں اس کی لاش گلتی اور سڑتی نہیں یعنی اس کو کیڑے نہیں کھاتے۔ ایسے لوگوں کو شیخ تتائی مالکی نے اپنے ان شعروں میں نظم کیا ہے۔

لاتاکل الارض جسما للنبی ولا
لعالم و شہید قتل معترک

ترجمہ: زمین کسی بھی نبی کے جسم کو نہیں کھاتی اور نہ ہی کسی عالم اور ایسے شہید کے جسم کو کھا سکتی ہے جو جہاد اور معرکہ میں قتل ہوا ہو۔

ولا لقاری قرآن و محتسب
اذانہ لالہ مجری الفلک

ترجمہ: نہ ہی قاری قرآن اور وقت پر اذان دینے والے موذن کے جسم کو کھاتی ہے جو اوقات کی رعایت سے اذان کہتا ہے۔

خارجہ اور ابن ربیع کی مشترک قبر...... اسی طرح حضرت خارجہ ابن زید اور حضرت سعد ابن ربیع ایک قبر میں دفن کئے گئے کیونکہ یہ ان کے چچازاد بھائی تھے۔ یعنی زید ابن خارجہ وہی ہیں جنہوں نے مرنے کے بعد کلام کیا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت خارجہؓ پر چاروں طرف سے نیزوں سے حملہ ہوا جس سے ان کے جسم پر دس بارہ زخم آئے اور یہ گر پڑے۔

خارجہ کے قتل پر صفوان کا اطمینان...... جب یہ زخمی حالت میں پڑے ہوئے تھے ان کے پاس سے صفوان ابن امیہ ابن خلف گزرا اس نے ان کو پہچان لیا اور فوراً ہی ایک وار کر کے ان کو ختم کر دیا۔ پھر اس نے کہا۔

"اب میری تسلی ہوئی ہے جب کہ میں نے محمد ﷺ کے ساتھیوں میں سے اپنے برابر کے ایک آدمی کو مار دیا۔ میں نے خارجہ ابن زید کو قتل کیا، میں نے اوس ابن ارقم کو قتل کیا اور میں نے ابونوفل کو قتل کیا!"

کشادہ اور گہری قبریں بنانے کی ہدایت...... اسی طرح حضرت نعمان ابن مالک اور بنی حسحاس کے غلام کو ایک قبر میں دفن کیا گیا۔ کہیں ایک ہی قبر میں تین تین شہیدوں کو بھی دفن کیا گیا۔ آنحضرت ﷺ شہیدوں کی تدفین کے وقت قبر کھودنے والوں سے فرماتے جاتے تھے۔

"قبریں کھودو اور انہیں کشادہ بناؤ اور خوب گہری بناؤ!"

لحد میں حافظ قرآن کو آگے رکھنے کا حکم...... اسی طرح دفن کے وقت آپ ارشاد فرماتے۔

"دیکھو ان میں (یعنی ایک قبر میں دفن ہونے والوں میں) قرآن پاک جس کو یاد ہو اسے قبر یعنی لحد میں آگے رکھو!"

لاشوں کو مدینے سے احد واپس لانے کا حکم...... (یعنی اس کو قبلہ رو کر دو اور دوسرے کو اس کے پیچھے کر دو) بعض لوگ اپنے مقتولوں کو مدینے لے گئے تھے مگر آپ نے ان کی واپسی کا حکم دیا تاکہ ان کو وہیں دفن کیا جائے جہاں وہ قتل ہوئے ہیں۔

کیا میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکتا ہے؟...... اسی بات سے ہمارے شافعی علماء نے یہ دلیل حاصل کی ہے کہ مردے کو دفن سے پہلے اس کے مرنے کی جگہ سے ایسی جگہ منتقل کرنا حرام ہے جو اس جگہ یا بستی کے قبرستان سے زیادہ دور جگہ ہو۔

میت کو مکے مدینے اور بیت المقدس (یروشلم) منتقل کیا جا سکتا ہے...... یہاں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ شافعی علماء نے ہی یہ بھی کہا ہے کہ لیکن اگر وہ جگہ جہاں وہ شخص مرا ہے مکے یا مدینے یا بیت المقدس سے قریب ہو تو مردے کو وہاں لے جا کر دفن کرنا جائز ہے (لیکن غزوہ احد کے شہیدوں کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیا حالانکہ وہ مدینہ منورہ سے بالکل قریب تھے) اس بات کے لئے امام شافعی نے دلیل بھی دی ہے۔

اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ یہ مسئلہ کہ مردے کو مکے مدینے اور بیت المقدس لے جا کر دفن کیا جا سکتا ہے صرف ان لوگوں کے لئے مخصوص ہے جو شہید نہ ہوں لیکن شہید کے لئے یہی افضل ہے کہ اسے وہیں دفن کیا جائے جہاں وہ قتل ہوا ہے چاہے وہ جگہ مکے وغیرہ کے قریب ہی کیوں نہ ہو۔ شافعی علماء میں سے بعد کے علماء نے اس مسئلے کے سلسلے میں یہی تحقیق پیش کی ہے اور یہاں یعنی غزوہ احد کے شہیدوں کی تدفین سے یہی بات ثابت ہوتی ہے۔

مشترک قبرستان کا مسئلہ...... اسی طرح ایک قبر میں دو دو اور تین تین لاشوں کو دفنانے کے متعلق بھی کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے جو ہمارے یعنی شافعی فقہاء کے اس قول سے پیدا ہو سکتا ہے جس میں انہوں نے ایک قبر میں دو مردے دفنانے کی حرمت بیان کی ہے چاہے وہ باپ اور بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ مگر یہ مسئلہ اس صورت میں ہے کہ ضرورتاً ایسا کیا جائے لیکن جہاں بہت سے مردے ہوں تو ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ قبریں کھودنا مشکل ہوگا اس لئے ایسی حالت میں یہ بات جائز ہے۔

پھر میں نے سیرت کی بعض کتابیں دیکھیں جن میں ہے کہ یہ بات صحیح بخاری سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک ہی قبر میں دو دو اور تین تین مردوں کو دفن کرا رہے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کے لئے یہ رعایت اس لئے فرمائی تھی کہ اگر ہر مردہ کے لئے علیحدہ علیحدہ قبر کھودیں گے تو ان کو زحمت اور تکلیف ہوتی۔

ایک روایت میں ہے کہ کچھ لوگ اپنے مقتولوں کو میدان احد سے مدینہ منورہ لے گئے اور وہاں ان کو دفن کر دیا اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اعلان کرنے والے نے آ کر کہا کہ مقتولوں کو ان کے مقتلوں میں واپس لے جاؤ (یعنی اعلان کرنے والا اس وقت پہنچا جب کہ لوگ مقتولوں کو دفن کر چکے تھے) صرف ایک لاش ایسی باقی تھی جو اس وقت تک دفن نہیں

کی گئی چنانچہ اس لاش کو واپس احد لے جایا گیا اور جو دفن ہو چکی تھیں ان کو چھوڑ دیا گیا۔

آنحضرت ﷺ شہداء احد کے گواہ..... جب آنحضرت ﷺ غزوہ احد کے شہیدوں کے پاس آکر کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا:

"میں ان سب کا گواہ ہوں، جو زخم بھی کسی کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں لگا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس زخم کو دوبارہ اس حالت میں پیدا فرمائیگا کہ اس کا رنگ خون کے رنگ کا سا ہو گا اور اس کی خوشبو مشک جیسی ہو گی"۔

اس روایت میں زخم کیلئے جرح کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور ایک دوسری روایت جو اسی مضمون کی ہے اس میں زخم کے لئے جرح کے بجائے کلم کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

وہ شہیدان وفا یہ طائران خوشنوا...... حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تمہارے جو بھائی غزوہ احد میں شہید ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے جسموں میں ڈال دی ہیں جو جنت کی نہروں میں آکر اترتے ہیں، جنگ کے پھل کھاتے ہیں اور سونے کی ان قندیلیوں پر بسیرا کرتے ہیں جو عرش کے سائے میں لٹکی ہوئی ہیں! جب وہ شہید اپنے بہترین مشروبات اور بہترین کھانے اور بہترین کلام دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں:

"کاش ہمارے بھائی (یعنی دنیا والے) جانتے کہ حق تعالیٰ نے ہم پر کیسے کیسے انعام فرمائے ہیں تاکہ وہ جہاد سے جی نہ چرائیں اور جنگ سے نہ بچیں"۔

اس پر حق تعالیٰ ان سے فرماتے ہیں کہ "تمہاری طرف سے یہ بات ان تک میں پہنچادوں گا"۔

چنانچہ حق تعالیٰ نے اپنے رسول پر یہ آیت نازل فرمائی۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ (۴ آل عمران ۱۶۹/۷)

اور اے مخاطب جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں ان کو مردہ مت خیال کر بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں ان کو رزق بھی ملتا ہے۔

شہید اُحد ابو جابر سے کلام خداوندی:..... غرض غزوہ احد میں قتل ہونے والے صحابہ میں حضرت ابو جابرؓ بھی ہیں جیسا کہ بیان ہوا۔ اس موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے بیٹے جابر سے فرمایا:

"اے جابر! کیا میں تمہیں ایک بات نہ بتلادوں؟ کہ اللہ تعالیٰ جب بھی کسی سے (یعنی کسی شہید سے) کلام فرماتا ہے تو حجاب اور پردوں میں سے کلام فرماتا ہے مگر اس ذات حق نے تمہارے باپ سے روبرو کلام کیا اور فرمایا۔ مجھ سے کچھ سوال کر میں تجھے عطا کروں گا۔ انہوں نے عرض کیا۔ میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ میں پھر دنیا میں لوٹا دیا جاؤں تاکہ وہاں پہنچ کر میں ایک بار پھر تیری راہ میں قتل ہو سکوں۔

حق تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا یہ میری عادت کے خلاف ہے کہ مردوں کو دوبارہ دنیا میں لوٹاؤں۔ انہوں نے عرض کیا! اے پروردگار! تو جو لوگ میرے پیچھے یعنی دنیا میں باقی ہیں ان تک یہ پہنچادے (کہ ہمیں یہاں کیسے کیسے انعامات سے نوازا جارہا ہے)۔

اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جو پیچھے تحریر ہوئی۔ ولا تحسبن الخ ممکن ہے یہ آیت ایک سے زیادہ بار نازل ہوئی ہو اس لئے اس موجود روایت اور گذشتہ روایت کے درمیان کوئی اختلاف نہیں رہتا۔

باپ کی لاش پر جابرؓ کی بے قراری اور مژدہ رسول ﷺ...... حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جب میرے والد قتل ہوئے تو میں رو رہا تھا اور بار بار والد کے چہرے سے کپڑا ہٹا کر ان کی صورت دیکھتا تھا۔ صحابہ مجھے روکنے اور منع کرنے لگے مگر

آنحضرت ﷺ نے مجھے اس سے منع نہیں کیا۔ پھر آپ نے مجھ سے فرمایا:

"چاہے تو روؤیانہ روؤجب تک ان کی لاش یہاں رکھی ہے فرشتے اپنے پروں سے ان پر سایہ کئے رہیں گے!"

باپ کے بدلے بشیر کے لئے بہترین ماں باپ...... مگر آگے ایک روایت آرہی ہے کہ خود حضرت جابرؓ اس جنگ میں شریک نہیں تھے۔ حضرت بشیر ابن عفراء سے روایت ہے کہ غزوہ احد میں میرے والد شہید ہو گئے تھے اس وقت میں رو رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس سے گزرے۔ آپ نے مجھے روتے دیکھ کر فرمایا۔

"کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ عائشہ تمہاری ماں ہو اور میں تمہارا باپ ہوں!"۔

ایک عورت کی متاع عشق محمد ﷺ...... اسی طرح آنحضرت ﷺ بنی دینار کی ایک عورت کے پاس پہنچے اس عورت کا شوہر' بھائی اور باپ تینوں اس غزوہ میں شہید ہو گئے تھے۔

ایک روایت میں ان تینوں کے علاوہ بیٹے کا بھی ذکر ہے یعنی شوہر' بھائی باپ اور بیٹا چاروں قتل ہو گئے تھے جب لوگوں نے اس کو یہ خبر سنائی تو اس نے فوراً پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے کہا کہ اے تم فلاں تمہاری خوشی کے مطابق خدا کا شکر ہے کہ آنحضرت ﷺ بخیر وعافیت ہیں! اس پر عورت نے کہا:

آنحضرت ﷺ کو مجھے ایک نظر دکھلا دو...... میں آپ کو اپنی آنکھ سے دیکھ لوں۔!

پھر جب اس نے آپ کو دیکھ لیا تو کہا "آپ بخیر ہیں تو اب ہر مصیبت ہیچ ہے"۔ یہاں ہیچ جس لفظ کا ترجمہ کیا گیا ہے وہ جلل کا لفظ ہے اس سے راوی کا مقصد یہی ہے کہ ہر مصیبت غیر اہم ہے۔ اس لفظ کو جس طرح چھوٹی چیز کے لئے بولا جاتا ہے اسی طرح بڑی چیز کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ گویا یہ لفظ اضداد میں سے ہے یعنی دو مخالف معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

نبی کے ہوتے ہوئے باپ بھائی اور شوہر کی موت ہیچ...... ایک روایت یہ ہے کہ یہ عورت اپنے بھائی' باپ' شوہر اور بیٹے کی لاشوں کے پاس پہنچی جو میدان میں پڑی ہوئی تھیں (چونکہ اس عورت کے تقریباً سب ہی گھر والے کام آچکے تھے (اس لئے) یہ جب بھی کسی لاش کے متعلق پوچھتی کہ یہ کون ہے تو معلوم ہوتا کہ یہ اس کا بھائی ہے یا شوہر ہے یا باپ ہے اور یا بیٹا ہے مگر ان جوابات پر وہ متاثر نہیں ہوتی تھی بلکہ دریافت کرتی تھی کہ آنحضرت ﷺ کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے کہا کہ وہ تمہارے سامنے آرہے ہیں۔ اسی وقت وہ آپ کے پاس پہنچی اور آپ کا دامن پکڑ کر کہنے لگی:

"یارسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ جب ہر مصیبت سے محفوظ ہیں تو اب مجھے کسی بات کی پرواہ نہیں ہے!"

نکلی ہوئی آنکھ پر آنحضرت ﷺ کی مسیحائی...... غزوہ احد میں حضرت قتادہ ابن نعمان کی آنکھ میں زخم آیا یہاں تک کہ آنکھ نکل کر باہر لٹک گئی۔ لوگوں نے اس کو کاٹ ڈالنا چاہا اور اس بارے میں آنحضرت ﷺ سے پوچھا۔ آپ نے فرمایا نہیں (کاٹو مت) پھر آپ نے حضرت قتادہؓ کو اپنے پاس بلایا اور ان کی آنکھ اپنے دست مبارک میں لے کر ہتھیلی سے اس کی جگہ پر رکھ دی۔ اور یہ دعا پڑھی:

اللھم اکسہ جمالاً۔ اے اللہ! اس آنکھ کو ان کے حسن وخوبصورتی کا ذریعہ بنادے!"

چنانچہ یہ آنکھ دوسری سے بھی زیادہ خوبصورت اور قدرتی نظر آتی تھی اور اس کی بینائی بھی دوسری آنکھ سے زیادہ تیز اور صاف تھی۔ اس کے بعد جب کبھی حضرت قتادہؓ کو آشوب چشم کی تکلیف ہوتی تو وہ دوسری آنکھ میں ہی ہوتی تھی اس آنکھ میں کبھی کوئی تکلیف نہ ہوئی۔

آنکھ جاتے رہنے پر قتادہ کا ملال...... حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ احد کے دن آنحضرت ﷺ پر جو تیر اندازی ہو رہی تھی تو میں نے آپؐ کے چہرے کو بچانے کے لئے اپنا چہرہ آپ کے سامنے کر رکھا تھا آخری تیر جو آپ کے لئے چلایا گیا تو وہ میری آنکھ میں آکر لگا۔ میں نے اسے اپنے ہاتھ سے پکڑ کر کھینچ لیا تھا۔ پھر میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

''یارسول اللہ! میں اپنی بیوی سے زیادہ محبت کرتا ہوں اور مجھے ڈر ہے کہ وہ اس حال میں دیکھ کر مجھ سے نفرت کرے گی!''

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''اگر تم چاہو تو صبر کرو جس کے بدلے میں تمہیں جنت ملے گی اور چاہو تو میں اسے اس کی جگہ رکھ دوں۔ (جس سے یہ اصلی حالت پر آجائے گی) اور تمہارے لئے دعا کروں''۔

حضرت قتادہ نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! جنت بڑی زبردست جزا اور ایک عظیم انعام ہے جب کہ میں عورتوں کی محبت میں ڈوبا ہوا ہوں۔ اب میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے کانا کہیں گی اور مجھے منہ نہیں لگائیں گی۔ آپ میری آنکھ اصلی حالت پر لوٹا دیجئے اور اللہ تعالیٰ سے میرے لئے جنت کی دعا فرمایئے!''

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کی آنکھ اصلی حالت پر لوٹا دی اور ان کے لئے جنت کی دعا فرمائی۔

نبی کا دست شفا...... حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ان کی آنکھ پھوٹی ہوئی اور نکلی ہوئی دیکھی تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ آپ نے اسی وقت دعا فرمائی:

''اے اللہ! قتادہ کو عافیت عطا فرمایئے جیسے اس نے اپنے چہرے کے ذریعہ تیرے نبی کے چہرے کو بچایا۔ پس اس کی آنکھ کو بہتر بنادے اور اس کی بینائی کو پہلے سے بھی زیادہ تیز فرمادے!''

یہ دعا آپ نے حضرت قتادہ کی آنکھ کو اپنی ہتھیلی سے اس کی جگہ رکھنے کے بعد فرمائی۔ اسی واقعہ کی طرف قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے اور آپ کی مبارک ہتھیلی کا وصف بیان فرمایا ہے۔

واعادت علی قتادة عینا
فهی حتی مماته النجلاء

آپ کی ہتھیلی نے حضرت قتادہ کی وہ آنکھ دوبارہ اس کی اصلی حالت پر لوٹا دی اور پھر وہ ایسی تیز ہوئی کہ پہلے سے بھی زیادہ تیز نہیں تھی۔

ایک غریب روایت ہے جس میں حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ میری دونوں آنکھیں زخمی ہو کر حلقوں سے باہر نکل آئی تھیں جس پر میں آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور آپ نے ان کو اصلی حالت پر لوٹا دیا۔ انہیں ان کی جگہ رکھنے کے بعد آپ نے ان پر اپنا لعاب دہن ڈالا اور وہ دونوں چمکنے لگیں۔

اس روایت میں دونوں آنکھوں کا ذکر ہے۔ ابن حجر ہیثمی نے ان میں موافقت پیدا کرتے ہوئے کہا ہے کہ کسی راوی نے یہ سمجھا کہ ان کی ایک آنکھ گئی تھی اور کسی راوی نے یہ سمجھا کہ دونوں آنکھیں نکل گئی تھیں۔ لہٰذا دونوں نے اپنے اپنے علم کے مطابق روایت بیان کر دی۔ اب محدثین کا اصول یہ ہے کہ جو راوی زیادہ ثقہ اور قابل اعتبار ہوتا ہے اس کی روایت قبول کر لیتے ہیں اور دوسری کو چھوڑ دیتے ہیں۔ یہاں تک علامہ ہیثمی کا کلام ہے یہ بات قابل غور ہے۔

ایک اور زخمی کی معجزانہ مسیحائی...... اسی طرح حضرت کلثوم ابن حصین کی گردن میں ایک تیر آکر پیوست ہو گیا وہ فوراً

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اس زخم پر اپنا لعاب دہن ڈالا جس سے وہ زخم اسی وقت ٹھیک ہو گیا۔

غزوہ احد میں فرشتوں کی شرکت...... (غزوہ بدر کے بیان میں گزرا ہے کہ اس موقعہ پر فرشتے مدد کیلئے بھیجے گئے تھے اور انہوں نے جنگ میں حصہ لیا۔ چنانچہ بہت سے مشرکین کی لاشیں ایسی ملیں جن پر تلواروں وغیرہ کے زخم کے بجائے آگ سے جلنے کے سیاہ نشان تھے) غزوہ احد میں بھی فرشتے نازل ہوئے تھے مگر اس موقعہ پر انہوں نے جنگ میں حصہ نہیں لیا۔

(قال) اس بات کی تائید مجاہد کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ فرشتوں نے غزوہ بدر کے سوا کسی دوسری جنگ میں عملی شرکت نہیں کی۔ مگر حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ میں نے غزوہ احد میں رسول اللہ ﷺ کے دائیں اور بائیں سفید لباس میں دو آدمی دیکھے جو انتہائی شدید انداز میں لڑتے ہوئے آنحضرت ﷺ کا دفاع اور بچاؤ کر رہے تھے ان دونوں شخصوں کو نہ ہم نے پہلے کبھی دیکھا تھا اور نہ بعد میں دیکھا۔ یعنی وہ دونوں حضرت جبرئیلؑ اور حضرت میکائیلؑ تھے۔

شرکت کی نوعیت...... مگر اس روایت سے کوئی اشکال نہیں پیدا ہوتا کیونکہ علامہ بیہقیؒ نے اس بارے میں کہا ہے کہ غزوہ احد میں فرشتوں نے مسلمانوں یعنی عام مجاہدین کا بچاؤ اور دفاع نہیں کیا' لہٰذا اب یہ بات درست ہو جاتی ہے کہ وہ صرف آنحضرت ﷺ کی طرف سے لڑے تھے (تو گویا دونوں روایتیں درست ہیں اور ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے)۔

عبد الرحمٰن ابن عوف کو فرشتوں کی مدد...... اقول۔ مولف کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ فرشتوں کے لڑنے سے مراد صرف یہ ہو کہ وہ آنحضرت ﷺ کا دفاع اور حملوں سے بچاؤ کر رہے تھے (یعنی خود کسی پر حملہ آور ہو کر خون ریزی نہیں کر رہے تھے) مگر اس میں ایک اشکال ہوتا ہے یعنی حضرت حرث ابن صمہ سے ایک روایت ہے کہ جس وقت آنحضرت ﷺ جنگ ختم ہونے کے بعد گھاٹی میں پہنچ گئے تھے تو آپ نے مجھ سے حضرت عبد الرحمٰن ابن عوف کے متعلق پوچھا۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے ان کو پہاڑ کے بازو میں دیکھا تھا آپ نے فرمایا کہ فرشتے ان کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ حضرت حرث کہتے ہیں کہ میں وہاں سے فوراً حضرت عبد الرحمٰنؓ ابن عوف کی طرف آیا تو میں نے دیکھا کہ ان کے سامنے سات لاشیں پڑی ہیں۔ میں نے ان سے کہا۔ "آپ نے کمال کر دیا۔ کیا ان سب کو آپ نے ہی قتل کیا ہے؟"۔

انہوں نے ان لاشوں میں سے دو کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"جہاں تک اس کا اور اس کا تعلق ہے تو ان دونوں کو تو میں نے ہی قتل کیا ہے مگر یہ جو باقی لاشیں ہیں ان کو ان لوگوں نے قتل کیا ہے جن کو میں نے بھی نہیں دیکھا!"

اس پر حضرت حرث نے کہا کہ اللہ اور اسکے رسول نے سچ فرمایا تھا (ی) یہاں فرشتوں کا خاص طور پر حضرت عبد الرحمٰن ابن عوف کیطرف سے لڑنا اس بات کے خلاف نہیں ہے کہ غزوہ بدر میں وہ سب مسلمانوں کیطرف سے لڑے تھے۔

اسلامی پرچم کو فرشتے کا سہارا...... جنگ کے دوران جب حضرت مصعب ابن عمیر شہید ہوئے اور اسلامی پرچم گرنے لگا تو فوراً ہی ایک فرشتے نے جو حضرت مصعبؓ کی شکل میں تھا آکر اسلامی پرچم کو سربلند کر دیا (ی) کیونکہ جب ایک حملہ میں حضرت مصعب کا دایاں ہاتھ کٹ گیا تو انہوں نے پرچم کو بائیں ہاتھ میں سنبھال لیا۔ اس وقت وہ آیت تلاوت کرتے جاتے تھے:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ۔ (الآیہ پ ۴ سورہ آل عمران ع ۱۵ آیت ۱۴۴)

ترجمہ: اور محمد ﷺ نرے رسول ہی تو ہیں آپ سے پہلے اور بھی بہت رسول گزر چکے ہیں۔

مصعب کی زبان پر نزول سے پہلے آیت قرآنی...... اس کے بعد جب ان کا بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا تو انہوں نے پرچم کو

پنے جسم پر سنبھالا اور اسے اپنے سینے سے لگا کر دو پہلو کے سہارے روکے رکھا۔ اس وقت بھی وہ یہی آیت تلاوت کر رہے تھے۔ اس وقت تک یہ آیت نازل نہیں ہوئی تھی بلکہ جب انہوں نے جنگ کے دوران کسی کو یہ کہتے سنا کہ محمد ﷺ قتل ہو گئے تو یانک یہ کلمات ان کی زبان پر جاری ہو گئے۔ پھر یہی کلمات آیت کی صورت میں اس کے بعد اسی روز نازل ہوئے جیسا کہ تاب الدر میں ہے۔ گویا یہ آیت وہ قرآن ہے جو پہلے ہی حق تعالیٰ نے ایک صحابی کی زبان پر جاری فرمادیا تھا۔ اس کے بعد ضرت مصعبؓ شہید ہو گئے۔

یہ بات اس گذشتہ روایت کے خلاف نہیں ہے جس میں گزرا ہے کہ حضرت مصعبؓ آنحضرت ﷺ کی مدافعت میں ڑرہے تھے یہاں تک کہ ان کو ابن قمیہ نے یہ سمجھ کر قتل کر دیا کہ وہ آنحضرت ﷺ ہیں یا یہ کہ ان کو ابی ابن خلف نے قتل کیا تھا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ ابن قمیہ یا ابی ابن خلف نے ان کو اسی حالت میں قتل کیا ہو جو ذکر ہوئی۔ ادھر میں نے بعض روایتوں میں دیکھا ہے کہ حضرت مصعب کو ابن قمیہ نے ہی اس حال کو پہنچا دیا تھا (کہ ان کا ہاتھ کاٹ ڈالا پھر دوسرے پر وار کیا وغیرہ) اور اس کے بعد آخر ان کو قتل کر دیا۔

مصعبؓ کی شکل میں فرشتہ...... آنحضرت ﷺ اس فرشتے سے جس نے مصعب کی شکل میں آکر پرچم سنبھالیا تھا یہ فرما رہے تھے کہ مصعب آگے بڑھو اس وقت وہ فرشتہ آنحضرت ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر بولا کہ میں مصعب نہیں ہوں اس وقت آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ وہ فرشتہ ہے جس کے ذریعہ حق تعالیٰ نے مدد فرمائی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ نے آنحضرت ﷺ کو یہ کہتے سنا کہ مصعب آگے بڑھو تو انہوں نے آپؐ سے کہا کہ یا رسول اللہ! کیا مصعب ابن عمیر قتل نہیں ہو چکے ہیں۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا:

"بے شک! مگر ایک فرشتے نے ان کی جگہ لے لی ہے جو ان ہی کے نام سے پکارا جا رہا ہے!"

یہ بات فرشتے کے اس قول کے خلاف نہیں ہے جو اس نے آنحضرت ﷺ سے کہا تھا کہ میں مصعب نہیں ہوں کیونکہ (اگرچہ اس کا نام مصعب ہی تھا مگر) اس کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ میں وہ مصعب نہیں ہوں جو آپ کے ساتھی تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب اسلامی پرچم گر گیا (تو اس کو حضرت مصعبؓ کے بھائی ابو روم نے اٹھالیا اور اس کے بعد یہ اس وقت تک ان ہی کے ہاتھ میں رہا جب تک وہ مدینے میں داخل نہیں ہو گئے۔ اس روایت کی روشنی میں گذشتہ بات قابل غور ہو جاتی ہے۔

پیچھے کتاب امتاع کے حوالے سے بیان ہوا ہے کہ احد میں ایک بھی فرشتے کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کی مدد نہیں کی گئی لہٰذا یہاں اس فرشتے کے وجود سے وہ بات غلط ہوتی ہے۔ (لہٰذا یہ بات بھی قابل غور ہے)

میدان احد سے واپسی اور نبی ﷺ کی دعا...... غرض جنگ ختم ہونے کے بعد جب رسول اللہ ﷺ مدینے واپس ہونے لگے تو آپؐ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ آپؐ کے تمام صحابہ بھی ساتھ تھے جو عام طور پر زخمی تھے۔ آپ کے یعنی لشکر کے ساتھ چودہ عورتیں بھی تھیں۔ جب یہ لشکر احد کے دامن میں پہنچا تو آپ نے فرمایا۔

"صفیں باندھ کر کھڑے ہو جاؤ تاکہ میں اپنے پروردگار کے سامنے اس کی حمد و ثنا کر سکوں!"

چنانچہ تمام صحابہ صفیں بنا کر کھڑے ہو گئے اور ان کے پیچھے عورتیں کھڑی ہوئیں پھر آنحضرت ﷺ نے یہ دعا شروع کی۔

"اے اللہ! تجھے ہی تمام تعریفیں سزاوار ہیں۔ تو کشادگی عطا فرمائے تو کوئی تنگی پیدا کرنے والا نہیں۔ اور اگر تنگی میں

ڈالے تو کوئی کشادگی پیدا کرنے والا نہیں ہے۔ جس کو تو گمراہی میں ڈال دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا' اور جس کو تو ہدایت فرمادے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ جن نعمتوں سے تو محروم فرمادے ان کو کوئی عطا نہیں کر سکتا اور جن نعمتوں کو تو عطا فرمادے ان کو کوئی روکنے والا نہیں۔ جس چیز کو تو دور فرمادے اس کو کوئی قریب نہیں کر سکتا اور جس کو تو قریب فرمادے اس کو کوئی دور نہیں کر سکتا۔! حدیث

حمنہ کو عزیزوں کے قتل کی اطلاع...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ مدینے کی طرف روانہ ہوئے۔ راہ میں آپ کو حضرت حمنہ بنت جحش جو آنحضرت ﷺ کی پھوپی زاد بہن تھیں اور آنحضرت ﷺ کی بیوی ام المومنین حضرت زینب بنت جحش کی بہن تھیں ملیں آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا:

"(اپنے عزیز کو کھودینے پر) ثواب کی امیدوار بن جاؤ!"

حضرت حمنہ نے پوچھا "کس کی وجہ سے یا رسول اللہ ﷺ"۔

آپ نے فرمایا۔

"اپنے ماموں حمزہ کی وجہ سے!"

ماموں اور بھائی کے قتل پر حمنہ کا صبر و ثبات...... حضرت حمنہ نے کہا۔

اِنَّالِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

یعنی ہم اللہ تعالیٰ کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور شہادت کی اس نعمت کو ان کے لئے مبارک فرمائے!"

پھر آپ نے فرمایا کہ ثواب کی امیدوار بن جاؤ۔ انہوں نے پوچھا کس کیلئے؟ آپ نے فرمایا: اپنے بھائی عبداللہ ابن جحش کے لئے' حضرت حمنہؓ نے ان کے لئے بھی وہی کلمات کہے جو حضرت حمزہؓ کیلئے کہے تھے۔

شوہر کی خبر پر پیمانہ صبر لبریز...... آپ نے پھر فرمایا کہ ثواب کی امیدوار بن جاؤ۔ انہوں نے پوچھا کس کے لئے؟ آپ نے فرمایا۔ اپنے شوہر مصعب ابن عمیر کی وجہ سے۔ حضرت حمنہ ایک دم چیخ چیخ کر رونے لگیں اور بولیں۔

"آہ۔ ان کا صدمہ بہت سخت ہے!"

عورت کیلئے شوہر کا درجہ...... آپ نے دیکھا تھا کہ حضرت حمنہ نے اپنے بھائی اور اپنے ماموں کی موت پر کس قدر صبر و ضبط کا ثبوت دیا اور اپنے شوہر کی شہادت کی اطلاع پر ان سے صبر و ضبط کا دامن چھوٹ گیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں تب آپ نے فرمایا:

"عورت کے لئے شوہر کا درجہ ایسا ہوتا ہے کہ اس جیسا اور کا نہیں ہوتا!"

حمنہ اور یتیم بچوں کیلئے دعا...... پھر آپ نے ان سے پوچھا کہ تم نے (شوہر کی اطلاع پر) ایسا کیوں کہا؟ حضرت حمنہؓ نے کہا:

"مجھے ان کے بچوں کی یتیمی کا خیال آیا۔ جس سے میں بیتاب ہوگئی!"

اس وقت آپ نے ان کے اور ان کے بچوں کیلئے دعا فرمائی حضرت حمنہ کے یہاں حضرت طلحہ ابن عبیداللہ سے محمد ابن طلحہ پیدا ہوئے تھے۔

آنحضرت ﷺ کی عمرو کی والدہ کی تعزیت...... (قال) اسی طرح حضرت سعد ابن معاذؓ کی والدہ ہانپتی کانپتی رسول اللہ

ﷺ کے پاس آئیں۔ آنحضرت ﷺ گھوڑے پر سوار تھے اور حضرت سعد ابن معاذ گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے تھے۔ حضرت سعدؓ نے ان کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ سے کہا کہ یا رسول اللہ! میری والدہ ہیں۔ آپ نے فرمایا ان کو خوش آمدید کہو۔ آپ نے ان کی وجہ سے اپنا گھوڑا روک لیا۔ یہاں تک کہ وہ قریب آکر آنحضرت ﷺ کو دیکھنے لگیں۔ آپ نے ان کو ان کے بیٹے حضرت عمرو ابن معاذ کی شہادت پر تعزیت پیش فرمائی تو انہوں نے کہا۔

"جب میں نے آپ کو صحیح سلامت دیکھ لیا تو بس اب میری مصیبت اور غم ختم ہو گیا!"

شہداء کے عزیزوں کو بشارت...... آنحضرت ﷺ نے ام سعدؓ سے فرمایا:

"اے ام سعد! تمہیں خوش خبری ہو۔ اور سب شہیدوں کے گھر والوں کو بھی خوش خبری دے دو کہ ان سب کے مقتولین جنت میں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں اور سب نے اپنے اپنے گھر والوں کیلئے (حق تعالیٰ سے) شفاعت اور سفارش کی ہے!"

پسماندگان کے لئے صبر و سکون کی دعا...... ام سعدؓ نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! ہم سب راضی بر ضا اور خوش ہیں۔ اور اس خوش خبری کے بعد بھلا ان پر کون رو سکتا ہے!"

پھر انہوں نے آپ سے درخواست کی کہ یا رسول اللہ! سب شہیدوں کو پسماندگان کے لئے دعا فرمایئے چنانچہ آپ نے سب شہداء احد کے گھر والوں کے لئے دعا کرتے ہوئے فرمایا:

"اے اللہ! ان کے دلوں سے غم و الم کو مٹا دے، ان کی مصیبتوں کو دور فرما دے اور شہیدوں کے جو جانشین ہیں انہیں ان کا بہترین جانشین بنا دے!"

حمزہ کی بے بسی پر آنحضرت ﷺ کی دلگیری...... اسی دوران میں آنحضرت ﷺ نے انصاری عورتوں کو اپنے شوہروں، اپنے بیٹوں اور اپنے بھائیوں کے لئے روتے ہوئے سنا۔ اس وقت آپ نے فرمایا:

"حمزہ کے لئے کوئی رونے والا بھی نہیں ہے!"

یہ کہتے کہتے آنحضرت ﷺ خود رو پڑے۔ غالباً مدینے میں حضرت حمزہ کی نہ کوئی بیوی تھی اور نہ بیٹی تھی۔ چنانچہ حضرت سعد ابن معاذؓ نے اپنے گھر کی عورتوں اور اپنی قوم کی عورتوں کو حکم دیا کہ وہ مغرب اور عشاء کے درمیان رسول اللہ ﷺ کے گھر جائیں اور حضرت حمزہ کی شہادت پر اپنے غم کا اظہار کریں اور روئیں۔

خواتین کے رونے کی آواز اور آپ کی طرف سے دعا...... غرض جب رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ مدینے میں اپنے مکان پر پہنچے تو چونکہ آپ سخت زخمی تھے اس لئے حضرت سعدؓ ابن معاذ اور حضرت سعدؓ ابن عبادہ نے آپ کو اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر گھوڑے سے اتارا۔ پھر آپ ان کا سہارا لئے ہوئے اپنے مکان میں تشریف لے گئے اس کے بعد کچھ ہی دیر میں حضرت بلالؓ نے مغرب کی اذان کہی اور آنحضرت ﷺ اس طرح باہر تشریف لائے کہ آپ سعد ابن معاذ اور سعد ابن عبادہ کا سہارا لئے ہوئے تھے پھر آپ نے مغرب کی نماز پڑھی۔ اس کے بعد جب آپ مسجد سے واپس تشریف لے جانے لگے تو آپ کو رونے کی آواز آئی۔ آپ نے پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے؟ کسی نے کہا کہ انصاری عورتیں حضرت حمزہؓ پر رو رہی ہیں۔ آپ نے ان خواتین کے لئے دعا کرتے ہوئے فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ تم سے اور تمہاری اولاد سے راضی ہو!"۔

پھر آپ نے حکم دیا کہ وہ خواتین اپنے گھروں کو واپس جائیں۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ پھر جب ایک تہائی رات گزر گئی تو حضرت بلالؓ نے عشاء کی اذان کہی کیونکہ وہ عشاء کی اذان

اس وقت دیتے تھے جب شفق کی سرخی غائب ہو جاتی تھی۔ اذان کے بعد دیر تک جب رسول اللہ ﷺ اپنے حجرے سے نہیں نکلے اور ایک تہائی رات کے بھی بعد کا وقت ہو گیا تو حضرت بلالؓ نے (حجرے کے قریب جاکر) آپ کو پکارا کہ یا رسول اللہ ﷺ نماز تیار ہے۔ تب یعنی جب کہ ایک تہائی رات کے بعد کا وقت ہو چکا تھا آپ بیدار ہوئے اور حجرے سے باہر تشریف لائے اس وقت تک وہ انصاری عورتیں مسجد کے دروازے پر کھڑی ہوئی حضرت حمزہ کی یاد میں رو رہی تھیں۔

انصار کے جذبہ ہمدردی کی قدر دانی...... یہ روایت گذشتہ روایت کے خلاف نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ کا حجرہ مسجد کے دروازے سے ملا ہوا تھا۔ غرض اس وقت آپ نے ان عورتوں سے فرمایا:

"واپس جاؤ' اللہ تعالیٰ تم پر رحمت فرمائے' تم نے میرے ساتھ ہمدردی کی' اللہ تعالیٰ انصاریوں پر رحمتیں نازل فرمائے۔ کیونکہ جیسا کہ میں جانتا ہوں ہے ان میں ہمدردی کا جذبہ ہمیشہ ہی سے ہے"۔

ان دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ مغرب کی نماز کے بعد آپ نے جن عورتوں کو رخصت کر دیا تھا وہ شاید دوسری تھیں اور پھر ایک تہائی رات گزر جانے کے بعد آپ نے جن کو واپس جانے کا حکم دیا وہ دوسری رہی ہوں۔

اس واقعہ کے بعد ان میں سے ایک انصاری عورت نے یہ عادت بنالی تھی کہ اگر اس کے یہاں کوئی موت ہو جاتی تو اپنی میت پر رونے سے پہلے ہمیشہ حضرت حمزہؓ پر روتی اور اس کے بعد اپنی میت پر روتی۔ یہاں رونے سے مراد شاید نوحہ و ماتم ہے (جس کے متعلق مسئلہ آگے آرہا ہے)۔

مسجد کے دروازے پر تمام رات پہرہ...... غرض مدینے واپسی کے بعد اس کی پہلی رات میں اوس و خزرج کے انصاریوں نے تمام رات مسجد کے دروازے آنحضرت ﷺ کی حفاظت کے لئے پہرہ دیا کیونکہ یہ ڈر تھا کہ قریش کے لوگ جو میدان احد سے واپس مکے کے لئے روانہ ہو چکے تھے کہیں اچانک لوٹ کر مدینے کا رخ نہ کریں۔

نوحہ و شیون کی ممانعت...... ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انصاری عورتوں کو نوحہ و ماتم کرنے سے منع فرمایا۔ اس پر انصاریوں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ نے نوحہ اور ماتم سرائی کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ دراصل اس کے ذریعہ ہم اپنے مرنے والوں کی خوبیاں کرتے ہیں جس سے (بے چین دلوں کو) کچھ سکون ملتا ہے' لہٰذا ہمیں اس کی اجازت عطا فرمادیجئے!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"اگر عورتیں ماتم کریں یعنی روئیں تو نہ تو اپنا منہ نوچیں' نہ سینہ کوبی کر کے چیخیں' نہ بال بکھرائیں اور نہ کپڑے پھاڑیں!"

صحابہ کے جوش جہاد کی تعریف...... ایک حدیث میں آتا ہے کہ احد کے دن حضرت علیؓ نے اپنی تلوار حضرت فاطمہؓ کو دی اور کہا کہ اس کی نوک چھوڑ کر باقی ساری تلوار دھو دو۔ آنحضرت ﷺ نے (غزوہ احد کے سلسلے میں حضرت علیؓ کی کارگزاری کا اندازہ کرتے ہوئے ان سے فرمایا:

"اگر تم نے جنگ میں بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے تو فلاں فلاں لوگوں نے بھی خوب جہاد کیا ہے!"

آپ نے کئی صحابہ کے نام گنائے جن میں سہل ابن حنیف اور ابودجانہ بھی شامل تھے۔

اسی طرح عکرمہ ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے احد کے دن یعنی جنگ کے بعد اپنی تلوار جس کا نام ذوالفقار تھا' صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کو دی اور فرمایا:

اس پر سے خون دھودو آج اس نے میرا پورا ساتھ دیا!"
یعنی اس نے اپنا حق ادا کر دیا۔
پھر حضرت علیؓ نے بھی اپنی تلوار ان کو دی اور یہی کہا کہ اس پر سے خون دھودو خدا کی قسم آج اس نے میرا حق ادا کر دیا۔
اس پر آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا:

"اگر تم نے جنگ کا حق ادا کیا ہے تو تمہارے ساتھ سہل ابن حنیف اور ابودجانہ نے بھی جنگ کا حق ادا کر دیا ہے!"

ابن عقبہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کی تلوار خون سے رنگین دیکھی تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم نے جنگ کا حق ادا کیا ہے تو عاصمؓ ابن ثابت، ابنؓ ابی افلح، حرثؓ ابن صمہ اور سہلؓ ابن حنیف نے بھی کیا ہے۔

امام ابوالعباس ابن تیمیہؒ نے اس بات کی تردید کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی تلوار دھلوانے کے لئے حضرت فاطمہؓ کو دی۔ ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ اس دن رسول اللہ ﷺ نے تلوار سے جنگ ہی نہیں فرمائی۔ مگر کتاب نور میں ہے کہ علامہ ذہبی نے اس حدیث کو کمزور یا غیر صحیح نہیں بتلایا ہے (حالانکہ وہ سب سے بڑے ناقد حدیث ہیں) انہوں نے کہا ہے کہ اس سے ابن تیمیہ کی تردید ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کتاب نور کا حوالہ ہے۔ اور یہ اختلاف قابل غور ہے۔

شہداء احد کی تعداد...... جہاں تک غزوہ احد میں مسلمان شہداء کی تعداد کا تعلق ہے تو اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ اس دن کل مقتولین کی تعداد ۷۰ تھی جن میں سے چار مہاجرین میں سے تھے جن کے نام یہ ہیں: حضرت حمزہؓ، حضرت مصعبؓ، حضرت عبداللہ ابن جحشؓ اور حضرت شماس ابن عثمانؓ۔

ایک قول ہے کہ شدائے احد کی کل تعداد ۸۰ تھی جن میں سے ۷۴ حضرات انصاری تھے اور چھ مہاجر مسلمان تھے۔ علامہ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ (اگر چھ مہاجر شہید تھے تو) شاید پانچویں حاطب ابن بلتعہ کے غلام سعد اور چھٹے ثقیف ابن عمرو تھے جو بنی عبد شمس کے حلیف یعنی معاہدہ بردار تھے۔

ادھر کتاب اصل یعنی عیون الاثر نے ان کی کل تعداد ۹۶ بتلائی ہے مگر یہ بات آنحضرت ﷺ کے اس قول کے مناسب نہیں ہے جو بدر میں تم میں سے ستر آدمی اس کے بعد شہید ہو جائیں گے۔

مشرک مقتولین کی تعداد...... مشرکوں میں مرنے والوں کی کل تعداد ۲۳ تھی۔ ایک قول ہے کہ یہ تعداد ۲۲ تھی۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: اگر مشرکوں میں قتل ہونے والوں کی تعداد یہی تھی وہ گذشتہ روایت قابل غور بن جاتی ہے کہ اس جنگ میں تنہا حضرت حمزہ ابن عبدالمطلب نے ۳۱ مشرکوں کو قتل کیا تھا۔

احد کی شکست پر یہود و منافقین کی خوشیاں...... غرض جب رسول اللہ ﷺ غزوہ احد کے بعد مدینہ منورہ پہنچے تو مسلمانوں کی شکست پر منافقوں اور یہودیوں کی زبانیں دراز ہو گئیں اور وہ کھلے عام مسلمانوں کو برا بھلا کہنے اور اس خوشی میں بغلیں بجانے لگے۔ اب وہ لوگ آنحضرت ﷺ کے متعلق انتہائی گستاخانہ باتیں کرنے کبھی کہتے۔ "محمد ﷺ صرف ایک جاہ پسند اور حکومت کے شوقین ہیں۔ آج تک کسی نبی نے اس طرح نقصان نہیں اٹھایا جیسے انہوں نے اٹھایا۔ خود بھی زخمی ہوئے اور اپنے اس قدر ساتھیوں کی جانوں سے بھی ہاتھ دھوئے!"

کبھی مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہتے "تمہارے جو آدمی قتل ہوئے اگر ہمارے ساتھ رہتے تو یوں اپنی جانیں نہ گنواتے!"

دریدہ دہنوں پر عمرؓ کا غصہ...... حضرت عمرؓ نے ان دریدہ دہنوں کی یہ گستاخانہ باتیں سنیں تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے

درخواست کی کہ انہیں ان لوگوں کے قتل کی اجازت دیں۔ (کیونکہ یہودی تو کھلے عام بد دین اور مسلمانوں کے دشمن تھے مگر منافقین آستین کا ثابت ثابت ہو رہے تھے) مگر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"کیا یہ لوگ (یعنی منافقین) ظاہر میں شہادت نہیں دیتے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ میں اس کا رسول ہوں؟ حضرت عمرؓ نے عرض کیا "بیشک لیکن صرف تلوار کے خوف سے...... اب ان کی حقیقت ظاہر ہو چکی ہے اور ان کے دلوں میں جو کینہ و فساد ہے وہ سامنے آگیا ہے"۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا!

"جو شخص ظاہری طور پر ہی سہی اسلام کا اعلان کرے مجھے اس کے قتل کی ممانعت کی گئی ہے!"

ابن ابی کا مومن بیٹے پر غصہ...... ادھر منافقوں کا سردار ابن ابی اپنے بیٹے حضرت عبداللہ ابن ابی کو ڈانٹ پھٹکار رہا تھا جو زخموں سے چور چور ہو کر لوٹے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے لئے اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر آئے تھے مگر باپ کی ڈانٹ پھٹکار کے جواب میں حضرت عبداللہ نے صرف اتنا کہا:

"اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ کیا وہی ان کے حق میں بہتر ہے"۔

ابن ابی کی ظاہر داریاں...... ہمیشہ سے عبداللہ ابن ابی ابن سلول کی عادت تھی کہ جمعہ کے دن جب رسول اللہ خطبہ دینے کے لئے منبر پر بیٹھتے۔ تو کھڑے ہو کر کہتا لوگو! یہ رسول اللہ ﷺ تمہارے درمیان موجود ہیں جن کے ذریعہ حق تعالیٰ نے تمہیں عزت و سربلندی عطا فرمائی ہے' لہٰذا آپ کی مدد کرو' آپ کا احترام کرو' آپ کے ارشادات توجہ سے سنو اور آپ کی اطاعت کرو!"۔

صحابہؓ کی ابن ابی کو پھٹکار...... یہ کہہ کر یہ عبداللہ بیٹھ جایا کرتا تھا۔ احد سے واپسی کے بعد بھی اس نے جمعہ کے دن اپنی عادت کے مطابق ایسا کرنا چاہا تو مسلمانوں نے اس کے کپڑوں کا دامن پکڑ کر کھینچا اور (اس کو ڈانتے ہوئے) اس سے کہنے لگے:

"او خدا کے دشمن بیٹھ جا۔ خدا کی قسم تو ان باتوں کا اہل نہیں ہے۔ تو نے جو کچھ کیا ہے سب کو معلوم ہے"۔

یہ سن کر عبداللہ ابن ابی صحابہ کی گردنوں پر سے پھلانگتا ہوں صفوں سے نکلا اور مسجد سے یہ کہتا ہوا چلا گیا۔

"گویا میں فراق میں مر جاؤں گا"۔ بعض انصاریوں نے اس سے یہ کہا۔

ابن ابی کی خود سری...... تم رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر معافی مانگ لو' آنحضرت ﷺ تمہارے لئے مغفرت کی دعا کرینگے"

عبداللہ ابن ابی نے کہا۔

"مجھے ضرورت نہیں کہ وہ میری مغفرت کی دعا کریں!" (ان تفصیلات کے ساتھ غزوہ احد کا بیان تمام ہوا) حق تعالیٰ نے احد کے واقعات کے سلسلے میں سورۂ آل عمران میں آیات نازل فرمائی ہیں جو یہ ہیں۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ط وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔

(پ ۴ سورۂ آل عمران ع ۱۳ آیت ۱۲۱)

ترجمہ: اور جب کہ آپ صبح کے وقت اپنے گھر سے چلے مسلمانوں کو مقابلہ کرنے کے لئے مقامات پر جمارہے تھے اور اللہ تعالیٰ سب سن رہے تھے سب جان رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

غزوہ حمراء الاسد

قریشی لشکر کے تعاقب کا ارادہ...... آنحضرت ﷺ کے غزوہ احد سے واپس تشریف لانے کے بعد اگلے ہی دن صبح کو رسول اللہ ﷺ کا قاصد مدینے میں اعلان کر رہا تھا کہ مسلمان قریش کا پیچھا کرنے کے لئے روانگی کو تیار ہو جائیں اور یہ کہ صرف وہی لوگ چلیں گے جو غزوہ احد میں شریک تھے۔

یہ ارادہ قریش کو ڈرانے اور مرعوب کرنے کیلئے کہا گیا تھا تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ آنحضرت ﷺ ان کے تعاقب میں تشریف لا رہے ہیں۔ نیز ان کو یہ بھی اندازہ ہو جائے کہ مسلمانوں کی طاقت و قوت باقی ہے احد کی شکست کی وجہ سے وہ دشمن کے مقابلے میں کمزور نہیں ہو گئے ہیں۔

قریش کے خطرناک ارادے...... (قال) ایک قول کے مطابق آنحضرت ﷺ کو یہ معلوم ہوا تھا کہ ابوسفیان قریشی لشکر لے کر مدینے پر حملہ کرنے کے لئے راستے میں واپس ہونے کا ارادہ کر رہا ہے تاکہ آنحضرت ﷺ کے جو صحابہ زندہ بچ گئے ہیں ان کا بھی صفایا کر دے (اس ارادے میں قریش کے کچھ اور سردار بھی ابوسفیان کے ساتھ تھے) چنانچہ آپ کو معلوم ہوا کہ ان قریشیوں نے دوسروں سے کہا:

"نہ تو تم نے محمد ﷺ کو ہی قتل کیا اور نہ وہاں سے دوشیزاؤں کو پکڑ لائے۔ کیا حماقت ہے۔ چلو واپس چلو۔

ایک روایت میں ہے کہ میدان احد سے واپس ہونے کے بعد کچھ ہی دور چلے تھے کہ وہ لوگ رک کر ساتھیوں سے کہنے لگے:

"کیا حماقت کا کام کیا ہے۔ تم نے ان کو قتل کیا اور جب ان کی تھوڑی سی جماعت باقی رہ گئی تو تم انہیں چھوڑ کر واپس چلے آئے۔ لہٰذا واپس چلو اور اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ اپنی طاقت و قوت جمع کر لیں ان سب کو نیست و نابود کر دو!"

مگر لوگوں نے اس بات کو نہیں مانا بلکہ حق تعالیٰ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا خوف اور رعب پیدا کر دیا۔

آنحضرت ﷺ کو اطلاع...... ایک روایت ہے کہ جس رات میں آنحضرت ﷺ احد سے واپس پہنچے اس کی صبح کو حضرت عبداللہ ابن عوف آپ کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ میں اپنے گھر والوں کے پاس سے آ رہا تھا جب میں فلاں مقام پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ قریش وہاں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں۔ پھر انہوں نے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کو لشکر سے یہ کہتے سنا:

"تم نے کچھ بھی نہ کیا۔ ان کے یعنی مسلمانوں کے تمام بڑے بڑے سردار تو زندہ ہیں جو پھر تمہارے خلاف لشکر جمع کر لیں گے۔ آؤ پھر واپس چلو ہم ان سب کا بھی تیاپانچہ کر دیں"! مگر صفوان ابن امیہ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے ان لوگوں کی رائے سے اختلاف کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے "لوگو! ایسا نہ کرو۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ مسلمان جو لشکر کے ساتھ نہیں تھے تم پر حملہ آور نہ ہو جائیں اس لئے واپس لوٹ چلو۔ ابھی تو فتح اور کامیابی تمہارے ساتھ ہے مگر ڈر ہے کہ اگر تم نے پھر مدینے کا رخ کیا تو کہیں یہ فتح و کامرانی تمہارے خلاف نہ پڑ جائے"۔

حضرت عبداللہ ابن عوف کی یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"صفوان نے ان لوگوں کو صحیح راستہ دکھلایا حالانکہ وہ خود صحیح راستہ نہیں دیکھتا!"

تعاقب کا مشورہ اور فیصلہ...... اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو بلایا اور ان کو عبداللہ ابن عوف کی دی ہوئی خبر سنائی۔ ان

دونوں نے عرض کیا۔ "یارسول اللہ! دشمن کا پیچھا کیجئے تاکہ وہ لوگ ہماری عورتوں اور بچوں پر حملہ آور نہ ہو سکیں"۔

صرف شرکاء احد کو تیاری کا حکم...... پھر جب آنحضرت ﷺ صبح کی نماز سے لوٹے تو آپ نے لوگوں کو جوش دلایا اور حضرت بلالؓ کو لوگوں میں یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ رسول اللہ ﷺ تمہیں دشمن کا پیچھا کرنے کا حکم دیتے ہیں اور یہ کہ صرف وہی لوگ اس وقت تعاقب میں چلیں گے جو کل جنگ میں شریک تھے۔

جابر کے احد میں شریک نہ ہو سکنے کی وجہ...... جب آپ روانگی کی تیاری فرما رہے تھے تو جابر ابن عبداللہؓ آپ کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے:

"یارسول اللہ! میں غزوہ احد میں اسلئے شریک نہیں ہو سکا تھا کہ میری سات بہنیں ہیں اور میرے والد نے مجھے انکے پاس چھوڑ دیا تھا"۔ ایک قول کے مطابق صحیح یہ ہے کہ ان کی بہنوں کی تعداد نو تھی' غرض جابرؓ نے کہا کہ میرے والد نے مجھے حکم دیا:

"بیٹے! یہ بات نہ میرے لئے مناسب ہے اور نہ تمہارے لئے کہ ہم ان عورتوں کو اس حال میں چھوڑ جائیں کہ ان کے پاس کوئی مرد نہ ہو۔ ادھر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ جہاد کے لئے اپنے مقابلے میں تمہیں ترجیح نہیں دے سکتا' ممکن ہے اللہ تعالیٰ مجھے شہادت کی دولت میسر فرمادے۔! لہٰذا تم اپنی بہنوں کے پاس رہو!"

تعاقب میں ہمراہی کی درخواست اور اجازت...... چنانچہ اس طرح میں بہنوں کی نگرانی کے لئے یہاں رہ گیا تھا اور انہوں نے شہادت کے لئے اپنے آپ کو مجھ پر ترجیح دی! لہٰذا یارسول اللہ مجھے بھی اپنے ہمراہ چلنے کی اجازت عطا فرمائیں!"

اس پر آنحضرت ﷺ نے حضرت جابر ابن عبداللہ کو اپنے ساتھ چلنے کی اجازت عنایت فرمادی۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ کے ساتھ میرے سوا کوئی ایسا نہیں تھا جو غزوہ احد میں شریک نہ ہوا ہو۔

سردار منافقین کی درخواست رد...... اس کے علاوہ کچھ دوسرے ایسے لوگوں نے بھی آنحضرت ﷺ کے پاس آکر ساتھ چلنے کی اجازت مانگی جو جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے ان ہی میں سردار منافقین عبداللہ ابن ابی ابن سلول بھی تھا۔ اس نے آپ سے آکر عرض کیا۔ میں بھی آپ کے ساتھ چل رہا ہوں! مگر آنحضرت ﷺ نے اس کو اور ایسے دوسرے لوگوں کو رد کر دیا۔

اسلامی پرچم اور مدینہ میں قائم مقامی...... اس کے بعد آپ نے اپنا جھنڈا منگایا جو ابھی تک جوں کا توں رکھا ہوا تھا وہ کپڑا کھولا نہیں گیا تھا۔ آپ نے یہ پرچم حضرت علی ابن ابو طالب کی سپرد فرمایا ایک قول ہے کہ حضرت ابو بکر کے سپرد فرمایا۔ اور مدینے میں حضرت ابن ام مکتومؓ کو اپنا جانشین بنایا۔ پھر آپ اپنے مسکب نامی گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہوئے آنحضرت ﷺ کے صحابہ میں سے کسی کے پاس گھوڑا نہیں تھا۔ آنحضرت ﷺ زرہ بکتر زیب تن فرمائے ہوئے تھے اور سوائے آنکھوں کے چہرہ مبارک کا کوئی حصہ نظر نہیں آرہا تھا۔

آپ کے ساتھ وہ تمام جاں نثار صحابہ بھی روانہ ہوئے جو احد میں آپ کے ساتھ شریک تھے۔ قرآن پاک میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ط لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْ مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ۔ (الآیہ پ ۴ سورۃ آل عمران ع ۱۸ آیت ۱۷۲)

ترجمہ: جن لوگوں نے اللہ و رسول کے کہنے کو قبول کر لیا بعد اس کے کہ ان کو زخم لگا تھا ان لوگوں میں جو نیک اور متقی ہیں ان کیلئے ثواب عظیم ہے۔

اس آیت کے ذیل میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ حضرت عروہ ابن زبیرؓ سے (احد کا حال بتلاتے ہوئے) کہا تھا:

"بھانجے! جب غزوہ احد میں رسول اللہ ﷺ کو زخم لگے اور پھر جب کہ مشرکین میدان احد سے چلے گئے (اور آنحضرت ﷺ بھی واپس مدینے تشریف لے آئے) تو تمہارے والد زبیر اور ابوبکرؓ کو ڈر تھا کہ کہیں مشرکین پھر پلٹ کر مدینے پر حملہ نہ کر دیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کون ہے جو ہمارے ساتھ دشمن کا پیچھا کرنے کے لئے چلتا ہے۔ اس پر مسلمانوں میں سے ستر آدمی تیار ہو گئے!"

علامہ ابن کثیر اس روایت کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ تفصیل غریب ہے کیونکہ مورخین غزوات کے نزدیک مشہور قول یہی ہے کہ حمراء اسد کے مقام تک آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس موقعہ پر جو لوگ گئے تھے وہ سب لوگ تھے جو غزوہ احد میں شریک تھے۔ اور ان کی تعداد سات سو تھی جیسا کہ بیان ہوا ان میں سے ستر آدمی شہید ہوئے اور باقی زندہ رہے۔ یہاں تک ابن کثیر کا حوالہ ہے۔ اس کی روشنی میں وہ گزشتہ روایت قابل غور ہے۔

(قال) مگر بظاہر ان دونوں روایتوں میں اختلاف نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ کے اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد پر سب سے پہلے ستر آدمیوں نے لبیک کہی اور اس کے بعد پھر باقی لوگوں نے آپ کے حکم پر رضامندی ظاہر کی۔

زخمی صحابہ اور رسول کے حکم کی بجا آوری...... غرض تمام صحابہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے سب لوگ زخمی تھے مگر کسی نے بھی اپنے زخموں کے علاج اور دوا دارو کی طرف توجہ نہیں کی یعنی سوائے اس کے کہ انہوں نے کپڑا اجلا کر زخم پر رکھا اور باندھ دیا بار بار ایسا کرنے سے زخم کی تکلیف اور درد کی کمی ہو جاتی ہے صحابہ نے اپنے زخموں کا صرف یہی علاج کیا اس سے زائد کچھ نہیں کیا۔ لہٰذا ان کے کچھ نہ کرنے اور یہ تدبیر کرنے کے درمیان کوئی شبہ کی بات نہیں ہے۔ یعنی اس رات صحابہ نے آگ جلائی اور اپنے زخموں کا یہ علاج کیا ان میں سے بعض صحابہ کے جسموں پر نو نو زخم تھے جیسے حضرت اسید بن حضیر اور عقبہ ابن عامر تھے بعض کے دس دس زخم تھے جیسے حراش ابن حمہ اور بعض کے اس سے بھی زائد زخم تھے جیسے حضرت کعب ابن مالک تھے۔ ایک صحابی ایسے تھے جن کے بدن پر ستر سے بھی زیادہ زخم تھے وہ طلحہ ابن عبید اللہ تھے ان کی ایک انگلی بھی کٹ گئی تھی۔ ایک قول ہے کہ شہادت کی انگلی کٹی تھی۔ اور ایک قول کے مطابق کن انگلی کے برابر والی کٹی تھی۔ اس کی وجہ سے اس ہاتھ کی باقی تمام انگلیاں بھی شل ہو کر بیکار ہو گئی تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ انگلیوں کے پورے کٹ گئے تھے جیسے کہ پیچھے گزرا۔ اسی طرح ایک صحابی کے جسم پر بیس زخم تھے جیسے حضرت عبد الرحمٰن ابن عوفؓ۔

آنحضرت ﷺ کا زخمی حالت میں کوچ...... بنی سلمہ میں سے چالیس آدمی زخمی ہوئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے جب ان لوگوں کو دیکھا تو فرمایا۔ "اے اللہ! بنی سلمہ پر اپنی رحمت نازل فرما۔ غرض اس موقعہ پر جب کہ یہ زخمی صحابہ احد سے واپسی کے اگلے ہی دن آنحضرت ﷺ کے حکم کی تعمیل میں پھر جنگ کے لئے روانہ ہوئے تو اس وقت خود آنحضرت ﷺ بھی سخت زخمی تھے اور اسی حالت میں صحابہ کو لے کر روانہ ہوئے۔ آپ کے زخموں کی صورت یہ تھی کہ آپ کا چہرۂ مبارک زرہ کی کڑیاں گڑ جانے کی وجہ سے زخمی تھا۔ چہرۂ مبارک پر پتھر کا ایک زخم بھی تھا نیز آپ کے سامنے کے چاروں دانت ٹوٹ گئے تھے اور نچلا ہونٹ اندر کی طرف سے زخمی تھا۔

کتاب منتقی میں ہے کہ اوپر کا ہونٹ اندر سے پھٹ گیا تھا۔ اسی طرح دایاں شانہ زخمی تھا جس پر ابن قمئہ نے وار کیا تھا نیز گڑھے میں گر جانے کی وجہ سے آپ کے دونوں گھٹنے زخمی تھے۔

نبی کی پیشن گوئی...... غرض پھر آنحضرت ﷺ کو طلحہ ابن عبید اللہ ملے' آپ نے ان سے فرمایا: طلحہ تمہارے ہتھیار کہاں ہیں؟ حضرت طلحہؓ نے عرض کیا کہ قریب ہی ہیں یہ کہہ کر وہ جلدی سے گئے اور اپنے ہتھیار اٹھالائے۔ حالانکہ اس وقت طلحہؓ کے صرف سینے پر ہی نوزخم تھے۔ ان کے جسم پر کل ملا کر ستر سے اوپر زخم تھے جیسا کہ بیان ہوا۔ حضرت طلحہؓ کہتے ہیں:

"میرے نزدیک آنحضرت ﷺ کے مقابلے میں اپنے زخموں کی کوئی حیثیت نہیں تھی اور خود زخم کھا کر آپ کا بچاؤ کر رہا تھا' پھر آنحضرت ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور پوچھنے لگے کہ تم نے دشمن کو کہاں دیکھا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ نشیبی علاقے میں"۔

آپ نے فرمایا:

"یہی میرا بھی خیال تھا۔ جہاں تک ان کا یعنی قریش کا تعلق ہے تو ان کو ہمارے ساتھ آئندہ کبھی اس طرح کا معاملہ کرنے کا موقعہ نہیں مل سکتا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ مکہ کو ہمارے ہاتھوں فتح کر دے گا!"

اسی طرح آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا:

"اے ابن خطاب! آئندہ کبھی قریش ہمارے ساتھ ایسا معاملہ نہیں کر پائیں گے یہاں تک کہ ہم (فاتح کی حیثیت سے ملیں اور حرم میں داخل ہو کر) رکن یعنی حجر اسود کو بوسہ دیں گے!"

حمراء اسد میں پڑاؤ...... غرض اس غزوہ کے سفر میں آنحضرت ﷺ کے راہبر ثابت ابن ضحاکؓ تھے یہ ثابت جبیر کے بھائی ثابت نہیں تھے۔ اگرچہ ایک قول ہے کہ یہ وہی ثابت تھے جو جبیر کے بھائی تھے۔

غرض یہ لشکر مشرکوں کے تعاقب میں آگے بڑھتا رہا یہاں تک کہ حمراء اسد کے مقام پر پہنچ کر فروکش ہوا۔ یہ حمراء اسد جس جگہ کا نام ہے وہ مدینے سے آٹھ میل فاصلے پر ہے۔ ایک قول کے مطابق دس میل کے فاصلے پر ہے۔

دو انصاریوں کا ذوق اطاعت...... ایک انصاری شخص سے روایت ہے کہ غزوہ احد میں میرا بھائی اور میں دونوں شریک تھے جہاں سے ہم زخمی حالت میں واپس آئے احد کی واپسی کے بعد فوراً ہی جب رسول اللہ ﷺ نے دشمن کے تعاقب میں روانہ ہونے کا اعلان کرایا تو میرے بھائی نے مجھ سے کہا:

"کیا ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ میں شریک ہونے کی سعادت سے محروم رہ جائیں گے"۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ:

"اگر ہم نے آنحضرت ﷺ کی ہمرکابی میں غزوہ کی نعمت کو چھوڑ دیا تو یہ بہت بری بات ہوگی۔ خدا کی قسم ہمارے پاس تو سواری کے لئے کوئی جانور بھی نہیں ہے!"

زخمی حالت میں پیدل سفر...... (ادھر دونوں زخمی بھی تھے مگر پھر بھی پیدل ہی روانہ ہوگئے) یہ انصاری شخص کہتے ہیں کہ اپنے بھائی کے مقابلے میں میرے زخم پھر کچھ کم تھے اس لئے جب بھائی چلتے چلتے تھک جاتا تو میں اس کو اپنی پیٹھ پر اٹھا کر چلتا اور پھر خود تھک جاتا تو اتار دیتا اور پھر دونوں پیدل چلنا شروع کر دیتے۔ آخر اسی طرح چلتے چلتے اسی مقام یعنی حمراء اسد تک پہنچ گئے جہاں پہنچ کر مسلمانوں نے پڑاؤ ڈالا تھا۔

یہ عشاء کا وقت تھا اور مسلمان آگ جلا رہے تھے جب یہ دونوں انصاری لشکر کے قریب پہنچے تو پہرہ دینے والے دستے نے ان کو ٹوکا اس رات پہرے پر حضرت عبادؓ ابن بشر ایک دستے کے سربراہ تھے حضرت عباد ان دونوں کو لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس آئے۔ آپ نے ان سے فرمایا:

"تم لوگ کوچ کے وقت کس لئے رک گئے تھے؟"

ان دونوں نے اپنی مجبوری بتلائی (کہ زخموں سے چور ہونے کی وجہ سے چلنا دوبھر ہو رہا تھا اور سواری بھی نہیں تھی اس لئے گرتے پڑتے یہاں پہنچے ہیں)۔

نبی کی طرف سے دعاء خیر...... یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی اور پھر فرمایا:

"اگرچہ آنے میں دیر لگی مگر تم دونوں کو گھوڑے، خچر اور اونٹ ملیں گے اگرچہ وہ تمہارے لئے اس سے بہتر چیز نہیں ہیں!"

یہ دونوں انصاری شخص حضرت عبداللہ اور حضرت رافع ابن سہیل تھے اور ان میں جس کے لئے چلنا زیادہ دوبھر ہو رہا تھا وہ حضرت رافع تھے اور ان کو اٹھا کر چلنے والے حضرت عبداللہ تھے۔

حکمت عملی سے قریش پر رعب...... اس مقام پر مسلمانوں نے تین رات قیام کیا۔ ہر رات اپنے پڑاؤ میں صحابہ پانچ سو جگہ آگ روشن کرتے تاکہ بہت دور سے بھی روشنی نظر آتی رہے۔ مسلمانوں کے پڑاؤ سے مختلف آوازیں اور آگ کی روشنی دور دور تک پہنچتی تھی اور اس کے نتیجہ میں دشمن کے دلوں میں خوف اور رعب بیٹھ گیا تھا (کیونکہ دشمن کے جاسوس ہر قسم کی خبریں اپنے آقاؤں تک پہنچاتے تھے)۔

حضرت جابر ابن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ اس غزوہ میں عام طور پر مسلمانوں کے ساتھ جو زادِ راہ اور کھانا تھا وہ کھجوریں تھیں۔ حضرت سعد ابن عبادہ اپنے ساتھ تیس اونٹ لے کر چلے تھے جو حمراء اسد تک پہنچ گئے۔ قربانی کے لئے جو جانور ساتھ تھے ان میں سے کسی دن دو اور کسی دن تین کاٹے جاتے۔

ادھر قریشی لشکر کو احد سے چلنے کے بعد راہ میں معبد خزاعی ملے جو اس وقت تک کافر تھے۔ قریش سے ان کی ملاقات روحاء کے مقام پر ہوئی۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو صحابہ کے لشکر کے ساتھ قریش کے تعاقب میں کوچ کرتے بھی دیکھا تھا۔ جب قریش نے احد سے واپسی میں اچانک مدینے پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو معبد خزاعی نے ان کو بتلایا کہ ان سے پہلے خود آنحضرت ﷺ ان کا پیچھا کرتے ہوئے آرہے ہیں۔ یہ سن کر قریشی لشکر خوفزدہ ہو گیا اور انہوں نے اسی میں عافیت سمجھی کہ سیدھے مکے کو ہی واپس چلے جائیں۔

معبد خزاعی کی طرف سے احد کے نقصان پر تعزیت...... (قال) جب رسول اللہ ﷺ حمراء اسد کے مقام پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے معبد خزاعی آپ سے آکر ملا۔ یہ معبد بنی خزاعہ کا شخص تھا بنی خزاعہ کے لوگوں میں مسلمان بھی تھے اور کافر بھی۔ مگر سب کے سب رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھتے تھے۔ غرض معبد نے آنحضرت ﷺ سے آکر عرض کیا:

"اے محمد ﷺ! اس جنگ یعنی احد میں آپ کی ذات کو اور آپ کے ساتھیوں کو جو نقصان اٹھانا پڑا اس سے ہمیں بے حد تکلیف پہنچی ہے۔ ہماری آرزو تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی شان بلند فرمائے اور آپ کے دشمنوں کو مبتلا فرمائے!"

معبد کی ابوسفیان سے ملاقات...... اس طرح گویا معبد خزاعی نے غزوہ احد کی شکست پر آنحضرت ﷺ کے سامنے تعزیت اور اظہار افسوس کیا تھا) معبد پہلے آنحضرت ﷺ سے ملا تھا اور ان کے بعد وہ یہاں سے روانہ ہوا یہاں تک کہ روحاء کے مقام پر پہنچا،

ابو سفیان نے معبد کو دیکھا تو فوراً خود سے بولا کہ یہ معبد آرہا ہے اس کے پاس یقیناً نئی خبریں ہوں گی۔ پھر اس نے معبد سے کہا:

"معبد! تم اپنے پیچھے کیا حالات چھوڑ کر آرہے ہو"۔

معبد مسلمانوں کا ایک مشرک ہمدرد...... معبد نے کہا۔

میں اپنے پیچھے محمد ﷺ اور ان کے صحابہ کو چھوڑتا ہوا آرہا ہوں۔ ان کا لشکر تمہارے تعاقب میں نکلا ہوا ہے۔ ان کے ساتھ اتنا بڑا لشکر ہے کہ میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ وہ سب کے سب تمہارے خلاف غیظ و غضب کا پتلا بنے ہوئے ہیں۔ اس دفعہ ان کے ساتھ قبیلہ اوس اور خزرج کے وہ مسلمان بھی آئے ہیں جو کل کسی وجہ سے جنگ احد میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ ان سب نے آپس میں یہ عہد کیا ہے کہ وہ تم سے ٹکرائے اور انتقام لئے بغیر کسی قیمت پر واپس نہیں جائیں گے سب لوگ اپنی قوم پر بھی ناراض ہیں اور خود قوم کے لوگ اپنی پسپائی پر نادم ہیں۔ ان میں اس قدر جوش و غضب ہے کہ میں نے آج تک کبھی نہیں دیکھا!"

مسلمانوں کے جوش پر ابو سفیان کا خوف و دہشت...... ابو سفیان نے یہ (وحشت ناک خبر) سن کر کہا۔

"تیرا ناس ہو۔ کیا کہہ رہا ہے!"

معبد نے کہا:

"خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ تم لوگ اس طرف کو چلو گے تو فوراً ہی تمہیں انکے گھوڑوں کی پیشانیاں نظر آنے لگیں گی!"

ابو سفیان نے کہا۔

"خدا کی قسم ہم نے تو یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ ہم یہیں سے لوٹ کر مدینے پر حملہ کریں اور بچے کھچے مسلمانوں کا صفایا کر دیں"۔

معبد نے کہا۔

"میں تمہیں ہرگز اس کا مشورہ نہیں دوں گا"

مسلمانوں کو ابو سفیان کا جھوٹا پیغام...... معبد کی زبانی یہ خبر سن کر قریشی لشکر افتاں و خیزاں وہاں سے مکے کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ جس وقت ابو سفیان اپنے لشکر کو لے کر وہاں سے جا رہا تھا تو اسے کچھ لوگ ملے جو مدینے کو جا رہے تھے 'ابو سفیان نے اس قافلے کے ذریعہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کے پاس کہلایا کہ ہم لوگوں نے (مدینے پر چڑھائی کرنے کے لئے راہ میں سے ہی لوٹنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ جب ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ کر آپ کو ابو سفیان کے یہ پیغام پہنچایا تو آپ نے فرمایا:

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (اللہ تعالیٰ ہی ہمیں کافی ہے اور وہی بہترین سہارا ہے) اور اس وقت حق تعالیٰ نے یہ وحی نازل فرمائی۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْ بَعْدِ مَا اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ۔ (پ ۴۔ سورہ آل عمران ع ۱۸ آیت ۱۷۲)

ترجمہ: جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے کہنے کو قبول کر لیا بعد اس کے کہ ان کو زخم لگا تھا۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ میں نے ان کے لئے پتھروں کا ایک نشان مقرر کر دیا ہے۔ اگر وہ لوٹے تو اس نشان پر پہنچ کر وہ سب کے سب اس طرح نیست و نابود ہو جائیں گے جیسے گزری ہوئی کل کا دن!"

مسلمانوں کی واپسی...... ادھر معبد خزاعی نے بھی قریش کو وہاں سے چلتا کر دینے کے بعد ایک شخص کے ذریعہ آنحضرت

ﷺ کو اس کی اطلاع بھجوائی کہ ابوسفیان اپنے لشکر کے ساتھ ڈر کر واپس مکے چلا گیا ہے۔ چنانچہ اس خبر کے بعد آنحضرت ﷺ بھی حمراء اسد کے مقام سے ہی مدینے کو واپس ہو گئے۔

معاویہ کو عثمان غنیؓ کی پناہ کی تلاش...... غرض واپسی کے وقت یہیں حمراء اسد کے مقام پر آپ نے معاویہ ابن مغیرہ ابن ابوالعاص کے قتل کا حکم دیا۔ یہ عبدالملک ابن مروان کا نانا تھا۔ اس نے اپنے چچازاد بھائی حضرت عثمان ابن عفان کی پناہ ڈھونڈی تھی یعنی جان بچانے کے لئے اس نے حضرت عثمانؓ کا سہارا تلاش کرنا چاہا تھا۔ یعنی جب کفار قریش جنگ احد کے بعد لوٹ گئے تو معاویہ اپنی ناک کی سیدھ میں چل پڑا' پھر یہ حضرت عثمان کے مکان کے دروازے پر آیا اور دستک دی۔ حضرت عثمانؓ کی بیوی یعنی رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ نے پوچھا کون ہے؟ اس نے کہا عثمان کا چچازاد بھائی۔ انہوں نے کہا عثمان اس وقت گھر میں موجود نہیں ہیں' معاویہ نے کہا۔

"ان کو ذرا ابھی بلوا بھیجو کیونکہ انکی ایک رقم میرے اوپر واجب ہے' میں نے انکے مال سے کچھ تجارتی سامان خریدا تھا"۔

ابھی یہ بات ہو رہی تھی کہ حضرت عثمانؓ آ گئے جیسے ہی انہوں نے معاویہ کو دیکھا تو کہنے لگے۔

"تم خود بھی تباہ ہوئے اور مجھے بھی ہلاکت میں ڈال دیا!"

معاویہ نے کہا۔

"بھائی۔ کل تک تم سے زیادہ میرا ہمدرد اور خیر خواہ کوئی نہیں تھا۔ مجھے پناہ دے دو!"

معاویہ کی تلاش کا حکم...... آخر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو گھر میں بلالیا اور مکان کے ایک حصہ میں اس کو چھپا کر خود آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تاکہ اس کیلئے آپ سے امان اور جاں بخشی کا وعدہ حاصل کر لیں۔ جیسے ہی حضرت عثمانؓ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچے تو انہوں نے سنا آنحضرت ﷺ یہ فرما رہے تھے۔

"معاویہ اس وقت مدینے میں موجود ہے اسے وہاں تلاش کر کے لاؤ!"

گرفتاری اور مشروط رہائی...... لوگ فوراً معاویہ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے اور کچھ لوگ حضرت عثمانؓ کے مکان میں داخل ہوئے (کیونکہ وہ جانتے تھے کہ معاویہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا چچازاد بھائی ہے) جیسے ہی یہ لوگ مکان کے اندر گھسے آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ نے ان لوگوں کو اشارہ سے بتلایا کہ معاویہ اس حجرہ میں چھپا ہوا ہے۔ لوگوں نے اس کو باہر نکالا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے کر آئے' آپ نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ اس وقت حضرت عثمان غنیؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

فرار کے لئے تین دن کی مہلت...... "قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق و صداقت دے کر بھیجا میں اس وقت صرف اس شخص کے لئے امان حاصل کرنے آیا تھا اس لئے اس کو مجھے عنایت فرما دیجئے!"

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے معاویہ کو ان کے حوالے کر دیا اور تین دن کے اندر اندر اس کو مدینے سے نکال دینے کا حکم دیا۔ ساتھ ہی آنحضرت ﷺ نے قسم کھائی کہ اگر تین دن بعد آپ نے اس شخص کو یہاں موجود پایا تو اسے قتل کرا دیں گے۔

معاویہ کی خلاف ورزی اور قتل...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ حمراء اسد کی طرف روانہ ہو گئے۔ ادھر معاویہ تین دن تک مدینے میں ٹھہرا رہا اور آنحضرت ﷺ کے متعلق خبریں معلوم کرتا رہا تاکہ یہاں سے جا کر اپنی جاسوسی کا حال قریش کو سنا سکے اور آنحضرت ﷺ کے متعلق ضروری خبریں قریش کو پہنچا دے۔ چوتھے دن آنحضرت ﷺ مدینے واپس تشریف لے

آئے جب کہ معاویہ اس وقت تک بھی مدینے میں موجود تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی آمد کی خبر سن کر وہ مدینے سے فرار ہوا مگر حضرت زیدؓ ابن حارثہ اور عمارؓ ابن یاسر نے اس کا پیچھا کیا یہاں تک کہ ایک جگہ انہوں نے معاویہ کو جالیا اور اس پر تیر چلا کر اسے قتل کر دیا۔ ان دونوں صحابہ کو آنحضرت ﷺ نے ہی معاویہ کے تعاقب میں روانہ کیا تھا اور ان سے فرمایا تھا۔

"تم دونوں کو وہ فلاں جگہ مل جائے گا"۔

یہ جگہ مدینے سے آٹھ میل کے فاصلے پر تھی۔ چنانچہ ان دونوں نے اسے وہیں جا پکڑا اور قتل کر دیا۔ ایک قول ہے کہ اس کا پیچھا کرنے والے حضرت علیؓ تھے اور انہوں نے ہی معاویہ کو قتل کیا تھا!"۔

دو مسلم جاسوسوں کا قتل...... رسول اللہ ﷺ نے غزوہ حمراء اسد کو روانگی کے وقت بنی اسلم کے تین آدمیوں کو دشمن کے تعاقب میں آگے روانہ فرمادیا تھا (تاکہ وہ ان کے متعلق خبریں معلوم کریں) ان میں سے دو آدمیوں نے دشمن کو حمراء اسد کے مقام پر جالیا (مگر دشمن نے ان کو پکڑ لیا اور قتل کر کے وہیں ڈال گئے۔ جب آنحضرت ﷺ وہاں پہنچے تو آپ کو ان دونوں کی لاشیں ملیں۔ آپ نے ان دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کرادیا۔ مقتولین احد کے متعلق جو بات پیچھے بیان ہوئی ہے وہ یہاں صادق نہیں آتی۔

حرث اور مجذر نامی دو مسلمانوں کا واقعہ...... حمراء اسد سے آنحضرت ﷺ کی واپسی کے بعد جب کہ آپ مدینے آچکے تھے آپ کے پاس جبرئیلؑ آئے اور انہوں نے بتلایا کہ حرث ابن سوید نامی شخص اس وقت قباء میں موجود ہے لہٰذا وہاں پہنچ کر اس سے اس مسلمان کا قصاص اور بدلہ لیجئے جسے اس نے غداری کر کے احد کے دن قتل کیا تھا۔ حرث ابن سوید نے مجذر کو قتل کیا تھا۔ یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ یہ مجذر زیادہ کے بیٹے تھے۔

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دفعہ جاہلیت کے زمانے میں حرث کے باپ سوید نے مجذر کے باپ زیادہ کو قتل کر دیا تھا۔ اس کے بعد ایک دن مقتول کے بیٹے مجذر کو سوید پر قابو حاصل ہو گیا اور اس نے اپنے باپ کے قاتل کو مار ڈالا۔ یہ دونوں واقعے اسلام سے پہلے کے ہیں اور یہی واقعہ جنگ بعاث کا سبب بنا تھا۔ اس کے بعد جب رسول اللہ ﷺ مدینے تشریف لے آئے تو دونوں مقتولوں کے بیٹے یعنی حرث ابن سوید اور مجذر ابن زیادہ مسلمان ہو گئے اور دونوں ہی غزوہ بدر میں بھی شریک ہوئے (مگر ان لوگوں کے دلوں میں اس واقعہ کا زخم موجود تھا یعنی حرث کا باپ سوید' مجذر کے باپ زیاد کا قاتل تھا اور مجذر' حرث کے باپ سوید کا قاتل تھا' لہٰذا غزوہ بدر کے دوران بھی حرث اپنے باپ کے قاتل مجذر کی تلاش میں رہا تاکہ موقعہ ملے تو اس کو اپنے باپ کے بدلے میں قتل کرے۔ مگر غزوہ بدر میں اسے اپنے اس مقصد میں کامیابی نہیں ہو سکی۔

حرث کے ہاتھوں مجذر کا قتل...... اس کے بعد غزوہ احد کا موقعہ آیا۔ جب مسلمان جنگ میں مصروف تھے اچانک حرث ابن سوید خاموشی سے مجذر کے پیچھے آیا اور تلوار کے ایک وار میں مجذر کی گردن کاٹ دی۔ ایک قول ہے کہ حرث ابن سوید نے قیس ابن زید کو بھی قتل کر دیا تھا۔

حرث کے قتل کا آسمانی حکم...... غرض جبرئیلؑ کے خبر دینے کے بعد آنحضرت ﷺ فوراً ہی قبا تشریف لے گئے اس روز آپ بالکل ناوقت قبا پہنچے۔ دوپہر کا وقت تھا اور سخت گرمی پڑ رہی تھی۔ آپ ایسے وقت کبھی وہاں نہیں جایا کرتے تھے۔ آپ وہاں پہنچے تو انصاری مسلمان آپ کے پاس آکر جمع ہو گئے ان میں حرث ابن سوید بھی تھا جو ایک نرم کپڑا پہنے ہوئے تھا۔ ایک روایت کے مطابق ایک نرم چادر لپیٹے ہوئے تھا۔ اور ایک روایت کے مطابق دو نقشین یعنی کامدار کپڑوں میں تھا اسی وقت اچانک رسول

اللہ ﷺ نے عویمر ابن ساعدہ کو حکم دیا کہ حرث کی گردن ماردیں آپ نے ان سے فرمایا۔

"حرث ابن سوید کو مسجد کے دروازے پر جاکر پکڑو اور اس کی گردن ماردو!"

حرث کی گرفتاری...... ایک قول ہے کہ یہ حکم آپ نے حضرت عثمان غنیؓ کو دیا تھا چنانچہ وہ حرث کو ان کی گردن مارنے کے لئے مسجد کے دروازے کے پاس لائے۔ اس وقت حرث ابن سوید نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آخر کیوں (میری گردن ماری جارہی ہے) آپ نے فرمایا۔

"تمہارے مجذر ابن زیاد اور قیس ابن زید کو قتل کرنے کی وجہ سے!"

یہ سننے کے بعد حرث نے ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا۔ اس کے بعد ان کی گردن ماردی گئی۔

اقبال جرم اور معافی کی درخواست...... (قال) ایک روایت میں ہے کہ یہ سن کر حرث نے کہا۔

"خدا کی قسم! میں نے اس کو یعنی مجذر کو قتل ضرور کیا ہے مگر اس وجہ سے ہرگز قتل نہیں کیا کہ میں اسلام سے پھر گیا ہوں! نہ ہی اس لئے کہ مجھے اسلام کی سچائی میں (خدانخواستہ) کوئی شک وشبہ ہے' بلکہ صرف اس لئے کہ شیطان نے مجھے غیرت اور عار دلائی تھی۔ اور اب میں اپنے اس فعل سے جس کا آپ کو علم ہے خدا رسول کے سامنے توبہ کرتا ہوں' اور مقتول کا خون بہا یعنی جان کی قیمت ادا کرنے کو تیار ہوں (نیز اس جرم کے کفارہ کے طور پر) مسلسل دو مہینے کے روزے رکھوں گا اور ایک غلام آزاد کروں گا"۔

حرث کا قتل...... مگر رسول اللہ ﷺ نے حرث کی اس معافی کو قبول نہیں فرمایا (چنانچہ حرث کو وہیں قتل کردیا گیا)۔

اس روایت میں حرث نے صرف مجذر کے قتل کا ذکر کیا ہے قیس ابن زید کے قتل کا ذکر نہیں کیا (جب کہ آنحضرت ﷺ نے حرث کے سامنے دونوں کے قتل کا تذکرہ فرمایا) شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ حرث نے یہ گفتگو صرف مجذر کے قتل پر کی ہو۔ ویسے جب حرث کو مجذر کے مارنے کے بدلے میں قتل کا مستحق قرار دیا گیا تو قیس ابن زید کے بدلے میں یقیناً ہی وہ قتل کے مستحق سمجھے جائیں گے۔

غزوہ بنی نضیر

تاریخ غزوہ...... یہ بنی نضیر مدینے کے یہودیوں کا ہی ایک خاندان تھا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ بنی نضیر خیبر کے یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا اور ان کی بستی کو زہرہ کہا جاتا تھا۔ یہ غزوہ ربیع الاول ۴ھ میں پیش آیا۔ ایک قول ہے کہ یہ غزوہ احد سے پہلے کا واقعہ ہے اور راوی کے مطابق امام بخاری کا قول بھی یہی ہے۔ مگر علامہ ابن کثیرؒ نے کہا ہے کہ غزوہ بنی نضیر کو غزوہ احد کے بعد ذکر کرنا ہی درست اور صحیح ترتیب ہے جیسا کہ ابن اسحاق وغیرہ نے کہا ہے جو غزوات کے علم میں امام ہے۔

اس غزوہ کا سبب...... رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ بنی نضیر کے یہودیوں سے جنگ کے لئے تیار ہو جائیں اور ان کے مقابلے کو چلیں۔ اس غزوہ کے سبب میں اختلاف ہے۔

ایک قول ہے کہ آنحضرت ﷺ ان لوگوں کے پاس اس لئے تشریف لے گئے تھے تاکہ یہ معلوم کریں کہ ان لوگوں میں دیت کی کیا کیفیت ہے' اس کی وجہ یہ تھی کہ ان یہودیوں اور ان دو آدمیوں کے قبیلے کے درمیان پیمان اور معاہدہ تھا جن کو عمرو ابن امیہ ضمری نے اس وقت قتل کر دیا تھا جب وہ بیر معونہ سے واپس مدینے آرہے تھے۔

عمرو کے ہاتھوں یہود کے دو حلیفوں کا قتل...... (اس واقعہ کی پوری تفصیل آگے صحابہ کی فوجی مہموں میں ذکر ہوگی۔ یہاں مختصراً اتنا جان لینا کافی ہوگا کہ عمرو ابن امیہ ضمری بیر معونہ سے واپس مدینے آرہے تھے' راستے میں قبیلہ بنی عامر کے دو مشرک بھی ان کے ساتھ ہوگئے۔ چلتے چلتے یہ قنات کے مقام پر ایک باغ میں ٹھہرے' یہ دونوں مشرک یہاں پہنچ کر پڑتے ہی سوگئے۔ عمرو ابن امیہ ضمری نے اس وقت یہ سوچا کہ ان کے سردار عامر ابن طفیل نے ستر مسلمانوں کو قتل کر دیا ہے لہٰذا ان کے بدلے میں کم از کم ان دو آدمیوں کو ہی مار دیا جائے' چنانچہ انہوں نے ان دونوں آدمیوں کو پکڑ کر قتل کر دیا مگر رسول اللہ ﷺ نے اس قبیلہ کے ساتھ معاہدہ کر رکھا تھا جس کی عمرو ابن امیہ ضمیر کو خبر نہیں تھی' وہاں سے مدینے آتے ہی عمرو نے آنحضرت ﷺ کو یہ سارا واقعہ بتلا دیا۔ آپ نے فرمایا کہ ان سے تو ہمارا معاہدہ ہے اس لئے ان کا خون بہا دینا ضروری ہے ادھر بنی عامر کا قبیلہ بنی نضیر کے یہودیوں سے بھی معاہدہ تھا اور بنی نضیر اور مسلمانوں کے درمیان بھی معاہدہ تھا لہٰذا اس معاہدہ کی رو سے بنی نضیر کو بھی خون بہا ادا کرنے میں مسلمانوں کے ساتھ شرکت کرنی ضروری تھی)۔

چنانچہ ایک قول ہے کہ آنحضرت ﷺ اسی مقصد سے بنی نضیر کے محلے میں گئے تاکہ بنی عامر کو ادا کی جانے والی دیت یعنی خون بہا کی رقم میں یہودیوں سے بھی مدد لیں جیسا کہ معاہدے کی رو سے وہ اس کے پابند تھے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے یہودیوں سے یہ معاہدہ کر رکھا تھا کہ جب کسی کا خون بہا دینے کا موقعہ ہوگا تو وہ اس کی فراہمی میں آپ کی مدد کیا کریں گے۔

ایک قول یہ ہے کہ آپ ان دونوں بنی عامر کے مقتولوں کی دیت ہی وصول کرنے کے لئے بنی نضیر کے پاس تشریف لے گئے کیونکہ بنی نضیر ان دونوں مقتولوں کے قبیلے کے معاہدہ بردار تھے۔

آنحضرت ﷺ مشورہ کے لئے بنی نضیر میں...... آنحضرت ﷺ صحابہ کی ایک مختصر جماعت کے ساتھ بنی نضیر کے یہاں تشریف لے گئے جن کی تعداد دس سے کم تھی۔ ان میں حضرت ابوبکرؓ' حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ بھی تھے (آنحضرت ﷺ نے وہاں پہنچ کر ان سے رقم کی بات کی تو) یہودیوں نے کہا۔

"ہاں ہاں ابو القاسم! آپؐ پہلے کھانا کھا لیجئے پھر آپ کا کام بھی کر دیا جائے گا"۔

آنحضرت ﷺ کے قتل کے لئے یہود کی سازش...... (اس طرح یہودیوں نے ظاہری طور پر تو بڑی خندہ پیشانی سے آپؐ سے بات کی اور اندر اندر آپ کے قتل کی سازش کی) اس وقت آنحضرت ﷺ ایک دیوار کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ یہودیوں نے آپس میں سازش کی اور کہنے لگے کہ اس شخص کو یعنی آنحضرت ﷺ کو ختم کرنے کے لئے تمہیں اس سے بہتر موقعہ نہیں ملے گا۔ اس لئے بتاؤ کون ہے جو فوراً اس مکان کی چھت پر چڑھ کر دیوار پر سے ایک پتھر ان کے اوپر گرا دے تاکہ ہمیں ان سے نجات مل جائے۔ اس پر یہودیوں کے ایک سردار عمرو ابن حجاش نے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور کہا کہ میں اس کام کے لئے تیار ہوں۔ مگر اسی وقت سلام ابن مشکم نامی ایک دوسرے یہودی سردار نے اس ارادہ کی مخالفت کی اور کہا۔

"یہ حرکت ہرگز مت کرنا۔ خدا کی قسم تم جو کچھ سوچ رہے ہو اس کی انہیں ضرور خبر مل جائے گی۔ یہ بات بدعہدی کی ہے جب کہ ہمارے اور ان کے درمیان معاہدہ موجود ہے!"

وحی کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کو سازش کا علم...... (مگر یہودی نہیں مانے) پھر وہ شخص جب اوپر پہنچ گیا تاکہ آنحضرت ﷺ پر پتھر پھینک مارے تو آنحضرت ﷺ کے پاس آسمان سے اس سازش کی خبر آئی کہ یہودی کیا کرنے والے ہیں۔ آپ فوراً اپنی جگہ سے اٹھے اور اپنے ساتھیوں کو وہیں بیٹھا چھوڑ کر اس طرح روانہ ہو گئے جیسے آپ کو کوئی کام ہے۔ آپ تیزی کے ساتھ واپس مدینے چلے گئے۔ آپ کے ساتھیوں کو کچھ خبر نہیں ہوئی کہ آپ کہاں اور کیوں چلے گئے۔ آخر جب دیر ہو گئی تو صحابہ آپ کی تلاش میں اٹھے۔ راستے میں ان کو مدینے سے آتا ہوا ایک شخص ملا صحابہ نے اس سے آنحضرت ﷺ کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا کہ میں نے آپ کو مدینہ میں دیکھا تھا۔ صحابہ فوراً مدینے میں آپ کے پاس پہنچے۔ تب آپ نے ان لوگوں کو بتلایا کہ بنی نضیر نے کیا سازش کی تھی اور کیوں آپؐ اچانک اٹھ کر واپس تشریف لے آئے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ صرف پانچ سات صحابہ کے ساتھ بنی نضیر کی بستی میں پہنچے تو یہودیوں نے اتنے کم صحابہ کو دیکھ کر کہا کہ آؤ ہم محمد ﷺ کو قتل کر دیں اور ان کے ساتھیوں کو قیدی بنا کر کے لے جائیں اور قریشیوں کے ہاتھوں بیچ دیں۔ بہر حال یہ دونوں باتیں ممکن ہے۔

یہود کا فریب...... آنحضرت ﷺ کے بنی نضیر کی بستی میں جانے کا ایک سبب اور بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہودیوں نے آنحضرت ﷺ کے پاس کہلایا تھا کہ آپ اپنے تیس صحابہ کے ساتھ ہمارے یہاں آیئے اور ہم میں سے تیس مذہبی پیشوا آپ سے ملیں۔ اگر ان سب نے آپؐ کی نبوت کی تصدیق کر دی اور آپ پر ایمان لے آئے تو ہم بھی آپ پر ایمان لے آئیں گے۔

چنانچہ اگلے دن آنحضرت ﷺ تیس صحابہ کے ساتھ ان کے یہاں پہنچے اس وقت یہودی آپس میں کہنے لگے کہ ان کے ساتھ تو تیس آدمی ہیں تم کیسے ان پر ہاتھ ڈالو گے جب کہ ان کا ہر ساتھی چاہتا ہے کہ ان کے لئے جان کی بازی لگا دے۔ اس لئے اب محمدؐ سے کہو کہ اپنے تین صحابہ کے ساتھ آئیں اور ہمارے بھی تین ہی عالم آپ سے ملیں گے اگر وہ آپ پر ایمان لے آئے تو ہم بھی آپ کی پیروی کو قبول کر لیں گے۔

ایک مسلمان کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کو اطلاع...... آنحضرت ﷺ اس پر تیار ہو گئے ادھر یہودیوں کی طرف سے جو تین آدمی سامنے آئے انہوں نے اپنے پاس خنجر چھپا رکھے تھے۔ اسی وقت بنی نضیر کی ایک عورت نے اپنے بھائی کو اس سازش کی اطلاع دی' اس عورت کا بھائی مسلمان ہو چکا تھا۔ اس شخص نے یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کو بتلا دیا۔ آنحضرت ﷺ اس خبر پر

فوراً بنی نضیر کے یہاں سے واپس لوٹ آئے۔

اس طرح آنحضرت ﷺ کے بنی نضیر کے یہاں جانے کے سبب میں اختلاف ہے لیکن اس سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ وہاں جانے کا وہ سبب بھی رہا ہو جو پیچھے بیان ہوا اور یہ بھی رہا ہو۔ دونوں باتوں کے پیش آنے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ مگر سیرت شمس شامی میں یہ بھی ہے کہ اس سازش کی خبر آنحضرت ﷺ کو بنی نضیر کے یہاں پہنچنے سے پہلے ہی ہو گئی لہٰذا آپ پہلے ہی لوٹ گئے تھے۔

یہود کی ناکامی و خواری...... غرض ادھر وہ شخص مکان کی چھت پر پہنچا اور ادھر آنحضرت ﷺ خاموشی کے ساتھ دیوار کے نیچے سے اٹھ کر مدینے تشریف لے گئے۔ یہودیوں کو آپ کے جانے کی خبر نہیں ہوئی۔ وہ لوگ چھت پر پہنچ کر پتھر تول رہے تھے کہ مدینے کے یہودیوں میں سے ایک شخص ان کے پاس پہنچا۔ اس نے لوگوں سے پوچھا کہ کیا کر رہے ہو۔ یہودیوں نے بتایا کہ ہم نے اس وقت ایک پتھر لڑھکا کر محمد ﷺ کو ختم کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ اس شخص نے لوگوں سے کہا۔

"اور محمد کہاں ہیں!"

یہودیوں نے (غالباً اوپر سے جھانکے بغیر) کہا کہ یہ نیچے بیٹھے ہوئے ہیں اس شخص نے کہا "خدا کی قسم میں تو ابھی محمد ﷺ کو مدینے کے اندر چھوڑ کر آ رہا ہوں!"

یہ سنتے ہی یہودی حیران و پریشان اس شخص کا منہ دیکھنے لگے۔ آخر میں بولے۔ "انہیں ہماری سازش کی خبر ہو گئی!"

یہود کو جلاوطنی کا حکم......ادھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے مدینے پہنچنے کے بعد حضرت محمد ابن مسلمہ کو بنی نضیر کے پاس بھیجا اور یہ پیغام دیا:

"میرے شہر یعنی مدینے سے نکل جاؤ (کیونکہ یہ شہر مسلمانوں کی علمبرداری میں تھا) تم لوگ اب میرے شہر میں نہیں رہ سکتے۔ اس لئے کہ تم نے جو کچھ منصوبہ بنایا تھا وہ غداری تھی"۔

شہر خالی کرنے کے لئے دس دن کی مہلت......اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو ان کی پوری سازش بتلائی کہ کس طرح عمرو ابن حجاش نامی یہودی چھت پر گیا تھا تاکہ آنحضرت ﷺ پر پتھر پھینک مارے (حالانکہ اس سازش کا حال ان چند یہودیوں کے سوا کسی کو معلوم نہیں تھا) آپ کی زبانی یہ تفصیلات سن کر وہ لوگ خاموش رہ گئے اور ایک لفظ بھی منہ سے نہ بول سکے۔ پھر حضرت محمد ابن مسلمہ نے ان سے کہا۔

آنحضرت ﷺ کا حکم ہے کہ تم لوگ دس دن کے اندر اندر یہاں سے نکل جاؤ جو شخص بھی اس مدت کے بعد یہاں پایا گیا اس کی گردن مار دی جائے گی۔

ایک قول ہے کہ اس موقعہ پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْاذْ كُرُوْ نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ اِذْهَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْ اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ۔(المائدہ۶)

ترجمہ: اے ایمان والوں اللہ تعالیٰ کے انعام کو یاد کرو جو تم پر ہوا ہے جب کہ ایک قوم اس فکر میں تھی کہ تم پر دست درازی کریں سو اللہ تعالیٰ نے ان کا قابو تم پر نہ چلنے دیا۔

یہاں یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ یہ آیت جیسا کہ پیچھے غزوہ ذی امر کے بیان میں گزرا دعثور نامی شخص کے واقعہ میں نازل

ہوئی تھی کیونکہ یہ بات ممکن ہے کہ ایک ہی آیت مختلف موقعوں پر نازل ہو۔

منافقوں کی طرف سے یہود کو سہارا..... غرض آنحضرت ﷺ کا یہ حکم پہنچنے کے بعد بنی نضیر کے یہودیوں نے مدینہ سے جلاوطنی کی تیاری شروع کر دی اور اونٹوں کا انتظام کرنے لگ گئے مگر اسی وقت منافقین نے ان کے پاس پیغام بھیجا کہ اپنے گھر بار اور وطن چھوڑ کر ہرگز کہیں مت جاؤ ہم لوگ تمہارے ساتھ ہیں۔ اگر تم سے جنگ کی نوبت آئی تو ہم تمہاری مدد کو آئیں گے اور اگر تم لوگوں کو یہاں سے نکلنے اور جلاوطن ہونے پر ہی مجبور ہونا پڑا تو ہم تم سے پیچھے نہیں رہیں گے۔

ابن ابی کی طرف سے مدد کا وعدہ..... یہودیوں کو روکنے میں سب سے پیش پیش منافقوں کا سردار عبداللہ ابن ابی ابن سلول تھا۔ اس نے یہودیوں کو پیغام بھیجا۔ اپنے گھروں کو چھوڑ کر ہرگز کہیں مت جاؤ بلکہ اپنی حویلیوں میں جمے رہو۔ میرے ساتھ دو ہزار جاں باز موجود ہیں جن میں میری قوم کے لوگ بھی ہیں اور عرب کے دوسرے قبائل بھی ہیں وہ لوگ وقت پر تمہاری حویلیوں میں تمہارے ساتھ آملیں گے اور آخر دم تک تمہارے لئے جنگ کریں گے۔ تم پر آنچ آنے سے پہلے وہ اپنی جانیں پیش کریں گے۔ اسی طرح بنی قریظہ کے لوگ اور قبیلہ غطفان میں ان کے حلیف یعنی دوست بھی تمہاری طرف مدد کا ہاتھ بڑھاتے ہیں"۔

یہود کو ڈھارس اور جلاوطنی سے انکار..... ابن ابی کا یہ پیغام ملنے پر بنی نضیر کو زبردست ڈھارس بندھی اور انہوں نے جلاوطنی کا ارادہ ختم کر دیا) ساتھ ہی انہوں نے آنحضرت ﷺ کے پاس یہ کہلایا "ہم اپنا وطن ہرگز نہیں چھوڑیں گے' آپ کا جو دل چاہے کر دیکھئے"۔

یہ پیغام سن کر رسول خدا ﷺ نے کلمہ تکبیر بلند فرمایا اور مسلمانوں نے آپ کے ساتھ تکبیر کہی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ یہود برسرِ پیکار ہو چکے ہیں۔

ابن مشکم کی حیّ کو فہمائش..... ادھر اس سرکشی میں جو شخص یہودیوں کی سربراہی کر رہا تھا وہ حیی ابن اخطب تھا جو ام المومنین حضرت صفیہ کا باپ تھا اور بنی نضیر کے ایک دوسرے سردار یعنی سلام ابن مشکم نے حیّ کو اس سرکشی سے روکا اور کہا۔

"حیّ! خدا کی قسم اپنے اس سرکش ارادہ سے باز رہو کیونکہ ابی کی بات اور وعدے کا کوئی بھروسہ نہیں ہے وہ صرف چاہتا ہے کہ تمہیں محمد ﷺ سے لڑا کر ہلاکت میں ڈال دے اور خود گھر بیٹھ کر تماشہ دیکھے۔ دیکھتے نہیں اس نے بنی قریظہ کے سردار کعب ابن اسد قرظی کے پاس پیغام بھیجا تھا کہ بنی قریظہ کے لوگوں کو اس موقعہ پر تمہاری یعنی بنی نضیر کے یہودیوں کی مدد کرنی چاہئے مگر کعب نے جواب دے دیا ہے کہ ہم میں سے ایک شخص بھی مسلمانوں کے ساتھ کئے ہوئے اپنے معاہدے کو نہیں توڑے گا۔ اس پر وہ بنی قریظہ سے مایوس ہو گیا۔ جیسا وعدہ اس نے تم سے کیا ہے ایسا ہی وعدہ بنی قینقاع کے اپنے حلیفوں سے بھی کیا تھا (چنانچہ بنی قینقاع کے لوگ اس کی باتوں میں آگئے اور) انہوں نے محمد ﷺ سے بھی جنگ کی اور معاہدہ توڑ کر اپنے آپ کو قلعہ بند کر لیا اور ابن ابی اور اس کی مدد کا انتظار کرنے لگے مگر وہ اپنے گھر میں چھپا بیٹھا رہا اور محمد ﷺ اپنا لشکر لے کر بنی قینقاع کی سرکوبی کے لئے پہنچ گئے یہاں تک کہ محمد ﷺ کے حکم پر بنی قینقاع کو جلاوطنی اختیار کرنی پڑی۔ اب خود سوچ لو جب ابن ابی نے ان لوگوں کی مدد نہیں کی جو اس کے حلیف اور دوست تھے اور جو دشمنوں سے اس کی حفاظت کرتے تھے تو ہم ان لوگوں میں ہیں جو ہمیشہ سے قبیلہ اوس کی حمایت میں قبیلہ خزرج سے لڑتے آرہے ہیں"۔

نصیحت ماننے سے حیّ ابن اخطب کا انکار..... کیونکہ قبیلہ اوس اور قبیلہ خزرج کے درمیان جب کبھی جنگ ہوئی تھی تو بنی

قینقاع کے یہودی تو قبیلہ خزرج کی حمایت میدان میں نکلتے تھے اور بنی نضیر اور بنی قریظہ کے یہودی قبیلہ اوس کی حمایت میں نکلتے تھے' غرض یہ سب کہنے کے بعد سلام نے حی سے کہا۔

اب تم خود سوچ لو کہ ابن ابی کی بات پر کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

"ہمارے سامنے محمد ﷺ کی دشمنی اور ان سے جنگ کے سوا اور کوئی مقصد نہیں ہے"۔

بھیانک نتائج کی طرف انتباہ...... سلام نے کہا۔

"تو پھر خدا کی قسم اس کا نتیجہ صرف یہ ہوگا کہ ہم اپنے وطن سے بے وطن کر دیئے جائیں گے' ہمارا مال و دولت اور عزت واعزاز فنا ہو جائے گا' ہمارے گھر والے قیدی اور غلام بنائے جائیں گے اور ہمارے جنگ آزما نوجوان قتل ہو جائیں گے......"

حی کیلئے بنی نضیر کی تابعداری...... مگر حی آنحضرت ﷺ سے جنگ کرنے پر تلا رہا ادھر بنی نضیر کے یہودیوں نے اس سے کہا:

"ہمارا معاملہ تمہارے تابع ہے ہم کسی حال میں بھی تمہاری مخالفت نہیں کریں گے!"

مسلمانوں کا بنی نضیر کی طرف کوچ...... چنانچہ حی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس وہ پیغام بھیج دیا کہ ہم اپنا وطن ہرگز نہیں چھوڑیں گے اس لئے جو تمہارے جی میں آئے کر دیکھو۔ اس پیغام پر مسلمان جنگ کی تیاریوں میں لگ گئے۔ جب تمام مسلمان جمع ہو گئے تو آنحضرت ﷺ کے ساتھ بنی نضیر کے مقابلے کے لئے کوچ فرمایا اس موقعہ پر آپ نے مدینے میں حضرت ابن ام مکتومؓ کو اپنا قائم مقام بنایا۔ جنگی پرچم حضرت علی ابن ابو طالب نے اٹھایا۔ آنحضرت ﷺ مسلم لشکر کے ساتھ آگے بڑھے یہاں تک کہ شام کے قریب آپ نے بنی نضیر کی بستی میں پہنچ کر پڑاؤ ڈالا اور ان کے چوک میں عصر کی نماز ادا فرمائی۔ ادھر یہودی اپنی حویلیوں میں قلعہ بند ہو گئے تھے اور چھتوں پر سے تیر اور پتھر برسانے لگے۔

یہود کی ہٹ دھرمی و سرکشی...... بعض مورخوں نے یوں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو بنی نضیر کی طرف کوچ کا حکم دیا اور جب آپ اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچے تو آپ نے ان کو کعب ابن اشرف یہودی کی موت پر اس کا ماتم کرتے ہوئے پایا۔ کعب ابن اشرف کے قتل کا واقعہ آگے صحابہ کی فوجی مہمات کے بیان میں آئے گا یہودی کہہ رہے تھے۔

"اے محمد ﷺ ہمیں صدموں پر صدمے دیکھنے پڑ رہے ہیں اور ایک کے بعد دوسرے پر رونا پڑ رہا ہے روتے روتے ہماری آنکھیں خشک ہو چکی ہیں۔ مگر اب تم اپنی فکر کر لو"!

غرض آپ نے یہودیوں سے فرمایا۔

"تم لوگ یہاں سے نکل جاؤ اور مدینہ خالی کر دو!"

یہود نے کہا۔

"ہمارے نزدیک اس سے کہیں زیادہ آسان بات یہ ہے کہ ہم اپنی جانیں دے دیں......!"

اس کے بعد یہودیوں نے جنگ شروع کر دی۔ یہاں تک ان بعض علماء کا کلام ہے۔ (قال) غرض جب عشاء کا وقت ہو گیا تو آنحضرت ﷺ دس صحابہ کے ساتھ واپس اپنے گھر تشریف لے گئے اس وقت آپ زرہ پہنے ہوئے تھے اور گھوڑے پر سوار تھے۔ لشکر میں آپ نے اپنا قائم مقام حضرت علی کو بنا دیا تھا اور ایک قول ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کو بنایا تھا۔

یہود کا محاصرہ...... مسلمانوں نے رات اسی حالت میں گذاری کہ وہ یہودیوں کا محاصرہ کئے ہوئے تھے اور بار بار نعرہ تکبیر بلند کرتے رہتے تھے یہاں تک کہ صبح کا اجالا ہونے لگا۔ حضرت بلالؓ نے فجر کی اذان دی۔ اسی وقت آنحضرت ﷺ ان دس صحابہ کے ساتھ

واپس لشکر گاہ میں تشریف لے آئے جن کے ساتھ گئے تھے اور آپ نے فجر کی نماز پڑھائی۔ پھر آپ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ وہ آپ کے لئے ایک قبہ بنادیں۔ یہ قبہ لکڑی کا تھا اور اس پر اونی کپڑا ڈال دیا گیا تھا۔ آنحضرت ﷺ اس قبہ میں قیام فرما ہوئے۔

قبہ پر غزول کی تیر اندازی...... یہودیوں میں ایک شخص تھا جس کا نام غزول تھا۔ یہ شخص نہایت بہترین اور پرزور تیر انداز تھا۔ اس کا پھینکا ہوا تیر دوسروں سے کہیں دور تک جاتا تھا (چنانچہ اس نے حویلی کی چھت پر سے ایک تیر چلایا) جو آنحضرت ﷺ کے اس قبہ تک پہنچا۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے قبہ کو وہاں سے ہٹا کر دوسری جگہ نصب کرانے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ صحابہ نے آپ کے حکم کی تعمیل کی۔

اسی دوران ایک رات حضرت علیؓ لشکر میں غائب پائے گئے۔ لوگوں نے آپ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ ﷺ! علی کہیں نظر نہیں آرہے ہیں"!

آپ نے فرمایا۔

"ان کی فکر نہ کرو کیونکہ وہ تمہارے ہی ایک کام سے گئے ہیں"۔

غزول کا سر نیزہ حیدری پر...... اس کے بعد تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ حضرت علیؓ اس شخص اس کا سر لئے ہوئے آئے جس کا نام غزول تھا اور جس کا تیر رسول اللہ ﷺ کے قبہ تک پہنچا تھا۔ حضرت علیؓ اسی وقت غزول کی گھات میں بیٹھ گئے تھے جب وہ مسلمانوں کے کسی بڑے سردار کو مارنے کے لئے چلا تھا اس کے ساتھ ایک جماعت بھی تھی اس دستے کے ساتھ وہ کسی بڑے مسلمان کے قتل کی فکر میں تھا) حضرت علی نے اس پر حملہ کیا اور اسے قتل کر دیا اور اس کے ساتھ جو دوسرے لوگ تھے وہ سب فرار ہو گئے۔

اسلامی دستہ یہود کی تلاش میں...... پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کے ساتھ دس آدمیوں کی ایک جماعت روانہ فرمائی جس میں حضرت ابودجانہؓ اور حضرت سہل ابن حنیفؓ بھی تھے۔ ان لوگوں نے اس جماعت کو جا پکڑا جو غزول کے ساتھ تھی اور حضرت علیؓ کو دیکھ کر بھاگ گئی تھی ان لوگوں نے ان سب کو قتل کر دیا۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس جماعت میں دس آدمی تھے مسلمان ان کو قتل کر کے سر لیکر آئے جنہیں بعد میں مختلف کنوؤں میں ڈال دیا گیا۔ اس روایت سے ان رافضیوں کی تردید ہو جاتی ہے جو کہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ غزول کے ساتھ جو لوگ تھے ان کو حضرت علی نے ہی قتل کر دیا تھا۔

بنی نضیر کے باغات کاٹنے کا حکم...... غرض جب یہودیوں کا محاصرہ کئے ہوئے مسلمانوں کو چھ راتیں گزر گئیں تو آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ ان کے باغات کاٹ ڈالے جائیں اور انہیں جلا دیا جائے۔ ایک قول ہے کہ یہ حکم پندرہ دن تک محاصرہ کرنے کے بعد دیا گیا۔ ایک قول بیس رات ایک قول تیس رات اور ایک قول پچیس رات کا بھی ہے۔

باغات کی مشہور کھجوریں...... محاصرہ کی اس پوری مدت میں حضرت سعدؓ ابن عبادہ مسلمانوں کے لئے کھجوریں لایا کرتے تھے یعنی ان کے یہاں سے کھجوریں لائی جاتی تھیں۔

(قال) کھجور کے باغات کاٹنے پر آنحضرت ﷺ نے حضرت ابولیلیٰ مازنی اور حضرت عبداللہ ابن سلام کو متعین فرمایا حضرت ابولیلیٰ تو وہ کھجوریں توڑتے تھے جو عجوہ کہلاتی تھیں اور حضرت عبداللہ وہ کھجوریں توڑتے تھے جو رطب کہلاتی تھیں۔ ان نرم کھجوروں کو لون کہا جاتا ہے جو عجوہ یعنی خشک کھجوروں اور برنی کے علاوہ ہوتی ہیں۔ یہ دونوں مدینے کی کھجوروں کی قسمیں ہیں۔

کھجوریں کٹنے پر یہود کی آہ وبکا...... غرض جب مسلمانوں نے بنی نضیر کے باغات میں عجوہ کھجوروں کی فصل کاٹنی شروع کی تو یہودی عورتوں نے مارے رنج و غم کے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے 'اپنے منہ نوچ ڈالے اور رو رو کر واویلا کرنے لگیں۔ اور وہ چند درخت جو جلائے گئے اس مقام پر تھے جو بویرہ کے نام سے مشہور تھا۔ جس کو یہاں حفرہ یعنی گڑھا کہا جاتا ہے۔ نیز اس کو بولہ بھی کہا جاتا ہے۔

غرض مسلمانوں کو باغات کاٹتے اور جلاتے دیکھ کر یہودیوں نے آنحضرت ﷺ سے پکار کر کہا۔

یہود کی طرف سے امن وانصاف کی دہائی...... "اے محمد! ایک روایت میں یوں ہے کہ اے ابوالقاسم! آپ تو فساد سے منع کیا کرتے تھے اور جو کوئی کرتا تھا اسے برا کہا کرتے تھے اب یہ باغات کیوں کاٹ اور جلا رہے ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ۔ پھر اب یہ فساد خود کیوں پھیلا رہے ہو۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ "اے محمد! آپ کا دعوی تو یہ تھا کہ آپ صلاح اور امن کے لئے آئے ہیں۔ کیا باغات کاٹنا بھی آپ کی امن پسندی میں شامل ہے اور جس کلام کے متعلق آپ کا دعوی ہے کہ وہ آپ پر نازل ہوتا ہے کیا اس میں بھی یہ ہے کہ روئے زمین پر فساد پھیلاؤ۔ "تم تو فساد کو ناپسندیدہ چیز قرار دیتے ہو۔ پھر خود یہی فساد کیوں پھلا رہے ہو"۔

جواب میں وحی کا نزول...... یہودیوں کی ان باتوں کی وجہ سے بعض مسلمانوں کے دلوں میں خیال اثر کرنے لگا۔ اس وقت حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْتَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ۔
(پ۲۸ سورہ حشر ع۱ آیت ۵)

ترجمہ: جو کھجوروں کے درخت تم نے کاٹ ڈالے یا ان کو جگہ پر کھڑا رہنے دیا سو دونوں باتیں خدا ہی کے حکم اور رضا کے موافق ہیں اور تاکہ کافروں کو ذلیل کرے۔!

(ی) کیونکہ یہودیوں کے قول کے مطابق مسلمانوں کا یہ فعل فساد تھا۔ بعض علماء نے اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ تمام باغات اور درخت جو مسلمانوں نے کاٹے یا جلائے ان کی تعداد چھ تھی۔

ابن ابی کی یہود کو یقین دہانیاں...... ادھر منافقوں کا سردار عبداللہ ابن ابی ابن سلول برابر بنی نضیر کے پاس پیغام بھیجتا رہا کہ تم لوگ اپنی جگہ پر ڈٹے رہو اور مقابلہ کرتے رہو کیونکہ اگر تم نے جنگ جاری رکھی تو ہم بھی تمہاری حمایت میں لڑیں گے اور تم یہاں سے نکالے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے۔

ابن ابی کی دغابازی...... عبداللہ ابن ابی کے اس وعدہ میں اس کی قوم کے کچھ لوگ اس کا ساتھ دے رہے تھے۔ یہودی ابن ابی کے وعدہ پر بھروسہ کرکے اپنی حویلیوں میں جمے رہے اور اس کی مدد کا انتظار کرتے رہے مگر ابن ابی نے ان کے ساتھ دغا کی اور نہ ان کی مدد کو آیا اور نہ اس سے یہودیوں کو کوئی سہارا ملا۔ ادھر سلام ابن مشکم اور کنانہ ابن صوریا (جو پہلے ہی ابن ابی پر بھروسہ کرنے کے خلاف تھے) حی ابن اخطب سے کہنے لگے۔

ابن ابی کی وہ مدد کہاں گئی جس کی تم آس لگائے بیٹھے تھے۔!"

حیی کی پشیمانی و بے چارگی...... حی ابن اخطب نے جواب دیا۔

"کیا کریں یہ مصیبت ہمارے مقدر میں لکھی ہوئی تھی!"

آخر جلاوطنی پر آمادگی...... ادھر آنحضرت ﷺ انکا سختی کیساتھ محاصرہ کئے رہے اور اللہ تعالیٰ نے انکے دلوں میں مسلمانوں کا رعب پیدا فرمادیا آخر کار انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ ان کو اس شرط پر جلاوطن ہونے کی اجازت دیدیجائے اور جان بخشی کردیجائے کہ سوائے ہتھیاروں کے انہیں ایسا تمام سامان ساتھ لے جانے دیا جائے جو اونٹوں پر لادا جاسکتا ہے' آنحضرت ﷺ نے انکی یہ شرط اور درخواست قبول فرمائی۔ چنانچہ یہودیوں نے اپنے اونٹوں پر عورتوں اور بچوں کے علاوہ اپناوہ سامان بھی لادلیا جو اونٹ لے جاسکتے ہیں صرف ہتھیار چھوڑ دیئے۔ان کے ساتھ کل ملا کر چھ سو اونٹ تھے۔

سوائے ہتھیاروں کے کل سامان کے ساتھ یہود کی روانگی...... ہر شخص خود اپنا مکان ڈھا کر اس کی لکڑی جیسے دروازے اور کھڑکیاں وغیرہ تک نکال کر اونٹوں پر لادلے گیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ ان لوگوں نے اپنے مکانوں کے ستون اور چھتیں تک توڑ ڈالیں' کواڑ تختے حتیٰ کہ چولیں تک نکال لیں اور محض حسد اور جلن میں اپنے مکانوں کی دیواریں تک منہدم کردیں تاکہ وہ اس قابل نہ رہ جائیں کہ ان کے جلاوطن ہو جانے کے بعد ان مکانوں کو مسلمان آباد کرسکیں۔

یہودی عورتوں کی آن بان...... ایک روایت میں ہے کہ مسلمان وہ مکان اور حویلیاں ڈھانے لگے جو ان کے قریب تھے اور دوسرے مسلمان اپنے قریب کی حویلیاں منہدم کرنے لگے۔ (قال) ایک روایت میں ہے کہ یہودی عورتیں ہودجوں میں اس شان سے بیٹھ کر روانہ ہوئیں کہ ان کے جسموں پر دیباج وریشم اور سبز سرخ رنگ کے اون اور ریشم کے لباس تھے اور سونے چاندی کے کام والے دوشالے تھے۔ان کے پیچھے یہودی عورتوں کا جتھا تھا جو دف اور باجے گاجے بجاتی ہوئی چل رہی تھیں۔

جلاوطنی کا عبرتناک منظر...... غرض بنی نضیر کے لوگ اس شان سے مدینے سے جلاوطنی کے لئے نکلے کہ مدینے کی سڑکیں ان سے بھر گئیں۔لوگ سڑکوں میں دونوں طرف کھڑے ہوئے اس منظر کو دیکھ رہے تھے اور یہودی قطار اندر قطار گزر رہے تھے۔ سلام بن ابوالحقیق نے اونٹ کی کھال کا ایک تھیلا اٹھا رکھا تھا۔ایک قول ہے کہ بیل کی کھال کا اور ایک قول کے مطابق گدھے کی کھال کا تھا جو زیورات سے بھرا ہوا تھا اور سلام پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ یہ مال و متاع ہم نے سرد و گرم حالات کے لئے جمع کر رکھا تھا۔ اور جہاں تک باغات کے ہاتھ سے جانے کا تعلق ہے تو باغات ہمیں خیبر میں بھی مل جائیں گے۔ منافقوں کو بنی نضیر کے جلاوطن ہو جانے پر زبردست رنج وصدمہ تھا۔

یہود کی دولت...... یہ تمام مال و دولت اور سونا چاندی اس سودی کاروبار کا تھا جو وہ مکے کے اور دوسرے عربوں سے کرتے تھے۔ یہ تمام دولت ابوالحقیق کی اولاد کے پاس رہا کرتی تھی۔ آگے غزوہ خیبر کے بیان میں آئے گا کہ آنحضرت ﷺ نے اسی مال و دولت کو ساز و سامان اور خزانہ کے لفظ سے تعبیر فرمایا تھا اور اسی دولت کی وجہ سے ابوالحقیق کے دو بیٹے قتل ہوئے کیونکہ انہوں نے اس خزانہ کو آنحضرت ﷺ سے بچانے کے لئے کہیں چھپادیا تھا۔

مدینے کے بعد خیبر میں یہود کا مسکن...... غرض بنی نضیر کے یہ یہودی مدینے سے جلاوطن ہو کر کچھ تو خیبر میں جا بسے ان میں یہودیوں کے بڑے اور سرکردہ لوگ تھے جیسے حیی ابن اخطب' سلام ابن ابوالحقیق اور کنانہ ابوربیع ابن ابوالحقیق وغیرہ۔ جب یہ لوگ خیبر پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے ان کو اپنے قدم جمانے کے لئے قرضے وغیرہ دیئے۔

یہود کے ساتھ انصاریوں کی اولاد...... اسی طرح کچھ لوگ مدینے سے نکل کر ملک شام کی طرف چلے گئے یعنی کھیتی باڑی کے علاقوں میں پہنچ گئے۔ ان یہودیوں میں کچھ انصاری مسلمانوں کے بیٹے بھی تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ اگر کسی انصاری

عورت کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی تو اسلام لانے سے پہلے ان میں یہ دستور تھا کہ وہ عورت یہ منت مان لیا کرتی تھی کہ اگر اس کا بیٹا زندہ رہا تو وہ اس کو یہودی بنادے گی (چنانچہ ایسے کئی لوگ تھے جو انصاریوں کے بیٹے تھے مگر وہ یہودی بنادیئے گئے تھے)۔

جب بنی نضیر کے لوگ جلاوطن ہونے لگے تو ان لڑکوں کے ماں باپ نے کہا کہ ہم اپنے بچوں کو ان کے ساتھ نہیں جانے دیں گے۔ اس پر حق تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے یہ وحی نازل فرمائی۔

لَا اِکْرَاہَ فِیْ الدِّیْنِ۔ (الآیہ پ۳ سورہ بقرہ ع۳۴ آیت ۲۵۶)

ترجمہ: دین میں زبردستی کا فی نفسہ کوئی موقع نہیں۔

بنی نضیر کے دو مسلمان...... تو یہ آیت ان ہی لوگوں کے لئے خاص طور پر نازل ہوئی تھی جو اسلام سے پہلے یہودی ہو چکے تھے ورنہ حربی کافروں کو اسلام کے لئے مجبور کرنا جائز ہے۔ بنی نضیر کے یہودیوں میں سے صرف دو آدمی مسلمان ہوئے ان میں سے ایک کا نام یامین ابن عمیر تھا اور دوسرے کا نام ابوسعد ابن وہب تھا۔ ان کے اسلام کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا۔

"تمہیں یقین ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ پھر آخر ہمیں اسلام قبول کرنے میں کسی بات کا انتظار ہے۔ اس سے ہماری جانیں اور ہمارا مال بھی محفوظ ہو جائے گا"۔

(اس پر دونوں متفق ہو گئے اور صبح ہی آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ اس طرح ان کا جان و مال بھی محفوظ ہو گیا۔ اس کے بعد یامین نے بنی قیس کے ایک شخص سے معاملہ کیا کہ اگر تم عمرو ابن حجاش کو قتل کر دو تو میں تمہیں دس دینار، اور ایک قول کے مطابق پانچ وسق کھجور دوں گا۔ یہ عمرو ابن حجاش وہی شخص تھا جس نے چھت پر سے آنحضرت ﷺ کے اوپر پتھر پھینک کر آپ کی جان لینے کا ارادہ کیا تھا۔

یامین کے ہاتھوں یہودی بدنہاد کا قتل...... اس معاملہ کا سبب یہ ہوا تھا کہ یامین کے مسلمان ہونے کے بعد ایک روز آنحضرت ﷺ نے ان سے کہا۔

"تم جانتے ہو گے کہ تمہارا چچازاد بھائی یعنی عمرو ابن حجاش میرے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہتا تھا اور کس طرح میری جان لینا چاہتا تھا"۔

اس پر یامین نے بنی قیس کے اس شخص سے عمرو کو قتل کرانے کا معاملہ کیا۔ چنانچہ ایک روز موقعہ پاکر اس شخص نے دھوکہ سے عمرو کو قتل کر دیا۔ آنحضرت ﷺ کو جب اس دشمن خدا کے قتل کی خبر ملی تو آپ بہت مسرور ہوئے۔

بنی نضیر کے متعلق سورت قرآنی...... بنی نضیر کے متعلق حق تعالیٰ نے سورہ حشر نازل فرمائی۔ چنانچہ اسی بناء پر حضرت ابن عباسؓ تو اس سورت کو سورۂ بنی نضیر ہی کہا کرتے تھے جیسا کہ بخاری میں ہے۔ علامہ سبکی نے لکھا ہے کہ اس بارے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ سورۂ حشر بنی نضیر کے معاملے میں ہی نازل ہوئی تھی۔

یہود کا اولین حشر...... موسیٰ ابن عقبہ نے لکھا ہے کہ ان یہودیوں کو جب سے یہ یہاں آباد ہوئے تھے کبھی جلاوطنی سے دوچار نہیں ہونا پڑا تھا اسی لئے ان کے اس حشر و انجام کو اولین حشر کہا گیا اور وہ حشر ان کی جلاوطنی اور گھر سے بے گھر ہونا تھا۔

مگر ایک قول کے مطابق حشر سے مراد میدان محشر ہے کیونکہ جب ان کو مدینے سے نکلنے کا حکم دیا گیا تو انہوں نے کہا تھا۔

"اے محمد! ہم آخر کہاں نکل جائیں؟"۔ آپ نے فرمایا۔ "حشر یعنی میدان محشر کی طرف!"

دوسرا حشر...... غرض یہ ان کا اولین حشر تھا اور ان کا دوسرا حشر آگ کا حشر ہو گا جو (قیامت کے قریب) عدن سے پھوٹے گی جس کے نتیجہ میں یہ لوگ (بد حواس ہو کر) بھاگیں گے اور اس مقام پر جمع ہوں گے جہاں قیامت میں حساب کتاب کا انتظار ہو گا۔

ایک قول یہ ہے کہ ان کا دوسرا حشر حضرت عمر فاروقؓ کے ہاتھوں ظاہر ہوا تھا کہ آپ نے ان لوگوں کو خیبر سے بھی جلاوطن کر کے تیماء اور اریحاء کے علاقوں کی طرف دھکیل دیا تھا جیسا کہ آگے اس کا بیان آئے گا۔

یہود پر مسلمانوں کی مصیبت...... غرض یہودیوں کے دلوں پر آنحضرت ﷺ کا خوف طاری ہو گیا مراد یہ ہے کہ ان کے دلوں میں یہ ڈر بیٹھ گیا کہ رسول اللہ ﷺ ہم سے زبردست انتقام لیں گے اور اس طرح ان کے گھروں پر بربادی و تباہی طاری ہو گئی ان گھروں کو گویا یہ خبر دے دی گئی تھی کہ ان کے مکین اس طرح ہلاک ہوں گے کہ ان کے علاقوں سے انہیں نکال کر جلاوطن کر دیا جائے گا۔

اس موقعہ پر حق تعالیٰ نے یہ وحی نازل فرمائی:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا وَّ اِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ☆ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ۔ لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ۔ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ۔ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ۔ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ۔ كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ۔ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ۔ (الآیہ پ ۲۸ سورہ حشر ع ۲ آیت ۱۱ تا ۱۶)

ترجمہ: کیا آپ نے ان منافقین یعنی عبداللہ ابن ابی وغیرہ کی حالت نہیں دیکھی کہ اپنے ہم مذہب بھائیوں سے کہ کفار اہل کتاب ہیں یعنی بنی نضیر سے کہتے ہیں کہ واللہ اگر تم نکالے گئے تو ہم تمہارے ساتھ نکل جاویں گے اور تمہارے معاملے میں ہم کسی کا بھی کہنا نہ مانیں گے اور اگر تم سے کسی کی لڑائی ہوئی تو تمہاری مدد کریں گے اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔ واللہ اگر اہل کتاب نکالے گئے تو یہ منافقین ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے لڑائی ہوئی تو یہ ان کی مدد نہ کریں گے اور اگر بفرض محال ان کی مدد بھی کی تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے پھر ان کی کوئی مدد نہ ہو گی۔ بے شک تم لوگوں کا خوف ان منافقین کے دلوں میں اللہ سے بھی زیادہ ہے اور یہ ان کا تم سے ڈرنا خدا سے ڈرنا اس سبب سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ سمجھتے نہیں۔ یہ لوگ تو سب مل کر بھی تم سے نہ لڑیں گے۔ مگر حفاظت والی بستیوں میں یا دیوار قلعہ و شہر پناہ کی آڑ میں۔ ان کی لڑائی آپس ہی میں بڑی تیز ہے اے مخاطب تو ان کو ظاہر میں متفق خیال کرتا ہے حالانکہ ان کے قلوب غیر متفق ہیں۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو دین کی عقل نہیں رکھتے۔ ان لوگوں کی یہی مثال ہے جو ان سے کچھ ہی پہلے ہوئے ہیں جو دنیا میں بھی اپنے کردار کا مزہ چکھ چکے ہیں اور آخرت میں بھی ان کے لئے دردناک عذاب ہونے والا ہے۔ شیطان کی سی مثال ہے کہ اول تو انسان سے کہتا ہے کہ تو کافر ہو جا۔ پھر جب وہ کافر ہو جاتا ہے تو اس وقت

صاف کہہ دیتا ہے کہ میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔

بنی نضیر سے حاصل شدہ فیٔ کا مال!...... بنی نضیر جو جو ہتھیار چھوڑ گئے تھے ان میں آنحضرت ﷺ نے پچاس زرہیں' پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں پائیں۔ اس مال غنیمت کا آنحضرت ﷺ نے پانچواں حصہ نہیں نکالا جیسا کہ آپ نے بنی قینقاع کے یہودیوں کے مال غنیمت میں پانچ حصے کئے تھے۔

(قال) حضرت عمرؓ نے آپ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! جو مال آپ کو ملا ہے کیا آپ اسکے پانچ حصے نہیں فرمائیں گے جیسا آپ نے بنی قینقاع کے مال میں کیا تھا!"

نبی کا مال مخصوص...... آپ ﷺ نے فرمایا:

"میں اس میں کچھ نہیں کرونگا جو اللہ تعالیٰ نے بغیر مومنین کے میرے لئے اپنے اس ارشاد کے ذریعہ خاص فرمادیا ہے"۔

مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى الخ (الآیہ پ۲۸ سورہ حشر ع۱ آیت ۷)

ترجمہ: جو کچھ اللہ تعالیٰ اس طور پر اپنے رسول کو دوسری بستیوں کے کافر لوگوں سے دلوادے۔ (جیسے فدک اور ایک حصہ خیبر کا) سو وہ بھی اللہ کا حق ہے اور رسول کا۔ الخ

اہل قریٰ...... یعنی اس مال کے طور پر جس میں دو حصے بنے ہوں۔ چنانچہ بنی نضیر کا مال و متاع اور ساز و سامان خاص رسول اللہ ﷺ کے لئے فیٔ کی حیثیت رکھتا ہے (فیٔ دشمن کا وہ مال ہے جو بغیر لڑے بھڑے اور جنگ کئے حاصل ہو)۔

اس بارے میں خصوصی تنبیہ غزوہ بنی قینقاع میں گزر چکی ہے۔ مفسرین نے قریٰ کی جو تفسیر کی ہے اس کے مطابق اس سے صفراء اور وادی قریٰ مراد ہیں یعنی اس کا تہائی جیسا کہ کتاب امتاع اور ینبع میں ہے۔ اور قریٰ کی تفسیر بنی نضیر اور خیبر بھی کی گئی ہے یعنی ان علاقوں کے تین قلعے یا حویلیاں جن کے نام کتیبہ 'وطیح اور سلالم تھے جیسا کہ کتاب امتاع میں ہے۔ اور اسی طرح فدک یعنی اس کا نصف آپ کا تھا جیسا کہ کتاب امتاع میں ہے کہ اس کو رافعی نے شرح مسند امام شافعی میں لکھا ہے۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ پہلا فیٔ کا مال ہے جو آنحضرت ﷺ کو حاصل ہوا۔ مگر پیچھے غزوہ بنی قینقاع میں جو روایت گزری اس سے اس کی تردید ہوتی ہے' لہٰذا اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے کہا جاتا ہے کہ مراد یہ ہے کہ یہ فیٔ کا وہ پہلا مال ہے جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے لئے خاص فرمایا اور جس کو مال غنیمت کے طور پر تقسیم نہیں فرمایا جیسا کہ گزشتہ روایت سے ظاہر ہوتا ہے (کیونکہ فیٔ کا مال نبی ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ نے خاص فرمادیا تھا کہ آپ اس کے مالک ہوتے تھے اور اپنی مرضی کے مطابق اس میں سے اپنے گھر والوں کا سال بھر کا خرچ دیتے تھے اور باقی مال ان مقاصد کے لئے خرچ فرماتے تھے جن کا اسی آیت میں آگے ذکر ہوا ہے)۔

تقسیم مال کے لئے انصار سے مشورہ اور تعریف...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ اوس اور قبیلہ خزرج کے مسلمانوں کو بلایا اور حق تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنے کے بعد آپ نے انصاری مسلمانوں کی ان خدمات اور ایثار و قربانی کا ذکر فرمایا جو انہوں نے مہاجر مسلمانوں کے سلسلے میں کیں کہ انہیں اپنے گھروں میں ٹھہرایا اور ان کے لئے اپنے مال و دولت کی قربانی دی۔

اس کے بعد آپ نے انصاری مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"تمہارے مہاجر مسلمان بھائیوں کی حالت یہ ہے کہ ان کے پاس کسی قسم کا مال و اسباب نہیں ہے اس لئے اگر تم چاہو تو میں یہ مال جو اللہ تعالیٰ نے فیٔ کے طور پر مجھے مرحمت فرمایا ہے اور جسے میرے لئے مخصوص فرمایا ہے تمہارے موجودہ مال و

دولت کے ہوتے ہوئے تمہارے ہی درمیان تقسیم کر دوں اور اگر تم راضی ہو تو اپنا مال تم اپنے پاس رکھو اور میں یہ مال صرف مہاجر مسلمانوں میں تقسیم کر دوں۔ اس پر انصاری مسلمانوں نے عرض کیا۔

''نہیں بلکہ آپ یہ مال بھی مہاجر بھائیوں میں تقسیم فرمادیں اور ہمارے مال میں بھی جتنا چاہیں لیکر انکو عنایت فرمادیں!''

مہاجروں میں مال کی تقسیم...... غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے وہ مال مہاجرین کے درمیان تقسیم فرمادیا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس مال کو تمام مہاجرین میں تقسیم نہیں فرمایا۔ جہاں تک انصاریوں کا تعلق ہے تو آپ نے اس مال میں سے دو انصاریوں کے سوا اور کسی کو کچھ نہیں دیا۔ وہ دو انصاری سہل ابن حنیف اور ابو دجانہ تھے جو بہت زیادہ ضرورتمند تھے۔ بعض علماء نے ان دونوں کے ساتھ ایک تیسرے انصاری حرث ابن صمہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ مگر بعض علماء نے اس میں یہ شبہ ظاہر کیا ہے کہ حرث بئر معونہ کے واقعہ میں اس سے پہلے قتل ہو چکے تھے۔

زمینوں کی تقسیم...... حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر عبدالرحمٰن ابن عوفؓ، حضرت صہیبؓ اور حضرت ابو سلمہ ابن عبدالاسد کو آپ نے بنی نضیر کی مشہور ضیاع یعنی زمینیں عنایت فرمائیں (یہاں روایت میں ضیاع کا لفظ استعمال ہوا ہے) غالباً ضیاع سے مراد زمینیں ہی ہیں۔ اسی بات کی تائید بخاری کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر کو بنی نضیر کی زمینوں میں سے زمین کا ایک قطعہ عنایت فرمایا۔ جیسا کہ امتاع کے قول کے مطابق مراد یہی ہے۔

غرض بنی نضیر کا مال آنحضرت ﷺ کے لئے صفی تھا جس کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی ضروریات کے لئے خاص فرمالیا تھا۔ آنحضرت ﷺ اس میں سے اپنے گھر والوں پر خرچ فرماتے اور اسی میں سے صدقات دیتے تھے۔

(اب بعض روایات سے معلوم ہوا کہ آپ نے اس فی میں سے زمینیں تقسیم نہیں فرمائیں اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ تقسیم فرمائی تھیں) مگر اس سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ شاید آپ نے ان میں سے کچھ زمینیں تو کچھ لوگوں کو عنایت فرمادیں اور کچھ اپنے لئے باقی رکھیں جن میں آپ کے لئے زراعت کی جاتی تھی۔

''انصار کے دیئے ہوئے مال کی واپسی کا حکم''...... جب آنحضرت ﷺ نے یہ مال مہاجرین میں تقسیم فرمایا تو ساتھ ہی ان کو حکم دیا کہ انصار کا جو مال ان کے پاس ہے وہ اس کو واپس کر دیں کیونکہ اس کے بعد انہیں اس مال کی ضرورت باقی نہیں رہی اور دوسرے اس لئے کہ وہ اس کے مالک نہیں ہو گئے تھے جب کہ انصاریوں نے اپنے باغات مہاجروں کو اس لئے دیئے تھے کہ وہ ان باغات کی فصلوں اور بہار سے فائدہ اٹھاتے رہیں اور ان کی ضروریات پوری ہوتی رہیں۔

غزوہ ذات الرقاع

عجائبات کا غزوہ...... اس غزوہ کا غزوہ اعاجیب بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس غزوہ میں بہت سے عجیب و غریب واقعات پیش آئے تھے' نیز اس غزوہ کو غزوہ محارب' غزوہ بنی ثعلبہ اور غزوہ بنی انمار بھی کہا جاتا ہے۔ یہ روایت ابن اسحاق کی ہے۔

تاریخ غزوہ...... غزوہ بنی نضیر سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ ربیع الاول۔ اور ایک قول کے مطابق ربیع الاول اور ربیع الثانی اور جمادی الاول اور جمادی الثانی کے کچھ دنوں تک مدینہ منورہ میں قیام فرما رہے۔

اسلامی لشکر کا کوچ...... اس کے بعد آپ نے نجد کے علاقے کی طرف کوچ کیا جہاں آپ بنی محارب اور بنی ثعلبہ کی گوشمالی کرنا چاہتے تھے کیونکہ آپ کو اطلاع ملی تھی کہ ان دونوں قبیلوں نے قبیلہ غطفان میں سے کافی بڑا لشکر جمع کر لیا ہے اور آپ سے جنگ کی تیاری کر رہے ہیں چنانچہ آپ نے چار سو اور ایک قول کے مطابق سات سو اور ایک قول کے مطابق آٹھ سو صحابہ کے ساتھ ان کی طرف کوچ کیا۔

اس غزوہ کا ترتیبی مقام...... امام بخاریؒ نے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ یہ غزوہ غزوہ خیبر کے بعد پیش آیا تھا اور دلیل میں ابو موسیٰؓ کی روایت پیش کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو موسیٰؓ غزوہ ذات الرقاع میں خود شریک تھے۔ اس روایت میں ہے کہ ہم چھ آدمی آنحضرت ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے جب کہ ہمارے پاس اونٹ صرف ایک تھا۔ آخر ہمارے پیر پھٹنے لگے۔ خود میرے پیر چلتے چلتے پھٹ گئے اور ناخن اکھڑ گئے جس کی وجہ سے ہم نے کپڑوں کے چیتھڑے پھاڑ پھاڑ کر پیروں کو لپیٹ لئے۔ رقاع چونکہ چیتھڑوں کو کہتے ہیں اس لئے اس غزوہ کا نام ذات الرقاع پڑ گیا۔

اب اگر یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ابو موسیٰؓ غزوہ ذات الرقاع میں شریک تھے اور یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے پاس حبشہ سے غزوہ خیبر کے وقت ہی آئے تھے تو یہ بات ماننی ضروری ہو جاتی ہے کہ یہ غزوہ ذات الرقاع غزوہ خیبر کے بعد پیش آیا ہے۔

اس صورت میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ غزوہ ذات الرقاع کو دو مرتبہ مانا جائے کہ ایک دفعہ غزوہ خیبر سے پہلے ہوا اور دوسری مرتبہ غزوہ خیبر کے بعد ہوا۔ اب جہاں تک اس غزوہ ذات الرقاع کا تعلق ہے جس میں نماز خوف کا واقعہ پیش آیا تھا۔ تو وہ دوسرا غزوہ ذات الرقاع تھا۔

اس غزوہ کے نام کا سبب...... اس غزوہ کا نام ذات الرقاع پڑنے کا سبب وہی ہے جو حضرت ابو موسیٰؓ کی روایت سے پیچھے بیان ہوا ہے۔ اب اس کو اگر غزوہ خیبر کے بعد تسلیم کیا جائے تو یہ بھی ماننا پڑیگا کہ یہ غزوہ غزوہ خندق کے بعد پیش آیا ہے کیونکہ حافظ ابن حجر کا قول ہے کہ نماز خوف غزوہ خندق تک مشروع نہیں ہوئی تھی کیونکہ اگر اس وقت نماز خوف شریعت میں شامل ہو چکی ہوتی تو آنحضرت ﷺ یہ نماز ضرور پڑھتے اور اسے مؤخر نہ کرتے جیسا کہ آگے بیان آئیگا آگے اس اختلاف کا جواب بھی آئیگا۔

ادھر علامہ شمس نے بھی غزوہ ذات الرقاع کو غزوہ خیبر کے بعد ہی ذکر کیا ہے مگر کتاب اصل نے بخاری کی وہ گذشتہ روایت نقل نہیں کی ہے بلکہ اس کا مفہوم بیان کیا ہے چنانچہ کتاب اصل یعنی عیون الاثر میں ہے کہ بخاری میں ابو موسیٰؓ کی حدیث ہم تک اس طرح پہنچی ہے کہ ان کے پیر پھٹ گئے جس پر انہوں نے کپڑے کے چیتھڑے لپیٹ لئے تھے۔ اسی لئے اس

غزوہ کا نام ذات الرقاع پڑا۔

کتاب امتاع میں ہے کہ بعض مورخین کا کہنا ہے کہ ذات الرقاع ایک سے زائد مرتبہ پیش آیا ہے جن میں سے ایک غزوہ خندق سے پہلے کا ہے اور دوسرا غزوہ خندق کے بعد پیش آیا ہے' یعنی جو خیبر کے بھی بعد کا ہے۔ غرض جب رسول اللہ ﷺ نے غزوہ ذات الرقاع کے لئے کوچ فرمایا تو مدینے میں حضرت ابوذرؓ غفاری کو اپنا قائم مقام بنایا۔ ایک قول ہے کہ حضرت عثمانؓ کو جانشین بنایا تھا۔

علامہ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ اکثر علماء نے حضرت عثمانؓ کا نام ہی ذکر کیا ہے۔ ابن عبدالبر نے حضرت ابوذر غفاریؓ کے نام میں شبہ بھی ظاہر کیا ہے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ مکے میں مسلمان ہونے کے بعد اپنی قوم کی بستیوں کی طرف چلے گئے تھے پھر غزوہ بدر' غزوہ احد' اور غزوہ خندق کی جنگیں ہو چکنے کے بعد ہی واپس آئے۔

اقول مؤلف کہتے ہیں کہ یہ سب شبہ اسی بنیاد پر ہے کہ یہ غزوہ ذات الرقاع خندق سے پہلے پیش آیا ہے کیونکہ اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ خندق اور خیبر کے بعد کا ہے تو حضرت ابوذر غفاریؓ کی قائم مقامی کے متعلق یہ شبہ بے بنیاد ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

دشمن فرار اور عورتوں کی گرفتاری...... رسول اللہ ﷺ مدینے سے روانہ ہو کر نجد کے علاقے میں پہنچے مگر وہاں آپ کو دشمنوں میں سے کوئی نہ ملا بلکہ کچھ عورتیں ملیں۔ آپ نے ان عورتوں کو قیدی بنایا۔ ان میں ایک حسین لڑکی بھی تھی۔

پہلی نماز خوف...... اس کے بعد آپ کو ایک لشکر ملا۔ دونوں لشکر ایک دوسرے کے قریب آنے لگے مگر جنگ کی نوبت نہیں آئی بلکہ ایک دوسرے سے خوف زدہ ہونے لگے یعنی مسلمانوں کو یہ ڈر ہوا کہ کہیں مشرکین اچانک ایسی حالت میں ان پر حملہ نہ کر دیں کہ وہ غافل ہوں۔ یہاں تک رسول اللہ ﷺ نے نماز خوف پڑھائی۔ یہ پہلی نماز خوف ہے جو آنحضرت ﷺ نے پڑھی۔

ایک روایت میں ہے کہ پھر ظہر کی نماز کا وقت آگیا اور آپ نے صحابہ کو نماز ظہر پڑھائی۔ اسی وقت مشرکوں نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا مگر ان ہی میں سے کسی نے کہا۔

"اس وقت ان کو چھوڑ دو کیونکہ ان کے پاس ایک اور نماز ہے جو ان کو اپنی اولاد سے بھی زیادہ محبوب ہے"۔ یعنی اس وقت حملہ کرنا) اس دوسری نماز سے مراد عصر کی نماز ہے اسی وقت جبرئیلؑ آنحضرت ﷺ پر نازل ہوئے اور آپ کو مشرکوں کے اس ارادہ کی خبر دی چنانچہ آپ نے عصر نماز خوف کے طریقہ پر پڑھی۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں۔ یہی سب کلام بعینہٖ آگے غزوہ حدیبیہ کے بیان میں آئے گا جہاں عسفان کے مقام پر صلوۃ خوف پڑھی گئی تھی' مگر اس واقعہ کو دو مرتبہ ماننے میں کوئی اشکال نہیں ہونا چاہیے۔ ادھر یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں جگہ اس ایک ہی واقعہ کا بیان ممکن ہے کسی راوی کی غلط فہمی کی وجہ سے رہا ہو۔ واللہ اعلم

نماز خوف کا طریقہ...... غرض نماز کے وقت دشمن قبلہ کی سمت کے علاوہ دوسری سمت میں تھا۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ نے دشمن کے حملہ کے خیال سے مسلمانوں کو دو جماعتوں میں تقسیم فرمادیا ایک جماعت تو دشمن کا آمنا سامنا کر کے کھڑی ہو گئی اور ایک جماعت کو آنحضرت ﷺ نے قبلہ رو ہو کر ایک رکعت پڑھائی۔ پھر جب آپ دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہونے لگے تو یہ جماعت آپ سے الگ ہو گئی اور اس نے اپنی نماز پوری کی۔ اس کے بعد یہ جماعت دشمن کے روبرو جا کر کھڑی ہو گئی اور جو جماعت دشمن کے سامنے تھی اس نے آنحضرت ﷺ کے پیچھے آ کر دوسری رکعت میں آپ کی اقتداء کی۔ اس طرح آپ نے اس دوسری جماعت کو بھی ایک رکعت پڑھائی۔ دوسری رکعت میں جب آپ تشہد کے لئے بیٹھے تو یہ دوسری جماعت کھڑی

ہو گئی اور اس نے اپنی بقیہ نماز پوری کی اور آپ کے جلوس تشہد میں شامل ہو گئی۔ پھر اس نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ سلام پھیرا نماز کی یہ کیفیت غزوہ ذات الرقاع میں تھی جس کو شیخین نے روایت کیا ہے اور جس کے متعلق قرآن کی آیت بھی نازل ہوئی ہے۔ وہ آیت یہ ہے۔

وَاِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ۔ (الآیہ ۵ سورہ نساء ع ۱۴ آیت ۱۰۲)

ترجمہ: اور جب آپ ان میں تشریف رکھتے ہیں پھر آپ ان کو نماز پڑھانا چاہیں۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ پھر آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو نماز خوف پڑھائی کہ ایک جماعت کو دو رکعتیں پڑھائیں اور دوسری کو باقی دو رکعتیں پڑھائیں۔ مگر آگے بیان ہوگا کہ آنحضرت ﷺ کی یہ نماز نخل کے مقام پر تھی۔

نماز خوف' آنحضرت ﷺ کی خصوصیت...... کتاب خصائص صغریٰ میں ہے کہ نماز خوف رسول اللہ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے کیونکہ ہم سے پہلی امتوں میں سے کسی پر بھی یہ نماز نہیں تھی یعنی گذشتہ شریعتوں میں سے کسی میں نماز خوف نہیں تھی۔ اور عین لڑائی کے دوران یعنی سخت خوف وخطرہ کے وقت ہونے والی نماز آپ کی خصوصیات میں سے ہے۔

لشکر کے لئے عبادہؓ و عمارؓ کی پہرہ داری...... اسی غزوہ کے دوران سفر میں آپ نے ایک رات ایک جگہ قیام فرمایا اس وقت ہوا تیز چل رہی تھی۔ آپ ایک گھاٹی میں فروکش ہوئے تھے۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا۔

"کون ہے جو آج رات ہمارے لئے پہرہ دے گا"۔

اس پر حضرت عبادہؓ ابن بشر اور حضرت عمار ابن یاسرؓ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم آپ سب کا پہرہ دیں گے۔ اس کے بعد دونوں گھاٹی کے درہ یعنی دہانے پر بیٹھ گئے۔ پھر حضرت عبادہؓ ابن بشر نے حضرت عمار ابن یاسر سے کہا۔

"ابتدائی رات میں تو میں پہرہ دے لوں گا یعنی تم جاؤ اور آخر رات میں تم پہرہ دینا تاکہ میں سو جاؤں!"۔

قیدی عورت کا شوہر انتقام کی راہ میں...... چنانچہ حضرت عمارؓ تو سو گئے اور حضرت عبادہؓ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ ادھر نجد کے علاقے میں آنحضرت ﷺ نے جن عورتوں کو پکڑا تھا ان میں سے ایک کا شوہر اس وقت غائب تھا۔ جب وہ واپس آیا تو اسے پتہ چلا کہ اس کی بیوی کو قیدی بنا کر مسلمان لے گئے ہیں۔ اس نے اسی وقت قسم کھائی کہ میں اس وقت تک چین سے نہ بیٹھوں گا جب تک محمد ﷺ کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا یا ان کے صحابہ کا خون نہیں بہالوں گا۔

عبادہؓ پر نماز میں تیر افگنی...... (چنانچہ وہ پیچھا کرتا ہوا اس وادی کے قریب آیا جہاں آنحضرت ﷺ فروکش تھے) جب اس نے وادی کے درہ پر حضرت عبادؓ کا سایہ دیکھا تو بولا کہ یہ دشمن کا دیدبان اور پہرہ دار ہے اس کے بعد اس نے تیر کمان چڑھا کر عبادہؓ کا نشانہ لیا اور چلا دیا جو عبادہؓ کے جسم میں پیوست ہو گیا (حضرت عبادہ اس وقت نماز میں مشغول تھے اس لئے نماز توڑ کر وہ حملہ نہیں کر سکتے تھے) انہوں نے تیر جسم سے نکال کر پھینک دیا اور نماز جاری رکھی اس شخص نے دوسرا تیر مارا وہ بھی نشانے پر بیٹھا اور عبادہؓ کے جسم میں ترازو ہو گیا انہوں نے اس کو بھی نکال کر پھینک دیا اس شخص نے تیسرا تیر چلایا وہ بھی ان کے بدن میں پیوست ہو گیا اب ان کا خون کافی بہہ گیا تھا اس لئے انہوں نے جلدی جلدی نماز پوری کی اور حضرت عمارؓ کو جگا کر کہا کہ اٹھو میں زخمی ہو گیا ہوں۔ جب اس حملہ آور نے حضرت عمار کو اٹھتے دیکھا تو اس نے سوچا کہ اس کی منت پوری ہو گئی ہے۔

پھر جب حضرت عمارؓ نے حضرت عبادہ کو زخمی حالت میں دیکھا تو کہا۔

"بھائی آخر تم نے مجھے اسی وقت کیوں نہ جگایا جب تمہارے پہلا تیر لگا تھا"۔

حضرت عبادہؓ کا ذوق عبادت...... اس وقت میں نماز میں مشغول تھا اور ایک سورت یعنی سوۂ کہف پڑھ رہا تھا مجھے یہ اچھا نہیں معلوم ہوا کہ میں اس سورت کو درمیان سے چھوڑ دوں"۔ ایک روایت میں یہ واقعہ اس طرح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دشمن کے مقابلے کے لئے اپنے صحابہؓ میں سے دو آدمیوں کو متعین فرمایا جن کو عبادہ ابن بشر اور عمار ابن یاسر کہا جاتا تھا۔ یہ دونوں مہاجر تھے ان دونوں میں ایک کے ایک تیر آکر لگا جس سے ان کے جسم سے خون جاری ہو گیا اس وقت وہ نماز پڑھ رہے تھے انہوں نے نماز نہیں توڑی بلکہ رکوع اور سجدے کرتے رہے اور نماز جاری رکھی پھر تیر انداز نے ان پر دوسرا اور تیسرا تیر چلایا اور یہ دونوں بھی ان کے لگے مگر انہوں نے نماز نہیں توڑی۔ یہ صحابی حضرت عبادہ ابن بشر تھے جیسا کہ بیان ہوا۔

نماز کے لئے جان کی بازی...... حضرت عبادہؓ نے اپنے ساتھی کو جگانے پر ان سے معذرت کرتے ہوئے کہا اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ جس مقصد سے آنحضرت ﷺ نے مجھے متعین فرمایا اور حکم دیا ہے وہ مقصد فوت نہ جائے تو میں ہرگز تمہیں نہ جگاتا یہاں تک کہ اسی حالت میں میری جان چلی جاتی۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں اس واقعہ سے ہمارے شافعی علماء یہ مسئلہ نکالتے ہیں وہ نجاست جو پیشاب پاخانے کے راستوں کے علاوہ کسی اور طریقہ سے بدن کو لگ جائے اس سے وضو نہیں ٹوٹتا کیونکہ آنحضرت ﷺ کو عبادہ بن بشر کے اس واقعہ کا علم ہوا کہ (ان کے جسم سے خون نکلا مگر آپ نے اس پر کچھ نہیں فرمایا۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ وہ خون نکلنے کے باوجود نماز پڑھتے رہے تو شاید ان کے کپڑوں اور جسم کو بہت تھوڑا ہی خون لگا تھا۔ (یعنی جو خون نکلا وہ ٹپک گیا بدن اور کپڑوں کو نہیں لگا۔ واللہ اعلم

آنحضرت ﷺ کے قتل کے لئے غورث کا عزم...... کہا جاتا ہے کہ دشمنوں میں ایک شخص تھا جس کا نام غورث ابن حرث تھا مشہور قول یہی ہے اس کا نام غورث تھا لیکن ایک قول کے مطابق اس کا نام غویرث ابن حرث تھا یعنی تصغیر کے ساتھ لفظ غویرث تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"کیا تمہارے لئے محمد ﷺ کو قتل نہ کر دوں"۔

لوگوں نے کہا۔ "ضرور کر دو۔ مگر قتل کر سکو گے ؟"۔

غورث نے کہا۔ "میں بے خبری میں اچانک ان کے سر پر پہنچ جاؤں گا۔!

نبی سے فریب کی کوشش...... چنانچہ غورث ایسے وقت آپ کے سامنے پہنچ گیا جب کہ آپ کی تلوار آپ کی گود میں رکھی ہوئی تھی۔ اور کہنے لگا۔

"اے محمد! ذرا مجھے اپنی تلوار تو دکھلائیے......!"

یہ کہتے ہی اس نے تلوار اٹھائی اور اچانک اسے سونت کر آپ پر وار کرنے کے انداز میں لہرانے لگا مگر اللہ تعالیٰ اس کو نامراد فرمانے والا تھا۔ چنانچہ اس طرح تلوار کو آپ کے سر پر لہرا کر اس نے آپ سے پوچھا۔

"اے محمد! ﷺ تمہیں مجھ سے ڈر نہیں لگ رہا ہے۔

"آپ نے فرمایا۔

"بالکل نہیں...... کیونکہ اللہ تعالیٰ تم سے میری حفاظت فرما رہا ہے"۔

غورث کی بدحواسی...... اسی وقت غورث نے آپ کی تلوار آپ کو واپس کر دی۔ آپ نے تلوار سنبھال کر اس سے پوچھا۔

"اب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا"۔
غورث نے کہا۔
"تم کو تلوار لے کر نیک سلوک کرنا چاہئے۔
غورث کا عاجزانہ وعدہ...... "آپ نے فرمایا کہ گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں"۔
غورث نے کہا:
"میں آپ کے سامنے عہد کرتا ہوں کہ آپ سے کبھی جنگ نہیں کروں گا اور نہ کبھی ان لوگوں کا ساتھ دوں گا جو آپ کے خلاف صف آرا ہوں!"۔
غورث کی ذہنی کایا پلٹ...... اس پر آنحضرت ﷺ نے اسے نکل جانے دیا۔ وہاں سے وہ سیدھا اپنی قوم کے پاس آیا اور بولا۔
میں اس وقت سب سے بہترین انسان کے پاس سے آرہا ہوں"!
بعد میں غورث نے اسلام قبول کر لیا تھا اور ان کو صحابیت یعنی آنحضرت ﷺ کی ہمنشینی کی سعادت حاصل ہوئی۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ غورث آنحضرت ﷺ کے پاس آیا تو آپ گود میں تلوار رکھے بیٹھے ہوئے تھے۔ غورث نے آکر اسی طرح آپ سے تلوار مانگی اور پھر اسے لہرا کر کہنے لگا کہ آپ مجھ سے خوفزدہ نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں نہیں تم سے ہرگز خوفزدہ نہیں ہوں۔ اس نے کہا میرے ہاتھ میں تلوار ہے آپ نے کہا اللہ تعالیٰ مجھے بچانے والا ہے۔ غورث نے تلوار میان میں ڈال کر واپس کر دی۔

اسی قسم کا ایک واقعہ غزوہ ذی امر کے بیان میں اوپر گزر چکا ہے جس میں دعثور نامی شخص نے اس طرح اچانک آپ کو تنہا دیکھ کر جا لیا تھا۔ مگر یہ دو علیحدہ علیحدہ واقعات ہیں ایک دعثور کے ساتھ پیش آیا اور دوسرا غورث کے ساتھ پیش آیا۔ لہٰذا اس سلسلے میں جو یہ قول ہے کہ اصل میں اور ظاہر یہ دونوں واقعات ایک ہی ہیں اس میں اشکال ہے جو بالکل ظاہر ہے۔ بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

اسی قسم کا ایک دوسرا واقعہ...... (قال) ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ کے بعد واپس مدینے تشریف لا رہے تھے تو ایک روز دوپہر کے وقت آپ ایک وادی میں جا پہنچے جہاں بڑے بڑے درخت تھے اور جن میں کانٹے بھی تھے۔ یہاں پڑاؤ ڈالنے کے بعد لوگ وادی میں ادھر ادھر مختلف درختوں کے نیچے جا لیٹے خود آنحضرت ﷺ بھی ایک سائے دار درخت کے نیچے تشریف فرما ہو گئے۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ چونکہ یہ بہت سایہ دار درخت تھا اس لئے ہم نے اس کو آنحضرت ﷺ کے لئے ہی چھوڑ دیا تھا۔

غرض آنحضرت ﷺ نے اس درخت کے نیچے پہنچ کر اپنی تلوار درخت میں ٹانگ دی۔ ادھر ہم لوگ مختلف جگہوں پر پھیلے ہوئے تھے۔ ہم بھی قیلولہ کے لئے لیٹے اور سو گئے۔ اچانک ہم نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ ہمیں بلا رہے ہیں۔ ہم آپ کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ آپ کے پاس ایک دیہاتی بیٹھا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا۔
"میں سو رہا تھا کہ اس شخص نے آکر میری تلوار پر قبضہ کر لیا اسی وقت میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے دیکھا کہ یہ شخص تلوار سونتے میرے سامنے کھڑا ہے پھر اس نے کہا:
"اب تمہیں مجھ سے کون بچائے گا"۔

میں نے کہا۔ اللہ۔ یہ بات اس نے تین مرتبہ کہی۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو کوئی سزا نہیں دی۔ اب اس روایت کی تفصیل اور گذشتہ روایت کی تفصیل سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دو علیحدہ علیحدہ واقعات ہیں ایک ہی واقعہ نہیں ہے۔ یہ بات قرین قیاس نہیں کہ یہ شخص وہی غورث ہو جس کا گذشتہ واقعہ میں ذکر ہوا ہے اور اسی نے دو مرتبہ یہ حرکت کی ہو۔ اسی موقعہ پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اذْكُرُوْ نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْهَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ۔ (الآیہ پ ۶ سورہ مائدہ ع ۲ آیت ۱۱)

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کے انعام کو یاد کرو جو تم پر ہوا ہے جب کہ ایک قوم اس فکر میں تھی کہ تم پر دست درازی کریں سو اللہ تعالیٰ نے ان کا قابو تم پر نہ چلنے دیا۔

پیچھے اسی آیت کے سلسلے میں یہ بیان ہوا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب بنی نضیر کے ایک شخص نے چھت پر سے آنحضرت ﷺ کے اوپر ایک بڑا پتھر گرانا چاہا اور حق تعالیٰ نے آپ کو اس کی خبر دے کر محفوظ فرما دیا تھا۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی گزر چکا ہے کہ ایک ہی آیت مختلف اسباب کے تحت ایک سے زائد مرتبہ نازل ہو سکتی ہے۔

کتاب شفاء میں ہے کہ ایک قول کے مطابق آنحضرت ﷺ کو قریش کی طرف سے خطرہ تھا۔ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی جو پچھلی سطروں میں ذکر ہوئی تو آپ کو اطمینان ہوا۔ پھر آپ نے فرمایا۔

"اب جو میرا ساتھ چھوڑنا یعنی مجھ سے دغا کرنا چاہے کر لے!"

یہاں ایک شبہ یہ ہوتا ہے کہ یہ بات اور یہ اطمینان تو اس آیت کے نازل ہونے کے وقت زیادہ مناسب تھا۔ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔

اس سلسلہ میں کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اس سے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ اگر کوئی شخص آپکو نقصان پہنچانا چاہیگا تو کامیاب نہیں ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ آپکی حفاظت فرما رہا تھا اگرچہ یہ ممکن رہا ہو کہ یہ حفاظت انفرادی ہو' لہٰذا یہ بات قابل غور ہے۔

پیچھے آنحضرت ﷺ اور اس دیہاتی کا واقعہ گزرا ہے آنحضرت ﷺ نے اس کو اس امید میں سزا نہیں دی کہ ممکن ہے اس طرح کفار کی دلداری ہو اور وہ لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں (کیونکہ اس نیک سلوک کے نتیجہ میں یقیناً لوگ متاثر ہوتے)۔

مدینہ میں خوشخبری...... اس غزوہ کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ پندرہ دن مدینے سے باہر رہے۔ اپنی واپسی سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے حضرت جعال ابن سراقہ کو مدینے بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو آپ کی اور آپ کے صحابہ کی سلامتی کی خوشخبری سنا دیں۔

اس غزوہ کے نام کے دوسرے اسباب...... جہاں تک غزوہ ذات الرقاع کے نام کا تعلق ہے اس کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ اس غزوہ کا یہ نام ایک درخت کی وجہ سے رکھا گیا جو اس مقام پر تھا اس درخت کو ذات الرقاع کہا جاتا تھا۔ یا یہ نام اس لئے پڑا کہ مسلمانوں نے اپنے جھنڈوں کو پھاڑ کر ان کے چیتھڑے کر لئے تھے اور یا اس لئے کہ انہوں نے اپنے پیروں پر چیتھڑے لپیٹ لئے تھے کیونکہ ان کے پیروں میں پھٹن پیدا ہو گئی تھی جیسا کہ بیان ہوا' یا اس لئے یہ نام پڑا کہ اس غزوہ میں جو نماز پڑھی گئی وہ رقعہ یعنی ٹکڑوں میں کر کے پڑھی گئی' یا اسلئے کہ نجد میں مسلمان جس پہاڑ کے دامن میں فروکش ہوئے اسکی زمین مختلف رنگوں کی تھی جو ٹکڑوں ٹکڑوں کی طرح تھی کہ کسی جگہ سے سرخ تھی' کسی جگہ سے سیاہ تھی اور کسی جگہ سے سفید تھی مگر حافظ ابن حجرؒ نے اس قول کو غریب قرار دیا ہے اور امام نوویؒ کہتے ہیں کہ ممکن ہے ان باتوں کی وجہ سے اس غزوہ کا یہ نام پڑا ہو۔

غزوہ بدر آخر

ابو سفیان سے کیا ہوا جنگ کا وعدہ...... اس غزوہ کو بدر موعد بھی کہتے ہیں کیونکہ ابو سفیان نے اس جنگ کا وعدہ کیا تھا اسلئے کہ جب جنگ احد کے بعد وہ وہاں سے واپس جا رہا تھا تو اس نے کہا تھا: آئندہ بدر کے میلے کے زمانے میں ہمارا تمہارا ملنے یعنی مقابلہ کا وعدہ رہا' اس پر آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کو یہ جواب دینے کا حکم دیا تھا کہ کہہ دو۔ ہاں انشاء اللہ۔ جیسا کہ بیان ہوا۔

غزوہ ذات الرقاع سے واپس تشریف لانے کے بعد آنحضرت ﷺ نے جمادی الاول کے باقی دنوں سے رجب کے آخر تک کا وقت مدینہ منورہ میں گزارا اور پھر شعبان میں آپ بدر ثانی کے لئے روانہ ہوئے۔

تاریخ غزوہ...... کتاب اصل یعنی عیون الاثر نے صرف یہی قول نقل کیا ہے۔ مگر ایک قول ہے کہ آپ شوال میں روانہ ہوئے تھے اور ایک قول کے مطابق ذی قعدہ کا چاند نظر آنے پر روانہ ہوئے تھے۔ مگر ہر قول کے مطابق یہ روانگی ۴ھ میں ہوئی تھی۔

اس بارے میں موسیٰ ابن عقبہ کا یہ قول ہے کہ یہ کوچ ۳ھ کے شعبان میں ہوا تھا۔ صرف وہم ہے کیونکہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ غزوہ احد کے بعد ہوا تھا اور غزوہ احد ظاہر ہے شوال ۳ھ میں پیش آیا تھا۔

حافظ دمیاطی نے اس غزوہ بدر ثانی کو غزوہ ذات الرقاع سے پہلے قرار دیا ہے۔ اس بارے میں علامہ شمس شامی اور صاحب امتاع نے حافظ دمیاطی کا ہی اتباع کیا ہے (اور اس غزوہ یعنی بدر ثانی کو ذات الرقاع سے پہلے قرار دیا ہے)۔

مدینے سے روانہ ہو کر آنحضرت ﷺ ذی قعدہ کی چاند رات کو میدان بدر میں پہنچے۔ اب یہ بات اسی صورت میں ٹھیک ہو سکتی ہے جب کہ آنحضرت ﷺ کی روانگی شوال کے مہینے میں مانی جائے!"

بدر کا میلہ...... اسی زمانے میں ہر سال بدر کا میلہ ہوا کرتا تھا جس میں شرکت کے لئے لوگ جمع ہوتے اور یہاں آٹھ دن تک قیام کرتے جیسا کہ اس سلسلے کا بیان پیچھے گزر چکا ہے (کہ جس طرح مکے کے قریب ذی المجاز وغیرہ کے سالانہ میلے لگا کرتے تھے ایسے ہی مقام بدر میں بھی سالانہ میلہ اور بازار لگا کرتا تھا جس میں شریک ہونے کیلئے جوق درجوق لوگ آتے اور سیر و تفریح اور تجارت کیا کرتے تھے)۔

قریش کی طرف سے مسلمانوں کا کوچ رکوانے کی کوشش...... حضرت نعیمؓ ابن مسعود اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے چنانچہ جب صحابہؓ کوچ کی تیاری میں لگے ہوئے تھے نعیمؓ ابن مسعود نے قریش کو جا کر یہ خبر دنے دی کہ مسلمان تم سے بدر کے مقام پر جنگ کے لئے کوچ کی تیاری کر رہے ہیں۔ ابو سفیان نہیں چاہتا تھا کہ آپ اس وقت مقابلہ کیلئے آئیں چنانچہ اس نے نعیم کو وعدہ دیا کہ اگر وہ واپس مدینے جا کر مسلمانوں کو اس کوچ سے روک دیں تو وہ ان کو بیس اونٹ دے گا۔ اور ایک قول کے مطابق دس اونٹ دے گا' پھر انہیں اونٹ پر سوار کرا کے ابو سفیان نے ان سے کہا:

"میں اس وقت لشکر لے کر جانا مناسب نہیں سمجھتا اب اگر محمد ﷺ جنگ کیلئے آئیں اور ہم نہ جائیں تو اس سے ان کے حوصلے بڑھ جائیں گے' لہٰذا یہ کہلوانے کے بجائے کہ ہم جنگ سے جان چرا گئے میں چاہتا ہوں لوگ یہی بات ان کے متعلق کہیں کہ وہ جنگ سے جان چرا گئے۔ اس لئے تم مدینے جاؤ اور ان لوگوں سے یہ کہو کہ میں بہت زبردست لشکر لے کر آرہا ہوں جس کا وہ کسی حال میں مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس خدمت کے انعام میں تمہیں میں اتنے اتنے اونٹ دوں گا جو میں سہل ابن عمرو

کے ہاتھ سے تمہیں دلواؤں گا!"

نعیم ابن مسعود سہیل ابن عمرو کے پاس آئے اور بولے۔

"اے ابو یزید! تم مجھے ان اونٹوں کی ضمانت دو۔ میں محمد ﷺ کے پاس ان کو کوچ سے روکنے جارہا ہوں"۔

نعیم کی مدینے میں ہراس پھیلانے کی کوشش...... سہیل نے اس کا اقرار کر لیا تو نعیم مدینے آئے یہاں انہوں نے مسلمانوں سے کہنا شروع کیا کہ ابوسفیان کے پاس زبردست لشکر ہے جس کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ نعیم ایک ایک مسلمان سے اس قسم کی باتیں کہتے پھرنے لگے جس کا اثر یہ ہوا کہ ان کے دلوں میں خوف بیٹھ گیا اور کوچ کے سلسلے میں ان کے ارادے ڈانواں ڈول ہو گئے۔ ادھر منافقین اور یہودی، مسلمانوں پر اس دہشت سے بہت خوش تھے، چنانچہ وہ لوگ بھی سہیل کی باتیں سن کر کہتے پھرنے لگے کہ ابوسفیان کے اس لشکر سے محمد ﷺ بچ کر کہیں نہیں جاسکتے۔

ابو بکرؓ و عمرؓ کا جوش اور نبی سے گفتگو...... حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے یہ باتیں سنیں تو وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے:

"یا رسول اللہ! حق تعالیٰ اپنے نبی کا بول بالا کرنے والا ہے اور وہی اپنے دین کو سربلند فرمانے والا ہے۔ ہم سے دشمن نے مقابلہ کیلئے آنے کا وعدہ کیا تھا اس لئے ہم اب پیچھے رہنا پسند نہیں کرتے کیونکہ وہ اس کو ہماری بزدلی سمجھیں گے۔ لہٰذا وعدہ کے مطابق چلئے خدا کی قسم اسی میں خیر اور بہتری ہوگی"۔

آنحضرت ﷺ کی مسرت اور کوچ کا عزم...... آنحضرت ﷺ یہ مشورہ سن کر بہت خوش ہوئے پھر آپ نے فرمایا:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میں مقابلے کیلئے ضرور جاؤنگا چاہے میرے ساتھ کوئی بھی نہ چلے"۔

لشکر اسلام کی بدر کو روانگی...... اس ارشاد کے بعد مسلمانوں کے دلوں میں مشرکوں کی جو دہشت پیدا ہونے لگی تھی اللہ تعالیٰ نے اس کو دور فرمادیا اور سب کوچ کیلئے آمادہ ہو گئے) آنحضرت ﷺ کا پرچم حضرت علیؓ نے اٹھایا اور مسلمان اپنے ساتھ تجارت کا سامان وغیرہ بھی لے کر بدر کی طرف روانہ ہوئے جس کے نتیجہ میں ان کو دوگنا فائدہ ہوا۔

ابوسفیان کی حیلہ جوئی...... ادھر ابوسفیان نے قریش سے کہا:

"ہم نے نعیم کو بھیجا ہے تاکہ وہ مدینے پہنچ کر محمد ﷺ کے صحابہ کو کوچ سے روک سکے۔ مگر ہم کو بھی (وعدہ کے مطابق) کوچ کرنا چاہئے لیکن ہم ایک یا دو رات کی مسافت تک چل کر واپس آجائیں گے۔ اب اگر محمد ﷺ خود روانہ نہیں ہوئے اور ان تک یہ خبر پہنچی کہ ہم نے کوچ کیا تھا لیکن یہ معلوم ہونے کے بعد واپس ہو گئے کہ مسلمان نہیں نکلے تو ہمارا نام اونچا اور ان کا نام نیچا ہو جائے گا۔ اور اگر وہ بھی مقابلے کے لئے روانہ ہو گئے تو بھی ہم یہ کہہ کر راستے سے واپس ہو جائیں گے کہ یہ قحط کا سال ہے اور خوش حالی کے سال کے علاوہ کسی وقت جنگ کے لئے کوچ کرنا ہمارے لئے مناسب نہیں ہے۔

قریش کا پر فریب کوچ...... لوگوں نے ابوسفیان کی رائے کو پسند کیا چنانچہ وہ دو ہزار قریشی لشکر کے ساتھ مکے سے روانہ ہوا۔ اس لشکر میں پچاس گھوڑے سوار تھے یہاں تک کہ چلتے چلتے یہ لشکر مجنہ کے مقام تک پہنچ گیا۔ یہ مجنہ مرظہران کی سمت میں ایک مشہور بازار اور منڈی تھا (جہاں ہر سال میلہ لگا کرتا تھا) ایک قول ہے کہ قریشی لشکر عسفان کے مقام تک پہنچ گیا۔

اس وقت ابوسفیان نے ان سے کہا:

"اے گروہ قریش! تمہارے لئے صرف تروتازگی کے سال میں ہی کوچ کرنا مناسب ہو سکتا ہے جس میں درختوں پر سبزہ ہوتا ہے اور تمہیں پینے کا پانی آسانی سے ملتا ہے جب کہ یہ سال سخت خشکی اور قحط کا ہے میں تو واپس جاتا ہوں اس لئے تم بھی چلو"۔

راہ میں سے واپسی...... چنانچہ یہ لوگ بھی اس مقام سے واپس مکے چلے گئے۔ مکے والوں نے اپنے اس لشکر اور کوچ کو جیش السویق کا نام دیا جس کے معنی ہیں ستو والا لشکر۔ وہ کہتے تھے کہ ہم لوگ تو اصل میں ستو پینے کیلئے نکلے تھے (کیونکہ لشکر نے سفر کے دوران ستو پیا اور تھوڑا فاصلہ طے کر کے واپس آ گیا)۔

دشمن کے لئے آنحضرت ﷺ کا بدر میں انتظار...... ادھر رسول اللہ ﷺ بدر کے مقام پر پہنچ کر قریشی لشکر کا انتظار کرتے رہے کیونکہ ابوسفیان نے بدر کے میلے کے زمانے میں آنے کا وعدہ کیا تھا جو آٹھ دن تک ہوا کرتا تھا۔ آنحضرت ﷺ بدر کے مقام پر ذی قعدہ کے مہینے کی چاند رات کو پہنچ گئے تھے جیسا کہ بیان ہوا اور صبح سے یعنی ذی قعدہ کی پہلی تاریخ سے میلہ شروع ہوا لہٰذا مسلمانوں نے ان آٹھ دنوں میں وہیں قیام کیا جن میں میلہ لگا ہوا تھا مسلمان جب بھی قریش کے متعلق پوچھتے تھے اور انہیں جواب ملتا کہ ان لوگوں نے تمہارے خلاف زبردست لشکر جمع کر لیا ہے تو مسلمان صرف اتنا کہتے:

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ

"اللہ تعالیٰ ہی ہمیں کافی ہے اور وہی سب سے بہترین چارہ ساز ہے"

مفسدوں و منافقوں کی طرف سے افواہیں...... آخر جب مسلمان بدر کے قریب پہنچ گئے تھے تو ان سے کہا گیا تھا۔

"جن جانبازوں کو ابوسفیان نے جمع کیا ہے ان سے بدر کا مقام پٹا پڑا ہے!"

ان باتوں سے ایسے مفسدوں کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ مسلمان انتہائی خوف و دہشت زدہ ہو جائیں اور ان کے حوصلے پست ہو جائیں۔ مگر اس پر بھی مسلمان حَسْبُنَا اللّٰهِ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ہی کہتے۔

وحی کے ذریعہ مسلمانوں کی ثابت قدمی کی تعریف...... آخر جب مسلمان بدر پہنچ گئے اور انہوں نے دیکھا کہ یہاں لڑنے والا تو کوئی بھی نہیں البتہ میلے کے بازار لگے ہوئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَاناً وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (لآیہ پ۴ سورہ آل عمران ع۱۸ آیت ۱۸۳)

ترجمہ: یہ ایسے لوگ ہیں کہ لوگوں نے ان سے کہا کہ ان لوگوں نے تمہارے لئے سامان جمع کیا ہے سو تم کو ان سے اندیشہ کرنا چاہئے کہ اس نے ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیا اور کہہ دیا کہ ہم کو حق تعالیٰ کافی ہے اور وہی سب کام سپرد کرنے کے لئے اچھا ہے۔

اس آیت میں پہلے لفظ ناس یعنی لوگ سے مراد نعیم ابن مسعود ہیں جو اپنی سازش میں ایک جماعت کے قائم مقام تھے۔ امام شافعیؒ کا قول ہے کہ اس طرح مسلمانوں کو دہشت زدہ کرنے والے لوگ چار تھے مگر اس قول سے کوئی شبہ نہیں پیدا ہونا چاہئے کیونکہ ہو سکتا ہے یہ چار آدمی منافقوں میں سے ہوں اور انہوں نے ایکا کر کے نعیم کے ساتھ وہی سب کچھ کہنا شروع کر دیا ہو۔ حتیٰ کہ ان میں سے ایک نے مسلمانوں سے یہاں تک کہہ دیا کہ (قریشی لشکر اتنا بڑا ہے کہ) تم لوگ ان کے لئے ایک نوالہ کی حیثیت رکھتے ہو۔ اگر تم لوگ ان کے مقابلے کے لئے نکلے تو تم میں سے ایک بھی زندہ واپس نہ آئے گا۔

ایک قول ہے کہ یہ باتیں کہنے والے لوگ بنی عبدالقیس کے ایک قافلے کے تھے جو خوراک کے ذخیرہ کے لئے مدینے جارہے تھے ابوسفیان نے ان قافلے والوں سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم لوگوں نے مسلمانوں کو ڈرا کر پست ہمت کر دیا اور جنگ کے لئے کوچ کرنے سے روک دیا تو تمہارے اونٹوں کو کشمشوں سے لادوں گا۔ اس سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ دونوں یا تینوں باتیں ممکن ہیں (کہ ابوسفیان نے نعیم ابن مسعود سے بھی وعدہ کیا ہو' مدینے کے منافقین بھی نعیم کی ہاں میں ہاں ملانے لگے ہوں اور ابوسفیان نے اس قافلے سے بھی کشمشوں کا وعدہ کیا ہو۔

غرض بدر کے میلے میں مشرکوں کا انتظار کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ وہاں سے واپس مدینے تشریف لے آئے۔ ادھر مشرکوں کو یہ خبر مل گئی تھی کہ مسلمان وعدے کے مطابق مقابلہ کرنے کے لئے بدر کی طرف کوچ کر چکے ہیں اور یہ کہ ان میں سے اکثر لوگ میلے میں تجارت کے لئے نکلے ہیں۔

قریش کو مسلمانوں کی بدر میں آمد کی اطلاع...... قریش کو مسلمانوں کے اس کوچ کی خبر معبد ابن معبد خزاعی نے دی تھی کیونکہ بدر کا میلہ ختم ہونے کے بعد وہ نہایت تیزی کے ساتھ مکے کو روانہ ہوا تھا اور قریش کو مسلمانوں کی بدر میں آمد کے متعلق بتلایا۔ یہ سن کر صفوان ابن امیہ نے ابوسفیان سے کہا:

"خدا کی قسم میں نے تمہیں اسی دن منع کیا تھا کہ دشمن کو یوں چھوڑ کر مت جاؤ۔ اب ان کا حوصلہ بڑھ گیا ہے اور وہ ہم پر شیر ہوگئے ہیں۔ انہوں نے دیکھ لیا کہ مقابلہ پر آنے سے ہم جان چرا گئے ہیں اور وہ یہ بھی سمجھ گئے ہیں کہ ہم اپنی کمزوری کی بناء پر لڑائی سے دامن بچا گئے ہیں!"

(اسی طرح رسول اللہ ﷺ اس غزوہ سے اگرچہ بغیر لڑے واپس تشریف لائے مگر اس سے احد میں کھویا ہوا مسلمانوں کا وقار بحال ہو گیا)۔

غزوہ دومۃ الجندل

دومہ کا محلِ وقوع...... یہ لفظ دُومۃ الجندل "د" پر پیش کے ساتھ ہے لیکن "د" پر زبر پڑھنا بھی غلط نہیں ہے مگر حافظ دمیاطی نے صرف د پر پیش والا تلفظ بیان کیا ہے۔ جہاں تک "د" پر زبر کے ساتھ تلفظ کا تعلق ہے تو یہ ایک دوسرے مقام کا نام ہے۔ اسی لئے علامہ جوہریؒ نے کہا ہے کہ د پر پیش ہی درست ہے زبر کے سلسلے میں محدثین سے غلطی ہوئی ہے۔

اسی جگہ کا نام دومی ابن اسماعیل علیہ السلام کے نام کی وجہ سے دومہ پڑا کیونکہ انہوں نے یہیں قیام کیا تھا۔ اس بستی کے اور دمشق کے درمیان پانچ رات کے سفر کی مسافت ہے۔ یہ شام کا علاقہ ہے اور ملک شام کی بستیوں میں مدینے سے قریب ترین بستی ہے اس کے اور مدینے کے درمیان پندرہ یا سولہ رات کے سفر کی مسافت ہے۔ یہ جگہ تبوک کے مقام سے قریب ہے۔

مشرکین کے اجتماع کی خبر اور آنحضرت ﷺ کا کوچ...... آنحضرت ﷺ کو اطلاع ملی کہ اس مقام پر مشرکوں نے ایک بڑا لشکر جمع کر رکھا ہے اور ہر گزرنے والے پر ظلم وستم ڈھاتے ہیں اور یہ کہ وہ لوگ مدینے کی طرف بڑھنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا اور اس کے بعد ایک ہزار مسلمانوں کا لشکر لے کر آپ دومۃ الجندل کی طرف روانہ ہوئے۔

تاریخ غزوہ...... یہ واقعہ ۴ھ کے آخر کا ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ ربیع الاول ۵ھ کا ہے۔ اس بات کی تائید حافظ دمیاطی کے قول سے بھی ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ یہ غزوہ آنحضرت ﷺ کی مکے سے ہجرت کے انچاس مہینے بعد پیش آیا تھا۔

کوچ کے وقت آپؐ نے حضرت سباع ابن عرفطہ غفاریؓ کو مدینے میں اپنا قائم مقام بنایا۔ آپ راتوں کو سفر فرماتے اور دن کو پڑاؤ ڈالتے تھے۔ آپؐ کے ساتھ آپ کا رہبر بھی تھا جو بنی عذرہ کا تھا۔ ان کا نام مذکور تھا۔ رضی اللہ عنہ

مسلمانوں کی آمد پر مشرکوں کا فرار...... جب آنحضرت ﷺ دومۃ الجندل کے قریب پہنچے تو مشرکوں کو آپ کی آمد کی خبر ہوگئی وہ لوگ فوراً وہاں سے تتر بتر ہوگئے۔ آنحضرت ﷺ نے وہاں پہنچ کر ان کے مویشیوں اور چرواہوں کو گھیرا جس کے نتیجہ میں کچھ ہاتھ آگئے اور کچھ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔

سرکوبی کے لئے فوجی دستوں کی روانگی...... آنحضرت ﷺ نے بستی کے میدان میں قیام فرمایا مگر کوئی دشمن سامنے نہیں آیا یہاں سے آپ نے دشمن کی تلاش میں مختلف فوجی دستے ادھر ادھر روانہ فرمائے مگر وہ سب بھی ناکام واپس ہوگئے کیونکہ انہیں کہیں کوئی شخص یا جماعت نہیں ملی۔ مگر ہر دستہ اونٹوں کا مال غنیمت لے کر واپس ہوا۔

ایک دشمن کا قبول اسلام...... حضرت محمدؓ ابن مسلمہ کو دشمن کا ایک آدمی ہاتھ آگیا۔ وہ اسے پکڑ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے دشمن کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا۔

"ان لوگوں نے جب یہ سنا کہ آپ نے ان کے مال پر قبضہ کر لیا ہے تو وہ بھاگ گئے!"

عیینہ کی احسان فراموشی...... پھر آنحضرت ﷺ نے اس کو اسلام پیش کیا تو وہ مسلمان ہوگیا۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ مدینے کو واپس ہوگئے۔ اسی سفر سے واپسی میں ایک شخص عیینہ ابن حصن نے جس کا اصل نام حذیفہ فزاری تھا آنحضرت ﷺ سے یہ معاہدہ کیا کہ وہ فلاں مقام پر اپنے مویشی چرائے گا۔ یہ جگہ مدینے سے چھتیس میل

کے فاصلے پر تھی اس معاہدہ کا سبب یہ تھا کہ جس علاقے میں اس کی اپنی زمین تھی وہ قحط اور خشک سالی کا شکار تھی...... مگر جب اس کے اونٹ اور بکریاں کھاپی کر موٹے تازے ہو گئے اور عیینہ اپنے علاقے میں واپس چلا گیا تو اس نے ایک جھاڑی میں چرتی ہوئی آنحضرت ﷺ کی اونٹنیوں پر حملہ کر دیا۔ جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

اس پر کسی نے اس سے کہا۔

"تم نے محمد ﷺ کو بہت برا بدلہ دیا۔ انہوں نے تمہارے ساتھ یہ سلوک کیا کہ تمہیں اپنے علاقے میں مویشی چرانے کی اجازت دی جس کے نتیجہ میں تمہارے جانور کھاپی کر موٹے ہو گئے اور تم ان کے ساتھ یہ معاملہ کر رہے ہو!" عیینہ نے کہا۔

"وہ تو میرے ہی مویشی تھے"

عیینہ کی گستاخی...... اس کا نام عیینہ اس لئے پڑا کہ اس کو لقوہ ہو گیا تھا جس کی وجہ سے اس کی دونوں آنکھیں باہر کو نکل آئی تھیں (چونکہ عربی میں آنکھ کو عین کہتے ہیں) لہٰذا اس کا نام عیینہ پڑ گیا۔ یہ عیینہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہو گیا تھا۔ پھر غزوہ حنین اور غزوہ طائف میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک ہوا۔

یہ ان لوگوں میں سے تھا جن کی تالیف قلب اور دل داری کے لئے آنحضرت ﷺ نے ان کی مالی امداد فرمائی۔ جیسا کہ آگے اس کی تفصیل ذکر ہوگی۔ اس کو معزز احمق کہا جاتا تھا کیونکہ دس ہزار نوجوان اس کے اطاعت گزار اور فرماں بردار تھے۔

ایک دفعہ یہ بغیر اجازت لئے رسول اللہ ﷺ کے حجرہ میں داخل ہو گیا اور بے ادبی سے پیش آیا مگر آنحضرت ﷺ نے اس کے اس لاابالی پن کو برداشت فرمایا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کے متعلق فرمایا:

"سب سے بدترین شخص وہ ہے جس سے لوگ اس کی بدگوئی اور فحش کلامی کے خطرہ کی وجہ سے ملتے ہوئے ڈریں"۔

ایک قول ہے کہ یہ بات مخرمہ ابن نوفل کے متعلق فرمائی گئی تھی مگر یہ ممکن ہے کہ دونوں ہی کے متعلق یہ بات کہی گئی ہو۔

عیینہ کا اسلام، ارتداد اور پھر اسلام...... بعد میں جب کہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا زمانہ تھا یہ عیینہ مرتد ہو گیا تھا کیونکہ یہ طلحہ ابن خویلد سے جاملا تھا جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور اسی پر ایمان لے آیا تھا۔ جب طلحہ بھاگ گیا تو حضرت خالد بن ولیدؓ نے اس کو گرفتار کر لیا اور رسیوں میں باندھ کر صدیق اکبرؓ کے پاس بھیجا جب یہ مدینے میں داخل ہوا تو شہر کے لڑکے اس کو لوہے وغیرہ سے مارنے اور کچوکے دینے لگے ساتھ ہی وہ کہتے جاتے تھے۔

"اے خدا کے دشمن! تو ایمان لانے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے لگا!"

اس پر یہ کہتا:

"خدا کی قسم۔ میں ایمان نہیں لایا تھا"۔

پھر صدیق اکبرؓ نے اس کے ساتھ احسان کا معاملہ فرمایا اور یہ دوبارہ مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد یہ ہمیشہ حلقہ بگوش اسلام ہی رہا۔

غزوہ بنی مصطلق

اس غزوہ کا نام...... اس غزوہ کو غزوہ مُریسیع بھی کہتے ہیں۔ اسی طرح اس کا نام غزوہ محارب بھی ہے۔ ایک قول ہے کہ غزوہ محارب دوسرا غزوہ تھا۔ نیز اس کو غزوہ اعاجیب بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں بہت سے عجیب و غریب واقعات پیش آئے تھے جیسا کہ یہ قول گذر چکا ہے اور اسی طرح غزوہ ذات الرقاع کے متعلق بھی یہ قول گذرا ہے۔

بنی مصطلق...... یہ بنی مصطلق بنی خزاعہ کی ہی ایک شاخ تھی یہ لوگ بنی جذیمہ تھے اور جذیمہ ہی کو مصطلق کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ مصطلق صلق سے بنا ہے جس کے معنی آواز بلند کرنے کے ہیں۔ مریسیع بنی مصطلق کے چشموں میں سے ایک چشمہ کا نام ہے یعنی یہ چشمے بنی خزاعہ کے تھے لفظ مُریسیع کا مادہ رسع ہے جس کے معنی ہیں بہنا۔ چنانچہ اگر بیماری کی وجہ سے کسی کی آنکھ بہنے لگے تو کہا جاتا ہے رسعت عین الرجل یعنی فلاں شخص کی آنکھیں بہنے لگیں۔ یہ چشمہ قدید کے مقام کی طرف تھا۔

اس غزوہ کا سبب...... اس غزوہ بنی مصطلق کا سبب یہ ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ بنی مصطلق کے سردار حرث ابن ضرار نے آپ سے جنگ کرنے کے لئے ایک لشکر جمع کیا ہے جس میں اس کی قوم کے لوگ بھی ہیں اور دوسرے ایسے عرب بھی ہیں جن پر حرث کا اثر و رسوخ تھا۔ یہ حرث ابن ضرار بعد میں مسلمان ہو گئے تھے جیسا کہ آگے ذکر آئے گا۔

تحقیق حال کے لئے بریدہ کی روانگی...... اس اطلاع پر آنحضرت ﷺ نے بریدہ ابن حصیب کو حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔

(قال) چلتے وقت حضرت بریدہ نے آنحضرت ﷺ سے اس بات کی اجازت چاہی کہ اگر کہیں میں دشمن کے ہاتھوں میں پڑ جاؤں تو جان بچانے کے لئے جو کچھ وقت پر سوجھ جائے کہہ کر ان سے پیچھا چھڑا لوں چاہے وہ بات واقعہ کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ آپ نے ان کو اجازت دے دی۔

حضرت بریدہ مدینہ سے روانہ ہو کر بنی مصطلق میں پہنچے جہاں ان کو دشمن کا ایک بڑا لشکر نظر آیا۔ لوگوں نے بریدہ کو دیکھ کر پوچھا کہ تم کون ہو اور کس قوم سے تعلق رکھتے ہو۔ بریدہ نے کہا۔

"تمہاری ہی قوم کا ایک شخص ہوں مجھے معلوم ہوا تھا کہ تم لوگ اس شخص سے جنگ کرنے کے لئے لشکر تیار کر رہے ہو اس لئے میں بھی چلا آیا۔ اب میں اپنی قوم اور اپنے زیر اثر لوگوں میں پھروں گا تاکہ ہم سب ایک جان ہو جائیں اور اس طرح اس شخص سے ہمیشہ کے لئے چھٹکارہ پالیں!"

بریدہ بنی مصطلق میں...... یہ سن کر بنی مصطلق کے سردار حرث نے کہا۔

"ہم تو خود یہی چاہتے ہیں اس لئے جو کچھ کرنا چاہتے ہو جلد از جلد کرو!"

بریدہ نے کہا۔

"میں ابھی جاتا ہوں اور ایک بڑا لشکر لے کر تمہارے پاس پہنچتا ہوں!"

اس خبر پر وہ سب لوگ بے حد خوش ہو گئے۔ حضرت بریدہ وہاں سے سیدھے آنحضرت ﷺ کے پاس واپس آئے اور آپ کو تمام صورتحال بتلائی۔ آنحضرت ﷺ نے فوراً ہی جنگ کی تیاری اور کوچ کا اعلان کرا دیا۔ مسلمانوں نے بہت تیزی سے

تیاری کی اور جلد ہی جنگ کے لئے کوچ کر دیا۔

اسلامی لشکر...... یہ واقعہ شعبان کا ہے مسلم لشکر کی روانگی ۲ شعبان ۵ھ کو ہوئی۔ ایک قول کے مطابق ۴ھ میں ہوئی تھی جیسا کہ بخاری میں بھی ہے۔ جو ابن عقبہ کی روایت ہے۔ یہی بات امام نووی نے کتاب روضہ میں کہی ہے۔

علامہ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ شاید یہ بات سبقت قلم سے لکھی گئی کہ راوی کو ۵ھ لکھنا تھا مگر غلطی سے ۴ھ لکھا گیا کیونکہ خود مغازی ابن عقبہ میں بھی مختلف سندوں سے جو روایات پیش کی گئی ہیں وہ ۵ھ کی ہی ہیں۔ ایک قول ہے کہ یہ ۶ھ تھا اور اس پر اکثر محدثین کا اتفاق ہے۔

مسلمانوں کے اس لشکر میں گھوڑے سوار بھی تھے جن کی تعداد تیس تھی۔ ان میں سے دس گھوڑے مہاجروں کے تھے جن میں سے دو گھوڑے یعنی زار اور ظرب خود رسول اللہ ﷺ کے تھے اور بیس گھوڑے انصاریوں کے تھے۔ اس موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے مدینے میں حضرت زیدؓ ابن حارثہ کو اپنا قائم مقام بنایا۔ ایک قول ہے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ کو قائم مقام بنایا تھا۔ اسی طرح ایک قول حضرت غیلہ ابن عبداللہ لیثی کے بارے میں بھی ہے۔

مسلم لشکر میں منافقین...... اس غزوہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کی ازواج میں سے حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ تھیں۔ نیز آپ کے ساتھ اس موقعہ پر منافقوں کی بھی اتنی بڑی تعداد چلی کہ اس سے پہلے کبھی اتنی بڑی تعداد نہیں ہوئی تھی۔ ان میں عبداللہ ابن ابی ابن سلول اور زید ابن صلت بھی تھے۔ ان لوگوں کو حقیقت میں جہاد سے کوئی دلچسپی نہیں تھی بلکہ ان کے جانے کی اصل غرض یہ تھی کہ دنیاوی مال و دولت ہاتھ آئے گا اور فاصلہ یعنی سفر بھی زیادہ نہیں طے کرنا پڑے گا کیونکہ جگہ زیادہ دور نہیں ہے۔

ایک شخص کو اسلام کی ہدایت...... آنحضرت ﷺ منزل بہ منزل چلتے ہوئے ایک جگہ پہنچے جہاں آپ نے پڑاؤ ڈالا۔ اسی وقت بنی عبد قیس کا ایک شخص آپ کے پاس آیا اور سلام کر کے بیٹھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ تمہارے گھر والے کہاں ہیں؟ اس نے کہا روحاء کے مقام پر رہتے ہیں۔ آپ نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے کہا۔

"آپ ہی کے پاس آیا ہوں تاکہ آپ ﷺ پر ایمان لاؤں اور شہادت دوں کہ آپ جو پیغام لے کر آئے ہیں وہ حق ہے۔ اور پھر آپ کے ساتھ مل کر آپ کے دشمن سے جنگ کروں!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"تمام تعریفیں اسی ذات کو سزاوار ہیں جس نے تمہیں اسلام کا راستہ دکھلایا"۔

پھر اس شخص نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ کون سا عمل سب سے زیادہ اچھا عمل ہے؟

آپ نے فرمایا۔ "اول وقت میں نماز پڑھنا۔!"

چنانچہ اس کے بعد وہ شخص ہمیشہ اول وقت میں اور پابندی کے ساتھ نماز پڑھتا تھا۔

دشمن کے ایک جاسوس کا قتل...... پھر مشرکین کا ایک جاسوس آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پڑ گیا اس کو بنی مصطلق کے سردار حرث نے جاسوسی کے لئے بھیجا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اس شخص سے دشمن کا حال معلوم کرنا چاہا مگر اس نے کچھ بھی بتانے سے انکار کر دیا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے اس کے سامنے اسلام پیش کیا مگر اس نے اس پیشکش کو بھی نہ مانا آخر آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر فاروقؓ کو اس شخص کی گردن مار دینے کا حکم دیا جس پر انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔

دشمن پڑاؤ میں بھگدڑ...... حرث کو جب یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ اس کے مقابلے کے لئے کوچ کر چکے ہیں اور یہ کہ اس کا جاسوس بھی قتل ہو گیا ہے تو اسے سخت گھبراہٹ ہوئی اور وہ اور اس کے ساتھی بہت ہراساں ہو گئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے لوگ اسی وقت اس کا ساتھ چھوڑ کر ادھر ادھر بھاگ گئے۔ آنحضرت ﷺ برابر بڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ مُریسیع کے چشمہ پر پہنچ گئے یہاں آپ کے لئے ایک چرمی قبہ نصب کیا گیا جس میں آپ کے ساتھ حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما مقیم ہوئیں۔

آمنا سامنا اور تبلیغ...... مسلمانوں نے جنگ کے لئے تیار ہونا شروع کیا۔ آنحضرت ﷺ نے مہاجروں کا پرچم حضرت ابو بکر صدیقؓ کو دیا۔ ایک قول ہے کہ حضرت عمار ابن یاسرؓ کو دیا تھا۔ اور انصاریوں کا پرچم حضرت سعد ابن عبادہؓ کو دیا۔ پھر آپ نے حضرت عمر فاروقؓ کو حکم دیا کہ مشرکوں سے یوں کہیں:

"اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے لہٰذا اسی کے ذریعہ اپنی جان و مال کو محفوظ کر لو"۔

جنگ، پسپائی اور گرفتاری...... چنانچہ حضرت عمرؓ نے مشرکوں سے یہ بات کہی مگر انہوں نے اس کو نہیں مانا۔ اس کے بعد جنگ کا آغاز ہو گیا اور دونوں فریقوں نے ایک دوسرے پر تیر اندازی شروع کر دی۔ آخر آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ ایک ساتھ مشرکوں پر عام حملہ کریں۔ یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ مشرکوں میں سے ایک شخص بھی مسلمانوں سے محفوظ نہ رہ سکا۔ دس میں سے دس تو مارے گئے اور باقی تمام کے تمام جن میں مرد و عورت اور بچے شامل تھے گرفتار ہو گئے۔ مسلمانوں نے دشمن کے اونٹوں اور بکریوں پر بھی قبضہ کر لیا۔ یہ دو ہزار اونٹ تھے اور پانچ ہزار بکریاں تھیں۔ ان سب کو آنحضرت ﷺ نے اپنے غلام شقر کے حوالے کر دیا جن کا نام صالح تھا اور جو حبشی نسل کے تھے۔

مال غنیمت...... قیدیوں کی تعداد دو سو گھرانوں پر مشتمل تھی۔ بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ قیدیوں کی تعداد سات سو سے بھی اوپر تھی۔ ان قیدیوں میں بنی مصطلق کے سردار حرث ابن ضرار کی بیٹی بنت حرث بھی شامل تھی۔

ایک قول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دشمن کی بے خبری میں ان پر شب خون مارا تھا جس کے نتیجہ میں ان میں سے لڑنے والے قتل ہو گئے اور باقی لوگ گرفتار ہو گئے۔

بخاری اور مسلم میں یہی قول ہے اور پچھلا قول (جس کے مطابق پہلے تیر اندازی ہوئی اور پھر عام حملہ ہوا سیرت ابن ہشام میں ہے)۔

ان دونوں روایات میں اس طرح موافقت پیدا کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پہلے دشمن کی بے خبری میں ان پر چھاپہ مارا مگر وہ لوگ جلد ہی سنبھل گئے اور انہوں نے اپنی صف بندی کر لی پھر وہ لوگ شکست کھا گئے اور مسلمانوں کو ان پر غلبہ اور فتح حاصل ہو گئی۔ اب جن لوگوں نے سنبھل کر مقابلہ کرنا شروع کر دیا تھا وہ قتل ہو گئے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کا نعرہ "یا منصور امت" تھا جس کے ذریعہ وہ رات کی تاریکی اور گھمسان کی جنگ میں ایک دوسرے کو پہچانتے تھے۔ یہ جنگی نعرہ گویا ایک طرح کی نیک فال تھی کہ دشمن کو ہلاکت اور انہیں غلبہ و فتح حاصل ہو گی۔

پھر آنحضرت ﷺ کے حکم پر قیدیوں کی مشکیں کس دی گئیں۔ آپ نے قیدیوں کو حضرت بریدہؓ کی نگرانی میں دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے قیدیوں کو لوگوں میں تقسیم فرما دیا اور وہ لشکریوں کے قبضے میں پہنچ گئے۔

اس روایت میں امام شافعی کے جدید قول کی دلیل موجود ہے (جدید سے امام شافعیؒ کے وہ قول مراد ہیں جو ان کے مصر

پہنچنے کے بعد کے ہیں اور قدیم سے وہ قول مراد ہیں جو مصر پہنچنے سے پہلے کے ہیں)۔

امام شافعی کا جدید قول یہ ہے کہ عرب قیدی بھی غلام بنائے جاسکتے ہیں چنانچہ بنی مصطلق کے لوگ عرب تھے اور بنی خزاعہ کی شاخ تھے یہ بات امام شافعیؒ کے قدیم قول کے خلاف ہے جس میں ہے کہ عربی شخص کا اپنے شرف کی وجہ سے غلام بننا جائز نہیں ہے۔ کتاب ام میں امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ اگر مجھے اپنے گناہگار ہونے کا ڈر نہ ہوتا تو میں تمنا کرتا کہ ایسا ہی ہوتا یعنی عربی شخص کو غلام بنانا جائز نہ ہوتا۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ثعلبہ طائی کو مریسیع کے مقام سے فتح کی خوشخبری دے کر مدینے بھیجا۔ پھر دشمن کے پڑاؤ میں سے جو مال و متاع، ہتھیار، ساز و سامان اور مویشی حاصل ہوئے تھے آنحضرت ﷺ نے ان سب کو جمع کرایا۔ آپ نے ایک اونٹ کو دس بکریوں کے برابر قرار دیا۔

قیدیوں میں بنی مصطلق کے سردار کی بیٹی...... مال غنیمت کے علاوہ جو قیدی ہاتھ آئے تھے ان میں سردار بنی مصطلق کی بیٹی برہ بنت حرث بھی تھی۔ جب مال غنیمت تقسیم ہوا تو برہ حضرت ثابت ابن قیس اور ان کے چچازاد بھائی کے حصہ میں آئیں۔ حضرت ثابتؓ نے اپنے چچازاد بھائی کو برہ کے حصے کے بقدر اپنی کھجوروں کے دہ پیڑ دے دیئے جو مدینے میں تھے (اس طرح گویا برہ تنہا ثابتؓ کی ملک ہو گئیں) پھر خود ثابت نے برہ سے مکاتبت کا معاہدہ کر لیا (مکاتبت کا مطلب یہ ہے کہ غلام سے کہہ دیا جائے کہ تیری اتنی قیمت ہے اگر تو یہ رقم فراہم کر کے مجھے ادا کر دے تو تو آزاد ہے) حضرت ثابت نے برہ سے یہ معاہدہ کر لیا اور نو اوقیہ سونا رقم متعین کی۔ اب برہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی:

"یارسول اللہ! میں ایک مسلمان عورت ہوں۔ یعنی اسلام قبول کر چکی ہوں کیونکہ میں شہادت دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتی ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ میں قوم کے سردار حرث کی بیٹی ہوں۔ ہمارے ساتھ نیرنگی تقدیر کا جو کرشمہ ظاہر ہوا ہے وہ آپ جانتے ہیں کہ ایک سردار قوم کی بیٹی اچانک باندی بنالی گئی) اب میں ثابت ابن قیس اور اس کے چچازاد بھائی کے حصہ میں آئی ہوں۔ ثابت نے اپنے چچازاد بھائی سے مدینے کے اپنے کھجور کے درخت دے کر مجھے چھٹکارہ دلادیا اور خود اپنے آپ سے چھٹکارہ کے لئے مجھے ایک ایسی رقم سے مکاتبہ بنایا جو میری طاقت سے کہیں زیادہ ہے۔ اب میری آپ سے درخواست ہے کہ میری مکاتبت کی رقم کی ادائیگی میں میری مدد فرمائیے!"

برہ یا حضرت جویریہ سے نکاح...... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں اس سے بھی بہتر راستہ نہ بتلاؤں؟ برہ نے کہا وہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں تمہاری مکاتبت کی پوری رقم ادا کر دوں اور تم سے نکاح کرلوں۔ برہ نے کہا یارسول اللہ! میں تیار ہوں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ثابت ابن قیس کو بلوایا اور ان سے برہ کو مانگا۔ ثابت نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں وہ آپ کی ہو گئی۔ پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت ثابت کو مکاتبت کی پوری رقم ادا کی اور ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح فرمالیا۔ اس وقت برہ کی عمر بیس سال تھی۔ پھر آنحضرت ﷺ نے ان کا نام برہ کے بجائے جویریہ رکھا۔

قیدی عورتیں اور مسلمانوں کی خواہش...... شیخین نے ابو سعید خدریؓ سے روایت بیان کی ہے کہ غزوہ بنی مصطلق کے موقعہ پر ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک تھے۔ اس غزوہ میں ہم نے عرب کے بڑے بڑے گھرانوں کی عورتیں گرفتار کیں پھر ہم نے ان کو آپس میں تقسیم کیا اور ان کے مالک بن گئے ادھر ہمیں بیویوں سے دور ہوئے کافی دن ہو چکے تھے (جس کی وجہ

سے ہم لوگ ہمبستری کو بیتاب تھے) ساتھ ہی ہم ان عورتوں کا فدیہ لینا بھی چاہتے تھے۔ چنانچہ ہم نے ارادہ کیا کہ ان عورتوں سے فائدہ اٹھائیں لیکن بچوں کی پیدائش روکنے کے لئے عزل کریں (یعنی انزال فرج کے اندر نہیں کریں گے تاکہ حمل نہ ہو سکے) چنانچہ ہم نے کہا کہ ہم ایسا ہی کریں گے۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ ہمیں بہت سی قیدی عورتیں ہاتھ آئیں ادھر ہمیں عورتوں کے ساتھ شہوت بھی تھی کیونکہ بیویوں سے جدا ہوئے ہمیں کافی دن ہو چکے تھے۔ ادھر ہم چاہتے تھے کہ ہم ان کی عورتوں کو ان کے رشتے داروں کے حوالے کر کے ان کی جان کی قیمت لے لیں۔ ساتھ ہی ہم نے چاہا کہ ہم ان سے فائدہ اٹھائیں مگر عزل کریں چنانچہ ہم نے یہی کیا جب کہ رسول اللہ ﷺ بھی ہمارے سامنے موجود تھے۔ آخر اس بارے میں ہم نے آپ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا۔

اٹل تقدیرات...... "اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ تم ایسا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک پیدا ہونے والے جس جس جاندار کی تخلیق مقدر فرمادی ہے وہ ضرور پیدا ہو گا"۔

ایک روایت میں ہے کہ "یہ قطعاً ضروری نہیں کہ تم لوگ ایسا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ قیامت تک جس کو پیدا فرمانے والا ہے اس کو لکھ چکا ہے"۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ "نہیں ایسا کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ تقدیری معاملات ہیں"۔

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ۔ منی کے ہر قطرہ سے بچہ نہیں ہوتا اور جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمالیتا ہے تو اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے!"

مطلب یہ ہے کہ اگر تم لوگ عزل نہ کرو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے یعنی اگر تم فرج کے اندر ہی منی کا انزال کرو کیونکہ عزل کے معنی ہیں کہ منی کا انزال عورت کی فرج سے باہر کیا جائے کہ آدمی جب ہمبستری کر رہا ہو تو جس وقت انزال قریب ہو عضو تناسل کو فرج سے باہر نکال لے اور باہر ہی انزال کرے۔

غرض آپ ﷺ نے آگے فرمایا کہ قیامت تک جو بچہ بھی پیدا ہونے والا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ یعنی چاہے تم عزل کرو یا نہ کرو کیونکہ اگر بچہ کی پیدائش مقدر ہے تو یہ ہو سکتا ہے کہ تم انزال کے وقت عضو تناسل کو باہر نکال لو اور اس سے پہلے منی کا ایک قطرہ رحم مادر میں پہنچ جائے لہذا بچہ پیدا ہو جائے گا۔ اسی طرح اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی فرج میں ہی انزال کرتا ہے مگر بچہ نہیں پیدا ہوتا۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ یہ واقعہ غزوہ بنی مصطلق کے موقعہ پر پیش آیا تو صحیح قول یہی ہے مگر موسیٰ ابن عقبہ نے اس کے خلاف لکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ غزوہ اوطاس کے وقت پیش آیا تھا۔

پیچھے حضرت ابوسعدؓ کا یہ قول گزرا ہے کہ ہم لوگوں کو عورتوں سے جدا ہوئے کافی عرصہ گزر چکا تھا اور ہمیں عورتوں کے ساتھ ہمبستری کی خواہش ہو رہی تھی۔ تو غالباً حضرت ابوسعید خدریؓ اور ہر وہ شخص جس نے ان کی سی بات کہی مدینے میں بھی عورتوں سے علیحدہ رہتے آرہے ہوں گے کیونکہ ویسے اس غزوہ میں زیادہ دن نہیں لگے بلکہ یہ غزوہ (اور سفر وغیرہ) اٹھارہ دن میں پورا ہو گیا۔

قیدیوں کی رہائی کے لئے بنی مصطلق کا وفد...... حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ (ہماری مدینے واپسی کے بعد) بنی مصطلق کا ایک وفد ہمارے پاس یعنی مدینے میں آیا۔

چنانچہ کتاب امتاع میں ہے کہ مسلمان کچھ قیدیوں کو لے کر مدینے آگئے تو ان قیدیوں کے گھر والے آئے اور انہوں نے قیدی عورتوں اور بچوں میں سے ہر ایک کے لئے چھ فرائض فدیہ دیا اور پھر اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ بنی مصطلق کے وفد کے مدینے آنے سے پہلے میں ایک باندی کو فروخت کرنے کے لئے بازار لے گیا مجھ سے ایک یہودی کہنے لگا۔

"ابو سعید! تم اس باندی کو بیچنا چاہتے ہو حالانکہ اس کے پیٹ میں تمہارا بچہ پرورش پا رہا ہے!"

میں نے کہا کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ میں تو عزل کیا کرتا تھا۔ اس پر وہ یہودی بولا۔

"ہاں یہ بچے کو زندہ دفن کرنے کی ایک چھوٹی شکل ہے"۔

حضرت ابو سعید کہتے ہیں کہ یہودی کی یہ بات سن کر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو یہ واقعہ بتلایا۔ آپ نے فرمایا:

"یہودی جھوٹے ہیں۔ یہودی جھوٹے ہیں۔"

ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ۔ جب اللہ عزوجل کسی کو پیدا کرنے کا ارادہ فرما لیتا ہے تو تم اس کو بدل نہیں سکتے!"

خاندانی منصوبہ بندی کی ایک شکل...... اس روایت سے جو پیچھے بیان ہوئی ہے کہ عزل نہ کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ ہمارے شافعی علماء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ ہر غلام یا آزاد عورت کے ساتھ عزل کرنا جائز ہے مگر یہ جواز کراہت کے ساتھ ہے چاہے یہ عزل کسی بھی صورت میں یعنی اس عورت کی رضامندی سے کیا گیا ہو یا بغیر رضامندی کیا گیا ہو۔ ادھر علماء کی ایک جماعت نے عزل کو حرام قرار دیا ہے اور وجہ یہ بتلائی ہے کہ اس طریقہ سے نسل کا سلسلہ قطع ہو جاتا ہے۔

یہود نے عزل کو زندہ دفن کرنے سے تعبیر کیا تھا۔ مسلم کی ایک حدیث سے اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ مسلم میں ہے کہ ایک مرتبہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے عزل کرنے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا۔

"یہ بچے کو زندہ دفن کرنے کی ایک ہلکی شکل ہے!"

یعنی عزل کرنا ایسا ہی ہے جیسے بچی کو زندہ دفن کرنا ہے جو جاہلیت کے زمانے میں فقر و فاقہ یا شرم و عار کے خوف کی وجہ سے کیا جاتا تھا۔

اب گویا دونوں روایتوں میں ٹکراؤ پیدا ہو گیا۔ اس کے بارے میں یہی کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ بات شاید اس وقت فرمائی تھی جب آپ پر عزل کے حلال ہونے کی وحی نہیں آئی تھی۔ جب یہ وحی آگئی تو پہلا حکم منسوخ ہو گیا اور عزل جائز ہو گیا۔ اس طرح دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہا' مسلم ہی کی ایک دوسری روایت سے اس بات کی تائید ہوتی ہے جس میں حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہم لوگ عزل کیا کرتے تھے جب کہ قرآن کریم بھی نازل ہوتا تھا مگر اس بارے میں کوئی ممانعت نہیں آئی۔

ایک روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور کہنے لگا۔

"میرے پاس ایک باندی ہے جو ہماری خادمہ بھی ہے اور باغات میں کام کے دوران ہماری ساتھی بھی ہے' چونکہ وہ کام کاج بھی کرتی ہے اس لئے میں نہیں چاہتا کہ وہ حاملہ ہو (یعنی میں اس سے ہمبستری کرتا ہوں مگر یہ نہیں چاہتا کہ اس کو حمل ہو جس کی وجہ سے وہ کام کاج کے قابل نہ رہ جائے)!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"اگر تم چاہو تو اس کے ساتھ عزل کر لیا کرو مگر جو بچہ اس کیلئے مقدر ہے وہ آ کر رہے گا!"

چنانچہ اس کے بعد وہ شخص عزل کرتا رہا۔ ایک دن وہ پھر آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

"یا رسول اللہ وہ باندی تو حاملہ ہو گئی ہے!"

آپ نے فرمایا۔

"میں تم سے پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ اس کے لئے جو مقدر ہے وہ آ کر رہے گا!"

تو اس روایت میں گویا آنحضرت ﷺ نے اس شخص کو عزل کی ہدایت فرمائی ہے جس کے نتیجہ میں اکثر و بیشتر بچہ پیدا نہیں ہوتا مگر ساتھ ہی آپ نے اس کو یہ بھی بتلا دیا کہ عزل کرنے سے ان بچوں کی آمد نہیں رک سکتی جو مقدر ہو چکے ہیں۔

جویریہ کے باپ کا اسلام...... حضرت عبداللہ ابن زیاد سے روایت ہے کہ غزوہ بنی مصطلق میں آنحضرت ﷺ کو جویریہ بنت حرث مال غنیمت میں حاصل ہوئیں۔ جب آنحضرت ﷺ مدینے واپس آ گئے تو جویریہ کا باپ اپنی بیٹی کا فدیہ لے کر مدینے کے لئے روانہ ہوا (اس فدیہ میں بہت سے اونٹ تھے) جب حرث عقیق کے مقام پر پہنچا تو اس نے فدیہ کے اونٹوں پر ایک نظر ڈالی۔ ان میں سے دو اونٹ بہت عمدہ تھے۔ ان کے بارے میں حرث کی نیت بدل گئی اور اس نے ان دونوں اونٹوں کو وہیں ایک گھاٹی میں چھپا دیا اور باقی اونٹ لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

"اے محمد! تم نے میری بیٹی کو پکڑ لیا ہے"۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ:

"یا رسول اللہ! معزز گھرانے کی بیٹی قیدی نہیں بنائی جا سکتی۔ یہ اس کا فدیہ ہے!"

آپ نے فرمایا۔

"اور وہ دو اونٹ کہاں ہیں جنہیں تم عقیق کی ایک گھاٹی میں چھپا آئے ہو"۔

حرث نے یہ سنتے ہی کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اس بات کی خبر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں تھی۔ یہ کہہ کر وہ مسلمان ہو گئے۔ غالباً یہ حرث اپنے لئے امان لے کر مدینے میں داخل ہوئے تھے۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہ اس سے پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے اور ان کے ساتھ ہی ان کے دو بیٹے اور ان کی قوم کے بہت سے لوگ بھی مسلمان ہوئے تھے' لہٰذا اب گذشتہ روایت میں ان کے مسلمان ہونے کا مطلب یہ ہو گا کہ فدیہ لے کر آنے کے وقت انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔

جویریہ کو اختیار اور اللہ و رسول کا انتخاب...... غرض اسی وقت آنحضرت ﷺ نے حرث سے کہا کہ وہ اپنی بیٹی کو ہی اس بات کا اختیار دے دیں کہ وہ واپس اپنی قوم میں جانا چاہتی ہیں یا یہیں رہنا چاہتی ہیں۔ حرث نے اس بات کو پسند کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے صحیح بات کی اور انصاف کا معاملہ کیا۔ پھر انہوں نے اپنی بیٹی سے کہا۔

"بیٹی! اپنی قوم کو شرمندہ نہ کرنا!"

اس پر حضرت جویریہ نے کہا کہ میں نے اپنے لئے اللہ اور اس کے رسول کو پسند کر لیا۔

اب یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ گذشتہ ایک روایت کے مطابق حضرت جویریہ سے نکاح کر چکے تھے تو

آپ نے کیسے اپنی بیوی کو اختیار دیا کہ وہ رہنا چاہتی ہیں یا جانا چاہتی ہیں۔ کیونکہ گذشتہ روایت کے لحاظ سے آنحضرت ﷺ جویریہؓ کے ساتھ اسی وقت نکاح کر چکے تھے جب کہ آپ بنی مصطلق کے چشمہ پر تھے۔ ادھر میں نے امام ابوالعباس ابن تیمیہ کا قول دیکھا جو اس بات سے انکاری ہیں کہ حضرت جویریہؓ کے باپ بیٹی کا فدیہ لے کر آئے تھے اور آنحضرت ﷺ نے ان کو اختیار دیا تھا۔ لہٰذا یہ بات قابل غور ہو جاتی ہے۔

جویریہؓ کے بھائی آغوش اسلام میں...... کتاب استیعاب میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بیوی حضرت جویریہ کے بھائی عبداللہ ابن حرث اپنی قوم یعنی بنی مصطلق کے قیدیوں کا فدیہ لے کر آئے تھے۔ مگر راستے میں انہوں نے ان سب جوان اونٹوں اور ایک حبشی باندی کو ایک مقام پر چھپا دیا۔ اس کے بعد عبداللہ نے آنحضرت ﷺ کے پاس آکر قیدیوں کے فدیہ کے متعلق بات کی۔ آپ نے فرمایا۔

"ہاں۔ مگر تم فدیہ کے لئے کیا لے کر آئے ہو"۔

انہوں نے کہا کہ میں تو کچھ بھی نہیں لایا۔

آپ نے فرمایا اور وہ ذود یعنی جوان اونٹ اور سیاہ فام باندی کہاں ہیں جن کو تم نے فلاں فلاں جگہ چھپا دیا ہے۔

یہ سنتے ہی عبداللہ نے فوراً کلمہ شہادت پڑھا اور کہا کہ اس وقت میرے ساتھ کوئی نہیں تھا جب کہ میں نے فدیہ کے اس مال کو چھپایا تھا اور نہ ہی اس واقعہ کے بعد مجھ سے پہلے آپ تک کوئی دوسرا شخص پہنچا ہے (جس نے آپ کو یہ خبر سنائی ہو)۔ غرض اس کے بعد وہ مسلمان ہو گئے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ صرف یہ جوان اونٹ اور ایک سیاہ فام باندی ہی فدیہ کیلئے لے کر آئے تھے مگر پھر انہوں نے سوچا کہ لاؤ پہلے بغیر کسی مال کے ہی قیدیوں کی رہائی کے لئے بات کر دیکھو۔ چنانچہ انہوں نے ان جوان اونٹوں اور اس باندی کو اس لالچ میں چھپا دیا کہ ممکن ہے رسول اللہ ﷺ صرف اس بنیاد پر ہی قیدیوں کو چھوڑ دیں کہ عبداللہ کی بہن آپ کے پاس ہیں (یعنی حضرت جویریہ کے بدلے میں ہی سب قیدیوں کی رہائی ہو جائے)۔

مگر یہ احتمال بھی ہے کہ اس روایت کے الفاظ میں اختصار ہو اور آنحضرت ﷺ کے سوال کی اصلی تفصیل اس طرح ہو کہ: اور فدیہ کا وہ باقی مال کہاں ہے جو اس کے علاوہ تھا جو تم لے کر آئے ہو۔

گویا فدیہ کا مال صرف وہ جوان اونٹ اور ایک سیاہ فام باندی ہی نہ رہی ہو بلکہ اور مال بھی ہو اور یہ دونوں چیزیں اس مال کا صرف ایک حصہ رہی ہوں۔ اس پر عبداللہ نے جو یہ کہا کہ میں کچھ نہیں لایا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو کچھ آپ کے سامنے لے کر آیا ہوں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اس احتمال کو اس لئے پیش کیا گیا کہ بغیر مال کے قیدیوں کو چھڑانے کے لئے آنا قرین قیاس نہیں بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ جب حضرت جویریہ کے باپ اپنی بیٹی کا فدیہ لیکر آئے تو بیٹی نے وہ فدیہ واپس لوٹا دیا پھر وہ مسلمان ہو گئیں اور بہت اچھی مسلمان ثابت ہوئیں پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت جویریہ کیلئے اپنا رشتہ حرث یعنی جویریہ کے باپ کو دیا جو قبول کر لیا گیا اور حرث نے اپنی بیٹی کی شادی آنحضرت ﷺ سے کر دی آنحضرت ﷺ نے چار سو درہم مہر طے کیا۔

کتاب امتاع میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت جویریہ کا مہر یہ متعین کیا کہ بنی مصطلق کے ہر ہر قیدی کو آزاد

کر دیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ نے ان کا مہر یہ طے کیا کہ ان کی قوم کے چالیس قیدیوں کو آزادی دے دی۔

جویریہ سے آنحضرت ﷺ کے نکاح کی برکت...... یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ حضرت جویریہ کے باپ کا اپنی بیٹی کا فدیہ لے کر آنا اس گذشتہ روایت کے ہر صورت میں خلاف ہے جسکے مطابق آپ نے بنی مصطلق کے چشمے پر ہی جویریہ سے شادی کر لی تھی' اُدھر اس گذشتہ روایت میں اور اس روایت میں بھی موافقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے جس میں ہے کہ جب مسلمانوں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت جویریہ سے نکاح کر لیا ہے تو انہوں نے بنی مصطلق کے بارے میں کہا کہ اب یہ لوگ آنحضرت ﷺ کے سسرالی ہیں' اور پھر بنی مصطلق کے جو قیدی بھی ان کے پاس تھے انہوں نے ان سب کو آزاد کر دیا۔

کتاب امتاع میں یہ عبارت ہے کہ جب مسلمانوں کو یہ خبر پہنچی کہ آنحضرت ﷺ نے جویریہ سے شادی کر لی ہے تو اس وقت وہ لوگ بنی مصطلق کے قیدیوں کو آپس میں تقسیم کر کے ان کے مالک بن چکے تھے اور ان میں جو عورتیں تھیں ان کے ساتھ ہمبستری کر چکے تھے۔ مگر اس خبر کے بعد انہوں نے کہا کہ اب یہ آنحضرت ﷺ کے سسرالی ہو گئے ہیں لہٰذا جس کے پاس جو قیدی تھا اس نے اسے آزاد کر دیا۔

خود حضرت جویریہؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے آزاد کر دیا اور مجھ سے نکاح فرمالیا تو بھی خدا کی قسم میں نے آپ ﷺ سے اپنی قوم کے قیدیوں کے متعلق بات نہیں کی بلکہ خود مسلمانوں نے ہی اس کے بعد ان قیدیوں کو چھوڑ دیا۔ مجھے اس بات کی خبر بھی اپنی چچازاد بہن سے ملی جس پر میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

قیدیوں کی رہائی کیسے ہوئی...... مولف کہتے ہیں: بعض علماء نے یوں لکھا ہے کہ حضرت جویریہ نے اپنی شب عروسی میں آنحضرت ﷺ سے اپنی قوم کے قیدیوں کی رہائی چاہی جو آپ نے منظور فرمالی' ان دونوں روایتوں میں موافقت کی ضرورت ہے۔ اب ان قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنے یا بغیر فدیہ کے رہا کرنے کی روایتوں میں اختلاف دور کرنے کیلئے یوں کہا جاتا ہے کہ غالباً حضرت جویریہؓ کو آزاد کر کے ان سے نکاح کرنے سے پہلے کچھ قیدیوں کا فدیہ لیا گیا تھا مگر پھر جویریہ سے نکاح کے بعد آنحضرت ﷺ نے باقی قیدیوں کو یوں ہی چھوڑ دیا۔ لہٰذا یوں کہنا چاہئے کہ ان میں سے کچھ قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کیا گیا اور باقی قیدیوں کو یونہی بغیر فدیہ کے چھوڑ دیا گیا۔ قیدیوں کی تعداد بہر حال بہت کافی تھی کیونکہ وہ دو سو گھرانوں کے لوگ تھے۔

بعض علماء کے ایک قول سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے اس قول میں ہے کہ جو قیدی تھے ان میں کچھ وہ لوگ تھے جن کو آنحضرت ﷺ نے بلا فدیہ کے آزاد کر کے ان پر احسان کیا اور کچھ وہ تھے جن کا فدیہ لیا گیا۔ اسی بات کی تائید آگے حضرت عائشہؓ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ بلا فدیہ کے جن لوگوں کی رہائی ہوئی وہ ایک سو گھرانوں کو بغیر فدیہ کے آزاد کیا گیا۔

پیچھے حضرت جویریہؓ کا یہ قول گزرا ہے کہ میں نے اپنی قوم کے قیدیوں کے متعلق آپ ﷺ سے کوئی بات نہیں کی۔ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ فدیہ کے بدلے رہا ہونے والوں کے بعد جو قیدی رہ گئے تھے ان کے متعلق کوئی بات نہیں کی۔

بنی مصطلق کا اسلام اور ولید کی بھیانک غلط فہمی...... پھر اس کے بعد بنی مصطلق کے تمام لوگ مسلمان ہو گئے۔ اس کے دو سال بعد آنحضرت ﷺ نے ولید ابن عقبہ ابن معیط کو بنی مصطلق سے صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ ولید ابن عقبہ اور بنی مصطلق کے درمیان جاہلیت کے زمانے سے ایک جھگڑا اور دشمنی چلی آرہی تھی۔ مگر اس وقت جب بنی مصطلق کو معلوم ہوا کہ ولید ابن عقبہ آرہے ہیں تو (انہوں نے جاہلیت کی دشمنی کو فراموش کر دیا اور) وہ ان کے استقبال کے لئے تلواریں حمائل کئے نہایت خوش خوش بستی سے باہر آئے۔ ولید ابن عقبہ اس گذشتہ دشمنی کی وجہ سے یہ سمجھے کہ یہ لوگ ان کو قتل کرنے کے لئے تلواریں

لئے آ رہے ہیں' چنانچہ وہ وہاں سے واپس بھاگ کھڑے ہوئے اور مدینے پہنچ کر آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی کہ وہ لوگ مرتد ہو گئے ہیں یعنی اسلام سے پھر گئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے اس خبر پر ان سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا۔ ادھر مسلمانوں میں بھی اس بات کا چرچا ہو گیا (اور وہ لوگ بنی مصطلق سے جنگ کی باتیں کرنے لگے)۔

اسی اثناء میں اچانک بنی مصطلق کا وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور انہوں نے بتلایا کہ ہم لوگ تو ولید ابن عقبہ کا اعزاز کرنے کے لئے ان کے استقبال کو بستی سے باہر آئے تھے' ساتھ ہی صدقہ کی واجب رقم بھی آپ کو ادا کر دی۔

تحقیق کے لئے حضرت خالدؓ کا کوچ...... ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس واقعہ کی تحقیق حال کیلئے حضرت خالد ابن ولید کو بنی مصطلق میں بھیجا تو لوگوں نے ان کو سارا ماجرا سنایا۔ حضرت خالد کو روانہ کرتے وقت آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا:

"نماز کے وقت ان کا حال دیکھنا اگر ان لوگوں نے نماز چھوڑ دی ہے تو تم مناسب کارروائی کرنا"۔

بنی مصطلق کی اسلام سے محبت...... چنانچہ حضرت خالدؓ سورج غروب ہونے کے وقت وہاں پہنچے اور ایک ایسی جگہ چھپ کر بیٹھ گئے جہاں سے وہ دیکھ سکیں کہ آیا لوگ نماز پڑھتے ہیں یا نہیں۔ اسی وقت انہوں نے دیکھا کہ جیسے ہی سورج غروب ہوا موذن نے اٹھ کر اذان دی۔ پھر اس نے تکبیر کہی اور لوگوں نے نماز پڑھی۔ پھر اس کے بعد جب شفق کی سرخی غائب ہوئی تو پھر موذن نے اذان دی پھر تکبیر کہی اور اس کے بعد لوگوں نے عشاء کی نماز پڑھی۔ پھر جب آدھی رات گذر گئی تو حضرت خالد نے دیکھا کہ وہ لوگ تہجد پڑھ رہے تھے' اس کے بعد جب فجر طلوع ہوئی تو ان کے موذن نے پھر اذان دی۔ پھر تکبیر کہی اور اس کے بعد لوگوں نے فجر کی نماز پڑھی۔

اس کے بعد جب لوگ مسجد سے لوٹے اور دن کا اجالا پھیلنے لگا تو بستی میں انہیں گھوڑوں کی پیشانیاں نظر آئیں۔ انہوں نے حیران ہو کر ایک دوسرے سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ کسی نے بتلایا کہ یہ خالد ابن ولید آئے ہیں۔ اب لوگوں نے حضرت خالدؓ سے پوچھا کہ کیسے آنا ہوا؟ انہوں نے کہا۔

"خدا کی قسم آپ ہی لوگوں کے لئے آیا ہوں' آنحضرت ﷺ کے پاس ایک شخص نے آکر خبر دی تھی کہ تم لوگوں نے نماز چھوڑ دی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر و شرک کرنے لگے ہو"۔

حقیقت حال...... یہ سن کر وہ لوگ رو پڑے اور کہنے لگے۔

"اللہ کی پناہ۔ دراصل ولید ابن عقبہ ابن معیط کے اور ہمارے درمیان جاہلیت کے زمانے میں دشمنی تھی۔ جب وہ یہاں آئے تو ہم لوگ احتیاط کے طور پر تلواریں لیکر انکے استقبال کو نکلے کہ وہ مبادا پرانی دشمنی اور آویزش کا بدلہ لینے نہ آئے ہوں!"

آنحضرت ﷺ کو اطلاع اور ولید کے متعلق وحی...... اس پوری تحقیق حال کے بعد حضرت خالدؓ اپنے دستہ کیساتھ وہاں سے واپس ہوئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' اسی وقت حق تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ پر یہ آیات نازل فرمائیں:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ۔ (لآیہ ۲۶۔ سورہ حجرات۔ ع ۱ آیت ۶)

ترجمہ: اے ایمان والو۔ اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لادے تو خوب تحقیق کر لیا کرو' کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر نہ پہنچا دو پھر اپنے کئے پر پچھتانا پڑے۔

علامہ ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں کہ قرآن پاک کی اس تاویل کے سلسلے میں علماء میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ آیت جوذکر ہوئی ولید ابن عقبہ ابن معیل کے متعلق نازل ہوئی تھی جب کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو بنی مصطلق سے صدقات وصول کرنے کے لئے ان کے پاس بھیجا تھا۔

اسی طرح ان ہی ولید اور حضرت علیؓ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

اَفَمَنْ کَانَ مُؤْمِنًا کَمَنْ کَانَ فَاسِقًا لَّا یَسْتَوٗنَ۔ (الآیہ پ۲۱ سورہ سجدہ ع۲ آیت۱۸)

ترجمہ: توکیا جو شخص مومن ہو گیا وہ اس شخص جیسا ہو جاوے گا جو بے حکم۔ وہ آپس میں برابر نہیں ہو سکتے تو ان ولید ابن عقبہ کو فاسق کہا جاتا تھا۔

غزوہ بنی مصطلق میں فرشتوں کی شرکت...... ان ہی لوگوں میں ایک شخص تھا جو بعد میں مسلمان ہو گیا تھا اور نہایت دیندار مسلمان بنا۔ وہ کہتا ہے کہ مسلم لشکر میں ہمیں کچھ سفید فام لوگ نظر آتے تھے جو سیاہ و سفید گھوڑوں پر سوار تھے اور جنہیں ہم نے نہ اس سے پہلے دیکھا تھا اور نہ اس کے بعد ہی وہ لوگ دیکھنے میں آئے۔

اب ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس غزوہ میں فرشتے مسلمانوں کی مدد کے لئے شریک تھے۔

غزوہ بنی مصطلق میں مسلمانوں میں سے صرف ایک شخص قتل ہوا جس کو ایک انصاری مسلمان نے غلطی سے قتل کر دیا تھا کیونکہ وہ اس شخص کو دشمن کا آدمی سمجھے تھے ان کا نام ہشام ابن صبابہ تھا۔

غلط فہمی سے مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کا قتل...... مولف کہتے ہیں: حافظ دمیاطی نے بھی اپنی سیرت کی کتاب میں یہی بیان کیا ہے کہ اس غزوہ میں صرف ایک مسلمان قتل ہوا تھا۔ کتاب ھدی کے مصنف نے اس قول پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ محض غلط فہی اور وہم ہے ورنہ اس غزوہ میں کوئی مسلمان قتل نہیں ہوا کیونکہ اس موقعہ پر جنگ نہیں ہوئی تھی۔

مگر یہ اعتراض خود بیجا ہے اور غلط فہمی پر مبنی ہے کیونکہ مصنف ھدی نے یہ سمجھ کر اعتراض کیا ہے کہ وہ مسلمان کسی کافر کے ہاتھوں قتل ہوا تھا حالانکہ یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ یہ شخص ایک مسلمان ہی کے ہاتھوں قتل ہوا جس نے غلطی سے اس کو دشمن کا آدمی سمجھا تھا۔ واللہ اعلم

مقتول کے بھائی کا اسلام اور ارتداد...... اس کے بعد اس مقتول شخص کا بھائی مکے سے آنحضرت ﷺ کے پاس اسلام کا اعلان کر کے آیا۔ اس نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میں اپنے بھائی کا خون بہا یعنی جان کی قیمت مانگتا ہوں' چنانچہ آنحضرت ﷺ نے دیت اور خوبہا دیئے جانے کا حکم دیا اور اس طرح اس شخص نے سو اونٹ دیت کے لئے۔ اس کے بعد یہ شخص کچھ دن آنحضرت ﷺ کے پاس ٹھہرا اور ایک روز اچانک اس نے اپنے بھائی کے قاتل پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا اور مرتد ہو کر مدینے سے مکے کو فرار ہو گیا۔ چنانچہ پھر فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کے خون کو جائز قرار دیا اور اسی دن یہ ایک مسلمان کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ اس واقعہ کی تفصیل آگے آئے گی۔

اس واقعہ کی جو تفصیل پیش کی گئی ہے وہ صحیح ہے اگرچہ آگے فتح مکہ کے بیان میں کتاب اصل کے حوالے سے جو تفصیل آئے گی وہ اس کے خلاف ہے وہاں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس کے بھائی کے قتل کا واقعہ غزوہ ذی قرد میں پیش آیا تھا۔

غزوہ خندق

اس کو غزوہ احزابؔ بھی کہا جاتا ہے۔ یہی وہ غزوہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو ایک آزمائش میں ڈالا اور اپنے متقی اور پرہیزگار اولیاء کے دلوں میں ایمان کو مضبوط و مستحکم فرمادیا نیز اسی غزوہ کے ذریعہ حق تعالیٰ نے منافقوں اور ان سرکشوں کا پول بھی کھول دیا جو اپنے دلوں میں مسلمانوں اور اسلام کے خلاف بغض و نفرت چھپائے ہوئے تھے۔

اس غزوہ کا سبب......اس غزوہ کا سبب یہ ہوا کہ جب بنی نضیر کے یہودیوں کو مدینے میں ان کے علاقے سے جلاوطن کر دیا گیا جیسا کہ بیان ہوا تو ان کے بڑے بڑے سردار مکے میں قریش کے پاس گئے ان سرداروں میں ایک تو حییٰ ابن اخطب تھا جو ام المومنین حضرت صفیہؓ کا باپ تھا۔ دوسرا ان کا عالم سلام ابن مشکم تھا۔ ان کے علاوہ ان کا دوسرا سردار کنانہ ابن ابو حقیق تھا اور ہوذہ ابن قیس اور ابوعامر فاسق بھی تھے۔

یہود کی قریش کے ساتھ سازش......ان لوگوں نے مکے پہنچ کر قریش کو دعوت دی کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے کے لئے میدان میں آئیں انہوں نے قریش کو خوب بھڑکایا اور کہا:

ہم جنگ کی صورت میں تمہارے ساتھ ہوں گے یہاں تک کہ محمد ﷺ (اور ان کی جماعت) نیست و نابود کر دیں گے ان سے دشمنی میں بھی ہم تمہارے ساتھ ہیں!"

ابوسفیان یہ سن کر (بہت خوش ہوا اور) کہنے لگا:

"مرحبا' خوش آمدید' ہمارے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ) شخص وہ ہے جو محمد ﷺ کی دشمنی میں ہمارا مددگار ہو"۔

ایک روایت کے مطابق ابوسفیان نے ان سے یہ بھی کہا کہ۔ مگر ہم اس وقت تک تم پر بھروسہ نہیں کر سکتے جب تک تم ہمارے معبودوں کو سجدہ نہ کرلو' تاکہ ہمارے دل مطمئن ہو جائیں!"

یہود کی ابن الوقتی اور بت پرستی......یہودیوں نے فوراً ہی بتوں کو سجدہ بھی کر لیا۔ اس کے بعد قریش نے ان سے کہا:

"اے گروہ یہود! تم اہل کتاب ہو اور تمہاری کتاب سب سے پہلی کتاب ہے اس لئے تمہارا علم بھی زیادہ ہے لہٰذا اس جھگڑے کے بارے میں کچھ بتاؤ جو ہمارے اور محمد ﷺ کے درمیان اختلاف کا سبب ہے۔ کیا ہمارا دین بہتر ہے یا محمد ﷺ کا دین ہم سے اچھا ہے!۔

یہودیوں نے کہا۔

"نہیں' تمہارا ہی دین محمد ﷺ کے دین سے بہتر ہے اور حق و صداقت میں تم لوگ محمد ﷺ سے کہیں زیادہ بڑھے ہوئے ہو"۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ آیا ہمارا راستہ زیادہ سیدھا اور ہدایت کا ہے یا محمد ﷺ کا راستہ؟ یہود نے کہا۔ نہیں تمہارا راستہ ہی ہدایت کا راستہ ہے اس لئے کہ تم لوگ اس بیت اللہ کی عظمت کرتے ہو' حاجیوں کو پانی پلاتے اور سیراب کرنے کی خدمت انجام دیتے ہو' قربانیاں کرتے ہو اور ان ہی چیزوں کی عبادت کرتے ہو جن کو تمہارے آباء واجداد پوجتے آئے ہیں' لہٰذا ہر لحاظ سے حق و صداقت اور سچائی تمہارے ہی ساتھ ہے۔

اسی واقعہ پر حق تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا۔ (لآیہ پ۵ سورہ نساء ع۸ آیت ۵۱)

ترجمہ: کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک حصہ ملا ہے پھر باوجود اس کے وہ بت اور شیطان کو مانتے ہیں اور وہ لوگ کفار کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ لوگ بہ نسبت مسلمانوں کے زیادہ راہِ راست پر ہیں۔

قریشی جوانوں کا عہد...... یہودیوں کا جواب سن کر قریش کی خوشی و مسرت کا ٹھکانہ نہیں رہا۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ سے جنگ کیلئے یہودیوں نے ان کو جو مشورہ دیا تھا وہ اس کے لئے دل و جان سے راضی ہو گئے چنانچہ اسی وقت قریش کے مختلف خاندانوں سے پچاس جوان نکلے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے خلاف عہد و پیمان کیا اور کعبہ کا پردہ پکڑ کر اور اس سے اپنے سینے ملا کر انہوں نے حلف کیا کہ وقت پر ایک دوسرے کو دغا نہیں دیں گے اور جب تک ان میں سے ایک شخص بھی باقی ہے محمد ﷺ کے خلاف متحد و متفق رہیں گے۔

قریشی لشکر اور جنگی تیاریاں...... غرض اب قریش اور ان کے ماتحت قبیلوں اور اسی طرح غطفان اور ان کے ماتحت قبیلوں نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ قریشیوں کا سالار ابوسفیان تھا اس کے ماتحت چار ہزار سورماؤں کا لشکر تیار ہوا اس لشکر میں تین سو گھوڑے سوار تھے اور ایک ہزار یا پندرہ سو اونٹ تھے، پھر انہوں نے دارالندوہ میں جنگی پرچم تیار کیا پرچم برداری کی ذمہ داری عثمان ابن طلحہ ابن ابو طلحہ کے پاس تھی اس کا باپ طلحہ ابن ابو طلحہ جنگ احد میں قتل ہو چکا تھا عثمان کے دونوں چچا بھی احد میں قتل ہو چکے تھے جن کے نام عثمان ابن ابو طلحہ اور ابو سعید ابن ابو طلحہ تھے۔ اس عثمان ابن ابو طلحہ کو ہی ابو شیبہ کہا جاتا تھا جیسا کہ بیان ہوا، لہٰذا یوں کہنا چاہئے کہ شیبہ عثمان ابن طلحہ کا چچازاد بھائی تھا۔

غزوہ احد ہی میں عثمان ابن طلحہ کے چاروں بھائی بھی قتل ہو چکے تھے جو یہ تھے۔ مسافع ابن طلحہ، حرث ابن طلحہ کلاب ابن طلحہ اور جُلاس ابن طلحہ۔ یہ عثمان ابن طلحہ جس نے اس موقعہ پر قریش کی پرچم برداری کی بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ اس کو حجبی کہا جاتا تھا (جس کا مطلب نگہبان ہونا چاہئے) کیونکہ یہ بنی عبدالدار میں سے تھا جو کعبہ کے محافظ و خادم تھے۔ یہ بنی عبدالدار اور ان کا مورث اعلیٰ جنگ کے وقت جنگی پرچم اٹھایا کرتے تھے یہ اعزاز بنی عبدالدار ہی کا تھا کوئی دوسرا اس حق میں شریک نہیں تھا جیسا کہ بیان ہوا۔

غطفان کا لشکر...... قبیلہ غطفان کے لشکر کا سردار عیینہ ابن حصن فزاری تھا جو بنی فزارہ میں سے تھا۔ اس کے لشکر کی تعداد ایک ہزار تھی۔ یہ بات بیان ہو چکی ہے یہ عیینہ ابن حصن فزاری بعد میں مسلمان ہو گیا تھا اور مسلمان ہونے کے بعد پھر کافر ہو گیا تھا۔ پھر حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت کے زمانے میں یہ شخص مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا تو پھر دوبارہ مسلمان ہو گیا تھا۔

اسلام لانے سے پہلے دس ہزار جوان اس شخص کے اطاعت گزار تھے اور اس شخص میں مزاج کی بے حد سختی اور تندی تھی اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ شخص احمق مُطاع ہے یعنی ایک ایسا احمق جس کی لوگ اطاعت کرتے ہیں۔ اسی کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ بدترین شخص وہ ہے جس سے لوگ اس کے شر کی وجہ سے بچنے لگیں۔

دیگر لشکر...... اسی طرح بنی مرہ کا لشکر تھا جس کی تعداد چار سو نفر تھی اس لشکر کا سالار حرث ابن عوف مرّی تھا۔ یہ شخص بھی بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ مگر ایک قول ہے کہ بنی مرہ اس جنگ یعنی جنگ خندق یا جنگ احزاب میں شامل نہیں ہوئے۔

بنی اشجع کے لشکر کا سالار ابو مسعود ابن رخیلہ تھا یہ بھی بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ اسی طرح بنی سلیم کا لشکر تھا اس لشکر کی تعداد سات سو نفر تھی اور اس کا سالار سفیان ابن عبد شمس تھا۔ اس شخص کے اسلام کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہے۔

اسی طرح بنی اسد کا لشکر تھا جس کا سالار طلیحہ ابن خویلد اسدی تھا۔ یہ بھی بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ یہ شخص بھی ایک مرتبہ اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گیا تھا مگر دوسری مرتبہ پھر مسلمان ہوا اور سچے دل سے اسلام لایا۔ بنی اسد اور بنی اشجع وہ قبیلے تھے جن کی شرکت نے اس احزابی لشکر کی تعداد دس ہزار تک پہنچا دی تھی۔

تشریح...... اس لشکر کو لشکر احزاب اور اس غزوہ کو غزوہ احزاب اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں کفار عرب کے تمام قبائل اور خاندان شریک ہوئے تھے۔ احزاب حزب کی جمع ہے جس کے معنی گروہ اور جماعت کے ہیں چونکہ یہ لشکر تمام جماعتوں اور گروہوں پر مشتمل تھا اس لئے اس کو لشکر احزاب کہا جاتا ہے)۔

لشکر کی ترتیب اور سالاری...... چنانچہ بعض مورخوں کا کہنا ہے کہ ان احزاب اور گروہوں کی تعداد دس ہزار تھی جس کے تین لشکر بنائے گئے تھے مگر اس مجموعی لشکر کا کرتا دھرتا یا سپہ سالار اور ذمہ دار اعلیٰ ابو سفیان ابن حرب تھا (کیونکہ یہود کے بعد وہی اس تحریک کا روح رواں تھا)۔

آنحضرت ﷺ کو اطلاع اور صحابہ سے مشورہ...... غرض ادھر جب تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں اور احزابی لشکر کوچ کے لئے تیار ہو گیا تو دوسری طرف بنی خزاعہ کا ایک وفد (جو مسلمانوں کا دوست قبیلہ تھا) فوراً مدینے کو روانہ ہوا اور اس نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر آپ کو قریش کی اس جنگی تیاری اور احزابی لشکر کی اطلاع دی۔ آنحضرت ﷺ نے مشرکوں کے اس اجتماعی لشکر کے بارے میں سنتے ہی صحابہ کو جمع فرمایا اور انہیں دشمن کی تیاریوں کا حال بتلا کر ان سے اس بارے میں مشورہ طلب فرمایا۔ آپ نے ان سے پوچھا۔

"کیا ہم مدینے میں رہ کر دشمن کا مقابلہ کریں یا باہر نکل کر اسے روکیں؟"۔

خندق کھودنے کا مشورہ...... اس پر آپ کو ایک صحابی کی طرف سے (شہر کے گرد) خندق کھودنے کا مشورہ دیا گیا یہ مشورہ آپ کو حضرت سلمان فارسیؓ نے دیا۔ انہوں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! ہم کو اپنے ملک فارس میں جب دشمن کا خوف ہوتا تھا تو شہر کے گرد خندق کھود لیا کرتے تھے"۔

اہل فارس کا جنگی طریقہ...... دراصل یہ طریقہ فارسیوں کا ہی ایجاد کردہ تھا۔ فارس کے جس بادشاہ نے سب سے پہلے یہ طریقہ ایجاد کیا وہ حضرت موسیٰؑ کے زمانے کا بادشاہ تھا۔ غرض مسلمانوں کو حضرت سلمان فارسیؓ کا یہ مشورہ بہت پسند آیا اور انہوں نے مدینے کے گرد خندق کھودنے کا کام شروع کیا۔ آنحضرت ﷺ اسی وقت اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر چلے آپ کے ساتھ کچھ مہاجر اور انصاری مسلمان بھی تھے آپ کے لئے دیکھ بھال کر ایک مناسب جگہ تلاش کی گئی جہاں آپ نے پڑاؤ کیا اور اپنی زرہ کو کمر کے پیچھے کر لیا آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو محنت سے کام کرنے کا حکم فرمایا اور بتایا کہ اگر وہ صبر واستقلال سے کام کریں گے تو ان کو فتح ونصرت حاصل ہو گی۔ اس کے ساتھ ہی آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کے ساتھ خود بہ نفس نفیس کام میں حصہ لینا شروع کر دیا۔

کھدائی میں نبی کی شرکت...... آپ خود اپنی کمر مبارک پر مٹی ڈھوڈھو کر لے جانے لگے مسلمانوں نے دشمن کے پہنچ جانے کے اندیشے کی وجہ سے بہت تیزی سے کام شروع کر دیا۔ بنی قریظہ کے یہودیوں سے کھدائی وغیرہ کے لئے بہت بڑی تعداد میں

اوزار لئے جن میں پھاوڑے اور کدالیں وغیرہ شامل تھیں۔ مسلمانوں میں جو لوگ محنت و جانفشانی کر رہے تھے ان میں جعال و جعیل ابن سراقہ بھی تھے ان کا بدن بہت زیادہ موٹا اور چربی دار تھا اور یہ بہت زیادہ بدشکل تھے مگر یہ اصحاب صفہ میں سے تھے اور بے حد نیک اور صالح صحابی تھے۔ یہی وہ شخص ہیں جن کی شکل میں احد کے دن شیطان ظاہر ہوا تھا اور اس نے اعلان کر دیا تھا کہ محمد ﷺ قتل ہو گئے ہیں جیسا کہ بیان ہوا۔

نبی اور مسلمانوں کا رجز...... آنحضرت ﷺ نے انکا نام بدل کر عمر رکھ دیا جس پر مسلمان یہ جنگی اور رجزیہ شعر پڑھنے لگے۔

سماء من بعد جعيل عمرا

وكان للبائس يوما ظهرا

ان کا نام جعیل کے بعد عمر رکھ دیا گیا۔

چنانچہ اس کے بعد جب بھی لوگ رجز کے دوران لفظ عمر کہتے تو آپ بھی عمر کہتے اور جب لوگ لفظ ظہر پر پہنچتے تو آپ بھی سب کے ساتھ اس لفظ کا تکرار فرماتے۔

صحابہ کی جانفشانی اور خالی پیٹ...... غرض خندق کھودنے کے دوران صحابہ بھوک اور تکان سے سخت پریشان ہوئے کیونکہ یہ زمانہ عام تنگ دستی اور قحط سالی کا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو محنت اور بھوک کی شدت سے بے حال دیکھا تو آپ نے حضرت عبداللہ ابن رواحہ کا یہ شعر مثال کے طور پر پڑھا۔

اللهم لا عيش الا عيش الاخرة

فارحم الانصار و المهاجرة

ترجمہ: اے اللہ عیش و آرام اور زندگی اگر ہے تو صرف آخرت کی ہے پس تو انصاریوں اور مہاجروں کو اپنی رحمتوں سے نواز دے۔

ایک قول ہے کہ حضرت عبداللہ ابن رواحہ نے اس شعر میں اللہم کے بجائے بغیر الف کے لاہم کہا تھا مگر جیسا کہ آنحضرت ﷺ کی عادت تھی (کہ آپ شعر کو کبھی اس کی اصلی حالت اور وزن کے ساتھ نہیں پڑھتے تھے) آپ نے اس شعر کو بھی تبدیل کر کے اور وزن سے گرا کر پڑھا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

اللهم لا خير الا خير الاخرة

فبارك في الانصار و المهاجرة

ترجمہ: اے اللہ! خیر اور بھلائی اگر ہے تو صرف آخرت ہی کی ہے۔ پس تو انصاریوں اور مہاجروں پر برکتیں نازل فرما۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ:

فاكرم النصارو المهاجرة

یعنی پس تو انصار اور مہاجرین کو سربلند فرمادے۔ پیچھے مسجد نبوی کی تعمیر کا جو بیان گزرا ہے اس میں یہ شعر ہے۔

اللهم ان الاجرار الاخرة

فارحم الانصار و المهاجرة

ترجمہ: اے اللہ اجر و ثواب تو صرف آخرت ہی کا ہے پس تو انصار و مہاجرین پر اپنی رحمتیں نازل فرمادے۔

کتاب امتاع میں یہاں اس شعر کا اضافہ بھی ہے۔

اللھم العن عضلا و القارة
ھم کلفونی انقل الحجارة

ترجمہ: اے اللہ عضل وقارہ پر لعنت فرما کہ انہوں نے ہی مجھے پتھر ڈھونے پر مجبور کیا ہے۔

ایک روایت میں دوسرا مصرعہ یوں ہے کہ

ھم کلفونا ننقل الحجارة

یعنی انہوں نے ہمیں پتھر ڈھونے پر مجبور کر دیا۔ علامہ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ شاید یہ مصرعہ اس طرح تھا کہ

والعن الٰھی عضلا و القارة

مگر آنحضرت ﷺ نے اس شعر میں تبدیلی کر دی۔ ایک روایت میں آنحضرت ﷺ نے دوسرے مصرعہ کو اس طرح پڑھا کہ۔

فارحم المھاجرین والاناصرة

ایک روایت کے مطابق یوں پڑھا۔

فانصر الانصار والمھاجرة

غرض آنحضرت ﷺ سے یہ کلمات سن کر صحابہ نے اس کے جواب میں یوں کہا۔

نَحنُ الَّذِینَ بَایَعُوا مُحَمَّدًا
عَلَی الجِھَادِ مَابَقِینَا اَبَدًا

ترجمہ: ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد ﷺ کے ساتھ اپنی زندگیوں کا سودا کیا اور آخری سانس تک جہاد کرنے کی بیعت کی ہے۔

نبی کی محنت و مشقت...... آنحضرت ﷺ اس وقت مٹی ڈھو رہے تھے اور آپ کے پیٹ کی کھال پر گرد و غبار جما ہوا تھا اس وقت آپ نے پھر حضرت عبداللہ ابن رواحہ کے یہ شعر صحابہ کرام کے جواب میں مثال کے طور پر پڑھنے شروع کئے۔

اللھم لولا انت ما اھتدینا
ولا تصدقنا ولا صلینا

ترجمہ: اے اللہ! اگر تو ہماری رہنمائی پر نہ ہوتا تو نہ تو ہمیں ہدایت حاصل ہوتی اور نہ ہی ہم صوم و صلوٰۃ اور صدقات کا اہتمام کر سکتے۔

فانزلن سکینة علینا
وثبت الاقدام اذ لاقینا

ترجمہ: پس اے اللہ! تو ہمارے دلوں کو سکون و اطمینان سے نواز دے اور جنگ کے وقت میں ہمیں ثابت قدمی کی دولت سے مالا مال فرما دے۔

والمشرکون قد بغوا علینا
وان ارادوا فتنة ابینا

ترجمہ: مشرکوں نے ہمارے خلاف سر اٹھایا ہے۔ اگر انہوں نے فتنہ و فساد پھیلانا چاہا تو ہم ہرگز ایسا نہیں ہونے دیں گے۔

آنحضرت ﷺ نے جب آخری مصرع پڑھا تو لفظ ابینا کو آپ کھینچ کر بار بار فرماتے تھے۔ جب خندق کی کھدائی شروع ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے اس کا آغاز فرمایا تو اس وقت آپ یہ مصرعہ پڑھتے جاتے تھے۔

بسم الالٰہ وبہ بلینا
ولو عبدنا غیرہ شقینا

پروردگار کے نام سے اور اسی کے سہارے ہم کام کا آغاز کرتے ہیں اور اگر اس پروردگار کے سوا ہم کسی کے سامنے سر جھکائیں تو یہ ہماری بدبختی کی بات ہوگی۔

یا جبذا ربا وحبذا دینا

ترجمہ: اے خوشا بخت کہ وہ کتنا پاک پروردگار ہے اور اس کا دین کتنا بہترین دین ہے۔

صحابہ کی لگن اور جذبۂ اطاعت...... (صحابہ کرام خندق کھودنے میں مصروف تھے) اس کے دوران اگر کسی شخص کو کوئی ناگزیر یعنی قضائے حاجت پیش آ جاتی تو وہ آنحضرت ﷺ سے اس کا ذکر کر کے اجازت لیتا تب جاتا اور ضرورت سے فارغ ہونے کے بعد اپنے کام پر واپس پہنچ کر اور زیادہ تندہی اور جاں فشانی کے ساتھ محنت کرنے لگتا تاکہ زیادہ خیر و برکت اور ثواب حاصل ہو۔

منافقوں کی کاہلی...... (خندق کی کھدائی کے کام میں منافقین بھی لگے ہوئے تھے مگر اکثر منافقین نہایت سستی سے کام کرتے اور بہت زیادہ تھکن اور کمزوری کا اظہار کرنے لگے۔ چنانچہ ان میں سے جب کوئی چاہتا رسول اللہ ﷺ سے اجازت لئے بغیر چپکے سے اپنے گھر چلا جاتا تھا۔

زید کی تھکن اور صحابہ کا مذاق...... مٹی ڈھونے والوں میں حضرت زید ابن ثابتؓ بھی شامل تھے ان کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہ بھی بڑا اچھا لڑکا ہے۔ کھدائی کے دوران زید کو نیند آنے لگی اور وہیں خندق کے اندر سو گئے۔ عمارہ ابن حزم نے ان کو سوتے دیکھا تو وہ ان کے اوزار اٹھا کر لے گئے۔ جب ان کی آنکھ کھلی تو اوزار غائب دیکھ کر بہت گھبرائے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی پریشانی دیکھ کر فرمایا۔ لڑکے تم ایسے سوئے کہ اوزار اٹھ جانے کی بھی خبر نہ ہوئی۔

پھر آپ نے فرمایا اس لڑکے کے اوزاروں کے متعلق کسی کو خبر ہے؟ حضرت عمارہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے خبر ہے اور وہ میرے ہی پاس ہیں۔ آپ نے حکم دیا کہ واپس دے دو۔ پھر آنحضرت ﷺ نے اس بات کی ممانعت فرمائی کہ اس طرح کسی مسلمان کو پریشان کیا جائے اور مذاق میں اس کے ہتھیار اور اوزار اٹھا لئے جائیں' چنانچہ اسی بنیاد پر ہمارے شافعی علماء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ کسی شخص کا سامان بغیر اس کی اطلاع کے اٹھانا حرام ہے۔

پتھریلی زمین نبی کے سامنے موم...... خندق کی کھدائی کے دوران ایک سخت اور پتھریلی زمین آ گئی اور صحابہ سخت کوشش کے باوجود اس جگہ کی کھدائی سے عاجز آ گئے۔ آخر انہوں نے آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہو کر فریاد کی۔ آپ نے کدال اپنے دست مبارک میں لی اور اس جگہ ماری تو ایک ہی چوٹ میں وہ پتھریلی زمین ریت کی طرح بھر بھرا گئی۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ آنحضرت ﷺ نے کچھ پانی منگایا اور اس میں اپنا لعاب دہن ڈالا پھر آپ نے اللہ سے کچھ دعا مانگی اور اس کے بعد یہ پانی اس پتھریلی زمین پر چھڑک دیا۔ وہاں جو صحابہ اس وقت موجود تھے ان میں بعض کہتے ہیں کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آنحضرت ﷺ کو سچائی دے کر ظاہر فرمایا کہ یہ پانی پڑتے ہی وہ زمین ملائم ہو کر ریت کی طرح ہو گئی جسے کھودنے کے لئے کدال اور پھاوڑوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔

صدیق اکبرؓ و فاروق اعظمؓ کی محنت...... حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی اپنے کپڑوں میں بھر بھر کر مٹی ڈھو رہے تھے کیونکہ

جلدی میں انہیں کوئی ٹوکرا وغیرہ نہیں مل سکا تھا (یعنی یہ ایک جنگی اور ہنگامی صورت حال تھی جس میں بڑے بڑے صحابہ ہی نہیں خود رسول اللہ ﷺ بھی بہ نفس نفیس محنت و مشقت فرما رہے تھے۔

حضرت سلمان فارسیؓ سے (جن کے مشورہ پر خندق کھودی گئی) روایت ہے کہ خندق کے ایک حصہ میں میں نے کدال ماری مگر وہ پتھر نہیں ٹوٹا اور مجھ پر بہت زیادہ تھکن ہو گئی آنحضرت ﷺ اس وقت میرے قریب ہی تھے جب آپ نے مجھے کدال چلاتے دیکھا اور محسوس کیا کہ پتھریلی زمین ہے جس کی وجہ سے پریشان ہوں تو آپ خندق میں اترے اور میرے ہاتھ سے کدال لے کر آپ نے زمین پر ضرب لگائی جس سے کدال کے سرے پر ایک بجلی کا سا جھماکہ ہوا اس کے بعد آپ نے ایک دوسری ضرب لگائی تو دوسری بار بھی ویسا ہی روشنی کا سا جھماکہ ہوا۔ پھر آپ نے تیسری ضرب لگائی تو تیسری بار جھماکا ہوا۔ میں نے آنحضرت ﷺ کی یہ ضربیں دیکھیں تو عرض کیا:

یارسول اللہ ﷺ آپ پہ میرے ماں باپ قربان ہوں یہ روشنی کے جھماکے کیسے تھے جو کدال کے نیچے کوندے"۔

جھماکے اور بشارتیں...... آپ نے پوچھا سلمان! کیا تم نے یہ جھماکے دیکھے تھے؟

میں نے عرض کیا ہاں۔ تو آپ نے فرمایا۔

"جہاں تک پہلے جھماکے کا تعلق ہے تو اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یمن کی فتح نصیب فرمائی دوسرے کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مجھے شام اور مغرب پر غلبہ عطا فرمایا اور تیسرے جھماکہ کے ذریعہ حق تعالیٰ نے مشرق کو میرے لئے مفتوح و مغلوب بنا دیا"۔

نبی کو تسخیر مشرق و مغرب کی بشارت...... ایک روایت ہے کہ جب وہ پتھریلی زمین کھودنی اور چٹان توڑنی حضرت سلمانؓ کو دوبھر ہو گئی تو آنحضرت ﷺ نے ان کے ہاتھ سے کدال لے کر بسم اللہ کہا اور پھر پتھر پر ایک ضرب لگائی جس سے چٹان کا ایک تہائی حصہ ٹوٹ گیا ساتھ ہی اس ضرب کے نتیجہ میں روشنی کا ایک جھماکہ ہوا اور یمن کی سمت ایک نور خارج ہوا جو سیاہ رات میں چراغ کی طرح روشن تھا۔ اسی وقت آنحضرت ﷺ نے تکبیر کہی اور فرمایا کہ مجھے ملک یمن کی کنجیاں مرحمت فرمادی گئیں اور مجھے اسی وقت اسی جگہ کھڑے ہوئے صنعاء کے دروازے اس طرح اپنے سامنے نظر آرہے ہیں جیسے کتوں کے اگلے دانت ہوتے ہیں۔ پھر آپ نے دوسری ضرب لگائی جس سے چٹان کا دوسرا تہائی حصہ ٹوٹ گیا اور ملک روم کی طرف سے ایک نور ظاہر ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے پھر تکبیر کہی اور فرمایا کہ مجھے ملک شام کی کنجیاں عنایت فرمادی گئیں خدا کی قسم میں ملک شام کے محلات اور ایک روایت کے مطابق۔ سرخ محلات اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے تیسری ضرب لگائی جس سے چٹان کا باقی حصہ ٹوٹ گیا اور پھر روشنی کا ایک جھماکہ ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے تکبیر کہی اور فرمایا کہ مجھے ملک فارس کی کنجیاں عطا فرمادی گئی ہیں۔ خدا کی قسم مجھے اسی جگہ سے حیرہ و مدائن میں کسریٰ کے محلات اس طرح اپنے سامنے نظر آرہے ہیں جیسے کتوں کے اگلے دانت (ابھرے ہوئے اور جمے ہوئے) ایک روایت میں یوں ہے کہ میں اس وقت مدائن کا قصر ابیض یعنی سفید محل دیکھ رہا ہوں۔

آسمانی خبریں اور تصدیق...... ساتھ ہی آنحضرت ﷺ سلمان فارسیؓ کو فارس کے مقامات کی تفصیل اور محل و قوع بتلاتے جاتے تھے اور حضرت سلمانؓ کہتے تھے کہ یارسول اللہ آپ نے سچ کہا اس جگہ کی تفصیل اسی طرح سے ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ سلمان یہ فتوحات وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ میرے بعد عطا فرمائے گا۔

بشارتوں پر منافقین کا تمسخر...... ادھر اسی وقت منافقوں کی ایک جماعت نے جن میں معتب ابن قشیر بھی شامل تھا کہنا شروع کیا کہ تمہیں حیرت نہیں ہوتی کہ محمد ﷺ تمہیں غلط امیدیں دلا رہے ہیں اور بے بنیاد وعدے کر رہے ہیں اور بتلا رہے ہیں کہ وہ یثرب میں کھڑے کھڑے حیرہ اور مدائن کسریٰ کے محلات دیکھ رہے ہیں اور یہ کہ یہ مقامات تمہارے ہاتھوں فتح ہوں گے جب کہ حالت یہ ہے کہ تم لوگ دشمن کے خوف ودہشت سے خندق کھود رہے ہو اور تم میں اتنی بھی ہمت نہیں کہ میدان میں آکر دشمن کا مقابلہ کر سکو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ (۳ آل عمران' ۳ آیت ۲۶)

اے محمد! ﷺ آپ یوں کہئے کہ اللہ تعالیٰ مالک ہیں تمام ملک کے آپ جس کو چاہیں ملک دے دیتے ہیں اور جس سے چاہیں ملک لے لیتے ہیں۔

اس آیت کے نزول کے سبب سے متعلق ایک قول یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب مکہ فتح فرمایا تو آپ نے اپنی امت کو ملک فارس اور ملک روم کے فتح ہو جانے کا وعدہ دیا۔ اس پر منافقوں اور یہودیوں نے کہا کہ واہ واہ محمد ﷺ کو ملک فارس اور ملک روم کہاں سے مل سکتا ہے وہ لوگ کہیں زیادہ طاقتور اور بلند و برتر لوگ ہیں۔ (تب یہ آیت نازل ہوئی تھی)

دشمن لشکر کی آمد...... غرض جب رسول اللہ ﷺ خندق کی کھدائی سے فارغ ہو گئے تو اسی وقت قریش اور ان کے حامیوں کا لشکر مدینے کے سامنے پہنچ گیا اس لشکر کی کل تعداد دس ہزار تھی جیسا کہ بیان ہوا۔ قریشی لشکر نے پانی کے بہاؤ کی جگہ پڑاؤ ڈالا اور غطفانی اور دوسرے دستے احد پہاڑ کی سمت میں فروکش ہو گئے۔

دونوں لشکر کی تعداد اور پڑاؤ...... اس کے مقابلے میں مسلم لشکر کی تعداد تین ہزار تھی ابن اسحاق نے سات سو کی تعداد بتلائی ہے مگر یہ ان کا وہم ہے اگرچہ ابن حزم نے اسی تعداد کو صحیح بتلایا ہے اور کہا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے اور نہ یہ وہم ہے۔ آنحضرت ﷺ نے مسلم لشکر کے ساتھ سلع پہاڑ کے دامن میں اس طرح پڑاؤ ڈالا کہ یہ پہاڑ مسلمانوں کی پشت پر آ گیا جیسا کہ بیان ہوا اور خندق مسلمانوں اور دشمن کے درمیان میں آ گئی۔ آنحضرت ﷺ کے لئے ایک چرمی قبہ کھڑا کیا گیا اس خیمہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ آپ کی ازواج میں سے تین یعنی حضرت عائشہؓ حضرت ام سلمہؓ اور حضرت زینب بن جحشؓ تھیں جن کے پاس آپ باری باری رہتے تھے۔ اس عرصہ میں دن کے وقت میں حضرت عائشہؓ آپ کے پاس رہتی تھیں کیونکہ خندق کھودنے میں آنحضرت ﷺ کی مصروفیت دس دن سے زائد رہی۔ ایک قول ہے کہ چوبیس دن لگے ایک قول بیس دن کا ہے ایک قول کے مطابق تقریباً ایک مہینہ لگا' ایک قول کے مطابق پورا ایک مہینہ لگا۔ بعض محدثین نے کہا ہے کہ تقریباً مہینہ بھر لگنے کا قول سب سے زیادہ مضبوط قول ہے مگر ایک قول کے مطابق سب سے پختہ قول پندرہ دن کا ہے۔ امام نووی نے کتاب روضہ میں اسی قول کو اختیار کیا۔

عورتوں و بچوں کا تحفظ...... اس دوران میں آنحضرت ﷺ کی باقی سب ازواج بنی حارثہ کے محلے میں تھیں۔ عورتوں اور چھوٹے بچوں کو آطام یعنی ٹیلوں پر ٹھہرایا۔ جب آپ خندق کھودنے میں مشغول تھے تو آپ کے سامنے وہ لڑکے بھی آئے جو بالغ یا نابالغ تھے اور جو کھدائی میں مشغول تھے جب کھدائی کا کام نمٹ گیا تو ان لڑکوں میں سے ان کو جو پندرہ سال کی عمر کو نہیں پہنچے تھے آپ نے واپس ان کے گھروں میں بھجوا دیا اور جو پندرہ سال کے ہو چکے تھے ان کو آپ نے اجازت دے دی۔ ایسے لڑکوں میں جن کو آپ نے اجازت دے دی تھی عبداللہ ابن عمر' زید ابن ثابت' ابوسعید خدری اور براء ابن عازب شامل تھے۔

ادھر مدینہ شہر میں مکانات اس طرح ایک دوسرے سے پیوست اور ملے ہوئے تھے کہ پورا شہر ایک قلعہ کی سی حیثیت رکھتا تھا۔ بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ مدینے کی ایک جانب تو کھلی ہوئی تھی اور باقی تمام سمتیں مکانات اور باغات سے پیوستہ تھیں جن پر دشمن کا قابو نہیں چل سکتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ کھلی ہوئی سمت ہی خندق کے لئے منتخب فرمائی۔ اپنی غیر موجودگی میں آپ نے حضرت ام مکتومؓ کو مدینے میں اپنا قائم مقام بنایا۔

آنحضرت ﷺ نے سلیط اور سفیان ابن عوف کو احزابی لشکر کی معلومات حاصل کرنے کے لئے جاسوس کے طور پر بھیجا مشرکین نے ان دونوں کو پکڑ کر قتل کر دیا۔ ان دونوں کی لاشیں رسول اللہ ﷺ کے پاس لائیں گئیں تو آپ نے ان دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کرا دیا اس طرح یہ دونوں جڑواں شہید کہلائے۔

پھر آنحضرت ﷺ نے مہاجروں کا جنگی پرچم زیدؓ ابن حارثہ کے ہاتھ میں دیا اور انصاریوں کا پرچم سعدؓ ابن عبادہ کے ہاتھ میں دیا ساتھ ہی آپ نے سلمہ ابن اسلم کو دو سو آدمی دے کر اور زید ابن حارثہ کو تین سو آدمی دے کر مدینے کی حفاظت اور گرد آوری کے لئے بھیجا۔ یہ دستے بلند آواز سے تکبیریں کہتے رہتے تھے کیونکہ یہ خطرہ تھا کہ مدینے میں بنی قریظہ کے یہودی مسلمان بچوں اور عورتوں پر حملہ نہ کر دیں اس لئے کہ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تھا کہ یہودیوں نے امن کا وہ معاہدہ توڑ دیا ہے جو ان کے اور مسلمانوں کے درمیان تھا جیسا کہ آگے تفصیل بیان ہو گی اور یہ کہ وہ مدینے پر حملہ کرنا چاہتے ہیں بات یہ ہوئی تھی کہ حیی ابن اخطب نے ایک قاصد تو قریش کے پاس بھیجا تھا کہ وہ اپنے ایک ہزار آدمیوں کا دستہ اس کے پاس بھیج دیں اور اسی طرح ایک پیغام قبیلہ غطفان کے پاس بھیجا تھا کہ ان کے بھی ایک ہزار آدمیوں کا دستہ ان کے پاس آجائے تاکہ مدینے کو تاراج کیا جا سکے۔

یہود کی سازش...... آنحضرت ﷺ کو یہودیوں کی اس سازش کی خبر ہو گئی جس کی وجہ سے پریشانی اور زیادہ بڑھ گئی اور بچوں کے متعلق ان صحابہ پر بھی زیادہ خوف اور بے اطمینانی پیدا ہو گئی جو دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے خندق پر تعینات کئے گئے تھے (چنانچہ آنحضرت ﷺ نے زید ابن حارثہ اور مسلمہ ابن سلمؓ کی پیش کردگی میں پانچ سو مجاہدین کے دستے گرد آوری اور بچوں کی حفاظت پر متعین فرما دیئے)۔

ادھر جب مشرکین کا احزابی لشکر مدینہ کے سامنے پہنچا اور انہوں نے خندق دیکھی تو (وہ لوگ حیران رہ گئے اور) کہنے لگے:

"خدا کی قسم یہ تو بڑی سخت جنگی چال ہے۔ عرب تو اس جنگی تدبیر سے واقف نہیں تھے!"

ادھر مشرکین باری باری اپنے دستوں کیساتھ آگے بڑھتے اور واپس آجاتے۔ ایک دن ابوسفیان اپنے دستے کے ساتھ جاتا۔ ایک دن خالد ابن ولید اپنا دستہ لے کر بڑھتے اور لوٹ آتے۔ ایک دن عمرو ابن حائل کی باری ہوتی اور وہ جاتے کسی دن ہبیرہ ابن وہب اپنے دستے کو لے کر جاتا' ایک دن عکرمہ ابن ابو جہل اپنے ساتھیوں کے ساتھ قسمت آزمائی کرتے تو کسی دن ضرار ابن خطاب نکلتے۔ یہ لوگ اسی طرح اپنے گھوڑے سوار دستوں کو گھماتے پھرتے تھے کبھی یکجا ہو کر اور کبھی الگ الگ (مگر ہر طرف سے انہیں ناکامی ہوتی تھی)

لشکروں میں چھیڑ چھاڑ...... دوسری طرف صحابہ کرام کسی کسی وقت اچانک آگے بڑھتے اور اپنے دستوں کو تیر اندازی کا حکم دیتے اس طرح کی چھیڑ چھاڑ مذکورہ مدت تک چلتی رہی جس میں سوائے تیر اندازی کے کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ کبھی کبھی ایک دوسرے پر سنگ باری کرتے تھے۔

خندق عبور کرنے کی کوشش اور نوفل کا انجام...... اسی دوران ایک روز نوفل ابن عبداللہ ابن مغیرہ اپنے گھوڑے پر

سوار ہو کر دوڑا تاکہ خندق کو پھلانگ جائے مگر گھوڑا خندق کو پار نہ کر سکا اور سوار سمیت خندق میں گر گیا جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے اسے ہلاک کر دیا کیونکہ خندق میں گر کر اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی ایک روایت یوں ہے کہ جہاں تک نوفل ابن عبداللہ کا تعلق ہے تو اس نے خندق سے پار ہونے کے لئے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی مگر گھوڑے سمیت خندق میں گرا اور دونوں کی ہڈی پسلی ٹوٹ گئی۔ ایک قول یہ ہے کہ خندق میں گرنے کے بعد مسلمانوں نے اس پر پتھر برسائے تو وہ کہنے لگے کہ اے گروہ عرب اس سے بہتر تو یہ ہے کہ قتل ہی کر ڈالو۔ چنانچہ حضرت علیؓ خندق میں اتر کر اس کے سر پر پہنچے اور اس کو قتل کر ڈالا' یعنی حضرت علیؓ نے اس پر تلوار کا وار کر کے دو ٹکڑے کر ڈالے۔

مشرکین کو نوفل کی موت پر سخت صدمہ ہوا چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم آپ کو اس کی دیت یعنی قیمت دیتے ہیں آپ ہمیں اس کی لاش لوٹا دیں تاکہ ہم اسے دفن کر دیں۔ آنحضرت ﷺ نے جواب میں کہلایا کہ وہ مردار تھا اس پر اللہ کی لعنت ہوئی اس کی دیت و قیمت پر بھی اللہ کی لعنت ہوئی۔ ہم تمہیں منع نہیں کریں گے تم اسے دفن کر سکتے ہو مگر ہمیں اس کی دیت و قیمت سے کوئی مطلب نہیں ہے۔

ایک قول ہے کہ مشرکین نے اس کی لاش کے بدلے میں دس ہزار کی پیشکش کی۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ اس کی لاش ہمارے حوالے کر دیں تو ہم آپ کو بارہ ہزار دیں گے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"نہ اس کی لاش میں کوئی خیر ہے اور نہ اس کی دیت و قیمت میں کوئی خیر ہے' یہ لاش ان لوگوں کے حوالے کر دو کیونکہ اس شخص کی لاش بھی مردار ہے اور اس کی قیمت بھی مردار ہے!"

ایک روایت میں یوں ہے کہ 'اس کی لاش گدھے کی لاش ہے"۔

حیی کی دشمن سے ساز باز...... بنی نضیر کے یہودیوں کا سردار اور اللہ کا دشمن حیی ابن اخطب جب قریش کو مدینے پر سے چڑھائی کرانے کے لئے لے کر چلا تو ان سے کہنے لگا کہ میری قوم بنی قریظہ تمہارے ساتھ ہے ان لوگوں کے پاس بہت بڑی تعداد میں ہتھیار اور اسلحہ ہیں۔ اس قبیلہ میں ساڑھے سات سو لڑنے والے جانباز ہیں۔ یہ سن کر ابو سفیان کہنے لگا:

"تم ان لوگوں کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ وہ اس معاہدہ امن کو توڑ دیں جو ان کے اور محمد ﷺ کے درمیان قائم ہے!"

بنی قریظہ پر حیی کا دباؤ...... چنانچہ حیی اسی وقت روانہ ہوا اور کعب ابن اسد قرظی کے پاس آیا جو بنی قریظہ کا سردار تھا اور جو اس معاہدہ کا ذمہ دار تھا جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہوا تھا۔ اور جس تا جنگ معاہدہ کی تفصیل گزشتہ قسطوں میں بیان ہو چکی ہے۔ غرض کعب کے مکان پر پہنچ کر حیی نے اس کے دروازے پر دستک کر دی مگر کعب نے حیی کا دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا۔ حیی نے اصرار کیا تو کعب نے کہا:

دور ہو تیرا ناس ہو حیی۔ تو بہت ہی منحوس آدمی ہے۔ میں محمد ﷺ کے ساتھ جو معاہدہ کر چکا ہوں اس کو ہرگز نہیں توڑوں گا۔ اور پھر محمد ﷺ کی طرف سے میں نے وفا اور سچائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا!"

کعب کا عہد شکنی سے انکار...... حیی نے پھر کہا کہ تیرا ناس ہو دروازہ تو کھول مجھے تجھ سے بات کرنی ہے کعب نے کہا میں نہیں کھولوں گا ساتھ ہی کعب حیی کو برا بھلا کہنے لگا۔ اس پر حیی نے کہا۔ خدا کی قسم! تو نے اپنا دروازہ میرے لئے اس ڈر سے بند کیا ہے کہ میں کہیں تیرا آٹے کا حلوا کھانے میں شریک نہ ہو جاؤں!"

اس حلوے یا کھانے کے لئے روایت میں حشیش کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کو اصل میں وشیش کہتے ہیں یہ میٹھا یا نمکین کھانا ہوتا ہے جو گیہوں کو موٹا موٹا کوٹ کر بنایا جاتا ہے (اور عرب کا مشہور و مقبول کھانا تھا) یہ سنتے ہی کعب نے دروازہ کھول دیا۔ حییٰ نے اندر آکر کہا:

"خدا کی مار کعب میں تو تیرے لئے دنیا و جہان کی سر بلندی و عزت لے کر آیا ہوں۔ میں قریش کو تمہارے گھروں تک لے آیا اور انہیں لا کر مجمع اسیال میں فروکش کرا دیا۔ ادھر غطفانیوں کو لے کر آیا اور انہیں احد کے دامن میں لا کھڑا کیا۔ ان لوگوں نے مجھ سے عہد و پیمان کیا ہے کہ ہم اس وقت تک چین سے نہ بیٹھیں گے جب تک محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو نیست و نابود نہیں کر لیں گے"۔

کعب نے اس کے باوجود بھی یہ کہا:

"خدا کی قسم! تو میرے پاس دنیا جہاں کی ذلت و رسوائی لے کر آیا اور ہر وہ بات پیش کر رہا ہے جس سے ڈر لگتا ہے کیونکہ میرے نزدیک محمد ﷺ کی طرف سے سوائے ایمانداری اور وفا کے کوئی بات سامنے نہیں آئی۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ تو میرے پاس ایسی گھٹا اور بدلیاں لے کر آیا ہے جس میں پانی نہیں ہے جن میں سوائے گھور گرج اور بجلی کے کڑاکوں کے اور کچھ نہیں ہے۔ تجھ پر افسوس ہے حییٰ میرا پیچھا چھوڑ میں اس کے لئے تیار نہیں ہوں!"

کعب کی سپر اندازی...... مگر حییٰ نے کعب کا پیچھا نہ چھوڑا (اور اس کو مجبور کرتا رہا) یہاں تک کہ کعب نے اللہ کے نام پر اس کو عہد دیا کہ اگر قریش اور غطفان کے لوگ محمد ﷺ کو قتل کئے بغیر یہاں سے لوٹ گئے تو بھی میں تمہارے ساتھ تمہاری حویلی میں قلعہ بند رہوں گا اور جو نقصان بن پڑے گا محمد ﷺ کو پہنچاؤں گا۔ اس کے ساتھ ہی کعب نے معاہدہ توڑ دیا اور اس کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان جو سمجھوتہ تھا اس کو ختم کر کے معاہدہ کی تحریر پھاڑ ڈالی۔

قوم میں عہد شکنی کا اعلان...... اس کے بعد کعب نے اپنی قوم کے سرداروں کو جمع کیا جن میں زبیر ابن مطا، شاس ابن قیس، عزال ابن میمون اور عقبہ ابن زید شامل تھے۔ کعب نے ان سرداروں کو بتلایا کہ میں معاہدہ توڑ چکا ہوں اور وہ پرامن سمجھوتہ جو محمد ﷺ نے لکھا تھا میں اس کو چاک کر چکا ہوں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی ہلاکت کا جو ارادہ فرمایا اس کا راستہ انہوں نے خود صاف کیا۔ حییٰ ابن اخطب یہودیوں میں اپنی حرکتوں کے لحاظ سے قریش کے ابوجہل کے مشابہ تھا۔

آنحضرت ﷺ کو اطلاع اور تشویش...... آنحضرت ﷺ کو کعب کی اس بد عہدی کی اطلاع ہوئی۔ یہ خبر حضرت عمر فاروقؓ نے دی اور عرض کیا:

"یا رسول اللہ! مجھے معلوم ہوا ہے کہ بنی قریظہ نے عہد شکنی کر دی ہے اور ہم سے برسرپیکار ہو گئے ہیں"

تحقیق حال کی جستجو...... آنحضرت ﷺ کو اس خبر سے سخت تکلیف اور پریشانی ہوئی (کیونکہ ایسے وقت میں جب کہ ایک طاقتور دشمن شہر کے دروازوں پر دستک دے رہا تھا مگر گھر کے اندر دغابازوں کا مقابل آ جانا اور مار آستین ثابت ہونا بہت سخت مرحلہ تھا) آپ نے تحقیق حال کے لئے حضرت سعد ابن معاذؓ سردار اوس اور حضرت سعد ابن عبادہؓ سردار خزرج کو بھیجا۔ ان کے ساتھ آپ نے ابن رواحہ اور خوات ابن جبیر کو بھیجا۔ کتاب امتاع میں ان دونوں کا ذکر نہیں ہے بلکہ ان کے بجائے صرف اسید ابن حضیر کا نام ہے۔ آپ نے ان حضرات سے فرمایا:

"جاؤ اور دیکھو کہ ان لوگوں یعنی بنی قریظہ کے یہودیوں کے متعلق جو بات ہمیں معلوم ہوئی کیا وہ درست ہے؟ اگر یہ

بات صحیح ہو تو واپس آکر مجھے ایسے اشاروں میں یہ خبر دینا کہ میں سمجھ لوں لیکن دوسرے لوگوں کو اس کا پتہ نہ ہو سکے۔ تاکہ اس خبر سے لوگوں میں بے حوصلگی اور کمزوری نہ ہو جائے۔ لیکن اگر یہ بات غلط ہو تو سب کے سامنے صاف اور بلند آواز سے بتلا دینا (کیونکہ اس صورت میں لوگوں پر برا اثر پڑنے کا خطرہ نہیں ہے)"

یہودی دغابازی کی تصدیق...... غرض آنحضرت ﷺ کے اس فرمان پر یہ حضرات روانہ ہوئے اور بنی قریظہ میں پہنچے جہاں انہیں معلوم ہوا کہ وہ لوگ عہد شکنی کر چکے ہیں اور آنحضرت ﷺ کے خلاف نقصان رسانی کے درپے ہیں۔ چنانچہ (جب ان حضرات نے یہودیوں کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کا معاہدہ یاد دلایا تو کہنے لگے کہ کون رسول اللہ؟ اس طرح معاہدہ ختم کر دیا اور کہنے لگے کہ ہمارے اور محمد ﷺ کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہے۔ یہ بنی قریظہ کے یہودی حضرت سعدؓ ابن معاذ کے قبیلہ اوس کے حلیف اور دوست تھے لہٰذا حضرت ابن معاذؓ نے اس حرکت پر انہیں بہت برا بھلا کہا۔ ایک قول ہے کہ یہ لوگ سعد ابن عبادہ کے حلیف تھے جن کے مزاج میں غصہ زیادہ تھا یہودیوں نے خود ابن عبادہؓ یا ابن معاذؓ کو بھی گالیاں دیں۔ جہاں تک ان کے حلیف ہونے کا تعلق ہے تو دونوں باتیں ممکن ہیں۔ پھر حضرت سعد ابن معاذؓ نے حضرت سعد ابن عبادہؓ سے یا اس کے برعکس دوسرے نے پہلے سے کہا:

"ان کی گالی گفتار کو چھوڑو ان کے اور ہمارے درمیان اس بدکلامی سے کہیں زیادہ اہم معاملہ درپیش ہے!"

اس کے بعد دونوں سعدؓ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آئے اور اشاروں میں آپ کو اطلاع دی کہ بنی قریظہ نے دغابازی اور عہد شکنی کی ہے۔ ان حضرات نے آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ کر لفظی اشارہ کرتے ہوئے صرف یہ کہا کہ "عضل و قارہ" یعنی یہودیوں نے اسی طرح بدعہدی کی ہے جیسے عضل و قارہ کے لوگوں نے اصحاب رجیع کے ساتھ بدعہدی اور دغابازی کی تھی۔ اصحاب رجیع کا یہ واقعہ آگے سرایا یعنی صحابہ کی فوجی مہملت کے بیان میں آئے گا۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے اللہ اکبر فرمایا جس کا مطلب یہ تھا کہ مسلمانو تمہیں اللہ کی مدد اور نصرت کے لئے خوش خبری ہو۔

نصرت خداوندی کی خوشخبری...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اپنا کپڑا چہرہ مبارک پر ڈال لیا اور بہت دیر تک لیٹے رہے۔ جب مسلمانوں نے آنحضرت ﷺ کو اس طرح لیٹے دیکھا تو انہیں سخت گھبراہٹ اور پریشانی ہوئی آخر آپ نے سر اٹھایا اور پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد اور فتح کی خوشخبری ہو۔

زبیرؓ کے ذریعہ تحقیق اور حسانؓ بن ثابت...... غالباً ان دونوں یعنی سعد ابن معاذ اور سعد ابن عبادہ کو بھیجنے سے پہلے آپ حضرت زبیرؓ کو بنی قریظہ میں بھیج چکے تھے تاکہ وہ یہودیوں کی عہد شکنی کے متعلق صحیح خبر لے کر آئیں چنانچہ عبداللہ ابن زبیرؓ سے روایت ہے کہ احزاب یعنی غزوہ خندق کے موقعہ پر میں اور عمرو ابن ابی سلمہ 'حسان ابن ثابت کی گڑھی یعنی چھوٹے قلعہ میں تھے خود حسان ابن ثابت بھی عورتوں کے ساتھ وہیں تھے۔ ان عورتوں میں آنحضرت ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب بھی تھیں۔ اتفاق سے ایک یہودی اس گڑھی کے گرد گھومتا نظر آیا صفیہ نے حسان سے کہا:

"حسان! مجھے اس یہودی کی طرف سے اندیشہ ہے کہ یہ دشمن کو اس گڑھی میں پناہ گزین عورتوں کے متعلق نشان دہی کر دے گا اور دشمن ہم پر حملہ آور ہو جائے گا اس لئے بہتر ہے کہ تم نیچے اتر کر اس پر حملہ کرو اور قتل کر دو!"

خونریزی سے حسان کا خوف...... حسان نے کہا:

"عبدالمطلب کی بیٹی! تمہیں معلوم ہے میں اس کام کا آدمی نہیں ہوں!"

حسان سے مایوسی اور صفیہ کی دلیری...... حضرت صفیہؓ کہتی ہیں کہ جب میں حسان کی طرف سے مایوس ہو گئی تو میں نے خود ایک موٹا ڈنڈا اٹھایا اور نیچے اتری۔ پھر میں گڑھی کا دروازہ کھول کر خاموشی سے اس کے پیچھے گئی اور اچانک اس پر وار کرنے لگی یہاں تک کہ وہ ختم ہو گیا۔ اس کے بعد میں پھر گڑھی میں پہنچ کر اوپر آئی اور حسان سے کہنے لگی۔

"اب تم نیچے جا کر اس لاش کے جسم کا سامان یعنی کپڑا اور ہتھیار وغیرہ اتار لاؤ میں نے یہ کام صرف اس لئے خود نہیں کیا کہ وہ غیر مرد ہے"

حسان کہنے لگے:

"عبدالمطلب کی بیٹی! مجھے اس کے ہتھیاروں وغیرہ کی ضرورت نہیں!"

اس روایت سے اس گذشتہ قول کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ حسانؓ ابن ثابت بے انتہا ڈرپوک آدمی تھے۔ غرض اس کے بعد عبداللہ ابن زبیرؓ کہتے ہیں کہ اچانک میری نظر حضرت زبیرؓ پر پڑی جو گھوڑے پر سوار دو تین بار بنی قریظہ کے محلے کی طرف گئے آئے۔ جب ہم یہاں سے واپس ہوئے تو میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ میں نے آپ کو بار بار بنی قریظہ کی طرف جاتے آتے دیکھا تھا۔ انہوں نے پوچھا بیٹے تم نے دیکھا تھا میں نے کہا۔ ہاں تو وہ کہنے لگے۔ "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ کون ہے جو بنی قریظہ میں جا کر مجھے ان کے متعلق صحیح اطلاعات دے (اس لئے میں نے اس کام کا بیڑا اٹھایا) جب میں ان کے متعلق اطلاعات لے کر آپ کے پاس پہنچا تو آنحضرت ﷺ نے (خوش ہو کر) فرمایا کہ تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں!"

حضرت زبیرؓ سے نبی کی محبت...... اس روایت کو شیخین نے پیش کیا ہے۔ علامہ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ حضرت زبیرؓ کی روایت سے ان کا قول ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے میرے لئے دو مرتبہ اپنے ماں باپ کو جمع کر کے فدائیت ظاہر فرمائی۔ ایک دفعہ غزوہ احد کے موقعہ پر اور دوسری دفعہ بنی قریظہ کے موقعہ پر آپ نے فرمایا تھا کہ تیر چلائے جاؤ تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔

پھر وہ کہتے ہیں کہ شاید یہ بات غزوہ احد میں فرمائی گئی تھی کہ ہر نبی کے حواری یعنی ہمدرد و جان نثار ہوا کرتے ہیں اور میری حواری زبیر ہیں۔ نیز آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ زبیر میرے پھوپھی زاد بھائی بھی ہیں اور میری امت میں سے میری حواری بھی ہیں۔

زبیر کا تقوٰی اور صدقات...... کہا جاتا ہے کہ حضرت زبیرؓ کے ایک ہزار مملوک اور غلام تھے جو ان کو خراج کی رقم ادا کیا کرتے تھے مگر حضرت زبیرؓ یہ ساری رقم صدقہ کر دیا کرتے تھے اور اس میں ایک پائی بھی ان کے گھر میں نہیں پہنچتی تھی۔ یہی بات رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی نشانیوں میں سے بھی ہے' چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ۔ (لآیہ پ ۳۰ سورۂ تکاثر ع آیت ۸)

ترجمہ: پھر اور بات سنو کہ اس روز تم سب سے نعمتوں کی پوچھ گچھ ہو گی۔

تو حضرت زبیرؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

"یا رسول اللہ ﷺ وہ کونسی نعمت ہے جس کے بارے میں سوال کیا جائے گا؟ ہمارے سامنے تو دو ہی نعمتیں ہیں ایک کھجور اور دوسری پانی!"

زبیر کی امانت داری...... آپ نے فرمایا وہ نعمت عنقریب ملنے والی ہے (یعنی دولت و ثروت اور حکومت و سلطنت) ادھر

سات صحابہ ایسے تھے جو حضرت زبیرؓ کو اپنی اولاد کا سرپرست بنا گئے تھے اور اس طرح حضرت زبیرؓ ان لوگوں کی اولاد کے روپے پیسے اور مال کی حفاظت کیا کرتے تھے اور خود اپنا مال ان پر خرچ کیا کرتے تھے' ان سات صحابہ میں حضرت عثمان ابن عفانؓ عبدالرحمٰن ابن عوفؓ اور عبداللہ ابن مسعودؓ شامل تھے۔

مسلمانوں کی عہد شکنی کی اطلاع اور اضطراب...... غرض جب عام مسلمانوں کو یہود کی عہد شکنی اور دغا بازی کا حال معلوم ہوا تو انہیں سخت پریشانی اور اضطراب ہوا۔ یہاں عام مسلمانوں کو اس کا علم ہونے کی روایت سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے جب کہ پیچھے یہ بیان ہوا ہے کہ اس خبر کا افسانہ نہیں کیا گیا تھا۔ کیونکہ جب مسلمانوں نے دیکھا کہ ان کا ایک دشمن ایک طرف سے آیا اور دوسرا دشمن دوسری طرف سے آیا تو انہیں پوری طرح حقیقت حال کا اندازہ ہو گیا کہ یہودی بغلی چھرا ثابت ہوئے ہیں اور انہوں نے دغا کی ہے) پھر حق تعالیٰ نے اس موقعہ پر یہ آیات نازل فرمائیں:

اِذْ جَآؤُكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا۔ (الآیہ پ۲۱ سورہ احزاب ع۲ آیت ۱۰)

ترجمہ: جب کہ وہ لوگ تم پر آ چڑھے تھے اوپر کی طرف سے اور نیچے کی طرف سے بھی اور جب کہ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے اور تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کر رہے تھے۔

منافقوں کی زبان زوری...... اس نازک وقت میں منافقوں کا نفاق بھی ظاہر ہونے لگا اور وہ کہتے پھرنے لگے کہ محمد ﷺ ہم سے وعدے کیا کرتے تھے کہ ہمیں کسریٰ و قیصر کے خزانے حاصل ہوں گے جب کہ ہماری حالت آج یہ ہو رہی ہے کہ پیشاب پاخانے کو جاتے ہوئے بھی ہمیں جان کا خوف ہے۔ اللہ اور اس کے رسول نے ہمارے ساتھ صرف دھوکے کا وعدہ کیا تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا۔

(الآیہ پ۲۱ سورہ احزاب ع۲ آیت ۱۲)

ترجمہ: اور جب کہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے یوں کہہ رہے تھے کہ ہم سے تو اللہ نے اور اس کے رسول اللہ ﷺ نے محض دھوکہ دہی کا وعدہ کر رکھا ہے۔

بنی فزارہ و مرہ سے آنحضرت ﷺ کی خفیہ معاہدہ کی کوشش...... جب رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ معاملات اور صورتحال نازک ہوتی جا رہی ہے تو آپ نے احزابی لشکر میں عیینہ ابن حصن فزاری اور حرث ابن عوف مری کے پاس خفیہ پیغام بھیجا کہ اگر وہ دونوں اپنے اپنے دوستوں کو لیکر آپ سے الجھے بغیر واپس چلے جائیں تو ان کو مدینے کے پھلوں کا ایک تہائی حصہ دیدیا جائے گا اس پر یہ دونوں سردار ابوسفیان سے چھپ کر خاموشی کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے انہوں نے آنحضرت ﷺ سے بات کی اور تہائی کے بجائے نصف بہار کا مطالبہ کیا مگر آنحضرت ﷺ ایک تہائی سے زائد پر تیار نہیں ہوئے' آخر یہ دونوں ایک تہائی حصہ پر راضی ہو گئے اور اس پر معاہدہ تحریر کر لیا گیا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ معاہدہ لکھنے کیلئے حضرت عثمانؓ نے صحیفہ اور دوات یعنی قلم کاغذ منگایا۔ جب تحریر پر آنحضرت ﷺ کی مہر لگانے کا وقت آیا تو آپ نے حضرت سعد ابن معاذؓ اور سعد ابن عبادہ کو بھی بلایا اور ان کو اس معاملے کی تفصیلات بتلا کر ان سے مشورہ مانگا' ان دونوں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! کیا یہ آپ کی خواہش ہے جسے آپ کرنا چاہتے ہیں یا یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جس پر ہمارے لئے عمل کرنا

ضروری ہے یا یہ معاملہ آپ صرف ہماری وجہ سے کرنا چاہتے ہیں سے ایک روایت میں یوں ہے کہ اگر یہ آسمانی حکم ہے تو اس کو پورا کیجئے اور اگر یہ آسمانی حکم نہیں بلکہ یہ آپ کی خواہش ہے تو ہمارا سر تسلیم خم ہے۔ لیکن اگر یہ صرف رائے و مشورہ ہے تو ان کے لئے ہمارے پاس صرف تلوار ہے!" آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"اگر مجھے اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ملتا تو میں تم سے مشورہ نہ کرتا۔ خدا کی قسم! میں تو یہ معاملہ صرف اس لئے کرنا چاہتا ہوں کہ میں دیکھ رہا ہوں تمام عرب تمہارے مقابلہ میں متحد اور ایک ہو گئے ہیں اور انہوں نے ہر طرف سے تمہیں گھیر لیا ہے اس لئے میں نے اس معاہدہ کے ذریعہ ان کی طاقت کو پارہ پارہ کرنا چاہا ہے!"

سردار اوس کی مخالفت اور معاہدہ کی منسوخی...... حضرت سعد ابن معاذؓ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! ہم اور یہ لوگ یعنی غطفانی اللہ کے ساتھ شرک کرنے اور بتوں کی پوجا کرنے میں مشترک تھے نہ ہم خدا کی عبادت کرتے تھے اور نہ اس کو پہچانتے تھے اس وقت بھی یہ لوگ ہم سے ایک چھوہارا تک نہیں لے سکتے تھے سوائے اس کے کہ ہم مہمانداری میں کھلا دیں یا یہ خرید کر کھالیں جب جاہلیت کے زمانے میں بھی یہ لوگ بڑی محنت کے بعد ہم سے ایک گٹھلی لے سکتے تھے تو ہم ان کو اپنا مال کیسے دے سکتے ہیں؟ جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کے ذریعہ سر بلند فرمادیا۔ ہمیں ہدایت فرمادی اور آپ کے ذریعہ ہمیں عزت دے دی ہے۔ ہمیں اس معاہدہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ خدا کی قسم ہم ان کو تلوار کے سوائے کچھ نہیں دے سکتے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرماوے!"

فزارہ ومرہ کو کورا جواب...... آنحضرت ﷺ نے سعد ابن معاذؓ سے فرمایا کہ بس تو یہ تحریر تمہارے حوالے ہے۔ حضرت سعدؓ نے معاہدہ کی تحریر لے کر اس کی تمام عبارت مٹادی۔ یہ تفصیل پہلی روایت کے مطابق ہے اسی طرح اس روایت کے بھی مناسب ہے جس کے مطابق یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تب اس تحریر کو پھاڑ دو۔ چنانچہ حضرت سعدؓ نے تحریر پھاڑ دی اور عیینہ اور حرث سے ڈپٹ کر کہنے لگے کہ جاؤ ہمارے تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔ پھر آپ نے حضرت سعد ابن معاذؓ سے فرمایا کہ اب یہ لوگ ہمارے مقابلے میں سر مارے جائیں گے۔

عمرو ابن عبدوُدّ کی مقابل طلبی اور لاف وگزاف...... اس کے بعد مشرکوں میں سے چند لوگ آگے بڑھے اور انہوں نے خندق عبور کرنے کے لئے اپنے گھوڑوں کو دوڑایا اور جس جگہ خندق کی چوڑائی کسی قدر کم تھی وہاں اسے پار کر آئے ان لوگوں میں عکرمہ ابن ابوجہل بھی تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ نیز ان میں ہبیرہ ابن ابووہب بھی تھا جو حضرت علیؓ کی بہن ام ہانی کا شوہر تھا۔ ام ہانی سے اس کے اولاد بھی تھی۔ یہ شخص کفر کی حالت میں ہی مرا۔ اسی طرح ان لوگوں میں ضرار ابن خطاب اور عمرو ابن عبدود بھی تھے ایک قول کے مطابق نوفل ابن عبداللہ بھی تھا۔ اس وقت عمرو ابن عبدود کی عمر نوے سال کی تھی عمرو نے سامنے آکر کہا کہ کون ہے جو میرے مقابلے کے لئے نکلتا ہے؟ حضرت علی یہ سن کر اٹھے اور بولے کہ یارسول اللہ ﷺ میں اس کے مقابلے میں جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ یہ عمرو ابن عبدود ہے۔ عمرو نے پھر پکار کر للکارا اور مسلمانوں کو برا بھلا کہنے لگا۔ وہ کہنے لگا کہ تمہاری وہ جنت کہاں گئی جس کے متعلق تمہارا خیال ہے کہ تم میں سے جو قتل ہوگا وہ اس میں داخل ہوگا۔ کیا تم میں سے کوئی میرا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ ساتھ ہی وہ یہ شعر پڑھنے لگا

ولقد بححت من النداء
جمعکم هل من مبارز

ترجمہ: میں تمہاری جماعت کے سامنے مسلسل اعلان کر رہا ہوں کہ کیا کوئی مقابلے میں آنے والا ہے؟

ان الشجاعة في الفتى
والجود من خير الغرائز

ترجمہ: اور شجاعت و بہادری نوجوانوں میں ہوتی ہے اور سخاوت بہترین قسم کی طاقت ہے۔

حضرت علیؓ کا جوش مقابلہ...... اب پھر حضرت علیؓ کھڑے ہوئے اور آنحضرت ﷺ سے بولے کہ یا رسول اللہ ﷺ میں اس کے مقابلے میں جاتا ہوں مگر آپ نے پھر فرمایا بیٹھ جاؤ یہ عمرابن عبدود ہے۔ اس کے بعد عمرو نے تیسری مرتبہ مقابل کو للکارا تو پھر حضرت علیؓ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ یا رسول اللہ ﷺ میں اس کے مقابلے میں جاتا ہوں۔ آپ نے پھر فرمایا کہ یہ عمرو ہے۔ اب حضرت علیؓ نے کہا کہ ہونے دیجئے۔ آپ نے اجازت دے دی حضرت علیؓ یہ شعر پڑھتے ہوئے چلے۔

لاتعجلن فقد اتاك
مجيب قولك غير عاجز

ترجمہ: جلدی نہ کر تیری للکار کو قبول کرنے والا تیرے سامنے آگیا ہے جو تجھ سے کسی طرح عاجز اور کمزور نہیں ہے۔

ذو نية و بصيرة
والصدق منجى كل فائز

ترجمہ: وہ تجربہ کار اور سمجھ دار بھی ہے اور میرا یہ سچائی کا اعلان ہر کامیابی میں نجات کا راستہ دکھلانے والا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنی تلوار ذوالفقار عنایت فرمائی اور اپنی لوہے کی زرہ پہنائی اور اپنا عمامہ ان کے سر پر باندھا پھر آپ نے دعا فرمائی کہ اللہ اس کی مدد فرما۔ ایک روایت میں یہ دعا مانگی کہ۔ اے اللہ! یہ میرا بھائی اور میرے چچا کا بیٹا ہے پس تو اس کو تنہا نہ چھوڑیئے اور تو ہی سب سے بہترین سہارا ہے۔ ایک روایت میں یہ لفظ بھی ہیں کہ آپ نے اپنا عمامہ آسمان کی طرف بلند فرمایا اور کہا کہ الٰہی تو نے بدر کے دن مجھ سے عبیدہ کو لے لیا تھا اور احد میں حمزہ کو لے لیا تھا۔ یہ علی میرا بھائی اور میرے چچا کا بیٹا ہے۔ (حدیث)

غرض حضرت علی عمرابن عبدود کی طرف بڑھے اور وہاں پہنچ کر عمرو سے کہنے لگے۔

علی کی دعوت اسلام اور عمرو کا انکار...... اے عمرو! تم نے ایک دفعہ اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا تھا کہ قریش میں سے جو شخص بھی تمہیں دو میں سے ایک بات کی دعوت دے گا تو تم اسے فوراً قبول کر لو گے!"

عمرو نے کہا "بے شک"۔ حضرت علیؓ نے کہا:

"تو میں تمہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلاتا ہوں اور اسلام کی دعوت دیتا ہوں!"

عمرو نے کہا مجھے ان میں سے کسی بھی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ تب میں تمہیں مقابلے کی دعوت دیتا ہوں۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ تم کہا کرتے تھے کہ جو شخص مجھے تین چیزوں کی دعوت دے تو میں ان میں سے ایک ضرور قبول کر لوں گا۔ اس نے کہا بے شک۔ تو حضرت علیؓ نے کہا کہ اول تو میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ تم اللہ ورسول کی شہادت دو اور پروردگار عالم کے لئے مسلمان ہو جاؤ۔ عمرو نے کہا۔ برادرزادے اس سے مجھے معاف رکھو۔ حضرت علیؓ نے کہا:

"دوسری دعوت یہ ہے کہ تم اپنے وطن واپس چلے جاؤ۔ اگر محمد ﷺ سچے ہیں تو تم ان کی وجہ سے سب سے زیادہ خوش بخت

آدمی رہو گے۔ اور اگر جھوٹے ہوں گے تو تمہاری مرضی کے مطابق نتیجہ ظاہر ہو گا جو تم چاہتے ہو!"

عمرو نے کہا یہ تو ایسی بات ہے جس کا قریشی عورتیں کبھی ذکر بھی نہیں کر سکتیں اور یہ کیسے ممکن ہے کہ میں اس وقت واپس ہو جاؤں جب مجھے اپنی منت پوری کرنے کا موقعہ ملا ہے۔ عمرو نے جنگ بدر کے موقعہ پر منت مانی تھی جب کہ قریش کو شکست ہوئی تو اس نے عہد کیا کہ اس وقت تک اپنے سر میں تیل نہیں لگاؤں گا جب تک کہ محمد ﷺ کو قتل نہیں کر دوں گا۔ پھر اس نے کہا تیسری بات کیا ہے۔ حضرت علیؓ نے کہا مقابلہ' اس پر عمرو ہنسنے لگا اور بولا کہ یہ وہ بات ہے جس کے متعلق میں سمجھتا تھا عرب میں کوئی شخص مجھے اس سے مرعوب نہیں کر سکتا۔

علیؓ کے ہاتھوں عمرو کا قتل..... جب حضرت علیؓ نے اس کو مقابلے کی دعوت دی تو یہ کہنے لگا کہ بھتیجے میں تمہیں قتل نہیں کرنا چاہتا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ مگر میں خدا کی قسم یقیناً تجھے قتل کرنا چاہتا ہوں۔ یہ سنتے ہی عمرو غصے سے کھول گیا اور اسے زبردست غیرت آئی۔

ایک روایت میں ہے کہ (جب حضرت علیؓ سامنے آئے تو چونکہ وہ لوہے میں غرق تھے اور چہرہ بھی خود سے ڈھکا ہوا تھا اس لئے عمرو نے ان سے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا علی! اس نے پوچھا کیا ابن عبد مناف۔ انہوں نے کہا میں علی ابن ابو طالب ہوں! عمرو نے کہا بھتیجے کسی اور کو بھیجو جو تمہارے خاندان سے ہو اور تم سے زیادہ طاقتور ہو کیونکہ میں تمہارا خون نہیں بہانا چاہتا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ تمہارے والد میرے دوست تھے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ میں تمہارے باپ کا ہمنشین تھا۔ حضرت علیؓ نے کہا مگر میں یقیناً تیرا خون بہانا چاہتا ہوں۔ یہ سن کر عمرو غضبناک ہو گیا۔ حضرت علیؓ نے کہا میں تجھ سے کیسے لڑوں گا جب کہ تو گھوڑے پر سوار ہے (اور میں پیدل ہوں) اس لئے نیچے اتر کر مقابلہ پر آ۔ عمرو فوراً گھوڑے سے کودا اور آگ کے شعلہ کی طرح تلوار سونت کر کھڑا ہوا۔ ساتھ ہی اس نے گھوڑے کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور اس کے منہ پر مار کر اسے بھگا دیا۔ اس کے بعد وہ حضرت علیؓ کی طرف حملہ آور ہوا حضرت علیؓ نے سامنے آکر اپنی ڈھال آگے کر دی۔ عمرو کی تلوار ڈھال پر پڑی اور اسے پھاڑ کر ان کی پیشانی پر چرکا لگا گئی جس سے خون بہہ پڑا۔ حضرت علیؓ نے فوراً جوابی حملہ کیا اور اس کی گردن کے نچلے حصے یعنی ہنسلی پر تلوار ماری جس سے عمرو کشتہ ہو کر گر گیا۔ اسی وقت مسلمانوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ نعرہ سنا تو سمجھ لیا کہ حضرت علیؓ نے عمرو کو قتل کر دیا ہے۔ بعض محدثین نے لکھا ہے کہ اس موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

"علی کا عمرو کو قتل کرنا دو جہان کی عبادت سے افضل ہے"۔

عمرو ابن عبد ود..... مگر (اس جملہ کے بارے میں) امام ابو العباس ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث موضوع یعنی من گھڑت ہے جو کسی معتبر کتاب میں نہیں ملتی نہ ہی کسی کمزور سند سے اس کا ثبوت ملتا ہے اور کافر کا قتل جنات اور انسانوں کے دونوں جہانوں سے زیادہ افضل کیسے ہو سکتا ہے جب کہ ان میں انبیاء بھی شامل ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ بلکہ اس عمرو ابن عبد ود کا تذکرہ تک اس غزوہ کے سوا کسی اور جگہ نہیں ملتا۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں۔ مگر کتاب اصل یعنی عیون الاثر میں جو کچھ ہے اس سے اس بات کی تردید ہوتی ہے کہ عمرا ابن عبد ود کا ذکر اس غزوہ کے سوا دوسری جگہ نہیں ملتا۔ کیونکہ کتاب اصل میں ہے کہ۔ یہ عمرو ابن عبد ود جنگ بدر میں لڑا تھا مگر اتنا زیادہ زخمی ہو گیا تھا کہ پھر جنگ احد میں شریک نہ ہو سکا۔ پھر غزوہ خندق کے موقعہ پر یہ اپنا ایک علیحدہ نشان لے کر مشرکوں کے ساتھ آیا تا کہ دیکھنے والے دور سے ہی پہچان لیں کہ وہ کس جگہ پر ہے۔

اسی طرح اس گذشتہ روایت سے بھی اس بات کی تائید ہو جاتی ہے جس میں گزرا ہے کہ جنگ بدر میں اس نے حلف کیا تھا کہ جب تک محمد ﷺ کو قتل نہیں کرلوں گا سر میں تیل نہیں لگاؤں گا۔ ادھر امام ابن تیمیہؒ کا جو یہ استدلال ہے کہ ایک کافر کا قتل کیسے افضل ہو سکتا ہے؟ اس میں بھی بحث کی گنجائش ہے کیونکہ اس شخص کے قتل سے دین کو زبردست فتح ہوئی اور کفار کے حوصلے پست ہوئے۔

حضرت علیؓ کی شجاعت و بہادری...... تفسیر فخری میں ہے کہ جب حضرت علیؓ عمرو کو قتل کر کے آئے تو آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا کہ علی! اس کے مقابلے میں تم اپنے متعلق کیا محسوس کر رہے تھے؟ حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ خود کو اس کے مقابلے میں اس قدر بھاری بھر کم اور بے خود) محسوس کر رہا تھا کہ اگر تمام مدینے والے ایک طرف ہوں اور تنہا میں ایک طرف ہوں تو ان پر غالب آجاؤں گا۔

علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ جب عمرا ابن عبدود کو قتل کرنے کے بعد حضرت علیؓ کلمہ پڑھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے سامنے آئے تو حضرت عمرؓ نے ان سے کہا:

"کیا تم نے اپنے مقتول کی زرہ بکتر اتار کر قبضہ میں نہیں کی۔ اس سے بہتر زرہ بکتر تو سارے عرب میں بھی نہیں ہے!"

حضرت علیؓ نے کہا:

"میں نے جب اس کو قتل کیا وہ اس طرح گرا کہ اس کی شرمگاہ میرے سامنے تھی اس لئے میرے بھائی میں نے اس کا لباس اتارنا پسند نہیں کیا!"

عمرو کی بے قیمت لاش کی قیمت...... یہاں تک علامہ سہیلی کا حوالہ ہے۔ مگر میرے نزدیک یہ کسی راوی کی غلط فہمی ہے کیونکہ حضرت علیؓ کو یہ واقعہ غزوہ احد میں طلحہ ابن ابوطلحہ کے ساتھ پیش آیا تھا جیسا کہ بیان ہوا کہ جب کہ عمرو ابن عبدود احد میں شریک ہی نہیں ہوا جس کی تفصیل گزر چکی ہے اور کتاب اصل کا حوالہ بیان ہوا ہے لہٰذا یہ بات قابل غور ہے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ عمرو ابن عبدود کی لاش حاصل کرنے کے لئے مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا اور اس کی قیمت میں دس ہزار تک کی پیشکش کی مگر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ لاش تم لوگ لے سکتے ہو ہم مردوں کی قیمت نہیں لیں گے۔

باقی مشرکوں کا فرار اور تعاقب...... غرض جب عمرو قتل ہو گیا تو اس کے باقی ساتھی جو خندق تک پہنچ گئے تھے وہاں سے اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے بھاگے حضرت زبیرؓ نے ان لوگوں کا پیچھا کیا اور بھاگتے ہوئے نوفل ابن عبداللہ پر تلوار کا وار کیا جس سے اس کے دو ٹکڑے ہو گئے یہاں تک کہ ان کی تلوار نوفل کے سر سے کولہوں تک دو ٹکڑے کرنے کے بعد اس کے گھوڑے کی پشت تک پہنچ گئی۔ اس واقعہ پر لوگوں نے حضرت زبیر سے کہا کہ ابو عبداللہ ہم نے تمہاری تلوار کی سی کاٹ نہیں دیکھی حضرت زبیرؓ نے کہا خدا کی قسم یہ تلوار کا کمال نہیں بلکہ تلوار چلانے والے بازو کا کمال ہے۔

اس روایت پر شبہ ہوتا ہے کیونکہ پیچھے بیان ہوا ہے کہ نوفل خندق میں گر گیا تھا جس سے اس کی گردن ٹوٹ گئی تھی۔ مگر میں نے بعض علماء کے کلام میں دیکھا کہ نوفل ابن عبداللہ کا خندق میں گرنا' اس کو پتھروں سے مارنا اور خندق کے اندر اس کو حضرت علیؓ کا قتل کرنا دو وجوں سے غریب روایتیں ہیں لہٰذا یہ روایت قابل غور ہے۔

غرض اس کے بعد حضرت زبیرؓ نے ہبیرہ ابن ابووہب پر حملہ کیا جو حضرت علیؓ کی بہن ام ہانی کا شوہر تھا جیسا کہ بیان ہوا۔ حضرت زبیر نے ہبیرہ کے گھوڑے کی ہنسلی کی ہڈی پر تلوار ماری اور اس کو کاٹ دیا جس سے گھوڑے کی وہ جھول گر گئی جو اس کے

کولہوں پر پڑی ہوئی تھی حضرت زبیرؓ نے اس کو اٹھا کر قبضہ میں لے لیا۔ اسی طرح بھاگنے میں عکرمہ کا نیزہ بھی گر گیا تھا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ پھر حضرت عمر فاروقؓ کے بھائی ضرار ابن خطاب اور ہبیرہ ابن ابووہب نے حضرت علیؓ پر حملہ کیا حضرت علیؓ فوراً ان دونوں کے مقابلے میں آگئے ان میں سے ضرار تو مقابلہ پر ٹھہر نہ سکا بلکہ ڈر کر بھاگ گیا البتہ ہبیرہ نے کچھ دیر مقابلہ کیا مگر پھر وہ بھی اپنی زرہ پھینک کر بھاگ کھڑا ہوا۔ یہ شخص قریش کا بہترین گھوڑے سوار اور زبردست شاعر تھا۔

عمر فاروق کا بھائی سے مقابلہ...... ایک روایت میں ہے کہ جب ضرار ابن خطاب ڈر کر بھاگا تو اس کے بھائی حضرت عمر فاروقؓ نے اس کا پیچھا کیا۔ حضرت عمر فاروقؓ پوری طاقت سے اس کا پیچھا کر رہے تھے کہ دفعتاً ضرار رکا اور اس نے پلٹ کر نیزہ سے حضرت عمرؓ پر حملہ کر دیا۔ قریب تھا کہ وہ نیزے کا زخم لگا دے مگر اچانک رک گیا اور کہنے لگا:

"عمر! تم پر میرا یہ ایک احسان ہے جسے میں تم پر قائم کر رہا ہوں میں اس احسان کا بدلہ لئے بغیر اسے تمہارے ذمہ باقی رکھتا ہوں۔ اسے یاد رکھنا!"

حضرت عمرؓ کے ساتھ ضرار کو ایسا ہی واقعہ غزوہ احد میں بھی پیش آیا تھا کہ ضرار کا حضرت عمرؓ کے ساتھ آمنا سامنا ہو گیا۔ حضرت عمر نے اس پر نیزے کا وار کیا مگر پھر ہاتھ روک لیا اور کہنے لگے کہ اے ابن خطاب میں تمہیں قتل نہیں کروں گا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے ضرار کو اسلام کی توفیق عطا فرمادی تھی اور یہ ایک صالح مسلمان بنا۔

غزوہ احزاب میں مسلمانوں کا جنگی نعرہ ﴿حم لا ینصرون﴾ تھا یہاں شاید مسلمانوں سے مراد صرف انصاری مسلمان ہیں لہٰذا اب یہ بات کتاب امتاع کی اس عبارت کے خلاف نہیں رہتی کہ اس غزوہ میں مہاجرین کا جنگی نعرہ ﴿یا خیل اللہ﴾ تھا۔

غلطی سے مسلمانوں کا آپس میں مقابلہ...... یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ ایک روایت کے مطابق مسلمانوں کے دو گروہ ایک دوسرے کی لاعلمی اور بے خبری میں روانہ ہوئے۔ ایک جگہ جب دونوں گروہوں کا آمنا سامنا ہوا تو دونوں نے ایک دوسرے کو دشمن کا دستہ سمجھا اور لڑائی ہونے لگی جس میں کچھ لوگ زخمی اور قتل ہوئے۔ پھر دونوں نے اپنا جنگی نعرہ حم لا ینصرون لگایا۔ اس وقت دونوں نے ایک دوسرے کو پہچانا اور لڑائی سے ہاتھ روکا۔ مگر اس روایت میں کوئی شبہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ ممکن ہے یہ دونوں گروہ انصاریوں ہی کے ہوں (ان میں مہاجر کوئی نہ ہو) اس کے بعد یہ سب مل کر آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور واقعہ بتلایا تو آپ نے فرمایا۔

"تمہارے یہ زخم بھی اللہ کے راستے میں لگے ہیں اور جو قتل ہوا وہ شہید ہے!"

سعدؓ ابن معاذ زخمی...... اس سے شافعی علماء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ وہ مسلمان جسے کوئی غلطی سے قتل کر دے تو وہ مقتول شخص شہید ہوتا ہے (یعنی جنگ کے دوران کوئی مسلمان کسی مسلمان کو قتل کرے تو وہ شہید ہوگا)۔

اسی غزوہ میں حضرت سعد ابن معاذؓ سردار اوس کے ایک تیر آکر لگا۔ یہ تیر ان کی ایک رگ میں لگا جس سے وہ رگ کٹ گئی اس رگ کو اکحل کہتے ہیں جو بازو میں ہوتی ہے اور تمام رگیں اسی سے نکل کر تمام بدن میں پھیلتی ہیں۔ غالباً فصد کھولنے کی وہ رگ یہی ہوتی ہے جس کو مشترک کہتے ہیں اسی رگ کو رگِ حیات کہتے ہیں۔ حضرت سعد کے یہ تیر ابن عرقہ نے مارا تھا۔ عرقہ اس شخص کی وادی کا نام تھا اور یہ شخص اپنی وادی کی نسل سے ابن عرقہ کہلاتا تھا۔ عرقہ کو عرقہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کی رگیں بہت ابھری ہوئی تھیں۔

حضرت سعدؓ کی دعا...... ابن عرقہ نے حضرت سعدؓ کا نشانہ لے کر یہ کہتے ہوئے تیر چلایا کہ لے سنبھال میں ابن عرقہ ہوں۔

آنحضرت ﷺ نے جب یہ سنا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کے چہرے کو جہنم میں پسینہ پسینہ کرے۔ ایک قول ہے کہ یہ جواب خود حضرت سعدؓ نے دیا تھا۔ حضرت سعدؓ نے زخمی ہو کر دعا کی:

"اے اللہ! اگر ہمارے اور قریش کے درمیان جنگ باقی ہے تو مجھے اس کا گواہ بنا اور مجھے اس وقت تک نہ اٹھا جب تک میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں"۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "جب تک تو بنی قریظہ کے انجام سے میرا دل ٹھنڈا نہ کر دے" ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ اے اللہ! اگر قریش کے ساتھ ہماری کچھ بھی جنگ باقی ہے تو مجھے اس کے لئے زندہ رکھ کیونکہ مجھے کسی قوم سے جہاد کی اتنی آرزو نہیں ہے جتنی اس قوم یعنی قریش سے ہے جنہوں نے تیرے رسول کو تکلیفیں پہنچائیں انہیں وطن سے نکالا اور جھٹلایا!"

ایک دن جنگ مسلسل ہوتی رہی اور ایک قول کے مطابق خندق کے ہر حصے پر رات تک برابر لڑائی ہوتی رہی جس کی وجہ سے آنحضرت ﷺ اور کوئی بھی مسلمان ظہر سے عشاء تک کوئی سی نماز نہ پڑھ سکے۔ اس صورتحال کی وجہ سے مسلمان بار بار کہتے کہ ہم نماز نہیں پڑھ سکے۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ فرماتے کہ نہ ہی میں پڑھ سکا ہوں۔ آخر جب جنگ رکی تو رسول اللہ ﷺ اپنے قبہ پر تشریف لائے اور حضرت بلالؓ کو اذان دینے کا حکم دیا پھر انہوں نے ظہر کی تکبیر کہی اور نماز پڑھی۔ اس کے بعد حضرت بلالؓ ہر نماز کے بعد اگلی نماز کے لئے تکبیر کہتے رہے اور آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ وہ نمازیں پڑھتے رہے جو قضا ہو گئی تھیں۔ حضرت جابرؓ سے یوں روایت ہے کہ آپ نے بلال کو حکم دیا تو انہوں نے اذان دی اور تکبیر کہی تو آپ نے ظہر پڑھی۔ آپ نے پھر بلالؓ کو حکم دیا اور انہوں نے اذان کہی پھر تکبیر کہی اور آپ نے مغرب پڑھی۔ آپ نے پھر حکم دیا اور بلالؓ نے اذان دی پھر تکبیر کہی اور آپ نے عشاء کی نماز پڑھی۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں۔ پہلی روایت میں امام شافعی کے اس قول کی تصدیق ہے کہ اگر کئی نمازیں قضا ہوئی ہیں تو صرف پہلی نماز کے لئے اذان دینا مناسب ہے اور باقی نمازوں کے لئے اگر وہ مسلسل قضا ہوئی ہیں صرف تکبیر کہی جائے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ قضا شدہ نمازوں میں سے صرف پہلی کے لئے اذان دی جائے تو یہ امام شافعی کا قدیم یعنی مصر پہنچنے سے پہلے کا قول ہے اور اسی پر فتویٰ بھی ہے۔

دوسری روایت میں اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کئی نمازیں مسلسل قضا ہوئی ہیں تو ہر قضا شدہ نماز کے لئے علیحدہ اذان دی جائے۔

امام شافعی نے صحیح سند کے ساتھ ابو سعید خدری سے روایت کی ہے جو کہتے ہیں کہ جنگ خندق میں ہمیں بہت عرصہ لگ گیا آخر ایک دستہ رات کے وقت چلا جو ہم سب کی طرف سے جنگ میں کافی ہو گیا۔ یہی حق تعالیٰ کا ارشاد ہے جو یہ ہے:

وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ- وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا۔ (لآیہ پ ۲۱ سورہ احزاب ع ۳۔ آیت ۲۵)

ترجمہ: اور جنگ میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لئے آپ ہی کافی ہو گیا اور اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا زبردست ہے۔

دوران جنگ کی قضا نمازیں...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے بلال کو بلا کر حکم دیا جنہوں نے ظہر کے لئے تکبیر کہی اور آپ نے اسی طرح یہ نماز پڑھی جیسے پڑھا کرتے تھے پھر عصر کی تکبیر کہی گئی اور آپ نے اسی طرح عصر پڑھی پھر مغرب کے لئے تکبیر کہی گئی اور آپ نے اسی طرح مغرب پڑھی۔ اس کے بعد عشاء کے لئے تکبیر کہی گئی اور آپ نے اسی طرح عشاء پڑھی۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

"پھر آپ نے ہر نماز اسی بہتر انداز میں پڑھی جیسے آپ اسے اس کے وقت میں پڑھا کرتے تھے"۔
اب یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ قضا شدہ نماز کے لئے اذان مستحب نہیں ہے۔ جدید مسلک میں امام شافعیؒ کا یہی قول ہے مگر ان کا یہ قول مرجوح ہے یعنی ان کا قدیم قول ہی ترجیحی ہے جو بیان ہو چکا ہے۔

گویا اس واقعہ کے سلسلے میں دو روایتیں گزریں ایک میں ہے کہ۔ رات تک لڑائی ہوتی رہی اور دوسری روایت میں ہے کہ۔ ایک دستہ رات کے وقت چلا۔ امام نووی نے شرح مہذب میں ان دونوں روایتوں کا اختلاف اس طرح دور کیا ہے کہ دراصل یہ دونوں دو الگ الگ واقعے ہیں جو غزوہ خندق کے دوران پیش آئے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ غزوہ پندرہ دن تک چلا ہے جیسا کہ بیان ہوا۔ مگر خود اسی بحث پر بھی اعتراض ہے کہ ان روایات کی روشنی میں ان کا دو علیحدہ علیحدہ واقعات ہونا تو الگ ظاہری بات ہے کیونکہ پہلی روایت میں ہے کہ۔ ایک دن لڑائی رات تک ہوتی رہی۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ۔ ایک دستہ رات کے وقت چلا جو ہم سب کی طرف سے جنگ میں کافی ہو گیا۔ ان دو الگ الگ واقعات کو ایک کیسے سمجھا جا سکتا ہے کہ ان کے درمیان موافقت پیدا کرنے یا اختلاف دور کرنے کی ضرورت پیش آئے۔

نماز خوف اور نماز شدت خوف...... ادھر ان روایات کی ظاہری تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے چاروں نمازیں ایک ہی وضو سے پڑھیں، علامہ بغویؒ نے سورۂ مائدہ کی اپنی تفسیر میں اسی بات کی صراحت کی ہے لہٰذا اس بات میں اور آگے فتح مکہ کے بیان میں آنے والی روایت کے درمیان موافقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے (جسکی تفصیل آگے ذکر ہو گی)۔

امام طحاوی کی ایک روایت ہے جس کو علامہ مکحول اور امام اوزاعی نے دلیل بنایا ہے کہ جنگ کے عذر کی وجہ سے نماز میں تاخیر کر دینا جائز ہے۔ وہ روایت یہ ہے کہ ایک دفعہ جب رسول اللہ ﷺ (جنگ میں) مشغول ہونے کی وجہ سے عصر کی نماز نہیں پڑھ سکے اور سورج غروب ہو گیا تو آپ کے لئے سورج کو لوٹا دیا گیا یہاں تک کہ آپ نے عصر کی نماز ادا فرمائی۔ امام نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ اس روایت کے راوی ثقہ ہیں۔

بخاری میں حضرت عمر ابن خطابؓ سے روایت ہے کہ غزوہ خندق کے موقعہ پر ایک روز وہ اس وقت آئے جب کہ سورج غروب ہونے کے قریب تھا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں یہ نماز یعنی عصر نہیں پڑھ سکا۔ پھر ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ بطحان کے مقام پر ٹھہرے آپ نے نماز کے لئے وضو کیا اور ہم نے بھی وضو کیا اور سورج غروب ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے عصر کی نماز پڑھی اور اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی صرف عصر کی نماز چھوٹ گئی تھی جسے آپ نے غروب آفتاب کے بعد پڑھ لیا تھا۔ امام نوویؒ کہتے ہیں کہ ان روایات کے درمیان موافقت پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ یہ واقعہ بھی اس غزوہ میں کسی دن پیش آیا تھا۔

(یہاں عصر کی نماز کا ذکر چل رہا ہے جس کے متعلق بحث ہے کہ آیا صلوٰۃ وسطیٰ یہی ہے جس کا قرآن میں ذکر ہے) اس بارے میں اسی ذیل کی ایک حدیث سے ثبوت ملتا ہے جس میں ہے کہ ہم (جنگ میں) مشغولیت کی وجہ سے صلوٰۃ وسطیٰ یعنی صلوٰۃ عصر نہیں پڑھ سکے اور سورج غروب ہو گیا (اور جن کی وجہ سے ہماری یہ نماز چھوٹ گئی اللہ تعالیٰ ان کے شکموں کو۔ اور ایک روایت کے مطابق۔ ان کے پیٹ اور قبروں کو آگ سے بھر دے۔ بخاری و مسلم، ابوداؤد و نسائی اور ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے جس کو حسن صحیح کہا گیا ہے مگر اس میں یوں ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے جیسے انہوں نے ہمیں جنگ میں مشغول کر کے صلوٰۃ وسطیٰ سے

باز رکھا یہاں تک کہ سورج ہی غروب ہو گیا"۔

(قال) ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مغرب کی نماز پڑھی اور فارغ ہونے کے بعد فرمایا کہ کیا تم میں سے کسی کو خیال ہے کہ میں نے آج عصر کی نماز پڑھی تھی؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم نے عصر نہیں پڑھی یعنی نہ ہم نے پڑھی اور نہ آپ نے پڑھی۔ آپ نے فوراً موذن کو حکم دیا جس نے تکبیر کہی اور آپ نے عصر پڑھی اور پھر مغرب کی نماز لوٹائی۔

ایک قول ہے کہ یہ واقعہ نماز خوف یعنی جنگ کے دوران پڑھی جانے والی نماز کے متعلق حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے اور اس وقت تک نماز خوف کی یہ آیت نازل نہیں ہوئی تھی۔

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالاً اَوْ رُكْبَاناً۔ فَاِذَا اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوااللهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّالَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۔

(پ ۲ سورہ بقرہ ع ۳۱۔ آیت ۲۳۹)

ترجمہ: پھر اگر تم کو اندیشہ ہو تو کھڑے کھڑے یا سواری پر چڑھے پڑھ لیا کرو۔ پھر جب تم کو اطمینان ہو جاوے تو تم خدا تعالیٰ کی یاد اس طریق سے کرو کہ جو تم کو سکھلا دیا ہے جس کو تم نہ جانتے تھے۔

دشمن کی رسد مسلمانوں کے قبضے میں!...... (قال) غرض پھر انصاریوں کی جماعت خندق سے روانہ ہوئی تاکہ اپنے مردوں کو مدینے میں دفن کر آئیں۔ راستے میں اتفاق سے انہیں قریش کے بیس اونٹ مل گئے جن پر گیہوں کھجوریں اور بھوسہ لدا ہوا تھا۔ رسد کا یہ سامان حیّ ابن خطب نے قریش کو تقویت پہنچانے اور ان کی مدد کرنے کے لئے روانہ کیا تھا۔ یہ انصاری ان سب اونٹوں کو ہانک کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔ رسد کا یہ سامان مل جانے سے اہل خندق یعنی مسلمانوں کو زبردست آرام اور فراغت میسر آئی۔ ابو سفیان کو جب اپنے اس نقصان کا حال معلوم ہوا تو کہنے لگا:

یہ حیّی بڑا ہی منحوس ہے۔ اس نے وہ جانور بھی کھو دیئے جن پر واپسی میں ہم سامان بار کر کے لے جاتے!"

خالد ابن ولید کا ناکام حملہ...... اس کے بعد خالد ابن ولید ایک روز پھر مشرکوں کا ایک دستہ لے کر مسلمانوں پر غفلت میں اچانک حملہ کرنے کے لئے چلے مگر خندق پہنچ کر ان کی اسید ابن حضیر سے مڈبھیڑ ہو گئی جن کے ساتھ دو سو مسلمانوں کا دستہ تھا۔ یہ لوگ کچھ دیر تک ان سے الجھے رہے۔ ان مشرکوں میں وحشی بھی تھا جس نے حضرت حمزہؓ کو قتل کیا تھا۔ اس نے طفیل ابن نعمان پر نیزے سے حملہ کیا اور انہیں قتل کر دیا۔

اس کے بعد مشرکین رات کے وقت اکثر اپنے دستے بھیجتے رہتے تاکہ موقع ملے تو اچانک مسلمانوں پر شبخون مار دیں اسی وجہ سے مسلمان جو کہ ان کے مقابلے میں تھے ہر وقت زبردست خوف اور اندیشے میں وقت گزار رہے تھے (کیونکہ ہر لحہ دشمن کے اچانک آپڑنے کا خطرہ رہتا تھا)۔

صحیحین میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے احزابیوں یعنی مشرک لشکر کے لئے بددعا فرمائی جس کے الفاظ یہ ہیں:

اللهم منزل الكتاب سريع الحساب اهزم الاحزاب

اللهم اهزمهم وانصرنا عليهم وزلزلهم

ترجمہ: اے اللہ! اے جلد حساب فرمانے والے احزابیوں کو شکست دے۔ اے اللہ ان کو مغلوب فرما دے اور ان کے مقابلے میں ہماری مدد فرما اور ان کو پارہ پارہ فرما دے۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر فرمایا:

"لوگو! دشمن سے مڈ بھیڑ کی تمنا مت کرو بلکہ اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا کرو لیکن اگر دشمن سے مڈ بھیڑ ہو جائے تو صبر و ثبات کو اپنا شیوہ بنانا۔ اس حقیقت کو خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ جنت تلواروں کے سائے میں پوشیدہ ہے"۔

یعنی مومن کو جنت میں پہنچانے والا جو سبب ہے وہ اللہ کی راہ میں کیا جانے والا تلوار کا وار ہے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے پھر دعا فرمائی جس کے الفاظ یہ ہیں:

یاصریخ المکروبین! یامجیب المضطرین

اکشف ھمی و غمی وکربی

فانك تری مانزل بی وباصحابی

ترجمہ: اے مصیبت زدوں کی فریاد رسی کرنے والے' اے پریشان حالوں اور ستم کے ماروں کی سننے والے' میرے غم والم دور فرمادے کیونکہ تو خوب دیکھ رہا ہے کہ مجھ پر اور میرے اصحاب پر کیسی پریشانیاں آئی ہیں۔

صحابہ کو دعا کی تلقین...... پھر صحابہ نے آپ سے پوچھا:

"کیا کوئی ایسی دعا ہے جو ہم اس وقت پڑھیں کیونکہ اب کلیجے منہ کو آنے لگے ہیں!"

آپ نے فرمایا۔ ہاں! یہ دعا پڑھو:

اللھم استر عوراتنا وآمن روعاتنا

"اے اللہ! ہماری شرمگاہوں کی پردہ پوشی اور ہمیں خوف اور ڈر سے محفوظ و مامون فرمادے یعنی خوف و خطرے سے نجات عطا فرمادے"۔

فتح و نصرت کی بشارت...... اسی وقت جبرئیلؑ آپ کے پاس آئے اور انہوں نے آپ کو خوشخبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ دشمن پر ہوا کا طوفان اور اپنے لشکر نازل فرمائے گا۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ کو یہ اطلاع سنائی اور شکر ہے۔ شکر ہے کہتے ہوئے اپنے ہاتھ اٹھالئے۔

ان دعاؤں کے دن...... ایک حدیث میں ہے کہ دشمن کے خلاف آنحضرت ﷺ نے یہ دعائیں پیر' منگل اور بدھ کے دن فرمائیں اور ان دن یعنی بدھ کے دن ظہر اور عصر کے درمیان آپ کی دعائیں قبول ہوئیں (جس کی آپ کو بشارت دی گئی) چنانچہ آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک سے مسرت و اطمینان ظاہر ہونے لگا۔

بدھ کے دن کی فضیلت...... چنانچہ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ وہ اپنے اہم کاموں میں اسی دن اور اسی وقت یعنی بدھ کے دن ظہر اور عصر کے درمیان دعائیں مانگا کرتے تھے اور یہی ان کی عادت تھی (جس کا وہ ہمیشہ التزام اور خیال رکھا کرتے تھے)

آنحضرت ﷺ کا مورچہ...... (قال) غرض اس خندق کی دیوار میں ایک جگہ شگاف اور رخنہ تھا رسول اللہ ﷺ اکثر اس شگاف میں آجایا کرتے تھے چنانچہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ اکثر اس رخنہ میں تشریف لایا کرتے تھے جب آپ کو ٹھنڈ محسوس ہوتی تو آپ آجاتے اور آپ کو اپنی گود میں لٹاکر گرمی پہنچایا کرتی تھی۔ جب آپ کو گرمائی آجاتی تو آپ پھر اسی رخنہ میں تشریف لے جاتے۔ اس وقت آپ فرمایا کرتے تھے۔

"مجھے سوائے اس رخنہ کے اور کہیں سے مسلمانوں پر حملہ کا خوف نہیں ہے!"

ایک دفعہ جب کہ آپ میری گود میں سر رکھے لیٹے ہوئے تھے اچانک فرمانے لگے۔

"کاش کوئی صالح آدمی آج رات اس رخنہ کی حفاظت ونگرانی کرے!"

اسی وقت آپ نے قریب میں ہتھیاروں کی آواز سنی۔ آپ نے پوچھا یہاں کون ہے۔ حضرت سعد ابن معاذؓ نے عرض کیا۔

"میں سعد ہوں یارسول اللہ ﷺ! اور آپ کی حفاظت کے لئے یہاں کھڑا ہوں!"

آپ نے فرمایا۔ "تم اس رخنہ کی حفاظت کرو اور وہیں رہو!"

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ سو گئے یہاں تک کہ ہلکے ہلکے خراٹوں کی آواز آنے لگی۔ پھر آنحضرت ﷺ اٹھے اور اپنے قبہ میں ہی کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ یہ آپ کی عادت تھی کہ جب آپ پر کسی بات کا غم ہوتا تو آپ نماز میں مشغول ہو جایا کرتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت ابن عباسؓ کو ان کے بھائی قثم کی موت کی اطلاع دی گئی تو انہوں نے فوراً انا للہ پڑھی اس وقت وہ سفر میں تھے وہ یہ خبر سن کر فوراً راستے کے ایک طرف کھڑے ہوئے اور نماز پڑھنے لگے۔ دونوں رکعتوں میں انہوں نے جلسہ بہت لمبا کیا اور نماز میں یہ آیتیں تلاوت کیں:

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ۔ (پ۲ سورہ بقرہ ع۱۸۔ آیت ۱۵۲)

ترجمہ: صبر اور نماز سے سہارا حاصل کرو بلاشبہ حق تعالیٰ صبر کرنے والے کے ساتھ رہتے ہیں۔

غرض اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اپنے قبہ سے باہر تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ مشرکوں کا گھوڑے سوار دستہ خندق کے قریب گھوم رہا ہے۔ پھر آپ نے پکارا۔ اے عبادہ ابن بشیر۔ انہوں نے کہا حاضر ہوں۔ آپ نے پوچھا کیا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ انہوں نے عرض کیا۔

ہاں یارسول اللہ! میں ایک جماعت کے ساتھ آپ کے قبہ کے گرد و پیش میں تعینات ہوں!"

حضرت عبادؓ ابن بشر ہر وقت نہایت چوکنا رہ کر آنحضرت ﷺ کے قبہ کا پہرہ دیا کرتے تھے۔ آپ نے حضرت عباد کو خندق کی علایہ گردی کے لئے روانہ کیا اور ان کو بتلایا کہ خندق کے قریب ہی مشرکین کا گھوڑے سوار دستہ گھوم رہا ہے (جو حملہ کرنا چاہتا ہے) اس کے بعد آپ نے یہ دعا فرمائی:

اللهم ادفع عناشرهم وانصرنا عليهم واغلبهم لايغلبهم غيرك

اے اللہ! ان کے شر کو ہم سے دور اور دفع فرما دے ہماری مدد فرما اور ان دشمنوں کو مغلوب فرما دے ان کو تیرے سوا کوئی مغلوب نہیں کر سکتا۔

اب مسلمان خندق پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ ابوسفیان اپنے گھوڑے سوار دستے کے ساتھ خندق کے تنگ حصے پر موجود ہے۔ مسلمانوں نے اس کو دیکھتے ہی تیر اندازی کی جس سے ڈر کر مشرکوں کا دستہ وہاں سے پسپا ہو کر لوٹ گیا۔

مشرک لشکر میں سے نعیم ابن مسعود کا اسلام...... ایک رات نعیم ابن مسعود رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور بولے:

"یارسول اللہ! میں اسلام قبول کر چکا ہوں مگر میری قوم کو میرے اسلام کا حال معلوم نہیں ہے لہٰذا آپ میرے سے جو کام لینا چاہیں اس کا مجھے حکم فرمائیے!"

جنگ ایک دھوکہ ہے...... ایک روایت میں ہے کہ جب احزابی لشکر مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے روانہ ہوا تو نعیم بھی مع اپنی قوم کے لشکر کے ساتھ چلے نعیم قبیلہ غطفان سے تھے اور اس وقت تک اپنی قوم کے ہی دین پر تھے مگر مدینے کے سامنے پہنچنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے نعیم کے دل میں اسلام کی محبت پیدا فرما دی چنانچہ ایک روز وہ اپنے لشکر سے نکلے اور مغرب اور عشاء کے درمیان رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آنحضرت ﷺ نماز میں مشغول تھے۔ آنحضرت ﷺ ان کو

دیکھ کر بیٹھ گئے پھر آپ نے ان سے پوچھا کہ نعیم تم کس لئے آئے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں آپ کی تصدیق کرنے اور یہ گواہی دینے آیا ہوں کہ آپ جو پیغام لے کر آئے ہیں وہ حق ہے اس کے بعد یہ مسلمان ہو گئے آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اگرچہ تم تنہا آدمی ہو مگر ان لوگوں کو نامراد کرنے کے لئے جو کچھ کر سکتے ہو کرو کیونکہ جنگ دھوکہ اور فریب کا ہی نام ہے' یعنی جنگی معاملات دھوکہ اور فریب سے ہی نمٹائے جایا کرتے ہیں۔

جنگی فریب کے لئے اجازت...... نعیم نے کہا:

یارسول اللہ ﷺ! کیا میں کوئی بھی ایسی بات کہہ یا کر سکتا ہوں جو موقعہ کے مناسب ہو چاہے وہ واقعہ کے خلاف ہی کیوں نہ ہو"

آپ نے فرمایا جو مناسب سمجھو وہ کہہ سکتے ہو اس بارے میں تمہیں آزادی ہے۔ اس کے بعد نعیم وہاں سے روانہ ہوئے اور بنی قریظہ میں آئے۔ یہ ان یہودیوں کے دوست اور ہمنشین تھے۔ نعیم کہتے ہیں کہ یہودیوں نے مجھے دیکھا تو خوش آمدید کہا اور کھانے اور شراب کی تواضع کی۔ میں نے کہا۔

میں ان میں کسی بھی چیز کے لئے تمہارے پاس نہیں آیا بلکہ میں تو تمہارے متعلق فکر مند ہو کر آیا ہوں تاکہ اے بنی قریظہ کے لوگو میں تمہیں کچھ رائے مشورہ دے سکوں کیونکہ تمہیں معلوم ہے مجھے تم لوگوں سے کس قدر محبت ہے میرے اور تمہارے درمیان کس قدر مخلصانہ تعلقات ہیں!"

نعیم کا پہلا جنگی فریب...... بنی قریظہ نے کہا تم ٹھیک کہتے ہو ہمارے نزدیک تم مخلص آدمی ہو۔ نعیم نے کہا کہ بس تو میری آمد کو پوشیدہ رکھنا۔ یہود نے کہا ہم ایسا ہی کریں گے۔ اب نعیم نے کہا۔

"تم دیکھ ہی چکے ہو کہ بنی قینقاع اور بنی نضیر کے یہودیوں کا کیا انجام ہوا کہ ان کو جلاوطن کیا گیا اور ان کا تمام مال و متاع چھین لیا گیا۔ اب قریش اور غطفان والوں کا معاملہ تو تم سے مختلف ہے مگر تمہاری بات یہ ہے کہ یہ شہر تمہارا وطن ہے جہاں تمہارا مال و دولت اور عورتیں اور بچے سب ہی ہیں۔ تمہارے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ تم اس شہر کو چھوڑ کر کہیں چلے جاؤ' جب کہ قریش اور غطفان کے لوگ تو صرف محمد ﷺ اور ان کے اصحاب سے جنگ کرنے کے لئے آئے ہیں۔ اب تم نے کھلے عام ان کو اس جنگ میں مدد اور تعاون دینا شروع کر دیا ہے ان کا معاملہ تو یہ ہے کہ ان کا وطن' ان کا مال و دولت اور ان کی بیوی بچے مدینے سے دور دوسرے شہر میں ہیں اس لئے ان میں اور تم میں بڑا فرق ہے۔ انہیں اگر موقعہ مل گیا تو وہ اس سے فائدہ اٹھائیں گے اور اگر ایسا نہ ہو سکا تو اپنے تو اپنے وطن کو لوٹ جائیں گے اور تمہیں اور تمہارے وطن کو اس کے حال پر چھوڑ جائیں گے۔

یہ تم جانتے ہی ہو کہ وہ شخص یعنی محمد ﷺ اسی تمہارے شہر میں ہیں اس لشکر کے چلے جانے کے بعد اگر وہ تم پر حملہ آور ہوئے تو مسلمانوں کے مقابلے میں تمہاری کوئی پیش نہیں کی جائے گی۔ اس واسطے میرا مشورہ یہ ہے کہ تم قریش اور غطفان کو اس جنگ میں اس وقت تک کوئی مدد مت دو اور اس وقت تک جنگ میں شریک نہ ہو جب تک ان کے ستر ذی عزت سردار بطور رہن اور یرغمال کے اپنے پاس نہ رکھ لو۔ وہ لوگ تمہارے قبضے میں رہیں اور اس شرط پر رہیں کہ جب تم محمد ﷺ کے ساتھ جنگ کرو تو وہ تمہارے ساتھ شریک رہیں یہاں تک کہ اس شخص کا کام تمام ہو جائے"۔

دوسرا جنگی فریب...... یہودیوں (کو یہ بات بہت پسند آئی اور انہوں) نے کہا کہ تم نے بڑی اچھی رائے دی اور نیک مشورہ دیا۔ انہوں نے نعیم کو خوب دعائیں دی اور ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ ہم ایسا ہی کریں گے۔ نعیم نے پھر کہا کہ میری یہاں آمد کو پوشیدہ رکھنا۔ یہود نے اس کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد نعیم وہاں سے چل کر احزابی لشکر میں قریشیوں کے پاس آئے یہاں ابوسفیان

اور اس کے ساتھ قریش کے دوسرے بڑے بڑے لوگ موجود تھے۔ نعیم نے ان لوگوں سے کہا:

آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ مجھے آپ سے کس قدر خلوص و محبت ہے اور محمد ﷺ سے کتنا اختلاف ہے۔ مجھے ایک نہایت اہم بات معلوم ہوئی ہے میں نے ضروری سمجھا کہ اپنے خلوص کی بناء پر آپ کو اس کی اطلاع کر دوں مگر آپ لوگ اسے راز ہی رکھئے۔

قریش نے رازداری کا وعدہ کیا تو نعیم نے کہا۔

"آپ لوگوں کو شاید معلوم نہیں ہے کہ بنی قریظہ کے یہودیوں اور محمد ﷺ کے درمیان جو معاہدہ تھا اس کو توڑنے کے بعد اب یہودیوں کو اپنی اس بدعہدی پر شرمندگی ہو رہی ہے چنانچہ اب بنی قریظہ نے محمد ﷺ کے پاس پیغام بھیجا ہے اس وقت میں بھی ان لوگوں کے پاس موجود تھا۔ اس پیغام میں انہوں نے کہلایا ہے کہ ہمیں اپنے کئے پر سخت ندامت اور شرمندگی ہے۔ اب آپ کی ناراضی دور کرنے کے لئے اگر ہم قبیلہ قریش و غطفان کے ستر بڑے بڑے سردار اپنے پاس بلا کر انہیں آپ کے حوالے کر دیں تاکہ آپ ان کو قتل کر دیں تو کیا اس طرح آپ ہم سے راضی ہو سکتے ہیں اور بنی نضیر کی وجہ سے یہودیوں کے متعلق آپ کو جو بے اعتمادی پیدا ہو گئی ہے آپ اس سے ہم کو بری کر دیں گے۔ پھر قریش و غطفان کے لشکر سے لڑنے کے لئے ہم آپ کے ساتھ ساتھ ہوں گے۔ تاکہ انہیں نیست و نابود کر دیں۔ اس پیغام کے جواب میں محمد ﷺ نے اپنی منظوری و رضامندی بھجوا دی۔ لہٰذا اب اگر یہودیوں کا کوئی ایسا پیغام آئے جس میں آپ کے بڑے بڑے لوگوں کو یرغمال اور رہن کے طور پر مانگیں تو ہرگز کسی ایک شخص کو بھی ان کے حوالے نہ کرنا بلکہ اپنے تمام معاملات اور رازوں کو ان سے خفیہ رکھو۔ میرے بارے میں ان سے ایک حرف بھی نہ کہنا میرے متعلق بھی پوری رازداری برتنا"

تیسرا جنگی فریب...... قریش نے ان سب باتوں کا وعدہ کیا اور کہا کہ ہم اس بات کا ہرگز کوئی تذکرہ نہیں کریں گے یہاں سے فارغ ہو کر حضرت نعیم قبیلہ غطفان کے لشکر میں پہنچے اور ان کے سرداروں سے کہنے لگے:

"اے گروہ غطفان! تم لوگ میرے اپنے اور خاندان کے ہو اور تم ہی لوگ مجھے سب سے زیادہ عزیز اور محبوب ہو۔ میں یہ بھی یقین رکھتا ہوں کہ تم لوگ میرے اوپر اعتماد کرتے ہو!"

غطفانیوں نے کہا تم ٹھیک کہتے ہو اور ہمارے نزدیک تم قابل اعتماد آدمی ہو۔ نعیم نے کہا کہ بس تو میری آمد اور میری بات کی پوری رازداری کرنا۔ غطفانیوں نے وعدہ کیا تو نعیم نے ان لوگوں سے وہی سب کچھ کہا جو قریش سے کہا تھا اور انہیں بھی محتاط رہنے کا مشورہ دیا۔

فریب کے اثرات...... اس کے بعد سنیچر کی رات کو ابوسفیان اور غطفانی سرداروں نے عکرمہ ابن ابو جہل کو قریشی اور غطفانی نوجوانوں کے ساتھ بنی قریظہ کے پاس بھیجا انہوں نے یہودیوں سے کہا:

ہم بہت ہی غلط جگہ اور ناسازگار صورتحال سے دوچار ہیں جس میں ہمارے اونٹ گھوڑے تباہ ہو رہے ہیں اب جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ تاکہ ہم محمد ﷺ کے ساتھ جنگ کریں اور اس معاملہ کو نمٹا دیں۔

اس پر یہودیوں نے کہلایا کہ صبح کو سنیچر کا دن ہے اور یہ بات آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ سنیچر کے روز ہم خون ریزی نہیں کرتے۔ اس کے علاوہ بھی ہم لوگ آپ کے ساتھ اس وقت تک جنگ میں شریک نہیں ہوں گے جب تک آپ کم از کم ستر آدمی رہن اور یرغمال کے طور پر ہمارے حوالے نہیں کریں گے۔

جب قریش و غطفان کو یہودیوں کا یہ پیغام ملا تو انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم! نعیم نے ٹھیک کہا تھا (کہ یہودیوں کی نیت

خراب ہے)۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ بنی قریظہ نے قریشی وفد سے پہلے ہی قریش وغطفان کے پاس یہ پیغام بھیجا تھا جو اس پہلے سے طے شدہ منصوبہ کے مطابق تھا کہ جنگ کے لئے ایک دن متعین کر لیا جائے جس میں ہم یہودی آپ کے کندھے سے کندھا ملا کر لڑیں گے مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ آپ ہمارے پاس اپنے ستر بڑے بڑے اور معزز آدمی رہن کے طور پر بھیج دیں کیونکہ ہمیں ڈر ہے کہ اگر جنگ کے نتیجہ میں آپ کو ناگوار حالات سے سابقہ پڑا تو آپ ہمیں (مسلمانوں کے رحم و کرم پر) چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ قریش نے اس پیغام کا کوئی جواب نہیں دیا۔

احزابی لشکر میں پھوٹ...... ادھر نعیم پھر بنی قریظہ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ جس وقت تمہارا پیغام پہنچا تو میں ابوسفیان کے پاس موجود تھا' اس پیغام پر اس نے یہ کہا تھا کہ اگر یہودیوں نے مجھ سے ایک بکری کا بچہ بھی مانگا تو میں نہیں دونگا اس طرح مشرکوں اور ان کے احزابی لشکر میں پھوٹ پڑ گئی اور ان کا اتحاد پارہ پارہ ہو گیا۔ ادھر یہودیوں کا پس وپیش دیکھ کر حیئ ابن اخطب انکے پاس آیا (اور قریش کی وکالت کرنے لگا) مگر بنی قریظہ میں سے کسی نے بھی اس کی بات نہیں سنی بلکہ یہی کہتے رہے کہ ہم اس وقت تک قریش کے ہمراہ نہیں لڑیں گے جب تک وہ اپنے ستر معزز آدمی رہن کے طور پر ہمارے حوالے نہیں کرتے۔

سرد آندھی کا طوفان...... ادھر مشرکوں کی صفوں میں یہ اختلافات پیدا ہوئے اور ادھر اللہ تعالیٰ نے ان پر شدید آندھی کا طوفان بھیج دیا۔ یہ انتہائی سرد راتیں اور اوپر سے آندھی نے زور باندھا جس سے مشرک لشکر کے خیمے الٹ گئے طنابیں ٹوٹ گئیں' برتن الٹ گئے اور لوگ ہوا کے شدید تھپیڑوں سے سامان کے اوپر گر گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ ہوا نے اس قدر ریت اڑایا کہ بہت سے لوگ ریت میں دفن ہو گئے لوگوں نے جو آگ جلا رکھی تھی ریت پڑ پڑ کر وہ بھی بجھ گئی (جس سے اندھیرا گھپ ہو گیا) حق تعالیٰ نے مشرکوں پر طوفانی فرشتے نازل فرمائے جنہوں نے انہیں ہلا ڈالا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا۔ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا۔ (۲۱احزاب ع۲ آیت۹)

پھر ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی اور ایسی فوج بھیجی جو تم کو دکھائی نہ دیتی تھی اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتے تھے۔

جہاں تک فرشتوں کا تعلق ہے تو انہوں نے خود جنگ میں شرکت نہیں کی بلکہ انہوں نے اپنی موجودگی سے مشرکوں کے دلوں میں خوف اور رعب پیدا کر دیا تھا (یہ ہوا چلی تھی اس کو صبا کہتے ہیں یعنی باد صبا جو سخت سردی کی رات میں چلے) چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ صبا کے ذریعہ میری مدد کی گئی اور ہوائے دبور کے ذریعہ قوم کو ہلاک کیا گیا۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہوا کے ذریعہ مسلمانوں کی مدد اور نصرت فرمائی۔ یہ ہوائے زرد تھی جس سے گرد و غبار کی بناء پر مشرکوں کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ یہ طوفان بہت دیر تک مسلسل جاری رہا۔

اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ کو مشرکوں میں پھوٹ پڑ جانے کا حال معلوم ہوا۔ اس رات سخت سردی پڑی تھی جس کے ساتھ ہوا کا شدید طوفان تھا ہوا کے تیز جھکڑ ایسی مہیب آواز پیدا کر رہے تھے جیسے بجلی کے کڑاکے سے ہوتی ہے۔ آگے ایک روایت آئے گی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قدر شدید طوفان ہونے کے باوجود یہ مشرک لشکر سے آگے نہیں بڑھا رات اتنی تاریک تھی کہ آدمی اپنا ہاتھ پھیلاتا تو انگلیاں نظر نہیں آتی تھیں (یعنی ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا)۔

دشمن کا حال معلوم کرنے کی کوشش...... منافقوں نے اس طوفان کو دیکھ کر واپسی کا بہانہ ڈھونڈا اور کہنے لگے کہ ہمیں تو اجازت دیجئے۔ ہمارے گھر اکیلے ہیں اور دشمن کا خوف ہے کیونکہ ہمارے مکان مدینے سے باہر ہیں اور دیواریں نیچی نیچی ہیں اس

لئے چوری کا خطرہ بھی ہے لہٰذا ہمیں تو اجازت دیجئے تا کہ ہم اپنی عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لئے گھر چلے جائیں۔ ان میں سے جو بھی آکر اجازت مانگتا آنحضرت ﷺ اس کو جانے کی اجازت دے دیتے۔ ایک قول ہے کہ اس رات آنحضرت ﷺ کے ساتھ صرف تین سو جانباز رہ گئے۔

پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کون ہے جو ہمیں دشمن کی کچھ خیر خبر لا کر دے۔ اس پر حضرت زبیر اٹھے اور کہنے لگے کہ یارسول اللہ ﷺ میں یہ خدمت انجام دوں گا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سوال تین مرتبہ فرمایا اور تینوں دفعہ حضرت زبیرؓ نے آمادگی کا اظہار کیا تب آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کے حواری یعنی مددگار ہوتے ہیں اور میرے حواری حضرت زبیرؓ ہیں۔ حضرت زبیرؓ کے لئے آنحضرت ﷺ نے یہی کلمات اس وقت بھی فرمائے تھے جب آپ نے ان کو بنی قریظہ کے متعلق یہ خبر لانے کے لئے بھیجا تھا کہ آیا انہوں نے اپنا معاہدہ توڑ دیا ہے یا نہیں جیسا کہ بیان ہوا۔ حضرت زبیر کے لئے آپ کا یہی ارشاد غزوہ خیبر کے بیان میں بھی آئے گا۔ ایک حدیث میں یوں ہے کہ مردوں میں میرے حواری زبیر ہیں اور عورتوں میں عائشہ ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یوں فرمایا:

"کیا کوئی ایسا شخص ہے جو جا کر یہ دیکھے کہ دشمن کس حال میں ہے اور پھر آکر ہمیں بتلائے۔ میں اس شخص کے لئے اللہ سے دعا کروں گا کہ جنت میں وہ میرا ساتھی ہو۔ ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ وہ قیامت کے دن میرے ساتھ ہو۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ وہ قیامت کے دن ابراہیمؑ کا ساتھی ہو"۔

صحابہ کی پریشانیاں...... آپ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی مگر خوف' بھوک اور سردی کی شدت کی وجہ سے کوئی شخص کھڑا نہیں ہوا۔ آخر آنحضرت ﷺ نے حضرت حذیفہ ابن یمان کو آواز دی۔ حذیفہ کہتے ہیں کہ اب میرے سامنے کھڑے ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کیونکہ آپ نے میرا نام لے پکارا تھا۔ میں آپ کے سامنے آیا تو آپ نے فرمایا کہ تم رات سے میری بات سن رہے ہو اور کھڑے نہیں ہوئے میں نے عرض کیا:

"ایسا نہیں ہے بلکہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے خوف اور سردی اور بھوک کی شدت سے میں کھڑے ہونے کے قابل نہیں تھا۔!"

آپ نے فرمایا: "جاؤ اللہ تعالیٰ سامنے سے اور پیچھے سے' دائیں سے اور بائیں سے تمہاری حفاظت فرمائے اور تم بخیریت لوٹ کر ہمارے پاس آؤ۔"

حذیفہ دشمن کی ٹوہ میں...... حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ نے مجھے حکم دے دیا تو اب جانے کے سوا میرے پاس چارہ کار نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا حذیفہ جاؤ اور دشمن کے اندر گھس کر دیکھو۔ اب میں آنحضرت ﷺ کی دعا کی بشارت لے کر ایک نئی طاقت و قوت کے ساتھ اس طرح اٹھ گیا جیسے خوف اور سردی کا مجھے کوئی احساس ہی نہیں تھا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے مجھ سے عہد لیا کہ میں (آپ کا حکم بجا لانے کے سوا) کوئی نئی بات نہیں کروں گا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ تم نے میری آواز نہیں سنی۔ میں نے عرض کیا ہاں! آپ نے پوچھا پھر کس وجہ سے تم میرے حکم پر کھڑے نہیں ہوئے؟ میں نے عرض کیا سردی کی وجہ سے۔ آپ نے فرمایا جب تک تم واپس آؤ تم پر سردی کا کوئی اثر نہیں ہے۔ اسی ارشاد کی طرف آگے آنے والی روایت سے بھی اشارہ ملتا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ دشمن کے جو بھی حالات ہوں ان کی مجھے خبر لا کر دو۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے دوسری مرتبہ یہی بات دہرائی کہ کیا کوئی

شخص ہے جو مجھے دشمن کے خبر لا کر دے اور قیامت کے دن میرا ساتھی ہو۔ اور جواب میں کوئی شخص نہیں اٹھا تو حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ حذیفہ ہیں۔ حذیفہ کہتے ہیں کہ اس پر رسول اللہ ﷺ میرے پاس آئے۔ اس وقت دشمن یا سردی سے بچاؤ کے لئے میرے پاس جو کچھ تھا وہ اپنی بیوی کی صرف ایک چادر تھی جو اوڑھنے کے بعد میرے گھٹنوں تک بھی نہیں پہنچتی تھی میں اسے گھٹنوں پر لپیٹے بیٹھا ہوا تھا۔ غرض آنحضرت ﷺ نے میرے قریب آکر پوچھا یہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا حذیفہ۔ آپ نے پوچھا حذیفہ! وہ کہتے ہیں کہ میں نے اور زیادہ سمٹ کر عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا کھڑے ہو جاؤ۔ میں کھڑا ہو گیا۔ آپ نے فرمایا دشمن کے متعلق خبریں معلوم کرنی ہیں اس لئے مجھے ان کی خبریں لا کر دو۔ میں نے عرض کیا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا کہ سردی کی وجہ سے مجھے آپ کے سامنے اٹھتے ہوئے شرم آرہی تھی اسی لئے نہیں اٹھا تھا۔ آپ نے فرمایا:

"تم جب تک لوٹ کر میرے پاس نہ آجاؤ اس وقت تک تم کو سردی یا گرمی نہیں ستائے گی!"

حذیفہ کو نبی کی دعائیں...... میں نے عرض کیا کہ خدا کی قسم مجھے قتل ہو جانے کی کوئی پرواہ نہیں ہے مگر گرفتار ہونے سے ڈرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تم ہرگز گرفتار نہیں ہو سکتے۔ اے اللہ اس کی دائیں بائیں اور آگے پیچھے اور اوپر نیچے سے حفاظت فرما۔ حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ اب میں روانہ ہوا تو ایسا لگتا تھا جیسے گرم حمام میں چل رہا ہوں (جہاں سردی کا کوئی احساس نہیں تھا۔ یہاں حمام کا لفظ استعمال ہوا ہے جو حمیم کے لفظ سے بنا ہے جس کے معنی گرم پانی کے ہیں اور یہ عربی لفظ ہی ہے۔ غرض حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ پھر جب میں چلنے کے لئے مڑا تو آنحضرت ﷺ نے مجھے آواز دی اور فرمایا کہ اپنی طرف سے کوئی بات ہرگز ہرگز مت کرنا (یعنی جتنا حکم دیا گیا ہے اس سے زائد کچھ مت کرنا)۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ کوئی تیر یا پتھر بھی مت پھینکنا اور کسی پر تلوار مت چلانا یہاں تک کہ تم میرے پاس لوٹ کر آؤ!

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں قریشی لشکر کی طرف چلا یہاں تک کہ ان کے پڑاؤ میں داخل ہو گیا وہاں میں نے ابوسفیان کو یہ کہتے سنا:

"اے گروہ قریش! تم میں سے ہر شخص اپنے ہمنشینوں میں ہوشیار رہے اور جاسوسوں سے پوری طرح خبردار رہے!"

ابوسفیان کی بوکھلاہٹ اور واپسی...... (حضرت حذیفہؓ بھی دشمن میں پہنچ کر ان کے مجمع میں ایک شخص کے پاس بیٹھ گئے تھے) وہ کہتے ہیں کہ یہ سنتے ہی میں نے فوراً اپنے برابر بیٹھے ہوئے شخص کا ہاتھ پکڑا اور کہا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں معاویہ ابن ابوسفیان ہوں۔ پھر میں نے اپنے بائیں جانب بیٹھے ہوئے آدمی کا ہاتھ پکڑا اور کہا تم کون ہو؟ (کیونکہ رات کے اندھیرے میں کسی کی پہچان نہیں ہو رہی تھی) ادھر حذیفہؓ نے ابوسفیان کی اس ہدایت پر فوراً پہلے خود ہی عمل کرتے ہوئے اپنے دائیں بائیں بیٹھنے والوں سے پوچھ گچھ شروع کر دی اور انہیں اس کا موقعہ نہیں دیا کہ وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کا اتا پتا پوچھیں۔ غرض انہوں نے اپنے بائیں بیٹھنے والے سے پوچھا کہ تم کون ہو تو اس نے کہا میں عمرو ابن عاص ہوں۔ میں نے اس خطرہ کے تحت ایسا کہا کہ کہیں میرا پول نہ کھل جائے۔ غرض پھر ابوسفیان نے کہا:

"اے گروہ قریش! ہم نہایت ناسازگار جگہ پر ہیں اور جانور ہلاک ہو رہے ہیں بنی قریظہ کے یہودیوں نے ہمیں دغا دی ہے اور ان کی طرف سے ناخوشگوار باتیں سننے میں آئی ہیں اوپر سے اس طوفانی ہوا نے جو کچھ تباہ کاریاں پھیلائی ہے وہ آپ دیکھ رہے ہیں اس لئے واپس لوٹ چلو میں بھی واپس ہو رہا ہوں"

مسلمانوں کے تعاقب کا خطرہ...... یہ کہتے ہی ابوسفیان اچھل کر اپنے اونٹ پر سوار ہو گیا۔ اونٹ کا اگلا ایک پیر بندھا ہوا تھا اس نے وہ بھی نہیں کھولا اور سوار ہو گیا اونٹ فوراً ہی تین ٹانگوں پر کھڑا ہو کر جھولنے لگا (ابوسفیان نے جلدی اور گھبراہٹ میں اس کا بھی خیال نہیں کیا اور) سوار ہوتے ہی اسے ہانکنے کے لئے مارنے لگا۔ اونٹ تین ٹانگوں پر کودنے لگا تب ابوسفیان نے اتر کر اس کی ٹانگ کھولی۔ اس وقت عکرمہ ابن ابوجہل نے اس سے کہا کہ تم قوم کے سردار اور سالار ہو مگر لوگوں کو چھوڑ کر اس طرح بھاگے جا رہے ہو۔ یہ سن کر ابوسفیان کو شرم آئی اس نے اپنا اونٹ بٹھایا اور پھر اس کی مہار پکڑ کر اسے ہنکاتے ہوئے پھرنے لگا۔ ساتھ ہی وہ لوگوں سے کہتا جاتا تھا کہ کوچ کی تیاری کرو چنانچہ لوگ جلدی جلدی کوچ کرنے لگے اور ابوسفیان کھڑا ہو کر دیکھتا رہا۔ پھر اس نے عمرو ابن عاص سے کہا کہ اے ابو عبداللہ تم اپنا گھوڑے سوار دستہ لے کر یہاں محمد ﷺ اور ان کے اصحاب کے مقابلے میں کھڑے رہو ورنہ وہ لوگ ہمارا پیچھا کریں گے۔ عمرو نے کہا میں ٹھہر جاتا ہوں۔ چنانچہ اس کے بعد عمرو ابن عاص اور خالد ابن ولید دو سو سواروں کے ساتھ وہیں ٹھہرے اور باقی لشکر واپس مکے کو روانہ ہو گیا۔

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے بھیجتے وقت مجھ سے یہ عہد نہ لیا ہوتا کہ میں کوئی نئی بات نہیں کروں تو میں ابوسفیان کو ایک ہی تیر مار کر ختم کر دیتا۔

(ابوسفیان قریش کو لے کر فرار ہوا تھا مگر اس نے غطفانیوں کو نہ اس کی اطلاع کی تھی اور نہ ان سے مشورہ کیا تھا) جب غطفانیوں کو قریش کی اس حرکت کا علم ہوا تو وہ بھی انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ اپنے وطن کو بھاگ کھڑے ہوئے۔

ایک روایت میں حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ جب میں مشرک لشکر میں داخل ہوا تو میں نے انہیں الرحیل الرحیل کہتے سنا یعنی کوچ کی تیاری کرو یہ جگہ تمہارے لئے ناسازگار ہے۔ اس وقت آندھی زور شور سے چل رہی تھی جس سے لوگ ایک دوسرے پر گر رہے تھے' سامان الٹ رہا تھا اور ہوا کے جھکڑوں سے کنکر پتھر آ آ کر لوگوں کے لگ رہے تھے مگر آندھی کا زور ان کے لشکر سے آگے نہیں بڑھ رہا تھا۔ جب ذرا راستہ صاف ہوا تو میں نے دیکھا کہ میرے گرد و پیش تقریباً بیس سوار کھڑے ہیں جو سروں پر عمامے لپیٹے ہوئے تھے۔ ان میں دو سوار بڑھ کر میرے قریب آئے اور کہنے لگے کہ اپنے پیشوا یعنی آنحضرت ﷺ سے کہہ دینا کہ اللہ نے انہیں دشمن سے نجات دے دی۔ حذیفہؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو میں نے دیکھا کہ آپ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں۔ آپ فارغ ہوئے تو میں نے (دشمن کی واپسی کا حال) بتلایا آپ نے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا فرمایا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ میں نے آپ کو دشمن کا حال بتلایا تو آپ ہنس پڑے یہاں تک کہ رات کی تاریکی میں آپ کے دندان مبارک نظر آنے لگے۔

آنحضرت ﷺ کی طرف سے سپرد کیا ہوا یہ کام پورا ہوتے ہی مجھے پھر پہلے کی طرح سردی لگنے لگی اور میں کپکپانے لگا' یہ دیکھ کر آپ نے ہاتھ کے اشارہ سے مجھے قریب بلایا۔ میں آپ کے قریب آیا تو آپ نے اپنی چادر کا پلہ میرے اوپر ڈھک دیا جسکے بعد ایک دم میری آنکھ لگ گئی اور میں صبح یعنی طلوع فجر تک برابر سوتا رہا۔ جب صبح ہو گئی اور نماز کا وقت آ گیا تو آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اے غافل سونے والے اٹھ۔ حضرت حذیفہؓ کو جاسوسی کیلئے جاتے ہوئے سردی کا احساس ختم ہو گیا تھا کیونکہ آپ نے اس وقت ان سے فرمایا تھا کہ جب تک تم لوٹ کر میرے پاس آ ؤ اس وقت تک تم سردی سے محفوظ ہو۔

اس واقعہ سے یعنی حذیفہ کو بھیجنے کی روایت سے اور اس گذشتہ روایت سے جس کے مطابق آپ نے حضرت زبیرؓ کو بھیجا تھا معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ غزوہ خندق کا ہے اب جہاں تک دونوں روایتوں کا تعلق ہے تو یہ بات ممکن ہے کہ پہلے آپ نے

حضرت زبیرؓ کو بھیجنا طے کیا ہو پھر رائے بدل کر آپ نے اس کام کے لئے حضرت حذیفہ کا انتخاب فرمایا ہو کیونکہ یہ ایک اہم معاملہ تھا اور حضرت زبیرؓ کے مزاج میں شدت اور تیزی تھی اس لئے اندیشہ تھا کہ وہ اپنے اوپر قابو نہیں رکھ سکیں اور ہدایت سے زیادہ کوئی نئی بات کر گزریں جس سے آپ نے حضرت حذیفہؓ کو بھی نہایت سختی کے ساتھ منع فرمادیا تھا۔

اب اس سے بعض علماء کے اس قول کی تردید ہو جاتی ہے کہ حضرت زبیرؓ کو اصل میں بنی قریظہ کا حال معلوم کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا کہ آیا واقعی انہوں نے بدعہدی کی ہے یا یہ خبر غلط ہے۔ قریش کا حال معلوم کرنے کے لئے ان کو نہیں بھیجا گیا تھا اور حضرت حذیفہؓ کو قریش کا حال معلوم کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا کہ آیا وہ واپس جارہے ہیں یا نہیں۔ مگر بعض راویوں کو ان دونوں باتوں میں مغالطہ ہو گیا اور انہوں نے یہ سمجھا کہ اصل میں یہ ایک واقعہ ہے اور اس کے لئے دونوں میں سے ایک کو بھیجا گیا تھا۔ تاہم یہ دونوں تفصیلات قابل غور ہیں۔

حذیفہؓ راز دان رسول ﷺ...... حضرت حذیفہؓ کو رسول اللہ ﷺ کا راز دان کہا جاتا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی ان باتوں اور تدبیروں سے واقف رہا کرتے تھے جو دوسرے نہیں جانتے تھے چنانچہ خود حضرت حذیفہ ابن یمان کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے وہ باتیں بھی بتلائیں جو ہو چکی ہیں اور وہ بھی بتلائیں جو قیامت تک پیش آنے والی ہیں۔ پیچھے یہ بات گزر چکی ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کو بھی راز دار رسول ﷺ کہا جاتا تھا (مگر دونوں کے راز دان ہونے سے کوئی شبہ نہیں پیدا ہوتا)۔

علامہ ابن ظفر نے کتاب ینبوع حیات میں اس آیت کی تفسیر کے تحت لکھا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَّ جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا۔ وَكَانَ اللهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا۔ (الآیہ پ۲۱ سورہ احزاب ع۲ آیت۹)

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کا انعام اپنے اوپر یاد کرو جب تم پر بہت سے لشکر چڑھ آئے پھر ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی اور ایسی فوج جو تم کو دکھائی نہ دیتی تھی اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتے تھے۔

طوفانی ہوا کی تباہ کاریاں...... یہ باد صبا اور طوفانی ہوا رات کے وقت چلی تھی جس نے خیموں کی طنابیں اکھاڑ دیں اور خیمے ان کے اوپر گرا دیئے۔ برتنوں کو الٹ دیا لوگوں کو گرد و غبار اور مٹی میں بھر دیا اور کنکر پتھر جھکڑوں کے ساتھ اڑا کر انہیں زخمی کیا۔ اسی وقت انہوں نے اپنے پڑاؤ کے کناروں پر اللہ اکبر کے پر شور نعروں کی آوازیں اور ہتھیاروں کی جھنکار سنی جو فرشتوں کی طرف سے تھی۔ اس وقت ہر گروہ سردار اپنی قوم کے لوگوں سے کہنے لگا کہ اے بنی فلاں دوڑ کر میرے قریب آجاؤ۔ جب وہ لوگ اس کے گرد جمع ہو جاتے تو وہ کہتا نجات۔ نجات۔ بچاؤ۔ بچاؤ۔ اس طرح ایک ایک کر کے وہ سب لوگ گرتے پڑتے انتہائی بدحواسی کے عالم میں وہاں سے بھاگے یہاں تک کہ اپنے پیچھے سب بھاری سامان بھی اور مال بھی چھوڑ گئے۔

باد صبا...... جہاں تک باد صبا کا تعلق ہے تو یہ مشرقی ہوا ہوتی ہے۔ ادھر حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ باد صبا یعنی مشرقی ہوا نے شمال کی ہواؤں سے کہا کہ ہمارے ساتھ چلو تاکہ ہم رسول اللہ ﷺ کی مدد کریں۔ اس پر شمالی ہوا نے جواب دیا کہ گرم ہوائیں رات کے وقت نہیں چلا کرتیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو گیا اور اس نے شمالی ہوا کو بانجھ یعنی بے فیض بنا دیا۔ اس کو دبور بھی کہا جاتا ہے۔ اس طرح باد صبا سے رسول اللہ ﷺ کی مدد کی گئی اور دبور یعنی مغربی ہوا کے ذریعہ قوم عاد کو ہلاک کیا گیا۔

اس غزوہ کی تاریخ...... ادھر جب احزابی لشکر تتر بتر ہو کر بھاگا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اب ہم ان لوگوں سے جنگ کریں گے وہ ہم پر آئندہ حملہ آور نہیں ہوں گے۔ اس کے بعد ۷ ذیقعدہ کو آنحضرت ﷺ خندق سے لوٹے۔ یہ روایت اس

قول کی بنیاد پر ہے کہ غزوہ خندق ذی قعدہ کے مہینے میں پیش آیا تھا۔ یہ ابن سعد کا قول ہے۔ مگر ایک قول ہے کہ یہ غزوہ شوال میں پیش آیا تھا یہ ۵ھ کا واقعہ ہے جیسا کہ جمہور علماء کا قول ہے مگر علامہ ذہبی نے اس قول کو مقطوع قرار دیا ہے اور علامہ قیم نے اس قول کو صحیح ترین کہا ہے اور حافظ ابن حجر نے اسے معتمد کہا ہے۔ مگر ایک قول ہے کہ یہ غزوہ ۴ھ میں پیش آیا تھا۔ امام نووی نے کتاب روضہ میں اسی قول کی تصحیح کی ہے مگر بعض علماء نے اس قول کو عجیب کہا ہے کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ غزوہ بنی قریظہ ۵ھ میں ہوا تھا اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ غزوہ خندق کے بعد پیش آیا تھا۔ مگر یہاں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ یہ بھی تو ممکن ہے کہ غزوہ بنی قریظہ ۵ھ کے شروع میں ہوا ہو اور غزوہ خندق ۴ھ کے آخر میں واقع ہوا ہو' لہٰذا گویا غزوہ خندق ذی الحجہ میں ہوا ہو۔

ادھر جن لوگوں نے غزوہ خندق کو ۴ھ میں بتایا ہے انہوں نے ابن عمرؓ کی اس صحیح روایت کو دلیل بنایا ہے کہ غزوہ احد کے موقعہ پر انہیں آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا اس وقت ان کی عمر چودہ سال کی تھی اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کو جنگ میں شرکت کی اجازت نہیں دی۔ پھر جب غزوہ خندق پیش آیا تو ان کو پھر آپ کے سامنے پیش کیا گیا اس وقت ان کی عمر پندرہ سال تھی لہٰذا آنحضرت ﷺ نے انہیں اجازت دے دی۔ اب اس روایت سے معلوم ہوا کہ ان دونوں غزووں کے درمیان ایک سال کا فاصلہ تھا۔ اور غزوہ احد ۳ھ میں پیش آیا تو اس لحاظ سے غزوہ خندق ۴ھ میں ہوگا۔

غزوہ خندق میں نبوت کی نشانیاں...... اس غزوہ میں خندق کی کھدائی کے دوران جو نشانیاں ظاہر ہوئیں ان میں سے کچھ بیان ہو چکی ہیں۔ ان ہی میں ایک یہ ہے کہ بشیر ابن سعد کی بیٹی خندق کی کھدائی کے دوران ایک روز اپنے باپ اور ماموں کے کھانے کے لئے ایک پیالے میں کھجوریں لے کر آئیں آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ ادھر لاؤ۔ بنت بشیر نے وہ پیالہ آنحضرت ﷺ کے ہاتھوں پر الٹ دیا مگر کھجوریں اتنی نہیں تھیں کہ دونوں ہاتھ بھر جاتے آنحضرت ﷺ نے ایک کپڑا لگایا اور اس کو پھیلا دیا اس کے بعد آپ نے برابر کھڑے ہوئے آدمی سے کہا کہ اہل خندق میں پکار دو کہ کھانے کے لئے دوڑ آئیں چنانچہ جلد ہی سب لوگ جمع ہو گئے اور ان کھجوروں میں سے کھانے لگے آپ کھجوریں اس پر ڈالتے جاتے یہاں تک کہ تمام اہل خندق سیر ہو گئے اور کھجوریں کپڑے کے ادھر ادھر سے گر رہی تھیں۔ حالانکہ اہل خندق بھوک سے بیتاب ہو رہے تھے (اور اس حالت میں انہوں نے یہ کھجوریں کھائی تھیں) بعض صحابہ کہتے ہیں کہ تین دن سے ہم نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ خود آنحضرت ﷺ اس قدر بھوکے تھے کہ آپ نے پیٹ پر پتھر باندھ رکھے تھے۔

صوم وصال...... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: ابن حبان اپنی صحیح میں وہ حدیث نقل کرتے ہیں جس میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے صوم وصال یعنی مسلسل روزے کی ممانعت کی گئی ہے (صوم وصال کا مطلب ہے بغیر افطار کئے ایک کے بعد دوسرا روزہ مسلسل رکھنا۔ صحابہ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ آپ صوم وصال کیوں رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔

"میں تم جیسا نہیں ہوں۔ میں رات میں سوتا ہوں تو میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے!"

نبی پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے...... (یعنی آنحضرت ﷺ خود صوم وصال رکھتے تھے مگر امت کیلئے اسکی ممانعت فرمائی ہے)

قال۔ اب اس حدیث سے اس روایت کو باطل قرار دیا جاتا ہے جس کے مطابق آنحضرت ﷺ بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتے تھے کیونکہ جب آپ روزوں پر روزے رکھتے تو آپ کا رب آپ کو اس وقت بھی کھلاتا پلاتا تھا لہٰذا ایسی صورت میں جب آپ صوم وصال سے بھی نہیں ہوتے تھے اور بھوکے ہوتے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کا رب آپ سے بے پرواہ ہو یہاں تک کہ آپ کو پیٹ پر پتھر باندھنے پڑ جائیں۔

(قال) عربی میں پتھر کے لئے حجر کا لفظ استعمال ہوتا ہے لہٰذا کہتے ہیں کہ حقیقت میں حدیث میں لفظ حجر نہیں ہے بلکہ زا کے ساتھ لفظ حجز ہے جو ازار کے کنارے کو کہتے ہیں لہٰذا کسی راوی نے اس لفظ حجز کو حجر سمجھا اور پھر اس کی مناسبت سے اس میں بھوک کا لفظ بھی بڑھا دیا کہ آپ بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے۔

بہر حال اس سلسلے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کے پیٹ پر پتھر باندھنے کی روایت میں اور پروردگار کی طرف سے کھلائے پلائے جانے کی روایت میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ جب صوم وصال رکھتے تھے تو آپ کا رب آپ کو کھلاتا پلاتا تھا اور آپ ایسے رہتے تھے جیسے شکم سیر اور سیراب آدمی ہوتا ہے اور یہ آپ کے اعزاز کی وجہ سے تھا مگر ہمیشہ آپ پر یہ کیفیت نہیں رہتی تھی بلکہ بعض اوقات آپ کو بھوک کا احساس بھی ہوتا تھا جو اس ابتلاء اور آزمائش کے طور پر ہوتا تھا جس سے انبیاءؑ اس لئے دوچار کئے جاتے ہیں کہ ان کے ثواب میں اضافہ ہو۔ واللہ اعلم

جابر کی طرف سے دعوت اور نبی کا معجزہ...... ادھر جب حضرت جابر ابن عبداللہ کو آنحضرت ﷺ پر بھوک کی سختی کا علم ہوا تو انہوں نے ایک چھوٹی بکری کا گوشت اور ایک صاع گیہوں کی روٹیاں تیار کیں۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ (جب میں آنحضرت ﷺ کو بلانے گیا تو) میں چاہتا تھا کہ آپ میرے ساتھ تنہا آئیں، مگر جب میں نے آپ سے عرض کیا تو آپ کے حکم پر فوراً لوگوں میں پکار دیا گیا کہ سب لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جابر کے مکان پر پہنچ جائیں۔ جابرؓ کہتے ہیں میں نے یہ اعلان سن کر کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ادھر لوگ آنحضرت ﷺ کے ساتھ آ گئے۔ آنحضرت ﷺ جب بیٹھ گئے تو ہم نے وہ کھانا آنحضرت ﷺ کے سامنے نکال کر رکھا آپ نے بارک اللہ فرمایا پھر بسم اللہ پڑھی اور اس کے بعد کھانا شروع کیا ساتھ ہی دوسرے حاضرین نے کھانا شروع کیا اور پھر باری باری آنے والے کھا کھا کر جانے لگے یعنی ایک جماعت اسی کھانے سے سیر ہو گئی جن کی تعداد ایک ہزار تھی۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ سب نے کھانا کھایا اور پھر بھی بچ گئے۔ جب سب کھا کر چلے گئے تو ہم نے دیکھا کہ ہمارا کھانا بھی جوں کا توں رکھا تھا اور روٹیاں بھی جوں کی توں باقی تھیں۔

(قال) ایک روایت میں یوں ہے کہ جابر نے رسول اللہ ﷺ پر بھوک کی شدت دیکھی تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے گھر جانے کی اجازت چاہی آپ نے اجازت دے دی۔ جابرؓ کہتے ہیں کہ میں اپنی بیوی کے پاس آ کر کہنے لگا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بھوکا دیکھا ہے کیا تمہارے پاس کچھ کھانا ہے؟ انہوں نے کہا میرے پاس ایک صاع گیہوں ہے اور ایک بکری کا ایک سالہ بچہ ہے۔ میں نے فوراً بکری ذبح کی اور گیہوں کا آٹا گوندھا اور پھر گوشت ایک دیگچی میں ڈال کر چڑھا دیا۔ شام کو میں آپ ﷺ کے پاس آیا۔ میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

"یارسول اللہ! میرے پاس تھوڑا سا کھانا ہے لہٰذا آپ تشریف لایئے اور ساتھ میں بس ایک یا دو آدمی لے لیں۔

یہ سن آنحضرت ﷺ نے اپنی انگلیاں میری انگلیوں میں پروئیں اور پوچھا کہ کھانا کتنا ہے؟ میں نے مقدار بتلائی تو آپ نے فرمایا بہت کافی ہے مگر اپنی دیگچی ہرگز چولھے سے مت اتارنا اور نہ ہی اس آٹے کی روٹیاں بنانا یہاں تک کہ میں تمہارے پاس پہنچ جاؤں۔ پھر آنحضرت ﷺ نے پکار کر فرمایا:

"اے اہل خندق! جابر نے تمہارے لئے دعوت کا سامان کیا ہے اس لئے جلد چلو!"

اس کے بعد آنحضرت ﷺ لوگوں کے آگے آگے روانہ ہوئے۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ (چونکہ کھانا بہت تھوڑا سا تھا اور آنحضرت ﷺ نے سب لوگوں کو میری طرف سے دعوت دے کر بلایا تھا) اس لئے اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس وقت مجھے

کس قدر شرم آ رہی تھی کیونکہ مجھے فضیحت ہونے کا خوف ہو رہا تھا (مکان پر پہنچ کر) جب میں نے آٹا نکال کر سامنے رکھا تو آنحضرت ﷺ نے اس میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور بارک اللہ فرمایا پھر آپ دیگچی کی طرف بڑھے پھر اس میں بھی لعاب دہن ڈال کر بارک اللہ کہا۔ اس کے بعد آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ دس دس آدمی مکان کے اندر آتے رہو (اور کھاتے رہو۔ اس کے بعد سب لوگوں نے شکم سیر ہو کر کھایا اور کھانا جوں کا توں بچ رہا جیسا کہ گذشتہ حدیث میں گزرا) لوگ اسی طرح آتے تھے کہ ایک جماعت کھا کر چلی گئی پھر دوسری نے آ کر کھایا۔

اسی طرح ایک روز عامر اشہلی کی ماں نے آنحضرت ﷺ کو حیس کا بھرا ہوا ایک پیالہ بھیجا (حیس عربوں کا ایک کھانا تھا جو کھجور، گھی اور ستو سے تیار کیا جاتا تھا) اس وقت رسول اللہ ﷺ اپنے قبہ میں تھے اور آپ کے پاس حضرت ام سلمہؓ بھی تھیں حضرت ام سلمہؓ نے پیالہ میں پیٹ بھر کر کھایا پھر آپ پیالہ لے کر باہر آئے اور آپ کی طرف سے ایک شخص نے پکار کر لوگوں سے کہا کہ رات کا کھانا کھانے کے لئے دوڑ آؤ چنانچہ سب اہل خندق نے آ کر اس میں سے کھایا اور اس کے باوجود پیالہ میں کھانا جوں کا توں باقی رہا۔

آنحضرت ﷺ کے نام ابوسفیان کا خط...... (قال) غرض وہاں سے بھاگتے ہوئے ابوسفیان نے رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک خط بھیجا جس میں لکھا تھا:

باسمك اللهم یعنی اے اللہ تیرے نام سے شروع کرتا ہوں۔

میں لات و عزی۔ نیز ایک روایت کے مطابق۔ اور اساف و نائلہ بتوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ایک زبردست لشکر لے کر تمہارے مقابلے پر آیا تھا اور یہ سوچ کر آیا تھا کہ اب میں اس وقت تک واپس نہیں جاؤں گا جب تک تمہیں نیست و نابود نہیں کر لوں گا مگر میں نے دیکھا کہ تم نے ہمارے مقابلے پر آنا پسند نہیں کیا بلکہ خندق کے ذریعہ اپنا بچاؤ کر کے بیٹھ گئے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ اور ایک ایسی جنگی چال کے ذریعہ محفوظ ہو کر بیٹھ گئے جس کو عرب کے لوگ اب سے پہلے جانتے بھی نہیں تھے۔

چونکہ تم عربوں کے نیزوں کی تیزی اور ان کی تلواروں کی دھار سے واقف ہو اس لئے ہماری تلواروں سے بچنے اور ہمارے مقابلے سے گریز کرنے کے لئے تم نے یہ خندق کی چال چلی ہے۔ اب میں تمہیں احد کے دن جیسے ایک دن یعنی مقابلے کی دعوت دیتا ہوں!"

ابوسفیان کے نام نبی ﷺ کا جوابی خط...... اس خط کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے ابوسفیان کو جو والا نامہ بھیجا اس کے الفاظ یہ ہیں:

"محمد رسول اللہ کی جانب سے صخر ابن حرب کے نام (علامہ جوزی کے کلام میں صخر ابن حرب ہی ہے)

امابعد! میرے پاس تمہارا خط پہنچا۔ تمہیں شیطان نے بہت پہلے سے اللہ کی طرف سے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے تم نے لکھا ہے کہ تم ہمارے مقابلے پر آئے اور یہ چاہتے تھے کہ اس وقت تک واپس نہیں جاؤ گے جب تک ہمیں نیست و نابود نہیں کر لو گے۔ تو یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کو اللہ نے تمہارے اور اپنے درمیان ہی سربستہ رکھا ہے اور اس کا انجام ہمارے حق میں ظاہر فرمائے گا تمہارے اوپر وہ دن ضرور آئے گا جب میں لات و عزی اور اساف و نائلہ اور ہبل کے سر توڑ دوں گا اور اے بنی غالب کے بے وقوف۔ اس وقت میں ضرور تجھے یاد کروں گا!"

غزوہ بنی قریظہ

یہ مدینے میں رہنے والا یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا جو قبیلہ اوس کا حلیف اور دوست تھا۔ اس وقت قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد ابن معاذ تھے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے رسول اللہ ﷺ جب غزوہ خندق سے فارغ ہو کر واپس تشریف لائے تو یہ دوپہر کا وقت تھا آپ نے ظہر کی نماز پڑھی اور حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں داخل ہو گئے۔ ایک قول ہے کہ حضرت زینب بنت جحشؓ کے حجرے میں گئے تھے وہاں پہنچ کر آپ نے پانی منگایا آنحضرت ﷺ نے غسل شروع کیا اور ابھی سر کے ایک ہی حصے پر پانی ڈالا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ۔ آپ غسل کے دوران سر میں کنگھی کر رہے تھے اور سر کے ایک حصے میں کر چکے تھے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ سر دھو لیا تھا اور غسل کر چکے تھے اور سنکائی کے لئے انگیٹھی منگائی تھی کہ اچانک جبرئیلؑ سیاہ رنگ کا ریشمی عمامہ باندھے ہوئے آپ کے پاس تشریف لائے۔ یہاں استبرق کا لفظ استعمال ہوا ہے جو ریشمین کتان کی ایک قسم ہوتی ہے۔ اس عمامے کا پلہ دونوں شانوں کے درمیان لٹکا ہوا تھا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ جبرئیلؑ اپنی زرہ اور خود پہنے ہوئے تھے۔ مگر ان دونوں روایتوں سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ممکن ہے انہوں نے خود کے اوپر عمامہ لپیٹ رکھا ہو۔!

غرض جبرئیلؑ ایک سفید رنگ کے خچر پر سوار تھے جس پر کتان کی زین اور جھول پڑی ہوئی تھی ایک روایت میں ہے کہ وہ سیاہ و سفید گھوڑے پر سوار آئے تھے۔ جبرئیلؑ نے آکر آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ نے ہتھیار اتار دیئے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں! جبرئیلؑ نے کہا کہ میں نے تو ہتھیار نہیں رکھے ہیں۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ اللہ کے فرشتوں نے تو ابھی تک ہتھیار نہیں رکھے ہیں۔

بنی قریظہ پر حملہ کے لئے جبرئیلؑ کا پیغام...... (قال) ایک روایت میں یوں ہے کہ جبرئیلؑ نے آپ سے عرض کیا:

"اے رسول! آپ نے کس قدر جلد ہتھیار اتار دیئے۔ اللہ تعالیٰ آپ سے درگزر فرمائے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ اللہ آپ کی مغفرت فرمائے۔ کیا آپ نے ہتھیار رکھ دیئے ہیں جب کہ ابھی فرشتوں نے ہتھیار نہیں رکھے!"

آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ جبرئیلؑ نے کہا خدا کی قسم ہم نے ابھی نہیں رکھے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ فرشتوں نے اس وقت سے ہتھیار نہیں رکھے جب سے دشمن آپ کے مقابلے پر آیا ہے اور اب بھی ہم دشمن کا پیچھا کر رہے تھے یہاں تک کہ جب وہ حمراء اسد کے مقام تک پہنچ گئے تو ہم لوٹے ہیں۔ اے محمد! اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ بنی قریظہ کے مقابلے کے لئے کوچ کریں میں بھی وہیں جا رہا ہوں۔ ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ۔ میرے ساتھ کچھ دوسرے فرشتے بھی ہیں جو جا رہے ہیں' ہم ان کے قلعوں کو ہلا ڈالیں گے۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جبرئیلؑ سے فرمایا:

"میرے اصحاب بہت تھکے ہوئے ہیں اس لئے آپ انہیں کچھ دن کی مہلت دے دیں۔!

جبرئیلؑ نے کہا:

"آپ فوراً ان کی طرف بڑھئے خدا کی قسم میں انہیں پیس کر پامال کر ڈالوں گا۔ اور میں اپنا یہ گھوڑا ان کے قلعوں میں گھس کر ان پر چڑھا دوں گا اور ان سب کو نیست و نابود کر دوں گا"۔

اس کے بعد جبرئیلؑ اپنے ہمراہی فرشتوں کے ساتھ لوٹے یہاں تک کہ بنی غنم کی گلی میں اپنے پیچھے اٹھنے والے غبار میں غائب ہوگئے۔ یہ بنی غنم انصاریوں کا ایک خاندان تھا۔ بخاری کی روایت میں حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ گویا میں (یہ بات بیان کرتے ہوئے) اب بھی اس غبار کو دیکھ رہا ہوں جس نے بنی غنم کی گلی میں اس وقت جبرئیلؑ کی چال کو اپنے دامن میں چھپالیا تھا جب کہ وہ بنی قریظہ کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ یہ مَوکب جبرئیل کہا گیا ہے مَوکب چال کی ایک قسم ہے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جس روز رسول اللہ ﷺ غزوہ خندق سے فارغ ہو کر واپس لوٹے تو آپ میرے پاس تشریف فرما تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ اسی وقت کسی پکارنے والے نے اس جگہ سے آواز دی جہاں جنازوں کی نماز پڑھی جاتی تھی کہ جنگ کے مقابلے میں ہتھیار اتارنے کے لئے آپ کے پاس کیا عذر ہے؟

اس آواز پر آنحضرت ﷺ لرز گئے اور اپنی عادت کے خلاف جلدی سے گھبرا کر اٹھے آپ باہر نکلے تو میں بھی آپکے پیچھے پیچھے باہر آئی، وہاں ایک شخص سواری پر سوار کھڑا تھا اور رسول اللہ ﷺ اس کی سواری سے ٹیک لگائے کھڑے تھے اور اس شخص سے باتیں کر رہے تھے میں فوراً واپس حجرہ میں آگئی جب آپ واپس اندر آئے تو میں نے آپ سے پوچھا کہ یہ کون شخص تھا جس سے آپ باتیں کر رہے تھے؟ آپ نے فرمایا تم نے اسے دیکھا تھا؟ میں نے کہا ہاں۔ آپ نے پوچھا تمہیں اس میں کس کی شباہت آئی؟ میں نے کہا دحیہ کلبی کی۔ آپ نے فرمایا وہ جبرئیلؑ تھے جنہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں بنی قریظہ کے مقابلہ کیلئے جاؤں۔

بنی قریظہ کی طرف کوچ کا اعلان...... اس روایت سے اس بات کی بھی تائید ہوتی ہیکہ غزوہ خندق سے واپسی پر آپ حضرت عائشہؓ کے پاس تھے، غرض اسکے بعد آنحضرت ﷺ نے موذن یعنی حضرت بلالؓ کو ہدایت فرمائی جیسا کہ سیرت دمیاطی میں ہے۔ اور انہوں نے لوگوں میں اعلان کیا کہ اس اعلان کو سننے والا ہر اطاعت گزار شخص عصر کی نماز۔ اور ایک روایت کے مطابق۔ ظہر کی نماز بنی قریظہ کے محلے میں پڑھے۔

کتاب نور میں ہے کہ ان دونوں باتوں میں اس طرح موافقت ہو جاتی ہے کہ یہ اعلان اور حکم ظہر کا وقت شروع ہونے کے بعد کیا گیا تھا جب کہ کچھ لوگ ظہر کی نماز پڑھ چکے تھے اور کچھ لوگوں نے نہیں پڑھی تھی۔ لہٰذا جن لوگوں نے ظہر پڑھ لی تھی ان سے کہا کہ عصر کی نماز بنی قریظہ میں پڑھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ۔ اس دن رسول اللہ ﷺ نے ایک اعلان کرنے والے کے ذریعہ اعلان کرایا کہ اے اللہ کے لشکر کے سوارو! سوار ہو جاؤ۔ اس کے بعد آپ نے بنی قریظہ کی طرف کوچ کیا۔

یہود کے مقابلہ کے لئے مسلم لشکر...... آنحضرت ﷺ نے جو ہتھیار لگائے ان میں زرہ بکتر اور گلوبند بھی تھا آپ نے اپنے دست مبارک میں نیزہ لیا تلوار گلے میں حمائل فرمائی اور اپنے گھوڑے نُحیف پر سوار ہوئے۔ ایک قول ہے کہ آپ ایک گدھے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہوئے جو یعفور تھا۔

آنحضرت ﷺ کے گرد دوسرے لوگ بھی ہتھیار لگائے اور گھوڑوں پر سوار موجود تھے صحابہ کی تعداد تین ہزار تھی جن میں چھتیس گھوڑے سوار تھے ان میں سے تین گھوڑے آنحضرت ﷺ کے تھے۔ اس غزوہ کے مواقعہ پر آپ نے حضرت ابن ام مکتومؓ کو مدینے میں اپنا قائم مقام بنایا۔

آنحضرت ﷺ کے آگے آگے حضرت علیؓ پرچم لئے ہوئے بنی قریظہ کے طرف روانہ ہوئے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے وہی پرچم حضرت علیؓ کو عنایت فرمایا جو غزوہ خندق کا پرچم تھا اور جو خندق سے واپسی کے بعد ابھی تک کھولا بھی نہیں گیا تھا۔

آنحضرت ﷺ کچھ صحابہ کے ساتھ بنی نجار کے محلے میں سے گزرے تو اس وقت بنی نجار کے لوگ ہتھیار لگائے تیار کھڑے تھے آپ نے ان سے پوچھا کہ کیا کوئی شخص تمہارے پاس ہو کر گیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں دحیہ کلبیؓ ایک سفید خچر پر سوار آئے تھے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ زرہ پہنے ہوئے سفید گھوڑے پر سوار آئے تھے اور ہمیں حکم دے گئے تھے کہ ہم ہتھیار لگا کر تیار ہو جائیں۔ ساتھ ہی وہ کہہ گئے تھے کہ عنقریب رسول اللہ ﷺ تمہارے پاس آئیں گے' لہٰذا ہم نے ہتھیار لگائے اور صفیں باندھ کر کھڑے ہو گئے۔

آپ نے فرمایا:

"وہ جبرئیلؑ تھے جن کو بنی قریظہ کے قلعوں کو ہلا ڈالنے کیلئے اور انکے دلوں کو رعب وخوف سے بھر دینے کیلئے بھیجا گیا ہے"

حضرت علیؓ جو آگے روانہ ہو چکے تھے جب مہاجرین وانصار کے ایک دستے کے ساتھ بنی قریظہ کے قلعہ کے سامنے پہنچے اور قلعہ کی دیوار کے نیچے انہوں نے پرچم نصب کیا تو انہوں نے سنا کہ بنی قریظہ کے یہودی رسول اللہ ﷺ اور آپ کی ازواج مطہرات کے بارے میں انتہائی بیہودہ کلمات اور گالیاں بک رہے ہیں مسلمان یہ آوازیں سنتے ہی خاموش ہو گئے اور پھر یہودیوں کو پکار کر کہنے لگے کہ اب ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار ہے۔ پھر حضرت علیؓ نے رسول اللہ ﷺ کو آتے دیکھا تو انہوں نے پرچم کی نگرانی حضرت ابو قتادہ انصاریؓ کے سپرد کی اور پھر خود آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ کر بولے کہ یارسول اللہ ﷺ ان خبیثوں اور بدبختوں کے قریب بالکل نہ جائیں۔ آپ نے فرمایا شاید تم نے میرے متعلق ان کی زبان سے بری باتیں سنی ہیں۔

حضرت علیؓ نے عرض کیا:

"ہاں یارسول اللہ۔ لیکن اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو اس قسم کی باتیں ہرگز نہ کہتے!"

یہود بندروں اور خنزیروں کے بھائی...... اس کے بعد جب آنحضرت ﷺ ان کے قلعہ اور حویلیوں کے قریب پہنچ گئے تو آپ نے یہودیوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے بندروں کے بھائیو! کیا اللہ تعالیٰ نے تم پر اپنی بربادی نازل فرما کر تمہیں رسوا اور ذلیل نہیں فرمادیا؟ (قال) ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہودیوں کے کچھ معزز لوگوں کو بلند آواز سے پکارا تاکہ وہ آپ کی آواز سن لیں اور فرمایا:

"اے خنزیروں اور بندروں کے بھائیو! اور اے غیر اللہ کے پوجنے والو' کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں رسوا کر کے تم پر بربادی نازل نہیں فرمادی کہ تم لوگ مجھے برا بھلا کہتے اور گالیاں دیتے ہو!"۔

اس پر وہ لوگ حلف اٹھانے اور قسمیں کھانے لگے کہ ہم نے ایسا نہیں کہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اے ابوالقاسم تم تو ناتجربہ کار اور جاہل نہیں تھے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ تم تو بدزبان نہیں تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پہلے حضرت اسیدؓ ابن حضیر یہودیوں کے قریب گئے اور کہنے لگے:

"تمہیں قلعہ بند ہو جانے سے اس سے زائد کوئی فائدہ نہیں ہو گا کہ تم بھوک پیاس سے یہیں مر جاؤ گے اور تمہاری حیثیت ایسی ہی ہے جیسے بھٹ میں چھپی لومڑی کی ہوتی ہے"۔

یہودیوں نے کہا ابن حضیر ہم تمہارے غلام ہیں' اس کے ساتھ ہی وہ لوگ رونے اور گڑگڑانے لگے۔ حضرت اسیدؓ نے کہا کہ میرے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہے۔ حضرت اسیدؓ کا یہودیوں کے پاس پہنچنا ممکن ہے حضرت علیؓ سے بھی پہلے ہو مگر یہ بھی ممکن ہے کہ وہ حضرت علیؓ کے بعد پہنچے ہوں۔

یہود کو بندر و خنزیر کہنے کی وجہ...... آنحضرت ﷺ نے ان یہودیوں کو بندروں اور خنزیروں کا بھائی اس لئے فرمایا تھا کہ یہودیوں نے جب سبت یعنی سنیچر کے دن مچھلی کا شکار کر کے مذہبی پابندی کو توڑ دیا تو حق تعالیٰ نے ان کے نوجوانوں کی شکلیں بگاڑ کر انہیں بندروں کی صورت بنا دیا تھا یہ سزا بنی اسرائیل کو اس لئے دی گئی تھی کہ انہوں نے سبت یعنی سنیچر کے دن کی بے حرمتی کی تھی جب کہ حق تعالیٰ نے ان کو حکم دیا تھا کہ یہود اس دن اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے اپنے آپ کو دوسرے سب کاموں سے فارغ رکھا کریں۔

یہ واقعہ حضرت داؤدؑ کے زمانے کا ہے۔ غرض جب یہودی نوجوانوں اور بوڑھوں کی شکلیں بگڑ گئیں تو وہ حیران و پریشان ہو کر اپنی بستی سے نکل کھڑے ہوئے۔ یہ لوگ تین دن تک چلتے رہے جن میں نہ انہوں نے کچھ کھایا نہ پیا آخر اسی سرگردانی میں مر گئے۔ یہ واقعہ ان لوگوں کی دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ وہ شخص جس کی شکل مسخ کر دی گئی یعنی بگاڑ دی گئی ہو تو تین دن سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا اور نہ ہی اس سے نسل کا سلسلہ چل سکتا ہے۔

کتاب کشاف میں ہے کہ ایک قول کے مطابق ایلہ کے رہنے والوں نے جو مصر اور مدینہ کے درمیان ایک بستی تھی جب سنیچر کے دن بھی سرکشی کی تو داؤدؑ نے ان کے لئے بددعا کرتے ہوئے کہا اے اللہ ان لوگوں پر لعنت فرما اور انہیں لوگوں کے لئے عبرت کی نشانی بنا دے۔ اس بددعا کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں کی صورتیں مسخ کر کے انہیں بندر کی شکل کا بنا دیا گیا۔ پھر جب عیسیٰؑ کی قوم نے دستر خوانی نعمتوں کے بعد بھی کفر کیا تو عیسیٰؑ نے ان کے لئے بددعا کی کہ اے اللہ جس شخص نے دستر خوانی نعمتوں کے بعد بھی کفر کیا اس کو ایسا عذاب دے کہ سارے عالم میں کسی کو نہ دیا گیا ہو اور ان پر اسی طرح لعنت فرما جس طرح سبت والوں پر تو نے لعنت فرمائی تھی۔ اس بددعا کے نتیجہ میں وہ لوگ خنزیر کی صورت بنا دیئے گئے۔ ان لوگوں کی تعداد پانچ ہزار تھی مگر ان میں ایک بھی عورت یا بچہ نہ تھا۔ یہاں تک کشاف کا حوالہ ہے جو قابل غور ہے۔ غرض پھر ان لوگوں پر تین دن ایسی حالت میں گزرے جس میں انہوں نے نہ کھایا نہ پیا آخر اسی حالت میں مر گئے۔

حکم رسول اور عصر کی نماز...... ادھر صحابہ کی ایک جماعت ایسی تھی جو کسی نہ کسی مشغولیت کی وجہ سے بنی قریظہ کی طرف اعلان سنتے ہی کوچ نہ کر سکے کہ وہاں عصر کی نماز پڑھیں مگر انہوں نے عصر کی نماز موخر کی یہاں تک کہ وہ لوگ عشاء کے بھی بعد وہاں پہنچے جب کہ انہوں نے اب تک عصر کی نماز صرف اس لئے نہیں پڑھی تھی کہ آنحضرت ﷺ کے حکم کے مطابق عصر کی نماز تو بنی قریظہ کے محلے میں پڑھنی تھی لہٰذا یہاں پہنچ کر انہوں نے عشاء کے بعد عصر کی نماز پڑھی۔ بعض صحابہ نے کہا کہ ہم تو عصر کی نماز پڑھ کر چلیں گے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا مقصد یہ نہیں تھا کہ ہم اس وقت نماز چھوڑ دیں اور وقت نکلنے کے بعد قضا پڑھیں۔ بلکہ آپ کا منشاء حقیقت میں یہ تھا کہ لوگ کوچ کرنے میں جلدی کریں لہٰذا انہوں نے گھروں ہی میں نماز پڑھ لی اور پھر کوچ کیا۔ مگر حق تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو اپنی کتاب یعنی قرآن میں سرزنش نہیں کی نہ ہی رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں سے باز پرس کی کیونکہ دونوں ہی قسم کے لوگوں نے اپنی اپنی جگہ پر آپؐ کے حکم کو معنی پہنائے تھے۔

کتاب ھدیٰ میں کہا گیا ہے کہ دونوں قسم کے حضرات کو ان کے ارادے میں ثواب ملے گا البتہ جن لوگوں نے وقت پر عصر پڑھ لی ان کو دونوں فضیلتیں حاصل ہوئیں اور جن لوگوں نے عصر کی نماز کو موخر کر دیا یعنی اس کو تاخیر سے پڑھا ان کو اس سے سرزنش نہیں کی گئی کہ ان کے پاس یہ عذر تھا کہ ہم نے حکم کے ظاہری الفاظ پر عمل کیا ہے یہ بات اس کی دلیل ہے کہ فروعی اور جزئی مسائل میں مجتہدوں کا جو اختلاف ہوتا ہے وہ اجتہادی ہوتا ہے اور اس اختلاف میں وہ صحیح ہوتے ہیں۔

ادھر ابن تین نے دعویٰ کیا ہے کہ جن لوگوں نے عصر کی نماز پڑھی انہوں نے سواریوں کی پشت پر پڑھی تھی وہ کہتے ہیں کہ اگر صحابہ سواریوں سے اتر کر نماز پڑھتے تو آنحضرت ﷺ کے حکم کی جو روح تھی یعنی جلدی کوچ کرنا وہ پوری نہ ہوتی مگر صحابہ کے مسائل کے سمجھنے کی جو مناسبت تھی یہ بات اس کے لحاظ سے قرین قیاس نہیں۔ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ اس بارے میں شبہ ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے یہ حکم نہیں دیا تھا کہ سواریوں سے نہ اتریں۔ نیز میں نے اس واقعہ سے متعلق کسی بھی حدیث میں یہ نہیں دیکھا کہ صحابہ نے سواریوں کے اوپر ہی بیٹھے بیٹھے نماز پڑھی تھی۔ اب کچھ لوگ اس کی وجہ جلدی کو بتلاتے ہیں تو جلدی کا تقاضہ تو یہ ہے کہ صحابہ نے چلتی ہوئی سواریوں کی پشت پر نماز پڑھی ہو گی سواریوں کو روک کر ان کے اوپر نماز پڑھنے سے جلدی کا تقاضہ پورا نہیں ہوتا۔

بنی قریظہ کا شدید محاصرہ...... غرض رسول اللہ ﷺ نے پچیس رات تک۔ اور ایک روایت کے مطابق۔ پندرہ دن تک بنی قریظہ کا محاصرہ کیا۔ ایک قول ایک مہینہ کا بھی ہے۔ اس عرصہ میں صحابہ کا جو کھانا تھا وہ کھجوریں تھیں جو حضرت سعد ابن عبادہؓ ان کو بھیجتے تھے یعنی ان کے یہاں سے کھجوریں آیا کرتی تھیں۔ اسی موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بہترین کھانا کھجور ہے۔

کعب کی یہود کو فہمائش...... آخر یہودی محاصرہ کی تنگی سے پریشان ہو گئے اور ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا رعب اور خوف پیدا کر دیا۔ ادھر جب احزابی لشکر مدینے کے سامنے سے واپس ہو گیا تھا تو حیی ابن اخطب بنی قریظہ کے پاس ان کے قلعہ میں آگیا تھا کیونکہ اس نے کعب سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ان کا احسان دے گا جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

آخر جب بنی قریظہ کو یقین ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ ان کو سزا دیئے اور جنگ کئے بغیر واپس نہیں جائیں گے تو بنی قریظہ کے سردار کعب ابن اسید نے ان سے کہا کہ اے گروہ یہود! تم پر جو مصیبت نازل ہوئی ہے اس سے نجات کے لئے میں تمہارے سامنے تین صورتیں رکھتا ہوں ان میں سے جو تم پر آسان ہو اختیار کر لو۔ لوگوں نے پوچھا وہ کیا ہیں۔ تو کعب نے کہا کہ پہلی صورت یہ ہے کہ ہم اس شخص یعنی محمد ﷺ کی پیروی قبول کر لیں اور ان کی نبوت کی تصدیق کریں کیونکہ خدا کی قسم تم یہ بات اچھی طرح سمجھ چکے ہو کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے نبی ہیں کہ یہ وہی ہیں جن کا ذکر تمہاری کتابوں میں موجود ہے۔ اس طرح تمہاری جانیں تمہارے مال اور تمہاری عورتیں و بچے سب محفوظ ہو جائیں گے۔ ایک روایت میں یہ لفظ بھی ہیں کہ۔ حقیقت میں ہم لوگوں نے محمد ﷺ کو آج تک صرف عربوں سے حسد کی بنا پر نہیں مانا کیونکہ وہ بنی اسرائیل میں سے نہیں ہیں۔ میں بدعہدی کو خود ناپسند کرتا تھا مگر یہ ساری نحوست اور بربادی صرف اس شخص کی لائی ہوئی ہے جو یہاں بیٹھا ہے یعنی حیی ابن اخطب۔ کیا تمہیں یاد ہے ایک دفعہ جب ابن خراش تمہارے پاس آیا تھا تو اس نے کہا تھا کہ اس بستی سے ایک نبی ظاہر ہو گا اس کی اطاعت کرنا اور اس کے مددگار بننا اور پہلی کتاب اور آخری کتاب یعنی توریت اور قرآن کے ماننے والوں سے بننا (یعنی توریت کو تم مانتے ہی ہو' قرآن کی بھی تصدیق کرنا)۔ بنی قریظہ کے یہودی اپنی کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر دیکھتے تھے اور اس کو سنایا کرتے تھے اور اپنے بچوں کو آپ کا حلیہ اور چال ڈھال بتلایا کرتے تھے نیز کہا کرتے تھے کہ آپ کی ہجرت گاہ مدینہ ہو گی اس بارے میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ بنی قریظہ' بنی نضیر اور فدک اور خیبر کے یہودی آپ کے ظہور سے بھی پہلے سے آپ کا حلیہ اور آپ کی چال ڈھال کو جانتے تھے اور یہ جانتے تھے کہ آپ کی ہجرت گاہ مدینہ ہو گی۔

کعب کی تجویزیں...... غرض جب کعب نے یہ پہلی صورت قوم کے سامنے رکھی تو لوگوں نے کہا کہ توریت کے مذہب کو ہم کبھی نہیں چھوڑیں گے اور نہ اس کی جگہ کسی دوسری کتاب کو مانیں گے۔ پھر کعب نے کہا کہ اگر تم اس کو نہیں مانتے تو آؤ ہم اپنی

عورتوں اور بچوں کو خود قتل کر دیں اور اس کے بعد محمد ﷺ اور ان کے اصحاب سے مقابلے کے لئے تلواریں سونت کر قلعہ سے باہر نکل جائیں۔ اس طرح ہمارے پیچھے عورتوں بچوں کا کوئی بوجھ نہیں ہوگا اور ہم اطمینان سے لڑیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور محمد ﷺ کے درمیان فیصلہ فرمادے۔ اگر ہم ہلاک ہوگئے تو بلا سے ہو جائیں ہمارے پیچھے کوئی نسل یعنی بچے وغیرہ تو نہیں ہوں گے جن کا ہمیں خیال رہے اور اگر ہم فتح یاب ہوگئے تو خدا کی قسم عورتیں اور بچے ہمیں بہت مل جائیں گے۔

اس تجویز پر لوگوں نے کہا کہ کیا ہم ان بے چارے معصوموں کو قتل کر ڈالیں؟ ان کے بعد پھر زندگی کا کیا مزہ رہے گا؟ کعب نے کہا اگر تم اس سے بھی انکار کرتے ہو تو تیسری بات یہ ہے کہ آج سنیچر کی رات ہے اور ممکن ہے کل ہمارا یوم سبت ہونے کی وجہ سے محمد ﷺ اور ان کے اصحاب آج غافل ہوں (کیونکہ سب جانتے ہیں کہ یہودی یوم سبت یعنی سنیچر کے دن کوئی خوں ریزی وغیرہ نہیں کرتے) اس لئے قلعہ سے نکلو اور ان پر حملہ کر دو ممکن ہے ہم محمد اور ان کے اصحاب کو غفلت میں مار لیں۔

قوم نے کہا کیا ہم اپنے مقدس یوم سبت میں خون ریزی اور فساد کریں اور ایسی حرکت کریں جو ہمارے سے پہلوں میں کسی نے نہیں کی سوائے ایک گروہ کے جس کو سب ہی جانتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ اس حرکت کے نتیجہ میں ان کی صورتیں مسخ کر دی گئی تھیں اور چہرے بگاڑ دیئے گئے تھے۔

عمرو ابن سعدی کی فہمائش..... (قال) عمرو ابن سعدی نے بنی قریظہ سے یہ کہا کہ محمد ﷺ کے ساتھ تمہارا جو معاہدہ تھا تم نے اس کو توڑ ڈالا ہے مگر میں تمہارے ساتھ اس میں شریک نہیں تھا۔ اب اگر تم محمد ﷺ کے دین میں داخل نہیں ہونا چاہتے تو اپنی یہودی مذہب پر ہی قائم رہو مگر مسلمانوں کو جزیہ کی رقم دے کر ان کی ذمہ داری میں آجاؤ۔ خدا کی قسم یہ تو میں نہیں جانتا کہ وہ جزیہ کی پیشکش قبول کریں گے یا نہیں مگر کوشش کر دیکھو۔ لوگوں نے کہا خدا کی قسم ہم عربوں کو اپنی جانوں کی حفاظت کا خراج دے کر ان کی غلامی قبول نہیں کر سکتے۔ اس سے تو کہیں بہتر ہے کہ ہم قتل ہو جائیں اس پر عمرو ابن سعدی نے کہا کہ بس تو پھر میں تم سے بری ہوں۔

اس کے بعد عمرو اسی رات قلعہ سے باہر نکلا راہ میں آنحضرت ﷺ کے حفاظتی دستہ کی طرف اس کا گذر ہوا اس دستہ کے سردار محمد ابن مسلمہؓ تھے۔ محمد ابن مسلمہ نے عمرو کو دیکھ کر پوچھا کون ہے؟ اس نے کہا میں عمرو ابن سعدی ہوں! ابن مسلمہؓ نے کہا جاؤ۔ اے اللہ! مجھے معزز لوگوں کی عزت افزائی سے محروم نہ فرمائیے۔ یہ کہہ کر ابن مسلمہ نے اس کا راستہ چھوڑ دیا۔ اس کے بعد کچھ معلوم نہیں کہ اس شخص کا کیا حشر ہوا اور یہ کہاں گیا۔ ایک قول ہے کہ پھر بعد میں اس کا ہڈیوں کا ڈھانچہ ملا۔ اس بات کی خبر آنحضرت ﷺ کو دی گئی تو آپ نے فرمایا کہ اللہ نے اس شخص کو اس کی وفات کے ذریعہ نجات دے دی۔

ایک قول ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بنی قریظہ کا محاصرہ کرنے سے پہلے عمرو نے یہودیوں سے کہا تھا کہ اے بنی قریظہ! میں نے ایک عبرتناک منظر دیکھا جب مجھے بنی نضیر کے اپنے بھائیوں کے مکانات خالی نظر آئے جب ایک وقت تھا کہ ان کی عزت و شوکت مدتوں سے چلی آرہی تھی' ان کی سمجھ بوجھ اور عقل اور فراست کا شہرہ تھا لیکن اب وہ اپنا مال و دولت اور جائیدادیں چھوڑ کر جا چکے ہیں جن پر غیروں نے قبضہ کر لیا ہے وہ لوگ بڑی ذلت و رسوائی کے ساتھ یہاں سے نکلے۔ توریت کی قسم! ایسی تباہی اس قوم پر ہرگز کبھی نہیں آئی جس کی اللہ تعالیٰ کو ضرورت ہو۔ بنی قینقاع کے ساتھ بھی یہی کچھ ہو چکا ہے حالانکہ ان کی بڑی تعداد تھی اور اپنے اسلحہ اور ہتھیاروں کی کثرت پر انہیں ناز تھا مگر انہیں آنحضرت ﷺ سے گفت و شنید کرنی پڑی اور آخر ان سب کو یثرب یعنی مدینے سے جلاوطن کر کے ہی چھوڑا گیا۔ اے قوم کے لوگو! تم سب کچھ دیکھ چکے ہو اس لئے

آؤ میری بات مانو ہم محمد ﷺ کی اطاعت اور پیروی کرلیں۔ خدا کی قسم تم جانتے ہو کہ وہ نبی ہیں اور ان کی نبوت کے متعلق ہمارے علماء بشارتیں اور خوش خبریاں دیتے آرہے ہیں۔

اس طرح عمرو ابن سعدی اپنی قوم کو جنگ کی تباہ کاریاں گرفتاری وغلامی اور جلاوطنی سے ڈراتا اور سمجھاتا رہا۔ پھر وہ کعب ابن اسید کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ قسم ہے اس توریت کی جو میدان سینا کے کوہ طور پر موسیٰؑ نازل ہوئی تھی کہ اسی بات میں سارے جہاں کا عزو شرف ہے۔ (جو محمد ﷺ کہتے ہیں)

یہود کی زود پشیمانی اور آنحضرت ﷺ کا انکار...... ابھی یہ لوگ اسی قسم کی باتیں کررہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی آمد اوران کی حویلیوں کے محاصرہ کی خبر ملی۔ اس وقت عمرو نے کہا کہ میں یہی بات تم سے کہتا تھا جب رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کا محاصرہ کرایا تو ایک قول کے مطابق بنی قریظہ نے آپ کے پاس نباش ابن قیس کو قاصد بنا کر بھیجا اور کہلایا کہ جس شرط پر آپ نے بنی نضیر کو جانے کی اجازت دے دی تھی اسی پر ہمیں بھی اجازت دے دیجئے کہ سوائے ہتھیاروں کے جو سامان اونٹوں پر بار ہوسکے ہم وہ لے کر یہاں سے جلاوطن ہو جائیں۔ مگر آنحضرت ﷺ نے ان کا خون معاف کرنے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام نہ بنانے سے انکار فرمادیا۔ تب یہود نے دوسرا پیغام بھیجا کہ اچھا نہ ہم مال واسباب لے جائیں گے اور نہ ہتھیار لے جائیں گے اور نہ اور ہی کوئی چیز لیں گے (صرف اپنی جانیں بچا کر لے جانا چاہتے ہیں) مگر آنحضرت ﷺ نے اس سے بھی انکار فرمادیا اور کہلایا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے حکم پر باہر نکل آئیں۔ آخر نباش یہی جواب لے کر واپس آگیا۔

ابولبابہ کو بلانے کی درخواست...... اس کے بعد بنی قریظہ نے آنحضرت ﷺ کے پاس کہلایا کہ آپ ابولبابہؓ کو ہمارے پاس بھیج دیں جن کا نام رفاعہ ابن منذر تھا تاکہ ہم اپنے معاملہ میں ان سے مشورہ کریں۔ یہ ابولبابہ قبیلہ اوس اور بنی قریظہ کے دوست اور حلیف تھے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ ابولبابہ بنی قریظہ کے بہی خواہوں میں سے تھے کیونکہ ان کا مال ودولت اولاد اور خاندان کے لوگ بنی قریظہ میں تھے۔ غرض آنحضرت ﷺ نے ابولبابہؓ کو بنی قریظہ کے پاس بھیج دیا جیسے ہی یہود نے ان کو دیکھا وہ سب ان کے گرد جمع ہوگئے اور عورتیں و بچے روتے ہوئے ان کی طرف جھپٹے کیونکہ وہ سب محاصرہ کی تنگی سے پریشان ہو چکے تھے اور مال ومتاع ختم ہو رہا تھا۔ حضرت ابولبابہؓ کو ان کی حالت دیکھ کر ان پر رحم آیا۔ ان لوگوں نے کہا کہ ابولبابہ تمہاری کیا رائے ہے؟ آیا ہم محمد ﷺ کے حکم پر قلعہ سے نکل کر ان کے پاس چلے جائیں۔ انہوں نے کہا ہاں' ساتھ ہی انہوں نے اپنی گردن پر ہاتھ رکھ کر اشارہ سے بتایا کہ ذبح کئے جاؤ گے (یعنی آنحضرت ﷺ کا ارادہ تمہیں قتل کرنے کا ہے)۔

ایک روایت کے مطابق یہود نے ان سے کہا تمہاری کیا رائے ہے؟ محمد ﷺ تو اس کے سوا کوئی بات نہیں مانتے کہ ہم ان کے حکم پر ان کے سامنے پہنچ جائیں۔ ابولبابہ نے کہا کہ بس تو پہنچ جاؤ مگر اشارہ سے بتایا کہ ذبح کردیئے جاؤ گے اس لئے مت جاؤ۔

ابولبابہ کو خیانت کا احساس...... ابولبابہؓ کہتے ہیں کہ اس اشارہ کے بعد ابھی میں اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں تھا کہ مجھے احساس ہوا کہ خدا کی قسم میں نے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیانت کی ہے۔ لہٰذا ان کے یہ کہنے کا مقصد یہ تھا کہ ان لوگوں کو آنحضرت ﷺ کا حکم ماننے سے روکا جائے چنانچہ ان کے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد نازل ہوا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ (۹ الانفال ع ۳ آیت ۲۷)

ترجمہ: اے ایمان والو تم اللہ اور رسول کے حقوق میں خلل مت ڈالو اور اپنی قابل حفاظت چیزوں میں خلل مت ڈالو اور تم اس کا مضر ہونا جانتے ہو۔

(ی) ایک قول ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی:

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (الآیہ پ ۱۱ سورہ توبہ ع ۱۳ آیت ۱۰۲)

اور کچھ اور ہیں جو اپنی خطا کے مقر ہو گئے جنہوں نے ملے جلے عمل کئے تھے کچھ بھلے اور کچھ برے سو اللہ سے امید ہے کہ ان کے حال پر رحمت کیساتھ توجہ فرمادیں یعنی توبہ قبول کرلیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں۔

یہ آیت پہلے کے مقابلے میں موقعہ کے زیادہ مناسب ہے۔ اس بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دونوں ہی آیتیں ابولبابہ کے متعلق نازل ہوئی تھیں پہلی آیت ان پر ملامت کو متوجہ کرنے کے لئے اور یہ دوسری آیت ان کی توبہ کے سلسلے میں نازل کی گئی۔ یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس آیت میں اللہ کے یہاں ان کی توبہ قبول ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے امید قائم رکھنا اپنی جگہ مسلم ہے۔

ابولبابہؓ سے روایت ہے کہ جب بنی قریظہ نے آنحضرت ﷺ کے پاس مجھے بلانے کا پیغام بھیجا تو آپ نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ اپنے حلیفوں کے پاس جاؤ کیونکہ انہوں نے اوس میں سے تمہیں بلایا ہے چنانچہ میں ان کے پاس گیا تو کعب ابن اسید مجھے دیکھ کر اٹھا اور کہنے لگا کہ اے ابوبشیر! تمہیں ہمارا حال معلوم ہے اس محاصرہ سے ہم لوگ پریشان ہو چکے ہیں اور تباہی کے کنارے پہنچ گئے ہیں۔ ادھر محمد ﷺ اس وقت تک ہماری حویلیوں سے جانے کو تیار نہیں جب تک ہم ان کے حکم پر ان کے سامنے نہ پہنچ جائیں۔ اب اگر وہ ہمیں چھوڑ دیں تو ہم سرزمین شام یا خیبر میں جا کر بس جائیں۔ ہم کبھی ان کے خلاف کچھ نہیں کریں گے اور نہ ان کے مقابلے میں کوئی لشکر جمع کریں گے۔ اب تمہاری کیا رائے ہے ہم نے سب کو چھوڑ کر مشورہ کیلئے تمہیں ہی بلایا ہے کیا ہم محمد ﷺ کے حکم پر ان کے سامنے پہنچ جائیں؟ ابولبابہؓ نے کہا ہاں! اور حلق سے ذبح کئے جانے کا اشارہ کیا۔ پھر ابولبابہ کہتے ہیں کہ فوراً ہی مجھے اپنی حرکت پر ندامت ہوئی اور میں نے اناللہ پڑھی۔ کعبؓ نے میری کیفیت دیکھ کر پوچھا کہ ابولبابہ کیا بات ہے؟ میں نے کہا میں نے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیانت کی۔ اس کے بعد میں بنی قریظہ سے واپس ہوا جب کہ اپنی حرکت پر میری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

پشیمانی اور خود کو سزا...... یہاں سے ابولبابہ سیدھے چلے گئے آنحضرت ﷺ کے سامنے حاضر نہیں ہوئے یہ سیدھے مسجد نبوی میں پہنچے جہاں انہوں نے مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ خود کو باندھ لیا یہ ستون ساریہ تھا اس کو اسطوانہ کہا جاتا ہے۔ یہ ستون وہ تھا جو حضرت ام سلمہؓ کے حجرے کے دروازے کے سامنے تھا جو رسول اللہ ﷺ کی زوجہ مطہرہ تھیں۔ ابولبابہؓ نے یہاں سخت دھوپ اور گرمی میں خود کو ستون سے باندھ لیا اس ستون کو اسطوانہ مخلقہ بھی کہا گیا اور اسطوانہ توبہ بھی کہا جاتا ہے مگر اسطوانہ مخلقہ زیادہ ثابت ہے اس اسطوانہ کے پاس ہی آنحضرت ﷺ اکثر نوافل پڑھا کرتے تھے صبح کی نماز کے بعد آپ اسی ستون کے پاس تشریف فرما ہوتے وہ فقیر فقراء مسکین اور بے گھر لوگ اسی ستون کے قریب جمع رہتے تھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ ان لوگوں کے پاس بیٹھ کر وہ آیات تلاوت فرماتے جو اس رات نازل ہوتیں۔ غرض آپ ان سے باتیں کرتے اور وہ لوگ آپ سے باتیں کرتے۔

انہوں نے اپنے آپ کو بھاری زنجیر سے ستون کے ساتھ باندھا۔ اس وقت انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم اس وقت تک میں نہ کوئی چیز کھاؤں گا اور نہ پیوں گا جب تک یا تو مجھے موت نہ آجائے اور یا میرے گناہ کو اللہ تعالیٰ معاف نہ فرمادے۔ ساتھ

ہی انہوں نے اللہ کیساتھ عہد کیا کہ اب نہ میں کبھی بنی قریظہ کے محلے میں جاؤں گا اور نہ اس شہر کو دیکھوں گا جس میں میں نے اللہ اور اسکے رسول کی خیانت کی ہے۔ جب آنحضرت ﷺ کو اس بات کی خبر پہنچی تو اگرچہ آپ نے ان کو اپنے پاس آنے کو فرمایا تھا مگر یہ سن کر ارشاد فرمایا کہ وہ اگر میرے پاس آجاتے تو میں ان کیلئے مغفرت کی دعا کرتا لیکن اب جب کہ وہ خود کو سزا دینے کیلئے ایسا کر گزرے ہیں تو میں ان کو اس وقت تک اپنے ہاتھ سے نہیں کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول نہ فرمالے۔

مگر علامہ بیہقی نے لکھا ہے جو کتاب الدرر میں بھی ہے کہ انہوں نے خود کو اس لئے باندھا تھا کہ انہوں نے غزوہ تبوک میں شرکت سے پہلو بچایا تھا۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ جب یہود کے سامنے ابولبابہ نے گردن کی طرف اشارہ کر کے ان کو قتل کی اطلاع دی تو رسول اللہ ﷺ کو حق تعالیٰ کی طرف سے اس بات کی اطلاع مل گئی چنانچہ ان کی واپسی کے بعد آپ نے ان سے فرمایا کہ کیا تم یہ سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اس ہاتھ سے غافل ہے جس کے ذریعہ تم ان کو قتل کی اطلاع دے رہے تھے۔ اس واقعہ کو کچھ عرصہ گزر گیا اور ابولبابہ بھی ان لوگوں میں شامل تھے جو غزوہ سے جان بچا کر پیچھے رہ گئے۔ جب آنحضرت ﷺ اس غزوہ سے واپس تشریف لائے تو ابولبابہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کیا مگر آپ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اس وقت ابولبابہ سخت گھبرائے اور پریشان ہو کر انہوں نے خود کو ساریہ ستون کے ساتھ باندھ لیا۔

بعض حضرات کو یہ روایت نہایت عجیب معلوم ہوئی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ کچھ لوگ یہ عجیب و غریب دعویٰ کرتے ہیں کہ ابولبابہ نے غزوہ تبوک سے گریز کرنے کی بناء پر ایسا کیا تھا۔

بنی قریظہ کی سپر اندازی...... غرض آخر کار بنی قریظہ کے لوگ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر آپ کے پاس حاضر ہو گئے اور آپ کے حکم پر ان لوگوں کو باندھ کر ان کی مشکیں کس دی گئیں اور ان سب کو ایک طرف جمع کر دیا گیا ان سب کی تعداد چھ سو تھی ایک قول ہے کہ سات سو پچاس تھی جو سب لڑنے والے تھے۔ یہی تعداد حیئ ابن اخطب کے حوالے سے پیچھے گزری ہے۔ نیز یہ بات اس قول کے بھی مخالف نہیں ہے جس کے مطابق وہ لوگ آٹھ سو اور سات سو کے درمیان تھے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ چار سو تھے مگر یہ بات بھی گزشتہ قول کے خلاف نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے اس کے بعد جو ہو وہ ان کے متعلقین یعنی بوڑھوں اور بیوی بچوں کی ہو جن کو اس قول میں شمار نہیں کیا گیا۔

ابن سلام کی ہمدردی...... غرض اس کے بعد یہودی عورتوں اور بچوں کو حویلیوں سے نکال کر ایک طرف جمع کیا گیا ان بچوں و عورتوں کی تعداد ایک ہزار تھی۔ ان پر عبداللہ ابن سلام کو نگراں بنایا گیا (یہ بنی قریظہ کے لوگ قبیلہ اوس کے حلیف اور دوست تھے) ان لوگوں کو ان پر رحم آیا اور وہ مسلسل آکر آپ سے عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ لوگ ہمارے رحم، کرم پر ہیں اور ہمارے حلیف ہیں۔ آپ ابھی کچھ عرصہ پہلے ہمارے بھائیوں یعنی خزرج کے حلیفوں یعنی بنی قینقاع کے ساتھ رحم کا معاملہ فرما چکے ہیں۔ یعنی آپ سے پہلے بنی قینقاع کی جان بخشی کر کے ان کو سامان سمیت مدینے سے چلے جانے کی اجازت دے دی گئی تھی اور وہ لوگ قبیلہ خزرج کے حلیف اور دوست تھے اور عبداللہ ابن ابی قبیلہ خزرج ہی سے تھا۔ بنی قینقاع کے لوگ آنحضرت ﷺ کے حکم پر قلعہ سے نکل کر آپ کے سامنے حاضر ہو گئے تھے' پھر ان کے بارے میں عبداللہ ابن ابی ابن سلول نے آنحضرت ﷺ سے گفتگو اور سفارش کی تھی جس پر آنحضرت ﷺ نے اس شرط کے ساتھ ان کی جان بخشی کر دی تھی کہ وہ لوگ فوراً مدینے سے جلاوطن ہو کر کہیں چلے جائیں جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

اوسیوں کی ہمدردی اور سعد ابن معاذ کا حکم...... اسی بناء پر اب قبیلہ اوس کو خیال ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے جس طرح

قینقاع کی جان بخشی کر کے ان کا فیصلہ قبیلہ خزرج کے حوالے فرمادیا تھا اسی طرح اب بنی قریظہ کی جان بخشی کر کے ان کے حوالے فرمادیں گے۔ مگر جب قبیلہ اوس نے آپ سے سفارش کی تو آپ نے بنی قریظہ کو وہ رعایت دینے سے انکار فرمادیا جو بنی قینقاع کو دی تھی پھر آپ نے اوس والوں سے فرمایا کہ اے گروہ اوس! کیا تم لوگ اس بات پر راضی نہیں ہو کہ ان یہودیوں کا فیصلہ تمہارے ہی قبیلہ کا کوئی آدمی کر دے۔ اوسیوں نے کہا بے شک ہم اس بات پر راضی ہیں۔ آپ نے فرمایا تو وہ شخص سعدؓ ابن معاذ ہیں یعنی جو قبیلہ اوس کے سردار ہیں وہ ان یہود کے متعلق جو بھی فیصلہ چاہیں کر دیں۔

ایک قول ہے کہ آپ نے اوسیوں سے فرمایا کہ میرے صحابہ میں سے جسے تم چاہو ان کا فیصلہ کرنے کے لئے چن لو۔ اوسیوں نے اس اختیار پر اپنے سردار سعد ابن معاذ کو چن لیا اس وقت یہی سردار قبیلہ تھے۔ جیسا کہ بیان ہوا۔ ایک قول ہے کہ یہود نے کہا کہ ہم سعد ابن معاذ کے فیصہ پر حاضر ہو جائیں گے۔ آپ ﷺ نے اس بات کو مان لیا۔ اس وقت حضرت سعدؓ ابن معاذؓ مسجد میں حضرت رفیدہ کے خیمہ میں تھے۔ چونکہ حضرت سعد غزوہ خندق کے موقعہ پر ایک تیر لگنے سے زخمی ہو گئے تھے' اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان کی قوم اوس سے کہا تھا کہ ان کو رفیدہ کو خیمہ میں رکھو تاکہ قریب رہیں اور میں بیمار پرسی کرتا رہوں۔ حضرت رفیدہ کا خیمہ مسجد میں تھا جہاں وہ ایسے زخمی صحابہ کی تیمارداری کیا کرتی تھیں جن کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ تھا۔ (آنحضرت ﷺ نے خندق کے موقعہ پر ان کو اپنے سے قریب رکھنے کے لئے حضرت رفیدہ کے خیمہ میں پہنچوایا تھا)۔

سعدؓ سے اوسیوں کی سفارش...... غرض یہود کے اس پیغام پر قبیلہ اوس کے لوگ حضرت سعدؓ کے پاس اس خیمہ میں پہنچے انہوں نے حضرت سعد کو اٹھا کر ایک گدھے پر سوار کر لیا اور آنحضرت ﷺ کے پاس لائے وہ لوگ اپنے سردار سے کہتے جاتے تھے کہ اے ابو عمرو! اپنے غلاموں کے ساتھ نیک سلوک کرنا کیونکہ آنحضرت ﷺ نے بنی قریظہ کے متعلق فیصلہ کا اختیار اسی لئے دیا ہے کہ آپ ان لوگوں کے ساتھ نیک سلوک کریں' لہٰذا آپ یہودیوں کے ساتھ اچھائی کا معاملہ کیجئے۔ آپ ابن ابی کو دیکھ ہی چکے ہیں کہ ان کے حلیفوں یعنی قینقاع کے ساتھ کیا ہوا اور وہ خاموش تماشائی بنا رہا۔ غرض اس طرح جب قبیلہ اوس کے انصاری حضرت سعدؓ پر برابر اصرار کرتے رہے تو انہوں نے کہا:

"سعد کے لئے وہ وقت آچکا ہے کہ اللہ کے معاملے میں اب اسے کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہیں ہے!"

یہ سن کر ان کی قوم کے بعض لوگوں نے (ان کے ہونے والے فیصلے کا اندازہ کر لیا اور) کہا کہ ہائے یہودی قوم! آخر حضرت سعدؓ آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کے پاس پہنچ گئے اس وقت مسلمان آنحضرت ﷺ کے گرد بیٹھے ہوئے تھے آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ اپنے سردار کے استقبال کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ۔ اپنے سردار کو اتارو (کیونکہ وہ زخمی تھے) حضرت عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ سب سے بڑا سردار تو اللہ ہی ہے۔ ایک روایت میں انہوں نے اس کے بعد کہا کہ: اپنے بہترین آدمی یعنی مہاجر اور انصاری مسلمانوں میں بہترین آدمی کے اعزاز میں کھڑے ہو جاؤ۔ چنانچہ لوگ کھڑے ہو کر ان کی طرف بڑھے۔ ساتھ ہی انہوں نے پھر حضرت سعد سے کہا کہ ابو عمرو! رسول اللہ ﷺ نے آپ کو آپ کے غلاموں کے متعلق اختیار دیا ہے کہ ان کے بارے میں آپ جو چاہیں فیصلہ کریں۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ جب حضرت سعدؓ کی سواری سامنے آئی تو ہم میں سے ہر شخص ان کے اعزاز میں کھڑا ہو گیا اور ہم نے دو صفیں بنالیں یہاں تک کہ حضرت سعدؓ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا سعد ان لوگوں کے متعلق فیصلہ کرو۔ سعدؓ نے عرض کیا کہ فیصلہ کا حق تو اللہ اور اس کے رسول کو ہی ہے۔ آپ نے

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہی تمہیں حکم دیا ہے کہ یہود کے بارے میں فیصلہ کرو۔ تب حضرت سعدؓ نے دوسری طرف بیٹھے ہوئے لوگوں سے یعنی اس طرف کے لوگوں سے جدھر آنحضرت ﷺ نہیں تھے کہا:

"اس بارے میں تم لوگوں کو میں اللہ کے نام کا عہد دے کر پابند کرتا ہوں کہ ان لوگوں کے بارے میں میرا فیصلہ آخری اور قطعی ہوگا!"

لوگوں نے کہا ٹھیک ہے۔ پھر انہوں نے اس طرف دیکھا جدھر رسول اللہ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس طرف جو لوگ بیٹھے ہوئے ہیں وہ بھی اسی کے پابند ہوں گے۔ یہ بات حضرت سعدؓ نے صرف ان لوگوں کی طرف دیکھ کر کہی جو آپ کے ادھر ادھر بیٹھے ہوئے تھے مگر آنحضرت ﷺ کے احترام میں انہوں نے آپ کی طرف رخ نہیں کیا (یعنی مقصد یہی تھا کہ آنحضرت ﷺ بھی میرے فیصلے کو قطعی اور آخری سمجھیں) چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت سعدؓ نے بنی قریظہ سے کہا کہ کیا تم لوگ میرے فیصلہ پر راضی ہو گے۔ انہوں نے کہا ہاں! حضرت سعد نے اللہ کے نام پر عہد و پیمان لیا کہ میں جو کچھ بھی فیصلہ کردوں وہ آخری ہوگا۔

سعد کا فیصلہ...... اس کے بعد حضرت سعد نے فیصلہ سناتے ہوئے کہا:

"میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ ان کے مردوں کو قتل کر دیا جائے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ ہر اس شخص کو قتل کر دیا جائے جس کے زیر ناف بالوں پر استرا لگ چکا ہے۔ ان کا مال و دولت بطور مال غنیمت کے لئے لیا جائے اور ان کے بچوں اور عورتوں کو غلام بنالیا جائے۔ بعض علماء نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ۔ ان کی جائیدادیں یعنی مکانات صرف مہاجر مسلمانوں کو دیئے جائیں جن میں انصاریوں کا کوئی حصہ نہ ہوگا"۔

یہ سن کر انصاریوں نے کہا کہ مہاجرین ہمارے بھائی ہیں ان کے ساتھ ہمارا حصہ بھی ہونا چاہئے۔ حضرت سعدؓ نے کہا کہ میں چاہتا ہوں یہ لوگ تمہارے ضرورت مند نہ رہیں۔ فیصلہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعدؓ سے فرمایا کہ تم نے ان لوگوں کے بارے میں سات آسمانوں کے اوپر اللہ کے فیصلے کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔ ایک صحیح حدیث میں سات آسمانوں کی بلندیوں کے الفاظ آئے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اس فیصلے کی شان بہت بلند اور اونچی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ سحر کے وقت فرشتے نے آکر مجھے اس فیصلہ کی اطلاع دی تھی۔

مال غنیمت...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ بنی قریظہ کی حویلیوں میں جو کچھ ہتھیار وغیرہ اور مال و متاع ہے وہ سب ایک جگہ جمع کر دیا جائے' چنانچہ سب سامان نکال کر ایک جگہ ڈھیر کر دیا گیا۔ اس سامان میں ایک ہزار پانچ سو تلواریں تھیں' تین سو زرہیں دو ہزار نیزے اور پانچ سو ترکش اور کمانیں تھیں۔ اس کے علاوہ بے شمار مال و دولت' برتن بھانڈا اور پانی ڈھونے والے اونٹ وغیرہ اور کثیر تعداد میں مویشی اور بکریاں تھیں پھر اس مال غنیمت کا پانچواں حصہ نکالا گیا اس میں قیدی اور یہاں تک کہ گھریلو چیزیں بھی شامل تھیں۔ غرض ان سب چیزوں کے پانچ حصے کئے گئے۔ ان میں سے چار حصے لوگوں میں تقسیم کئے گئے گھوڑے سوار کو تین تین حصہ کے برابر دیا گیا یعنی ایک حصہ سوار کا اور دو حصہ گھوڑے کے اور پیدل کو ایک ایک حصہ دیا گیا۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ پہلا فئی کا مال ہے جو حصہ وار دیا گیا۔

اس غزوہ میں جو عورتیں شریک ہوئیں ان کو بھی تھوڑا حصہ دیا گیا ایسی عورتیں یہ تھیں' آنحضرت ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ' ام عمارہؓ' ام سلیطؓ' ام علاءؓ' سمیراؓ بنت قیس' ام سعدؓ ابن معاذ اور کبشہؓ بنت رافع مگر ان عورتوں کو حصہ وار نہیں دیا گیا۔ خود

آنحضرت ﷺ نے اس مال کا ایک جزء لیا جو پانچواں حصہ تھا۔ بعض علماء نے یوں لکھا ہے کہ یہ پہلا فئی کا مل ہے جس میں دو دو حصے کئے گئے اور اس کو پانچ کے دو دو حصوں پر تقسیم کیا گیا اور ایک حصہ اللہ کے نام کا مخصوص کیا گیا پھر آپ نے اس میں سے وہ حصہ لیا جو آپ کے لئے نکلا تھا اور پھر اسی طریقہ پر غنیمتوں کی تقسیم ہونے لگی۔ جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ پہلا فئی کا مال ہے جس میں دو دو حصے کئے گئے تو اس بارے میں شبہ ہے کیونکہ یہ صورت بنی قینقاع کے غزوہ کے موقعہ پر بھی پیش آچکی تھی کیونکہ اس غزوہ میں جو فئی کا مال حاصل ہوا تھا اس کے بھی پانچ حصہ کئے گئے تھے جن میں سے ایک یعنی پانچواں حصہ آنحضرت ﷺ نے لیا تھا اور باقی چار حصے صحابہ میں تقسیم کئے گئے تھے۔

بنی قریظہ کے یہاں سے شراب کے مٹکے بھی برآمد ہوئے تھے مگر ان کو الٹ کر بہا دیا گیا اور اس کے پانچ حصے یا تقسیم نہیں کی گئی۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب اس سے پہلے ہی حرام ہو چکی تھی۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے قیدیوں کے متعلق حکم دیا کہ ان کے مردوں کو اسامہؓ ابن زید کے مکان میں پہنچا دیا جائے اور عورتوں کو حرث نجاری کی بیٹی کے مکان میں رکھا جائے کیونکہ یہ مکان عرب کے آنے والے وفدوں کے قیام کے لئے استعمال کئے جاتے تھے۔ ایک قول ہے کہ عورتوں کو کبشہ بنت حرث ابن کریز کے مکان میں پہنچا دیا گیا تھا۔ یہ عورت مسیلمہ کذاب کی بیوی تھی پھر اس کے بعد عامر ابن کریز اس عورت کا مالک بن گیا تھا۔ اسی عورت کے مکان میں بنی حنیفہ کا وفد آکر ٹھہرا تھا جیسا کہ آگے بیان آئے گا۔ ساتھ ہی بنی قریظہ سے جو مال و اسباب حاصل ہوا تھا اس کے بارے میں حکم دیا گیا کہ اس کو بھی اٹھا لیا جائے البتہ مویشیوں کو چرنے کے لئے وہیں چھوڑ دیا گیا۔

قتل کے فیصلے کی تکمیل...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ مدینے کو واپس ہوئے پھر آپ مدینے کے بازار میں تشریف لے گئے جہاں آپ نے گڑھے کھدوائے۔ اس کے بعد آپ نے یہودی قیدیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ قیدیوں کو وہیں لایا گیا جن کی گرویں گردنیں مار مار کر ان گڑھوں میں ڈالا گیا۔ کسی شخص نے بنی قریظہ کے سردار کعب ابن اسید سے اس وقت کہا کہ کعب تم دیکھ رہے ہو ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے؟ کعب نے کہا "تم لوگوں نے ہمیشہ ہی ناسمجھی کا ثبوت دیا ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ تم میں سے جو شخص چلا جاتا ہے وہ کبھی نہیں لوٹتا۔ خدا کی قسم اس وقت تمہارا قتل عام ہو رہا ہے جب کہ میں نے تم لوگوں کو اس کے علاوہ دوسری بات کی دعوت دی تھی مگر تم نے میری ہر بات رد کر دی"۔

لوگوں نے کہا کہ چھوڑو یہ وقت غصہ اور ناراضگی کا نہیں ہے ان لوگوں میں یہ بحث ہوتی رہی یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ رات کے وقت قتل سے فارغ ہو گئے۔ بنی قریظہ کا یہ قتل آگ کی روشنی میں کیا گیا۔ ان لوگوں کی لاشوں کو گڑھوں میں گرا کر ان پر مٹی ڈال دی گئی۔ ان لوگوں کے قتل کے وقت ان کی عورتیں چیخ چیخ کر رونے لگیں انہوں نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے بال نوچ لئے اور منہ پیٹ لئے سارا مدینہ ان کے شور و بکاء سے گونج اٹھا۔

حیئی کا آخری کلام...... یہود کے جن لوگوں کو قتل کے لئے لایا گیا ان میں حیی ابن اخطب بھی تھا اس کے دونوں ہاتھ گردن پر رکھ کر رسی سے باندھے ہوئے تھے آنحضرت ﷺ نے اس کو دیکھا تو فرمایا کہ: اے خدا کے دشمن کیا اللہ تعالیٰ نے تجھے ہمارے قابو میں نہیں ڈالا۔ حیئی نے کہا بے شک اللہ کو یہی منظور تھا کہ میں آپ کے قابو میں آجاؤں مگر خدا کی قسم میں آپ کی دشمنی کیلئے اپنے آپ کو ملامت نہیں کر سکتا البتہ یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو رسوا اور خوار کرنا چاہے وہ خوار ہو کر رہتا ہے۔

علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے حیئی سے فرمایا کہ کیا اللہ نے تجھ پر ہمیں کامیاب نہیں کر دیا تو حیئی

نے کہا بے شک ہم نے ہر طرح کوشش کر کے دیکھ لی مگر حقیقت یہ ہے کہ جو آپ کو رسوا کرنا چاہے وہ خود رسوا ہو جاتا ہے۔ تو گویا حیئ کا یہ جملہ جو ہے کہ جو آپ کو رسوا کرنا چاہے گا' دوسرے جملہ کی طرح ہے اور شعر میں بیان کیا گیا ہے اس کا پہلا جملہ یوں تھا کہ جس کو اللہ رسوا کرے وہ رسوا ہو تا ہے کیونکہ حیئ کے یہ کلمات نظم کئے گئے ہیں (اور نظم کے الفاظ میں فرق ہے)۔

غرض اس کے بعد حیئ لوگوں کی طرف متوجہ ہوا اور بولا کہ لوگو! کچھ مضائقہ نہیں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لئے جو سزا مقرر فرمائی تھی اور جو تباہی اس کا مقدر بن چکی تھی وہ پوری ہو گئی۔ اس کے بعد حیئ بیٹھ گیا اور اس کی گردن مار دی گئی۔

(قال) بنی قریظہ کے سردار کعب ابن اسید کو جب قتل کے لئے سامنے لایا گیا تو آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا کہ اے کعب! اس نے کہا کیا ہے ابوالقاسم! آپ نے فرمایا تم نے ابن خراش کی نصیحتوں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جو میری تصدیق کرتا تھا۔ اس نے تمہیں نصیحت کی تھی کہ میری اطاعت اور پیروی کرنا اور اگر تم میرا زمانہ پاؤ تو مجھ سے اس کا سلام کہنا۔ کعب نے کہا بے شک توریت کی قسم ابوالقاسم ایسا ہی تھا اور اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ یہود کے لوگ مجھے شرم دلائیں گے کہ میں سر پر تلوار دیکھ کر ڈر گیا تو میں آپ کی اطاعت کر لیتا اس لئے میں یہودی مذہب پر ہی مرتا ہوں۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کے حکم پر اس کو آگے لایا گیا اور گردن مار دی گئی۔ یہودیوں کے اس قتل کے نگراں حضرت علیؓ اور حضرت زبیر ابن عوامؓ تھے (یعنی یہ دونوں یہود کو قتل کر رہے تھے)۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: کتاب امتاع میں ہے کہ سعدؓ ابن عبادہ اور حباب ابن منذرؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ یا رسول اللہ ﷺ قبیلہ اوس کے لوگ یہودیوں کے اس قتل عام پر ناپسندیدہ نظروں سے دیکھ رہے ہیں کیونکہ بنی قریظہ کے لوگ اوسیوں کے حلیف اور دوست تھے۔ یہ سن کر اوس کے سردار حضرت سعد ابن معاذؓ نے کہا کہ نہیں اوس کے قبیلے میں ایک شخص بھی اس بات پر ناخوش نہیں ہے اسی میں خیر ہے جو شخص اس کو ناپسند کرتا ہے اللہ اس سے راضی نہیں ہے۔ اسی وقت حضرت اسیدؓ ابن حضیر کھڑے ہوئے اور بولے کہ یا رسول اللہ! اوسیوں کا کوئی گھرانہ ایسا نہ چھوڑیئے جس میں یہ یہودی تقسیم نہ ہو جائیں (اور ہر گھرانے کے لوگوں کے ہاتھوں قتل نہ ہو جائیں) چنانچہ ان یہودیوں کو انصاریوں میں تقسیم کیا گیا اور انہوں نے قتل کیا۔ یہاں تک کتاب امتاع کا حوالہ ہے۔

یہاں جو یہ جملہ ہے کہ۔ انہوں نے ان کو قتل کیا۔ تو ان سے مراد ظاہری طور پر قبیلہ اوس کے لوگ ہی ہیں اور یہاں انصار سے مراد صرف اوس کے لوگ ہی ہیں۔ اس سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ممکن ہے قبیلہ اوس کے ان لوگوں سے مراد جنہوں نے اس قتل عام کو ناپسند کیا ان میں کی ایک مخصوص جماعت رہی ہو اور جو یہودی اس جماعت کے گھروں میں بھیجے گئے ہوں ان کو ان اوسیوں نے ہی قتل کیا ہو اور باقی تمام یہودیوں کو حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ نے قتل کیا ہو۔ واللہ اعلم

ایک یہودی عورت کا قتل...... یہودی عورتوں میں سوائے ایک عورت کے کسی کو قتل نہیں کیا گیا ایک عورت جس کا نام بنانہ اور ایک قول کے مطابق مزنہ تھا عورتوں کے درمیان سے نکال کر قتل کی گئی۔ اس نے حضرت خلاد ابن سوید پر محاصرہ کے دوران اوپر سے چکی کا پاٹ پھینکا تھا جس سے وہ ختم ہو گئے تھے یہ حرکت اس نے اپنے شوہر کی ہدایت پر کی تھی کیونکہ وہ اس کو پسند نہیں کرتا تھا کہ اس کی بیوی اس کے بعد زندہ رہے اور کسی دوسرے شخص سے شادی کرے (لہٰذا اس سے یہ قتل کرا دیا تاکہ بدلہ میں وہ بھی قتل کر دی جائے) آنحضرت ﷺ نے مال غنیمت میں سے ان خلاد ابن سوید کا حصہ نکالا اور فرمایا کہ ان کو دو شہیدوں کا اجر ثواب ملا ہے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ نے سنان ابن محصن کا حصہ بھی نکالا جو یہود کے محاصرہ کے زمانے میں وفات پا گئے تھے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ یہودی عورتوں میں ایک کے سوا کوئی قتل نہیں کی گئی۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ خدا کی قسم جس وقت رسول اللہ ﷺ بازار میں یہودیوں کو قتل کرا رہے تھے اس وقت وہ میرے پاس بیٹھی ہوئی مجھ سے باتیں کر رہی تھی اور بے تحاشہ قہقہے لگا رہی تھی (اس کا نام بنانہ تھا) یہ ایک خوبصورت لڑکی تھی۔ دراصل جس وقت یہودی قتل کئے جا رہے تھے اس وقت یہ لڑکی بنانہ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں آ بیٹھی تھی۔ غرض حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ یہ ہنسی مذاق کر رہی تھی کہ اچانک کسی نے پکار کر پوچھا کہ بنانہ کہاں ہے؟ اس نے کہا کیا واقعی مجھے پکارا جا رہا ہے۔ عائشہؓ نے کہا چھوڑو تم سے کیا واسطہ۔ اس نے کہا شاید مجھے قتل کیا جائے۔ میں نے کہا کیوں۔ اس نے کہا کہ اس جرم کی وجہ جو مجھ سے سرزد ہو گیا تھا۔ ایک روایت کے مطابق اس نے حضرت عائشہؓ کے پوچھنے پر بتلایا کہ مجھے میرے شوہر نے ہلاکت میں ڈال دیا۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا کیسے؟ تو اس نے کہا کہ میرے شوہر نے محاصرہ کے دوران مجھے حکم دیا کہ محمد ﷺ کے اصحاب پر پتھراؤ کرو جو قلعہ کے باہر نیچے دیوار کے سائے میں بیٹھے ہیں۔ چنانچہ میں فصیل پر گئی تو مجھے خلاد ابن سوید نظر آئے۔ میں نے ایک پتھر اٹھا کر ان کے سر پر دے مارا جس سے وہ وہیں مر گئے۔ اب ان کے لئے مجھے قتل کیا جائے گا۔ ایک دوسری روایت ہے میں ہے کہ۔ میں بنی قریظہ کے ایک شخص کی بیوی ہوں مجھ میں اور میرے شوہر میں اس قدر محبت تھی کہ مشکل سے کسی شوہر بیوی میں ہو گی۔ اب جب کہ ہمارا محاصرہ کر لیا گیا اور اس میں انتہائی تنگی اور سختی پیدا ہو گئی تو ایک دن میں نے بڑی حسرت سے اپنے شوہر سے کہا کہ آہ یہ وصال کے تابناک دن ختم ہو رہے ہیں اور ان کی جگہ اب ہجر و فراق کی گھڑیاں ہمارا انتظار کر رہی ہیں تمہارے بعد یہ زندگی کیسے گزرے گی؟ میرے شوہر نے کہا اگر تم اپنی محبت کے دعویٰ میں سچی ہو تو میرے ساتھ آؤ حویلی کے نیچے دیوار کے سائے میں مسلمان بیٹھے ہوئے ہیں۔ پھر زبیر ابن بطاء نے کہا تم ان کے اوپر پتھر مارو اگر کسی کے پتھر پڑ گیا تو وہ وہیں مر جائے گا۔ اور اس کے بعد اگر مسلمان ہم پر غالب آ گئے تو وہ تمہیں بھی اس مسلمان کے بدلے میں قتل کریں گے جس کے نتیجہ میں تم میرے پاس پہنچ جاؤ گی) چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا (اور خلاد ابن سوید کو قتل کر دیا)۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ اس کے بعد مسلمان اس کو لے گئے اور اس کی گردن مار دی گئی حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ خدا کی قسم مجھے اس کی خوش مزاجی اور اس وقت ہنسنے ہنسانے پر تعجب ہے حالانکہ وہ جانتی تھی کہ عنقریب وہ قتل کی جائے گی۔

یہودی کا احسان اور مسلمان کی احسان شناسی...... بنی قریظہ میں ایک شیخ زبیر ابن بطاء تھا اس کے پوتے کا نام بھی زبیر ہی تھا جو اسکے بیٹے عبدالرحمٰن کا بیٹا تھا اُن زبیر ابن عبدالرحمٰن کا نام بھی دادا کی طرح زبیر تھا' یہ شخص بہت بوڑھا آدمی تھا اس نے جاہلیت کے زمانے میں جنگ بعاث کے موقعہ پر ثابت ابن قیس پر ایک احسان کیا تھا یہ جنگ بعاث وہی جنگ ہے جو آنحضرت ﷺ کے مدینے آنے سے پہلے اوس و خزرج کے درمیان ہوئی تھی۔ اس جنگ میں انجام کار اوس کو خزرج پر فتح حاصل ہوئی تھی جیسا کہ بیان ہوا۔ اس نے جنگ کے موقعہ پر ثابت کو پکڑ لیا تھا اور اس کی پیشانی پر زخم لگا کر پھر اسے چھوڑ دیا تھا (اب بنی قریظہ کی گرفتاری اور قتل کے موقعہ پر ثابت نے زبیر کے احسان کا بدلہ اتارنا چاہا' چنانچہ ثابت زبیر کے پاس آئے اور بولے کہ اے ابو عبدالرحمٰن کیا مجھے پہچانتے ہو۔ زبیر نے کہا کیا میں تمہیں بھول سکتا ہوں؟ ثابت نے کہا میں تمہارے احسان کا بدلہ چکانا چاہتا ہوں جو تم نے مجھ پر کیا تھا۔ زبیر نے کہا کہ شریف آدمی شریف کے احسان کو یاد رکھا کرتا ہے۔ میں حقیقت میں آج تمہارا محتاج ہوں۔

زبیر کا لقب ابو عبدالرحمٰن تھا اس کے بیٹے عبدالرحمٰن نے رفاعہ کی ایک عورت سے شادی کر لی تھی مگر ایک مرتبہ اس عورت نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر فریاد کی کہ میرے شوہر کا عضو تناسل کپڑے کی بتی کی طرح موم ہے (یعنی وہ مخنث

قوت مردمی سے محروم ہے) لہٰذا میں چاہتی ہوں کہ وہ مجھے علیحدہ کر دے۔

غرض زبیر سے بات کرنے کے بعد ثابتؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے کہ یا رسول اللہ ﷺ زبیر کا مجھ پر ایک احسان ہے اور میں اس کے احسان کا بدلہ دینا چاہتا ہوں لہٰذا آپ اس کا خون مجھے ہبہ کر دیجئے (یعنی زبیر کو میرے حوالے کر دیئے کہ چاہے قتل کروں یا چھوڑ دوں) آنحضرت ﷺ نے فرمایا وہ تمہارا ہو گیا۔ اب ثابتؓ زبیر کے پاس آئے اور بولے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہاری جان مجھے ہبہ کر دی ہے اور میں تمہاری جان بخشی کرتا ہوں۔ زبیر نے کہا کہ مجھ جیسا ایک بوڑھا آدمی بغیر بیوی بچوں کے زندہ رہ کر کیا کرے گا۔ ثابت کہتے ہیں میں پھر آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور بولا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں اس کے بیوی بچوں کو بھی چھوڑ دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ بھی تمہیں دیئے گئے۔ اس کے بعد میں نے زبیر کو آکر بتلایا کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہارے بیوی بچوں کو بھی مجھے ہبہ کر دیا ہے اور میں ان کو تمہیں دیتا ہوں۔ زبیر نے کہا حجاز کے اس گھرانے کے پاس اگر مال و دولت نہ رہے تو ایسی زندگی سے کیا فائدہ۔ ثابتؓ کہتے ہیں میں پھر آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور بولا کہ یا رسول اللہ! اس کا مال و متاع بھی دے دیجئے آپ نے فرمایا وہ بھی تمہیں دے دیا ہے اور وہ اب تمہارا ہے تب زبیر نے کہا:

"اے ثابت! تم نے میرے احسان کا بدلہ اتار دیا ہے اور اب میرا کوئی اخلاقی قرض تم پر نہیں ہے مگر یہ بتاؤ کہ اس شخص کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا ہے جس کا چہرہ ایک روشن آئینے کی طرح تھا جس میں قبیلہ کے خدوخال نمایاں رہتے تھے اور جس کا نام کعب ابن اسید تھا؟

یعنی بنی قریظہ کا سردار تھا۔ میں نے کہا وہ قتل ہو چکا ہے۔ پھر اس نے کہا کہ اس شخص کا کیا حشر بنا جو شہریوں اور دیہاتیوں کا سہارا تھا یعنی جو فقر و فاقہ اور قحط سالی کے دوران لوگوں کا سہارا تھا اور ان کے پیٹ بھرتا تھا اور جس کو حیئ ابن اخطب کہا جاتا تھا؟ میں نے کہا وہ بھی قتل ہو چکا ہے۔ پھر زبیر نے پوچھا۔ اور اس قائد کا کیا ہوا جو کوچ کے وقت ہماری قافلہ سالاری کیا کرتا تھا اور خوف کے وقت ہماری پشت پناہی کیا کرتا تھا اور جس کا نام عزال ابن سموال تھا؟ میں نے کہا وہ بھی قتل ہو چکا ہے۔ پھر اس نے کہا۔ اور بنی کعب ابن قریظہ اور بنی عمرو ابن قریظہ کے وہ لوگ کیا ہوئے جن کے دم سے دونوں خاندانوں کی مجلسیں آباد تھیں؟ میں نے کہا وہ سب بھی قتل ہو چکے ہیں۔ تب زبیر نے کہا۔

"تو اے ثابت! میں تم سے تمہارے احسان کے نام پر درخواست کرتا ہوں کہ مجھے بھی میری مرحوم قوم کے پاس پہنچا دو۔ خدا کی قسم ان سب لوگوں کے بعد اب زندگی کا مزہ ہی کیا رہا۔ کیا میں ان گھروں میں تنہا بھٹکتا پھروں جن کے در و دیوار میں ان کی خوشبوئیں رچی بسی ہوئی ہیں۔ ان گھروں کی ویرانیوں کو میں اپنی تنہائیوں سے کیسے آباد کروں گا۔ نہیں۔ مجھے اس زندگی کی ضرورت نہیں ہے۔ خدا کی قسم میں اتنی دیر بھی ان ویران بستیوں میں نہیں رہ سکتا جتنی دیر میں ایک ڈول کا پانی خالی ہوتا ہے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ جتنی دیر میں ایک پیاسا ڈول سے پانی پیتا ہے۔ بس تم مجھے بھی میرے ان ہی دوستوں کے پاس پہنچا دو!"

ثابت کہتے ہیں کہ آخر میں زبیر کو مقتل میں لے کر آیا جہاں اس کی گردن ماردی گئی۔ ایک قول ہے کہ اس کی اس درخواست اور خواہش پر ثابت نے کہا کہ میں اپنے ہاتھ سے تمہیں ہرگز قتل نہیں کروں گا۔ اس پر زبیر نے کہا مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ کون مجھے قتل کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت زبیر ابن عوام نے اس کو قتل کر دیا۔

حضرت ابو بکرؓ کو جب زبیر کا یہ جملہ پہنچا کہ مجھے میرے دوستوں کے پاس پہنچادو تو انہوں نے کہا خدا کی قسم وہ ان سے دوزخ کی آگ میں ہی ملے گا جہاں وہ ابد الآباد تک رہنے والے ہیں۔

کتاب اصل میں یہ حدیث حضرت ابو عبیدہؓ کے حوالے سے ہے جس میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ثابتؓ سے یہ فرمایا تھا کہ اگر زبیر مسلمان ہو جائے تو اس کی بیوی بچے اور اس کا مال تمہیں ہبہ ہے مگر چونکہ زبیر مسلمان نہیں ہوا تھا اس لئے اس کی بیوی اور اس کا مال سب فئی کے مال میں ہی شمار کیا گیا۔

بنی قریظہ کے نابالغ بچے اور عورتیں...... جہاں تک قتل ہونے والوں کا تعلق ہے تو صرف وہ لوگ قتل کئے گئے جو جوان اور بالغ ہو چکے تھے جو لوگ جوان نہیں ہوئے تھے ان کو غلام بنالیا گیا۔ حضرت عطیہ قرظیؓ کہتے ہیں کہ اس وقت میری عمر لڑکپن کی تھی، چنانچہ قرظیوں کے قتل کے وقت مسلمانوں نے مجھے نابالغ قرار دیا اور میرے قتل سے باز رہے (بعد میں یہ مسلمان ہو گئے) اسی طرح رفاعہ سبزہ آغاز یعنی جوان ہو چکے تھے لہٰذا ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا گیا مگر انہوں نے سلمٰی بنت قیس یعنی ام منذر کی پناہ حاصل کرلی جو آنحضرت ﷺ کی خالاؤں میں سے ایک تھیں یعنی آپ کے دادا عبد المطلب کی خالاؤں میں سے ایک تھیں کیونکہ یہ ام منذر بنی نجار میں سے تھیں (جو عبد المطلب کی ننہال تھی) غرض جب رفاعہ، سلمٰیؓ کی پناہ میں آئے تو سلمٰیؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں رفاعہ کو مجھے ہبہ کر دیجئے۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ نے رفاعہ کو سلمٰی کے حوالے کر دیا جس کے بعد رفاعہ مسلمان ہو گئے تھے۔

اس طرح بنی قریظہ سے حضرت سعد ابن معاذؓ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی کیونکہ غزوہ خندق کے دوران جب وہ ایک تیر سے زخمی ہوئے تھے تو انہوں نے اللہ سے دعا مانگتے ہوئے کہا تھا کہ اے اللہ! مجھے اس وقت تک نہ اٹھایئے جب تک بنی قریظہ کے انجام سے میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں۔ اس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ بعض روایات میں یوں ہے کہ حضرت سعدؓ نے یہ دعا اس رات میں مانگی تھی جس کی صبح کو بنی قریظہ نے آنحضرت ﷺ کے سامنے حاضر ہو کر ہتھیار ڈال دیئے تھے جس کی تفصیل بعض روایات کی بنیاد پر پیچھے گزری ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت سعدؓ نے دو مرتبہ مانگی ہو۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگی تھی کہ مجھے اس وقت تک موت نہ دیجئے جب تک بنی قریظہ کے انجام سے میرے دل کو آرام نہ آجائے۔

اس غزوہ بنی قریظہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ آئندہ کبھی قریش تم سے لڑنے کے لئے نہیں نکلیں گے بلکہ تم ہی ان کی سرکوبی کے لئے نکلا کرو گے' چنانچہ اس کے بعد ایسا ہی ہوا۔ اور پیچھے گزرا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ جملہ غزوہ احزاب کے ختم ہونے کے بعد فرمایا تھا۔

سعدؓ ابن معاذ کی وفات...... ادھر غزوہ احزاب کے دوران حضرت سعد ابن معاذ کے ہاتھ میں جو زخم آیا تھا وہ خراب ہونے اور بڑھنے لگا اس میں سے خون جاری ہو گیا آنحضرت ﷺ کو پتہ نہیں تھا کہ ان کے زخم سے خون بہہ رہا ہے آپؐ نے اسی حالت میں ان کو سینے سے لگایا اور خون آپؐ کے اوپر بھی لگ گیا۔

غرض آخر ایک روز اسی زخم کی بناء پر حضرت سعد ابن معاذؓ کی وفات ہو گئی یہاں تک کہ ان کی لاش کو حضرت رفیدہ کے خیمہ سے ان کے مکان پر پہنچا دیا گیا جب کہ آنحضرت ﷺ کو اب تک وفات کا بھی علم نہیں تھا۔ آخر رات میں حضرت جبرئیل ریشمی موتیوں کا عمامہ پہنے ہوئے آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور آپؐ سے پوچھنے لگے کہ اے محمد ﷺ یہ کون مرد صالح

ہے؟ایک روایت میں یوں ہے کہ یہ کس شخص کی میت ہے جس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے اور جس کی وجہ سے عرش الٰہی ہل گیا؟ ایک روایت میں عرش رحمٰن ہے' یعنی جس کی روح کے استقبال کے لئے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے گئے اور جس کی آمد کی خوشی میں عرش الٰہی ہلنے لگا۔ امام نووی نے کہا ہے کہ عرش کا ہلنا دراصل حضرت سعدؓ کی روح کے استقبال کے لئے فرشتوں کی مسرت تھی۔ یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ عرش کے ہلنے کو فرشتوں کی مسرتوں سے تعبیر کرنے کی ضرورت تو جب ہی پیش آسکتی ہے جب کہ عرش کا ہلنا محال ہو۔ غرض جبرئیلؑ سے یہ سنتے ہی آنحضرت ﷺ تیزی کے ساتھ حضرت سعدؓ کی طرف روانہ ہوئے جہاں آپ نے ان کو مردہ پایا۔

حضرت سعدؓ کی فضیلت و تدفین...... حضرت سلمہ ابن اسلم ابن حریش سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب حضرت سعدؓ کے مکان میں داخل ہوئے تو وہاں اس وقت کوئی نہیں تھا بلکہ حجرے میں تنہا لاش کپڑے سے ڈھکی ہوئی رکھی تھی مگر میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ پنجوں کے بل (اس طرح) چل رہے ہیں (جیسے بڑے مجمع اور بھیڑ میں آدمی چلتا ہے) ساتھ ہی آپ نے مجھے اشارہ کیا کہ ٹھہر جاؤ چنانچہ میں رک گیا اور واپس لوٹ گیا۔ آنحضرت ﷺ کچھ دیر لاش کے پاس بیٹھے اس کے بعد باہر نکل آئے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ مجھے وہاں کوئی دوسرا شخص نظر نہیں آیا لیکن آپ پنجوں کے بل چل رہے تھے۔ آپ نے فرمایا مجھے وہاں بیٹھنے کو بھی جگہ نہیں تھی یہاں تک کہ فرشتوں میں سے ایک فرشتے نے اپنے ایک پر سے مجھے پکڑ کر بٹھایا۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: اسی قسم کا واقعہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس وقت بھی پیش آیا تھا جب آپ حضرت ثعلبہ ابن عبدالرحمٰن انصاریؓ کے جنازے کے ساتھ جا رہے تھے آپ اس وقت پنجوں کے بل چل رہے تھے۔ جب حضرت ثعلبہؓ کو دفن کیا جا چکا تو کسی نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ ہم نے آپ کو پنجوں کے بل چلتے ہوئے دیکھا تھا۔ آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق دے کر بھیجا ہے اس جنازے کے ساتھ چلنے کے لئے اس قدر فرشتے نازل ہوئے تھے کہ مجھے قدم رکھنے کی بھی جگہ نہیں مل رہی تھی۔ اس کا واقعہ سیرت شامی میں مذکور ہے۔

جب حضرت سعد ابن معاذؓ کی لاش کو اٹھایا گیا تو حالانکہ وہ بھاری جسم کے تھے مگر اس وقت نعش بہت ہلکی ہو گئی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت ان کو اٹھانے والے تمہارے علاوہ دوسرے لوگ بھی ہیں یعنی ملائکہ بھی اٹھانے والوں میں ہیں (اس لئے لاش کا وزن تمہیں ہلکا معلوم ہو رہا ہے) ان کے لئے ستر ہزار فرشتے نازل ہوئے تھے جو ان کے جنازے کے ساتھ تھے جس میں بہت سے فرشتے وہ تھے جو اس دن کے علاوہ کبھی زمین پر نازل نہیں ہوئے تھے۔

ضغطہ قبر...... حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ سعدؓ کی قبر کھودنے والوں میں میں بھی شریک تھا ہم جب بھی قبر کی مٹی کھود کر ہٹاتے تو ہمیں مشک کی سی خوشبو آتی تھی۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ اگر کسی شخص کو قبر کو بھینچنے سے نجات اور چھٹکارہ ہوتا تو سعد کو ہوتا کہ ان کو ایک ہی بار قبر نے بھینچا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں چھٹکارہ دلا دیا۔

حضرت جابر ابن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ جب سعدؓ کو دفن کر دیا گیا اور ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے تو آپ نے تسبیحات پڑھیں اور آپ کے ساتھ سب لوگوں نے پڑھیں۔ پھر آپ نے اللہ اکبر فرمایا تو سب لوگوں نے آپ کے ساتھ اس کی تکرار کی۔ اس کے بعد لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ یارسول اللہ آپ نے تسبیح کیوں پڑھی اور تکبیر کیوں کہی۔ آپ نے فرمایا کہ اس نیک بندہ کو اس کی قبر نے زور سے بھینچنا شروع کیا تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے چھٹکارہ عنایت فرما دیا۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضرت سعدؓ کی ایک بیوی سے سوال کیا گیا کہ سعد پر قبر کے بھینچنے کے سبب کے متعلق تمہیں رسول اللہ ﷺ کا کیا قول معلوم ہوا ہے۔ انہوں نے کہا ہم نے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں پوچھا گیا تھا تو آپؐ نے فرمایا کہ پیشاب سے طہارت حاصل کرنے میں وہ کسی قدر کوتاہی کیا کرتے تھے۔ مگر یہ بات کتاب خصائص صغریٰ کی اس روایت کے خلاف ہے جس کے مطابق آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ آپؐ ضغطہ قبر یعنی قبر کے بھینچنے سے محفوظ رہیں گے۔ یہی حال دوسرے انبیاء و پیغمبروں کا ہے۔ ان حضرات کے سوا کوئی نیک اور صالح آدمی بھی اس سے محفوظ نہیں رہے گا۔

یہی بات علامہ قرطبی کی کتاب تذکرہ میں بھی ہے البتہ انبیاء کے علاوہ صرف ایک عورت فاطمہ بنت اسد ایسی ہے جس کو رسول اللہ ﷺ کی برکت سے قبر نہیں بھینچے گی کیونکہ ان خاتون کی قبر میں پہلے خود آنحضرت ﷺ لیٹے تھے۔ اس طرح گزشتہ روایت اور کتاب خصائص کی اسی روایت میں موافقت کی ضرورت ہے۔ حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جب سے میں نے آپ کو ضغطہ قبر اور اس کے بھینچنے کا ذکر کرتے سنا ہے۔ یہ بات پوری طرح میری سمجھ میں نہیں آئی۔ آپ نے فرمایا:

مومن اور کافر کے ضغطہ قبر...... "عائشہ! مومن کے لئے ضغطہ قبر کی ایسی کیفیت ہوگی جیسے ایک شفیق ماں اپنے بچے کے سر کو اپنے ہاتھوں سے دباتی ہے جو سر کے درد کی شکایت کر رہا ہو اور منکر نکیر کی ضرب ایسی ہوگی جیسے آنکھ میں سرمہ لگا دیا جائے۔ مگر اے عائشہ! فریاد کرنے والے مشرکوں پر افسوس ہے کہ ان لوگوں کو قبر میں اس طرح بھینچا جائے گا جیسے پتھروں میں کچلا جاتا ہے!"

اب گویا ایسے مومن سے جس کی یہ شان ہو مراد وہ شخص ہوگا جس سے عمل میں کوتاہی نہ ہوئی ہو لہٰذا یہ بات گزشتہ قول کے خلاف نہیں ہے تاہم یہ اختلاف قابل غور ہے۔

علامہ بیہقی نے روایت بیان کی ہے کہ حضرت سعد ابن معاذؓ کا جنازہ دو ڈنڈوں کے بیچ میں رکھ کر اٹھایا گیا۔ اس سے ہمارے شافعی علماء نے مسئلہ نکالا ہے کہ جنازے کو چارپائی پر اٹھانے کے مقابلے میں یہ زیادہ افضل ہے جس کا لوگوں میں اب رواج ہو گیا ہے۔ آنحضرت ﷺ حضرت سعدؓ کے جنازے کے آگے آگے چلے پھر آپ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

اس کے بعد حضرت سعدؓ کی والدہ آئیں اور انہوں نے لحد کے اندر نظر ڈال کر مرحوم بیٹے کو دیکھا اور کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کے یہاں تمہیں ذخیرہ کرتی ہوں۔ آنحضرت ﷺ حضرت سعدؓ کی میت کے پائنتیوں پر کھڑے تھے اور وہیں آپ نے ان کی والدہ کو تعزیت پیش فرمائی۔ پھر جب قبر پر مٹی برابر کر دی گئی، تو آنحضرت ﷺ نے اس پر پانی چھڑکا۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے وہاں کھڑے ہو کر دعا فرمائی اور وہاں سے روانہ ہوئے۔

حضرت سعدؓ کی والدہ بیٹے کا نوحہ و ماتم کرنے لگیں یعنی ان کی خوبیاں بیان کر کر کے رونے لگیں اس پر آپ نے فرمایا کہ ہر نوحہ کرنے والی جھوٹی ہے سوائے سعد کا نوحہ کرنے والی کے۔ کیونکہ سعد کے جو نیک اوصاف اور خوبیاں بیان کی جائیں وہ ان میں واقعۃً موجود تھیں جب کہ دوسروں کے ساتھ ایسا نہیں ہے۔

اسی اثناء میں مقام دومتہ الجندل کے امیر نے رسول اللہ ﷺ کو ایک ریشمی جبہ ہدیہ میں بھیجا جس کا تفصیلی واقعہ آگے بیان ہوگا۔ صحابہؓ نے اس جبہ کو دیکھا تو بے حد پسند کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر فرمایا کہ جنت میں سعد ابن معاذؓ کے رومال بھی اس

اس جبہ سے کہیں زیادہ بہتر اور اعلیٰ درجہ کے ہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ رومال استعمالی کپڑوں میں عام طور پر معمولی کپڑا ہوا کرتا ہے کیونکہ وہ ادنیٰ درجہ کے مصرف میں استعمال کیا جاتا ہے لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ جنت میں حضرت سعدؓ کے کپڑے کہیں زیادہ اعلیٰ اور قیمتی ہیں آنحضرت ﷺ نے یہ جبہ حضرت عمر ابن خطابؓ کو ہبہ فرمادیا۔

ابولبابہ کی قبولیت دعا...... پیچھے حضرت ابولبابہ کی غلطی اور ان کی ندامت اور خود کو سزا دینے کا واقعہ گذرا ہے) اسی دوران میں ان کی توبہ قبول ہونے کے متعلق وحی نازل ہوئی۔ جس وقت آنحضرت ﷺ پر یہ وحی نازل ہوئی اس وقت آپ حضرت ام سلمہ کے حجرے میں تھے۔

ام المومنینؓ فرماتی ہیں کہ میں نے صبح ہی صبح آنحضرت ﷺ کو ہنستے دیکھا۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ کیوں ہنس رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ ہنستا رکھے! آپ نے فرمایا ابولبابہ کی توبہ قبول ہوگئی میں نے عرض کیا تو کیا میں ان کو یہ خوش خبری سنادوں یارسول اللہ؟

آپ نے فرمایا کہ بے شک اگر تم چاہو تو ضرور سنادو۔ چنانچہ حضرت ام سلمہؓ اپنے حجرہ کے دروازہ پر کھڑی ہو گئیں ایک قول ہے کہ یہ واقعہ پردے کا حکم سے پہلے کا ہے مگر پیچھے بہتان تراشی کا جو واقعہ گزرا ہے اس کی تفصیلات کے لحاظ سے یہ بات درست نہیں ہے۔

غرض ام المومنینؓ نے دروازہ پر کھڑے ہو کر کہا اے ابولبابہ تمہیں خوشخبری ہو اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی ہے' یہ سنتے ہی لوگ ابولبابہؓ کی زنجیریں کھولنے کیلئے ان کی طرف جھپٹے مگر ابولبابہ نے ان کو روکتے ہوئے کہا کہ ہرگز نہیں رسول اللہ ﷺ خود اپنے دست مبارک سے مجھے کھولیں گے ایک قول ہے کہ ابولبابہ کو یہ خوش خبری سنانے والی حضرت عائشہؓ تھیں۔

غرض پھر جب رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز کے لئے نکلے تو ابولبابہؓ کے پاس سے گزرتے ہوئے آپ نے ان کو کھولا۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے بھی ابولبابہ کو کھولنے کا ارادہ کیا تھا مگر انہوں نے منع کردیا۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ فاطمہ میرے ہی جسم کا ایک حصہ ہے۔ ایک حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابولبابہ کو اگر حضرت فاطمہؓ بھی کھول دیتیں تو ابولبابہ اپنی قسم سے بری ہو جاتے۔ بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

غرض اس طرح حضرت ابولبابہؓ چھ رات تک اس ستون کے ساتھ خود کو باندھے ہوئے کھڑے رہے۔ ایک قول سات رات کا ہے اور ایک قول سترہ رات کا بھی ہے۔ اسی طرح ایک قول پندرہ راتوں کا بھی ہے کتاب امتاع میں صرف یہی آخری قول نقل کیا گیا ہے۔

اس دوران ہر نماز کے وقت ان کی بیوی یا بیٹی ان کے پاس آتیں اور انہیں نماز کے لئے کھول دیتی تھیں۔ اسی طرح جب ان کو قضائے حاجت کی ضرورت ہوتی تو ان کو کھول دیتیں۔ فارغ ہونے کے بعد وہ ستون کے پاس واپس آجاتے اور انہیں پھر باندھ دیا جاتا۔ اس کے نتیجہ میں ان کے کانوں اور آنکھوں کی قوت بہت زیادہ کمزور ہونے لگی تھی۔ گذشتہ روایت اس بات کے خلاف نہیں ہے کہ ان کی بیوی اور بیٹی باری باری ان کے پاس آیا کرتی تھیں (اور نماز وغیرہ کے لئے ان کو کھولتی تھیں)۔

ایک حدیث میں ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ توبہ قبول ہو جانے کے بعد میں چاہتا ہوں کہ اس علاقہ کو چھوڑ دوں جہاں مجھ سے یہ کفر سرزد ہوا ہے۔ مگر اس روایت میں یہ شبہ ہے کہ ابولبابہ تو پہلے ہی اس بات کا حلف کر چکے تھے جیسا کہ بیان ہوا۔

غرض پھر انہوں نے کہا میں چاہتا ہوں کہ اس گناہ کے بدلے میں اپنے مال و دولت سے بھی سبکدوش ہو جاؤں؟ آپ نے فرمایا یہ کافی ہے کہ تم اپنے مال کا ایک تہائی حصہ صدقہ کر دو۔ گویا آنحضرت ﷺ نے ان کو یہ علاقہ چھوڑنے کا حکم نہیں دیا۔

جہاں تک اس دوسری روایت کا جس کے مطابق ابولبابہ نے یہ علاقہ چھوڑنے کا ارادہ ظاہر کیا اور اس گذشتہ روایت کا تعلق ہے جس کے مطابق وہ اللہ تعالیٰ سے خود ہی یہ عہد کر چکے تھے کہ بنی قریظہ کی سرزمین میں کبھی قدم نہ رکھوں گا تو ان دونوں روایتوں میں موافقت پیدا کرنا ممکن ہے۔

یہودی باندیوں کی فروختگی اور اسلحہ کی خریداری...... غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے سعد ابن زید انصاریؓ کے ہاتھ بنی قریظہ کے قیدیوں یعنی غلام باندیوں کو فروخت کرنے کے لئے نجد کے علاقہ میں بھیجا تاکہ ان کے بدلے گھوڑے اور ہتھیار وغیرہ خریدے جائیں۔

(قال) ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ آپ نے حضرت سعد ابن عبادہؓ کو یہ قیدی دے کر ملک شام میں بھیجا تاکہ ان کو فروخت کر کے ان کی قیمت سے ہتھیار اور گھوڑے خرید لائیں۔ چنانچہ انہوں نے ان غلاموں کے بدلے میں کثیر تعداد میں گھوڑے خریدے۔ آنحضرت ﷺ نے ان گھوڑوں کو مسلمانوں میں تقسیم فرمادیا۔

ان میں جو باندیاں بنی تھیں ان کو حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ نے خرید لیا تھا۔ پہلے ان باندیوں کی دو قسمیں کی گئیں کہ جوان لڑکیوں کو علیحدہ کر لیا گیا اور بوڑھی عورتوں کو علیحدہ کر لیا گیا۔ (خریدار دو ہی آدمی تھی ایک عبدالرحمٰن ابن عوفؓ اور دوسرے عثمان غنیؓ) اب حضرت عبدالرحمٰنؓ نے حضرت عثمانؓ کو اختیار دے دیا کہ ان دونوں قسموں میں سے جسے چاہیں پہلے وہ خرید لیں حضرت عثمانؓ نے بوڑھی عورتوں کو خرید لیا اور حضرت عبدالرحمٰن نے جوان لڑکیوں کو خرید لیا۔

پھر حضرت عثمانؓ نے اپنی خرید کردہ بوڑھیوں میں سے ہر ایک کو یہ اختیار دیا کہ اگر وہ اتنا مال ان کو ادا کر دے تو وہ آزاد ہو گی۔ اب مال جو کچھ تھا وہ بڑھیوں کے پاس ہی تھا جوان لڑکیوں کے پاس کچھ نہیں تھا اس لئے حضرت عثمانؓ کو بہت نفع ہوا۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: یہاں روایات مختلف ہیں جن کے درمیان موافقت کی ضرورت ہے۔ اگر سعدؓ ابن عبادہ اور عثمانؓ غنی اور عبدالرحمٰن ابن عوف کے واقعہ بنی قریظہ کی باندیاں ہی مراد ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ ان باندیوں کی تین قسمیں کی گئیں۔ ایک قسم سعد ابن زید کو دی گئی' ایک قسم سعد ابن عبادہ کو دی گئی اور ایک قسم وہ تھی جس کو عثمان غنی اور عبدالرحمٰن ابن عوف نے خریدا۔ بنی قریظہ کی باندیوں کے فدیئے بھی لئے گئے۔ اب گویا اس روایت سے کہ سعد ابن زید کو بنی قریظہ کی باندیاں دے کر نجد بھیجا گیا مراد یہ ہو گی کہ ان میں سے کچھ باندیاں ان کے ساتھ بھیجی گئی۔

اسی طرح اس روایت سے کہ سعد ابن عبادہ کے ساتھ بنی قریظہ کی باندیاں ملک شام بھیجی گئیں مراد یہ ہو گی کہ ان میں سے کچھ ان کے ساتھ شام بھیجی گئیں۔ لیکن اگر سعد ابن عبادہ کے واقعہ میں بنی قریظہ کی باندیوں کے بجائے دوسری باندیاں مراد ہیں تو بات صاف ہے۔ ابن عبادہ کے واقعہ میں باندیوں کے ساتھ بنی قریظہ کا لفظ نہیں ہے اس لئے یہی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دوسری باندیاں مراد ہیں۔

ادھر میں نے کتاب امتاع دیکھی تو اس میں سعد ابن زید انصاری کا واقعہ ذکر ہی نہیں کیا گیا بلکہ صرف سعد ابن عبادہ کا واقعہ ذکر ہے۔ امتاع میں ہے کہ جب عورتوں و بچوں کو باندی غلام بنایا گیا تو آنحضرت ﷺ نے ان میں سے کچھ تعداد سعد ابن عبادہ کیساتھ ملک شام کو بھیجی تاکہ انہیں بیچ کر اس رقم سے اسلحہ خرید لیا جائے یہاں تک کتاب امتاع کا حوالہ ہے۔ واللہ اعلم۔

باندیوں کے ساتھ انسانیت کا معاملہ...... آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ بنی قریظہ کی باندیاں جو فروخت کی جائیں تو ماں اور بچے کو جدا نہ کیا جائے۔ آپ نے فرمایا جب تک بچہ جوان نہ ہو جائے اسے ماں سے علیحدہ نہ کیا جائے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ بلوغ سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا لڑکی کو حیض آنا اور لڑکے کو احتلام یعنی بدخوابی ہونا قاعدہ یہ تھا کہ اگر کوئی ایسا چھوٹا بچہ ملتا تھا جس کی ماں نہ ہو تو اسے مشرکین عرب یا یہودیوں کو نہیں بیچا جاتا تھا بلکہ اسے کسی مسلمان کے ہاتھ بیچا جاتا تھا۔ اسی طرح ام ولد صغیر کو یعنی ایسی باندی جس کی گود میں پہلے سے کوئی چھوٹا بچہ ہو تو اس کے بچے کو مشرکین عرب یا مدینے کے یہودیوں کے ہاتھوں فروخت نہیں کیا جاتا تھا۔ کتاب امتاع میں ہے کہ ایسی باندیاں جو آپس میں بہنیں ہوں جب بالغ ہو جائیں تو ان کو جدا کیا جاسکتا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر وہ جوان نہیں ہیں تو ان کو بھی ایک دوسری سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔

مگر ہمارے شافعی علماء کے نزدیک صرف اصول اور فروع یعنی جڑ اور شاخوں کے درمیان جدائی کرنا حرام ہے (یعنی ماں اور بچے کے درمیان) جب تک کہ وہ سمجھدار یعنی بالغ نہ ہو جائے۔ یہ مسلک آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے تحت ہے کہ جس نے ماں کو اس کے بچے سے جدا کر دیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو اس کے عزیزوں اور محبت کرنے ولوں سے جدا کر دے گا۔ شاید گذشتہ روایت امام شافعیؒ کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

ریحانہ بنت عمرو نبی کا انتخاب...... ان یہودی باندیوں میں سے آنحضرت ﷺ نے اپنے لئے ریحانہ بنت عمرو کو انتخاب فرمایا۔ یہ عمرو آنحضرت ﷺ کا غلام شمعون تھا جو بنی نضیر کے یہودیوں میں سے تھا مگر اس کی بیٹی بنی قریظہ میں بیاہی گئی تھی، چنانچہ جن لوگوں نے ریحانہ کو بنی قریظہ میں سے قرار دیا ہے ان کا مطلب یہی ہے۔ یہ ایک خوبصورت عورت تھی آنحضرت ﷺ نے جب اس کو اسلام پیش کیا تو اس نے مسلمان ہونے سے انکار کر دیا۔ آنحضرت ﷺ کو اس کے انکار سے غصہ آیا مگر آپؐ نے غصہ کا اظہار نہیں فرمایا۔ پھر بعد میں یہ مسلمان ہو گئی اس کے مسلمان ہونے کے بعد آپؐ خوش ہو گئے۔

چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ جب ریحانہ نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تو آپ نے اس سے بات کرنا چھوڑ دیا اور آپ کو اس کی طرف سے ناراضی پیدا ہوئی۔ آپؐ نے ثعلبہ ابن شعبہ کو بلوایا۔ یہ ثعلبہ ان لوگوں میں سے ہیں جو بنی قریظہ کے قلعہ سے اس رات میں نکل کر آنحضرت ﷺ کے پاس آگئے جس کی صبح کو بنی قریظہ نے سعد ابن معاذؓ کے حکم پر ہتھیار ڈالے تھے جیسا کہ بعض روایات میں یوں ہی ہے۔ پھر یہ ثعلبہ اور ان کے بھائی اسید لسد اور ان کے چچازاد بھائی مسلمان ہو گئے تھے۔ اس طرح ان کے جان و مال محفوظ ہو گئے تھے، مگر یہ لوگ بنی قریظہ میں سے نہیں تھے بلکہ یہ بنی ھذیل میں سے تھے۔

غرض آنحضرت ﷺ نے ثعلبہ سے ریحانہ کے انکار کا ذکر فرمایا۔ انہوں نے کہا یارسول اللہ ﷺ آپؐ پر میرے ماں باپ قربان ہوں وہ تو مسلمان ہی ہے۔ یہ بات انہوں نے اپنے حسن ظن کے تحت کہی کہ وہ مسلمان ہو جائیں گی۔

ریحانہ کا اسلام...... اس کے بعد ثعلبہ آنحضرت ﷺ کے پاس سے اٹھ ریحانہ کے پاس آئے اور ان پر اصرار کرتے رہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ تو رسول اللہ ﷺ تمہیں اپنے لئے منتخب فرمالیں گے۔ آخر ریحانہ مان گئیں اور مسلمان ہو گئیں۔

اس وقت آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ کی ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے آپ کے جوتے آپ کے پیچھے رکھے ہوئے تھے جو گر گئے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ جوتے مجھے خوش خبری دے رہے ہیں کہ ریحانہ مسلمان ہو گئی ہے چنانچہ واقعہ یہی تھا۔

اسی وقت آپؐ کو اطلاع دی گئی کہ ریحانہ مسلمان ہو گئی ہیں۔ آپ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اس کے بعد وہ آنحضرت ﷺ کی ملکیت میں ہی آپؐ کے پاس رہیں۔ انہوں نے آزادی اور نکاح کے اختیار کے باوجود آپؐ کی ملکیت میں رہنا منظور کیا۔

آنحضرت ﷺ نے ان کو اختیار دیا تھا کہ چاہے وہ اسے منظور کرلیں کہ آپؐ ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کرلیں اور چاہے باندی کی حیثیت سے ہی آپؐ کی فراش رہیں مگر انہوں نے یہی پسند کیا کہ آپؐ کی ملکیت میں یعنی باندی کے طور پر رہیں گی۔

مگر بعض علماء نے لکھا ہے کہ اہل علم کے نزدیک یہ بات ثابت ہے کہ آپؐ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح فرمایا تھا اور بارہ اوقیہ اور ایک نش ان کو مہر دیا تھا۔ نیز جب حضرت ریحانہ کو ایک حیض آگیا تو محرم ۶ھ میں آپؐ نے ان کے ساتھ عروسی فرمائی اور ان کو پردہ کرادیا گیا۔ مگر انہوں نے پردہ کے متعلق آپؐ کے حکم کی خلاف ورزی کی اس پر آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک طلاق دے دی جس کے نتیجہ میں وہ بے تحاشہ روئیں۔ آخر آپؐ نے اس کے ساتھ رجعت فرمالی (یعنی ان کو معاف کر کے پھر قبول فرمالیا)۔

اس کے بعد وہ عمر بھر آنحضرت ﷺ کے پاس رہیں یہاں تک کہ جب آپ ۱۰ھ میں حجۃ الوداع سے واپس تشریف لائے تو حضرت ریحانہ کا انتقال ہو گیا۔ آپؐ نے ان کو جنت البقیع کے قبرستان میں دفن فرمایا۔

پیچھے بیان ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ریحانہ کے ساتھ اس وقت عروسی فرمائی جب کہ ریحانہ کو ایک حیض آگیا (گویا آپ نے ان کے حیض کا انتظار فرمایا تاکہ ریحانہ کے حمل سے ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں بات صاف ہو جائے اس کو شرعی اصطلاح میں استبراء یعنی برأت کا انتظار کرنا کہتے ہیں۔

اس حدیث سے ہمارے یعنی شافعی فقہاء کے اس قول کی دلیل ثابت ہوتی ہے جس کے مطابق اگر کوئی شخص ایسی باندی کا مالک بن جائے جس کے ساتھ اس کے علاوہ کوئی ایسا شخص بھی ہمبستری کر چکا ہو جس کے لئے وہ عورت حلال رہی ہو تو اس سے استبراء سے پہلے اس لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہے چاہے اس نے اسے آزاد ہی کیوں نہ کر دیا ہو۔

یہ بات پیچھے بیان ہو چکی ہے کہ قریظہ اور نضیر حضرت ہارونؑ کی اولاد میں دو بھائی تھے جن کی اولاد بنی قریظہ اور بنی نضیر تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

غزوہ بنی لحیان

یہ لحیان کی بستی عسفان کے قریب ہے اور لحیانی بنی ھذیل کا قبیلہ ہے۔ واضح رہے کہ غزوہ بنی قریظہ سے فارغ ہونے کے چھ مہینے بعد رسول اللہ ﷺ نے بنی لحیان سے جنگ کرنے کے لئے کوچ فرمایا آپؐ ان سے اصحاب رجیع کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔ اصحاب رجیع میں حضرت خبیب اور ان کے ساتھی شامل تھے جن کو بیر معونہ کے مقام پر قتل کر دیا گیا تھا۔ اس واقعہ کی تفصیل آگے سرایا یعنی صحابہ کی فوجی مہمات کے بیان میں آئے گی۔

انتقام کے لئے کوچ...... آنحضرت ﷺ کو اصحاب رجیع کے قتل کا بے حد صدمہ تھا جو آپؐ کے صحابہ تھے اور جن کو رجیع کے مقام پر قتل کیا گیا تھا (اسی لئے ان کو اصحاب رجیع کہا جاتا ہے! چنانچہ آپ نے بنی ھذیل سے اس حرکت کا انتقام لینے کا ارادہ فرمایا۔ آپؐ نے صحابہ میں تیاری اور کوچ کا اعلان کرا دیا اور ظاہری طور پر آپ نے شام کی طرف کوچ فرمایا تاکہ دشمن پر بے خبری میں حملہ آور ہوں۔ مدینے پر آپ نے حضرت ابن اُمّ مکتوم کو اپنا قائم مقام بنایا۔ اس غزوہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ دو سو صحابہ تھے۔ جن میں سے بیس گھوڑے سوار تھے۔

دشمن کا فرار...... جب آنحضرت ﷺ اس مقام پر پہنچے جہاں اصحاب رجیع قتل ہوئے تھے تو آپؐ نے ان کے لئے رحمت و مغفرت کی دعا مانگی۔ اسی دوران میں بنی لحیان کو معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ ان سے انتقام لینے کے لئے بڑھ رہے ہیں وہ لوگ ڈر کے مارے پہاڑوں میں جا چھپے۔ ادھر آنحضرت ﷺ کو جب بنی لحیان کے فرار کا حال معلوم ہوا تو آپؐ نے ان کی تلاش میں صحابہ کے دستے مختلف سمتوں میں روانہ فرمائے مگر کسی کو بنی لحیان کا ایک آدمی بھی نہ مل سکا۔

آپؐ نے یہاں دو دن قیام فرمایا۔ آخر جب آپؐ نے دیکھا کہ غفلت میں ان پر جو حملہ کرنا چاہتے تھے وہ پورا نہیں ہوا تو آپؐ نے صحابہ سے فرمایا کہ اس وقت اگر ہم قبیلہ عسفان کے علاقہ میں پہنچ جائیں تو مکے والے یہ سمجھیں گے کہ ہم مکے تک آگئے ہیں۔ چنانچہ آپؐ صحابہ میں سے دو سو آدمیوں کو لے کر روانہ ہوئے۔ اس روایت سے اندازہ ہوتا ہے کہ مدینے سے آپؐ دو سو سے زیادہ لشکر کے ساتھ چلے تھے۔ اس اختلاف کے سلسلے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ مدینے سے آپ کے ساتھ دو سو صحابہ ہی تھے مگر کوچ کے بعد مزید صحابہ شامل ہوتے گئے اور تعداد بڑھتی گئی۔

غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے گھوڑے سواروں کا ایک دستہ آگے روانہ فرمایا جو کراع غمیم کے مقام تک پہنچ گیا اور پھر واپس آگیا۔ ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ۔ پھر آپؐ نے حضرت ابو بکرؓ کو دس گھوڑے سواروں کے ساتھ بھیجا۔ مگر ظاہر میں دونوں روایات میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

واپسی میں نبی کی دعا...... آخر اس کے بعد آنحضرت ﷺ مدینے کی طرف واپس روانہ ہوئے حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ مدینے کو واپس روانہ ہوئے تو میں نے آپؐ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سنے جو آپؐ دعا کے طور پر فرماتے جاتے تھے:

آئِبُوْنَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ

ایک روایت میں یوں ہے کہ:

لِرَبِّنَا عَابِدُوْنَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَ كَآبَةِ الْمُنْقَلِبِ وَسُوْءُ الْمَنْظَرِ فِى الْاَهْلِ وَالْمَالِ

بعض راویوں نے یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے:

اَللّٰهُمَّ بَلِّغْنَا بَلاَغًا صَالِحاً تَبْلُغُ اِلٰى خَيْرِ مَغْفِرَتِكَ وَرِضْوَانًا

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے گناہوں سے توبہ کرنے والے اور انشاء اللہ اپنے رب کی تعریف کرنے والے۔

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے یوں فرمایا:

اپنے رب کی عبادت کرنے والے۔ اے اللہ میں سفر کی دشواریوں سے اور دشواریوں کے ساتھ واپسی سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اپنے گھر بار اور مال میں کسی تکلیف دہ انقلاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اے اللہ! ہمیں ایک ایسے بہتر مقام پر پہنچادے جہاں سے ہم تیری مغفرت اور خوشنودی حاصل کر سکیں۔

غزوہ ذی قَرَد

قَرَدایک چشمہ کانام تھا۔ قرد اصل میں معمولی درجے کے اون کو کہتے ہیں۔اس غزوہ کو غزوہ غابہ بھی کہا جاتا ہے لفظ غابہ گھنے درختوں کو کہتے ہیں (جس کو جھاڑی بھی کہہ سکتے ہیں)۔

عیینہ کی چھیڑ خانی...... غزوہ بنی لحیان سے واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ مدینے میں چند رات ہی ٹھہرے تھے کہ آپ کو معلوم ہوا عیینہ ابن حصن نے عطفان کے کچھ سواروں کے ساتھ اس چراگاہ پر حملہ کیا جہاں آپ کے اونٹ چرتے تھے۔ یہاں اونٹوں کے لئے لقاح کا لفظ استعمال ہوا ہے جو لقحہ کی جمع ہے۔ لقحہ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو دودھ دینے والی اور بچے دینے کے قریب ہو۔ یعنی تین مہینے تک لقحہ کہلاتی ہے اس کے بعد وہ لبون کہلاتی ہے۔

ابوذر کی بیوی و بیٹے کو حادثہ...... غرض آنحضرت ﷺ کے ان اونٹوں کی تعداد بیس تھی۔ اس چراگاہ میں آنحضرت ﷺ کے اونٹوں کے ساتھ ایک غفاری شخص بھی تھا یہ شخص حضرت ابوذرؓ غفاری کا بیٹا تھا۔ اس کے علاوہ ان کی یعنی حضرت ابوذر کی بیوی بھی تھی۔ روایت میں ان کی بیوی کا لفظ ہے جس کا مطلب حضرت ابوذر کی بیوی ہیں جیسا کہ آگے آنے والی روایت سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ حضرت ابوذر کے بیٹے کی بیوی مراد نہیں ہے۔

ان اونٹوں کا چرواہا روزانہ مغرب کے وقت دودھ لے کر مدینے آیا کرتا تھا۔ (ی) کیونکہ چراگاہ اور مدینے کے درمیان ایک دن یا تقریباً ایک دن کے سفر کی مسافت تھی۔

غرض ان حملہ آوروں نے اس غفاری شخص کو قتل کر دیا اور اس عورت یعنی حضرت ابوذرؓ کی بیوی کو اٹھا لے گئے۔

(قال) ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضرت ابوذرؓ نے آنحضرت ﷺ سے اجازت چاہی تھی کہ وہ اونٹوں کے گلے کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عیینہ اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے تم پر حملہ آور ہونے کا خطرہ ہے۔ مگر حضرت ابوذرؓ اصرار کرنے لگے۔ آخر آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا تھا:

"مجھے ایسا نظر آرہا ہے کہ تمہارا بیٹا قتل ہو جائے گا۔ تمہاری بیوی پکڑلی جائے گی اور تم لاٹھی ٹیکتے ہوئے وہاں سے واپس آرہے ہو گے!"

چنانچہ اس واقعہ کے بعد حضرت ابوذرؓ کہا کرتے تھے کہ میرے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا معاملہ عجیب ہوا۔ آپ نے مجھ سے پہلے سے فرمادیا تھا کہ مجھے ایسا نظر آرہا ہے۔ آپ یہ فرمارہے تھے اور میں آپ پر اصرار کرتا رہا (آخر آپ نے اجازت دے دی اور) پھر خدا کی قسم وہی ہوا جو آپ نے فرمادیا تھا۔ میں خدا کی قسم اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا اور آنحضرت ﷺ کی اونٹنیاں چر کر آچکی تھیں اور دودھ نکالا جاچکا تھا اس کے بعد ہم سو گئے۔ رات میں اچانک عیینہ ابن حصن چالیس سواروں کے ساتھ ہم پر آپڑا۔ وہ لوگ ہمارے سرہانے کھڑے ہو کر زور زور سے چیخنے لگے۔ میرا بیٹا اٹھ کر ان سے مقابلہ کرنے لگا۔ اس کے ساتھ تین آدمی اور تھے۔ میرا بیٹا قتل ہو گیا اور وہ تینوں بچ کر نکل گئے۔ میں بھی ان کی نظروں سے بچ کر ایک طرف دبک گیا تھا وہ لوگ اونٹنیوں کو کھولنے میں لگے ہوئے تھے اس لئے میری طرف سے ان کا دھیان ہٹا رہا۔ ان اونٹنیوں کے ساتھ یہ ان کی آخری کاروائی تھی۔ اس کے بعد میں نے آنحضرت ﷺ کے پاس آکر یہ واقعہ بتلایا تو آپ مسکرانے لگے۔

بعض روایتوں میں عیینہ ابن حصن کے بجائے اس واقعہ میں عیینہ کے بیٹے عبدالرحمٰن ابن عیینہ کا نام ذکر کیا گیا ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ دونوں باتوں سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا کیونکہ عیینہ اور عبدالرحمٰن دونوں ہی اس گروہ میں موجود تھے۔

سلمہ ابن اکوع کو حادثہ کی اطلاع...... اس واقعہ کا سب سے پہلے حضرت سلمہ ابن اکوع کو علم ہوا کیونکہ وہ اپنی کمان لئے اگلے دن صبح کو چراگاہ کی طرف جارہے تھے ان کے ساتھ ان کا غلام طلحہ ابن عبیداللہ بھی تھا جو ان کا گھوڑا لے کر آیا تھا اور اسے لگام پکڑ کر ہنکار رہا تھا۔ راستے میں حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کے غلام سے ان کی ملاقات ہوئی۔ اس نے سلمہؓ کو بتلایا کہ عیینہ نے غطفان کے چالیس سواروں کے ساتھ اچانک رسول اللہ ﷺ کی اونٹنیوں پر حملہ کیا اور انہیں لے گیا ہے۔ حضرت سلمہؓ کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے غلام سے کہا کہ اے رباح اس گھوڑے پر بیٹھو اور رسول اللہ ﷺ کو جاکر اطلاع دو کہ آپ کے مویشیوں کو لوٹ لیا گیا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ رباح رسول اللہ ﷺ کے غلام تھے اور وہ بھی حضرت سلمہؓ کے ساتھ تھے مگر راوی نے ان کا ذکر نہیں کیا یعنی یہ نہیں کہا کہ سلمہ کے ساتھ رباح بھی تھے جو آنحضرت ﷺ کے غلام تھے۔ ادھر یہ بھی امکان ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کا وہ غلام جس نے حضرت سلمہؓ کو اونٹنیوں کے متعلق اطلاع دی یہی رباح رہا ہو ادھر اس سے کوئی شبہ نہیں ہوتا کہ یہ رباح آنحضرت ﷺ اور حضرت عبدالرحمٰن کے غلام رہے ہوں کیونکہ ممکن ہے وہ پہلے حضرت عبدالرحمٰن کے غلام رہے ہوں اور پھر عبدالرحمٰن نے ان کو آنحضرت ﷺ کی حدیث میں ہبہ کردیا ہو۔ لہٰذا اصل اور گذشتہ کے اعتبار سے ان کو حضرت عبدالرحمٰن کا غلام کہا جاسکتا ہے۔

ادھر میں نے بعض اقوال دیکھے جس سے پہلے قول کی تائید ہوتی ہے چنانچہ حضرت سلمہؓ سے ایک روایت ہے کہ ایک روز میں اور رباح جو آنحضرت ﷺ کا غلام تھا صبح کی اذان سے پہلے گھر سے نکل کر چراگاہ کی طرف روانہ ہوئے۔ میں ابوطلحہ انصاری کے گھوڑے پر سوار تھا راستے میں مجھے عبدالرحمٰن ابن عوف کا غلام ملا جس نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنیاں پکڑ لی گئی ہیں۔ میں نے کہا کس نے پکڑی ہیں' اس نے بتلایا کہ غطفانیوں اور فزاریوں نے پکڑلی ہیں۔

اس روایت میں طلحہ غلام کا ذکر نہیں ہے۔ ادھر علامہ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ میں عبدالرحمٰن ابن عوف کے اس غلام کے نام سے واقف نہیں ہوسکا جس کا یہاں ذکر کیا گیا ہے اور جس نے سلمہ کو آنحضرت ﷺ کی اونٹنیوں کے متعلق خبردی تھی۔

(قال) ادھر علامہ شامی کہتے ہیں کہ ممکن ہے یہی شخص رسول اللہ ﷺ کا غلام رباح ہو اور وہ دونوں میں ملک کسی ایک کا رہا ہو اور خدمت دوسرے کی کرتا ہو لہٰذا کبھی اس کو ایک کی طرف منسوب کردیا جاتا ہو اور کبھی دوسرے کی طرف۔ یہاں تک علامہ ابن حجر کا حوالہ ہے۔ اب اس کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ رباح حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کے غلام کے علاوہ دوسرا شخص تھا اور یہ کہ رباح حضرت سلمہ کے ساتھ تھا نیز یہ کہ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کے غلام نے ہی سلمہ کو آنحضرت ﷺ کی اونٹنیوں کے متعلق اطلاع دی۔ یہاں کہا گیا ہے کہ جس گھوڑے پر سلمہ سوار تھے وہ ابوطلحہ کا تھا۔ ادھر یہ بھی گزرا ہے کہ گھوڑا طلحہ کا تھا۔ ایک قول یہ گزرا ہے کہ گھوڑے کو ہانکنے والا طلحہ کا غلام تھا۔ اسی طرح یہ بھی گزرا ہے کہ حضرت سلمہؓ اس پر سوار تھے۔ مختصر یہ کہ مختلف روایات میں مختلف الفاظ ہیں مگر ان سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ممکن ہے حضرت سلمہ راستے میں اس پر سوار ہوگئے ہوں (مسلسل سوار نہ رہے ہوں) تاہم یہ بات قابل غور ہے (کیونکہ جہاں گھوڑے کو ہانکنے کا ذکر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر کوئی سوار نہیں تھا)۔

آنحضرت ﷺ کے اس غلام کا نام رباح تھا جس میں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے کہ کسی شخص کے غلام کا نام ان چار ناموں میں سے کوئی رکھا جائے یعنی افلح' رباح' یسار اور نافع ایک روایت میں پانچ ناموں کی ممانعت ہے جس میں ان چار کے ساتھ نجیح نام کی بھی ممانعت ہے۔ اب اس ممانعت کی روشنی میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کے غلام کا یہ نام تو کسی اور نے رکھا ہوگا لیکن پھر آنحضرت ﷺ نے اس کو تبدیل کیوں نہیں فرمایا۔ اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس نام کو نہ تبدیل کر کے یہ ظاہر فرمایا ہے کہ یہ ممانعت کراہت تنزیہی کی وجہ سے ہے کہ کراہت تحریمی کی وجہ سے نہیں ہے۔

سلمہ کی طرف سے تنہا تعاقب...... غرض اس کے بعد حضرت سلمہؓ مدینے کو واپس لوٹے اور ثنیۃ الوداع کے ٹیلے پر چڑھ کر انہوں نے حملہ آوروں اور ان کے کچھ گھوڑے سواروں کو دیکھا یہ دیکھتے ہی حضرت سلمہ نے زور زور سے چیخ کر شور مچایا اور پکار کر فریاد کی۔ لوگو دوڑو۔ انہوں نے تین دفعہ یہ جملہ کہا۔ ایک قول کے مطابق انہوں نے لٹ گئے لٹ گئے تین دفعہ کہا۔ بہر حال ہو سکتا ہے کہ انہوں نے دونوں ہی باتیں کہی ہوں۔

حضرت سلمہؓ سے ایک روایت ہے کہ میں سلع پہاڑی کے قریب ایک بلند ٹیلے پر کھڑا ہو گیا۔ ایک روایت میں ٹیلے کے بجائے (کہ یعنی ٹیکرے کا لفظ ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ پھر میں سلع پہاڑی پر چڑھ گیا۔ مگر ظاہر ہے ان سب باتوں سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا۔ غرض سلمہ کہتے ہیں کہ۔ میں نے مدینہ کی طرف منہ کر کے تین دفعہ پکارا اور یا صباحاہ کہا اور ہر دفعہ مجھے اپنی ہی آواز دوبارہ سنائی دیتی تھی کیونکہ کھلی جگہ تھی اس لئے صدائے بازگشت آتی تھی۔ یا ممکن ہے یہاں یہ آواز بازگشت نہ رہی ہو بلکہ خرق عادت اور کرشمہ کے طور پر سنائی دی ہو۔

جہاں تک لفظ یا صباحاہ کا تعلق ہے تو یہ کلمہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی غافل شخص کو دشمن کی طرف سے چوکنا اور ہوشیار کرنا مقصود ہو چنانچہ حملہ کے دن کو بھی یوم صباح کہا جاتا ہے (اسی مناسبت سے دشمن اور حملہ آور سے خبردار کرنے کے لئے یا صباحاہ بولا گیا)۔

سلمہ کی بہادری اور دشمن کو نقصان...... اس کے بعد سلمہ دشمن کے تعاقب میں چیتے کی سی تیزی سے دوڑے۔ وہ بے تحاشہ دوڑتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے حملہ آوروں کو جالیا۔ ان کو دیکھتے ہی سلمہ نے ان پر تیر اندازی شروع کر دی وہ جب بھی تیر چلاتے تو ساتھ ہی پکار کر کہتے۔ لے سنبھال۔ میں ابن اکوع ہوں اور آج کا دن ہلاکت و بربادی کا دن ہے۔ جب دشمن گھوڑے سوار مڑ کر ان کی طرف رخ کرتا تو یہ وہاں سے بھاگ جاتے۔ یہ اس طرح کرتے اور دشمن کے پیچھے لگے رہے۔ سلمہ کہتے ہیں کہ میں بھاگ کر ان میں سے کسی ایک کے سر پر جا پہنچتا اور اس کے پیر میں تیر مارتا جس سے وہ سخت زخمی ہو جاتا۔ پھر جب ان میں سے کوئی گھوڑے سوار میری طرف رخ کرتا تو میں کسی درخت کے پیچھے اس کی جڑ میں بیٹھ جاتا اور پھر تیر اندازی کر کے حملہ آور کو زخمی کر دیتا یہاں تک کہ وہ میرے سامنے سے بھاگ جاتا۔ پھر جب حملہ آوروں کا دستہ کسی پہاڑ کے تنگ درے میں گھس کر اپنے کو محفوظ سمجھتا تو میں پہاڑ کے اوپر پہنچ کر ان لوگوں پر سنگ باری اور پتھراؤ کرتا (جس سے وہ لوگ عاجز آجاتے)

تنہا حاصل کردہ مال غنیمت...... حضرت سلمہؓ کہتے ہیں کہ میں اسی طرح ان لوگوں پر تیروں کی بارش کرتا رہا یہاں تک کہ ان میں سے زخمی ہو کر بھاگنے والوں نے تیس سے زیادہ نیزے اور اتنی ہی چادریں راستے میں پھینک دیں تاکہ ان کا بوجھ کم ہو اور

وہ آسانی سے بھاگ سکیں۔ وہ لوگ جو چیز بھی کہیں پھینکتے میں اس پر پتھر رکھتا ہوا آگے بڑھ جاتا اور میں ان سب چیزوں کو رسول اللہ ﷺ کی گزر گاہ پر جمع کرتا گیا۔

غرض میں اسی طرح ان کے پیچھے لگا رہا یہاں تک کہ وہ تمام اونٹ جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی سواری کے لئے پیدا فرمائے تھے ان سب کو میں اپنے پیچھے چھوڑتا گیا اور اس طرح میں نے ان حملہ آوروں سے تمام اونٹ چھڑا لئے (یعنی جتنے اونٹ بھی وہ لوگ لے کر بھاگے تھے وہ چھوڑ کر فرار ہوتے گئے اور میں ان رہا شدہ اونٹوں کو اپنے پیچھے چھوڑتا ہوا آگے بڑھتا گیا)۔

نبی کو اطلاع اور سواروں کے ذریعہ تعاقب...... ادھر جب رسول اللہ ﷺ نے ابن اکوع کی وہ فریاد اور چیخ و پکار سنی تو آپؐ نے مدینے میں فوراً اعلان کرایا کہ تیار ہو جاؤ اے اللہ کے سوار و تیار ہو جاؤ اور سوار ہو کر چلو۔ ایک قول ہے کہ اس طریقہ پر آپؐ نے پہلی بار تیاری کا اعلان کرایا تھا۔ مگر اس میں یہ اشکال ہے کہ اسی انداز پر کوچ اور تیاری کا اعلان غزوہ بنی قریظہ کے موقعہ پر بھی کرایا گیا تھا جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

غرض اس اعلان کے بعد گھوڑے سواروں میں سب سے پہلے جو شخص تیار ہو کر آپؐ کے پاس پہنچے وہ حضرت مقداد ابن عمرو تھے جن کو ابن اسود کہا جاتا تھا۔ یہ گزر چکا ہے کہ مقدادؓ نے چونکہ اسود ابن عبدیغوث کی سرپرستی میں پرورش پائی تھی اور اسود نے ان کو منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا اس لئے مقداد کی نسبت اسود کی طرف کی جانے لگی اور انہیں ابن اسود کہا گیا۔

ان کے بعد عباد ابن بشر آئے اور ان کے بعد سعید ابن زید آئے۔ اس کے بعد باقی گھوڑے سوار صحابہ آپ کے پاس پہنچ گئے۔ آپؐ نے ان پر حضرت سعید ابن زید کو امیر بنایا۔ ایک قول ہے کہ حضرت مقدادؓ کو بنایا تھا۔ علامہ دمیاطی نے اسی دوسرے قول کو درست قرار دیا ہے۔ حضرت حسانؓ بن ثابت نے اس غزوہ کے جو حالات نظم کئے ہیں ان سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے کہ گھوڑے سواروں کی کمان حضرت مقداد کے سپرد کی گئی تھی۔ مگر سیرت شامی میں ہے کہ اس بات پر حضرت سعیدؓ حضرت حسانؓ سے ناراض ہو گئے تھے اور انہوں نے حلف کر لیا تھا کہ کبھی حسان سے بات نہیں کروں گا۔ نیز انہوں نے حسان سے کہا تھا کہ گئے میرے گھوڑے سوار دستے کے ساتھ اور اسے بتا دیا مقداد کا دستہ۔ حسان نے پھر سعید سے معذرت کی تھی کہ اصل میں شعر کے ردیف کی رو سے وہاں مقداد کا نام ہی آسکتا تھا۔ پھر حسان کے کچھ شعر بھی ذکر کئے جاتے ہیں جن کے ذریعہ انہوں نے سعید ابن زید کو منانے کی کوشش کی مگر حضرت سعید نے ان کی یہ معذرت قبول نہیں کی۔ اب اس پوری تفصیل سے پہلے قول کی ہی تائید ہوتی ہے (کہ سواروں کی کمان حضرت سعید کے پاس تھی)۔

اخرم اسدی سوار دستے کے امیر...... اس دستے کے امیر کے لئے آنحضرت ﷺ نے اپنے نیزے میں پرچم باندھا اور امیر سے فرمایا کہ دشمن کے تعاقب میں جاؤ یہاں تک کہ میں باقی لوگوں کے ساتھ تم سے آملوں۔ چنانچہ یہ گھوڑے سوار دستہ دشمن کی تلاش میں روانہ ہو گیا یہاں تک کہ دشمن کے سر پر پہنچ گئے۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کا جنگی نعرہ امت۔ امت تھا۔

ان سواروں میں سب سے پہلے جو شخص دشمن تک پہنچا وہ محرز ابن فضلہ تھے ان کو اخرم اسدیؓ بھی کہا جاتا تھا یہ آگے بڑھ کر دشمن کے ساتھ جا کھڑے ہوئے اور کہنے لگے:

"اے گروہ ملعونین۔ ٹھہر جاؤ تاکہ تمہارے پیچھے آنے والے مہاجرین اور انصار تم تک پہنچ جائیں۔

اسی وقت ایک مشرک نے ان پر حملہ کیا اور انہیں قتل کر دیا۔

دشمن پر سلمہ کا رعب و خوف...... حضرت سلمہؓ ابن اکوع سے روایت ہے کہ پھر (جب کہ یہ تنہا دشمن کے تعاقب میں

تھے) وہ لوگ ایک جگہ کھانا کھانے کیلئے ٹھہر گئے۔ میں بھی سامنے کی ایک پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ گیا۔ اس وقت ایک شخص نے آکر ان سے میرے بارے میں پوچھا کہ یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا اس گبرو نے ہمیں سخت پریشان کیا ہے اور جو کچھ بھی ہمارے پاس تھا وہ سب کھینچ لیا ہے (یعنی نیزے اور چادریں وغیرہ ہمارے ہاتھوں سے نکال لی ہیں)۔

اس شخص نے کہا تو چلو چار آدمی اس کے مقابلے کے لئے بڑھو چنانچہ وہ لوگ میری طرف متوجہ ہوئے تو میں ان کو ڈپٹنے لگا۔ خود حضرت سلمہؓ سے ہی روایت ہے کہ انہوں نے اس وقت ان بڑھنے والوں سے کہا کہ کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں۔ کون ہو تم؟ میں نے کہا:

"میں سلمہ ابن اکوع ہوں۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے رسول اللہ ﷺ کو عزت و سربلندی عطا فرمائی کہ میں نے تم میں سے جس شخص کا بھی پیچھا کیا اسے جا پکڑا اور جس نے میرا پیچھا کیا وہ مجھے نہیں پا سکا!"

دشمن پر اخرم کا حملہ اور شہادت...... اس پر ان میں سے کسی نے کہا کہ ہم بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ اس کے بعد وہ لوٹ گئے۔ پھر حضرت سلمہؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد کچھ ہی وقت گزرا تھا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے سواروں کو آتے دیکھا جن کی سربراہی اخرم اسدیؓ کر رہے تھے جوں ہی میں نے گھوڑے سواروں کے پیش پیش اخرم اسدی کو دیکھا میں فوراً ہی پہاڑ سے نیچے اتر آیا اور میں نے اخرم اسدی کے گھوڑے کی لگام تھام لی۔ پھر میں نے ان سے کہا:

"دشمن سے بچ کر رہنا جب تک رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب نہ آجائیں یہ لوگ تمہیں گزند نہ پہنچانے پائیں!"

اس پر اخرم اسدی نے کہا:

"سلمہ! اگر تم اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور یہ جانتے ہو کہ جنت بھی برحق ہے اور دوزخ بھی برحق ہے تو میرے اور شہادت کے درمیان مت آؤ"۔

ابو قتادہ کی طرف سے اخرم کا انتقام...... یہ سن کر میں نے ان کا راستہ چھوڑ دیا چنانچہ وہ آگے بڑھے اور عبدالرحمٰن ابن عیینہ کے مقابلہ میں جا پہنچے انہوں نے عبدالرحمٰن کے گھوڑے کو زخمی کر دیا عبدالرحمٰن نے فوراً ہی حضرت اخرم اسدیؓ کے نیزہ مارا اور انہیں شہید کر دیا۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن نے اپنے گھوڑے کو موڑا اور حضرت ابو قتادہ کے مقابلہ پر پہنچا۔ جاتے ہی عبدالرحمٰن نے ابو قتادہؓ کے گھوڑے پر وار کر کے اسے زخمی کر دیا۔ حضرت ابو قتادہ نے فوراً ہی اس پر جوابی حملہ کیا اور عبدالرحمٰن کو قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد حضرت ابو قتادہ اپنے دستے کی طرف لوٹ گئے۔

اخرم کا خواب اور تعبیر...... مسلمانوں میں صرف محرز ابن فضلہ قتل ہوئے جن کو اخرم اسدیؓ کہا جاتا تھا۔ انہوں نے اس واقعہ یعنی اپنے قتل سے ایک دن پہلے خواب دیکھا تھا کہ اچانک آسمان دنیا پھٹا اور اس میں سے دوسرا آسمان نظر آیا پھر اس کے بعد ہر آسمان پھٹتا چلا گیا یہاں تک کہ ساتواں آسمان نظر آیا اور پھر اس کے بعد اس میں بھی گزر کر ان کی نگاہیں سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گئیں۔ اسی وقت کسی نے ان سے کہا کہ آپ کی منزل یہی ہے حضرت محرز نے اپنا یہ خواب حضرت ابو بکرؓ کو سنایا کیونکہ جیسا کہ بیان ہوا وہ اپنے وقت میں خواب کی تعبیر بتانے والے سب سے بڑے ماہر تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خواب سن کر فرمایا:

"تمہیں خوش خبری ہو کہ تمہیں شہادت میسر آنے والی ہے!"

مدینہ کی حفاظت کا انتظام اور آنحضرت ﷺ کا کوچ...... غرض اس گھوڑے سوار دستے کی روانگی کے بعد خود رسول اللہ ﷺ نے معہ اپنے صحابہ کے کوچ فرمایا۔ مدینے میں آپ ؐ نے حضرت ابن اُم مکتوم کو اپنا قائم مقام بنایا۔ ادھر مدینہ شہر کی حفاظت کے لئے

آپؐ نے حضرت سعدؓ ابن عبادہ کو مقرر فرمایا کہ وہ اپنی قوم خزرج کے تین سو جانبازوں کے ساتھ مدینہ کی حفاظت کریں۔

خبیب کی لاش اور صحابہ کی غلط فہمی...... آپ راستے میں تھے کہ حبیب کی لاش پڑی ملی جو ابو قتادہ کی چادر سے ڈھکی ہوئی تھی مسلمانوں نے فوراً اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھی اور کہنے لگے کہ ابو قتادہ قتل ہو گئے کیونکہ لاش پر حضرت ابو قتادہ کی چادر سے وہ یہ سمجھے کہ لاش حضرت ابو قتادہؓ کی ہے۔ مگر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"ابو قتادہ خود قتل نہیں ہوئے بلکہ جس شخص کی یہ لاش ہے اس کو ابو قتادہ نے قتل کیا ہے۔ انہوں نے لاش پر اپنی چادر اسی لئے ڈالی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس شخص کو قتل کرنے والے ابو قتادہ ہیں!"

(قال) ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے نبوت کا اعزاز عطا فرمایا کہ ابو قتادہ رجزیہ شعر پڑھتے ہوئے دشمن کی راہ پر ہیں!"

اسی وقت حضرت عمر فاروقؓ نے آگے بڑھ کر لاش کے چہرے پر سے کپڑا ہٹایا تو معلوم ہوا کہ یہ حبیب کی لاش تھی۔ حضرت عمرؓ نے فوراً ہی تکبیر کہی اور فرمایا:

"اللہ اکبر۔ اللہ اور اس کا رسول بے شک سچے ہیں۔ یا رسول اللہ یہ واقعی ابو قتادہ نہیں ہیں!"

ابو قتادہ اور مسعدہ...... ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں نے بڑھ کر لاش پر سے چادر ہٹائی تھی۔ ایک قول ہے کہ ابو قتادہ نے جس شخص کو قتل کر کے اپنی چادر سے ڈھک دیا تھا وہ حبیب نہیں بلکہ مسعدہ تھا جس نے حضرت محرز کو قتل کیا تھا جیسا کہ پیچھے گزرا۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو قتادہ نے ایک گھوڑا خریدا اتفاق سے ان کو راستے میں مسعدہ فزاری مل گیا ابو قتادہ بڑھ کر اس کے برابر پہنچے اور اس سے کہنے لگے:

"میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ میں تمہیں پچھاڑوں اور اس وقت میں اسی گھوڑے پر سوار ہوں!"

ابو قتادہ کا کوچ اور مسعدہ سے سامنا...... مسعدہ نے یہ دعا سن کر خود ہی آمین کہی۔ چنانچہ پھر جب آنحضرت ﷺ کے اونٹ پکڑے گئے تو حضرت ابو قتادہ اسی گھوڑے پر سوار ہو کر چلے اور آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچے آپؐ نے ان سے فرمایا کہ جاؤ ابو قتادہ اللہ تعالیٰ تمہارا ساتھی ہو۔ ابو قتادہ کہتے ہیں کہ یہ دعا لے کر میں روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ میں نے دشمن پر حملہ کیا اسی وقت ایک تیر آکر میری پیشانی میں پیوست ہو گیا۔ میں نے اسے کھینچا تو صرف تیر کا دستہ نکلا جب کہ میں یہ سمجھا کہ میں نے تیر کا لوہے کا پھل نکال لیا ہے۔ اسی وقت ایک گھوڑے سوار میرے سامنے آیا اور کہنے لگا کہ ابو قتادہ آخر اللہ تعالیٰ نے میرا تمہارا آمنا سامنا کرا ہی دیا۔ یہ کہہ کر اس نے چہرے پر سے خود ہٹایا۔ اب میں نے پہچانا کہ وہ مسعدہ فزاری تھا پھر وہ کہنے لگا:

"تم میرے ساتھ کس قسم کا مقابلہ پسند کرو گے۔ آیا تلوار زنی یا نیزہ بازی یا کشتی!"

کشتی اور ابو قتادہ کی فتح...... میں نے کہا کہ یہ تم پر منحصر ہے۔ اس نے کہا تو آؤ کشتی ہو جائے۔ یہ کہہ کر وہ گھوڑے سے اترا اور اپنی تلوار ایک درخت کے ساتھ لٹکا دی۔ اسی وقت میں بھی گھوڑے سے اترا اور میں نے بھی اپنی تلوار ایک درخت میں ٹانگ دی۔ اس کے بعد ہم دونوں بھڑ گئے آخر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر فتح نصیب فرمائی کہ ذرا ہی دیر بعد میں اس کے اوپر سوار تھا۔ اسی وقت میں نے محسوس کیا کہ کوئی چیز میرے سر کو چھو رہی ہے میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ مسعدہ کی تلوار تھی (جو درخت میں لٹکی ہوئی تھی اور) کشتی اور زور آزمائی کے دوران ہم بالکل اس کے نیچے پہنچ گئے تھے۔ میں نے لٹکی ہوئی تلوار پر ہاتھ مارا اور اسے کھینچ کر جھٹکے سے اتار لیا۔ جب مسعدہ نے یہ دیکھا کہ میرے ہاتھ میں تلوار آگئی ہے تو وہ کہنے لگا ابو قتادہ مجھے چھوڑ دو۔

میں نے کہا خدا کی قسم ہر گز نہیں۔ اس نے پوچھا کہ پھر ایک بے دین کا سہارا کیا ہے۔ میں نے کہا جہنم۔ اس کے بعد میں نے اس کو قتل کیا اور اپنی چادر سے ڈھانپ دیا پھر میں نے اس کے کپڑے اتار کر خود پہنے اور اس کے گھوڑے پر سوار ہو گیا کیونکہ جب ہم دونوں میں کشتی ہو رہی تھی تو میرا گھوڑا بھڑک کر دشمن کی طرف بھاگ گیا تھا جنہوں نے اس کو ذبح کر ڈالا تھا۔

پھر میں دشمن کی پشت کی طرف جا نکلا جہاں میں نے مسعدہ کے بھتیجے پر حملہ کیا اور اس کی کمر کو زمین پر رگیدنے لگا۔ اس پر اس کے ساتھی نے اونٹنیاں چھوڑ دیں۔ میں نے اونٹنیوں کو اپنے نیزہ سے ہنکا کر ایک جگہ روک لیا اور پھر اس کی رکھوالی کرتا ہوا انہیں اپنے ساتھ لے آیا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ ابو قتادہ تمہارا چہرہ روشن ہو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کا چہرہ بھی۔ پھر آپ نے فرمایا:

مسعدہ کے قتل پر ابو قتادہ کی تعریف...... ابو قتادہ گھوڑے سواروں کا سردار ہے۔ ابو قتادہ! اللہ تعالیٰ تم میں اور تمہاری اولاد اور اولاد کی اولاد میں برکت عطا فرمائے۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ابو قتادہ سے پوچھا کہ یہ تمہارے چہرے یعنی پیشانی پر کیا لگ رہا ہے۔ میں نے عرض کیا تیر ہے جو میرے آلگا تھا۔ آپ نے فرمایا میرے قریب آؤ۔ میں قریب آیا تو آپ نے نہایت آہستگی سے وہ تیر میری پیشانی سے نکال دیا۔ اس کے بعد آپ نے زخم میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور اپنی ہتھیلی اس پر رکھ دی۔ پس قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا کہ ایک لمحہ بھی نہیں گزرا تھا کہ مجھے کوئی درد یا تکلیف باقی نہیں رہی۔

ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے مجھ سے پوچھا کیا تم نے مسعدہ کو قتل کر دیا؟ میں نے عرض کیا ہاں پھر آپ نے ابو قتادہ کو دعا دیتے ہوئے فرمایا: اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَهٗ فِي شَعْرِهٖ وَ بَشَرِهٖ۔

اے اللہ اس کے بالوں اور اس کی جلد یعنی کھال میں برکت عطا فرما۔

نبی کریم ﷺ کی اس دعا کا یہ اثر تھا کہ جب ابو قتادہ کا انتقال ہوا تو ان کی عمر حالانکہ ستر سال تھی مگر صحت کے لحاظ سے وہ پندرہ سال کے لڑکے معلوم ہوتے تھے (کہ ان کے جسم اور بالوں پر بڑھاپے کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا) پھر آپ نے ابو قتادہ کو مسعدہ کا گھوڑا اور اس کے ہتھیار دے دیئے جیسا کہ بیان ہوا اور پھر ان کو دعا دیتے ہوئے فرمایا۔ بَارَكَ اللّٰهُ فِيهِ

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو قتادہ دوسرے صحابہ سے علیحدہ ہو گئے تھے اور تنہا ہی اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر آگے بڑھ گئے تھے۔ ادھر یہ کہ جب ابو قتادہ اور مسعدہ کے درمیان کشتی اور زور آزمائی ہوئی اس وقت مسعدہ بھی اپنے ساتھیوں سے علیحدہ ہو گیا تھا یہاں تک کہ قتل ہو گیا۔ بہر حال اس قیاس کو مان لینے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔

نبی کے نصف اونٹوں کی بازیافت...... ایک قول ہے کہ صحابہ نے آنحضرت ﷺ کے آدھے اونٹ مشرکوں سے واپس چھین لئے تھے جس کا مطلب ہے کہ دس اونٹ واپس حاصل کر لئے تھے ان میں ابو جہل کا وہ اونٹ بھی تھا جو غزوہ بدر کے مال غنیمت میں آنحضرت ﷺ کے حصہ میں آیا تھا باقی دس اونٹ لے کر بھاگنے میں دشمن کامیاب ہو گیا۔ اب یہ بات ابو قتادہ کے اس گزشتہ قول کے خلاف نہیں ہے جس میں گزرا ہے کہ پھر وہ لوگ اونٹوں کو چھوڑ گئے اور میں ان کی رکھوالی کرتا ہوا انہیں لے آیا کیونکہ یہاں بھی مراد یہی ہے کہ ان میں سے کافی اونٹ ہاتھ آ گئے۔ مگر یہ بات حضرت سلمہ کی اس گزشتہ روایت کے خلاف ہے کہ میں برابر دشمن پر تیر اندازی کرتا رہا یہاں تک کہ ان سب اونٹوں کو جو اللہ نے آنحضرت ﷺ کی سواری کیلئے بنائے تھے میں پیچھے چھوڑتا ہوا بڑھتا گیا اور دشمن کو ان سے ہاتھ دھونا پڑا۔ بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

غرض رسول اللہ ﷺ مدینہ سے روانہ ہو کر چلے یہانتک کہ آپ ذی قرد کے ایک پہاڑ کے دامن میں فروکش ہوئے جو خیبر کے قریب تھا یہیں باقی لوگ آکر آپ سے مل گئے سلمہ ابن اکوع نے آپ سے عرض کیا:

"یارسول اللہ! دشمن اس وقت پیاس سے پریشان ہے اس لئے اگر آپ مجھے سو آدمیوں کے ساتھ جانے کا حکم دیں تو جو اونٹ ان کے پاس باقی رہ گئے ہیں میں انہیں بھی چھڑا لاؤں گا اور دشمن کے کچھ بڑے لوگوں کو بھی گرفتار کر لاؤں گا"۔

سلمہ کے اس قول سے بھی اس گزشتہ قول پر کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کے جس قدر اونٹ بھی دشمن کے پاس تھے میں نے ان سب کو چھڑا کر اپنے پیچھے ہانک دیا اور دشمن ان سے ہاتھ دھو چکا تھا۔ کیونکہ ممکن ہے حضرت سلمہؓ نے یہ بات یہی سمجھ کر کہی ہو کہ یہی وہ کل اونٹ ہیں جو پکڑے گئے تھے اور یہ بات بعد میں کھلی ہو کہ انہوں نے اور ابو قتادہ نے جو اونٹ ان لٹیروں سے چھڑائے وہ کل نہیں تھے بلکہ ان میں کے کچھ تھے۔ مگر یہاں بھی یہی امکان ہے کہ شاید بات کہنے والا یہی سمجھتا رہا ہو کہ دشمن سے جو اونٹ چھڑائے گئے ہیں وہی کل اونٹ ہیں جیسا کہ حضرت سلمہ نے سمجھا تھا کہ کل اونٹ جو پکڑے گئے تھے وہی تھے جو انہوں نے اپنے پیچھے ہانک دیئے تھے جیسا کہ بیان ہوا۔ بہر حال خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سلمہ اور ابو قتادہ نے آدھے یعنی دس اونٹ دشمن سے واپس لے لئے تھے۔

سلمہ دشمن کے تعاقب میں...... ایک روایت میں حضرت سلمہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میرے ساتھ کچھ سوار بھیج دیجئے تاکہ میں دشمن کو پکڑنے کی کوشش کروں۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ ہنسے اور پھر فرمانے لگے کہ جب تم (دشمن پر) قابو پالو تو اس کے ساتھ نرمی کرو۔ واضح رہے کہ اس وقت دشمن پیاس سے پریشان تھا کیونکہ حضرت سلمہؓ کہتے ہیں کہ میں نے آفتاب غروب ہونے کے قریب تک ان کا پیچھا کیا تھا یہاں تک کہ وہ لوگ بھاگتے بھاگتے ایک گھاٹی کی طرف چلے جس میں پانی کا چشمہ تھا مگر حضرت سلمہ نے ان کو وہاں پہنچنے پر پانی پینے نہیں دیا۔ آخر وہ لوگ دو گھوڑے چھوڑ کر بھاگ گئے۔ جنہیں ہانک کر حضرت سلمہ رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئے۔ اس گھاٹی کا نام ذو قرد تھا۔

دشمن پر خوف و ہراس...... غالباً حضرت سلمہؓ نے صحابہ کے واپس ہونے کے بعد یہ پیچھا کیا اور ان کا تعاقب جاری رکھا۔ اس وقت ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

"یارسول اللہ دشمن اس وقت غطفان کے علاقے میں رات کا کھانا کھا رہا ہے"۔

یہاں رات کے کھانے کے لئے غبوق کا لفظ استعمال ہوا ہے جو رات میں دودھ دوہنے یا کھانے پینے کے لئے بولا جاتا ہے۔ غرض اسی وقت وہاں ایک غطفانی شخص آیا جس نے بتلایا کہ دشمنوں کی جماعت کا گزر فلاں غطفانی شخص کے یہاں ہوا۔ اس غطفانی نے ان کے لئے بکرے ذبح کئے وہ لوگ ابھی بکریوں کی کھال اتارنے میں ہی مصروف تھے کہ انہیں سامنے سے غبار اڑتا ہوا نظر آیا۔ وہ لوگ گھبرا کر اور ذبح شدہ جانوروں کو چھوڑ کر وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

آنحضرت ﷺ کا پڑاؤ...... جب رسول اللہ ﷺ اس مقام پر فروکش ہوئے تو اس وقت تک گھوڑے سوار بھی برابر آرہے تھے اور پیدل لوگ بھی آرہے تھے جن میں پیدل بھی تھے اور اونٹوں پر بھی تھے۔ یہ سب لوگ آآکر رسول اللہ ﷺ کے پاس فروکش ہورہے تھے۔ آپ نے یہاں ایک دن اور ایک رات قیام فرمایا۔

حضرت سلمہؓ سے روایت ہے کہ میرے پاس میرے چچا عامر ابن اکوع آئے جن کے پاس ایک برتن میں تو پانی تھا اور ایک میں دودھ تھا۔ میں نے پانی سے وضو کیا اور دودھ نوش کیا۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد میں وہاں سے واپس ہوا اور

آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوا۔ آپؐ اسی چشمہ کے پاس قیام فرماتے تھے جہاں میں نے دشمن کو قبضہ کرنے سے روک دیا تھا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ نے وہ تمام اونٹ لے لئے ہیں جو میں نے دشمن سے چھڑائے تھے۔ حضرت بلالؓ نے اس موقعہ پر مسلمانوں کے لئے اپنی اونٹنی ذبح کی۔

(یہاں آنحضرت ﷺ کے اس چشمہ پر ٹھہرنے کا ذکر ہوا ہے جب کہ اس سے پہلے ایک پہاڑ پر قیام کرنے کا ذکر ہوا تھا مگر اس سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ممکن ہے پہلے اس پہاڑ کے پاس ٹھہرے ہوں اور اس کے بعد وہاں سے اس چشمہ پر آگئے ہوں۔

اس مقام پر نماز خوف...... پھر یہاں رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو نماز خوف پڑھائی کیونکہ خوف یہ تھا کہ اچانک دشمن سر پر آجائے۔ غالباً یہی نماز بطن نخل کے مقام والی نماز تھی۔ یہ روایت شیخین کی روایت کی بنیاد پر ہے جس کے مطابق آپ نے نماز کے وقت مسلمانوں کے دو گروہ بنائے اور دو دفعہ کر کے یہ نماز پڑھائی کہ ہر دفعہ میں ایک گروہ آپ کی اقتداء کرتا تھا اور دوسرا دشمن کے خطرے اور خوف کی بنا پر پہرہ دیتا تھا یعنی اس مقام پر پہرہ دیتا تھا جہاں سے دشمن کے اچانک نمودار ہونے کا خطرہ تھا۔ یہ جگہ قبلہ کی سمت میں نہیں تھی ورنہ ظاہر ہے اس نماز کے متعلق قرآن پاک کی آیات نہیں نازل ہوئیں۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: مگر کتاب امتاع میں یوں ہے کہ اس روز جب رسول اللہ ﷺ نے نماز خوف پڑھی تو آپ قبلہ رو ہو کر کھڑے ہوئے اور مسلمانوں کی ایک جماعت آپ کے پیچھے صف باندھ کر کھڑی ہوگئی۔ مسلمانوں کا دوسرا گروہ دشمن کی سمت رخ کر کے کھڑا ہوگیا۔ آنحضرت ﷺ کے پیچھے جو گروہ تھا آپ نے اس کو ایک رکعت پڑھائی اور دونوں سجدے کئے۔ پھر یہ لوگ ایک رکعت پڑھنے کے بعد پیچھے ہٹ گئے اور اپنے ساتھیوں یعنی دوسرے گروہ کی جگہ کھڑے ہوگئے اور وہ گروہ آکر آپ کے پیچھے نماز میں شامل ہوگیا جس کو آپ نے ایک رکعت پڑھائی جس میں دونوں سجدے کئے اس کے بعد آپ نے سلام پھیر دیا۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کی تو دو رکعتیں ہوئیں اور مسلمانوں کے دونوں گروہوں میں ہر شخص کی ایک ایک رکعت ہوئی۔ اب یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ اس نوعیت کی نماز خوف عسفان والی نماز خوف تھی۔ واللہ اعلم

ابو قتادہؓ کی تعریف...... صبح کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ہمارے سواروں میں بہترین سوار ابو قتادہؓ ہیں اور ہمارے پیدلوں میں بہترین پیدل سلمہؓ ہیں!"

ابو عیاش کا واقعہ...... جس وقت آنحضرت ﷺ مدینے سے روانہ ہو رہے تھے اور کچھ سوار آپؐ کے پاس پہنچ چکے تھے تو آپؐ نے ابو عیاش سے فرمایا تھا کہ اگر تم اپنا یہ گھوڑا ایک ایسے شخص کو دے دو جو تم سے بہتر شہسوار ہے تو وہ بھی بڑھ کر آگے جانے والوں کے ساتھ مل جائے۔ ابو عیاش کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں تو خود سب سے بہترین شہسوار ہوں۔ مگر ابو عیاش ہی کہتے ہیں کہ (اس کے بعد میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر چل پڑا اور) ابھی میں نے گھوڑے کو پچاس قدم بھی نہیں دوڑایا تھا کہ اس نے مجھے نیچے پھینک دیا۔ اس (غیر معمولی) واقعہ پر مجھے خود بے حد تعجب ہوا۔

لشکر کا کھانا...... آنحضرت ﷺ کے صحابہ کے تعداد جو اس غزوہ میں ساتھ تھے پانچ سو تھی آپ نے ہر سو آدمیوں کو ایک ایک اونٹ ذبح کرنے کے لئے تقسیم فرمایا۔ ایک قول ہے کہ لشکر کی تعداد سات سو تھی (بہر حال آپ نے سو سو آدمیوں پر جانور تقسیم فرمائے) ادھر حضرت سعد ابن عبادہ نے کھجوریں اور دس ذبیحہ کے جانور منگوائے جو ذی قرد کے مقام تک کافی ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت سعدؓ کو دعا دیتے ہوئے فرمایا کہ اے اللہ! سعد اور ان کی اولاد پر رحمتیں فرما۔ سعد ابن عبادہ ایک نہایت بہترین شخص ہیں۔ اس پر انصاریوں نے عرض کیا:

"وہ ہمارے سردار اور ابن سردار ہیں جو ایسے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں جو لوگوں کی میزبانی اور مہمان نوازی کرتا ہے۔ دوسروں کے لئے تکلیفیں جھیلتا ہے اور سارے خاندان کا بوجھ اٹھاتا ہے"۔

اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"دین کی سمجھ حاصل کر لینے کے بعد اسلام کے بہترین لوگ وہی ہیں جو جاہلیت کے زمانے کے بہترین لوگ تھے!"

ابوذر کی بیوی کی گلو خلاصی......اس کے بعد حضرت ابوذرؓ کی بیوی آنحضرت ﷺ کے اونٹوں میں سے ایک اونٹنی پر سوار آئیں، یعنی یہ ان ہی دودھیاری اونٹنیوں میں سے ایک تھی (جو چوری ہو گئی تھیں) یہاں اس اونٹنی سے مراد قصویٰ اونٹنی ہے۔ یہ خاتون اس اونٹنی پر سوار ہو کر دشمن کے درمیان سے چپکے سے نکل آئی تھیں۔ جب دشمن کو پتہ چلا تو انہوں نے ان کا پیچھا کیا مگر یہ اونٹنی ان کے ہاتھ نہ آئی۔

ایک روایت میں یہ واقعہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ (ابوذر کی بیوی کو دشمن نے رسّی سے باندھ کر اپنے ساتھ رکھا ہوا تھا) ایک رات اتفاق سے یہ خاتون رسّی کھول لینے میں کامیاب ہو گئیں اور پھر خاموشی کے ساتھ اونٹوں کے درمیان آئیں تاکہ کسی اونٹ پر سوار ہو کر فرار ہو جائیں) مگر یہ جس اونٹ کے قریب بھی جاتیں وہ بلبلانے لگتا یہ (گھبرا کر) اسے چھوڑ دیتیں یعنی اس کے پاس سے ہٹ آتیں (کیونکہ لٹیروں کے بیدار اور خبردار ہو جانے کا ڈر تھا) آخر یہ آنحضرت ﷺ کی اونٹنی عضباء کے پاس آئیں (کیونکہ لٹیرے اس کو بھی پکڑ لائے تھے) اس لئے خاتون جلدی سے اس پر سوار ہوئیں اور ڈپٹ کر اونٹنی کو ہانک دیا اسی وقت لٹیروں کو ان کے فرار ہونے کا پتہ چلا گیا اور وہ ان کے تعاقب میں دوڑے مگر یہ لوگ عضباء اونٹنی کی گرد کو بھی نہیں پا سکے۔

ان خاتون کی نذر......اس فرار اور دشمن کی طرف سے تعاقب کے دوران خاتون نے یہ نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس اونٹنی کے ذریعہ دشمن سے نجات دلا دی تو میں اسی اونٹنی کو ذبح کر کے اس کا جگر اور کلیجہ کھاؤں گی آنحضرت ﷺ کو جب ان کی اس منّت اور نذر کا حال معلوم ہوا تو آپ مسکرائے اور فرمانے لگے:

بے بنیاد نذر......"اس نے تمہیں جو سواری دی اس کا تم اتنا برا بدلہ اسے دینا چاہتی ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کی سواری کے ذریعہ دشمن سے بچایا اور تم اس کے صلے میں اسے ذبح کرنا چاہتی ہو۔ نہیں۔ نہ اللہ تعالیٰ کی معصیت و نافرمانی کی نذر۔ نذر ہوتی ہے اور نہ اس چیز کی نذر درست ہوتی ہے جس کی تم مالک نہیں۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی منّت پوری نہیں کی جاتی اور نہ اس چیز کے متعلق جس کا آدمی مالک نہ ہو۔ یہ میرے اونٹوں میں سے ایک اونٹنی ہے اس لئے اللہ کا نام لے کر اپنے گھر واپس جاؤ"۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ بھی مدینے کو واپس ہو گئے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاتون اونٹنی لے کر آپ کے پاس آپ کے مدینے پہنچنے سے پہلے آئی تھیں۔ مگر سیرت ابن ہشام میں یہ ہے کہ وہ آپ کے پاس مدینے میں آئی تھیں اور آپ کو سارا ماجرا سنانے کے بعد کہنے لگیں کہ یارسول اللہ ﷺ میں نے ایسے ایسے نذر مانی ہے۔ حدیث ادھر آگے ایک روایت آرہی ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی اونٹنی عضباء پر سوار ہو کر مدینے واپس تشریف لائے۔ اب ظاہر ہے کہ اس روایت کے لحاظ سے سیرت ابن ہشام کی وہ روایت درست نہیں رہتی جو گزشتہ سطروں میں بیان ہوئی ہے۔

ادھر طبرانی کی کتاب اوسط میں ضعیف سند سے نواس ابن سمعان کی روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی چوری ہو گئی۔ آنحضرت ﷺ نے اس وقت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے وہ اونٹنی مجھے واپس فرما دی تو میں اپنے رب کا شکر ادا کروں گا۔ وہ

اونٹنی عربوں کی ایک بستی میں چلی گئی تھی وہاں ان لوگوں میں ایک مسلم عورت بھی رہتی تھی اس نے دیکھا کہ لوگ ابھی اونٹنی کی طرف سے غافل ہیں لہٰذا وہ جلدی سے سوار ہو کر مدینے آگئی۔ آخر حدیث تک۔

غالباً اس روایت سے گزشتہ روایت کی تردید نہیں ہوتی کیونکہ ان دونوں کے دو علیحدہ علیحدہ واقعات ہونے کا احتمال ہے۔

غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ اپنی اونٹنی عضباء پر سوار ہو کر مدینے واپس ہوئے اس وقت اونٹنی پر آپ کے ساتھ حضرت سلمہ ابن اکوع بھی بیٹھے ہوئے تھے۔

سلمہ کو دوہرا حصہ ...... اس غزوہ میں آنحضرت ﷺ پانچ رات مدینے سے باہر رہے۔ اس غزوہ کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ نے حضرت سلمہ ابن اکوع کو مال غنیمت میں سے سوار کا حصہ بھی دیا اور پیدل کا حصہ بھی دیا (یعنی دونوں علیحدہ علیحدہ دیئے) حالانکہ وہ پیدل تھے سوار نہیں تھے!"

اسی حدیث سے وہ لوگ اپنی دلیل لیتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ جماعت کے امام یا امیر کو یہ حق حاصل ہے کہ مال غنیمت میں وہ اگر کسی کو زیادہ یعنی فاضل دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔ یہ مذہب امام ابو حنیفہؒ کا ہے۔ نیز ایک روایت کی بنیاد پر امام احمد ابن حنبل کا بھی یہی مذہب ہے۔ مگر امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک امام کو اس کا حق حاصل نہیں ہے۔

اس غزوہ کا ترتیبی مقام ...... میں نے اس غزوہ ذی قرد کو غزوہ حدیبیہ سے پہلے بیان کیا ہے اس ترتیب کے سلسلے میں میں نے کتاب اصل یعنی عیون الاثر کی پیروی کی ہے۔ یہی ترتیب بعض علماء کے اس قول سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ سیرت نگاروں کا اس پر اتفاق ہے کہ غزوہ غابہ یعنی ذی قرد غزوہ حدیبیہ سے پہلے کا ہے۔ اسی طرح ابو العباس شیخ قرطبی بھی جو تذکرہ و تفسیر کے مصنف ہیں کہتے ہیں کہ اس بارے میں سیرت نگاروں میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے کہ غزوہ ذی قرد غزوہ حدیبیہ سے پہلے کا ہے۔ مگر علامہ شمس شامی نے اس کو غزوہ حدیبیہ کے بعد نقل کیا ہے اور انہوں نے اس بارے میں صحیح بخاری کا اتباع کیا ہے جس میں ہے کہ غزوہ ذی قرد غزوہ حدیبیہ کے بعد اور غزوہ خیبر سے تین دن پہلے پیش آیا تھا۔ مسلم میں بھی اس طرح ہے کہ اس میں سلمہ ابن اکوع کی روایت ہے کہ ہم غزوہ ذی قرد سے واپس آئے اور ابھی ہمیں مدینے آئے تین ہی راتیں گزری تھیں کہ ہم نے خیبر کے لئے کوچ کیا۔ اسی بات کی تائید حافظ شمس الدین ابن امام جوزیہ کے قول سے بھی ہوتی ہے جنہوں نے لکھا ہے کہ سیرت نگاروں میں ایک جماعت کو وہم ہوا ہے اور انہوں نے غزوہ غابہ کو غزوہ حدیبیہ سے پہلے نقل کیا ہے۔ ادھر علامہ حافظ ابن حجر بھی کہتے ہیں کہ بخاری میں جو کچھ ترتیب ہے وہ سیرت نگاروں کے مقابلے میں زیادہ صحیح ہے۔ پھر علامہ حافظ ابن حجر بھی کہتے ہیں کہ دونوں روایتوں کو جمع کرنے کے لئے یوں کہا جاسکتا ہے کہ عیینہ ابن حصن فزاری کی طرف سے آنحضرت ﷺ کی اونٹنیوں پر غارت گری کا واقعہ ممکن ہے دو مرتبہ پیش آیا ہو ایک واقعہ غزوہ حدیبیہ سے پہلے اور دوسری مرتبہ غزوہ حدیبیہ کے بعد یعنی غزوہ خیبر کو روانگی سے پہلے۔

اب دونوں موقعوں میں یہ ماننا پڑے گا کہ آنحضرت ﷺ لشکر کے ساتھ خود بھی تشریف لے گئے تھے اور یہ کہ اونٹوں کی چوری کا علم سب سے پہلے حضرت سلمہ ابن اکوع کو ہوا اور اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے آپ کے صحابہ کے ساتھ وہ واقعات پیش آئے جو پیچھے گزرے۔ یہ تو واقعہ کے ایک سے زائد مرتبہ پیش آنے کی حقیقت ہے اب رہا یہ سوال کہ وہ واقعہ جس میں آنحضرت ﷺ خود تشریف لے گئے اور جس میں سلمہ اور دوسرے صحابہ کے ساتھ وہ واقعات پیش آئے جن کا ذکر یہ ہوا پہلی بار کا واقعہ ہے یا دوسری مرتبہ کا۔ یہ قابل غور ہے۔

غزوہ حدیبیہ

لفظ حدیبیہ کی تحقیق...... یہ لفظ حدباء کی تصغیر ہے جب کہ ی پر تشدید نہ ہو۔ مگر عام طور پر فقہاء اور محدثین نے ی پر تشدید مانی ہے مگر بعض علماء نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ تشدید کیساتھ یہ لفظ فصیح نہیں ہے (حدباء کے معنی قحط کا سال اور مشکل معاملہ)

حدیبیہ نام...... یہ حدیبیہ ایک کنویں کا نام تھا۔ ایک قول ہے کہ یہ ایک درخت کا نام تھا اور اسی درخت کی وجہ سے اس جگہ کا نام بھی حدیبیہ پڑ گیا۔ ایک قول ہے کہ یہ ایک بستی کا نام تھا جو مکے سے قریب تھی اور جس کا اکثر حصہ حرم کی حدود میں آتا تھا۔

اس غزوہ کا سبب...... (قال) اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے خواب دیکھا کہ آپؐ معہ اپنے صحابہ کے امن و عافیت کیساتھ مکہ میں داخل ہوئے اور عمرہ کر کے کچھ نے سر منڈائے اور کچھ نے بال کتروائے نیز یہ کہ آپؐ بیت اللہ میں داخل ہوئے اور آپؐ نے بیت اللہ کی کنجی لی اور عرفات میں قیام کرنے والوں کیساتھ قیام کیا نیز آپ نے اور صحابہ نے بیت اللہ کا طواف کیا اور عمرہ کیا۔

عمرہ کی نیت سے کوچ...... آنحضرت ﷺ نے یہ خواب صحابہ کو سنایا تو سب اس بشارت سے بے حد خوش ہوئے اس کے بعد آپؐ نے صحابہ سے فرمایا کہ آپ عمرہ کے لئے جانے کا ارادہ فرما رہے ہیں لہٰذا سب نے یہ سن کر سفر کی تیاریاں شروع کر دیں۔

آخر ایک روز رسول اللہ ﷺ عمرہ کی نیت سے مدینے سے مکے کو روانہ ہوگئے۔ عمرہ کی نیت کا آپ نے شروع میں ہی اعلان فرما دیا تھا کہ لوگوں کی جان و مال محفوظ رہے اور لوگ اس قافلے کو حاجیوں کا قافلہ ہی سمجھیں) یعنی مکے والے اور ان کے گرد و پیش کے لوگ جنگ کے لئے آمادہ نہ ہو جائیں اور انہیں یعنی مشرکین اور دشمنوں کو پہلے ہی معلوم ہو جائے کہ آنحضرت ﷺ بیت اللہ کی زیارت کرنے اور دل میں اس کا احترام لے کر تشریف لے جا رہے ہیں۔

احرام...... آنحضرت ﷺ نے ذوالحلیفہ کے مقام پر احرام باندھا۔ یہاں پہنچ کر پہلے آپ نے اس مسجد میں دو رکعت نماز پڑھی جو اس مقام پر بنی ہوئی تھی اس کے بعد آپ مسجد کے دروازے سے سوار ہوئے اور آپ کی اونٹنی قبلہ کی سمت میں آپ کو لے کر روانہ ہوئی۔ صحابہ میں سے اکثر نے یہاں آپؐ کے ساتھ ہی احرام باندھا مگر ان میں کچھ وہ بھی تھے جنہوں نے جحفہ کے مقام پر احرام باندھا۔

آنحضرت ﷺ کا تلبیہ...... اس سفر میں آنحضرت ﷺ ذی قعدہ کے مہینے میں روانہ ہوئے۔ ایک قول ہے کہ رمضان کے مہینہ میں روانہ ہوئے تھے مگر یہ قول غریب ہے۔ اس موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے جو تلبیہ پڑھا اس کے الفاظ یہ ہیں (تلبیہ لبیک پڑھنے کو کہتے ہیں جو احرام و حج کی دعا ہے)۔

لَبَّیْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ۔

ترجمہ: حاضر ہوں اے اللہ حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں۔ تمام تعریفیں اور نعمتیں تیری ہی ہیں اور حکومت تجھے ہی سزاوار ہے اور تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔

مدینہ میں قائم مقامی...... اس سفر میں روانگی کے وقت آنحضرت ﷺ نے مدینہ طیبہ میں حضرت نُمیلہ ابن عبد اللہ لیثی کو اپنا قائم مقام بنایا۔ ایک قول ہے کہ ابن ام مکتومؓ کو ہی بنایا تھا ایک قول ہے کہ ابورہم کلثوم ابن حصین کو بنایا تھا۔ ایک قول ہے کہ

ابن اُمّ مکتوم کے ساتھ ابور ہم کو بھی قائم مقام بنایا تھا اور ان سب ہی کو آپ نے متعین فرمایا تھا یعنی ابن اُمّ مکتوم کو نماز پڑھانے کے لئے قائم مقام بنایا اور ابور ہم کو مدینے کی حفاظت و پاسبانی پر متعین فرمایا تھا۔

عربوں سے ہمرکابی کی خواہش...... آنحضرت ﷺ نے کوچ کرنے سے پہلے عربوں اور ان گرد و پیش رہنے والے ان بادیہ نشینوں سے ساتھ چلنے کے لئے فرمایا جو مسلمان ہو چکے تھے جیسے بنی غفار بنی مزینہ، بنی جہینہ اور بنی اسلم جو ایک مشہور قبیلہ تھا۔ آپ نے ان سے ساتھ چلنے کے لئے اس لئے فرمایا تھا کہ قریش کی طرف سے جنگ کرنے یا آپ کو بیت اللہ تک پہنچنے سے روک دینے کا ڈر تھا جیسا کہ انہوں نے کیا۔

قبائل عرب کے حیلے بہانے...... مگر آنحضرت ﷺ کے ان لوگوں سے مدد طلب کرنے اور ساتھ چلنے کے لئے کہنے پر یہ لوگ حیلے بہانے کرنے لگے اور کہنے لگے کہ کیا ہم اس دشمن کے گھر میں جائیں جو مدینے میں خود آنحضرت ﷺ کے گھر تک پہنچ کر جنگ کر کے گیا ہے اور جس کے نتیجہ میں قتل و خونریزی ہو چکی ہے۔ اب ہم جا کر اس دشمن سے جنگ کریں۔ غرض ایسی باتیں کہنے کے بعد وہ اپنے گھربار اور مال و دولت کی مصروفیت کا بہانہ کرنے لگے کہ اگر ہم چلے جائیں تو ہمارے پیچھے گھربار اور جائیداد کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ اس پر حق تعالیٰ نے ان کے اس عذر کو جھٹلاتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی:

يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ۔ (لاٰیہ پ۲۶ سورۂ فتح ع۲ آیت ۱۱)

ترجمہ: یہ لوگ اپنی زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی عمرہ کے لئے تیاری و کوچ...... رسول اللہ ﷺ نے روانگی سے پہلے اپنے مکان میں غسل فرمایا اور دو کپڑے زیب تن فرمائے اور مکان کے دروازہ سے ہی اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہوئے آپ کیساتھ مستورات میں سے جو سوار ہوئیں ان میں حضرت اُمّ سلمہؓ، حضرت اُمّ عمارہؓ، حضرت اُمّ منیعؓ اور حضرت اُمّ عامرؓ اشہلیہ تھیں۔ نیز آپ کیساتھ مہاجر اور انصاری مسلمانوں کے علاوہ کچھ دوسرے عرب بھی تھے۔ عربوں میں بہت سوں نے ٹال مٹول کر کے جانے سے گریز کیا تھا جیسا کہ بیان ہوا۔

ہدی یعنی قربانی کے جانور...... آپ کے ساتھ ہدی کے ستر جانور تھے آپ نے ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچ کر ظہر کی نماز پڑھی اور ذوالحلیفہ میں آپ نے ہدی کے جانور کے بطور علامت جھولیں ڈالیں اس سے پہلے آپ وہیں ظہر کی نماز پڑھ چکے تھے، پھر کچھ جانوروں کا آپ نے اشعار کیا۔ جبکہ وہ اونٹنیاں قبلہ رو کھڑی تھیں۔ اِشعار کوہان کے دائیں جانب کیا گیا (اِشعار قربانی کے جانور کے کوہان پر دائیں جانب بطور علامت زخم ڈالنے کو کہتے ہیں اور وہیں خون لگا دیا جاتا ہے تاکہ اس علامت کی وجہ سے لٹیرے اس جانور کو نہ چھیڑیں)

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت ناجیہؓ ابن جندب کو حکم دیا جس پر انہوں نے ھدی کے باقی جانوروں کا اِشعار کیا نیز آپ نے قربانی کے جانوروں کے گلے میں قلادہ ڈالا یعنی علامت کے طور پر ان کے گلے میں ایک ایک جوتا لٹکا دیا تاکہ یہ پہچان رہے کہ یہ جانور قربانی کے لئے ہیں۔ پھر سب مسلمانوں نے بھی اپنے قربانی کے جانوروں کا اشعار کیا اور ان کے گلے میں قلادہ ڈالا۔ ان ناجیہ کا اصل نام ذکوان تھا آنحضرت ﷺ نے ان کا نام تبدیل کر کے ناجیہ رکھ دیا تھا کیونکہ انہوں نے قریش سے نجات حاصل کر لی تھی۔

اِشعار اور ہدی کا قلادہ...... اشعار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جانور کے کوہان پر ایک جانب زخم لگا کر اس پر خون مل دیا جائے۔

اور قلادہ ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ قربانی کے جانور کی گردن میں چمڑے کا ٹکڑا یا جوتا باندھ دیا جائے تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ جانور ہدی کا ہے اور لٹیرے اس کو کچھ نہ کہیں۔

آپ کے ساتھ صحابہ کی تعداد...... اس موقعہ پر آپ کے ساتھ سات سو آدمی تھے لہٰذا ہر جانور دس آدمیوں کی طرف سے تھا۔ ایک قول ہے کہ صحابہ کی تعداد چودہ سو تھی۔ اسی طرح ایک قول پندرہ سو کا ہے۔ ایک قول سولہ سو کا ہے۔ ایک قول کے مطابق تیرہ سو تھے۔ بعض روایات میں اس طرح کے الفاظ ہیں کہ صحابہ کی تعداد ایک ہزار تین سو یا ایک ہزار چار سو نیز ایک قول کے مطابق ایک ہزار پانچ سو پچیس اور ایک قول کے مطابق ایک ہزار سات تھی۔

غیر جنگی سفر...... چونکہ آپ کی نیت عمرہ کرنے کی تھی اس لئے مسلمانوں کے پاس سوائے میانوں میں رکھی ہوئی تلواروں کے کوئی ہتھیار نہیں تھا (اور ظاہر ہے کہ تلوار ایسی چیز تھی جو اس زمانے میں گھر سے نکلتے وقت ہر شخص اپنے پاس رکھتا تھا) حضرت عمرؓ نے آپ سے عرض کیا:

"یارسول اللہ! اگر آپ کو ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے مسلمانوں کے لئے خطرہ ہے تو آپ نے جنگ کے لئے سازوسامان ساتھ کیوں نہیں لیا؟"۔

آپ نے فرمایا:

"چونکہ میں عمرہ کی نیت سے جارہا ہوں اس لئے نہیں چاہتا کہ اپنے ساتھ ہتھیار لے کر چلوں!"

پانی کی قلت...... اس موقعہ پر مسلمانوں کے ساتھ دو سو گھوڑے تھے۔ سفر کے دوران ایک جگہ لوگ آنحضرت ﷺ کے گرد جمع ہو گئے جب کہ آپ کے سامنے ایک پانی کا برتن تھا اور آپ اس سے وضو فرمارہے تھے۔ آپ نے پوچھا کیا بات ہے؟ صحابہ نے عرض کیا:

"آپ کے پاس اس برتن میں جو پانی ہے اس کے علاوہ ہم میں سے کسی کے پاس نہ پینے کو پانی ہے اور نہ وضو کیلئے پانی ہے!"

نبی کی انگلیوں سے پانی کے چشمے...... یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے اس برتن میں جو ایک چھوٹی ڈونگی تھی اپنا ہاتھ رکھا۔ اسی وقت آپ کی انگلیوں کے درمیان میں سے اس طرح پانی کے فوارے چھوٹنے لگے جیسے پانی کے چشمے اور سوت پھوٹ آئے ہوں۔ ایک روایت میں صرف یہ لفظ ہیں کہ۔ آپ کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے پانی نکلنے لگا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں میں نے آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی ابلتے دیکھا۔ ایک روایت میں ہے کہ میں نے پانی کے فوارے نکلتے دیکھے"۔

آنحضرت ﷺ کے جاسوس کی اطلاعات...... غرض چلتے چلتے جب یہ قافلہ عسفان کے مقام پر پہنچا تو آنحضرت ﷺ کے پاس بشر ابن سفیان عتکی آئے جنہیں آنحضرت ﷺ نے اپنا جاسوس بنا کر آگے مکہ کی طرف بھیج دیا تھا (کیونکہ اگرچہ آپ کی نیت عمرہ کی تھی مگر قریش کے ارادوں کی خبر رکھنا ضروری تھا) بشر نے یہاں آنحضرت ﷺ کے پاس آکر عرض کیا:

"یارسول اللہ! قریش کو آپ کے کوچ کی اطلاع مل چکی ہے۔ احابیش میں جو ان کے اطاعت گذار ہیں قریش نے ان کی مدد طلب کی ہے ادھر بنی ثقیف بھی قریش کے شانہ بشانہ ہو گئے ہیں۔ ان کے ساتھ عورتیں اور بچے بھی ہیں۔

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ۔ "وہ لوگ اپنے ساتھ دودھ والی اونٹنیاں بھی لائے ہیں جن کے ساتھ ان کے بچے بھی ہیں تاکہ اس کے ذریعہ راستے کے کھانے پینے کا انتظام رہے اور انہیں بھوک اور کھانے کی تنگی کی وجہ سے واپس نہ جانا پڑے"۔

قریش کی جنگی تیاری اور کوچ...... نیز بشر ابن سفیان نے یہ بھی بتلایا کہ وہ لوگ مکہ سے روانہ ہو کر ذی طویٰ کے مقام پر فروکش ہو گئے ہیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے نام پر یہ عہد کیا ہے کہ وہ محمد ﷺ کو زبردستی ہرگز مکے میں داخل نہ ہونے دیں

گے۔ادھر انہوں نے خالد ابن ولید کے متعلق بتلایا جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے کہ وہ گھوڑے سوار دستے کو لے کر کراع غمیم کے مقام تک بڑھ آئے ہیں۔ اس دستے میں دو سو سوار تھے انہوں نے قبلہ کی سمت میں صف بندی کر لی تھی (یعنی کراع غمیم کے مقام پر انہوں نے اپنے گھوڑے سوار دستے کو ترتیب دے لیا تھا)۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبادؓ ابن بشر کو حکم دیا کہ وہ اپنے ساتھ مسلم گھوڑے سواروں کو لے کر آگے بڑھیں۔ چنانچہ انہوں نے بڑھ کر خالد کے مقابلے میں اپنے سواروں کو ترتیب دے کر صف بستہ کر لیا۔

عصر کی نماز اور دشمن کے منصوبے...... اسی وقت ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا حضرت بلالؓ نے ظہر کی اذان کہی اور پھر تکبیر پڑھی رسول اللہ ﷺ قبلہ رو ہو کر کھڑے ہوئے اور لوگ آپ کے پیچھے صف بستہ ہو کر کھڑے ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے نماز شروع فرمائی اور رکوع و سجدہ کیا اور اس کے بعد سلام پھیرا۔ اس وقت مشرکوں نے کہا:

"محمد ﷺ اور آپکے اصحاب اس وقت پشت کئے کھڑے تھے اور تمہیں ان پر قابو حاصل تھا کہ اچانک ان پر حملہ کر دیتے"۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ اس پر حضرت خالد نے جواب دیا:

اس وقت یہ لوگ غافل تھے اگر ہم ان پر حملہ کر دیتے تو ضرور ان کو نقصان پہنچا سکتے تھے مگر جلد ہی اب ایک اور نماز کا وقت آرہا ہے جو ان لوگوں کو اپنی جانوں اور اپنی اولاد سے بھی زیادہ پیاری ہے (اس وقت ان پر حملہ کریں گے)۔

صلوٰۃ وسطیٰ...... (ی) مراد ہے عصر کی نماز۔ اسی سے یہ دلیل لی گئی ہے کہ عصر کی نماز ہی صلوٰۃ وسطیٰ ہے جس کے بارے میں قرآن پاک میں بھی خصوصی اہتمام کا حکم دیا گیا ہے) اس کے متعلق یہ دلیل بھی دی گئی ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ کے بارے میں ابتداء جو آیت نازل ہوئی وہ یوں تھی کہ حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَصَلوٰةِ الْعَصْرِ یعنی نمازوں کا اہتمام کرو اور خاص طور پر نماز عصر۔ اس کے بعد یہ آیت منسوخ ہو گئی یعنی اس کی تلاوت اس طرح منسوخ ہو گئی اور حق تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا:

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلوٰةِ الْوُسْطىٰ وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ۔ (الآیہ پ ۲ سورہ بقرہ ع ۳۱ آیت ۲۳۸)

ترجمہ: محافظت کرو سب نمازوں کی (عموماً) اور درمیان والی نماز کی خصوصاً اور کھڑے ہوا کرو اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجز بنے ہوئے۔

آنحضرت ﷺ کو منصوبے کی آسمانی اطلاع...... غرض حضرت خالد اور دوسرے مشرکین کی اس گفتگو کے بعد ظہر اور عصر کی نماز کے درمیان حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس نازل ہوئے اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کو مشرکوں کے اس منصوبے سے آگاہی کے طور پر حق تعالیٰ کا یہ ارشاد آپ تک پہنچایا:

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلوٰةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَائِكُمْ وَلْتَاْتِ طَائِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ الخ۔ (الآیات پارہ ۵ سورہ نساء ع ۱۵ آیت ۱۰۲)

ترجمہ: اور جب آپ ان میں تشریف رکھتے ہوں پھر آپ ان کو نماز پڑھانا چاہیں تو یوں چاہئے کہ ان میں سے ایک گروہ تو آپ کیساتھ کھڑے ہو جاویں اور وہ لوگ ہتھیار لے لیں پھر جب یہ لوگ سجدہ کر چکیں تو یہ لوگ تمہارے پیچھے ہو جاویں اور دوسرا گروہ جنہوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی۔ آجاویں اور آپ کے ساتھ نماز پڑھ لیں اور یہ لوگ بھی اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لے لیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سب کو نماز پڑھائی تھی یہاں تک کہ حضرت عبادؓ ابن بشر اور ان کے ساتھی سواروں کو بھی جو خالد ابن ولید کے مقابلے میں صف آرا تھے (وہ بھی اس نماز میں شامل تھے)۔

نماز عصر نماز خوف کی صورت میں...... غرض اس وحی کے نازل ہونے کے بعد عصر کی نماز کا وقت آ گیا تو آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو نماز خوف پڑھائی جو حق تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ پر تھی۔ چنانچہ نماز کے دوران جب مشرکوں نے دیکھا کہ کچھ مسلمان تو سجدہ کر رہے ہیں اور باقی کھڑے ہوئے ان کی یعنی مشرکوں کی نقل و حرکت دیکھ رہے ہیں تو وہ کہنے لگے:

"ہم نے ان کے خلاف جو منصوبہ بنایا تھا انہیں اس کی خبر ہو گئی ہے"۔

یہی عسفان والی نماز تھی...... غالباً یہ نماز خوف وہی عسفان والی نماز ہے کیونکہ کراع غمیم کا مقام عسفان کے قریب ہی ہے جیسا کہ بیان ہوا (اس لئے اس نماز خوف کو ہی عسفان والی نماز کہا گیا ہے) یہ بات مسلم کی روایت کی بنیاد پر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کی دو صفیں بنائیں اور تکبیر تحریمہ کہی یعنی نیت باندھی اور پورے اطمینان کے ساتھ ایک رکعت پڑھی۔ پھر جب آپ نے سجدہ کیا تو آپ کے ساتھ پہلی صف نے دونوں سجدے ادا کئے اور دوسری طرف پورے اطمینان کے ساتھ پہرہ دیتی رہی۔ پھر جب آنحضرت ﷺ دوسری رکعت میں کھڑے ہوئے اور آپ کے ساتھ وہ بھی کھڑے ہو گئے جنہوں نے سجدہ کیا تھا تو دوسری صف نے سجدہ کیا اور آپ کیساتھ قیام میں شامل ہو گئی۔ اب دوسری صف آگے بڑھ آئی اور پہلی صف پیچھے ہٹ گئی پھر آپ ﷺ نے پورے اطمینان کے ساتھ ایک رکعت پڑھائی پھر آپ نے سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ دوسری صف والوں نے سجدہ کیا جو آگے بڑھ آئے تھے ان پہلی صف والے جو پیچھے ہٹ گئے تھے پورے اطمینان کے ساتھ پہرہ دیتے رہے۔ پھر جب آپ ﷺ تشہد یعنی التحیات پڑھنے کے لئے بیٹھے تو انہوں نے اپنی باقی نماز پوری کی اور وہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ تشہد میں بیٹھ گئے اب آنحضرت ﷺ نے ان کے ساتھ تشہد پڑھا اور سب کو سلام پھیرا۔

جنگ کے متعلق صحابہ سے مشورہ...... ادھر جب رسول اللہ ﷺ کو اپنے جاسوس کے ذریعہ یہ خبر ملی کہ قریش مکہ آپ کو بیت اللہ کی زیارت سے روکنے کا فیصلہ کر چکے ہیں تو آپ ﷺ نے لوگوں سے اس بارے میں مشورہ طلب فرمایا اور صحابہ سے فرمایا:

لوگو! مجھے مشورہ دو۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم بیت اللہ کی زیارت کا فیصلہ کر لیں اور جو بھی ہمیں اس سے روکے اس کے ساتھ جنگ کریں"۔

صدیق اکبر کی رائے...... حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا:

"یارسول اللہ! آپ صرف بیت اللہ کی زیارت کا ارادہ فرما کر نکلے ہیں آپ کا مقصد خونریزی اور جنگ ہرگز نہیں ہے اس لئے آپ ﷺ اسی ارادہ کے ساتھ آگے بڑھتے رہے۔ اب اگر کوئی ہمیں اس زیارت سے روکنا چاہے تو اس سے ہم جنگ کریں گے!"

مقداد ؓ کا جذبۂ پُر جوش...... کتاب امتاع میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد پر حضرت مقداد نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! ہم آپ ﷺ سے وہ نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ تم اور تمہارا رب جا کر جنگ کرو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ بلکہ (ہم تو یہ کہتے ہیں کہ) آپ ﷺ اور آپ ﷺ کا رب جا کر جنگ کیجئے ہم بھی آپ کے ساتھ ہو کر جنگ کریں گے۔ خدا کی قسم یارسول اللہ! اگر آپ ﷺ ہمیں لے کر "برک غماد" بھی جانا چاہیں تو ہم آپ کیساتھ ہوں گے ہم میں سے ایک شخص بھی جانے میں پس و پیش نہیں کرے گا۔

پیش قدمی کا فیصلہ...... یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"بس تو اللہ کے نام پر آگے بڑھو!"

چنانچہ مسلمان آگے روانہ ہو گئے۔ اس وقت پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

قریش کی دخل اندازی پر افسوس...... قریش پر افسوس ہے انہیں جنگوں نے کمزور کر دیا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ انہیں جنگ بازی نے کھالیا۔ کیا ہو جاتا اگر وہ درمیان میں نہ آتے اور مجھے تمام عربوں سے خود نمٹنے دیتے۔ اس صورت میں اگر عرب مجھے نقصان پہنچاتے اور مغلوب کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو خود قریش کی آرزو بھی پوری ہو جاتی اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے ان پر غالب فرما دیتا تو یا تو وہ سارے کے جوق در جوق آغوش اسلام میں آجاتے' نہیں تو جب تک طاقت رہتی وہ لڑتے رہتے۔ قریش کیا سمجھتے ہیں خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے جو پیغام دے کر مجھے بھیجا ہے میں اس کے لئے ہمیشہ جدوجہد کرتا رہوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس پیغام کا آوازہ بلند فرمادے گا اور یا میں ختم ہو جاؤں گا"۔

یہاں گردن کے لئے سابغہ کا لفظ استعمال ہوا ہے جو گردن کے لمبے اور سیدھے حصے کو کہتے ہیں' اس سے مراد قتل ہے' پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

غیر معروف راستے سے سفر...... کیا کوئی ایسا شخص ہے جو ہمیں اس راستے کے علاوہ جس پر قریش ہیں کسی دوسرے راستے پر لے چلے؟

اس پر ایک شخص نے جو مسلمان ہو چکا تھا کہا کہ یارسول اللہ ﷺ میں لے چلوں گا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ شخص ناجیہؓ ابن جندب تھے' غرض یہ مسلمانوں کو یہ ایک غیر معروف راستے سے لے کر روانہ ہوئے۔ یہ راستہ دشوار گزار تھا جس کی وجہ سے مسلمان پریشان ہو رہے تھے۔ آخر جب یہ راستہ ختم ہوا اور مسلمان اس سے گزر کر ہموار راستے پر پہنچ گئے تو آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے فرمایا:

یوں کہو: نَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَنَتُوْبُ اِلَيْهِ یعنی ہم اللہ سے مغفرت مانگتے ہیں اور اسی کے سامنے توبہ کرتے ہیں!"

صحابہ کو استغفار کی تلقین...... چنانچہ لوگوں نے یہ کلمات کہے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"خدا کی قسم یہ کلمہ یعنی استغفر اللہ وہی حطّہ ہے جو معافی اور مغفرت مانگنے کے لئے بنی اسرائیل کو پیش کیا گیا تھا مگر انہوں نے اس کو نہیں کہا۔

مسلمان آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ وہ اس مقام پر پہنچ کر فروکش ہو گئے اور خالد ابن ولید اور مشرک سوار دستے کو خبر بھی نہ ہوئی۔ آخر اس کے بعد جب ان کو پتہ چلا تو قریش کو یہ وحشت ناک خبر سنانے والا روانہ ہوا۔

بنی اسرائیل کا استغفار سے گریز...... گزشتہ سطرں میں معافی اور مغفرت مانگنے کے سلسلے میں جو لفظ ہے وہ عربی عبارت میں حطّۃ ہے چنانچہ کہا جاتا ہے اَللّٰهُمَّ حَطِّ عَنَّا ذُنُوْبَنَا یعنی اے اللہ ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے' چنانچہ آنحضرت ﷺ کا جو یہ ارشاد گزرا ہے کہ یوں کہو۔ نَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَنَتُوْبُ اِلَيْهِ یہ بھی لفظ حطّۃ کے ان ہی معنی کے مناسب ہے۔ ادھر اس لفظ کی شرح میں یہ بھی قول ہے کہ اس سے مراد لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔

غرض بنی اسرائیل کو مغفرت مانگنے کے لئے حطّہ کا کلمہ پیش کیا گیا مگر انہوں نے حطّہ یعنی معافی کہنے کے بجائے مذاق اڑانے کے انداز میں یہ کلمات کہے:

حِنْطَةٌ حَبَّةٌ حَمْرَاءُ فِيْهَا شَعِيْرَةٌ سَوْدَاءُ

ایک سرخ رنگ کا دانہ جس میں گیہوں ہو۔ یعنی ہمیں آٹا اور گیہوں چاہئے ہم بھوکے ہیں۔

یہ کلمات وہ لوگ مذاقاً اڑانے اور اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں گستاخی کے طور پر کہا کرتے تھے۔ بخاری میں یوں ہے کہ بنی

اسرائیل سے پھر یہ کہا گیا جو قرآن میں ذکر ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ۔(البقرہ ع۶ آیت ۵۸)

ترجمہ: اور جب ہم نے حکم دیا کہ تم لوگ اس آبادی کے اندر داخل ہو پھر کھاؤ اس کی چیز میں سے جس جگہ تم رغبت کرو بے تکلفی سے اور دروازہ میں داخل ہونا عاجزی سے جھکے جھکے اور زبان سے کہتے جانا کہ توبہ ہے توبہ ہے' ہم معاف کر دیں گے تمہاری خطائیں اور ابھی مزید بر آں اور دیں گے دل سے نیک کام کرنے والوں کو۔

مگر بنی اسرائیل نے اس کلمے کو بدل دیا اور وہ لوگ حکم کے خلاف اپنی سُرینوں کے بَل داخل ہوئے اور کہتے جاتے تھے کہ گیہوں کا دانہ۔ یعنی ہمارا پیٹ بھر دو اور گیہوں دو۔

اہل بیت کی بنی اسرائیل کے باب حطّہ سے مشابہت...... ایک حدیث میں آتا ہے کہ تم لوگوں میں میرے اہل بیت یعنی گھر والوں کی حیثیت ایسی ہے جیسے بنی اسرائیل میں باب حطہ یعنی توبہ کا دروازہ کہ جو اس میں داخل ہو گیا اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ مراد ہے وہ دروازہ جس کا تذکرہ حق تعالیٰ نے آیت ((ادخلوا البَابَ)) میں فرمایا ہے۔ مراد ہے اریحاء بستی کا دروازہ (مگر سدی' ابو مسلم' قتادہ اور ربیع کے نزدیک اس آیت میں لفظ قریب سے مراد بیت المقدس ہے اگرچہ ایک قول اریحاء شہر کے متعلق بھی ہے) جو جبّار اور سخت گیر لوگوں کی بستی ہے۔ تو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اس بستی میں سجدہ کرتے ہوئے یعنی سر جھکا کر اور خشوع و خضوع کے ساتھ داخل ہو اور حطۃ یعنی توبہ ہے توبہ ہے کہتے ہوئے دروازے میں گھسو۔ مطلب ہے یہ کہتے ہوئے کہ ہماری خطائیں معاف فرما دے۔

بعض علماء نے اہل بیت کے متعلق اس حدیث کی تشریح یوں کی ہے کہ۔ جس طرح حق تعالیٰ نے بنی اسرائیل کیلئے مذکورہ طریقہ پر اس دروازے میں داخل ہونے کو ان کی بخشش کا ذریعہ بنا دیا تھا اسی طرح آنحضرت ﷺ نے اہل بیت یعنی گھر والوں کے ساتھ محبت رکھنے کو اللہ تعالیٰ نے بخشش و غفران کا ذریعہ بنا دیا ہے۔

قصویٰ اونٹنی کی ہٹ...... پھر اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ اس راستے پر چلیں جو انہیں حدیبیہ کی راہ پر ڈال دے گا اور جو مکے کی زیریں سمت میں ہے چنانچہ صحابہ اس راستے پر روانہ ہوئے۔ جب وہ اس ٹیلے کے پاس پہنچے جو قریش کے پاس اترتا تھا تو وہاں اچانک آنحضرت ﷺ کی اونٹنی یعنی قصویٰ بیٹھ گئی لوگوں نے اسے اٹھانے کے لئے ہشکارا مگر وہ اٹھنے پر آمادہ نہیں ہوئی۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے کہا کہ قصویٰ اونٹنی اپنی جگہ پر اڑ کر رہ گئی ہے۔

روایت میں اس اونٹنی کے اڑ جانے کے لئے خلاء ت القَصْوىٰ کے الفاظ ہیں یہ خلاء کا لفظ اونٹنی ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اونٹ کے لئے کہتے ہیں الخ۔ الجمل اور گھوڑے کے لئے حَرَن۔ الفرس بولا جاتا ہے معنی سب کے ایک ہی ہیں۔

منجانب اللہ رکاوٹ...... غرض صحابہ نے جب یہ بات کہی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"یہ اڑی نہیں ہے اور نہ یہ اس کی عادت ہے بلکہ اس کو اسی ذات نے روک دیا ہے جس نے اصحاب فیل یعنی ابرہہ کے لشکر کو مکے میں داخل ہونے سے روک دیا تھا"۔

نبی کی طرف سے صلہ رحمی کا اعلان...... یعنی رسول اللہ ﷺ جانتے تھے کہ یہ رکاوٹ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تاکہ اس کو مکے میں داخل ہونے سے روک دیا جائے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے آج قریش مجھ سے جس ایسی بات کی درخواست کریں گے جس میں صلہ رحمی یعنی رشتے داری کا احترام ہو میں اسے مان لوں گا۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ احکام کی تعظیم ہو میں اسے قبول کرلوں گا۔

یعنی جیسے حرم میں جنگ و جدل سے باز رہنا اور خون ریزی سے بچنا ہے۔ یہ فرمانے کے بعد آنحضرت ﷺ نے اونٹنی کو ڈپٹا جس سے وہ فوراً کھڑی ہوگئی اور آنحضرت ﷺ وہاں سے اسی راہ پر لوٹے جس سے ادھر آئے تھے۔

حدیبیہ میں پانی کی کمیابی...... اسکے بعد رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ یہاں قیام کرو، صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس وادی میں کہیں پانی نہیں ہے جس کے پاس ہم پڑاؤ ڈال سکیں آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر حضرت ناجیہ ابن جندب کو دیا جو آنحضرت ﷺ کے قربانی کے جانوروں کے نگراں تھے۔ یا ایک روایت کے مطابق آپ نے وہ تیر حضرت براءؓ ابن عازب کو دیا یا حضرت خالدؓ ابن عبادہ غفاری کو دیا (جیسا کہ ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے)۔

معجزہ اور پانی کی فراوانی...... غرض حضرت ناجیہؓ ابن جندب وہ تیر لے کر ایک گڑھے میں اترے اور اس میں وہ تیر گاڑ دیا۔ تیر گاڑتے ہی اس جگہ سے میٹھے پانی کا ایک چشمہ ابلنے لگا یہاں تک کہ تمام لوگ اور ان کے اونٹ وغیرہ سیراب ہوگئے اور سب جانور اس کے گرد ہی بیٹھ گئے۔

روایت میں اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ کے لئے "عطن" کا لفظ استعمال ہوا ہے جو اس مقام کو کہتے ہیں جہاں اونٹ یا بکریاں بیٹھیں۔ (قال) آنحضرت ﷺ مقام حدیبیہ کے کنارے پانی سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے پاس اترے تھے اس گڑھے میں تھوڑا سا پانی تھا۔ روایت میں اس گڑھے کے لئے "ثمد" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ثمد ایسے گڑھے کو کہتے ہیں جس میں تھوڑا بہت پانی جمع ہوگیا ہو۔ حدیبیہ کے مقام پر اور بھی ایسے گڑھے تھے (مگر ان میں پانی خشک ہوچکا تھا) غرض پانی کی کمی کی وجہ سے لوگ (اس گڑھے میں سے تھوڑا تھوڑا پانی احتیاط کے ساتھ لیتے تھے۔ مگر آخر کار گڑھے کا پانی بالکل ختم ہوگیا۔ لوگوں نے پریشان ہوکر رسول اللہ ﷺ سے فریاد کی کہ پانی کی بہت کمی ہے۔ ایک روایت کے مطابق پیاس کی شکایت کی جب کہ گرمی بہت شدید پڑ رہی تھی آنحضرت ﷺ نے اسی وقت اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور حضرت براءؓ کو دے کر فرمایا:

"اس تیر کو حدیبیہ کے کسی گڑھے میں جاکر گاڑ دو!"

حضرت براءؓ نے حکم کی تعمیل کی جس گڑھے میں انہوں نے تیر گاڑا وہ خشک تھا مگر تیر گاڑتے ہی اس میں سے پانی ابلنے لگا۔

ایک قول ہے کہ وہ تیر آپ نے حضرت ناجیہ ابن اعجم کو دیا تھا۔ چنانچہ خود حضرت ناجیہؓ سے روایت ہے کہ جب لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے پانی کی کمیابی کی شکایت کی تو آپ نے مجھے بلایا اور اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر مجھے دیا پھر آپ نے کنویں کے پانی سے بھرا ہوا ایک ڈول طلب فرمایا۔ میں پانی لے کر آیا تو آپ نے وضو کیا اور پانی منہ میں لے کر ڈول میں کلّی کی۔ اس کے بعد آپ نے مجھ سے فرمایا:

"یہ ڈول لے کر کنویں یعنی گڑھے میں اترنا اور اس تیر سے ڈول کا پانی چھڑک دینا"۔

چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ پس قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کیساتھ ظاہر فرمایا کہ میں ابھی گڑھے میں سے نکلا بھی نہیں تھا کہ پانی مجھے ڈھانپنے لگا اور اس طرح ابلنے لگا جیسے ہنڈیا میں کھدا لگتا ہے یہاں تک کہ آخر بڑھتے بڑھتے گڑھے کے کناروں تک پانی بھر گیا حتی کہ لوگ کنارے پر بیٹھ کر ہاتھوں کی روک میں پانی لینے اور سیراب ہونے لگے اور جلد ہی قافلے کا ہر

ہر آدمی سیراب ہو گیا۔

سردار منافقین کی دیدہ دلیری......اس وقت چشمہ پر کچھ منافقین موجود تھے جن میں عبداللہ ابن ابی ابن سلول بھی تھا حضرت اوس ابن خولی نے اس سے کہا:

"ابو حباب! تجھ پر افسوس ہے کیا اس کے بعد بھی ابھی وقت نہیں آیا کہ تو حقیقت کو دیکھ سکے کہ تو کس راستے پر ہے!"

ابن ابی نے جواب دیا۔

"اس طرح کی چیزیں میں بہت دیکھ چکا ہوں۔"

حضرت اوسؓ نے کہا:

"تجھ پر اور تیری آنکھوں پر خدا کی مار ہو"۔

اس کے بعد عبداللہ ابن ابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے اس سے فرمایا:

"اے ابو حباب! جو معجزہ تم نے آج دیکھا اور کہاں دیکھ چکے ہو؟"۔

نبی کے سامنے اظہار نیاز......ابن ابی نے کہا اس جیسا واقعہ تو میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ آپ نے پوچھا پھر تم نے وہ بات کیوں کہی تھی؟ آخر ابن ابی نے کہا یا رسول اللہ میرے لئے مغفرت کی دعا مانگئے۔ پھر ابن ابی کے بیٹے حضرت عبداللہ ابن عبداللہ نے بھی آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ! ان کے لئے مغفرت کی دعا فرمائیے' چنانچہ آپ نے اس کے حق میں استغفار فرمائی۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ہم حدیبیہ کے مقام پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور ہماری تعداد چودہ سو تھی۔ یہ حدیبیہ ایک کنواں تھا جس میں تھوڑا پانی آتا رہتا تھا ہم لوگ چونکہ بڑی تعداد میں تھے اس لئے جلد ہی کنویں میں ایک قطرہ پانی بھی باقی نہیں رہا۔ آپ کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ اس کنویں کے پاس تشریف لائے اور کنارے پر بیٹھ گئے۔ پھر آپ نے پانی سے بھرا ہوا ایک برتن منگایا اور وضو کی اور کلی کی۔ پھر آپ نے دعا فرمائی اور اس کے بعد برتن کا پانی کنویں میں ڈال دیا۔ ہم نے کچھ دیر اسے یونہی چھوڑا اور پھر اس میں (اتنا پانی آگیا کہ اس) سے ہمارے پیدل اور سوار سب ہی سیراب ہو گئے۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ پھر آپ کی طرف ڈول بڑھایا گیا آپ نے اس میں اپنا ہاتھ ڈبویا اور جو اللہ نے چاہا وہ کہا۔ پھر آپ نے اس میں ڈول ڈالا جس کے نتیجہ میں گڑھے میں اتنا پانی بھر گیا کہ اس میں سے دوسرے شخص کو کپڑے سے باندھ کر نکالا گیا ورنہ وہ ڈوب جاتا۔ اس کے بعد وہ پانی نہر کی طرح بہنے لگا۔ بہر حال یہ اختلاف قابل غور ہے کیونکہ اگر یہ سب روایات درست ہیں تو ان میں موافقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان تمام واقعات کا ہونا بھی ممکن ہے مگر یہ ممکن نہیں کہ یہ سب معجزات ایک گڑھے میں پیش آئے ہوں۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ جب مسلمان اس مقام سے کوچ کرنے لگے تو حضرت براء نے وہ تیر گڑھے میں سے نکال لیا جس کے ساتھ ہی اس گڑھے کا پانی اس طرح خشک ہو گیا جیسے اس میں کبھی پانی تھا ہی نہیں (جب کہ تیر کی موجودگی میں وہ گڑھا لبالب بھرا ہوا تھا)۔

معجزہ پر ابو سفیان کی حیرانی......ان ہی بعض علماء نے لکھا ہے کہ ابو سفیان نے حضرت سہیل ابن عمرو سے کہا:

"ہم نے سنا ہے کہ حدیبیہ کے مقام پر کوئی گڑھا ظاہر ہوا ہے جس میں پانی کے سوت پھوٹ نکلے ہیں۔ آؤ ذرا ہمیں بھی تو دکھاؤ محمد نے کیا کرشمہ دکھلایا ہے!" اس کے بعد انہوں نے گڑھے کے کنارے جا کر اس میں دیکھا کہ تیر کی جڑ میں سے پانی کا

چشمہ پھوٹ رہا ہے یہ دیکھ کر دونوں کہنے لگے:

"اس جیسا واقعہ تو ہم نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اور یہ تو محمد ﷺ کا ایک چھوٹا سا جادو ہے!"

اس روایت میں شبہ ہے کیونکہ ابوسفیان حدیبیہ کے مقام پر موجود نہیں تھا۔ اب اس بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاید یہ واقعہ اس وقت کا ہو جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ سے جا چکے تھے۔ مگر اس میں بھی اشکال ہے کیونکہ ان ہی بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ مسلمانوں کی حدیبیہ سے روانگی کے وقت اس تیر کو گڑھے میں سے نکال لیا گیا تھا اور اس میں کا پانی سوکھ گیا تھا۔

غرض جب رسول اللہ ﷺ مطمئن ہو گئے تو آپ ﷺ کے پاس بُدیل ابن ورقاء آئے جو اپنی قوم کے سردار تھے اور فتح مکہ کے بعد مسلمان ہو گئے تھے اور اس طرح یہ فتح مکہ کے وقت مسلمان ہونے والے لوگوں میں ایک بڑے مسلمان تھے۔

بدیل کی آنحضرت ﷺ سے ملاقات...... غرض یہ بُدیل ابن ورقاء اپنی قوم بنی خزاعہ کے کچھ سرکردہ لوگوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے 'بنی خزاعہ (آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کا ایک دوست اور ہمدرد قبیلہ تھا اور اس) کے مسلمان اور مشرک آنحضرت ﷺ سے کوئی بات نہیں چھپاتے تھے بلکہ مکے میں جو کچھ سازشیں ہوتی تھیں ان سے آنحضرت ﷺ کو باخبر کر دیا کرتے تھے اس طرح مدینے میں بیٹھے بیٹھے آپ ﷺ کو سب باتوں کا پتہ چل جاتا تھا۔ کبھی کبھی قریش بھی ان باتوں سے چوکنے ہو جاتے تھے۔ بُدیل ابن ورقاء اور ان کے ساتھیوں نے آنحضرت ﷺ سے حدیبیہ کے مقام پر آکر پوچھا:

"آپ ﷺ کس ارادے سے تشریف لائے ہیں؟"۔

بُدیل کی قریش سے گفتگو...... آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم جنگ کے ارادہ سے قطعاً نہیں آئے ہیں بلکہ بیت اللہ کی زیارت کیلئے اور اس کی حرمت و عظمت دل میں لے کر آئے ہیں۔ کتاب مواہب میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بدیل سے یہ فرمایا جو بیان ہوا اور یہ بھی فرمایا کہ قریش کو جنگوں نے کھا لیا نیز یہ کہ بدیل نے اس پر آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میں قریش کو یہ سب بتلادوں گا جو آپ ﷺ نے فرمایا ہے۔ یہ کہہ کر بدیل وہاں سے روانہ ہوئے اور قریش کے پاس پہنچے۔ انہوں نے قریش سے کہا:

"ہم اس شخص یعنی آنحضرت ﷺ سے روانہ ہو کر تمہارے پاس آئے ہیں ہم نے ان کو کچھ باتیں کہتے سنا ہے اگر تم چاہو تو وہ باتیں ہم تمہیں سنائیں"۔

قریشی اوباشوں کی سرکشی...... اس پر قریش کے اوباشوں نے کہا:

"ہمیں ضرورت نہیں ہے کہ تم ان کی باتیں ہمیں سناؤ"۔

مگر کچھ سنجیدہ لوگوں نے کہا کہ تم لوگوں نے ان سے جو کچھ سنا ہے وہ بتلاؤ۔ اس پر بُدیل نے کہا کہ وہ ایسا کہہ رہے تھے اور سب باتیں قریش کو بتلائیں۔ (یعنی آنحضرت ﷺ کے ارادے زیارت کی نیت اور بیت اللہ کی تعظیم کا حال سنایا) یہاں تک کتاب مواہب کا حوالہ ہے۔

مگر مشہور روایت یہ ہے کہ بُدیل اور بنی خزاعہ میں کے انکے ساتھی جب واپس قریش کے پاس پہنچے تو قریش سے بولے:

بدیل کی فہمائش اور قریش کی کجروی...... "اے گروہ قریش! تم محمد ﷺ کے خلاف نکلنے میں جلد بازی سے کام لے رہے ہو وہ جنگ کے ارادے سے ہرگز نہیں آئے ہیں بلکہ وہ تو بیت اللہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں!"

یہ سن کر قریشیوں نے خود بنی خزاعہ پر ہی تہمتیں لگانا شروع کر دیں اور ان کو سخت نازیبا باتیں کہیں۔ پھر قریش نے کہا۔

"اگر وہ جنگ کے ارادہ سے نہیں آئے ہیں تو بھی وہ زبردستی یہاں ہرگز ہرگز نہیں داخل ہو سکتے عربوں کو اس سلسلے میں

ہمارے متعلق زبان درازی کا موقعہ نہیں ملے گا"۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ کیا محمد ﷺ یہ چاہتے ہیں کہ وہ اپنے پورے لاؤ لشکر کے ساتھ مکے میں داخل ہو کر عمرہ کریں تاکہ عرب سنیں تو یہ سمجھیں کہ وہ زبردستی ہم پر چڑھ آئے اور مکے میں داخل ہو گئے جب کہ ہمارے اور مسلمانوں کے درمیان جو دشمنی ہے اس کا حال سب کو معلوم ہے۔ خدا کی قسم یہ ہرگز نہیں ہو سکتا جب تک ہماری ایک پلک بھی جھپک رہی ہے یعنی جب تک ہم میں زندگی کی ایک رمق بھی باقی ہے ایسا نہیں ہو سکتا!"

قریش کا پہلا قاصد...... اس کے بعد قریش نے بنی عامر کے بھائی مکرز ابن حفص کو رسول اللہ ﷺ کے پاس قاصد بنا کر بھیجا۔ جب مکرز وہاں پہنچا اور آنحضرت ﷺ نے اس کو سامنے سے آتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ یہ شخص دھوکہ باز اور ایک روایت کے مطابق فاجر ہے۔

آخر جب یہ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ گیا اور آپ سے بات چیت کرنے لگا تو آپ نے اس سے بھی وہی بات کہی جو آپ بدیل ابن ورقاء سے فرما چکے تھے (کہ ہم زیارت کے لئے آئے ہیں جنگ کیلئے نہیں آئے چنانچہ یہ جواب سن کر مکرز واپس ہو گیا اور آنحضرت ﷺ کی گفتگو قریش کو کہہ سنائی۔

دوسرا قاصد...... اس کے بعد قریش نے ایک دوسرے شخص حلیس ابن علقمہ کو آنحضرت ﷺ کے پاس قاصد کے طور پر بھیجا۔ یہ شخص اس زمانے میں احابیش کا سردار تھا۔ احابیش کے متعلق یہ بات پیچھے بیان ہو چکی ہے کہ یہ لوگ بنی عون ابن خزیمہ اور بنی حرث ابن عبد مناف ابن کنانہ اور بنی مصطلق ابن خزیمہ میں سے تھے۔ ان لوگوں کو احابیش اس لئے کہا جانے لگا تھا کہ انہوں نے ایک دفعہ مکے کے زیریں علاقے کے ایک پہاڑ کے دامن میں معاہدہ کیا تھا اس پہاڑ کا نام حبشی تھا۔ اس معاہدہ میں ان لوگوں نے اور قریشیوں نے ایک دوسرے کے ساتھ حلف کیا تھا کہ جب تک راتوں کی تاریکیاں اور دنوں کی جگمگاہٹ اور حبشی پہاڑ کی بلندیاں باقی ہیں اس وقت تک یعنی ابدالآباد تک ہم اپنے ہر دشمن کے مقابلے میں ایک جان و قالب رہیں گے۔ اسی وقت سے ان لوگوں کو قریش اور دوسرے قبیلوں نے احابیش کہنا شروع کر دیا (یعنی حبشی پہاڑ والے)۔

حلیس کے متعلق نبی ﷺ کی رائے...... غرض جب سردار احابیش حلیس ابن علقمہ سامنے آتا ہوا نظر آیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"یہ ان لوگوں میں سے ہے جو مذہب پرست ہیں اور مذہبی احکام کا احترام کرنے والے ہیں۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ جو قربانی کے جانور کا احترام کرتے ہیں۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ جو ہُدی کے جانور کی عظمت کرتے ہیں۔ ہُدی کے جانور کو ہنکا کر اس کے سامنے لے جاؤ تاکہ وہ اس کو دیکھ لے!"

چنانچہ صحابہ ہُدی کے جانور کو ہنکا کر اس کے سامنے لے گئے) جیسے ہی حلیس کی نظر ہُدی پر پڑی جس کی گردن میں قلادہ یعنی علامت پڑی ہوئی تھی اور جو وادی کے ایک کنارے سے دوڑتا ہوا اس کی طرف آرہا تھا اور جانور کی گردن کے بال گھس گئے تھے جس سے ظاہر تھا کہ یہ قلادہ بہت عرصہ سے اس کی گردن میں پڑا ہوا ہے (یعنی ایسا نہیں تھا کہ قریشی قاصد کو دیکھ کر اسی وقت قلادہ ڈال دیا گیا ہو) اور ان جانوروں کو حرم میں قربانی کے لئے عرصہ سے روکا ہوا ہے۔ حلیس یہ دیکھ کر دور سے ہی واپس ہو گیا۔

حلیس کے تاثرات...... ادھر حلیس کو آتے دیکھ کر لوگوں نے لبیک لبیک کہتے ہوئے اس کا استقبال کیا (یعنی مسلمان چونکہ عمرہ کیلئے جارہے تھے اس لئے اکثر تلبیہ یعنی لبیک پڑھ رہے تھے) اور حالت یہ تھی کہ وہ لوگ پراگندہ حال تھے یعنی کپڑے اور بدن غبار آلود تھے۔ یہ صورت حال دیکھ کر حلیس ایک دم پکار اٹھا:

"سبحان اللہ! ان لوگوں کو بیت اللہ کی زیارت سے روکنا قطعاً نامناسب ہے۔ اللہ کو یہ بات پسند نہیں کہ بنی لخم، بنی جذام، بنی فہد اور بنی حمیر کے لوگ حج کریں اور عبدالمطلب کے بیٹے کو اجازت نہ ملے! قریش ہلاک ہو جائیں۔ رب کعبہ کی قسم یہ لوگ تو عمرہ ہی کرنے کے لئے آئے ہیں!"

قریش کے روبرو حلیس کا بیان...... آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: بے شک اے بنی کنانہ کے بھائی!

ایک قول یہ بھی ہے کہ حلیس دور سے ہی ہُدی وغیرہ کو دیکھ کر قریش کے پاس واپس لوٹ گیا تھا، چونکہ اس نے ہُدی اور قلادوں کو دیکھ لیا تھا اس لئے اس کے بعد اس نے آگے بڑھنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی اور آنحضرت ﷺ تک پہنچے بغیر ہی واپس ہو گیا تھا۔ اس کے بعد حلیس نے قریشیوں سے کہا:

میں نے وہ باتیں دیکھی ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے محمد ﷺ کو یہاں آنے سے روکنا جائز نہیں ہے میں نے ہدی کے جانور دیکھے جن کے گلوں میں اتنے دن کے قلادے یعنی علامتیں پڑی ہوئی ہیں کہ ان کی وجہ سے ان جانوروں کی گردنوں کے بال تک اڑ گئے ہیں۔ ادھر لوگوں کے بدن غبار آلودہ تھے اور وہ لوگ پراگندہ حال تھے۔

حلیس کو قریش کی ڈانٹ...... یہ سن کر قریشیوں نے حلیس کو ڈانٹ کر کہا:

"خاموش بیٹھ جا تو نرا گاودی اور جاہل آدمی ہے تجھے کچھ خبر نہیں۔ نہ تو محمد ﷺ کے فریب کو سمجھ سکا"۔

حلیس کی ناراضگی...... یہ سن کر حلیس بگڑ گیا اور کہنے لگا:

"اے گروہ قریش! خدا کی قسم۔ نہ تو ان باتوں پر ہم نے تم سے حلف کیا تھا اور نہ ان حرکتوں کے لئے ہمارا تمہارا معاہدہ ہوا تھا کیا ایسے شخص کو بھی بیت اللہ کی زیارت سے روکا جاتا ہے جو دل میں اس گھر کا احترام لے کر آیا ہو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں حلیس کی جان ہے یا تو تم لوگ محمد ﷺ کے راستے سے ہٹ جاؤ اور وہ جس مقصد سے آئے ہیں اسے پورا ہو جانے دو۔ ورنہ میں اپنے تمام احابیش کو لے کر تم سے الگ ہو جاؤں گا!"

قریش کی حیلہ بازی...... اس پر قریش نے کہا ٹھہرو ہم محمد ﷺ سے ایسی پیش بندیاں اور شرطیں منوالیں جو ہماری مرضی کے مطابق ہوں۔ چنانچہ اب قریش نے حضرت عروہ ابن مسعود ثقفی کو رسول اللہ ﷺ کے پاس قاصد بنا کر بھیجا یہ عروہ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے اور یہی وہ شخص ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عیسیٰ ابن مریم سے مشابہ فرمایا تھا پھر جب ان کی قوم بنی ثقیف نے ان کو قتل کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ اپنی قوم میں ان کی مثال ایسی ہے جیسے صاحب یٰسٓ کی۔ اس واقعہ کی تفصیل آگے آئے گی۔

عروہ کی قریش سے صاف گوئی...... غرض جب قریش نے عروہ ابن مسعود ثقفی کو قاصد بنا کر بھیجنے کا ارادہ کیا تو عروہ نے ان لوگوں سے کہا:

"اے گروہ قریش! میں دیکھ چکا ہوں کہ جسے آپ نے محمد ﷺ کے پاس قاصد بنا کر بھیجا تو واپسی پر تمہارے ہاتھوں اس کی کیسی درگت بنی اور آپ نے کیسے کیسے نازیبا اور ناشائستہ کلمات سے اس کی تواضع کی۔ ادھر آپ لوگ یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ لوگ باپ کے درجے کے ہیں اور میں بیٹے کے درجہ میں ہوں!"

سب نے کہا بے شک تم ٹھیک کہتے ہو۔

اس روایت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عروہ ابن مسعود ثقفی کو اس وقت آنحضرت ﷺ کے پاس بھیجا گیا جب کہ ان

سے پہلے قریش کے کئی قاصد آپؐ سے مل کر آچکے تھے۔ چنانچہ اب کتاب مواہب کی یہ روایت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جب عروہ نے قریش کے لوگوں کے ہاتھوں بدیل اور اس کے خزاعی ساتھیوں کی رسوائی دیکھی تو اس نے قریش سے کہا کہ قوم کے لوگو۔ کیا آپ میرے لئے باپ کی حیثیت میں نہیں ہیں۔ وغیرہ وغیرہ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ کیا آپ باپ کی طرح نہیں ہیں۔ یعنی آپ میں سے ہر ایک میرے لئے باپ کی طرح اور آپ میں سے ہر ایک کے لئے میں بیٹے کی طرح نہیں ہوں۔

ایک قول ہے کہ (عروہ نے کہا) آپ لوگ اس قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں جس نے مجھے جنم دیا ہے کیونکہ عروہ کی ماں صبیعہ بنت عبد شمس تھی۔ لوگوں نے کہا بے شک۔ عروہ نے کہا کیا میں بیٹے کی طرح نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا یقیناً۔ عروہ نے کہا کیا آپ مجھ سے کوئی بدگوئی رکھتے ہیں۔ قریش نے کہا تم سے ہمیں کوئی بدگمانی نہیں ہے۔

صحابہ کے متعلق عروہ کے خیالات...... (اس طرح اپنا اطمینان کر لینے کے بعد) اب عروہ قریشی قاصد کی حیثیت سے روانہ ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ کر آپ کے سامنے بیٹھ گئے۔ پھر انہوں نے آپؐ سے کہا۔ ”اے محمد ﷺ آپؐ نے پنچ میل یعنی مختلف برادریوں کے لوگ جمع کئے ہیں اور انہیں لے کر آپ اپنی قوم اور خاندان کے مقابلہ میں آئے ہیں۔ دوسری طرف قریش ہیں کہ وہ لوگ پوری تیاریوں کے ساتھ اپنی قوم کے گبرو جوانوں کو لے کر نکلے ہیں جنہوں نے چیتوں کی کھال کے لباس پہن رکھے ہیں۔ ان لوگوں نے اللہ کے سامنے حلف کیا ہے کہ وہ آپ کو ہرگز زبردستی مکے میں داخل نہیں ہونے دیں گے قسم ہے خدائے برتر کی گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے یہ بھانت بھانت کے ساتھی کل آپ کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ خدا کی قسم میں آپؐ کے ساتھیوں میں سے بڑے بڑے سر کردہ لوگوں کو فرار ہوتے اور آپ کو دغا دیتے ہوئے دیکھ رہا ہوں“۔

عروہ پر ابوبکر کا غصہ...... اس وقت حضرت ابوبکرؓ آنحضرت ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے عروہ کے یہ کلمات سنے تو فوراً عروہ کو گالی دے کر بولے:

”بک مت...... بظر لات![1]...... کیا ہم ان کو چھوڑ کر بھاگ سکتے ہیں!“

عروہ کی احسان شناسی...... اب عروہ نے صدیق اکبر کی طرف دیکھا اور آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ اے محمد ﷺ یہ کون شخص ہے؟ آپ نے فرمایا یہ ابن ابو قحافہ ہیں۔ عروہ نے کہا:

”خدا کی قسم تمہارا اگر مجھ پر ایک احسان نہ ہوتا تو اسی وقت تمہارا کام تمام کر دیتا۔ مگر اب میں اس احسان کے بدلے تمہاری اس گالی کو برداشت کرتا ہوں۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ خدا کی قسم مجھ پر اگر تمہارا وہ احسان نہ ہوتا جس کا میں اب تک بدلہ نہیں دے سکا تو اس وقت ضرور تمہیں جواب دیتا!“

صدیق اکبر کا احسان...... حضرت ابوبکرؓ کا عروہ پر یہ احسان تھا کہ ایک دفعہ ایک دیت کی ادائیگی کے سلسلے میں عروہ کو مالی مدد کی ضرورت تھی۔ اس وقت ایک شخص نے تو ایک اونٹ سے ان کی مدد کی اور دوسرے نے دو اونٹوں سے مدد کی اور حضرت ابوبکرؓ نے دس جوان اونٹوں سے ان کی مدد کی۔

عروہ کی نبی سے جسارت...... غرض اس کے بعد عروہ باتوں کے دوران بار بار آنحضرت ﷺ کی داڑھی پکڑنے لگے۔ یہ عربوں کی عادت تھی کہ جب وہ کسی سے بات چیت کرتے تو خاص طور پر نرمی اور محبت کے اظہار کے طور پر اس کی داڑھی پکڑ لیا

---

[1] بظر اس ٹکڑے کو کہتے ہیں جو عورت کی ختنہ کے بعد اس کی شرمگاہ میں باقی رہ جاتا ہے۔ ایک قول ہے کہ بظر وہ ٹکڑا ہوتا ہے جس کو ختنہ کرنے والی کاٹتی ہے۔ ۱۲

کرتے تھے مگر اکثر حالتوں میں برابر کے مرتبہ کے لوگ ایسا کیا کرتے تھے۔ مگر آنحضرت ﷺ نے اس وقت عروہ کی دلداری و دلدہی کی خاطر انہیں اس سے نہیں روکا۔ اس وقت حضرت مغیرہ ابن شعبہ آنحضرت ﷺ کے برابر لوہے میں غرق مسلح پہرہ دے رہے تھے اور انہوں نے زرہ بکتر پہن رکھی تھی (حضرت مغیرہؓ کو عروہ کی یہ حرکت ناگوار گزری) چنانچہ جوں ہی عروہ آنحضرت ﷺ کی داڑھی کو ہاتھ لگاتے حضرت مغیرہ اپنی تلوار کے دستے سے ان کا ہاتھ ہٹا دیتے۔

مغیرہ کی ڈانٹ...... تلوار کے دستے سے مراد اسفل سیف ہے جو تلوار کے نچلے حصہ میں قبضہ کے لئے چاندی وغیرہ کا بنا ہوا ہوتا ہے۔ ساتھ ہی حضرت مغیرہ کہتے جاتے تھے:

"اپنے اس ہاتھ کو پہلے ہی روک لو اور اسے آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک سے دور رکھو۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ تمہارا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کی داڑھی کو چھونے نہ پائے کیونکہ کسی مشرک کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے"

حضرت مغیرہؓ نے آنحضرت ﷺ کے احترام کی خاطر ایسا کیا تھا لہٰذا انہوں نے عربوں کی اس عادت کا خیال نہ کیا جو ان میں جاری تھی، عروہ جواب میں حضرت مغیرہ سے یہ کہہ رہے تھے:

"تیرا ناس ہو۔ تم کتنے بدزبان اور زبان دراز ہو۔"

ایک روایت میں یوں ہے کہ جب حضرت مغیرہ نے بار بار ایسا کیا تو عروہ کو غصہ آگیا اور وہ کہنے لگے۔

"تیرا ناس ہو۔ تو کتنا زبان دراز اور بدزبان آدمی ہے۔ آہ یہ کون شخص ہے جو آپ کے صحابہ کی موجودگی میں میری توہین کر رہا ہے۔ خدا کی قسم میں نے تم لوگوں میں اس سے زیادہ بدتمیز اور بیہودہ آدمی نہیں دیکھا"۔

"یہ تمہارا بھتیجہ مغیرہ ابن شعبہ ہے!"

عروہ کی مغیرہ پر غضب ناکی...... (چونکہ حضرت مغیرہ زرہ بکتر پہنے اور خود اوڑھے ہوئے تھے اس لئے عروہ نے اپنے بھتیجے کو پہچانا نہیں تھا) یہ عروہ حضرت مغیرہ کے باپ شعبہ کے چچا تھے مگر حضرت مغیرہ ان کو چچا کہا کرتے تھے کیونکہ باپ کی طرف سے جو بھی رشتہ دار ہوتا ہے اس کو عرب چچا کہتے ہیں۔ مگر صحیح بخاری میں آنحضرت ﷺ کا جو ارشاد ہے اس میں بھتیجے کا لفظ نہیں ہے۔ غرض آنحضرت ﷺ کے فرمانے پر عروہ کو جب پتہ چلا کہ یہ شخص ان کا بھتیجہ ہے تو وہ (بھڑک کر) کہنے لگے:

"او غدار! خدا کی قسم! کیا ابھی کل ہی کی بات نہیں ہے کہ میں نے عکاظ کے مقام پر تیری غداری کے داغ دھوئے تھے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ تیری برائیوں کو دھویا تھا۔ کیا کل ہی کی بات نہیں کہ میں تیری غداریوں کی بنا پر تیرے لئے کوشش کر رہا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ۔ اے غدار کیا ابھی میں نے تیری غداریوں کو نہیں دھویا۔ کیا تو نے ہمیشہ کے لئے بنی ثقیف کی دشمنی ہمیں ورثہ میں نہیں دی!"

ایک قول ہے کہ عروہ کی اس سے مراد یہ تھی کہ کچھ ہی عرصہ پہلے عروہ نے مغیرہ کی ایک غداری کی پردہ پوشی کی تھی اور اس معاملے کو نمٹایا تھا کیونکہ حضرت مغیرہ نے اسلام قبول کرنے سے پہلے قبیلہ ثقیف میں بنی مالک کے تیرہ آدمیوں کو قتل کر دیا تھا۔

مغیرہ کی غداری کا واقعہ......اس کا واقعہ یہ ہے کہ یہ سب لوگ مصر کے بادشاہ مقوقس کے پاس ہدیہ وغیرہ لے کر پہنچے تھے۔ مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ اس وقت ہم سب لات نامی بت کے خادم تھے جب بنی ثقیف کے وہ لوگ جا رہے تھے تو ان کے ساتھ جانے کے لئے میں نے اپنے چچا عروہ سے مشورہ کیا تھا جس پر عروہ نے مجھے جانے سے منع کیا تھا مگر میں نے اس کا کہنا

نہیں مانا تھا اور ان لوگوں کے ساتھ چلا گیا تھا۔ ہم مقوقس شاہ مصر کے مہمان کی حیثیت سے مہمانوں کے کنیسہ یعنی عبادت گاہ میں ٹھہرائے گئے۔ آخر ایک دن ہم سب بادشاہ کے حضور میں باریاب ہوئے اور ان لوگوں نے اپنے ہدایا بادشاہ کی خدمت میں نذر کئے۔ اسی وقت وہاں کے ایک بڑے آدمی نے میرے ساتھیوں سے میرے متعلق پوچھا کہ یہ کون ہے؟ اس نے کہا کہ یہ ہماری قوم ثقیف میں سے نہیں ہے بلکہ ہمارے دوست قبیلہ کا آدمی ہے۔

اس اطلاع کے بعد بادشاہ نے میری طرف بالکل توجہ نہیں دی۔ اس نے میرے ساتھیوں کی خوب عزت و توقیر کی اور میرے ساتھ بالکل لاپروائی کا معاملہ کیا۔ پھر جب میرے ساتھیوں کا وفد وہاں سے واپس ہونے لگا تو کسی نے مجھے رخصتی کلمات نہیں کہے۔ مجھے یہ بات بہت زیادہ ناگوار ہوئی اور میں نے فیصلہ کیا کہ ان لوگوں کو اس کا موقعہ نہیں دوں گا کہ یہ وطن پہنچ کر ہمارے لوگوں کو اپنی عزت افزائی اور بادشاہ کے ہاتھوں میری توہین اور بے عزتی کی داستان سنائیں۔

چنانچہ میں نے ان سب لوگوں کو قتل کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ راستے میں ہم سب ایک مقام پر ٹھہرے میں نے وہاں پہنچتے ہی سر پر ایک پٹی باندھ لی۔ ان لوگوں نے شراب کا دور چلاتے ہوئے مجھے بھی شراب پیش کی تو میں نے کہہ دیا کہ میرے سر میں درد ہے (اس لئے میں تو نہیں پیوں گا) مگر آپ لوگوں کے ساقی کا فرض میں انجام دوں گا۔ چنانچہ میں نے شراب پلائی اور بے تحاشہ اور بغیر پانی ملائے خالص شراب پلائی جس کے نتیجہ میں وہ لوگ بالکل سرشار اور غافل ہو گئے۔ اسی وقت میں نے ان پر حملہ کر دیا اور سب کو قتل کر کے جو کچھ ان کے پاس تھا وہ سب اپنے قبضہ میں لے لیا۔

مغیرہ کا اسلام...... اس کے بعد میں وہاں سے سیدھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپؐ اس وقت مسجد نبوی میں تھے۔ میں نے آتے ہی آپ کو سلام کیا اور کہا **اشھد ان لا الہ الّا اللہ واشھد ان محمداً رسول اللہ** یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"اس خدائے برتر کا شکر ہے جس نے تمہیں اسلام کی ہدایت عطا فرمائی اے مغیرہ!"

پھر حضرت ابو بکرؓ نے پوچھا کیا تم مصر سے آ رہے ہو؟ میں نے کہا ہاں انہوں نے کہا۔

"وہ مالکی کہاں گئے جو تمہارے ساتھ تھے"۔

چونکہ وہ لوگ بنی مالک میں سے تھے اس لئے صدیق اکبر نے ان کو مالکی کہا۔ میں نے کہا۔

"میرے اور ان کے درمیان ایسی ہی عداوت تھی جیسے عربوں میں ہوا کرتی ہے لہٰذا میں نے ان سب کو قتل کر دیا اور ان کا مال و متاع اپنے ساتھ لے آیا تاکہ رسول اللہ ﷺ اس کا پانچواں حصہ اپنے یعنی بیت المال کے لئے نکال لیں۔ یا جیسی آنحضرت ﷺ کی رائے ہو کریں!"

غدر کے مال سے آنحضرت ﷺ کی بیزاری...... آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر فرمایا:

"جہاں تک تمہارے اسلام کا تعلق ہے میں نے اس کو قبول کر لیا ہے مگر ان لوگوں کے مال میں سے میں کچھ نہ لوں گا اور نہ اس کا پانچواں حصہ نکالوں گا کیونکہ وہ مال غداری کا ہے اور غداری میں کبھی کوئی خیر نہیں ہوتی!"

میں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! میں نے جب ان لوگوں کو قتل کیا اس وقت تو میں اپنی قوم کے دین پر ہی تھا۔ پھر اسکے بعد اسلام لایا ہوں!"

آپ نے فرمایا: "اسلام پچھلی سب برائیوں کو مٹا دیتا ہے!"

پھر حضرت مغیرہؓ کہتے ہیں کہ جب بنی ثقیف کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ جنگ کے لئے آمادہ ہوگئے مگر پھر اس بات پر سمجھوتہ ہوگیا کہ میرے چچا عروہ ان تیرہ کے تیرہ آدمیوں کی دیت یعنی جان کی قیمت ادا کردیں گے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ جب بنی ثقیف کا وہ وفد مصر میں مقوقس بادشاہ کے سامنے پہنچا تو ہر ایک نے ایک ایک تحفہ پیش کیا مگر مغیرہ نے کوئی چیز پیش نہیں کی (کیونکہ نہ وہ وفد کے رکن تھے اور شاید ان کے پاس بادشاہ کو دینے کے لئے کچھ تھا بھی نہیں) اس وجہ سے مغیرہ کو اپنے ساتھیوں سے حسد پیدا ہوگیا چنانچہ واپسی میں جب وہ ایک جگہ ٹھہرے اور شراب پی کر بدمست ہوگئے اور پڑ پڑ کے سو رہے تو مغیرہ نے ان پر حملہ کر کے ان کو قتل کردیا اور ان کا سب مال چھین کر آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور مسلمان ہوگئے اس خبر پر بنی مالک مغیرہ کے خاندان کے دشمن ہوگئے اور ان کے درمیان جنگ چھڑ گئی مگر عروہ نے جنگ کی آگ بجھانے کی کوشش کیں اور آخر بنی مالک سے اس بات پر معاملہ کرلیا کہ وہ اپنے تیرہ آدمیوں کی دیت قبول کرلیں چنانچہ اس صلح نامہ کے مطابق عروہ نے ان سب کی دیت خود ادا کردی۔ ادھر حضرت مغیرہ مسلمان ہوگئے تو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تمہارا اسلام تو مجھے قبول ہے مگر تمہارے اس مال کی مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے۔

یہاں یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ یہ حربی کا مال تھا جو انہوں نے چھینا اور ان لوگوں پر غلبہ حاصل کیا (لہٰذا اس کو قبول کرنے میں کیا تامل تھا) اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ دراصل وہ سب مقتول مغیرہ کی طرف سے اپنے کو محفوظ اور مامون سمجھتے تھے اور مطمئن تھے (لہٰذا ایسی حالت میں مغیرہ کی طرف سے یہ غداری اور دغا تھی اور دغا کے مال میں جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کوئی خیر نہیں ہے)۔

مغیرہ ابن شعبہ...... کہا جاتا ہے کہ مغیرہ ابن شعبہ عرب کے چالاک ترین لوگوں میں سے تھے۔ انہوں نے مسلمان ہونے کے بعد اسی عورتوں کے ساتھ شادی کی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تین عورتوں سے شادی کی ایک قول ہے کہ ایک ہزار عورتوں سے کی (یہ مراد نہیں ہے کہ ایک ہی وقت میں اس قدر عورتوں کو نکاح میں رکھا کیونکہ اسلام میں ایک وقت میں چار بیویوں سے زائد رکھنا جائز نہیں ہے)

ایک مرتبہ کسی نے حضرت مغیرہ کی بیوی سے کہا وہ کانا نہایت بدتمیز آدمی ہے۔

اس پر مغیرہ کی بیوی نے کہا:

"خدا کی قسم وہ شخص یمنی شہد ہے جو نہایت شیریں اور بہترین ہے مگر ایک بُرے ظرف یعنی برتن میں ہے!" (یعنی اس کی ظاہری شکل وصورت کیسی بھی ہو وہ مزاج اور طبیعت کے لحاظ سے نہایت بہترین آدمی ہے)۔

جب مغیرہ کوفہ کے امیر (گورنر) بنے تو انہوں نے حضرت ابن منذر کی بیٹی سے اپنا رشتہ بھیجا۔ انہوں نے مغیرہ کے قاصد سے کہا:

مغیرہ سے کہہ دینا کہ اس شادی سے تمہارا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ لوگ یوں کہیں۔ مغیرہ ثقفی کی شادی نعمان ابن منذر کی بیٹی سے ہوگئی ہے ورنہ ظاہر ہے ایک بوڑھے یک چشم کو ایک اندھی بڑھیا سے شادی کر کے کیا فائدہ ہوسکتا ہے!"

اسی عورت نے حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص سے بھی ایک جملہ کہا تھا اس وقت حضرت سعدؓ کوفہ کے امیر یعنی گورنر تھے یہ بڑھیا انکے پاس آئی اور اس نے حضرت سعدؓ کو دعائیں دی۔ حضرت سعدؓ نے اسکی عزت وتکریم کی تھی اور اس نے ان سے کہا تھا:

"تم ایک ایسے ہاتھ کے مالک بنو جو امیری کے بعد غریب ہوا ہو ایسے ہاتھ کے مالک نہ بنو جو غریبی کے بعد امیر ہوا ہو

اللہ تعالیٰ تمہیں کبھی کسی ذلیل آدمی کا ضرورت مند نہ بنائے اگر کسی شریف آدمی کی نعمتیں اس سے چھن جائیں تو اللہ تعالیٰ تمہیں ان نعمتوں کی اس شریف تک واپسی کا ذریعہ بنائے کیونکہ ایک شریف آدمی ہی دوسرے شریف آدمی کی قدر کر سکتا ہے!"

عروہ کو آنحضرت ﷺ کا جواب...... یہ حضرت مغیرہ ابن شعبہ ہی وہ شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے حضرت عمر فاروقؓ کو امیر المومنین کے لقب سے یاد کیا۔

غرض عروہ جب آنحضرت ﷺ کے پاس قریشی قاصد کی حیثیت سے آئے تو آپؐ نے ان کو بھی وہی جواب دیا جو ان سے پہلے قاصدوں کو دے چکے تھے کہ میں جنگ کے ارادے سے نہیں آیا ہوں۔

صحابہ کی والہانہ عقیدت کا منظر...... اس کے بعد عروہ آنحضرت ﷺ کے پاس سے اٹھ گئے اس وقت انہوں نے دیکھا کہ صحابہ اکرامؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیسا معاملہ کرتے ہیں؟ انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ وضو کرتے یعنی ہاتھ دھوتے ہیں تو صحابہ اس دھوون یعنی ہاتھوں پر سے گرے ہوئے پانی کو حاصل کرنے کے لئے ٹوٹے پڑتے ہیں اور ایک دوسرے سے پیش پیش رہنے میں لڑتے جھگڑتے ہیں۔ اسی طرح آپ تھوکتے ہیں تو ہر شخص چاہتا ہے کہ آپ کا لعاب دہن اس کو حاصل ہو جائے کسی کے ہاتھوں کو آنحضرت ﷺ کے ہاتھ یا جسم مبارک کا کوئی حصہ چھو جاتا ہے تو وہ شخص برکت کیلئے اپنے ہاتھوں کو اپنے منہ پر پھیر لیتا ہے۔ آپ کا ایک بال بھی گرتا ہے تو صحابہ بڑے احترام واحتیاط سے اس کو اٹھا کر رکھ لیتے آپ جب گفتگو فرماتے تو ہر شخص (خاموش ہو جاتا یا) اپنی آواز نیچی کر لیتا اور آپ کی تعظیم میں کوئی شخص آپ سے نگاہیں چار نہیں کرتا تھا۔

عروہ کی قریش سے گفتگو...... (یہ حیرت ناک منظر دیکھنے کے بعد) عروہ وہاں سے واپس قریش کے پاس پہنچے تو ان سے کہنے لگے:

"اے گروہ قریش! میں کسرائے فارس کے دربار میں بھی گیا ہوں اور قیصر روم کے دربار میں بھی ہو آیا ہوں نیز میں نجاشی بادشاہ حبشہ کا جاہ وجلال بھی دیکھ چکا ہوں مگر خدا کی قسم میں نے کسی بادشاہ کی عزت وعظمت کا وہ منظر اس کی قوم میں نہیں دیکھا جو محمد ﷺ کی عزت وعظمت کا منظر ان کے صحابہ میں دیکھا ہے۔ میں ان لوگوں کے پاس سے آرہا ہوں جو کبھی کسی چیز کے لالچ میں محمد ﷺ سے منہ نہیں موڑیں گے۔ لہٰذا اب تم لوگ غور کر کے فیصلہ کر لو انہوں نے تمہارے سامنے ہدایت وراستی کی بات رکھی ہے اس لئے میری تم کو یہ نصیحت ہے کہ ان کی پیش کردہ بات مان لو کیونکہ مجھے ڈر ہے تم لوگ ان کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے!"

قریش کی ضد اور عُروہ کی علیحدگی...... یہ سن کر ان قریشی سرداروں نے جن کے سامنے یہ بات کر رہے تھے ان سے کہا:

"اے ابویعفور! اس قسم کی باتیں کہیں اور مت کرنا۔ لیکن ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس سال تو کسی طرح ان کو واپس کر دیں البتہ آئندہ سال وہ (عمرہ کے لئے) آسکتے ہیں۔ عروہ نے کہا:

"مجھے تو یہی نظر آرہا ہے کہ تم لوگوں پر تباہی آنے والی ہے!"

عروہ یا عظیم قریتین...... یہ کہہ کر عروہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس طائف چلے گئے۔ یہ عروہ وہی مشہور شخص ہیں جو مسعود ثقفی کے بیٹے تھے اور مسعود ثقفی وہی عظیم القریتین یعنی دو بستیوں مکہ اور طائف کے ایک سردار اور بڑے آدمی تھے۔ ان ہی دو بستیوں کے متعلق قریش نے کہا تھا جس کو قرآن پاک نے نقل فرمایا ہے:

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ۔ (لآیہ ۳۱ پ ۲۵ سورۂ زخرف ع ۳)

ترجمہ: اور کہنے لگے کہ یہ قرآن اگر کلام الٰہی ہے تو ان دونوں بستیوں مکہ اور طائف کے رہنے والوں میں سے کسی بڑے آدمی پر

کیوں نہیں نازل کیا گیا۔

(یہاں عظیم سے مراد دولت کی عظمت ہے چنانچہ حضرت تھانویؒ اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"رسول اللہ (یعنی اللہ کے کسی بھی پیغمبر) کے لئے عظیم الشان ہونا ضروری ہے اور پیغمبر ﷺ مال اور ریاست نہیں رکھتے تو یہ پیغمبر نہیں ہوسکتے مقصود انکار تھا"۔ حوالہ ختم۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد ولید ابن مغیرہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ عروہ ابن مسعود ثقفی حجاج ابن یوسف کے نانا تھے چنانچہ شعبی سے ایک روایت ہے جس سے دونوں باتوں کی تائید ہوتی ہے کہ جب حجاج عراق کا امیر اور حاکم تھا تو شعبی نے اس سے اپنی کوئی ضرورت بیان کی۔ حجاج نے ان کی حاجت روائی سے عذر کیا تو شعبی نے اسے لکھا کہ خدا کی قسم میں تمہارا کوئی عذر نہیں مان سکتا کیونکہ تم عراق کے حاکم ہو اور عظیم قریتین ہو۔

خراش کے ذریعہ قریش کے پیغام...... غرض عروہ کے جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت خراش ابن امیہ خزاعی کو بلا کر قریش کے پاس جانے کا حکم فرمایا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو خود اپنے اونٹ پر سوار کیا اس اونٹ کا نام ثعلب تھا جس کے معنی لومڑی کے ہیں۔ ان کو بھیجنے سے آنحضرت ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ وہ قریش تک آنحضرت ﷺ کے تشریف لانے کا اصل منشا پہنچا دیں۔ مگر جب حضرت خراش قریش کے پاس پہنچے تو انہوں نے خراش کا اونٹ چھین کر مار ڈالا۔ اونٹ کے کاٹنے والے عکرمہ ابن ابو جہل تھے جو بعد میں مسلمان ہوگئے تھے۔ ساتھ ہی قریش نے خود حضرت خراش کو بھی قتل کرنے کا ارادہ کیا مگر احابیش نے انہیں ایسا نہیں کرنے دیا آخر قریش نے خراش کو چھوڑ دیا۔

عمر فاروق کو بھیجنے کا ارادہ...... حضرت خراش نے واپس آنحضرت ﷺ کے پاس آکر سارا ماجرا بیان کیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کو بلا کر انہیں قریشی سرداروں کے پاس بھیجنے کا ارادہ کیا تاکہ وہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے قریش کو آپ ﷺ کے آنے کی اصل غرض وغایت بتلائیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! مجھے قریش کی طرف سے اپنی جان کا خوف ہے کیونکہ مکے میں (میرے خاندان یعنی) بنی عدی ابن کعب کا بھی کوئی شخص نہیں ہے جو میری حمایت میں اٹھ سکے۔ ادھر آپ ﷺ کو معلوم ہے کہ میں قریش کا کتنا سخت دشمن ہوں اور ان کے خلاف کتنا سخت ہوں۔ لیکن میں آپ ﷺ کو ایک ایسے شخص کا نام بتلاتا ہوں جو قریش کے نزدیک میرے مقابلے میں زیادہ معزز ہے اور وہ حضرت عثمان ابن عفان ہیں۔ (ی) کیونکہ وہاں ان کے چچا کی اولاد ہے جو ان کی حفاظت کرے گی"۔

عثمان غنی بطور قاصد...... چنانچہ اس مشورہ پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمانؓ ابن عفان کو بلایا اور انہیں ابوسفیان اور قریش کے دوسرے سرکردہ لوگوں کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ آپ کسی جنگ وجدل کے ارادہ سے یہاں نہیں آئے ہیں بلکہ صرف بیت اللہ کی زیارت کرنا ہے اور اس کا احترام دل میں لے کر آئے ہیں۔

یہاں ابوسفیان کا ذکر شاید کسی راوی کی غلطی کے سبب سے ہے کیونکہ جیسا کہ پیچھے بیان ہوا وہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر موجود نہیں تھے۔

غرض اس کے ساتھ ہی آنحضرت ﷺ نے عثمان غنیؓ کو حکم دیا کہ مکے پہنچ کر وہ ان مسلمان مردوں وعورتوں کے پاس بھی جائیں جو وہاں پھنسے ہوئے ہیں۔ ان کے پاس پہنچ کر انہیں فتح کی خوشخبری سنادیں۔ اور یہ خبر دے دیں کہ عنقریب اللہ تعالیٰ مکے میں اپنے دین کو سربلند فرمائے گا یہاں تک کہ وہاں کسی شخص کو اپنا ایمان چھپانے کی ضرورت نہیں آئے گی۔

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو قریش کے نام ایک خط دیکر روانہ فرمایا تھا اور اس میں لکھا تھا کہ آپ ﷺ یہاں کسی سے جنگ کرنے کیلئے نہیں آئے بلکہ صرف عمرہ کیلئے تشریف لائے ہیں ان بعض حضرات کے اس قول کی دلیل آگے آنے والی روایت ہے جس میں قریش کے جواب کا ذکر ہے۔ ایک قول ہے کہ قریش کے جوابی خط میں اس واقعہ کا ذکر تھا جو آ چکے اور سہیل ابن عمرو کے درمیان پیش آیا تھا اور یہ کہ اس شرط پر صلح ممکن ہے کہ اس سال آپ واپس لوٹ جائیں آخر حدیث تک اور یہ کہ جب قریش نے ان کو پکڑ لیا تو آنحضرت ﷺ نے بھی سہیل ابن عمرو کو اپنے پاس روک لیا۔

عثمان کو ابان کی پناہ...... غرض آنحضرت ﷺ کے حکم پر حضرت عثمان ابن عفان مکے کو روانہ ہوئے۔ ادھر اسی عرصہ میں آنحضرت ﷺ کی اجازت سے دس دوسرے صحابہ بھی مکے میں داخل ہوئے تھے جن کا مقصد اپنے عزیزوں سے ملنا تھا مگر میں ان صحابہ کے ناموں سے واقف نہیں ہو سکا۔ ساتھ ہی مجھے یہ بات بھی واضح نہیں ہو سکی کہ آیا یہ دس دوسرے صحابہ عثمان غنیؓ کے ساتھ ہی مکے پہنچے تھے یا علیحدہ گئے تھے۔

مکے میں داخل ہونے سے پہلے حضرت عثمانؓ ابان ابن سعید ابن عاص سے ملے جو بعد میں خیبر کی جنگ سے پہلے مسلمان ہو گئے تھے مگر اس وقت مسلمان نہیں تھے (حضرت عثمانؓ نے مکے میں داخل ہونے کے لئے ان کی حمایت چاہی) چنانچہ انہوں نے عثمان غنیؓ کو اپنی حمایت و حفاظت کا وعدہ دیا (کہ مکے میں دشمنوں سے حفاظت کے لئے تم میری پناہ میں رہو گے) انہوں نے حضرت عثمانؓ کو اپنے آگے آگے کر لیا (تاکہ سب سمجھ لیں کہ وہ ابان کی پناہ میں ہیں) اور تاکہ حضرت عثمانؓ آنحضرت ﷺ کا خط سرداران قریش کو پہنچا سکیں۔

اس طرح حضرت عثمانؓ مکے میں داخل ہو کر سب سے پہلے سیدھے ابوسفیان اور دوسرے سرداران قریش کے پاس پہنچے اور اپنے ساتھ آنحضرت ﷺ کا جو پیغام لائے تھے وہ ان لوگوں کو پہنچایا مگر کفار قریش یہی جواب دیتے رہے کہ محمد ﷺ ہماری مرضی کے خلاف کبھی مکے میں داخل نہیں ہو سکتے۔

عثمان کو طواف کی پیشکش...... جب حضرت عثمانؓ آنحضرت ﷺ کا پیغام پہنچا چکے تو قریش نے ان سے کہا۔

"اگر تم بیت اللہ کا طواف کرنا چاہو تو کر لو!"

نبی سے پہلے طواف سے انکار...... ایک روایت میں یوں ہے کہ پھر ابان نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ اگر تم بیت اللہ کا طواف کرنا چاہتے ہو تو کر سکتے ہو۔ حضرت عثمانؓ نے کہا:

"جب تک رسول اللہ ﷺ طواف نہ کر لیں میں بیت اللہ کا طواف نہیں کروں گا!"

ادھر مسلم پڑاؤ میں صحابہ آپس میں کہنے لگے کہ عثمان کو تو بیت اللہ تک پہنچنے کا موقعہ مل گیا اور انہوں نے ہمارے بغیر طواف بھی کر لیا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ باتیں سنیں تو فرمایا:

"مجھے امید نہیں جب کہ تم یہاں رکے ہوئے ہیں۔ انہوں نے وہاں طواف کر لیا ہو!"

نبی کے گمان کی تصدیق...... اس پر کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ان کو رکاوٹ ہی کیا ہے جب کہ وہ بیت اللہ تک پہنچ بھی گئے۔ آپ نے فرمایا:

"یہ میرا گمان ہے کہ جب تک ہم طواف نہیں کر لیں گے وہ طواف نہیں کریں گے چاہے انہیں کتنے ہی سال وہاں کیوں نہ لگ جائیں جب تک میں طواف نہیں کر لوں گا وہ طواف نہیں کریں گے!"

چنانچہ جب حضرت عثمان غنیؓ لوٹ کر آئے تو لوگوں نے ان سے اس بارے میں پوچھا اور کہا کہ آپ تو طواف کر آئے۔ حضرت عثمان نے کہا:

"تمہیں میرے بارے میں بدگمانی کیوں ہوئی۔ قریش نے مجھے پیشکش کی تھی کہ میں بیت اللہ کا طواف کر سکتا ہوں مگر میں نے انکار کر دیا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر میں عمرہ کی نیت سے وہاں ایک سال بھی ٹھہرا رہتا جب کہ آنحضرت ﷺ حدیبیہ کے مقام پر رکے ہوئے ہوتے تو بھی میں اس وقت تک طواف نہ کرتا جب تک کہ رسول اللہ ﷺ طواف نہ فرما لیتے۔

عثمان کے قتل کی افواہ...... جب حضرت عثمانؓ قریش کے پاس پہنچے تو قریش نے ان کو تین دن تک روکے رکھا۔ آنحضرت ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا گیا۔ نیز یہ کہ وہ باقی دس مسلمان بھی قتل ہو گئے ہیں جو حضرت عثمان کے ساتھ مکے میں داخل ہوئے تھے اس خبر پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"اب ہم اس وقت تک یہاں سے نہیں جائیں گے جب تک دشمن سے جنگ نہیں کر لیں گے"۔

بیعت کا حکم...... اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مسلمانوں سے بیعت لینے کا حکم فرمایا ہے چنانچہ اس کے بعد آپ نے لوگوں کو بیعت کے لئے بلایا۔

حضرت سلمہ ابن اکوع سے روایت ہے کہ ہم لوگ بیٹھے ہوئے سستا رہے تھے کہ اچانک رسول اللہ ﷺ کی طرف سے منادی کی آواز آئی۔ یہ منادی کرنے والے حضرت عمر فاروق تھے۔ وہ پکار پکار کر یہ کہہ رہے تھے:

"بیعت۔ بیعت روح القدس یعنی جبرئیل علیہ السلام یہ حکم لے کر نازل ہو چکے ہیں۔ لہٰذا خدا کا نام لے کو چلو!"

چنانچہ اس اعلان پر ہم سب رسول اللہ ﷺ کی طرف بڑھے اس وقت آپ ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے ہم لوگوں نے آپ کے پاس پہنچ کر بیعت کی۔ لوگوں نے جن باتوں پر یہ بیعت کی وہ یہ تھیں کہ کسی حالت میں بھی آپ کو دغا دے کر نہیں بھاگیں گے اور یہ کہ یا فتح حاصل کر لیں گے اور یا شہادت۔ بعض روایات میں جو تفصیل ہے اس سے یہی مراد ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ ہم لوگوں نے موت پر بیعت کی اور یہ کہ ہم میں سے کوئی شخص پیچھے نہیں رہے گا۔

ابن قیس کی بیعت سے دامن کشی...... ہم لوگوں میں اس وقت بیعت سے جس شخص نے دامن بچایا وہ جد ابن قیس تھا۔ اس روایت میں ہے کہ گویا میں اس وقت بھی جد ابن قیس کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنی اونٹنی کی پشت کی طرف ہو گیا اور اس طرح لوگوں کی نظروں سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک قول ہے کہ اس شخص کو نفاق کا الزام دیا جاتا تھا۔ غزوۂ تبوک میں اس کے متعلق آیات قرآنی بھی نازل ہوئی تھیں جن سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔ یہ جد حضرت براءؓ ابن معرور کا پھوپھی زاد بھائی تھا اور جاہلیت کے زمانے میں بنی سلمہ کا سردار تھا۔

آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ بنی سلمہ کے لوگوں سے پوچھا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ انہوں نے کہا جد ابن قیس حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ بڑا بخیل ہے۔ آپ نے فرمایا بخل سے بڑھ کر اور کیا بیماری ہوگی؟ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ نہیں بلکہ تمہارا سردار عمرو ابن جموح ہے۔ ایک قول ہے کہ خود بنی سلمہ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ہمارا سردار کون ہے؟ آپ نے فرمایا تمہارا سردار بشر ابن براء ابن معرور ہے۔ یہی بات علامہ ابن عبدالبر نے کہی ہے کہ دل کو یہی بات لگتی ہے' اور جہاں تک پہلے قول کا تعلق ہے (جد ابن قیس کے متعلق) تو اس کو ایک انصاری شاعر نے اپنے ان شعروں میں ظاہر کیا ہے۔

وَقَالَ رَسُولَ اللّٰہِ وَالْحَقُّ قَوْلُہ،
لِمَنْ قَالَ مِنَّامَنْ تُسَمُّوہُ سَیِدًا

ترجمہ: آنحضرت نے جن کا فرمان حق ہے فرمایا کہ تمہارا سردار کون ہے۔

فَقَالُوا لَہ جَدّ ابْنُ قَیس عَلی الَّتی
نبخلہ فِیھا وَان کَانَ أسودا

انہوں نے کہا کہ ہمارا سردار جدابن قیس ہے جن کے متعلق ہم بہت بخیل ہیں یعنی اس کو قیمتی سمجھتے ہیں حالانکہ وہ سیاہ فام آدمی ہے۔

فَتیِ مایخطی خطوہ لِدَنِیَۃِ
ولامدّ یَوْما مَا اِلی سواٰہ یداً

یہ کبھی ایک قدم بھی کمینگی کے ساتھ نہیں چلااور نہ انہوں نے کبھی برائی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

فَسوَّد عمرو ابنَ الجمُوح لِجُودِہٖ
وَحَقَّ لِعَمرِو بالندی ان یسودا

مگر آنحضرت ﷺ نے عمرو ابن جموح کی سخاوت کی بناء پر انہیں ان لوگوں کا سردار بنایا اور حقیقت میں وہ اپنی سخاوت و شرافت کی بناء پر اسی قابل تھے۔

أذاجاء السوال انھب مالہ
وقال خذوہ انہ عائِد غداً

جب ان کے پاس کوئی مانگنے والا آتا ہے تو وہ انکا سارا مال ہی لوٹ کرلے جاتا ہے مگر عمرو کہتے ہیں کہ کچھ مال روک لو کل یہ پھر آئے گا۔

ولو کنت یا جد بن قیس علی التی
علیٰ مثلھا عمرو لکنت المسوّدا

ترجمہ: اے جد ابن قیس اگر تجھ میں وہی خوبیاں ہوتیں جو عمرو میں ہیں تو یقیناً تو ہی سردار رہتا۔

عثمان کی غائبانہ بیعت...... غرض پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان کی طرف سے خود بیعت لی اور آپ نے اپنا داہنا ہاتھ اپنے ہی ہاتھ پر رکھا یعنی اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا اور یہ دعا فرمائی:

"اے اللہ! یہ بیعت عثمان کی طرف سے ہے کیونکہ وہ تیرے اور تیرے رسول کے کام سے گیا ہوا ہے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ عثمان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ضرورت سے نکلے ہوئے ہیں اس لئے ان کی طرف سے میں خود ہی بیعت لیتا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر مارا۔

اس ساری تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو پہلے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ حضرت عثمان غنی کے متعلق جو یہ افواہ گرم ہوئی ہے کہ ان کو مکے میں قتل کر دیا گیا غلط ہے۔ یعنی بیعت کا یہ واقعہ اس آسمانی خبر کے بعد کا ہے جس کے ذریعہ آپ کو بتلا دیا گیا تھا کہ عثمان کے قتل کی یہ خبر بے بنیاد ہے۔

مگر اس روایت میں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ حضرت عثمان قتل نہیں ہوئے تو پر بیعت لینے کی کوئی وجہ نہیں تھی کیونکہ جیسا کہ بیان ہوا اس بیعت کا سبب آنحضرت ﷺ کو پہنچنے والی یہ خبر ہی تھی کہ حضرت

عثمانؓ قتل ہو گئے ہیں۔ اب اس اشکال کے جواب میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس بیعت کا سبب دراصل حضرت عثمانؓ کے قتل کے علاوہ ان دوسرے دس صحابہ کا قتل بھی تھا جو کہ ان کے ساتھ مکے میں داخل ہوئے تھے چنانچہ آنے والی اس روایت سے بھی اس دوسرے سبب کی تائید ہوتی ہے کہ خود حضرت عثمانؓ نے بھی مکے سے آنے کے بعد آنحضرت ﷺ سے بیعت کی تھی۔ بہر حال یہ قابل غور ہے۔

بیعت حدیبیہ کی فضیلت...... بعض شیعہ حضرات نے ایک روایت پیش کی ہے جس سے وہ حضرت عثمانؓ پر حضرت علی کی فضیلت ثابت کرتے ہیں کہ حضرت علی ان لوگوں میں سے ہیں جن سے آنحضرت ﷺ نے درخت کے نیچے بیعت لی تھی اور یہ الفاظ فرمائے تھے کہ۔ تم زمین والوں میں بہترین لوگ ہو۔ لہٰذا اس جملہ سے یہ بات صاف واضح ہو جاتی ہے کہ درخت کے نیچے بیعت کرنے والے لوگ دوسروں سے افضل تھے (اور حضرت عثمان درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں میں سے نہیں تھے کیونکہ وہ اس وقت مکے میں تھے) نیز یہ کہ حضرت علیؓ غزوۂ بدر میں شریک تھے جب کہ حضرت عثمانؓ اس میں شریک نہیں تھے۔

اور ایک مرفوع حدیث میں صاف طور پر فرمایا گیا ہے کہ جو شخص غزوۂ بدر اور حدیبیہ کی بیعت میں شریک تھا وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔

مگر گزشتہ روایت سے ان شیعہ حضرات کا یہ قول بھی رد ہو جاتا ہے۔ یہ تردید اس طرح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمان کی طرف سے خود بیعت لی اور ان کا یہ عذر بیان کیا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے کام میں گئے ہوئے ہیں (لہٰذا شیعوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت عثمان کو درخت کے نیچے لی جانے والی بیعت کی فضیلت حاصل نہیں ہے)۔

دوسری بات حضرت عثمانؓ کے غزوۂ بدر میں شریک نہ ہونے کی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ عثمان غنی کو آنحضرت ﷺ نے خود مدینے میں چھوڑا تھا تاکہ وہ آپ کی صاحبزادی کی تیمارداری کر سکیں جو اس وقت بیمار تھیں۔ اسی لئے جیسا کہ بیان ہوا آنحضرت ﷺ نے بدر کے مال کے غنیمت میں حضرت عثمان کا حصہ نکالا تھا لہٰذا حضرت عثمانؓ ایسے ہی تھے جیسے دوسرے بدری حضرات تھے۔ پھر آگے ایک روایت آئے گی جس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ مکے سے واپس آنے کے بعد حضرت عثمان نے حدیبیہ میں اسی درخت کے نیچے خود بیعت کی تھی۔

ابن اُبی کو قریش کی پیشکش...... ایک قول ہے کہ اسی موقعہ یعنی حدیبیہ کے وقت قریش نے سردار منافقین عبداللہ ابن ابیٔ کے پاس بھی جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھا پیغام بھیجا تھا کہ اگر وہ مکے میں داخل ہونا اور بیت اللہ کا طواف کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ اس وقت ابن ابی کے بیٹے حضرت عبداللہ ابن عبداللہ ابن ابی نے باپ سے کہا:

"بابا۔ میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ ہر موقعہ پر ہمارا فضیحہ نہ کرایا کیجئے کہ آپ طواف کرلیں جب کہ آنحضرت ﷺ نے طواف کیا نہیں۔

طواف سے انکار...... چنانچہ ابن ابیٔ نے طواف کرنے سے انکار کر دیا اور کہلا دیا کہ جب تک رسول اللہ ﷺ طواف نہ کرلیں میں طواف نہیں کروں گا۔ ایک روایت میں اس کے یہ لفظ ہیں کہ میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے طریقے بہترین اسوہ اور سنت ہیں۔ جب آنحضرت ﷺ کو ابن ابی کے انکار کی خبر پہنچی تو آپ خوش ہوئے اور آپ نے اس کی تعریف فرمائی۔

بیعت رضوان...... یہ بیعت جو حدیبیہ کے مقام پر لی گئی) ایک درخت کے نیچے ہوئی جو حدیبیہ کے مقام پر تھا یہ درخت ببول کا تھا۔ جب حضرت عثمانؓ مکے سے واپس آئے تو انہوں نے اسی درخت کے نیچے بیعت کی۔ اسی بیعت کو بیعت رضوان بھی کہا

جاتا ہے کیونکہ اس بیعت کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے بھی اس درخت کے نیچے بیعت کی وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ (لہٰذا چونکہ اس بیعت سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوئی اس لئے اس کو بیعت رضوان کہا گیا ہے)۔

اس بیعت کے موقعہ پر جو مسلمان آپؐ کے ساتھ تھے ان کی تعداد صحیح قول کی بنیاد پر ایک ہزار چار سو تھی ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت فرمایا:

"لوگو! اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مغفرت فرمادی جو غزوۂ بدر اور حدیبیہ میں شریک تھے!"

(یہاں اس حدیث میں ایک شبہ ہوسکتا ہے کہ غزوۂ بدر اور حدیبیہ میں جو لفظ اور ہے اس سے یہ معنی بھی پیدا ہوتے ہیں کہ مغفرت اس کی ہوئی ہے جو دونوں میں شریک ہوا۔ یعنی اگر کوئی شخص ان دونوں میں سے کسی ایک میں شریک ہوا اس کی مغفرت نہیں ہوئی۔ اس بارے میں یہ وضاحت گزر چکی ہے کہ یہاں لفظ "اور" "لفظ" "یا" کے معنی میں ہے (یعنی جو شخص حدیبیہ یا بدر میں شریک ہوا اس کی مغفرت ہوگئی۔ مطلب یہ ہے کہ مغفرت کے لئے دونوں موقعوں میں شرکت ضروری نہیں) اس کی دلیل مسلم کی اسی روایت سے ملتی ہے جو گزشتہ سطروں میں بیان ہوئی کہ جس شخص نے بھی اس درخت کے نیچے بیعت کی وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔ اس حدیث میں مغفرت کی بشارت ان لوگوں کو بھی دی گئی ہے جو صرف حدیبیہ میں شریک تھے (لہٰذا دونوں موقعوں پر شرکت مغفرت کی شرط نہیں ہے)۔

بدر اور حدیبیہ...... چنانچہ علامہ ابن عبدالبر کا قول ہے کہ آنحضرت ﷺ کے غزوات میں سوائے حدیبیہ کے کوئی غزوہ ایسا نہیں ہے جو غزوۂ بدر کے برابر ہو یا اس کی فضیلت کے قریب ہی ہو اس بارے میں راجح قول ہے کہ غزوۂ احد۔ حدیبیہ سے مقدم ہے اور یہ کہ غزوۂ احد اپنی فضیلت میں غزوۂ بدر کے قریب آسکتا ہے۔

سنانؓ اوّلین بیعت دینے والے...... آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر جس شخص نے سب سے پہلے بیعت کی وہ حضرت سنان ابن ابوسنان اسدی تھے۔ کتاب اصل میں ہے کہ درست یہی ہے۔ اس سے پہلے کتاب اصل نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس نے بیعت کی وہ ابوسنان تھے۔ یہی قول کتاب استیعاب میں ہے جس کے مطابق اکثر مشاہیر نے کہا ہے کہ سب سے پہلے بیعت رضوان کرنے والے شخص ابوسنان تھے ان کے بیٹے سنان تھے۔ جہاں تک خود ان ابوسنان کا تعلق ہے یہ حضرت عکاشہ ابن محصن کے بھائی تھے اور عکاشہ سے بیس سال بڑے تھے۔

پیچھے گزرا ہے کہ ابوسنان بنو قریظہ کے محاصرہ کے دوران فوت ہوئے تھے اور ان ہی کے قبرستان میں دفن کئے گئے تھے۔ مگر کتاب اصل نے اس قول کو کمزور بتلایا ہے۔ غرض جب سنان بیعت ہونے لگے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا:

"میں ان تمام باتوں پر آپ سے بیعت کرتا ہوں جو آپ کے دل میں ہیں!"

آپ نے فرمایا میرے دل میں کیا ہے؟ سنان نے عرض کیا:

"کہ میں آپ کے سامنے اپنی تلوار کے جوہر دکھاتا رہوں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ یا تو آپ کو فتح و کامرانی عطا فرمادے اور یا میں اس کوشش میں ختم ہو جاؤں!"

یہ سن کر باقی لوگ بھی کہنے لگے کہ ہم بھی آپؐ سے اسی بات پر بیعت کرتے ہیں جس پر سنان نے بیعت کی ہے۔ ایک قول ہے کہ سب سے پہلے بیعت دینے والے شخص عبداللہ ابن عمر تھے۔ اور ایک قول کے مطابق حضرت سلمہ ابن اکوع تھے۔

سلمہ کی بیعت و شجاعت...... علامہ شامی کہتے ہیں کہ حضرت سلمہؓ نے تین مرتبہ بیعت کی سب سے پہلے پھر درمیان میں اور پھر سب کے آخر میں۔ ایسا انہوں نے آنحضرت ﷺ کے حکم پر کیا تھا کیونکہ دوسری اور تیسری دفعہ کی بیعت کے لئے ان کو آنحضرت ﷺ نے امر فرمایا تھا جس پر پہلے تو سلمہؓ نے کہا کہ میں تو بیعت کر چکا ہوں۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ آپ یعنی ایک دفعہ اور ہو' ایسا آپ نے ان کی فضیلت بڑھانے کے لئے فرمایا چونکہ آنحضرت ﷺ حضرت سلمہ کی شجاعت و بہادری' اسلام سے لگاؤ اور ثابت قدمی سے واقف تھے اس لئے آپ ان کی بیعت کو مضبوط کرنا چاہتے تھے۔ غزوۂ ذی قرد میں حضرت سلمہؓ کی بہادری کا مظاہرہ ہو چکا تھا۔ لیکن یہ بات اسی صورت میں کہی جا سکتی ہے کہ غزوۂ ذی قرد کو حدیبیہ سے پہلے مانا جائے۔ اور اگر غزوۂ ذی قرد حدیبیہ کے بعد کا غزوہ ہے تو اس کا مطلب ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی فراست سے حضرت سلمہ ابن اکوع کی غیر معمولی شجاعت و بہادری کا اندازہ فرمالیا تھا۔ اسی طرح عبداللہ ابن عمرؓ نے دو مرتبہ بیعت کی۔

احترام بیت اللہ...... حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا آمِّينَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّن رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا (لا یہ پ۶ سورۂ مائدہ ع۱ آیت ۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! بے حرمتی نہ کرو خدا تعالیٰ کی نشانیوں کی اور نہ حرمت والے مہینے کی اور نہ حرم میں قربان ہونے والے جانور کی اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلے میں پٹے پڑے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو کہ بیت حرام کے قصد کو جا رہے ہوں اپنے رب کے فضل اور رضامندی کے طالب ہوں۔

صحابہ کو انتقامی کاروائی کی ممانعت...... اس آیت کے نزول کا سبب یہ بتلایا گیا ہے جب کہ مسلمان حدیبیہ میں قیام کئے ہوئے تھے اور مشرکوں نے ان کو (مکے میں داخل ہونے اور) بیت اللہ کا طواف کرنے سے روک دیا تھا کہ مشرکوں کی ایک جماعت گزری جو عمرہ کرنے کے لئے مکے جا رہی تھی۔ ان کو دیکھ کر مسلمانوں نے کہا:

"ہم بھی ان لوگوں کو روکیں گے جیسے ان کے بھائیوں نے ہمیں روکا ہوا ہے"۔

اس پر حق تعالیٰ نے وہ آیت نازل فرمائی جس کا مقصد یہ ہے کہ ان لوگوں کو عمرہ کرنے سے محض اس بنیاد پر مت روکو کہ انکے بھائیوں نے تمہیں عمرہ سے روک رکھا ہے (کیونکہ اس قسم کی حرکتوں سے اللہ کے شعائر اور نشانیوں کی بے حرمتی ہوتی ہے)۔

قریشی دستہ مسلمانوں کی گھات میں...... اس موقعہ پر حضرت محمد ابن مسلمہ آنحضرت ﷺ کی پہرہ داری پر تھے قریش نے چالیس۔ اور ایک قول کے مطابق پچاس آدمیوں کا دستہ مسلم پڑاؤ کی طرف بھیجا۔ اس دستہ کی کمان مکرز ابن حفص کر رہا تھا۔ یہ وہی مکرز تھا جس کو قریش نے رسول اللہ ﷺ کے پاس قاصد بنا کر بھیجا تھا تاکہ وہ آپ سے بغیر عمرہ کئے واپس جانے کے متعلق بات چیت کرے۔ اور جس کو دور سے ہی دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہ شخص دھوکہ باز اور فریبی ہے اور ایک قول کے مطابق۔ یہ شخص فاجر ہے۔

گرفتاری...... اس دستے کو قریش نے اس لئے بھیجا تھا کہ یہ رات کے اندھیرے میں رسول اللہ ﷺ کے لشکر کے گرد منڈلاتا اور گھات لگاتا رہے تاکہ جوں ہی مسلمانوں کو غافل پائیں انہیں نقصان پہنچا دیں۔ مگر حضرت محمدؓ ابن مسلمہ نے جو اس وقت پہرہ پر تھے ان سب کو پکڑ لیا البتہ مکرز ابن حفص بچ کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا چنانچہ اس کے متعلق آنحضرت ﷺ کا یہ قول سچ ثابت ہوا کہ وہ ایک فاجر اور چالباز آدمی ہے جیسا کہ پیچھے بیان ہوا۔ پھر محمد ابن مسلمہ ان لوگوں کو آنحضرت ﷺ کے

پاس لائے اور اس کے بعد انہیں قید کر دیا گیا۔

قریش کی ناکام جوابی کاروائی...... ادھر قریش کو یہ بات معلوم ہوئی کہ ان کے ساتھی گرفتار ہوگئے ہیں۔ اس پر قریش کی ایک جماعت مسلمانوں کے سامنے آئی اور اس نے صحابہ پر تیر اندازی اور سنگ باری کی جس کے نتیجہ میں حضرت ابن زنیم ایک تیر لگنے سے شہید ہوگئے۔ مسلمانوں نے مشرکوں کے بارہ آدمی گرفتار کر لئے۔

رہائی کے لئے قریشی وفد...... اس کے بعد پھر قریش نے ایک جماعت آنحضرت ﷺ کے پاس بھیجی جن میں سہیل ابن عمرو بھی تھے آنحضرت ﷺ نے جیسے ہی دور سے ان کو دیکھا تو صحابہ سے فرمایا کہ سہیل کے ذریعہ تمہارا معاملہ سہل یعنی آسان ہوگیا۔ اسی وقت سہیل نے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ کر کہا۔

"آپ کے ساتھیوں یعنی عثمان غنی اور دوسرے دس صحابہ کو قید کرنے اور پھر (ہمارے کچھ) لوگوں کے آپ سے مقابلہ کرنے کا جو معاملہ ہے اس میں ہمارا کوئی ذی رائے آدمی شریک نہیں ہے بلکہ ہمیں جب اس بات کا پتہ چلا تو ہمیں بہت ناگواری ہوئی ہمیں اس کے بارے میں کچھ خبر نہیں ہے وہ سب ہم میں کے اوباش لوگوں کا کام تھا اس لئے ہمارے جو آدمی آپ نے دونوں مرتبہ پکڑے انہیں ہمارے پاس بھیج دیجئے!

آپ نے فرمایا:

"میں ان کو اس وقت تک نہیں بھیجوں گا جب تک تم میرے ساتھیوں کو نہیں چھوڑو گے!"

مسلمانوں اور مشرکوں کی رہائی...... اس پر ان سب لوگوں نے کہا اچھا ہم انہیں چھوڑے دیتے ہیں۔ اس کے بعد سہیل اور ان کے ساتھیوں نے قریش کے پاس قاصد بھیجا جس پر قریش نے حضرت عثمان اور باقی دس صحابہ کو واپس بھیج دیا۔ اسی وقت آنحضرت ﷺ نے بھی ان کے آدمیوں کو چھوڑ دیا۔

قریش کا بیعت سے خوف اور صلح کی کوشش...... ادھر جب قریش کو حدیبیہ کی اس بیعت کا حال معلوم ہوا (کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے تمام صحابہ سے جاں نثاری کا عہد لیا ہے) تو وہ لوگ بہت خوفزدہ ہوئے اور ان کے ذی رائے لوگوں نے مشورہ دیا کہ صلح کرنی مناسب ہوگی یعنی اس سال آپ واپس لوٹ جائیں اور آئندہ سال آکر تین روز مکے میں ٹھہر سکتے ہیں مگر آپ کے ساتھ صرف ایک سوار کے ضروری ہتھیار ہوں یعنی میانوں میں پڑی ہوئی تلواریں اور کمانیں ہوں۔

اس مشورہ کے بعد قریش نے دوبارہ سہیل ابن عمرو کو بھیجا ان کے ساتھ مکرز ابن حفص اور حویطب ابن عبدالعزیٰ بھی تھے۔ یہ لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس یہ تجویز لے کر آئے کہ اس سال تو آپ (بغیر عمرہ کئے ہی) واپس چلے جائیں تاکہ عرب یہ نہ کہیں کہ آپ طاقت کے بل پر (قریش کی مرضی کے خلاف) مکے میں داخل ہوگئے ہیں اور اگلے سال آجائیں (اور عمرہ ادا کر لیں)۔

جب سہیل سامنے آئے تو آنحضرت ﷺ نے ان کو دور سے دیکھ کر فرمایا:

اس شخص کو دوبارہ بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ قریش نے صلح کا ارادہ کیا ہے"۔

گفت وشنید اور سمجھوتہ...... آخر سہیل آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے۔ مسلمان چاروں طرف بیٹھے ہوئے تھے۔ سہیل نے بات چیت شروع کی اور بہت لمبی گفتگو کی پھر آپس میں تبادلہ خیال ہوتا رہا اس گفتگو کا کچھ حصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سہیل سے فرمایا:

"تم لوگ بیت اللہ میں حاضری کے لئے ہمارا راستہ کیوں نہیں چھوڑ دیتے کہ ہم طواف کر سکیں؟"۔

اس پر سہیل نے کہا:

"خدا کی قسم ہم یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ عرب یوں کہیں کہ ہم دباؤ میں آگئے اور ہمیں مجبور ہو جانا پڑا۔ ہاں آئندہ سال اس میں کوئی حرج نہیں ہے"۔

آخر دونوں فریقوں کے درمیان اس پر سمجھوتہ ہو گیا کہ قتل وخون ریزی نہ ہونی چاہئے بلکہ صلح کر لینی چاہئے۔ اس کی جو تفصیلات ہیں وہ آگے بیان ہوں گی۔

شرائط صلح پر عمر فاروقؓ کی اضطرابی کیفیت...... غرض سارا معاملہ طے ہو گیا صرف اس کو تحریری صورت میں لانے کا کام باقی تھا کہ اسی وقت حضرت عمرؓ بڑی تیزی کے ساتھ اٹھ کر حضرت ابو بکرؓ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے:

"ابو بکر۔ کیا وہ اللہ تعالیٰ کے رسول نہیں ہیں؟"

صدیق اکبرؓ نے فرمایا: بے شک ہیں۔ پھر فاروق اعظم نے کہا: کیا ہم مسلمان نہیں؟ انہوں نے کہا بے شک ہیں عمر فاروقؓ نے پوچھا کیا وہ لوگ مشرک نہیں ہیں؟ صدیق اکبرؓ نے کہا: بے شک ہیں! تب حضرت عمرؓ نے کہا:

"پھر آخر کس بناء پر ہم اپنے دین کے معاملے میں یہ ذلت گوارا کریں؟"۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا:

"اے عمر! آنحضرت ﷺ کے احکام اور فیصلوں پر سر جھکاؤ' ایک روایت میں یوں ہے کہ اے شخص وہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں اور اپنے پروردگار کی نافرمانی نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرماتا ہے تم کو لازم ہے کہ مرتے دم تک آپؐ کے احکام کی اطاعت کرتے رہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں!"

اسی وقت حضرت عمرؓ نے بھی کہا کہ میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اس کے بعد حضرت عمرؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور آپ سے بھی وہی سب باتیں کہیں جو حضرت ابو بکر صدیقؓ سے کہہ چکے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سب سن کر فرمایا:

"میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں میں کسی حالت میں بھی اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا اور وہی میرا مددگار ہے"

ابو عبیدہؓ کی دخل اندازی...... اس معاہدہ کی شرائط کے سلسلے میں جن کا تفصیلی ذکر آگے آرہا ہے حضرت عمرؓ بہت زبردست کیفیات سے دوچار ہوئے۔ آنحضرت ﷺ سے گفتگو کے دوران وہ دیر تک اپنی بات پر جمے رہے یہاں تک کہ حضرت ابو عبیدہؓ نے ان سے کہا کہ اے ابن خطاب رسول اللہ ﷺ جو کچھ فرمارہے ہیں کیا تم اس کو سن نہیں رہے ہو؟ ہم شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے بھی شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی۔ آخر رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

"اے عمر! میں تو (ان شرائط پر) راضی ہوں اور تم انکار کر رہے ہو!"

عمرؓ پر اس بحث کی ندامت اور خوف...... چنانچہ حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے کہ میں نے اس وقت جو کچھ بات چیت کی تھی وہ اگرچہ اس تمنا میں کی تھی کہ اس معاملہ میں خیر اور بہتری ظاہر ہو مگر اپنی اس وقت کی گفتگو کے خوف سے میں اس کے بعد ہمیشہ روزے رکھتا' صدقات دیتا' نمازیں پڑھتا اور غلاموں کو آزاد کرتا تھا۔

تشریح...... اس موقع پر حضرت عمرؓ کا جو اضطراب اور بے چینی ہے وہ نعوذ باللہ کسی گستاخی کی نیت سے نہیں بلکہ در حقیقت یہ سب کچھ ان کے عشق رسول اور اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ شدید محبت کی بنا پر تھا کیونکہ ظاہری طور پر اس معاہدے میں

آنحضرت ﷺ نے مشرکوں کو بہت زیادہ مراعات دی تھیں مگر نبی کا فیصلہ آسمانی فیصلہ تھا اور اس میں اسلام اور مسلمانوں کے لئے جو سربلندی اور انجام کار جو کامیابی پنہاں تھی اس کو دوربین نظریں دیکھ رہی تھیں دوسرے لوگوں پر حقیقتیں عیاں نہیں تھیں اس لئے حضرت عمرؓ پر ایک دم تحیر اور حیرانی کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ شرائط کی ظاہری نوعیت سے جب انہوں نے یہ سمجھا کہ اس میں آنحضرت ﷺ کی ہتک ہوتی ہے اور مشرکوں کا پلہ بھاری نظر آتا ہے تو اس حیرانی کی کیفیت نے اضطراب اور بے چینی کی صورت اختیار کر لی یہاں تک کہ اسی عالم میں اٹھ کر وہ صدیق اکبرؓ کے پاس پہنچے اور پھر براہ راست آنحضرت ﷺ سے عرض معروض کی جو صرف ان کے اضطراب اور عشق رسول اللہ ﷺ کا ایک مظاہرہ تھا۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے۔

گفتگوئے عاشقاں درکار رب
جوشش عشق است نے ترک ادب

یعنی پروردگار کے کاموں میں اس کے عاشقوں کا گفتگو اور کلام کرنا اور ان کے بڑھے ہوئے عشق اور جوش محبت کا نتیجہ ہوتا ہے خدانخواستہ بے ادبی یا گستاخی وجسارت کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس واقعہ کے بعد حضرت عمرؓ پر ندامت کا قدر غلبہ ہوا کہ عمر بھر اس کے لئے توبہ واستغفار کرتے رہے۔ مرتب)

مگر کتاب امتاع میں اس سلسلے میں جو تفصیل ہے وہ اس تفصیل کے خلاف ہے جو یہاں پیش کی گئی یعنی حضرت عمرؓ نے یہ سب باتیں پہلے خود آنحضرت ﷺ سے عرض کیں اس کے بعد پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس پہنچے اور یہی سب ان سے کہا۔

معاہدہ کی کتابت...... غرض س معاہدہ کو لکھنے کا مرحلہ آیا تو آنحضرت ﷺ نے پہلے حضرت اوس ابن خولہ کو حکم دیا کہ وہ لکھیں مگر سہیل نے کہا:

یہ معاہدہ آپ کے چچا کے بیٹے علی لکھیں گے ورنہ عثمان ابن عفان لکھیں گے اور کوئی نہیں!"

بسم اللہ لکھنے پر اعتراض...... چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا اور فرمایا لکھو۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مگر سہیل ابن عمر پھر بولے۔

"میں رحمٰن اور رحیم کو نہیں مانتا۔ آپ یہ لکھئے۔ بِاسْمِكَ اَللّٰھُمَّ یعنی شروع کرتا ہوں اے اللہ! تیرے نام سے۔ چنانچہ اسی طرح لکھا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قریش کے یہاں تحریروں میں یہ کلمہ مشہور و معروف تھا۔ سب سے پہلے جس نے یہ کلمہ لکھا وہ امیہ ابن ابی صلت تھا۔ اس سے قریش نے یہ کلمہ سیکھا اور خود اُمیّہ نے جنّات میں کے ایک شخص سے یہ کلمہ سیکھا تھا جیسا کہ مسعودی کی روایت میں ہے۔

جب سہیل نے کہا کہ بسم اللہ کے بجائے یہ کلمہ لکھا جائے گا تو مسلمان (بھی اپنی بات اڑ گئے اور) کہنے لگے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے علاوہ اور کوئی کلمہ نہیں لکھا جائے گا اور اس پر مسلمانوں میں کافی گرما گرمی پیدا ہو گئی۔

بسم اللہ کے نزول کی ترتیب...... علامہ شعبی سے روایت ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں لوگ بِسْمِكَ اَللّٰھُمَّ ہی لکھا کرتے تھے چنانچہ آنحضرت ﷺ بھی سب سے پہلے یہی کلمہ لکھواتے تھے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے چار تحریروں میں یہی کلمہ لکھوایا تھا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہو گئی۔

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰهَا اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (لآیہ ۴۱ پ ۱۲ سورۂ ہود ع ۴)

ترجمہ: اور نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کشتی میں سوار ہو جاؤ اور کچھ اندیشہ مت کرو کیونکہ اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا سب اللہ

ہی کے نام سے ہے بالیقین میرا رب غفور ہے رحیم ہے۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے صرف کلمہ بسم اللہ لکھوانا شروع کر دیا اسکے بعد پھر یہ آیت نازل ہوئی:

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ۔ (الآیہ ۱۱۰پ۱۵سورۂ بنی اسرائیل ع ۱۲)

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ خواہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ نے بسم اللہ الرحمٰن کہنا شروع کیا۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ (الآیہ پ۱۹سورۂ نمل ع ۲)

ترجمہ: وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور اسی میں یہ مضمون ہے اول بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنا شروع کیا۔ ادھر اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ ان تمام آیات کے بعد نازل ہوئی ہے کیونکہ سورۂ فاتحہ کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی نازل ہوئی تھی۔ سورۂ فاتحہ کے نازل ہونے کے وقت میں جو اختلاف ہے وہ گزر چکا ہے۔ بہر حال یہ بات قابلِ غور ہے۔

کلمۂ رسول اللہ پر اعتراض...... غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا:

"لکھو۔ محمد رسول اللہ نے اس پر سہیل ابن عمرو سے صلح کی۔

اسی وقت سہیل ابن عمرو نے کہا:

"اگر میں یہ شہادت دے چکا ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو پھر آپ سے نہ جنگ ہوتی اور نہ آپ کو بیت اللہ سے روکا جاتا۔ اس لئے اپنا نام اپنے والد کے نام کے ساتھ لکھئے"۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ اگر میں مانتا ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو میں آپ کی مخالفت نہ کرتا بلکہ آپ کی اطاعت کرتا۔ کیا آپ اپنے اور والد کا نام لکھنے سے گریز کریں گے یعنی محمد ابن عبد اللہ۔

علیؓ کا اس کو مٹانے سے انکار...... (حضرت علیؓ آپ کے ارشاد پر وہ عبارت لکھ چکے تھے) مگر پھر آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اس کو مٹا دو۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ لفظ رسول اللہ کو مٹا دو۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا:

"میں تو اس کو بھی نہیں مٹا سکتا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ میں آپ کو یعنی آپ کے نام کو نہیں مٹاؤں گا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ خدا کی قسم میں کبھی بھی آپ کو یعنی آپ کے نام کو نہیں مٹا سکتا!"

آخر آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ مجھے دکھاؤ وہ لفظ کس جگہ لکھا ہوا ہے حضرت علیؓ نے وہ لفظ آپ کو دکھلایا تو آپ نے خود اپنے دست مبارک سے اسے مٹا دیا۔ اس کے بعد آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ لکھو: یہ وہ سمجھوتہ ہے جس پر محمد ابن عبد اللہ نے سہیل ابن عمرو کے ساتھ صلح کی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:

"خدا کی قسم میں اللہ کا رسول ہوں چاہے تم مجھے جھٹلاتے رہو اور میں ہی محمد ابن عبد اللہ ہوں!"

علی کے متعلق نبی کی پیشن گوئی...... ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ حضرت علیؓ اسی پر اصرار اور ضد کرتے رہے کہ میں محمد رسول اللہ ہی لکھوں گا۔ تب آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا:

"لکھ دو' کیونکہ تمہیں بھی ایسے ہی حالات سے گزرنا ہے ایک موقعہ آئے گا کہ تم مجبوری کی حالت میں ایسی ہی رعایت دو گے!"

اس جملہ میں رسول اللہ ﷺ نے آئندہ پیش آنے والے اس واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان پیش آیا کیونکہ جنگ صفین کے موقعہ پر ان کے درمیان اس بات پر صلح اور سمجھوتہ ہوا تھا کہ ختم سال تک جنگ وخوں ریزی بند کر دی جائے۔ یہ جنگ صفر کے مہینے میں ہوئی تھی اور ایک سو بیس دن یعنی چار مہینے تک چلی تھی اس جنگ میں کل ستر ہزار آدمی قتل ہوئے تھے جس میں سے پچیس ہزار آدمی حضرت علیؓ کے لشکر میں سے قتل ہوئے جب کہ ان کے لشکر کی کل تعداد نوے ہزار تھی اور پینتالیس ہزار آدمی حضرت معاویہؓ کے لشکر میں سے قتل ہوئے جب کہ ان کے لشکر کی کل تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی اس طرح دونوں لشکروں میں قتل ہونے والوں کی مجموعی تعداد ستر ہزار تھی)۔

پیشین گوئی کی تکمیل...... چنانچہ جب اس وقت معاہدہ لکھنے والے نے یہ لکھا کہ امیر المومنین علی ابن ابو طالب اور معاویہ ابن ابوسفیان نے ان شرائط پر سمجھوتہ اور مصالحت کی۔ تو حضرت عمروؓ ابن عاص جو دو حکموں میں سے ایک تھے فوراً بولے کہ علی کا نام صرف ان کے باپ کے نام کے ساتھ لکھئے (یعنی امیر المومنین نہیں بلکہ صرف علی ابن ابو طالب لکھئے) ادھر امیر معاویہؓ عمرو ابن عاص سے بولے:

"اگر میں یہ سمجھتا کہ وہ یعنی علیؓ امیر المومنین ہیں تو ان سے جنگ ہی کیوں کرتا۔ لہٰذا اگر اس وقت میں یہ اقرار کرلوں کہ وہ امیر المومنین ہیں اور پھر بھی ان سے لڑوں تو مجھ سے زیادہ برا شخص کون ہو سکتا ہے لہٰذا صرف علی ابن ابو طالب لکھو اور امیر المومنین کا لفظ مٹا دو!"

اسی وقت کسی نے حضرت علیؓ سے کہا:

"امیر المومنین! آپ امارت مومنین کا لفظ نہ مٹائیے کیونکہ اگر آج آپ نے اپنے نام کے ساتھ اس لفظ کو مٹا دیا تو یہ امارت دوبارہ آپ کو نہ ملے گی!"

مگر یہ سننے کے باوجود جب حضرت علیؓ نے لکھنے والے کو حکم دیا کہ امیر المومنین کا لفظ مٹا دو تو ان کو حدیبیہ کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ کے وہ کلمات یاد آگئے جو آپ نے ان سے فرمائے تھے اور جو گزشتہ سطروں میں بیان ہوئے چنانچہ انہوں نے کہا:

"اللہ اکبر۔ بعینہٖ وہی صورت حال ہے خدا کی قسم حدیبیہ کے موقع پر میں رسول اللہ ﷺ کا کاتب اور صلح نامہ لکھنے والا شخص تھا جب کہ مشرکوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا تھا کہ آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں۔ نہ ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں صرف اپنا اور اپنے والد کا نام یعنی محمد ابن عبداللہ لکھئے!"

یہ سن کر عمرو ابن عاص نے حضرت علیؓ سے کہا:

"سبحان اللہ۔ کیا تم ہمیں کفار سے مشابہت دے رہے ہو؟"۔

حضرت علی نے کہا:

"اے بداصل! میں کب مسلمانوں کا دشمن رہا ہوں۔ تم اس طرح اپنی ماں کے سوا کسی کو برا نہیں کہہ رہے ہو"۔

اس پر عمرو ابن عاص نے کہا:

"آئندہ میں تمہاری کسی مجلس میں شریک نہیں ہوگا!"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا:

"میں خدا سے چاہتا ہوں کہ وہ میری مجلسوں کو تمہارے اور تم جیسوں کے وجود سے پاک ہی رکھے کہا جاتا ہے کہ حدیبیہ

کے موقعہ پر جب وہ صلح نامہ لکھا جا رہا تھا تو حضرت اسیدؓ ابن حضیر اور حضرت سعدؓ ابن عبادہ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ محمد رسول اللہ کے سوا کچھ نہ لکھنا ورنہ ہمارے اور ان مشرکوں کے درمیان تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔ اسی وقت مسلمانوں میں شور و شغب ہونے لگا اور آوازیں بلند ہونے لگیں۔ مسلمان کہہ رہے تھے کہ ہم اپنے دین کے معاملے میں یہ ذلت گوارہ نہیں کریں گے۔ آنحضرت ﷺ مسلمانوں کو ٹھنڈا کرنے لگے آپ ہاتھ سے اشارہ فرماتے جاتے تھے کہ خاموش ہو جاؤ۔ پھر آپ نے فرمایا مجھے بتاؤ لفظ رسول اللہ کہاں لکھا ہے۔ حدیث

صلح حدیبیہ کی پہلی شرط...... حدیبیہ کی یہ صلح جن شرائط پر ہوئی ان میں سے ایک یہ تھی کہ دس سال تک آپس میں کوئی جنگ نہیں کی جائے گی۔ ایک قول دو سال کا ہے۔ اسی طرح ایک قول چار سال کا ہے حاکم نے اسی تیسرے قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ (غرض دس سال تک کوئی نہ ہوگی) تاکہ لوگ امن و سکون کے ساتھ رہ سکیں اور ایک کو دوسرے سے امان رہے۔ اس معاہدہ کو ھدنہ حدیبیہ بھی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح اس کو مہادنہ اور موادعہ اور مسالمہ کے ناموں سے بھی پکارا جاتا ہے۔

دوسری شرط...... (قال) اس کے علاوہ دوسری شرط یہ تھی کہ جو مسلمان اپنے ولی اور سرپرست کی اجازت کے بغیر آنحضرت ﷺ کے پاس پناہ کے لئے آجائے گا آنحضرت ﷺ اس کو واپس کرنے کے پابند ہوں گے چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔

بظاہر یہ شرط بہت سخت معلوم ہوتی ہے مگر علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ ایک مسلمان کو واپس بھیجنے میں ایک حکمت تو یہ ہے کہ اس طرح بیت اللہ شریف مسلمانوں سے آباد رہتا ہے اور اس سے بھی زیادہ خود اس مسلمان کے لئے اس میں جو خیر پوشیدہ تھی وہ یہ کہ اس کو مسجد حرام میں نماز پڑھنے اور بیت اللہ کا طواف کرنے کی سعادت حاصل ہوتی ہے لہٰذا اس شرط میں (جہاں ایک مسلمان کے لئے سعادت اور خیر کا پہلو تھا وہیں) بیت اللہ کی حرمت اور عظمت بھی پنہاں تھی۔ یہاں تک علامہ سہیلی کا کلام ہے۔

تیسری شرط...... اسی طرح اس شرط میں دوسرا رخ یہ تھا کہ ممکن ہے کوئی ایسا شخص جو آنحضرت ﷺ کا ساتھی رہا ہو اور پھر بھاگ کر قریش کے پاس پہنچ جائے یعنی مرتد ہو کر کے چلا جائے تو چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔ قریش اسے آنحضرت ﷺ کو واپس نہیں کریں گے۔

چوتھی شرط...... معاہدہ کی ایک شرط یہ تھی کہ جو شخص یا خاندان یا قبیلہ محمد ﷺ کے ساتھ معاہدہ کرنا (یعنی حلیف بننا چاہے وہ ایسا کر سکتا ہے اور جو شخص قریش کا معاہدہ بردار بننا چاہے وہ ایسا کر سکتا ہے۔ ہمارے اور تمہارے درمیان جو عداوت و دشمنی ہے وہ ہمارے سینوں میں ہی پوشیدہ رہے گی کوئی اسے ظاہر نہیں کرے گا۔ ایک قول کے مطابق یہ لفظ ہیں کہ۔ ہمارے تمہارے درمیان صاف و شفاف سینے ہیں جو دھوکہ اور فریب سے پاک ہیں اور جن میں اس صلح نامہ کو پورا کرنے کا جذبہ پنہاں ہے اور اس جذبہ میں نہ کوئی دوغلا پن ہے اور نہ خیانت کی گنجائش ہے۔

پانچویں شرط...... پھر سہیل نے رسول ﷺ سے کہا:

"آپ کو اس سال مکے میں داخل ہوئے بغیر یہیں سے واپس لوٹنا پڑے گا اور آئندہ سال تین دن کے لئے قریش مکہ خالی کر دیں گے آپ مکے میں تین دن ٹھہر سکتے ہیں صرف ایک سوار مسافر کے ہتھیاروں یعنی میان میں پڑی ہوئی تلوار اور کمان کے ساتھ مکے میں داخل ہوں گے۔ ان کے علاوہ کوئی ہتھیار لے کر مکے میں داخل نہیں ہوں گے!"

کیا معاہدہ آنحضرت ﷺ نے خود لکھا؟...... ایک قول یہ بھی ہے کہ اس معاہدہ کی تحریر رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے

دست مبارک سے لکھی تھی چنانچہ بخاری میں ایک ایسی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس خاص وقت اور موقعہ پر رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ کو لکھنے کے لئے چلا دیا۔ چنانچہ راوی نے اس کو آنحضرت ﷺ کے معجزات میں سے شمار کیا ہے (کیونکہ آنحضرت ﷺ امّی محض تھے نہ لکھ سکتے تھے اور نہ پڑھ سکتے تھے مگر اس قول کے مطابق اس خاص وقت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کا ہاتھ چلا دیا)۔

مگر بعض علماء نے لکھا ہے کہ اہل علم نے اس قول کو معتبر نہیں قرار دیا ہے بلکہ کہا ہے کہ یہاں آنحضرت ﷺ کے لکھنے سے مراد لکھنے کا حکم دینا ہے۔ کتاب نور میں ہے کہ بخاری میں جو یہ قول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے لکھا۔ اس میں شبہ ہے بخاری میں جو الفاظ ہیں وہ یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے وہ ورق لکھنے کے لئے اٹھایا اور اس پر لکھا کہ: یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد نے فیصلہ کیا۔ حدیث۔ لہٰذا اپنے ہاتھ کا لفظ بخاری میں نہیں ہے اور اس لفظ کو حدیث میں نہ مانا جائے تو پھر اس بات کی تاویل ممکن ہے۔

ایک قول ہے کہ جس شخص نے یہ تحریر لکھی وہ حضرت محمد ابن مسلمہ تھے مگر حافظ ابن حجر نے اس قول کو وہم سے زیادہ کا درجہ نہیں دیا ہے پھر ان دونوں اقوال کے درمیان اس طرح موافقت پیدا کی گئی ہے کہ یہ اصل تحریر تو حضرت علیؓ نے ہی لکھی تھی، مگر حضرت محمد ابن مسلمہ نے اس کی ایک نقل سہیل ابن عمرو کے لئے تیار کی تھی۔ کیونکہ جب یہ معاہدہ لکھا جا چکا تو سہیل ابن عمرو نے کہا کہ یہ تحریر میرے پاس رہے گی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نہیں تحریر میرے پاس رہے گی چنانچہ تحریر آنحضرت ﷺ نے لے لی۔ اسی وقت سہیل کے لئے اس تحریر کی ایک نقل لکھوائی گئی جو انہوں نے اپنے پاس رکھی۔

دوسری شرط پر صحابہ کا اعتراض...... اس تحریر کے وقت سہیل نے یہ شرط بھی رکھی تھی کہ جو شخص مسلمان ہو کر یہاں آئے گا اس کو لوٹانا پڑے گا (اس پر مسلمان بگڑ اٹھے اور) انہوں نے کہا:

"سبحان اللہ۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ جو شخص مسلمان ہو کر ہمارے پاس آئے ہم اسے واپس مشرکوں کے حوالے کر دیں"۔

مسلمانوں کو یہ شرط بہت زیادہ گراں گزری اور انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! کیا آپ یہ شرط بھی لکھیں گے؟"۔ آپ نے فرمایا:

آنحضرت ﷺ کی طرف سے وضاحت...... "ہاں۔ یعنی ہم میں سے کوئی شخص لوٹ کر مشرکوں میں جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو ہم سے دور فرمائے اور جو شخص مشرکوں میں سے (مسلمان ہو کر) ہمارے پاس آئے گا ہم اس کو واپس مشرکوں کے حوالے کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے کشادگی اور سہولت پیدا فرمائے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ اس پر حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ اس شرط پر راضی ہیں؟ آنحضرت ﷺ یہ سن کر مسکرائے اور آپ نے فرمایا کہ: ان میں سے جو شخص ہمارے پاس آئے گا ہم اسے لوٹا دیں گے اللہ تعالیٰ اس کے لئے کشادگی پیدا فرمانے والا ہے اور جو ہم سے دامن بچا کر مشرکوں کے پاس جائے گا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ نہ وہ ہم میں سے ہے بلکہ بہتر یہی ہے کہ ایسا شخص ان ہی میں ہے۔

آنحضرت ﷺ کے پاس ابو جندل کی آمد...... ابھی آنحضرت ﷺ اور سہیل ابن عمرو ان شرائط کے مطابق یہ تحریر لکھ ہی رہے تھے کہ اچانک ابو جندل ابن سہیل ابن عمرو (مشرکوں سے جان بچا کر) بیڑیوں کو کھینچتے ہوئے مسلمانوں کے پاس پہنچ گئے (وہ مسلمان ہو چکے تھے مگر مشرکوں کے قبضے میں تھے جنہوں نے ان کو زنجیروں اور بیڑیوں میں باندھ کر رکھا ہوا تھا' یہ ابو جندل اسی سہیل ابن عمرو کے بیٹے تھے جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ یہ صلح نامہ مرتب کر رہا تھا۔ کسی طرح ابو جندلؓ جان

بچا کر بیڑیوں سمیت نکل آئے اور عین اس وقت مسلمانوں کے پاس پہنچ گئے جب کہ یہ تحریر لکھی جا رہی تھی) ان کے ہاتھ میں تلوار تھی یہ سیدھے آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچے اور سب مسلمانوں کے سامنے آپؐ سے فریادی ہوئے۔

مسلمان ان کو دیکھ کر مرحبا اور خوش آمدید کہنے لگے اور (جان بچا کر نکل آنے پر) ان کو مبارک باد دینے لگے سہیل نے جیسے ہی اپنے بیٹے کو دیکھا وہ ایک دم اٹھ کر ابو جندل کے پاس پہنچا اور ان کے چہرے پر تھپڑ مارا ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ سہیل نے ایک کانٹے دار درخت کی ٹہنی توڑی اور اسے حضرت ابو جندل کے چہرے پر بے تحاشہ مارنا شروع کیا۔

از روئے معاہدہ واپسی پر اصرار...... مسلمان ابو جندلؓ کی یہ حالت دیکھ کر رو پڑے۔ ادھر سہیل نے ابو جندل کا گریبان کھینچنا شروع کیا اور آنحضرت ﷺ سے کہا:

"اے محمد! یہ پہلا شخص ہے اور میں اس صلح نامہ کے نام پر آپؐ سے کہتا ہوں کہ ان شرائط کے مطابق آپؐ کو اسے لوٹانا پڑے گا کیونکہ اس کے آنے سے پہلے میرے آپ کے درمیان معاہدہ طے ہو چکا ہے"۔

ابو جندل کی فریاد...... آپ نے فرمایا تم ٹھیک کہتے ہو۔ اب سہیل نے پھر ابو جندل کے ساتھ کھینچ تان شروع کی اور انہیں گھسیٹتا ہوا چلا تاکہ قریش کے پاس لے جائے۔ ابو جندل نے چیخ چیخ کر فریاد کی:

"اے مسلمانو! کیا مجھے پھر ان ہی قریش کی طرف واپس لوٹایا جا رہا ہے جو مجھے میرے دین سے برگشتہ کرنا اور پھیرنا چاہتے ہیں! کیا تمہیں معلوم نہیں میں کیسے کیسے مصائب اور تکلیفیں اٹھا چکا ہوں!"

مسلمانوں میں اضطراب...... حضرت ابو جندلؓ کو محض اس لئے بڑے بڑے خوفناک عذاب دیئے گئے تھے کہ وہ اسلام سے منہ موڑ ڈالیں۔ غرض اس موقعہ پر (جب کہ پہلے ہی مسلمان اس معاہدہ سے دل برداشتہ ہو رہے تھے) لوگوں کے جذبات اور زیادہ شدید ہو گئے۔ چونکہ آنحضرت ﷺ نے اپنا خواب سنایا تھا اس لئے لوگوں کو اس بارے میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ مکے میں داخل ہو کر بیت اللہ کا طواف کریں گے (حالانکہ آنحضرت ﷺ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اسی سال ایسا ہو گا آپ کا خواب سچا ثابت ہوا اور یہی سفر اور یہی صلح نامہ اس کی بنیاد بنا)۔

صبر و ضبط کی تلقین...... (غرض مسلمان اسی تعین کیساتھ آئے تھے) مگر حدیبیہ میں پہنچ کر جب انہوں نے اس سمجھوتے اور صلح کی صورت حال دیکھی اور آنحضرت ﷺ نے جو کاروائی فرمائی اسے دیکھا تو اکثر لوگ بڑی سخت کیفیات سے دوچار ہوئے۔ خاص طور پر اس شرط نے انکو بہت ہی زیادہ بے چینی میں مبتلا کر دیا کہ کوئی شخص مسلمان ہو کر انکے پاس آئیگا تو مسلمان اسکو واپس قریش کے پاس لوٹانے کے پابند ہوں گے' ادھر اسی وقت سہیل کا ابو جندل کو مارنا اور واپس لے جانا ان کیفیات کیلئے اور تازیانہ بن گیا (جب ابو جندل نے مسلمانوں سے اپنی واپسی کے خلاف فریاد کی تو) آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا:

"ابو جندل۔ صبر و ضبط سے کام لو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اور تم جیسے دوسرے کمزور مسلمانوں کے لئے کشادگی اور سہولت پیدا فرمانے والا ہے۔ ہم قریش کے ساتھ ایک معاہدہ کر چکے ہیں اور اس کی رو سے ہم انہیں قول و قرار دے چکے ہیں۔ ہم نے ان کو اللہ کے نام پر عہد دیا ہے کہ ہم دغا اور بدعہدی نہیں کریں گے!"

اسی سے ہمارے شافعی فقہاء نے یہ دلیل لی ہے کہ مشرکوں میں سے کوئی شخص مسلمان ہو کر ہمارے پاس آجائے تو اس کو لوٹانا جائز ہے مگر صرف اسی صورت میں لوٹائیں گے جب کہ وہ شخص آزاد ہو مرد ہو بچہ اور مجنون نہ ہو اور اسکے خاندان والے اسے واپس مانگتے ہوں۔

ابو جندل کی دو مشرکوں کی پناہ......ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے سہیل سے فرمایا کہ ابھی معاہدہ مکمل نہیں ہوا ہے (یعنی پورا لکھے جانے اور دستخط ہو جانے کے بعد اس پر عمل شروع ہونا چاہئے مگر سہیل نے کہا کہ بالکل ہو چکا ہے میرے آپ کے درمیان معاملات طے ہو چکے ہیں اس لئے اسے آپ کو واپس کرنا پڑے گا۔ آخر آنحضرت ﷺ نے فرمایا اچھا اسے میری طرف سے پناہ میں لے لو۔ سہیل نے کہا میں ہرگز اسے آپ کی پناہ میں نہیں دوں گا۔ آپ نے فرمایا نہیں تم پناہ میں دے ہی دو۔ سہیل نے کہا میں ہرگز یہ نہیں کروں گا۔ اس وقت سہیل کے ساتھیوں مکرز اور حویطب نے کہا چلئے ہم اس کے لئے آپ کی پناہ قبول کرتے ہیں اور اب اس کو کوئی تکلیف اور ایذا نہیں دیں گے۔

مگر یہ اور گزشتہ روایت علامہ ابن حجر ہیثمیؒ کے اس قول کے خلاف ہے کہ ابو جندل بدنہ کے اس معاہدہ سے پہلے آئے تھے۔ اس روایت کو بخاری نے بیان کیا ہے۔

غرض ابو جندل کے لئے مسلمانوں کی بے قراری دیکھ کر حویطب نے مکرز سے کہا:

"میں نے محمد ﷺ کے ساتھیوں میں جتنی محبت ان لوگوں کے لئے دیکھی ہے جو ان کے دین میں داخل ہو جاتے ہیں اتنی کسی قوم میں کسی کے لئے نہیں دیکھی۔ میں تو یہی کہتا ہوں کہ آج کے بعد کبھی تم لوگوں کو محمد ﷺ سے ایسا انصاف نہیں ملے گا یہاں تک کہ وہ زبردستی مکے میں داخل ہو جائیں گے!"

ابو جندلؓ کیلئے عمر کا اضطراب...... یہ سن کر مکرز نے کہا کہ خود میرا بھی یہی خیال ہے۔ اسی وقت حضرت عمر فاروقؓ تیزی کے ساتھ اٹھ کر حضرت ابو جندل کے برابر چلنے لگے۔ ابو جندل کے برابر ان کا باپ سہیل بھی تھا جو انہیں یعنی حضرت عمرؓ کو وہاں سے دھکیلنے لگا مگر عمرؓ ابو جندلؓ سے کہتے جاتے تھے:

"ابو جندل صبر کرو وہ لوگ سب مشرک ہیں اور ان میں سے ایک ایک شخص کا خون کتے کے خون سے زیادہ قیمتی نہیں ہے اور تمہارے ہاتھ میں تلوار موجود ہی ہے!"

اس طرح حضرت عمرؓ ابو جندل کو باپ کے قتل پر ابھارنے لگے۔ ایک روایت کے مطابق فاروق اعظمؓ نے ابو جندل سے کہا۔ ایک کافر کا خون اللہ کے نزدیک ایک کتے کے خون کے برابر ہے یہ کہہ کر وہ تلوار کا قبضہ ابو جندل کی طرف بڑھاتے تھے۔

ایک روایت کے مطابق حضرت عمرؓ نے ان سے کہا۔

"ابو جندل کبھی کبھی انسان کو اللہ کے راستے میں اپنے باپ کو بھی قتل کرنا پڑتا ہے۔ خدا کی قسم اگر ہم اپنے باپ دادا کو پالیتے تو خدا کی راہ میں ان کو یقیناً قتل کر ڈالتے!"

اس پر حضرت ابو جندل نے فاروق اعظم سے کہا۔

"آخر آپ خود ہی اس شخص (یعنی سہیل ابن عمرو) کو کیوں قتل نہیں کر دیتے"۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس کو یا اس کے علاوہ کسی اور شخص کو قتل کرنے سے منع فرما دیا ہے ابو جندل نے کہا تو پھر آنحضرت ﷺ کے حکم کی اطاعت کے مستحق آپ مجھ سے زیادہ تو نہیں ہیں (یعنی آپ کے حکم کی اطاعت اتنی ہی مجھ پر بھی واجب ہے جتنی آپ پر ہے)۔

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ اس وقت میری آرزو تھی کہ ابو جندل تلوار بلند کرے اور اپنے باپ کو قتل کر دے مگر وہ شخص اپنے باپ کے حق میں بڑا بخیل ثابت ہوا (حضرت عمرؓ کا یہ جذبہ ایک مسلمان کی حیثیت سے حضرت ابو جندل کی ہمدردی اور

محبت میں تھا کہ کسی طرح ان کو مشرکین سے نجات مل جائے)۔

یہاں پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ ابو جندل کا باپ کو قتل کرنا جائز ہے یہاں تک کہ وہ اس قتل کیلئے ابو جندل کو ابھارنے بھی لگے 'اس کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ فاروق اعظمؓ نے ایسا اس لئے سمجھا کہ سہیل اپنے بیٹے کو اسلام سے پھیر کر واپس کفر کی تاریکیوں میں لانا چاہتا ہے۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ ابو جندل سے یہ فرما چکے تھے کہ ابو جندل صبر وضبط سے کام لو۔

ابو جندلؓ مکرز ابن حفص اور حویطب کی پناہ میں مکے واپس پہنچے۔ ان دونوں نے ابو جندل کو ایک مکان میں پہنچا دیا اور ان کے باپ نے ایذا رسانی سے ہاتھ روک لیا (کیونکہ مکرز اور حویطب ان کو پناہ دے چکے تھے)

ابو جندل کا اصل نام عاص تھا (اور ابو جندل لقب تھا) اور یہ عبداللہ ابن سہیل ابن عمرو کے بھائی تھے عبداللہ ابن سہیل ابو جندل سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے کیونکہ عبداللہ ابن سہیل غزوۂ بدر میں شریک ہوئے ہیں۔

یہ عبداللہ غزوۂ بدر کے وقت مشرکوں کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے کے لئے آئے تھے مگر بدر میں پہنچ کر انہوں نے مشرکوں کا ساتھ چھوڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ سے آملے پھر یہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر غزوۂ بدر میں بھی شریک ہوئے جب کہ حضرت ابو جندل جس پہلے غزوہ میں شریک ہوئے وہ فتح مکہ ہے۔

معاہدہ میں بنی خزاعہ کی شرکت...... غرض اس معاہدہ میں بنی خزاعہ کے لوگ آنحضرت ﷺ کی طرف سے یعنی آپ کے دوست قبیلے کی حیثیت سے شریک ہو گئے۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ اس معاہدہ کے وقت وہاں بنی خزاعہ کے جو لوگ موجود تھے وہ ایک دم اٹھے اور انہوں نے اعلان کیا کہ ہم محمد ﷺ کی طرف سے اس معاہدہ میں شریک ہوتے ہیں اور ہم لوگ اپنے قبیلے کے باقی تمام لوگوں کی طرف سے بھی نمائندگی کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی طرف سے اس معاہدہ میں شرکت کا اعلان کرتے ہیں۔ دوسری طرف بنی بکر کا قبیلہ قریش کی طرف سے اس معاہدہ میں شامل ہو گیا۔

کہا جاتا ہے کہ اس وقت حویطب نے سہیل ابن عمرو سے کہا:

"تمہاری ننہال والوں یعنی بنی خزاعہ نے ہمارے ساتھ اپنی دشمنی کا اظہار کر ہی دیا جسے وہ ہم سے چھپاتے تھے مگر اب محمد ﷺ کی طرف سے معاہدہ میں شریک ہو گئے ہیں!"

سہیل نے کہا:

"یہ لوگ ابھی ایسے ہی ہیں جیسے اور دوسرے لوگ ہیں (یعنی میری ننہال ہونے سے کیا فرق پیدا ہوتا ہے) یہ لوگ ہمارے رشتے دار اور خون ضرور ہیں لیکن اگر وہ محمد ﷺ کی طرف سے اس معاہدہ میں شریک ہوئے تو اس کا انہیں اختیار تھا کہ اپنے لئے کوئی بھی راستہ منتخب کر لیں ہم اس میں کیا کر سکتے ہیں!"

حویطب نے کہا:

"ہم یہ کر سکتے ہیں کہ ان کے خلاف اپنے حلیف قبیلے بنی بکر کو مدد دیں گے"۔

سہیل یہ سن کر کہنے لگے:

"ذرا خیال رکھو کہیں تمہاری یہ بات بنی بکر کے لوگ نہ سن لیں وہ لوگ بڑے بدخصلت ہیں فوراً ہی بنی خزاعہ کو گالیاں دینا

شروع کردیں گے جس کے نتیجہ میں محمد ﷺ اپنے حلیفوں یعنی بنی خزاعہ کیلئے ہم سے ناراض ہو جائیں گے اور ہمارے ان کے درمیان جو معاہدہ ہوا ہے اس کو ختم کر ڈالیں گے"۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بیعت رضوان جو وہیں حدیبیہ کے مقام پر لی گئی تھی اس صلح نامہ اور معاہدہ سے پہلے ہو چکی تھی اور یہ کہ اسی بیعت کی بنا پر قریش نے آنحضرت ﷺ کے پاس قاصد بھیجا تھا۔ مگر کتاب مواہب میں یہ ہے کہ بیعت رضوان آنحضرت ﷺ نے اس صلح نامہ کے بعد لی تھی اور یہ کہ حضرت عثمان غنی جو مراسلہ لے کر حدیبیہ سے مکے گئے تھے اس میں اس صلح کی پیش کش موجود تھی جو آنحضرت ﷺ اور سہیل کے درمیان ہوئی۔ اس وقت قریش نے حضرت عثمانؓ کو پکڑ لیا جس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے سہیل کو روک لیا تھا مگر اس قول میں جو اشکال ہے وہ ظاہر ہے۔

معاہدہ کی تکمیل اور گواہیاں...... اس کے بعد جب رسول اللہ ﷺ اس صلح کی کاروائی سے فارغ ہو گئے تو اس پر مسلمانوں میں سے کچھ بااثر لوگوں کی گواہی اور تصدیق بھی ہو گئی مسلمانوں میں سے ان گواہوں میں یہ حضرات تھے۔ ابو بکرؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ، عبدالرحمٰن ابن عوفؓ، سعد ابن ابی وقاصؓ، ابو عبیدہؓ ابن جراح، اور محمد ابن مسلمہؓ اور مشرکوں میں سے جن گواہوں کے دستخط ہوئے ان میں حویطب اور مکرز ابن حفص تھے۔

قربانی کے لئے ابو جہل کا اونٹ...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اٹھ کر قربانی کا جانور ذبح فرمایا ان میں ابو جہل والا وہ اونٹ بھی تھا جو بہترین نسل کا یعنی اصیل اور مہری انت تھا (مہری اونٹ کے متعلق تفصیل گزشتہ ابواب میں بیان ہو چکی ہے) یہ اونٹ چونکہ اصیل اونٹ تھا اس لئے آنحضرت ﷺ کی دودھ والی اونٹنیوں کے درمیان افزائش نسل کے لئے رکھا جاتا تھا۔ اس اونٹ کے سر میں چاندی کا ایک حلقہ پڑا رہتا تھا۔ ایک قول ہے کہ یہ حلقہ سونے کا تھا تاکہ قریش اسے دیکھ کر خار کھائیں۔ یہ اونٹ آپ کو غزوۂ بدر کے مال غنیمت میں ملا تھا جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا تھا۔

اونٹ کا مکے کو فرار اور قریش کا واپسی سے انکار...... آنحضرت ﷺ کا یہ اونٹ حدیبیہ کے مقام سے کسی طرح چھوٹ کر بھاگ گیا تھا اور مکے میں اس نے سیدھے ابو جہل کے گھر پہنچ کر دم لیا اس کو پکڑنے کے لئے پیچھے پیچھے حضرت عمرو ابن غنمہ انصاری گئے تھے مگر قریشی اوباشوں نے یہ اونٹ دینے سے انکار کر دیا۔ آخر سہیل ابن عمرو کو پتہ چلا اور اس نے ان اوباشوں کو حکم دیا کہ اونٹ واپس کیا جائے قریش نے یہ اونٹ حاصل کرنے کیلئے اس کے بدلے میں کچھ کپڑے کے تھانوں کی پیش کش کی مگر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر ہم نے اس اونٹ کو قربانی کے لئے نامزد نہ کیا ہوتا تو ضرور دیدیتے۔

ایک کے بدلے سو اونٹ کی پیش کش...... ایک روایت میں ہے کہ جب قریشی نوجوانوں نے یہ اونٹ واپس کرنے سے انکار کیا تو سہیل نے ان سے کہا کہ اگر تم اس اونٹ کو لینا ہی چاہتے ہو تو اس کے بدلے میں سو اونٹوں کی پیشکش کرو اگر انہوں نے وہ سو اونٹ قبول کر لئے تو اس اونٹ کو اپنے پاس روک لینا ورنہ اس کو رکھنے کی کوشش نہ کرنا چنانچہ قریش نے آنحضرت ﷺ کو یہ پیش کش کی مگر آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ اگر یہ اونٹ ہُدی یعنی عمرہ کی قربانی کے لئے نامزد نہ ہو چکا ہوتا تو میں اس کے بدلے میں سو اونٹ قبول کر لیتا۔

غرض ذبح کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے قربانی کا گوشت ان فقراء پر تقسیم فرما دیا جو حدیبیہ میں حاضر تھے ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ناجیہ ابن جندب کے ہمراہ بیس قربانی کے جانور مکے روانہ کئے جنہیں مروہ کے مقام پر ذبح کیا گیا اور ان کا گوشت مکے کے غریبوں کے تقسیم کیا گیا۔

حجامت اور قربانی......اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ایک جگہ بیٹھ کر سر منڈایا۔ اس موقعہ پر جس نے آپ کے سر کے بال مونڈے وہ خراش ابن اُمیہ خزاعی تھے۔ یہ وہی خراش ہیں جنہیں آپ نے قریش کے پاس بطور قاصد بھیجا تھا اور قریش نے ان کا اونٹ ذبح کر ڈالا تھا اور خود ان کو بھی قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ جیسا کہ بیان ہوا۔

صحابہ نے جب آنحضرت ﷺ کو قربانی کرتے اور سر منڈاتے دیکھا تو انہوں نے جلدی جلدی قربانی کی اور سر منڈانے کے بجائے صرف بال کتروائے ایسے لوگوں میں حضرت عثمانؓ ابن عفان اور حضرت ابو قتادہؓ تھے۔ بعض علماء یعنی علامہ سہیلی کہتے ہیں کہ سر منڈانے کے بجائے بال کتروانے والے صرف یہی دو آدمی تھے۔

آنحضرت ﷺ نے اس موقعہ پر سر منڈانے والوں کے تین مرتبہ دعا فرمائی اور بال کتروانے والوں کے لئے ایک مرتبہ دعا فرمائی آپ نے جو دعا فرمائی وہ یہ تھی:

"اے اللہ! سر منڈانے والوں پر اپنی رحمت فرما۔ ایک روایت میں دعا کے الفاظ یوں ہیں کہ۔ اللہ تعالیٰ سر منڈانے والوں پر رحمت فرمائے۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ اے اللہ! سر منڈانے والوں کی مغفرت فرما"۔

اس پر لوگوں نے عرض کیا۔ اور بال کتروانے والوں کی بھی۔ آپ نے پھر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سر منڈانے والوں پر رحمت فرمائے۔ یا یہ فرمایا کہ اے اللہ سر منڈانے والوں پر رحمت فرما۔ یا یہ فرمایا کہ اے اللہ سر منڈانے والوں کی مغفرت فرما۔ صحابہ نے پھر عرض کیا اور بال کتروانے والوں کی بھی۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سر منڈانے والوں اور بال کتروانے والوں پر رحمت فرمائے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے چوتھی مرتبہ میں بال کتروانے والوں کی دعا میں شامل فرمایا۔ اس پر صحابہ نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! آپ نے بال کتروانے والوں کو چھوڑ کر صرف سر منڈانے والوں کے لئے ہی کیوں رحمت کی دعا فرمائی"۔

آپ نے فرمایا:

"اس لئے کہ سر منڈانے والے بال کتروانے والوں کی طرح اس آرزو میں نہیں ہیں کہ وہ (اسی سال) بیت اللہ کا طواف کر سکیں گے!"

کیونکہ بال کتروانے والوں کے اس ظاہری عمل سے یہ محسوس ہوتا تھا کہ انہوں نے اپنے سروں کے باقی بال اس تمنا میں چھوڑ دیئے ہیں کہ بیت اللہ کا طواف کرنے کے بعد سر منڈائیں گے (جب کہ سر منڈانے والوں نے آنحضرت ﷺ کی پیروی میں سب بال صاف کرا دیئے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ آئندہ سال طواف کر سکیں گے)۔

قبولیت کی علامت...... ادھر جب صحابہ سر منڈا کر فارغ ہوئے تو حق تعالیٰ نے ایک سخت آندھی چلائی جو مسلمانوں کے بالوں کو اڑا کر لے گئی اور انہیں حرم میں لے جاڈالا اس روایت میں یہ شبہ ہو سکتا ہے جیسا کہ بیان ہوا کہ مقام حدیبیہ کا اکثر حصہ حرم کی حدود میں داخل ہے (لہٰذا پھر بالوں کو حدود حرم میں پہنچانے سے کیا مراد ہے) بہر حال مسلمانوں نے اس آندھی اور بالوں کے اڑنے سے یہ بشارت لی کہ ان کا عمرہ قبول ہو گیا ہے۔

صحابہ کی حکم عدولی اور آنحضرت ﷺ کو تکلیف......ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے معاہدہ کی تحریر سے فارغ ہونے کے بعد صحابہ کو سر منڈانے اور ذبیحہ کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے تین مرتبہ لوگوں کو یہ حکم دیا مگر کوئی شخص بھی تعمیل حکم کیلئے نہیں اٹھا (اس کی وجہ صحابہ کا وہ رنج و غم تھا جو مکے میں داخل نہ ہو سکنے اور بیت اللہ کا طواف نہ کر سکنے کی وجہ سے تھا)۔

آخر آنحضرت ﷺ اپنی زوجہ محترمہ حضرت اُمّ سلمہؓ کے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ اس وقت آنحضرت ﷺ کو سخت

غصہ تھا اس لئے آپ فوراً لیٹ گئے حضرت اُمّ سلمہؓ نے آپ کی یہ کیفیت دیکھی تو پوچھا کہ یارسول اللہ! کیا بات ہوگئی مگر آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اُمّ المومنین بار بار آپ سے دریافت کرتی رہیں مگر آپ جواب نہیں دیتے تھے۔ آخر آپ نے ان کے کئی بار پوچھنے پر بتلایا کہ لوگوں نے کیا معاملہ کیا ہے۔ آپ نے اُمّ المومنین سے فرمایا:

"مسلمان ہلاک ہوگئے۔ کہ میں نے ان کو سر منڈانے اور قربانی کرنے کا حکم دیا مگر انہوں نے تعمیل نہیں کی۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ اُمّ سلمہ عجیب بات ہے کیا تم لوگوں کو نہیں دیکھ رہی ہوں کہ میں نے انہیں ایک حکم دیا مگر وہ اس کو نہیں مان رہے ہیں۔ میں نے بار بار ان سے کہا کہ سر منڈالو' قربانی کرلو اور عمرہ کے احرام سے فارغ ہو جاؤ مگر ایک شخص نے میری بات نہیں مانی وہ میری بات سنتے رہے اور میرا منہ دیکھتے رہے!"

اُمّ سلمہ کا مشورہ...... حضرت اُمّ سلمہؓ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! آپ ان لوگوں کو ملامت نہ فرمایئے کیونکہ آپ نے صلح کرنے کے سلسلے میں جو مشقت اٹھائی ہے اور بغیر فتح (یعنی عمرہ) کئے صحابہ کو واپس لے جانے کا جو فیصلہ فرمایا ہے اس کی وجہ سے یہ لوگ بڑے سخت حالات اور اضطرابی کیفیات سے دوچار ہوئے ہیں!"

نبی کے موئے مبارک...... اس کے بعد حضرت اُمّ سلمہؓ نے آنحضرت ﷺ کو مشورہ دیا کہ آپ باہر جاکر کسی سے کچھ نہ فرمائیں بلکہ قربانی کا اپنا جانور ذبح فرمائیں اور سر منڈالیں۔ چنانچہ آپ نے اُمّ المومنین کے مشورہ پر عمل کیا۔ یعنی آپ نے چھری اٹھائی اور ہدی کی طرف چلے پھر آپ نے بلند آواز سے بسم اللہ اللہ اکبر کہتے ہوئے ذبیحہ کیا۔ اس کے بعد آپ اپنے قبہ میں تشریف لے گئے جو سُرخ اون کا تھا وہاں آپ نے حضرت خراش ابن اُمیہ کو بلایا اور سر منڈایا۔ پھر آپ نے اپنے بال ایک درخت پر پھینک دیئے جنہیں لوگوں نے چن چن کر اٹھالیا۔

حضرت اُمّ عمارہؓ نے بھی آنحضرت ﷺ کے بالوں میں سے کچھ بال لے لئے تھے جنہیں وہ بڑی احتیاط سے اپنے پاس رکھتی تھیں اور جب کوئی شخص بیمار ہوتا تو وہ ان بالوں کو پانی میں دھوتیں اور وہ پانی مریض کو پلادیتیں جس سے اسے شفا حاصل ہوتی۔

غرض جب لوگوں نے آنحضرت ﷺ کو قربانی کرتے اور سر منڈاتے دیکھا تو ان سب نے بھی جلدی جلدی قربانی کی اور سر منڈائے (اس طرح حضرت اُمّ سلمہؓ کے بروقت اور صحیح مشورہ سے آنحضرت ﷺ کی وہ تکلیف دور ہوگئی جو اس وقت آپ کو پیش آگئی تھی)۔

مدینے کو واپسی اور سورۂ فتح کا نزول...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ یہاں سے مدینہ منورہ کو واپس روانہ ہوئے۔ آپ نے حدیبیہ کے مقام پر انیس دن قیام فرمایا۔ ایک قول ہے کہ بیس دن قیام فرمایا تھا۔ جب آپ مکے اور مدینے کے درمیان کراع غمیم کے مقام پر پہنچے تو آپ پر سورۂ فتح نازل ہوئی۔ اس وقت آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا:

"اس وقت مجھ پر جو سورت نازل ہوئی ہے وہ مجھے اس سارے جہاں سے زیادہ محبوب اور پیاری ہے جس پر سورج کی روشنی پڑتی ہے!"

ادھر لوگ سفر کے دوران بھوک سے بیتاب ہوگئے چنانچہ صحابہ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

"یارسول اللہ! ہم بہت بے حال ہوگئے ہیں یعنی بھوک سے بیتاب ہوگئے ہیں۔ لوگوں کے پاس سواری کے اونٹ ہیں آپ ان کو ذبح فرمادیں تاکہ ہم گوشت سے پیٹ بھر سکیں اور چربی سے تیل اور تری حاصل کریں اور کھالوں سے جوتے بنالیں"۔

یہ سن کر حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

یارسول اللہ! آپ ان کی بات نہ مانیں کیونکہ پھر جب بھی اونٹ بچ رہا کریں گے یہ ایسا ہی کیا کریں گے لیکن کل کسی جنگ میں جب ہمیں بھوکے پیٹ اور پیدل لڑنا پڑے گا تو کیا ہوگا؟ پھر انہوں نے کہا بلکہ آپ کی رائے ہو تو آپ لوگوں کو بلا کر فرمائیں کہ ان کے پاس جو کچھ زادراہ اور ناشتہ باقی ہے اس سب کو ایک جگہ جمع کر دیں پھر آپ اس میں برکت کی دعا فرمائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کی برکت سے اس کھانے کو سب کے لئے کافی فرمادے گا۔

معجزۂ نبوی ﷺ...... چنانچہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ سب لوگ اپنی چادریں اور عبائیں پھیلادیں لوگوں نے تعمیل کی تو آپ نے فرمایا جس کے پاس کچھ بھی زادراہ اور کھانا باقی ہو وہ اس پر لا کر رکھ دے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی اور اس کے بعد فرمایا کہ سب لوگ اپنے اپنے برتن لے آئیں اور جتنا چاہیں بھرلیں چنانچہ لوگوں نے اپنے برتن بھر لئے اور سیر اب ہو کر کھایا جب کہ وہ کھانا جوں کا توں بچا رہا۔

مسلم میں یہ روایت اس طرح ہے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے کہ راستے میں ہمیں بھوک نے پریشان کیا (جب کہ کھانا ختم ہو چکا تھا) آخر ہم نے ارادہ کیا کہ اپنے سواری کے کچھ اونٹ ذبح کرلیں۔ مگر آنحضرت ﷺ نے ہمیں حکم دیا جس کے مطابق سب لوگوں نے اپنا بقیہ زادراہ جمع کر دیا اس کے لئے ہم نے اپنی چادریں پھیلادی تھیں اور سب کا کھانا اس پر جمع کر دیا گیا جو سب ملا کر اتنا تھوڑا تھا کہ ایک بکری کے گوشت کے برابر تھا جب کہ ہم لوگوں کی تعداد چودہ سو تھی۔ مگر راوی کہتا ہے کہ ہم نے سیر اب ہو کر کھایا اور پھر اپنے برتن بھر لئے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کے دونوں جانب کے دانت نظر آنے لگے۔ پھر آپ نے فرمایا:

"اشهد ان لا اله الا الله وانّی رسول الله خدا کی قسم ان دو گواہیوں کے ساتھ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوگا وہ دوزخ سے محفوظ فرمادیا جائے گا"۔

پھر آنحضرت ﷺ نے اپنے ایک صحابی سے پوچھا کیا وضو کے لئے پانی ہوگا اس پر ایک شخص ایک برتن لے کر آیا جس میں بہت تھوڑا سا پانی تھا۔ آپ نے اس کو ایک پیالے میں الٹوایا اور اپنے دست مبارک کی ہتھیلی اس پر رکھ دی۔ راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد ہم چودہ سو آدمیوں نے اسی پانی سے وضو کیا جب کہ ہم بہت تیزی سے اور کافی مقدار میں جسم پر پانی گرا رہے تھے (یعنی عام حالت میں وضو کے لئے جتنا پانی استعمال کرنا چاہیئے ہم اتنا ہی استعمال کر رہے تھے) اس کے بعد آٹھ آدمی اور آئے اور انہوں نے آکر پوچھا کیا پاک پانی ہوگا؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا وضو سے سب فارغ ہو چکے ہیں۔

صلح حدیبیہ عظیم ترین فتح...... جب رسول اللہ ﷺ پر سورۂ فتح نازل ہوئی تو جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ کو (یہ فتح) مبارک ہو۔ اسی طرح مسلمانوں نے بھی آپ کو مبارکباد دی مگر بعض صحابہ نے اس میں کلام کیا اور کہا کہ یہ (یعنی حدیبیہ کی صلح) کوئی فتح نہیں ہے۔ مشرکین نے ہمیں بھی بیت اللہ میں جانے سے روک دیا اور ہمارے قربانی کے جانوروں کو بھی روک دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ تک یہ باتیں پہنچیں تو آپ نے فرمایا:

"یہ لغو بات ہے، حقیقت میں یہ سب سے بڑی فتح ہے، مشرکین اس بات پر راضی ہو گئے کہ تمہیں بھلائی کیساتھ فی الحال اپنے شہر سے واپس کر دیں مگر آئندہ کیلئے انہوں نے تم سے صلح اور امن کی درخواست کی (اور معاہدہ کیا) انہوں نے تمہاری وہ باتیں برداشت کرلیں جنہیں وہ ناپسند کرتے ہیں اللہ نے تمہیں ان پر کامیابی عطا فرمائی اور تمہیں صحیح سلامت اور اجر و ثواب

کیساتھ واپس کیا لہٰذا یہ تمام فتوحات میں سب سے بڑی فتح ہے 'کیا تم وہ وقت بھول گئے جب غزوۂ احد کے موقعہ پر مشرکوں سے شکست کھا کر احد پر چڑھے یعنی بھاگے چلے جاتے تھے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے حالانکہ میں تم کو تمہاری آخرت کیلئے بلا رہا تھا؟ کیا تم وہ وقت بھول گئے جب غزوۂ احزاب کے موقع پر مشرکین اوپر نیچے ہر طرف سے تم پر آچڑھے تھے اور تم حیران و ششدر رہ گئے تھے اس وقت کلیجے منہ کو آرہے تھے اور تم لوگ اللہ تعالیٰ کیساتھ طرح طرح کے گمان کر رہے تھے!"

صحابہ کو صلح نامہ کی اہمیت کا احساس......(اس وقت مسلمانوں کی آنکھیں کھلیں اور صحابہ نے عرض کیا:

"اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا حقیقت میں یہ سب سے بڑی فتح ہے خدا کی قسم اے نبی اللہ! ہم وہ باتیں سوچ بھی نہیں سکتے جو آپ نے سوچی ہیں بے شک اللہ تعالیٰ کی مصلحتوں کو آپ ہی ہم سے بہتر سوچ اور سمجھ سکتے ہیں!"

اس وقت ایک صحابیؓ نے جو حضرت عمر فاروقؓ تھے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

"یارسول اللہ! کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ آپ امن و سکون کے ساتھ مکے میں داخل ہوں گے"۔

لوگوں نے عرض کیا: نہیں۔ آپ نے فرمایا۔

"بس میرا قول وہی تھا جیسا کہ جبرئیل علیہ السلام نے کہا تھا کہ تم لوگ بیت اللہ میں پہنچو گے اور اس کا طواف کرو گے!"

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: یہاں ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے جو مکے میں داخل ہوئے اور طواف کرنے کے متعلق فرمایا وہ آنحضرت ﷺ کا خواب تھا وحی نہیں تھی جیسا کہ بیان ہوا لہٰذا یہاں جبرئیل علیہ السلام کا قول نقل کرنے کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ خواب دیکھنے کے بعد اسی کے مطابق آپ کے پاس وحی بھی آگئی تھی جس کے بعد آنحضرت ﷺ نے یہ بات صحابہ کو بتلائی۔ واللہ اعلم

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حدیبیہ کے قیام کے دوران جب رسول اللہ ﷺ نے یہ خواب دیکھا کہ آپ اور آپ کے صحابہ سر منڈاتے ہوئے اور بال کترواتے ہوئے امن و امان کے ساتھ مکے میں داخل ہو رہے ہیں' تو آپ نے صحابہؓ کو یہ خواب بتلایا پھر جب مسلمانوں کو مکے میں داخل ہونے سے روک دیا گیا تو لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ کے خواب کا کیا مطلب تھا تو یہ آیات نازل ہوئیں:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰہُ رَسُوْلَہُ الرُّؤْیَا بِالْحَقِّ۔ (الآیہ ۲۷ پ ۲۶ سورۂ فتح ع ۴)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھلایا جو مطابق واقع کے ہے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: یہ روایت اس گزشتہ قول کے خلاف ہے جس میں کہا گیا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے یہ خواب مدینہ منورہ میں دیکھا تھا اور یہ کہ اسی خواب کے سبب آپؐ نے عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ کیونکہ یہ بات بالکل ممکن ہے کہ آپ نے یہی خواب دوبارہ حدیبیہ میں بھی دیکھا ہو لیکن پہلا جو خواب آپؐ نے مدینے میں دیکھا تھا اس کے فوراً بعد اس کے متعلق وحی بھی نازل ہوئی تھی۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ جب آپؐ اس فیصلے کے سال مکے میں داخل ہوئے اور آپؐ نے سر منڈایا تو فرمایا کہ یہی وہ بات ہے جس کا میں نے تم سے وعدہ کیا تھا۔ پھر جب فتح مکہ کے وقت آپؐ نے کعبے کی کنجیاں لیں تو فرمایا کہ عمر ابن خطاب کو میرے پاس بلاؤ۔ پھر آپؐ نے فرمایا یہی وہ بات ہے جو میں نے تم سے کہی تھی۔ پھر حجۃ الوداع کے موقعہ پر جب آنحضرت ﷺ نے عرفات کے مقام پر وقوف فرمایا تو عمرؓ سے فرمایا کہ یہی وہ بات ہے جو میں نے تم لوگوں سے کہی تھی۔

یہاں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا جو خواب بیان ہوا ہے اس میں یہ ذکر نہیں ہوا کہ آپؐ کنجیاں بھی لیں گے نہ ہی یہ ذکر ہوا ہے کہ آپؐ عرفات میں وقوف فرمائیں گے (پھر آپؐ نے یہ کیسے فرمایا کہ یہی وہ بات ہے جو میں نے تم سے کہی تھی) اس شبہ کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ شاید یہ باتیں آپ نے خواب کے بعد بتلائی تھیں مگر ان سے مراد کے میں داخل ہونا ہے۔ واللہ اعلم

حدیبیہ میں باران رحمت...... مسلمان جب حدیبیہ میں قیام کیے ہوئے تھے وہاں بارش ہوئی مگر صرف اتنی کہ ان کے جوتوں کے تلے بھی نہیں بھیگے (یعنی بوندا باندی ہو کر رہ گئی) یہ بارش رات کے وقت ہوئی تھی اسی وقت رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ لوگ اپنے اپنے مقام پر نماز پڑھ لیں۔ اسی قسم کا واقعہ غزوۂ حنین کے وقت بھی پیش آیا تھا کہ اچانک بارش آگئی جس پر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ لوگ اپنے اپنے مقام پر نماز ادا کر لیں۔

صلح حدیبیہ کی صبح میں صحابہ کو نماز پڑھانے کے بعد آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے فرمایا:

"کیا تمہیں معلوم ہے تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے؟"۔

لوگوں نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جان سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

بارش رحمت خداوندی ہے...... "حق تعالیٰ جل شانہ' فرماتا ہے کہ میرے بندوں میں کچھ وہ ہیں جو مجھ پر ایمان رکھتے ہیں اور کچھ کافر ہیں۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ اللہ کی رحمت اور فضل سے ہمارے لئے بارش ہوئی وہ اللہ پر ایمان رکھنے والا ہے اور ستاروں کے حق میں کافر ہے۔ اور جو شخص یوں کہتا ہے کہ فلاں ستارے کے ذریعہ ہمارے لئے بارش ہوئی وہ ستاروں پر ایمان رکھنے والا ہے اور مجھ سے اس نے کفر کیا"۔

جاہلیت میں بارش کا نجوم سے تعلق...... یہ بات کہنا (کہ ستاروں کی فلاں چال کی وجہ سے بارش ہوئی) ہمارے شافعی فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے کفر نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں اس حدیث میں ایمان سے مراد اللہ کی نعمت کا شکر کرنا ہے کہ بندہ نے اس نعمت یعنی بارش کو صرف ذات باری کی طرف ہی منسوب کیا۔ اور کفر سے مراد کفران نعمت ہے کہ بندہ نے اس نعمت کو اللہ کے بجائے غیر اللہ کی طرف منسوب کیا۔ اب اگر بندہ کا اعتقاد ہی یہ ہے کہ بارش کا برسانے والا خود ستارہ ہی ہے تو یہ کفر حقیقی کفر ہو جائے گا جو ایمان کی ضد ہے۔

جہاں تک کفران نعمت کا تعلق ہے (کہ بارش کو ستاروں کی چال کا کرشمہ بتلایا جائے خود ستارے کو بارش برسانے والا نہ مانا جائے) اس سے اس لئے روکا گیا ہے کہ یہ جاہلیت کے زمانے کا طریقہ تھا ورنہ ظاہر ہے اس انداز میں اگر کہا جائے کہ یہ بارش فلاں ستارے کے ذریعہ ہے تو اس سے یہ بات نہ ثابت ہوتی ہے اور نہ یہ ظاہر ہوتی ہے کہ کہنے والا خود ستارے کو ہی بارش برسانے والا سمجھتا ہے۔ اسی لئے اگر یوں کہہ دیا جائے کہ یہ بارش فلاں ستارے کی چال میں ہوئی ہے تو اس میں کراہت نہیں ہے۔

حدیبیہ میں شجرہ رضوان...... مقام حدیبیہ میں جس درخت کے نیچے بیعت رضوان ہوئی اس کو اسی وقت سے شجرہ رضوان کہا جانے لگا۔ حضرت عمرؓ کو اپنی خلافت کے زمانے میں ایک دفعہ معلوم ہوا کہ کچھ لوگوں نے اس درخت کے پاس پہنچ کر نماز پڑھی۔ حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کو ڈانٹا اور اس کے بعد ان کے حکم سے وہ درخت کاٹ دیا گیا کیونکہ اس کی وجہ سے بدعات جاری ہونے کا ڈر تھا۔

اُمّ کلثوم کا مکے سے فرار...... جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ پہنچے تو اُمّ کلثوم بنت عقبہ ابن معیط مکے سے ہجرت کر کے آپؐ

کے پاس پہنچ گئیں۔ یہ مکے میں مسلمان ہو چکی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کی ہجرت سے پہلے بیعت ہو چکی تھیں، آنحضرت ﷺ کی مکے سے ہجرت کے بعد عورتوں میں ہجرت کرنے والی یہ سب سے پہلی خاتون ہیں۔

یہ مکے سے تنہا روانہ ہوئی تھیں اس کے بعد بنی خزاعہ کے ایک شخص کے ساتھ ہو کر مدینے پہنچ گئیں۔ کتاب استیعاب میں ہے کہ لوگ کہتے ہیں وہ مکے سے مدینے کے لئے پیدل روانہ ہوئی تھیں۔ اُمّ کلثوم ان کا لقب تھا (یہ اس لقب سے ہی مشہور ہوئیں) مگر ان کا اصل نام معلوم نہیں۔ یہ حضرت عثمان ابن عفان کی ماں شریک بہن تھیں۔

واپس کئے جانے کا خوف...... جب اُمّ کلثوم مدینے پہنچیں تو اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ کے پاس گئیں اور انہیں بتلایا کہ میں ہجرت کر کے آگئی ہوں (چونکہ قریش سے معاہدہ ہو چکا تھا اس لئے) ان کو ڈر تھا کہ رسول اللہ ﷺ انہیں مکے واپس بھیج دیں گے مگر جب رسول اللہ ﷺ حضرت اُمّ سلمہؓ کے پاس تشریف لائے اور انہوں نے آپؐ کو ان کے متعلق اطلاع دی تو آپ نے امّ کلثوم کو خوش آمدید کہا۔

ادھر مکے سے اُمّ کلثوم کے دونوں بھائی عمارہ اور ولید مدینے آئے تا کہ معاہدہ کے مطابق بہن کو واپس لے کر جائیں۔ انہوں نے آکر آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

"اے محمد ﷺ آپؐ نے ہم سے جو معاہدہ کیا ہے اس کو پورا کیجئے!"

ادھر حضرت اُمّ کلثوم نے (جو پہلے ہی اس بات سے ڈر رہی تھیں) آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

"یارسول اللہ! میں عورت ذات ہوں عورتیں فطری طور پر کمزور ہوتی ہیں۔ اگر آپؐ نے مجھے واپس مکے بھیج دیا تو وہاں لوگ مجھے میرے دین سے پھیر دیں گے اور میرا کہیں ٹھکانہ نہ ہو گا!"

معاہدہ سے عورتوں کا استثناء...... اس پر قرآن پاک کی جو آیات نازل ہوئیں ان کی رو سے عورتوں کو اس معاہدہ کی زد سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا یعنی اگر کوئی عورت مسلمان ہو کر آجائے تو اس کو واپس نہیں کیا جائے گا مگر اس شرط کے ساتھ کہ ان عورتوں کے ایمان کا امتحان لیا جائے اس موقعہ پر جو آیات نازل ہوئیں وہ یہ ہیں:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ط اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ۔ (پ۲۸ سورۂ ممتحنہ ع۲ آیت ۱۰)

ترجمہ: اے ایمان والو جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں دارالحرب سے ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان کر لیا کرو۔ ان کے ایمان کو اللہ ہی خوب جانتا ہے پس اگر ان کو اس امتحان کی رو سے مسلمان سمجھو تو ان کو کفار کی طرف مت واپس کرو۔

عورتوں کے امتحان کی شرط...... (ایمان کے امتحان سے مراد (ظاہری تحقیق ہے کیونکہ جیسا کہ خود آیت پاک میں بھی فرمایا گیا ہے کہ دلوں کا حال تو اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے انسان کے بس کی بات نہیں ہے اس لئے تم ان سے تحقیق کر کے یہ جانچ کر لو کہ آیا مومنہ ہیں بھی یا نہیں۔ اگر وہ ایمان والی ثابت ہوں تو ان کو کفار کے پاس واپس مت کرو)۔

علامہ سہیلی کہتے ہیں امتحان سے مراد یہ ہے کہ عورت سے حلف لیا جائے کہ اس نے کسی نمود کے لئے ہجرت نہیں کی ہے بلکہ اس کی ہجرت صرف اللہ و رسول کے لئے ہے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ کوئی عورت آنحضرت ﷺ کے پاس ہجرت کر کے آتی تو حضرت عمرؓ اس سے حلف لیتے کہ وہ سیر و سیاحت کے لئے گھر سے نہیں نکلی نہ اپنے شوہر سے لڑ کر نکلی ہے۔ نہ دنیا اور مال و دولت کی تلاش میں نکلی ہے نہ کسی مسلمان مرد کی محبت میں یہاں آئی ہے بلکہ قسم ہے خدائے پاک کی کہ وہ صرف اللہ اور

اس کے رسول کی محبت میں گھر بار اور وطن چھوڑ کر آئی ہے۔ جب عورت یہ حلف کر لیتی تو اس کو واپس نہیں کیا جاتا تھا بلکہ اس کا مہر اس کے شوہر کو لوٹا دیا جاتا تھا۔ غرض آنحضرت ﷺ نے اس وحی کے بعد ولید اور عمارہ کو صاف انکار فرما دیا کہ حضرت اُمّ کلثوم ان کے حوالے نہیں کی جائیں گی) یہ دونوں مدینے سے ناکام ہو کر واپس مکے پہنچے اور انہوں نے قریش کو ماجرا سنایا۔ یہ سن کر قریش اس بات پر راضی ہو گئے کہ عورتوں کو روکا جا سکتا ہے۔

حضرت اُمّ کلثوم جب مکے سے مدینے آئیں تو ان کا کوئی نہ تھا وہ بغیر شوہر کے تھیں۔ ان کے مدینے آنے کے بعد حضرت زیدؓ ابن حارثہ نے ان سے شادی کر لی۔ یعنی مکے میں وہ اپنے شوہر کو چھوڑ کر نہیں آئی تھیں بلکہ اس وقت ان کے شوہر ہی نہ تھا)۔

حدیبیہ میں مجبور عورتیں نبی ﷺ کے حضور میں...... ایک روایت میں یوں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ کے مقام پر ہی تھے کہ مسلمان عورتوں کی ایک جماعت آپؐ کے پاس آئی۔ یہ عورتیں ہجرت کر کے مکے سے آئی تھیں ان عورتوں میں سبیعہ بنت حرث بھی تھیں اس وقت سبیعہ کا شوہر بھی آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا اس کا نام معافر مخزومی تھا۔ اس نے آکر آنحضرت ﷺ سے اپنی بیوی کا مطالبہ کیا۔ مکے کے مشرکوں نے چاہا تھا کہ ان سب عورتوں کو واپس مکے لے جائیں۔ اسی وقت جبرئیل علیہ السلام یہ آیات قرآنی لے کر نازل ہوئے جو اوپر ذکر ہوئیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے سبیعہ سے حلف طلب کیا جس پر انہوں نے حلف اٹھایا۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس کے شوہر معافر کو اتنا مال ادا فرمایا جتنا اس نے بیوی پر خرچ کیا تھا اور اس کے بعد حضرت عمرؓ نے سبیعہ سے شادی کر لی۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت حدیبیہ میں نازل ہوئی تھی جیسا کہ گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوا تھا کہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی تھی۔ اس اختلاف کے سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ شاید یہ آیت دو مرتبہ نازل ہوئی اور ایسا مان لینے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

شوہروں کو خرچہ کی ادائیگی...... اب اس معاہدہ کی مدت کا جو زمانہ ہے اس میں عورتوں سے حلف لیا جاتا تھا لیکن اس کے بعد فتح مکہ کے وقت جب کہ معاہدہ کی مدّت ختم ہو چکی تھی یہ آیت منسوخ ہو گئی لہٰذا اس وقت جو عورت مکے سے مدینے آتی تھی اس سے کوئی حلف نہیں لیا جاتا تھا اور نہ اس عورت کے مہر اور اس کے کئے گئے خرچہ کی رقم اس کے شوہر کو واپس ادا کی جاتی تھی چنانچہ اسی لئے ہمارے شافعی فقہاء کا قول ہے کہ اگر معاہدہ میں مسلمان عورت کو واپس کرنے کی شرط رکھی گئی ہے تو وہ معاہدہ فاسد ہو گا جیسا کہ بیان ہوا۔ اسی طرح اگر کوئی عورت مسلمان کی حیثیت سے (مشرکوں میں سے نکل کر مسلمانوں میں) آجائے تو اس عورت کا مہر شوہر کو واپس کرنا ضروری نہیں ہے۔ اب جہاں تک حق تعالیٰ کے اس ارشاد کا تعلق ہے:

وَاٰتُوْهُمْ مَا اَنْفَقُوْ (الایہ پ۲۸ سورۂ ممتحنہ ع۲ آیت ۱۰)

ترجمہ: اور ان کافروں نے جو کچھ خرچ کیا ہو وہ ان کو ادا کر دو۔

یعنی مہر وغیرہ کی جو رقم خرچ کی ہو وہ ان کو واپس کر دو۔ تو حق تعالیٰ کا یہ ارشاد استحباب اور فضیلت کے درجہ میں ہے۔

کافر بیویوں کو علیحدہ کرنے کا حکم...... پھر حق تعالیٰ نے یہ آیت بھی نازل فرمائی:

وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَاسْئَلُوْا مَآاَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا مَا اَنْفَقُوْا ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔ (الایہ پ۲۸ ع۲ سورۂ ممتحنہ)

ترجمہ: اور اے مسلمانو! تم کافر عورتوں کے تعلقات کو باقی مت رکھو اس صورت میں جو کچھ تم نے خرچ کیا ہو ان کافروں سے مانگ لو

اور جو کچھ ان کافروں نے خرچ کیا ہو وہ تم سے مانگ لیں۔ یہ اللہ کا حکم ہے اس کا اتباع کرو وہ تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اللہ بڑا علم اور حکمت والا ہے۔

یعنی حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس بات سے منع کیا کہ وہ مشرک عورتوں کو اپنے نکاح میں باقی رکھیں۔ لہٰذا صحابہ نے ان تمام مشرک عورتوں کو طلاق دے دی جو ان کے نکاحوں میں تھیں یہاں تک کہ حضرت عمر فاروقؓ کے نکاح میں دو مشرک عورتیں تھیں انہوں نے ان دونوں کو اسی دن طلاق دے دی۔ پھر ان میں سے ایک کے ساتھ تو معاویہ ابن ابوسفیان نے شادی کرلی اور دوسری کے ساتھ صفوان ابن امیہ نے کرلی۔

غرض اس طرح اس معاہدہ کی مدّت میں رسول اللہ ﷺ ان مسلمان مردوں کو تو واپس فرمادیتے تھے جو مکے سے پناہ کیلئے مدینے آتے تھے لیکن آنے والی عورتوں کو واپس نہیں فرماتے تھے مگر پہلے ان کا امتحان لیا جاتا تھا (جسکی تفصیل بیان ہو چکی ہے)۔

ابو بصیر کا مکے سے فرار اور نبیؐ کے پاس آمد...... اسی زمانے میں جب کہ رسول اللہ ﷺ مدینے میں قیام فرما تھے ایک روز آپؐ کے پاس مکے سے فرار ہو کر ابو بصیر آئے۔ یہ بھی ان لوگوں میں سے تھے جو مسلمان ہو چکے تھے مگر مکے میں مشرکوں نے ان کو بند کر رکھا تھا (مکے میں قید ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مشرکوں نے ان کے لئے وہاں سے فرار کے راستے بند کر دیئے تھے اور یہ لوگ وہاں کفار کے ہاتھوں مصیبتیں اٹھاتے تھے)۔

واپسی کے لئے قریشی قاصد...... ان کی واپسی کے لئے آپ ﷺ کو ازہر ابن عوف اور اخنس ابن شریق نے خط بھیجے۔ یہ دونوں بھی بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ ان میں ازہر ابن عوف بھی تھے جو آزاد شدہ لوگوں میں سے تھے اور یہ عبدالرحمٰن ابن عوف کے چچا تھے۔

ان دونوں نے بنی عامر کے ایک شخص کو یہ خط دے کر آپؐ کے پاس بھیجا اس شخص کا نام خنیس تھا۔ خنیس کے ساتھ ایک غلام بھی راہبر کے طور پر ساتھ آیا تھا۔ یہ دونوں وہ خط لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپؐ کو پیش کیا۔ حضرت ابی نے وہ خط آنحضرت ﷺ کو پڑھ کر سنایا۔ اس خط کا مضمون یہ تھا:

"آپؐ کو معلوم ہے کہ ہم لوگوں نے آپؐ سے اس شرط پر معاہدہ کیا تھا کہ ہمارے ساتھیوں میں سے جو شخص آپؐ کے پاس آئے گا آپؐ اسے ہمارے حوالے کرنے کے پابند ہوں گے لہٰذا اس وقت ہمارا جو آدمی اس طرح آپؐ کے پاس بھاگ آیا ہے اس کو واپس بھیج دیجئے!"

ابو بصیر کو واپسی کا حکم...... خط سن کر آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو بصیر سے فرمایا:

"ہم نے ان لوگوں یعنی مشرکین مکہ کو جو وعدہ دیا ہے وہ تمہیں معلوم ہے ہمارے لئے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ اپنے دین کے معاملات میں ہم غداری اور دھوکہ دہی کریں اللہ تعالیٰ تمہارے اور تم جیسے دوسرے کمزور مسلمانوں کے لئے سہولت اور کشادگی پیدا فرمانے والا ہے اس لئے تم اپنی قوم کے پاس واپس جاؤ"۔

ابو بصیرؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے ان مشرکوں میں واپس بھیجنا چاہتے ہیں جو مجھے میرے دین سے پھیرنے کی کوشش میں ہیں! آپؐ نے فرمایا۔ ابو بصیر جاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے اور تم جیسے دوسرے مسلمانوں کے لئے آسانی اور کشادگی پیدا فرمائے گا۔ لہٰذا تم ان دونوں کے ساتھ واپس جاؤ"۔

ابو بصیر کے ہاتھوں قاصد کا قتل...... ادھر سب مسلمانوں نے ابو بصیر سے یہ کہنا شروع کیا کہ (گھبرانے کی بات نہیں تم

اکیلے ضرور ہو مگر ایک آدمی کبھی کبھی ایک ایک ہزار آدمیوں سے بہتر ہوتا ہے۔اس طرح وہ ابوبصیر کو ان دونوں ساتھیوں کے خلاف ابھارنے لگے۔ آخر ابوبصیر ان دونوں کے ساتھ واپس مکے کے لئے روانہ ہوگئے۔یہاں تک کہ جب وہ ذی الحلیفہ کے مقام پر پہنچے تو ابوبصیر (سُستانے کے لئے) ایک دیوار کے سائے میں بیٹھ گئے ان کے ساتھ ان کے دونوں ساتھی بھی تھے جو انہیں لئے جارہے تھے اس وقت ابوبصیر نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک سے جس کے پاس تلوار تھی کہا:

"اے برادر بنی عامر! یہ تمہاری تلوار بہت عمدہ معلوم ہوتی ہے!"

اس شخص نے (اپنی تلوار کی تعریف کرتے ہوئے) کہا۔

"ہاں بہت عمدہ ہے۔تم دیکھنا چاہو تو دیکھ سکتے ہو!"

ابوبصیر نے تلوار لے کر فوراً نیام سے کھینچی اور اس شخص پر بلند کر کے اسے قتل کر دیا۔ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ خود اس شخص نے ہی تلوار نیام سے نکال کر لہرائی اور کہا تھا کہ ایک دن میں صبح سے شام تک اس تلوار سے اوس وخزرج کے لوگوں کو ماروں گا۔ابوبصیر نے کہا بہت عمدہ تلوار ہے۔اس نے کہا ہاں انہوں نے کہا لاؤ ذرا دیکھوں۔اس نے تلوار دے دی۔انہوں نے فوراً ہی اس کو قتل کر کے ٹھنڈا کر دیا۔

ایک قول ہے کہ (ابوبصیر کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اس لئے انہوں نے تلوار اپنے منہ میں اٹھالی تلوار کا مالک پڑا سو رہا تھا۔انہوں نے تلوار سے اپنی رسیاں کاٹیں اور اس کے بعد (جب ہاتھ آزاد ہوگئے تو) اس تلوار سے اس شخص کو قتل کر ڈالا۔

ابوبصیر کا معاملہ نبیؐ کے روبرو...... اس کو قتل کرنے کے بعد وہ خنیس کے غلام کی طرف بڑھے مگر وہ بھاگ کھڑا ہوا اور سیدھا مدینے آکر آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا۔ آنحضرت ﷺ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے اس شخص کو اس حال میں دیکھا کہ اس کے پاؤں گرد وغبار میں اٹے ہوئے تھے۔ایک قول ہے کہ اس کے بھاگنے کی وجہ سے اس کے پیروں کے نیچے کنکریاں اڑ رہی تھیں۔ابوبصیر اس کے تعاقب میں بھاگتے آرہے تھے اور وہ شخص انتہائی بوکھلایا ہوا تھا۔ آپؐ نے اسے اس حال میں دیکھ کر فرمایا:

"یہ شخص بہت زیادہ خوفزدہ معلوم ہوتا ہے۔ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ یہ شخص بہت زیادہ گھبرایا ہوا ہے"۔ آخر جب وہ مسجد میں داخل ہو کر آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ گیا تو آپؐ نے اس سے پوچھا کہ تجھے کس مصیبت نے مارا؟ اس نے کہا:

"آپؐ کے ساتھی نے میرے ساتھی کو قتل کر دیا اور میں جان بچا کر بڑی مشکل سے بھاگ آیا ہوں ورنہ میں بھی قتل ہوگیا ہوتا۔ پھر اس نے آپؐ سے امان کی فریاد کی آپؐ نے اسے امان دیدی۔اسی وقت ابوبصیر پہنچے جو اس عامری شخص کے اونٹ پر سوار تھے انہوں نے مسجد کے دروازے پر اونٹ بٹھایا اور پھر ننگی تلوار لئے ہوئے مسجد میں آئے اور جھپٹ کر آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے:

"یارسول اللہ! آپؐ اپنی ذمہ داری فرما چکے (ادا) اللہ نے آپؐ کو ذمہ داری سے سبکدوش فرما دیا کیونکہ آپؐ تو مجھے دشمن کے حوالے فرما چکے تھے مگر میں نے اپنے دین کو بچا لیا تاکہ نہ کوئی شخص دین کے معاملے میں مجھے ورغلا سکے اور نہ میرے دین سے مجھے پھیر سکے!"

ابوبصیر کو آزادی...... آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر ان سے فرمایا کہ بس تو جہاں تمہارا جی چاہے جاؤ اس پر ابوبصیر نے کہا کہ یارسول اللہ! یہ اس عامری کا مال غنیمت ہے (یعنی تلوار اور اونٹنی وغیرہ) لہٰذا اس کا پانچواں حصہ نکال لیجئے مگر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اگر میں نے اس مال کا پانچواں حصہ نکالا تو وہ لوگ یعنی مشرکین یہ سمجھیں گے کہ میں نے ان سے جس شرط پر معاہدہ کیا تھا اسے پورا نہیں کیا اس لئے اس کا مال غنیمت تم ہی رکھو"۔

غرض اب آنحضرت ﷺ سے اجازت ملنے کے بعد ابو بصیر مدینے سے نکل کر شام کے راستے میں ایک ایسی جگہ جا کر رہ پڑے جہاں سے قریش کے تجارتی قافلے ملک شام کو جاتے تھے۔ (یہ جگہ راستے پر تھی اور یہاں کوئی بستی اور آبادی نہیں تھی)۔

قریش کا تجارتی راستہ ابو بصیر کی کمیں گاہ...... ابو بصیر کے اس واقعہ اور ان کے اسی راستے پر جا کر بس جانے کی جلد ہی شہرت ہو گئی) مکے میں جو دوسرے ایسے مجبور دبے کس مسلمان تھے جب ان کو ابو بصیر کا یہ واقعہ معلوم ہوا تو وہ لوگ بھی مکے سے فرار ہو کر ابو بصیر کے پاس جمع ہونے لگے۔ ادھر آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا کہ یہ جنگ کو بھڑکانے کی بات ہے۔ ابو جندل بھی مکے سے بھاگ کر ابو بصیر کے پاس ہی آگئے (یہ ابو جندل وہی ہیں جو حدیبیہ میں معاہدہ کے بعد آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تھے اور آپ نے ان کو واپس فرما دیا تھا)۔

ابو بصیر کے گرد بیکس مسلمانوں کا اجتماع...... اب یہ ابو بصیر کے ٹھکانے پر پہنچ گئے۔ یہ مکے سے ستّر گھوڑے سواروں کے ساتھ نکلے یہ سب سوار مسلمان ہو گئے تھے۔ اور اب ابو بصیر کے پاس پہنچ گئے ان لوگوں نے اس بات کو پسند نہیں کیا کہ اس معاہدہ کی مدت میں آنحضرت ﷺ کے پاس جائیں کیونکہ آپ یقیناً واپس کر دیں گے۔

قریشی قافلے ابو بصیر کی زد میں...... آخر رفتہ رفتہ دوسرے قبیلوں یعنی بنی غفار، بنی اسلم، بنی جہینہ اور عربوں کی دوسری جماعتیں جو مسلمان ہو چکی تھیں ابو بصیر کے گرد جمع ہونے لگیں اور ان کی تعداد تین سو تک پہنچ گئی، سب کے سب لڑنے والے جانباز لوگ تھے۔ اب ان لوگوں نے قریش کے تجارتی قافلوں پر حملے شروع کر دیئے اور جو شخص بھی ان کے ہاتھ لگ جاتا اسے قتل کر ڈالتے اور جو تجارتی قافلہ دیکھتے اس کو لوٹ لیتے (چونکہ ملک شام کا راستہ یہی تھا اس لئے قریش کے تجارتی قافلے یہیں سے گزرتے تھے)۔

قریش کی فریاد اور شرط کی منسوخی...... آخر قریش نے آنحضرت ﷺ کے پاس مراسلہ بھیجا کہ ہمارے وہ عزیز قریب جو مسلمان ہو کر آپ کے پاس پہنچے ہیں ہمیں ان کی ضرورت نہیں ہے آپ ان لوگوں کو اپنے ہی پاس ٹھکانہ دے دیں۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ قریش نے ابو سفیان کو آنحضرت ﷺ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ رشتہ داری کا واسطہ دے کر ہم اس شرط کو ختم کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔ اب ان لوگوں میں سے جو بھی آپ کے پاس آئے اس کو اپنے ہی پاس رکھیں اور کوئی تامل نہ فرمائیں ہمیں ان لوگوں کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ ایک حدیث میں یہ لفظ ہیں کہ ان لوگوں میں سے جو بھی آپ کے پاس پہنچے وہ مامون ہے ہم اس شرط کو ختم کرتے ہیں کیونکہ ان لوگوں نے ہمارے خلاف جو دروازہ کھول دیا ہے اس کا باقی رہنا بہت غلط ہے۔

ابو بصیر کو مدینہ آنے کی اجازت...... قریش کے اس مراسلہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے ابو جندل اور ابو بصیر کو لکھ بھیجا کہ دونوں آپ کے پاس آجائیں اور ان کے ساتھ جو دوسرے لوگ ہیں وہ اپنے وطن اور گھروں کو چلے جائیں۔ نیز یہ کہ قریش کے جو لوگ بھی ان کے پاس سے گزریں اب ان سے کوئی شخص الجھنے کی کوشش نہ کرے نہ ہی ان کے قافلوں پر ہاتھ ڈالے۔

نامہ مبارک اور ابو بصیر کی وفات...... آنحضرت ﷺ کا نامہ مبارک جس وقت ابو جندل اور ابو بصیر کے پاس پہنچا اس وقت ابو بصیر زندگی کے آخری سانس پورے کر رہے تھے اسی وقت اس حال میں ان کا انتقال ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ کا نامہ

مبارک ان کے ہاتھ میں تھا جسے وہ پڑھ رہے تھے۔ ابو جندل نے ان کو اسی جگہ دفن کر دیا اور ان کی قبر کے پاس ایک مسجد بنادی۔
اس کے بعد ابو جندل اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آگئے باقی لوگ اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اور اس طرح قریش کے تجارتی قافلوں کو اس مصیبت سے نجات ملی (جو خود ان ہی کی پیدا کی ہوئی تھی)۔

صحابہ کو فتح کا احساس...... اس وقت ان صحابہ کو بھی احساس ہوا جن کو حدیبیہ میں ابو جندل کا ان کے باپ کے حوالے کیا جانا بہت شاق گزرا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ان باتوں سے کہیں زیادہ بہتر ہے جو وہ خود چاہتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کی رائے ان کی رائے سے کہیں افضل ہے۔ اس وقت انہیں یہ بھی اندازہ ہوا کہ یہ مصالحت جو آنحضرت ﷺ نے فرمائی تھی بہت ہی زیادہ مناسب اور ضروری تھی کیونکہ اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی تعداد بڑی تیزی کے ساتھ بڑھنی شروع ہو گئی اس لئے کہ جب مشرکوں کے سر سے اس صلح نامے کے بعد جنگ کا خطرہ ٹل گیا تو وہ مسلمانوں کے ساتھ کھلنے ملنے لگے اور اس طرح ان کے ذہنوں پر اسلام کا اثر ہونے لگا اور وہ بڑی تعداد میں مسلمان ہو گئے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ لوگ جو فتح مکہ کے دو برسوں میں مسلمان ہوئے ان کی تعداد ان تمام لوگوں سے زائد ہے جو اس سے پہلے مسلمان ہوئے تھے۔

ذہنوں کی تسخیر اور دلوں کا انقلاب

قال۔ ایک صحابی مراد ہیں حضرت ابو بکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ اسلام میں فتح حدیبیہ سے بڑی کوئی فتح نہیں ہے مگر لوگ ان حقیقتوں کو نہیں دیکھ رہے تھے جو آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے پروردگار کے درمیان نمایاں تھیں۔ انسان کے مزاج میں جلدی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی جلدی کی وجہ سے اپنے کاموں میں جلدی نہیں فرماتا بلکہ اس کے کام اس وقت ظاہر ہوتے ہیں جب وہ چاہتا ہے۔

میں نے سہیل ابن عمرو کو حجۃ الوداع کے موقعہ پر ان کے مسلمان ہونے کے بعد اس جگہ پر کھڑے دیکھا جہاں قربانیاں کی جاتی ہیں وہ آنحضرت ﷺ کو قربانی کے جانور پیش کر رہے تھے اور آنحضرت ﷺ اپنے دست مبارک سے ان کو ذبح فرما رہے تھے۔ اس کے بعد سہیل نے آنحضرت ﷺ کا سر منڈانے کے لئے حجام کو بلایا۔ اس وقت میں سہیل کو دیکھ رہا تھا کہ آنحضرت ﷺ کا جو بال بھی گرتا تھا وہ اسے اٹھا کر اپنی آنکھوں سے لگاتے تھے۔ اس وقت مجھے صلح حدیبیہ کے وقت ان ہی سہیل ابن عمرو کی وہ روش اور انداز یاد آرہا تھا کہ جب معاہدہ کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا گیا تھا تو اسے انہوں نے کٹوا دیا اور جب محمد ﷺ اللہ لکھا گیا تو انہوں نے اس پر اعتراض کر کے اسے کٹوا دیا تھا۔ میں نے یہ واقعات یاد کر کے اس ذات پاک کا شکریہ ادا کیا جس نے انہیں اسلام کی توفیق عطا فرمائی۔

کعب کے سر میں جوئیں...... حضرت کعب ابن عجرہ سے روایت ہے کہ حدیبیہ کے موقعہ پر ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور احرام باندھے ہوئے تھے مشرکوں نے ہمیں مکے میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔ میرے پاس ایک پوستین تھی (ہمیں یہاں قیام کئے اور پانی کی کمی کی وجہ سے نہائے دھوئے اتنے دن ہو گئے تھے کہ میرے سر میں جوئیں ہو گئیں جو میرے چہرے پر گرتی رہتی تھیں۔ اس دوران میں رسول اللہ ﷺ کا گزر میرے پاس سے ہوا۔ ایک روایت میں ہے کہ۔ میں رسول اللہ ﷺ کے قریب گیا اور اس وقت جوئیں میرے سر سے چہرے پر ٹپک رہی تھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ۔ میں آپؐ کے پاس آیا آپؐ نے فرمایا میرے قریب آؤ۔ میں آپؐ کے قریب ہو گیا آپ نے پھر یہی بات دو مرتبہ یا تین مرتبہ فرمائی۔

ایک جگہ یوں ہے کہ۔ حدیبیہ کے زمانے میں ایک دن رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اس وقت میں ایک بھگونے کے نیچے یا ایک دیگچی کے نیچے آگ جلا رہا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تو گویا تم کو سر کی جوئیں پریشان کر رہی ہیں۔ انہوں نے یعنی کعب نے کہا بے شک۔ آپؐ نے فرمایا تم سر منڈا کر ہدی کے جانور کا صدقہ کر دو۔ انہوں نے کہا مجھے ہدی کا کوئی جانور میسر نہیں آیا۔ آپؐ نے فرمایا تو پھر تم تین دن روزے رکھ لو۔

ایک روایت کے مطابق آپؐ نے ان سے پوچھا کہ کیا تمہیں سر کی جوئیں پریشان کر رہی ہیں۔ یا یوں فرمایا کہ شاید تمہیں سر کی جوئیں پریشان کر رہی ہیں۔ میں نے عرض کیا بے شک یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا میں نہیں جانتا تھا کہ تم پر اس قدر مشقت پڑے گی۔ اس کے بعد آپؐ نے مجھے سر منڈانے کا حکم دیا۔

قبل از وقت سر منڈانے کا فدیہ...... ایک روایت میں ہے کہ۔ میرے سر میں ایک دفعہ جوئیں ہو گئیں اس وقت میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا اور معائدۂ حدیبیہ کا موقعہ تھا جوئیں اتنی زیادہ تھیں کہ مجھے اپنی بینائی کی طرف سے اندیشہ ہو گیا

اس وقت حق تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر یہ آیات نازل فرمائیں:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْبِهٖ أَذًى مِّنْ رَأْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ۔ (الآیہ پ ۲ سورہ بقرۃ ۲۴ آیت ۱۹۶)

البتہ اگر کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اسکے سر میں کچھ تکلیف ہو (جس سے پہلے ہی سر منڈانے کی ضرورت پڑ جائے) تو وہ سر منڈا کر فدیہ یعنی اسکا شرعی بدلہ دیدے تین روزے سے یا چھ مسکین کو خیرات دے دینے سے یا ایک بکری ذبح کر دینے سے۔

اس پر آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

"یا تو تین روزے رکھ لو۔ یا ایک فرق کشمش چھ مسکینوں میں تقسیم کر دو۔ ایک فرق تین صاع (ایک صاع اسّی تولے کے سیر سے ساڑھے تین سیر کے برابر ہوتا ہے لہٰذا ایک فرق ساڑھے دس سیر کے برابر ہوا) کے برابر ہوتا ہے۔ ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ۔ ایک فرق کھجوریں اس طرح تقسیم کر دو کہ ہر مسکین کے حصہ میں آدھا آدھا صاع کھجور آئے۔ یا ذبیحہ یعنی قربانی کر دو جو بھی سہولت سے کر سکو۔ ایک روایت میں یہ لفظ بھی ہیں کہ۔ ان میں سے جو کچھ بھی تم کر سکو وہ تمہارے اس عمل (یعنی قابل از وقت بال منڈانے کا بدلہ ہو جائے گا!"

چنانچہ میں نے بال منڈوائے اور قربانی کر دی۔ شیخین کی روایت میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد اس طرح ہے کہ۔ یا تو ایک بکری ذبح کر دو۔ یا تین دن روزے رکھ لو اور یا ایک فرق کھانا چھ مسکینوں پر تقسیم کر دو۔

علامہ ابن عبد البرؒ کہتے ہیں کہ حضرت کعب ابن عجرہ کی اس سلسلے میں جو روایات ہیں ان میں عام طور پر ایسے الفاظ ہیں جن سے (فدیہ کی ان تینوں شکلوں میں) اختیار ظاہر ہوتا ہے خود قرآن پاک کے الفاظ بھی یہی ہیں اور تمام شہروں میں اسی پر علماء کا عمل اور فتویٰ ہے۔ اب ان تینوں شکلوں کی جو ترتیبی صورت ہے جو بعض احادیث سے بھی ثابت ہے تو وہ اگر درست ہے تو اسکا مطلب یہ ہیکہ پہلی ترجیح اس شکل کو ہے جو پہلے بیان ہوئی۔ دوسری ترجیح اسکے بعد والی کو اور تیسری اسکے بعد والی شکل کو ہوگی۔

کتاب سفر السعادت میں علامہ زمخشری نے لکھا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جوؤں کا علاج کرنے کے لئے سر منڈانے کا حکم دیا تاکہ سر کے مسامات کھل جائیں اور ان کے ذریعہ بخارات اور وہ گرمی خارج ہو جائے اس سے وہ فاسد مادّہ کمزور ہو گا جو جوؤں کو جنم دیتا ہے۔

غزوۂ خیبر

لفظ خیبر...... یہ لفظ خیبر خ پر زبر کے ساتھ جعفر کے وزن پر ہے (خیبر ایک مقام اور قلعہ کا نام ہے) قوم عمالیق میں ایک شخص تھا جس کا نام خیبر تھا۔ وہ شخص اس جگہ آیا تھا اور یہیں آباد ہو گیا تھا۔ یہ خیبر اس شخص کا بھائی تھا جس کا نام یثرب تھا اور جس کے نام پر مدینہ کو یثرب کہا گیا تھا۔ جیسا کہ بیان ہوا ہے۔

بعض مؤرخین نے یوں لکھا ہے کہ یہودیوں کی زبان میں لفظ خیبر کے معنی حویلی کے ہیں چنانچہ اس بستی کو خیابر کہا جاتا تھا کیونکہ اس میں حویلیاں اور گڑھیاں بہت زیادہ تھیں (عربی میں گڑھی کے لئے حصن کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہم نے حویلی کے کئے ہیں جسے ایک طرح کا چھوٹا قلعہ کہنا چاہئے)۔

خیبر شہر...... خیبر ایک بڑا شہر تھا جس میں بڑی بڑی حویلیاں 'کھیت اور بے شمار باغات تھے۔ اس شہر اور مدینہ شریف کے درمیان آٹھ برید کا فاصلہ تھا جیسا کہ علامہ دمیاطی نے اپنی سیرت کی کتاب میں لکھا ہے۔ یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ ایک برید چار فرسخ کا ہوتا ہے اور ہر فرسخ تین میل کا ہوتا ہے (لہٰذا مدینہ منورہ اور خیبر کا درمیانی فاصلہ کل چھیانوے میل کا ہوا)۔

رسول اللہ ﷺ حدیبیہ سے واپس تشریف لانے کے بعد ایک مہینہ یا کچھ کم مدت مدینہ میں ٹھہرے یعنی ذی الحجہ کے مہینہ میں جب کہ ۶ھ ختم ہو رہا تھا اور محرم کے کچھ دن بعد جب کہ ۷ھ شروع ہوا تھا۔ ایک قول ہے کہ محرم ۷ھ کے بیس دن یا تقریباً بیس دن مدینے میں گزرے۔

تاریخ غزوۂ خیبر...... اس کے بعد آپ خیبر کو روانہ ہو گئے۔ جمہور علماء کا قول یہی ہے مگر امام مالکؒ سے جو قول نقل کیا جاتا ہے اس کے مطابق غزوۂ خیبر ۶ھ میں پیش آیا تھا۔ امام ابن حزم نے اسی قوم کو اختیار کیا ہے۔ مگر شیخ ابو حامد کی کتاب تعلیقہ میں ہے کہ غزوۂ خیبر ۵ھ میں پیش آیا تھا مگر حافظ ابن حجر نے اس قول کو وہم قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ شاید غزوۂ خندق کے بجائے غلطی سے غزوۂ خیبر لکھ گئے۔

حدیبیہ کے غیر حاضرین...... (قال) رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو غزوۂ خیبر میں ساتھ چلنے کا حکم فرمایا جو حدیبیہ میں شریک تھے۔ اس وقت آپؐ کے پاس وہ لوگ بھی غزوۂ خیبر میں ساتھ چلنے کے لئے آئے جو حدیبیہ کے موقعہ پر ساتھ چلنے سے کترا گئے تھے اس وقت ان کی آمادگی اس لئے تھی کہ غزوۂ خیبر میں جو مال غنیمت ہاتھ آئے گا اس میں حصہ دار ہو جائیں گے (جب کہ حدیبیہ کے سفر کے وقت اس طرح کی کوئی امید نہیں تھی کیونکہ وہ سفر عمرہ کی نیت سے تھا آنحضرت ﷺ ان کی نیت سے جان گئے تھے) آپ نے فرمایا:

"میرے ساتھ چلنا ہو تو صرف جہاد کے ارادے سے چلو۔ جہاں تک مال غنیمت کا تعلق ہے تو اس میں سے تمہیں کچھ نہیں ملے گا!"

حضرت انسؓ بطور خادم...... اس کے بعد آپؐ نے اس بات کا اعلان بھی کرا دیا۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو طلحہؓ سے جو حضرت انسؓ کے سوتیلے باپ تھے جیسا کہ بیان ہوا اور جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس غزوہ میں جانے کا ارادہ کر رہے تھے فرمایا:

"اپنے لڑکوں میں سے کسی کو میری خدمت کے لئے تلاش کر لاؤ!"

انس کہتے ہیں کہ ابو طلحہ غلام کی تلاش میں نکلے اس وقت میں لڑکپن کی عمر میں تھا اور قریب البلوغ تھا اور سفر کے دوران آنحضرت ﷺ جہاں بھی قیام فرماتے تو میں آپؐ کی خدمت میں رہتا۔

خیبر کو کوچ اور مدینہ میں قائمقامی...... غرض غزوۂ خیبر کو روانگی کے وقت آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں حضرت نمیلہ کو۔ اور ایک قول کے مطابق۔ حضرت سباع ابن عرفطہ کو اپنا قائم مقام بنایا۔ اس سلسلے میں علماء نے حضرت سباع ابن عرفطہ کے نام کو ہی درست قرار دیا ہے۔

مال غنیمت کا آسمانی وعدہ...... آنحضرت ﷺ جب حدیبیہ سے واپس مدینے تشریف لا رہے تھے تو راستے میں آپؐ پر سورۂ فتح نازل ہوئی تھی۔ اسی سورت میں حق تعالیٰ نے آپؐ سے بہت سے مال غنیمت کا وعدہ فرمایا تھا (کہ عنقریب مسلمانوں کو بہت سا مال غنیمت حاصل ہوگا) سورۂ فتح کی وہ آیت یہ ہے:

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَأْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ۔

(لآیہ پ ۲۶ سورۂ فتح ع ۳ آیت ۲۰)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تم سے اور بھی بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کو تم لوگے۔ سو سر دست تم کو یہ دے دی ہے اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے۔

(حضرت تھانویؒ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں۔ "یعنی سب کے دل میں رعب پیدا کر دیا کہ ان کو زیادہ اور درازدستی کی ہمت نہ ہوئی اور اس سے تمہارا دنیوی نفع بھی مقصود تھا تاکہ آرام ہو۔ "یعنی مشرکوں کے دلوں میں تمہارا رعب پیدا کر دیا تاکہ تمہیں آرام رہے)۔

عامر ابن اکوع کی حدی خوانی...... تو یہاں جن غنیمتوں کی طرف اشارہ ہے وہ خیبر کی غنیمت ہے اس غزوۂ میں آنحضرت ﷺ کی ازواج میں حضرت اُمّ سلمہؓ آپ کے ساتھ تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے سفر کے دوران حضرت سلمہ ابن اکوع کے چچا عامر ابن اکوع سے فرمایا:

"یہاں اتر جاؤ اور ہمیں اپنے رجزیہ یعنی جنگوں سے متعلق شعر سناؤ۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ یہاں اتر جاؤ اور قافلہ کو اپنے اشعار سے گرماؤ!"

حضرت عامر ابن اکوع نے عرض کیا:

"یارسول اللہ۔ ! میرے شعر ؟؟"

اس وقت حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ آپؐ کا حکم ہے اس کی اطاعت کرو۔ چنانچہ حضرت عامر اونٹنی سے اترے اور انہوں نے یہ رجزیہ شعر پڑھے۔

واللہ لولا اللہ ما اھتدینا
ولا تصدقنا ولا صلّینا

ترجمہ: خدا کی قسم اگر حق تعالیٰ کا حکم نہ ہوتا تو نہ تو ہمیں ہدایت حاصل ہوتی، نہ ہم صدقات و خیرات کر سکتے اور نہ نمازیں پڑھنے کی سعادت حاصل کر پاتے۔

تشریح: یہاں علامہ حلبیؒ نے حضرت عامر ابن اکوعؓ کا صرف یہی ایک شعر نقل کیا ہے جو ذکر ہوا۔ راقم حروف مترجم نے باقی دو شعر سیرت ابن ہشام سے لئے ہیں جو درج ذیل ہیں چونکہ یہ شعر حضرت عامر نے خود آنحضرت ﷺ کی خواہش پر پڑھے ہیں اس لئے ان کا ذکر مناسب معلوم ہوا۔ جو شعر گذشتہ سطروں میں بیان ہوا اس کے بعد یہ دو شعر ہیں۔

اِنَّا اِذَا قَوْمٌ بَغَوْا عَلَيْنَا
وَاِنْ اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَيْنَا

ترجمہ: ہم وہ لوگ ہیں کہ جب کوئی دشمن ہمارے خلاف آمادہ پیکار ہوتا ہے اور ہم میں کوئی فتنہ پیدا کرنا چاہتا ہے تو ہم اسے کامیاب نہیں ہونے دیتے۔

فَاَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا
وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَا قَيْنَا

ترجمہ: اے اللہ تو ہمیں وقار اور پختگی کی دولت سے نواز دے اور جب دشمن سے ہماری مڈبھیڑ ہو تو ہمیں ثابت قدمی اور استقلال عطا فرما۔

اس روایت میں آنحضرت ﷺ نے حضرت عامر کو شعر پڑھنے کا جو حکم دیا ہے اس میں آپ کے الفاظ یہ ہیں اِنْزِلْ فَحَدِثْنَا مِنْ هَنَاتَكَ۔ یعنی نیچے اترو اور اپنے ہنات میں سے کچھ ہمیں سناؤ۔ لفظ ہنات کا ترجمہ خود علامہ حلبی نے اشعار اور رجزیہ کلام سے کیا ہے۔ راقم الحروف نے اس ذیل میں سیرت ابن ہشام کا مطالعہ کیا جو جدید تحقیقات اور تشریحات کے ساتھ مصر سے شائع ہوئی ہے اس کے شارحین۔ ایڈٹ کرنے والوں نے لفظ ہنات کی جو تشریح کی ہے اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے:

هَنَاتُكَ۔ یعنی اپنی خبریں اور اپنے اشعار۔ یہ لفظ ہنات لفظ هنة کی جمع ہے لفظ هنة بول کر ہر اس بات یا چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جس کا کوئی نام نہ ہو یا اس کا نام ہو مگر نام کے بجائے اس کی طرف اشارہ اور کنایہ کیا جاتا ہو۔ آنحضرت ﷺ کا منشا یہ تھا کہ ان اشعار کو حدی کے طور پر پڑھا جائے اور اونٹ حدی یعنی رجزیہ اشعار کے ذریعہ مست ہو کر چلنے لگتا ہے اور حداء یعنی حدی خوانی صرف اشعار یا رجزیہ کلمات کے ذریعہ ہی ہوتی ہے۔ تشریح ختم۔ سیرت ابن ہشام جلد ۲ قسم ثانی، طبع ثانی ۱۹۵۵ء ر ۱۳۷۵ھ مطبوعہ مصطفٰی البابی حلبی واولادہ بمصر۔ مرتبؔ)

عامر کی شہادت کا اشارہ..... جب حضرت عامر ابن اکوع نے یہ شعر پڑھے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ۔ تمہارا پروردگار تم پر رحمت فرمائے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے کہا:

"ان کے لئے شہادت واجب ہو گئی۔ یا رسول اللہ آپؐ نے ہمیں ان سے کچھ دن اور فائدہ اٹھانے کا موقعہ نہ دیا"۔

نبی کے ایسے ارشادات..... یہ ایسا ہی ہے جیسے کہہ دیتے ہیں کہ خدا آپؐ کو باقی رکھے تاکہ ہم آپ سے اور فائدہ اٹھائیں۔ تو گویا حضرت عمرؓ کا مقصد یہ تھا کہ آپؐ ان کے حق میں یہ جملہ ابھی ارشاد نہ فرماتے تو ہم ان سے اور فائدہ اٹھاتے۔ جنگ کے زمانے میں ہمیں ان کی بہت ضرورت ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ایسے موقعہ پر جس کے متعلق اس طرح کی بات ارشاد فرمائی وہ لازمی طور پر شہید ہو گیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ رجزیہ کلام سننے کی فرمائش کرنے والا کوئی اور شخص تھا۔ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ اس شخص کا نام واضح طور پر معلوم نہیں ہو سکتا۔ جب آنحضرت ﷺ نے یہ شعر سنے تو آپؐ نے پوچھا یہ حدی خوانی کرنے والا کون ہے؟

لوگوں نے عرض کیا عامر ابن اکوع ہیں۔ آپؐ نے دعا دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحمت فرمائے۔ اس کے بعد عامر اسی غزوہ میں شہید ہو گئے ان کی تلوار لوٹ کر خود ان کے لگ گئی جس سے وہ ختم ہو گئے۔ دراصل وہ اپنی تلوار سے ایک یہودی کی ٹانگ کاٹنا چاہتے تھے مگر اتفاق سے تلوار خود ان کے گھٹنے پر لگ گئی جس سے وہ شہید ہو گئے۔ لوگوں نے یہ دیکھ کر کہا کہ ان کی موت کا سبب خود ان کا ہتھیار بنے ہیں۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ انہوں نے خود اپنے ہی آپ کو قتل کر لیا ہے اس لئے وہ شہید نہیں ہیں۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نہیں وہ یقیناً شہید ہیں۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں نے ان کی نماز جنازہ پڑھی۔

عامر کی شہادت کی تصدیق...... ایک روایت میں ہے کہ حضرت سلمہ ابن اکوع نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! آپؐ پر میرے ماں باپ قربان ہوں کیا میرے بھائی کا سب کیا دھرا اکارت ہو گیا"۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ:

"اسید ابن حضیر اور کچھ دوسرے صحابہ یہ کہہ رہے ہیں کہ عامر نے اپنا سب عمل خود ہی باطل کر دیا کیونکہ وہ خود اپنی ہی تلوار (اور اپنے ہی ہاتھ) سے قتل ہوئے ہیں!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا

"جو شخص یہ بات کہتا ہے وہ جھوٹا ہے یعنی غلط کہتا ہے ان کو دوہرا اجر ملے گا"۔

یہ کہتے ہوئے آپؐ نے دو انگلیوں سے اشارہ کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ۔ وہ یقیناً شہید ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ۔ انہوں نے ایک مجاہد کی طرح جہاد کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ۔ وہ جدوجہد کرتے ہوئے اور جہاد کرتے ہوئے مرے ہیں!

یہاں ان کو مجاہد کے ساتھ ساتھ جاہد بھی کہا گیا ہے۔ جاہد کے معنی ہیں اپنے معاملے میں پوری کوشش اور جانفشانی کرنے والا۔ لہٰذا جب وہ جاہد بھی تھے اور مجاہد بھی تھے تو ان کو ان دونوں اوصاف کی وجہ سے دوہرا ہی اجر ملنا ضروری ہے۔

جہاں تک حضرت عامر کو حضرت ابو سلمہ کا بھائی کہنے کا تعلق ہے تو یہ بات گذشتہ قول کے خلاف ہے کہ عامر ان کے چچا تھے۔ یہی قول زیادہ صحیح اور مشہور ہے۔

اس بارے میں کتاب نور میں ہے کہ دونوں روایتوں میں موافقت پیدا کی جا سکتی ہے کہ ممکن ہے عامر ان کے رشتے کے چچا ہوں اور رضاعی بھائی ہوں۔ غالباً اسی بناء پر علامہ ابن جوزی کا وہ قول ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ دو بھائیوں عامر اور سلمہ ابن اکوع نے رسول اللہ ﷺ سے روایت بیان کی ہے۔

عامر اور خیبر کا رئیس مقابلہ میں...... کتاب فتح الباری میں ایک صحابی سے روایت ہے کہ جب ہم خیبر کے سامنے پہنچے تو قلعہ کا بادشاہ مرحب نکلا جو تلوار لہرا کر یہ شعر پڑھتا جاتا تھا۔

قَد علمت خیبر أنّی مُرَحّب
شاکی السلاح بطل مجرّب

ترجمہ: خیبر والے خوب جانتے ہیں کہ میں مرحب ہوں جو ایک ہتھیار بند بہادر اور تجربہ کار سورما ہے۔

اذا لحروب اقبلت تلتهب

ترجمہ: جب جنگ کی آگ بھڑک کر شعلہ زن ہوتی ہے۔

اس پر حضرت عامر نے فوراً ہی جواب میں یہ رجزیہ کلام پڑھنا شروع کیا۔

قد علمت خیبرانی عامر
شاکی - السلاح بطل مقامر

ترجمہ: خیبر والے خوب جانتے ہیں کہ میں عامر ہوں جو ایک ہتھیار بند اور مشہور و معروف مرد میدان ہے۔

اس کے بعد عامر اور مرحب کے درمیان تلوار زنی ہونے لگی مرحب کی تلوار عامر کی زرہ میں پھنس گئی عامر نے مرحب کو زمین پر رگیدنا شروع کیا۔ اسی جدوجہد میں خود عامر ہی کی تلوار ان کے گھٹنے پر لگ گئی جس سے وہ فوت ہو گئے۔

پیچھے بیان ہوا کہ حضرت عامر نے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر حدی خوانی کی۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضرت براء ابن عازب کی آواز بہت عمدہ تھی اور آنحضرت ﷺ جب سفر میں ہوتے تو وہی آپ کے لئے حدی خوانی کیا کرتے تھے۔ مگر ان دونوں روایتوں سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ حضرت براء ابن عازب کے متعلق اس روایت سے مراد یہ ہے کہ اکثر یا کچھ سفروں کے دوران انہوں نے آپؐ کے لئے حدی خوانی کی تھی جیسا کہ بعض روایتوں سے صاف طور پر معلوم ہوتی ہے۔

اسلامی لشکر کے حدی خواں...... ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت براء ابن عازب سے فرمایا کہ کانچ کے برتنوں یعنی عورتوں کا خیال رکھو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت براءؓ آنحضرت ﷺ کی ازواج کو اپنا رجزیہ کلام سنایا کرتے تھے مگر ایک قول ہے کہ حضرت براءؓ مردوں کے حدی خواں تھے اور حضرت انجشہؓ عورتوں کے حدی خواں تھے۔ لیکن اس سلسلے میں کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے بعض سفروں میں حضرت براء نے عورتوں کے لئے حدی خوانی کی ہو اور کچھ سفروں میں حضرت انجشہ نے کی ہو لیکن اکثر و بیشتر حضرت انجشہ ہی عورتوں کے حدی خواں رہے ہوں۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت انجشہ ایک سیاہ فام غلام تھے مگر ان کی آواز نہایت خوبصورت تھی جب وہ حدی خوانی کرتے تو اونٹ اپنی گردنیں لمبی کر لیتے اور نہایت تیز رفتاری سے چلنے لگتے تھے (کیونکہ اونٹ حدی خوانی سے مست ہو کر جلد اپنا سفر طے کر لیتا ہے)۔ ایک دفعہ جب انہوں نے اُمہات المومنین کے متعلق رجز پڑھا تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

"انجشہ! ذرا آہستہ آہستہ پڑھو اور کانچ کے ان برتنوں کا خیال کرو!"

آنحضرت ﷺ نے عورتوں کی نزاکت کی وجہ سے ان کو کانچ کے برتنوں یا ٹکروں سے یاد فرمایا کہ جیسے شیشہ ایک نازک چیز ہے جو ایک معمولی سی ٹھیس پہنچنے سے ٹوٹ جاتا ہے اسی طرح عورتیں بھی فطری طور پر نہایت نرم و نازک دل رکھتی ہیں)۔

آنحضرت ﷺ کی دعا...... جب رسول اللہ ﷺ خیبر کے سامنے پہنچے تو یہ صبح کا وقت تھا۔

آپ نے صحابہ کو حکم دیا ٹھہر جاؤ۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا یوں کہو:

اَللّٰهُمَّ رَبُّ السَّمٰوٰاتِ وَمَا اَظْلَلْنَ وَرَبُّ الْاَرْضِيْنَ وَمَا اَقْلَلْنَ وَرَبُّ الشَّيَاطِيْنَ وَمَا اَظْلَلْنَ وَرَبُّ الرِّيَاحِ وَمَا اَذْرَيْنَ فَاِنَّا نَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ وَخَيْرَ اَهْلِهَا وَ خَيْرِ مَا فِيْهَا وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَ شَرِّ اَهْلِهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا۔

ترجمہ: اے اللہ! تو آسمانوں کا بھی پروردگار ہے اور ان کی سایہ فگنی کا بھی مالک ہے۔ تو ہی زمینوں کا مالک ہے اور تو ہی ان بلندیوں کا مالک ہے جو زمین پر قائم ہیں۔ تو ہی شیطانوں کا بھی پروردگار ہے اور تو ہی ان کی گمراہیوں کا بھی پروردگار ہے۔ تو ہی ہواؤں کا مالک ہے اور تو ہی ان چیزوں کا جنہیں وہ اڑا کر لے جاتی ہیں۔ ہم تجھ سے اس بستی کی خیر مانگتے ہیں۔ تجھ سے ہی ان کے مکینوں اور سامان کے شر سے تیری پناہ چاہتے ہیں۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا: اب بسم کہہ کر آگے بڑھو۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ اب اللہ کے نام کی برکت سے اندر چلو۔ آنحضرت ﷺ جب بھی کسی بستی میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ خیبر جاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ ایک وادی کے سامنے پہنچے تو سب نے بلند آواز سے اللہ اکبر لاالہ الا اللہ کہا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"اپنے اوپر رحم کرو اور اتنی زور، زور سے چیخ کر مت پڑھو کیونکہ نہ تو تم بہرے کو پکار رہے ہو اور نہ غائب کو پکار رہے ہو بلکہ تم اس ذات کو پکار رہے ہو جو بہت زیادہ سننے والا اور تم سے بہت قریب ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہی ہے۔

جنت کا خزانہ...... حضرت عبداللہ ابن قیسؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی سواری کے پیچھے پیچھے تھا۔ میں نے اس وقت لا حول ولا قوۃ الّا باللہ العلی العظیم پڑھی تو آپ نے فرمایا اے عبداللہ ابن قیس۔ میں نے عرض کیا حاضر ہوں یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے فرمایا:

اے عبداللہ! کیا میں تمہیں ایسا کلمہ نہ بتلادوں جو جنت کے خزانوں میں سے ہیں!"

میں نے عرض کیا بے شک یا رسول اللہ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ وہ کلمہ ہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ (مقصد یہ بتلانا تھا کہ تم نے جو کلمہ پڑھا ہے وہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے اور یہ کلمہ حق تعالیٰ کو بہت محبوب ہے)۔

یہاں آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو آواز بلند کرنے سے منع فرمایا ہے جب کہ پیچھے گزرا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو ایک موقعہ پر حکم فرمایا تھا کہ تلبیہ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ بلند آواز سے پڑھیں۔ لہٰذا دونوں حکموں میں اختلاف ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ یہاں جس چیز سے روکا گیا ہے وہ آواز کو اتنا غیر معمولی طور پر بلند کرنا ہے جس سے تکلیف ہو۔ اس بات کی دلیل اسی روایت میں آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے ملتی ہے کہ اپنے اوپر رحم کرو (یعنی اتنا مت چیخو جس سے خود تمہیں ہی تکلیف ہو) جیسا کہ بیان ہوا۔ لہٰذا دونوں باتوں میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔

آنحضرت ﷺ کا خیبر کے سامنے پڑاؤ...... غرض خیبر پہنچنے پر جب وہاں کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو وہ گھبرا کر میدانوں میں کھلی جگہوں پر نکل آئے اور چیخنے لگے کہ محمد ﷺ اپنے ساتھ خمیس یعنی ایک زبردست لشکر لیکر آگئے خمیس کے لفظی معنی ہیں پانچواں یا پانچوں۔ بڑے لشکر کو خمیس اس لئے کہا جاتا ہے کہ ایک بڑے اور مکمل لشکر کے پانچ ہی حصے ہوتے ہیں، مقدمہ یعنی ہراول، ساقہ یعنی پچھلا حصہ، میمنہ یعنی دایاں بازو، میسرہ یعنی بایاں بازو اور پانچواں قلب یعنی لشکر کا درمیانی حصہ۔

غرض خیبر کے لوگوں نے لشکر کو دیکھتے ہی شور مچادیا اور وہاں سے چیختے چلاتے بھاگ گئے حالانکہ وہاں دس ہزار لڑنے والے جوان موجود تھے۔ ان لوگوں کو اس بات کا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ ان سے جنگ کریں گے یہاں تک کہ جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ آپؐ جنگ کے لئے آگئے تو انہیں یقین نہ آیا۔

وہ لوگ جس وقت جنگ کے لئے صف بندی کر رہے تھے اس وقت بھی حیران ہو ہو کر کہہ رہے تھے کہ تعجب ہے۔ افسوس ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جیسے ہی آنحضرت ﷺ نے خیبر کے لئے کوچ کیا تو عبداللہ ابن ابی ابن سلول نے جو منافقوں کا سردار تھا خیبر کے یہودیوں کے پاس اطلاع کرادی تھی کہ محمد ﷺ تمہارے مقابلے کے لئے نکل کھڑے ہوئے ہیں لہٰذا اپنی

احتیاطی تدبیریں کرلو اور اپنا تمام مال و دولت حویلیوں کے اندر چھپالو۔

ابن ابی کی دغابازی...... ابن ابی نے یہودیوں کو یہ بھی کہلایا کہ تم لوگ محمد ﷺ سے باہر نکل کر جنگ کرنا ان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ تمہاری تعداد بہت زیادہ ہے جب کہ ان کے ساتھ ایک معمولی سا گروہ ہے جن کے پاس ہتھیار بھی تھوڑے سے ہیں۔

خیبر والوں پر نیند کا غلبہ...... اس رات میں جس کی صبح کو رسول اللہ ﷺ خیبر کے سامنے پہنچ کر خیمہ زن ہوئے یہودی گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے یہاں تک کہ اس رات ان کے یہاں کسی مرغ نے بھی اذان نہیں دی (جس سے وہ جاگ سکتے اور آنحضرت ﷺ کے آجانے کا پتہ چل جاتا' یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت تھی کہ اس نے ان لوگوں کو اس رات بالکل غافل فرمادیا تھا کہ وہ لوگ اچانک پکڑے جائیں)

اسلامی لشکر کی اچانک آمد پر یہود کی بدحواسی...... آخر سورج نکل آیا تو ان لوگوں کی آنکھ کھلی انہوں نے اٹھ کر حسب معمول اپنی حویلیاں کھول دیں مگر ان کے دل دھڑک رہے تھے۔ اس کے بعد یہ سب لوگ روزمرّہ کی طرح اپنے اپنے کاموں کو نکلے ان کے ساتھ کھیتی باڑی کے اوزار اور کدالیں وغیرہ تھیں۔ اسی وقت اچانک انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے لشکر کو دیکھا تو بدحواس ہو کر وہاں سے بھاگے اور حویلی میں گھس گئے۔

نبی کی پیشن گوئی اور قرآن سے اقتباس...... یہ منظر دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اللہ اکبر۔ خیبر تباہ ہو گیا۔ جب ہم ان لوگوں کے روبرو نازل ہوئے تو ان کے لئے جن کو ڈرایا جاچکا ہے یہ بہت بری صبح ہو گئی!"

(اس جملے میں رسول اللہ ﷺ نے دراصل قرآن پاک کی ایک آیت کا اقتباس یعنی ٹکڑا استعمال فرمایا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے جو الفاظ ہیں وہ یہ ہیں:

اِنَّا اِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ۔ (ترجمہ وہی ہے جو گذشتہ سطر میں بیان ہوا)۔

آنحضرت ﷺ نے اپنے اس جملہ میں قرآن پاک کی جس آیت کا اقتباس یا ایک ٹکڑا لیا ہے وہ یہ ہے:

فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ۔ (الآیہ پ ۲۳ سورۂ صٰفّٰت ع ۵ آیت ۱۷۷)

ترجمہ: سو وہ عذاب جب ان کے روبرو آنازل ہوگا سو وہ دن ان لوگوں کا جن کو ڈرایا جاچکا تھا بہت ہی بڑا ہوگا (ٹل نہ سکے گا)

فال نیک...... اس روایت سے یہ دلیل حاصل کی گئی ہے کہ قرآن پاک کی آیات کا اقتباس گفتگو میں لینا جائز ہے رسول اللہ ﷺ نے جو یہ پیشن گوئی فرمائی کہ خیبر تباہ ہو گیا اس کا سبب یہ تھا کہ آپؐ نے ان لوگوں کے ہاتھوں میں پھاوڑے' کدالیں' درانتیاں اور ٹوکرے دیکھے جو عمارتوں کو مسمار کرنے کا سامان ہیں لہٰذا آنحضرت ﷺ نے اس سے یہ فال لی کہ ان کی حویلیاں مسمار ہو جائیں گی۔ یا یوں بھی کہا جاتا ہے کہ یہ بات پیشن گوئی کے طور پر نہیں تھی بلکہ قلعہ خیبر خراب یعنی تباہ ہو گیا اور خراب کا مادّہ خبر ہے اس لئے اس نام کی مناسبت سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ قلعہ خیبر خراب یعنی تباہ ہو گیا اور خراب کا مادّہ خرب ہے۔ یا یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ بات دراصل دعا کے طور پر تھی جسے آپؐ نے خبر کے انداز میں فرمایا۔

آسمانی اطلاع...... مگر امام نوویؒ کہتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو خیبر کی تباہی کی اطلاع دے دی تھی (لہٰذا آنحضرت ﷺ نے یہ بات پیشین گوئی کے طور پر فرمائی تھی)۔ اسی بات کی تائید فتح الباری کی عبارت سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ۔ شاید آنحضرت ﷺ نے یہ بات وحی کی بنیاد پر فرمائی تھی۔ چنانچہ اس بات کی تائید آنحضرت ﷺ کے

اس جملے سے بھی ہوتی ہے کہ۔ جب ہم ان لوگوں کے روبرو نازل ہوئے تو ان کے لئے جن کو ڈرایا جا چکا ہے یہ بہت بری صبح ہو گئی 'کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ان کے روبرو ہی پڑاؤ ڈالا تھا۔

مسلم پڑاؤ...... خیبر میں یہودیوں کی کئی حویلیاں اور گڑھیاں تھیں جن کو چھوٹے قلعے کہنا چاہئے آنحضرت ﷺ نے حملہ کی ابتدا جس گڑھی سے کی اس کا نام نطات تھا۔ آپ نے اس گڑھی پر شق نامی گڑھی اور ایک قول کے مطابق کتیبہ نامی گڑھی سے پہلے حملہ کیا کیونکہ یہودیوں نے اپنا تمام مال و دولت تو کتیبہ نامی گڑھی میں محفوظ کر دیا تھا لیکن لڑنے والے تمام جوان نطات نامی گڑھی میں جمع ہو گئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے نطات نامی گڑھی کے قریب ہی پڑاؤ ڈالا۔

حباب کا مشورہ...... جب آپؐ نے نطات کے قریب پڑاؤ ڈالا تو حضرت حباب ابن منذر آپؐ کے پاس آئے اور کہنے لگے:

"یارسول اللہ! آپ نے اس جگہ پڑاؤ ڈالا ہے۔ اگر آپ نے آسمانی حکم پر ایسا کیا ہے تو اس میں بولنے کی گنجائش نہیں لیکن اگر آپؐ نے اپنی رائے سے ایسا کیا ہے تو ہم اس بارے میں کچھ عرض کریں!"

آپؐ نے فرمایا نہیں یہ صرف میری رائے ہے۔ تب حباب ابن منذر نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! نطات کے لوگوں کو میں اچھی طرح جانتا ہوں یہ ایسے قادر تیر انداز ہیں کہ ان سے زیادہ دور تک پھینکنے والا اور ان سے بہتر نشانہ باز کوئی نہیں ہے۔ وہ لوگ ہمارے مقابلے میں بلند جگہ پر ہیں اور ان کے تیر زیادہ تیزی سے ہماری طرف آئیں گے ہم ان کی زد میں ہیں۔ پھر یہ کہ وہ لوگ گرد و پیش کی جھاڑیوں میں چھپ کر رات کو اچانک ہماری بے خبری میں حملہ کر سکتے ہیں اس لئے یہاں سے ہٹ جانا مناسب ہے"۔

پڑاؤ میں تبدیلی...... آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"تمہاری رائے ٹھیک ہے انشاء اللہ شام کو ہم اس جگہ سے ہٹ جائیں گے۔!

اس کے بعد آپؐ نے حضرت محمدؓ ابن مسلمہ کو بلایا اور فرمایا کہ ہمارے لئے یہاں سے دور پڑاؤ کی مناسب جگہ تلاش کرو۔ محمد ابن مسلمہ نے گھوم پھر کر جگہ دیکھی اور پھر آپؐ کو بتایا کہ یارسول اللہ ﷺ میں نے آپؐ کے لئے پڑاؤ کی ایک مناسب جگہ تلاش کر لی ہے۔ آپؐ نے فرمایا اللہ کے نام کی برکت سے ٹھیک رہے گی۔ شام کو آپؐ خود یہاں سے ہٹ گئے اور مسلمانوں کو پڑاؤ اٹھانے کا حکم دیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی سواری کی اونٹنی خود اٹھ کر چل پڑی اور اس کی لگام زمین پر گھسٹتی جاتی تھی۔ میں اسے روکنے اور واپس لانے کے لئے اس کے پاس پہنچا تو آپؐ نے فرمایا اسے چھوڑ دو کیونکہ یہ آسمانی حکم کی پابند ہے۔ آخر وہ اونٹنی چلتے چلتے صخرہ کے مقام پر پہنچی اور وہیں بیٹھ گئی۔ اب آنحضرت ﷺ پڑاؤ اٹھا کر وہیں آگئے اور تمام مسلمان بھی صخرہ کے مقام پر پہنچ گئے اور سب نے اسی جگہ کو لشکر کا پڑاؤ بنا لیا۔

کتاب اصل میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس دوسری جگہ پڑاؤ اس لئے ڈالا تھا کہ آپؐ خیبر کے یہودیوں اور قبیلہ غطفان والوں کو ایک دوسرے کی مدد سے کاٹ دیں کیونکہ غطفان والے خیبر کے یہودیوں کی مدد کے لئے آنحضرت ﷺ کے مقابلے پر آنے کا ارادہ کر رہے تھے کر رہے تھے اور یہ جگہ خیبر اور غطفان کے درمیان تھی۔ ایک قول ہے کہ ان تینوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے مگر یہ بات قابل غور ہے۔

پھر یہیں رسول اللہ ﷺ نے ایک مسجد بنائی اور جتنے دن خیبر میں آپ کا قیام رہا آپؐ اسی مسجد میں نمازیں پڑھتے رہے۔

ادھر آنحضرت ﷺ نے وہ تمام باغات کٹوا دیئے جو نطات والوں کے تھے آنحضرت ﷺ کے حکم پر مسلمانوں نے کھجوروں کے درخت کاٹنے شروع کئے یہاں تک کہ چار سو درخت کاٹ ڈالے مگر اس کے بعد آپؐ نے انہیں اس سے روک دیا چنانچہ خیبر کے باغات میں نطات والوں کے باغات کے علاوہ اور کسی گڑھی والوں کے باغات نہیں کاٹے گئے۔

کیا خیبر میں آپؐ خود لڑے؟......ایک قول ہے کہ اس روز رسول اللہ ﷺ نے زبردست جنگ کی آپ ﷺ دو زرہیں پہنے ہوئے تھے اس کے علاوہ آپ نے خود اور بکتر بھی پہن رکھی تھی اور آپؐ گھوڑے پر سوار تھے اس گھوڑے کا نام ظرب تھا آپ کے ہاتھ میں نیزہ اور ڈھال تھی۔

مگر ایک قول ہے کہ خیبر کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ ایک گدھے پر سوار تھے جس کے نکیل پڑی ہوئی تھی یہ نکیل کھجور کی چھال سے بنائی ہوئی رسی کی تھی۔ آنحضرت ﷺ کے نیچے گدھے کی پشت پر پالان یعنی زین بندھی ہوئی تھی۔ چنانچہ مسلم میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو گدھے پر سوار دیکھا اور آپؐ خیبر کی طرف جارہے تھے۔ مگر اس روایت سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ممکن ہے خیبر کے سفر کے دوران راستے میں اس گدھے پر بھی بیٹھے ہوں۔ مگر جنگ کے دوران آپؐ اس گھوڑے پر ہی سوار تھے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:ان دونوں روایتوں میں جو موافقت پیدا کی گئی ہے اس کی تائید ابن عمرؓ کے اس کلمہ سے ہوتی ہے کہ۔اور آپؐ خیبر کی طرف جارہے تھے کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ یہ بات خیبر کے سفر کے دوران کی ہے (جب کہ گھوڑے پر سوار ہونے کی بات جنگ کے دوران کی ہے)۔

ادھر اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگ میں رسول اللہ ﷺ نے خود بنفس نفیس شرکت فرمائی (یعنی خود بھی جنگ کی) لیکن پیچھے گزرا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سوائے غزوۂ احد کے اور کسی غزوہ میں خود بنفس نفیس جنگ نہیں فرمائی۔ ادھر یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ آنحضرت ﷺ نے بہ نفس نفیس جنگ کی ہو اور آپکے وار سے کوئی شخص قتل نہ ہوا ہو۔ کیونکہ اگر کوئی شخص اس جنگ میں آپکے ہاتھ سے قتل ہوتا تو اس کا ذکر ضرور ملتا اس لئے ایسے واقعات کا نقل کیا جانا لازمی تھا۔

لہٰذا اس روایت میں جو یہ جملہ ہے کہ۔ آنحضرت ﷺ نے خود بہ نفس نفیس جنگ کی۔اس کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کے لشکر نے جنگ کی (جیسے عام طور پر جنگ کی نسب بادشاہ کی طرف کی جاتی ہے کہ فلاں بادشاہ نے جنگ کی جب کہ بادشاہ لشکر کے بیچ میں ایک محفوظ جگہ صرف موجود رہتا ہے)۔

ادھر کتاب امتاع کی عبارت سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے۔امتاع میں ہے کہ۔ آنحضرت ﷺ نے ناعم کی حویلی پر تیروں سے حملہ کیا۔ جو نطات کی حویلیوں میں سے ایک حویلی تھی۔ یہودی بھی جنگ کر رہے تھے اور آنحضرت ﷺ ایک گھوڑے پر سوار تھے جس کا نام ظرب تھا آپ دو زرہیں 'خود اور بکتر پہنے ہوئے تھے اور آپؐ کے ہاتھ میں نیزہ اور ڈھال تھی۔

نطات پر ناکام حملے...... یہ گڑھی فتح کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ نے اپنا پرچم ایک مہاجر صحابی کو عنایت فرمایا۔ (انہوں نے پرزور حملہ کیا) مگر ناکام واپس آگئے۔اس کے بعد آپؐ نے وہ پرچم ایک دوسرے مہاجر صحابہ کو دیا مگر وہ بھی ناکام رہے اور بغیر فتح کئے واپس آگئے۔اسی وقت گڑھی کے اندر سے یہودیوں کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں نکلیں جن کے آگے آگے یاسر تھا۔ انصاریوں نے ایک طرف ہٹ کر راستہ دے دیا اور وہ لوگ سیدھے عین رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔ آنحضرت ﷺ کو اس بات سے بے حد تکلیف پہنچی اور آپ شام تک مغموم رہے۔واللہ اعلم

محمود ابن مسلمہ کا قتل...... اسی روز حضرت محمود ابن مسلمہ بھی قتل ہوئے جو حضرت محمد ابن مسلمہ کے بھائی تھے۔(یہ حویلی کی دیوار کے نیچے پہنچ گئے کہ اوپر سے مرحب نے ان کے اوپر ایک بڑا پتھر گرادیا جس سے یہ شہید ہوگئے۔ایک قول ہے کہ یہ پتھر کنانہ ابن ربیع نے پھینکا تھا۔ دونوں باتوں میں موافقت یوں ہو جاتی ہے کہ دونوں نے مل کر یہ پتھر گرادیا تھا۔ مگر آگے ایک روایت آرہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمود کا قاتل ان دونوں کے بجائے کوئی اور ہی شخص تھا۔ مگر اس کے متعلق بھی یہی جواب ہے کہ شاید تینوں نے مل کر ان کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا ہو۔

حضرت محمود نے بڑی شدید جنگ کی تھی یہاں تک کہ وہ اتنے تھک گئے کہ ہتھیار اٹھانے بھی دوبھر ہوگئے ادھر اس وقت گرمی بھی بہت شدید تھی۔ آخر وہ تھک کر اس گڑھی کی دیوار کے سائے میں دم لینے کے لئے آگئے۔ اسی وقت اوپر سے ان پر ایک بہت بڑا پتھر پھینکا گیا جس سے ان کا خود یعنی لوہے کی ٹوپی ان کے سر میں گڑ گئی اور پیشانی کی کھال اکھڑ کر چہرے کے اوپر لٹک گئی۔ ساتھ ہی ان کی ایک آنکھ بھی باہر نکل آئی۔ مسلمانوں نے ان کو دیکھا تو فوراً اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے آپؐ نے ان کی پیشانی کی کھال اٹھا کر برابر کی اور وہاں ایک کپڑا باندھ دیا۔ مگر زخم اس قدر زبردست تھا کہ حضرت محمود ابن مسلمہ جاں بر نہ ہو سکے اور فوت ہوگئے۔

جنگ کے وقت کی دعا...... ان کے بھائی حضرت محمدؓ ابن مسلمہ اس واقعہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ یہودیوں نے میرے بھائی محمود ابن مسلمہ کو قتل کر دیا آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا مت کرو بلکہ اللہ تعالیٰ سے عافیت اور سلامتی مانگو' کیونکہ تم نہیں جانتے دشمن تمہیں کیسی کیسی مصیبتوں میں مبتلا کر سکتا ہے۔ اگر دشمن سے مڈبھیڑ ہو جائے تو یہ دعا پڑھا کرو:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبُّنَا وَرَبُّهُمْ وَنَوَاصِيْنَا وَنَوَاصِيْهِمْ بِيَدِكَ وَاِنَّمَا تَقْتُلُهُمْ اَنْتَ۔

ترجمہ: اے اللہ! تو ہی ہمارا رب ہے اور تو ہی ان کا رب ہے' ان کی گردنیں اور ہماری گردنیں تیرے ہی قبضہ میں ہیں۔ اور حقیقت میں تو ہی ان کو قتل کرنے والا ہے۔

"یہ پڑھنے کے بعد زمین پر جم کر بیٹھ جاؤ پھر جب وہ لوگ تمہارے اوپر چڑھائی کریں تو ایک دم اٹھ کھڑے ہو اور تکبیر کہو"۔

سات دن ناکام حملے...... بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نطات والوں سے آنحضرت ﷺ سات دن تک برابر جنگ کرتے رہے۔ آپ روزانہ حضرت محمد ابن مسلمہ کو ساتھ لیکر جنگ کیلئے نکلتے اور پڑاؤ میں حضرت عثمان کو نگراں بنا جاتے شام ہو جاتی تو آپؐ اسی جگہ واپس آجاتے اور زخمی مسلمانوں کو بھی وہیں لے آیا جاتا یہاں ان کے زخموں کی مرہم پٹی کی جاتی تھی۔

ایک یہودی مخبر...... رات کو جو دستہ لشکر کے گرد پہرہ دیتا اس میں باری باری رسول اللہ ﷺ بھی گشت کے لئے نکلتے تھے۔ ان سات راتوں میں سے چھٹی رات میں آنحضرت ﷺ نے گشت کرنے والے دستہ کو حضرت عمرؓ کی سرکردگی میں بھیجا۔ حضرت عمرؓ اپنے دستے کے ساتھ گشت کرتے رہے انہوں نے اپنے دستے کی ٹکڑیاں بنا کر ہر طرف متعین کر دی تھیں آدھی رات کو خیبر کا ایک یہودی حضرت عمرؓ کے پاس پکڑ کر لایا گیا' انہوں نے ایک شخص کو اسکی گردن مارنے کا حکم دیا' یہودی نے کہا:

"پہلے مجھے اپنے نبی کے پاس لے چلو۔ میں ان سے بات کرنا چاہتا ہوں!"

حضرت عمرؓ نے اس کو قتل کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور اسے آنحضرت ﷺ کی بارگاہ کے دروازہ پر لائے اس وقت آنحضرت ﷺ نماز میں مشغول تھے آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کے بولنے کی آواز سنی تو آپ نے سلام پھیرا اور انہیں اندر

آنے کی اجازت دی چنانچہ حضرت عمر اس یہودی کو اندر لیکر آئے۔ آپ نے یہودی سے پوچھا تمہارے یہاں کیا ہو رہا ہے؟ اس نے کہا ابوالقاسم کیا آپ مجھے امان اور پناہ دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں! تب اس یہودی نے آنحضرت ﷺ کو خبریں دیں اور کہا:

"میں نطات کی گڑھی میں سے نکل کر آرہا ہوں اور اس گڑھی کے لوگ آج رات خاموشی کے ساتھ وہاں سے فرار ہو رہے ہیں!"

امان خواہی اور یہودی کی مخبری...... آپ نے پوچھا وہ لوگ کہاں جا رہے ہیں؟ اس نے کہا:

"وہ لوگ نطات سے نکل کر شق نامی گڑھی میں جا رہے ہیں جہاں وہ اپنے بچوں و عورتوں کو پہنچا رہے ہیں اور جنگ کی تیاری کر رہے ہیں"۔

غالباً یہاں مراد یہ ہے کہ جو عورتیں اور بچے نطات میں باقی رہ گئے ہیں ان کو شق میں پہنچا رہے ہیں۔ اس طرح یہ بات اس گذشتہ روایت کے خلاف نہیں رہتی کہ یہودیوں نے اپنا تمام مال و دولت اور اپنے بیوی بچوں کو کتیبہ کی حویلیوں میں جمع کر دیا تھا یا پھر اس مخبر نے اپنی سمجھ کے مطابق اطلاع دی کہ وہ لوگ شق میں اپنی عورتوں و بچوں کو جمع کر رہے ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ تھی کہ وہ لوگ اپنی عورتوں و بچوں کو کتیبہ کی حویلیوں میں پہنچانے کیلئے لے جا رہے تھے۔ بہر حال یہ اختلاف قابل غور ہے۔

غرض اس کے بعد اس یہودی مخبر نے کہا:

"نطات کی حویلیوں میں ایک حویلی صعب نامی ہے اس میں زیر زمین مکان یعنی تہہ خانہ ہے جس کے اندر منجنیق گوپیے زرہیں اور تلواریں محفوظ ہیں۔ اس لئے کل جب آپ اس حویلی میں داخل ہوں اور آپ اس تہہ خانے میں بھی داخل ہوں گے!"

آپ نے فرمایا۔ اگر اللہ نے چاہا۔ یہودی نے کہا:

"انشاء اللہ۔ میں آپ کو اس تہہ خانے کا پتہ بتا دوں گا کیونکہ میرے سوا اس کو کوئی نہیں جانتا اور دوسری بات!"

یہودی منصوبوں کی اطلاع...... اس سے پوچھا گیا وہ کیا ہے؟ تو اس نے کہا:

"وہاں سے وہ منجنیق[1] نکالی جائے اور اسے شق نامی حویلی پر نصب کیا جائے لوگ دبابوں[2] کے سائے میں وہاں داخل ہوں اور دبابوں کے سائے میں قلعہ میں نقب لگائیں اس طرح آپ اسے آج ہی فتح کر لیں گے۔ پھر یہی تدبیر آپ کتیبہ میں بھی کریں!"

اس کے بعد اس یہودی نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ ابوالقاسم میری جاں بخشی کر دو۔ آپ نے فرمایا تمہیں امان دی گئی۔ پھر اس نے کہا کہ میری ایک بیوی ہے اس کی بھی جاں بخشی کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا اسے بھی امان دی گئی اس کے بعد آپ نے اس یہودی کو اسلام کی دعوت دی۔ اس پر اس نے کہا کہ مجھے غور کرنے کے لئے چند دن کی مہلت دیجئے۔

نبی کی زبانی پرچم دینے کا اعلان...... اس کے بعد (اگلی صبح) آنحضرت ﷺ نے حضرت محمد ابن مسلمہ سے فرمایا:

"آج میں اپنا پرچم اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے (سب سے زیادہ) محبت رکھتا ہے اور اللہ و رسول بھی اس سے محبت رکھتے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے یہ بھی فرمایا کہ۔ جو پیٹھ دکھانے والا نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر

---

[1] منجنیق۔ دشمن پر بھاری پتھر پھینکنے کا ایک جنگی آلہ۔ [2] دبّابہ۔ ایک جنگی آلہ کو کہتے ہیں جو ٹینک کی طرح بند ہوتا تھا جنگ کے دوران لوگ دبابہ کے اندر داخل ہو جاتے اور اسے قلعہ کی دیوار تک کھینچ کر لے جاتے اور دیوار سے ملا کر اس کے اندر رہتے ہوئے قلعہ کی دیوار میں نقب لگاتے تھے اس طرح دشمن کے تیروں اور پتھروں سے محفوظ رہتے جو قلعہ کی دیوار سے برسائے جاتے تھے۔ آج کل دبّابہ ٹینک کو کہتے ہیں۔ مرتب

فتح عطا فرمائے گا۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ اس کو تمہارے بھائی کے قاتل پر قابو عطا فرمائے گا!"

پرچم کے لئے صحابہ کی آرزو...... اس ارشاد کے بعد صحابہ میں ہر اس شخص کو جس کی آپ کے نزدیک کچھ بھی قدر تھی، یہی امید تھی کہ آنحضرت ﷺ کا پرچم اسے ملے گا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ مجھے اس دن کے سوا کبھی دستہ کا امیر بننا محبوب نہیں ہوا (یعنی آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے بعد اس روز میری یہ بھی آرزو تھی کہ دستے کا امیر مجھے بنا کر پرچم عنایت فرمادیا جائے)۔

حضرت عمرؓ کا ارمان...... مگر حضرت عمرؓ کا ہی ایک اور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ جب کہ بنی ثقیف کا وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے (ان سے گفتگو کے بعد) فرمایا:

"یا تو تم لوگ ہتھیار ڈال دو ورنہ میں اپنے لوگوں میں سے ایک ایسے شخص کو تمہاری طرف بھیجوں گا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں۔ اپنے ایک ایسے شخص کو بھیجوں گا جو تمہاری گردنیں مارے گا تمہارے بچوں کو قیدی اور غلام بنائے گا اور تمہارا مال و دولت چھین لائے گا!"

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم مجھے اس دن کے سوا کبھی دستے کا امیر بننے کی آرزو نہیں ہوئی۔ چنانچہ میں آنحضرت کے سامنے سینہ پھلا کر کھڑا ہوا محض اس تمنا میں کہ آنحضرت ﷺ یہ فرمادیں کہ وہ شخص یہی ہے مگر رسول اللہ ﷺ حضرت علیؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ نے لوگوں سے فرمایا وہ شخص یہ ہے۔

مگر حضرت عمرؓ کی ان دونوں باتوں میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے (جیسا کہ ظاہر ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس غزوۂ خیبر میں جو حضرت عمرؓ کا قول ہے اس میں انہوں نے امیر بننے کی محبت ہونے کا ذکر کیا ہے اور بنی ثقیف والے معاملے میں امیر بننے کی تمنا کا ذکر کیا ہے) اور قاعدہ یہ ہے کہ کسی چیز کے عزیز ہونے سے اس کی تمنا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ ہاں کسی چیز کی تمنا ہو تو وہ محبوب ضرور ہوتی ہے۔ لہٰذا اس غزوۂ خیبر میں انہیں امیر بننا محبوب اور عزیز تھا لیکن اس کی تمنا نہیں تھی اور بنی ثقیف کے معاملے میں جو اس کے بعد پیش آیا تھا انہیں امیر بننے کی تمنا تھی کیونکہ بنی ثقیف کے معاملے میں آنحضرت ﷺ نے بھیجنے والے شخص کے لئے جس وصف اور خصوصیت کا ذکر فرمایا اس موقعہ کے وصف کے مقابلے میں زیادہ بلند تھا بہرحال یہ بات قابل غور ہے۔

غرض غزوۂ خیبر کے موقعہ پر جب آنحضرت ﷺ نے وہ جملہ فرمایا تو حضرت علیؓ کو بھی معلوم ہوا انہوں نے یہ سنکر کہا:

"اے اللہ! جس نعمت کو تو روک دے اسے دینے والا کوئی نہیں اور جو نعمت تو دینا چاہے اسے روکنے والا کوئی نہیں ہے!"

علیؓ کا آشوب چشم...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کی آنکھیں دکھ رہی تھیں اور اتنا شدید آشوب چشم تھا کہ اس کی وجہ سے وہ غزوۂ خیبر میں ساتھ نہیں آسکے تھے۔ پھر بعد میں وہ آکر لشکر کے ساتھ مل گئے تھے۔

اب جب کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو بلا کر بھیجا تو لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ ان کی آنکھوں میں بہت تکلیف ہے مگر آپ نے فرمایا کون ہے جو انہیں میرے پاس لے کر آئے؟ اس پر حضرت سلمہؓ ابن اکوع گئے اور حضرت علیؓ کو لے کر آئے وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر لئے ہوئے آنحضرت ﷺ کے پاس آئے (کیونکہ تکلیف کی وجہ سے ان کی آنکھیں بند تھیں اور) ان کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔

عقابی پرچم یا لواء اور رایہ...... آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے اپنا سفید رنگ کا پرچم باندھ دیا۔ چنانچہ ابن اسحاق اور ابن

اسد سے روایت ہے کہ اتنے پرچم خیبر کے سوا کبھی نہیں ہوئے کیونکہ خیبر کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے کئی پرچم تقسیم فرمائے تھے جو حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت حبابؓ ابن منذر اور حضرت سعد ابن عبادہؓ کو دیئے گئے۔ یہ سب کے سب لواء تھے (واضح رہے کہ عربی میں جنگی پرچم کو "لواء" بھی کہتے ہیں اور "رائیہ" بھی کہتے ہیں۔ لواء وہ جھنڈا جو رائیہ سے چھوٹا ہوتا ہے) چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے پاس رائیہ اسلام یعنی بڑا پرچم تھا۔ یہ پرچم حضرت عائشہؓ کی سیاہ چادر سے بنایا گیا تھا اور اس پرچم کو عقاب کہا جاتا تھا یعنی آنحضرت ﷺ کے اس خاص پرچم کا نام را العقاب تھا۔

جاہلیت کا عقابی پرچم...... علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں فوج کے عہدیداروں کی ترتیب اور درجے متعین تھے چنانچہ جاہلیت میں جس پرچم کو را عقاب کہا جاتا تھا وہ پرچم جنگ کے سربراہ یعنی فوج کے سپہ سالار اعلیٰ کے پاس رہتا تھا (پھر قریش میں جنگ کے سپہ سالار اعلیٰ کا عہدہ مستقل طور پر کسی بڑے سردار کے پاس رہتا تھا اور جب بھی جنگ کی نوبت آتی تھی وہی شخص سپہ سالار ہوتا تھا اور جنگ کی تیاری کرتا تھا اور اس کے پاس رائیہ عقاب یعنی پرچم عقاب رہتا تھا)۔

جاہلیت کا جنگی سربراہ ابوسفیان ابن حرب...... چنانچہ جب اسلام کا ظہور ہوا تو اس وقت جنگی سربراہ ابوسفیان ابن حرب تھا اور پرچم عقاب اسی کے پاس رہتا تھا۔ اسی طرح حرم کی پاسبانی اور لواء یعنی چھوٹا جھنڈا عثمان ابن ابو طلحہ کے پاس تھے جو بنی عبد الدار کے خاندان سے تھا (اور یہ خدمت یا عہدہ بنی عبد الدار کے لئے مخصوص تھا)۔

سیرت دمیاطی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا رائیہ یعنی پرچم چوکور اور سیاہ رنگ کا تھا جس میں ایک روئیں دار ٹکڑا تھا اور اس کو عقاب کہا جاتا تھا۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کا ایک زرد رنگ کا رائیہ بھی تھا اور آپ کا جو لواء یعنی چھوٹا پرچم تھا وہ سفید رنگ کا تھا اور وہ آپ نے اس وقت حضرت علیؓ کو عنایت فرمایا تھا۔ مگر اس قول میں یہ اشکال ہے کہ اس لواء کو جو آپ نے حضرت علیؓ کو دیا تھا۔ عقاب کہتے تھے (جیسا کہ بیان ہوا جب کہ علامہ دمیاطی کے مطابق عقاب نامی پرچم دوسرا تھا)۔

سیرت دمیاطی ہی میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے جو لواء یعنی چھوٹے پرچم تھے وہ سفید رنگ کے تھے جن میں کبھی سفیدی بھی شامل ہوتی تھی غالباً سفیدی کا جو حصہ ہوتا تھا وہ اس پرچم پر جو کتابت یعنی لکھائی ہوتی تھی اس کا ہوتا تھا۔

غالباً یہ پرچم جس میں سیاہی بھی شامل تھی وہ تھا جس کے متعلق بعض روایتوں میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ایک لواء یعنی چھوٹا پرچم سفید رنگ کا تھا جس پر سیاہ حروف میں کلمہ یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ اور شاید بعض ان دوسرے لوگوں کی بھی یہی مراد ہے جنہوں نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ایک لواء یعنی چھوٹا پرچم خاکستری رنگ کا بھی تھا جو آپؐ کی ازواج مطہرات میں سے کسی کے ریشمی کپڑے سے بنایا گیا تھا۔

غرض جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو بلا کر انہیں اپنا پرچم عنایت فرمایا تو انہوں نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! آپ دیکھ رہے ہیں کہ میں شدید قسم کے آشوب چشم میں مبتلا ہوں۔ مجھے اپنے پاؤں رکھنے کی جگہ بھی نظر نہیں آرہی ہے"۔

آشوب کا دائمی علاج...... یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے پہلے ان کا سر اپنی گود میں رکھا اور پھر ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن ڈالا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے ان کی آنکھوں میں تھوکا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ آپ نے اپنی ہتھیلی پر اپنا لعاب دہن لے کر حضرت علیؓ کی آنکھیں کھولیں اور لعاب دہن کو ان پر لگا دیا۔ حضرت علیؓ کی آنکھیں اسی وقت اس طرح ٹھیک ہو گئیں جیسے ان کو کبھی کوئی تکلیف ہی نہیں ہوئی تھی۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے آج تک مجھے پھر کبھی

آشوب چشم ہوا نہ درد ہوا۔ نہ اور کوئی آنکھوں کی تکلیف ہوئی۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت علیؓ کو پرچم دینے کے بعد ان کے لئے دعا کرتے ہوئے فرمایا کہ اے اللہ! ان کو گرمی اور سردی دونوں سے بے نیاز فرمادے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد نہ میں گرمی سے تنگ ہوتا تھا اور نہ سردی سے پریشان۔

چنانچہ کہا جاتا ہے کہ شدید گرمی کے موسم میں حضرت علیؓ بڑے موٹے اور اونی کپڑے تک پہن لیتے تھے اور سخت سردی کے موسم میں دو باریک کپڑوں میں رہتے تھے لیکن انہیں سردی و گرمی کا کوئی احساس نہیں ہوتا تھا۔

علیؓ کی سادگی اور تقویٰ..... مگر یہ بات اس واقعہ کے خلاف ہے جو بعض مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ ایک دن حضرت علیؓ کے پاس ایک شخص آیا (یہ حضرت علی کی خلافت کا زمانہ تھا اور سردی کا موسم تھا) اس وقت حضرت علیؓ ایک پرانے اور بوسیدہ کپڑے کی پھٹی ہوئی چادر اوڑھے ہوئے تھے اور سردی سے کانپ رہے تھے۔ اس شخص نے امیر المومنین کو اس حال میں دیکھ کر کہا:

"امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے اس مال و دولت میں آپ کا حصہ بھی رکھا ہے مگر آپ نے اپنا یہ حال بنا رکھا ہے!"

حضرت علیؓ نے فرمایا:

"خدا کی قسم میں تمہارے مال میں سے لے کر تمہیں اس سے ہرگز محروم نہیں کروں گا۔ میری یہ بوسیدہ چادر ہی ہے جسے اوڑھ کر میں مدینے سے نکلا تھا!"

مگر ان دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ کیونکہ ممکن ہے اس وقت حضرت علیؓ جو کانپ رہے تھے وہ سردی کی وجہ سے نہیں جیسا کہ اس شخص نے سمجھا بلکہ شاید اس وقت انہیں بخار چڑھا ہوا تھا اور وہ اس کے لرزہ کی وجہ سے کانپ رہے تھے۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کے آشوب چشم کے لئے اپنا لعاب دہن لگایا تھا اس واقعہ کی طرف قصیدہ و ہمزیہ کے شاعر نے اپنے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے۔

وعلی لما تفلت بعینیه
وکلتا هما معاء مداء

ترجمہ: اور حضرت علیؓ کی آنکھوں میں جب کہ وہ آشوب چشم میں مبتلا تھے آنحضرت ﷺ نے اپنا لعاب دہن لگایا۔

ففدا ناظرا بعینی عقاب
فی غزاة لها العقاب لواء

ترجمہ: تو ان کی بینائی عقاب یعنی باز پرندہ سے بھی زیادہ تیز ہوگئی۔ اور یہ اس غزوہ کا واقعہ ہے جس میں عقاب نامی پرچم انہیں دیا گیا تھا۔

آنحضرت ﷺ کا جو یہ ارشاد ہے کہ۔ میں یہ رائیہ اس شخص کو دوں گا۔ اس میں را۔ سے مراد لواء ہے۔ اسی طرح بعد میں بھی آنحضرت ﷺ کا یہ جملہ ہے جو آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ۔ یہ رائیہ سنبھالو۔ اس میں بھی رائیہ سے مراد لواء ہی ہے) یہ بات پیچھے بیان ہو چکی ہے کہ کبھی کبھی لواء کو بھی رائیہ کہہ دیا جاتا ہے (اگرچہ رائیہ بڑے پرچم کو اور لواء چھوٹے پرچم کو کہا جاتا ہے)۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ ابوسفیان کے پاس وہی مشہور رائیہ رہتا تھا جو عقاب کے نام سے مشہور تھا اور جس کو قوم کے سب سے بڑے سردار کے سوا کوئی نہیں رکھ سکتا تھا اور جنگ کے وقت وہی سردار اس عقابی پرچم کو اٹھایا کرتا تھا۔ یہاں تک ان

علماء کا حوالہ ہے۔ آنحضرت ﷺ کے اس رابیہ کا نام غالباً اس لئے عقاب رکھا گیا کہ یہ بھی ویسا ہی اہم پرچم رہا ہو گا۔

حضرت علیؓ کو ہدایات...... غرض جب رسول اللہ ﷺ نے وہ پرچم حضرت علیؓ کے سپرد کر دیا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ میں کس بات پر ان لوگوں سے جنگ کروں؟ آپ نے فرمایا:

"اس پر کہ وہ لوگ یہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اور جب وہ یہ گواہی دے دیں تو ان کا خون حرام ہو جائے گا اور ان کا جان و مال محفوظ ہو جائے گا!"

ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں پرچم دیا تو فرمایا جاؤ اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا۔

چنانچہ حضرت علیؓ تھوڑی دور چلے پھر رک گئے اور بغیر مڑے انہوں نے زور سے پکار کر پوچھا کہ یارسول اللہ میں کس بات پر ان سے جنگ کروں۔ آپ نے فرمایا اس وقت تک لڑتے رہو جب تک وہ خدا اور رسول کی گواہی نہ دے دیں۔ اگر وہ یہ گواہی دے دیں تو وہ تم سے محفوظ ہوں گے' ان کا جان و مال اس گواہی کے حق میں مامون ہو گا اور ان کا حساب و کتاب صرف اللہ کے ذمہ ہو گا یعنی ان کے باطن اور دلوں کا حساب اللہ پر ہو گا۔ کیونکہ جہاں تک ایمان خالص کا تعلق ہے اس کو صرف اللہ ہی جانتا ہے' اسی طرح دلوں کے نفاق اور کفر کو بھی صرف اللہ ہی جانتا ہے۔

ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ان سے یہ بھی فرمایا:

"پھر ان کے اوپر اللہ کا جو حق واجب ہوتا ہے وہ بھی ان کو بتلا دینا کیونکہ خدا کی قسم اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ ایک شخص کو بھی ہدایت عطا فرما دے تو یہ بات تمہارے لئے دنیا جہاں کی نعمتوں کو اللہ کی راہ میں صدقہ کر دینے سے زیادہ بہتر ہو گی!"

اس طرح گویا رسول اللہ ﷺ نے شہادت کے صرف زبانی الفاظ پر ان کی جانوں کو محفوظ کر دینے کی ضمانت دی مگر اس کے ساتھ ہی آپ کی طرف سے اس شخص کی ضمانت نہیں ہے جو یہ دونوں گواہیاں دینے کے بعد نماز بھی ترک کر دے اور زکوٰۃ بھی ترک کرتا ہو۔ چنانچہ اسی لئے آپ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا تھا کہ پھر ان پر اللہ کا جو حق واجب ہوتا ہے وہ بھی ان کو بتا دینا۔ ایک روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ۔ جاؤ اور اس وقت تک پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا جب تک اللہ تعالیٰ ان پر فتح نہ عطا فرما دے۔

غیبی امداد کی بشارت...... حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ جب خیبر کے موقعہ پر حضرت علیؓ حملہ کو جانے کے لئے تیار ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

"علی۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تمہارا ساتھی وہ ہے جو تمہیں کسی حال میں تنہا نہیں چھوڑیگا' تمہارے دائیں جانب یہ جبرئیلؑ ہیں جن کے ہاتھ میں تلوار ہے اگر وہ اپنی تلوار پہاڑوں پر بھی مار دیں تو پہاڑوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں لہٰذا تمہیں رضوان اور جنت کی خوشخبری ہو۔ اے علی! تم عرب کے سردار ہوں اور میں اولاد آدم کا سردار ہوں۔ (یعنی ان خصوصیات کے ساتھ آگے بڑھو)!"

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ روزانہ اپنے صحابہ میں سے کسی ایک کو پرچم یعنی رابیہ عنایت فرمایا کرتے تھے اور اس کو لشکر دے کر بھیجا کرتے تھے۔ ایک دن آپ نے حضرت ابو بکرؓ کو پرچم دے کر روانہ کیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے جا کر جنگ کی مگر ناکام واپس آ گئے اگرچہ انہوں نے زبردست جہاد اور محنت کی تھی۔

اگلے دن آپ نے حضرت عمرؓ کو پرچم دے کر بھیجا۔ انہوں نے بھی جا کر جنگ کی مگر ناکام ہی واپس آئے اگرچہ انہوں نے

زبروست جہاد کیا انکے بعد آپ نے ایک انصاری شخص کو پرچم دیکر روانہ کیا انہوں نے بھی خوب جہاد کیا مگر ناکام واپس آئے۔

آخر میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اب میں اس شخص کو پرچم یعنی لواء دوں گا جو اللہ اور رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں پر فتح عطا فرمائے گا اور جو میدان سے بھاگنے والا نہیں ہے۔ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔جو بار بار حملہ کرنے والا ہے بھاگنے والا نہیں ہے۔اس کے بعد آپ نے حضرت علیؓ کو بلایا جو آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ آپ نے ان کی آنکھوں پر اپنا لعاب دہن لگا کر فرمایا کہ یہ رایہ یعنی پرچم لو اور آگے بڑھتے جاؤ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہیں فتح و کامرانی عطا فرمائے۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں کے لئے فتح و نصرت کی دعا فرمائی۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ان کو اپنی لوہے کی زرہ پہنائی اور ذوالفقار تلوار ان کے حمائل کی جو آپ کی تلوار تھی۔

پھر آپ نے انہیں پرچم دے کر قلعہ کی طرف روانہ کیا۔

علی کے ہاتھوں حرث کا قتل...... حضرت علیؓ پرچم کو لہراتے ہوئے قلعہ کی طرف روانہ ہوئے اور آخر انہوں نے اسے قلعہ کے نیچے نصب کر دیا۔ قلعہ کے اوپر بیٹھے ہوئے ایک یہودی نے ان کو دیکھا تو پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا میں علی ابن ابو طالب ہوں!۔یہودی نے کہا۔

"تم لوگوں نے بڑا سر اٹھایا ہے حالانکہ حق وہی ہے جو موسیٰؑ پر نازل کیا گیا۔!"

اس کے بعد قلعہ والے نکل کر ان کی طرف بڑھے ان میں سب سے آگے حرث تھا جو مرحب کا بھائی تھا (مرحب یہود کا سردار تھا) حرث اپنی بہادری کے لئے بہت مشہور تھا۔ مسلمان اس کو بڑھتا دیکھ کر راستہ چھوڑتے گئے اور حضرت علیؓ اپنی جگہ ثابت قدمی سے کھڑے رہے۔ آخر حرث نے آکر حضرت علیؓ پر حملہ کیا تھوڑی دیر میں دونوں میں تلوار کے وار ہوئے اور ذرا ہی دیر میں حضرت علیؓ نے اس کو قتل کر دیا حرث کے قتل ہوتے ہی یہودی تیزی سے پسپا ہو کر واپس قلعہ میں گھس گئے۔

مرحب سے مقابلہ......اس کے بعد حضرت علیؓ کے مقابلے کے لئے مرحب نکلا اور اس نے آتے ہی حضرت علیؓ پر حملہ کیا مرحب کے وار کو حضرت علیؓ نے ڈھال پر روکا مگر ان کی ڈھال ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری۔ حضرت علیؓ نے فوراً ہی قریب سے قلعہ کے دروازے کا پورا کواڑ اٹھایا اور اس کے ذریعہ مرحب کے وار روکنے لگے۔

قلعہ کا کواڑ علی کی ڈھال...... حضرت علیؓ اسی طرح قلعہ کا کواڑ ہاتھ میں لئے لڑتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے قلعہ فتح کرادیا۔ اس کے بعد انہوں نے کواڑ کو اچھال کر اپنی پشت کی طرف پھینکا تو وہ پورا کواڑ اسّی بالشت دور جا گرا۔

حضرت علیؓ کی طاقت و قوت......راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے اور سات دوسرے آدمیوں نے مل کر اس کواڑ کو پلٹنا چاہا تو وہ ہم سے ہلا بھی نہیں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس روایت میں جہالت یعنی نامانوس پہلو بھی ہیں اور ظاہری انقطاع بھی ہے۔ ایک قول ہے کہ چالیس آدمی بھی اس کواڑ کو نہ اٹھا سکے اور ایک قول ہے کہ ستّر آدمی بھی نہیں اٹھا سکے۔

ایک روایت ہے کہ جب حضرت علیؓ قلعہ کے دروازے کے پاس پہنچے تو انہوں نے قلعہ کا ایک کواڑ پکڑ کر جھٹکا دیا اور اسے زمین پر گرا دیا۔ جنگ کے بعد ستّر آدمیوں نے مل کر اس کواڑ کو بڑی مشکل سے اس کی جگہ پر واپس کھڑا کیا۔ ایک قول ہے کہ حضرت علیؓ اس کواڑ کو اپنی پشت پر اٹھا کر کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ مسلمان اس کواڑ پر چڑھ کر قلعہ میں داخل ہو گئے۔

بعض محدثین نے کہا ہے کہ اس حدیث کی تمام سند واہی یعنی غیر معتبر ہے اور بعض راوی منکر ہیں یہ علامہ ذہبیؒ کا قول ہے۔ کتاب امتاع میں ہے کہ حضرت علیؓ کے کواڑ کو اٹھانے کی روایت بالکل بے اصل ہے جسے پست قسم کے لوگوں نے نقل کیا

ہے واقعہ اس طرح نہیں ہے' پھر انہوں نے اسکے بعض ان راویوں کا ذکر کیا ہے جنہیں حفاظ حدیث میں سے خارج کیا گیا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب مرحب نے دیکھا کہ اس کا بھائی حضرت علیؓ کے ہاتھوں قتل ہو گیا ہے تو وہ بڑی تیزی کے ساتھ اپنے تمام ہتھیار لگا کر قلعہ سے نکلا۔ اس نے دو زرہیں پہن رکھی تھیں' دو تلواریں لگا رکھی تھیں اور دو عمامے پہن رکھے تھے اور ان دونوں عماموں کے اوپر خود پہن رکھا تھا خود میں سے دیکھنے کے لئے سامنے تھوڑا سا سوراخ بنا ہوا تھا۔ مرحب کے ہاتھ میں نیزہ تھا جس میں تین پھل لگے ہوئے تھے۔ وہ یہ رجزیہ کلام پڑھتا ہوا سامنے آیا۔

قد علمت خیبر انی مرحب

شاکی السلاح بطل مجرب

ترجمہ: خیبر والے خوب جانتے ہیں کہ میں مرحب ہوں ہوا ایک ہتھیار بند' بہادر اور نہایت تجربہ کار سورما ہے۔

اس شعر میں جو "شاکی السلاح" کا لفظ ہیں ہے اس کے معنی مکمل طور پر ہتھیار بند اور مسلح آدمی کے ہیں اور مجرب کے معنی وہ شخص جس کی شجاعت و بہادری کا ڈنکہ بجتا ہو اور جس سے دشمن کے گھوڑے سوار بھی خوف زدہ رہتے ہوں۔

غرض اس کے بعد مرحب سامنے آ کر للکارا کہ کوئی ہے جو میرے مقابلے کے لئے آئے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا۔ کون ہے جو اس کے مقابلہ پر جائے گا؟ حضرت محمدؓ ابن مسلمہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اس کے مقابلے کے لئے میں جاؤں گا۔ یہ میرا ہی مقروض ہے یعنی میرے بھائی کو کل اس نے قتل کیا ہے اور میں اس سے وہ قرض یعنی بدلہ ابھی تک نہیں لے سکا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ بس تو اس کے مقابلے پر جاؤ۔ اے اللہ! اس کے مقابلہ میں ان کی مدد فرما۔ چنانچہ حضرت محمد ابن مسلمہ نے جا کر اس کو قتل کر دیا۔ یعنی جب وہ دونوں آمنے سامنے ہوئے تو مرحب نے حضرت محمد ابن مسلمہ پر حملہ کیا ابن مسلمہ نے اس کے وار کو اپنی چمڑے کی ڈھال پر روکا تو اس کی تلوار ڈھال کو کاٹ کر اس میں پھنس گئی۔ ابن مسلمہ نے فوراً خود وار کیا اور اسے قتل کر ڈالا۔

امام مزنی نے اپنی کتاب مختصر میں جو قول نقل کیا ہے اس سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے وہ لکھتے ہیں کہ غزوۂ خیبر میں رسول اللہ ﷺ نے مرحب کے جسم کا تمام سامان حضرت محمدؓ ابن مسلمہ کو عنایت فرما دیا تھا جس میں اس کی تلوار' نیزہ زرہ اور خود شامل تھا۔ مرحب کی تلوار پر یہ عبارت کندہ تھی:

"یہ مرحب کی تلوار ہے جو اسے چھینے گا وہ ہلاک ہو گا!"

مرحب کے قاتل کے متعلق مختلف روایات...... ایک قول ہے کہ مرحب کے قاتل حضرت علیؓ تھے۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ بعض محدثین نے کہا ہے کہ حضرت علیؓ کے متعلق ہی اس بارے میں متواتر احادیث ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن اثیر جزریؒ نے کہا ہے کہ صحیح قول جس پر تمام سیرت نگاروں اور محدثین کا اتفاق ہے' یہی ہے کہ مرحب کے قاتل حضرت علیؓ ہیں۔ اسی طرح کتاب استیعاب میں ہے کہ صحیح قول جس پر اکثر محدثین اور سیرت نگاروں نے اتفاق کیا ہے یہ ہے کہ مرحب کے قاتل حضرت علیؓ ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت علیؓ مرحب کے مقابلے کے لئے بڑھے تو وہ یہ رجزیہ شعر پڑھ رہے تھے۔

أَنَا الَّذِی سَمَّتْنِی أُمِّی حَیْدَرَة

ضَرْغَامُ أَجَام وَلَیْثُ قَسْوَرَة

ترجمہ: میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا۔ میں گفاؤں کا چیتا اور بیشہ شجاعت کا شیر ہوں۔

دوسرا مصرعہ اس کے بجائے ایک قول کے مطابق یوں ہے۔

کلیث غابات کریہ المنظرة

نہایت ہی خوفناک جھاڑیوں کا شیر ہوں۔

حضرت علیؓ کا حیدر لقب اور اس کے معنی..... حضرت علی جب پیدا ہوئے تھے تو ان کے والد ابو طالب مکے میں موجود نہیں تھے ان کی والدہ نے حضرت علی کا نام اپنے باپ کے نام پر اسد رکھ دیا جب ابو طالب واپس آئے اور انہیں معلوم ہوا کہ بیٹے کا نام (اس کے نانا کے نام پر) اسد رکھا گیا ہے تو انہوں نے اس کو ناپسند کیا اور ان کا نام علی رکھا (اس شعر میں حضرت علیؓ نے اپنا نام حیدر بتلایا ہے کیونکہ) اسد یعنی شیر کے جو مختلف نام ہیں ان میں سے ایک حیدرہ بھی ہے حیدرہ کے اصل معنی سخت اور مضبوط کے ہیں۔

ایک قول ہے کہ حضرت علیؓ کو ان کے بچپن میں حیدر کا لقب دیا گیا کیونکہ ان کا پیٹ بہت بڑا اور پُر گوشت تھا اور جو شخص ایسا ہو اس کو حیدرہ کہا جاتا ہے (لہٰذا حضرت علی کو بھی حیدرہ کہا جانے لگا)

یوں بھی کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت علیؓ کا کشف تھا کیونکہ مرحب نے اسی رات خواب میں دیکھا تھا کہ ایک شیر نے اسے پھاڑ ڈالا (جب دونوں کا مقابلہ ہوا تو) حضرت علیؓ نے اس کے سامنے اس خواب کا ذکر کیا تاکہ اسے ڈرا کر اس کے دل میں دہشت بٹھادیں (چونکہ عربی میں شیر کو اسد کہتے ہیں لہٰذا حضرت علیؓ کو اسد کہا جانے لگا کیونکہ انہوں نے ہی مرحب کو ہلاک کیا)۔

علی کا جان لیوا وار......ایک روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے مرحب پر تلوار کا وار کیا تو مرحب نے وار کو ڈھال پر روکا تلوار نے ڈھال کو بھی پھاڑ ڈالا اور خود کو بھی۔ اس خود کے نیچے جو پتھر تھا اسے بھی توڑا اور اس کے نیچے جو دو عمامے تھے ان سے گزر کر تلوار اس کی کھوپڑی چاک کر دی اور مرحب کی ڈاڑھ کی دانتوں میں آ پھنسی۔

مرحب کے ہتھیار...... مرحب کے قتل کے سلسلے میں میں دو روایتیں بیان ہوئی ہیں ایک کے مطابق اس کے قاتل حضرت محمد ابن مسلمہؓ تھے اور دوسری روایت کے مطابق اس کے قاتل حضرت علیؓ تھے۔ اس اختلاف کو دور کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ پہلے حضرت علیؓ نے اس کی کھوپڑی چاک کی تھی اور اس کے بعد ابن مسلمہ نے اس کو ادھ مرا کر دیا تھا۔ کیونکہ یہ بات ممکن ہے کہ کھوپڑی چاک ہو جانے کے باوجود وہ ٹھنڈا نہ ہوا ہو لہٰذا حضرت محمدؓ ابن مسلمہ نے آخری وار کر کے اسکو بے دم کر دیا اور اس کے بعد حضرت علیؓ اس کی لاش کے پاس آکر کھڑے ہو گئے۔

سیرت کی کتاب میں علامہ واقدی کی جو روایت ہے اس سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے۔ اس روایت میں ہے کہ جب حضرت محمد ابن مسلمہ نے مرحب کی دو ٹانگیں کاٹ لیں تو مرحب نے ان سے کہا کہ علی نے مار ڈالا۔ محمد ابن مسلمہ نے کہا نہیں بلکہ اب موت کا ذائقہ اسی طرح چکھ جیسے میرے بھائی نے چکھا ہے۔ اسی وقت وہاں سے حضرت علیؓ کا گزر ہوا انہوں نے فوراً اس کی گردن ماردی اور اس کے جسم کے ہتھیاروں پر قبضہ کر لیا۔ اس پر دونوں اپنا جھگڑا رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئے تاکہ مرحب کے جسم کے ہتھیاروں کے متعلق آپ فیصلہ کرائیں۔ حضرت محمد ابن مسلمہ نے آپ سے عرض کیا:

"یارسول اللہ ﷺ! میں نے اس کی ٹانگیں کاٹ کر اسے اسی لئے چھوڑا تھا کہ وہ موت کا مزہ چکھے یہ میں بھی کر سکتا تھا کہ اس کی گردن ماردوں!"۔

اس پر حضرت علی نے کہا یہ ٹھیک کہتے ہیں۔ پھر آنحضرت ﷺ نے مرحب کے ہتھیار حضرت محمد ابن مسلمہؓ کو عنایت فرمادیئے۔ غالباً اس سے پہلے مرحب کا عامر ابن اکوع سے مقابلہ ہو چکا تھا۔ لہٰذا اب یہ بات اس روایت کے خلاف نہیں رہتی جو فتح الباری کے حوالے سے گزری ہے۔

مرحب کے بھائی یاسر کی للکار!...... پھر مرحب کے بعد اس کا بھائی سامنے آیا اس کا نام یاسر تھا۔ وہ یہ رجز یہ شعر پڑھتا ہوا نکلا۔

قد علمت خیبر انی یاسر

شاکی السلاح بطل مغادر

ترجمہ: خیبر کا ذرہ ذرہ جانتا ہے کہ میں یاسر ہوں جو ہتھیار پوش بہادر اور کشتوں کے پشتے لگانے والا ہے۔

حضرت زبیرؓ مقابلے میں...... یہ یاسر بھی یہودیوں کے مشہور شہ سواروں اور بہادر سورماؤں میں سے تھا۔ اس نے سامنے آتے ہی للکار دی اور کہا کون ہے جو میرے مقابلے پر آئے گا۔ اس پر حضرت زبیرؓ مسلم صفوں سے نکلے۔ یہ آنحضرت ﷺ کی پھوپی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے تھے۔ ان کو نکلتے دیکھ کر حضرت صفیہ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ یاسر میرے بیٹے کو قتل کر دے گا۔ مگر آپ نے فرمایا:

"نہیں بلکہ انشاء اللہ تمہارا بیٹا اس کو قتل کرے گا!"

یاسر کا قتل...... چنانچہ حضرت زبیرؓ نے اس کو قتل کر دیا۔ حضرت زبیر کے اس کارنامے پر رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

"تم پر تمام چچا اور ماموں قربان ہوں۔ ہر نبی کے حواری یعنی جاں نثار دوست ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیر ہیں!"

مگر علامہ زمخشری نے کہا ہے کہ حضرت زبیرؓ کا یہ واقعہ غزوۂ بنی قریظہ کا ہے وہ لکھتے ہیں کہ حضرت زبیرؓ پہلے آدمی تھے جو کسی مقتول کے ہتھیاروں کے حقدار بنے اور یہ بات غزوۂ بنی قریظہ کی ہے کہ دشمن کے ایک سورمانے مقابلہ کے لئے للکار دی اور کہا کہ ایک ایک کر کے مقابلے کے لئے نکلے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت زبیرؓ کو حکم دیا کہ زبیر تم اٹھو۔ اس وقت زبیر کی والدہ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ میرا اکلوتا بیٹا ہے۔ آپ نے فرمایا ان دونوں میں سے جو بھی دوسرے کے اوپر تلوار بلند کرے گا وہی کامیاب ہو گیا۔ چنانچہ حضرت زبیرؓ نے پہنچتے ہی اپنے مقابل پر پہلے ہی تلوار بلند کی اور اسے قتل کر دیا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے مقتول کے ہتھیار حضرت زبیرؓ کو عنایت فرمادیئے اور کہا کہ مقتول کے ہتھیار قاتل کا حق ہوتے ہیں۔ یہاں تک زمخشری کا حوالہ ہے جو قابل غور ہے کیونکہ میں کسی کتاب میں یہ نہیں دیکھا کہ بنی قریظہ کے غزوہ میں شخصی مقابلہ بھی ہوا تھا۔

جہاں تک یاسر کے قتل کا تعلق ہے تو اس بارے میں ایک قول یہ ہے کہ اس کے قاتل حضرت زبیر نہیں بلکہ حضرت علیؓ تھے۔ مگر اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے ان دونوں باتوں میں بھی اسی طرح موافقت پیدا ہو سکتی ہے جس طرح مرحب کے سلسلے میں بیان ہوئی ہے۔

اسود راعی کا اسلام...... غزوۂ خیبر میں مسلمانوں کا جنگی نعرہ "اَمِت اَمِت" تھا۔ ایک روایت کے مطابق "یا منصور اَمِت اَمِت" تھا۔ مسلمانوں میں سے اس غزوۂ میں جو لوگ قتل ہوئے ان میں اسود راعی تھا جو ایک یہودی کے ملازم کی حیثیت سے اس کی بکریاں چرایا کرتا تھا یہ ایک حبشی غلام تھا جس کا نام اسلام تھا۔ کتاب امتاع کے مطابق اس کا نام یسار تھا۔

جب رسول اللہ ﷺ خیبر کا محاصرہ کئے ہوئے تھے تو یہ شخص آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہو کر کہنے لگا کہ یا رسول اللہ مجھے

اسلام پیش کیجئے (یعنی اسلام کی خوبیاں اور احکام بیان فرمائیے) آپ نے اس کو اسلام پیش کیا تو وہ مسلمان ہو گیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ اس نے آپ سے عرض کیا میں مسلمان ہو تا ہوں مجھے اس کے نتیجہ میں کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا جنت۔ چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا۔

جب اسود راعی مسلمان ہو گیا تو آپ سے کہنے لگا:

"یارسول اللہ! میں ان بکریوں کے مالک کے پاس چرواہے کے طور پر ملازم ہوں اب میں ان بکریوں کا کیا کروں ؟ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ یہ امانت ہیں اور ان میں مختلف لوگوں کی ہیں کسی کی ایک بکری اور کسی کی دو بکریاں ہیں اور کسی کی اس سے زیادہ ہیں!"۔ آپ نے فرمایا:

"ان کو سامنے کی طرف ہنکا دو یہ خود ہی اپنے مالکوں کے پاس پہنچ جائیں گے!"

چنانچہ اسودؓ نے ایک پیالے میں کنکریاں بھر کر ان بکریوں کے منہ پر پھینک دیں اور ان کو مخاطب کر کے کہنے لگا' اپنے مالک کے پاس واپس جاؤ کیونکہ خدا کی قسم اب میں تو تمہارا ساتھ دینے والا نہیں ہوں۔ چنانچہ بکریاں اس طرح اکٹھی ہو کر واپس چلیں جیسے کوئی چرواہا انہیں ہنکا رہا ہے یہاں تک کہ وہ سیدھی قلعہ میں داخل ہو گئیں۔

اسود کا جہاد اور شہادت...... اس کے بعد اسود راعی اس قلعہ کی طرف بڑھے اور مسلمانوں کے ساتھ مل کر جنگ کرنے لگے جنگ کے دوران ایک پتھر ان کے آکر لگا۔ ایک روایت کے مطابق کسی ان دیکھے تیر انداز کا تیر آکر ان کے لگا جس سے وہ اسی وقت شہید ہو گئے جب کہ ابھی تک انہوں نے اللہ کے حضور میں ایک سجدہ بھی نہیں کیا تھا۔

اسود کا بلند مقام...... صحابہ کی ایک جماعت ان کی لاش لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی۔ آنحضرت ﷺ نے اسود کی لاش دیکھ کر فوراً منہ پھیر لیا اور وہاں سے ہٹ گئے۔ صحابہ نے آپ سے پوچھا کہ یارسول اللہ! آپ نے اس کی طرف سے منہ کیوں پھیر لیا۔ آپ نے فرمایا:

"اس وقت اس کے پاس اس کی دونوں بیویاں ہیں جو جنت کی حوریں ہیں وہ اس کے چہرے سے مٹی جھاڑ رہی ہیں اور کہہ رہی ہیں کہ۔ اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو خاک میں ملائے جس نے تمہارے چہرے کو گرد آلودہ کیا اور اللہ تعالیٰ قاتل کو قتل کرے!"

ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے اس غلام کو بلند مرتبہ سے سرفراز فرمایا ہے اور اسے خیبر کی طرف روانہ کیا۔ اسلام ایک سچائی اور حق کی حیثیت سے اس کے دل میں جاگزین تھا!"

قلعہ ناعم کی فتح...... اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس قلعہ کو فتح کرا دیا۔ اس قلعہ کا نام ناعم تھا۔ نطات کے قلعوں میں یہ پہلا قلعہ ہے جو حضرت علی کے ہاتھوں فتح ہوا۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب تک بنی قمۃ کی حویلی فتح نہیں ہوئی رسول اللہ ﷺ نے نہ گیہوں کی روٹی سے پیٹ بھرا اور نہ کھجور سے۔ اور خیبر میں یہ پہلی حویلی ہے جو حضرت علیؓ کے ہاتھوں فتح ہوئی اور حویلی نطات کی حویلیوں میں سے ایک تھی۔ یہی حویلی مرحب کے بھائی یاسر کا گھر تھی۔ اس تفصیل کے ظاہری الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ناعم نامی حویلی قلعہ تھی۔

کہا جاتا ہے کہ جب حضرت علیؓ نے ناعم کا قلعہ فتح کیا تو انہوں نے اس شخص کو گرفتار کیا جس نے محمدؓ ابن مسلمہ کے بھائی محمود ابن مسلمہ کو قتل کیا تھا۔ حضرت علیؓ نے اس شخص کو حضرت محمد ابن مسلمہ کے حوالے کر دیا جنہوں نے اسے اپنے بھائی کے بدلے میں قتل کر دیا۔

ادھر پیچھے بیان ہوا ہے کہ حضرت محمدؓ ابن مسلمہ نے مرحب کو قتل کیا تھا کیونکہ گذشتہ روایت کی بنیاد پر وہی ان کے بھائی محمود کا قاتل تھا (آگے بھی ایک روایت آ رہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کنانہ نامی شخص کو حضرت محمد ابن مسلمہ کے حوالے کیا تھا تاکہ وہ اس کو اپنے بھائی کے بدلے میں قتل کر دیں۔ اب ان روایات سے اس گذشتہ بیان کی تائید ہو جاتی ہے کہ مرحب کنانہ اور وہ شخص جسے حضرت علیؓ نے گرفتار کر کے محمد ابن مسلمہ کے حوالے کیا۔ تینوں ہی آدمی محمود ابن مسلمہ کے قتل میں شریک تھے۔

مسلمانوں کو کھانے کی تنگی...... قلعہ کے اس محاصرہ کے دوران مسلمانوں کو کھانے پینے کی سخت تنگی ہو گئی اور وہ بھوک سے بے حال ہونے لگے چنانچہ بنی اسلم کے مسلمانوں نے اسماء ابن حارثہ اور اس کی بیوی کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ پیغام دے کر بھیجا کہ بنی اسلم آپ کو سلام عرض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم لوگ بھوک سے بد حال ہو رہے ہیں۔ اس پر لوگوں نے انہیں ملامت کی اور کہا کہ کیا تم عربوں کے درمیان ہوتے ہوئے ایسی بات کہہ رہے ہو۔ اس پر اسماء کے بھائی زیدؓ ابن حارثہ نے کہا:

"خدا کی قسم میں اس آرزو میں ہوں کہ یہ وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا رہا ہے خیر و برکت کی کنجی ثابت ہو!"

آنحضرت ﷺ سے دعا...... اس کے بعد اسماء آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور انہوں نے آپ کو بنی اسلم کا پیغام پہنچایا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے دعا کرتے ہوئے فرمایا:

"اے اللہ! تجھے ان کے حال کا پتہ ہے اور یہ کہ ان کے پاس کوئی قوت اور استطاعت نہیں ہے میرے پاس بھی کچھ نہیں ہے جو میں ان کو دے سکوں' اس کے بعد آپ نے فرمایا: اے اللہ! ان میں سے اکثر قلعوں کو اس حال میں فتح کرا کہ ان میں رزق اور گھی کی فراوانی ہو!"

اس کے بعد آپ نے حضرت حبابؓ ابن منذر کو پرچم عنایت فرمایا اور لوگوں کو جنگ کے لئے برانگیختہ کیا ناعم نامی قلعہ کے یہودیوں میں سے جو لوگ جان بچا کر نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے وہ صعب نامی قلعہ میں پہنچ گئے جو نطات کے قلعوں میں سے ایک تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے صعب نامی قلعہ اسی دن سورج غروب ہونے سے بھی پہلے فتح کرا دیا۔ اس سے پہلے دو دن سے اس قلعہ کا محاصرہ چل رہا تھا (لیکن پھر حق تعالیٰ نے اس کو نہایت آسانی سے فتح کرا دیا)

رسد کے زبردست ذخائر...... خیبر کے قلعوں میں یہی وہ قلعہ تھا جس میں کھانے پینے کا سامان سب سے زیادہ تھا یعنی صعب قلعہ میں گیہوں' کھجور' گھی' زیتون کا تیل' چربی' مویشی اور دوسرے ہر قسم کے مال و متاع کی سب سے زیادہ فراوانی تھی۔

یہ روایت حضرت عائشہؓ کی اس گذشتہ حدیث کے خلاف نہیں ہے جس میں انہوں نے قلعہ ناعم کے سلسلے میں کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گیہوں کی روٹی یا کھجور نہیں کھائی۔ وغیرہ وغیرہ۔ نہ ہی یہ روایت اس گذشتہ روایت کے خلاف ہے کہ یہودیوں نے اپنا تمام مال کثیبہ کے قلعوں میں پہنچا دیا تھا کیونکہ شاید یہاں مال سے مراد نقد وغیرہ ہے جو کھانے پینے کی ان چیزوں کے علاوہ تھی جن کا یہاں ذکر ہوا۔

قلعہ صعب پر شخصی مقابلے...... اس قلعہ صعب میں پانچ سو جانباز تھے اس کے فتح ہونے سے پہلے قلعہ میں سے ایک شخص نکل کر سامنے آیا اور اس نے اپنے مقابل کو للکارا۔ اس شخص کا نام یوشع تھا۔ اس کے مقابلے کے لئے حضرت حبابؓ ابن منذر گئے اور اسے قتل کر آئے۔

اس کے بعد ایک دوسرا یہودی نکلا اور اس نے بھی شخصی مقابلے کے لئے للکارا۔ اس کا نام دیال تھا اس کے مقابلے کیلئے

حضرت عمارہ ابن عقبہ غفاری نکلے انہوں نے ایک دم دیال کی کھوپڑی پر وار کرتے ہوئے کہا۔ لے اسے سنبھال۔ میں ایک غفاری لڑکا ہوں۔ (بظاہر یہ ایک سادہ جملہ ہے مگر صحابہ کرام نے سمجھا کہ حضرت عمارہ نے اپنی بڑائی اور تکبر کے لئے یہ بات کہی ہے۔ اگرچہ جنگ میں ایسے جملے جائز ہیں) اس پر صحابہ نے کہا کہ عمارہؓ نے اپنے جہاد کا ثواب ختم کر لیا۔ مگر جب آنحضرت ﷺ کو عمارہ کا یہ کلمہ اور لوگوں کا یہ تبصرہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ نہیں اس کو اس عمل کا اجر بھی ملے گا اور اس کا یہ کارنامہ قابل تعریف بھی ہے۔

یہود کا شدید حملہ ...... اس کے بعد یہودیوں نے ایک نہایت زبردست حملہ کیا جس کے نتیجہ میں مسلمان پسپا ہوئے اور ادھر ادھر منتشر ہوتے چلے گئے یہود آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔ آنحضرت ﷺ اس وقت گھوڑے سے اتر کر زمین پر کھڑے ہوئے تھے۔

مسلمانوں کا جوابی حملہ اور فتح ...... اس وقت حضرت حباب ابن منذر انتہائی ثابت قدمی کے ساتھ جمے رہے اور یہودیوں کا مقابلہ کرتے رہے) رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو جہاد کے لئے ابھارا جس پر مسلمان رکے اور انہوں نے پلٹ کر یہودیوں پر ایک بھرپور حملہ کیا اور حضرت حباب ابن منذر نے دشمن پر یلغار کی۔ یہودی اس حملے کی تاب نہ لا سکے اور تیزی سے پسپا ہونے لگے یہاں تک کہ وہ لوگ اپنی حویلیوں تک پہنچ گئے اور انہوں نے اندر گھس کر دروازے بند کر لئے۔ مسلمانوں نے قلعہ پر یلغار کی اور یہودیوں کو قتل اور گرفتار کرنے لگے (یہاں تک کہ قلعہ فتح ہو گیا) اس قلعہ میں بڑے پیانہ پر گیہوں، کھجوریں، گھی، شہد، شکر یعنی کھانڈ، زیتون کا تیل اور چربی مسلمانوں کے لشکر کے ہاتھ آئی۔

نبی ﷺ کی مقبول دعا ...... اسی وقت رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ خوب کھاؤ چارہ بناؤ مگر یہاں کی کوئی چیز یعنی کھانے پینے کا سامان اپنے ساتھ لے کر ہرگز مت جاؤ۔ ہماری شافعی فقہاء کا یہی مذہب ہے اور یہی ان کی دلیل ہے۔ شافعیوں کا مذہب یہ ہے کہ مال غنیمت کے حصہ داروں کو کھانے میں اس قدر لینے کی اجازت ہے جس سے پیٹ بھر سکے، اسی طرح اتنے پھل لے سکتے ہیں جتنے عام طور پر کھائے جاتے ہیں، اسی طرح ضرورت کے مطابق جانوروں کے لئے چارہ لے سکتے ہیں۔ یہ مسئلہ اس صورت میں ہے جب کہ جہاد دارالحرب میں ہو رہا ہو اور اس وقت تک ہے جب تک کہ دارالحرب سے نکل کر دوسری جگہ نہ پہنچ جائیں۔ مگر مجاہدین وہ چیزیں نہیں لے سکتے اگر کسی مجاہد کو ضرورت ہے تو وہ صرف وہی چیزیں لے سکتا ہے جو انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ہیں۔ یہ مسئلہ ان چیزوں کے خلاف نہیں ہے جو یہاں ذکر ہوئیں کیونکہ ممکن ہے یہ اجازت ان تمام چیزوں کے کھانے کے متعلق ہو جن چیزوں کا اس روایت میں نام بنام ذکر ہوا ہے۔

سیرت ابن ہشام میں عبداللہؓ ابن مغفل سے روایت ہے کہ خیبر کے مال غنیمت میں سے مجھے جو چیز ہاتھ لگی وہ چربی کا ایک بورا تھا میں نے اسے اپنے کندھے پر لادا اور (اپنے پڑاؤ کی طرف) چلنے کا ارادہ کیا راستے میں مجھے مال غنیمت کے نگراں مل گئے۔ یہ ابو الیسر کعب ابن عمرو ابن زید انصاری تھے۔

راوی کہتا ہے کہ ابو الیسر نے ان کو یہ بورا لے جاتے ہوئے دیکھ کر انہیں گردن سے پکڑ لیا اور کہا اسے لے کر ہمارے ساتھ چلو تاکہ یہ مال مسلمانوں میں تقسیم کیا جائے۔ میں نے کہا خدا کی قسم میں یہ بورا ہرگز تمہیں نہیں دوں گا۔ اس پر وہ بورا پکڑ کر کھینچنے لگے اسی وقت رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دیکھا کہ ہمارے درمیان کھینچ تان ہو رہی ہے۔ آپ اس منظر پر بے ساختہ ہنس پڑے اور پھر نگران غنیمت سے فرمانے لگے کہ کوئی حرج نہیں اسے جانے دو۔ چنانچہ ابو الیسر نے مجھے چھوڑ دیا۔ میں سیدھا اپنے

پڑاؤ میں اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور ہم سب نے کھانا کھایا۔

کتاب امتاع میں ہے کہ مسلمانوں کو اس حویلی یعنی قلعہ صعب میں بہت سا جنگی سامان ہاتھ لگا جس میں دبّابے اور منجنیق تھی۔ یہ بات اس گذشتہ خبر کے مطابق ہے جس میں ایک یہودی مخبر نے آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی تھی کہ ایک حویلی کے ایک مکان میں تہہ خانہ ہے جس میں منجنیق 'دبّابے' زرہیں اور تلواریں بھری ہوئی ہیں۔ غالبًا مسلمانوں کو جو یہ سامان جنگ ملا اسی مخبر کی اطلاعات پر تلاش کیا گیا تھا۔

قلعہ قلّہ کا محاصرہ...... جب یہ قلعہ فتح ہو گیا تو اس کے جو لوگ جان بچا کر نکلنے میں کامیاب ہو گئے وہ حصن قُلّہ میں جا کر پناہ گزین ہو گئے (قلّہ کے معنی چوٹی کے ہیں) یہ حصن قُلّہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر تھا اس لئے حصن قُلّہ کہا جاتا تھا پھر اس کو قُلّہ زبیر کہا جانے لگا کیونکہ فتح کے بعد یہ حضرت زبیرؓ کے حصے میں آیا تھا۔ یہ نطات کے قلعوں میں آخری قلعہ تھا یعنی نطات کے تین قلعے تھے ایک قلعہ ناعم دوسرا قلعہ صعب اور تیسرا قلعہ قُلّہ (یوں سمجھنا چاہئے کہ نطات ایک محلّے کا نام تھا اور اس محلّے میں تین قلعے تھے جن کے نام بیان ہوئے)۔

ایک یہودی مخبر کی اطلاعات...... غرض قلعہ صعب کے بعد مسلمانوں نے قلعہ قُلّہ کا محاصرہ کر لیا اس محاصرہ کو تین دن گزرے تھے کہ مسلمانوں کے پاس ایک یہودی آیا اور آنحضرت ﷺ سے کہنے لگا:

"اے ابوالقاسم! آپ میری جاں بخشی کر دیجئے تو اس کے بدلے میں آپ کو میں ایسی اہم خبریں دوں گا کہ آپ اطمینان سے قلعہ فتح کر لیں گے ورنہ اگر آپ اس قلعہ کا ایک مہینہ تک بھی محاصرہ کئے رہیں تو بھی اس کو فتح نہیں کر سکتے کیونکہ اس قلعہ میں زمین دوز نہریں ہیں وہ لوگ رات کو نکل کر نہروں میں سے ضرورت کا پانی لے لیتے ہیں۔ اب اگر آپ کسی طرح ان لوگوں کا پانی بند کر دیں تو یہ لوگ آسانی سے ہلاک ہو جائیں گے!"

قلعہ قلّہ کی فتح...... آنحضرت ﷺ نے اس شخص کو امان دے دی اور اس کے بعد اس مخبر کے ساتھ ان نہروں پر گئے اور یہودیوں کا پانی کاٹ دیا۔ مجبور ہو کر یہودی قلعہ سے باہر نکلنے اور انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ خوں ریز جنگ کی مگر آخر کار یہ قلعہ قُلّہ مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو گیا۔

(اس طرح جب مسلمان نطات کے تینوں قلعے فتح کر چکے تو) اب وہ شق کے قلعوں کی طرف بڑھے۔ (شق بھی گویا ایک محلہ کا نام ہے جس میں کئی قلعے تھے)۔

قلعہ ابی پر حملہ...... شق کے قلعوں میں مسلمان سب سے پہلے قلعہ ابی کی طرف بڑھے جہاں زبردست جنگ ہوئی۔ قلعہ کے لوگوں میں سے پہلے ایک شخص نکلا جس کو غزوال کہا جاتا تھا۔ اس نے شخصی مقابلے کے لئے مسلمانوں کو للکارا۔ اس کی للکار پر حضرت حبابؓ ابن منذر بڑھے انہوں نے پہنچتے ہی غزوال پر حملہ کر دیا اور پہلے ہی وار میں اس کا داہنا ہاتھ آدھی کلائی پر سے کاٹ ڈالا۔ غزوال زخمی ہو کر واپس ہوا اور قلعہ کی طرف بھاگا۔ حضرت حباب نے اس کا پیچھا کیا اور بھاگتے ہوئے دوسرا وار کر کے غزوال کی ایڑی کے اوپر کا پٹھا یعنی کانچ کاٹ دی (جس کے بعد غزوال گرا) اور حضرت حباب ابن منذر نے فوراً ہی اس کو قتل کر ڈالا۔

اسی وقت ایک دوسرا یہودی شخصی مقابلے کے لئے نکلا اس کے مقابلے کے لئے مسلمانوں میں سے ایک اور شخص بڑھا مگر اس یہودی نے اس مسلمان کو قتل کر دیا اور اپنی جگہ کھڑے رہ کر پھر شخصی مقابلے کے لئے للکارا۔ اس دفعہ اس کے مقابلے کے

لئے مسلمانوں میں سے حضرت ابودجانہؓ نکلے اور سامنے پہنچتے ہی انہوں نے وار کر کے اس یہودی کا ایک پیر کاٹ دیا اور پھر دوسرے حملہ میں فوراً ہی قتل کر دیا۔

قلعہ ابی کی فتح..... اس کے بعد یہودیوں نے شخصی مقابلے ختم کر دیئے (اور ان کی طرف سے اب کوئی شخص مقابلے کے لئے نہیں نکلا) اس پر مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور قلعہ پر حملہ کر دیا مسلمان قلعہ کے اندر گھس گئے ان میں سب سے آگے آگے ابودجانہ تھے۔

قلعہ میں مسلمانوں کو بہت سا مال و دولت، بکریاں اور کھانے پینے کا سامان ملا۔ قلعہ میں جو لوگ تھے وہ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے اور انہوں نے شق کے دوسرے قلعہ میں جا کر پناہ لی جس کا نام قلعہ بری تھا۔ شق کے دو ہی قلعہ تھے جن میں سے پہلے قلعہ ابی تھا اور دوسرا قلعہ بری تھا۔

قلعہ بری پر یلغار...... قلعہ بری میں یہودیوں نے زبردست حفاظتی انتظامات کر رکھے تھے۔ ان لوگوں نے مسلمانوں پر شدید تیر اندازی اور سنگ باری کی یہاں تک کہ بعض تیر اس جگہ تک پہنچ کر گرے جہاں رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے تھے ان میں سے کچھ تیر آنحضرت ﷺ کے کپڑوں میں بھی الجھ گئے آنحضرت ﷺ نے زمین سے ایک مٹھی بھر سنگریزے اٹھائے اور انہیں قلعہ کی طرف پھینک دیا ان سنگریزوں کے پھینکنے سے یہ قلعے لرز اٹھے اور اس کے بعد زمین میں دھنسنے لگے۔ اسی وقت مسلمانوں نے جو کچھ بھی وہاں تھا تیزی سے قبضہ میں کر لیا۔

شق کے قلعے جیسا کہ بیان ہوا دو تھے ایک قلعہ ابی اور دوسرا قلعہ بری۔ مگر اس بارے میں علامہ حافظ دمیاطی نے اپنی سیرت میں جو کچھ لکھا ہے وہ قابل غور ہے کیونکہ سیرت دمیاطی میں یہ لفظ ہیں کہ شق میں کئی قلعے تھے جن میں سے قلعہ ابی اور قلعہ بری بھی تھے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: کتاب امتاع میں ہے کہ مسلمانوں کو جو منجنیق ملی تھی وہ قلعہ صعب میں ملی تھی جو نطات کے قلعوں میں سے ایک تھا۔ اور اسی منجنیق کے متعلق مسلمانوں کو اس یہودی مخبر نے اطلاع دی تھی جس کو حضرت عمر فاروقؓ آنحضرت ﷺ کے پاس لے کر آئے تھے اور آنحضرت ﷺ نے جس کو امان دی تھی جیسا کہ بیان ہوا۔ نیز یہ کہ مسلمانوں نے اس منجنیق کو جو قلعہ صعب میں ملی تھی بری پر نصب کر دیا جو شق کے قلعوں میں سے ایک تھا۔

مگر یہ بات بعض علماء کے اس قول کے خلاف ہے جس کے مطابق مسلمانوں نے غزوۂ طائف کے سوا کسی دوسرے غزوۂ میں منجنیق نصب نہیں کی تھی۔ اس بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ منجنیق نصب کرنے سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں نے سوائے غزوۂ طائف کے اور کسی غزوہ میں منجنیق کو استعمال کر کے اس سے سنگباری نہیں کی تھی۔ لہٰذا جہاں تک قلعہ بری کا تعلق ہے تو مسلمانوں نے یہاں منجنیق نصب ضرور کی مگر اس سے سنگباری نہیں کی گئی۔ اس تشریح کے بعد اب روایات میں اختلاف باقی نہیں رہتا۔

مسلمانوں کو اس قلعہ بری میں تانبے اور سفالی کی مٹی کے برتن بھی ملے جن میں یہودی کھاتے پیتے تھے آنحضرت ﷺ نے ان برتنوں کو دیکھ کر فرمایا کہ ان کو دھو کر ان میں کھانے پکاؤ اور ان کو کھانے پینے میں استعمال کرو۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ پہلے ان برتنوں میں پانی گرم کرو اور پھر کھانے پکا کر کھاؤ پیو۔ جہاں تک آنحضرت ﷺ کے اس فرمان کا تعلق ہے کہ پہلے ان برتنوں میں پانی گرم کرو۔ تو اس کی حکمت ظاہر ہے اور وہ یہ کہ گرم پانی میں نظافت اور پاکیزگی زیادہ ہوتی ہے اور اسکے ساتھ ہی گندگی یا میل کو صاف کرنے کی صلاحیت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

نطات اور شق کی مکمل فتح!......اب نطات اور شق کے پانچوں قلعوں پر مسلمان قبضہ کر چکے تھے لہٰذا ان قلعوں میں سے جو یہودی جان بچا کر بھاگے انہوں نے کتیبہ کے قلعوں میں پناہ حاصل کی کتیبہ کے قلعے بھی تین تھے ان میں سے پہلے قلعہ کا نام قموص تھا جو صبور کے وزن پر ہے۔ دوسرے کا نام وطیح تھا اور تیسرے کا سُلالم تھا۔

قلعہ قموص پر حملہ اور فتح...... خیبر کے قلعوں میں سے سب سے بڑا اور عظیم الشان قلعہ قموص تھا اور یہی سب سے زیادہ مضبوط اور محفوظ تھا۔ مسلمانوں نے بیس دن تک اس قلعہ کا محاصرہ کئے رکھا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اس قلعہ قموص کو حضرت علیؓ کے ہاتھوں فتح کرا دیا۔

اسی قلعہ سے صفیہ بنت حییٔ ابن اخطب گرفتار ہوئیں (جن کو بعد میں اللہ تعالیٰ نے سربلند فرمایا اور وہ آنحضرت ﷺ کی بیوی بنیں) علامہ حافظ ابن حجر کا قول یہی ہے (کہ حضرت صفیہ قموص کے قلعہ سے گرفتار ہوئی تھیں)۔

ایک قول ہے کہ حضرت صفیہ کا نام گرفتاری سے پہلے زینب تھا پھر جب یہ گرفتار ہو کر صفی میں شامل ہوئیں تو ان کا صفیہ رکھا گیا۔ صفی مال غنیمت کا وہ حصہ ہوتا تھا جس کو رسول اللہ ﷺ اپنے لئے منتخب فرما لیتے تھے۔ یہ انتخاب مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے ہوتا تھا جیسا کہ تفصیل پیچھے بیان ہو چکی ہے۔

جاہلیت کے زمانے میں لشکر کا جو امیر ہوتا تھا اس کو مالِ غنیمت میں سے چوتھائی حصہ ملا کرتا تھا چوتھائی کو عربی میں چونکہ ربع کہتے اس لئے امیر لشکر کے اس چوتھائی حصے کو مرباع کہا جاتا تھا (جیسا کہ اس کی تفصیل گذشتہ ابواب میں بیان ہو چکی ہے)۔

علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ مالِ غنیمت میں سے رسول اللہ ﷺ کو جو مال ملتا تھا وہ تین طریقوں سے ملتا تھا۔ ایک تو صفی کے ذریعہ (کہ آپ کل مال کی تقسیم سے پہلے اس میں سے اپنے لئے کچھ بھی پسند فرما سکتے تھے) دوسرے آپ کو کوئی چیز ہدیہ کے ذریعہ بھی حاصل ہو جاتی تھی۔ (یعنی کوئی صحابی آنحضرت ﷺ کو اپنے مال میں سے کوئی چیز ہدیہ کر دیتا تھا) اور تیسرے مال غنیمت کا پانچواں حصہ آپ کو ملتا تھا۔ یہاں تک علامہ سہیلی کا حوالہ ہے۔ واضح رہے کہ یہ پانچواں حصہ فی کے مال کے علاوہ ہوا کرتا تھا۔

قلعہ وطیح اور قلعہ سلالم کا محاصرہ...... غرض اس کے بعد مسلمانوں نے قلعہ وطیح اور قلعہ سُلالم کا محاصرہ کر لیا۔ یہ لفظ اصل میں وطح سے نکلا ہے (جس کے معنی زور سے مارنا) وطیح کے اصل معنی اس مٹی کے ہیں جو (کسی نم زمین پر بیٹھنے کی وجہ سے) پرندے کے پنجوں پر لگ جاتی ہے۔ مگر قلعہ وطیح کا نام وطیح ابن مازن نامی شخص کے نام پر رکھا گیا تھا جو قوم ثمود کا ایک شخص تھا۔ سلالم کو سلالیم بھی کہا جاتا ہے یہ یہودیوں میں بنی حقیق کا قلعہ تھا اور خیبر کے قلعوں میں آخری قلعہ تھا (یعنی ترتیب کے لحاظ سے خیبر کے قلعوں میں آخری قلعہ تھا ورنہ اس کے علاوہ کتیبہ کے قلعے بھی تھے)۔

یہود کی طرف سے صلح کی پیش کش...... غرض مسلمانوں نے اب ان دونوں قلعوں کا محاصرہ کیا جو چودہ دن تک جاری رہا مگر دونوں قلعوں میں سے کوئی شخص نکل کر سامنے نہ آیا۔ آخر آنحضرت ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ قلعے والوں کے خلاف منجنیق نصب کی جائے (چنانچہ اس ارادہ پر عمل کیا گیا) مگر اس منجنیق سے سنگ باری نہیں کی گئی۔ منجنیق دیکھ کر یہودیوں کو اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا اور انہوں نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ ہماری جاں بخشی کی شرط پر صلح کر لی جائے۔ انہوں نے یہ شرط بھی رکھی کہ ہمارے بیوی بچوں کی بھی جاں بخشی کر دی جائے تو ہم قلعہ چھوڑ کر کہیں چلے جائیں گے اور اپنے ساتھ سوائے بدن کے کپڑوں کے کوئی چیز لے کر نہیں جائیں گے۔

صلح اور قبضہ......ان شرائط پر آنحضرت ﷺ نے ان سے صلح قبول فرمالی اور ساتھ ہی یہ کہ اگر وہ لوگ اپنے مال و دولت میں

سے کوئی بھی چیز جس کے بارے میں ان سے پوچھا گیا ہے چھپا رہے ہیں تو اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ بری ہے (اور اس کے انجام کے وہ لوگ خود ذمہ دار ہوں گے)

یہ **قلعے مال غنیمت تھے یا مال فئے**......اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ خیبر کے قلعوں میں سوائے وطیح اور سلالم کے ان دو قلعوں کے باقی سب قلعے طاقت کے ذریعہ حاصل کئے گئے صرف یہی دونوں قلعے صلح اور بغیر خوں ریزی کے فتح ہوئے لہٰذا یہ دونوں قلعے رسول اللہ ﷺ کے حق میں فئی کا مال تھے۔

یہ تفصیل اس بات کی دلیل ہے کہ ان دونوں قلعوں کے محاصرہ کے دوران بھی کوئی جنگ نہیں ہوئی کیونکہ فئی وہی ہوتا ہے جس کے مالک بغیر لڑے بھڑے جلاوطن ہو کر اور اس مال کو چھوڑ کر چلے جائیں (جیسا کہ پیچھے بھی بیان ہو چکا ہے) اس بارے میں یہی قول ہے۔

مگر کتاب روض الانف میں فئی کے متعلق جو قول ہے اس کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ وہ مال جس پر کسی شہر کے کفار صلح کر لیں چاہے وہ صلح ایسے محاصرہ کے بعد ہوئی ہو جس کے دوران سنگ باری اور تیر اندازی کی حد تک جنگ بھی ہوئی ہو۔

کتاب فتح الباری میں علامہ ابن عبدالبر کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ ان کے نزدیک خیبر کے سب قلعے طاقت کے بل پر فتح کئے گئے ہیں۔ اس شخص کو شبہ یعنی غلط فہمی ہوئی ہے جس نے کہا ہے کہ وہ دونوں قلعے صلح کے ذریعہ فتح ہوئے جن کو قلعہ والوں نے اپنی جاں بخشی کے صلہ میں مسلمانوں کے حوالے کر دیا تھا۔ اور یہ کہ یہ صلح کی ایک قسم ہے مگر یہ صورتحال محاصرہ اور جنگ کے بعد ہی پیش آئی تھی۔

یہاں تک علامہ ابن عبدالبر کا حوالہ ہے (یعنی ان کے نزدیک اگر محاصرہ اور سنگ باری و تیر اندازی کی حد تک جنگ ہوئی اور پھر قلعے مسلمانوں کے حوالے کئے گئے تو یوں نہیں کہا جائے گا کہ یہ قلعے صلح کے ذریعہ فتح ہوئے ہیں بلکہ یہ طاقت کے ذریعہ حاصل کئے ہوئے قلعے ہی کہلائیں گے)۔

بہر حال یہ اختلاف قابل غور ہے کیونکہ اگر یہ فتح جنگ کے ذریعہ مانی جائے تو اس کا مال فئی کے مال میں شمار نہیں کیا جائے گا۔ غالباً یہاں جنگ سے مراد تیر اندازی اور سنگ باری ہی ہے ورنہ ظاہر ہے پیچھے بیان ہو چکا ہے کہ چودہ دن تک محاصرہ رہنے کے باوجود ان قلعوں میں سے کوئی شخص مقابلے کے لئے باہر نہیں نکلا۔

یہ تفصیل قابل غور ہے کیونکہ علامہ ابن عبدالبر کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ محاصرہ و تیر اندازی اور سنگ باری کی حد تک جنگ کے ذریعہ یہ قلعہ فتح ہو جانے کی وجہ سے ان قلعوں کا مال رسول اللہ ﷺ کے لئے فئی کا مال نہیں رہا بلکہ یہ مال غنیمت ہے (جس کی سب مسلمانوں پر تقسیم ہوتی ہے)۔ غالباً یہ مالکی مذہب ہے اور علامہ ابن عبدالبر مالکی ہی تھے۔

کتاب اصل یعنی عیون الاثر میں ابن شہاب کی روایت ہے کہ مجھے روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کو طاقت کے ذریعہ جنگ کر کے فتح فرمایا تھا اور خیبر کے جن لوگوں نے بھی جلاوطنی قبول کی وہ جنگ کے بعد ہی اسے قبول کرنے پر مجبور ہوئے تھے۔ یہاں تک کتاب اصل کا حوالہ ہے۔

بظاہر مقصد یہ ہے کہ جنگ ان لوگوں نے کی جو محاصرہ کے دوران جلاوطن ہو کر چلے گئے تھے ورنہ یہ تو بیان ہو ہی چکا ہے کہ جن لوگوں نے جلاوطنی اختیار کی ان میں سے محاصرہ کے دوران کوئی ایک شخص بھی مقابلہ کے لئے نہیں نکلا تھا۔ ادھر آگے یہ صراحت آئے گی کہ یہ لوگ اپنے جس مال کو چھوڑ کر جلاوطن ہوئے وہ فئی تھا غنیمت نہیں تھا۔

برآمد ہونے والے ہتھیار...... غرض مسلمانوں نے ان دونوں قلعوں یعنی قلعہ وطیح اور قلعہ سلالم پر قبضہ کیا تو انہیں ان میں سے جو سامان ملا اس میں ایک سو زرہیں' چار سو تلواریں ایک ہزار نیزے اور پانچ سو عربی کمانیں مع ترکشوں کے شامل تھیں۔

تورات کے نسخے...... مالِ غنیمت کی تلاش کے دوران صحابہ کو ان قلعوں میں سے تورات کے بہت سے صحیفے بھی ملے تھے۔ اس پر یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے ان صحیفوں کے واپس کرنے کی درخواست کی۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ صحیفے واپس ان کے حوالے کر دیئے جائیں۔

مگر یہ بات ہمارے شافعی فقہاء کے قول کے خلاف ہے کیونکہ ہمارے فقہاء کہتے ہیں کہ اہل کتاب کی آسمانی باتیں اگر ملیں اور ان سے اس وجہ سے فائدہ نہ اٹھایا جاسکے کہ وہ مسخ کر دی گئی ہیں تو اگر ممکن ہو تو ان کو مٹا دیا جائے ورنہ پھاڑ دیا جائے اور اسے مالِ غنیمت میں شامل کر کے بیچ دیا جائے۔ اب اس روایت کے متعلق یہ کہا جائے گا کہ یہودیوں کے یہ صحیفے جو قلعہ وطیح اور سلالم سے ملے تھے تبدیل شدہ نہیں رہے ہوں گے۔

یہود کا خزانہ...... یہودیوں نے ان قلعوں سے نکلتے ہوئے وہ تھیلے غائب کر دیئے جن میں بنی نضیر کے یہودیوں کے زیورات' موتی اور جواہرات تھے۔ بنی نضیر کے یہودیوں کو جب مدینے سے جلاوطن کیا گیا تو وہ یہ سب مال و متاع لے کر وہاں سے نکلے تھے۔ مدینے سے نکلتے وقت بنی نضیر کا سردار سلام ابن ابوالحقیق اس زر و جواہر کو بلند کر کے مسلمانوں کو دکھلاتا ہوا لے جارہا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ یہ دولت ہم نے دنیا کے اسی سرد و گرم اور اونچ نیچ کے وقت کے لئے جمع کر رکھی تھی (یعنی ہمیں اپنی جلاوطنی کا کوئی فکر نہیں ہے کیونکہ ہم بے سر و سامان نہیں جارہے ہیں) جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

اس تھیلے کو حیی ابن اخطب کا تھیلا کہا گیا ہے نیز اس کو حیی کا خزانہ بھی کہا جاتا تھا کیونکہ حیی بنی نضیر کا سردار تھا (لہٰذا بنی نضیر کے خزانے کو حیی کا خزانہ کہا جانے لگا) ورنہ ظاہر ہے کہ وہ خزانہ بنی حقیق کے خاندان کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہو سکتا تھا۔

غرض آنحضرت ﷺ کے پوچھنے پر سعید نے اس خزانے کے متعلق کہا کہ اس کو جنگوں اور اس کے خرچوں نے ختم کر دیا۔ اس غلط بیانی پر آنحضرت ﷺ نے سعید کو حضرت زبیر کے حوالے فرما دیا (تاکہ وہ سعید سے سچی بات اگلوائیں) چنانچہ حضرت زبیرؓ نے جب سعید کو ایذا دی تو اس نے کہا:

خزانے کی تحقیق و تلاش...... غرض جب وہ دولت وہاں نہ ملی تو رسول اللہ ﷺ نے سعید ابن عمرو سے فرمایا۔ یہ سعید حیی ابن اخطب کا چچا تھا۔ ایک روایت میں اس کو سعید ابن سلام ابن ابوالحقیق کہا گیا ہے۔ مگر کتاب امتاع میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کنانہ ابن ابوالحقیق سے پوچھا کہ حیی ابن اخطب کا وہ زر و جواہر کا تھیلا کہاں ہے؟

خزانے کی دستیابی...... مسلمانوں فوراً اس خرابے میں پہنچے اور خزانے کو تلاش کرنے لگے آخر ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہ چمڑے کا تھیلا وہیں مل گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کنانہ کو لایا گیا جو اس وقت صفیہ بنت حیی ابن اخطب کا شوہر تھا۔ اس سے پہلے صفیہ کی شادی سلام ابن مشکم سے ہوئی تھی مگر پھر سلام نے انہیں طلاق دے دی تو کنانہ نے ان سے شادی کر لی تھی۔ غرض کنانہ اور اس کے ساتھ ربیع کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا۔ یہ ربیع۔ کنانہ کا بھائی تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ان دونوں سے پوچھا:

"تمہارے وہ قیمتی زیورات اور برتن کہاں ہیں جو مکے والوں کو مستعار دیا کرتے تھے!"

یہود کی دولت...... مکے کے سرداروں کے یہاں جب کوئی شادی وغیرہ کی تقریب ہوا کرتی تھی تو وہ یہودیوں کے پاس آدمی بھیج کر ان کے زیورات وغیرہ مستعار منگالیا کرتے تھے (اور ضرورت پوری ہونے کے بعد واپس کر دیا کرتے تھے اس سے یہودی پیسہ کمایا کرتے تھے)۔

یہاں برتنوں اور خزانے سے مراد وہی زیورات اور قیمتی سامان ہے جو پہلے بکری کی کھال کے تھیلے میں محفوظ تھا۔ پھر جب وہ بڑھ گیا تو اسے اونٹ کی کھال میں بھر اگیا تھا۔ جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے۔

غرض آنحضرت ﷺ نے ان دونوں سے جب ان برتنوں کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ان چیزوں کو جنگوں اور اخراجات نے کھالیا۔ اس پر آپ نے ان سے فرمایا:

"(یہ قصہ ابھی زیادہ عرصہ کا نہیں ہے بلکہ) قریبی زمانے کی بات ہے۔ اگر تم نے مجھ سے کوئی بات چھپائی اور پھر مجھے اس کی خبر ہوئی تو میں تم دونوں اور تمہارے بیوی بچوں کے خون یعنی قتل کی اجازت دے دوں گا!"

انہوں نے کہا ٹھیک ہے (کیونکہ یہ لوگ اس بات پر یقین نہیں رکھتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کو وحی کے ذریعہ سب حال معلوم ہو جائے گا اس لئے انہوں نے جھوٹ بولا اور کہہ دیا کہ آپ کو ہماری بات غلط ثابت ہو تو آپ ہمیں قتل کرا سکتے ہیں) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو وہ جگہ بتادی جہاں یہودیوں نے اپنا وہ خزانہ چھپایا تھا۔ یعنی اس گفتگو کے بعد اچانک آپ نے ایک انصاری صحابی سے فرمایا:

"تم فلاں فلاں جگہ جاؤ وہاں ایک باغ ملے گا اس میں اپنے دائیں ہاتھ۔ اور ایک قول کے مطابق بائیں ہاتھ ایک بڑے درخت کے پاس پہنچ جانا۔ اس درخت میں۔ یعنی اس کے نیچے جو خزانہ چھپا ہوا ہے وہ لے کر میرے پاس آؤ!"

چنانچہ وہ انصاری شخص آپ کے حکم کے مطابق وہاں گیا اور وہ بیش قیمت برتن یعنی خزانہ لے کر آگیا اب گویا اس بارے میں دو حدیثیں بیان ہوئی ہیں (ایک کے مطابق اس سامان کی جگہ سعید نامی یہودی نے بتلائی تھی اور دوسری کے مطابق بھی صحابہ نے وہ مال ایک خرابہ میں تلاش کیا یہاں تک کہ وہ خزانہ مل گیا۔

ان تینوں روایات میں موافقت اس طرح پیدا کی جاتی ہے کہ پہلے تو خود ہی تلاش شروع کی گئی اس کے بعد جب کہ ابھی خزانہ ملا نہیں تھا) اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع دے دی اور اسے نکال کر آنحضرت ﷺ کے پاس لے آیا گیا۔

خزانہ اور اس کی مالیت...... جب اس سامان کی قیمت لگائی گئی تو یہ دس ہزار دینار کا ثابت ہوا (دینار سونے کا سکہ ہوتا تھا) اس خزانہ میں سونے کے جڑاؤ کنگن' جڑاؤ بازو بند اور پہونچیاں' جڑاؤ پازیب اور گلوبند' بندے اور بالیاں' سونے کی انگوٹھیاں' جواہرات اور زمرد کے ہار اور سونے کے جڑاؤ بند وغیرہ شامل تھے۔ اس خزانے کی دریافت کے بعد دونوں کی گردنیں ماردی گئیں اور ان کے تمام گھر والوں کو جنگی قیدی بنالیا گیا۔

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جب خیبر فتح ہو گیا تو آنحضرت ﷺ کے پاس کنانہ ابن ربیع کو لایا گیا۔ ایک روایت کے مطابق ابن ربیعہ ابن ابوحقیق کو لایا گیا اس کے پاس بنی نضیر کا خزانہ تھا آنحضرت ﷺ نے اس سے خزانے کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا مجھے اس کا کچھ پتہ نہیں ہے۔ اسی وقت آنحضرت ﷺ کے پاس ایک یہودی آیا اور اس نے کہا کہ میں نے کنانہ کو روزانہ اس خرابہ کے چکر لگاتے دیکھا ہے۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ جب کنانہ نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ نے نطات کے تینوں قلعے فتح کر لئے ہیں اور اسے یہ یقین

ہو گیا کہ اب خود اس پر اور اس کے ساتھیوں پر آنحضرت ﷺ قابو پالیں گے تو اس نے اپنا خزانہ ایک خرابہ میں دفن کر دیا (تاکہ کسی کو گمان بھی نہ ہو کہ یہاں خزانہ بھی پوشیدہ ہو سکتا ہے)۔

مگر یہ بات اس گذشتہ روایت کے خلاف ہے جس کے مطابق اس خرابہ کے چکر حیئی لگایا کرتا تھا۔ لہٰذا اس بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ کنانہ نے اسی خرابہ میں جس جگہ اپنا خزانہ دفن کیا حئی نے اس کے علاوہ کسی اور مقام پر اپنا خزانہ دفن کیا تھا۔

غرض جب کنانہ نے اس خزانہ سے لاعلمی کا اظہار کیا اور اس دوسرے یہودی نے آکر اس خزانہ کی نشان دہی کی تو آنحضرت ﷺ نے کنانہ سے فرمایا:

"تمہیں معلوم ہے کہ اگر مجھے وہ خزانہ مل گیا تو میں تم کو قتل کر دوں گا"۔

کنانہ نے کہا۔ "ہاں جانتا ہوں!"

آنحضرت ﷺ نے اس خرابہ میں خزانے کو تلاش کرنے کا حکم دیا چنانچہ جب کھدائی کی گئی تو خزانہ کا کچھ حصہ وہاں سے دستیاب ہو گیا۔ اب آنحضرت ﷺ نے اس سے باقی خزانہ کے متعلق دریافت کیا تو کنانہ نے اس کو بتانے سے انکار کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت زبیرؓ کو حکم دیا کہ اس سے ایذار سانی کے ذریعہ معلوم کرو تاکہ جو کچھ اس کے پاس ہے وہ ہمیں وصول ہو سکے۔ چنانچہ حضرت زبیرؓ اس کے سینے کے پاس چقماق رگڑتے تھے جس سے آگ نکلتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کنانہ کو اپنی موت کا یقین ہو گیا۔

حقیقت معلوم کرنے کے لئے ایذار سانی کا جواز...... اس روایت سے یہ دلیل حاصل کی گئی ہے کہ جو شخص جھوٹا ہو اس سے سچی بات اگلوانے کے لئے اس کو ایذا پہنچانا جائز ہے اور یہ شرعی سیاست اور تدبیر ہے (مگر یہ ایذار سانی غیر شرعی معاملات میں جائز نہیں ہے کہ کبھی بھی چھوٹے بڑے معاملے میں چاہے وہ کیسی ہی نوعیت کا ہو ایک شخص کو ایذار سانی کی جا سکتی ہے۔ دوسرے ایذار سانی سے پہلے یہ معلوم ہونا بھی ضروری ہے کہ یہ حقیقت میں جھوٹ بول رہا ہے اور جھوٹ بولتا رہتا ہے)۔

اس کے بعد (جب خزانہ مل گیا تو) آنحضرت ﷺ نے کنانہ کو حضرت محمد ابن مسلمہ کے حوالے کر دیا اور انہوں نے اپنے بھائی حضرت محمود ابن مسلمہ کے قتل کے بدلے میں اس کی گردن مار دی۔

اس بارے میں کوئی اشکال کی بات نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے خزانہ کے متعلق یہ پوچھ گچھ اور پھر حضرت زبیرؓ کے ذریعہ ایذار سانی کا یہ واقعہ سعید اور کنانہ دونوں کے ساتھ پیش آیا ہو۔

غرض اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تمام مال غنیمت لا کر جمع کرنے کا حکم دیا۔ مراد ہے وہ مال غنیمت جو صلح سے پہلے حاصل کیا گیا تھا۔ چنانچہ وہ سارا مال لا کر جمع کیا گیا (صلح کے بعد کا جو مال تھا وہ فیٔ کا مال تھا جیسا کہ بیان ہوا)۔

حضرت صفیہؓ جنگی قیدیوں میں...... رسول اللہ ﷺ کو اس غزوہ میں جو جنگی قیدی ملے ان میں حضرت صفیہ بنت حیئ ابن اخطب بھی تھیں جو حضرت موسیٰؑ کے بھائی حضرت ہارون ابن عمرانؑ کی اولاد میں سے تھیں ان قیدیوں میں سے آنحضرت ﷺ نے حضرت صفیہ کو اپنے لئے انتخاب فرما لیا۔

صفیہ سے نکاح اور ان کا مہر...... آپ نے ان کو اپنے خادم حضرت انس کی والدہ اُمّ سلیم کے پاس پہنچا دیا وہ وہیں رہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت دی اور وہ مسلمان ہو گئیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح فرما لیا اور ان کی آزادی کو ہی ان کا مہر ٹھہرایا گویا آپ نے بغیر معاوضہ کے ان کو آزاد کیا اور اس کے نتیجہ میں بغیر مہر کے ان سے نکاح فرما لیا۔

یعنی نہ تو نکاح کے وقت کوئی مہر ادا کیا اور نہ آئندہ کے لئے متعین فرمایا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ ان کی آزادی کے ان کا اور کوئی مہر نہیں تھا۔

ایک دفعہ کسی نے حضرت انسؓ سے حضرت صفیہ کے متعلق سوال کیا اور کہا کہ اے ابو حمزہ ان کا مہر کیا تھا جو آنحضرت ﷺ نے متعین یا ادا فرمایا؟ حضرت انسؓ نے کہا:

"خود حضرت صفیہ کی ذات ہی ان کا مہر تھی جسے آنحضرت ﷺ نے آزاد کیا اور پھر ان سے شادی کر لی!"

اس روایت سے ہمارے بعض شافعی فقہاء کے اس قول کی تردید ہو جاتی ہے جو کہتے ہیں کہ یہ بات آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ کے لئے کتابیہ عورت سے نکاح کرنا۔ ہم بستری کرنا جائز تھا۔ اس کی دلیل میں وہ فقہاء کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے ان کے ساتھ ملکیت کی بنیاد پر ہم بستری کی تھی (چنانچہ حضرت انسؓ کی اس روایت اور اس سے پہلی روایت سے اس بات کی تردید ہو جاتی ہے)۔

اسی طرح اس روایت سے ہمارے ان بعض شافعی فقہاء کی بھی تردید ہو جاتی ہے کہ جنگ میں گرفتار شدہ باندی کے لئے ولیمہ کرنا مستحب ہے۔ تردید یوں ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت صفیہ کے لئے ولیمہ کیا تھا اور وہ آپ کی بیوی تھیں جنگی قیدی اور باندی نہیں تھیں جیسا کہ واضح ہے۔

مگر ہمارے بعض فقہاء نے یوں لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہ سے شادی کا ولیمہ کیا تو صحابہ نے آپس میں کہا کہ اب اگر آنحضرت ﷺ نے ان کو پردہ نہ کرایا تو سمجھو یہ اُمّ ولد ہیں یعنی باندی ہیں اور اگر پردہ کرایا تو اس کا مطلب ہے کہ یہ آپ کی بیوی ہیں۔

تو اب یہ قول خود اس بات کی دلیل ہے کہ باندی کے لئے ولیمہ کرنا مستحب یعنی جائز ہے کیونکہ اگر ولیمہ صرف بیوی کے لئے مخصوص ہوتا تو صحابہ کو یہ شک اور تردد نہ ہوتا کہ حضرت صفیہ آنحضرت ﷺ کی بیوی بنی ہیں یا باندی!"

اس سے پہلے آنحضرت ﷺ حضرت صفیہ کو اختیار دے چکے تھے کہ اگر وہ چاہیں تو آپ ان کو آزاد کر دیں اور وہ اپنے ان رشتہ داروں کے پاس چلی جائیں جو زندہ باقی رہ گئے ہیں اور یا مسلمان ہو جائیں تو اس صورت میں آپ ان کو اپنی ذات بابرکات کے لئے قبول فرمالیں گے۔

یہ سن کر حضرت صفیہ نے عرض کیا۔

"نہیں۔ میں اپنے لئے اللہ اور اس کے رسول کا انتخاب کرتی ہوں!"

کیا یہ مہر آنحضرت ﷺ کے لئے مخصوص تھا؟...... کتاب اصل یعنی عیون الاثر میں ہے کہ ایک باندی کو آزاد کر کے اس کی آزادی کو ہی اس کا مہر ٹھہرا دینا صرف رسول اللہ ﷺ کی ہی خصوصیت ہے (کہ آپ اپنے لئے ایسا کر سکتے تھے باقی امت کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں ہے)۔

یہی بات علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے کتاب خصائص صغریٰ میں کہی ہے۔ مگر امام احمد نے کہا ہے کہ یہ مسئلہ صرف آنحضرت ﷺ کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ علامہ ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ ایسی کوئی دلیل نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ یہ مسئلہ ساری امت کے لئے نہیں ہے بلکہ صرف آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہی خاص ہے۔

صفیہ دِحیہ کلبیؓ کے قبضہ میں...... ایک قول ہے کہ حضرت صفیہ کی گرفتاری کے وقت حضرت دحیہ کلبی نے انہیں رسول

اللہ ﷺ سے مانگا آپ نے حضرت صفیہ کو انہیں ہبہ کر دیا۔ ایک قول ہے کہ حضرت صفیہ ان ہی کے حصے میں آئی تھیں پھر آنحضرت ﷺ نے ان سے حضرت صفیہ کو نوار دس میں خرید لیا۔ اب یہاں خریدنے کا مطلب مجازی طور پر خریدنا ہے کیونکہ پیچھے یہ بیان ہو چکا ہے کہ حضرت صفیہ کو آنحضرت ﷺ نے مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اپنے لئے منتخب فرمالیا تھا (اور وہ آپ کی صفی یعنی انتخاب تھیں اسی لئے ان کو صفیہ کہا جانے لگا ورنہ ان کا اصل نام زینب تھا)

ایک روایت میں یوں ہے کہ جب تمام جنگی قیدیوں کو آنحضرت ﷺ کے سامنے جمع کر دیا گیا تو حضرت دِحیہ کلبیؓ آئے اور آپ سے کہنے لگے:

یارسول اللہ ﷺ! ان جنگی قیدیوں میں سے ایک باندی مجھے عنایت فرمادیں!"

آپ نے فرمایا جاؤ ان قیدیوں میں سے کوئی ایک باندی لے لو۔ دحیہ نے ان میں سے صفیہ بنت حیی کو لے لیا۔ اسی وقت ایک شخص آنحضرت ﷺ کے پاس آیا کہنے لگا:

"یارسول اللہ! آپ نے صفیہ کو دحیہ کو دے دیا حالانکہ صفیہ بنی قریظہ اور بنی نضیر کی سردار ہیں۔ وہ تو صرف آپ ہی کے لئے مناسب ہیں۔

آپ نے فرمایا اچھا دحیہ سے کہو کہ صفیہ کو واپس لے کر آئے۔ چنانچہ دحیہ انہیں لے آئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھا اور پھر دحیہ سے فرمایا کہ ان قیدیوں میں سے صفیہ کے علاوہ کوئی دوسری باندی لے لو دحیہ نے ایک دوسری باندی لے لی۔ یہ دوسری باندی حضرت صفیہ کی نند یعنی ان کے شوہر کنانہ ابن ربیع ابن ابو حقیق کی بہن تھی۔ یہ روایت امام شافعی نے اپنی کتاب ام میں علامہ واقدی کی سیرت کے حوالے سے بیان کی ہے۔

گذشتہ سطروں میں ایک شخص کا یہ قول گذرا ہے کہ یارسول اللہ ﷺ آپ نے صفیہ کو دحیہ کو دے دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صفیہ کا نام صفیہ ہی تھا جب یہ بات گذشتہ قول کے خلاف ہے جس کے مطابق ان کا اصل نام زینب تھا پھر بعد میں آنحضرت ﷺ نے ان کا نام صفیہ رکھا تھا۔

دحیہ کے لئے صفیہ کی چچازاد بہن...... ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت صفیہ کے ساتھ ان کی ایک چچازاد بہن بھی گرفتار ہوئی تھیں۔ ان دونوں کو حضرت بلالؓ پکڑ کر لا رہے تھے جب وہ انہیں لے کر یہودیوں کے مقتولین یعنی لاشوں کے پاس سے گزرے تو حضرت صفیہ کی چچازاد بہن اپنے مقتولوں کو دیکھ کر چیخ چیخ کر رونے اور اپنا منہ پیٹنے لگیں اور انہوں نے اپنے سر پر مٹی بکھیر لی۔ جب آنحضرت ﷺ نے ان کو اس حال میں دیکھا تو فرمایا کہ اس شیطانہ کو میرے سامنے سے دور کر دو۔ اس کے بعد آپ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا:

"بلال! کیا تم میں سے رحمدلی بالکل ختم ہو گئی ہے کہ تم ان دونوں عورتوں کو انکے مقتولوں کے سامنے سے لیکر آرہے ہو؟"

اس کے بعد آپ نے حضرت صفیہ کی چچازاد بہن کو حضرت دحیہ کلبی کے حوالے کر دیا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے حضرت دحیہ سے صفیہ کو واپس لے کر ان کے بدلے میں ان کی دو چچازاد بہنوں کو انہیں دے دیا۔

حضرت صفیہؓ کا خواب...... ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہؓ کیساتھ عروسی فرمائی تو آپ نے ان کی ایک آنکھ کے اوپر ایک سبزی مائل نشان دیکھا' آپ نے ان سے پوچھا کہ یہ سبز نشان کیسا ہے؟ حضرت صفیہ نے عرض کیا:

"ایک روز میں ابن ابو حقیق یعنی اپنے شوہر کی گود میں سر رکھے ہوئے لیٹی تھی۔ اس وقت میں دلہن تھی اور اسی حالت میں سو رہی تھی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ اچانک چاند میری گود میں آگرا۔ میں نے بیدار ہو کر یہ خواب ابن ابو حقیق سے بیان کیا تو اس نے میرے منہ پر طمانچہ مارا اور کہا کہ: تو عرب کے بادشاہ کی آرزو کر رہی ہے!"

شوہر اور باپ کی مار...... (یعنی یہ اس طمانچہ کا نشان ہے) ایک روایت میں یہ واقعہ یوں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے سامنے پہنچ کر پڑاؤ ڈالا تو اس وقت حضرت صفیہ دلہن بنی ہوئی تھیں۔ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ جیسے سورج نیچے اترنا شروع ہوا یہاں تک کہ ان کے سینہ پر آگرا۔ انہوں نے یہ خواب اپنے شوہر کو سنایا تو اس نے کہا:

"خدا کی قسم تو اسی بادشاہ یعنی آنحضرت ﷺ کی تمنا کر رہی ہے جس نے ہمارے مقابلے میں آکر ڈیرہ ڈالا ہے!"

یہ کہہ کر اس نے حضرت صفیہ کے منہ پر طمانچہ مارا جس سے ان کی آنکھ میں نیل پڑ گیا۔

بہر حال اس بارے میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ انہوں نے ایک سے زائد مرتبہ خواب دیکھا ہو اور یہ کہ ایک ہی وقت میں انہوں نے چاند اور سورج دونوں کو گرتے دیکھا ہو۔ (اب کسی راوی نے اپنی روایت میں صرف چاند کا ذکر کر دیا اور کسی نے صرف سورج کا تذکرہ کیا)۔

آگے جہاں رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے متعلق کلام آئے گا اس میں روایت بیان ہوگی کہ حضرت صفیہ نے اپنا یہ خواب اپنے باپ حیی ابن اخطب سے بیان کیا تھا جس پر اس نے ان کے طمانچہ مارا تھا۔ وہیں یہ بھی بیان ہوگا کہ دونوں باتیں پیش آنے میں کوئی شبہ نہیں ممکن ہے انہوں نے دونوں سے خواب بیان کیا ہو اور دونوں نے ہی ان کو مارا ہو۔

پیچھے بیان ہوا ہے کہ حضرت جویریہؓ نے بھی یہی خواب دیکھا تھا کہ چاند ان کی گود میں آگرا ہے۔ گذشتہ سطروں میں کہا گیا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ خیبر کے سامنے پہنچے تو اس وقت حضرت صفیہ کنانہ ابن ربیع ابن ابوالحقیق کی دلہن بنی ہوئی تھیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید ان کے پہلے شوہر سلام ابن مشکم نے ان کے ساتھ عروسی منانے سے پہلے ہی انہیں طلاق دے دی تھی، کیونکہ پیچھے بیان ہوا کہ کنانہ ابن ربیع نے حضرت صفیہ کے ساتھ اس وقت شادی کی جب کہ سلام ابن مشکم ان کو طلاق دے چکا تھا (اور مطلقہ کے دلہن بننے کے کوئی معنی نہیں۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ مطلقہ ہونے کے باوجود چونکہ وہ کنواری تھیں اس لئے کنانہ کے ساتھ شادی کے وقت ان کو دلہن بنایا گیا تھا) بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

آنحضرت ﷺ کے متعلق صفیہؓ کے مختلف جذبات...... حضرت صفیہؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس گرفتار ہو کر پہنچی تو اس وقت مجھے دنیا میں سب سے زیادہ نفرت آپ سے تھی کیونکہ آپ میرے باپ میرے شوہر اور میری قوم کے قاتل تھے۔ مگر جب میں آپ کے سامنے پہنچی تو آپ نے مجھ سے فرمایا:

"صفیہ! میں نے تمہاری قوم کے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس کے لئے تم سے معذرت کرتا ہوں۔ انہوں نے میرے بارے میں کیا کیا نہیں کیا اور کیسی کیسی باتیں میرے خلاف کیں۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ تمہاری قوم نے ایسا ایسا کیا۔ اس طرح آنحضرت ﷺ میرے سامنے معذرت فرماتے رہے (یعنی یہ وضاحت فرماتے رہے کہ ہم نے تمہاری قوم کے ساتھ جو کچھ کیا اس کے لئے ہمیں تمہاری قوم نے اپنی ریشہ دوانیوں اور سازشوں کی وجہ سے مجبور کر دیا تھا۔

(واضح رہے کہ معذرت کا مطلب اظہار افسوس نہیں ہے بلکہ معذرت کا مطلب عذر اور وہ مجبور کن حالات بیان کرنا ہے جس کی وجہ سے آپ نے یہود کے خلاف یہ اقدام کیا۔ مقصد یہ تھا کہ ہم نے تمہاری قوم کے ساتھ جو کچھ کیا وہ بلاوجہ نہیں کیا

بلکہ اس خوں ریزی کے اسباب خود تمہاری قوم نے پیدا کئے تھے جس کا انجام انہیں بھگتنا پڑا)

غرض حضرت صفیہؓ کہتی ہیں کہ اس گفتگو کے بعد میرے دل میں آنحضرت ﷺ کے خلاف جو جذبہ پیدا ہوا تھا وہ نہ صرف یہ کہ ختم ہو گیا بلکہ میرے اس جگہ سے اٹھنے سے پہلے ہی میرے دل میں انقلاب پیدا ہو گیا اور اب) رسول اللہ ﷺ مجھے دنیا کے ہر انسان سے زیادہ محبوب اور پیارے تھے۔

حضرت صفیہؓ کے ساتھ عروسی...... جب حضرت صفیہ حیض سے پاک ہو گئیں تو پہلے آپ نے ان کو ام سلیم کے سپرد کیا تاکہ وہ ان کو بنا سنوار دیں۔ اس کے بعد آپ نے اپنے قبہ میں ان کے ساتھ عروسی فرمائی۔ اس رات حضرت ابو ایوب انصاریؓ آنحضرت ﷺ کے قبہ کے باہر ننگی تلوار لئے تمام رات پہرہ دیتے اور قبہ کے چاروں طرف گھومتے رہے۔

ابو ایوبؓ کا پہرہ اور اندیشہ...... صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو ایوب کو قبہ کے باہر کھڑے دیکھا آپ نے ان سے پوچھا ابو ایوب کیا بات ہے؟ انہوں نے عرض کیا:

"یارسول اللہ ﷺ! مجھے آپ کے متعلق اس عورت کی طرف سے خطرہ تھا کیونکہ اس کا باپ، شوہر اور اس کی قوم کے لوگ قتل ہوئے ہیں اور اس کو کفر چھوڑے زیادہ دیر نہیں گذری ہے اس لئے میں رات بھر آپ کی حفاظت کے خیال سے یہیں پہرہ دیتا رہا!"

ابو ایوبؓ کے لئے نبی کی دعا...... اس پر آپ نے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے حق میں دعا فرماتے ہوئے کہا کہ "اے اللہ ابو ایوب کی بھی اسی طرح حفاظت فرما جس طرح انہوں نے پوری رات میری حفاظت کی ہے"۔

علامہ سہیلیؒ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی اس دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ حضرت ابو ایوبؓ کا نگہبان ہے یہاں تک کہ اب رومی یعنی عیسائی ان کی قبر تک کی حفاظت کرتے ہیں اور ان سے شفا مانگتے ہیں اور صحت حاصل کرتے ہیں۔ جب خشک سالی ہوتی ہے تو ان کے طفیل سے بارش کی دعا مانگتے ہیں اور انہیں سیرابی حاصل ہوتی ہے۔

ابو ایوب کا مزار اور نبی کی دعا کا اثر...... حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے ۵۰ھ میں یزید ابن ابو سفیان کے ساتھ مل کر جنگ کی جب ان کا لشکر قسطنطنیہ پہنچ گیا تو وہیں حضرت ابو ایوبؓ کا انتقال ہو گیا ان کی وفات کے بعد یزید نے ہدایت کی کہ ان کو رومیوں کے شہر سے قریب ترین جگہ دفن کیا جائے چنانچہ اس حکم پر مسلمان ان کی لاش لے کر چلے مگر جب کوئی مناسب جگہ نہ ملی تو جہاں تھے وہیں ان کو دفن کر دیا۔ اس وقت رومیوں نے ان سے پوچھا کہ یہ کون بزرگ تھے مسلمانوں نے انہیں بتلایا کہ یہ صحابہ میں بڑے جلیل القدر اور عظیم مرتبہ کے مالک تھے۔ یہ سن کر رومیوں نے یزید سے کہا:

"تم بھی بالکل احمق ہو اور جس نے تمہیں فوج دے کر بھیجا ہے وہ بھی احمق ہے۔ کیا تمہیں اطمینان ہے کہ تمہارے جانے کے بعد ہم ان کی قبر کھود کر لاش نہیں نکالیں گے اور پھر ان کی ہڈیاں آگ میں نہیں جلائیں گے!"

اس پر یزید نے حلف اٹھا کر ان سے کہا کہ خدا کی قسم اگر تم نے ایسا کیا تو سرزمین عرب میں تمہاری جتنی بھی عبادت گاہیں ہیں ان سب کو کھدوا ڈالوں گا اور عیسائیوں کے جتنے بھی مزارات اور مقابر ہیں ان سب کو کھدوا کر لاشیں نکلوا دوں گا۔

اس دھمکی کو سن کر (رومی گھبرائے اور) انہوں نے اپنے مذہب کی قسم کھا کر وعدہ کیا کہ وہ اس قبر کا پورا اعزاز کریں گے اور ممکن حد تک اس کی حفاظت کریں گے (چنانچہ اس کے بعد سے رومی حضرت ابو ایوبؓ کی قبر کی حفاظت کرتے رہے۔ اس حفاظت اور اعزاز کی وجہ سے دوسرے عیسائیوں نے سمجھا کہ یہ کسی بہت بڑے بزرگ کا مزار ہے وہ عقیدت کے ساتھ وہاں

آکر قبر کی زیارت کرنے لگے اور اپنی پریشانیوں اور ضروریات میں مزار پر آکر دعائیں مانگنے لگے۔ ظاہر ہے یہ سب کچھ آنحضرت ﷺ کی اسی دعا کا طفیل تھا)۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ خیبر سے واپس روانہ ہو کر جب چھ میل کے فاصلے پر پہنچے (اور آپ نے پڑاؤ ڈالا) تو یہاں آپ نے حضرت صفیہ کے ساتھ عروسی منانے کا ارادہ فرمایا مگر حضرت صفیہؓ نے انکار کر دیا۔ اس سے آنحضرت ﷺ کو تکلیف پہنچی۔ پھر یہاں سے آگے روانہ ہوئے یہاں تک کہ صہباء کے مقام پر پہنچے تو آپ نے وہاں ایک علیحدہ جگہ پر قیام فرمایا اور حضرت صفیہ نے آپ کی اطاعت کی۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا:

"پچھلے پڑاؤ پر جب میں نے عروسی کا ارادہ کیا تھا تو تم نے کس لئے انکار کر دیا تھا"۔

حضرت صفیہ نے عرض کیا:

"چونکہ وہاں سے یہودی قریب تھے اس لئے مجھے ان کی طرف سے آپ کے متعلق خطرہ تھا!"

ولیمہ اور ولیمہ کا کھانا...... یہی صہباء وہ جگہ ہے جہاں سورج کو لوٹایا گیا تھا اور غالباً غروب کے بعد لوٹایا گیا تھا جیسا کہ پیچھے تفصیل گزر چکی ہے۔ اس مقام پر آنحضرت ﷺ نے تین دن قیام فرمایا اور یہیں آپ نے حضرت صفیہ کا ولیمہ فرمایا۔ ولیمہ میں حیس کا کھانا تھا جو ایک چھوٹے سے برتن میں تھا۔ حیس کا کھانا کھجور، پنیر اور گھی سے ملا کر بنایا جاتا ہے۔

بخاری میں ہے کہ عروسی کے بعد صبح کو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ جس کے پاس جو کچھ کھانا ہو وہ یہاں لے آؤ۔ آپ نے وہیں دستر خوان بچھا دیا (یہ گویا دعوت ولیمہ کا اہتمام تھا۔ چنانچہ کوئی شخص کھجوریں لایا اور کوئی شخص گھی لے کر آیا اور کوئی پنیر کے ٹکڑے لایا۔ یہاں یہ بھی کہا گیا ہے کہ کچھ لوگ ستو لے کر آئے۔ واضح رہے کہ حیس کا کھانا صرف کھجور پنیر اور گھی کو ملا کر ہی بنتا ہے یاں یہ ممکن ہے کہ اس وقت ستو بھی اسی میں ملا دیا گیا ہو۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صفیہ کا ولیمہ دن کے وقت ہوا۔ ہمارے شافعی فقہاء میں امام ابن صلاح نے کہا ہے کہ ولیمہ کا رات میں کرنا زیادہ افضل ہے۔ مگر بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ بات دلیل پر موقوف ہے یعنی اگر یہ ثابت ہو جائے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی ازواج میں سے کسی کا ولیمہ رات میں کیا ہے۔

جہاں تک خود ولیمہ کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ شادی اور دلہن کے لئے ولیمہ ضروری ہے۔

غرض جب سب صحابہ اپنا اپنا کھانا لے کر آگئے تو آپ نے حضرت انسؓ سے فرمایا کہ تمہارے اردگرد جو لوگ ہیں ان سے کہو کہ یہ حیس کھائیں۔

ازواج کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا سلوک...... حضرت صفیہ اس کے بعد جب سوار ہونے لگیں تو آپ نے ان کو سوار کرانے کے لئے اپنا گھٹنا آگے بڑھا دیا چنانچہ حضرت صفیہؓ نے اپنا پاؤں آپ کے گھٹنے پر رکھا اور پھر سوار ہوئیں۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ جب رسول اللہ ﷺ ان کے سوار کرانے کے واسطے سہارے کے لئے اپنا گھٹنا آگے کیا تو حضرت صفیہ نے آپ کے گھٹنے پر اپنا پاؤں رکھنے سے انکار کر دیا۔ بلکہ انہوں نے اپنی ران آپ کے گھٹنے پر رکھی اور اس طرح سوار ہوئیں غالباً پہلی روایت میں جو تفصیل ہے اس میں بھی یہی بات رہی ہو گی کہ حضرت صفیہ نے آپ کے گھٹنے پر اپنی ران رکھی۔ بہر حال دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

حضرت صفیہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ بہترین اخلاق کا کوئی آدمی نہیں دیکھا۔ میں نے آپ کو

دیکھا کہ خیبر کے موقعہ پر آپ نے مجھے اپنے ساتھ اپنی اونٹنی پر سوار کرایا۔ میں اونٹنی کے پچھلے حصے پر سوار تھی۔ اس میں مجھے اونگھ آنے لگی اور نیند کی جھونک میں میرا سر پالان کے پچھلے حصہ سے ٹکرانے لگا۔ آپ میرے سر کو چھوتے اور فرماتے جاتے تھے۔ ذرا دیکھ کے۔

حاملہ قیدی عورتوں سے ہمبستری کی ممانعت...... رسول اللہ ﷺ نے اس بات کی ممانعت فرمائی کہ حاملہ عورتیں پکڑ کر لائی جائیں اور یہ کہ غیر حاملہ عورتیں جو پکڑی گئی ہیں ان کے ساتھ اس وقت تک ہمبستری نہ کی جائے جب تک وہ ایک حیض سے پاک نہ ہو جائیں۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اعلان کرایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو لازم ہے کہ دوسرے کی کھیتی کو اپنے پانی سے سیراب نہ کرے (یعنی حاملہ عورتوں کے ساتھ ہمبستری نہ کرے) اور کسی عورت کے ساتھ اس وقت تک ہمبستری نہ کرے جب تک کہ وہ اپنی عدت نہ پوری کر لے یعنی جب تک اسے حیض نہ آ جائے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس کو پہلے سے حمل تو نہیں تھا ورنہ بچے کے نسب میں شبہ پیدا ہو جائے گا۔

آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ ایک شخص نے قیدی عورتوں میں سے ایک حاملہ عورت کے ساتھ ہمبستری کر لی ہے۔ آپ نے فرمایا میرا دل چاہتا ہے کہ اس شخص پر ایسی لعنت کروں کہ وہ لعنت قبر میں بھی اس کے ساتھ جائے۔

لہسن پیاز نہ کھانے کی ہدایت...... ساتھ ہی آنحضرت ﷺ نے لہسن کھانے کی ممانعت فرمائی۔
میں نے بعض مورخین کا کلام دیکھا جس میں ہے کہ خیبر والوں کی عام خوراک لہسن اور پیاز تھی جو پیاز کی طرح ایک بدبودار ترکاری ہوتی ہے اس کے کھانے کی وجہ سے ان لوگوں کے جبڑے تک پک گئے تھے۔ یعنی ممانعت سے پہلے وہ اس قدر کھاتے تھے۔

ادھر کتاب ترغیب و ترہیب میں ابو ثعلبہ کی روایت ہے کہ وہ غزوۂ خیبر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک تھے خیبر کے باغوں میں انہیں لہسن اور پیاز ملی۔ چونکہ وہ بھوکے تھے اس لئے انہوں نے ان کے ساتھیوں نے یہ چیزیں کھالیں۔ اس کے بعد جب سب لوگ مسجد میں پہنچے تو وہاں لہسن اور پیاز کی بو محسوس ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"جس نے اس خبیث پودے کا پھل کھایا ہے وہ ہمارے قریب نہ آئے!"

مگر اس روایت میں لہسن اور پیاز کھانے کی ممانعت قطعاً نہیں ہے بلکہ اس شخص کو جس نے یہ چیزیں کھائی ہوں صرف مسجد میں آنے کی ممانعت ہے (یعنی وہ منہ صاف کئے بغیر مسجد میں نہ آئے کہ اس کی بو سے مسجد کی فضا خراب ہوتی ہے اور فرشتوں کو تکلیف ہوتی ہے) بہر حال یہ بات قابل غور ہے کیونکہ پیاز اور لہسن کھانا شریعت میں ممنوع نہیں ہے۔ اس کی کراہت صرف مسجد میں جانے کے لئے ہے)

چنانچہ حدیث میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے یہ جملہ فرمایا تو لوگوں نے کہا یہ چیزیں حرام ہو گئیں۔ مگر جب لوگوں کا یہ خیال آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا:

"لوگو! جو چیز اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے حلال فرمائی ہے اس کو ہم حرام نہیں کر سکتے بلکہ مجھے اس درخت یعنی ترکاری کی بو ناپسند ہے!"

عورتوں کے ساتھ متعہ کی حرمت...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے عورت کے ساتھ متعہ کرنے کی بھی ممانعت فرمائی (متعہ اس کو کہتے ہیں کہ کسی عورت سے متعین مدت یا ایک دو دن کے لئے نکاح کر لیا جائے اور اس کے بعد اس کو طلاق

دے دی جائے یا متعینہ وقت گزرنے کے بعد خود ہی اس پر طلاق پڑ جائے)

متعہ کی اصل شکل...... تشریح: متعہ کے اصل معنی تھوڑا نفع یا فائدہ حاصل کرنے کے ہیں۔ پھر متعہ شرعی اصطلاح میں نکاح موقت یعنی متعینہ مدت کے لئے کسی عورت سے نکاح کرنے کے ہیں۔ جس کی صورت یہ ہے کہ دو گواہوں کے سامنے کسی عورت سے باقاعدہ نکاح کیا جائے مگر وہ نکاح ایک متعین اور خاص مدت تک کے لئے ہو۔ جب وہ مدت پوری ہو جائے تو بلا طلاق دیئے شوہر بیوی میں خود بخود علیحدگی ہو جائے اور طلاق پڑ جائے۔ اس علیحدگی کے بعد عورت ایک حیض آنے تک انتظار کرے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس شوہر سے حمل تو نہیں ہوا جس کو عربی میں استبراء کہتے ہیں یہی ایک حیض کا انتظار اس عورت کی عدت ہوتی ہے۔ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں متعہ کی یہی صورت جائز تھی جس کو نکاح موقت یا متعین مدت کے لئے نکاح کہنا چاہیے۔

بعد میں یہ نکاح ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو گیا۔ یہ متعہ جاہلیت کے زمانے میں ہوتا تھا۔ اسلام آنے کے بعد متعہ کے بارے میں عرصہ تک کوئی حکم نازل نہیں ہوا لہٰذا لوگ جاہلیت کے زمانے کی طرح متعہ کرتے رہے اور آنحضرت ﷺ نے اس سے منع نہیں فرمایا کیونکہ اسلام کے احکام و مسائل رفتہ رفتہ نازل ہوئے ایک ساتھ پورا دین نہیں اتار اگیا چنانچہ شراب وغیرہ بھی ان ہی چیزوں میں سے ہیں جو ابتداء اسلام میں جائز تھیں اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام قرار دے دی گئیں۔ عورتوں سے فائدے حاصل کرنے کے لئے شریعت نے حدود اور طریقے بتلا دیئے ہیں۔ چنانچہ قرآن پاک میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ۔ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ۔ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ۔ (الآیہ پ ۱۸ سورۃ مومنون ع ۱۔ آیت ۵ تا ۷)

ترجمہ: اور جو اپنی شرمگاہوں کی حرام شہوت رانی سے حفاظت رکھنے والے ہیں لیکن اپنی بیویوں سے یا اپنی شرعی لونڈیوں سے حفاظت نہیں کرتے کیونکہ ان پر اس میں کوئی الزام نہیں۔ ہاں جو اس کے علاوہ اور جگہ شہوت رانی کا طلب گار ہو ایسے لوگ حد شرعی سے نکلنے والے ہیں۔

ہم جنسی وغیرہ...... حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں کہ۔ اور جگہ شہوت رانی کا طلب گار ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اس میں زنا کے علاوہ لڑکوں کے ساتھ اغلام یعنی ہم جنسی اور جانوروں کے ساتھ شہوت رانی اور نیز اپنے ہاتھوں سے انزال کرنے کی عادت جیسی سب حرکتیں شامل ہیں۔ یعنی ان میں سے کوئی بھی حرکت کرنے والا شخص حدود شرعی کو توڑنے والا ہوگا۔

جنسی تسکین کے جائز طریقے...... تو شریعت نے جنسی تسکین حاصل کرنے کے دو ہی طریقے جائز رکھے ہیں ایک اپنی بیوی کے ساتھ اور دوسرا اپنی شرعی باندی کے ساتھ۔ ان دونوں طریقوں کے علاوہ اگر کسی نے جنسی تسکین کے لئے کوئی اور طریقہ نکالا ہے تو وہ غیر شرعی طریقہ کہلائے گا۔

حرمت متعہ کا حکم کب نازل ہوا...... مسلم میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے موقعہ پر عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے کی ممانعت فرمائی۔ مگر بعض علماء نے کہا ہے کہ ترجیحی بات یہ ہے کہ عورتوں سے متعہ کرنے کی ممانعت خیبر کے موقعہ پر نہیں ہوئی کیونکہ یہ ایک ایسی روایت ہے جو نہ تو سیرت نگاروں کے درمیان معروف ہے اور نہ آثار یعنی صحابہ کے اقوال نقل کرنے والوں میں معروف ہے۔

چنانچہ ایک قول سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے۔ وہ قول یہ ہے کہ مقام ثنیۃ الوداع کا یہ نام اسی لئے پڑ گیا تھا کہ جن صحابہ نے خیبر کے موقعہ پر عورتوں کے ساتھ متعہ کیا تھا انہوں نے یہاں ان عورتوں کو وداع کیا یعنی چھوڑ دیا تھا۔ لہٰذا متعہ کی حرمت کا حکم فتح

مکہ کے سال میں ہو۔ مگر ان دونوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ خیبر کے موقعہ پر متعہ حرام ہونے کے بعد فتح مکہ کے سال میں پھر تین دن کے لئے حلال ہوا تھا اور اس کے بعد پھر حرام ہو گیا جیسا کہ آگے تفصیل آرہی ہے۔

ایک قول ہے کہ متعہ کی حرمت حجت الوداع میں ہوئی تھی اور ایک قول کے مطابق غزوۂ اوطاس کے موقعہ پر ہوئی تھی اور یہی صحیح قول ہے۔

آگے فتح مکہ کے بیان میں ان تمام اقوال کے درمیان موافقت اور جمع کا بیان ہوگا۔ علامہ سہیلیؒ کہتے ہیں اس سلسلے میں سب سے زیادہ غریب اور بعید از قیاس قول اس شخص کا ہے جو کہتا ہے کہ متعہ کی حرمت غزوۂ تبوک میں ہوئی تھی۔

امام ابوداؤد کی حدیث ہے کہ متعہ کی حرمت حجتہ الوداع میں ہوئی تھی اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ اس کی حرمت غزوۂ اوطاس میں ہوئی تھی اس کا قول اس شخص کی موافقت میں ہے کہتا ہے کہ یہ حرمت فتح مکہ کے سال میں ہوئی تھی۔ یہاں تک امام ابوداؤد کا حوالہ ہے۔

امام شافعی کہتے ہیں کہ متعہ کے سوا میرے علم میں دوسری کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو ایک دفعہ حرام ہوئی پھر جائز ہوئی اور اس کے بعد پھر حرام ہو گئی۔ کیونکہ متعہ ہی وہ چیز ہے جو دو مرتبہ حرام ہوئی (اور اس درمیان میں ایک دفعہ حرام ہونے کے بعد تین دن کے لئے حلال ہوئی تھی) علامہ سہیلی وغیرہ نے بعض علماء کے حوالے سے لکھا ہے کہ متعہ تین مرتبہ حلال اور حرام ہوا ہے۔ اسی طرح بعض لوگوں نے کہا ہے کہ متعہ چار مرتبہ حلال اور حرام ہوا ہے۔

اب ان اقوال کے ساتھ ہی بعض علماء کا قول یہ ہے کہ متعہ کو سب سے پہلے جس نے حرام قرار دیا وہ حضرت عمر فاروقؓ ہیں (یعنی انہوں نے اپنی خلافت کے زمانے میں اس پر پابندی لگائی تھی)۔

ایک قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عمومی طور پر اور مطلقاً اس کو حرام قرار نہیں دیا تھا' بلکہ جب آدمی اس سے مستغنی اور بے نیاز ہو تو اس کے لئے حرام فرمایا اور زناکاری کے خوف سے ضرورت کے وقت اس کو حلال فرمایا۔ اور حضرت ابن عباسؓ اسی پر فتویٰ دیا کرتے تھے۔

مگر ہمارے فقہاء کا قول یہ ہے کہ نکاح متعہ کی حرمت صحیحین یعنی بخاری و مسلم شریف کی حدیث سے ثابت ہے اور یہ حدیث اگر حضرت ابن عباسؓ کے علم میں آتی تو وہ تمام علماء کے برخلاف ایسے شخص کے لئے نکاح متعہ کی اجازت نہ دیتے جس کے متعلق زناکاری میں مبتلا ہو جانے کا خوف ہو۔

متعہ پر قاضی یحییٰ کا مامون رشید سے مناظرہ...... ایک دفعہ قاضی یحییٰ ابن اکثم اور امیر المومنین خلیفہ مامون رشید کے درمیان متعہ کے بارے میں مناظرہ ہوا تھا کیونکہ خلیفہ مامون نے متعہ کے جائز ہونے کا اعلان کرادیا تھا اس پر قاضی یحییٰ ابن اکثم خلیفہ کے پاس آئے' اس اعلان پر انکے چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا' وہ آخر خلیفہ مامون کے پاس بیٹھ گئے مامون نے ان سے کہا:

"کیا بات ہے آپ کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا ہے!"

قاضی یحییٰ نے کہا: اس لئے کہ اسلام میں ایک نئی بات پیدا کی گئی ہے۔

مامون نے پوچھا کیا نئی بات پیدا ہوئی ہے؟

قاضی یحییٰ نے کہا۔ زنا کے حلال ہونے کا اعلان!

مامون نے پوچھا۔ کیا متعہ زنا ہے؟ انہوں نے کہا۔ "ہاں متعہ زنا ہے!"

مامون نے کہا۔ آپ یہ بات کیسے کہہ رہے ہیں؟ قاضی یحییٰ نے کہا:

"اللہ کی کتاب اور رسول اللہ کی سنت کے حوالے سے کہہ رہا ہوں' جہاں تک کتاب اللہ کا تعلق ہے تو حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ تا فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ۔ (الآیات پ۱۸ سورہ مومنون ع۱۔ آیت ۱تا۷)

ترجمہ: بالتحقیق ان مسلمانوں نے آخرت میں فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں اور جو لغو باتوں سے خواہ قولی ہوں یا فعلی برکنار رہنے والے ہیں اور جو اعمال و اخلاق میں اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں۔ تا۔ ہاں جو اس کے علاوہ اور جگہ شہوت رانی کا طلب گار ہو ایسے لوگ حدود شرعی سے نکلنے والے ہیں۔

(اسی سورت کی آیت پانچ تا سات معہ ترجمہ گذشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ غرض یہ آیات تلاوت کرنے کے بعد قاضی یحییٰ نے خلیفہ مامون رشید سے کہا:

"امیر المومنین! متعہ کے ذریعہ بیوی بننے والی عورت کیا زر خرید باندی ہوتی ہے"۔

خلیفہ نے کہا۔ بالکل نہیں۔ قاضی یحییٰ نے کہا۔

"تو کیا وہ ایسی بیوی ہوتی ہے جو اللہ کے نزدیک میراث لینے والی اور میراث والی ہوتی ہے اور جس کا لڑکا اس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے!"

خلیفہ نے کہا۔ نہیں ایسا تو نہیں ہے۔ تو قاضی یحییٰ نے کہا۔

"بس تو پھر ان دونوں طریقوں یعنی بیوی اور شرعی باندی کے علاوہ دوسرا راستہ اختیار کرنے والے ہی حدود شرع سے نکلنے والے ہیں۔ اور جہاں تک رسول اللہ ﷺ کی سنت کے حوالے کا تعلق ہے تو علامہ زہری نے سند کے ساتھ حضرت علیؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا مجھے رسول اللہ ﷺ نے متعہ کی ممانعت اور اس کے حرام ہو جانے کا اعلان کرنے کا حکم فرمایا کیونکہ آپ کو اس کی حرمت کا حکم مل چکا تھا!"

مامون کا اعتراف خطا...... اب مامون دوسرے حاضرین کی طرف مڑا اور ان سے پوچھنے لگا کہ آپ لوگوں نے کیا امام زہری کی یہ حدیث سنی ہے؟ انہوں نے کہا۔ ہاں امیر المومنین ہم نے بھی یہ حدیث سن رکھی ہے۔ (اب مامون کی آنکھیں کھلیں اور اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا لہٰذا) اس نے کہا

"استغفر اللہ۔ یعنی میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور معافی چاہتا ہوں۔ فوراً متعہ کے حرام ہونے کا اعلان کیا جائے!"

پالتو گدھے کے گوشت کی حرمت...... اسی طرح غزوۂ خیبر کے موقعہ پر ہی رسول اللہ ﷺ نے پالتو گدھوں کا گوشت کھانے کی ممانعت فرمائی۔ دراصل مسلمان بھوک سے سخت پریشان تھے اور کھانے کو کوئی چیز نہ تھی) اس وقت کچھ پالتو گدھے مل گئے۔ یہ تیس گدھے تھے جو کسی قلعہ سے نکل آئے تھے۔ ایک قول ہے کہ گدھے قلعہ میں داخل نہیں ہو سکے تھے۔ غرض ان گدھوں کو مسلمانوں نے پکڑ کر ذبح کیا اور ان کا گوشت دیگچیوں اور بھگونوں میں نکال کر کھانے کے لئے پکارنے لگے۔ اسی وقت رسول اللہ ﷺ وہاں سے گزرے تو آپ نے ان مسلمانوں سے پوچھا کہ ان دیگچیوں اور بھگونوں میں کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ پالتو گدھوں کا گوشت ہے یعنی ایسے گدھوں کا جو انسانوں سے مانوس ہو جاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو اس کے کھانے سے منع فرمایا حالانکہ دیگچیوں میں گوشت اُبل چکا تھا مگر ان کو الٹ دیا گیا۔

بخاری میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے موقعہ پر ایک دن دیکھا کہ کئی جگہ آگ جل رہی ہے۔ آپ نے پوچھا آگ کیوں جلائی گئی ہے۔ لوگوں نے کہا پالتوں گدھوں کا گوشت پکایا جارہا ہے۔ آپ نے فرمایا اس گوشت کو پھینک دو اور وہ برتن توڑ دو۔ اس پر ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم گوشت پھینک کر اگر برتن دھولیں۔ آپ نے فرمایا چاہے ایسا کرلو۔ گویا آنحضرت ﷺ کا یہ دوسرا حکم یعنی برتن دھو لینے کی اجازت یا تو آپ کا اجتہاد تھا اور یا وحی کے ذریعہ یہ اجازت مل گئی تھی۔

حدیث میں آتا ہے کہ اس کے بعد آپ نے عبداللہ ابن عوف کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ پالتو گدھوں کا گوشت اس شخص کے لئے حلال نہیں ہے جو یہ گواہی دیتا ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول اور پیغمبر ہیں۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ ہانڈیوں کا گوشت الٹ کر پھینک دیں اور اس میں سے کچھ نہ کھائیں۔

مسلم شریف میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ابو طلحہ کو لوگوں میں یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ رسول اللہ ﷺ تمہیں پالتو گدھوں کا گوشت کھانے کی ممانعت فرماتے ہیں کیونکہ وہ رجس یعنی گندا یا نجس یعنی ناپاک گوشت ہے۔ بہر حال اس پوری تفصیل سے اتنی بات واضح ہے کہ مسلمان اس گوشت میں سے کچھ نہیں کھا سکے تھے۔

مگر سیرت ابن ہشام میں یہ ہے کہ مسلمانوں نے اس گوشت میں سے کچھ کھالیا تھا کہ اسی وقت رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر اس کی ممانعت فرمائی اور دوسری کئی چیزوں کا نام لے کر اس کے استعمال سے مسلمانوں کو روکا۔ اب اس تفصیل سے اس قول کی تردید ہو جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پالتو گدھوں کا گوشت کھانے کی جو ممانعت فرمائی وہ اس لئے تھی کہ یہ گدھے' آدمی کی ضرورت کی چیز ہیں۔ یا اس لئے منع فرمایا تھا کہ یہ گدھے مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے پکڑے گئے تھے۔

امام ابوداؤد نے امام مسلم کی شرط کی سند کے ساتھ حضرت جابر سے روایت بیان کی ہے کہ خیبر کے موقعہ پر ہم لوگوں نے گھوڑوں اور خچر ذبح کئے مگر رسول اللہ ﷺ نے ہمیں گھوڑوں کے ذبیحہ سے منع نہیں فرمایا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ آنحضرت ﷺ نے گھوڑوں کے کھا لینے میں رخصت اور رعایت سے کام لیا یعنی اس کے کھانے کی اجازت دی۔ ادھر مسلم میں حضرت حضرت اسماء سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں ہم نے گھوڑا ذبح کیا اور اسے کھایا۔ آنحضرت ﷺ کو اس کا علم تھا مگر آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا۔

ادھر حضرت خالد ابن ولیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پالتو گدھوں اور خچروں اور گھوڑوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔ مگر علامہ سہیلیؒ کہتے ہیں کہ جس حدیث سے گوشت کھانے کا جواز ثابت ہے وہ زیادہ صحیح ہے۔

گندگی کھانے والے جانوروں کی کراہت...... ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جلالہ یعنی گندگی اور پلیدی کھانے والے جانور کا گوشت کھانے پر اور اس پر سواری کرنے سے اسی وقت تک منع فرمایا ہے جب تک وہ چالیس دن تک چارہ کھالے جلالہ وہ جانور ہوتا ہے جو جلّہ یعنی گندگی کھاتا ہے۔ جلّہ اصل میں مینگنی کو کہتے ہیں لیکن جلّہ گوبر اور گندگی کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔

علامہ ہروی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس مرغ کا گوشت نہیں کھاتے تھے جو جلالہ ہو یعنی گندگی کھاتا ہو جب تک کہ تین دن اسے گندگی سے دور نہ رکھا جائے۔ ہمارے یعنی شافعی فقہاء نے لکھا ہے کہ پالتو گدھوں کا گوشت حرام ہو جانے کے بعد پھر حلال ہو گیا تھا اور اس کے بعد پھر حرام قرار دے دیا گیا۔ یہ بات قابل غور ہے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے چوپایوں میں ہر ناخن والے درندے اور اسی طرح پرندوں میں پنجوں سے پھاڑنے والے ہر

پرندے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔ (یعنی درندے اور وہ پرندے جو دوسرے جانور کا گوشت کھاتے ہیں) اسی طرح آپ نے تقسیم سے پہلے مالِ غنیمت کے بیچنے سے منع فرمایا ہے۔

بال صاف کرنے اور ناخن تراشنے کے واقعات و احکام...... پھر آنحضرت ﷺ کے لئے دستر خوان بچھایا گیا تو آپ نے ٹیک لگا کر کھانا کھایا۔ پھر آپ نے اُبٹن ملوایا ایک شخص آپ کے بدن پر ابٹن مل رہا تھا اگر اس کا ہاتھ ستر کی طرف پہنچتا تو آپ اپنے دست مبارک سے اس کا ہاتھ ہٹا دیتے۔

ابن ماجہ نے ایک روایت بیان کی ہے جس کی سند بقول ابن کثیر بہت عمدہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنا بدن ملواتے تو سب سے پہلے خود اپنے ہاتھ سے جسم کے پوشیدہ حصوں کو ملتے اور پھر باقی بدن آپ کی ازواج میں سے کوئی ملتی تھی۔

گذشتہ روایت میں ستر کے لئے عانہ کا لفظ استعمال ہوا ہے اور دوسری ابن ماجہ والی حدیث میں اس کی جگہ عورت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ عورت عربی میں جسم کے پوشیدہ حصوں کو کہتے ہیں۔ لہٰذا اب پہلی روایت میں عانہ کے لفظ سے بھی یہی مراد لیا گیا ہے کیونکہ وہ روایت مرسل ہے لہٰذا اب کوئی شخص اس سے یہ دلیل نہیں لے سکتا کہ عورت دونوں شرمگاہوں کے علاوہ باقی حصے کو کہتے ہیں۔

امام احمدؒ نے حضرت عائشہؓ کی حدیث پیش کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بدن پر اُبٹن ملوایا جب آپ فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا:

"مسلمانو! تمہیں چاہئے کہ اُبٹن استعمال کیا کرو یہ خوشبو اور پاکیزگی ہے اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ تمہارے میل کچیل اور بالوں کو صاف کر دیتا ہے!"

لہٰذا یوں کہنا چاہئے کہ یہ دنیوی نعمتوں میں سے ایک ہے اسی لئے حضرت عمرؓ اس کو ناپسند فرمایا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے غلام ثوبان سے روایت ہے کہ ایک دفعہ وہ حمام میں داخل ہوئے (یہ خصوصی حمام تھے جن کے متعلق تفصیل گذشتہ (ابواب میں گزر چکی ہے) ان کو حمام میں جاتے دیکھ کر کسی نے ان سے کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ کے ساتھی یعنی خادم ہونے کے باوجود حمام میں جاتے ہو اس پر ثوبان نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ خود بھی حمام میں جایا کرتے تھے۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تمہارے حمام بہت خوشبو دار ہیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر مہینے زیر ناف بال صاف کیا کرتے تھے اور ہر پندرہویں دن ناخن تراشا کرتے تھے۔

خیبر میں اشعریوں کا وفد...... خیبر میں ہی آپ کے پاس اشعری لوگ آئے جن میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بھی تھے۔ ان کے علاوہ دوسی یعنی قبیلہ دوس کے لوگ بھی آئے جن میں حضرت ابو ہریرہؓ بھی تھے۔ ان حضرات کے آنے پر آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ ان لوگوں کو بھی مال غنیمت میں شریک کر لیا جائے چنانچہ صحابہ کرامؓ اس پر راضی ہو گئے اور انہوں نے ان آنے والوں کو غنیمت کے مال میں سے حصہ دیا۔

موسیٰ ابن عقبہ سے روایت ہے کہ اشعریوں میں سے ایک شخص اور ان کے ساتھ جو دوسرے لوگ یعنی دوس تھے ان کو ان ہی دونوں قلعوں میں سے مال غنیمت دیا گیا جو صلح کے ذریعہ فتح ہوئے تھے۔ اب جہاں تک ان کو مالِ غنیمت میں سے حصہ دینے کے لئے آنحضرت ﷺ کے صحابہ سے مشورہ کرنے کا تعلق ہے تو یہ اس لئے نہیں تھا کہ آپ مجاہدین خیبر کو ان کے کسی

حق سے محروم کرنا چاہتے تھے بلکہ یہ ایک عام مشورہ تھا جس کا رسول اللہ ﷺ کو حکم بھی تھا۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ۔ (الآیہ پ ۴ سورۂ آل عمران ع ۱۷۔ آیت ۱۵۹)

ترجمہ: سو آپ ان کو معاف کر دیجئے اور آپ علیہ السلام کے لئے استغفار کر دیجئے اور ان سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجئے۔

آنحضرت ﷺ کے لئے فئے کا مال!...... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: اس روایت سے اس بات کی صراحت ہو جاتی ہے کہ یہ دونوں قلعے رسول اللہ ﷺ کے حق میں فئی تھے لہٰذا یہ دونوں قلعے اور ان میں جو کچھ تھا وہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو فئی کے طور پر عنایت فرمایا تھا کیونکہ فئی کا مال وہ ہوتا ہے جسے دشمن سے بغیر جنگ اور خونریزی کے قبضہ میں لیا جائے۔

خیبر کی زمینیں اور باغات...... خلاصہ یہ ہے کہ خیبر کی زمینیں اور اس کے باغات تو مال غنیمت تھے کیونکہ ان زمینوں اور باغات پر آنحضرت ﷺ نے غلبہ حاصل کیا اور دشمن کو قلعوں کے اندر پناہ لینے پر مجبور کیا تھا اور پھر سوائے قلعہ وطیح اور قلعہ سلالم کے باقی تمام قلعوں کو آپ نے طاقت کے ذریعہ فتح فرمایا۔ صرف یہ دو قلعے آپ نے صلح کے ذریعہ فتح فرمائے جس میں ایک شرط تو یہ تھی کہ دشمن کے جنگ جو لوگ اور ان کے بیوی بچوں کی جاں بخشی ہو جو کی گئی۔ اور دوسری شرط یہ تھی کہ وہ آنحضرت ﷺ سے اپنا کوئی مال چھپا کر نہیں لے جائیں گے اور یہ کہ جس کسی نے بھی کوئی چیز چھپائی تو اس کی اور اس کے بیوی بچوں کی جان کے حق میں یہ صلح باقی نہیں رہے گی یعنی اس کا اور اس کی بیوی بچوں کا خون بہانا جائز ہوگا۔

وطیح وسلالم سے آپ ﷺ کے گھریلو اخراجات...... بعض محدثین نے لکھا کہ رسول اللہ ﷺ کثیبہ کے مال سے اپنے گھر والوں کو کھلاتے پلاتے تھے۔ یہاں کثیبہ سے یہی دونوں قلعے یعنی وطیح اور سلالم مراد ہیں کیونکہ یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ کثیبہ کے محلہ میں یہی دونوں قلعے تھے اور یہ قلعے اور ان میں جو کچھ تھا وہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو فئی کے طور پر عنایت فرمایا تھا۔

اب اگر اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں قلعوں میں جو کچھ مال تھا آنحضرت ﷺ اس سے اپنے گھر والوں یعنی ازواج کو کھلاتے تھے تب تو یہ بات صحیح اور واضح ہے۔ لیکن اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں قلعوں سے جو زمینیں اور باغات متعلق تھے آپ ان سے اپنے گھر والوں کو کھلاتے تھے تو یہ بات قابل غور ہوگی کیونکہ ان زمینوں اور باغات کے متعلق پیچھے بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ مال غنیمت تھے فئی کا مال نہیں تھا وہ صرف آنحضرت ﷺ کی ملکیت ہوتا تھا۔ پیچھے بیان ہوا کہ خیبر کی زمین اور باغات (جو ظاہر ہے قلعوں سے باہر تھے) مال غنیمت تھے۔ اب ظاہر ہے کہ ان دونوں قلعوں کی جو زمینیں اور باغات تھے وہ بھی خیبر کے ہی باغات ہوئے لہٰذا سب کا حکم ایک ہوگا اور سب ہی مال غنیمت ہوں گے۔ یہ شبہ قابل غور ہے۔ واللہ اعلم

حضرت جعفرؓ کی حبشہ سے آمد...... ایک روایت میں یوں ہے کہ خیبر کی فتح کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس حبشہ کی سرزمین سے حضرت جعفر ابن ابوطالب آئے ان کے ساتھ اشعری لوگ یعنی حضرت ابوموسیٰ اشعری اور ان کے دونوں بھائی ابورہم اور ابوبردہ بھی تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری اپنے بھائیوں سے سب سے چھوٹے مگر سب سے مضبوط تھے۔ حضرت جعفر کی قوم کے لوگ حبشہ میں ہی تھے کیونکہ ان لوگوں نے یمن سے حبشہ کو ہجرت کی تھی جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

ان لوگوں کے آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہونے سے پہلے آنحضرت ﷺ نے ایک روز صحابہ سے فرمایا۔

"تمہارے پاس ایسے لوگ آنے والے ہیں جو تم سے زیادہ رقیق القلب یعنی کمزور دلوں کے ہیں"۔

(کمزور دل یا رقیق القلب سے مراد بزدل یا کم ہمت نہیں بلکہ رقت کا مطلب یہ ہے کہ ایسا دل جو دوسرے کی تکلیف یا عبرت کی بات پر پسیج جائے جیسے بعض لوگ دوسرے کے دکھ درد یا وعظ و نصیحت سننے کی تاب نہیں رکھتے اور بے اختیار رونے لگتے ہیں)

غرض آنحضرت ﷺ کی اس اطلاع کے بعد اشعریوں کا وفد پہنچا۔ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچنے سے پہلے راستے میں ہی ان لوگوں نے ایک شعر پڑھنا شروع کر دیا تھا کہ کل ہم اپنے محبوب لوگوں محمد ﷺ اور آپ کے ساتھیوں سے ملیں گے!"

بعض علماء نے جو کچھ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان آنے والوں کی خبر دیتے ہوئے یہ فرمایا تھا کہ تمہارے پاس ایسے لوگ آنے والے ہیں جن کے قلب کمزور اور دل رقیق اور چھوٹے ہیں اور سوجھ بوجھ بھی یمنی ہے اور دانائی بھی یمنی کی خصوصیات میں سے ہے۔

جعفر کے لئے نبی ﷺ کا پُر جوش استقبال..... پھر جب حضرت جعفرؓ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا اور ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ ان کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں اس طرح ہے کہ جب حضرت جعفر حبشہ سے پہنچے تو آنحضرت ﷺ نے ان کو گلے لگایا اور ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ چنانچہ اسی حدیث کی بنیاد پر حضرت ابن عباس نے کہا ہے کہ معانقہ کرنا مستحب ہے۔

معانقہ اور مصافحہ..... مگر بعض حضرات نے لکھا ہے کہ معانقہ کرنا مکروہ ہے۔ اور جہاں تک حضرت جعفر کے متعلق اس حدیث کا تعلق ہے تو ممکن ہے یہ واقعہ معانقہ کی ممانعت سے پہلے کا ہو کیونکہ آنحضرت ﷺ کو معانکہ یعنی معانقہ سے منع فرمایا گیا ہے۔

معانقہ کے متعلق امام مالک اور سفیان کا مکالمہ..... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: امام مالک نے اس بات کا جواب نہیں دیا ہے' کیونکہ ایک مرتبہ حضرت سفیان ابن عیینہ امام مالکؒ کے پاس آئے امام مالک نے ان سے مصافحہ کر کے کہا۔

"اگر یہ بات بدعت نہ ہوتی تو میں آپ سے معانقہ ضرور کرتا!"

اس پر حضرت سفیان نے کہا۔

"مگر آنحضرت ﷺ نے جو آپ سے اور مجھ سے بہتر تھے معانقہ کیا ہے!"

امام مالک نے کہا۔ آپ کا مطلب ہے حضرت جعفر ابن ابوطالب کا واقعہ۔!

حضرت سفیان نے کہا۔ ہاں!۔ تو امام مالک نے کہا۔

"وہ واقعہ ایک مخصوص حبیب یعنی حضرت جعفرؓ کے لئے تھا۔ وہ بات ہر ایک کے لئے عام نہیں ہے۔ لہٰذا یہ بات ان کی خصوصیات میں سے ہے!"

اس پر حضرت سفیان نے فرمایا:

"جو بات جعفر کیلئے عام ہے وہ ہمارے لئے بھی عام ہے اور جو بات ان کی خصوصیات میں سے ہے وہ ہماری بھی خصوصیت ہے!"

لہٰذا اصل یہ ہے کہ یہ بات خصوصیات میں سے نہیں ہے۔ پھر حضرت سفیانؒ نے امام مالکؒ سے کہا کہ آپ اجازت دیں تو میں آپ کو ایک حدیث سناؤں۔ امام مالک نے کہا اجازت ہے تو حضرت سفیان نے کہا کہ مجھ سے فلاں شخص نے فلاں سے روایت بیان کی ہے جنہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے حدیث سنی۔ اس کے بعد انہوں نے ابن عباسؓ کی وہی حدیث سنائی جو گذشتہ سطروں میں بیان ہوئی۔

مصافحہ کے متعلق نبی ﷺ کا ارشاد...... نیز ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب حضرت زید ابن حارثہ مکے سے آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے انہیں اپنے پاس رکھ لیا۔ جہاں تک مصافحہ کا تعلق ہے تو حدیث میں ہے کہ جب یمَن کے لوگ مدینے آئے تو انہوں نے سلام کے بعد لوگوں سے مصافحہ کیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"یمن کے لوگوں نے تمہارے لئے مصافحہ کی سنت جاری کی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا۔ تمہاری محبت کی انتہا مصافحہ ہے!"

استقبال کے لئے کھڑا ہونا...... ادھر جب حضرت صفوان ابن امیہ آپ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا۔ اسی طرح جب عدی ابن حاتم طائی آئے تو آپ ان کے لئے بھی کھڑے ہوئے۔

علامہ سہیلیؒ کہتے ہیں کہ اس کے مقابلے میں ایک حدیث ہے کہ جو شخص اس بات پر خوش ہوتا ہے کہ لوگ اس کے اعزاز میں کھڑے ہوا کریں تو وہ دوزخ کی آگ میں بٹھایا جائے گا۔ مگر علامہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں اور آنحضرت ﷺ کے اس عمل میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث تکبر کرنے والوں اور ان لوگوں کے لئے ہے جو اپنے لئے دوسرے کے کھڑے نہ ہونے پر ناراض ہوتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کا کھڑے ہو کر استقبال فرمایا کرتے تھے اور خود حضرت فاطمہ آنحضرت ﷺ کے لئے کھڑی ہو جایا کرتی تھیں۔ یہاں تک علامہ کا حوالہ ہے واللہ اعلم۔

جعفر سے آپ کا پر محبت خطاب...... حبشہ والوں کا طریقہ یہ تھا کہ وہ کسی بڑے آدمی کے پاس آتے تو اس کے اعزاز میں اچھل اچھل کر ایک پیر پر چلتے تھے۔ جب حضرت جعفرؓ حبشہ سے آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تو وہ آپ کے اعزاز میں ایک پاؤں پر چلتے ہوئے بڑھے آنحضرت ﷺ ان کو اس طرح چلتے ہوئے دیکھ رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ تم میرے اخلاق اور میری خلقت یعنی جسمانی بناوٹ میں سب سے زیادہ مشابہ ہو۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ لوگوں میں سب سے زیادہ میرے اخلاق اور میری خلقت سے تم ہی مشابہ ہو۔

آنحضرت ﷺ حضرت جعفرؓ کو ابوالمساکین فرمایا کرتے تھے کیونکہ وہ مسکینوں اور غریبوں سے بے حد محبت رکھتے تھے اکثر غریبوں کی مجلسوں میں بیٹھتے اور ان سے خود بھی باتیں کیا کرتے اور ان کی باتیں سنا کرتے تھے۔

جعفر کی مسرت اور بے اختیار رقص...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت جعفرؓ سے یہ فرمایا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ میرے اخلاق اور میری خلقت سے تم ہی مشابہ ہو تو حضرت جعفرؓ اپنے لئے آنحضرت ﷺ کے اس فرمان کی لذت سے بے اختیار ہو کر ناچنے اور رقص کرنے لگے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو خوشی سے ناچتے ہوئے دیکھا لیکن منع نہیں فرمایا۔

صوفیاء کا رقص کے لئے استدلال...... جن صوفیاء کے یہاں رقص ہوتا ہے انہوں نے اسی حدیث کو رقص کے جواز کی دلیل بنایا ہے کہ جب ذکر اور سماع کی مجلسوں میں وہ وجد کی لذت سے آشنا ہوتے ہیں تو بے اختیار رقص کرنے لگتے ہیں۔ (اور ان کے نزدیک یہ رقص بھی اسی طرح درگزر کے قابل ہے جیسے اس حدیث کے مطابق حضرت جعفرؓ کا عمل تھا)۔

جعفر کی آمد پر آنحضرت ﷺ کی غیر معمولی مسرت...... غرض اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ میں کس بات پر زیادہ خوش ہوں۔ خیبر کی فتح پر یا جعفر کے آنے پر!"

جعفر کے حبشی ہمراہی اور ان کا اسلام...... ایک قول ہے کہ حضرت جعفر کے ساتھ ستّر آدمی تھے جو موٹے اون کے

کپڑے پہنے ہوئے تھے ان میں سے باسٹھ آدمی حبشہ کے تھے اور آٹھ آدمی ملک شام کے رومی تھے۔ ایک قول ہے کہ ان کے ساتھ چالیس آدمی تھے جن میں سے بتیس حبشہ کے رہنے والے اور آٹھ ملک شام کے رومی تھے۔ ایک قول کے مطابق اسی آدمی تھے جن میں سے چالیس نجران کے لوگ تھے بتیس حبشہ کے اور آٹھ شام کے رومی تھے۔

آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو پوری سورۂ یٰسین پڑھ کر سنائی جسے سن کر یہ لوگ رو پڑے اور مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے کہا:

"حضرت عیسیٰؑ پر جو کلام نازل ہوتا تھا یہ کلام اس سے کس قدر مشابہ ہے!"

آنحضرت ﷺ کی زبردست تواضع...... بعض علماء نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس نجاشی بادشاہ حبشہ کا وفد آیا تھا۔ غالباً ان کی مراد ان ہی لوگوں سے ہے۔

غرض اس کے بعد رسول اللہ ﷺ ان کی خدمت کے لئے خود کھڑے ہو گئے۔ یہ دیکھ کر صحابہ نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ ﷺ! ان کی خدمت کے لئے ہم کافی ہیں!"

آپ نے فرمایا:

"ان لوگوں نے ہمارے صحابہ کی بڑی عزت افزائی کی تھی (یعنی جب وہ ہجرت کر کے مکے سے حبشہ گئے تھے) اس لئے میں چاہتا ہوں کہ ان کے اس عمل کی مکافات کروں یعنی بدلہ دوں!"

قبیلہ دوس کے وفد کی آمد...... ایک روایت میں ہے کہ آپ کے پاس حضرت ابو ہریرہؓ بھی اپنی قوم دوس کی ایک جماعت کے ساتھ آئے تھے جیسا کہ بیان ہوا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ جب ہم لوگ مدینے میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو ہم قبیلہ دوس کے اسی گھرانوں کے لوگ تھے۔ صبح کی نماز ہم نے سباعؓ ابن عرفطہ غفاری کے پیچھے پڑھی اور ہمیں معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ خیبر کے غزوہ میں گئے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد حضرت سباعؓ نے ہمیں زادِ راہ دیا اور ہم مدینے سے روانہ ہو کر خیبر پہنچے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کتیبہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے چنانچہ ہم اس وقت تک وہیں ٹھہرے رہے جب تک اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی۔

اُمّ حبیبہ اور ان کا شوہر...... حبشہ سے جو لوگ آئے ان میں حضرت اُمّ حبیبہ بنت ابو سفیان بھی تھیں جو آنحضرت ﷺ کی ازواج میں سے تھیں۔ ان سے جب آپ نے شادی کی یعنی نکاح کیا تو اس وقت وہ حبشہ میں تھیں۔ یہ ان مہاجرین میں سے تھیں جو مکے سے ہجرت ثانیہ یعنی دوسری ہجرت کے حکم پر اپنے شوہر عبد اللہ ابن جحش کے ساتھ حبشہ چلی گئی تھیں عبد اللہ ابن جحش حبشہ پہنچ کر اسلام سے مرتد ہو گیا۔ اس نے عیسائی مذہب قبول کر لیا اور اسی حالت میں وہاں مر گیا۔ حضرت اُمّ حبیبہ اسلام پر قائم رہیں جیسا کہ بیان ہوا۔

اُمّ حبیبہ سے نکاح کے لئے نجاشی کے پاس قاصد...... محرم کے مہینے یعنی ۷ھ کے شروع میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو ابن امیہ ضمری کو حبشہ میں نجاشی کے پاس بھیجا تاکہ وہ اُمّ حبیبہ سے آنحضرت ﷺ کی شادی کر دے (یعنی آنحضرت ﷺ کے وکیل کے طور پر وہ اُمّ حبیبہ سے آپ کا عقد کر دے)

اُمّ حبیبہؓ کا خواب...... حضرت اُمّ حبیبہ کہتی ہیں کہ اس سے پہلے میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص مجھے یا اُمّ المومنین کہہ کر پکارتا ہے۔ میں اس خواب سے گھبرا سی گئی مگر میں نے اس کی یہ تعبیر لی کہ رسول اللہ ﷺ میرے ساتھ نکاح فرمائیں گے۔

اُمّ حبیبہ کے پاس نجاشی کی قاصد......اُمّ حبیبہ کہتی ہیں کہ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ میرے پاس نجاشی بادشاہ کی ایک کنیز آئی اور مجھ سے کہنے لگی:

"شہنشاہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو لکھا ہے وہ آپ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا عقد کر دیں!"

میں نے اس کنیز سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کو خیبر کی بشارت اور خوشخبری دی گئی ہے۔ پھر اس کنیز نے مجھ سے کہا:

"شہنشاہ آپ سے کہتے ہیں کہ آپ اپنی طرف سے کسی کو وکیل بنا دیجئے جو آپ کی شادی کر دے!"

نجاشی اور خالد کی وکالت...... میں نے خالد ابن سعید کو بلوا کر وکیل بنایا۔ اس کے بعد اُمّ حبیبہ نے اس کنیز کو اس خوشخبری لانے کے انعام میں دو کنگن دو پازیب اور چند چاندی کی انگوٹھیاں دیں۔ (کیونکہ حضرت اُمّ حبیبہ کے لئے یہ بشارت دو جہان کی نعمت تھی جس پر وہ بے انتہا مسرور تھیں)۔

نکاح اور نجاشی کا خطبہ......رات کو نجاشی بادشاہ نے حضرت جعفر ابن ابو طالب اور ان کے ساتھ مسلمانوں کو بلوایا۔ جب سب جمع ہو گئے تو نجاشی نے یہ خطبہ پڑھا:

"تمام تعریفیں اس ذات باری کے لئے سزاوار ہیں جو سب سے بڑا بادشاہ ہے اور تمام عیبوں سے پاک ہے۔ ایک روایت میں اس کے بجائے یہ لفظ ہیں کہ۔ جو امن دینے والا ہے نگہبانی کرنے والا ہے' زبردست ہے اور سب خرابیوں کا دور کر دینے والا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اور یہ کہ آنحضرت ﷺ ہی وہ پیغمبر ہیں جن کی آمد کی خوش خبری حضرت عیسیٰؑ ابن مریمؑ نے دی تھی!

اما بعد! پس رسول اللہ ﷺ نے مجھے لکھا ہے کہ میں آپ کا نکاح اُمّ حبیبہ بنت ابو سفیان سے کر دوں۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں جو ذمہ داری عنایت فرمائی ہم نے اس کو قبول کر لیا ہے۔ ان کا مہر چار سو دینار۔ اور ایک روایت کے مطابق۔ چار سو مثقال سرخ ہے!"

اُمّ حبیبہ کا مہر......اس کے بعد نجاشی بادشاہ نے اتنے دینار لوگوں کے سامنے الٹ دیئے (مثقال وزن اور پیمانے کو کہتے ہیں جو عام طور پر ڈیڑھ درہم وزن کا ہوتا ہے لیکن کہیں اس سے کم اور اس سے زیادہ وزن کا بھی ہوتا ہے)۔

خالد کا خطبہ......اس کے بعد حضرت خالد ابن سعید ابن عاص یوں گویا ہوئے:

"مدد مانگتا ہوں اور اسی سے مغفرت اور بخشش مانگتا ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں جنہیں حق تعالیٰ نے ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ اس پورے دین کا ہر جگہ بول بالا ہو۔ چاہے مشرکوں کو یہ بات کتنی ہی گراں کیوں نہ ہو!۔

اما بعد! رسول اللہ ﷺ نے جو پیش کش فرمائی ہے میں نے اسے قبول کیا اور اُمّ حبیبہ بنت ابو سفیان کو میں نے آپ سے بیاہ دیا۔ خدا تعالیٰ۔ رسول اللہ ﷺ کے لئے اس عقد کو مبارک فرمائے!"

مہر کی ادائیگی......اسی وقت بادشاہ نجاشی نے مہر کے وہ دینار حضرت خالد ابن سعید کے سپرد کر دیئے جنہیں حضرت خالدؓ نے لے کر اپنے قبضہ میں کیا۔ ایک قول ہے کہ نجاشی نے مہر کے وہ دینار اسی کنیز کے ہاتھ حضرت اُمّ حبیبہ کے پاس بھجوائے جو ان کے پاس یہ خوشخبری لے کر گئی تھی۔ جب اس کنیز نے یہ دینار حضرت اُمّ حبیبہ کو دیئے تو انہوں نے ان میں سے پچاس دینار اس

کنیز کو بخشش کے طور پر دے دیئے۔
روایات کے اس اختلاف کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے نجاشی نے یہ دینار حضرت خالد کے سپرد کرنے کے بعد پھر ان سے واپس لے لئے ہوں اور اسکے بعد اس کنیز کے سپرد کئے ہوں (کہ وہ حضرت اُمّ حبیبہ کو جاکر دیدے) یا خود حضرت خالد نے ہی کہا ہو کہ یہ دینار اس کنیز کے ذریعہ اُمّ حبیبہ کے پاس بھجوا دیئے جائیں لہٰذا دونوں باتوں میں کوئی فرق یا اختلاف نہیں ہے۔
اس پوری تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ نجاشی بادشاہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے وکیل تھا۔ مگر ہمارے بعض شافعی فقہاء نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرو ابن امیہ ضمری کو اپنا وکیل مقرر فرمایا تھا کہ وہ اُمّ حبیبہ سے آپ کا نکاح کر دیں۔
اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرو ابن امیہ ضمری کے آنحضرت ﷺ کا وکیل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو آپ نے نجاشی کے پاس اپنا وکیل بنا کر بھیجا تھا تاکہ وہ اُمّ حبیبہ سے نکاح کے معاملے میں بادشاہ کو آنحضرت ﷺ کا وکیل بنا دیں۔
نجاشی کی طرف سے شادی کا کھانا...... غرض اس نکاح کے بعد جب مجلس برخاست ہونے لگی اور لوگوں نے جانے کا ارادہ کیا تو نجاشی نے ان سے کہا:
"ذرا دیر بیٹھیئے کیونکہ انبیاءؑ کی سنت یہ ہے کہ جب ان کا نکاح ہوتا ہے تو اس شادی پر کھانا کھایا جاتا ہے!"
نجاشی کی طرف سے کنیز کے انعام کی واپسی...... یہ کہہ کر نجاشی نے کھانا منگایا اور سب لوگوں نے کھایا۔ اس کے بعد تمام لوگ رخصت ہوگئے۔
حضرت اُمّ حبیبہ کہتی ہیں کہ اگلے دن نجاشی کی وہی کنیز پھر میرے پاس آئی اور اس نے مجھے وہ تمام انعام واکرام کی چیزیں لوٹا دیں جو میں نے اسے ایک دن پہلے دی تھیں۔ ساتھ ہی اس نے مجھ سے کہا:
"شہنشاہ نے فیصلہ کیا ہے کہ آپ کے مال میں سے کوئی چیز کم نہیں ہونی چاہئے۔! نیز شہنشاہ نے اپنی بیوی کو حکم دیا ہے کہ ان کے پاس جو کچھ عطریات اور خوشبوئیں ہیں وہ آپ کو دے دیں!"
چنانچہ وہ کنیز اپنے ساتھ ورس اور عنبر اور زباد بڑی مقدار میں لے کر آئی تھی۔ (ورس ایک قسم کی گھاس ہوتی ہے جس کو سرخ رنگ دینے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا ممکن ہے اس میں خوشبو بھی ہوتی ہو۔ زباد ایک خاص قسم کی خوشبو ہوتی ہے اور اسے ایک جانور کے پیٹ سے نکالا جاتا ہے۔ یہ جانور بلّی کے جیسا ہوتا ہے مگر بلّی سے بڑا ہوتا ہے۔ یہ ایک قیمتی خوشبو ہوتی تھی۔
اس کے بعد اس کنیز نے حضرت اُمّ حبیبہ سے کہا:
کنیز کی ایک درخواست...... "میری آپ سے اتنی درخواست ہے کہ آپ میری جانب سے رسول اللہ ﷺ کو سلام پہنچا دیں آنحضرت ﷺ کو بتلا دیں کہ میں نے آپ کا دین قبول کر لیا ہے!"
اُمّ حبیبہ کی مدینہ کو روانگی...... حضرت اُمّ حبیبہؓ کہتی ہیں کہ اس کے بعد وہ کنیز جب بھی میرے پاس آتی تو کہتی کہ دیکھئے میرے درخواست بھول نہ جائیں۔ غرض اس کے بعد ایک روز نجاشی بادشاہ نے حضرت اُمّ حبیبہ کو حضرت شرحبیلؓ ابن حسنہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے پاس روانہ کر دیا۔
حضرت ام حبیبہؓ کہتی ہیں کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچی تو میں نے آپ کو سب تفصیل بتلائی کہ خطبہ و نکاح کیسے ہوا تھا؟ اور یہ کہ کس طرح نجاشی بادشاہ کی کنیز میرے پاس آئی تھی۔ اس کے بعد میں نے آپ کو اس کنیز کا سلام پہنچایا۔ آنحضرت ﷺ یہ سن کر مسکرائے اور آپ نے فرمایا عَلَيْهَا السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ یعنی اس پر بھی سلامتی اور اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں۔

آنحضرت ﷺ کی فرمائش پر حبشہ کے ایک واقعہ کی روداد......ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب حبشہ کے مہاجرین رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے فرمایا:

"حبشہ کی سرزمین میں کوئی انوکھا واقعہ دیکھا ہو تو وہ سناؤ!"

اس پر چند نوجوانوں نے کہا:

"یارسول اللہ! ایک روز ہم لوگ ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے کہ وہاں سے ایک بوڑھی حبشی عورت گزری جو اپنے سر پر پانی سے بھرا ہوا ایک مٹکا لئے جارہی تھی۔ اتفاق سے ایک بچے کے پاس سے گزری اور بچے نے شرارت سے اس کو دھکا دے دیا۔ بڑھیا گھٹنوں کے بل گری اور اس کا مٹکا بھی گر کر ٹوٹ گیا بڑھیا کھڑی ہوئی تو بچے کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی:

"او غدار۔ تجھے اس وقت معلوم ہوگا جب اللہ تعالیٰ عرش و کرسی پر جلوہ فگن ہوگا اور اگلے پچھلے تمام لوگ وہاں جمع کئے جائیں گے اور آدمی کے ہاتھوں اور پیروں کو بھی زبان دے دی جائے گی تاکہ وہ بتلائیں کہ آدمی نے ان کے ذریعہ کیا کچھ کیا ہے۔ اس وقت تجھے معلوم ہوگا کہ میرا اور تیرا معاملہ بھی اس ذات باری کے روبرو پیش ہے!"

یہ واقعہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"بڑھیا نے سچ کہا۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کیسے برائیوں سے پاک کر سکتا ہے جو اپنی قوی لوگوں سے اپنے کمزوروں کا بدلہ نہیں لیتے!"

فدک والوں کی تبلیغ......کہا جاتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ خیبر کے سامنے پہنچے اور بستی قریب آگئی تو آپ نے حضرت محیصہ ابن مسعود کو فدک کی بستی والوں کے پاس بھیجا تاکہ وہ انہیں سلام قبول کرنے کی دعوت دیں اور آخرت سے ڈرائیں۔

حضرت محیصہؓ کہتے ہیں کہ میں فدک والوں کے پاس پہنچا مگر وہ لوگ خیبر کی جنگ کے نتیجہ کا انتظار کرنے لگے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ خیبر میں دس ہزار جنگجو جوان ہیں جن میں عامر' یاسر' حرث اور یہودیوں کے سردار مرحب جیسے لوگ شامل ہیں۔ ہم نہیں سمجھتے کہ محمد ﷺ خیبر کے پاس بھی پھٹک سکیں گے۔

میں ان لوگوں کے پاس دو دن ٹھہرا اس کے بعد میں نے واپسی کا ارادہ کیا تو وہ لوگ مجھ سے کہنے لگے کہ ہم آپ کے ساتھ اپنے کچھ آدمی بھیجیں گے تاکہ وہ ہماری طرف سے محمد ﷺ کے ساتھ صلح کا معاہدہ کرلیں۔

فدک پر صلح کے ذریعہ فتح......یہ سب کچھ تھا مگر ان سب لوگوں کو یہی خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ خیبر کو فتح نہیں کرسکیں گے۔ آخر کچھ دن بعد قلعہ ناعم کے کچھ لوگ فدک میں پہنچے جنہوں نے ان لوگوں کو بتلایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ناعم فتح فرمالیا ہے۔ اس وقت فدک والوں نے اپنے سرکردہ لوگوں میں سے ایک شخص کو ایک جماعت کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے پاس بھیجا اس سردار کا نام نون ابن یوشع تھا جس نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ ہم سے اس بات پر صلح کرلی جائے کہ ہماری جاں بخشی ہو جائے اور ہم لوگ اپنا تمام مال متاع لے کر فدک سے جلاوطن ہو جائیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی یہ درخواست قبول فرمالی۔

فدک کی زمینیں آنحضرت ﷺ کی ملکیت......ایک قول ہے کہ فدک والوں نے اس بات پر آنحضرت ﷺ سے صلح لی تھی کہ آدھی زمینیں ان کے لئے چھوڑ کر باقی آدھی آنحضرت ﷺ لے لیں۔ تو گویا پہلی روایت کے مطابق پورا فدک صرف رسول اللہ ﷺ کی ملکیت تھا اور دوسری روایت کے مطابق اس کا آدھا حصہ آپ کی ملک بنا کیونکہ یہ بستی بغیر جنگ کے حاصل کی گئی (لہٰذا یہ آنحضرت ﷺ کے حق میں فی کا مال تھا) چنانچہ آنحضرت ﷺ فدک کی آمدنی میں سے خرچ فرمایا کرتے

تھے اور بنی ہاشم کے چھوٹے بچوں کی اسی روپے سے پرورش فرماتے اور اسی روپے سے بنی ہاشم کی بیواؤں کی شادیاں فرماتے۔

فاطمہ کو اراضی فدک دینے سے صدیق اکبر کا انکار...... رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جب حضرت ابو بکر صدیقؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو حضرت فاطمہؓ نے صدیق اکبرؓ سے درخواست کی کہ خیبر کا کل علاقہ یا اس کا آدھا حصہ ان کے لئے مخصوص کر دیں مگر صدیق اکبرؓ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور حضرت فاطمہؓ سے کہا۔

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہم نبیوں کی میراث نہیں بٹتی جو کچھ ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ مسلمانوں کے لئے صدقہ ہوتا ہے!"

اراضی فدک...... گذشتہ سطروں میں جو دوسری روایت گزری ہے کہ فدک والوں نے آدی زمین پر رسول اللہ ﷺ سے صلح کی تھی اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں فدک والوں کو خیبر کے یہودیوں کے ساتھ جب جلاوطن کیا تو ان سے وہ بقیہ نصف حصہ بھی خرید لیا تھا جو فدک والوں کا تھا یہ نصف حصہ انہوں نے بیت المال کی رقم سے خریدا تھا۔

پھر آگے چل کر (بنی امیہ کے دور خلافت میں) جب حضرت عمر ابن عبد العزیزؒ خلیفہ بنے تو ان سے کہا گیا کہ مروان نے فدک کی زمینوں کو اپنے قطعات میں شامل کر لیا ہے۔ اس پر عمر وابن عبد العزیز نے رسول اللہ ﷺ کے اسی ارشاد کا حوالہ دیا کہ ہم انبیاء جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے اس کی میراث نہیں بٹتی۔

پھر خلیفہ نے کہا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ یہ ایسا معاملہ ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو محروم کر دیا ہے۔ مجھے اس میں کوئی حق نہیں ہے۔ میں تمہیں گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں فدک کی اراضی اور زمینوں کو اسی حالت میں لوٹا رہا ہوں جس پر وہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں تھیں۔ یعنی مسلمانوں کے لئے صدقہ!"

یہود خیبر کی غطفانیوں سے مدد خواہی

فدک والوں نے آنحضرت ﷺ سے صلح کی جو درخواست کی اس سے پہلے یہ واقعہ ہوا تھا کہ قبیلہ غطفان اور ان کے سردار عیینہ ابن حصن نے خیبر والوں کی مدد کرنے کا ارادہ کیا ان لوگوں کی تعداد چار ہزار تھی!

اصل میں جس وقت خیبر کے یہودیوں نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ حملہ آور ہو رہے ہیں تو انہوں نے کنانہ ابن ابو حقیق اور ہودہ ابن قیس کو چودہ آدمیوں کے ساتھ غطفانیوں کے پاس بھیجا اور ان سے مدد مانگی۔ ساتھ ہی انہوں نے غطفانیوں کو وعدہ دیا کہ مسلمانوں پر فتح حاصل کر لینے کی صورت میں تمہیں خیبر کے پھلوں کی آدھی بہار دی جائے گی۔ غطفانیوں نے یہودیوں کی یہ شرط قبول کر لی اور یہود کی حمایت میں روانہ ہو گئے۔

غطفانیوں کے پاس آنحضرت ﷺ کا قاصد...... کہا جاتا ہے کہ دوسری طرف خود رسول اللہ ﷺ نے بھی غطفانیوں کے پاس وفد بھیجا اور انہیں یہودیوں کی مدد کرنے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ آپ نے بھی ان کو وعدہ دیا کہ تم نے یہود کی مدد نہ کی تو تمہیں خیبر کے اتنے اتنے پھل دے دیئے جائیں گے۔ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بھی خیبر کے پھلوں کی نصف بہار کی پیشکش کی تھی۔ مگر غطفانیوں نے آنحضرت ﷺ کی پیش کش یہ کہہ کر ٹھکرا دی کہ خیبر کے یہودی ہمارے پڑوسی اور بھائی ہیں۔

غطفانی اہل خیبر کی مدد کو روانہ...... غرض غطفانی یہودیوں کی مدد کے لئے روانہ ہو گئے مگر ابھی یہ لوگ تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ اچانک انہیں پیچھے اپنے گھروں اور بیوی بچوں کے درمیان شور و شغب کی آوازیں آئیں یہ لوگ سمجھے کہ مسلمانوں نے ان کے گھر والوں پر یلغار کر دی ہے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب اور خوف پیدا کر دیا اور یہ لوگ راستے ہی میں سے بری طرح بھاگتے ہوئے اپنے گھروں پر واپس آ گئے اس کے بعد یہ لوگ اپنے بیوی بچوں اور مال و دولت کی نگرانی کے لئے وہیں رک گئے اور آنحضرت ﷺ اور یہودیوں کو آپس میں نمٹ لینے کے لئے چھوڑ دیا۔

غیبی آواز اور غطفان کی واپسی...... ایک روایت میں یوں ہے کہ جب غطفانی یہودیوں کی مدد کے لئے روانہ ہو گئے تو تھوڑی دور جا کر انہوں نے ایک آواز سنی کہ۔ لوگو! اپنے گھر والوں کی خبر لو جنہیں تم دشمن کے رحم و کرم پر چھوڑ آئے ہو۔ غطفانی اس آواز کو سنتے ہی افتاں و خیزاں واپس اپنے گھر والوں کے پاس پہنچے تو وہاں کوئی غیر معمولی بات نظر نہ آئی۔

اس آواز والی روایت کی تائید اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ فتح خیبر کے بعد جب غطفان کے لوگ خیبر میں آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تو غطفانی سردار عیینہ نے آنحضرت ﷺ سے کہا:

"آپ نے ہم سے جو کچھ دینے کا وعدہ کیا تھا وہ اب دیجئے"۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ "آپ نے ہمارے دوستوں یعنی یہودیوں سے جو مال غنیمت حاصل کیا ہے اس میں سے میرا حصہ مجھے دیجئے کیونکہ میں آپ سے اور آپ کی جنگ سے علیحدہ رہا"۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تم غلط کہتے ہو۔ تم اس آواز کی وجہ سے اپنے گھر والوں کے پاس بھاگ گئے تھے اس لئے تمہارا حصہ تو مالِ غنیمت کے بجائے ذورقیبہ ہے!"

عینیہ نے پوچھا۔ ذورقیبہ کیا؟ تو آپ نے فرمایا:

"وہ پہاڑ جس کو تم نے اس روز خواب میں دیکھا تھا کہ وہ تمہیں مل گیا ہے!"

عینیہ کے خوش آئند خواب...... بات یہ ہوئی تھی کہ عینیہ ابن حصن جب وہ آواز سن کر واپس گھر والوں کے پاس پہنچا اور وہاں کوئی غیر معمولی بات نظر نہ آئی تو پھر یہ اپنے ساتھیوں کو لے کر خیبر کو روانہ ہوا۔ جب یہ لوگ خیبر کے قریب پہنچے تو رات ہوگئی تھی چنانچہ عینیہ سو گیا تھوڑی دیر بعد یہ جاگا تو اپنی قوم کے لوگوں سے کہنے لگا:

"تمہیں خوش خبری ہو۔ میں نے رات خواب میں دیکھا ہے کہ ذورقیبہ مجھے دے دیا گیا ہے جو خیبر کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے۔ خدا کی قسم میں نے محمد ﷺ کی گردن پکڑ لی ہے!"

جیسا کہ بتلایا گیا ذورقیبہ۔ خیبر کے ایک پہاڑ کا نام ہے۔ یہ لفظ رقیب اصل میں لفظ رقبہ سے بنا ہے۔ رقبہ عربی میں گردن کو کہتے ہیں اس لئے عینیہ اس لفظ کی مناسبت سے اپنے خواب کی یہ تعبیر لی کہ ذورقیبہ میرے قبضے میں آنے کا مطلب ہے ایک بہت بڑی چیز قبضے میں آئی ہے لہٰذا اس کا مطلب ہے کہ آنحضرت ﷺ کی گردن قبضے میں آگئی ہے) مگر اس کے بعد جب یہ لوگ وہاں سے بڑھ کر خیبر پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ خیبر فتح کر چکے ہیں۔

یہیں آنحضرت ﷺ کے پاس حجاج ابن علاط سلمیؓ بھی آئے اور مسلمان ہوئے۔ علاط گردن کے نشان کو کہتے ہیں۔ یہ حجاج وہی ابونصر ابن حجاج ہیں جن کو حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں شہر بدر کر دیا تھا کیونکہ انہوں نے حجاج ابن یوسف ثقفی کی ماں کو ان حجاج سلمی کی تعریفیں کرتے اور ان کے لئے عشقیہ شعر پڑھتے سن لیا تھا ان شعروں میں سے ایک یہ ہے۔

هَلْ مِنْ سَبِيْلِ اِلٰى خَمْرٍ فَاشْرِبُهَا
اَمْ مِنْ سَبِيْلِ اِلٰى نصر ابن حجاج

ترجمہ: کیا میرے لئے کوئی راستہ شراب تک پہنچنے کا ہے کہ میں پی سکوں۔ یا نصر ابن حجاج تک پہنچنے کا کوئی راستہ ہے۔

حجاج ابن علاط کا اسلام...... اسی بناء پر عروہ ابن زبیر نے ایک دن حجاج پر طنز کرتے ہوئے انہیں کہا تھا "اے ابن متمنیہ" جس کے معنی ہیں "اے کسی کی آرزو میں تڑپنے والی عورت کے بیٹے" یہ حجاج ابن علاط ایک دولت مند آدمی تھے۔ چنانچہ مسلمان ہونے کے بعد انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

"یارسول اللہ! میرا تمام مال مکے میں ہے اور وہاں کے تاجروں میں بٹا ہوا ہے لہٰذا مجھے اجازت دیجئے کہ میں مکے جا کر اپنا مال و دولت وہاں سے سمیٹ لاؤں (یہ اس وقت تو ہو سکتا ہے) لیکن اگر مکے والوں کو میرے اسلام کا پتہ چل گیا تو میں ان سے ایک پیسہ بھی حاصل نہ کر سکوں گا!"

دروغ مصلحت آمیز...... آنحضرت ﷺ نے ان کو اجازت دے دی تو انہوں نے پھر آپ سے عرض کیا:

"یارسول اللہ! میرے لئے اپنا مال حاصل کرنے کے واسطے یہ بھی ضروری ہوگا کہ میں ان سے حیلے بہانے کروں اور کچھ باتیں خلاف واقعہ بھی کہوں!"

حجاج اپنا مال لانے کے لئے مکے میں...... آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کہہ دینا۔ حجاج کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں روانہ ہوا

اور مکے پہنچ کر سیدھا حرم میں گیا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ قریش میں چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں کیونکہ انہیں معلوم ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ خیبر پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ خیبر والوں کے متعلق قریش کو یقین تھا کہ وہ لوگ بڑی طاقت و قوت والے ہیں اور ان کے حفاظتی انتظامات بہت بہترین ہیں۔ اب قریش کے لوگ اس بارے میں مزید خبروں کی تلاش میں تھے کیونکہ ان لوگوں نے اس بات پر آپس میں سو اونٹوں کی شرط لگائی ہوئی تھی کہ آیا آنحضرت ﷺ کو خیبر میں فتح ہو گی یا نہیں۔ حُویطب ابن عبدالعزیٰ اور کچھ دوسرے لوگ کہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کو فتح ہو گی جب کہ عباس ابن مرداس اور اس کے کچھ ہمنوا کہتے تھے کہ آپ کو شکست ہو گی۔

آنحضرت ﷺ کی شکست اور گرفتاری کی کہانی...... جیسے ہی ان لوگوں نے حجاج ابن علاط کو حرم میں داخل ہوتے دیکھا وہ سب ایک دم پکار اٹھے۔ یہ حجاج آئے ہیں۔ خدا کی قسم ان کے پاس ضرور تازہ خبریں ہوں گی۔ حضرت حجاج کہتے ہیں کہ اس وقت ان لوگوں کو میرے اسلام کی خبر نہیں تھی۔ مجھے دیکھتے ہی انہوں نے کہا۔

"حجاج! ہم نے سنا ہے کہ قاطع یعنی ایک کو دوسرے سے کاٹنے والے۔ مراد ہیں آنحضرت ﷺ۔ نے خیبر کی طرف کوچ کر دیا ہے"۔

میں نے (قریش سے اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے) کہا:

"میرے پاس ایسی خبریں ہیں جن سے تمہارے دل خوش ہو جائیں گے!"

یہ سنتے ہی وہ سب لوگ میرے چاروں طرف جمع ہو گئے اور مجھ سے پوچھنے لگے کہ حجاج وہ خبریں کیا ہیں؟ آخر میں نے کہا۔

"خیبر والوں جیسے بہتر جنگ جو اور سر فروش لوگوں سے محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو اب تک سابقہ نہیں پڑا تھا۔ لہٰذا مسلمانوں کو ایسی فاش شکست ہوئی کہ آج تک سنی بھی نہ ہو گی۔ خود محمد ﷺ گرفتار ہو گئے ہیں مگر خیبر والوں نے کہا ہے کہ ہم انہیں یہاں قتل نہیں کریں گے بلکہ مکے لے جائیں گے اور وہیں سب کے سامنے قتل کریں گے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ اور مکے کے ان لوگوں کے سامنے قتل کریں گے جو محمد ﷺ کے ہاتھوں ستم رسیدہ ہیں!"

مکے میں خوشی کے شادیانے...... یہ نوید سنتے ہی قریش کے لوگ خوشی سے چیخنے لگے اور مکے والوں سے کہنے لگے "لو خبر آ گئی ہے۔ محمد ﷺ آنے والے ہیں۔ تم لوگ اب اس کا انتظار کرو کہ انہیں یہاں لا کر تمہارے سامنے قتل کیا جائے گا!"

حجاج کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے قریش سے کہا:

"میرا مال اکٹھا کرانے میں میری مدد کرو میں چاہتا ہوں کہ خیبر پہنچ کر میں بھی وہ مال غنیمت حاصل کروں جو محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کے قبضہ سے ملا ہے ورنہ دوسرے تاجر مجھ سے پہلے وہاں پہنچ کر موقعہ سے فائدہ اٹھا لے جائیں گے!"

چنانچہ قریش نے بڑے پُر جوش انداز میں نہایت سر گرمی کے ساتھ میرا مال لا کر ایک جگہ جمع کر دیا مکے میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی جس پر مشرکوں میں سے ہر شخص خوشی سے دیوانہ ہو رہا تھا لیکن دوسری طرف مکے میں جو مسلمان تھے اس خبر سے گویا ان کی کمر ٹوٹ گئی تھی۔

عباس رضی اللہ عنہ کا رنج و اضطراب...... حضرت عباس ابن عبدالمطلب نے بھی یہ وحشت ناک خبر سنی تو صدمہ کی وجہ سے وہ کھڑے ہونے کے قابل بھی نہ رہے انہوں نے فوراً اپنا ایک غلام حجاج کے پاس بھیجا اور اس سے کہلایا۔ کہ عباس تمہیں اللہ کی بزرگی اور برتری کا واسطہ دے کر پوچھتے ہیں کہ جو خبر تم لائے ہو کیا وہ واقعی سچ ہے؟

حجاج نے اس لڑکے سے کہا کہ ابوالفضل یعنی عباس کو میرا اسلام پہنچانا اور کہنا کہ اپنے مکان کے کسی علیحدہ کمرے میں میرا انتظار کریں۔ میں ان کے پاس آؤں گا اور ایسی خبر سناؤں گا جس سے ان کے سب غم دور ہو جائیں گے مگر اس بات کو اور میرے آنے کو سب سے پوشیدہ رکھنا۔

غلام وہاں سے آ کر حضرت عباسؓ سے بولا کہ ابوالفضل آپ کو خوش خبری ہو۔ حضرت عباسؓ ان الفاظ پر خوشی سے اچھل کر اس طرح کھڑے ہو گئے جیسے انہیں کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ اس کے بعد غلام نے انہیں حجاج کا پیغام پہنچایا۔ حضرت عباسؓ نے اس شادکامی پر اسی وقت اس غلام کو آزاد کر دیا اور قسم کھا کر کہا کہ مجھ پر دس غلام آزاد کرنے واجب ہو گئے۔

اصل واقعہ کی اطلاع...... دوپہر کو حجاج حضرت عباسؓ کے پاس آئے۔ آتے ہی پہلے انہوں نے حضرت عباس کو قسم دلائی کہ تین دن تک میرے معاملے کو کسی پر ظاہر نہ کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ قبل از وقت بات کے افشا ہو جانے کی صورت میں مجھے ڈر ہے کہ قریش میرا تعاقب کریں گے۔ ہاں میرے جانے کے تین دن بات آپ اس معاملے کو افشا کر سکتے ہیں حضرت عباسؓ نے یہ وعدہ کر لیا تو حجاج نے کہا:

"دراصل میں مسلمان ہو چکا ہوں مگر میرا تمام مال میری بیوی کے پاس ہے اور لوگوں پر قرض کی رقمیں ہیں۔ اگر ان لوگوں کو میرے مسلمان ہو جانے کا پتہ چل جائے تو یہ میرا سارا مال دبا لیں گے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ آپ خیبر کا قلعہ فتح فرما چکے ہیں اور خیبر کے مال غنیمت میں اللہ و رسول کے حصے بھی تقسیم ہو چکے ہیں۔ میں تو رسول اللہ ﷺ کو اس حال میں چھوڑ کر آ رہا ہوں کہ آپ ﷺ یہودیوں کے بادشاہ حیئ ابن اخطب کی بیٹی کے ساتھ شادی کر چکے تھے۔ دوسری طرف یہودیوں کا سردار ابن ابوالحقیق بھی قتل ہو چکا ہے!"۔

مال لے کر حجاج کا فرار...... غرض اس کے بعد شام کو حجاج اپنا تمام مال و دولت سمیٹ کر مکے سے واپس روانہ ہو گئے۔ اودھر حضرت عباسؓ کو یہ تین دن گزارنے دوبھر ہو رہے تھے جن میں اس معاملہ کی رازداری کا وعدہ تھا۔ آخر خدا خدا کر کے حجاج کے جانے کے تین دن بعد حضرت عباسؓ نے اپنا بہترین حلہ نکال کر پہنا' عطریات اور خوشبوئیں لگائیں اور پھر ہاتھ میں چھوڑی لے کر خراماں خراماں قریش کی مجالس کے پاس سے گزرتے قریش ان سے کہتے:

"ابوالفضل! تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا بلکہ تمہارے لئے خیر ہی خیر ہے"۔

قریش کے سامنے حقیقت حال...... حضرت عباسؓ یہ سنتے ہی بول اٹھے:

"ہرگز نہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے نام کی تم نے قسم اٹھائی ہے کہ اللہ کا شکر ہے میرے لئے تو خیر ہی خیر ظاہر ہوئی ہے۔ حجاج نے مجھے بتلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں پر خیبر فتح فرمایا ہے اور اس میں اللہ و رسول کے حصے بھی جاری ہو چکے ہیں۔ ساتھ ہی یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کے بادشاہ حیئ ابن اخطب کی بیٹی کو اپنے لئے انتخاب فرما لیا ہے۔ یہاں تک کہ حجاج آنحضرت ﷺ کو حیئ کی بیٹی کے ساتھ عروسی میں چھوڑ کر آیا تھا۔ اس نے جو کچھ تم سے بتلایا وہ صرف تمہارے قبضے سے اپنا مال نکالنے کے لئے کہا تھا ورنہ وہ تو خود بھی مسلمان ہو چکا ہے!"

قریش کو پیچ و تاب اور صدمہ...... یہ سنتے ہی غم و افسوس کی جو گھٹائیں تین دن سے مسلمانوں پر چھائی ہوئی تھیں وہ اب مشرکوں پر برس پڑیں۔ وہ لوگ حیران اور غضبناک ہو کر کہنے لگے:

"اے خدا کے بندو! وہ خدا کا دشمن یعنی حجاج بچ کر نکل گیا۔ خدا کی قسم اگر ہمیں اس وقت یہ بات معلوم ہو جاتی تو اس کا حال

ہی دوسرا ہوتا!"

اس کے بعد جلد ہی دوسرے لوگوں نے مکے پہنچ کر صحیح حالات بتلائے جس سے حضرت عباسؓ کی بات کی تصدیق ہو گئی۔

اسی واقعہ کو علامہ بیہقی نے اپنی کتاب دلائل میں جس روایت سے پیش کیا ہے اس میں تھوڑا فرق ہے کہ حجاج ابن علاط نے اسی طرح آنحضرت ﷺ سے مکے جانے اور مال نکالنے کے لئے خلاف واقعہ باتیں کہنے کی اجازت لی اور مکے پہنچ کر سیدھے اپنی بیوی کے پاس پہنچے۔ انہوں نے بیوی سے کہا کہ میرے متعلق کسی سے کچھ مت کہنا۔ تمہارے پاس میرا جو مال ہے وہ اکٹھا کر کے مجھے دے دو۔ میں محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں سے چھینا ہوا مال غنیمت خریدنا چاہتا ہوں کیونکہ وہ سب پکڑے گئے ہیں اور ان کا مال و دولت یہودیوں کے قبضہ میں آ گیا ہے۔ یہ خبر مکے میں ایک دم پھیل گئی اور سب لوگ خوشی سے بغلیں بجانے لگے۔ مشرکوں کو جتنی اس بات سے خوشی ہوئی مسلمانوں کو اتنا ہی اس سے رنج و غم ہوا۔ پھر حضرت عباس نے ان کے پاس آدمی بھیجا اور جواب میں انہوں نے کہلایا کہ میرا انتظار کرو۔ پھر انہوں نے حضرت عباسؓ کو فتح کی خوش خبری اور وہی تفصیل بتلائی اور کہا کہ آنحضرت ﷺ نے صفیہ بنت حیی ابن اخطب کو اپنے لئے انتخاب کر کے انہیں اختیار دیا کہ وہ چاہیں تو آپ انہیں آزاد کر کے ان سے شادی کر لیں یا وہ واپس اپنے رشتہ داروں میں چلی جائیں مگر حضرت صفیہ نے یہ پسند کیا کہ آپ ان کو آزاد کر کے ان سے شادی کر لیں۔ پھر حجاج نے کہا کہ میں تو یہاں صرف اپنا جمع شدہ مال واپس لینے آیا ہوں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی اجازت لے لی تھی کہ اپنا کام نکالنے کے لئے میں یہاں موقعہ کے مناسب کچھ بھی کہہ سکتا ہوں۔ پھر انہوں نے حضرت عباسؓ سے تین دن رازداری کا حلف لیا اور ان کی بیوی نے مال جمع کر لیا تھا یہ اسے لے کر مکے سے چلے گئے۔

تین دن بعد حضرت عباسؓ حجاج کی بیوی کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ تمہارے شوہر کیا کر گئے ہیں۔ اس نے کہا۔

"وہ تو چلے گئے مگر۔ اللہ آپ کو کوئی غم نہ دے آپ نے بھی وہ خبر سنی ہو گی۔ آپ کے اس صدمہ پر ہمیں بھی افسوس ہے!"

اس پر حضرت عباس نے کہا:

"بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے غموں سے دور ہی رکھا ہے۔ محمد ﷺ کو وہاں جو کچھ پیش آیا ہے وہ وہی ہے جس کی میں آرزو کرتا تھا۔ اللہ نے آپ کے ہاتھوں پر خیبر فتح فرمادیا اور صفیہ بنت حییؓ کو آپ نے بیوی بنالیا ہے۔ اب اگر تمہیں اپنے شوہر کی ضرورت ہو تو تم اسی کے پاس چلی جاؤ!"

اس پر اس عورت نے کہا کہ خدا کی قسم میں نے ہمیشہ آپ کو سچا سمجھا ہے۔ حضرت عباسؓ نے کہا:

"خدا کی قسم میں سچ کہہ رہا ہوں اور واقعہ اسی طرح ہے"۔

اس کے بعد حضرت عباسؓ قریش کی مجلس میں آئے اور وہی سب کچھ کہا جو بیان ہوا۔

خیبر میں معجزات نبوی ﷺ

آنحضرت ﷺ کی مسیحائی...... جس زمانے میں رسول اللہ ﷺ خیبر پہنچے تھے اس وقت کھجوریں (پوری طرح پکی نہیں تھیں بلکہ) ہری تھیں چنانچہ انہیں کھانے سے اکثر صحابہ بخار میں مبتلا ہو گئے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر اس پریشانی کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا:

"اس کے لئے گھڑوں میں پانی ٹھنڈا کر لو اور فجر کی دونوں اذانوں کے درمیانی وقفہ میں اس پانی پر اللہ کا نام پڑھ کر اسے اپنے اوپر ڈالو!"

چنانچہ صحابہ نے اس ہدایت پر عمل کیا جس سے ان کا بخار جاتا رہا۔ حضرت سلمہ ابن اکوعؓ سے روایت ہے کہ میں خیبر کی جنگ میں زخمی ہو گیا لوگوں میں شور مچ گیا کہ سلمہ زخمی ہو گئے ہیں چنانچہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا۔ آپ نے زخم میں تین مرتبہ پھونک مار کر دم کیا جس سے مجھے اسی لمحہ آرام ہو گیا۔

نبی کے حکم پر درخت کی حرکت...... اسی غزوہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ رسول اللہ ﷺ کو قضائے حاجت کی ضرورت تھی آپ نے عبد اللہؓ ابن مسعود سے فرمایا کہ دیکھو کوئی اوٹ یعنی پردہ کی جگہ ہے۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ چاروں طرف دیکھا تو مجھے ایک طرف ایک اکیلا درخت نظر آیا۔ میں نے آپ کو بتلایا۔ آپ نے پھر فرمایا دیکھو کوئی اوٹ کی چیز ہے۔ میں نے پھر دیکھا تو مجھے اس درخت سے دور ایک دوسرا درخت نظر آیا۔ میں نے آپ کو بتلایا۔ آپ نے فرمایا:

"ان دونوں درختوں سے کہو کہ رسول اللہ ﷺ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ دونوں ایک جگہ جمع ہو جاؤ!"

چنانچہ میں نے یہی بات درختوں کو خطاب کرتے ہوئے کہہ دی اور دونوں درخت اسی گھڑی ایک جگہ یعنی قریب قریب ہو گئے' آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کو پردہ بنا لیا۔ پھر جب آپ وہاں سے ہٹے تو وہ دونوں درخت اپنی اپنی جگہ واپس چلے گئے۔

ایک دوسرے موقعہ پر درختوں کی اطاعت...... کتاب امتاع میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے۔ آخر ہم ایک کشادہ وادی میں جا کر فروکش ہوئے آنحضرت ﷺ قضائے حاجت کے لئے ایک طرف کو چلے تو میں پیچھے پیچھے پانی کا برتن لے کر چلا۔ آنحضرت ﷺ نے ادھر ادھر نظر ڈالی مگر کوئی پردہ کی جگہ دکھائی نہ دی۔ اسی وقت وادی کے کنارے پر آپ کی نظر دو درختوں پر پڑی۔ آپ ان میں سے ایک درخت کی طرف بڑھے اور اس کی ایک شاخ پکڑ کر اس سے فرمایا:

"اللہ کے حکم سے میرے پیچھے پیچھے آ جا"۔

وہ درخت فوراً ہی آپ کے پیچھے اس طرح رینگنے لگا جیسے اصیل اونٹ اپنے ہانکنے والے کے پیچھے چلتا ہے۔ یہاں تک کہ آپ دوسرے درخت کے پاس پہنچے یہاں بھی آپ نے اس دوسرے درخت کی ایک شاخ پکڑ کر اس سے فرمایا کہ اللہ کے حکم سے میرے پیچھے آ جا۔ وہ درخت بھی آپ کے ساتھ ساتھ اسی طرح رینگنے لگا۔ یہاں تک کہ آپ اس جگہ آئے جہاں دونوں درختوں کے درمیانی فاصلہ کا نصف تھا۔ یہاں آپ دونوں کے درمیان ٹھہر گئے اور پھر درختوں کو خطاب کر کے فرمایا:

"اللہ کے حکم سے تم دونوں مجھے اپنی اوٹ میں لے لو!"

چنانچہ دونوں درخت جھک کر آپ پر پردہ فگن ہوگئے۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ اب میں وہاں تنہائی میں اپنے دل میں سوچتا رہا کہ اچانک میں نے آنحضرت ﷺ کو اپنی طرف متوجہ پایا۔ تھوڑی ہی دیر بعد میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ سامنے سے آرہے ہیں اور وہ دونوں درخت ایک دوسرے سے جدا ہو کر چلے اور اپنی اپنی جگہ پہنچ گئے۔حدیث۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ واقعے ہیں (یعنی عبداللہ ابن مسعود والا واقعہ علیحدہ ہے اور جابر والا واقعہ علیحدہ ہے)۔

قریش کی ایذار سانی اور مکہ کا ایک واقعہ...... مدینے کو ہجرت کرنے سے پہلے بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ یہ واقعہ پیش آچکا ہے کہ درخت آپ کی طرف چل کر آئے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ مکے کی ایک گھاٹی میں تشریف لے گئے چونکہ اس زمانے میں آپ کی قوم نے آپ کو جھٹلایا تھا اور کہا تھا کہ۔ محمد ﷺ کیا تم اپنے باپ دادا کو ہی گمراہ قرار دے رہے ہو۔ اس لئے آپ بہت زیادہ غمگین رہتے تھے۔ ادھر کفار مکہ آپ کو سخت تکلیفیں اور اذیتیں پہنچارہے تھے اس لئے آپ نے وادی میں پہنچ کر دعا فرمائی:

اے اللہ! آج تو مجھے اپنی کوئی ایسی نشانی دکھادے جس سے میرے دل کو اطمینان ہو اور اس کے بعد میں ان لوگوں کی پروانہ کروں جو مجھے ایذا پہنچارہے ہیں!"

درخت کی آمد اور نبوت کی شہادت...... اس وادی میں بہت سے درخت بھی تھے چنانچہ آنحضرت ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ ان درختوں میں سے کسی بھی درخت کو اپنے پاس بلائیے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ ان درختوں کی کسی ایک شاخ کو بلائیے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے بلایا تو وہ اپنی جگہ سے اکھڑ کر آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور اس نے آپکو سلام کیا پھر آپ نے اسے واپس جانے کا حکم دیا اور وہ اپنی جگہ لوٹ کر چلا گیا۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور آپکا دل خوش ہو گیا اور آپ نے جان لیا کہ آپ حق پر ہیں پھر آپؐ نے خود سے فرمایا کہ اب میں اپنی قوم کے ان لوگوں کی کوئی پرواہ نہیں کروں گا جو مجھے ایذائیں پہنچاتے ہیں۔

آپ کی پکار پر پتھر کی آمد...... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: اسی طرح آنحضرت ﷺ کے ساتھ یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ پتھر دل نے آپ کی پکار پر لبیک کہا اور آپ کے پاس آئے۔ چنانچہ علامہ فخر رازیؒ کی تفسیر میں ہے کہ ایک دفعہ عکرمہ ابن ابوجہل آپ کے ساتھ ایک چشمہ کے کنارے پر تھے انہوں نے دوسرے کنارے پر پڑے ہوئے ایک بڑے پتھر کی طرف اشارہ کر کے آپ سے کہا:

"اگر آپ سچے ہیں تو اس پتھر کو اپنے پاس بلائیے کہ یہ پانی میں تیرتا ہوا آپ کے پاس اس طرح آئے کہ بالکل نہ ڈوبے!"

عکرمہ کے سامنے معجزہ نبوی ﷺ...... چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف اشارہ کیا وہ چٹان اپنی جگہ سے اکھڑی اور پانی میں تیرتی ہوئی آنحضرت ﷺ کے سامنے آکر رکی اور اس نے آپ کی نبوت کی گواہی دی۔ پھر آنحضرت ﷺ نے عکرمہ سے فرمایا: "تمہارے لئے اتنا ہی کافی ہونا چاہئے"۔

عکرمہ نے کہا کہ۔ ہاں اگر یہ پتھر اپنی جگہ پر واپس بھی چلا جائے۔ آنحضرت ﷺ نے پھر اسے اشارہ کیا اور وہ واپس اپنی جگہ چلا گیا۔ مگر اس وقت عکرمہ اس کے باوجود بھی مسلمان نہیں ہوئے بلکہ اس واقعہ کے کافی عرصہ بعد یعنی فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوئے تھے۔ واللہ اعلم

غزوۂ خیبر کو روانگی کے وقت رسول اللہ ﷺ نے اعلان کرایا تھا کہ جو شخص چھوٹے چھوٹے بے سہارا بچوں کا باپ ہو یا کمزور ہو یا سرکش اور مرکھنے جانور کا سوار ہو وہ واپس لوٹ جائے۔

نبی کی نافرمانی اور ایک صحابی کی موت...... چنانچہ کچھ لوگ واپس ہو گئے مگر ایک شخص جو ایک سرکش اونٹ یا اونٹنی پر سوار تھا سب کے ساتھ چل پڑا۔ اچانک وہ جانور بدک گیا اور اس نے اپنے سوار کو زمین پر پچھاڑ دیا جس سے اس کی ران کی ہڈی ٹوٹ گئی اور وہ اسی وقت مر گیا جب اس کی لاش آنحضرت ﷺ کے پاس لائی گئی تو آپ نے پوچھا کہ اسے کیا ہوا تھا۔ لوگوں نے آپ کو واقعہ بتلایا۔ آپ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا:

"بلال! کیا تم نے لوگوں میں یہ اعلان نہیں کیا تھا کہ جو شخص سرکش اور مرکھنے جانور پر سوار ہو وہ واپس لوٹ جائے"۔

ناراضگی اور نماز جنازہ سے انکار...... حضرت بلالؓ نے عرض کیا بے شک اعلان کیا تھا۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے (اس مرحوم شخص کی نافرمانی کی وجہ سے) اس کی نماز جنازہ پڑھانے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد آپ کے حکم سے حضرت بلالؓ نے لوگوں میں تین مرتبہ اعلان کیا کہ نافرمان شخص کے لئے جنت حلال نہیں ہوتی۔

ایک چور کی نماز جنازہ سے انکار...... اسی غزوہ میں صحابہ میں سے ایک اور شخص کا انتقال ہو گیا (جب رسول اللہ ﷺ سے اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے عرض کیا گیا تو) آپ نے خود اس کی نماز پڑھانے سے انکار فرما دیا اور صحابہ سے فرمایا کہ اپنے ساتھی کی نماز تم لوگ خود پڑھ لو۔ اس پر لوگوں کے چہروں کے رنگ بدل گئے (اور سب پریشان ہونے لگے تو) آپ نے فرمایا:

"تمہارے اس ساتھی نے اللہ کی راہ میں خیانت کی ہے!"

چنانچہ ہم نے اس شخص کے سامان کی تلاشی لی تو اس میں یہودیوں سے ہاتھ آئے ہوئے مال غنیمت کی ایک ستالی ملی جو دو درہم قیمت سے زیادہ کی نہیں تھی (ستالی سوراخ کرنے کے اس آلے کو کہتے ہیں جو موچیوں اور چماروں کے پاس ہوتی ہے)۔

ایک شخص کے متعلق پیشگوئی...... اسی غزوہ میں یہ واقعہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مسلمان کے متعلق فرمایا کہ یہ دوزخیوں میں سے ہے (اس وقت لوگوں کو آپ کے اس ارشاد پر حیرت ہوئی پھر) جب اس کے بعد جنگ شروع ہوئی تو شخص بڑی بہادری اور سرفروشی کے ساتھ لڑا۔ اس پر کچھ صحابہ کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہوئے کہ اس قدر سرفروشی کے باوجود یہ شخص دوزخی کیسے ہو سکتا ہے۔ مگر جب گھمسان کی جنگ میں یہ شخص بہت زیادہ زخمی ہو گیا اور زخموں کی تکلیف ناقابل برداشت ہو گئی تو اس نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور اپنے آپ کو ہلاک کر لیا۔ جب آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی (کہ اس شخص نے خودکشی کر لی ہے) تو آپ نے بلال سے فرمایا:

"بلال۔ اٹھو اور لوگوں میں اعلان کر دو کہ جنت میں صرف مومن ہی داخل ہو گا۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس دین کی حمایت کبھی ایک فاجر شخص سے بھی کرا دیتا ہے۔ ایسا شخص جو ظاہری طور پر جنتیوں کے جیسا عمل کرتا ہے!" حدیث

ایک روایت میں حدیث کے الفاظ یوں ہیں کہ: "کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی جنتیوں کے سے کام کرتا ہے اور لوگ بھی یہی سمجھتے ہیں مگر وہ دوزخی ہوتا ہے۔ اور کبھی آدمی دوزخیوں کے سے کام کرتا ہے اور لوگ بھی اس کو دوزخی سمجھتے ہیں مگر وہ جنتی ہوتا ہے"۔

اسی قسم کا واقعہ غزوۂ احد کے بیان میں بھی گذر چکا ہے۔ لہٰذا اگر یہاں یہ واقعہ راوی کی غلط فہمی نہیں ہے تو اس کو ایک سے زائد بار ماننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ایک یہودیہ کا خوفناک منصوبہ...... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں۔ علامہ حافظ دمیاطی کی سیرت میں ہے کہ جب خیبر فتح ہو گیا اور لوگ مطمئن ہو گئے تو زینب بنت حرث کو جو مرحب کی بھتیجی اور سلام ابن مشکم یہودی کی بیوی تھی، صحابہ نے دیکھا کہ وہ

لوگوں سے پوچھتی پھر رہی تھی کہ کون سے بکری یعنی بکری کے گوشت کا کون سا حصہ رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ پسند ہے لوگوں نے کہا دست یعنی بازو کا۔ ایک قول ہے کہ دست کا گوشت آنحضرت ﷺ کو اس لئے پسند تھا کہ بکری کا وہی حصہ جلدی گلنے والا ہوتا ہے اور وہی گندے حصہ سے سب سے زیادہ دور ہوتا ہے۔

غرض زینب نے اپنی بکری لے کر اسے ذبح کیا اور بھونا پھر اس نے وہ تیز زہر اٹھایا جسے کھانے والا اسی گھڑی مر جاتا ہے۔ اس نے وہ زہر بکری کے گوشت میں ملایا اور اور دست کے حصے میں یعنی بازوؤں اور شانہ کے گوشت میں یہ زہر خوب اچھی طرح ملا دیا۔

زہر آلودہ گوشت کا ھدیہ...... شام کو جب کہ سورج غروب ہو چکا تھا اور آنحضرت ﷺ لوگوں کو مغرب کی نماز پڑھا کر واپس اپنی قیام گاہ پر تشریف لائے تو آپ نے اس عورت کو اپنے خیمہ میں بیٹھے ہوئے پایا۔ آپ نے اس سے آنے کا سبب پوچھا تو اس نے کہا:

اے ابوالقاسم! میں آپ کے لئے ایک ھدیہ لائی ہوں!"

نبی کو اطلاع اور دست کشی!...... آنحضرت ﷺ کے حکم پر اس عورت کا ھدیہ لے کر آپ کے سامنے رکھ دیا گیا وہاں کچھ صحابہ بھی موجود تھے جن میں حضرت بشرؓ ابن براء ابن معرور بھی تھے۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ قریب آجاؤ اس کے بعد آپ نے اس میں سے دست کا گوشت اٹھایا اور اس میں سے تھوڑا سا ٹکڑا لیا۔ آنحضرت ﷺ نے ابھی وہ ٹکڑا چکھا ہی تھا مگر حضرت بشیر ابن براء نے جو لقمہ منہ میں رکھا تھا اس کو انہوں نے نگل بھی لیا۔ دوسرے لوگوں نے بھی کھایا۔ مگر اچانک آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"اپنے ہاتھ روک لو کیونکہ یہ دست یا بازو کا گوشت مجھے بتلا رہا ہے کہ یہ زہر آلود ہے!"

زہر خورانی سے بشر کی وفات...... حضرت بشیرؓ ابن براء نے عرض کیا:

"قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو یہ عزت و سربلندی عطا فرمائی۔ جو لقمہ میں نے کھایا ہے اس میں مجھے بھی کچھ محسوس ہوا تھا مگر میں نے صرف اس لئے اس کو نہیں اگلا کہ آپ کا کھانا مکدر اور خراب ہو گا۔ پھر جب آپ نے وہ ٹکڑا اگل دیا جو آپ کے منہ میں تھا تو مجھے اپنے سے زیادہ آپ کا خیال ہوا اور مجھے یہ مسرت ہوئی کہ آپ اس کو نہ نگلنے پائے!"

اس کے بعد حضرت بشرؓ بھی جگہ سے اٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ ان کا رنگ طیلسان یعنی سبز چادر کی طرح نیلا پڑ گیا۔ یعنی گہرا اور سیاہی مائل سبز ہو گیا۔ نیز پھر وہ ایک سال تک اتنے شدید بیمار اور تکلیف میں رہے کہ خود سے کروٹ بھی نہیں لے سکتے تھے۔ آخر اس کے بعد وہ فوت ہو گئے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ بشر اپنی جگہ سے اٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ ختم ہو گئے۔

یہاں بظاہر اپنی جگہ سے مراد کھانے کی جگہ ہے شاید اسی وجہ سے جہاں پچھنے لگوانے کا ذکر ہے وہاں بشر کا کوئی تذکرہ نہیں ہے (کہ وہ فوراً ہی ختم ہو گئے تھے) پھر وہ کھانا ایک کتے کے سامنے ڈالا گیا جسے کھا کر وہ فوراً ہی مر گیا۔ بہر حال اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بشر کے سوا اور کسی نے اس وقت تک وہ کھانا نہیں کھایا تھا۔

اب گذشتہ روایت میں جو یہ جملہ ہے کہ۔ دوسرے لوگوں نے بھی کھایا۔ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ دوسرے لوگوں نے بھی کھانے کا ارادہ کیا اور کھانے پر ہاتھ بڑھایا۔ اس بات کی تائید آنحضرت ﷺ کے اس جملے سے ہوتی ہے کہ۔ اپنے ہاتھ روک لو۔ آگے اسی سلسلے کی ایک روایت کتاب امتاع کے حوالے سے آئے گی اس سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے۔

اصل یعنی کتاب عیون الاثر میں یہ واقعہ اس طرح ہے کہ زینب نے یہ کھانا حضرت صفیہ کو لاکر ہدیہ کیا اس کے بعد آنحضرت ﷺ حضرت صفیہؓ کے پاس آئے تو آپ کے ساتھ بشرؓ ابن براء ابن معرور بھی تھے حضرت صفیہ نے بکری کا وہ گوشت دونوں کے سامنے لاکر پیش کیا۔ آنحضرت ﷺ نے شانے کا۔ اور ایک روایت کے مطابق اور دست کے گوشت کا ایک ٹکڑا لیا اور اس میں سے تھوڑا حصہ توڑ کر اسے چبایا مگر فوراً ہی بغیر چبائے اسے اُگل دیا۔ اسی وقت حضرت بشرؓ نے بھی اس گوشت میں سے ایک ٹکڑا لے کر منہ میں رکھا اور اسے چبا کر نگل گئے۔ مگر اس کے بعد ہی آنحضرت ﷺ نے اس گوشت کو کھانے سے بالکل منع فرمادیا۔ ساتھ ہی آپ نے فرمایا کہ اس بکری کا شانہ مجھے خبر دے رہا ہے کہ اس میں موت ہے۔ اس پر حضرت بشر نے وہی جواب دیا جو گذشتہ سطروں میں ذکر ہوا۔ پھر حضرت بشرؓ اپنی جگہ سے اٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ وہ اس قابل نہ رہے کہ خود حرکت کر سکیں۔

زہر آلودہ گوشت کا نبی سے کلام...... اسی واقعہ کی طرف امام سبکی نے اپنے قصیدہ تائیہ کے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے۔

وَاحییت عضوُ الشَّاةِ بَعْدَ مَمَاتِهَا
فَجَاءَ بِنُطْقٍ مُوضَحٍ لِلَّنصِیحَةِ

ترجمہ: بکری کے ایک عضو کو بکری کے مرنے کے بعد زندہ کردیا گیا جس کے نتیجہ میں اس نے اپنی صاف گویائی سے نصیحت کی۔

وَقَالَ رَسُوْلَ اللّٰہِ لانک اٰکلی
فزَینَبُ سامتنی الھوان وسمت

ترجمہ: آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ تو میرا لقمہ نہیں بنے گی زینب نے ذلت کو حاصل کیا اور زہر ملادیا۔

جمادات کے کلام کی نوعیت...... پہلے شعر سے اس قول کی تائید ہوتی ہے جس کے مطابق جمادات یعنی مٹی پتھر وغیرہ (جس میں گوشت بھی شامل ہے) اس وقت کلام کرتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ پہلے ان میں مکمل زندگی پیدا فرمادیتا ہے۔ مگر علامہ اشعری کا مذہب یہ ہے کہ جمادات وغیرہ میں حق تعالیٰ حروف اور آواز پیدا فرمادیتا ہے جو ان سے نکلتی ہے اس کے لئے زندگی پیدا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے گردن کے قریب پیٹھ کے بالائی حصہ پر پچھنے لگوائے یہ پچھنے بنی بیاضہ کے غلام ابوطیبہ نے لگائے۔ ایک قول ہے کہ ابوہند نے لگائے تھے۔ یہ بھی بنی بیاضہ کے غلام تھے۔

زہر کے علاج کے لئے پچھنے...... پھر آپ نے ان تین صحابہ کو بھی پچھنے لگوانے کا حکم دیا جنہوں نے اس زہریلے کھانے میں ہاتھ ڈالا تھا اور جیسا کہ کتاب امتاع میں ہے کہ اس میں سے کچھ کھا نہیں سکے تھے۔ آپ نے ان لوگوں کو بھی سر کے درمیانی حصے میں پچھنے لگوانے کا حکم دیا۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ان صحابہ نے اس کھانے میں سے کچھ کھایا ہی نہیں تھا تو پھر ان کو پچھنے لگوانے کا حکم دینے کے کوئی معنی نہیں رہتے۔ ادھر کتاب سفر السعادت میں یوں ہے کہ۔ آنحضرت ﷺ نے پشت پر اپنے دونوں مونڈھوں کے درمیان تین جگہ پچھنے لگوائے اور جس جس نے کھایا تھا۔ یعنی کھانے کا ارادہ کیا تھا اسے بھی پچھنوں کا حکم دیا۔ اب اس کے جواب میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ بعض اوقات زہریلی چیز کو صرف ہاتھ لگادینے سے بھی زہر کا اثر باقی جسم میں پہنچ جاتا ہے۔

پچھنے لگوانے کے دیگر واقعات...... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سر میں پچھنے لگوانا ہی ایسے میں مددگار ہے جس کا مجھے جبرئیلؑ نے اس وقت حکم دیا جب میں نے اس یہودی عورت کا کھانا کھایا تھا۔ اس کے علاوہ دوسرے موقعوں پر بھی آنحضرت

ﷺ نے اپنے جسم مبارک کے مختلف حصوں میں پچھنے لگوائے ہیں۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ دو مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے دونوں مونڈھوں کے درمیان گردن کی دونوں رگوں میں پچھنے لگوائے تھے۔ اس کے علاوہ سر کے درمیان حصہ میں بھی پچھنے لگوائے جس کو منقذہ کہا جاتا ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ پر سحر یعنی جادو کیا گیا تھا۔

سحر کے پچھنے کا علاج...... چنانچہ کتاب السعادت میں ہے کہ جب آپ پر ایک یہودی نے سحر کیا اور اس کا مرض آپ کی ذات تک پہنچ گیا تو آنحضرت ﷺ نے اپنے مبارک سر کے درمیانی حصہ میں پچھنے لگائے جانے کا حکم دیا۔

سحر سے پیدا ہونے والی ہر بیماری میں پچھنے لگوانا اور انتہائی حکمت اور حد درجہ بہترین علاج ہے البتہ جس شخص کو دین سے کوئی دلچسپی اور مذہب کا ذوق نہ ہو اس کی عقل میں علاج کا یہ طریقہ آنا مشکل ہے۔ یہاں تک کتاب سفر السعادت کا حوالہ ہے۔

پچھنوں کے فائدے...... اس کے بعد آپ کے پاس اقرع ابن حابس آیا تو قمحدوۃ یعنی سر کے پچھلے اور ابھرے ہوئے حصہ میں پچھنے لگایا کرتا تھا۔ اس نے آنحضرت ﷺ سے کہا۔

"اے ابن ابو کبشہ! آپ نے سر کے پچھلے حصہ میں پچھنے کیوں لگوائے ہیں"

آپ نے فرمایا۔

"اے ابن حابس! سر کے اس حصے میں پچھنے لگوانے سے درد سر' داڑھوں کے درد' نیند کی بیماری اور جنون تک کو فائدہ ہوتا ہے!"

حدیث میں ہے کہ سر میں پچھنے لگوانے سے سات بیماریوں کو شفا ہوتی ہے۔ جنون کو' سر درد کو جذام یعنی جسم پکنے کو' کوڑھ کو' نیند یعنی کاہلی کو' داڑھ کے درد کو اور آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا جانے کی کیفیت کو۔

پچھنوں کی فضیلت...... اسی طرح پچھنے لگوانے کی فضیلت میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: تم جو دوا علاج کرتے ہو ان میں بہترین دوا پچھنے لگوانا ہے۔ شب معراج میں جب بھی میں فرشتوں کے کسی گروہ کے پاس سے گزرا تو انہوں نے مجھ سے کہا:

"اے محمد! اپنی امت کو پچھنے لگوانے کا حکم دیجئے!"

حضرت ابوہریرہ سے مرفوعاً حدیث ہے کہ جس شخص نے چاند کی سترہ' انیس اور اکیس تاریخ میں پچھنے لگوائے اس کو ہر مرض سے شفا ہو گی۔ مگر نہار منہ یعنی خالی پلیٹ پچھنے لگوانا دوا ہے اور بھرے پیٹ لگوانا بیماری کو دعوت دیتا ہے۔

زہر کے متعلق زینب سے پوچھ گچھ...... غرض زہر خورانی کے اس واقعہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس یہودی عورت کو بلوایا اور پوچھا کہ کیا تو نے بکری کے اس گوشت میں زہر ملایا تھا؟ اس نے پوچھا آپ کو کس نے بتلایا؟ آپ نے فرمایا:

"مجھے اسی ٹکڑے نے بتلایا جو میرے ہاتھ میں تھا۔ جو دست کا گوشت تھا!"۔

اس نے اقرار کیا کہ ہاں میں نے ملایا تھا۔ آپ نے پوچھا۔ تو نے ایسا کیوں کیا؟ زینب نے کہا:

"آپ نے جو کچھ میری قوم کے ساتھ کیا وہ آپ کو معلوم ہے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ آپ نے میرے باپ' میرے چچا اور میرے شوہر کو قتل کیا اور میری قوم کو تباہ کیا۔ اس لئے میں نے سوچا کہ اگر آپ صرف ایک بادشاہ ہیں تو اس زہر خورانی کے ذریعہ ہمیں نجات مل جائے گی۔ اور اگر آپ نبی ہوں گے تو آپ کو اس زہر کی پہلے ہی خبر ہو جائے گی!"

زینب کو معافی...... غرض رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کو معاف فرما دیا (کیونکہ آپ اپنی ذات کے نقصان کا بدلہ نہیں لیا کرتے تھے۔ ہاں مسلمانوں کو جس سے نقصان پہنچتا یا کسی کو کوئی قتل کر دیتا تو آپ اس کا بدلہ اور قصاص لیا کرتے تھے۔ یہ واقعہ

چونکہ آنحضرت ﷺ کی ذات سے متعلق تھا اس لئے آپ نے معاف فرمادیا۔

اب جہاں تک حضرت بشرؓ کی وفات کا تعلق ہے تو وہ فوراً ہی ختم نہیں ہوئے تھے بلکہ اس زہر کے نتیجہ میں بعد میں ان کا انتقال ہوا تھا کیونکہ انہوں نے بھی تھوڑا سا ہی گوشت کھایا تھا اس لئے جب ان کا انتقال ہو گیا تو اس عورت کو ان کے قصاص اور بدلہ میں قتل کر دیا گیا تھا)

اسی واقعہ کی طرف قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے اپنے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے۔

ثُم سَمَّتْ لَهُ اليَهُودِيَّة الشاة
وَكَم سَامَ الشَّقْوَةُ الْاَشْقِيَاء

فَاَذَاعَ الذِّرَاعَ مَافِيْه مِنْ سَمّ
بِنُطْقِ اَخْفَاؤُهُ اَبْدَاءٌ

وَبِخُلْقِ مِنَ النَّبِی كَرِيْم
لَمْ تُقَاصُصَ بجُرْحِهَا الْعَجْمَاءُ

مطلب...... پھر اس یہودی عورت نے فوراً ہی بکری کی اس گوشت میں ہلاک کر دینے والا زہر ملا دیا اور بسا اوقات ایسے بدبخت لوگ شرافت جن میں اخلاق نہیں ہوتا بڑی بڑی خوفناک اور ذلیل حرکتوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ مگر دست کے اس گوشت نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بتلا دیا کہ اس میں زہر ہلاہل ملا ہوا ہے۔ گوشت کی یہ گویائی ایک ایسی خاموش زبان تھی جو حاضرین سے تو پوشیدہ رہی مگر آنحضرت ﷺ پر ظاہر ہو گئی۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ میں حلم و مروت اور عفو و درگزر کا مادّہ انتہا درجہ کا تھا اس لئے آپ نے اس عورت کو معاف فرمادیا اور اس زہر سے آپ کے جسم مبارک میں جو جراحت و زخم پیدا ہوا آپ نے اس کا بدلہ نہیں لیا۔ واضح رہے کہ زہر انسان کے باطن یعنی جسم کے اندرونی حصہ کو اسی طرح زخم پہنچاتا ہے جسے لوہے کا ہتھیار جسم کے ظاہر یعنی بیرونی حصے کو زخمی کرتا ہے۔

بشرؓ کی وفات اور زینب سے قصاص...... غرض پھر جب حضرت بشر ابن براء ابن معرور کا انتقال ہو گیا تو ان کے قصاص اور بدلے میں آنحضرت ﷺ کے حکم سے اس عورت کو قتل کر دیا گیا۔ ایک قول ہے کہ اس کو پھانسی دے دی گئی جیسا کہ امام ابوداؤد نے لکھا ہے۔ علامہ سہیلی کے کلام میں ہے کہ ابوداؤد نے لکھا ہے کہ آپ نے اس عورت کو قتل کرا دیا تھا۔ اور کتاب شرف مصطفےٰ میں ہے کہ اس عورت کو قتل کر کے پھانسی پر لٹکا دیا گیا (یعنی قتل کرنے کے بعد لوگوں کی عبرت کے لئے پھانسی میں لٹکایا گیا) یہاں تک علامہ سہیلی کا حوالہ ہے۔

کیا زینب کو قتل کیا گیا؟...... ایک قول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس عورت کو بغیر سزا کے چھوڑ دیا تھا کیونکہ وہ مسلمان ہو گئی تھی۔ تو گویا اس کو معاف کرنا اور اس سے باز پرس نہ کرنا حضرت بشرؓ ابن براء کی وفات سے پہلے پہلے تھا۔ مگر جب حضرت بشرؓ کا انتقال ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے اس عورت کو حضرت بشرؓ کے وارثوں کے سپرد کر دیا جنہوں نے اسے قتل کر دیا۔ کتاب امتاع میں یوں ہے کہ اس عورت کے قتل کے سلسلے میں روایات مختلف ہیں۔ صحیح مسلم میں یہ ہے کہ اسکو قتل نہیں کیا گیا جبکہ

ابن اسحاق کی روایت یہ ہے کہ تمام محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کو قتل کرادیا تھا' یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ ان روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے (کیونکہ یقینی طور پر اس کو معاف بھی کیا گیا اور قتل بھی کیا گیا)۔

مگر ہمارے شافعی فقہاء کا جو مسلک ہے اس کے مطابق اس عورت کے قتل کو ماننے میں دشواری پیش آئے گی۔ وہ کہتے ہیں کہ جس شخص نے کسی ایسی زہر آلود چیز سے دوسرے کی مہمانی کی جو اکثر و بیشتر آدمی کو ختم کر دیتی ہے اور اس زہر کے آثار بھی نمایاں ہوتے ہوں اور پھر کھانے والا مر جائے تو یہ قتل عمد یعنی دانستہ قتل نہیں کہلائے گا بلکہ شبہ عمد یعنی دانستہ جیسا قتل کہلائے گا جس کا قصاص نہیں ہے۔

زینب کا اسلام...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اس عورت سے بات چیت کی تو اس نے کہا:

"اب مجھ پر یہ بات اچھی طرح روشن ہو گئی ہے کہ آپ سچے ہیں۔ لہٰذا میں آپ کو اور تمام حاضرین کو گواہ بناتی ہوں کہ میں نے آپ کا دین قبول کیا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ذات عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں!"

چنانچہ جب وہ مسلمان ہو گئی تو آپ نے اس کو چھوڑ دیا۔ یہی بات جامع معمر میں زہری سے نقل کی گئی ہے کہ وہ مسلمان ہو گئی تھی۔ اور معمر کہتے ہیں کہ اسی لئے علامہ زہری نے کہا ہے کہ وہ مسلمان ہو گئی تھی مگر لوگ کہتے ہیں کہ وہ قتل کی گئی تھی اور مسلمان نہیں ہوئی تھی۔

غرض اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس گوشت کو جلوا کر ضائع کرا دیا:

ایک روایت میں یوں ہے کہ: جب آنحضرت ﷺ نے اس یہودی عورت سے پوچھ کچھ کرلی تو اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے پھر گوشت کی طرف ہاتھ بڑھایا اور صحابہ سے بھی فرمایا کہ اللہ کے نام کے ساتھ کھاؤ چنانچہ سب نے کھایا اور بسم اللہ کر کے کھایا لیکن کسی ایک شخص کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ مگر علامہ ابن کثیر نے کہا ہے کہ اس روایت میں زبردست نکارت اور غرابت ہے (یعنی بہت زیادہ منکر اور غریب حدیث ہے) یہاں تک ابن کثیر کا حوالہ ہے۔

مرض وفات میں اس زہر کا اثر...... کہا جاتا ہے کہ (اس واقعہ کے کئی سال بعد) جب رسول اللہ ﷺ مرض موت میں تھے تو آپ کے پاس حضرت بشر ابن براء کی بہن آئیں۔ آپ نے ان سے فرمایا:

"میں نے تمہارے بھائی کے ساتھ خیبر میں جو زہر آلودہ نوالہ کھایا تھا اس کی وجہ سے اس وقت میری رگیں کٹ رہی ہیں!"۔

خیبر کی غنیمت کی تقسیم...... غرض خیبر کی جنگ کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس غزوہ کا مال غنیمت تقسیم فرمایا۔ پیدل مجاہدین کو آپ نے ایک ایک حصہ دیا اور سواروں کو تین تین حصے دیئے۔ اس سے پہلے آپ نے مال غنیمت کے پانچ حصے کر لئے تھے (اور ایک حصہ۔ اپنے لئے علیحدہ کر دیا تھا)۔

آپ نے جن لوگوں کو مال غنیمت تقسیم فرمایا ان میں ابوسبیعہ ابن مطلب ابن عبد مناف بھی تھے ان کا نام علقمہ تھا۔ اس مال میں سے آپ نے ان لوگوں کو کوئی حصہ نہیں دیا جو غزوۂ حدیبیہ میں شریک نہیں تھے ایسے لوگوں میں صرف حضرت جابرؓ کو حصہ دیا گیا۔

اس مال غنیمت میں سے آپ نے تھوڑا تھوڑا حصہ عورتوں کو بھی دیا۔ ان عورتوں کی تعداد بیس تھی اور ان میں آنحضرت ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ' اُمّ سلیم اور اُمّ عطیہ انصاری بھی شامل تھیں جنہیں تھوڑا تھوڑا مال غنیمت دیا گیا)۔

غنیمت میں عورتوں کو حصہ...... ایک صحابیہ سے روایت ہے کہ میں کچھ عورتوں کو لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر

ہوئی اور بولی کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم عورتیں آپ کے ساتھ غزوہ میں جانا چاہتی ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں کی مدد کریں۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائے۔ وہ صحابیہ کہتی ہیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ غزوہ میں روانہ ہوئے جب خیبر فتح ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے مال غنیمت میں سے تھوڑا تھوڑا حصہ ہمیں بھی عنایت فرمایا۔ وہی صحابیہ کہتی ہیں کہ مجھے آنحضرت ﷺ نے مال غنیمت میں سے ایک ہار دیا جسے میں نے گردن میں پہن لیا اور پھر خدا کی قسم وہ ہار ہر وقت میرے ساتھ یعنی گردن میں آویزاں رہتا ہے میں ایک لمحہ کے لئے بھی اس کو اپنے سے جدا نہیں کرتی۔ یہاں تک کہ ان صحابیہ نے وصیت کردی تھی کہ اس ہار کو میرے ساتھ ہی دفن کیا جائے۔

ایک صحابیہ کا واقعہ...... سیرت ابن ہشام میں اسی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ یہی صحابیہ کہتی ہیں کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئی تو میں بہت کم عمر بچی تھی لہٰذا آپ نے مجھے اپنی اونٹنی پر اپنے پیچھے بٹھالیا جب صبح ہوئی اور آپ نے اونٹنی کو بٹھایا تو میں بھی اس پر سے اتری مگر اسی وقت میری نظر پڑی کہ میں جس جگہ بیٹھی تھی وہاں خون لگا ہوا ہے۔ یہ میرا سب سے پہلا حیض تھا۔ مجھے اس وقت سخت شرم آرہی تھی لہٰذا میں اپنی جگہ پر پھر بیٹھ گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے میرا حال دیکھا کہ میں دوبارہ اونٹنی پر بیٹھ گئی۔ آپ نے پوچھا کیا ہوا؟ کیا تمہیں حیض کا خون آگیا ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں! آپ نے فرمایا:

"تو خاطر جمع رکھو (یعنی گھبراؤ مت) ایک برتن میں پانی لے کر اس میں نمک ملالو اور اس پانی سے شغدف کا پچھلا حصہ دھو ڈالو اور پھر اپنے گروہ میں پہنچ جاؤ!"

یہی صحابیہ کہتی ہیں کہ اس کے بعد میں جب بھی حیض سے پاک ہوتی تو ہمیشہ غسل کے پانی میں نمک ملایا کرتی تھی۔ جب ان کا آخر وقت آیا تو انہوں نے وصیت کی کہ ان کو جس پانی سے غسل دیا جائے اس میں بھی نمک ضرور ملادیا جائے۔

اراضی خیبر پر یہود کی کاشتکاری...... (جب آنحضرت ﷺ خیبر کا مال غنیمت تقسیم فرما چکے تو خیبر کی زمینوں اور باغات اور کھیتوں کی بات نکلی) یہودیوں نے آپ سے عرض کیا:

"ان زمینوں کے متعلق ہم لوگ آپ سے زیادہ جانتے ہیں کہ کہاں کھجوریں اچھی پیدا ہوتی ہیں اور کہاں کھیتیاں اچھی ہوں گی!"

مقصد یہ تھا کہ آپ یہ زمینیں دوسروں کو دینے کے بجائے ہمیں ہی کاشت پر دیدیجئے۔ یعنی جو لوگ پہلے وہاں کاشت کرتے رہے تھے وہی اب بھی کریں گے فرق یہ ہوگا کہ پہلے وہ مالک تھے اب مالک نہیں ہوں گے بلکہ ملازم کی حیثیت سے کام کریں گے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس شرط پر دی جاسکتی ہے کہ جب بھی ہم تمہیں نکالنا چاہیں گے نکال دیں گے۔ اس کے بعد آپ نے وہ زمینیں خیبر کے یہودیوں کو ہی کاشت پر دے دیں (تاکہ مناسب طریقہ پر ان سے پیداوار حاصل کی جاسکے)۔

مگر یہ بات ہمارے شافعی فقہاء کے قول کے خلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ بات جائز نہیں کیونکہ جن لوگوں سے جزیہ کا معاہدہ ہو (اور جن کو جزیہ یعنی حفاظتی ٹیکس لے کر اسلامی حکومت میں رہنے کی اجازت دی گئی ہو) ان کو امام یا امام کا نائب یعنی اسلامی امیر یا اس کا نائب یوں کہے کہ جب تک ہم چاہیں گے تمہیں برقرار رکھیں گے (کیونکہ جزیہ دینے اور امان حاصل کرنے کے بعد یہ ذمی کا حق ہے کہ وہ جب تک چاہے وہاں رہے اور اس معاہدہ کا فائدہ اٹھائے) اس کے برخلاف امام یوں کہہ سکتا ہے کہ جب تک تم چاہو میں تمہیں برقرار رکھوں گا (کیونکہ اختیار ان کا ہے امام کا نہیں) کیونکہ معاہدہ کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ ذمی جب تک چاہے اس سے فائدہ اٹھائے۔ لہٰذا اسی اشکال کی بناء پر شوافع اس مسئلے میں آگے یہ کہتے ہیں کہ ہمارے لئے تو نہیں

مگر رسول اللہ ﷺ کے لئے یہ بات کہنا جائز تھی کہ جب تک اللہ کی مشیت ہے یعنی جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا اس وقت تک میں تمہیں برقرار رکھوں گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ اللہ کی مشیت کو جان سکتے ہیں ہم نہیں جان سکتے۔ یہاں ایک ظاہر سی بات ہے کہ نصف پیداوار پر ان سے معاملہ ہوا ہوگا مگر مجھے ایسی کوئی روایت نہیں ملی جس سے یہ بات متعین ہوتی ہو۔

یہود پر آنحضرت ﷺ کے گماشتہ...... اس کے بعد لگان وصول کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ ہر فصل پر حضرت عبداللہ ابن رواحہ کو خیبر والوں یعنی یہودیوں کے پاس بھیجا کرتے تھے۔

ایک قول ہے کہ حضرت عبداللہ ابن رواحہ نے صرف ایک سال ہی یہودیوں سے وصولیابی کی ہے کیونکہ اس کے بعد ان کا وصال ہو گیا تھا۔ مگر یہ بعض دوسرے علمائے کے اس قول کے خلاف ہے کہ حضرت عبداللہ ابن رواحہ ہر سال خیبر والوں کے پاس پہنچ کر فصل کا اندازہ یعنی پھل یا بہار کا اندازہ کیا کرتے تھے اور پھر اس میں سے حصہ وصول کرتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کو رشوت دینے کی کوشش...... ایک دفعہ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے عبداللہ ابن رواحہ کی شکایت کی کہ وہ پیداوار کا اندازہ کرنے میں بہت سختی کرتے ہیں۔ ساتھ ہی یہودیوں نے آنحضرت ﷺ کو رشوت دینی چاہی (کہ آپ یہود سے علیحدہ مال لے کر عبداللہ ابن رواحہ کو سخت گیری سے روک دیں) آنحضرت ﷺ نے اس پر یہودیوں سے فرمایا:

"خدا کے دشمنو! تم مجھے گندگی کھلانا چاہتے ہو۔ خدا کی قسم میں نے تمہارے پاس وہ شخص بھیجا ہے جو میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے جب کہ تم لوگ میرے نزدیک بندروں اور خنزیروں سے بھی بدتر ہو۔ مگر تم سے میری نفرت اور اس سے میری محبت بھی مجھے انصاف کو چھوڑنے پر مجبور نہیں کر سکتی!"

اس پر یہودیوں نے کہا:

"اسی انصاف کی وجہ سے زمین و آسمان اپنی جگہ پر قائم ہیں!"

اس کے بعد ان کی پیداوار کا اندازہ کرنے اور ان سے حصہ وصول کرنے کے لئے حضرت جبار ابن صخر خیبر جانے لگے تھے۔ یہی جبار مدینے والوں کی پیداوار کے جانچ کنندہ تھے (یعنی حضرت عبداللہ ابن رواحہ اس روایت کے مطابق ان کے پاس کئی سال گئے اور پھر انتقال کے بعد جبار جانے لگے تھے)۔

پھر رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی اپنی خلافت کے زمانے میں خیبر کے یہودیوں کو اور ان کے ساتھ اس معاملہ کو بقرار رکھا۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے بھی اپنی خلافت کے زمانے میں یہ معاملہ باقی رکھا۔

ابن عمرؓ کے ساتھ یہودی کی دغابازی...... حتیٰ کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ خیبر گئے تو ان یہودیوں نے ان پر رات میں اچانک حملہ کر کے انہیں زدوکوب کیا یہاں تک کہ ان کے ہاتھوں اور پیروں کے جوڑ اتر گئے۔ جب حضرت عمرؓ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تھی انہوں نے لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور کہا:

"رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے یہودیوں کو ہی ان سے چھینے ہوئے مال اور ان کے کھیتوں اور باغات پر عامل اور کارکن بنا دیا تھا اور آپ نے ان سے فرما دیا تھا کہ ہم تمہیں اس زمین جائداد پر اللہ کی بنائی ہوئی شرائط پر برقرار رکھتے ہیں۔ مگر اب عبداللہ ابن عمر خیبر میں اپنے مال کی دیکھ بھال کے لئے گئے تھے تو ان پر بلاوجہ حملہ کیا گیا اور ان کے ہاتھ پیر توڑ دیئے گئے۔ وہاں ان لوگوں یعنی یہودیوں کے سوا ہمارا کوئی دشمن نہیں ہے۔ اس لئے اب میری رائے ہے کہ ان لوگوں کو جلاوطن کر دیا جائے!"

جلاوطنی کا مشورہ...... اس پر سب صحابہ نے حضرت عمرؓ کی تائید کی۔ اس سے پہلے بھی لوگ ان کی تائید کر چکے تھے کیونکہ انہوں نے خطبہ دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد کہا تھا:

"لوگو! آپ کو معلوم ہے کہ یہودیوں نے عبداللہ ابن عمرؓ اور مطہرؓ ابن رافع کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے جب کہ عبداللہ ابن رافع کے ساتھ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے زمانے میں جو معاملہ کیا وہ سب کو معلوم ہے' مجھے ان لوگوں کے صحابی ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ یہودیوں کو جلاوطن کر دیا جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں تمہیں اللہ کی بتلائی ہوئی شرطوں پر برقرار رکھتا ہوں!۔ اس طرح گویا اللہ تعالیٰ ان کی جلاوطنی کی اجازت دے چکا ہے!"

حضرت طلحہؓ نے کہا:

"امیر المومنین! خدا کی قسم آپ نے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے۔ میں بھی اس کی تائید کرتا ہوں واقعی وہ لوگ نہایت خراب ہیں!"

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"آپ کے ساتھ اور کون کون اس بارے میں متفق ہے؟"۔

مطہر کے خلاف یہود کی سازش...... حضرت طلحہ نے کہا کہ تمام مہاجرین اور انصار متفق ہیں۔

اس جواب سے حضرت عمرؓ بہت خوش ہوئے۔

حضرت عمرؓ کا یہ جملہ پچھلی سطروں میں گزرا ہے کہ آپ کو معلوم ہے یہود نے مطہر ابن رافع کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مطہر ابن رافع ملک شام سے دس موٹے تازے اور محنت کش غلام لائے تھے پھر وہ انہیں لے کر خیبر میں آئے کیونکہ یہاں ان کی زمین تھی اور وہ ان غلاموں سے اپنی زمین میں کاشت کرانا چاہتے تھے جو عیسائی تھے۔ حضرت مطہرؓ کو تین دن خیبر میں ٹھہرنا تھا۔ اس دوران خیبر کے یہودیوں میں سے ایک شخص نے ان دس مزدوروں سے کہا:

"تم لوگ نصرانی ہو اور ہم یہودی ہیں مگر تمہارا یہ آقا عرب ہے۔ ان لوگوں نے ہمیں تلواروں کے زور سے دبا رکھا ہے۔ تم لوگ دس ہو اور پھر تنہا ایک آدمی تمہیں ہنکائے پھرتا ہے اور تم سے سخت محنت مزدوری لیتا ہے۔ تم مصیبتیں اٹھا رہے ہو۔ تمہیں آزادی مل سکتی ہے بشرطیکہ تم اس بستی سے نکلنے کے بعد اپنے آقا کو قتل کر دو!"

ان نصرانیوں نے کہا کہ ہمارے پاس ہتھیار نہیں ہیں۔ اس پر یہودیوں نے ان کو چپکے سے دو یا تین چھریاں دے دیں (تاکہ یہ لوگ ان کو چھپالیں) اس کے بعد جب یہ لوگ خیبر سے روانہ ہوئے تو بستی سے نکل کر انہوں نے حضرت مطہر پر ان چھریوں سے حملہ کر دیا۔ حضرت مطہر فوراً اپنی اونٹنی کی طرف بھاگے تاکہ تلوار نکال لیں کیونکہ ان کی تلوار اونٹنی پر میان کے اندر رکھی ہوئی تھی۔ مگر ان نصرانی غلاموں نے ان کا پیچھا کیا اور ان کے اونٹنی تک پہنچنے سے پہلے انہیں پکڑ لیا۔ ساتھ ہی ان لوگوں نے مطہر کے پیٹ میں چھرا اتار دیا اور پھر وہاں سے بھاگتے ہوئے خیبر میں داخل ہو گئے۔ یہودیوں نے ان کو پناہ دی اور پھر زادِ راہ دے کر انہیں ملک شام کی طرف بھگا دیا۔ بعد میں حضرت عمر فاروقؓ کو مطہر کے قتل اور ان کے خلاف یہودیوں کی سازش کا پتہ چلا۔

ابن سہیل کے خلاف سازش...... دوسرے حضرت عمرؓ نے اپنے خطبہ میں عبداللہ ابن سہیل کیساتھ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں یہودیوں کے ظلم کا اشارہ کیا ہے۔ انکا واقعہ یہ تھا کہ ایک دن خیبر میں ان کی لاش پڑی ہوئی پائی گئی ان کو شق نامی قلعہ کے یہودیوں نے قتل کر کے وہیں ڈال دیا تھا انکے بھائی محیصہ نے یہودیوں سے اس قتل کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: نہیں

خدا کی قسم ہمیں انکے متعلق کوئی خبر نہیں ہے کہ کس نے قتل کیا ہے (اس طرح یہودیوں نے اس قتل پر جھوٹ کا پردہ ڈالا)۔

آنحضرت ﷺ سے فریاد...... مگر محیصہ کہتے ہیں کہ میں اپنے بھائی عبدالرحمٰن اور دوسرے بھائی حویصہ کو جو ہم میں سب سے بڑے تھے ساتھ لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا۔ ہم میں عبدالرحمٰن سب سے چھوٹا تھا اس نے آنحضرت ﷺ سے بات کرنی چاہی تو آپ نے اسے روکتے ہوئے فرمایا۔ بڑا بھائی۔ بڑا بھائی۔ اس پر وہ خاموش ہو گیا اور پھر ہمارے بڑے بھائی حویصہ نے گفتگو کی اور عرض کیا:

"یہودیوں نے ہمیں سخت غم و پریشانی میں ڈال دیا ہے!"

(واقعہ سننے کے بعد) آنحضرت ﷺ نے (ان کو تسلی دیتے ہوئے) فرمایا:

"یا تو ان لوگوں کو اس کی جان کی دیت یعنی خون بہا دینا پڑے گا ورنہ انہیں جنگ کے لئے تیار ہونا پڑے گا!"

آنحضرت ﷺ کی دادرسی...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس سلسلے میں یہودیوں کو لکھا جواب میں ان کا مراسلہ آیا کہ ہم نے عبداللہ ابن سہیل کو قتل نہیں کیا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے اور میرے بھائیوں سے فرمایا کہ اگر تم پچاس قسمیں کھاؤ تو اپنے بھائی کے بدلے کے مستحق ہو جاؤ گے۔ ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ نہ ہم قتل کے وقت موجود تھے اور نہ ہم نے دیکھا آپ نے فرمایا پھر دوسرے یہودی تمہارے حق میں گواہی دیں۔ ہم نے عرض کیا کہ وہ مسلمان تو نہیں ہیں اس پر آنحضرت ﷺ نے اپنے پاس سے ایک سو اونٹ۔ پچیس چار سالہ اونٹ' پچیس سواری کے قابل اونٹ پچیس بنت لبون یعنی دو دفعہ کی بیائی ہوئی اونٹنیاں اور پچیس گابھن اونٹنیاں مقتول کی دیت کے طور پر خود ادا کیں (کیونکہ اس معاملہ میں ثبوت مکمل نہ ہونے کی وجہ سے فتنہ اٹھ کھڑا ہونے کا خطرہ تھا جس کو آپ نے اس طرح دبا دیا)۔

(علامہ ابن مسیّب سے روایت ہے کہ ایسے معاملوں میں قسم کھانے یا حلف طلب کرنے کا طریقہ زمانہ جاہلیت میں بھی تھا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے اس طریقہ کو اس انصاری کے قتل کے معاملہ میں برقرار رکھا جس کی لاش یہودیوں کے ایک چوک میں پائی گئی تھی (مراد ہے یہی عبداللہ سہیل کا واقعہ جس کی تفصیل بیان ہوئی)۔

دور فاروقی میں یہود کی جلاوطنی پر اتفاق...... غرض حضرت عمر فاروقؓ نے یہودیوں کو جلاوطن کرنے کے سلسلہ میں صحابہ سے جو مشورہ کیا جب اس میں سب کی رائے سامنے آ گئی اور تمام صحابہ اس پر متفق تھے تو بنی حقیق کے خاندان کا ایک یہودی فاروق اعظمؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا:

"امیر المومنین! کیا ہمیں خیبر سے نکال رہے ہیں جب کہ محمد ﷺ نے ہمیں نہ صرف یہ کہ وہاں برقرار رکھا تھا بلکہ ہمارے مال پر ہمیں ہی عامل یعنی کارکن بنا دیا تھا اور اس بات کو ہمارے لئے شرط بنا دیا تھا"۔

حضرت عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا:

"کیا تیرا خیال ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کا وہ ارشاد بھول گیا ہوں جو آپ نے تیرے ہی متعلق فرمایا تھا کہ۔ اس وقت تیرا کیا حال ہو گا جب کہ تجھے خیبر سے نکال دیا جائے گا اس حال میں کہ تو راتوں رات اپنی اونٹنیوں کو ہانکتا پھر رہا ہو گا!"

آنحضرت ﷺ کا یہود کو حجاز و جزیرہ عرب سے نکالنے کا ارادہ...... وہ یہودی کہنے لگا کہ یہ جملہ تو ابوالقاسم یعنی آنحضرت ﷺ نے مذاق میں کہا تھا' حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ خدا کے دشمن تو جھوٹا ہے۔ پھر حضرت عمرؓ کو آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد معلوم ہوا کہ جزیرہ نمائے عرب میں دو دین نہیں رہیں گے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سنا کہ یہودیوں اور

نصرانیوں کو میں یہاں سے نکال کر رہوں گا۔ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ مشرکوں کو میں جزیرہ نمائے عرب سے نکال کر چھوڑوں گا!"

ایک روایت میں ہے کہ آخر کلمات جو آنحضرت ﷺ نے فرمائے یہ تھے کہ۔ یہودیوں کو سرزمین حجاز سے نکال دو۔ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔اگر میں زندہ رہا تو یہودیوں اور نصرانیوں کو حجاز کی سرزمین سے نکال دوں گا!"

حجاز اور جزیرہ نمائے عرب کا فرق اور مطلب..... حجاز سے جو علاقہ مراد ہے وہ مکہ معظمہ 'مدینہ منورہ' یمامہ ان کے راستے اور دیہات ونواحی بستیاں ہیں جیسے مکے کے لئے طائف نواحی علاقہ ہے اور مدینہ کا نواحی علاقہ خیبر ہے۔اسی طرح جزیرہ نمائے عرب سے مراد حجاز ہے جس میں عرب کے علاقے شامل ہوں۔لہٰذا جزیرہ نمائے عرب سے مراد اس کا کچھ علاقہ ہے اور وہ مخصوص طور پر حجاز کا علاقہ ہے۔ کیونکہ حضرت عمرؓ نے جب ان یہودیوں کو خیبر سے جلاوطن کیا تو ان میں سے کچھ لوگ توتیما کے علاقہ میں چلے گئے اور کچھ لوگ اریحا میں جا بسے جو جزیرہ عرب میں تو شامل تھا لیکن حجاز کا علاقہ نہیں تھا(دوسرے لفظوں میں یوں سمجھنا چاہئے کہ حجاز ایک چھوٹے علاقے کو کہا جاتا ہے جب کہ جزیرہ عرب زیادہ بڑا علاقہ ہے جس میں خود حجاز کا علاقہ شامل ہے اور دوسرے علاقے بھی ہیں۔لہٰذا کچھ حصے جیسے اریحا وغیرہ ہیں جو جزیرہ عرب کا حصہ تو ہیں مگر حجاز کا حصہ نہیں ہیں) حجاز کو حجاز اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ علاقہ تہامہ اور نجد کے درمیان حجز یعنی حد فاصل بن رہا ہے۔

حضرت عمرؓ کے ہاتھوں جلاوطنی......اس کے بعد حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے متعلق تحقیق کی اور انہیں ان کے درست ہونے کا اطمینان ویقین ہو گیا تو انہوں نے خیبر کے یہودیوں کو وہاں سے جلاوطن کر دیا۔ ساتھ ہی انہوں نے یہود کو وہاں کے پھلوں وغیرہ کی قیمت ادا کر دی۔

اسی طرح انہوں نے فدک کے یہودیوں اور نجران کے عیسائیوں کو بھی جلاوطن کر دیا۔ لہٰذا اب وہاں ان لوگوں کا تین دن سے زائد ٹھہرنا جائز نہیں رہا۔ یہ تین دن ان کے وہاں پہنچنے اور روانہ ہونے کے دونوں کے علاوہ ہیں۔

مگر وادی قریٰ اور تیما کے یہودی اپنی بستیوں سے نہیں نکالے گئے کیونکہ یہ دونوں بستیاں شامی علاقے کی تھیں حجاز سے متعلق نہیں تھیں۔اس کے بعد حضرت عمرؓ مہاجرین اور انصار کو لے کر روانہ ہوئے ان کے ساتھ جبار ابن صخر اور یزید ابن ثابت بھی تھے۔ان دونوں نے خیبر کی اراضی کو اسی طرح دو دو حصے والے صحابہ میں تقسیم کر دیا جس طرح اس کو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تقسیم کیا گیا تھا۔

غزوۂ وادی القریٰ

شخصی مقابلے اور یہود کا نقصان...... پھر جب رسول اللہ ﷺ خیبر سے واپس ہوئے تو وادی القریٰ میں پہنچے اس بستی کے باشندے بھی یہودی تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی جس کو انہوں نے سرکشی سے انکار کر دیا اور لڑنے کو تیار ہو گئے۔

پھر ان میں سے ایک شخص مقابلہ کے لئے میدان میں آیا اور اس نے کسی بہادر کو طلب کیا۔ حضرت زبیرؓ اس کے مقابلے کے لئے بڑھے اور اسے قتل کر آئے۔ پھر ایک دوسرا یہودی سامنے آکر مقابلے کے لئے للکارا اس کے سامنے حضرت علیؓ پہنچے اور اسے قتل کر ڈالا۔ پھر تیسرا شخص سامنے آیا اور اس نے بھی مقابل طلب کیا جسے حضرت ابودجانہؓ نے قتل کر دیا۔

جنگ اور فتح...... اس کے بعد عام لڑائی شروع ہوگئی اور مسلمان شام تک ان سے جنگ کرتے رہے۔ جس میں یہودیوں کے گیارہ آدمی قتل ہوئے اور اس طرح رسول اللہ ﷺ نے طاقت کے زریعہ یہ علاقہ فتح فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بستی والوں کا مال و دولت غنیمت میں عطا فرمایا جس میں مسلمانوں کو سامان اور دولت سب ہی کچھ ہاتھ آئی۔

وادی القریٰ کی زمینیں اور باغات...... آنحضرت ﷺ نے اس مال کے پانچ حصے کئے لیکن جو زمینیں وغیرہ تھیں وہ آپ نے بستی کے یہودیوں کی کاشت میں اسی طرح دے دیں جیسے خیبر کی زمینیں دی تھیں کہ ان کی آبیاری کاشت اور نولائی وغیرہ وہی لوگ کرتے ہیں اور فصل کے وقت آدھے کے حقدار وہ ہوں گے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرتے ہوئے وادی القریٰ کی زمینیں باغات اور بستان وغیرہ ان ہی کے ہاتھوں میں دے دیئے کہ وہ اجرت پر ان میں کام کرتے رہیں (یعنی اس قول کے مطابق یہاں جنگ نہیں ہوئی) اب گویا پہلی روایت کی بنیاد پر اس کو ان ہی غزوات میں شمار کیا جائے گا جن میں جنگ اور خونریزی ہوئی۔

اہل تیما کی صلح جوئی...... جب تیما والوں کو معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے کس طرح خیبر' فدک اور وادی القریٰ فتح فرمالئے ہیں تو انہوں نے (انجام کو سوچ کر) خود ہی صلح اور جزیہ یعنی حفاظتی ٹیکس دینے کی پیش کش کی۔ اس طرح وہ لوگ اپنی بستی میں ہی رہے اور ان کی زمین اور جائیداد بھی ان کے پاس رہی۔

آنحضرت ﷺ کے غلام کا قتل اور انجام...... ایک قول ہے کہ اسی موقعہ پر رسول اللہ ﷺ کا وہ حبشی غلام بھی قتل ہو گیا تھا جو کوچ کے وقت آپ کا کجاوہ کسا کرتا تھا۔ جس وقت وہ آنحضرت ﷺ کا کجاوہ اتار رہا تھا اچانک ایک تیر اس کے آکر لگا جس سے وہ ختم ہو گیا لوگوں نے کہا کہ اسے جنت مبارک ہو۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ہرگز نہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے خیبر کے مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس نے جو چادر اٹھائی تھی وہ اس کے لئے دوزخ کی آگ کو بھڑکا رہی ہے!"

مدینہ کے قریب پڑاؤ...... جب مدینہ منورہ قریب آگیا تو آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رات کو بھی سفر کرتے رہے۔ صبح کے قریب آنحضرت ﷺ نے پڑاؤ ڈال دیا اور آخر شب میں آرام کے لئے اترے۔ پھر آپ نے فرمایا:

"کون ہے جو جاگ کر ہمارے لئے صبح تک پہرہ دیتا ہے کیونکہ ممکن ہے ہماری آنکھ لگ جائے!"

بلال کی پہرہ داری اور نیند...... حضرت بلالؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میں پہرہ داری کروں گا۔ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔بلال!رات میں تم ہمارے لئے پہرہ دو۔اس کے بعد آنحضرت ﷺ اور تمام صحابہ سوگئے اور حضرت بلال کچھ دیر تک نفلیں پڑھتے رہے اس کے بعد ایک اونٹ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے صبح کے قریب ان پر نیند کا غلبہ ہوا اور وہ اسی طرح بیٹھے بیٹھے سوگئے۔

نمازِ فجر قضا...... صبح کو نہ آنحضرت ﷺ کی آنکھ کھلی اور نہ صحابہ میں سے ہی کوئی شخص نماز کے وقت بیدار ہوسکا یہاں تک کہ سورج نکل آیا۔دھوپ کی تپش سے سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی آنکھ کھلی۔آپ نے اٹھتے ہی حضرت بلال (کو جگا کر ان) سے پوچھا کہ بلال!تم نے یہ کیسا پہرہ دیا؟انہوں نے عرض کیا:

"یارسول اللہ مجھ پر بھی اسی چیز کا غلبہ ہوگیا جس کا آپ پر ہوا!"

آپ نے فرمایا۔"تم ٹھیک کہتے ہو"۔اس کے بعد آپ مسکرانے لگے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیدار ہونے کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے:

"بلال کھڑے ہوئے نفلیں پڑھ رہے تھے کہ ان کے پاس شیطان آیا اور انہیں اس طرح تھپکنے لگا جیسے بچے کو سلانے کے لئے تھپکا کرتے ہیں یہاں تک کہ بلال سوگئے!"۔

پھر آپ نے حضرت بلالؓ کو بلایا تو انہوں نے آکر وہی ساری بات بتلائی جو آنحضرت ﷺ نے صدیق اکبرؓ کو بتلائی تھی۔ اس پر صدیق اکبر بے اختیار کہہ اٹھے۔میں گواہی دیتا ہوں آپ اللہ کے رسول ہیں (کیونکہ جب حضرت بلال پہرہ دے رہے تھے اور نفلیں پڑھ رہے تھے تو آنحضرت ﷺ اس وقت سورہے تھے)

وادیٔ شیطان...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ لوگوں کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوئے آپ نے تھوڑی دور جاکر اپنا اونٹ بٹھایا یہاں آپ نے بھی وضو کیا اور صحابہ نے بھی وضو کیا اور آپ کے حکم پر حضرت بلالؓ نے تکبیر کہی۔ایک روایت میں یوں ہے کہ سب نے وہاں سے کوچ کیا۔ایک روایت کے مطابق لوگ بیدار ہوئے تو سب بہت گھبرائے (کیونکہ دیر ہوگئی تھی اور نماز قضا ہوچکی تھی) آنحضرت نے ان کو حکم دیا کہ فوراً سوار ہوجاؤ اور اس وادی سے نکل چلو آپ نے فرمایا کہ اس وادی میں شیطان ہے چنانچہ لوگوں نے فوراً وہاں سے کوچ کیا اور اس وادی سے نکل کر باہر آگئے۔حدیث

بھولی ہوئی نماز کے متعلق حکم...... نماز سے فارغ ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"اگر تم کسی وقت کی نماز بھول جاؤ تو جوں ہی یاد آئے فوراً پڑھ لو کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (پ۱۶ سورہ طٰہٰ ع۱۔آیت ۱۴)

میں اللہ ہوں میرا سوا کوئی معبود نہیں تم میری ہی عبادت کیا کرو۔"اور میری ہی یاد کی نماز پڑھا کرو"۔

ایک روایت کے مطابق آپ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے ہماری روحیں قبض کرلی تھی وہ چاہتا تو اس کے علاوہ کسی اور وقت بھی ان کو واپس کرسکتا تھا۔اس لئے اگر تم میں سے کوئی شخص نماز کے وقت سوتا رہ جائے یا نماز پڑھنا بھول جائے پھر وہ گھبرا کر نماز پڑھے تو اس کی نماز وقت پر ہی شمار ہوگی"۔

ایک قول ہے کہ یہ واقعہ حدیبیہ سے آنحضرت ﷺ کی واپسی کے دوران پیش آیا تھا۔ایک قول ہے کہ غزوۂ حنین سے واپسی میں پیش آیا تھا مگر کتاب امتاع میں ہے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ اس بارے میں صحابہ کے جو صحیح قول ہیں وہ ان

اقوال کے خلاف ہیں۔ یعنی ان آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ وادی القریٰ سے واپسی میں پیش آیا تھا۔ اس بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر ان دوسرے اقوال کو درست مانا جائے تو یہ ماننے میں بھی کوئی حرج نہیں کہ یہ واقعہ ایک سے زائد بار پیش آیا ہو۔

اس واقعہ کی تاریخ...... جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ یہ حدیبیہ سے واپسی میں پیش آیا۔ تو اس کی بنیاد ابن مسعودؓ کی یہ روایت ہے کہ حدیبیہ کے زمانے میں ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے ساتھ واپس آرہے تھے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ جب ہم غزوۂ حدیبیہ سے واپس ہوئے تو ایک پڑاؤ پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رات کو ہمارے لئے کون پہرہ داری کریگا؟ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں!۔ آپ نے فرمایا نہیں تم سو جاؤ گے۔ اس کے بعد آپ نے پھر فرمایا کہ رات کو ہمارے لئے کون شخص پہرہ داری کرے گا؟ میں نے پھر عرض کیا میں!۔ یہاں تک کہ آپ نے بار بار پوچھا اور ہر مرتبہ میں کہتا رہا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں! آخر آپ نے فرمایا اچھا تم ہی سہی۔ چنانچہ میں پہرہ داری کرتا رہا یہاں تک کہ جب صبح کے آثار ظاہر ہونے والے تھے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد رنگ لایا کہ تم سو جاؤ گے اور میں واقعی سو گیا۔ پھر اسی وقت ہم جاگ سکے جب کہ ہماری پشت پر سورج کی گرمی کا اثر ہوا۔

آگے غزوۂ تبوک کے بیان میں علامہ حافظ ابن حجرؒ کے حوالے سے اس واقعہ کے ایک سے زائد مرتبہ پیش آنے میں علماء کے اختلاف کا ذکر ہوگا (یعنی روایات کے اختلاف کی وجہ سے اس بارے میں ایک قول یہ گزرا تھا کہ یہ واقعہ ایک سے زائد بار پیش آیا ہوگا۔ مگر اس میں بھی علما کا اختلاف ہے)۔

خالد ابن ولید اور عمرو ابن عاص کا اسلام

معاہدۂ حدیبیہ اور عمرہ قضا کی درمیانی مدت میں حضرت خالد ابن ولید' حضرت عمرو ابن عاص اور حضرت عثمان ابن طلحہ حجبی کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ پیش آیا (معاہدۂ حدیبیہ کی تفصیل بیان ہو چکی ہے اور عمرہ قضا کا بیان آگے آئے گا)۔

خالدؓ کے ذہن میں انقلاب...... ایک قول ہے کہ ان حضرات نے غزوۂ قضا کے بعد اسلام قبول کیا تھا۔ اس قول کی بنیاد خود حضرت خالدؓ کی ایک روایت ہے کہ جب حق تعالیٰ نے مجھے اس عزت و خیر سے سرفراز کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس نے اچانک میرے دل میں اسلام کی تڑپ پیدا فرمادی اور مجھے ہدایت کا راستہ نظر آنے لگا۔ میں نے اس وقت اپنے دل میں سوچا کہ میں ہر موقعہ پر محمد ﷺ کے مقابلے اور مخالفت میں سامنے آیا اور ہر موقعہ پر مجھے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ ہمیشہ ہی مجھے یہ احساس رہا کہ میں غلطی پر ہوں اور محمد ﷺ کا بول بالا ہو رہا ہے۔

مکے سے روپوشی اور بھائی کا خط...... جب آنحضرت ﷺ عمرۂ قضا کے لئے مکے تشریف لائے تو میں مکے سے غائب ہو گیا تاکہ آپ کے مکے میں داخل ہونے کا منظر میں خود نہ دیکھ سکوں میرا بھائی ولید ابن ولید رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا' اس نے مکہ پہنچ کر مجھے تلاش کرایا مگر میں وہاں موجود ہی نہیں تھا۔ آخر اس نے میرے نام خط لکھا جو یہ تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اما بعد! میرے لئے سب سے زیادہ حیرتناک بات یہی ہے کہ تم جیسا آدمی آج تک اسلام سے دور بھاگتا پھرتا ہے۔

مجھے تمہاری کم عقلی پر تعجب ہوتا ہے۔ اسلام جیسی چیز سے بھی آج کوئی شخص بے خبر ہو سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے تمہارے متعلق پوچھا تھا کہ خالد کہاں ہیں؟ میں نے آپ سے عرض کیا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ انہیں آپ کے پاس لائے گا۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس جیسا آدمی اسلام سے بے خبر نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ اپنی صلاحیتوں اور توانائیوں کو مسلمانوں کے ساتھ مل کر اور مشرکوں کے خلاف استعمال کرتے تو ان کے لئے اس میں خیر ہی خیر ہے۔ اور ہم دوسرے کے مقابلے میں ان کو پہلے ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔ اس لئے میرے بھائی اب بھی موقعہ ہے کہ جو کچھ تم کھو چکے ہو اسے پالو۔ تم بڑے اچھے اچھے موقعے کھو چکے ہو!"

حضرت خالدؓ کہتے ہیں کہ جب مجھے یہ خط ملا تو مجھ میں جانے کی امنگ پیدا ہو گئی اور دل میں اسلام کی محبت گھر کر گئی۔ ساتھ ہی آنحضرت ﷺ نے میرے بارے میں جو کچھ فرمایا اس سے مجھے بہت زیادہ خوشی اور مسرت ہوئی۔

گداز عشق اور خالدؓ کا جواب...... رات ہی کو میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک انتہائی تنگ اور بنجر اور خشک علاقے میں ہوں۔ لیکن اچانک وہاں سے نکل کر ایک نہایت سرسبز و شاداب اور بہت بڑے علاقہ میں پہنچ گیا۔

اس کے بعد میں نے مدینے کو روانگی کا فیصلہ کر لیا تو مجھے صفوان ملے۔ میں نے ان سے کہا:

صفوان و عکرمہ سے گفتگو اور کورا جواب...... "ابو وہب! تم دیکھ رہے ہو کہ محمد ﷺ عرب اور عجم پر چھاتے جا رہے ہیں۔ اس لئے کیوں نہ ہم بھی ان کے پاس پہنچ کر ان کی اطاعت قبول کر لیں۔ اس لئے کہ حقیقت میں ان کی سربلندی ہو گی!"

صفوان نے یہ سن کر کہا:

"اگر میرے سوا ساری دنیا بھی ان کی اطاعت قبول کر لے تو میں اس وقت بھی یہی کروں گا!"

میں نے اس کا جواب سن کر اپنے دل میں کہا کہ جنگ بدر میں اس شخص کا باپ اور بھائی قتل ہو چکے ہیں (اس لئے اس سے امید رکھنا بے کار ہے)

اس کے بعد میں عکرمہ ابن ابو جہل سے ملا اور اس سے بھی وہی بات کہی جو صفوان سے کہی تھی مگر اس نے بھی وہی جواب دیا جو صفوان نے دیا تھا۔ تاہم میں نے اس سے کہا کہ میری بات کو راز ہی رکھنا۔ اس نے کہا میں کسی سے ذکر نہیں کروں گا۔

پس و پیش کے بعد عثمان سے گفتگو...... اس کے بعد میں عثمان ابن طلحہ حجبی سے ملا کیونکہ میں نے سوچا یہ میرا دوست ہے لہٰذا اس سے ضرور کہنا چاہئے۔ مگر پھر مجھے خیال آیا کہ اس کے باپ اور چچا اور بھائی وغیرہ قتل ہو چکے ہیں کیونکہ عثمان کا باپ طلحہ، چچا عثمان اور ان کے چار بھائی مسافع، جلاس، حرث اور کلاب غزوۂ احد میں قتل ہو گئے تھے جیسا کہ بیان ہوا۔ لہٰذا یہ سوچ کر مجھے ان سے اس کا ذکر کرنا مناسب نہیں معلوم ہوا، مگر پھر میں نے سوچا کہ میرا کیا جاتا ہے مجھے اس سے ضرور کہنا چاہئے۔ چنانچہ میں نے اس سے کہا:

"ہم دونوں کا حال ایسا ہی ہے جیسے سوراخ میں چھپی ہوئی لومڑی ہوتی ہے اگر اس پر سوراخ میں سے پانی ڈالا جائے تو وہ باہر نکل آئے گی!"

عثمان کی رضامندی اور مدینے کو کوچ...... اس کے بعد میں نے عثمان سے وہی کہا جو صفوان اور عکرمہ سے کہہ چکا تھا عثمان نے فوراً ہی میری بات قبول کر لی اور پھر وعدہ کیا کہ وہ مجھ سے پہلے روانہ ہو گیا تو فلاں جگہ پر میرا انتظار کرے گا (تاکہ وہاں سے ایک ساتھ ہم مدینہ منورہ جائیں) اور اگر میں اس سے پہلے یہاں سے نکل گیا تو اسی جگہ پر اس کے پہنچنے کا انتظار کروں گا۔

عمرو ابن عاص سے ملاقات...... اگلے دن صبح ہونے سے پہلے ہی ہم دونوں ایک دوسرے سے مل گئے اور وہاں سے روانہ ہو کر ھدہ کے مقام پر پہنچے وہاں ہمیں عمرو ابن عاص ملے۔ ہمیں دیکھ کر انہوں نے کہا آپ لوگوں کو خوش آمدید۔ ہم نے کہا آپ کو بھی مرحبا۔ اس کے بعد عمرو نے ہم سے پوچھا کہ آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں۔ ہم نے کہا اسلام قبول کرنے کے لئے جا رہے ہیں۔ عمرو نے کہا اسی لئے تو میں بھی جا رہا ہوں۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ عمرو نے خالد سے پوچھا کہ اے ابو سلیمان تم کہا جا رہے ہو؟

حضرت خالد نے کہا:

"خدا کی قسم! میرے سامنے تو راستہ ظاہر ہو گیا اور اسلام کا معاملہ صاف ہو گیا۔ وہ شخص یقیناً نبی ہیں۔ اس لئے چلو اور مسلمان ہو جاؤ۔ آخر کب تک؟"

اس پر عمرو ابن عاص نے کہا؟

"میں تو خود صرف اسی مقصد سے نکلا ہوں!"

ان کی آمد پر آنحضرت ﷺ کی خوشی...... اس طرح ہم تینوں کا ساتھ ہو گیا یہاں تک کہ سفر کرتے ہوئے ہم مدینہ منورہ میں داخل ہو گئے اور ہم نے حرہ کے مقام پر اپنی سواریاں بٹھائیں۔ رسول اللہ ﷺ کو جب ہمارے آنے کی خبر ہوئی تو آپ بے حد خوش ہوئے اور آپ نے صحابہ سے فرمایا:

"مکے نے اپنے جگر پارے تمہارے سامنے لا ڈالے ہیں!"

اس کے بعد میں نے اپنے بہترین کپڑے پہنے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے چلا اسی وقت مجھے میرے بھائی ملے اور کہنے لگے:

"جلدی کرو کیونکہ رسول اللہ ﷺ تم لوگوں کے آنے سے بے حد خوش ہیں اور تم لوگوں کا انتظار فرما رہے ہیں!"

تینوں آغوش اسلام میں...... چنانچہ اب ہم تیزی کے ساتھ روانہ ہوئے یہاں تک کہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا آنحضرت ﷺ مجھے دیکھ کر مسکراتے رہے یہاں تک کہ میں آپ کے پاس پہنچ کر کھڑا ہو گیا میں نے آپ کو نبوت کا یعنی اسلام کا سلام کیا۔ آپ نے بڑی گرم جوشی سے میرے سلام کا جواب دیا اس کے بعد میں نے کہا:

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں"۔

آپ نے فرمایا:

"تمام تعریفیں اسی ذات کو سزاوار ہیں جس نے تمہیں ہدایت عطا فرمائی۔ میں جانتا تھا کہ تم ایک عقلمند آدمی ہو اسی لئے میری آرزو تھی اور مجھے امید تھی کہ تم خیر کی طرف ضرور جھکو گے!"

پھر میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے کہ وہ میری ان غلطیوں کو معاف فرما دے جو میں نے آپ کے مقابلے پر آ کر کی ہیں!"

آپ نے فرمایا:

"اسلام گذشتہ تمام غلطیوں اور گناہوں کو مٹا دیتا ہے!"

اس کے بعد عثمانؓ ابن طلحہ اور عمروؓ بن عاص آگے آئے اور وہ بھی مسلمان ہو گئے۔

حضرت عمرؓو ابن عاص سے ایک روایت میں ہے کہ ہم مدینہ پہنچے جہاں حرہ کے مقام پر ہم لوگوں ٹھہرے اور یہاں ہم نے اپنے بہترین لباس پہنے اسی وقت عصر کی اذان ہو گئی۔ ہم لوگ یہاں سے روانہ ہو کر آنحضرت ﷺ کے سامنے جا پہنچے اس وقت آنحضرت ﷺ کا چہرہ مبارک خوشی سے جگمگا رہا تھا اور آپ کے چاروں طرف جو مسلمان جمع تھے وہ سب بھی خوشی سے سرشار تھے۔ جیسا کہ بیان ہوا۔ پھر خالدؓ ابن ولید آگے بڑھے اور انہوں نے بیعت کی۔ پھر عثمان ابن طلحہ آگے آئے اور انہوں نے بیعت کی۔ یعنی مسلمان ہوئے اور پھر میں آگے بڑھا۔

اسلام میں خالدؓ و عمروؓ کا مقام...... حضرت عمرؓو ابن عاص کہتے ہیں کہ: خدا کی قسم میرا شرم کے مارے یہ حال تھا کہ جب میں آپ کے سامنے بیٹھ گیا تو آپ کی طرف میری نگاہیں نہیں اٹھ رہی تھیں۔ پھر میں نے آپ سے اس بات پر بیعت کی کہ اللہ تعالیٰ میرے گذشتہ تمام گناہوں کو معاف فرمادے اور جو آئندہ ہونے والے ہوں ان سے مجھے دور رکھے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اسلام پچھلے تمام گناہوں کو مٹا ڈالتا ہے اور ہجرت بھی گذشتہ تمام غلطیوں کو دھو ڈالتی ہے۔

حضرت عمرو ابن عاصؓ کہتے ہیں:

"خدا کی قسم ہمارے مسلمان ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے جنگی معاملات میں میرے اور خالد ابن ولید کے برابر کسی کو نہیں سمجھا۔ پھر اسی طرح حضرت ابو بکرؓ کی خلافت میں بھی ہمارا یہی درجہ باقی رہا۔ (یعنی عام معاملات میں آنحضرت ﷺ کے نزدیک ہمارا جو مقام اور قدر و منزلت تھی اس کو حضرت ابو بکرؓ نے بھی اپنی خلافت کے دور میں باقی رکھا) مگر حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے زمانے میں خالدؓ ان کے عتاب میں رہے (یعنی حضرت خالد پر حضرت عمرؓ کا عتاب ہوا اور انہوں نے خالد کو سپہ سالاری کے عہدے سے معزول اور برطرف کر دیا تھا)۔

تابعی کے ہاتھ پر صحابہ کا اسلام...... یہ بات گزر چکی ہے کہ حضرت عمرؓو ابن عاص، نجاشی بادشاہ حبشہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے۔ بعض علماء نے حضرت عمرو کے نجاشی کے ہاتھ پر مسلمان ہونے کے سلسلے میں کہا ہے کہ اس میں ایک لطیفہ ہے کہ ایک صحابی ایک تابعی کے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔ (یعنی حضرت عمرو ابن عاصؓ صحابی تھے کیونکہ صحابی اس کو کہتے ہیں جس نے اسلام کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی ہو اور اسے آپ کی مبارک صحبت میسر آئی ہو جب کہ تابعی اس کو کہتے ہیں جس نے اسلام کی حالت میں کسی صحابی کی زیارت کی ہو۔ نجاشی بادشاہ حبشہ تابعی تھے مگر صحابی نہیں تھے کیونکہ اگرچہ وہ مسلمان ہوئے مگر رسول اللہ ﷺ کی زیارت نہیں کر سکے البتہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے صحابہ کی زیارت کی ہے۔ تو ان کے ہاتھ پر حضرت عمرؓو اسلام لائے جو صحابی بنے جب کہ خود نجاشی تابعی ہی تھے) اس طرح کی دوسری کوئی مثال نہیں ہے۔

حضرت خالد کے مسلمان ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ گھوڑے سوار دستہ کا امیر انہیں ہی بنایا اور وہ مقدمۃ الجیش میں رہتے تھے۔ واللہ اعلم

عمرۂ قضا

اس نام کا سبب...... اس کو عمرۂ قضیہ بھی کہا جاتا ہے۔ قضا کے معنی ہیں فیصلہ۔ چونکہ آنحضرت ﷺ نے اس پر قریش سے فیصلہ یعنی صلح فرمائی تھی اس لئے اس کو عمرہ قضا کہا جاتا ہے اسکو عمرۂ صلح اور عمرہ قصاص بھی کہا جاتا ہے (جس کی وجہ ظاہر ہے)۔

علامہ سہیلی کہتے ہیں کہ یہ نام یعنی عمرہ قصاص زیادہ مناسب ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ۔ (الآیہ پ ۲۔ سورۂ بقرہ ع ۲۴۔ آیت ۱۹۴)

ترجمہ: حرمت والا مہینہ ہے بعوض حرمت والے مہینے کے اور یہ حرمتیں تو عوض معاوضہ کی چیزیں ہیں۔

اس عمرہ کے چار نام ہیں...... علامہ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ اس طرح اس عمرہ کے چار نام ہوتے ہیں عمرۂ قضا، عمرۂ قضیہ، عمرۂ صلح اور عمرۂ قصاص (عمرۂ قصاص کا مطلب یہ ہوا کہ یہ بدلے کا عمرہ تھا یعنی گذشتہ مرتبہ آنحضرت ﷺ جب عمرہ کے لئے تشریف لے گئے تو چونکہ عمرہ نہیں کر سکتے تھے) عمرہ قصاص اس لئے کہ یہ عمرہ ذی قعدہ ۷ھ میں ہوا اور یہی وہ مہینہ تھا جس میں ایک سال پہلے ۶ھ میں آپ عمرہ کے لئے گئے اور قریش نے آپ کو اس سے روک دیا تھا (لہٰذا یہ اس کے بدلے میں تھا)۔

آنحضرت ﷺ کے عمرے...... مگر یہ عمرہ اس گذشتہ عمرہ کی قضا نہیں تھا کیونکہ قریش کے بیت اللہ میں جانے سے روک دینے کی بناء پر وہ عمرہ فاسد نہیں ہوا تھا بلکہ وہ ایک مکمل عمرہ تھا جو آنحضرت ﷺ کے ان عمروں میں شمار کیا جاتا ہے جو آپ نے ہجرت کے بعد ادا کئے ہیں ایسے عمرے چار ہیں عمرۂ حدیبیہ، عمرۂ قضا، عمرۂ جعرانہ جب کہ غزوۂ حنین کا مال غنیمت تقسیم کیا گیا تھا (جس کی تفصیل آگے آئیگی) اور وہ عمرہ جو آپ نے حجۃ الوداع کے ساتھ ملا کر کیا تھا۔ یہی ترجیحی قول ہے کہ حجۃ الوداع میں آپ نے قران کا احرام باندھا تھا۔ یہ سب عمرے ذی قعدہ کے مہینے میں ہی ہوئے سوائے حجۃ الوداع والے عمرہ کے جو آپ نے حج کے زمانے میں کیا تھا۔

کیا حدیبیہ کا عمرہ فاسد ہو گیا تھا؟...... رسول اللہ ﷺ ہجرت سے پہلے تیرہ سال مکہ معظمہ میں مقیم رہے مگر اس پورے عرصہ میں ایسی کوئی روایت نہیں جب کہ آپ نے مکے سے باہر حل میں جا کر عمرہ کا احرام باندھا ہو۔ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں سوائے حضرت عائشہؓ کے کسی نے ایسا کیا بھی نہیں۔ حضرت عائشہؓ کے اس عمرہ کا بیان آگے حجۃ الوداع کی تفصیل میں آئیگا۔

امام شافعیؒ کی رائے...... جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ بیت اللہ سے روک دینے پر عمرہ فاسد نہیں ہوتا تو یہ امام شافعیؒ کی رائے ہے لیکن دوسرے فقہاء اس کے خلاف کہتے ہیں۔ چنانچہ امام ابو حنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ بیت اللہ تک حاضری سے روک دینا عمرہ کو فاسد کر دیتا ہے اور پھر اس کی قضا ضروری ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کی رائے...... لہٰذا اب اس کو عمرہ قضا کہنے کا مطلب بالکل صاف ہے کہ یہ اسی عمرہ کی قضا ہے جو آپ ادا نہیں کر سکے تھے۔ گویا اس بارے میں امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی رائے میں بنیادی اختلاف ہے کہ امام شافعی عمرۂ حدیبیہ کو مکمل عمرہ مانتے ہیں جو قریش کے روک دینے کی وجہ سے فاسد نہیں ہوا تھا اسی لئے ان کے نزدیک لفظ قضا کا مطلب فیصلہ شدہ یا طے شدہ عمرہ ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ لفظ قضا کا مطلب قضا ہی لیتے ہیں)

کیا عمرۂ قضا غزوات میں سے ہے؟...... اس عمرۂ قضا کو غزوات میں شمار نہیں کیا گیا ہے۔ امام بخاریؒ نے اس کو غزوات میں اس لئے شمار کیا ہے کہ جنگ کے خطرہ کی وجہ سے اس سفر میں رسول اللہ ﷺ تمام صحابہ کو ہتھیاروں سے لیس لے کر گئے تھے

کیونکہ خطرہ تھا کہ (اگرچہ مکے میں داخل ہونے کے قریش سے سمجھوتہ ہو چکا تھا مگر) ان سے غداری کا اندیشہ تھا۔ ادھر غزوہ کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس سفر میں جنگ بھی ہو (صرف جنگ کے ارادے یا جنگ کے خطرہ کے پیش نظر ہتھیاروں سے لیس ہو کر نکلنے کو غزوہ کہا جاتا ہے۔ اسی لئے اس سفر کو غزوۂ امن بھی کہا گیا ہے)۔

غرض قریش سے حدیبیہ میں جو صلح نامہ اور اگلے سال آنے کا جو معاہدہ ہوا تھا اس کی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ عمرہ کی نیت سے مکے کو روانہ ہوئے۔ صلح نامہ میں یہ تھا کہ اگلے سال آپ اس حال میں مکے میں داخل ہوں گے کہ آپ کے ساتھ مسافر کا ہتھیار ہو گا اور وہاں آپ تین دن سے زائد نہیں ٹھہریں گے۔

مگر کتاب انس جلیل کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ تین دن کے قیام کی شرط عمرۂ قضا کے موقعہ پر ہوئی تھی۔ چنانچہ انس جلیل میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ عمرۂ قضا کی نیت کر کے روانہ ہوئے تو قریش نے آپ کو مکے میں داخل ہونے کی دعوت دینے سے انکار کر دیا کہ جب تک یہ شرط طے نہیں ہو جائے گی کہ آپ تین دن سے زیادہ مکے میں نہیں ٹھہریں گے اس وقت تک داخل نہیں ہونے دیا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ اگر مکے والوں میں سے کسی نے محمد ﷺ کی پیروی واطاعت قبول کرنی چاہی تو اس کو مکے سے نکلنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اور تیسرے یہ کہ آنحضرت ﷺ کے صحابہ میں سے اگر کسی نے مکے میں ٹھہرنا چاہا تو اس کو یہاں رکنے سے منع نہیں کیا جائے گا۔

ہمراہیوں کی تعداد...... اس موقعہ پر آنحضرت ﷺ کے ساتھ جو صحابہ تھے ان کی تعداد دو ہزار تھی۔ کوچ کے وقت آپ نے حکم دیا تھا کہ جو لوگ حدیبیہ کے موقعہ پر موجود تھے ان میں سے ہر شخص کا چلنا ضروری ہے لہٰذا حدیبیہ کے سارے ہی شریک عمرۂ قضا میں ساتھ تھے سوائے ان حضرات کے جو یا تو غزوۂ خیبر میں شہید ہو گئے تھے اور یا اس دوران میں ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان کے علاوہ آپ کے ساتھ کچھ وہ لوگ بھی تھے جو حدیبیہ کے موقعہ پر شریک نہیں تھے۔

مدینے سے کوچ کرتے ہوئے آپ نے وہاں حضرت ابوذر غفاریؓ کو اپنا قائم مقام بنایا۔ ایک قول کے مطابق ان کے علاوہ کسی دوسرے صحابی کو بنایا تھا۔ نیز آپ کے ساتھ قربانی کے ساٹھ جانور تھے جن کو شریعت کی اصطلاح میں بُدنہ کہا جاتا ہے۔ آپ نے ان سب جانوروں کے گلوں میں قلادہ یعنی علامت یا نشان ڈالا۔ مطلب یہ ہے کہ ان میں سے ہر جانور کے گلے میں چمڑے کا ٹکڑا ایا جو تا لٹکایا تا کہ جانور کو دیکھ کر ہر شخص سمجھ لے کہ یہ ھدی کا جانور ہے اور لوگ اس جانور کو کچھ نہ کہیں۔

یہاں ھدی کے جانوروں کے اِشعار کرنے کا ذکر نہیں کیا گیا (اشعار کا مطلب غزوۂ حدیبیہ میں گزر چکا ہے) ان جانوروں کی نگرانی پر آنحضرت ﷺ نے حضرت ناجیہؓ ابن جندب کو متعین فرمایا (جو ان کو ہنکار ہے تھے)

اس سفر میں رسول اللہ ﷺ نے ہتھیار۔ زرہیں اور نیزے بھی ساتھ لئے۔ مسلمانوں میں ایک سو آدمی گھوڑے سوار تھے جن کے امیر حضرت محمدؓ ابن مسلمہ تھے اور ہتھیار وغیرہ بشیر بوزن امیر ابن سعد کی نگرانی میں دیئے گئے۔

آنحضرت ﷺ نے مدینے میں مسجد نبوی کے دروازے سے احرام باندھ لیا اور روانہ ہوئے۔ جب آپ ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچے تو گھوڑے سواروں کو آپ نے آگے بڑھا دیا اور سواروں کو باقی تمام لوگوں کے آگے آگے کر دیا)

ہتھیار بنظر احتیاط...... چونکہ اس سفر میں آپ نے ہتھیار بھی بار کرائے تھے جو صلح نامہ کی شرائط کے خلاف بات تھی اس لئے صحابہ نے آپ سے عرض کیا:

"یارسول اللہ! آپ نے ہتھیار بھی ساتھ رکھے ہیں حالانکہ قریش نے معاہدہ میں یہ شرط رکھی تھی کہ صرف مسافر کا

ہتھیار یعنی میان میں پڑی ہوئی تلوار کے ساتھ ہی مکہ معظمہ میں داخل ہوں گے!"

آپ نے فرمایا:

"ہم ان کے سامنے ہتھیار لے کر حرم میں داخل نہیں ہوں گے لیکن ہتھیار ہمارے قریب ضرور ہوں گے تاکہ اگر دشمن کی طرف سے اچانک کوئی ہنگامہ کھڑا ہو جائے تو ہتھیار ہمارے پاس ہوں!"

مسلم سوار اور قریشی جماعت...... غرض حضرت محمد ابن مسلمہؓ گھوڑے سوار دستہ لے کر آگے بڑھ گئے جب وہ ظہران کے مقام پر پہنچے تو وہاں انہیں قریش کے کچھ لوگ ملے' انہوں نے محمدؓ ابن مسلمہ سے حال پوچھا تو انہوں نے بتلایا کہ رسول اللہ ﷺ پیچھے پیچھے تشریف لا رہے ہیں اور کل صبح انشاء اللہ آپ اس منزل پر پہنچ جائیں گے۔

قریش کی گھبراہٹ اور آنحضرت ﷺ کے پاس وفد...... ادھر ان لوگوں نے حضرت محمدؓ ابن مسلمہ کے ساتھ بڑی تعداد میں ہتھیار دیکھے تو وہ لوگ نہایت تیزی کے ساتھ وہاں سے بھاگے اور قریش کے پاس پہنچ کر انہیں بتلایا کہ مسلمانوں کے ساتھ بے شمار ہتھیار بھی ہیں اور گھوڑے سوار دستہ بھی ہے۔ قریش یہ سن کر بدحواس ہو گئے اور کہنے لگے کہ ہم نے کوئی ایسی ویسی حرکت نہیں کی ہے جو اس معاہدہ کے خلاف ہو بلکہ ہم لوگ معاہدہ کے پابند ہیں جب تک بھی صلح نامہ کی مدت ہے ہم اس کی پابندی کریں گے پھر آخر کس بنیاد پر محمد ﷺ ہم سے جنگ کرنے آئے ہیں؟

اس کے بعد قریش نے مکرز ابن حفص کو قریش کی ایک جماعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ انہوں نے آپ کے پاس جا کر کہا:

"اے محمد ﷺ! آپ کے بچپن سے آج تک کبھی یہ نہیں سنا گیا کہ آپ غداری اور دغا کرتے ہیں لیکن آپ اپنی ہی قوم کے مقابلے میں ہتھیار بند ہو کر حرم میں داخل ہونے آئے ہیں جب کہ آپ قریش سے یہ معاہدہ کر چکے ہیں کہ صرف مسافر کے ہتھیار یعنی میانوں میں پڑی ہوئی تلواریں آپ کے ساتھ ہوں گی!"

آپ نے فرمایا:

"میں ان پر ہتھیار لے کر داخل نہیں ہوں گا!"

مکرز نے کہا:

"یہی وہ نیکی' وفاداری اور قول و قرار کی پاسداری ہے جو آپ کے متعلق مشہور ہے!"

اس کے بعد مکرز بڑی تیزی کے ساتھ مکے واپس گیا اور قریش کے پاس پہنچ کر ان کو بتلایا کہ محمد ﷺ تمہارے شہر میں ہتھیار بند ہو کر نہیں داخل ہوں گے بلکہ وہ اس قول و قرار کے پابند ہیں جو تم سے ہو چکا ہے۔

آنحضرت ﷺ کا مکے میں داخلہ...... پھر جب رسول اللہ ﷺ کے مکہ میں داخل ہونے کا وقت قریب آ گیا تو قریش کے بڑے بڑے لوگ مکے سے نکل کر کہیں چلے گئے کیونکہ ان لوگوں کو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کے ساتھ جو نفرت و دشمنی اور حسد تھا اس کی وجہ سے یہ لوگ یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کو بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھیں۔

آخر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ مکے میں داخل ہوئے۔ آنحضرت ﷺ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار تھے آپ کے صحابہ آپ کے گرد و پیش ننگی تلواریں لئے اور لبیک اللّٰھم لبیک پڑھتے ہوئے چل رہے تھے۔

پھر آپ اس گھاٹی میں سے داخل ہوئے جو جون کی طرف نکلتی ہے۔ اس کو ثنیہ کداء کہا جاتا ہے رسول اللہ ﷺ جب کے میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے: اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ منیتنابھا۔ اے اللہ! اس (مکہ) میں ہمیں موت نہ دے۔

آپ مکے میں داخل ہونے کے وقت سے لے کر وہاں سے نکلنے تک یہ دعا پڑھتے رہا کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ جو ہتھیار ساتھ لے کر آئے تھے وہ آپ نے بطن ناجح میں محفوظ کرا دیئے جو حرم سے قریب ایک جگہ تھی وہاں مسلمانوں کی ایک جماعت نگرانی کے لئے ٹھہر گئی جن کی تعداد تقریباً دو سو تھی اور ان کے امیر اوس ابن خولی تھے۔

مہاجروں پر قریش کے تبصرے...... مشرکوں کی ایک جماعت قینقاع نامی پہاڑ پر جا کر وہاں سے نیچے جھانک رہی تھی وہ لوگ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کو طواف کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے (چونکہ ان لوگوں نے مکے کے مہاجروں کو ایک مدت کے بعد دیکھا تھا اس لئے) وہ آپس میں کہہ رہے تھے:

"یثرب کے بخار نے مہاجروں کو بہت کمزور کر دیا ہے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ تمہارے سامنے جو لوگ آئے ہیں ان کو یثرب کے بخار نے کھا لیا ہے!"

مشرکوں پر رعب کے لئے رمل کا حکم...... اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے اس تبصرہ کی اپنے نبی کو خبر دے دی۔ چنانچہ آپ نے صحابہ سے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحمت فرمائے گا جو ان مشرکوں کو اپنی جسمانی قوت و طاقت دکھلائے گا!"

چنانچہ آپ نے صحابہ کو حکم دیا کہ طواف کے تین پھیروں میں رمل کریں یعنی اکڑ اکڑ کر اور سینہ نکال کر چلیں اور مشرکوں کو دکھلائیں کہ ہم میں پوری طرح زور و قوت باقی ہے (اور وہ لوگ ان کی ظاہری کمزوری سے خوش نہ ہوں)۔

جب مسلمانوں نے رمل کرنا شروع کیا تو مشرکوں نے ان لوگوں سے کہا جنہوں نے مسلمانوں کو کمزور بتلایا تھا۔

"تم لوگ کہہ رہے تھے کہ انہیں یثرب کے بخار نے کمزور کر دیا حالانکہ یہ تو کہیں طاقتور اور شہزور ہیں اور ہرنیوں کی طرح زقندیں بھر رہے ہیں!"

آنحضرت ﷺ نے مہربانی کے خیال سے مسلمانوں کو طواف کے تمام پھیروں میں اکڑ کر اور تیز چلنے کا حکم نہیں دیا بلکہ صرف تین ہی پھیروں میں اس کا حکم دیا (کیونکہ ظاہر ہے اگر ہر پھیرے میں رمل کیا جائے تو آدمی بہت زیادہ تھک جائے گا!")

آنحضرت ﷺ نے اپنی چادر اس طرح اپنے اوپر ڈال رکھی تھی کہ دایاں مونڈھا کھلا ہوا تھا چنانچہ صحابہ نے بھی پھر اسی طرح کیا۔ اس طرح چادر اوڑھنے کو عربی میں اضطباع کہتے ہیں اور اکڑ کر اور سینہ نکال کر چلنے کو رمل کہتے ہیں جیسا کہ بیان ہوا۔

یہ اسلام میں پہلا اضطباع اور پہلا رمل تھا۔

قریش کا واپسی کے لئے تقاضہ...... رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ تین دن مکے میں ٹھہرے۔ جب یہ تین دن پورے ہو گئے جو صلح نامہ کی رو سے آنحضرت ﷺ کے مکے میں ٹھہرنے کی مدت تھی تو تیسرے دن آپ کے پاس حویطب ابن عبدالعزیٰ آئے ان کے ساتھ سہیل ابن عمرو بھی تھے۔ یہ دونوں حضرات بعد میں مسلمان ہو گئے تھے غرض یہ دونوں آنحضرت ﷺ کو مکہ چھوڑنے کی ہدایت دینے کے لئے آئے اور کہنے لگے:

"ہم اللہ کا واسطہ دے کر اس معاہدہ کے نام پر آپ سے کہتے ہیں کہ اب آپ ہماری سرزمین سے نکل جائیں کیونکہ تین دن پورے ہو چکے ہیں۔

حضرت میمونہؓ سے رشتہ...... چنانچہ اس کے بعد معاہدہ کے مطابق آنحضرت ﷺ اور صحابہ مکے سے روانہ ہو گئے۔ اسی دوران میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت میمونہ بنت حرث ہلالیہ سے نکاح کیا ان کا نام برۃ تھا پھر آپ نے ان کو میمونہ نام دیا' یہ حضرت عباسؓ کی بیوی اُمّ فضل کی بہن تھیں اسی طرح یہ اسماء بنت عمیس کی ماں شریک بہن تھیں جو حضرت حمزہؓ کی بیوی تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے عمرہ کا احرام باندھنے سے پہلے ان سے شادی کی تھی۔ ایک قول ہے کہ احرام سے فارغ ہونے کے بعد کی تھی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ احرام کی حالت میں ہی نکاح کیا تھا۔ یہ روایت امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے پیش کی ہے۔ دار قطنی نے اسی روایت کو حضرت ابو ہریرہ سے ضعیف سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے ان کے پاس حضرت جعفرؓ کو رشتہ دے کر بھیجا تھا۔ جب ان کے پاس آنحضرت ﷺ کا رشتہ پہنچا تو اس وقت یہ اپنے اونٹ پر سوار تھیں۔ اونٹ نے جبھی کہا۔

"میرے اوپر جو سوار ہے وہ اللہ اور اس کے رسول کی ملکیت ہے!"

عباسؓ کی سرپرستی میں نکاح...... چنانچہ اسی لئے کہا گیا ہے کہ حضرت میمونہؓ وہ ہیں جنہوں نے خود کو آنحضرت ﷺ کیلئے ہبہ کر دیا تھا۔ ایک قول ہے کہ رشتہ آنے پر انہوں نے اپنا معاملہ رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ کے اوپر چھوڑ دیا تھا۔ ایک قول ہے کہ حضرت عباسؓ کی بیوی یعنی اپنی بہن اُمّ فضل کے سپرد کر دیا تھا اور اُمّ فضل نے ان کا معاملہ اپنے شوہر حضرت عباس کے حوالے کر دیا۔ حضرت عباسؓ نے ان کو آنحضرت ﷺ سے بیاہ دیا ساتھ ہی خود حضرت عباس نے آنحضرت ﷺ کی طرف سے چار سو درہم ان کا مہر ادا کیا۔

کیا نکاح احرام کی حالت میں ہوا؟...... جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ آنحضرت ﷺ نے احرام کی حالت میں نکاح فرمایا۔ اس میں کوئی شبہ کی بات نہیں کیونکہ احرام کی حالت میں نکاح کا حلال ہونا آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے تھا۔ مگر علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ ہمارے مشائخ میں سے ایک بزرگ نے حضرت ابن عباسؓ کے اس قول کو کہ آنحضرت ﷺ نے محرم ہوتے ہوئے نکاح کیا۔ یہ معنی پہنائے ہیں کہ حرام مہینہ تھا اور آپ بلد حرام یعنی شہر حرام میں تھے۔ یعنی محرم سے مراد یہ نہیں ہے کہ حج (یا عمرہ) کا احرام باندھے ہوئے تھے۔ یہ بات ایسی ہی ہے جیسے ایک شاعر نے حضرت عثمان ابن عفان کے متعلق اپنے اس شعر میں لفظ محرم کے معنی لئے ہیں۔

قَتَلُوا ابنُ عَفَّانَ الْخَلِيْفَة مُحْرِماً
وَرعَا فَلَم أرمِثْلَهَ مَقْتُولَا

ترجمہ: لوگوں نے عثمان ابن عفان کو قتل کر دیا احرام کی حالت میں یعنی اس حالت میں جب کہ قتل ممنوع تھا وہ تقویٰ کے امام تھے بلاشبہ ان جیسا نیک شخص دنیا میں کبھی قتل نہیں ہوا۔

تو اس شعر میں محرم سے مراد احرام والا نہیں ہیں بلکہ حرام مہینہ مراد ہے کیونکہ حضرت عثمانؓ ایام تشریق یعنی حج کی تاریخوں میں قتل ہوئے تھے۔ (اب گویا اسی طرح آنحضرت ﷺ کے بارے میں جو یہ قول ہے کہ آپ نے محرم ہونے کی حالت میں نکاح کیا۔ اس سے بھی مراد یہ ہے کہ آپ نے حرام مہینے اور شہر حرام یعنی مکہ میں نکاح کیا۔

علامہ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ احرام کی حالت میں نکاح کی بات اس لئے سمجھ میں نہیں آتی کہ اس بات کے خلاف خود ابن عباسؓ کی ہی دوسری کئی روایتیں ہیں۔ یہاں تک علامہ ابن کثیر کا حوالہ ہے۔

ابن مسیب نے کہا ہے کہ ابن عباسؓ نے غلطی کی ہے۔ یا یہ لفظ ہیں کہ۔ ابن عباس کو وہم ہوا ہے آنحضرت ﷺ نے (احرام کی حالت میں ہرگز نکاح نہیں کیا بلکہ آپ نے) حضرت میمونہؓ سے حلال ہونے کی حالت میں ہی نکاح کیا ہے۔ چنانچہ دار قطنی نے عکرمہ سے اور انہوں نے ابن عباس سے ایک روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب حضرت میمونہ سے نکاح فرمایا تو آپ حلال تھے (یہاں خود حضرت ابن عباسؓ ہی کی روایت سے ان کی اپنی روایت کی تردید ہو رہی ہے)۔ علامہ سہیلیؒ کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ کی یہ دوسری روایت دوسرے لوگوں کی روایات کے مطابق ہے۔ اس لئے یہ بات قابل غور ہے کیونکہ ابن عباس سے ہی دوسری روایت جو۔ ان کی پہلی روایت کے بالکل خلاف ہے عجیب و غریب بات ہے۔

ہمارے بعض شافعی فقہاء نے لکھا ہے کہ حضرت میمونہؓ سے نکاح کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو رافعؓ کو وکیل بنایا تھا۔ سیرت کی ایک کتاب میں ابو رافع کی ایک روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت میمونہ سے نکاح کیا تو آپ حلال تھے (یعنی احرام کی حالت میں نہیں تھے) پھر جب آپ نے ان کے ساتھ عروسی کی تو بھی آپ حلال تھے۔ اس نکاح کے سلسلے میں دونوں کے درمیان قاصد اور ایلچی میں تھا۔ اس روایت کو علامہ بیہقیؒ امام ترمذی اور نسائی نے بیان کیا ہے۔

قریش کو دعوت ولیمہ کی پیش کش ...... آنحضرت ﷺ نے حضرت میمونہ کے ساتھ مکے میں ہی خلوت کرنے کا ارادہ کیا تھا مگر قریش نے اتنی مہلت نہ دی۔ اس وقت آپ نے قریش سے فرمایا:

"اس میں کیا حرج ہے کہ تم لوگ مجھے یہاں چھوڑ دو میں یہاں تمہارے درمیان رہتے ہوئے عروسہ کر لوں اور تم لوگوں کو کھانے کی دعوت دوں!"

مگر قریش نے جواب میں کہا:

"ہمیں آپ کے کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ ہماری سرزمین سے نکل جائیے آپ کے تین دن پورے ہو چکے ہیں!"

ایک روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ نے قریش سے یہ فرمایا تھا:

"میں نے تمہاری ایک عورت سے نکاح کیا ہے۔ اب اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں ہونا چاہئے کہ میں یہیں رہ کر اس سے خلوت کر لوں اور پھر کھانا تیار کراؤں اور تم لوگ بھی ہمارے ساتھ دعوت میں شریک ہو!"

ایک روایت میں ہے کہ قریش کے لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آپ کے قبّہ میں آئے جو ابطح کے مقام پر نصب تھا۔ یہ دوپہر کا وقت تھا۔ ایک قول ہے کہ صبح کا وقت تھا۔ بہر حال ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ ان دونوں وقتوں میں آئے ہوں۔

حویطب کی بدکلامی اور بن عبادہ کا غصہ ...... جس وقت یہ لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تو آپ انصاریوں کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت سعدؓ ابن عبادہ سے گفتگو فرما رہے تھے۔ حویطب نے آتے ہی چلا کر کہا کہ میں آپ کو اللہ اور اس معاہدہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ آپ ہماری سرزمین سے چلے جائیے کیونکہ تین دن گزر چکے ہیں۔ حضرت سعدؓ ابن عبادہ کو حویطب کے چیخنے اور آنحضرت ﷺ کو اس بیہودہ انداز میں پکارنے پر غصہ آگیا۔ انہوں نے غضبناک ہو کر حویطب سے کہا:

"تیری ماں نہ رہے۔ تو جھوٹا ہے۔ یہ زمین نہ تیری ہے اور نہ تیرے باپ کی ہے!"

ایک روایت میں سعدؓ ابن عبادہ نے حویطب کو گالی دے کر کہا:

"اپنی ماں کے حرام نطفے۔ یہ زمین نہ تیری یا تیری ماں کی ہے۔! سن لے۔ نہ یہ زمین تیری ہے نہ تیرے باپ دادا کی ہے۔ خدا کی قسم آنحضرت ﷺ اس سرزمین سے صرف اپنی خوشی اور رضامندی سے ہی جا سکتے ہیں!"

آنحضرت ﷺ اس پر مسکرائے اور فرمانے لگے:

"سعد! ان لوگوں کی توہین نہ کرو جو ہمارے خیمے میں ہم سے ملنے آئے ہیں!"

مکے سے واپسی...... اس کے بعد آپ نے دونوں فریقوں کو خاموش اور ٹھنڈا کیا۔ پھر آپ نے حضرت ابو رافعؓ کو حکم دیا کہ لوگوں میں کوچ کا اعلان کر دیں کہ شام سے پہلے سب لوگ یہاں سے روانہ ہو جائیں۔ ساتھ ہی آپ نے ابو رافعؓ کو مکے میں چھوڑا تاکہ وہ شام میں حضرت میمونہ کو لے کر آجائیں۔ چنانچہ بعد میں ابو رافع حضرت میمونہ کو لے کر گئے۔

قریش کی بدتمیزی...... مکے کے اوباشوں نے حضرت میمونہؓ کے ساتھ نہایت بے تمیزی کا سلوک کیا چنانچہ حضرت ابو رافعؓ سے روایت ہے کہ مکے والوں میں جو بد نہاد مشرکین ہیں انہوں نے ہمارے ساتھ بیہودگی کا برتاؤ کیا اور رسول اللہ ﷺ اور حضرت میمونہؓ کو زیادہ برا بھلا کہا۔ آخر میں نے ان لوگوں سے کہا:

"آخر تم لوگ چاہتے کیا ہو۔ خدا کی قسم یہیں بطن تاجج کے مقام پر ہمارے سوار اور ہتھیار وغیرہ موجود ہیں اور تم لوگ عہد شکنی کر رہے ہو جب کہ اس کی مدت ابھی باقی ہے!"۔ تب جا کر ان لوگوں نے پیچھا چھوڑا اور ڈر کر وہاں سے چلے گئے۔

سرف میں قیام اور عروسی...... مکے سے روانہ ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ سرف کے مقام پر ٹھہرے جو مسجد عائشہ اور بطن مروہ کے درمیان ایک جگہ ہے۔ یہ سرف کا مقام مسجد عائشہ کے قریب ہے۔

یہاں سرف کے مقام پر رسول اللہ ﷺ نے ایک درخت کے نیچے حضرت میمونہ کے ساتھ عروسی فرمائی۔ بعد میں اسی مقام پر حضرت میمونہؓ کی وفات ہوئی اور یہیں وہ دفن بھی کی گئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اطلاع دی تھی کہ ان کی موت مکے میں نہیں ہوگی۔

میمونہؓ کا عروس اور مدفن...... چنانچہ حضرت میمونہؓ جب مرض وفات میں گرفتار ہوئیں اور بیماری بہت زیادہ بڑھ گئی تو اس وقت وہ مکے میں تھیں۔ انہوں نے اس وقت کہا:

"مجھے مکے سے کہیں لے جاؤ میری موت مکے میں نہیں ہوگی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس بات کی خبر دی تھی!"

چنانچہ اس پر انہیں مکے سے منتقل کر کے اسی مقام پر لے آیا گیا پھر وہیں ان کی وفات ہوئی اور وہیں ان کو دفن کیا گیا۔

حضرت میمونہؓ آخری عورت ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ نے نکاح کیا اسی طرح آنحضرت ﷺ کی ازواج میں ان ہی کی وفات سب سے آخر میں ہوئی۔

مکے میں داخلہ پر ابن رواحہؓ کے اشعار...... جس وقت رسول اللہ ﷺ مکے میں داخل ہو رہے تھے تو حضرت عبداللہؓ ابن رواحہ نے رکاب پکڑ رکھی تھی۔ ایک قول ہے کہ آپ کی اونٹنی کی لگام پکڑ رکھی تھی۔ اس وقت وہ یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

خلّوا بني الكفار عن سبيله
خلوا فكلّ الخير في رسوله

ترجمہ: اے کفار آنحضرت ﷺ کیلئے راستہ خالی کر دو اور تمہیں آنحضرت ﷺ کا راستہ چھوڑنا ہی پڑے گا کیونکہ آج ہر خیر آنحضرت ﷺ کے حصے میں لکھ دی گئی ہے۔

قد أنزل الرحمن في تنزيله
بان خير القتل في سبيله

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں پاک صاف صاف فرمادیا ہے کہ بہترین کلام اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔

فالیوم نضربکم علی تاویله
کما ضربناکم علی تنزیله

ترجمہ: آج ہم قرآن کے معانی کو قائم کرنے کیلئے تم سے لڑیں گے جیسا کہ کل ہم قرآن کے نزول کے متعلق تم سب سے لڑے تھے۔

ایک روایت میں اس کا دوسرا مصرعہ یوں ہے۔

کما ضربنا کم علی تنزیله
ضرباً یزیل الهام عن مقیله
او یذهل الخلیل عن خلیله

ترجمہ: ایسی ضرب لگائیں گے کہ کھوپڑیاں شانوں سے جدا ہو جائیں گی۔ اور یہ ضرب اتنی کاری ہوگی کہ پھر کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکے گا۔

حضرت عمرؓ کی سرزنش...... یہ اشعار حضرت عمارؓ ابن یاسر نے جنگ صفین کے موقعہ پر پڑھے تھے مگر یہ بات ممکن ہے کہ یہ شعر حضرت عبداللہؓ ابن رواحہ کے ہوں اور حضرت عمارؓ نے ان کو پڑھا ہو۔ جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے جس کے مطابق آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میری جنگیں نزول قرآن کے لئے ہیں (کہ لوگ اس کی صداقت کو جھٹلاتے ہیں) اور علی کی جنگیں قرآن کے معانی اور صحیح مطالب کو قائم کرنے کے لئے ہوں گی۔ تو اس کے متعلق دار قطنی نے کہا ہے کہ یہ روایت صرف ایک شیعہ یعنی رافضی شخص نے پیش کی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جب حضرت عبداللہ ابن رواحہ یہ شعر پڑھ رہے تھے تو حضرت عمر نے ان کو ٹوکتے ہوئے کہا:

"ابن رواحہ خاموش ہو جاؤ۔ رسول اللہ ﷺ کے سامنے اور اللہ کے حرم میں تم یہ شعر پڑھ رہے ہو!"

آنحضرت ﷺ کی پسندیدگی...... مگر آنحضرت ﷺ نے فاروق اعظم کو منع کیا اور فرمایا:

"عمر انہیں پڑھنے دو۔ کیونکہ ان کے شعر تیروں سے بھی زیادہ تیز ہیں!" کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن رواحہ سے فرمایا:

"سنو ابن رواحہ۔ یوں کہو۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کا وعدہ پورا ہوا۔ اس نے اپنے بندے کی مدد فرمائی۔ اور اپنے لشکر کو سربلند کیا اور تمام احزاب یعنی اسلام کے مخالف گروہوں کو تنہا اس کی ذات نے شکست دے دی!"

چنانچہ اس کے بعد حضرت ابن اروا حہؓ نے بھی یہی کلمات کہے اور دوسرے لوگوں نے بھی یہی کلمات کہے۔ کتاب امتاع میں ہے کہ حضرت ابن رواحہؓ طواف کرتے ہوئے اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے تھے اور رجزیہ کلام پڑھتے جاتے تھے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان کو وہی کلمات بتلائے جو گزشتہ سطروں میں بیان ہوئے اور فرمایا کہ انہیں پڑھو۔ چنانچہ اس کے بعد ابن رواحہ اور سب مسلمانوں نے یہی کلمات کہنے شروع کر دیئے۔

سواری پر طواف اور کعبہ میں داخلہ...... رسول اللہ ﷺ نے اپنی سواری پر بیت اللہ کا طواف فرمایا اور حجر اسود کی گہرائی والے حصہ کو چوما۔ کہا جاتا ہے کہ پھر رسول اللہ ﷺ کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور اس وقت تک وہیں رہے جبتک حضرت بلالؓ نے ظہر کی اذان نہیں دیدی، حضرت بلالؓ نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی تھی ابو جہل کے بیٹے عکرمہ نے اذان سن کر کہا:

"اللہ تعالیٰ نے ابوالحکم (یعنی ان کے باپ ابو جہل) کو یہ عزت دی کہ انہیں اس غلام کے یہ کلمات سننے سے پہلے ہی اٹھالیا!"

اذان سن کر مشرکین کے تبصرے......اسی طرح صفوان ابن امیہ نے یہ سب دیکھ کر کہا:

"اللہ کا شکر ہے کہ میرے باپ یہ منظر دیکھنے سے پہلے ہی ختم ہو چکے ہیں!

خالد ابن اسید نے اذان سنی تو یہ کلمات کہے:

"اللہ کا شکر ہے کہ میرے باپ پہلے ہی رخصت ہو چکے ہیں اور انہوں نے یہ دن نہیں دیکھا کہ بلال کعبہ کی چھت پر چڑھا ہوا۔ ینک رہا ہے!"

سہیل ابن عمرو نے جیسے ہی اذان سنی اور یہ منظر دیکھا تو اپنا منہ ڈھانک لیا۔ یہ سب لوگ وہ ہیں جو بعد میں مسلمان ہوئے (اور اسلام کے سپاہی بنے ان میں سے اکثر لوگ فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوئے جن کی تفصیل آگے بیان ہو گی)

بعض علماء نے کہا ہے کہ جہاں تک آنحضرت ﷺ کے کعبہ کے اندر داخل ہونے اور بلال کے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دینے کا تعلق ہے تو اس کو عمرۂ قضا کا واقعہ کہنا مشہور قول کے خلاف ہے کیونکہ مشہور قول یہ ہے کہ یہ واقعہ فتح مکہ کے وقت کا ہے۔ چنانچہ اسی بات کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ میں داخل نہیں ہو سکے تھے۔ آپ نے جب کعبہ کے اندر داخل ہونا چاہا تو مشرکین قریش نے آپ کو اس سے منع کر دیا اور کہا کہ یہ بات معاہدہ کی شرائط میں شامل نہیں ہے (یعنی آپ صرف اتنا ہی کر سکتے ہیں جتنا معاہدے میں لکھا گیا ہے) اس کے بعد آپ نے حضرت بلالؓ کو اذان دینے کا حکم دیا تو انہوں نے کعبہ کی چھت پر سے اذان دی مگر صرف ایک ہی مرتبہ ایسا کیا جا سکا اس کے بعد وہ ایسا نہیں کر سکے۔ علامہ واقدی نے اس قول کے متعلق کہا ہے کہ یہ زیادہ مضبوط ہے۔

مؤلف کہتے ہیں: جہاں تک پہلی روایت کا تعلق ہے اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"میں کعبہ کے اندر داخل ہوا۔ اگر یہ صرف میرا معاملہ ہوتا تو میں اس سے پیچھے نہ ہٹتا۔ مگر اب میں اس لئے بیت اللہ میں داخل نہیں ہوتا کہ مجھے ڈر ہے کہ میرے بعد میری امت کے لئے کعبہ کے اندر داخلے میں بڑی مشقت ہو گی اور لوگ اس کو سنت بنا لیں گے!"

امت کے لئے ایک سہولت......(مگر اس حدیث میں اس کی وضاحت نہیں ہے کہ یہ کس موقعہ کی بات ہے لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ یہ داخلہ عمرہ قضا کے موقعہ پر ہوا تھا بلکہ) ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان فتح مکہ کے وقت کا ہو۔ نیز اس بات کو آنحضرت ﷺ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دینا مناسب ہو گا کیونکہ (اگر کعبہ کے اندر داخلہ ضروری قرار دے دیا جاتا تو) لوگوں کو اس میں سخت دقت اور پریشانی پیش آتی۔ خاص طور پر حج کے زمانے میں (جب کہ لاکھوں آدمیوں کا ہجوم ہوتا ہے اور طواف کرنا بھی مشکل ہوتا ہے) ایسے میں کعبہ کے اندر داخلہ کی کوشش سے ناقابل بیان تکلیف پیش آتی اور اس میں ناخوشگوار واقعات رونما ہوتے (لہٰذا آنحضرت ﷺ نے ان سب باتوں کو اسی وقت محسوس فرما کر داخلہ کو ضروری قرار نہیں دیا یہ بات آپ کی نبوت کی ایک نشانی ہی ہے)

عمرہ کی ادائیگی......اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صفا اور مروہ کے درمیان سعی فرمائی نیز آپ نے ھدی یعنی قربانی کے جانور مروہ کے قریب کھڑے کئے اور فرمایا:

"یہ منحر یعنی ذبح کرنے کی جگہ ہے اور مکے کی ہر گھاٹی منحر ہے!"۔

پھر آپ نے وہیں جانور ذبح کیا اور سر منڈایا۔ مجھے اس شخص کا نام نہیں معلوم ہو سکا جس نے اس عمرہ کے موقعہ پر آپ کا

سر مونڈا تھا۔ پھر میں نے کتاب امتاع دیکھی اس میں ہے کہ معتمر ابن عبداللہ عدوی نے آپ کا سر مونڈا تھا۔

پھر دوسرے سب مسلمانوں نے جو کچھ رسول اللہ ﷺ کو کرتے دیکھا وہی خود بھی کیا جس کے پاس بدنہ یعنی قربانی کا اونٹ یا گائے نہیں تھی اس نے گائے میں حصہ لے کر قربانی کا فریضہ انجام دیا۔ اسی زمانے میں مکے میں ایک شخص ایک گائے لے کر آیا تھا جسے کچھ مسلمانوں نے اس سے خرید لیا تھا۔

قربانی کر کے اور سر منڈا کر جو لوگ عمرہ کے احرام سے حلال ہو جاتے آنحضرت ﷺ ان کو حکم دیتے کہ وہ لوگ ہتھیاروں کی نگرانی پر چلے جائیں اور ان کی جگہ دوسرے لوگ وہاں سے آکر عمرہ سے فارغ ہولیں۔ چنانچہ اسی ترتیب سے سب لوگ عمرہ سے فارغ ہو گئے۔

مکے سے روانگی اور عمارہ بنت حمزہ...... جب رسول اللہ ﷺ مکے سے روانہ ہوئے عمارہ آپ کے پیچھے پیچھے ہولیں۔ ایک قول ہے کہ ان کا نام داوی کے نام پر تھا۔ ایک قول ہے کہ ان کا نام امامہ تھا اور ایک قول کے مطابق امتہ اللہ نام تھا۔ علامہ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ ان کا نام امامہ تھا۔ ان کی والدہ سلمٰی بنت عمیس تھیں اور عمیس آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت حمزہ کی صاحبزادی تھیں۔

غرض یہ امامہ یا عمارہ آنحضرت ﷺ کے پیچھے آپ کو چچا چچا کہتی ہوئی دوڑیں۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ یہ حضرت ابورافع کے ساتھ آئی تھیں۔ حضرت علیؓ نے ان کو دیکھا تو ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ لے چلے اور حضرت فاطمہؓ کے پاس لا کر بولے کہ لو۔ یہ تمہارے چچا کی بیٹی ہے۔

کشمکش...... جب مسلمان یہاں سے چل کر مدینہ پہنچے تو عمارہ کے متعلق حضرت علی اور ان کے بھائی جعفر اور زید ابن حارثہ کے درمیان جھگڑا ہونے لگا (یعنی ان تینوں میں سے ہر ایک ان کو لینا چاہتا تھا اور خود ان کا حقدار سمجھتا تھا) چنانچہ حضرت زید نے کہا:

"اس پر سب سے زیادہ حق میرا ہے کیونکہ یہ میرے بھائی کی بیٹی ہے۔ اور میں ہی اس کا سرپرست اور ولی ہوں!"

انہوں نے عمارہ کو اپنی بھتیجی اس لئے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے جب مسلمانوں کے درمیان بھائی چارہ اور اخوت کے رشتے قائم فرمائے تھے تو حضرت زید کو حضرت حمزہ کا بھائی بنایا تھا یعنی حضرت حمزہ کو زید ابن حارثہ کا سرپرست بنایا تھا۔

(دوسری طرف حضرت علیؓ بھی اس لڑکی کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے) انہوں نے کہا:

"اس کا سب سے بڑا حقدار میں ہوں کیونکہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور میں ہی اس کو مکے سے لے کر آیا ہوں!"

جعفر کی بیوی عمارہ کی خالہ...... (ادھر حضرت جعفرؓ بھی اس بچی کو لینے کے لئے اتنے ہی بیتاب تھے) انہوں نے کہا:

"اس پر سب سے زیادہ حق میرا ہے کیونکہ ایک تو یہ میرے چچا کی بیٹی اور دوسرے اس کی خالہ میری بیوی ہے!"

جعفر کے حق میں فیصلہ...... بچی کی خالہ سے مراد حضرت اسماء بنت عمیس ہیں جو حضرت جعفرؓ کے گھر میں تھیں۔

(چنانچہ ان تینوں کا جھگڑا رسول اللہ ﷺ کے سامنے آیا تو) آپ نے اس بچی کے متعلق حضرت جعفر کے حق میں فیصلہ دیا اور فرمایا کہ خالہ ماں کے ہی درجہ میں ہے۔

کتاب امتاع میں یہ ہے کہ اس لڑکی عمارہ بنت حمزہ کے متعلق حضرت علیؓ نے رسول اللہ سے گفتگو کی تھی۔ یہ بچی مکے میں اپنی خالہ حضرت سلمٰی بنت عمیس کے ساتھ رہتی تھی۔ حضرت علیؓ (ان کی بے کسی پر بہت آزردہ ہوئے تھے اور انہوں) نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

"ہم اپنے چچا کی بیٹی کو ان مشرکوں کے بیچ میں آخر کس پر اور کیوں چھوڑیں؟"

جعفر کا جوش مسرت...... پھر جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت جعفرؓ کے حق میں فیصلہ فرمادیا تو وہ خوشی کے مارے ایک ٹانگ پر اچھل اچھل کر آنحضرت ﷺ کے گرد کودنے لگے آپ نے ان کی یہ حرکت دیکھ کر پوچھا کہ جعفر کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! نجاشی جب کسی شخص سے بہت زیادہ خوش ہوتا تھا تو اس کے گرد ایک ٹانگ پر اچھلنے کودنے لگتا تھا!"

یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ خیبر کے موقعہ پر بھی وہ اسی طرح کر چکے تھے (پھر آنحضرت ﷺ نے ان سے اب اس اچھل کود کا سبب کیوں پوچھا؟) جب کہ خیبر والے واقعہ کو زیادہ عرصہ بھی نہیں گزرا تھا۔ اس کے جوب میں کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے خیبر میں حضرت جعفر نے یہ اچھل کود کی ہو مگر آنحضرت ﷺ نے نہ دیکھی ہو۔

خالہ کا درجہ...... غرض آنحضرت ﷺ نے حضرت جعفر کے حق میں اس لئے فیصلہ فرمایا کہ ان کے گھر میں عمارہ کی خالہ تھیں)۔ ایک روایت میں آنحضرت ﷺ کے یہ الفاظ ہیں کہ۔ کسی عورت کا نکاح اس شخص سے نہیں ہوسکتا جس کے گھر میں پہلے ہی اس عورت کی پھوپھی ہو یا خالہ ہو۔ یہاں بچے کی پرورش کے سلسلے میں (ماں کے بعد) خالہ کا درجہ پھوپی سے پہلے رکھا گیا ہے کیونکہ اس بچی کو اس کی خالہ کے سپرد کیا گیا جب کہ اس کی پھوپھی حضرت صفیہ یعنی حضرت حمزہؓ کی بہن اس وقت موجود تھیں۔ بہر حال یہ ایک قابل غور شبہ ہے۔

علیؓ و زیدؓ کی دلداری...... اس موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا:

"تم میرے بھائی اور میرے ساتھی ہو۔ ایک روایت میں یہ لفظ بھی ہیں کہ تم مجھ میں سے ہو اور میں تم میں ہو!"

پھر آپ نے حضرت جعفر طیار سے فرمایا:

"میری صورت اور میری سیرت میں تم سب سے زیادہ مشابہ ہو!"

حضرت جعفرؓ سے آنحضرت ﷺ کا یہی ارشاد غزوۂ خیبر کے بیان میں بھی گزر چکا ہے۔

غرض اس کے بعد آپ نے حضرت زید ابن حارثہ سے فرمایا:

تم میرے بھائی اور میرے غلام ہو۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ تم اللہ کے اور اس کے رسول کے غلام ہو!"

غزوۂ مُوتہ

لفظ مُوتہ...... لفظ مُوتہ میں میم پر پیش ہے اور ہمزہ ساکن ہے۔ یہ لفظ بغیر ہمزہ کے بھی لکھا اور بولا جاتا ہے یہ کرک کے قریب ایک مشہور مقام کا نام ہے علامہ سہیلی کے کلام میں یہ لفظ مؤتہ ہے جس میں ہمزہ ہے۔ پھر انہوں نے لکھا ہے کہ بغیر ہمزہ کے جو لفظ موتہ ہے وہ جنون کی ایک قسم کو کہتے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی صلاۃ یعنی دعاؤں میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ مِنْ هَمَزِهٖ وَنَفَخِهٖ وَنَفَثِهٖ

ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے اور اس کے جنون سے اور اس کے تکبر و غرور سے اور اس کے سحر اور جادو سے۔

اس حدیث کے راوی نے ان الفاظ کی خود ہی تشریح کی ہے اور کہا ہے کہ نفث سے مراد سحر اور جادو ہے۔ نفخ سے مراد تکبر اور بڑائی ہے اور همز سے مراد موتہ ہے یعنی جنون کی ایک قسم مراد ہے یہاں تک راوی کا حوالہ ہے۔

غزوہ کی تاریخ اور سبب...... یہ غزوہ جمادی الاول ۸ھ میں پیش آیا۔ اس غزوہ کا سبب یہ ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے بادشاہ روم ہرقل کے نام اپنا نامہ مبارک بھیجا تھا۔ یہ نامہ مبارک حرث ابن عمیر ازدیؓ لے کر ملک شام میں ہرقل کے پاس جا رہے تھے۔ جب حرثؓ موتہ کے مقام پر پہنچے تو شرحبیل ابن عمرو غسانی نے ان کو روکا۔ یہ شرحبیل قیصر روم کی طرف سے شام کے اس علاقے کا امیر اور بادشاہ تھا۔ شرحبیل نے حضرت حرث ابن عمرؓ کو دیکھ کر کہا:

"تم کہاں جا رہے ہو؟ شاید تم محمد ﷺ کے قاصدوں میں سے ہو!"

شاہ موتہ کے ہاتھوں قاصد نبوی کا قتل...... حرث نے اقرار کیا۔ شرحبیل نے یہ سنتے ہی ان کو رسیوں سے بندھوایا اور پھر آگے بڑھ کر ان کی گردن مار دی۔

آنحضرت ﷺ کے قاصدوں میں یہ حرث پہلے شخص ہیں جن کو قتل کیا گیا ان کے علاوہ آپ کے اور کسی قاصد کو قتل نہیں کیا گیا۔ (آنحضرت ﷺ نے دنیا کے مشہور بادشاہوں کے نام جو نامہ ہائے مبارک بھیجے تھے ان کو فرامین نبوی کہا جاتا ہے اور ان کی تفصیل آگے آئے گی)۔

آنحضرت ﷺ کو صدمہ اور لشکر کی تیاری...... جب رسول اللہ ﷺ کو اس حادثہ کا علم ہوا تو آپ کو بے حد رنج و صدمہ ہوا۔ آپ نے فوراً ہی صحابہ کا ایک لشکر تیار کیا جس کی تعداد تین ہزار تھی۔ آپ نے ان لوگوں کو شاہ روم سے جنگ کرنے کیلئے روانہ کیا اور اس لشکر کا امیر حضرت زیدؓ ابن حارثہ کو بنایا۔

شہداء کی پیشگی نشاندہی...... (جب یہ لشکر کوچ کے لئے تیار ہو گیا تو) آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو خطاب کر کے فرمایا:

"اگر زید ابن حارثہ قتل ہو جائیں تو ان کی جگہ جعفر ابن ابو طالب لشکر کے امیر ہوں گے۔ اگر جعفر ابن ابو طالب بھی شہید ہو جائیں تو ان کی جگہ عبداللہ ابن رواحہ لیں"۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ۔ "اور اگر عبداللہ ابن رواحہ بھی شہید ہو جائیں تو پھر جس شخص پر بھی مسلمان راضی ہوں اس کو اپنا امیر بنا لیں"۔

پیشین گوئی پر ایک یہودی کا ردّ عمل...... اس موقعہ پر ایک یہودی شخص بھی موجود تھا۔ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سننے کے بعد اس نے آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے کہا:

"ابوالقاسم! اگر واقعی آپ نبی ہیں تو جن جن لوگوں کے آپ نے نام لئے ہیں وہ سب اس جنگ میں قتل ہو جائیں گے کیونکہ بنی اسرائیل کے انبیاءؑ میں سے جب بھی کسی نبی نے کسی شخص کو لشکر یا جماعت کا امیر بنا کر یہ کہہ دیا کہ۔ اگر یہ ختم ہو جائے۔ تو لازمی طور پر وہ شخص اسی سفر میں ختم ہو جاتا تھا چاہے اس نبی نے اس طرح سو آدمی ہی کیوں نہ گنائے ہوں!"

(یعنی اگر ایک نبی سو آدمیوں کے متعلق بھی اس طرح کا جملہ کہہ دے تو وہ سب ہی ختم ہو جائیں گے) اس کے بعد وہ یہودی حضرت زید ابن حارثہ سے کہنے لگا:

"اگر یہ واقعی نبی ہیں تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم اب واپس نہیں آؤ گے!"

اس پر حضرت زیدؓ اس سے کہہ رہے تھے:

میں گواہی دیتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ سچے نبی ہیں!"

زید کو پرچم اور آنحضرت ﷺ کی نصیحتیں...... پھر آنحضرت ﷺ نے ایک سفید رنگ کا پرچم تیار کیا اور وہ زید ابن حارثہؓ کو دیا ساتھ ہی آپ نے مجاہدین کو نصیحت فرمائی کہ جہاں حضرت حرث ابن عمیر کو قتل کیا گیا ہے وہاں پہنچیں تو جو لوگ وہاں رہتے ہیں انہیں پہلے اسلام کی دعوت دیں۔ اگر وہ اس دعوت کو قبول کر لیں تو ٹھیک ہے ورنہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے ان کے مقابلے میں مدد مانگنا اور ان سے جنگ کرنا۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو موتہ جانے سے منع فرمایا تھا مگر (راستے میں) لشکر کہر کے درمیان ایسا گھر گیا کہ لوگوں کو سمت اور رخ کا کچھ اندازہ نہ ہو سکا یہاں تک کہ صبح ہوئی تو انہوں نے خود کو موتہ کے مقام پر پایا۔

اہل مدینہ کی دعائیں...... غرض مدینے سے روانگی کے وقت مسلمانوں نے لشکر کو رخصت کرتے ہوئے کہا:

"اللہ تمہارا ساتھی ہو۔ تمہاری مدافعت فرمائے اور تمہیں خیر و خوشی کے ساتھ ہمارے درمیان واپس لائے!"

کہا جاتا ہے کہ جب لشکر کوچ کر رہا تھا تو آنحضرت ﷺ ثنیۃ الوداع کے مقام تک رخصت کرنے کے لئے تشریف لائے یہاں آپ نے ٹھہر کر لوگوں کو نصیحتیں کیں اور فرمایا:

"میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ تمہارے ساتھ جو مسلمان ہیں میں ان سب کے لئے عافیت و خیر مانگتا ہوں۔ اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو اور اللہ کے اور اپنے دشمنوں سے شام کی سرزمین میں جا کر جنگ کرو۔ وہاں تمہیں عبادت گاہوں اور خانقاہوں میں رہنے والے ایسے لوگ ملیں گے جو دنیا سے کنارہ کش ہو چکے ہیں ان سے بالکل مت الجھنا، کسی عورت پر، بچے پر اور بوڑھے پر تلوار مت اٹھانا۔ نہ درختوں کو کاٹنا اور عمارتوں کو مسمار کرنا!"

رومیوں کا عظیم الشان لشکر...... دوسری طرف مسلمانوں نے انہیں الوداع کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائے اور تمہیں مال غنیمت کے ساتھ واپس لائے۔

ان دعاؤں اور نصیحتوں کے سائے میں لشکر روانہ ہوا یہاں تک کہ مسلمانوں نے شام کی سرزمین میں پہنچ کر ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ یہاں پہنچ کر صحابہ کو معلوم ہوا کہ ہرقل بادشاہ روم ایک لاکھ رومی فوج کے ساتھ تیار ہے۔ اس کے علاوہ عرب کے نصرانی قبائل بنی بکر، لخم اور جذام بھی چاروں طرف سے آکر ہرقل کے گرد جمع ہو گئے ہیں اور اس لشکر کی تعداد بھی ایک لاکھ ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ہر قل کے لشکر میں دو لاکھ رومی سپاہ تھی اور پچاس ہزار عرب قبائل تھے۔ پھر ان کے لشکر میں بے شمار گھوڑے، ہتھیار اور وہ ساز و سامان تھا جو مسلمانوں کے پاس نہیں تھا۔ ان کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد صرف تین ہزار تھی جیسا کہ بیان ہوا۔

صحابہ کی ہچکچاہٹ اور ابن رواحہ کا جذبہ پر جوش..... جب مسلمانوں کو یہ تفصیلات معلوم ہوئیں تو انہوں نے پیش قدمی روک کر وہیں دو رات قیام کیا اور اس پر غور کرتے رہے کہ آیا رسول اللہ ﷺ کے پاس قاصد بھیج کر آپ کو دشمن کی تعداد سے باخبر کیا جائے تاکہ آپ یا تو مزید کمک بھیجیں اور یا واپسی کا حکم دیں۔ تو اس پر عمل کیا جائے۔

اس وقت عبداللہ ابن رواحہ نے مسلمانوں کو جوش دلایا اور کہا:

"لوگو۔ خدا کی قسم اب آپ اسی مقصد سے دامن بچا رہے ہیں جس کیلئے وطن سے نکلے تھے۔ آپ لوگ شہادت کی تلاش میں نکلے تھے۔ لوگوں کے ساتھ ہم نہ تعداد کے بَل پر لڑتے ہیں اور نہ قوت و کثرت کے بل پر جنگ کرتے ہیں۔ ہم تو صرف اس دین کے بَل پر لڑتے ہیں جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سرفراز فرمایا ہے حقیقت میں ہمارے سامنے دو میں سے ایک خیر ہے۔ یا تو فتح و نصرت اور یا شہادت!"

آغازِ جنگ..... یہ پُر جوش کلمات سن کر صحابہ بولے کہ خدا کی قسم ابن رواحہ نے بالکل ٹھیک کہا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد لشکر آگے روانہ ہوا یہاں تک کہ ہر قل بادشاہ روم کے رومی اور عربی لشکر سے ان کا سامنا ہو گیا۔ مسلمان موتہ کی طرف بڑھ کر ٹھہرے اور وہیں دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ ہوئی اور جنگ شروع ہو گئی۔

زید کی شہادت..... حضرت زید ابن حارثہؓ رسول اللہ ﷺ کا پرچم یعنی لواء ہاتھ میں لئے ہوئے جنگ کر رہے تھے یہاں تک کہ لڑتے لڑتے وہ شہید ہو گئے۔ اسی وقت حضرت جعفرؓ نے پرچم لے لیا اور اپنے سرخ رنگ کے گھوڑے پر سوار جنگ کرنے لگے۔ مگر پھر انہوں نے گھوڑے سے اتر کر اس کی گردن کاٹ ڈالی۔ حضرت جعفرؓ مسلمانوں میں پہلے آدمی ہیں جنہوں نے اپنے گھوڑے کو کاٹ ڈالا اور یہی وہ پہلا گھوڑا ہے جو اللہ کے راستے میں مار ڈالا گیا۔ انہوں نے اس خطرے کے پیش نظر اپنے گھوڑے کو مار ڈالا کہ مبادا کفار اس پر قبضہ کر لیں اور پھر اسی پر سوار ہو کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوں۔ ان کی اسی نیت کی وجہ سے صحابہ میں سے کسی نے بھی ان کے اس فعل پر ناگواری اور ناخوشی ظاہر نہیں کی۔

جعفر کی شہادت..... اسی واقعہ کو دلیل بنا کر بعض علماء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اگر کسی کو یہ خطرہ ہو کہ مشرکین اس کے جانور کو حاصل کر کے اسے مسلمانوں ہی کے خلاف استعمال کریں گے تو اس شخص کے لئے جانور کو مار ڈالنا جائز ہے (ورنہ بے سبب جانور کو مار ڈالنا درست نہیں ہے)

غرض اپنے گھوڑے کو ختم کرنے کے بعد حضرت جعفرؓ نے نہایت سختی سے جنگ شروع کر دی یہاں تک کہ ایک حملہ میں ان کا داہنا ہاتھ کٹ گیا تو انہوں نے اپنے بائیں ہاتھ میں پرچم سنبھال لیا۔ کچھ ہی دیر میں کسی کے وار سے ان کا بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا تو انہوں نے پرچم کو اپنی گود میں رکھ کر بدن کے سہارے سے سنبھالے رکھا۔ اور اسی حالت میں وہ شہید ہو گئے۔

ابنِ رواحہؓ کی شہادت..... اسی وقت حضرت عبداللہ ابن رواحہ نے پرچم اٹھا کر سنبھال لیا وہ گھوڑے پر سوار تھے، پرچم اٹھا کر آگے بڑھ گئے۔ اس وقت وہ بار بار گھوڑے سے اترنے کو سوچتے اور ہچکچاتے رہے آخر کچھ دیر بعد وہ گھوڑے سے اتر آئے اور شدید جنگ کرنے لگے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

گھمسان کی جنگ...... اب مسلمان اور عیسائی ایک دوسرے کی صفوں میں گھس چکے تھے اور گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی (چونکہ مشرکوں کی تعداد بے شمار تھی اور مسلمانوں کو ان سے کوئی بھی نسبت نہیں تھی کیونکہ عیسائی ڈھائی لاکھ تھے جب کہ مسلمان صرف تین ہزار ہی تھی اس لئے) بعض مسلمانوں نے پسپا ہونے کا ارادہ کیا مگر اسی وقت حضرت عقبہؓ ابن عامر نے پکار کر مسلمانوں سے کہا:

"لوگو! اگر انسان سینے پر زخم کھا کر قتل ہو تو یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ پیٹھ پر زخم کھا کر مرے!"

اس کے بعد حضرت ثابت ابن ارقم نے پرچم سنبھال لیا اور پھر پکار کر صحابہ سے بولے:

"مسلمانو! اپنے میں سے کسی شخص کا انتخاب کر لو (تاکہ اسے امیر بنا کر پرچم حوالے کیا جائے!)"

خالدؓ کی سرداری...... لوگوں نے کہا آپ ہی ٹھیک ہیں۔ انہوں نے کہا میں اس پر بالکل راضی نہیں ہوں۔ آخر سب نے متفق ہو کر حضرت خالدؓ ابن ولید کو امیر بنا لیا (اور پرچم انہوں نے سنبھال لیا) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خود ثابت ابن ارقم نے ہی پرچم ان کے حوالے کر دیا تھا اور کہا جاتا تھا کہ جنگ کے اصول و فن آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔

حضرت خالدؓ نے کہا:

میرے مقابلے میں آپ اس کے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ آپ ان لوگوں میں سے ہیں جو غزوۂ بدر میں شریک ہو چکے ہیں۔

خالدؓ کی جنگی حکمت عملی...... غرض جب سب نے متفق ہو کر حضرت خالد کو امیر بنا دیا تو انہوں نے پرچم لیا اور دشمن کو روکنے لگے اور ثابت قدمی کے ساتھ جنگ لڑنے لگے۔ آخر لڑتے لڑتے دونوں فریق بغیر شکست کھائے پیچھے ہٹ گئے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ مسلمانوں نے مشرکوں پر زبردست حملہ کیا اور ان کو شکست دے دی چنانچہ ابن سعد کہتے ہیں کہ جب حضرت خالد ابن ولیدؓ نے پرچم سنبھال لیا تو انہوں نے دشمن پر ایک زبردست حملہ کیا جس کے نتیجہ میں حق تعالیٰ نے دشمن کو بدترین شکست دی (اور جنگ کا پانسہ اس طرح صحابہ کے حق میں آگیا کہ) مسلمان جس کو اور جس طرح چاہتے تھے اپنی تلواروں سے قتل کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔

اس فتح کا ایک سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ امیر بننے کے بعد حضرت خالد نے صبح کو لشکر کے اگلے حصہ کو تو پیچھے کر دیا اور پچھلے حصہ کو آگے کر دیا۔ اسی طرح دائیں حصے کو بائیں جانب اور بائیں حصے کو دائیں طرف کر دیا (اور پورے لشکر کی ترتیب بدل دی) جب رومیوں سے آمنا سامنا ہوا تو انہیں ہر طرف نئے لوگ نظر آئے جس سے انہوں نے سمجھا کہ مسلمانوں کو کمک پہنچ گئی (اور نیا لشکر آگیا ہے) اس سے ان پر رعب و خوف طاری ہو گیا اور وہ شکست کھا گئے جس کے نتیجہ میں مسلمانوں نے انہیں اتنا قتل کیا کہ اس سے پہلے کسی کو نہیں کیا تھا۔ ممکن ہے کہ فتح مسلمانوں کی ابتدائی پسپائی کے بعد ہوئی ہو۔ لہٰذا دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف اور شبہ نہیں پیدا ہونا چاہئے"۔

یہ جنگ سات دن تک جاری رہی۔ بخاری نے حضرت خالدؓ سے روایت بیان کی ہے کہ جنگ موتہ کے موقعہ پر میرے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹیں صرف ایک صفیحہ یمانیہ یمنی تلوار ایسی تھی جو آخر تک میرا ساتھ دیتی رہی (یعنی جو بہت مضبوط ثابت ہوئی)۔

آنحضرت ﷺ کو وحی کے ذریعہ شہداء کی اطلاع...... ادھر موتہ کے مقام پر یہ جنگ ہو رہی تھی اور ادھر مدینہ میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو اس کا سب حال بتلا دیا اور آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو جنگ کی خبریں سنا دیں جب رسول اللہ ﷺ

کو وحی کے ذریعہ جنگ کی تفصیل معلوم ہوئی تو آپ نے لوگوں میں اعلان کرایا کہ سب لوگ نماز کے لئے مسجد نبوی میں آجائیں۔ سب کے جمع ہو جانے کے بعد آپ منبر پر چڑھے اس وقت آپ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ آپ نے فرمایا:

"لوگو! خیر کا دروازہ۔ خیر کا دروازہ۔ خیر کا دروازہ کھل گیا۔ میں تمہیں تمہارے لشکر کے متعلق بتلاتا ہوں۔ ان غازیوں کے متعلق۔ وہ لوگ یہاں سے رخصت ہو کر چلے یہاں تک کہ دشمن سے ان کی مڈ بھیڑ ہوگئی اور زید ابن حارثہ شہید ہو گئے۔ ان کیلئے مغفرت کی دعا مانگو پھر جعفرؓ نے پرچم لے لیا اور دشمن پر زبردست حملہ کر دیا یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے۔ ان کیلئے بھی مغفرت کی دعا کرو۔ پھر عبداللہؓ ابن رواحہ نے پرچم اٹھایا اور نہایت ثابت قدمی سے لڑے یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے۔ ان کیلئے بھی مغفرت کی دعا کرو۔ پھر خالدؓ ابن ولید نے پرچم اٹھایا وہ لشکر کے امیر نہیں تھے بلکہ خود اپنی ذات کے امیر تھے۔ مگر وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں اس لئے اللہ کی مدد تیار ہے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ پھر پرچم خالد ابن ولید نے لے لیا جو اللہ کے بہترین بندے ہیں۔ اپنے خاندانی بھائی ہیں اور اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں جسے حق تعالیٰ نے کفار اور منافقوں پر سونت دیا ہے۔ انہوں نے بغیر امیر بنے پرچم سنبھالا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دشمن پر فتح عطا فرمائی!"

حضرت خالدؓ اللہ کی تلوار...... ایک روایت کے مطابق پھر رسول اللہ ﷺ نے دعا کرتے ہوئے حضرت خالدؓ کے بارے میں فرمایا:

"اے اللہ! وہ تیری تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔ تو اس کی مدد فرما!"

اسی دن سے حضرت خالد کو سیف اللہ کہا جانے لگا۔ تقریباً گذشتہ الفاظ کے مطابق ایک روایت اور بھی ہے۔ عبداللہ ابن ابی اوفی سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن عوف نے رسول اللہ ﷺ سے حضرت خالد ابن ولید کی شکایت کی۔ آپ نے حضرت خالدؓ سے فرمایا:

"خالد! تم ایک ایسے شخص کو کیوں ستاتے ہو جو غزوۂ بدر میں شریک ہو چکا ہے۔ اگر تم احد پہاڑ کے برابر سونا بھی صدقہ کرو تو ان کے اس عمل کو نہیں پہنچ سکتے!"

حضرت خالدؓ نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! یہ لوگ میرے متعلق طرح طرح کی باتیں کہتے ہیں اس لئے میں ان کو جواب دیتا ہوں!"

آپ نے صحابہ سے فرمایا:

"خالد کو مت ستاؤ۔ یہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں جس کو حق تعالیٰ نے کفار پر بلند کر دیا ہے!"

یہ فتح...... بعض علماء نے کہا ہے کہ اس جنگ میں مسلمانوں کی جو بھی کامیابی تھی اس کو فتح و نصرت کہنا ایک واضح سی بات ہے کیونکہ دشمن کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ انہوں نے مسلمانوں کو تقریباً گھیر لیا تھا۔ رومیوں کی تعداد دو لاکھ سے زیادہ تھی جب کہ صحابہ صرف تین ہزار ہی تھے (لہٰذا ظاہر ہے ایسے مقابلہ میں دشمن کو روک دینا اور اس کی پیش قدمی بند کر دینا ہی بہت بڑی کامیابی ہے) جیسا کہ بیان ہوا کیونکہ قاعدے کے مطابق اور عادت کے لحاظ سے تو تمام مسلمانوں کو قتل ہو جانا چاہئے تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت خالد (اور ان کے لشکر) نے بے شمار نصرانیوں کو قتل کیا اور زبردست مقدار میں مال غنیمت حاصل کیا۔

مگر یہ بات اس روایت کے خلاف ہے کہ مسلمانوں نے رومیوں کا یہ سیلابی لشکر دیکھا تو ان میں سے ایک جماعت بھاگ کر مدینہ آگئی جس پر مدینہ والوں نے یہ کہہ کر ان کا استقبال کیا کہ تم لوگ بھگوڑے یعنی دشمن کو پیٹھ دکھا کر بھاگنے والے ہو۔ اس روایت کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

تعزیت کے لئے آنحضرت ﷺ جعفر کے گھر...... حضرت اسماء بنت عمیس سے روایت ہے جو حضرت جعفرؓ کی بیوی تھیں کہ جس روز حضرت جعفر اور ان کے ساتھی قتل ہوئے اسی روز رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ جعفر کے بچوں کو میرے پاس لاؤ۔ میں بچوں کو ان کے پاس لائی۔ آپ ان کو پیار کرتے رہے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے یہاں تک کہ آپ کی ڈاڑھی اشکوں سے تر ہو گئی۔ میں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ۔ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ آپ کیوں رو رہے ہیں؟۔ کیا جعفر کے اور ان کے ساتھیوں کے متعلق کوئی خبر آئی ہے؟"

اسماء کا نوحہ و ماتم...... آپ نے فرمایا: "ہاں وہ (اور ان کے ساتھی) آج ہی قتل ہو گئے ہیں۔"

میں ایک دم کھڑی ہو گئی اور رونے چیخنے لگی۔ کچھ ہی دیر بعد میرے پاس عورتیں آکر جمع ہو گئیں۔ (واضح رہے کہ حضرت جعفرؓ اور ان کے ساتھی اسی وقت قتل ہوئے تھے اور مدینے سے میلوں دور ملک شام کی سرزمین میں جنگ ہوئی تھی لہٰذا کسی کو خبر ہونے کا سوال ہی نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو وحی کے ذریعہ اطلاع دے دی تھی)

رسول اللہ ﷺ نے (انہیں بین کرتے دیکھا تو) فرمایا:

"اسماء۔ نہ بین کرنا چاہئے اور نہ منہ پیٹنا چاہئے!"

اس کے بعد ایک شخص آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ عورتیں بہت نوحہ و ماتم کر رہی ہیں آپ نے اس کو ہدایت کی کہ جا کر انہیں خاموش کرو۔ چنانچہ وہ شخص گیا اور کچھ ہی دیر بعد آکر پھر وہی بات کہی اور بولا کہ میں نے ان کو اس حرکت سے روکا مگر وہ نہیں مانیں۔ آپ نے فرمایا:

"جاؤ اور انہیں پھر خاموش کرنے کی کوشش کرو اور اگر وہ نہ مانیں تو ان کے منہ میں مٹی پھینکنا!"

جعفر کی اولاد کیلئے دعا...... اس کے بعد آپ نے حضرت جعفر کے بچوں کے متعلق دعا کی:

"اے اللہ! جعفر بہترین ثواب کے حقدار ہو گئے ہیں۔ تو ان کی اولاد کو ان کا بہترین جانشین بنا!"

جعفر کے گھر کھانا بھجوانے کی ہدایت...... اسکے بعد آپ وہاں سے واپس اپنے گھر تشریف لائے اور اپنی ازواج سے فرمایا:

"جعفر کی بیوی بچوں سے غافل مت ہو جانا۔ آج وہ بہت غمزدہ ہیں اس لئے ان کے واسطے کھانا تیار کر کے بھیجو!"

ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے وہ اس وقت اپنے چچا حضرت جعفر کو یاد کر کرکے رو رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا:

"جعفر جیسے آدمی کے لئے رونے والیوں کو رونا ہی چاہئے!"

اہل میّت کیلئے کھانا...... پھر آپ نے وہی حکم دیا کہ ان لوگوں کے لئے کھانا تیار کرو کیونکہ آج انہیں اپنا بھی ہوش نہیں ہے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ آج وہ اپنے ہی غم میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

حضرت عبد اللہؓ ابن جعفر سے روایت ہے کہ (آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے بعد) سلمٰی جو آنحضرت ﷺ کی باندی تھیں آٹا لے کر آئیں پھر انہوں نے اسے گوندھا اور روٹیاں بنا کر سینکیں۔ اس کے بعد روٹیوں کو زیتون کے تیل میں بھگو کر ان پر سیاہ مرچ چھڑکی۔ حضرت عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ پھر میں نے بھی کھانا کھایا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے مجھے اور میرے بھائیوں کو اپنے پاس روک لیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ میں اور میرا بھائی تین دن تک رسول اللہ ﷺ کے گھر پر رہے اور اس دو دن میں آنحضرت ﷺ اپنی ازواج مطہرات میں سے جس کے یہاں بھی رہتے ہم بھی آپ کے ساتھ وہیں رہتے اس کے بعد ہم لوگ اپنے گھر لوٹ آئے۔

یہاں کھانا جس کا گذشتہ سطروں میں ذکر ہوا حضرت جعفر کے گھر والوں کے یہاں بھیجا گیا۔

علامہ سہیلیؒ کہتے ہیں کہ۔ تعزیت یعنی مرنے والے کے یہاں جو کھانا بھیجا جاتا ہے اسکی اصل یہی کھانا ہے۔ عربوں میں اس کھانے کا نام یعنی مرنے والے کے گھر جو کھانا بھیجا جاتا ہے "وِضیمہ" ہے (جس کو اردو میں بھاتی کہا جاتا ہے) یہ ایسا ہی ہے جیسے شادی کے کھانے کو ولیمہ کہا جاتا ہے اور اسی طرح سفر سے واپس آنے کے وقت جو کھانا دیا جاتا ہے اس کو نقیعہ کہتے ہیں۔ اور تعمیر کے مکمل ہونے کی خوشی میں جو کھانا کھلایا جاتا ہے اس کو دعوت تکویر کہا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہؓ ابن جعفر کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے میرے لئے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ اس کی خرید و فروخت میں برکت عطا فرما۔ چنانچہ اس دعا کا اثر یہ تھا کہ جو چیز بھی میں نے خریدی یا فروخت کی اس میں ہمیشہ مجھے فائدہ ہوا۔

آسمانی اطلاعات...... پھر جب موتہ گئے ہوئے لشکر کے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس میدان جنگ کی خبریں لے کر آئے تو آپ نے ان سے فرمایا:

"اگر تم چاہو تو تم مجھے وہاں کے حالات بتلاؤ اور کہو تو میں تمہیں وہاں کے حالات بتلاؤں!"

اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ پھر آپ ہی بتلایئے۔ آنحضرت ﷺ نے اس شخص کو جنگ کے پورے حالات اور تفصیلات اس طرح بتلائیں کہ میدان جنگ کا پورا نقشہ کھینچ دیا۔ اس پر اس نے کہا:

"قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق اور سچائی دے کر بھیجا ہے آپ نے وہاں کے واقعات بتلانے میں ایک حرف کی بھی کمی نہیں کی۔ لشکر کے ساتھ یہی سب کچھ پیش آیا جو آپ نے بتلایا ہے!"

اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کو لپیٹ دیا تھا جس کے نتیجہ میں وہ پورا معرکہ میں دیکھ رہا تھا!"

زیدؓ، ابن رواحہؓ اور جعفرؓ کے مقام میں فرق...... چنانچہ حدیث میں ہے کہ جس وقت موتہ میں جنگ ہو رہی تھی اور مدینے میں بیٹھ کر آنحضرت ﷺ اس کو بچشم خود دیکھ رہے تھے تو اچانک آپ نے فرمایا کہ جنگ کی آگ بہت بھڑک گئی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میرے سامنے جعفرؓ اور زیدؓ ابن حارثہ اور عبداللہؓ ابن رواحہ کو پیش کیا گیا جو موتیوں کے بنے ہوئے ایک خیمہ میں ہیں اور تینوں میں سے ہر شخص ایک ایک تخت پر بیٹھا ہوا ہے میں نے دیکھا کہ زیدؓ ابن حارثہ اور عبداللہؓ ابن رواحہ کی گردنوں میں ٹیڑھا اور ترچھا پن ہے جب کہ جعفرؓ کی گردن بالکل سیدھی ہے اس میں کوئی ٹیڑھا پن نہیں ہے۔ میں نے اس کے بارے میں پوچھا تو مجھے بتلایا گیا کہ زیدؓ اور عبداللہؓ ابن رواحہ جب بالکل موت کے منہ میں پہنچ گئے تو اس وقت انہوں نے میدان سے اپنے منہ پھیر لئے تھے جب کہ جعفرؓ نے ایسا نہیں کیا۔

حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب زیدؓ قتل ہوئے تو جعفرؓ نے ان سے پرچم لے لیا اس وقت شیطان ان کے پاس آیا جس نے ان کے دل میں زندگی کی محبت اور موت سے بیزاری اور دنیا کی محبت پیدا کی۔ مگر پھر جعفر (ان خیالات کو ذہن سے جھٹک کر جنگ کی آگ میں کود پڑے یہاں تک کہ شہید ہوگئے)

اس فرق کی وجہ...... ایک روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے انہیں خواب میں دیکھا اور ایک روایت کے مطابق۔ خواب میں وہ تینوں میرے سامنے پیش کئے گئے جو جنت میں سونے کے تختوں پر بیٹھے ہوئے ہیں مگر میں نے دیکھا کہ عبداللہ ابن رواحہ کا تخت ان کے دونوں ساتھیوں کے تختوں سے ذرا ہٹا ہوا ہے۔ میں نے پوچھا کہ ایسا کس لئے ہے؟ اس پر مجھے بتلایا گیا کہ یہ دونوں یعنی زیدؓ ابن حارثہ اور جعفرؓ طیار تو ایک دم موت کی گرم بازاری میں گھس گئے جب کہ عبداللہ ابن رواحہ کو پہلے تھوڑی سے ہچکچاہٹ ہوئی مگر پھر وہ بھی (بے جھجک) بڑھ گئے۔ کیونکہ جیسا کہ گذشتہ سطروں میں بیان ہوا ہے حضرت عبداللہ ابن رواحہ گھوڑے سے اترنے میں ہچکچائے تھے۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ حضرت ابن رواحہؓ لڑکھڑاتے ہوئے جنت میں داخل ہوئے ہیں۔ اس پر صحابہ نے آپ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ یہ لڑکھڑاہٹ کیسی تھی؟ آپ نے فرمایا:

"جب وہ بہت زخمی ہوگئے تو ان میں کچھ بزدلی پیدا ہوئی مگر انہوں نے خود کو نفریں کیا اور جوش کے ساتھ لڑے یہاں تک کہ شہید ہوگئے!"

جعفرؓ کے زخم...... آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جعفر کے دونوں ہاتھوں کی جگہ دو پنکھ لگا دیئے ہیں جن کے ذریعہ وہ جنت میں ہر طرف اڑتے پھرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضرت جعفرؓ کی لاش پر ان کے سینے اور مونڈھوں کے درمیانی حصہ میں نوّے زخم تھے جو تلوار اور نیزے کے تھے۔ ایک روایت کے مطابق۔ جو نیزوں اور تیروں کے تھے۔

ایک دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ ان کو ایک رومی نے قتل کیا اور ان کے جسم کے لمبائی میں دو حصے کر دیئے۔ ان کے جسم کے ایک حصے میں اسی سے اوپر زخم تھے اور باقی جسم کے سامنے کے حصے میں بہتر زخم تھے جو تلوار اور نیزے کے تھے۔ ایک روایت میں چوّن زخموں کا ذکر ہے۔ اور ایک روایت کے مطابق نوّے کی تعداد صحیح ہے۔

روزہ میں شہادت...... حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں حضرت جعفرؓ کے پاس شام کے وقت پہنچا جب کہ وہ میدان جنگ میں زخموں سے چور چور پڑے تھے۔ میں نے ان کو پانی پیش کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں روزے سے ہوں۔ تم یہ پانی میرے ترکش میں میرے منہ کے پاس رکھ دو اگر میں سورج غروب ہونے تک زندہ رہا تو اس سے روزہ افطار کر لوں گا۔

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ وہ پھر روزے ہی کی حالت میں سورج غروب ہونے سے پہلے ہی فوت ہو کر شہادت پا گئے۔ اس وقت ان کی عمر اکتالیس سال تھی۔ ایک قول ہے کہ تینتیس سال تھی۔ مگر اس قول میں یہ اختلاف ہے۔ جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا ہے وہ حضرت علیؓ سے دس سال بڑے تھے اور عقیل حضرت جعفرؓ سے دس سال بڑے تھے اور طالب عقیل سے دس سال بڑے تھے۔

جعفر کی عمر...... میں نے اس سلسلے میں تاریخ ابن کثیر دیکھی جس میں ہے کہ اگر یہ قول صحیح ہے کہ حضرت جعفر حضرت علی سے دس سال بڑے تھے تو اسی کے مطابق قتل کے وقت حضرت جعفر کی عمر انتالیس سال ہونی چاہئے کیونکہ مشہور قول کے مطابق جب حضرت علیؓ مسلمان ہوئے تو اس وقت ان کی عمر آٹھ سال تھی۔ پھر وہ تیرہ سال مکے میں رہے اور پھر جب انہوں نے مکے سے مدینے منورہ ہو ہجرت کی تو ان کی عمر اکیس سال تھی اور غزوۂ موتہ ہجرت کے آٹھویں سال میں پیش آیا (لہٰذا غزوۂ موتہ کے وقت حضرت علیؓ کی عمر انتیس سال ہوئی اور حضرت جعفرؓ ان سے دس سال بڑے تھے لہٰذا اس وقت ان کی عمر انتالیس سال ہونی چاہئے۔

جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ شہادت کے وقت جعفر روزے سے تھے۔ اس کے لحاظ سے یہ بات درست نہیں ہوتی کہ ان کے جسم کے دو حصے کر دیئے گئے تھے۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اچانک آپ نے آسمان کی طرف منہ اٹھایا اور و علیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ' فرمایا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ بات آپ کی عادت کے خلاف ہے۔ آپ نے فرمایا:

"ابھی میرے پاس سے جعفر ابن ابو طالب فرشتوں کے جمگھٹ سے گزرے ہیں اور انہوں نے مجھے سلام کیا تھا!"

جب غزوۂ موتہ سے واپس آنے والا لشکر مدینہ کے قریب پہنچا تو وہیں پر رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں نے ان سے ملاقات کی۔ شہر میں بچوں نے گیت گا کر انہیں خوش آمدید کہا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ اپنی سواری پر سوار لوگوں کے ساتھ تشریف لا رہے تھے۔ بچوں کو دیکھ کر آپ نے فرمایا:

"ان بچوں کو اٹھا کر سواریوں پر بٹھالو۔ اور جعفر کے بچے کو مجھے دے دو!"

چنانچہ عبد اللہؓ ابن جعفر کو آپ کے پاس لایا گیا تو آپ نے انہیں اپنے آگے سواری پر بٹھالیا۔ خود عبد اللہؓ ابن جعفر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

"خوش ہو جاؤ۔ تمہارے باپ فرشتوں کے ساتھ آسمانوں میں اڑتے پھرتے ہیں!"

جعفر کے پَر پرواز...... طبرانی میں حضرت ابن عباسؓ سے ایک مرفوع روایت ہے کہ (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا) گذشتہ رات میں جنت میں داخل ہوا تو وہاں میں نے جعفر ابن ابو طالب کو دیکھا جو فرشتوں کے ساتھ اڑتے پھر رہے تھے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ: جبرئیل و میکائیل کے ساتھ اڑتے پھر رہے تھے ان کے دو پنکھ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے دونوں بازوؤں کے بدلہ میں دیئے ہیں (کیونکہ جنگ میں ان کے دونوں ہاتھ کٹ گئے تھے اور آخر میں وہ پرچم اسلام کو اپنی گود میں رکھے جسم کے سہارے بلند کئے ہوئے تھے)۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کو دو یاقوتی پنکھ دیئے گئے ہیں۔

(عربی میں اڑنے کو اور پرندوں کو طیر کہتے ہیں اور اڑنے والی چیز کو طیارہ کہتے ہیں۔ ان ہی روایات اور احادیث کی وجہ سے حضرت جعفرؓ کو جعفر طیار کہا جاتا ہے کہ وہ فرشتوں کے ساتھ جنت میں اور دنیا میں اڑتے پھرتے ہیں)۔

ان پروں کی حقیقت...... علامہ سہیلیؒ نے لکھا ہے کہ دو پنکھ سے دراصل ملکوتی یعنی فرشتوں کی صفت کا بیان مراد ہے اور وہ روحانی قوت مراد ہے جو حضرت جعفرؓ کو عطا فرمائی گئی ہے کہ ان دونوں صفتوں یعنی ملکوتی صفت اور روحانی قوت کی بناء پر انہیں اڑنے کی قوت حاصل ہو گئی ہے۔ پنکھ سے مراد یہ نہیں کہ ان کو پرندوں کے جیسے پنکھ مل گئے ہیں جیسا کہ عام طور پر اس بات سے آدمی کو خیال ہوتا ہے۔

(یعنی پروں کے بارے میں سننے کے بعد عام طور پر یہی خیال پیدا ہوتا ہے کہ پرندوں کے جیسے پنکھ لگا کر دیئے گئے ہوں گے جن سے وہ اڑتے ہیں۔ مگر یہ تصور غلط ہے بلکہ دراصل دو پنکھ سے مراد وہی ملکوتی صفت اور روحانی قوت ہے جو ان کو اڑاتی ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدمی کو جو صورت اور جسم عطا فرمایا ہے وہ تمام جانداروں میں سب سے زیادہ اشرف اور مکمل ہے (لہٰذا اگر پروں سے پرندوں کے پنکھ مراد لئے جائیں تو اس کا مطلب ہے کہ ایک اشرف اور مکمل صورت سے ایک کمتر اور ناقص صورت پر لایا گیا جو ظاہر ہے انعام نہیں کہلا سکتا جب کہ شہید انعام کا مستحق ہوتا ہے)۔

جہاں تک ان پنکھوں کو یا قوتی پنکھ کہنے کا تعلق ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا۔ اسی طرح ایک روایت ہے کہ وہ دونوں پنکھ خون میں تربتر اور لت پت ہیں۔ اس سے تشریح پر کوئی اثر نہیں پڑتا جو بیان کی گئی ہے۔

لوٹنے والوں پر اہل مدینہ کا غصہ...... غرض یہ لشکر چونکہ فیصلہ کن فتح کے بغیر آیا تھا اس لئے مدینے میں عام لوگوں نے ان کے چہروں کی طرف مٹی اچھالی اور کہنے لگے:

اے بھگوڑو۔ تم لوگ خدا کی راہ میں سے بھاگ کر آئے ہو!"

مگر اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ لوگ بھگوڑے یعنی فرار نہیں ہیں بلکہ واپس جانے والے یعنی کرار ہیں۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ خود آنے والوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم بھگوڑے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ نہیں بلکہ تم کرار یعنی واپس لوٹنے والے ہو۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مسلمانوں اور نصرانیوں کے درمیان فتح یا شکست کا فیصلہ نہیں ہوا تھا بلکہ محض عارضی جنگ بندی ہوئی تھی۔

گھر والوں کا سلوک...... ایک صحابی سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہؓ ابن رواحہ بھی قتل ہوگئے (جو زید ابن حارثہ اور جعفر کی شہادت کے بعد تیسرے سپہ سالار بنے تھے) تو مسلمان ایک دم بدترین شکست کھا گئے تھے اور پھر اس کے بعد وہ لوگ واپس ہوگئے۔ پھر جب یہ لوگ مدینے آئے تو یہ۔ اہل مدینہ کے ہاتھوں بہت بدسلوکی کا شکار ہوئے۔ یعنی یہ حالت ہوگئی تھی کہ ان میں سے کوئی شخص جب اپنے گھر پہنچ کر دروازے پر دستک دیتا تو اس کے گھر والے دروازے کھولنے سے انکار کر دیتے اور کہتے:

"تمہیں یوں توفیق نہ ہوئی کہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ آگے بڑھ کر لڑتے اور قتل ہو جاتے!"

آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ ان صحابہ کی ایک جماعت شرم اور ندامت کی وجہ سے گھروں میں چھپ کر بیٹھ گئی کیونکہ جب بھی ان میں سے کوئی باہر نکلتا تو دوسرے لوگ اس کو دیکھ کر شور مچاتے (اور اس پر طرح طرح کی آوازیں کستے)۔

آنحضرت ﷺ کی طرف سے دل دہی...... "ادھر رسول اللہ ﷺ ان صحابہ میں سے ایک ایک کے پاس علیحدہ علیحدہ آدمی بھیجتے اور اور کہلاتے کہ تم لوگ بھگوڑوں میں سے نہیں ہو بلکہ انشاء اللہ واپس خدا کے راستے میں جہاد کے لئے جاؤ گے (اس لئے اس شرم وندامت کی کوئی ضرورت نہیں ہے)۔

جہاں تک ان لوگوں کو بھگوڑے کہنے کا تعلق تھا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ جب کئی روز تک جنگ کرنے کے بعد (زچ ہو کر) دشمن نے رفتہ رفتہ پیچھے ہٹ کر اس مڈبھیڑ کی صورتحال کو ختم کیا تو حضرت خالدؓ کی سربراہی میں مسلمان بھی رفتہ رفتہ پیچھے ہٹ گئے اور دشمن سے نہیں الجھے (مدینے والوں کو ان حضرات سے یہی شکایت تھی کہ اگر دشمن جنگ سے گریز کر رہا تھا تو ان کو گریز نہیں کرنا چاہئے تھا بلکہ آگے بڑھ کر حملہ آور ہوتے)۔

ادھر حضرت خالدؓ نے مسلمانوں کو لشکر کی از سر نو ترتیب کے لئے پیچھے ہٹنے کا حکم دیا تھا (حضرت خالد کی جنگی صلاحیتوں کو آج ڈیڑھ ہزار برس کے بعد بھی ساری دنیا تسلیم کرتی ہے اس لئے یہ تو سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ وہ دشمن سے ڈر کر پیچھے ہٹ آئے تھے۔ حقیقت میں وہ اپنے لشکر کی جدید ترتیب کے لئے پیچھے ہٹے تھے) چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ نے اس اقدام پر ان کی تعریف فرمائی تھی اور اس کو درست قرار دیا تھا۔

خالدؓ پر طعن...... اسی جنگ کے دوران ایک مسلمان نے ایک رومی شخص کو قتل کیا اور پھر اس کے ہتھیار اتار کر خود لینا چاہے تو حضرت خالدؓ نے اس کو روک دیا۔ بعد میں جب رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ نے حضرت خالد سے فرمایا:

"تم نے کس لئے اس رومی کے ہتھیار لینے سے اس شخص کو روکا تھا؟"۔

حضرت خالدؓ نے عرض کیا کہ میں نے ان ہتھیاروں کو بہت زیادہ سمجھا تھا۔ مگر آنحضرت ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ وہ ہتھیار اس شخص کو دے دو۔

آنحضرت ﷺ کو گرانی...... اس سے پہلے حضرت عوف ابن مالک نے حضرت خالدؓ سے بات کی تھی کہ اس رومی کے ہتھیار اسی شخص کو دے دینے مناسب ہیں جس نے اسے قتل کیا ہے۔ حضرت عوف نے یہ بات مدینے آنے سے پہلے کی تھی (مگر حضرت خالد نے انکار کر دیا تھا) اب آنحضرت ﷺ نے حضرت خالدؓ کو حکم دے کر وہ ہتھیار اسی شخص کو دلوا دیئے۔

آنحضرت ﷺ کے پاس سے واپسی میں جب حضرت خالدؓ عوف ابن مالک کے پاس سے گزرے تو عوف نے ان پر پھبتیاں کسیں اور کہا کہ کیا میں نے پہلے ہی یہ بات تم سے نہ کہہ دی تھی۔ آنحضرت ﷺ کو جب عوف کی اس حرکت کا علم ہوا تو آپ سخت ناراض ہوئے اور حضرت خالدؓ سے فرمایا:

"خالد۔ اب اس شخص کو کچھ مت دینا۔ کیا لوگ میرے امیروں کی خلاف ورزی کرنا چاہتے ہیں!"

یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جنگ میں ایک قاتل اپنے مقتول کے ہتھیاروں کا حقدار ہوتا ہے لہٰذا آنحضرت ﷺ نے ایسا کیوں کیا؟ (کہ حضرت خالدؓ کو اس سے روک دیا کہ قاتل کو ہتھیار دیئے جائیں)۔

اس شبہ کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ جب حضرت عوف نے حضرت خالد کے خلاف زبان درازی کی اور ان کے احترام کے خلاف باتیں کہیں تو آنحضرت ﷺ نے سزا کے طور پر ہتھیار دیئے جانے سے منع فرمادیا لیکن شاید بعد میں آپ نے دے دیئے تھے۔ اس طرح حضرت خالد کی دلداری بھی ہوگئی اور یہ مصلحت بھی سامنے آگئی کہ آنحضرت ﷺ کے بنائے ہوئے امیروں کی عزت کرنا ضروری ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ پورے ہی لشکر کو بھگوڑا کہا گیا تھا جب کہ حقیقت میں لشکر میں سے صرف ایک جماعت ایسی تھی جو دشمن کی کثرت اور تعداد دیکھ کر گھبرائی اور میدان چھوڑ کر مدینے واپس آگئی تھی۔ بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

اس معرکے کو جن حضرات نے غزوات میں شمار کیا ہے ان میں اصل یعنی کتاب عیون الاثر کے مصنف بھی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ معرکہ غزوات میں سے نہیں ہے بلکہ صحابہ کی فوجی مہموں میں سے ایک مہم ہے جن کا تذکرہ آگے سرایا یعنی صحابہ کی فوجی مہمات کے بیان میں آئے گا۔ کیونکہ غزوہ اس جنگ کو کہا جاتا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ خود بنفس نفیس شریک ہوئے اور صحابہ کے ساتھ تشریف لے گئے جب کہ اس جنگ میں آنحضرت ﷺ خود شریک نہیں تھے۔ واللہ اعلم۔

فتح مکہ معظّمہ

اس غزوہ کا تاریخی سبب...... یہ غزوہ رمضان ۸ھ میں پیش آیا۔ اس غزوہ کا سبب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اور قریش کے درمیان حدیبیہ میں جو صلح نامہ ہوا تھا اس کے مطابق دوسرے قبائل عرب میں سے ہر قبیلہ دونوں فریقوں میں سے کسی کی بھی طرف سے اس صلح نامہ میں شامل ہو سکتا تھا۔ یعنی اگر کوئی قبیلہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اس معاہدہ میں شامل ہونا چاہے وہ ہو سکتا تھا (اس صورت میں وہ ان شرائط کا پابند ہوگا جن کے پابند آنحضرت ﷺ تھے) اور جو قبیلہ قریش کی طرف سے اس میں شامل ہونا چاہے وہ ایسا کر سکتا تھا (اس صورت میں وہ ان شرائط کا پابند ہوگا جن کے قریش پابند تھے) چنانچہ بنی بکر کا قبیلہ قریش کی طرف سے اور بنی خزاعہ کا قبیلہ جناب رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اس میں شامل ہوا۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

قبائلی دشمنیاں اور صلح حدیبیہ کی برکت...... بنی بکر اور بنی خزاعہ کے قبیلوں کے درمیان بہت پرانی دشمنی تھی اور دونوں کے درمیان خون کے بدلے باقی تھے (یعنی مثلاً بنی بکر کے کسی آدمی کو بنی خزاعہ نے قتل کیا تھا یا اس کے برعکس تھا) اسی دوران میں اسلام کا ظہور اور بول بالا شروع ہو گیا جس کی وجہ سے لوگوں کی ساری توجہ اس مسئلہ کی طرف پھر گئی اور آپس کی دشمنیاں اس عرصہ میں دبی رہیں ختم نہیں ہوئیں۔

عبدالمطلب اور نوفل کا جھگڑا...... بنی خزاعہ کا قبیلہ پہلے سے ہی رسول اللہ ﷺ کے دادا عبدالمطلب ابن ہاشم کے حلیف اور دوست تھے۔ عبدالمطلب کی دشمنی ان کے چچا نوفل ابن عبد مناف اور اس کی اولاد سے تھی لہٰذا بنی خزاعہ کا قبیلہ عبدالمطلب کو ان کے چچا کے خلاف مدد دیتا تھا۔

عبدالمطلب اور نوفل کے درمیان دشمنی کا سبب یہ تھا کہ جب مطلب مرا جو عبدالمطلب کا دوسرا چچا تھا تو نوفل نے اس کی تمام جائیداد اور مکان وغیرہ غصب کر کے اپنے قبضہ میں لے لیا جس سے عبدالمطلب بہت پریشان ہوئے اور انہوں نے اپنی قوم کے سامنے فریاد کر کے انہیں نوفل سے حق دلوانے کے لئے ابھارنا چاہا مگر کسی نے ان کی دادرسی نہیں کی بلکہ ان سے صاف صاف کہہ دیا کہ ہم تمہارے اور تمہارے چچا کے جھگڑے میں ہرگز دخل نہیں دیں گے۔

عبدالمطلب کی نجار سے فریاد...... آخر اپنے قبیلہ اور خاندان سے مایوس ہو کر عبدالمطلب نے اپنی ننہال والوں یعنی بنی نجار کو لکھا جو مدینہ میں تھے اور وہیں کے رہنے والے تھے۔ بنی نجار والے ان کی فریاد پر فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور یثرب سے ستر سوار ان کی مدد کے لئے مکے آگئے یہ لوگ سیدھے نوفل کے پاس پہنچے اور بولے:

"اس عمارت یعنی بیت اللہ کے رب کی قسم! ہمارے بھانجے کی جو کچھ زمین وغیرہ تم نے غصب کی ہے وہ تمہیں واپس کرنی پڑے گی ورنہ ہم تلوار کے زور سے اسے حاصل کریں گے!"

نوفل کا دفاعی معاہدہ...... اس پر نوفل نے وہ سب کچھ واپس کر دیا جو غصب کر رکھا تھا۔

اس واقعہ کے بعد عبدالمطلب نے بنی خزاعہ سے ایک دفاعی معاہدہ کر لیا کیونکہ خود نوفل اپنے بھائی عبد شمس کی اولاد سے اپنے لئے اسی طرح معاہدہ کر چکا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کو بھی عبدالمطلب اور بنی خزاعہ کے اس معاہدہ کا علم ہو چکا تھا کیونکہ اس معاہدہ میں عبدالمطلب نے جو تحریر لکھ کر بنی خزاعہ کو دی تھی وہ بنی خزاعہ نے رسول اللہ ﷺ کو دکھلائی اور حضرت ابی ابن کعب نے آپ کو پڑھ کر سنائی۔

عبدالمطلب کا خزاعہ سے معاہدہ...... (چونکہ بنی خزاعہ کا بہت پہلے سے...... عبدالمطلب اور بنی ہاشم کے ساتھ معاہدہ اور دوستی تھی اس لئے جب وہ حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کی طرف سے شامل ہونے آئے تو انہوں نے بنی ہاشم سے اپنی قدیم دوستی کے ثبوت میں وہ تحریر دکھلائی جو عبدالمطلب نے بنی خزاعہ کے ساتھ معاہدہ کرتے ہوئے لکھی تھی) وہ تحریر یہ تھی:

"اے اللہ! تیرے نام سے شروع کرتا ہوں۔ یہ حلف نامہ عبدالمطلب ابن ہاشم کی طرف سے بنی خزاعہ کے لئے لکھا گیا جب کہ بنی خزاعہ کے معززین اور سمجھ دار لوگ اس کے یعنی عبدالمطلب کے پاس آئے۔ بنی خزاعہ کے معزز حضرات جو یہاں موجود ہیں وہ جو فیصلہ کر رہے ہیں اس کا اقرار بنی خزاعہ کے وہ لوگ بھی کرتے ہیں جو یہاں موجود نہیں (یعنی یہ معاہدہ اور دوستی کا اقرار بنی خزاعہ کے حاضر اور غائب سب ہی لوگوں کی طرف سے ہے اور سب ہی اس کا پاس کریں گے) کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کے نام پر عہد و پیمان اور میثاق ہو رہا ہے اس کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ ہم دونوں فریق اس وقت تک ایک جان دو قالب رہیں گے اور ایک دوسرے کی مدد کرتے رہیں گے جب تک شبیر پہاڑ سامنے نظر آتا رہے گا اور حرا پہاڑ اپنی جگہ قائم رہے گا اور بحر صوفہ میں پانی موجود رہے گا (یعنی ہمیشہ ہمیشہ ہم دونوں ایک رہیں گے)"۔

کتاب امتاع میں اس عہد نامہ کے الفاظ اس طرح ہیں:

معاہدہ کی تحریر...... "باسمک اللھم۔ یہ حلف عبدالمطلب ابن ہاشم اور بنی خزاعہ کے عمرو ابن ربیعہ کے درمیان ہے جس میں دونوں عہد کرتے ہیں کہ جب تک بحر صوفہ میں تری باقی ہے دونوں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہیں گے۔ یہ ایک جامع اور مکمل معاہدہ ہے جس میں بڑوں اور چھوٹوں اور حاضر و غائب کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ دونوں فریق جو عہد و میثاق کر رہے ہیں وہ ایک مضبوط معاہدہ اور پختہ پیمان ہے جو اس وقت تک نہیں ٹوٹ سکتا جب تک سورج شبیر پہاڑ پر چمکتا رہے گا اور جب تک صحراؤں میں اونٹ بلبلاتے رہیں گے۔ اور جب تک دونوں اخشب پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہیں اور جب تک مکے میں انسان آباد ہیں یہ حلف ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اور طویل زمانے تک ہے ہر صبح کو طلوع ہونے والا سورج اس کو بڑھاتا جائیگا اور ہر رات کی تاریکیاں اس کی مدت میں اضافہ کرتی جائینگی اور یہ کہ عبدالمطلب کی اولاد' ان کے ساتھی اور دوسری طرف بنی خزاعہ کے لوگ ہمیشہ اور ہر طرح ایک دوسرے کی مدد کرتے رہیں گے۔ لہٰذا عبدالمطلب اور ان کے ساتھیوں کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ تمام عربوں کے مقابلے میں چاہے وہ مشرق میں ہوں یا مغرب میں اور قریب کے ہوں یا دور کے عبدالمطلب' ان کی اولاد اور انکے ساتھیوں کی مدد کرینگے۔ دونوں فریق اور معاہدہ پر اللہ تعالیٰ کو کفیل اور ذمہ دار بناتے ہیں اور اس سے بہتر سہارا کوئی دوسرا نہیں ہے!"

بنی بکر میں آنحضرت ﷺ کی ہجو...... جب حضرت ابی ابن کعبؓ نے آنحضرت ﷺ کو یہ حلف نامہ پڑھ کر سنایا تو آپ نے بنی خزاعہ سے فرمایا:

"تمہارے حقوق میں خوب اچھی طرح پہچانتا ہوں اور تم لوگ اپنے قول و قرار پر قائم ہو!"

خزاعی کا انتقال اور قبائلی فتنہ...... پھر جب حدیبیہ کی صلح ہو گئی جس کی رو سے خون ریزی پر پابندی لگ گئی تو بنی بکر نے یعنی ان میں سے ایک جماعت نے جس کو بنی نغاثہ کہا جاتا تھا اس موقعہ سے فائدہ اٹھایا۔ کتاب امتاع میں یہ تفصیل یوں ہے کہ:

"اس غزوہ کا سبب یہ ہوا کہ بنی بکر کے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں ہجو یعنی توہین آمیز شعر لکھے اور انہیں

گانے لگا۔ بنی خزاعہ کے ایک نوجوان نے اس کو گاتے سن لیا اور اس نے اس شخص کو مارا جس سے وہ کافی زخمی ہو گیا۔ اس واقعہ پر دونوں قبیلوں میں فتنہ پیدا ہو گیا جب کہ پہلے ہی قبائلی دشمنی چلی آ رہی تھی۔

خزاعہ کے خلاف بنی بکر کو قریش کی مدد...... بنی بکر کے جس شخص نے یہ توہین آمیز شعر لکھے تھے وہ بنی بکر ایک خاندان بنی نغاثہ کا فرد تھا۔ جب اس شاعر کو بنی خزاعہ کے نوجوان نے زخمی کر دیا تو بنی نغاثہ نے قریش سے درخواست کی کہ بنی خزاعہ کے خلاف ہمیں افرادی اور اسلحہ کی امداد دو۔ یعنی ہتھیار بھی دو اور لڑنے والے بھی بھیجو)۔

خزاعہ پر بنی بکر و قریش کا حملہ...... قریشی سرداروں نے ان کی درخواست منظور کر لی اور انہیں دونوں قسم کی امداد پہنچا دی بنی بکر یعنی نغاثہ کے لوگ قریش کے امدادی آدمیوں اور ہتھیاروں کے ساتھ ایک رات اچانک بنی خزاعہ پر جا پڑے جب کہ وہ لوگ اپنے پانی کے چشمہ پر بے فکری اور اطمینان سے سو رہے تھے۔ اس چشمہ کا نام وتیر تھا۔

اس حملہ میں بنی خزاعہ کے بیس یا تیس آدمی قتل ہو گئے۔ بنی بکر کے اس حملہ میں چوری چھپے قریش کی ایک جماعت بھی لڑی جس میں قریش کے یہ سردار تھے۔ صفوان ابن امیہ، حویطب ابن عبدالعزیٰ، عکرمہ ابن ابو جہل، شیبہ ابن عثمان اور سہیل ابن عمرو۔ یہ سب وہ لوگ ہیں جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔

غرض ان لوگوں نے بنی خزاعہ کے لوگوں کو بے دریغ قتل کرنا شروع کر دیا۔ آخر یہ لوگ ڈر کر بدیل ابن ورقاء خزاعہ کے مکان میں پناہ لینے کے لئے گھس گئے (مگر قریش نے ان کو وہاں بھی نہیں چھوڑا اور اندر گھس کر انہیں مارا اور قتل کیا)۔

قریش کی شمولیت پر ابوسفیان کی تشویش...... ان قریشیوں نے بنی بکر کی مدد کرنے کے سلسلے میں ابوسفیان سے بھی مشورہ نہیں کیا تھا۔ ایک قول ہے کہ مشورہ کیا تھا مگر ابوسفیان نے اس بات کی سختی سے مخالفت کی تھی۔ ان قریشی سرداروں کو یہ گمان تھا کہ وہ لوگ (چوری چھپے لڑیں گے اور) پہچانے نہیں جائیں گے۔ نہ ہی رسول اللہ ﷺ کو اس بات کی خبر ہو گی۔

ابوسفیان کی بیوی کا خواب...... (جب قریش نے بنی بکر کی مدد کی تو ابوسفیان کو اس کی خبر نہیں تھی) قریش نے بنی بکر کی مدد تو کر دی اور اس صلح نامہ اور عہد و پیمان کی دھجیاں اڑا دیں مگر پھر انہیں اپنی بدعہدی پر بہت ندامت و شرمندگی ہوئی چنانچہ اب حرث ابن ہشام ابوسفیان کے پاس آیا اور بتلایا کہ قوم نے کیا حرکت کی ہے۔ ابوسفیان نے یہ سن کر کہا:

"یہ ایسا واقعہ ہے کہ میں اس میں شریک نہیں ہوں لیکن اس سے بے تعلق بھی نہیں ہوں۔ یہ بہت ہی برا ہوا۔ خدا کی قسم محمد ﷺ اب یقیناً ہم سے جنگ کریں گے۔ مجھ سے ہندہ بنت عتبہ۔ یعنی میری بیوی نے بتلایا ہے کہ اس نے ایک بھیانک خواب دیکھا ہے۔ اس نے دیکھا کہ جحون کی طرف سے خون کا ایک دریا بہتا ہوا آیا اور خندق تک پہنچ گیا اور لوگ اس کو دیکھ کر سخت پریشان اور بدحواس ہو رہے ہیں!"

بنی خزاعہ کی آنحضرت ﷺ سے فریاد!...... اسی اثناء میں ایک خزاعی شخص جس کا نام عمرو۔ اور ایک قول کے مطابق عمرابن سالم تھا چالیس سواروں کے ساتھ بنی خزاعہ کی بستی سے روانہ ہوا۔ یہ شخص جس کا نام علامہ ذہبی نے عمر ہی درست قرار دیا ہے۔ بنی خزاعہ کا سردار تھا۔ اس کے ساتھ جو لوگ روانہ ہوئے ان میں بدیل ابن ورقاء خزاعہ بھی تھا۔

آخر یہ لوگ مدینے میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے اور مسجد نبوی میں داخل ہو کر آنحضرت ﷺ کے روبرو جا کھڑے ہوئے۔ آنحضرت ﷺ مسجد میں صحابہ کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے (اور بزم نبوت آراستہ تھی) بدیل نے آپ کے سامنے کھڑے ہو کر ان شعروں کے ذریعہ فریاد کی۔

یارَبِّ اِنّی ناشِدٌ محمَّدًا
حلف ابینا وابیه الاتلدا!

ترجمہ: اے پروردگار میں محمد ﷺ کو وہ عہد معاہدہ یاد دلانے آیا ہوں جو میرے باپ اور ان کے باپ کے درمیان قائم ہے۔

اِنَّ قُرَیْشاً اخلفوك الموعِدا
ونقضوا میثاقك المؤکّداً

ترجمہ: قریش نے آپ سے کئے ہوئے اپنے وعدے کو توڑ ڈالا ہے اور اس مضبوط عہد و پیان کی دھجیاں اڑا دی ہیں۔

هم بیتّونا بالوتیر هجّدا
وقتلونا رُکّعاً وسجّدا

ترجمہ: ان لوگوں نے ہم پر اس وقت شبخون مارا جب کہ ہم وتیر کے چشمہ پر بے فکر سو رہے تھے اور رکوع و سجدے کی حالت میں ہم کو قتل کیا۔

خزاعہ کی مدد کے لئے آمادگی!...... رسول اللہ ﷺ نے ان کی یہ فریاد سن کر فرمایا کہ عمرو تمہیں مدد مل گئی اس کے ساتھ ہی عمرو کی اس (درد بھری) فریاد پر آنحضرت ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ پھر آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ میری مدد نہ فرمائے اگر میں ان ہی چیزوں سے بنی کعب یعنی بنی خزاعہ کی مدد نہ کروں جن سے اپنی مدد کرتا ہوں۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ میں ان ہی چیزوں سے بنی خزاعہ کا بھی بچاؤ کروں گا جن سے خود اپنا بچاؤ کرتا ہوں۔ نیز ایک روایت کے مطابق۔ اور جن سے اپنے گھر والوں کی حفاظت کرتا ہوں۔

اس کے بعد آسمان میں ایک بادل آکر تیرنے لگی اور بادل گرجا۔ اس وقت آنحضرت نے فرمایا:

"یہ بادل بنی کعب یعنی بنی خزاعہ کی مدد کے لئے بلند ہوا ہے!"

انقلاب کی طرف اشارہ...... حضرت بشیر ابن عصمہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ بنی خزاعہ مجھ میں سے ہیں اور میں ان میں سے ہوں۔

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے پاس عمرو ابن سالم کے آنے اور آپ کو اس حادثہ کی خبر دینے سے پہلے اس روز صبح کو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ بنی خزاعہ میں حادثہ ہو گیا ہے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! کیا آپ کا خیال ہے کہ قریش اس صلح نامہ اور معاہدہ کو توڑنے کی جرأت کریں گے جو آپ کے اور ان کے درمیان میں قائم ہے!"

آپ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے جو انقلاب مقدر فرمادیا ہے اس کی وجہ سے وہ معاہدہ کو توڑ کر رہیں گے!"

حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ آیا وہ خوشگوار انقلاب ہے یا ناخوشگوار ہے۔ آپ نے فرمایا خوشگوار ہے (مراد ہے مکہ کی فتح۔ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خوشگوار انقلاب جو مشرکین کے لئے ناخوشگوار ہے مقدر فرمادیا ہے اور یہ انقلاب اسی طرح ظاہر ہو گا کہ قریش کوئی ایسی حرکت کریں جو اس کا سبب بن جائے لہٰذا حق تعالیٰ ان ہی کے ہاتھوں اس صلح نامہ کو ختم کرائے گا تاکہ اس کے نتیجہ میں وہ انقلاب یعنی مکہ کی فتح سامنے آئے)۔

بد عہدی کی آسمانی اطلاع...... حضرت میمونہؓ سے روایت ہے کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ نے ان کے پاس رات گزاری۔ رات میں آپ نے اٹھ کر نماز پڑھنے کے لئے وضو کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ کہتی ہیں کہ اس وقت میں نے آپ کو تین مرتبہ لبیک لبیک یعنی میں آگیا ہوں میں آگیا ہوں۔ اور تین مرتبہ مدد کروں گا۔ مدد کروں گا۔ کہتے سنا۔ جب آپ فارغ ہوئے تو میں نے آپ سے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! میں نے آپ کو تین مرتبہ لبیک لبیک وغیرہ کہتے سنا اور ایسا لگتا تھا جیسے آپ کسی سے بات کر رہے ہیں۔ تو آپ کے ساتھ کوئی اور شخص بھی تھا؟"۔

آپ نے فرمایا:

"یہ بنی کعب بنی خزاعہ کا رجز پڑھنے والا آیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ قریش نے ان کے خلاف بکر ابن وائل یعنی بنی نغاثہ کی مدد کی ہے!"

حضرت میمونہؓ کہتی ہیں کہ اس واقعہ کے تین دن بعد ایک روز رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے ایک رجز پڑھنے والے کی آواز سنی جو یہ شعر پڑھ رہا تھا:

یارب انّی ناشد محمّدا (آخری مصرعہ تک جو گذشتہ سطروں میں بیان ہوئے)۔

غرض جب عمرو ابن سالم اور ان کے ساتھیوں نے آنحضرت ﷺ کے سامنے فریاد کی اور آپ نے ان کی مدد کرنے کا وعدہ فرمالیا تو پھر آپ نے ان لوگوں سے پوچھا کہ کن لوگوں نے تم پر غارت کی ہے؟ انہوں نے کہا کہ بنی بکر نے۔ آپ نے پوچھا سارے بنی بکر نے؟ انہوں نے کہا نہیں بلکہ بنی بکر کے ایک خاندان یعنی بنی نغاثہ نے یہ سب کچھ کیا ہے۔

قریش کی طرف سے ابوسفیان مدینے کو...... ادھر جب قریش کو اپنی بد عہدی اور دغابازی پر ندامت ہوئی تو انہوں نے ابوسفیان کو آنحضرت ﷺ کے پاس بھیجنے کا فیصلہ کیا تاکہ وہ اس معاہدہ کو اور تقویت دے اور اس کی مدت میں مزید اضافہ کرنے کی کوشش کرے۔ انہوں نے ابوسفیان سے کہا:

"تمہارے سوا یہ کام کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ اور ان سے معاہدے کی تجدید اور اس کی مدت بڑھانے کی بات کرو!"

چنانچہ ابوسفیان اور اس کا ایک غلام دو سواریوں پر مکے سے روانہ ہوئے۔ ابوسفیان بہت تیز رفتاری کے ساتھ چلا کیونکہ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ (اس بد عہدی کے بعد) مکے سے آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچنے والا پہلا آدمی میں ہی ہوں گا (یعنی اس کا خیال تھا کہ آنحضرت ﷺ کو اب تک اس واقعہ کی خبر بھی نہیں ہوئی ہو گی)۔

ادھر مدینہ میں ابوسفیان کے آنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا:

"یوں سمجھو کہ معاہدہ کی تجدید اور توسیع کے لئے ابوسفیان تمہارے پاس آنے ہی والا ہے لیکن وہ مایوسی اور غصہ میں واپس ہو گیا!"

راہ میں بنی خزاعہ سے ملاقات...... اس کے بعد بنی خزاعہ کا وہ وفد مدینہ سے واپس ہو گیا جب یہ لوگ عسفان کے مقام پر

پہنچے تو وہاں انہیں ابو سفیان ملا جس کے ساتھ ایک غلام بھی تھا اور دونوں دو سواریوں پر سوار تھے۔ ابو سفیان قریش کی طرف سے آنحضرت ﷺ کے پاس معاہدہ کی تجدید اور توسیع کرانے کے لئے جارہا تھا کیونکہ قریش نے جو حرکت کی تھی اس کی وجہ سے وہ لوگ اب بہت خوفزدہ ہورہے تھے۔ ابو سفیان نے ان لوگوں کو دیکھ کر پوچھا کہ کیا تم لوگ مدینے گئے تھے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ یہ کہہ کر وہ لوگ اسے وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔

اب ابو سفیان ان کے جانے کے بعد اس جگہ آیا جہاں انہوں نے اپنی اونٹنیاں بٹھائی تھیں وہاں سے اس نے اونٹ کی مینگنی اٹھائی اور اسے توڑا تو اس میں سے کھجور کی گٹھلی نکلی جس سے اس نے سمجھ لیا کہ بنی خزاعہ کے یہ لوگ مدینے سے ہی آرہے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ مدینے میں عمرو ابن سالم اور بنی خزاعہ کے باقی وفد سے آنحضرت ﷺ نے ہی فرمایا تھا کہ تم لوگ واپس جاؤ اور وادیوں میں پھیل جاؤ تاکہ کسی کو آپ ﷺ کے پاس ان کی آمد کا حال نہ معلوم ہوسکے۔ چنانچہ وہ مدینے سے نکل کر ادھر ادھر وادیوں میں منتشر ہوگئے۔

ان میں سے ایک جماعت ساحل کی طرف چلی گئی جن میں عمرو ابن سالم بھی تھا اور دوسری جماعت جس میں بدیل ابن ورقاء تھا راستے پر ہی چلے۔ چنانچہ ابو سفیان کی ملاقات اسی جماعت سے عسفان کے مقام پر ہوئی جس میں بدیل ابن ورقاء تھا۔ ابو سفیان کو یہ اندیشہ ہوا کہ بدیل آنحضرت ﷺ کے پاس سے ہو کر نہ آرہا ہو (اور اس نے قریش کی بدعہدی اور اپنی مظلومیت کا حال آنحضرت ﷺ کو سنا نہ دیا ہو۔ کیونکہ اب تک تو وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ ابھی آنحضرت ﷺ کو اس واقعہ کی خبر نہیں پہنچی ہوگی) لہٰذا ابو سفیان نے ان لوگوں سے پوچھا:

"ہمیں یثرب کا کچھ حال بتاؤ۔ تم لوگ وہاں کب تھے؟"

انہوں نے کہا:

"ہمیں وہاں کے حالات کا کچھ پتہ نہیں ہے۔ ہم تو ساحل کی طرف تھے جہاں ایک لڑائی میں لوگوں کے درمیان مصالحت اور سمجھوتہ کرارہے تھے!"

اس پر ابو سفیان خاموش ہوگیا یہاں تک کہ وہ سب لوگ وہاں سے چلے گئے۔

ایک روایت میں ابو سفیان نے بدیل سے پوچھا۔ بدیل تم کہاں سے آرہے ہو؟ اس نے کہا کہ میں ساحل پر بنی خزاعہ میں گیا تھا۔ ابو سفیان نے کہا۔ تم محمد ﷺ کے پاس نہیں گئے تھے؟ اس نے کہا نہیں۔ پھر جب بدیل مکے کی راہ پر آگے بڑھ گیا تو ابو سفیان خود سے کہنے لگا کہ اگر یہ لوگ مدینے سے آرہے ہیں تو ان کے اونٹوں نے وہاں کا چارہ اور اس میں کھجور کی گٹھلیاں ضرور کھائی ہوں گی۔ چنانچہ وہ ان کے پڑاؤ کی جگہ آیا اور اونٹ کی مینگنی کو توڑ کر دیکھا تو اس میں سے کھجور کی گٹھلی نکلی۔ اسے دیکھتے ہی ابو سفیان نے کہا کہ اب خدا کی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ یہ لوگ مدینے سے آرہے ہیں (کیونکہ یہ گٹھلی مدینے کی کھجور کی تھی)۔

ابو سفیان بیٹی کے پاس ...... غرض اس کے بعد ابو سفیان روانہ ہوا یہاں تک کہ مدینہ پہنچ گیا۔ مدینے میں ابو سفیان سیدھا اپنی بیٹی حضرت اُمّ حبیبہ کے پاس گیا جو رسول اللہ ﷺ کی ازواج میں سے تھیں۔ گھر میں پہنچ کر جب ابو سفیان نے رسول اللہ ﷺ کے بستر پر بیٹھنا چاہا تو حضرت اُمّ حبیبہ نے جلدی سے اسے لپیٹ دیا۔ یہ دیکھ کر ابو سفیان نے ان سے کہا:

"بیٹی۔ میں نہیں سمجھا کہ تم اس بستر کو مجھ سے بچانا چاہتی ہو یا مجھے اس بستر سے بچانا چاہتی ہو!"

حضرت اُمّ حبیبہ نے باپ سے کہا۔

"نہیں۔ بلکہ یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے اور آپ مشرک اور ناپاک ہیں!"

یہ سن کر ابوسفیان نے کہا:

"خدا کی قسم میرے پاس سے جانے کے بعد تجھ میں یہ خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں!"

حضرت اُمّ حبیبہ نے فرمایا:

"نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی ہدایت عطا فرمادی ہے جب کہ آپ پتھروں کو پوجتے ہیں جو نہ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں۔ بابا آپ پر تعجب ہے کہ آپ قبیلہ قریش کے سردار اور بزرگ و سمجھ دار آدمی ہو کر اب تک اس حال میں ہیں!"

یہ سن کر ابوسفیان نے کہا۔

"تو کیا میں اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ کر محمد ﷺ کے دین کو اختیار کر لوں!"

آنحضرت ﷺ سے بات چیت...... یہ کہہ کر ابوسفیان نکلا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ پھر اس نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

"حدیبیہ کی صلح کے موقعہ پر میں وہاں موجود نہیں تھا۔ اس لئے اب میری خواہش ہے کہ آپ معاہدہ کی تجدید اور توسیع کر دیں"۔

آنحضرت ﷺ کا توسیع سے انکار...... آنحضرت ﷺ نے پوچھا ابوسفیان کیا تم اسی لئے آئے ہو؟ اس نے کہا ہاں! آپ نے پوچھا کیا تم لوگوں نے کوئی نئی بات یعنی صلح نامہ کی خلاف ورزی کی ہے؟ ابوسفیان نے کہا خدا نہ کرے ہم لوگ اپنے عہد پر قائم ہیں اور صلح نامہ کی پابندی کر رہے ہیں نہ ہم نے اس میں کوئی تبدیلی کی ہے اور نہ تغیر۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پھر ہم بھی اس مدت کے صلح نامہ کے پابند ہیں (جو اس میں طے کی گئی ہے۔ یعنی آنحضرت ﷺ نے ابوسفیان کی یہ درخواست نہیں مانی کہ اس میں اضافہ کر دیا جائے) ابوسفیان نے پھر بار بار آپ سے اپنی درخواست دہرائی (کہ اس مدت میں اضافہ کر دیا جائے) مگر آنحضرت ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

سفارش کیلئے ابوسفیان کی دوڑ دھوپ...... علامہ سبط ابن جوزی نے لکھا ہے کہ حضرت اُمّ حبیبہؓ کے پاس ابوسفیان آنحضرت ﷺ سے ملنے کے بعد آیا تھا۔ اس کے بعد وہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس گیا کہ وہ آنحضرت ﷺ سے اس معاملہ میں سفارش کر دیں۔ مگر حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ میں یہ کام نہیں کر سکتا۔

ایک روایت کے مطابق ابوسفیان نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ معاہدہ کی تجدید اور توسیع کر لیجئے۔ انہوں نے کہا:

میری پناہ رسول اللہ ﷺ کی پناہ میں ہے۔ خدا کی قسم مجھے اگر ایک چھوٹی چیونٹی بھی تم سے لڑتی ہوئی ملے تو میں تمہارے خلاف اس کے ساتھ مل کر جہاد کروں گا!"

اس کے بعد ابوسفیان حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور ان سے بھی یہی بات کی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"کیا میں تم لوگوں کی سفارش رسول اللہ ﷺ سے کروں گا۔ خدا کی قسم مجھے اگر ایک چھوٹی چیونٹی بھی تم سے لڑتی ہوئی ملے تو میں تمہارے خلاف اس کے ساتھ مل کر جہاد کروں گا!"

ایک روایت کے مطابق حضرت عمرؓ نے ابوسفیان سے کہا:

"ہمارا اگر کوئی نیا معاہدہ ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ختم فرمادے اور جو ہمارا معاہدہ پرانا اور ختم شدہ ہے اللہ تعالیٰ اس کو پھر تازہ نہ

فرمائے!"

اس وقت ابوسفیان نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ تم نے ایک رشتہ دار کو رشتہ داری کا بہت برا بدلہ دیا۔ اس کے بعد ابوسفیان حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچا اور بولا:

"یہاں میرے رشتہ داروں میں تم سے زیادہ قریبی رشتہ دار کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اس لئے معاہدہ کی تجدید کرا دیجئے اور اس کی مدت بڑھوا دیجئے کیونکہ آپ کہیں گے تو محمد ﷺ آپ کو انکار نہیں کریں گے!"

عثمان و علی سے گفتگو...... مگر حضرت عثمانؓ نے بھی وہی کہا کہ میری پناہ رسول اللہ ﷺ کی پناہ میں ہے۔ اس کے بعد ابوسفیان حضرت علیؓ کے پاس آیا اس وقت وہاں حضرت فاطمہؓ بھی تھیں اور حضرت حسنؓ بھی جو اس وقت چھوٹے سے تھے ان کے سامنے کھیل رہے تھے۔ ابوسفیان نے حضرت علیؓ کے پاس آکر کہا:

"علی۔ تم رشتہ داری کے لحاظ سے میرے قریب ترین آدمی ہو۔ میں ایک ضرورت لے کر آیا ہوں لیکن جس طرح میں رسوائی کے ساتھ آیا ہوں اس طرح واپس نہیں جاؤں گا۔ تم محمد ﷺ سے میری سفارش کر دو!"

حضرت علیؓ نے جواب میں کہا:

"ابوسفیان تیرا برا ہو۔ جب رسول اللہ ﷺ ایک بات کا فیصلہ فرما چکے ہیں تو اب ہماری مجال نہیں کہ اس کے متعلق آپ سے بات کریں!"

نونہالان رسول کی سفارش کی کوشش...... یہ سن کر ابوسفیان حضرت فاطمہ کی طرف متوجہ ہوا اور بولا:

"محمد کی بیٹی! کیا تم اپنے بیٹے کو حکم دو گی کہ وہ لوگوں یعنی قریش کو پناہ دے دیں اور اس طرح ہمیشہ کے لئے عرب کے سردار بن جائیں!"

(یعنی حضرت حسن یہ اعلان کر دیں کہ تمام لوگ یعنی قریش میری پناہ میں ہیں تاکہ اس کے بعد آنحضرت ﷺ اور مسلمان قریش کے خلاف کوئی کاروائی نہ کر سکیں۔ کیونکہ جب وہ قریش کو اپنی پناہ میں لیں گے تو آنحضرت ﷺ اس بات کا خیال فرمائیں گے چونکہ حضرت حسن اس وقت بچے تھے اس لئے ابوسفیان نے حضرت فاطمہؓ سے کہا کہ آپ اس بچے سے یہ اعلان کرا دیں) مگر حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا۔

"میرا بیٹا! ابھی اس قابل نہیں ہے کہ لوگوں کے درمیان پناہ بن سکے۔ اور پھر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں کسی کو پناہ دینے کی جرأت نہیں کر سکتا!"

حضرت فاطمہؓ پر اصرار...... ایک روایت کے مطابق ابوسفیان نے خود حضرت فاطمہؓ سے کہا تھا کہ وہ لوگوں کے درمیان پناہ بن جائیں۔ مگر انہوں نے کہا میں ایک عورت ذات ہوں اس پر ابوسفیان نے کہا کہ اس سے پہلے تمہاری بہن زینب اپنے شوہر ابوالعاص ابن ربیع کو پناہ دے چکی ہیں اور محمد ﷺ نے اس کو قبول کیا تھا۔ حضرت فاطمہؓ نے کہا وہ رسول اللہ ﷺ کا معاملہ تھا۔ اس پر ابوسفیان نے کہا کہ پھر اپنے دونوں بیٹوں میں سے کسی کو حکم دے دو (کہ وہ لوگوں کے درمیان پناہ بن جائیں) حضرت فاطمہ نے کہا:

"وہ دونوں ابھی بچے ہیں اور ان جیسی عمر کے بچے کسی کو پناہ نہیں دے سکتے!"

اس پر ابوسفیان نے حضرت فاطمہؓ سے کہا کہ پھر آپ علیؓ سے بات کریں۔

انہوں نے کہا تم خود ہی کیوں نہیں بات کرتے؟ چنانچہ ابوسفیان نے خود حضرت علیؓ سے بات کی۔ انہوں نے کہا:
ابوسفیان! رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں کوئی بھی ایسا شخص نہیں ہے آنحضرت ﷺ کے کیئے ہوئے فیصلہ میں کوئی ترمیم کر سکے"۔
جہاں تک حضرت فاطمہؓ کے اس قول کا تعلق ہے کہ۔ وہ دونوں ابھی بچے ہیں اور ان جیسی عمر کے بچے کسی کو پناہ نہیں دے سکتے۔ تو یہ بات ہمارے یعنی شافعی فقہاء کے مذہب کے مطابق ہے کہ امان دینے والا شخص ایسا ہونا چاہئے جس پر شرعی احکام لاگو ہو سکتے ہیں (یعنی بچہ نہ ہو جو شرعی احکام کا مکلف نہیں ہوتا)۔

دوسری روایت میں ان کا جو یہ قول ہے کہ۔ میں ایک عورت ذات ہوں۔ تو یہ بات ہمارے شافعی فقہاء کے مطابق نہیں ہے کیونکہ شافعی فقہاء کے نزدیک ایک عورت اور ایک غلام بھی امان دے سکتا ہے کیونکہ شوافع کے یہاں امان دینے کی شرط یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو مکلّف ہو اور مختار ہو۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے اپنے شوہر ابوالعاص ابن ربیع کو امان دی تھی اور اس پر آنحضرت ﷺ نے اپنی صاحبزادی سے فرمایا تھا کہ جس کو تم نے امان دی اس کو ہم نے بھی امان دی۔ نیز آپ نے فرمایا کہ تمام مسلمانوں کے حقوق یکساں اور برابر ہیں ان میں کا کوئی ادنیٰ آدمی بھی اگر کسی کو امان دے دے تو وہ چھوٹے بڑے ہر شخص کی طرف سے ہوگی۔
جیسا کہ آگے صحابہ کے فوجی مہمات کے بیان میں آئے گا۔ قریب ہی میں یہ بات ابوسفیان کے حوالے سے بھی گزر چکی ہے۔

ادھر آگے ایک اور روایت آرہی ہے کہ حضرت اُمّ ہانی نے پناہ دی تھی اور آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ اُمّ ہانی جسے تم نے پناہ دی اسے ہم نے بھی پناہ دی۔ مگر اس بارے میں یہ بات بھی آئے گی کہ دراصل یہ اس امان کی تاکید تھی جو آنحضرت ﷺ کی طرف سے مکے والوں کو دی گئی تھی ایسا نہیں تھا کہ یہ امان اُمّ ہانیؓ کبھی دی ہوئی ہو۔

ابوسفیان کی مایوسی...... اس کے بعد ابوسفیان مسلمانوں میں قریش کے تمام سرکردہ لوگوں اور انصاری مسلمانوں سے ملا مگر ہر ایک یہی جواب دیتا تھا کہ آنحضرت ﷺ کی پناہ میں ہی ہماری پناہ ہے۔ آخر وہ حضرت علیؓ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا:
"ابوالحسن! میرے سامنے کچھ ایسے معاملات ہیں جن میں مجھے کوئی راہ نظر نہیں آتی اس لئے مجھے مشورہ دو!"
حضرت علیؓ نے فرمایا:
"خدا کی قسم! میرے پاس تمہارے لئے ایسی کوئی بات نہیں ہے جس سے تمہارا مسئلہ حل ہو سکے مگر چونکہ تم بنی کنانہ کے سردار ہو اس لئے جاؤ اور لوگوں کے درمیان پناہ کا اعلان کر کے اپنے وطن کو واپس لوٹ جاؤ!"
ابوسفیان نے پوچھا کیا تمہارا خیال ہے اس طرح میرا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا:

علیؓ کے مشورہ پر یک طرفہ اعلان...... "خدا کی قسم میں ایسا نہیں سمجھتا مگر تمہارے لئے اس کے سوا میرے ذہن میں کوئی تجویز نہیں ہے!"

چنانچہ اب ابوسفیان مسجد نبوی میں پہنچ کر کھڑا ہوا اور کہنے لگا:
"لوگو۔ میں پناہ اور صلح کا اعلان کرتا ہوں۔ ایک روایت میں یہ لفظ بھی ہیں کہ۔ خدا کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ کوئی شخص میرے اعلان کو رد نہیں کرے گا۔ اور نہ میری پناہ کو ختم کرے گا"۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ ابوسفیان رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے محمد ﷺ میں لوگوں کے درمیان پناہ بن گیا ہوں۔ پھر اس نے کہا کہ خدا کی قسم میں سمجھتا ہوں کوئی شخص میری امان کو نہیں توڑے گا اور نہ میری پناہ کو رد کرے گا۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ابوحنظلہ! اور ایک روایت کے مطابق۔ اے ابوسفیان! یہ بات تم خود ہی کہہ رہے ہو۔

ابوسفیان کی تاخیر پر قریش میں غلط فہمی...... غرض یہ یکطرفہ اعلان کرنے کے بعد ابوسفیان اونٹ پر سوار ہو کر واپس روانہ ہو گیا یہاں تک کہ مکہ میں قریش کے پاس پہنچا چونکہ ابوسفیان کو مکے سے گئے ہوئے بہت دن ہو چکے تھے اور قریش اس کا انتظار کرتے کرتے تھک چکے تھے اس لئے اب انہوں نے ابوسفیان کے بارے میں یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ وہ بے دین ہو گیا ہے اور اس نے مدینے میں چپکے سے محمد ﷺ کی پیروی قبول کر لی ہے مگر اپنے اسلام کو ہم سے چھپا رہا ہے۔

اب جب ابوسفیان مکے پہنچا تو اس کی بیوی نے اس سے کہا:

"اگر اتنے طویل قیام کے بعد تم کامیابی کے ساتھ واپس آئے ہو تو تم یقیناً بہترین آدمی ہو!"

بیوی کی طرف سے ابوسفیان کا استقبال...... ابوسفیان بیوی کے قریب پہنچ کر ایک شوہر کی طرح بیٹھا اور پھر اس کو سارا حال سنایا۔ اس کی کارگزاری سن کر اس کی بیوی ہندہ نے غصہ میں اس کے سینے پر لات ماری اور کہنے لگی:

"خدا کی مار۔ تم قاصد بن کر گئے تھے اور یہ کر کے آئے ہو!"

صبح کو ابوسفیان نے اساف اور نائلہ کے بتوں کے پاس پہنچ کر سر منڈایا' جانور کی قربانی دی اور قربانی کا خون ان دونوں بتوں کے سروں پر ملا۔ یہ سب اس نے اس لئے کیا کہ لوگ اس پر بے دین ہونے کا جو الزام لگا رہے ہیں وہ دھل جائے۔ قریش نے ابوسفیان کو دیکھا تو پوچھا:

"کیا کر کے آئے ہو؟ محمد ﷺ کی کوئی تحریر لائے ہو یا ان سے کوئی معاہدہ کر کے آئے ہو!"

قریش کے سامنے روداد سفر...... ابوسفیان نے کہا:

"نہیں خدا کی قسم انہوں نے میری کوئی بات نہیں مانی' پھر میں نے ان کے صحابہ کی بہت خوشامد کی مگر جتنے وہ لوگ محمد ﷺ کے اطاعت گزار ہیں اتنی کوئی قوم اپنے بادشاہ کی بھی اطاعت گزار نہ ہوگی"۔

ایک روایت کے مطابق ابوسفیان نے کہا کہ میں محمد ﷺ کے پاس گیا اور ان سے گفتگو کی مگر خدا کی قسم انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر میں ابن ابوقحافہ یعنی ابوبکرؓ کے پاس گیا مگر ان کی طرف سے بھی کوئی حوصلہ افزائی نہیں ہوئی۔ اس کے بعد میں عمر ابن خطاب کے پاس گیا مگر ان کو سب سے زیادہ ہی دشمن پایا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ ان کو میں نے سب دشمنوں سے بڑھ کر دشمن پایا۔ پھر میں علی ابن ابوطالب کے پاس پہنچا ان کو میں نے سب سے زیادہ نرم پایا انہوں نے مجھے ایک مشورہ دیا جس پر عمل کر کے آ گیا ہوں مگر خدا کی قسم میں نہیں کہہ سکتا کہ آیا اس سے کوئی فائدہ بھی ہو گا یا نہیں۔

قریش نے پوچھا کہ علی نے تمہیں کیا مشورہ دیا تھا؟

ابوسفیان نے کہا:

"یہی کہ میں لوگوں میں پناہ اور امان کا اعلان کر دوں۔ علیؓ نے مجھ سے کہا تھا کہ تم محمد ﷺ کے مقابلے میں لوگوں کی پناہ کیوں ڈھونڈ رہے ہو اور خود پناہ کا اعلان نہیں کرتے تم قریشی سردار ہو اور معزز آدمی ہو تمہیں اس کا حق ہے کہ امان کا اعلان کر دو اور تمہارے اعلان کی خلاف ورزی نہیں ہو گی۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کر دیا!"

قریش کی ملامت...... اس پر قریش نے پوچھا کہ تم نے جو یکطرفہ اعلان کیا ہے کیا محمد ﷺ نے بھی اس کی تصدیق کی ہے؟ ابوسفیان نے کہا نہیں بلکہ محمد ﷺ نے صرف یہ کہا تھا کہ اے ابوحنظلہ! یہ بات تم خود ہی کہہ رہے ہو۔ خدا کی قسم! اس کے سوا تو

انہوں نے کچھ بھی نہیں کہا۔اس پر قریش نے ناراض ہو کر کہا:

"تم ان کی رضامندی کے بغیر جو کچھ کر کے آئے ہو اس سے نہ ہمیں کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے اور نہ تمہیں۔ خدا کی قسم تمہاری پناہ اور امان بالکل بے کار ہے۔ تمہارے اس یک طرفہ اعلان کو توڑ دینا ان کیلئے کیا مشکل ہے۔ خدا کی قسم اس شخص یعنی علی نے تمہارے ساتھ مسخرہ پن کیا ہے!"

ابوسفیان نے کہا خدا کی قسم اس کے سوا میرے پاس کچھ کرنے کو تھا بھی نہیں۔

آنحضرت ﷺ کا عزم سفر ......ادھر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو کوچ کے لئے تیاری کا حکم دیا ساتھ ہی آپ نے اپنے گھر والوں یعنی حضرت عائشہؓ کو بھی تیاری کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم تیاری کرو مگر اپنے معاملے کو پوشیدہ رکھنا۔

چنانچہ حضرت عائشہؓ تیاری میں لگی ہوئی تھیں اور ستو آٹا تیار کر رہی تھیں کہ حضرت ابو بکرؓ آگئے ایک روایت میں یوں ہے کہ جب حضرت ابو بکرؓ بیٹی کے پاس پہنچے تو وہ گیہوں پاس رکھے ہوئے اسے صاف کر رہی تھی اور پچھوڑ رہی تھیں حضرت ابو بکرؓ نے کہا:

"بیٹی! کیا رسول اللہ ﷺ نے تمہیں اس تیاری کا حکم دیا ہے۔"

حضرت عائشہؓ نے کہا ہاں اسی لئے تیاری کر رہی ہوں۔ صدیق اکبرؓ نے پوچھا کچھ معلوم ہے آپ کہاں کا ارادہ فرما رہے ہیں؟ حضرت عائشہؓ نے کہا خدا کی قسم مجھے یہ معلوم نہیں ہے' یعنی یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ آنحضرت ﷺ نے مکے کے کوچ کرنے کے سلسلے میں صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ سے مشورہ نہیں کیا تھا جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

اسکے بعد آنحضرت ﷺ نے لوگوں میں اعلان کرادیا کہ آپ مکے کو روانہ ہو رہے ہیں اور لوگ پوری تندہی کیساتھ تیاری کریں۔

کتاب امتاع میں یوں ہے کہ جب حضرت ابو بکرؓ حضرت عائشہؓ سے تحقیق کر رہے تھے تو اسی وقت رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لے آئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے آپ سے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ کیا آپ نے سفر کا ارادہ فرمایا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ صدیق اکبرؓ نے عرض کیا تو پھر میں بھی تیاری کروں؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ حضرت ابو بکرؓ نے پوچھا آپ کہاں کا ارادہ فرما رہے ہیں یارسول اللہ ﷺ! آپ نے فرمایا:

"قریش کے مقابلے کا۔ مگر ابو بکر! اس بات کو ابھی پوشیدہ ہی رکھنا!"

تیاری کا حکم...... غرض آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو تیاری کا حکم دیا مگر آپ نے ان کو اس سے بے خبر رکھا کہ آپ کا کہاں جانے کا ارادہ ہے۔ادھر حضرت ابو بکرؓ نے آپ سے عرض کیا:

"یارسول اللہ! کیا قریش کے اور ہمارے درمیان ابھی معاہدہ اور صلح کی مدت باقی نہیں ہے!"

آپ نے فرمایا:

"ہاں۔ مگر انہوں نے غداری کی ہے اور معاہدہ توڑ دیا ہے۔ مگر میں نے جو کچھ تم سے کہا ہے اس کو راز ہی رکھنا!"

ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے آپ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ کیا آپ نے کسی طرف روانگی کا ارادہ فرمایا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ انہوں نے کہا شاید آپ بنی اصفر کی طرف کوچ کا ارادہ فرما رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ نہیں۔ انہوں نے کہا تو کیا پھر نجد کی طرف کوچ کا ارادہ ہے۔ آپ نے فرمایا۔ نہیں۔ صدیق اکبرؓ نے کہا:

"تب پھر شاید آپ قریش کی طرف روانگی کا ارادہ فرما رہے ہیں"۔

آپ نے فرمایا۔ "ہاں۔!"

انہوں نے کہا مگر یا رسول اللہ! ان کے اور ہمارے درمیان تو ابھی صلح نامہ کی مدت باقی ہے۔

آپ نے فرمایا:

"کیا تمہیں معلوم نہیں کہ انہوں نے بنی کعب یعنی بنی خزاعہ کے ساتھ کیا کیا ہے"۔

مسلم بستیوں سے مجاہدوں کی طلبی...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دیہات اور گرد و پیش کی مسلم آبادیوں میں پیغامات بھجوائے اور ان کے پاس کہلایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ رمضان کا مہینہ مدینے میں گزارے۔

ابو بکرؓ و عمرؓ سے مشورہ...... یہ اعلان کرانے سے پہلے آنحضرت ﷺ نے مکے کو کوچ کرنے کے سلسلے میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ سے مشورہ فرمایا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس کوچ کی مخالفت کی تھی اور کہا تھا کہ وہ لوگ یعنی قریش آپ کی قوم ہیں۔ گویا دبے لفظوں میں صدیق اکبرؓ نے آپ کو روکنے کی کوشش کی تھی مگر حضرت عمرؓ نے نہایت جوش و خروش کے ساتھ اس بات کی تائید کی اور کہا:

"بے شک وہ لوگ کفر و گمراہی کے سردار ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ آپ جادوگر اور جھوٹے ہیں!"

پھر حضرت عمرؓ نے قریش کی وہ ساری حرکتیں اور باتیں گنائیں جو وہ کیا اور کہا کرتے تھے اس کے بعد کہا:

"خدا کی قسم۔ جب تک مکے والے سرنگوں نہیں ہوں گے اس وقت تک عرب سرنگوں نہیں ہوں گے!"

ان دونوں کے متعلق آنحضرت ﷺ کی رائے...... اس وقت رسول اللہ ﷺ نے۔ ان دونوں صحابہ کے بارے میں فرمایا کہ ابو بکرؓ حضرت ابراہیمؑ کی طرح ہیں جو اللہ کے معاملے میں موم سے زیادہ نرم تھے اور عمر حضرت نوحؑ کی طرح ہیں جو اللہ کے معاملے میں پتھر سے زیادہ سخت تھے۔ اور یہ کہ بات وہی ہے جو عمرؓ نے کہی ہے۔

ان دونوں حضرات کے متعلق آنحضرت ﷺ کا اسی قسم کا ارشاد اس موقعہ پر بھی گزر چکا جہاں آپ نے ان سے غزوۂ بدر کے جنگی قیدیوں کے متعلق مشورہ فرمایا تھا اور ان دونوں کی مختلف رائیں سن کر ان کے متعلق اسی طرح کا ارشاد فرمایا تھا)۔

قبائل کی آمد...... غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ کے اعلان کے مطابق قبائل عرب مدینے آنے شروع ہو گئے۔ جو قبائل مدینے پہنچے ان میں بنی اسلم، بنی غفار، مزینہ، بنی اشجع اور بنی جہینہ تھے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

"اے اللہ! قریش کے مخبروں اور جاسوسوں کو روک دے تاکہ ہم ان لوگوں پر ان کے علاقے میں اچانک پہنچیں"۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ:

"اے اللہ! قریش کے جاسوسوں اور سُن گُن لینے والوں کو روک دے تاکہ وہ اچانک ہمیں دیکھیں اور اچانک ہمارے بارے میں سنیں!"

رازداری کے انتظامات...... ادھر رسول اللہ ﷺ نے تمام راستوں پر نگرانی کرنے والی جماعتیں بٹھا دیں تاکہ ہر آنے جانے والے کے متعلق پتہ رہے آپ نے ان سے فرمایا کہ جو کوئی شخص بھی انجان شخص تمہارے پاس سے گزرے تو اسے روک دینا (تاکہ قریش کو مسلمانوں کی تیاریوں کا علم نہ ہو سکے)۔

حاطب کی قریش کو اطلاع کی کوشش

جب کہ رسول اللہ ﷺ کوچ کا فیصلہ فرما چکے تھے اور سب لوگوں کو اس کی خبر ہو چکی تھی تو حاطب ابن ابی بلتعہ نے قریش کے تین بڑے سرداروں کو اس کی اطلاع لکھ کر بھیجی یہ تین سردار سہیل ابن عمرو' صفوان ابن امیہ اور عکرمہ ابن ابو جہل تھے۔ بعد میں یہ تینوں حضرات مسلمان ہو گئے تھے جیسا کہ پیچھے بھی بیان ہو چکا ہے۔ حاطب ابن ابی بلتعہ نے ان تینوں کے نام ایک خط لکھا تھا جس میں آنحضرت ﷺ کی تیاریوں کی اطلاع دی تھی۔

ایک عورت کے ذریعہ قریش کو خفیہ پیغام...... یہ خط انہوں نے ایک عورت کو دیا اور کہا کہ اگر وہ قریش تک یہ خط پہنچادے تو اس کو زبردست انعام دیا جائے گا۔ کہا جاتا ہے کہ حاطب نے اس عورت کو دس دینار دیئے تھے اور اسے ایک قیمتی چادر انعام میں دی تھی۔ پھر حاطب نے اس سے کہا:

"جہاں تک ممکن ہو اس خط کو پوشیدہ رکھنا اور عام راستوں سے سفر مت کرنا کیونکہ جگہ جگہ نگرانی کرنے والے بیٹھے ہوئے ہیں"۔

چنانچہ وہ عورت عام راستہ چھوٹ کر ایک دوسرے راستہ سے روانہ ہوئی۔ یہ عورت عبدالمطلب ابن عبد مناف کے خاندان میں ایک شخص کی باندی تھی اور اس کا نام سارہ تھا۔ یہ مکے کی ایک مغنّیہ اور گانے والی عورت تھی یہ مدینہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس آکر مسلمان ہوئی تھی۔ اس نے آنحضرت ﷺ سے اپنی پریشان حالی کی شکایت کر کے کھانے پینے کا سامان مانگا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کا سوال سن کر فرمایا:

"کیا گانے بجانے کے ذریعہ تیری ضروریات پوری نہیں ہوتیں!"

اس نے کہا:

"جب سے قریش کے بڑے بڑے لوگ جنگ بدر میں قتل ہوئے ہیں انہوں نے گانا سننا چھوڑ دیا ہے!"

آسمانی اطلاع اور عورت کا تعاقب...... آنحضرت ﷺ نے اس عورت کی حاجت روائی کی اور اسے ایک اونٹ پر لاد کر کھانا دیا' اسکے بعد یہ عورت واپس مکے گئی جہاں پہنچ کر یہ اسلام سے پھر گئی وہاں ابن خطل نامی ایک شخص اس عورت کو رسول اللہ ﷺ کی شان میں توہین آمیز شعر لکھ کر دینے لگا جنہیں یہ گایا کرتی تھی۔

غرض حاطب کا خط لے کر اس نے احتیاط کے طور پر اپنے سر کے بالوں میں چھپالیا تاکہ کوئی دیکھ نہ سکے اور اس کے بعد یہ روانہ ہو گئی۔ ادھر رسول اللہ ﷺ کو حاطب کی اس حرکت کی خبر آسمان سے مل گئی۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت مقدادؓ کو۔ اور ایک روایت کے مطابق۔ علیؓ۔ عمارؓ۔ زبیرؓ۔ طلحہؓ۔ مقدادؓ اور ابو مرثدؓ کو اس عورت کے تعاقب میں روانہ فرمایا۔

یہاں ناموں کے سلسلے میں جو اختلاف ہے اس سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے ممکن ہے آنحضرت ﷺ نے ان سب کو ہی

بھیجا ہو لیکن بعض راویوں نے ان میں سے چند کے نام ہی ذکر کئے ہوں۔ غرض آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں سے فرمایا:

''فلاں مقام پر تمہیں وہ عورت ملے گی اسے حاطب نے قریش کے نام ایک خط لکھ کر دیا ہے جس میں قریش کے خلاف ہماری تیاریوں کی اطلاع دی گئی ہے۔ تم لوگ اس عورت سے وہ خط چھین لو اور اسے جانے دو۔ لیکن اگر وہ عورت خط دینے سے انکار کرے تو اس کی گردن مار دینا!''

عورت سے خط کا حصول...... چنانچہ یہ حضرات اسی وقت روانہ ہو گئے اور عین اسی مقام پر انہوں نے اس عورت کو جا پکڑا جہاں آنحضرت ﷺ نے بتلایا تھا۔ انہوں نے اس سے پوچھا وہ خط کہاں ہے؟ اس عورت نے اللہ کے نام کا حلف اٹھا کر کہا کہ میرے پاس کوئی خط وغیرہ نہیں ہے۔ آخر ان لوگوں نے عورت کو اونٹ سے نیچے اتارا اور اس کے کپڑوں اور سواری کی اچھی طرح تلاشی لی مگر خط کہیں نہ ملا۔ آخر حضرت علیؓ نے کہا:

''میں حلف اٹھا کر کہہ سکتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کبھی غلط بات نہیں کہہ سکتے اور نہ ہم سے آپ جھوٹ کہہ سکتے ہیں۔ اب تو یا تو وہ خط نکال کر دے دے ورنہ ہم یا تو تجھے ننگا کر دیں گے اور یا تیری گردن مار دیں گے!''

آخر اس عورت نے جب دیکھا کہ یہ کسی طرح ماننے والے نہیں ہیں تو اس نے کہا ٹھہرو۔ چنانچہ ان لوگوں نے ہاتھ روک لیا اور اس نے اپنے سر کے بالوں کی مینڈھیاں کھول کر ان میں سے حاطب کا خط نکالا اور ان لوگوں کے حوالے کر دیا۔ بخاری میں یوں ہے کہ۔ اس نے بالوں کی گوندھ میں سے خط نکالا' بہر حال اس سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا۔

بخاری ہی میں ایک دوسری جگہ یوں ہے کہ۔ اس نے وہ خط اپنی شلوار کے نیفے میں چھپا رکھا تھا وہیں سے نکال کر دیا۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ اس سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا ممکن ہے پہلے اس نے اپنی مینڈھیوں میں چھپایا ہو اور پھر نیفے میں رکھ لیا ہو جہاں سے نکال کر دیا۔

آگے آئے گا کہ یہ عورت ان لوگوں میں سے تھی جن کا خون فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے جائز قرار دیا تھا۔ مگر پھر یہ مسلمان ہو گئی تو آنحضرت ﷺ نے اس کو معافی دے دی تھی۔ غرض ان صحابہ نے اس عورت سے وہ خط حاصل کیا اور پھر آنحضرت ﷺ کو لا کر پیش کیا۔

خط کا مضمون...... اس خط میں یہ تحریر تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہارے خلاف اندھیری رات کی طرح ایک زبردست لشکر تیار کیا ہے جو سیلاب کی طرح تمہارے طرف بڑھنے کو ہے۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر آنحضرت ﷺ تنہا بھی تمہاری طرف بڑھے تو اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے گا کیونکہ آپ سے اللہ نے تمہارے متعلق جو وعدہ کیا ہے آپ اس کی تکمیل کے لئے جا رہے ہیں اور اللہ کی مدد اور ذمہ داری ان کے ساتھ ہے۔

ایک قول کے مطابق اس خط میں یہ تھا کہ۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر جمع کیا ہے جو یا تو تمہارے مقابلے کے لئے ہے اور یا تمہارے علاوہ کسی اور کے لئے ہے اس لئے تم لوگوں پر لازم ہے کہ پوری طرح ہوشیار اور چوکنے رہو۔

ایک قول کے مطابق خط کا مضمون یہ تھا کہ۔ رسول اللہ ﷺ نے جنگ کا اعلان کر دیا ہے اور میرا خیال ہے کہ یہ جنگ تمہارے ہی خلاف ہے لہٰذا میں نے مناسب سمجھا کہ اس خط کے ذریعہ تمہیں اطلاع دے کر تمہارے ساتھ بھلائی کروں۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ خط میں یہ ساری باتیں درج ہوں اور اس ترتیب سے ہوں کہ محمد ﷺ نے جنگی سفر کا اعلان کر دیا ہے اور کوچ کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اب یا تو ان کا رخ تمہاری طرف ہو گا اور یا کسی اور طرف ہو گا مگر میرا خیال ہے کہ ان

کی منزل تم ہی لوگ ہو۔
یہ بات اس وقت لکھی گئی ہو گی جب کہ آنحضرت ﷺ کے مکے کی طرف کوچ کرنے کی خبر عام نہیں ہوئی تھی اور پھر جب حاطب کو آپ کا رخ معلوم ہو گیا تو انہوں نے خط میں یہ اضافہ کر دیا کہ محمد ﷺ اپنے لشکر کے ساتھ مکے کا رخ کرنے والے ہیں۔ آخر مضمون تک۔ تو گویا کچھ راویوں نے خط کا پورا مضمون نقل نہیں کیا بلکہ اس کا کچھ حصہ بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم

حاطب سے پوچھ گچھ اور ان کی صاف گوئی...... غرض اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حاطب کو بلایا اور انہیں خط دکھا کر پوچھا کہ کیا تم اس خط کو پہچانتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں! آپ نے پوچھا۔ تم نے یہ کیوں لکھا؟ انہوں نے کہا:

"خدا کی قسم میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہوں اس میں کوئی تبدیلی اور تغیر نہیں ہوا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ جب سے میں مسلمان ہوا ہوں اس وقت سے آج تک میں نے کفر نہیں کیا اور جب سے مجھے ہدایت ہوئی ہے میں کبھی گمراہ نہیں ہوا۔ اور اسی طرح جب سے میں نے اپنی مشرک قوم کو چھوڑا ہے کبھی ان کے ساتھ محبت کا جذبہ بیدار نہیں ہوا۔ بات صرف یہ ہے کہ قریش میں نہ میرا کوئی رشتہ دار ہے اور نہ خاندان کا آدمی ہے جب کہ ان لوگوں کے درمیان میری بیوی اور بیٹا پھنسا ہوا ہے اس لئے میں نے ان کے واسطے قریش کے ساتھ یہ نیک سلوک کیا تھا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ یارسول اللہ! میرے معاملے میں جلدی نہ کیجئے میں قریش کا صرف ایک حلیف یعنی معاہدہ بردار شخص ہوں!"

یہاں حلیف اور دوست کے لئے ملصق کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ ملصق اس کو کہتے ہیں جس کا نسبی تعلق کوئی نہ ہو اور نہ وہ معاہدین میں ہی ہو۔

غرض حاطب نے کہا:

"میرا قریش سے کوئی تعلق نہیں ہے جب کہ آپ کیساتھ جو مہاجر مسلمان ہیں ان کی قریش میں رشتہ داریاں ہیں جس کی وجہ سے وہ لوگ مشرک ہوتے ہوئے بھی ان کے مال و دولت اور گھر والوں کی حفاظت کرتے ہیں جب کہ وہاں میرا کوئی عزیز نہیں ہے لہٰذا میں نے ان کے ساتھ یہ احسان کرنا چاہا تھا تاکہ اس کے نتیجہ میں وہ لوگ میرے گھر والوں کی حفاظت کریں۔ گھر والوں سے مراد یہاں حاطب کی ماں ہیں"۔ بعض روایات میں یوں ہے کہ:

"میں قریش میں بالکل اجنبی اور بے کس آدمی ہوں جب کہ میری والدہ مشرکوں کے درمیان میں ہیں لہٰذا میں نے یہ حرکت اسی لئے کی تھی کہ اس کے بدلے میں وہ لوگ میری ماں کو کوئی گزند نہ پہنچا سکیں میں نے یہ حرکت ہرگز اس لئے نہیں کہ کہ خدانخواستہ میں مسلمان ہونے کے بعد پھر کفر کرنے لگا ہوں۔ اور یہ بات تو آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر اپنا قہر نازل فرمانے والا ہے میرے اس خط سے کچھ بھی نہیں ہوگا"۔

عمرؓ کا حاطب پر غصہ...... یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ اس شخص نے تمہارے سامنے سب کچھ سچ سچ بتا دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

"یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس شخص کا سر قلم کر دوں کیونکہ یہ منافق ہو گیا ہے!"

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حاطب سے کہا:

"خدا تجھے ہلاک کرے تو دیکھ رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کس قدر رازداری سے کام لے رہے ہیں اور تو قریش کو خط لکھ کر چوکنا کر رہا ہے۔ ایک روایت کے مطابق پھر عمر فاروقؓ آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن

ماردوں کیونکہ یہ جانتا تھا کہ آپ نے راستوں پر نگرانی اور پہرے بٹھا دیئے ہیں اور حکم دے رکھا ہے کہ کوئی بھی غلط آدمی وہاں سے گزرتا ہوا دیکھیں تو اسے روک دیں!"

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: حضرت عمرؓ کا جو یہ قول ہے کہ یہ شخص منافق ہو گیا ہے اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ اس شخص نے آنحضرت ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کی ہے۔ یہ مقصد نہیں ہے کہ یہ دل میں کفر چھپائے ہوئے ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ پہلے ہی فرما چکے تھے کہ اس شخص نے سچی بات کہہ دی ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ سمجھا کہ آنحضرت ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والا یقیناً قتل کا مستحق ہے۔

شریک بدر کا مقام...... مگر بخاری میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ۔ اس شخص نے تمہارے سامنے سچی بات کہہ دی ہے اب اس کے متعلق خیر ہی کی بات کہو۔ لہٰذا اب اس ارشاد کی روشنی میں حضرت عمرؓ کا یہ قول سمجھ میں نہیں آتا جب کہ انہوں نے حاطب کو یہ بددعا بھی دی کہ خدا تجھے ہلاک کرے۔ اب اس سلسلے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ شاید حضرت عمرؓ نے یہ بات آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے پہلے کہہ دی تھی۔

غرض جب حضرت عمرؓ نے حاطب کی گردن مارنے کی اجازت چاہی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"یہ شخص ان لوگوں میں سے ہے جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے ہیں۔ اور عمر تمہیں کیا پتہ ہے۔ ممکن ہے اللہ نے اہل بدر سے یہ فرمادیا ہو کہ تم جو چاہو کرو میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ میں تمہارے لئے جنت واجب کر چکا ہوں۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ جو شخص بھی غزوۂ بدر میں شریک ہو چکا ہے وہ جہنم کی آگ میں نہیں ڈالا جائے گا!"

یہ ارشاد سن کر حضرت عمرؓ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ اور حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائیں:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُم مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَن تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ. (پ ۲۸ الممتحنہ ع ۱۔ آیت ۱)

ترجمہ: اے ایمان والو۔ تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ کہ ان سے دوستی کا اظہار کرنے لگو حالانکہ تمہارے پاس جو دین حق آچکا وہ اس کے منکر ہیں۔ رسول کو اور تم کو اس بناء پر کہ تم اپنے پروردگار اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے شہر بدر کر چکے ہیں۔

حاطب کے ایمان کی آسمانی شہادت...... اس آیت میں عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ میں حاطب کی زبردست منقبت اور تعریف ہے کیونکہ ان الفاظ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کی شہادت دی ہے۔ نیز تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ سے مراد یہ ہے کہ ان سے دوستی کا مظاہرہ کرنے لگو۔

کوچ اور مدینہ میں قائم مقامی...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اس غزوہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ مدینہ میں آپ نے ابورہم کلثوم ابن حصین غفاریؓ کو اپنا مقام بنایا۔ ایک قول ہے کہ ابن ام مکتوم کو بنایا تھا۔ علامہ دمیاطی نے اپنی سیرت کی کتابوں میں اسی دوسرے قول کو درست قرار دیا ہے۔

تاریخ روانگی...... آنحضرت ﷺ نے دس رمضان کو مدینے سے کوچ فرمایا۔ اس تاریخ کے متعلق بہت سے قول ہیں ایک قول ہے کہ دو رمضان کو کوچ کیا۔ ایک قول ہے کہ بارہ تاریخ کو ایک قول ہے کہ تیرہ تاریخ کو ایک قول ہے کہ سترہ کو اور ایک

قول کے مطابق اٹھارہ تاریخ کو کوچ فرمایا تھا۔ اٹھارہ تاریخ کا قول مسند امام احمدؒ میں صحیح سند کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

علامہ ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ دسویں رمضان کے مقابلے میں یہ اٹھارہ تاریخ کا قول زیادہ صحیح ہے کتاب امتاع میں پہلا قول یہی ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ انیس رمضان ۸ھ کو روانہ ہوئے تھے کتاب نور میں یوں ہے کہ اس روانگی کے مہینے اور سال کے متعلق کسی قسم کا کوئی اختلاف میرے علم میں نہیں ہے۔ بخاری میں یوں ہے کہ اس موقعہ پر آنحضرت ﷺ کی روانگی آپ کے مدینے آنے کے پورے ساڑھے آٹھ سال بعد ہوئی۔ مگر اس کا مطلب ہے کہ یہ روانگی ۹ھ میں ہوئی جو قابل غور ہے۔

کُل لشکر کی تعداد...... رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس غزوہ میں دس ہزار آدمی تھے۔ یہ تعداد ان قبائل سمیت تھی جو راستے میں آپ کے ساتھ آکر ملتے گئے جیسے بنی اسد اور بنی سلیم کے قبائل تھے۔ اس موقعہ پر مہاجروں اور انصاریوں میں سے کوئی بھی پیچھے نہیں رہا۔

قبائل اور سواروں کی تعداد...... مہاجرین کی کُل تعداد سات سو تھی جن کے ساتھ تین سو گھوڑے تھے اور انصاریوں کی تعداد چار ہزار تھی اور ان کے ساتھ پانچ سو گھوڑے تھے۔ اسی طرح بنی مزنیہ کے لوگوں کی تعداد ایک ہزار تھی جن کے ساتھ سو گھوڑے تھے۔ بنی سلیم کی تعداد سو تھی اور ان کے ساتھ تیس گھوڑے تھے۔ بنی جہینہ کُل ملا کر آٹھ سو تھے اور ان کے ساتھ پچاس گھوڑے تھے۔ ایک قول ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہمراہی صحابہ کی تعداد کُل بارہ ہزار تھی۔ (جو تمام قبائل کو ملا کر تھی)

ابن حرث اور عبداللہ سے ملاقات...... جب آنحضرت ﷺ ابواء کے مقام پر یا اس کے قریب پہنچے تو وہاں آپ کو ابوسفیان ابن حرث ملا۔ یہ حرث آنحضرت ﷺ کا چچا تھا اور عبدالمطلب کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ یہ اسی لقب کے ساتھ مشہور تھا۔ یہ ابوسفیان آنحضرت ﷺ کا رضاعی یعنی دودھ شریک بھائی بھی تھا کیونکہ اس نے بھی دایہ حلیمہ کا دودھ پیا تھا جیسا کہ بیان ہوا۔

اسی طرح آپ کو عبداللہ ابن امیہ ابن مغیرہ ملا جو آنحضرت ﷺ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کا بیٹا تھا یہ اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہؓ کا باپ شریک بھائی تھا۔ ان کی مائیں علیحدہ علیحدہ تھیں کیونکہ حضرت اُمّ سلمہؓ کی والدہ عاتکہ بنت جندل عفان تھی۔ اُمّ المومنینؓ کے باپ امیہ ابن مغیرہ کے بھی دو بیویاں تھیں اور دونوں کا نام عاتکہ ہی تھا۔ اس طرح عبداللہ کے پاس چار عاتکائیں تھیں۔

طویل دشمنی کے بعد ہدایت...... یہ ابن حرث اور عبداللہ آنحضرت ﷺ کے پاس اسلام قبول کرنے کیلئے آرہے تھے یہ دونوں اس سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے بدترین دشمن تھے اور آپ کو سب سے زیادہ ایذائیں پہنچایا کرتے تھے۔ جب کہ اس سے پہلے یعنی آنحضرت ﷺ کی نبوت سے پہلے یہ ابن حرث۔ آنحضرت ﷺ کے بہت قریبی دوستوں میں رہ چکے تھے اور کسی وقت آپ سے جدا ہونا پسند نہیں کرتے تھے۔

دونوں سے آنحضرت ﷺ کا تکدّر...... (چونکہ نبوت کے بعد یہ دونوں آنحضرت ﷺ کے بدترین دشمن بن چکے تھے اس لئے) جب آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھا تو آپ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا' اس پر حضرت اُمّ سلمہؓ نے ان کے متعلق آپ سے بات کی اور کہا:

"آپ کے چچا کا بیٹا اور آپ کی پھوپھی کا بیٹا جو آپ کا سُسرالی بھی ہے آپ کے ساتھ بدبخت آدمی نہیں رہ سکتا!"

(یعنی اگر آپ نے ان کی طرف توجہ نہ فرمائی تو ان کی بدنصیبی میں کوئی شبہ نہ ہوگا اس لئے اپنے سے اتنے قریب آدمیوں کو ایسی بدبختی میں نہ ڈالئے) مگر آپ نے فرمایا:

"مجھے ان دونوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جہاں تک میرے چچا کے بیٹے یعنی ابو سفیان کا تعلق ہے تو اس نے میری ہتک عزت کی ہے۔ اور جہاں تک میرے پھوپھی کے بیٹے اور سسرالی بھائی یعنی اُمّ سلمہ کے بھائی عبد اللہ کا معاملہ ہے تو وہی شخص ہے جس نے مکے میں مجھے سخت نازیبا باتیں کہی تھیں!"

عبد اللہ نے مکے میں ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کو جھٹلاتے ہوئے کہا تھا:

"خدا کی قسم میں اس وقت تک تم پر ایمان نہیں لاؤں گا جب تک کہ تم آسمان میں سیڑھی لگا کر اس پر چڑھو اور میں تمہیں چڑھتے دیکھتا رہوں پھر تم وہاں سے ایک دستاویز اور چار فرشتوں کو لے کر آؤ جو اس بات کی گواہی دیں کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے!"

جذبۂ صادق اور تاثیر ...... غرض رسول اللہ ﷺ نے ابو سفیان کو باریابی کی اجازت دینے سے منع فرمادیا۔ ابو سفیان کے ساتھ اسکا ایک بیٹا بھی تھا۔ آنحضرت ﷺ کے اس انکار پر ابو سفیان نے کہا:

"خدا کی قسم! یا تو آنحضرت ﷺ مجھے باریابی کی اجازت دے دیں ورنہ میں اپنے اس بچہ کا ہاتھ پکڑ کر اس روئے زمین پر کہیں بھی ایسی جگہ نکل جاؤں گا جہاں ہم دونوں بھوکے پیاسے مر جائیں گے"۔

آنحضرت ﷺ کو جب ابو سفیان کا یہ جملہ پہنچا تو آپ کو ان پر رحم آ گیا اور ان کو حاضر ہونے کی اجازت دے دی چنانچہ وہ آپ کے سامنے حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کے اسلام کو قبول فرما لیا۔

قرآنی مکالمہ ...... ایک قول ہے کہ حضرت علیؓ نے ابو سفیان سے کہا تھا کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے آپ کے پاس پہنچو اور آپ سے وہی الفاظ کہو جو یوسفؑ کے بھائیوں نے ان سے کہے تھے اور جس کو حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں نقل فرمایا ہے کہ:

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ۔ (الآیہ پ ۱۳ سورۂ یوسف ع ۱۰۔ آیت ۹۱)

وہ کہنے لگے کہ بخدا کچھ شک نہیں تم کو اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضیلت عطا فرمائی اور بے شک ہم اس میں خطاوار تھے۔

کیونکہ ویسے کوئی شخص کتنے بھی اچھے انداز میں کہے آپ راضی نہیں ہوں گے۔ چنانچہ ابو سفیان نے یہی جملہ عرض کیا تو آنحضرت ﷺ نے (بھی جواب میں حضرت یوسفؑ کا جملہ ہی) ارشاد فرمایا (جس کو قرآن پاک میں حق تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے) آنحضرت ﷺ نے یہ آیت جواب میں پڑھی:

قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۔ الآیہ پ ۱۳۔ سورۂ یوسف ع ۱۰۔ آیت ۹۲)

یوسفؑ نے فرمایا: کہ تم پر آج کوئی الزام نہیں اللہ تعالیٰ تمہارا قصور معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔

جنت کی بشارت ...... اس کے بعد ابو سفیان شرم کی وجہ سے کبھی آنحضرت ﷺ کے سامنے سر نہیں اٹھاتے تھے کیونکہ انہوں نے تقریباً بیس سال تک آپ کی دشمنی کی تھی اور آپ کی شان میں نازیبا شعر پڑھتے رہے تھے آنحضرت ﷺ کے خلاف جنگوں میں بھی وہ کبھی پیچھے نہیں رہے۔ مگر اب ان کے مسلمان ہو جانے کے بعد آنحضرت ﷺ ان سے محبت فرمانے لگے تھے اور ان کیلئے جنت کی شہادت دیتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے میری تمنا ہے کہ یہ حمزہ کے جانشین ثابت ہوں۔ ایک دن آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا:

بڑی حاجت پوری ہو جانے کے بعد چھوٹی حاجت کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے یوں فرمایا تھا کہ۔ ابو سفیان تمہاری مثال ایسی ہی ہے جیسے وہ کہاوت ہے کہ۔ آدمی باقی حاجتوں کی پرواہ نہیں کیا کرتا!"

اس سفر میں روزوں کی مشقت...... اس سفر کے دوران رسول اللہ ﷺ روزے رکھتے رہے اور آپ کے ساتھ سب لوگوں نے بھی رکھے۔ کدید کے مقام پر پہنچ کر آپ نے روزہ افطار کیا۔ یہ کدید۔ عسفان اور قدید کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔ اس لفظ میں ک پر زبر ہے۔ ایک قول ہے کہ آپ نے عسفان کے مقام پر افطار کیا تھا اور ایک قول کے مطابق قدید کے مقام پر کیا تھا۔ اسی طرح ایک قول ہے کہ کراع غمیم کے مقام پر افطار کیا تھا مگر ان تمام اقوال سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہ سب جگہ پاس پاس ہی ہیں۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ ممکن ہے آنحضرت ﷺ نے ان تمام مقامات پر افطار کیا ہو یعنی کچھ کھایا پیا ہو اور لوگوں نے جہاں آپ کو کھاتے پیتے دیکھا انہوں نے اسی کے مطابق روایت بیان کر دی (کیونکہ یہ سفر رمضان کے مہینہ میں ہو رہا تھا)۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینے سے روانہ ہو کر جب ایک مقام پر پہنچے جس کا نام صلصل ہے تو آپ نے حضرت زبیرؓ ابن عوام کو دو صحابہ کے ایک دستہ کے ساتھ آگے آگے روانہ کیا اور پھر آنحضرت ﷺ کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ جو شخص روزہ رکھنا چاہے وہ رکھ لے اور جو افطار کرنا چاہے وہ افطار کرے۔ کتاب امتاع میں بھی ہے کہ جب آپ نے مدینہ سے کوچ کیا تو آپ کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ جو شخص روزہ رکھنا چاہے وہ رکھ سکتا ہے۔

اس سفر میں بعض اوقات آنحضرت ﷺ پر پیاس کا اتنا شدید غلبہ ہوا کہ آپ کو اپنے سر اور چہرے پر پانی چھڑکنا پڑا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ پیاس کی شدت اور روزے کی خشکی کی وجہ سے آپ کو اپنے سر اور چہرہ مبارک پر پانی ڈالنا پڑا۔

جہاد کے پیش نظر روزوں میں رخصت...... ایک روایت میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کدید کے مقام پر پہنچے تو آپ کو معلوم ہوا کہ لوگوں کو روزوں کی وجہ سے سخت مشقت اور تکلیف ہو رہی ہے اور وہ سخت حیران و پریشان ہیں (واضح رہے کہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے روزہ افطار کر دینے کی اجازت ہو چکی تھی) چنانچہ عصر کی نماز کے بعد آنحضرت ﷺ اپنی سواری پر اٹھے اور آپ نے پانی کا بھرا ہوا ایک برتن منگایا۔ ایک قول ہے کہ اس برتن میں دودھ بھرا ہوا تھا۔ آپ نے وہ پی لیا۔ آپ کے برابر ایک شخص موجود تھا آپ نے باقی پانی اس کو دیا اور اس نے بھی پی لیا۔ اس واقعہ پر آنحضرت ﷺ سے عرض کیا گیا کہ کچھ لوگوں کا تو روزہ ہے۔

آپ نے فرمایا:

"وہ لوگ نافرمان اور گناہگار ہیں!"

کیونکہ انہوں نے افطار کرنے کے متعلق آنحضرت ﷺ کا حکم نہیں مانا اس لئے کہ افطار کروانے سے آپ کا منشاء یہ تھا کہ لوگوں میں دشمن سے مقابلے کی طاقت و ہمت پیدا ہو۔ کیونکہ جب صحابہ دشمن کے قریب پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا:

"تم لوگ اپنے دشمن کے نزدیک پہنچ گئے ہو اور ایسے میں افطار کر دینا طاقت کا سبب ہو گا!"

قبائل میں پرچموں کی تقسیم...... چنانچہ اس کے بعد آنحضرت ﷺ روزے افطار کرتے رہے یہاں تک کہ رمضان کا مہینہ ختم ہو گیا۔ ادھر قدید کے مقام پر پہنچ کر آنحضرت ﷺ نے جنگی پرچم یعنی لواء اور رایات تیار کئے اور یہ پرچم مختلف قبائل کے حوالے فرمائے۔

قریش کی بے خبری...... اس کے بعد آپ آگے روانہ ہوئے یہاں تک کہ مرظہران کے مقام پر پہنچے اس جگہ کو اب

بطن مرو کہا جاتا ہے۔ یہاں آپ عشاء کے وقت پہنچے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے قریش کی بے خبری کیلئے جو دعا فرمائی تھی حق تعالیٰ نے اسے قبول فرمالیا اور قریش آنحضرت ﷺ کے کوچ سے بالکل بے خبر رہے اور انہیں آپ کے وہاں پہنچنے کا پتہ نہیں چلا۔ یعنی آنحضرت ﷺ اور صحابہ کے اتنے عظیم الشان لشکر کی روانگی کا اب تک انہیں کچھ بھی علم نہیں تھا (کہ آپ قریش کو ان کی بدعہدی اور دغابازی کی سزا دینے کے لئے روانہ ہو چکے ہیں)۔

مرظہران کے مقام پر رات کے وقت پہنچ کر مسلمانوں نے آگ جلائی۔ چونکہ دس بارہ ہزار آدمی تھے اس لئے اتنی ہی جگہوں پر آگ جل رہی تھی۔ اس وقت لشکر کی طلایہ گردی اور پہرہ داری کی خدمت حضرت عمر فاروقؓ کے سپرد کی گئی (جو ایک دستہ کے ساتھ گرد آوری کر رہے تھے)۔

عباس کی ہجرت اور راہ میں ملاقات...... اس سے پہلے حضرت عباسؓ ابن عبد المطلب اپنے گھر والوں سمیت مکے سے ہجرت کر کے مدینے کو روانہ ہو چکے تھے تاکہ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ کر مسلمان ہو جائیں۔ مراد ہے کہ اپنے اسلام کو ظاہر کر دیں۔ یہاں تک کہ جحفہ کے مقام پر۔ اور ایک قول کے مطابق ذی الحلیفہ کے مقام پر ان کی آنحضرت ﷺ سے ملاقات ہوئی۔ حضرت عباسؓ یہیں سے آنحضرت ﷺ کے ساتھ مکے کو واپس روانہ ہو گئے اور بیوی بچوں اور سامان کو مدینہ بھیج دیا۔

آنحضرت ﷺ نے یہاں حضرت عباس سے ملنے کی بعد ان سے فرمایا:

"اے چچا۔ آپ کی یہ ہجرت اسی طرح آخری ہجرت ہے جس طرح میری نبوت آخری نبوت ہے!"

اہل مکہ کیلئے عباسؓ کا جذبہ ہمدردی...... (کیونکہ عام طور پر لوگ مکے میں قریش کے مظالم سے تنگ آکر مدینے کو ہجرت کرتے تھے اور اب آنحضرت ﷺ مکہ فتح کرنے کے لئے ہی تشریف لے جا رہے تھے جس کے بعد ہجرت کی ضرورت نہیں رہتی تھی) حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ اس وقت مکے والوں کے لئے میرا دل رحم سے بھر گیا۔ چنانچہ انہوں نے آہ بھر کر کہا:

"قریش کی اس صبح پر افسوس ہے۔ خدا کی قسم اگر قریش کے آنحضرت ﷺ کے پاس آکر امان طلب کرنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ طاقت کے بل پر مکے میں داخل ہو گئے تو یہ قریش کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے ہلاکت ہے"

قریش کو امان طلبی کی ہدایت...... (یعنی قریش کی موجودہ حیثیت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہو جائے گی)۔

حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ پھر میں آنحضرت ﷺ کے سفید خچر پر سوار ہو گیا ایک روایت میں یہ بھی ہیکہ یہ خچر دحیہ کلبیؓ نے رسول اللہ ﷺ کو ہدیہ کیا تھا۔

حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ میں اس خچر پر سوار ہو کر روانہ ہوا اور اداراک کے مقام پر پہنچا اور اپنے دل میں سوچنے لگا کہ شاید یہاں مجھے کوئی دودھ والا یا اور کوئی شخص مل جائے جو مکے جا رہا ہو تاکہ وہ قریش کو آنحضرت ﷺ کے یہاں تک پہنچنے کی خبر دے دے تاکہ وہ لوگ آپ کے پاس پہلے ہی حاضر ہو کر آپ سے امان طلب کر لیں۔

ابو سفیان' بدیل اور حکیم خبروں کی ٹوہ میں...... حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک مجھے ابو سفیان اور بدیل ابن ورقاء کے باتیں کرنے کی آواز آئی۔ یہ دونوں مکے سے نکلے تھے اور اب واپس جا رہے تھے ان کے ساتھ حکیم ابن حزام بھی تھے۔ اصل میں ابو سفیان اور حکیم ابن حزام ساتھ چلے تھے کہ انہیں بدیل مل گئے اور وہ بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ یہ لوگ آنحضرت ﷺ کے متعلق خبریں حاصل کرنے کے لئے نکلے تھے اور اسی جستجو میں تھے کہ کہیں سے کچھ خبر ملے کیونکہ ان لوگوں کو یہ تو معلوم ہو گیا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے لشکر کے ساتھ مدینہ سے کوچ کیا ہے مگر یہ معلوم نہیں تھا کہ

آپ کس طرف گئے ہیں۔ سیرت دمیاطی میں یہ الفاظ ہیں کہ قریش کو یہ معلوم نہ ہو سکا تھا کہ آنحضرت ﷺ ان کی طرف کوچ فرما چکے تھے۔ بہر حال دونوں باتوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

غرض قریش کو ہر وقت یہی اندیشہ اور دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں آنحضرت ﷺ ان کے خلاف جنگ کے لئے نہ چل کھڑے ہوں لہٰذا انہوں نے ابوسفیان ابن حرب کو خبریں معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ ساتھ ہی قریش نے ابوسفیان سے کہا:

"اگر تمہیں محمد ﷺ مل جائیں تو ان سے ہمارے لئے امان حاصل کرنا!"

لشکر اور آگ دیکھ کر گھبراہٹ...... چنانچہ ابوسفیان اسی سلسلے میں نکلا ہوا تھا۔ اب اچانک اس کو گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز جو آئی تو وہ گھبرا گیا۔ ادھر اس نے سامنے ہزاروں جگہ پر آگ جلتے دیکھی تو وہ کہنے لگا:

"میں نے آج کی رات جیسی آگ کبھی نہیں دیکھی تھی اور نہ ہی اتنا بڑا لشکر کبھی دیکھا تھا یہ تو اتنی آگ ہے جتنی عرفہ کے دن حاجی جلاتے ہیں!"

ادھر بدیل ابن ورقاء کہہ رہا تھا:

"خدا کی قسم یہ بنی خزاعہ کے لوگ ہیں جنہوں نے یہ آگ بھڑکا رکھی ہے!"

اس پر ابوسفیان نے کہا:

"خزاعہ کے پاس اتنا بڑا لشکر اور اتنے آدمی کہاں ہیں کہ وہ اتنی آگ لگا سکیں!"

ایک روایت کے مطابق یہ بات کہ یہ لوگ بنی خزاعہ کے معلوم ہوتے ہیں۔ بدیل کے علاوہ دوسرے شخص نے کہی تھی اور بدیل نے یہ کہا تھا کہ بنی خزاعہ کے پاس اتنا بڑا لشکر کہاں سے آیا کہ وہ اتنی زیادہ آگ جلا سکیں۔ یہی بات درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ بدیل خود بنی خزاعہ میں سے تھے۔

عباس اور ابوسفیان...... غرض حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے یہ باتیں سنیں تو ابوسفیان کی آواز پہچان لی۔ ابوسفیان حضرت عباسؓ کے دوست اور ہمنشین تھے۔ حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے اسی وقت ابوسفیان کو ابوحنظلہ کہہ کر آواز دی۔ اس نے میری آواز پہچان لی اور کہا۔ کون ابوالفضل؟...... میں نے کہا ہاں۔ ابوسفیان نے کہا۔ تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں تم کہاں۔ میں نے کہا:

"خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ ایسا زبردست لشکر لے کر تمہارے مقابلے کے لئے آگئے ہیں کہ تمہارے لئے کوئی فرار کا راستہ باقی نہیں ہے۔ ایک روایت میں حضرت عباس کے یہ الفاظ ہیں کہ۔ رسول اللہ ﷺ دس ہزار کا لشکر جرار لے کر تم پر حملہ آور ہوئے ہیں!"

یہ سنتے ہی ابوسفیان گھبرا گئے اور کہنے لگے:

"آہ اب قریش کا کیا ہوگا۔ خدا کی قسم تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں کوئی تدبیر نکالو"۔

ابوسفیان کو آنحضرت ﷺ کے پاس چلنے کا مشورہ...... حضرت عباسؓ کہتے ہیں۔ میں نے کہا۔

"خدا کی قسم اگر آنحضرت ﷺ نے تم پر قابو پالیا یعنی تم پکڑے گئے تو تمہارا سر قلم کرادینگے اسلئے بہتر ہے کہ عاجزی کیساتھ اس خچر پر سوار ہو کر چلو تاکہ میں تمہیں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے جاؤں اور آپ سے تمہاری جاں بخشی کرالوں!"

عمر فاروقؓ ابوسفیان کی فکر میں...... چنانچہ ابوسفیان فوراً ہی میرے پیچھے میرے خچر پر سوار ہو گیا اور اس کے دونوں

ساتھی وہیں سے واپس لوٹ گئے۔

اب میں ابو سفیان کو لے کر چلا اور لشکر میں مسلمانوں کی جس آگ کے پاس سے بھی گزرا تو لوگ ایک دوسرے سے میرے بارے میں پوچھتے کہ یہ کون ہے کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے خچر کو پہچانتے تھے جس پر میں سوار تھا۔ لوگ بتلاتے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے چچا ہیں اور آنحضرت ﷺ کے خچر پر سوار ہیں۔

آخر میں اس آگ کے پاس گزرا جو عمر فاروقؓ نے جلا رکھی تھی انہوں نے مجھے دیکھتے ہی پوچھا کون ہے؟ ساتھ ہی وہ اٹھ کر میری طرف آئے۔ جب انہوں نے خچر پر پیچھے ابو سفیان کو بیٹھے دیکھا تو کہنے لگے:

"کون۔ خدا کا دشمن ابو سفیان۔ خدا کا شکر ہے اس نے بغیر کسی معاہدے اور قول و قرار کے تجھے گرفتار کرا دیا!"

اس کے بعد وہ بھاگتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی طرف روانہ ہوئے۔ میں نے یہ دیکھا تو جلدی سے خچر کو ایڑ لگائی اور ان سے آگے نکل گیا اور آنحضرت ﷺ کے خیمے پر پہنچ کر جلدی سے خچر سے اترا۔ پھر جیسے ہی میں رسول اللہ ﷺ کے خیمے میں داخل ہوا میرے پیچھے پیچھے عمر فاروقؓ بھی داخل ہوئے اور آنحضرت ﷺ سے کہنے لگے:

"یا رسول اللہ! یہ دشمن خدا ابو سفیان ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی معاہدہ اور قول و قرار کے ہمیں قابو عطا فرما دیا ہے لہٰذا مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن مار دوں!"

عباس کو ابو سفیان کی امان...... حضرت عباسؓ کہتے ہیں اسی وقت میں نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں اس کو پناہ اور امان دے چکا ہوں۔

غالباً حضرت عباسؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا علم نہیں تھا جو آپ نے مسلمانوں سے فرمایا تھا کہ یہاں تمہیں کچھ مشرکین ملیں گے اگر ان میں ابو سفیان ہو تو اس کو قتل مت کرنا۔ بہر حال اگر آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد صحیح ہے تو شاید ان دونوں حضرات کو اس کا علم نہیں تھا۔

حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ پھر میں رسول اللہ ﷺ کے بالکل قریب بیٹھا اور آپ ﷺ کا سر مبارک پکڑ کر کہنے لگا:

"خدا کی قسم آج رات میرے علاوہ کوئی شخص اس کے بچاؤ کی کوشش کرنے والا نہیں ہے!"۔

عمرؓ اور عباسؓ کا مکالمہ...... ادھر حضرت عمرؓ تلوار لئے (تیار کھڑے تھے اور) ابو سفیان کے متعلق آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے منتظر تھے۔ آخر میں نے عمر فاروقؓ سے کہا:

"عمر ذرا صبر کرو۔ خدا کی قسم اگر ابو سفیان بنی عدی ابن کعب یعنی تمہارے خاندان سے ہوتا تو تم ہر گز ایسا نہ کہتے مگر تم جانتے ہو کہ یہ بنی عبد مناف میں سے اس لئے اس کو قتل کرنا چاہتے ہو!"

حضرت عمرؓ نے کہا:

"ٹھہرو عباس۔ خدا کی قسم جس دن تم مسلمان ہوئے تو تمہارا اسلام میرے نزدیک (اپنے باپ) خطاب کے اسلام سے بھی زیادہ عزیز تھا اگر وہ مسلمان ہو جاتے تو' میں ایسا صرف اپنے لئے سمجھتا ہوں کہ مجھے معلوم ہے رسول اللہ ﷺ کے نزدیک تمہارا اسلام خطاب کے اسلام سے زیادہ محبوب ہے اگر وہ مسلمان ہوتے!"

اسی وقت رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا:

"عباس! ابو سفیان کو اپنے خیمے میں لے جاؤ اور صبح کو انہیں میرے پاس لے کر آنا"۔

مگر بخاری میں جو تفصیل ہے وہ یہ کہ اس رات مسلم لشکر کے جو پہرہ دار تھے (انہوں نے ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں کو پکڑ لیا تھا اور پھر وہ ان کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے (یعنی ابوسفیان اور اُن کے ساتھیوں کو لائے) آپ کے پاس آکر یہ لوگ مسلمان ہو گئے۔

بعض علماء نے ان دونوں روایتوں کے درمیان اس طرح موافقت پیدا کی ہے کہ حضرت عباسؓ نے ان لوگوں کو پہرہ داروں سے ہی حاصل کیا تھا' چنانچہ اسی بات کی تائید علامہ ابن عقبہ کے قول سے بھی ہوتی ہے کہ جب پہرہ داروں نے ابوسفیان ابن حرب اور ان کے ساتھیوں کو امان دے دی پھر وہ ابوسفیان کو آنحضرت ﷺ کے پاس لے کر آئے جب کہ ان کے دونوں ساتھی بعد میں آئے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ ان لوگوں کو انصاریوں کی ایک جماعت نے پکڑا تھا جنہیں رسول اللہ ﷺ نے جاسوس کے طور پر آگے بھیجا تھا۔ ابوسفیان وغیرہ نے ان لوگوں کو دیکھا تو ان کے اونٹوں کی مہاریں پکڑ کر پوچھا کہ تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھی ہیں جو یہیں سامنے موجود ہیں۔ ابوسفیان نے کہا:

"تم نے کبھی اتنے بڑے لشکر کے متعلق سنا ہے جو ایک قوم پر آپڑے اور انہیں خبر بھی نہ ہو!"

اس کے بعد یہ انصاری مسلمان ان لوگوں کو پکڑ کر حضرت عمر فاروقؓ کے پاس لائے جو اس رات کے لشکر کی طلایہ گردی اور پہرہ پر تھے جیسا کہ بیان ہوا۔ انہوں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ ہم آپ کے پاس کچھ مکے والوں کو پکڑ کر لائے ہیں۔ حضرت عمرؓ ہنس کر کہنے لگے:

"اگر تم ابوسفیان کو پکڑ کر میرے پاس لاتے تو ایک بات بھی ہوتی!"

انہوں نے کہا خدا کی قسم ہم ابوسفیان کو ہی لیکر آئے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ پھر اسے روکے رکھو چنانچہ انہوں نے صبح تک ابوسفیان کو روکے رکھا اور اگلی صبح انہیں آنحضرت ﷺ کے پاس لے کر گئے جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

لشکر میں نماز کی ہلچل اور ابوسفیان کی گھبراہٹ...... اس روایت میں جو اشکال ہے وہ ظاہر ہے کیونکہ اس میں اور گذشتہ روایت میں موافقت پیدا کرنی مشکل ہے۔

غرض حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ عباس ان کو اپنے خیمے پر لے جاؤ۔ تو میں ابوسفیان کو لے کر آگیا۔ صبح کو اذان ہوئی تو لوگ تیزی کے ساتھ نماز کے لئے دوڑنے لگے۔ ابوسفیان لشکر میں ہماہمی دیکھ کر گھبرا گئے اور حضرت عباسؓ سے پوچھنے لگے کہ ابوالفضل یہ کیا ہو رہا ہے۔ انہوں نے کہا لوگ نماز کو جارہے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ابوسفیان نے کہا یہ لوگ کیوں دوڑ رہے ہیں؟ کیا میرے بارہ میں کوئی حکم دیدیا گیا ہے؟ حضرت عباسؓ نے کہا نہیں بلکہ یہ لوگ نماز کے لئے جارہے ہیں۔ پھر ابوسفیان نے دیکھا کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے وضو کا پانی جمع کر رہے ہیں۔ پھر انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ رکوع کرتے ہیں تو سب لوگ بھی آپ کے ساتھ رکوع کرتے ہیں اور آپ سجدہ کرتے ہیں تو لوگ بھی سجدہ کرتے ہیں۔ آخر ابوسفیان نے حضرت عباس سے کہا کہ عباس! محمد ﷺ جو حکم بھی دیتے ہیں لوگ فوراً اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ حضرت عباس نے کہا:

"ہاں۔ اگر آنحضرت ﷺ ان لوگوں کو کھانے پینے سے روک دیں تو یہ اس حکم پر بھی عمل کریں گے!"

ابوسفیان نے کہا:

"میں نے زندگی میں ان جیسا بادشاہ نہیں دیکھا نہ کسرائے فارس اور نہ قیصر روم اور نہ ہی بنی اصفر کا بادشاہ ایسا بادشاہ ہے!"

ابوسفیان کی نبیؐ سے گفتگو...... اس کے بعد ابوسفیان نے عباس سے کہا کہ محمد ﷺ سے اپنی قوم یعنی قریش کے متعلق بات کرو کہ آیا ان کے لئے ان کے پاس معافی کا کوئی گوشہ ہے۔ چنانچہ حضرت عباسؓ ابوسفیان کو ساتھ لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے۔ آپ نے ابوسفیان کو دیکھ کر فرمایا:

"ابوسفیان! افسوس ہے کیا تمہارے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم لاالہ الا اللہ کی گواہی دو!؟"۔

ابوسفیان نے کہا:

"آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ آپ حقیقت میں بے انتہا شریف و معزز رشتہ داروں کی خبر گیری کرنے والے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں کوئی دوسرا شریک ہوتا تو یقیناً آج ہمارے کام آتا (اور میں اس سے مدد مانگتا)۔"

دعوت اسلام اور ابوسفیان کا تردّد...... آپ نے فرمایا کہ ابوسفیان تم پر افسوس ہے کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم میری نبوت ورسالت کی گواہی دو؟ ابوسفیان نے کہا:

"آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ خدا کی قسم بات تو یہی ہے مگر میرے دل میں ابھی تک اس بارے میں کچھ تردّد اور ہچکچاہٹ ہے!"

ایک روایت میں ہے کہ ابوسفیان کے ساتھی بدیل ابن ورقاء اور حکیم ابن حزام واپس نہیں گئے تھے بلکہ حضرت عباسؓ ان دونوں کو بھی آنحضرت ﷺ کے پاس لے کر آئے تھے اور انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا تھا کہ یارسول اللہ یہ ابوسفیان، حکیم ابن حزام اور بدیل ابن ورقاء آئے ہیں جنہیں میں نے پناہ دے دی ہے اور یہ لوگ آپ کے پاس آنا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا انہیں اندر لے آؤ۔ چنانچہ یہ تینوں اندر آگئے اور رات کے بیشتر حصے میں آپ کے پاس ہی رہے۔ آنحضرت ﷺ ان سے مکے والوں کے متعلق خبریں معلوم کرتے رہے۔ پھر آپ نے ان تینوں کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ گواہی بھی دو کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ بدیل ابن ورقاء اور حکیم ابن حزام نے فوراً ہی اس بات کی شہادت بھی دے دی مگر ابوسفیان نے کہا میں یہ بات نہیں جانتا خدا کی قسم ابھی دل میں اس بارے میں کچھ شبہ باقی ہے لہٰذا میں اس شہادت کو بعد کے لئے چھوڑتا ہوں۔

کتاب اسد الغابہ میں یوں ہے کہ جس رات رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے سفر میں مکہ کے قریب پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ مکہ میں قریش کے چار ایسے آدمی ہیں جنہیں کفر وشرک سے رغبت نہیں البتہ اسلام سے وہ لوگ دلچسپی رکھتے ہیں۔ وہ لوگ عتاب ابن اسید، جبیر ابن مطعم، حکیم ابن حزام اور سہیل ابن عمرو ہیں۔

اس روایت سے وہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ جبیر ابن مطعم بھی فتح مکہ کے وقت ہی مسلمان ہوئے تھے جیسے وہ باقی تینوں آدمی مسلمان ہوئے جن کے نام ان کے ساتھ ذکر کئے گئے تھے۔ مگر بعض علماء نے کہا ہے کہ حضرت جبیر معاہدۂ حدیبیہ کے بعد ہی یعنی فتح مکہ سے کافی پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔

عباسؓ کا مشورہ اور ابوسفیان کا اسلام...... غرض جب اس وقت بھی ابوسفیان نے آنحضرت ﷺ کی نبوت میں شک وشبہ کا اظہار کیا تو حضرت عباسؓ نے ان سے کہا:

"ابوسفیان تیرا برا ہو۔ مسلمان ہو جا اور اس سے پہلے کہ تیری گردن ماردی جائے یہ گواہی دے دے کہ اللہ کے سوا کوئی

معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں!"

ابوسفیان کو عزیٰ کی فکر...... چنانچہ ابوسفیان نے فوراً حق و صداقت کی یہ شہادت دے دی اور مسلمان ہو گئے۔

عبدابن حمید نے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ پھر میں عزیٰ کا کیا کروں گا؟ حضرت عمرؓ اس وقت آنحضرت ﷺ کے قبّہ کے پیچھے تھے انہوں نے یہ بات سن لی اور وہیں سے پکار کر کہا کہ اس پر پاخانہ کر دینا۔ ابوسفیان نے بگڑ کر کہا:

"عمر تیرا برا ہو۔ تم بڑے گندے آدمی ہو۔ مجھے تم میرے چچا کے بیٹے یعنی آنحضرت ﷺ سے ہی بات کرنے دو!"

ابوسفیان کو امیہ کی پیشن گوئی...... اس واقعہ سے امیہ ابن ابی صلت کی بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ میں اپنی کتابوں میں پڑھا کرتا تھا کہ ہمارے قبیلے میں ایک نبی ظاہر ہو گا میں اس وقت یہ سمجھتا تھا اور مجھے یقین تھا کہ وہ نبی خود میں ہی ہوں گا۔ مگر پھر جب اہل علم سے بات ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ نبی۔ بنی عبد مناف میں سے ہو گا۔ اب میں نے بنی عبد مناف میں نظر دوڑائی تو اس عظیم منصب کے لئے مجھے ان میں سوائے عتبہ ابن ربیعہ کے کوئی دوسرا شخص نظر نہ آیا مگر جب عتبہ چالیس سال کی عمر سے بھی گزر گیا اور اس پر وحی نازل نہ ہوئی تو میں نے سمجھ لیا کہ وہ نبی کوئی اور شخص ہی ہو گا۔

ابوسفیان کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں ایک تجارتی قافلے کے ساتھ یمن گیا راستے میں میرا گزر امیہ ابن ابی صلت کے پاس سے ہوا۔ میں نے مذاق اڑانے کے انداز میں اس سے کہا:

"امیہ! وہ نبی ظاہر ہو گیا ہے جس کی صفات تم بتلایا کرتے تھے!"

امیہ نے کہا وہ یقیناً سچا نبی ہے اس کی اطاعت قبول کر لو۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تم خود اس کی پیروی کیوں نہیں کرتے؟ امیہ نے کہا:

"میں صرف اس لئے اس کی اطاعت نہیں کرتا کہ مجھے بنی ثقیف کی لڑکیوں سے شرم آتی ہے (جو میرا مذاق اڑائیں گی) کیونکہ میں ان سے کہا کرتا تھا کہ وہ نبی میں ہی ہوں۔ اور اب وہ یہ دیکھیں کہ میں نے خود بنی عبد مناف کے ایک لڑکے کی اطاعت اختیار کر لی ہے!"

اس کے بعد امیہ نے ابوسفیان سے کہا:

"ابوسفیان! گویا میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ اگر تم نے اس نبی کی مخالفت کی تو تمہیں ایک بکری کی طرح رسیوں میں باندھ کر ان کے سامنے پیش کیا جائے گا اور وہ تمہارے بارے میں جیسا چاہیں گے فیصلہ کریں گے (یعنی اس وقت تمہارے لئے سوائے ان کی اطاعت کے کوئی چارہ کار نہیں ہو گا)۔"

اس روایت کو طبرانی نے اپنی معجم میں بیان کیا ہے۔

امیہ اور جانوروں کی بولیاں...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ امیہ ابن ابی صلت کبھی کبھی جانوروں کی بولیاں سمجھ لیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ یہ ایک اونٹ کے پاس سے گزرا جس پر ایک عورت سوار تھی اور وہ اونٹ بار بار اپنی گردن اس عورت کی طرف گھما کر بلبلاتا تھا۔ امیہ نے یہ دیکھ کر کہا:

"یہ اونٹ کہہ رہا ہے کہ اس کے کجاوے میں ایک نوکدار چیز ہے جو اس کی کمر میں چبھ رہی ہے!"

لوگوں نے فوراً ہی اس عورت کو اونٹ پر سے اتار کر دیکھا تو واقعی کجاوے میں ایک گانٹھ پڑی ہوئی تھی جو اس اونٹ کی کمر

میں چبھ رہی تھی (اور اس کی وجہ سے اونٹ تکلیف میں مبتلا تھا۔ چنانچہ انہوں نے وہ گانٹھ کھول دی جس سے اونٹ کو آرام ہوا۔

بدیل و حکیم کی آنحضرت ﷺ سے گفتگو...... کہا جاتا ہے کہ حکیم ابن حزام نے رسول اللہ ﷺ سے کہا:

"یارسول اللہ! آپ اپنے ساتھ پنج میل قسم کے لوگوں کو لائے ہیں جن میں سے بہت سے لوگ آپ کے خاندان کے لوگوں کو پہچانتے بھی نہیں۔ (یعنی ہمیں ہی پکڑ لائے!)"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"وہ لوگ یعنی قریشی کہیں زیادہ ظالم اور دغاباز ہیں۔ تم لوگوں نے حدیبیہ کا معاہدہ توڑا اور اللہ تعالیٰ کے حرم اور اس کی امان میں ہونے کے باوجود تم نے سرکشی اور زیادتی کر کے بنی کعب یعنی بنی خزاعہ پر چڑھائی کی!"

بدیل ابن ورقاء نے یہ سن کر کہا:

خدا کی قسم یارسول اللہ آپ نے سچ فرمایا۔ ان لوگوں نے واقعی ہمارے ساتھ غداری کی۔ خدا کی قسم اگر قریش کے لوگ ہمارے اور ہمارے دشمن کے درمیان نہ آتے تو وہ ہمیں اس قدر نقصان نہ پہنچا سکتے!"

اس پر حکیم ابن حزام نے کہا:

"یارسول اللہ ﷺ! میں یہ سمجھتا تھا کہ آپ اپنی تیاریاں اور جنگی تدبیریں بنی ہوازن کے خلاف استعمال فرمائیں گے کیونکہ وہ رشتہ داری کے لحاظ سے بھی دور کے ہیں اور آپ کے بدترین دشمن بھی ہیں!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"میری آرزو ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے فتح مکہ اور اس کے ذریعہ اسلام کی سربلندی اور ہوازن کی شکست اور ان کے مال و اولاد پر قبضہ ایک ساتھ عطا فرمائے!"

اس کے بعد آپ سے ابوسفیان نے عرض کیا:

ابوسفیان کا خصوصی اعزاز...... "یارسول اللہ! لوگوں میں امان اور جان بخشی کا اعلان کرا دیجئے کیا آپ کی رائے ہے کہ قریش کے لوگ یکسو ہو جائیں اور ہاتھ روک لیں تو وہ ان کو امان ہو گی"۔

آپ نے فرمایا: ہاں جس نے ہاتھ روک لیا یا اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا اس کو امان ہے۔

حضرت عباسؓ کہتے ہیں میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ابوسفیان (چونکہ بڑا سردار ہے اس لئے) فخر کو پسند کرتا ہے اس لئے اس کے واسطے کوئی اعزاز کی بات فرما دیجئے۔

آپ نے فرمایا:

"اچھا! جو شخص ابوسفیان کے گھر میں پہنچ جائے گا اس کو امان ہے۔ جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے گا اس کو بھی امان ہے، جو شخص ہتھیار ڈال دے گا اس کو بھی امان ہے، جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا اس کو بھی امان ہے۔ اور جو شخص حکیم ابن حزام کے گھر میں داخل ہو جائے گا تو اس کو بھی امان ہے!"

حکیمؓ ابن حزام...... اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حکیم ابن حزام ان ہی لوگوں میں سے ہیں جو فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوئے اس وقت ان کی عمر ساٹھ سال کی تھی۔ اس کے بعد وہ ہمیشہ اسلام پر قائم رہے۔ یہ جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں قریش کے بلند مرتبہ لوگوں میں شمار ہوئے ہیں۔ انہوں نے جاہلیت کے زمانے میں ایک سو غلام آزاد کئے تھے اور پھر اسلام لانے کے

بعد بھی اس قدر غلام آزاد کئے۔ انہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد حج کیا عرفات کے میدان میں ایک سو نوجوان ان کے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے جن کے گلوں میں چاندی کے طوق پڑے تھے اور ان پر یہ عبارت نقش تھی:

"یہ وہ لوگ ہیں جن کو حکیم ابن حزام نے اللہ کے لئے آزاد کیا"۔ پھر یہاں انہوں نے ایک سو جانور ذبح کئے جرہ کے مقام پر انہوں نے ان کے جھولیں ڈالی تھیں۔ نیز انہوں نے ایک ہزار بکریاں قربان کیں۔

اعلان امان...... پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابورُدیحہ کو ایک پرچم تیار کر کے عنایت فرمایا یہ ابورُدیحہ وہی ہیں جن کو آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ کا بھائی بنایا تھا۔ ساتھ ہی آنحضرت ﷺ نے ان کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ جو شخص ابودریحہ کے جھنڈے تلے آجائے گا اس کو امان ہے۔

یہ بات آپ نے اس وقت فرمائی جب ابوسفیان نے آپ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ نہ میرا گھر اتنا بڑا ہے اور نہ مسجد حرام اتنی کشادہ ہے کہ ان میں زیادہ سے زیادہ ایسے آدمی سما سکیں جو ان کے طالب ہوں۔ چنانچہ اس پر جب آنحضرت ﷺ نے ابودریحہ کے پرچم کے نیچے بھی امان کا اعلان فرمایا تو ابوسفیان نے کہا: ہاں اس میں بہت گنجائش ہے۔

ابوسفیان کے سامنے طاقت اسلام کا مظاہرہ...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ ابوسفیان' بدیل ابن ورقاء اور حکیم ابن حزام کو روک لیں۔ بعض روایتوں میں اس ذیل میں صرف ابوسفیان کا ذکر کیا گیا ہے جو ان کے شرف اور بلند مرتبہ کی وجہ سے ہے کیونکہ وہ سردار قوم تھے۔ غرض آپ نے حضرت عباسؓ کو ابوسفیان کے متعلق روکنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

"ان کو وادی کے تنگ حصے کے پاس روک لو تاکہ جب اللہ کا لشکر وہاں سے گزرے تو وہ اسے اچھی طرح دیکھ سکیں!"

حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا اور ابوسفیان کے سامنے سے تمام قبائل گزرتے رہے۔ ان کے سامنے سے جو قبیلہ بھی گزرتا وہ یہاں پہنچ کر تین مرتبہ نعرۂ تکبیر بلند کرتا۔ ابوسفیان اس قبیلہ کو دیکھ کر پوچھتے کہ عباس یہ کون سا قبیلہ ہے؟ میں بتلاتا کہ بنی سلیم ہیں۔ ابوسفیان کہتے کہ مجھے بنی سلیم سے کیا واسطہ۔

لشکر اسلام کا ابوسفیان پر رعب...... سب سے پہلے جو قبیلہ وہاں سے گزرا تھا وہ بنی سلیم کا تھا اور اس میں حضرت خالد ابن ولیدؓ بھی تھے۔ پھر کوئی دوسرا قبیلہ گزرتا تو ابوسفیان پوچھتے۔ عباس یہ کون لوگ ہیں؟ میں کہتا یہ بنی مزینہ ہیں۔ وہ کہتے مجھے بنی مزنیہ سے کیا واسطہ یہاں تک کہ تمام قبائل گزر گئے اور ابوسفیان ہر گزرنے والے قبیلے کے متعلق پوچھتے رہے اور میں جب بتلاتا کہ یہ بنی فلاں ہیں تو وہ کہتے مجھے ان سے کیا واسطہ۔ بعض علماء نے ان قبائل کے گزرنے کی ترتیب تفصیل سے بیان کی ہے کہ سب سے پہلے حضرت خالد ابن ولیدؓ بنی سلیم کو لے کر گزرے۔

ابوسفیان نے پوچھا عباس یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا۔ خالد ابن ولید ہیں۔ ابوسفیانؓ نے کہا کیا وہ نوجوان؟ انہوں نے کہا ہاں۔ ابوسفیان نے پوچھا اور ان کے ساتھ یہ کون لوگ ہیں انہوں نے بتایا بنی سلیم ہیں۔ ابوسفیان نے وہی کہا کہ مجھے بنی سلیم سے کیا لینا دینا۔ پھر ان کے پیچھے حضرت زبیرؓ ابن عوام پانچ سو مہاجرین اور نوجوانان عرب کو لئے ہوئے گزرے۔ ابوسفیان نے پوچھا یہ کون ہیں۔ عباس نے بتلایا کہ یہ زبیر ہیں۔ ابوسفیان نے کہا کیا تمہارے چچا کے بیٹے۔ انہوں نے کہا ہاں۔ اس کے بعد بنی غفار گزرے پھر بنی اسلم پھر بنی کعب پھر بنی مزینہ پھر بنی جہینہ پھر بنی کنانہ اور پھر بنی اشجع گزرے۔ جب بنی اشجع سامنے سے گزرے تو ابوسفیان نے حضرت عباسؓ سے کہا:

"یہ عربوں میں محمد ﷺ کے خلاف سب سے زیادہ سخت لوگ تھے!"

حضرت عباسؓ نے کہا:

اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اسلام داخل فرمادیا اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے۔

آنحضرت ﷺ کی سربلندی کا اعتراف...... آخر رسول اللہ ﷺ اپنی سبز ٹکڑی کے ساتھ وہاں سے گزرے چونکہ یہ لوگ لوہے میں غرق تھے جو سیاہ رنگ کا ہوتا ہے اور عرب سیاہی کو سبزی سے تعبیر کرتے ہیں جیسے سبزی کو سیاہی سے تعبیر کردیتے ہیں۔ اس لئے اس ٹکڑی کو سبز ٹکڑی کہا گیا۔ اس دستے میں مہاجرین اور انصار دونوں شامل تھے چونکہ یہ سب آہن پوش تھے اس لئے سوائے لوہے کے لباس کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہیں آتا تھا۔ اس دستے میں ایک ہزار زرہ پوش تھے حضرت عمرؓ اس دستے سے کہتے جاتے تھے۔ ذرا آہستہ چلو تاکہ اگلے لوگ پچھلوں سے مل کر رہیں۔

"خدا کی قسم ابوالفضل۔ آج تمہارے بھتیجے کی مملکت بہت زبردست ہو چکی ہے!"

میں نے کہا ابوسفیان یہ سلطنت وحکومت نہیں بلکہ نبوت ورسالت ہے۔

قریش کے تحفظ کیلئے ابوسفیان کی پکار...... ابوسفیان نے کہا۔ ہاں یوں ہی کہہ لو۔ پھر میں نے اس سے کہا کہ اپنی قوم کو بچانے کی فکر کرو۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ جب اس کی قوم کے لوگوں کے پاس پہنچے تو ابوسفیان نے پوری آواز سے چلا کر اپنی قوم کے لوگوں سے کہا:

"اے گروہ قریش! یہ محمد ﷺ اپنا ہولناک لشکر لے کر تمہارے سروں پر پہنچ گئے ہیں اس لئے جو شخص اب ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کو امان ہوگی!"

بیوی کا ابوسفیان پر غیظ وغضب...... یہ سنتے ہی ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ جو حضرت امیر معاویہ کی ماں تھی شوہر کے پاس دوڑ کر آئی اور ابوسفیان کی مونچھیں کھینچ کر اس سے مخاطب ہوئی جس کا مفہوم یہ تھا:

"اس گندے خبیث کو قتل کر ڈالو جس میں کوئی خیر نہیں ہے اور جو دشمن کی صورت دیکھتے ہی ہراساں ہو گیا ہے۔

ایک روایت کے مطابق ہندہ نے ابوسفیان کی داڑھی پکڑ کر کھینچی اور چیخ کر کہا:

"اے آل غالب۔ اس بڈھے وبے وقوف کو قتل کردو۔ کیا تم جنگ کر کے اپنی جانوں اور اپنے وطن کا بچاؤ نہیں کرو گے!"

اس پر ابوسفیان نے بیوی کو جھڑک کر کہا:

"تیرا ناس ہو۔ خاموشی کے ساتھ گھر میں گھس جا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا:

تم اس کی وجہ سے اپنی جانوں کے متعلق ہرگز دھوکہ میں نہ پڑ جانا۔ محمد ﷺ تمہارے خلاف ایسا عظیم لشکر لے کر آئے ہیں جس کا تم مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اب جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کو امان ہے!"

قریش کی پناہ گاہوں کی اطلاع...... قریش یہ سن کر کہنے لگے کہ تجھ پر خدا کی مار ہو کیا تیرا گھر ہم سب کے لئے کافی ہو جائے گا۔ اس وقت ابوسفیان نے کہا:

"جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا اس کو بھی امان ہے اور جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے گا اس کو بھی امان ہے، اور جو شخص ہتھیار ڈال دے گا اس کو بھی امان ہے۔ اور جو شخص حکیم ابن حزام کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کو بھی امان ہے اور جو شخص ابورُدیحہ کے جھنڈے تلے آجائے گا اس کو بھی امان ہے!"

یہ سنتے ہی لوگ دوڑ پڑے اور کچھ اپنے گھروں میں گھس گئے اور کچھ مسجد حرام میں داخل ہو گئے۔

فتح مکہ صلح سے ہوئی یا جنگ سے؟...... اس تفصیل کے پیش نظر یہ دلیل حاصل کی گئی ہے کہ مکہ معظمہ صلح کے ذریعہ فتح ہوا ہے طاقت کے بل پر اور زبردستی فتح نہیں ہوا۔ ہمارے شافعی فقہاء کا قول بھی یہی ہے مگر شوافع کے علاوہ دوسرے حضرات یہ کہتے ہیں کہ مکہ معظمہ طاقت کے ذریعہ فتح ہوا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب ابوسفیان اور حکیم ابن حزام مسلمان ہوگئے تو رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان کے ساتھ حکیم کو بھی مکے کی طرف بھیج دیا تھا اور ان سے فرمادیا تھا کہ جو شخص حکیم ابن حزام کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کو امان ہے۔ حکیم ابن حزام کا مکان مکے کے زیریں حصے میں تھا۔ اور جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کو بھی امان ہے۔ ان کا مکان مکے کے بالائی حصے میں تھا۔ گویا بالائی اور زیریں دونوں حصوں میں پناہ گاہیں دے دی گئیں)۔

ایک جماعت کے قتل کا حکم...... ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ نے قریش میں ایک جماعت کا استثناء کر کے ان کے قتل کا حکم جاری فرمادیا۔ یہ کُل گیارہ آدمی تھے۔ کتاب امتاع میں ہے کہ یہ کُل دس آدمی تھے جن میں چھ مرد تھے اور چار عورتیں تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ اگر یہ لوگ کعبہ کا پردہ پکڑے ہوئے بھی ملیں تو ان کو قتل کر دیا جائے۔

ان لوگوں میں ایک تو عبداللہ ابن ابی سرح تھے جو حضرت عثمان ابن عفان کے رضاعی بھائی تھے یہ شخص بنی عامر کے شہسوار تھے اور قریش کے انتہائی معزز سرداروں میں سے تھے۔ بعد میں مسلمان ہوگئے تھے۔

دوسرے عبداللہ ابن خطل تھا اور دو اس کی داشتائیں تھیں۔ تیسرے عکرمہ ابن ابو جہل تھے یہ بھی بعد میں مسلمان ہوگئے تھے۔ چوتھے حویرث ابن نفیل تھا پانچوں مقیس ابن حبابہ تھا۔ چھٹے ہبار ابن اسود تھے جو بعد میں مسلمان ہوگئے تھے۔ ساتویں کعب ابن زہیر تھے یہ بھی بعد میں مسلمان ہوگئے تھے قصیدہ بانت سعاد ان ہی کا ہے۔ آٹھویں حرث ابن ہشام تھے یہ بھی بعد میں مسلمان ہوگئے تھے اور ابوجہل کے حقیقی بھائی تھے۔ نویں زہیر ابن امیہ تھے یہ بھی بعد میں مسلمان ہوگئے تھے۔ دسویں سارہ تھیں جو بنی عبدالمطلب میں کے ایک شخص کی باندی تھیں یہ بھی بعد میں مسلمان ہوگئی تھیں اور پھر خلیفہء اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے زمانے تک زندہ رہیں۔ یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ یہی عورت حاطب ابن ابی بلتعہؓ کا خط قریش کے پاس لا رہی تھیں جس کی تفصیل فتح مکہ کے شروع میں بیان ہوئی ہے۔ اور گیارہویں صفوان ابن امیہ تھے یہ بھی بعد میں مسلمان ہوگئے تھے۔ ان کے علاوہ زہیر ابن ابی اسلمی تھا۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ تھی اور وحشی ابن حرب تھے جو بعد میں مسلمان ہوگئے تھے۔

سعد ابن عبادہؓ کا جذباتی اعلان...... ایک روایت میں ہے کہ حضرت سعد ابن عبادہؓ انصار کے سربراہ تھے اور ان کے ہاتھ میں رسول اللہ ﷺ کا دیا ہوا پرچم تھا۔ جب یہ اپنے دستہ کے ساتھ وادی کے اس دہانے سے گزرے جہاں ابوسفیان کھڑے ہوئے لشکر کو گزرتے دیکھ رہے تھے تو ابوسفیان نے حضرت عباسؓ سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے بتلایا کہ یہ انصاری حضرات ہیں جن کے سربراہ سعد ابن عبادہؓ ہیں اور ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کا دیا ہوا پرچم ہے۔ پھر جب حضرت سعد ابن عبادہؓ ابوسفیان کے سامنے سے گزرے تو کہنے لگے:

"ابوسفیان۔ آج کا دن جنگ و خوں ریزی کا دن ہے آج حرم میں قتل و قتال حلال ہوگا۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ۔ آج کعبہ میں بھی خون ریزی حلال ہوگی کیونکہ آج اللہ تعالیٰ نے قریش کو ذلیل و رسوا کر دیا ہے!"

ابوسفیان کا خوف اور آنحضرت ﷺ سے فریاد...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لائے بعض صحابہ نے کہا

کہ ہم نے آپ کو حضرت زبیرؓ کیساتھ دیکھا' غرض جب آپ ابوسفیان کے سامنے سے گزرنے لگے تو ابوسفیان نے پکار کر کہا:

"یا رسول اللہ! آپ نے اپنی قوم کے قتل کا حکم دیدیا ہے؟ کیونکہ سعد اور ان کے ساتھی ابھی جب ہمارے سامنے گزرے تو یہ کہہ رہے تھے کہ وہ ہم لوگوں کو قتل کریں گے وہ یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ آج کا دن جنگ اور خوں ریزی کا دن ہے۔ آج حرم میں قتل و قتال حلال ہو گیا ہے اور اللہ نے قریش کو ذلیل و خوار کر دیا ہے۔ میں آپ کو آپ کی قوم کیلئے اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ آپ سب سے زیادہ شریف انسان ہیں اور سب سے زیادہ رشتہ داروں کی خبر گیری کرنے والے ہیں!"

عثمانؓ و عبدالرحمٰنؓ کا اندیشہ...... یہ سن کر حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

یا رسول اللہ! اگر سعدؓ کو قریش پر قابو حاصل ہو جائے تو ہم ان کی طرف سے مطمئن نہیں ہیں!"

آنحضرت ﷺ کی طرف سے سعد کی تردید...... آپ نے ابوسفیان سے فرمایا:

"ابوسفیان! سعد نے غلط کہا۔ آج کا دن رحم و ہمدردی کا دن ہے۔ آج کے دن اللہ تعالیٰ نے قریش کو عزت و سر بلندی عطا فرمادی ہے!۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ۔ آج کا دن اللہ نے کعبہ کی حرمت و تقدیس کا دن بنایا ہے۔ آج کعبہ کو نیا غلاف پہنایا جائے گا!"

سعد سے لے کر پرچم قیس ابن سعد کو......اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو سعد ابن عباس کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ (سزا کے طور پر) ان سے پرچم لے کر ان کے بیٹے قیس ابن سعد کو دے دیا جائے۔ ایک قول ہے کہ آپ نے وہ پرچم حضرت زبیرؓ کو دلوا دیا تھا اور ایک قول کے مطابق حضرت علیؓ کو دلوا دیا تھا۔ ایسا اس خوف سے کیا گیا کہ کہیں سعد کے بیٹے قیس کی طرف سے کوئی ایسی حرکت نہ ہو جو آنحضرت ﷺ کو ناگوار خاطر ہو کیونکہ حضرت قیس عرب کے نہایت مشہور' بہادر اور جنگی معاملات میں نہایت ہوشیار آدمی سمجھے جاتے تھے ساتھ ہی ان میں شجاعت و دلیری اور بیباکی بھی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

قیس کی غیر معمولی ذہانت و ذکاوت...... ان کی سمجھ داری و ہوشیاری کا اندازہ ان لوگوں کو خوب اچھی طرح ہو گا جو حضرت امیر معاویہؓ اور قیس کے درمیان ہونے والے جھگڑے سے واقف ہیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت عثمانؓ کے قتل کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے اور انہوں نے قیس کو مصر کا والی و امیر بنا دیا تھا۔ اس وقت امیر معاویہ اور قیس کے درمیان ہونے والے اختلاف کے دوران قیس نے اپنی عقل و خرد کے حیرت ناک مظاہرے کئے تھے جن کو پڑھ کر تعجب ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی قیس میں انتہا درجہ شرافت بھی پائی جاتی تھی۔

قیس کی فراست کا ایک واقعہ...... چنانچہ ایک دن ان کے پاس ایک بڑھیا آئی اور کہنے لگی:

"میں آپ سے فریاد کرتی ہوں کہ میرے گھر میں چوہے بہت کم ہیں!"

حضرت قیسؓ نے کہا کہ سوال کرنے کا کیسا اچھا طریقہ اختیار کیا گیا ہے پھر انہوں نے بڑھیا سے کہا:

"میں تمہارے گھر میں چوہوں کی تعداد بہت زیادہ بڑھا دوں گا!"

(بڑھیا کا مقصد یہ تھا کہ مجھے کھانے پینے کی بہت تنگی ہے اور جب گھر میں کھانے پینے کا سامان نہیں تو چوہے کہاں سے آئیں گے؟ چنانچہ بڑھیا نے بجائے مانگنے اور سوال کرنے کے گھر میں چوہوں کی کمی کی شکایت کی۔ حضرت قیس فوراً ہی بڑھیا کا مقصد سمجھ گئے) چنانچہ انہوں نے بڑھیا کو اس قدر داد و دہش کی کہ کھانے پینے کے سامان سے اس کا گھر بھر گیا۔

ایک قول کے مطابق بڑھیا نے یہ کہا تھا کہ میرے گھر میں چوہے قلابازیاں کھاتے ہیں۔ قیس نے جواب دیا کہ میں انہیں گھر میں کود پھاند کے لئے سامان فراہم کر دوں گا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی داد و دہش سے بڑھیا کا گھر بھر دیا۔ ممکن ہے یہ دو علیحدہ علیحدہ واقعات رہے ہوں۔ اسی قسم کا ایک واقعہ خلیفہ عبدالملک ابن مروان کے ساتھ بھی پیش آیا تھا۔ ایک شخص نے خلیفہ کو لکھا کہ امیر المومنین میں آپ سے شرف و عزت کی فریاد کرتا ہوں۔ خلیفہ نے کہا تم نے بڑے خوبصورت انداز میں امداد کی طلب گاری کی ہے۔ اس کے بعد خلیفہ نے اس شخص کو دس ہزار درہم عطا کئے۔ اس پر بعض لوگوں کے خلیفہ سے سوال کیا تو عبدالملک ابن مروان نے کہا:

”وہ ایسی چیز کا سوال کر رہا ہے جس پر اسے خود قابو اور دسترس نہیں ہے اور وہ اس کے لئے عذر کرتا ہے تو کوئی اس کی دادرسی کرنے والا نہیں ہے!“

باپ کا ترکہ اور قیس کی سیر چشمی...... غرض قیس کے والد حضرت سعدؓ ابن عبادہ کا جب آخر وقت آیا تو انہوں نے اپنی تمام دولت اور مال خود اپنی اولاد میں تقسیم کر دیا اس وقت سعدؓ کی بیوی حمل سے تھیں مگر حمل بالکل ابتدائی دنوں کا تھا اس لئے حضرت سعدؓ کو خبر نہیں تھی کہ ان کی بیوی امید سے ہیں (لہٰذا مال کی تقسیم میں انہوں نے ہونے والے بچے کا کوئی حصہ نہیں رکھا تھا) اس کے بعد حضرت سعد کا انتقال ہو گیا اور اس کے کچھ عرصہ بعد انکی بیوی کے یہاں لڑکا پیدا ہوا۔ اس وقت حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے حضرت قیس سے بات کی کہ تمہارے باپ نے جو تقسیم کی تھی اس کو ختم کر دو (اور از سر نو تقسیم کر کے اس لڑکے کا حصہ بھی لگاؤ) قیس نے جواب دیا:

”نو مولود کو اپنا حصہ دیتا ہوں مگر میرے والد نے جو تقسیم کر دی ہے میں اس کو ختم نہیں کروں گا!“

قیس کا جمال...... حضرت قیس کے چہرے پر بال بالکل نہیں تھے یعنی داڑھی اور مونچھیں نہیں اگی تھیں مگر اس کے باوجود یہ بہت زیادہ حسین و جمیل آدمی تھے۔ چنانچہ انصاری مسلمان کہا کرتے تھے:

”ہمارا دل چاہتا ہے کہ ہم اپنا سارا مال و دولت خرچ کر کے قیس کے لئے کہیں سے داڑھی خرید سکتے!“

قیس کی فراخدلی و سخاوت...... حضرت قیس لوگوں کو قرضہ دیا کرتے تھے چنانچہ بہت لوگ ان کے قرض دار تھے اور بہت سا مال قرض میں تقسیم تھا۔ اسی لئے جب حضرت قیس بیمار ہوئے تو لوگ اس ڈر سے ان کی بیمار پرسی کو نہیں آئے کہ وہ قرض کی ادائیگی کا مطالبہ نہ کریں۔ چنانچہ لوگوں نے ان سے کہا کہ لوگ چونکہ آپ کے قرض دار ہیں اس لئے شرم اور خوف کی وجہ سے منہ چھپا رہے ہیں۔

حضرت قیس نے یہ سنتے ہی اعلان کرا دیا کہ جس شخص پر بھی قیس ابن سعد کی کوئی رقم قرض ہے وہ اسی کی ہو گئی۔ اس اعلان کے بعد ایک دم بیمار پرسی کے لئے آنے والوں کا تانتا لگ گیا اور اس کثرت سے لوگ آئے کہ حضرت قیس کے مکان کا وہ زینہ ٹوٹ گیا جس پر چڑھ کر لوگ حضرت قیس ابن سعدؓ کے پاس پہنچتے تھے۔

سعدؓ کی جذباتیت پر سرزنش...... (غرض رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد ابن عبادہ کے اس جذباتی اعلان کی وجہ سے بطور سزا کے ان سے پرچم لے لیا) مگر آنحضرت ﷺ نے یہ تدبیر فرمائی کی ایک لحاظ سے ان سے پرچم لے بھی لیا جائے اور ایک لحاظ سے اس کے باوجود ان ہی کے پاس باقی رہے۔ چنانچہ آپ نے پرچم ان سے لے کر ان کے بیٹے کو دے دیا (اس لئے حضرت سعدؓ کو سرزنش اور تنبیہ بھی ہو گئی لیکن ان کی دل شکنی بھی نہیں ہوئی کیونکہ پرچم ان کے پاس نہیں تو ان کے بیٹے کے پاس آ گیا جو

ان ہی کے پاس رہنے کے برابر تھا)۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت سعدؓ نے یہ کہہ کر پرچم دینے سے انکار کر دیا تھا کہ جب تک آنحضرت ﷺ کے حکم کی کوئی نشانی نہیں ہوگی میں پرچم نہیں دوں گا۔ چنانچہ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ثبوت کے طور پر اپنے حکم کے ساتھ اپنا عمامہ بھیجا جسے دیکھ کر حضرت سعدؓ نے پرچم اپنے بیٹے کے حوالے کر دیا۔

بخاری میں یوں ہے کہ انصاریوں کا دستہ حضرت سعد ابن عبادہ کی سربراہی میں اس گھاٹی میں داخل ہوا حضرت سعدؓ کے پاس پرچم تھا اور اس جیسا پرچم کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ اس کے بعد ایک دوسری ٹکڑی آئی جو پہلی ٹکڑی سے تعداد میں کم تھی۔ یہی بات علامہ حمیدی کی روایت میں یوں کہی گئی ہے کہ یہ اہم ترین ٹکڑی تھی۔

کتاب اصل میں ہے کہ یہ دوسری روایت کے الفاظ زیادہ واضح اور بہتر ہیں کیونکہ یہ ٹکڑی خاص طور پر مہاجرین کی تھی جس میں خود رسول اللہ ﷺ جلوہ افروز تھے اور پرچم حضرت زبیرؓ کے ہاتھوں میں تھا۔

خالد کو مکے میں داخلے کا حکم...... پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت خالد ابن ولید کو حکم دیا کہ تمام قبائل عرب کے دستے لے کر وہ مکے کے زیریں حصے سے شہر میں داخل ہوں اور بالکل شروع میں جو مکانات ہیں وہاں اپنا پرچم نصب کر دیں۔ ساتھ ہی آپ نے ان کو حکم دیا کہ صرف ان لوگوں سے جنگ کی جائے جو تمہارے مقابلے پر آئیں۔

سرداران قریش کا آخری مقابلہ...... ادھر صفوان ابن امیہ، عکرمہ ابن ابوجہل اور سہیل ابن عمرو نے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے لوگوں کو خندمہ کے مقام پر جمع کر لیا تا اور مسلمانوں سے مقابلہ کا فیصلہ کر چکے تھے۔ یہ خندمہ مکے کا ایک پہاڑ تھا۔

ایک قریشی کی ڈینگیں...... ان لوگوں میں ایک شخص تھا جو ہتھیار بنایا کرتا تھا اور ان کی مرمت کیا کرتا تھا اس شخص کی بیوی خفیہ طور پر مسلمان ہو چکی تھی اس نے جب شوہر کو ہتھیار بناتے دیکھا تو کہا میں نہیں سمجھتی تم کس کے لئے یہ ہتھیار بنایا کرتے ہو۔ اس نے کہا۔ محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کے لئے۔ اس عورت نے کہا:

"خدا کی قسم میں نہیں سمجھتی کہ کوئی بھی چیز محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کا مقابلہ کر سکتی ہے!"

اس پر اس شخص نے کہا کہ خدا کی قسم میں چاہتا ہوں کہ ان میں سے یعنی مسلمانوں میں سے کسی کو پکڑ کر تیری خدمت کے لئے متعین کروں (یعنی جنگ ہوگی تو میں کسی کو گرفتار کر کے بطور غلام تیری خدمت کے لئے تجھے دوں گا۔ گویا اسی مقصد کے لئے وہ تیاری کر رہا تھا)۔

امام ازرقی کی کتاب تاریخ مکہ میں یہ واقعہ اس طرح ہے کہ ایک قریشی شخص تھا جس کی بیوی اس کے لئے تیر تراشا کرتی تھی۔ یہ عورت خفیہ طور پر مسلمان ہو چکی تھی۔ ایک دن اس نے اپنے شوہر سے کہا کہ تم آخر یہ تیر کس کے لئے ترشوایا کرتے ہو؟ اس قریشی نے کہا:

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ محمد ﷺ مکہ فتح کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں اور اس کے لئے جنگ کریں گے۔ اگر ایسا ہوا تو ان کے جو آدمی گرفتار ہوں گے ان میں سے ایک تیری خدمت کے لئے غلام کے طور پر تجھے دوں گا"۔

اس کی بڑائیوں پر بیوی کا تمسخر...... اس پر اس کی بیوی نے کہا:

"خدا کی قسم گویا میں تصور میں تمہیں دیکھ رہی ہوں کہ تم محمد ﷺ کے شہسواروں کا لشکر دیکھ کر ہی بدحواسی کی حالت میں

میرے پاس دوڑے آرہے ہو تاکہ میں تمہیں کسی محفوظ جگہ چھپا دوں!"

چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکے پر چڑھائی کی اور آپ شہر میں داخل ہوئے تو یہ شخص واقعی بھاگتا ہوا اپنی بیوی کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ تیرا اناس ہو کوئی چھپنے کی جگہ بھی ہے۔ اس پر اس کی بیوی نے طنزیہ طور پر اس کو یاد دلاتے ہوئے پوچھا کہ میرا وہ خادم کہاں ہے؟ اسی قریشی نے بیوی کو جھڑک کر کہا ایسی باتیں نہ کرو۔ اس نے بعد اس نے وہ شعر پڑھے جو آگے ذکر ہو رہے ہیں۔ یہاں تک علامہ ازرقی کا حوالہ ہے۔

اس واقعہ کا سبب یہ تھا کہ جب حضرت خالد ابن ولیدؓ قبائل کا لشکر لے کر اس جگہ پہنچے جہاں کے لئے آنحضرت ﷺ نے ان کو حکم دیا تھا تو قریشیوں نے ان کو شہر میں داخل ہونے سے روکا اور ان پر تیر اندازی شروع کر دی۔ ساتھ ہی قریش نے پکار کر حضرت خالد سے کہا کہ تم زبردستی شہر میں ہر گز داخل نہیں ہو سکتے۔

مسلمانوں کا حملہ اور اس کی بوکھلاہٹ...... آخر حضرت خالدؓ نے اپنے لشکر کو جوابی کاروائی کرنے کا حکم دیا نتیجہ میں بہت سے قریشی قتل ہو گئے اور جو لوگ قتل ہونے سے بچ گئے وہ شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان شکست کھا کر بھاگنے والوں میں یہ شخص بھی تھا (جو کسی مسلمان کو گرفتار کر کے بطور غلام اور خادم کے اپنی بیوی کو پیش کرنا چاہتا تھا)۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ جب یہ شخص بدحواسی کی حالت میں بھاگتا ہوا اپنے گھر میں گھسا تو بیوی سے کہنے لگا جلدی سے گھر کا دروازہ بند کر لو۔ بیوی نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا:

"اور وہ میرا خادم کہاں ہے جس کے لئے تم کہتے تھے اور جس کا تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا!"

اس پر اسی شخص نے یہ شعر پڑھے۔

اِنَّكِ لَو شَهِدتِ يَوْمَ الخَنْدَمَة
وَاَنْتِ لَو اَبصَرْتِنَا بِالخَنْدَمَة

ترجمہ: اگر تم خندمہ کے موقعہ پر موجود ہوتی اور وہاں ہمیں دیکھتی۔ یا۔ اگر تو نے خندمہ کے مقام پر ہماری حالت دیکھی ہوتی۔

اِذْ فَرَّ صَفْوَانُ وَفَرَّ عِكْرِمَةُ
وَاسْتَقْبَلَتْنَا بِالسُّيُوفِ الْمُسْلِمَة

ترجمہ: جب کہ صفوان ابن امیہ اور عکرمہ ابن ابو جہل جیسے بہادر سردار بھی بھاگ کھڑے ہوئے تھے اور مسلمان تلواروں سے ہمارا استقبال کر رہے تھے۔

يَقْطَعْنَ كُلَّ سَاعِدٍ وَ جُمْجُمَة
ضَرْباً فَلاَ نَسْمَعُ اِلَّا غَمغَمَة

ترجمہ: اور تلواروں کی جھنکار میں شمشیر زنی کرنے والا ہر ہاتھ کاٹا جا رہا تھا اور سوائے چیخ پکار کے کچھ سنائی نہیں دیتا تھا۔

لَمْ نَهَيْتٌ حَولَنَا وَغَمْهَمَة
لا تنطقِي فِي اللَّومِ اَدْنَى كِلمَة

ترجمہ: ہمارے اردگرد ان کی خوفناک آوازیں تھیں لہٰذا اب تو ملامت کے طور پر مجھے کچھ مت کہنا۔

قریش پر آخری ضرب...... حضرت خالدؓ برابر مشرکوں کو دباتے ہوئے بڑھتے رہے یہاں تک کہ ان کا اگلا دستہ مسجد حرام

کے دروازے تک پہنچ گیا۔ مشرکوں میں بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ ان کی ایک جماعت نے سامنے پہاڑ پر چڑھ کر جان بچائی مگر مسلمان برابر ان کا پیچھا کر رہے تھے۔

خوں ریزی پر آنحضرت ﷺ کی تحقیق...... اس وقت رسول اللہ ﷺ عقبہ کے مقام پر تھے۔ وہاں سے آپ نے تلواروں کی چمک دیکھی آپ نے صحابہؓ سے پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے؟ جب کہ میں نے جنگ وخون ریزی سے منع کیا تھا۔ آپ کو بتلایا گیا کہ شاید مشرکین نے خالد سے مقابلہ کیا اور جنگ کی ابتداء کی جس کے نتیجہ میں انہیں مقابل آنے والوں کے خلاف جنگ کرنے کے سوا چارہ کار نہیں رہا ہوگا ورنہ یارسول اللہ وہ آپ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والے آدمیوں میں سے ہرگز نہیں ہیں۔ اس مقابلے میں قریش کے چوبیس آدمی ہلاک ہوئے اور بنی ھذیل کے چار آدمی آئے۔

اسلامی دستے اور ان کے امیر...... ایک روایت میں ہے کہ مسلمانوں کے جو دو حفاظتی دستے تھے ان میں سے ان پر آنحضرت ﷺ نے حضرت زبیرؓ کو سربراہ بنایا تھا۔ یہ دو ٹکڑیاں دائیں بائیں بازو کی تھیں اور ان کے درمیان قلب لشکر تھا اس کے بعد جو دوسرا دستہ تھا اس کے امیر حضرت خالدؓ تھے اور پیدل فوج حضرت ابوعبیدہؓ کی سرداری میں تھی۔ ایک روایت میں پیدل کے بجائے حسر کا لفظ ہے یعنی حضرت ابوعبیدہؓ اس دستے کے امیر تھے جو بغیر زرہ بکتر کے تھا۔ شرح مسلم میں ہے کہ۔ یعنی یہ پیدل دستہ تھا اور زرہ پوش بھی نہیں تھا یہ لوگ وادی کے درمیانی حصے میں پھیل گئے۔

غالباً مکے میں داخل ہونے سے پہلے صورتحال یہی تھی لہٰذا اب یہ بات اس آئندہ روایت کے خلاف نہیں رہتی جس کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر کو پرچم دیا اور حکم دیا کہ اس پرچم کو حجون کے مقام پر نصب کر دیں اور۔ آپ کے پہنچنے تک وہاں سے نہ ہٹیں۔

انصار کو اوباش قریش کے قتل کا حکم......اسی مقام پر آنحضرت ﷺ نے ایک مسجد بنائی جس کو مسجد رایت یعنی پرچم والی مسجد کہا جاتا ہے۔ قریش نے...... مسلمانوں سے مقابلے کے لئے مختلف قبیلوں کے لوگوں کو جمع کر رکھا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوہریرہؓ کو بلا کر حکم دیا میری جانب سے انصار میں اعلان کر دو کہ میرے پاس آ کر جمع ہو جائیں چنانچہ انصاری مسلمان آپ کے گرد و پیش جمع ہو گئے۔ آپ نے ان سے فرمایا:

"تم دیکھ رہے ہو قریش نے بیچ میل قسم کے یعنی مختلف قبیلوں کے لوگ جمع کر رکھے ہیں!"

اس کے بعد آپ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھ کر اشارہ کرتے ہوئے انصار سے فرمایا:

"ان لوگوں کو پکی ہوئی کھیتوں کی طرح کاٹ ڈالو۔ اور بڑھتے ہوئے صفا پہاڑ کے پاس مجھ سے مل جاؤ!"

چنانچہ یہ لوگ حکم کی تعمیل کے لئے بڑھ گئے اور بالائی سمت سے مکے میں داخل ہوئے۔

قریش کی ہلاکت پر ابوسفیان کا اضطراب...... حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ پھر ہم روانہ ہوئے اور دشمن کے جس آدمی کو بھی ہم میں سے کسی نے قتل کرنا چاہا اسے قتل کر دیا یہاں تک کہ ان میں سے کوئی شخص ہماری طرف رخ نہیں کرتا تھا۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ ان میں سے جس کسی کو ہم نے قتل کرنا چاہا قتل کیا۔ حتیٰ کہ ان میں سے کسی شخص کو بھی اپنی جان اور اپنی مدافعت کرنے کی قوت نہیں تھی۔

اسی وقت ابوسفیان جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور آپ سے کہنے لگے:

"یارسول اللہ! آج سارے ہی قریشی ہلاک ہو جائیں گے آج کے بعد کوئی قریشی باقی نہیں رہے گا۔

حکم امان کا اعادہ...... یہاں خضراء قریش کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ بڑی جماعت اور اکثر حصے کو سواد اعظم کہا جاتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ آج کے بعد قریش کا گروہ باقی نہیں رہے گا۔ یہاں قریش کی جماعت مراد ہے۔ اسی وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مکان میں گھس کر دروازہ بند کر لے اس کو امان ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ ناگواری کے ساتھ حضرت خالد ابن ولید کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

"تم نے خوں ریزی کیوں کی جب کہ میں نے قتل و قتال سے منع کر دیا تھا؟"۔

خالد سے باز پُرس...... حضرت خالدؓ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ ﷺ! جنگ کی ابتداء ان لوگوں نے کی تھی کہ ہمارے اوپر تیر اندازی شروع کر دی اور ہتھیار اٹھائے۔ جہاں تک ممکن تھا میں نے ہاتھ روکے رکھا اور انہیں اسلام کی دعوت دیتا رہا مگر انہوں نے میری کوئی بات نہیں سنی۔ آخر جب لڑنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہا تو میں نے ان پر حملہ کیا جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان پر غلبہ عطا فرمادیا اور وہ لوگ ادھر ادھر بھاگ گئے!"

خالد کو انصاری کے ذریعہ ہاتھ روکنے کا حکم...... ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک انصاری شخص کو پکارا کہ اے فلاں۔ اس نے عرض کیا۔ حاضر ہوں یارسول اللہ ﷺ آپ نے اس سے فرمایا:

"خالد ابن ولید کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ تمہیں رسول اللہ ﷺ حکم دیتے ہیں کہ مکے میں کسی شخص کو قتل مت کرو!"

انصاری کی غلط بیانی...... وہ انصاری شخص حضرت خالدؓ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا:

"خالد۔ رسول اللہ ﷺ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ جو شخص تمہارے سامنے آجائے اسے قتل کر ڈالو!"

اس حکم پر خالد کی طرف سے قتل عام...... چنانچہ اس حکم کے بعد حضرت خالدؓ نے حملے شروع کر دیئے اور مکے میں سو آدمیوں کو قتل کر ڈالا۔ اسی وقت ایک قریشی شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا:

"یارسول اللہ! آج کوئی ایک آدھ قریشی نہیں بلکہ سارے ہی قریش ہلاک ہو جائیں گے!"

آپ نے پوچھا کیوں؟ اس شخص نے عرض کیا:

"خالد ابن ولید حملے کر رہے ہیں اور جو شخص بھی سامنے نظر آجاتا ہے اسے قتل کر ڈالتے ہیں!"

خالد سے تحقیق اور غلط بیانی کی اطلاع...... آپ نے فرمایا خالد کو میرے پاس بلا کر لاؤ۔ چنانچہ خالد کو لایا گیا تو آپ نے ان سے فرمایا:

"کیا میں نے تمہارے پاس یہ پیغام نہیں بھیجا تھا کہ کسی شخص کو قتل مت کرنا!"

حضرت خالدؓ نے عرض کیا کہ نہیں بلکہ آپ نے تو یہ کہلایا تھا کہ جس پر مجھے قابو حاصل ہو جائے اسے قتل کر ڈالوں۔

انصاری سے باز پرس اور اس کا جواب...... آپ نے فرمایا اس انصاری شخص کو بلاؤ۔ اس کو لایا گیا تو آپ نے اس سے فرمایا کیا میں نے یہ پیغام دے کر نہیں بھیجا تھا کہ خالد کو میرا حکم پہنچا دو کہ کسی کو قتل نہ کریں۔ اس شخص نے عرض کیا:

"بے شک۔ مگر آپ نے ایک بات کا ارادہ فرمایا تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ دوسرا ارادہ فرما چکا تھا!"

اس پر آپ خاموش ہو گئے اور انصاری کو کچھ نہیں کہا۔ پھر آپ نے خالد سے فرمایا کہ لوگوں کا تعاقب اور تلاش بند

کردو۔انہوں نے عرض کیا بہتر ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"اللہ کی تقدیر پوری ہو گئی!"

بنی خزاعہ کے سوا سب کو ہتھیار روکنے کا حکم...... پھر آپ نے فرمایا:

"سب لوگ ہتھیار روک لیں سوائے بنی خزاعہ کے کہ وہ لوگ عصر کی نماز تک بنی بکر کے خلاف کاروائی کر سکتے ہیں!"

یہی وہ وقت تھا جب تک آنحضرت ﷺ کے لئے خوں ریزی حلال تھی۔ حضرت خالدؓ کے ساتھ قریش کی جو یہ جنگ ہوئی اس سے اس قول پر کوئی اثر نہیں پڑتا کہ مکہ معظمہ صلح کے ذریعہ فتح ہوا ہے۔ جیسا کہ بیان ہوا کیونکہ آنحضرت ﷺ مکے والوں کے ساتھ مکے میں داخل ہونے سے پہلے مرظہران کے مقام پر ہی صلح فرما چکے تھے۔اب جہاں تک آپ کے اس ارشاد کا تعلق ہے کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے یا حکیم ابن حزام کے گھر میں داخل ہو جائے۔یا جو شخص ہتھیار ڈال دے۔یا جو گھر کا دروازہ بند کرلے۔یا جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے۔یا جو شخص ابی رویحہ کے پرچم کے نیچے پہنچ جائے اس کو امان ہے۔ تو یہ ارشاد قریش کو امان دینے میں مزید احتیاط کے طور پر تھا۔

اسی طرح جہاں تک آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا تعلق ہے کہ ان لوگوں کو کھیتیوں کی طرح کاٹ ڈالو۔اس سے مراد یہ ہے کہ کفار میں جو لوگ مقابلہ کرنے اور لڑنے کی کوشش کریں ان کو قتل کردو۔ مگر جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ لہٰذا جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جنہوں نے مقابلہ کیا اور پھر حضرت خالدؓ نے ان کو قتل کیا۔یا آگے آنے والی ایک روایت ہے کہ حضرت علیؓ ان دو مشرکوں کو قتل کرنا چاہتے تھے جنہیں ان کی بہن اُمّ ہانی نے امان دے دی تھی۔ تو ان واقعات کے سلسلے میں شاید کچھ تاویل کی گئی ہے یا پھر ان دونوں آدمیوں کی طرف سے مقابلہ ہوا ہوگا۔اور حضرت اُمّ ہانی کا ان دونوں کو امان دینا دراصل اس امان کی تاکید تھی جو عام طور پر تمام لوگوں کو پہلے ہی دی جا چکی تھی۔ لہٰذا ان تمام واقعات میں کہیں ایسی دلیل نہیں جس سے معلوم ہو کہ مکہ طاقت کے بل پر فتح کیا گیا تھا۔ جمہور علماء کی رائے بھی یہی ہے۔

ایک قول ہے کہ مکہ کا بالائی حصہ تو صلح کے ذریعہ فتح ہوا یعنی جس طرف سے حضرت ابوہریرہؓ اور انصاری مسلمان گئے تھے کیونکہ اس حصے میں بالکل خوں ریزی نہیں ہوئی۔اور مکے کا زیریں حصہ طاقت کے ذریعہ فتح ہوا۔ یعنی وہ حصہ جس طرف سے حضرت خالدؓ مکے میں داخل ہوئے تھے کیونکہ وہاں جنگ وخوں ریزی ہوئی جیسا کہ بیان ہوا۔

انکساری کے ساتھ مکے میں داخلہ...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ مکے میں داخل ہوئے اس وقت آپ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار تھے اور آپ کے پیچھے اسامہ ابن زیدؓ بیٹھے تھے۔یہ جمعہ کا دن اور صبح کا وقت تھا۔ آپ نے سرخ رنگ کی یمنی چادر کا ایک پلہ سر پر لپیٹ رکھا تھا اور حق تعالیٰ کی جناب میں تواضع وانکساری کے لئے آپ نے اپنا سر مبارک جھکا کر کجاوے پر رکھا ہوا تھا جو مسلمانوں کی کثرت اور مکہ کی عظیم الشان فتح پر خدا کے حضور شکر نعمت اور اظہار بندگی کے لئے تھا۔اس وقت آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے:

"اے اللہ۔زندگی اور عیش صرف آخرت ہی کا ہے!"۔

آنحضرت ﷺ کے پرچم...... ایک قول ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مکے میں داخل ہوئے تو آپ کے سر پر خود تھا۔ نیز ایک قول ہے کہ اس کے اوپر ایک سیاہ رنگ کا خرقانی عمامہ تھا جس کے دونوں پلے آپ نے اپنے شانوں پر ڈال رکھے تھے۔ آپ بغیر احرام کے تھے اور آپ کا بڑا پرچم بھی سیاہ رنگ کا تھا اور چھوٹا پرچم بھی سیاہ تھا۔ مگر حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جس روز

رسول اللہ ﷺ کے میں داخل ہوئے تو آپ کا لواء یعنی چھوٹا پرچم سفید رنگ کا تھا۔ ادھر حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن آنحضرت ﷺ کا لواء یعنی چھوٹا پرچم سفید رنگ کا تھا اور رایہ سیاہ رنگ کا تھا جس کا نام عقاب تھا۔ یعنی یہ وہی عقابی پرچم تھا جو آپ کے ساتھ غزوۂ خیبر کے موقعہ پر بھی تھا۔ اس کے متعلق یہ بیان ہو چکا ہے کہ یہ پرچم حضرت عائشہؓ کی چادر میں سے بنایا گیا تھا۔

آنحضرت ﷺ کے داخلہ کی سمت...... حضرت عائشہؓ سے ہی روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ کداء کے مقام پر کے میں داخل ہوئے تھے جو کے کی بالائی سمت میں ہے۔ یہی قول مشہور بھی ہے اگرچہ بعض علماء نے کہا ہے کہ آپ کے کے زیریں حصے یعنی ثنیہ کدی میں سے کے میں داخل ہوئے تھے۔

آگے بیان ہوگا کہ جب آنحضرت ﷺ کے سے واپس ہو رہے تھے اس وقت آپ ثنیہ کدی کے مقام سے نکلے تھے۔ اسی روایت سے ہمارے شافعی فقہاء نے یہ دلیل لی ہے کہ کے میں ایک راستے سے داخل ہونا اور واپسی کے وقت دوسرے راستے سے نکلنا مستحب ہے۔ یعنی کداء کے مقام سے داخل ہونا اور ثنیہ کدی سے نکلنا مستحب ہے۔

کے میں داخلے کے لئے غسل...... کے میں داخل ہونے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے غسل فرمایا تھا جیسا کہ ہمارے امام شافعی نے اپنی کتاب الام میں بیان کیا ہے چنانچہ اسی روایت سے یہ دلیل لی گئی ہے کہ کے میں چاہے حلال حالت یعنی بغیر احرام کے داخل ہوں غسل کرنا مستحب ہے۔ اس بارے میں آگے حضرت اُمّ ہانی کی روایت آئے گی۔

مسلمانوں کے جنگی نعرے...... اس موقعہ پر مہاجروں کا جنگی نعرہ "یابنی عبد الرحمٰن" تھا۔ خزرجیوں کا نعرہ "یابنی عبد اللہ" تھا اور اوسیوں کا نعرہ "یابنی عبید اللہ" تھا۔ یعنی یہ جنگی نعرے بطور پہچان کے تھے تا کہ رات کی تاریکی میں اور گھمسان کی جنگ میں جبکہ لڑنے والوں کو ایک دوسرے اور اپنے پرائے کا ہوش نہیں رہتا تو اس نعرہ کے ذریعہ مسلمان ایک دوسرے کو پہچان سکیں۔

داخلہ پر شکر خداوندی...... جب رسول اللہ ﷺ کے میں پہنچ کر فروکش ہوگئے ور لوگ اطمینان سے بیٹھے تو آنحضرت ﷺ نے آرام فرمایا۔ یہ حجون کے مقام کی بات ہے جہاں حضرت زبیرؓ نے پرچم نصب کیا تھا۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو شعب ابو طالب کے پاس دیکھا کہ آپ ایک چمڑے کے قبہ میں ٹھہرے جو وہاں آپ کے لئے نصب کیا گیا تھا۔ قبہ میں آپ کے ساتھ آپ کی دو ازواج حضرت اُمّ سلمہؓ اور حضرت میمونہؓ بھی تھیں۔ یہ شعب ابو طالب وہی گھاٹی ہے جس میں ہجرت سے پہلے قریش نے آنحضرت ﷺ اور بنی ہاشم اور بنی مطلب کو محصور اور قید کی تھا۔

کے میں آپ کی منزل...... حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ شہر میں داخل ہو کر جب کے کے مکانات پر آنحضرت ﷺ کی نظر پڑی تو آپ رک گئے پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اس کی حمد و ثنا بیان کی۔ اس کے بعد آپ نے اپنے قبہ کی طرف دیکھا اور فرمایا:

"جابر۔ یہی ہماری منزل اور ٹھکانہ ہے جہاں قریش نے ہمارے خلاف حلف کر کے ہمیں محصور کیا تھا!"

حضرت جابرؓ کہتے ہیں اس وقت مجھے رسول اللہ ﷺ کی وہ حدیث یاد آگئی جو میں نے اس سے پہلے مدینے میں آپ سے سنی تھی کہ جب اللہ تعالیٰ ہمارے ہاتھوں مکہ فتح کرائے گا تو ہماری منزل خیف بنی کنانہ میں ہوگی جہاں قریش نے کفر پر ہمارے خلاف حلف کیا تھا۔ کیونکہ قریش اور بنی کنانہ نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کے خلاف حلف کیا تھا کہ جب تک یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو ہمارے حوالے نہ کر دیں اس وقت تک نہ ان کے ساتھ بیاہ شادی کا رشتہ قائم کریں گے اور نہ خرید و فروخت کریں گے

(چنانچہ اس فیصلہ کے بعد قریش نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کو شعب ابو طالب نامی گھاٹی میں محصور ہونے پر مجبور کر دیا تھا اور ان کا مکمل مقاطعہ اور بائیکاٹ کر دیا تھا) جیسا کہ ان کے اس حلف نامہ کے بیان میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

یہاں یہ اشکال ہے کہ آگے حجۃ الوداع کے بیان میں آرہا ہے کہ قریش نے بنی ہاشم کے خلاف محصب کے مقام پر یہ حلف کیا تھا۔ چنانچہ بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ منی میں یوم نحر یعنی قربانی کے دن فرما رہے تھے کہ کل ہم خیف بنی کنانہ میں پڑاؤ کریں گے جہاں انہوں نے کفر پر ہمارے خلاف وادی محصب میں حلف کیا تھا۔

حضرت اسامہ ابن زیدؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

"یا رسول اللہ ﷺ! کل آپ اپنے وطن میں کہاں قیام فرمائیں گے کیا اپنے مکان میں؟"۔

آپ نے فرمایا:

"کیا عقیل نے ہمارے لئے کوئی گھر باقی چھوڑا ہے؟"

(یہ عقیل ابو طالب کا بیٹا تھا) اس کا تفصیلی واقعہ اور آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد پیچھے ہو چکا ہے جس کو دہرانے کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ اور پیر کا دن...... غرض رسول اللہ ﷺ روزانہ ہر نماز کے لئے حجون کے مقام سے مسجد حرام میں تشریف لایا کرتے تھے۔ مکہ میں آپ کا داخلہ دوشنبہ یعنی پیر کے دن ہوا تھا۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ پیر کے دن ہی پیدا ہوئے۔ پیر کے دن ہی آپ نے حجر اسود رکھا اور پیر کے دن ہی آپ ہجرت کر کے مکے سے روانہ ہوئے' پیر کے دن ہی مدینے میں داخل ہوئے اور پیر کے دن ہی آپ پر سورہ مائدہ نازل ہوئی۔

آنحضرت ﷺ کا طواف...... پھر رسول اللہ ﷺ حرم کی طرف روانہ ہوئے، آپ کے برابر حضرت ابو بکرؓ تھے آپ ان سے باتیں کرتے جاتے تھے اور سورۂ فتح کی تلاوت فرما رہے تھے یہاں تک کہ آپ بیت اللہ پہنچے اور اپنی سواری پر بیٹھے بیٹھے ہی کعبہ کے سات طواف کئے حضرت محمد ابن مسلمہؓ آپ کی سواری کی مہار پکڑے ہوئے تھے اور جن میں آپ ہاتھ سے حجر اسود کو بوسہ دیتے تھے۔

کعبہ میں قبائل کے بت...... حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب فتح مکہ کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ حرم میں داخل ہوئے تو اس وقت کعبہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے عرب کے ہر قبیلہ اور خاندان کا بت علیحدہ علیحدہ تھا جن کے پیروں کو ابلیس نے وہاں اس طرح باندھ دیا تھا جس طرح انہیں سیسہ پلا کر جمایا گیا ہو۔

آنحضرت ﷺ کی بت شکنی...... آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو آپ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی۔ آپ ہر بت کی طرف اس کو ہلاتے تھے اور وہ بت منہ کے بل گر جاتا تھا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ اُلٹا گر جاتا تھا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ آپ جس بت کی طرف بھی اس کے منہ کی سمت سے اشارہ کرتے وہی چت گر جاتا اور جس کی گدی یعنی پیٹھ کی طرف اشارہ کرتے وہ اُلٹے منہ گر جاتا مگر اس طرح کہ آپ کے ہاتھ میں جو چھڑی تھی آپ اس سے اس بت کو چھوتے بھی نہیں تھے (یعنی صرف دور سے اس کی طرف اشارہ ہی فرماتے تھے کہ وہ بت گر پڑتا تھا) یہاں تک کہ آپ اسی طرح ہر بت کے پاس سے اشارہ کرتے ہوئے گزرے (اور تمام بت اسی طرح گر گئے۔ اس وقت آپ کی زبان مبارک پر یہ آیت پاک تھی:

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا. (الآیہ پ ۱۵ سورۂ بنی اسرائیل ع ۹۔ آیت ۸۱)

ترجمہ: حق آیا اور باطل گیا گزرا ہوا اور واقعی باطل چیز تو یوں ہی آنی جانی رہتی ہے۔

ہُبَل ٹکڑے ٹکڑے...... ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ حجر اسود کی طرف تشریف لائے اور آپ نے اس کو بوسہ دیا پھر آپ نے بیت اللہ کا طواف کیا آپ کے ہاتھ میں اس وقت ایک کمان تھی جس کو آپ نے ایک سرے کی طرف سے پکڑ رکھا تھا پھر طواف کے دوران آپ بیت اللہ کی ایک سمت میں رکھے ہوئے ایک بت کے پاس آئے جو کعبہ کے دروازے کے پاس رکھا ہوا تھا۔ یہ ہُبَل نامی بت تھا جس کی قریش عبادت کیا کرتے تھے۔ یہ قریش کے سب سے بڑے بتوں میں سے ایک تھا۔ آپ وہ کمان اس بت کی آنکھوں کو مارنے لگے اور یہ آیت پڑھتے جاتے تھے جو گذشتہ سطروں میں ذکر ہوئی۔ اس کے بعد آپ کے حکم سے یہ بت توڑ دیا گیا۔

ابوسفیان اور ایامِ گذشتہ...... اس وقت حضرت زبیرؓ ابن عوام نے ابوسفیان سے کہا:

"ہبل توڑ دیا گیا۔ تم جنگ احد کے موقعہ پر بڑے غرور اور خود فریبی میں مبتلا تھے اور یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ بت تمہارے لئے نعمت ہے!"

ابوسفیان نے کہا:

"ابن عوام اب ان باتوں کو رہنے دو۔ کیونکہ میں سمجھتا ہوں اگر محمد ﷺ کے خدا کے ساتھ کوئی اور خدا بھی ہوتا تو جو کچھ پیش آیا ہے وہ نہ ہوتا!"

آنحضرت ﷺ علیؓ کے کاندھوں پر...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ مقام ابراہیم پر پہنچے اس وقت یہ مقام کعبہ سے ملا ہوا تھا۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کے وقت مجھے ساتھ لے کر چلے اور کعبہ میں پہنچے یہاں پہنچ کر آپ نے مجھ سے فرمایا بیٹھ جاؤ' میں کعبہ کے برابر بیٹھ گیا۔ آپؐ میرے کندھے پر چڑھے اور فرمایا کھڑے ہو جاؤ۔ میں کھڑا ہونے لگا مگر آپ نے محسوس کیا کہ مجھ میں آپ کو سنبھالنے کی طاقت نہیں ہے لہذا آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ میں پھر بیٹھ گیا۔ اس کے بعد آپ نے مجھ سے فرمایا کہ علی اب تم میرے کندھے پر چڑھ جاؤ۔ چنانچہ میں نے حکم کی تعمیل کی۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ آپ نے مجھ سے فرمایا:

"علی! تم میرے کندھے پر چڑھ کر اس بت کو توڑ ڈالو!"

نبوت کا بوجھ اور علیؓ کی کمزوری...... حضرت علیؓ نے عرض کیا:

"نہیں یا رسول اللہ۔ بلکہ آپ چڑھئے کیونکہ میں آپ کے احترام کی وجہ سے آپ کو اٹھاؤں گا!"

"نہیں۔ تم نبوت کا بوجھ اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس لئے تم ہی چڑھو!"

علیؓ آنحضرت ﷺ کے کاندھوں پر...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ بیٹھ گئے اور حضرت علیؓ آپ کے دونوں شانوں کے بیچ میں چڑھے اور آنحضرت ﷺ ان کو اپنے کاندھوں پر سنبھال کر کھڑے ہو گئے حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مجھے لے کر کھڑے ہوئے تو میں کعبہ کی چھت سے اوپر تک پہنچ گیا۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ ایک طرف کو جھکے۔

حضرت علیؓ کہتے ہیں جب آپ نے مجھے اٹھایا تو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ میں چاہوں تو آسمان کے کناروں کو چھو سکتا ہوں!"

شانہ نبوت یا اوج ثریا...... ایک روایت میں ہے کہ ایک دفعہ کسی نے حضرت علیؓ سے پوچھا:

"جب آپ رسول اللہ ﷺ کے کندھے پر چڑھے تھے تو اس وقت آپکی حالت کیا تھی اور آپ کیا محسوس کر رہے تھے؟"۔

حضرت علیؓ نے جواب دیا:

"اس وقت میری یہ حالت تھی کہ اگر میں ثریا ستارہ کو بھی چھونا چاہتا تو چھو سکتا تھا۔!

اصنام کعبہ منہ کے بل...... جب آنحضرت ﷺ حضرت علیؓ کو لے کر اٹھے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ مشرکوں کا جو سب سے بڑا بت ہے اس کو گرا دو۔ یہ بت تانبے کا بنا ہوا تھا ایک قول ہے کہ سیسے کا بنا ہوا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ جب کعبہ کے بت گرائے گئے تو سب کو گرانے کے بعد صرف بنی خزاعہ کا بت باقی رہ گیا جو لوہے کی میخوں سے جڑا ہوا تھا آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اس پر چوٹ مارو۔ چنانچہ میں نے اس پر ضربیں لگانی شروع کیں اس وقت آنحضرت ﷺ یہ فرمار ہے تھے۔ اوہ۔ اوہ۔ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔ الآیہ

حضرت علیؓ کہتے ہیں میں اس بت پر برابر ضربیں لگاتا رہا یہاں تک کہ آخر کار میں اس کو اکھاڑنے میں کامیاب ہو گیا یعنی اس پر جو ضربیں لگائی گئیں وہ بت توڑنے کے لئے نہیں تھیں بلکہ وہ بت چونکہ آہنی میخوں سے جڑا ہوا تھا اس لئے ان ضربوں سے اس کو اکھاڑنا مقصود تھا) جب وہ اکھڑ گیا تو میں نے اس کو نیچے پھینک دیا اور وہ گر کو ٹوٹ گیا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں۔ اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بت ہُبل کے علاوہ کوئی دوسرا بت تھا نیز یہ کہ ہبل قریش کا سب سے بڑا بت نہیں تھا بلکہ جس کو مار مار کر اکھاڑا گیا وہ سب سے بڑا بت تھا مگر مجھے اس بت کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔

ادھر جن روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ توڑا جانے والا بت ہبل تھا ان میں سے ایک روایت حضرت زبیرؓ ابن عوام والی ہے جو پیچھے بیان ہوئی اور جس میں انہوں نے ہبل کے متعلق ابو سفیان کو خطاب کیا کہ جس ہبل پر تم جنگ احد میں فخر کر رہے تھے اس کو آج توڑ ڈالا گیا ہے۔ اس پر ابو سفیان نے کہا تھا کہ اب ان باتوں کو چھوڑ دو۔ اگر محمد ﷺ کے خدا کے ساتھ کوئی اور خدا بھی ہوتا تو آج یہ صورت حال نہ ہوتی۔

بتوں کی شکست پر قریش کی حیرت...... کتاب تفسیر کشاف میں ہے کہ اس روز کعبہ کے تمام بت گرا دیئے گئے صرف بنی خزاعہ کا ایک بت کعبہ کی چھت پر باقی رہ گیا جو زرد رنگ کے شیشے کا بنا ہوا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ علی اس پر پتھر مارو۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ حضرت علیؓ کو لے کر اوپر اٹھے اور جب حضرت علیؓ بلند ہو کر اس تک پہنچ گئے تو انہوں نے اس بت پر ضربیں لگا کر اس کو توڑ دیا۔ یہ دیکھ کر مکے والے حیرت کے ساتھ کہنے لگے کہ ہم نے محمد ﷺ سے بڑا جادوگر آج تک نہیں دیکھا۔

صاحب کشاف کی کتاب خصائص عشرہ میں اس روایت میں اضافہ بھی ہے کہ حضرت علیؓ کہتے ہیں (اس بت کو توڑنے کے بعد) میں کعبہ کی چھت پر سے نیچے اترا اور میں اور رسول اللہ ﷺ وہاں سے دوڑتے ہوئے واپس ہوئے کیونکہ ڈر تھا قریش میں سے کوئی شخص ہمیں دیکھ نہ لے۔ یہاں تک خصائص عشرہ کا حوالہ ہے۔

اب اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ فتح مکہ کے وقت کا نہیں ہے (کیونکہ ظاہر ہے فتح مکہ کے وقت آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو کفار کے مقابلے میں شوکت واقتدار حاصل ہو چکا تھا اور اس وقت کعبہ کے بتوں کو علی الاعلان توڑا گیا تھا لہٰذا اس کے بعد وہاں سے قریش کے ڈر سے بھاگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہی کہنا چاہئے کہ اگر یہ روایت درست ہے تو یہ واقعہ فتح مکہ سے پہلے کا ہے جو ممکن ہے آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے بھی پہلے کا ہو جب کہ مکہ میں مشرکوں کا اقتدار تھا اور مسلمان ان کے زیر نگیں نہیں تو ان سے دبے ہوئے اور خائف ضرور تھے)۔ بہر حال یہ روایت قابل غور ہے۔

بت پرستی پر کعبہ کی اللہ سے فریاد...... کتاب تفسیر کشاف میں ہی یہ روایت بھی ہے کہ بیت اللہ کے چاروں طرف تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ ہر قوم کا علیحدہ علیحدہ شکل و صورت کا بنا ہوا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ عرب کے تمام قبیلوں کے بت علیحدہ علیحدہ تھے۔ ہر قبیلہ اپنے ہی بت کی زیارت و حج کے لئے آتا تھا اور اسی کے لئے جانور کی قربانی کرتا تھا۔ آخر بیت اللہ نے اپنے پروردگار سے شکایت کی اور عرض کیا:

"اے پروردگار! میرے چاروں طرف کب تک تیرے بجائے ان بتوں کی پرستش ہوتی رہے گی؟"۔

کعبہ سے سجدہ ریز جبینوں کا وعدہ...... جواب میں حق تعالیٰ جل شانہ' نے بیت اللہ پر وحی نازل فرمائی جس میں بیت اللہ سے ارشاد فرمایا گیا:

"میں تیرے لئے ایک نئی جماعت ظاہر کروں گا اور تیرا دامن ان پیشانیوں اور جبینوں سے بھر دوں گا جو میرے لئے سجدہ ریز ہوں گی۔ وہ عقابوں کی طرح تیری طرف پھڑ پھڑا کر آئیں گے اور ان پرندوں کی طرح تیرے لئے نوانجی کریں گے جو اپنے انڈوں کو دیکھ کر چہچہاتے ہیں اور وہ بیت اللہ میں تیرے گرد نغمہ ریزیاں کیا کریں گے!"

یہاں تک کشاف کا حوالہ ہے۔

آنحضرت ﷺ کا کعبہ میں داخلہ...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو کعبہ کے کلید بردار عثمان ابن ابی طلحہ کے پاس بھیجا کہ ان سے کعبہ کی کنجیاں لے کر آئیں جیسا کہ آگے اس کی تفصیل آرہی ہے۔ پھر جب چابیاں آگئیں تو آنحضرت ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے۔

کعبہ میں تصویریں...... اس سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے بطحاء میں حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ وہ کعبہ میں پہنچ کر وہاں جو تصویریں بنی ہوئی ہیں ان کو مٹادیں چنانچہ آنحضرت ﷺ کے بیت اللہ میں داخل ہونے سے پہلے کعبہ میں بنی ہوئی تمام تصویریں مٹائی جاچکی تھیں۔

تصویر ابراہیمؑ اور عمر فاروقؓ...... حضرت عمرؓ نے کعبہ کی تمام تصویریں مٹادیں مگر ان ہی میں ایک تصویر حضرت ابراہیمؑ کی بھی بنی ہوئی تھی (کیونکہ قریش کے لوگ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے تھے اور ان کا بہت احترام کرتے تھے) حضرت ابراہیمؑ کی تصویر کو حضرت عمرؓ نے نہیں مٹایا بلکہ اس کا جوں کا توں باقی رہنے دیا آنحضرت ﷺ نے آکر یہ تصویر باقی دیکھی تو حضرت عمرؓ سے فرمایا:

"عمر! کیا میں نے تمہیں حکم نہیں دیا تھا کہ کعبہ میں کوئی تصویر باقی مت چھوڑنا! اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہلاک کرے کہ انہوں نے ان بزرگ کو پانسہ کے تیر پھینکنے والے کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ ابراہیمؑ نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے بلکہ وہ سچے اور پاکباز مسلمان تھے۔ نہ ہی وہ مشرکوں میں سے تھے!"

کعبہ سے تصویروں کی صفائی...... علامہ سبط ابن جوزی نے علامہ واقدی کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر ابن خطابؓ اور حضرت عثمان ابن عفانؓ کو حکم دیا کہ وہ بیت اللہ میں پہنچیں۔ ساتھ ہی آپ نے حضرت عمر فاروقؓ کو حکم دیا کہ کعبہ میں سوائے ابراہیمؑ کی تصویر کے اور سب تصویروں کو مٹادو۔ یہاں تک علامہ سبط ابن جوزی کا حوالہ ہے جو قابل غور ہے۔

حضرت اسامہ ابن زیدؓ کی ایک روایت میں ہے کہ میں کعبہ کے اندر رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا۔ آپ نے وہاں تصویریں

بنی ہوئی دیکھیں تو ایک برتن میں پانی لانے کا حکم دیا۔ میں فوراً پانی لے کر آیا تو آنحضرت ﷺ خود پانی چھڑک کر وہ تصویریں مٹانے لگے۔

فرشتوں اور انبیاء کی تصویریں...... یہ تصویریں مختلف تھیں کچھ تصویریں فرشتوں کی تھیں۔ ان کے علاوہ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کی تصویریں بھی تھیں جن کے ہاتھوں میں پانسہ کے تیر تھے اور وہ پانسہ پھینک رہے تھے نیز ان کے ساتھ حضرت اسحاقؑ اور باقی دوسرے انبیاء کی تصویریں بھی تھیں جیسا کہ قریش کے ہاتھوں تعمیر کعبہ کے بیان میں اس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے۔ ان ہی تصویروں میں ایک تصویر حضرت مریم بنت عمران کی بھی تھی۔ (جہاں تک پانسہ کے تیروں کا تعلق ہے ان کا مقصد اور تفصیل خانہ کعبہ کے بیان میں پیچھے گزر چکی ہے)۔

ان تصویروں کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ اس قوم کو ہلاک کرے جو ایسی تصویریں بناتے ہیں جو وہ پیدا نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کرے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کبھی پانسہ کے تیر نہیں پھینکتے تھے!"

بہر حال ان روایات میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے حضرت عمر فاروقؓ نے ابراہیمؑ کے ساتھ ساتھ اسماعیلؑ اور حضرت مریم اور فرشتوں کی تصویروں کو بھی باقی رہنے دیا ہو (اور پھر آنحضرت ﷺ کعبہ میں تشریف لائے تو آپ نے ان تصویروں کو خود مٹایا)

کعبہ میں عطر افشانی...... وہیں ایک کبوتر کی تصویر بھی ملی جو ایک خوشبودار لکڑی سے بنائی گئی تھی آپ نے اس کو اپنے دست مبارک سے توڑا اور اٹھا کر پھینک دیا۔ اس کے بعد آپ نے زعفران منگائی اور جہاں سے وہ تصویریں مٹائی گئی تھیں وہاں زعفران مل دی۔

کعبہ میں آنحضرت ﷺ کی نماز...... پھر وہیں آنحضرت ﷺ نے دونوں ستونوں کے بیچ میں دو رکعت نماز ادا فرمائی ایک روایت میں ہے کہ۔ دونوں یمانی ستونوں کے درمیان میں نماز پڑھی ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ دونوں اگلے ستونوں کے بیچ میں پڑھی جن سے دیوار کا فاصلہ تین ہاتھ کے برابر تھا۔ مگر ترمذی میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے آپ نے کعبہ کی چاروں سمتوں میں تکبیر کہی مگر وہاں نماز نہیں پڑھی۔

مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت اسامہ ابن زیدؓ بلال حبشیؓ، عثمان ابن ابی طلحہ اور ایک روایت کے مطابق۔ نیز فضل ابن عباسؓ کے ساتھ کعبہ میں داخل ہوئے۔

حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ ایک شاذ روایت کے مطابق ان حضرات نے کعبہ میں داخل ہو کر اندر سے اس کا دروازہ بند کر لیا۔ ایک روایت میں ہے کہ۔ پھر عثمان ابن ابی طلحہ اور بلالؓ نے اندر سے کعبہ کے کواڑ بند کر لئے۔ نیز ایک روایت میں ہے کہ پھر عثمان نے ان پر دروازہ بند کر دیا۔ ان روایات میں موافقت پیدا کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ دروازہ بند کرنے والے عثمان ابن ابی طلحہ ہی تھے کیونکہ یہ ان ہی کے فرائض میں سے تھا۔ البتہ دروازہ بند کرنے میں انکا ہاتھ بٹانے والے حضرت بلالؓ تھے۔

کعبہ میں داخلہ اور خالد کا پہرہ...... جب یہ حضرات کعبہ میں داخل ہوئے تو حضرت خالدؓ ابن ولید دروازے پر کھڑے ہوئے تھے اور لوگوں کو قریب آنے سے روک رہے تھے۔

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ جب انہوں نے کعبہ کا دروازہ کھولا تو سب سے پہلے ان کے سامنے پڑنے والا شخص میں تھا پھر

مجھے بلالؓ ملے تو میں نے ان سے پوچھا کہ کیا کعبہ میں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے کہا۔ ہاں! مگر اس وقت مجھے یہ پوچھنے کا خیال نہیں آیا کہ آپ نے کتنی رکعات پڑھیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بلالؓ کا یہ قول کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے کعبہ میں نماز پڑھی۔ متعین اور معروف نماز کے لئے ہے یعنی صلوٰۃ سے مراد یہاں نماز ہی ہے دعا نہیں ہے جیسا کہ بعض علماء نے دعویٰ کیا ہے (کہ یہاں صلوٰۃ سے مراد نماز نہیں ہے بلکہ دعا ہے)۔

کیا آنحضرت ﷺ نے کعبہ میں نماز پڑھی تھی؟...... علامہ سہیلی کے کلام کے مطابق ابن عمرؓ کی حدیث میں یہ متعین ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی تھی۔ ادھر حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کہ مجھے اسامہ ابن زیدؓ نے بتلایا کہ آنحضرت ﷺ جب کعبہ میں داخل ہوئے آپ نے اس کے ہر حصے میں دعائیں پڑھیں مگر نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ آپ باہر آگئے۔ البتہ باہر آنے کے بعد آپ نے بیت اللہ کی طرف رخ کر کے دو رکعتیں پڑھیں۔ یعنی آپ نے یہ دو رکعات کعبہ کے دروازے اور حجر اسود کے درمیان پڑھیں جو حصہ ملتزم کہلاتا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا۔ یہ قبلہ ہے۔

اب گویا حضرت بلالؓ تو یہ ثابت کرتے ہیں کہ کعبہ کے اندر نماز پڑھی گئی اور ان کے مقابلے میں حضرت اسامہ ابن زیدؓ اس سے انکاری ہیں۔ مگر اصول یہ ہے کہ ثابت کرنے والی بات انکار کرنے والی بات کے مقابلہ میں مقدم ہوا کرتی ہے (یعنی انکار کے مقابلے میں اقرار مقدم ہوتا ہے لہٰذا اس اصول کے تحت یہ مانا جائے گا کہ آپ نے کعبہ میں نماز پڑھی تھی)۔

ادھر ایک روایت خود حضرت اسامہؓ کی بھی یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کعبہ کے اندر نماز پڑھی تھی۔ اب گویا حضرت اسامہؓ کی دونوں روایتوں میں اختلاف اور تضاد پیدا ہو گیا۔ اب یوں کہنا چاہئے کہ جہاں حضرت اسامہؓ خود یہ ثابت کر رہے ہیں کہ کعبہ میں نماز پڑھی گئی وہاں وہ حضرت بلالؓ کی روایت پر اعتماد کر رہے ہیں اور جہاں اس سے انکار کر رہے ہیں وہاں خود اپنے علم پر اعتماد کر رہے ہیں۔

علامہ حافظ ہیثمیؒ کی کتاب مجمع الزوائد میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیت اللہ میں داخل ہوئے جہاں آپ نے دونوں ستونوں کے درمیان دو رکعت نماز پڑھی پھر آپ کعبے سے باہر نکلے تو آپ نے کعبہ کے دروازے اور حجر اسود کے درمیانی حصے میں دو رکعت نماز ادا کی اور فرمایا یہ قبلہ ہے۔ اس کے بعد آپ دوبارہ کعبہ میں داخل ہوئے اور وہاں کھڑے ہو کر دعا مانگی مگر نماز نہیں پڑھی۔

اس روایت کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے جو احادیث نقل ہوئی ہیں وہ بھی مختلف ہیں اور ان کے اختلاف کا سبب آنحضرت ﷺ کا ایک سے زائد مرتبہ کعبہ میں داخل ہونا ہے۔ کہ پہلی مرتبہ آپ داخل ہوئے تو آپ نے کعبہ کے اندر نماز پڑھی اور دوسری مرتبہ میں داخل ہوئے تو نہیں پڑھی۔ اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں واقعات فتح مکہ کے وقت کے ہی ہیں۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت بلالؓ کی روایتیں دونوں صحیح ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ یوم نحر میں (یعنی حجۃ الوداع کے موقع پر) کعبہ میں داخل ہوئے تو آپ نے وہاں نماز نہیں پڑھی تھی۔ اس کے بعد پھر آپ اگلے دن داخل ہوئے تو آپ نے وہاں نماز پڑھی۔ یہ واقعہ حجۃ الوداع کے موقعہ کا ہے۔ یہاں تک ان بعض علماء کا حوالہ ہے جو قابل غور ہے۔

مقام ابراہیم پر نماز...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ مقام ابراہیم پر تشریف لائے جو کعبہ سے ملا ہوا تھا وہاں آپ نے دو

رکعات نماز پڑھی۔ مقام ابراہیم کو بعد میں آپ نے کعبہ سے علیحدہ کرادیا تھا جیسا کہ تعمیر کعبہ وغیرہ کے بیان میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

زمزم نوشی اور وضو...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے پانی منگا کر پیا اور وضو کی۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ پھر آپ چاہ زمزم کی طرف گئے اور اس میں جھانک کر فرمایا:

"اگر یہ اندیشہ نہ ہو تا کہ بنی عبدالمطلب مغلوب ہو جائیں گے یعنی لوگ ان کے منصب اور فرائض میں (زمزم سے پانی کھینچنے کے سلسلہ میں) ان پر غالب آجائیں گے تو میں اس کنویں میں سے ایک ڈول پانی ضرور نکالتا!"

آنحضرت ﷺ کی وضو کا پانی اور صحابہ کی وارفتگی...... کیونکہ لوگ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کی دیکھا دیکھی پھر خود ہی کنویں سے پانی نکالنے لگیں گے حالانکہ زمزم سے پانی کھینچنا بنی عبدالمطلب کے فرائض اور اعزاز میں شامل ہے۔

اس کے بعد حضرت عباسؓ نے آنحضرت ﷺ کے لئے ایک ڈول پانی کھینچا جس میں آنحضرت ﷺ نے کچھ پیا اور پھر اس سے وضو کیا۔ اس وقت مسلمان جھپٹ جھپٹ کر آنحضرت ﷺ کے وضو کا پانی لے کر اپنے چہروں پر مل رہے تھے یعنی آپ کے وضو کا پانی زمین پر نہیں گر رہا تھا بلکہ مسلمان بڑھ بڑھ کر اس کو اپنے ہاتھوں پر لے لیتے تھے اگر ہاتھ میں اتنا پانی آجاتا کہ اسے پیا جا سکے تو اسے پی لیتے اور اگر کم ہوتا تو اس کو اپنے جسم پر مل لیتے' مشرکین مکہ یہ منظر دیکھ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ ہم نے آج تک نہ دیکھا اور نہ سنا کہ کوئی بادشاہ اس درجہ کو پہنچا ہو۔

ابو بکرؓ کے والد ابو قحافہ...... جب رسول اللہ ﷺ حرم میں آکر بیٹھ گئے اور لوگ آپ کے گردو پیش جمع تھے تو حضرت ابو بکرؓ اٹھ کر گئے اور کچھ دیر میں اپنے باپ کا ہاتھ پکڑے ہوئے لائے ان کی بینائی جاتی رہی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے جیسے ہی ان کو دیکھا تو حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا:

"تم نے ان بزرگ کو گھر پر ہی کیوں نہ رہنے دیا تاکہ میں خود ان کے پاس پہنچ جاتا۔"

آنحضرت ﷺ کی تواضع...... ایک روایت کے مطابق آپ نے یہ فرمایا کہ اگر ان بزرگ کو گھر پر ہی چھوڑ دیتے تو ابو بکر کے احترام میں ہم خود ان کے پاس جاتے۔

حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! یہ اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ خود چل کر آپ کے پاس حاضر ہوں بجائے اس کے کہ آپ تکلیف فرما کر ان کے پاس جائیں!"

ابو قحافہ کا اسلام...... اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے ان کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے لے جا کر بٹھایا۔ آپ نے ان کے سینے پر اپنا دست مبارک پھیرا اور فرمایا:

"مسلمان ہو کر عزت و سلامتی کا راستہ اختیار کرو"!

وہ اسی وقت مسلمان ہو گئے' آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کو ان کے والد کے اسلام پر مبارکباد دی اس پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

"قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق و صداقت کے ساتھ ظاہر فرمایا کہ میرے والد ابو قحافہ کے اسلام کے مقابلے میں ابو طالب کا اسلام میرے لئے زیادہ خوشی و مسرت کا سبب ہوتا۔ اور اسی طرح ابو طالب کا اسلام خود آپ کے لئے زیادہ

اطمینان و مسرت کا سبب ہوتا!"

ابو قحافہ کو خضاب کا حکم...... کتاب شفاء میں یہ روایت اسی طرح ہے:

حضرت ابو بکرؓ کے والد حضرت ابو قحافہ کا سر اور داڑھی برف کی طرح سفید تھی۔ آپ نے یہ دیکھ کر فرمایا:

"ان دونوں یعنی سر اور داڑھی کے بالوں کا رنگ بدل دو اور سیاہی سے بچو (یعنی سیاہ خضاب مت کرو ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ سیاہ رنگنے سے پرہیز کرو"۔

مہندی کے خضاب کی تاکید...... ایک حدیث میں آتا ہے کہ بڑھاپے کے آثار کو بدل دو اور یہودیوں اور نصرانیوں سے مشابہت نہ پیدا کرو۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ یہودی اور نصرانی خضاب نہیں کرتے اس لئے ان کے طریقے کے خلاف کرو۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ۔ بہترین چیز جس سے تم اس بڑھاپے کو تبدیل کر سکتے ہو مہندی اور کتمہ ہیں۔

کیا آنحضرت ﷺ نے خضاب کیا ہے؟...... (کتمہ ایک درخت کی جڑ اور وسمہ ہوتا ہے اسی کی جڑ کو جوش دے کر روشنائی اور خضاب تیار کیا جاتا ہے)۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مہندی اور کتمہ کے ذریعہ خضاب فرمایا کرتے تھے۔

صدیق اکبرؓ کی بہن کا واقعہ...... حضرت ابو بکرؓ کی ایک چھوٹی بہن تھی جس کے گلے میں چاندی کا ایک حلقہ پڑا ہوا تھا اسی دوران کسی شخص نے وہ حلقہ اس کی گردن سے جھپٹ لیا۔ حضرت ابو بکرؓ اپنی بہن کا ہاتھ پکڑ کر لائے اور لگے کہ میں تم لوگوں کو اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ میری بہن کے ہار کے متعلق بتلا دو۔ مگر کسی شخص نے جواب نہیں دیا صدیق اکبرؓ نے دوسری اور تیسری مرتبہ یہی بات کہی مگر پھر بھی سب لوگ خاموش رہے۔ آخر صدیق اکبرؓ نے اپنی بہن کو مخاطب کر کے کہا:

"بہن۔ تم اپنے ہار کا مطالبہ ضرور کرنا کیونکہ خدا کی قسم آج لوگوں میں امانت بہت کم ہو گئی ہے!"

صدیق اکبر کی بہنیں...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابو قحافہ کی اولاد میں سوائے ابو بکر صدیقؓ کے لڑکوں میں سے کوئی زندہ نہیں رہا۔ ادھر ابو قحافہ کی لڑکیوں میں سوائے ام فروہ کے اور کسی کا نام سننے میں نہیں آیا انکا نکاح حضرت ابو بکرؓ نے اشعث ابن قیس سے کر دیا تھا اس سے پہلے یہ امّ فروہ تمیم داری کے نکاح میں تھیں۔ یہی امّ فروہ ہیں جن کے ہار کا واقعہ یہاں ذکر ہوا ہے۔ ایک قول ہے کہ ابو قحافہ کے ایک لڑکی اور تھی جس کا نام عربیہ تھا۔ اس قول سے گمان ہوتا ہے کہ یہاں جس لڑکی کا ذکر ہوا ہے شاید یہی عربیہ رہی ہوں۔

صدیق اکبرؓ کا مبارک گھرانہ...... حضرت ابو بکرؓ کے والد کے اسلام کا واقعہ پیچھے بھی گزر چکا ہے کہ وہ اس وقت اسلام لائے جب کہ مسلمان حضرت ارقم کے مکان یعنی دار ارقم میں رہتے تھے بعض علماء نے لکھا ہے کہ مہاجر اور انصاری صحابہ میں سوائے حضرت ابو بکرؓ کے کوئی دوسرا شخص ایسا نہیں ہے جس کا پورا گھرانہ مسلمان ہو گیا ہو۔ یعنی حضرت ابو بکرؓ خود بھی مسلمان ہوئے ان کے والد بھی اور حضرت ابو بکرؓ کے تمام بیٹے اور بیٹیاں بھی مشرف باسلام ہوئے۔

ابو بکر کے بیٹے و بیٹیاں...... حضرت ابو بکرؓ کے بیٹے تین تھے۔ سب سے بڑے بیٹے عبد اللہ تھے جو اپنے والد کی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں ہی وفات پا گئے تھے۔ ان کے علاوہ عبد الرحمٰن اور محمد تھے۔ محمد ابن ابو بکر حجۃ الوداع کے موقعہ پر پیدا ہوئے تھے اور ان کو مصر میں قتل کیا گیا تھا۔

حضرت ابو بکرؓ کے بیٹیاں بھی تین ہی تھیں سب سے بڑی بیٹی حضرت اسماءؓ تھیں جو حضرت عبداللہؓ کی سگی بہن تھیں (یعنی دونوں ایک ماں سے تھے) اُم المومنین حضرت عائشہؓ دوسری بیٹی تھیں جو حضرت عبدالرحمٰن کی سگی بہن تھیں (یعنی یہ دونوں ایک ماں سے تھے) اور تیسری بیٹی حضرت اُمّ کلثومؓ تھیں۔ یہ حضرت ام کلثومؓ حضرت ابو بکرؓ کی وفات کے بعد پیدا ہوئیں یعنی صدیق اکبرؓ کی وفات کے وقت یہ ماں کے پیٹ میں تھیں۔

ابو بکرؓ کے حق میں آیات قرآنی...... حق تعالیٰ نے صدیق اکبرؓ کے حق میں یہ آیات نازل فرمائی تھیں:

رَبِّ اَوْزِعْنِی اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِی اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحاً تَرْضٰهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ. اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ. (الآیہ پ ۲۶. سورئہ احقاف ع ۲. آیت)

ترجمہ: اے میرے پروردگار مجھ کو اس پر مداومت دیجئے کہ میں آپ کی ان نعمتوں کا شکر کیا کروں جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں اور میں نیک کام کروں جس سے آپ خوش ہوں اور میری اولاد میں بھی میرے لئے صلاحیت پیدا کر دیجئے۔ میں آپ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں فرماں بردار ہوں۔

ابو بکرؓ کے گھرانے کی فضیلت...... بعض علماء نے کہا ہے کہ صحابہ میں سوائے حضرت ابو بکرؓ کے گھرانے کے ایسے چار صحابہ دوسرے کوئی نہیں پائے جاتے کہ وہ چاروں ایک گھرانہ کے ہوتے ہوئے مسلمان بھی ہوں صحابی بھی ہوں اور انہیں سے ہر ایک اپنے بعد والے کا باپ بھی ہو (یعنی چار نسلیں مسلسل صحابہ کی ہوں) چنانچہ ابو قحافہؓ صحابی تھے ان کے بیٹے حضرت ابو بکرؓ صحابی تھے، ان کے بیٹے عبدالرحمٰنؓ صحابی تھے اور عبدالرحمٰنؓ کے بیٹے محمدؓ ابن عبدالرحمٰن صحابی تھے جن کا لقب ابو عتیق تھا۔

ایک قول کے مطابق اگر یوں کہا جائے کہ کیا ایسے چار آدمی پائے جاتے ہیں کہ جنہوں نے ترتیب وار رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو۔ اور چاروں مرد ہوں۔ اور ہر ایک اپنے سے پہلے کا بیٹا ہو۔ اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ ایسے لوگ یہی چاروں حضرات ہیں یعنی ابو قحافہؓ، ان کے بیٹے ابو بکرؓ، ان کے بیٹے عبدالرحمٰنؓ اور ان کے بیٹے محمدؓ ابن عبدالرحمٰن۔

کیا یہ فضیلت کسی اور گھرانے کو بھی تھی...... یہاں چونکہ یہ قید لگادی گئی ہے کہ وہ چاروں مرد رہے ہیں اس لئے اب اس بات پر وہ اعتراض نہیں ہو سکتا جو بعض لوگوں نے کیا ہے کہ یہ بات تو ابو قحافہ ان کے بیٹے ابو بکر، ان کی بیٹی اسماء اور ان کے بیٹے عبداللہ ابن زبیرؓ پر بھی صادق آتی ہے (کیونکہ اگرچہ اس ترتیب میں سب شرطیں موجود ہیں مگر یہ شرط پوری نہیں ہوتی کہ وہ سب مرد رہے ہوں کیونکہ اس ترتیب کے درمیان میں حضرت اسماءؓ آجاتی ہیں) ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ خصوصیت صرف ابو بکرؓ کے گھرانے کی ہی کہنا غلط ہے۔ کیونکہ زیدؓ ابن حارثہ کا گھرانہ بھی یہ خصوصیت رکھتا ہے یعنی زید کے والد حارثہ۔ جو حافظ منذریؒ کے قول کے مطابق مسلمان ہو گئے تھے اور اس کے بعد انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی تھی پھر ان کے بیٹے زید ابن حارثہ (جو مسلمان اور صحابی تھے) پھر ان کے بیٹے اسامہؓ ابن زید (جو مسلمان اور صحابی تھے) اور پھر اسامہؓ ابن زید کا بیٹا جو رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی پیدا ہو گیا تھا (اس طرح اس گھرانے کی بھی چار مسلسل نسلیں ایسی ہوئیں جو مسلمان ہوئے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا یا انہیں آپ کی صحبت میسر آئی۔ لہٰذا یہ صرف حضرت ابو بکرؓ کے گھرانے کی خصوصیت نہیں رہی جیسا کہ دعویٰ کیا گیا ہے)۔

البتہ یہاں یہ ثابت ہونا ضروری ہے کہ اس بچے یعنی اسامہؓ ابن زید کے بیٹے کو رسول اللہ ﷺ نے دیکھا بھی ہے یا نہیں (جس کی بناء پر اس کو صحابہ میں شمار کیا جا سکے) اس بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ اس زمانے میں صحابہ کی یہ عادت تھی کہ جس کے

یہاں بھی کوئی بچہ پیدا ہوتا تو وہ اس کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے کر آتا اور آپ اس کی تحنیک فرماتے (یعنی کھجور چبا کر اس کو کھلاتے) خاص طور پر صحابہ نومولود کا نام رکھوانے کے لئے آپ کے پاس بچے کو لایا کرتے تھے۔ اور اسامہ ابن زید کا بچہ تو آنحضرت ﷺ کے محبوب صحابی کے بیٹے کا بیٹا تھا (اس لئے یقین ہوتا ہے کہ اس بچے کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ضرور لایا گیا ہوگا (لہٰذا اس کا صحابی ہونا بھی یقینی معلوم ہوتا ہے)۔

دوسرے افضل گھرانے..... مگر مجھے اس بچے کا نام نہیں معلوم ہو سکا۔ اس سلسلے میں اسماء صحابہ سے متعلق کتابوں میں تحقیق کی جائے تو اس کا نام معلوم ہو سکتا ہے اب صدیق اکبر کے گھرانے کی خصوصیت کا جو دعویٰ کیا گیا ہے اس کو باقی رکھنے کے لئے یوں کہا جائے گا کہ اس ذیل میں زیدؓ ابن حارثہ کے گھرانے کا ذکر نہ ہونے سے معلوم ہوا کہ سوائے ابو قحافہ، ابو بکر عبدالرحمٰن اور محمد ابن عبدالرحمٰن کے ایسا کوئی دوسرا گھرانہ نہیں جس میں یہ خصوصیت بھی ہو اور وہ سب کے سب غلام بھی نہ رہے ہوں (بلکہ آزاد ہوں۔ کیونکہ زیدؓ ابن حارثہ غلام تھے جب کہ صدیق اکبر کا خاندان ہمیشہ آزاد اور باعزت گھرانہ رہا) بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

یہاں ایک اعتراض اور ہو سکتا ہے کہ صدیق اکبر کے گھرانہ کے علاوہ ایسا ایک گھرانہ اور موجود ہے جس میں یہ ساری خصوصیت پائی جاتی ہیں یعنی وہ چاروں صحابہ میں بھی شمار کئے گئے ہیں چاروں کے چاروں مرد بھی ہیں اور چاروں میں ہر ایک اپنے سے پہلے کا بیٹا بھی ہے' چاروں کے نام بھی معلوم ہیں اور ان میں سے کوئی غلام بھی نہیں ہے۔ وہ لوگ یہ ہیں۔ ایاسؓ، ان کے باپ سلمہؓ، ان کے باپ عمرؓ اور ان کے باپ ہلالؓ (کہ یہ مسلسل نسل ہے جو مسلمان اور صحابی ہیں)۔

اس اعتراض کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ صدیق اکبرؓ کے گھرانے کی یہ خصوصیت اس لئے پھر بھی باقی رہتی ہے کہ ان کے گھرانے اور اس نسلی ترتیب میں چاروں کے چاروں متفقہ طور پر صحابہ میں شمار کئے گئے ہیں جب کہ ایاس کے گھرانے میں ان چاروں کے متعلق مسلمان ہونے پر تو اتفاق ہے مگر ان سب کے صحابہ میں سے ہونے پر اتفاق نہیں ہے (بلکہ ان میں سے بعض کے صحابی ہونے میں اختلاف اور شبہ ہے)۔

ایک عجیب انکشاف یہ ہے کہ بعض حضرات کی تحقیق کے مطابق صحابہ میں بلکہ تابعین میں بھی ایسا کوئی شخص نہیں ہے جس کا نام عبدالرحیم رہا ہو حالانکہ یہ معروف اور مشہور بلکہ مقبول اسلامی ناموں میں سے ہے مگر اتفاق سے صحابہ اور تابعین تک کے دور میں یہ نام کہیں نہیں ملتا)۔

ایسے ہی تین شخص جو سب کے سب مرد ہیں ایسے ہیں جنہوں نے نسلی ترتیب کے لحاظ سے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پایا ہے۔ وہ حضرات یہ ہیں۔ امام شافعی کے والد حضرت سائب، ان کے باپ عبید اور ان کے باپ یعنی سائب کے دادا عبد ابن یزید (کہ ان تینوں یعنی دادا سے لے کر پوتے تک نے آنحضرت کا زمانہ پایا ہے)۔

آنحضرت ﷺ کے متعلق انصار کا تبصرہ...... غرض اس کے بعد رسول اللہ ﷺ پہاڑی کی طرف آئے اور اس کے اوپر چڑھے جہاں سے آپ بیت اللہ کو دیکھ رہے تھے اس کے بعد آپ نے ہاتھ اٹھائے اور کچھ حق تعالیٰ کا ذکر کیا اور اس سے دعائیں مانگیں۔ اس وقت انصاری مسلمان پہاڑی کے نیچے کھڑے ہوئے تھے ان میں سے کسی نے دوسرے سے کہا:

"اس وقت اس شخص کو اپنی بستی سے دلچسپی اور اپنے خاندان کی محبت کا احساس ہو رہا ہے!"

وحی کے ذریعہ تبصرہ کی اطلاع...... اسی وقت آنحضرت ﷺ پر وحی نازل ہوئی جس میں آپ کو اس بات کی خبر دی گئی جو

قوم کے لوگوں نے کہی تھی۔ جب وحی کے آثار ختم ہوئے تو آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا:
"اے گروہ انصار! کیا تم نے ابھی یہ کہا ہے کہ: اس وقت اس شخص کو اپنی بستی سے دلچسپی اور اپنے خاندان کی محبت کا احساس ہو رہا ہے۔"

انہوں نے عرض کیا۔ ہاں یا رسول اللہ! ہم نے یہ بات کہی ہے۔ آپ نے فرمایا:

انصار کو نہ چھوڑنے کا وعدہ...... "تو پھر میرا نام ہی کیا ہوا۔ یعنی اگر میں نے ایسا کیا یا مجھے یہ احساس ہوا تو پھر میرے نام کا کیا فائدہ ہے جب کہ میری صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں!۔ ہرگز نہیں۔ میں ایسا نہیں کر سکتا۔ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں اور جس کے اوصاف یہ ہوں وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ میں نے اللہ کی طرف اور تمہاری طرف ہجرت کی ہے۔ اس لئے میری زندگی تمہاری زندگی کے ساتھ اور میری موت تمہاری موت کے ساتھ ہے!"

اللہ ورسول کے لئے انصار کا بخل...... یہ سن کر وہ لوگ روتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے:

"خدا کی قسم! جو کچھ ہم نے کہا تھا وہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے اپنے بخل کی وجہ سے کہا تھا"۔

یعنی ہم یہ بات برداشت نہیں کر سکتے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے شہر یعنی مدینے کے سوا کہیں اور رہیں۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"اللہ اور اس کا رسول تمہارے عذر کو قبول کرتے ہیں اور تمہارے جذبہ کی تصدیق کرتے ہیں!"

ایک روایت میں یوں ہے کہ انصاریوں نے اس موقعہ پر آپس میں یوں کہا:

"تمہارا کیا خیال ہے۔ آیا رسول اللہ ﷺ اپنی سرزمین اور اپنے وطن کو فتح کرنے کے بعد یہیں قیام فرمالیں گے!"

اس کے بعد جب آنحضرت ﷺ اپنی دعاؤں سے فارغ ہوئے تو آپ نے ان لوگوں سے پوچھا کہ تم نے ابھی کیا کہا تھا؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کچھ نہیں۔ مگر آنحضرت ﷺ ان پر سچی بات بتلانے کے لئے اصرار فرماتے رہے۔ آخر ان لوگوں نے جو کلمات کہے تھے وہ بتلا دیئے۔ تب آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"معاذ اللہ۔ یعنی خدا کی پناہ۔ میرا جینا بھی تمہارے ساتھ ہے اور میرا مرنا بھی تمہارے ساتھ ہے۔"

اسی قسم کا واقعہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ عقبہ کی بیعت کے وقت بھی پیش آیا تھا جس کی تفصیل گزر چکی ہے (یعنی ہجرت سے پہلے جب مدینے کے لوگوں نے اسلام قبول کر کے رات کو خفیہ طور پر عقبہ کے مقام پر آنحضرت ﷺ سے ملاقات کی تھی اور آپ کو مدینے آکر رہنے کی دعوت دیتے ہوئے اپنی حفاظت و جاں نثاری کا یقین دلایا تھا) اس کی صورت یہ تھی کہ اس موقعہ پر انصاریوں نے آپ سے عرض کیا تھا:

"یا رسول اللہ! کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم آپ کی مدد اور حفاظت کریں جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب فرمادے اور پھر آپ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم کے پاس چلے جائیں!"

یہ سن کر آنحضرت ﷺ مسکرائے اور فرمایا:

"نہیں۔ بلکہ میرا خون تمہارا خون ہے اور میری عزت تمہاری عزت ہے!"

ابن ابی سرح کے قتل کا حکم...... غرض اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ ابن ابی سرح کے قتل کا حکم دیا۔ یہ شخص فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوا تھا اور آنحضرت ﷺ پر جو وحی نازل ہوا کرتی تھی آپ اس کو اسی سے لکھوایا کرتے تھے مگر یہ شخص یہ

کرتا تھا کہ جب آنحضرت ﷺ اس کو بتاتے کہ سَمِیْعاً بَصِیْراً تو یہ عَلِیْماً حَکِیْماً لکھتا اور جب آپ عَلِیْماً حَکِیْماً لکھنے کو فرماتے تو یہ غَفُوْراً رَحِیْماً لکھ دیتا۔

کاتب وحی کی خیانتیں...... یہ شخص اسی قسم کی خیانتیں کرتا رہتا تھا یہاں تک کہ ایک مرتبہ اس نے صاف طور پر لوگوں سے کہا کہ محمد ﷺ کو یہی پتہ نہیں کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ جب اس شخص کی خیانت کا پول کھل گیا تو اب اس کے لئے مدینہ منورہ میں رہنا ممکن نہیں تھا۔ لہٰذا یہ مرتد ہو کر واپس مکہ کو بھاگ گیا۔

ایک قول ہے کہ جب اس نے یہ آیات لکھیں:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ. ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِيْنٍ. ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰماً فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْماً ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقاً اٰخَرَ ط فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔ (الآیہ پ۱۸ سورۂ مومنون ع۱۔ آیات ۱۲ تا ۱۴)

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ یعنی غذا سے بنایا۔ پھر ہم نے اس کو نطفہ سے بنایا جو کہ ایک مدت معینہ تک ایک محفوظ مقام یعنی رحم میں رہا۔ پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنایا پھر ہم نے اس خون کے لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی بنادیا پھر ہم نے اس بوٹی کے بعض اجزاء کو ہڈیاں بنادیا پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھادیا پھر ہم نے اس میں روح ڈال کر اس کو ایک دوسری ہی طرح کی مخلوق بنادیا۔ سو کیسی بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے۔

تو انسانی تخلیق اور پیدائش کی تفصیل جان کر اس کو بے حد تعجب ہوا اور آنحضرت ﷺ سے بتلانے سے پہلے خود ہی اس نے ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقاً اٰخَرَ کہنے کے بعد اپنی طرف سے فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ کے کلمات کہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا:

"یوں ہی لکھو کیونکہ یہی کلمات نازل ہوئے ہیں!"

ابن ابی سرح کی خوش فہمی...... یہ سن کر عبداللہ ابن ابی سرح نے کہا:

"اگر محمد ﷺ نبی ہیں جن پر وحی ہوتی ہے تو میں بھی نبی ہوں اور مجھ پر بھی وحی نازل ہوتی ہے!"

اس کے بعد یہ مرتد ہو گیا اور وہاں سے مکے بھاگ گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے قریش سے کہا:

ارتداد اور مکے میں بکواس...... "میں جس طرح چاہتا تھا محمد ﷺ کے الفاظ بدل دیتا تھا۔ وہ مجھے بولتے عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ، تو میں لکھتا یا عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔ اور وہ کہہ دیتے ہاں سب ٹھیک ہے۔ اور جو کچھ میں کہتا وہ اسی کو کہہ دیتے کہ ہاں یوں ہی لکھو اسی طرح نازل ہوئی ہے!"

قتل کے اعلان پر بدحواسی...... اس کے بعد فتح مکہ کے موقعہ پر جب اس کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا خون حلال فرمادیا ہے تو یہ اپنے رضاعی بھائی حضرت عثمان ابن عفان کے پاس ان کی پناہ لینے گیا اور ان سے کہنے لگا:

"بھائی۔ اس سے پہلے کہ رسول اللہ ﷺ میری گردن ماردیں مجھے ان سے امان دلوادو!"۔

عثمانؓ کے یہاں روپوشی اور جاں بخشی...... چنانچہ حضرت عثمانؓ نے اس کو چھپالیا اور اس وقت تک غائب رکھا جب تک کہ لوگوں کے جذبات ٹھنڈے نہ پڑگئے اور حالات پُرسکون ہوگئے۔ اس کے بعد انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اس کیلئے امان حاصل کی اور آکر ایک دن اس کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے آنحضرت ﷺ نے اسکو دیکھ کر اسکی طرف

سے منہ پھیر لیا۔ اس وقت حضرت عثمانؓ بار بار آنحضرت ﷺ سے عرض کر رہے تھے کہ آپ اس کو امان دے چکے ہیں مگر آنحضرت ﷺ ہر مرتبہ اس کی طرف سے منہ پھیر لیتے تھے آخر حضرت عثمانؓ کے اصرار پر فرمایا ہاں۔ پھر آپ نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور بیعت لی۔ جب حضرت عثمان غنیؓ اور عبد اللہ ابن ابی سرح وہاں سے اٹھ کر چلے گئے تو آنحضرت ﷺ نے وہاں موجود صحابہ سے فرمایا:

"میں نے بار بار اس کی طرف سے منہ پھیرا تاکہ تم میں سے کوئی اٹھے اور اس کی گردن مار دے!"

اس کے قتل کے لئے آنحضرت ﷺ کی خواہش...... وہاں حضرت عبادؓ ابن بشر بھی موجود تھے جنہوں نے منت مانی تھی کہ اگر عبد اللہ ابن ابی سرح ان کو نظر آگیا تو وہ اس کو قتل کر ڈالیں گے۔ اس وقت جب کہ عبد اللہ آنحضرت ﷺ کے پاس آیا تھا تو حضرت عباد ابن بشرؓ تلوار کے دستے پر اپنی گرفت مضبوط کئے آنحضرت ﷺ کے اشارے کے منتظر تھے تاکہ ابن ابی سرح کو قتل کر دیں۔ یہاں تک کہ جب عبد اللہ چلا گیا تو آنحضرت ﷺ نے حضرت عبادہ ابن بشرؓ سے فرمایا:

"میں اس کا منتظر رہا کہ تم اپنی منت پوری کرو گے!"

عباد کو اشارہ کا انتظار...... حضرت عبادؓ نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ ﷺ! مجھے آپ کا ڈر تھا۔ آپ مجھے اشارہ فرما دیتے!"

نبی کے لئے اشارے کرنا جائز نہیں...... آپ نے فرمایا:

"کسی نبی کے لئے اس طرح خفیہ اشارے کرنا مناسب نہیں ہے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ اشارے کنائے کرنا خیانت ہے اور نبی کے لئے خفیہ اشارے کرنا مناسب نہیں ہے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ کسی نبی کے لئے یہ بات زیبا نہیں ہے کہ وہ آنکھوں کی خیانت کرے!"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنکھوں سے خفیہ اشارے کرنا آنکھوں کی خیانت ہے۔ یعنی گوشۂ چشم سے ایسا اشارہ کرنا جو اس کی گفتگو کے خلاف ہے جس کو عربی میں نمر کہتے ہیں (یعنی زبان سے جو کچھ کہا جائے آنکھ سے اس کے خلاف اشارہ کیا جائے تو یہ آنکھوں کی خیانت ہے)۔

ایک قول ہے کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ مر ظہران کے مقام پر پہنچے اس وقت یہ عبد اللہ ابن ابی سرح مسلمان ہو گیا تھا اور اس نے آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ مگر اس کے بعد عثمانؓ نے آنحضرت ﷺ سے بات کی تو آپ نے ان سے فرمایا:

"کیا میں اس سے بیعت لے کر اس کو امان نہیں دے چکا ہوں!"

ابن ابی سرح کا اسلام اور شرمندگی...... حضرت عثمانؓ نے عرض کیا:

"بے شک۔ مگر اس کو اپنا پرانا جرم یاد آتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ آپ سے شرماتا ہے!"

آپ نے فرمایا۔ اسلام گذشتہ غلطیوں کو مٹا دیتا ہے۔ اس کے بعد حضرت عثمان نے آنحضرت ﷺ کی اس ساری گفتگو سے اس کو مطلع کیا۔ اس کے بعد جب لوگوں کی کوئی جماعت رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوتی تو عبد اللہ ابن ابی سرح اس کے ساتھ آپ کے پاس آجاتا مگر تنہا کبھی نہیں آتا تھا۔

ابن خطل کے قتل کا حکم...... اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ابن خطل کے قتل کا حکم دیا۔ دراصل یہ فتح مکہ سے پہلے مدینے آیا

تھا اور مسلمان ہو گیا تھا۔ اس سے پہلے اس کا نام عبدالعزیٰ تھا جب یہ مسلمان ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا نام عبداللہ رکھا تھا۔

اسلام اور انصاری کا قتل...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو صدقات وصول کرنے کے لئے دوسری بستیوں میں بھیجا۔ اس کے ساتھ ایک انصاری شخص کو آپ نے خدمت گار کے طور پر بھیجا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ اس کے ساتھ خدمت کے لئے اس کا ایک غلام بھی تھا جو خود بھی مسلمان تھا۔ راستے میں ایک جگہ ابن خطل نے پڑاؤ کیا اور غلام کو حکم دیا کہ ایک بکرا ذبح کر کے کھانا تیار کر دے۔ یہ حکم دے کر ابن خطل پڑ کر سو گیا۔ جب سو کو اٹھا تو اس نے دیکھا کہ خادم نے کھانا تیار نہیں کیا تھا بلکہ خود بھی پڑا سو رہا ہے۔ یہ دیکھ کر ابن خطل سخت غضبناک ہو گیا اور غصہ میں خادم پر حملہ کر کے اسے قتل کر ڈالا۔

ارتداد اور آنحضرت ﷺ کی ہجو...... اس حرکت کے بعد ابن خطل (کو سخت خطرہ اور ڈر محسوس ہوا اور وہ) مرتد ہو کر وہاں سے بھاگ گیا۔ یہ چونکہ شاعر تھا اس لئے اب اس نے آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخانہ شاعری شروع کر دی اور اپنے شعروں میں آنحضرت ﷺ کی توہین اور ہجو کرنے لگا۔ اس کے پاس دو داشتائیں بھی تھیں جو اس کے اشعار گایا کرتی تھیں اور ابن خطل ان کو آنحضرت ﷺ کی ہجو میں اشعار لکھ کر دیا کرتا تھا۔

اسلامی شہسواروں کا خوف...... ایک قول ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مکہ فتح کرنے کے لئے پہنچے تو ابن خطل نے اپنا جنگی لباس زرہ بکتر اور خود پہنا اور گھوڑے پر سوار ہو کر نیزہ ہاتھ میں لیا اور کہنے لگا کہ محمد ﷺ کو ہرگز زبردستی مکے میں داخل نہیں ہونے دوں گا۔ مگر جب اس نے اللہ کے شہسواروں کا دستہ دیکھا تو رعب وخوف سے تھرتھرا اٹھا اور سیدھا کعبہ میں پہنچا۔ وہاں اس نے گھوڑے سے اتر کر اپنا جنگی لباس اتارا اور خود کو کعبہ کے پردہ میں چھپا لیا۔

اسی وقت ایک شخص کعبہ میں پہنچا اور اس نے ابن خطل کے گھوڑے اور جنگی لباس پر قبضہ کیا اور ان چیزوں کو لے کر سیدھا رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا۔ آنحضرت ﷺ اس وقت حجون کے مقام پر تھے۔ اس شخص نے وہاں پہنچ کر آنحضرت ﷺ کو ابن خطل کا حال بتلایا جس پر آپ نے اس کے قتل کا حکم دیا۔

ایک قول ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کعبہ کا طواف فرما رہے تھے تو آپ کو اطلاع دی گئی کہ یہ ابن خطل موجود ہے جو کعبہ کا پردہ پکڑے کھڑا ہے۔ آپ نے فرمایا:

"اس شخص کو فوراً قتل کر دو کیونکہ کعبہ نہ تو کسی گنہگار کو پناہ دیتا ہے اور نہ واجب سزا کی تعمیل میں رکاوٹ بنتا ہے!"

ابن خطل اور اس کی داشتہ کا قتل...... چنانچہ حضرت سعد ابن حرث اور ابوبرزہ نے اس کو قتل کر دیا۔ ایک قول ہے کہ حضرت زبیر ابن عوام نے اسے قتل کیا تھا۔ ایک قول کے مطابق سعد ابن زید نے قتل کیا۔ اور ایک تیسرے قول کے مطابق سعید ابن زید نے اس کی گردن ماری۔ کتاب نور میں ہے کہ بظاہر یہ سب ہی لوگ اس کے قتل میں شریک تھے۔ اس طرح ان مختلف اقوال میں جمع اور موافقت پیدا ہو جاتی ہے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ابن خطل کی دونوں داشتاؤں کے قتل کا حکم جاری فرمایا۔ چنانچہ ان میں سے ایک کو تو قتل کر دیا گیا مگر دوسری کیلئے رسول اللہ ﷺ سے امان مانگی گئی۔ آنحضرت ﷺ نے اسکی جاں بخشی کر دی جسکے بعد وہ مسلمان ہو گئی۔

حویرث کا قتل اور اس کا سبب...... اسی طرح آپ نے حویرث ابن نقیذ کو واجب القتل قرار دیا۔ کیونکہ مکے کی زندگی میں یہ شخص آنحضرت ﷺ کو سخت تکلیفیں پہنچایا کرتا تھا اور آپ کی شان میں توہین آمیز اور ہجو کے اشعار لکھا کرتا تھا۔ اس کی بدزبانی سے آنحضرت ﷺ کو بہت تکلیفیں پہنچیں۔

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادیوں حضرت فاطمہؓ اور حضرت اُمّ کلثومؓ کو مکے سے مدینے لے جانے کے لئے روانہ ہوئے۔ یہ لوگ جس اونٹ پر سوار تھیں حویرث نے اس کو اس طرح کچو کے دیئے اور بھڑکایا کہ وہ زمین پر گر گیا۔ غرض آنحضرت ﷺ کی طرف سے اسکے قتل کے حکم کے بعد اس نے وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی مگر حضرت علیؓ نے اسے پکڑ کر اسی دن قتل کر دیا۔

مقیس کا قتل اور اس کا سبب...... اسی طرح آنحضرت ﷺ نے مقیس ابن ضبابہ کے قتل کا حکم دیا اسکے قتل کا حکم دینے کا سبب یہ تھا کہ یہ آنحضرت کے پاس مسلمان ہو کر آیا تھا اور آپ سے اپنے بھائی حضرت ہشام ابن ضبابہ کا خون بہا اور دیت کا مطالبہ کرنے لگا۔ ہشام ابن ضبابہ کو ایک انصاری مسلمان نے غزوۂ ذی قرد میں غلطی سے قتل کر دیا تھا کیونکہ ان کو دشمن کا آدمی سمجھا تھا۔

آنحضرت ﷺ نے مقیس ابن ضبابہ کے مطالبہ پر اس کو ہشام کا خون بہا ادا کر دیا مگر یہ شخص خوں بہا لے لینے کے باوجود اس انصاری مسلمان پر حملہ کر بیٹھا جو اس کے بھائی کا قاتل تھا اور بھائی کی دیت وصول کر لینے کے بعد بھی اس انصاری قاتل کو قتل کر دیا۔ اس حرکت کے بعد یہ مرتد ہو گیا اور بھاگ کر مکے چلا گیا تھا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

غرض اب آنحضرت ﷺ کے حکم پر اس کو اس کے چچازاد بھائی نمیلہ ابن عبداللہ لیثی نے قتل کیا جس کا واقعہ یوں ہوا کہ فتح مکہ کے موقعہ پر حضرت نمیلہ کو اطلاع ملی کہ ایک جگہ مقیس سرداران قریش کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا ہوا شراب پی رہا ہے۔ حضرت نمیلہ فوراً وہاں پہنچے اور مقیس کی گردن ماردی یہ واقع بنی جمح کی چوپال میں پیش آیا (یعنی یہ لوگ اس وقت بنی جمح کے چوپال میں بیٹھے شراب نوشی کر رہے تھے جب نمیلہ نے جا کر مقیس کو قتل کیا) ایک قول ہے کہ مقیس اس وقت قتل کیا گیا جب کہ یہ بیت اللہ کا پردہ پکڑے ہوئے کھڑا تھا۔

ہبار کی زینبؓ بنت نبی ﷺ کے ساتھ زیادتی...... اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ہبار اسود کے قتل کا حکم دیا تھا مگر پھر یہ (قتل نہیں کئے گئے بلکہ) مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کے متعلق اس حکم کا سبب یہ ہوا تھا کہ آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو جب ان کے شوہر ابوالعاص نے مدینے بھیجا تو ہبار نے ان کے ساتھ بدتمیزی کی اور ان کو پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ ساتھ ہی انہوں نے ان کے اونٹ کے پہلو میں کچوکہ دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ۔ انہوں نے اونٹ کے پہلو میں نیزہ مارا جس کے نتیجہ میں حضرت زینبؓ اونٹ پر سے نیچے پتھروں پر گریں۔

زینبؓ کی وفات اور ہبار کو جلانے کا حکم...... حضرت زینبؓ اس وقت حاملہ تھیں اس طرح گرنے کے نتیجہ میں ان کا حمل ضائع گیا اور خون جاری ہو گیا۔ اس کے بعد یہی واقعہ ان کا مرض موت ثابت ہوا یہاں تک کہ آخر اسی تکلیف میں ان کی وفات ہو گئی جیسا کہ اس واقعہ کی تفصیل گذشتہ ابواب میں گزر چکی ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا:

"اگر تمہیں کہیں ہبار مل جائے تو اس کو پکڑ کر آگ میں جلا دو!"

حکم میں ترمیم اور قتل کا امر...... مگر پھر اس کے بعد آپ نے صحابہ سے فرمایا:

"آگ کا عذاب اس کو جہنم کا پروردگار خود ہی دے گا۔ تمہیں اگر وہ ہاتھ لگ جائے تو اس کے ہاتھ پیر کاٹنے کے بعد اس کو قتل کر دو!"

مگر فتح مکہ کے موقعہ پر ہبار صحابہ کے ہاتھ نہیں آسکے اور وہ مسلمان ہو گئے تھے۔ اور بہت پختہ اور سچے مسلمان بنے۔

ہبار کا اسلام اور صحابہ کے ہاتھوں تذلیل...... کہا جاتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد جب وہ مسلمان ہو گئے اور ہجرت کر کے مدینے پہنچے تو لوگوں نے ان کو گالیاں دینی شروع کیں۔ اس پر انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی۔ آپ نے فرمایا:

"اب تمہیں جو شخص بھی گالیاں دے تم بھی اس کو گالیاں دو!"

چنانچہ اس کے بعد لوگوں نے ان کے خلاف اپنی زبانیں روک لیں۔ اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہبار مدینے جانے سے پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ۔ پھر جب آنحضرت ﷺ فتح مکہ کے بعد واپس مدینے تشریف لے آئے تو ہبار آپ کے پاس آئے اور بلند آواز کے ساتھ کہنے لگے:

"اے محمد ﷺ! میں اسلام کا اقرار کرنے کی حیثیت سے آیا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں!"

ہبار کی نیاز مندی اور معافی...... پھر انہوں نے اپنی گذشتہ حرکت پر آنحضرت ﷺ سے معذرت کی۔ جب یہ آپ کے پاس بیٹھ گئے تو انہوں نے آپ سے کہا:

"السلام علیک یا نبی اللہ! میں آپ سے بھاگ کر مختلف شہروں میں مارا مارا پھرا اور سوچا کہ عجمیوں کے پاس جا کر رہنے لگوں مگر پھر مجھے ان لوگوں کے ساتھ آپ کی مہربانیاں و عنایات اور عفوو درگزر کی شان یاد آئی جنہوں نے آپ کیساتھ بیہودگیاں کی تھیں۔ یا رسول اللہ ﷺ! ہم مشرک تھے پھر خدا نے ہمیں آپ کے ذریعہ ہدایت عطا فرمائی اور ہلاکت و بربادی سے بچایا۔ لہٰذا آپ میری بے ہودگیوں سے درگزر فرمادیجئے اور جو کچھ میں نے کیا ہے اس کو معاف کردیجئے کیونکہ میں اپنی بداعمالیوں کا اعتراف کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں!"

اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اے ہبار! میں نے تمہیں معاف کیا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ بہتری اور خیر ظاہر فرمائی کہ تمہیں اسلام کی طرف ہدایت فرمادی اور اسلام گزشتہ تمام خطاؤں کو دھوڈالتا ہے!"

جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ یہ ہجرت کر کے مدینے گئے تو اس بارے میں یہ اشکال ہے کہ یہ واقعہ فتح مکہ کے بعد کا ہے اور فتح مکہ کے بعد ہجرت ختم ہو چکی تھی (جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عباسؓ سے فتح مکہ کو جاتے ہوئے راستے میں ملاقات ہونے پر فرمایا تھا کہ تمہاری یہ ہجرت اسی طرح آخری ہجرت ہے جس طرح میری نبوت آخری ہے یعنی اب نہ تمہارے بعد ہجرت باقی رہی اور نہ میرے بعد نبوت باقی رہی۔ لہٰذا اب اس بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہاں ہجرت سے مراد صرف ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا ہے۔ اس کا اندازہ آگے عکرمہ ابن ابو جہل کے سلسلے میں آنے والی روایت سے ہوتا ہے۔

عکرمہ کے قتل کا حکم...... جہاں تک عکرمہ ابن ابو جہل کا تعلق ہے تو ان کے متعلق بھی آنحضرت ﷺ نے قتل کا حکم دے دیا تھا اور ان کا خون حلال فرمادیا تھا (جیسا کہ گذشتہ ابواب کے شروع میں ان گیارہ آدمیوں کے ساتھ ان کا نام ذکر کیا گیا ہے جن کو آپ نے واجب القتل قرار دیا تھا) عکرمہ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔

یمن کی طرف فرار...... ان کے قتل کا حکم دینے کی وجہ یہ تھی کہ یہ عکرمہ اور ان کا باپ ابو جہل آنحضرت ﷺ کو ایذا رسانی

اور تکلیفیں پہنچانے میں سب سے زیادہ سخت تھے اور تمام مسلمانوں کے بدترین دشمن تھے۔ اب جب عکرمہ کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کا خون حلال فرمادیا ہے تو وہ یمن کی طرف بھاگ گئے۔

ان کی بیوی اُمّ حکیم تعاقب میں...... ان کے بھاگنے کے بعد ان کی بیوی اُمّ حکیم بنت حراث ابن ہشام ان کے تعاقب میں گئیں یہ عکرمہ کے چچا کی بیٹی تھیں اور مسلمان ہو چکی تھیں۔ انہوں نے اپنے شوہر کو ساحل سمندر پر جا پکڑا جب کہ وہ ایک جہاز میں سوار ہونے کا ارادہ کر رہے تھے۔ ایک قول ہے کہ اُمّ حکیم نے ان کو جہاز میں ہی پایا تھا۔ غرض اس کے بعد یہ شوہر کو واپس لے آئیں۔ وہاں انہوں نے شوہر کو روکتے ہوئے ان سے کہا:

"اے ابن عم! میں تمہارے پاس اس شخص کے پاس سے آئی ہوں جو سب سے زیادہ رشتہ داریوں کا خیال کرنے والے اور سب سے زیادہ بہترین انسان ہیں۔ تم اپنی جان کو ہلاکت میں مت ڈالو کیونکہ میں تمہارے لئے ان سے امان حاصل کر چکی ہوں!"

آنحضرت ﷺ کے پاس حاضری اور اسلام...... چنانچہ اس پر عکرمہ ابن ابو جہل اپنی بیوی کے ساتھ واپس آگئے جہاں پہنچ گئے اور بہترین مسلمان ثابت ہوئے۔ جب یہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو کہنے لگے:

"اے محمد ﷺ اس عورت یعنی میری بیوی نے مجھے بتلایا ہے کہ آپ مجھے امان دے چکے ہیں!"

آپ نے فرمایا۔ "یہ سچ ہے تمہیں امان دی جا چکی ہے!"

یہ سنتے ہی عکرمہ نے کہا:

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ آپ اس کے بندے اور رسول ہیں!"

غیر معمولی مسرت اور عظیم پیش کش...... یہ کہہ کر عکرمہ نے شرمندگی کے ساتھ گردن جھکالی۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"عکرمہ! اس وقت تم مجھ سے کوئی بھی ایسی چیز مانگو جو میرے اختیار میں ہو تو وہ میں تمہیں دے دوں گا!"

اس پیشکش پر حضرت عکرمہ ابن ابو جہل نے عرض کیا:

"آپ میری ہر اس دشمنی کے لئے جو میں نے آپ کے خلاف کی ہے میری واسطے مغفرت کی دعا فرمائیں!"

آپ نے یہ سن کر ان کے لئے دعا کرتے ہوئے کہا:

"اے اللہ! عکرمہ کی ہر وہ دشمنی جو انہوں نے میرے خلاف کی ہے اور ان کے تمام وہ کلمات جو انہوں نے میرے خلاف کہے ہیں معاف فرمادے!"

عکرمہ کا پُرجوش استقبال...... اس سے پہلے جب عکرمہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ ان کو دیکھ کر خوشی کی وجہ سے جھپٹ کر ان کی طرف بڑھے اور ان کے لئے اپنی چادر مبارک بچھاتے ہوئے فرمانے لگے:

"اس شخص کو خوش آمدید ہو جو مومن اور مہاجر کی حیثیت سے حاضر ہوا ہے!"

اس کے بعد حضرت عکرمہ بہت بڑے اور عظیم المرتبت صحابہ میں شمار ہوئے۔

عکرمہ کے متعلق آنحضرت ﷺ کا خواب...... بہجۃ المجالس میں علامہ ابن عبدالبر کی کتاب انس جلیل کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ آپ جنت میں داخل ہوئے آپ نے اس میں کھجور کا ایک پھلدار درخت دیکھا جو آپ کو بہت پسند آیا۔ آپ نے پوچھا یہ کس کا ہے؟ تو آپ کو بتلایا گیا کہ یہ ابو جہل کا ہے۔ آنحضرت ﷺ کو یہ

بات بہت گراں معلوم ہوئی اور آپ نے فرمایا کہ جنت میں صرف ایک مومن شخص ہی داخل ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد جب حضرت عکرمہ ابن ابو جہل آپ کے پاس مسلمان کی حیثیت سے آئے تو آپ بہت خوش ہوئے اور اس خواب کی یہ تعبیر لی کہ وہ درخت خرما عکرمہ کے لئے ہے۔

اس واقعہ سے یہ دلیل لی گئی ہے کہ بعض دفعہ خواب کی تعبیر بہت دیر میں ظاہر ہوتی ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ خواب میں جس شخص کو دیکھا ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا شخص مراد ہو۔

اُمّ حکیم کا عکرمہ سے پرہیز...... (قال) اسلام لانے سے پہلے عکرمہ ابن ابو جہل جب بھی اپنی بیوی کو ہمبستری کے لئے بلاتے تو وہ انکار کر دیتیں اور کہتیں:

"تم کافر ہو اور میں مسلمان ہوں اس لئے میرے اور تمہارے درمیان اسلام کی دیوار حائل ہے!"

اس پر یہ کہتے

"جس سبب سے تم مجھ سے گریز کرتی ہو وہ بہت بڑا معاملہ ہے!"

اُمّ حکیم کی بیوگی کا واقعہ...... حضرت عکرمہ ابن ابو جہل جنگ یرموک کے موقعہ پر رومیوں کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔ جب ان کے بعد ان کی بیوی اُمّ حکیم کی عدت کا زمانہ پورا ہو گیا تو خالد ابن سعید نے ان سے شادی کر لی اور اس کے بعد ان کے ساتھ ہمبستری کا ارادہ کیا تو اُمّ حکیم نے ان سے کہا:

"اگر تم اس وقت تک میرے ساتھ ہمبستری سے رک جاؤ جبتک کہ یہ لشکر یعنی رومی فوج منتشر ہو جائے تو بہتر ہے!"

(حضرت خالد خود بھی اس جنگ میں شریک تھے) وہ اُمّ حکیم سے بولے:

"میرا دل کہتا ہے کہ میں اس جنگ میں مارا جاؤں گا!"

اُمّ حکیم نے کہا۔ بس تو پھر تم کر سکتے ہو۔ چنانچہ خالد ابن سعید نے اسی رات اپنے خیمہ میں ان کے ساتھ ہمبستری کی۔ صبح اٹھ کر انہوں نے دیکھا کہ سامنے رومی فوج صف بندی کر چکی ہے اور مقابلہ آرائی کے لئے تیار ہے۔ حضرت خالد فوراً ہی تیار ہو کر نکلے اور جنگ میں شریک ہوئے یہاں تک کہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

اُمّ حکیم کو شوہر کی شہادت کی خبر ہوئی تو صدمہ کی زیادتی کی وجہ سے انہوں نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور پھر اسی خیمے کی بلّیاں اور ڈنڈے نکالے جس خیمہ میں خالد نے ان کے ساتھ ہمبستری کی تھی اس کے بعد یہ ان ہی ڈنڈوں۔ سے رومی فوج پر حملہ آور ہوئیں اور سات رومیوں کو قتل کر ڈالا۔

ابو جہل کے متعلق زبان بندی کا حکم...... عکرمہ ابن ابو جہل کے آنحضرت ﷺ کے پاس مسلمان ہونے کے لئے آنے سے پہلے آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا تھا:

"تمہارے پاس عکرمہ ابن ابو جہل مسلمان اور مہاجر کی حیثیت سے آئیں گے اس وقت تم ان کے باپ کو گالیاں مت دینا کیونکہ مُردوں کو برا بھلا کہنے سے زندوں کو تکلیف پہنچتی ہے اور وہ برا بھلا میت تک پہنچتا نہیں"

مُردوں کو برا کہنے کی ممانعت...... ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ مُردوں کو برا بھلا مت کہو کیونکہ وہ اپنے اعمال کی منزل پر پہنچ چکے ہیں۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ۔ مردوں کو برا بھلا مت کہو کیونکہ اس سے زندوں کو تکلیف اور اذیت پہنچتی ہے (یعنی

اس مردے کے متعلقین اور عزیز و اقرباء کو اس سے تکلیف ہوتی ہے) ایک دوسری روایت میں ہے کہ اپنے مُردوں کی خوبیاں بیان کیا کرو اور ان کی برائیوں اور کوتاہیوں کی طرف سے زبان بند رکھو۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے عکرمہ نے شکایت کی کہ لوگ ان کو عکرمہ ابن ابو جہل کہتے ہیں کیونکہ ابو جہل کا نام عمرو تھا اور لقب ابوالحکم تھا مگر آنحضرت ﷺ نے اس کی بد تمیزیوں اور جہالت کی وجہ سے اس کو ابو جہل کا لقب دیا تھا جس سے اس کی توہین مقصود تھی۔ لہٰذا عکرمہ کو جب عکرمہ ابن عمرو یا عکرمہ ابن ابوالحکم کہنے کے بجائے عکرمہ ابن ابو جہل کہا گیا تو قدرتی طور پر انہیں اس سے تکلیف ہوئی اور انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اس کی شکایت کی آپ نے صحابہ سے فرمایا:

"مُردوں کو گالیاں دے کر زندوں کو تکلیف مت پہنچاؤ!"

قاتل و مقتول کا یکساں درجہ...... اسلام قبول کرنے سے پہلے ایک جنگ میں عکرمہ ابن ابو جہل نے اپنے مقابلے کے لئے کسی مسلمان کو طلب کیا اور مقابلے میں مسلمان کو قتل کر دیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے۔ ایک انصاری مسلمان نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

"یارسول اللہ! آپ کس لئے ہنسے جب کہ ایک ساتھی کے قتل پر ہمارے دل رو رہے ہیں"

اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

مجھے اس بات پر ہنسی آئی کہ یہ دونوں یعنی قاتل اور مقتول جنتی ہیں اور ایک ہی درجہ کے ہیں۔

چنانچہ بعد میں خود حضرت عکرمہؓ بھی رومیوں سے جنگ کرتے ہوئے یرموک کی لڑائی میں شہید ہوئے جیسا کہ بیان ہوا (اب یوں کہنا چاہئے کہ یہ بات آنحضرت ﷺ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک ہے کہ آپ نے عکرمہ کے اسلام قبول کرنے سے بھی پہلے ان کے مسلمان ہونے اور شہید ہونے کی طرف اشارہ فرمادیا تھا)۔

سارہ کے قتل کا حکم اور ان کا اسلام...... اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر سارہ نامی خاتون کے قتل کا حکم دیا تھا جو پھر مسلمان ہو گئی تھیں۔ ان کے قتل کا حکم دینے کا سبب یہ تھا کہ وہ مکے کی ایک گانے والی یعنی طوائف تھیں اور آنحضرت ﷺ کی ہجو اور توہین میں جو شعر لکھے جاتے تھے ان کو محفلوں میں پڑھا کرتی تھیں۔

وہی خاتون ہیں جن کے پاس سے حاطب ابن بلتعہ کا خط پکڑا گیا تھا (جو فتح مکہ کے لئے آنحضرت ﷺ کے کوچ سے پہلے حاطب نے قریش کو اس کی اطلاع دینے کے لئے لکھا تھا اور ان ہی سارہ کے ہاتھ مکے بھیج رہے تھے تاکہ قریش کو پہلے ہی لشکر کشی کی خبر مل جائے اور وہ اپنی تدبیر کر لیں۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ اس بارے میں سخت رازداری برت رہے تھے)۔

غرض جب ان کے قتل کرنے کا حکم ہو گیا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے امان طلب کی اور آپ نے ان کو امان دے دی اور اس کے بعد یہ مسلمان ہو گئیں جیسا کہ بیان ہوا۔

حرث اور زہیر کے قتل کا حکم...... اسی طرح حرث ابن ہشام اور زہیر ابن امیہ کے متعلق قتل کا حکم دے دیا گیا تھا ان دونون نے اُمّ ہانی سے پناہ طلب کی جو حضرت علیؓ کی سگی بہن تھیں اور اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئی تھیں (یعنی جب انہوں نے ان دونوں کو پناہ دی اس وقت تک خود بھی مسلمان نہیں ہوئی تھیں)۔

اُمّ ہانی کی امان...... چنانچہ حضرت اُمّ ہانی سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ بالائی مکہ میں آکر فروکش ہوئے تو دو آدمی بھاگ کر میرے پاس آگئے جو میرے سُسرالی تھے۔ یعنی اُمّ ہانی کے شوہر ہبیرہ ابن ابووہب کے عزیزوں میں سے تھے۔ یہ

دونوں میری پناہ لینے کے لئے آئے تھے۔ میں نے ان کو پناہ دے دی۔ علامہ ازرقی نے زہیر ابن امیہ کے بجائے عبداللہ ابن ابو ربیعہ لکھا ہے۔

اُمّ ہانی کہتی ہیں کہ اسی وقت ان کے بھائی علی ابن ابو طالب بہن کے گھر میں داخل ہوئے اور اُمّ ہانی سے بولے:

"خدا کی قسم میں ان دونوں کو ضرور قتل کروں گا۔ تم مشرکوں کو پناہ نہیں دے سکتیں!"

مگر اُمّ ہانی ان دونوں اور حضرت علی کے درمیان میں آکر کھڑی ہوئیں (اور حضرت علیؓ کو ان دونوں کے قتل سے روک دیا) آخر حضرت علیؓ باہر آگئے اور اُمّ ہانی نے مکان کا دروازہ بند کر لیا تاکہ وہ دوبارہ حملہ آور نہ ہو سکیں)۔

اُمّ ہانی کہتی ہیں کہ اس کے بعد میں خود رسول اللہ ﷺ کے پاس بالائی مکے میں گئی اس وقت آنحضرت ﷺ ایک تسلے میں پانی لئے اس سے غسل فرما رہے تھے اور اس تسلے میں گندھے ہوئے آٹے کا کچھ اثر تھا۔ حضرت فاطمہؓ وہاں پردہ کئے ہوئے کھڑی تھیں۔

امان کی قبولیت...... میں نے وہاں پہنچ کر پردہ کے اس طرف سے آنحضرت ﷺ کو سلام کیا تو آپ نے پوچھا کون ہے؟ میں نے عرض کیا میں اُمّ ہانی بنت ابو طالب ہوں۔ آپ نے فرمایا اُمّ ہانی کو مرحبا۔ پہلی روایت میں آگے یوں ہے کہ۔ جب آپ غسل سے فارغ ہو گئے تو آپ نے اپنے کپڑے لے کر بدن پر لپیٹے اس کے بعد آپ نے چاشت کے وقت آٹھ رکعت نماز پڑھی۔ اس کے بعد آپ میری طرف متوجہ ہوئے:

"مرحبا۔ خوش آمدید اُمّ ہانی۔ کیسے آنا ہوا۔"

میں نے آپ کو واقعہ بتلایا۔ حدیث۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"جسے تم نے پناہ دی اسے ہم نے بھی پناہ دی اور جسے تم نے امان دی اسے ہم نے بھی امان دی۔ اب ہم ان دونوں کو قتل نہیں کریں گے!"

آنحضرت ﷺ اور اشراق کی نماز...... بخاری میں ہے کہ آپ نے ان کے ہی مکان میں غسل کیا تھا پھر آپ نے چاشت کی آٹھ رکعت نماز پڑھی۔ جب یہ بات ایک دفعہ حضرت ابن عباسؓ سے ذکر کی گئی تو انہوں نے کہا: میں جب اس آیت کی تفسیر کر رہا تھا:

اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ۔ (پ۲۳ س ع۲۔ آیت ۱۸)

ترجمہ: ہم نے پہاڑوں کو حکم کر رکھا تھا کہ ان کے ساتھ شام اور صبح تسبیح کیا کریں۔

تو کہا کرتا تھا کہ اشراق کی نماز آخر کون سی نماز ہے؟ اب معلوم ہوا کہ یہی نماز اشراق ہے (جو اس موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے پڑھی)۔"

فتح مکہ کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے جو نماز پڑھی اس کے لئے حدیث میں صلوٰۃ ضحیٰ کا لفظ ہے جس کا ترجمہ اشراق کی نماز سے کیا گیا ہے۔ ویسے اشراق کی نماز کا وقت وہی ہے جب صبح کو سورج طلوع ہو کر سوا نیزہ تک آجائے اور ضحیٰ کا وقت اس کے کچھ دیر بعد ہے جب کہ سورج اچھی طرح بلند ہو جائے مگر اردو میں دونوں کا ترجمہ چاشت کے لفظ سے کیا جاتا ہے)۔

ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ۔ اس وقت سے پہلے میں اشراق کی نماز کو نہیں پہچانتا تھا۔ اس سے اس فتویٰ کی تائید ہوتی ہے جو ہمارے شیخ رملی کے والد کا ہے کہ صلوٰۃ ضحیٰ ہی صلوٰۃ اشراق ہے۔ مگر یہ بات اس قول کے خلاف ہے جو کتاب لباب میں ہے کہ۔ صلوٰۃ اشراق صلوٰۃ ضحیٰ سے علیحدہ ہے۔ لہٰذا اگر یہ دونوں روایتیں صحیح ہیں تو اس روایت اور گذشتہ

روایت کے درمیان موافقت کی ضرورت ہے۔

اسی واقعہ کی بنیاد پر شافعی اماموں میں علامہ محاملی نے اپنی کتاب لباب میں جو تنقیح کی اصل ہے اور کتاب تنقیح اصل تحریر ہے۔ کہا ہے کہ جو شخص مکے میں داخل ہو اور شروع دن میں صلوٰۃ ضحیٰ یعنی چاشت کی نماز پڑھنا چاہے تو اسے چاہئے کہ پہلے غسل کرے اور پھر نماز پڑھے جیسے فتح مکہ کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا۔ مگر پھر اس بات کو پیچدار انداز میں کہا گیا جس سے کسی خاص جگہ میں صلوٰۃ ضحیٰ کے لئے غسل کرنا مستحب ہو۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے کبھی رسول اللہ ﷺ کو چاشت یعنی ضحیٰ کی نماز پڑھتے نہیں دیکھا اور نہ میں یہ یعنی چاشت کی نماز پڑھتی تھی۔

عبدالرحمنؒ ابن ابی لیلے سے روایت ہے کہ مجھے کسی نے نہیں بتلایا کہ اس نے آنحضرت ﷺ کو چاشت یعنی ضحیٰ کی نماز پڑھتے دیکھا ہو۔ یہ روایت صرف اُمّ ہانی کی ہے۔

مگر آگے آنے والی روایت سے اس بارے میں اختلاف اور جھگڑا ہے کہ ضحیٰ کی نماز ان احکام میں سے ہے جو خاص طور پر صرف رسول اللہ ﷺ کے لئے واجب تھے (جہاں تک حضرت عائشہؓ کا قول ہے تو اس میں انہوں نے خود اپنے دیکھنے کی نفی کی ہے جس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ اشراق پڑھتے ہی نہیں تھے۔

اُمّ ہانی سے کھانے کی فرمائش...... جہاں تک اُمّ ہانی کا تعلق ہے وہ اسی دن یعنی فتح مکہ کے روز ہی مسلمان ہو گئی تھیں۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اُمّ ہانی سے فرمایا:

"کیا تمہارے پاس ہمارے کھانے کے لئے کوئی چیز ہے؟"۔

اُمّ ہانی نے کہا: "میرے پاس سوائے خشک گوشت کے ایک ٹکڑے کے اور کچھ نہیں ہے مگر وہ ٹکڑا آپ کو پیش کرتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے!"

سرکہ کھانا...... آپ نے فرمایا:

"بس تو اٹھو (یعنی اسے لے آؤ!)"

پھر آپ نے گوشت کے اس ٹکڑے کو توڑ کر پانی میں ڈال دیا اور اُمّ ہانی نمک لے کر آئیں آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا کیا کچھ سالن وغیرہ ہوگا؟ انہوں نے کہا یارسول اللہ ﷺ میرے پاس سوائے سرکہ کے اور کچھ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا جاؤ لے آؤ۔ چنانچہ وہ سرکہ لے آئیں تو آپ نے اس گوشت پر وہ سرکہ چھڑک کر دیا اور یہ کھانا تناول فرما کر اللہ کا شکر ادا کیا۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

"سرکہ کا سالن بہت عمدہ سالن ہے۔ اُمّ ہانی اس گھر میں کبھی فقر و فاقہ نہیں آسکتا جس میں سرکہ ہو!"

نبیوں کا کھانا اور سرکہ کی فضیلت...... ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر والوں سے سالن کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے کہا۔ ہمارے پاس سوائے سرکہ کے اس وقت کچھ نہیں ہے۔ آپ نے وہ سرکہ منگایا اور اسی سے کھانے لگے۔ اس وقت آپ یہ فرمارہے تھے کہ سرکہ کا سالن بہترین سالن ہے۔

حضرت جابرؓ کی ایک مرفوع حدیث ہے کہ سرکہ کھانے والے شخص پر اللہ تعالیٰ دو فرشتے متعین فرمادیتا ہے جو اس وقت تک اس کے لئے مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں جب تک وہ کھانے سے فارغ ہوتا ہے (یعنی سرکہ کھانے کی برکت سے اس

کے لئے مغفرت کی دعا کی جاتی ہے)۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"سرکہ کا سالن بہترین سالن ہے۔ اے اللہ سرکہ میں برکت عطا فرما کہ مجھ سے پہلے بھی نبیوں کا کھانا یعنی سالن رہا ہے۔ جس گھر میں سرکہ ہو اس میں فقر و فاقہ نہیں آسکتا!"

آنحضرت ﷺ کی طرف سے جابر کی دعوت...... حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اپنی ازواج میں سے ایک بیوی کے حجرے کی طرف لے گئے۔ آپ نے اندر جاکر پھر مجھے اندر آنے کی اجازت دی اور میں حجرے میں داخل ہوا۔ آپ نے اپنے گھر والوں سے پوچھا کیا کچھ کھانا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ اور روٹی کی تین ٹکیاں لا کر آپ کے سامنے رکھیں۔ آپ نے ایک ٹکیہ خود لی ایک میرے سامنے رکھی۔ پھر تیسری روٹی اٹھا کر اس کے دو حصے کئے اور آدھی خود لی اور آدھی مجھے دی۔

پھر آپ نے گھر والوں سے پوچھا کیا کچھ سالن ہے؟ انہوں نے کہا سرکہ کے سوا کچھ نہیں ہے۔!

آپ نے فرمایا لے آؤ اس لئے کہ سرکہ بہترین سالن ہے۔ ایک روایت کے الفاظ کے مطابق آپ نے فرمایا۔ سرکہ سب سے اچھا کھانا ہے۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ جب سے میں نے آنحضرت ﷺ سے سرکہ کی یہ تعریف سنی تو میں ہمیشہ سرکہ ہی پسند کرنے لگا۔ ایک دوسرے بزرگ کہتے ہیں کہ پھر جب سے میں نے جابر سے سرکہ کے متعلق آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سنا تو میں سب سے زیادہ سرکہ کو ہی پسند کرنے لگا۔

صفوان کے قتل کا حکم اور امان طلبی...... غرض اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے صفوان ابن امیہ کے قتل کا حکم دے دیا تھا (مگر یہ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے) لیکن ان کے لئے عمیر ابن وہب نے امان طلب کی۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے صفوان کے لئے سفارش کرتے ہوئے عرض کیا:

"اے اللہ کے نبی! صفوان میری قوم کے سردار ہیں مگر اب (ان کے قتل کے حکم کے بعد) وہ یہاں سے فرار ہو گئے ہیں تاکہ خود کو سمندر میں گرا کر ہلاک کر دیں' اس لئے براہ کرم ان کی جاں بخشی فرما دیجئے کیونکہ آپ سرخ و سفید یعنی کالے گورے ہر ایک کو امان دے رہے ہیں!"

آپ نے فرمایا:

"اپنے اس چچا کے بیٹے کو لے آؤ اسے امان دی گئی!"

صفوان کو امان اور ان کے خدشات...... عمیر ابن وہب نے عرض کیا:

"مجھے کوئی ایسی نشانی مرحمت فرما دیجئے جس سے انہیں آپ کی دی ہوئی امان کا پتہ چل سکے!"

آپ نے عمیر کو اپنا وہ عمامہ عنایت فرما دیا جسے باندھ کر آپ مکے میں داخل ہوئے تھے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ صفوان نے عمیر سے آپ ﷺ کی چھڑی نشانی کے طور پر مانگی اور کہا:

"میں اس وقت تک تمہارے ساتھ (رسول اللہ ﷺ کے پاس نہیں جاؤں گا جب تک تم مجھے آنحضرت ﷺ کی طرف سے امان کی نشانی کے طور پر کوئی چیز نہ لا کر دو جسے میں پہچانتا ہوں!"

(اس وقت صفوان مکے سے فرار ہو رہے تھے اور عمیر انہیں روک رہے تھے کہ تمہارے لئے امان حاصل کر لی جائے گی اس لئے کہیں جانے اور بھاگنے کی کوشش نہ کرو۔ چنانچہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ان کے لئے امان لے لی اور انہیں بتلایا مگر صفوان کو یقین نہیں آیا اس لئے انہوں نے ثبوت کے طور پر آنحضرت ﷺ کی دی ہوئی کوئی چیز طلب کی) عمیر نے ان سے کہا:

"اچھا تم یہاں سے آگے مت بڑھو تاکہ میں تمہارے لئے آنحضرت ﷺ سے کوئی نشانی لے آؤں!"

(اس طرح عمیر۔ صفوان کو راستے ہی میں روک کر واپس آنحضرت ﷺ کے پاس مکے آئے اور آپ سے نشانی کے طور پر آپ کی چادر حاصل کی۔ ادھر صفوان بہت زیادہ خوفزدہ تھے اس لئے انہوں نے وہاں ٹھہر کر عمیر کا انتظار نہیں کیا بلکہ ساحل کی طرف بڑھ گئے) عمیر واپس پہنچے تو انہوں نے صفوان کو ساحل پر سمندری سفر کے لئے سوار ہونے کی کوشش کرتے ہوئے پایا۔ عمیر نے ان سے واپس چلنے کے لئے کہا تو صفوان کہنے لگے:

"تم میرا پیچھا چھوڑ دو اور مجھ سے بات مت کرو!"

عمیر نے کہا:

"صفوان۔ تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ میں تمہارے پاس دنیا کے سب سے افضل انسان' سب سے زیادہ نیک' بامروت اور سب سے بہترین شخص کے پاس سے آرہا ہوں جو تمہارے ابن عم یعنی چچا کے بیٹے ہیں۔ ان کی عزت تمہاری عزت ہے۔ ان کی سربلندی تمہاری سربلندی ہے اور ان کی حکومت تمہاری حکومت ہے!"

آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری...... صفوان نے پھر بھی ہچکچاتے ہوئے کہا کہ مجھے ان کی طرف سے اپنی جان کا خوف ہے اس پر عمیر نے کہا:

"وہ ایسی باتوں سے کہیں زیادہ بلند اور بالاتر ہیں!"

اس طرح عمیر ابن وہب آخرکار صفوان ابن امیہ کو واپس لانے میں کامیاب ہوئے۔

غرض صفوان حضرت عمیر کے ساتھ لوٹے یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ کر آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے (چونکہ انہیں اب بھی اس کا یقین نہیں تھا کہ آنحضرت ﷺ نے امان دے دی ہوگی اس لئے) انہوں نے عمیر کی طرف اشارہ کر کے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

"یہ شخص کہتا ہے کہ آپ نے مجھے امان دے دی ہے"۔

اسلام کے لئے مہلت خواہی...... آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ ٹھیک کہتے ہیں۔ اس وقت صفوان اپنے اسلام قبول کرنے کے سلسلے میں اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! مجھے دو مہینے کی مہلت اور اختیار دیجئے!"

آپ نے فرمایا۔ "تمہیں چار مہینے کی مہلت اور اختیار ہے"۔

(چنانچہ اسلام قبول کئے بغیر یہ کچھ عرصہ تک آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہے) پھر جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ حنین کے لئے تشریف لے گئے تو صفوان ابن امیہ بھی آپ کے ساتھ تھے (مگر مسلمان نہیں ہوئے تھے)۔

صفوان اور نبی کی فیاضی...... اس غزوہ میں فتح کے بعد جب جعرانہ کے مقام پر رسول اللہ ﷺ صحابہ میں مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے تو آپ نے دیکھا کہ صفوان۔ مال و دولت سے بھرے ہوئے ایک عمدہ برتن کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے

ہیں۔ آپ نے پوچھا کیا تمہیں یہ برتن پسند آرہا ہے؟ انہوں نے کہا۔ ہاں۔ آپ نے فرمایا:

"بس تو یہ برتن اور جو کچھ اس میں ہے سب تمہیں دیا!"

صفوان نے فوراً وہ لے کر اس میں جو کچھ تھا اس پر قبضہ کر لیا اور کہا:

"سوائے نبی کے کوئی دوسرا شخص اس قدر سیر چشم اور نیک نفس نہیں ہو سکتا!"

یہ کہہ کر وہ مسلمان ہو گئے جیسا کہ اس واقعہ کی تفصیل آگے آئے گی۔

ہندہ کے قتل کا حکم اور ان کا اسلام...... اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت حرث کے قتل کا حکم دے دیا تھا (مگر یہ بھی بعد میں مسلمان ہو گئی تھیں) ان کے قتل کا حکم دینے کا سبب یہ تھا کہ جنگ احد میں اس نے آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ کی لاش کے ناک کان وغیرہ کاٹ کر لاش کا مثلہ کیا تھا اور ان کا جگر نکال کر چبایا تھا۔ جیسا کہ اس واقعہ کی تفصیل غزوۂ احد کے بیان میں گزر چکی ہے۔

کعب کے قتل کا حکم اور ان کا اسلام...... اسی طرح آپ نے کعب ابن زہیر کو واجب القتل قرار دیا تھا۔ مگر یہ بھی بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کے قتل کا حکم دینے کا سبب یہ تھا کہ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو اپنے شعروں میں رسول اللہ ﷺ کی ہجو اور توہین کیا کرتے تھے۔

وحشی کے قتل کا حکم اور فرار...... ایسے ہی آپ نے وحشی کے قتل کا حکم دیا تھا مگر یہ بھی پھر مسلمان ہو گئے تھے ان کا جرم یہ تھا کہ انہوں نے ہی غزوۂ احد میں آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ کو قتل کیا تھا۔ صحابہ سب سے زیادہ ان ہی کو قتل کرنے کے آرزومند تھے مگر یہ مکہ سے طائف بھاگ گئے تھے۔ ان کے اسلام کے متعلق ہم گذشتہ ابواب میں جستہ جستہ تفصیلات بیان کر چکے ہیں۔

جوق در جوق آغوش اسلام میں...... فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ صفا پہاڑی پر جا کر بیٹھے اور وہاں آپ نے لوگوں کو بیعت کرنا شروع کیا۔ چنانچہ اس وقت آپ کے پاس تمام بڑے چھوٹے اور مرد و عورت آ آ کر اسلام پر بیعت دے رہے تھے۔ یعنی یہ گواہی دے رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔

اس وقت لوگ بے تحاشہ اور فوج در فوج آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر رہے تھے (یعنی مشرکین مکہ آپ کے پاس آکر آپ کے دست مبارک پر بیعت اور اپنے اسلام کا اعلان کر رہے تھے اور جوق در جوق لوگ اللہ کے دین میں داخل ہو کر اسے قوت دے رہے تھے)۔

آنحضرت ﷺ کا جلال و جمال...... اسی وقت ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے سامنے پہنچ کر خوف و دہشت اور ادب کی وجہ سے کانپنے لگا۔ آپ نے اس کی یہ حالت دیکھ کر فرمایا:

"گھبراؤ مت۔ میں کوئی شہنشاہ نہیں ہوں بلکہ میں تو قریش کی ایک ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو قدید یعنی خشک کیا ہوا گوشت۔ مراد ہے معمولی کھانا۔ کھایا کرتی تھی!"

معاویہؓ کی اسلام سے رغبت' ہندہ کی مخالفت...... اس وقت جن لوگوں نے آپ کے سامنے کلمہ شہادت پڑھا اور اسلام پر بیعت دی ان میں معاویہ ابن ابوسفیان بھی تھے۔ چنانچہ خود امیر معاویہ سے روایت ہے کہ معاہدہ حدیبیہ کے موقعہ پر ہی اسلام کی محبت میرے دل میں گھر کر چکی تھی۔ میں نے اس بات کا ذکر اپنی والدہ سے کیا تو انہوں نے کہا:

"خبردار اپنے والد کی خلاف ورزی ہرگز مت کرنا ورنہ وہ تمہاری ساری قوت توڑ دیں گے!"

در پردہ اسلام......(ان کے والد ابوسفیان تھے جو حدیبیہ کے وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے)

امیر معاویہ کہتے ہیں کہ ماں کی نصیحت کے باوجود میں نے اسلام قبول کر لیا مگر اپنے مذہب کو سب سے پوشیدہ اور راز میں رکھا۔ مگر کسی طرح ابوسفیان کو میرے مسلمان ہو جانے کا شبہ ہو گیا۔ چنانچہ ایک دن انہوں نے مجھ سے کہا:

تمہارا بھائی تم سے کہیں بہتر ہے کہ وہ میرے دین پر قائم ہے!"

اسلام کا اعلان اور کاتب رسول ﷺ...... پھر فتح مکہ کے موقعہ پر میں نے اپنے اسلام کو ظاہر کر دیا اور رسول اللہ ﷺ سے جا کر ملا۔ آپ نے مجھے خوش آمدید اور مرحبا کہا۔ اس کے بعد میں آنحضرت ﷺ کا کاتب وحی بن گیا (یعنی آپ پر جو وحی نازل ہوتی اس کو آنحضرت ﷺ کے بتلانے پر لکھتا۔ ان سے پہلے اس بارے میں آنحضرت ﷺ نے جبرئیلؑ سے مشورہ فرمایا تھا۔ حضرت جبرئیلؑ نے کہا کہ وہ امانت دار آدمی ہے اس کو کاتب بنا لیجئے۔

معاویہؓ کے لئے آنحضرت ﷺ کی دعائیں......ایک دن رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنی سواری پر اپنے پیچھے بٹھا رکھا تھا۔ آپ نے ان سے پوچھا تمہارے جسم کا کون سا حصہ میرے جسم سے مل رہا ہے۔ امیر معاویہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا میرا پیٹ۔ آپ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! ان کا پیٹ حلم (یعنی بردباری) اور علم سے بھر دے۔

حضرت عرباض ابن ساریہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو امیر معاویہؓ کے لئے یہ فرماتے سنا:

"اے اللہ! ان کو کتاب کا بھی علم عطا فرما اور حساب کا بھی علم عطا فرما اور انہیں عذاب سے محفوظ فرما دے۔ ایک روایت میں یہ لفظ بھی ہیں کہ۔ اور انہیں علاقوں پر حکومت عطا فرما دے۔

ایک صحابی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو معاویہ کے لئے دعا کرتے سنا:

"اے اللہ! ان کو ہدایت کرنے والا اور ہدایت یافتہ بنا دے۔ خود ان کو بھی ہدایت عطا فرما اور ان کے ذریعہ دوسروں کو بھی ہدایت دے اور ان کو عذاب سے بچایئے!"

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک روز جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاویہؓ سے فرمایا:

"معاویہ۔ میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو۔ جنت کے دروازے پر تم مجھ سے ان دونوں انگلیوں کی طرح گھسر کر تنگی کرتے ہوئے چلو گے!"

تبرکات نبوی اور معاویہ کی وصیت...... یہ کہہ کر آپ نے اپنے دونوں درمیانی انگلیوں اور ان سے ملی ہوئی برابر کی انگلی کی طرف اشارہ کیا۔ کہا جاتا ہے کہ امیر معاویہ کے پاس آنحضرت ﷺ کے کچھ تبرکات تھے جن میں آپ کا ایک کرتہ ایک پاجامہ اور ایک چادر اور چند موئے مقدس یعنی بال مبارک تھے۔

"مجھے آنحضرت ﷺ کی قمیص میں سے کفن دیا جائے یعنی آپ کے کرتہ میں سے کفنی بنائی جائے آپ کی چادر میں لپیٹا جائے۔ آپ کے پاجامے میں سے میرا ازار بنایا جائے اور آپ کے موئے مقدس میری گردن اور سینے پر رکھ دیئے جائیں اور اس کے بعد میرا معاملہ میرے اور ارحم الراحمین کے درمیان چھوڑ دینا!"

معاویہ کے متعلق کاہن کی بشارت......امیر معاویہ کی پیدائش سے قبل یمن کے ایک کاہن نے ان کے متعلق خوشخبری دی تھی (یعنی ان کی ماں کو خوشخبری دی تھی کہ تمہارے یہاں ایک بیٹا پیدا ہو گا جو نہایت بلند اقبال اور عزت و حکومت کا مالک

ہوگا اس کا تفصیلی واقعہ یہ ہے)۔

معاویہ کی ماں ہندہ کا شوہر فاکہہ...... اس خوشخبری کا سبب یہ تھا کہ ان کی والدہ ہندہ بنت عتبہ ان کے والد ابوسفیان سے پہلے ایک شخص فاکہہ ابن مغیرہ مخزومی کے نکاح میں تھیں یہ فاکہہ قریشی نوجوانوں میں سے تھا اور اس نے مہمانداری کے لئے ایک علیحدہ مکان بنا رکھا تھا جس میں لوگ آرام کرنے کے لئے بغیر اجازت آکر سو جایا کرتے تھے۔

ایک دن فاکہہ نے یہ مکان مہمانوں سے خالی کرایا اور اس میں قیلولہ یعنی دوپہر آرام کے لئے لیٹ گیا۔ اس کی بیوی ہندہ بھی یہیں اس کے پاس تھی۔ تھوڑی دیر میں فاکہہ کسی ضرورت سے اٹھ کر وہاں سے چلا گیا اور ہندہ وہاں تنہا سوتی رہی۔

ہندہ پر فاکہہ کی تہمت...... اسی وقت مکان میں ایک شخص آیا جو یہاں آکر سویا کرتا تھا۔ وہ جیسے ہی گھر میں داخل ہوا اور اس کی نظر ایک سوتی ہوئی عورت پر پڑی وہ وہاں سے تیزی کے ساتھ نکلا اور بھاگتا ہوا چلا گیا۔ جب یہ شخص وہاں سے بھاگ رہا تھا اسی وقت اتفاق سے فاکہہ واپس آرہا تھا اس نے اس شخص کو گھر سے باہر نکلتے ہوئے دیکھ لیا۔

فاکہہ سیدھا گھر میں ہندہ کے پاس آیا (کیونکہ اسے اس شخص کو گھر میں سے نکل کر بھاگتے دیکھ کر ہندہ کی طرف سے بدگمانی ہو گئی تھی) ہندہ اس وقت تک پڑی سو رہی تھی۔ فاکہہ نے اس کو ٹھوکر مار کر جگایا اور ڈپٹ کر پوچھا:

"یہ کون شخص تھا جو ابھی تیرے پاس آیا تھا؟"

ہندہ نے کہا:

"نہ میں نے یہاں کسی آدمی کو دیکھا اور نہ تمہارے جگانے سے پہلے میں جاگی!"

ہندہ کے متعلق چہ میگوئیاں...... مگر فاکہہ کی بدگمانی دور نہ ہوئی اور اس نے ہندہ کو اسی وقت گھر سے نکال کر کہا کہ بس اپنے باپ کے پاس جا کر رہو۔ اس کے بعد اس واقعہ کی شہرت ہو گئی اور لوگ ہندہ کے متعلق چہ میگوئیاں کرنے لگے (جس سے وہ ساری بستی میں بدنام ہو گئی)۔

ہندہ سے عتبہ کی تحقیق حال...... آخر ایک دن عتبہ نے بیٹی کے متعلق لوگوں میں طرح طرح کے چرچے سن کر اس سے کہا:

"بیٹی۔ لوگ تیرے بارے میں طرح طرح کی باتیں کہہ رہے ہیں اس لئے تو مجھے سچی بات بتلا دے اگر فاکہہ تیرے اوپر صحیح الزام لگا رہا ہے تو میں کوشش کر کے اس شخص کو قتل کرا دوں گا تاکہ تیرے متعلق لوگوں کی زبانیں بند ہو جائیں۔ اور اگر فاکہہ کا لگایا ہوا الزام جھوٹا ہے تو اس کا اور اپنا مقدمہ یمن کے کسی کاہن کے پاس لے جا کر اس سے فیصلہ کروں گا (جو فاکہہ کے سامنے اپنے علم سے کھرا کھوٹا الگ کر کے سچی بات بتلا دے گا)!"

اس پر ہندہ نے باپ کے سامنے حلف اٹھا کر کہا کہ فاکہہ بالکل جھوٹا ہے۔ یہاں سے اطمینان کرنے کے بعد عتبہ اپنے داماد فاکہہ کے پاس پہنچا اور اس سے کہنے لگا:

"اے شخص۔ تو نے میری بیٹی پر بڑی زبردست تہمت لگائی ہے اس لئے کسی یمنی کاہن کے پاس چل کر میرے اور اپنے مقدمے کا فیصلہ کرا لو!"

عتبہ اور فاکہہ کاہن کی عدالت میں...... فاکہہ راضی ہو گیا اور اپنے ساتھ بنی مخزوم کی ایک جماعت لے کر کاہن کے پاس جانے کے لئے روانہ ہوا۔ دوسری طرف عتبہ نے بنی عبد مناف کی ایک جماعت ساتھ لی اور وہ بھی کاہن کے پاس چلا۔ عتبہ کے ساتھ اس کی بیٹی ہندہ بھی تھی اور ہندہ نے اپنے ساتھ کچھ دوسری عورتوں کو بھی لیا تھا۔

جب یہ اس کاہن کے علاقہ کے قریب پہنچے اور کہنے لگے کہ کل ہم اس فلاں کاہن کے پاس پہنچ جائیں گے تو اچانک ہندہ کی حالت بگڑنے لگی اور اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ بیٹی کی بدحواسی دیکھ کر عتبہ نے اس سے کہا:

"میں تیری حالت دیکھ رہا ہوں کہ تو کس طرح بوکھلا رہی ہے۔ یہ حالت کسی گندی حرکت کی وجہ سے ہی ہو سکتی ہے جو تو کر چکی ہے۔ بہتر ہوتا کہ یہ بات اس وقت ہی کھل جاتی جب کہ ہم روانہ نہیں ہوئے تھے اور لوگوں نے ہمارے جوش و خروش اور کوچ کا منظر نہیں دیکھا تھا!"

یہ سن کر ہندہ نے کہا:

"نہیں بابا۔ یہ حالت کسی گندی حرکت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ میں اس خیال سے گھبرا رہی ہوں کہ تم لوگ اپنا مقدمہ لے کر ایک ایسے شخص کے پاس جا رہے ہو جس کی باتیں کبھی صحیح ثابت ہوتی ہیں تو بہت دفعہ غلط ہوتی ہیں اس لئے مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ کاہن میرے متعلق ایسی بات نہ کہہ دے جس سے میں سارے عرب میں ذلیل ہو جاؤں!"

عتبہ نے کہا:

"نہیں میں پہلے اس سے گفتگو کر کے اسے صحیح واقعہ بتلا دوں گا تاکہ وہ تیرے معاملہ میں اس کی روشنی میں فیصلہ کرے!"

اس کے بعد عتبہ نے اپنے منہ سے سیٹی بجا کر اپنے گھوڑے کو بلایا۔ یہ ایک مادہ گھوڑی تھی جب وہ قریب آگئی تو عتبہ نے گیہوں کا ایک دانہ لے کر اس کی پیشاب گاہ میں رکھا اور پھر اچھل کر اس پر سوار ہو گیا!

آخر یہ لوگ کاہن کے پاس پہنچ گئے۔ کاہن نے ان لوگوں کا بہت اعزاز و اکرام کیا اور ان کی مہمانداری کے لئے جانور ذبح کیا۔ کھانے وغیرہ سے فارغ ہوئے تو عتبہ گفتگو کرنے کے لئے کاہن کے پاس آیا اور کہنے لگا:

"میں ایک خاص معاملہ میں آپ کے پاس آیا ہوں اور پوشیدگی کے باوجود میں وہ معاملہ آپ پر ظاہر کرتا ہوں۔ آپ اس پر غور کر کے اس کے متعلق اپنی رائے دیجئے!"۔

کاہن کا عجیب انداز گفتگو...... اس نے نہایت بلیغ انداز میں کہا کہ رات کی بات مکان کے اندر ہی رہتی ہے یعنی راز کی باتیں سینے میں پوشیدہ رہا کرتی ہیں۔

پھر عتبہ نے کہا میں اس معاملہ میں سے کچھ حصہ آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔ کاہن نے پھر اپنے اشاراتی انداز میں کہا:

"گیہوں کا دانہ گھوڑی کی پیشاب گاہ میں!"

یعنی جیسے گھوڑی کی پیشاب گاہ میں گیہوں کا دانہ رکھنا ایک گندی بات ہے ایسا ہی یہ معاملہ بھی گندا معلوم ہوتا ہے۔

عتبہ نے کہا:

"آپ نے ٹھیک سمجھا۔ اب ان عورتوں کے حالات کو دیکھئے!"

ہندہ کے حق میں فیصلہ اور معاویہ کی بشارت...... یہ سن کر کاہن عتبہ کے ساتھ والی عورتوں میں سے ایک ایک کے قریب جاتا اور اس کے کاندھے پر ہاتھ مار کر دیکھتا۔ مگر پھر اس سے کہہ دیتا تم اٹھ جاؤ۔ اسی طرح کرتے کرتے وہ آخر ہندہ کے پاس پہنچا اور اسی طرح ہندہ کے شانے پر بھی ہاتھ مارا۔ اور پھر اس سے کہنے لگا:

"اٹھ جا۔ تو بالکل پاک صاف ہے زناکار نہیں ہے۔ تیرے پیٹ سے ایک بادشاہ پیدا ہو گا جس کا نام معاویہ ہو گا!"

فاکہ کا پچھتاوا اور ہندہ کی بیزاری...... کاہن کے منہ سے یہ لفظ سنتے ہی اب فاکہ اچھل کر ہندہ کے پاس آیا اور اس کا ہاتھ

پکڑ لیا (کیونکہ ادھر تو اس کو ہندہ کی پاکدامنی کا یقین ہو گیا اور اس سے بڑھ کر کاہن کی زبان سے جب اس نے سنا کہ ہندہ ایک بادشاہ کو جنم دے گی تو اس کے دل میں ہندہ کی حیثیت بڑھ گئی) مگر جیسے ہی فاکہہ نے ہندہ کا ہاتھ پکڑا اس نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور جھڑک کر کہنے لگی:

"بس مجھ سے دور ہی رہو۔ کیونکہ خدا کی قسم اب میری یہ تمنا ہے کہ میرا وہ بچہ تمہارے سوا کسی اور سے ہو!"

ابوسفیان سے نکاح اور معاویہ کی پیدائش..... چنانچہ اس کے بعد ہندہ نے (فاکہہ سے علیحد ہو کر) ابوسفیان سے شادی کرلی جس کے نتیجہ میں امیر معاویہؓ پیدا ہوئے جو ملک شام کے بادشاہ بنے (حالانکہ امیر معاویہ آنحضرت ﷺ کے پچیس تیس سال بعد بادشاہ بنے مگر) آنحضرت ﷺ نے پہلے ہی ایک مرتبہ ان سے فرمایا تھا:

"معاویہ جب تم بادشاہ بنو تو لوگوں کے ساتھ نیک معاملہ کرنا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ جب تم میری امت کے کسی حصے کے بادشاہ بنو تو اللہ سے ڈرتے رہنا اور عدل وانصاف کا دامن کبھی ہاتھ سے مت چھوڑنا!"

معاویہؓ کی آخری دعا..... حضرت امیر معاویہ کے جو اقوال مشہور ہیں ان میں سے ایک اس موقعہ کا ہے جب کہ ان کا آخری وقت آ پہنچا تھا تو انہوں نے اللہ سے دعا کرتے ہوئے کہا تھا:

"اے اللہ! اس گنہگار بوڑھے پر رحم فرمانا جو ایک سخت دل آدمی ہے۔ اے اللہ میری لغزشوں کو کم فرمادے اور میری کوتاہیوں کو معاف فرمادے اور اس بندے کو اپنے حلم ومروّت سے سرفراز فرمانا جو تیرے سوا کسی کی طرف نظر نہیں کرتا اور نہ تیرے علاوہ کسی پر اعتماد کرتا ہے!"

حضرت عائشہؓ سے نصیحت کی فرمائش..... یہ دعا مانگ کر امیر معاویہ رونے لگے یہاں تک کہ گریہ وزاری میں ان کی آواز تک بلند ہو گئی۔ امیر معاویہ نے حضرت عائشہؓ کو لکھا تھا کہ میرے نام ایک خط میں مجھے کچھ نصیحتیں اور مختصر طور پر تحریر فرمائیں۔ چنانچہ اس کے جواب میں حضرت عائشہؓ نے امیر معاویہؓ کے نام جو خط لکھا وہ یہ تھا:

"عائشہ کی جانب سے معاویہ کے نام۔ تم پر سلام ہو۔

امّا بعد۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے لوگوں کی رضاجوئی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو لوگوں ہی کے حوالے کر دیتا ہے اور جو شخص لوگوں کو ناراض کر کے اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے لوگوں کی برائیوں سے کافی ہو جاتا ہے۔ والسلام!"۔

فرمان نبوت کے ذریعہ نصیحت..... ایک دوسرے موقعہ پر بھی اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ نے امیر معاویہؓ کے نام ایک خط لکھا جس میں ایک حصہ یہ تھا:

"امّا بعد۔ پس خدا سے ڈرتے رہو کیونکہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہیں لوگوں سے محفوظ ومامون فرمادے گا۔ اور اگر تم لوگوں سے ڈرو گے تو وہ اللہ کے معاملے میں بالکل بھی مفید اور سودمند نہیں ہو سکتے۔ والسلام!"

عورتوں کی بیعت اور اسلام

غرض جب رسول اللہ ﷺ مردوں کی بیعت سے فارغ ہو گئے تو آپ نے عورتوں کو بیعت کرنا شروع کیا ان ہی عورتوں میں ہندہ بنت عتبہ بھی مسلمان ہوئیں جو ابوسفیان ابن حرب کی بیوی تھی۔ یہ اس وقت آنحضرت ﷺ کے خوف سے چہرے پر نقاب ڈالے ہوئے تھی اور بے حد خوف زدہ تھی۔

جن باتوں پر بیعت لی گئی...... جب یہ عورتیں رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچیں تو آپ نے ان سے فرمایا:

"مجھے اس بات پر بیعت دو کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قطعاً کسی قسم کا شرک نہیں کرو گی اور نہ چوری کرو گی نہ اولاد کو قتل کرو گی۔ مراد ہے حمل گرانا جو اولاد کو قتل کرنے کے حکم میں ہی داخل ہے ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے۔ اور نہ دوسرے ہونے والوں اپنے بچوں کو اپنے شوہروں سے منسوب کرو گی۔ نہ تنہائی میں غیر مردوں کے ساتھ بیٹھو گی اور نہ پیٹھ پیچھے یا اپنے سامنے کسی پر بہتان باندھو گی!"۔

نوحہ کی ممانعت پر بیعت...... حضرت ابن عباسؓ نے بہتان کی جو شرح اور وضاحت کی ہے وہ یہ ہے کہ ایک ایسے بچے کو شوہر سے منسوب کر دیا جائے جو حقیقت میں اس کا نہ ہو (یعنی عمل کسی دوسرے شخص کا ہو لیکن چونکہ عورت شادی شدہ ہے اس لئے وہ یہ ظاہر کرے کہ یہ حمل میرے شوہر کا ہے اور پھر اس بچے کو اپنے شوہر کا بچہ بتلایا جائے) یعنی اصل میں زناکاری سے روکنا ہے کیونکہ یہ تمام باتیں زنا اور بدکاری کے نتیجہ میں ہی پیدا ہوتی ہیں۔ لہٰذا یہی حکم کنواری لڑکی کے لئے بھی ہے کیونکہ وہ تو حاملہ ہو کر بچے کو کسی کی طرف بھی منسوب کر کے جان نہیں بچا سکتی ہے۔ لہٰذا مراد یہ ہے کہ ہر صورت میں زناکاری سے بچو گی۔

غرض آنحضرت ﷺ نے آگے فرمایا۔ اور یہ کہ تم کسی نیک کام میں نافرمانی اور سرکشی نہیں کرو گی۔

ایک حدیث میں ہے کہ اس پر ایک عورت نے پوچھا:

"وہ نیک کام کیا ہے جس میں ہمیں۔ آپ کی نافرمانی نہ کرنی چاہئے"۔

آپ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

(کہ صدمہ کے وقت) تم چیخ پکار نہیں کرو گی۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ۔ نہ تم نوحہ و ماتم کرو گی نہ اپنا منہ نوچو گی اور نہ اپنے بال بکھراؤ گی۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ (صدمہ کے وقت) نہ تم اپنے بال منڈواؤ گی' نہ سینگ پھونکو گی' نہ گریبان چاک کرو گی اور نہ بین کر کر کے روؤ گی!"

نالہ و شیون کرنے والیوں کا حشر...... ایک حدیث میں آتا ہے کہ اس طرح بین اور واویلا کر کے رونے والی عورتیں قیامت کے دن دو صفیں بناتی جائیں گی ایک صف دائیں جانب ہو گی اور ایک بائیں جانب ہو گی اور اس وقت یہ عورتیں کتوں کی طرح بھونکتی ہوں گی (قریش کے لوگ مردے کو دفن کرتے وقت جانور کا سینگ جلایا کرتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ اس کے ذریعہ مردے کے گناہ بھی جل کر صاف ہو جاتے ہیں)۔

ایک حدیث میں ہے کہ بین کرنے والی عورت قیامت کے دن اس حالت میں اپنی قبر سے اٹھے گی کہ وہ گرد آلود اور پراگندہ سر ہو گی اس کے جسم پر لعنت کا کرتہ ہو گا اور چڑے کا پیرہن ہو گا وہ اپنا ہاتھ سر پر رکھے ہوئے یہ کہتی ہو گی: واویلاہ! ہائے افسوس۔

نوحہ کرنے والیاں قیامت میں...... ایک حدیث میں آتا ہے کہ بین اور نوحہ کر کے رونے والی عورت اگر توبہ کئے بغیر مر گئی تو قیامت کے دن وہ اس طرح اٹھائی جائے گی کہ اس کے کرتے قطران کے ہوں گے اور ان کے جسموں پر چمڑے کے پیرہن ہوں گے (قطران چیڑ کے درخت سے نکلنے والا روغن ہوتا ہے جو تارکول کی طرح سیاہ اور جلد گرم ہونے اور جلد آگ پکڑنے والا ہوتا ہے)۔

اسی طرح ایک حدیث میں آتا ہے کہ نوحہ کرنے والی عورت کے قریب فرشتے نہیں آتے۔

عورتیں اور جنازوں کی ہمراہی...... ایک حدیث میں ہے کہ عورتوں کے لئے جنازوں کے ساتھ چلنے میں کوئی اجر نہیں ہے (یعنی عورتوں کو قبرستانوں میں جانا اور جنازوں کے ہمراہ چلنا مناسب نہیں ہے نہ اس میں ان کے لئے کوئی اجر و ثواب ہے)۔

ایک حدیث میں ہے کہ اس بیعت کے دوران ہندہ بنت عتبہ جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں کہنے لگیں:

یا رسول اللہ! ہم عورتوں سے آپ وہ عہد لے رہے ہیں جو آپ نے مردوں سے نہیں لئے ہیں۔

ہندہ کی صاف دلی...... اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ مردوں سے صرف اسلام اور جہاد پر بیعت لے رہے تھے۔ چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ عورتوں سے بیعت لے رہے تھے اور آپ نے ان کو یہ اقرار کرنے کے لئے کہا کہ تم چوری نہیں کرو گی تو ہندہ نے اسی وقت آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

"خدا کی قسم میں تو ابو سفیان یعنی اپنے شوہر کے مال میں سے کبھی کچھ اور کبھی کچھ بغیر اجازت لے لیا کرتی تھی۔ میں نہیں جانتی تھی کہ آیا یہ حلال ہے یا حرام ہے!"

اس وقت ابو سفیان بھی وہاں موجود تھے وہ بیوی کی یہ بات سنتے ہی اس سے کہنے لگے:

"تم نے گذشتہ زمانے میں جو کچھ میرے مال میں سے لیا وہ تمہارے لئے حلال ہے (یعنی میں اس مال کو اب تمہیں دیتا ہوں) اللہ تعالیٰ بھی تمہیں معاف فرمائے!"

اس بات پر آنحضرت ﷺ ہنس پڑے اور اب آپ ہندہ کو پہچانے (کیونکہ ہندہ نقاب اوڑھے ہوئے تھی) آپ نے اس سے پوچھا۔

ہندہ نے جواب میں عرض کیا۔

"ہاں! اب جو کچھ گذشتہ زمانے میں ہو چکا ہے اسکو معاف فرما دیجئے اللہ تعالیٰ آپ کو بھی معاف فرمائے اے خدا کے نبی!"

اسی طرح عورتوں سے بیعت کے دوران جب آنحضرت ﷺ نے ان سے یہ اقرار لیا کہ تم زنا نہیں کرو گی تو ہندہ نے فوراً آپ سے عرض کیا:

"یا رسول۔ کیا ایک آزاد عورت بھی زنا کیا کرتی ہے؟"

نبی ﷺ سے بیباکانہ باتیں...... پھر جب آنحضرت ﷺ نے بیعت کے دوران فرمایا کہ تم اولاد کو قتل نہیں کرو گی تو ہندہ پھر بول اٹھیں:

"ہماری اولاد جب چھوٹی تھی تو ہم نے ان ننھے ننھے بچوں کو پال پوس کر بڑا کیا تھا مگر جب وہ جوان ہو گئے تو آپ نے انہیں قتل کر دیا۔ ایک روایت میں ہندہ نے یہ الفاظ کہے تھے۔ کیا آپ نے ہماری اولاد میں کوئی چھوڑا جسے بدر کے میدان میں قتل نہ کر دیا ہو۔ ایک روایت کے مطابق ہندہ نے یوں کہا کہ۔ آپ خود بدر کے میدان میں ان کے باپ دادا کو قتل کر چکے ہیں اور اب

ہمیں ان مقتولوں کی اولاد کے متعلق نصیحت کر رہے ہیں!"

عمرؓ کی بیتابانہ ہنسی...... ہندہ کے ان جملوں پر حضرت عمر فاروقؓ ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گئے اور آنحضرت ﷺ مسکرانے لگے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ ہندہ کی ان باتوں پر رسول اللہ ﷺ بھی ہنسنے لگے (کیونکہ ہندہ نے یہ باتیں ایسے ہی لب ولہجہ میں کہی تھیں)۔

اسی طرح جب بیعت کے دوران آنحضرت ﷺ نے عورتوں سے اقرار لینے کے لئے یہ فرمایا کہ تم کسی پر بے بنیاد بہتان اور تہمت نہیں اٹھاؤ گی۔ تو ہندہ پھر بول اٹھی:

"خدا کی قسم کسی پر بہتان باندھنا بڑی ذلیل حرکت ہے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ۔ آپ حقیقت میں ہمیں صرف نیکی اور بلند اخلاق کا حکم دے رہے ہیں!"

(غالباً بہتان تراشی پر ہندہ کا پُرجوش انداز میں یہ کہنا خود اپنے تجربے کی بناء پر بھی تھا کیونکہ جیسا کہ گذشتہ صفحات میں تفصیل بیان ہوئی ہندہ بھی ایسے ہی تلخ حالات اور بے بنیاد بہتان سے دوچار ہو چکی تھی جو ان کے پچھلے شوہر فاکہ نے محض اپنے شبہ کی بناء پر ان پر لگایا تھا)۔

پھر جب آنحضرت ﷺ نے بیعت کے دوران یہ فرمایا کہ۔ تم کسی نیک کام میں میرے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرو گی۔ تو ہندہ سے چپ نہ رہا گیا اور ایک دم بول اٹھیں:

"خدا کی قسم ہم آپ کی مجلس میں آئے ہیں تو اس حالت میں نہیں کہ ہمارے دلوں میں آپ کی نافرمانی اور عدولی کا ذرا سا بھی جذبہ ہو!"

ہندہ کا اسلام اور ہوشیاری...... ایک روایت میں یوں ہے کہ ہندہ بنت عتبہ آنحضرت ﷺ کے پاس ابطح کے مقام پر آئی تھیں اور اس وقت چہرہ پر نقاب ڈالے ہوئے تھیں۔ انہوں نے آتے ہی آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

"میں ایک مومن عورت ہوں اور گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ آپ اللہ کے بندے اور رسول ہیں!"

یہ کہتے ہی انہوں نے چہرہ پر سے نقاب الٹ دیا اور کہا کہ میں ہندہ بنت عتبہ ہوں اس وقت آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "مرحبا۔ تمہیں خوش آمدید ہو"۔

(چونکہ ہندہ نے حضرت حمزہؓ کی لاش کے ناک کان کاٹے تھے اور ان کا جگر نکال کر چبادیا تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان کے قتل کا حکم دے دیا تھا۔ یعنی صحابہ سے فرمادیا تھا کہ ہندہ بنت عتبہ جہاں بھی ملے اسے قتل کر دیا جائے۔ اس لئے ہندہ نقاب میں منہ چھپا کر آنحضرت ﷺ کے پاس آئیں تا کہ آنحضرت ﷺ یا صحابہ میں سے کوئی ان کو دیکھ کر پہچان نہ سکے۔ آپ کے پاس پہنچ کر انہوں نے ایک دم اپنے مومن ہونے کا اقرار کیا اور کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئیں اور پھر خود کو ظاہر کر دیا کیونکہ اب ان کے مسلمان ہونے کے بعد ان کے قتل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ گویا اس طرح ہوشیاری سے انہوں نے اپنی جان بچالی)۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ ان تفصیلات میں کہ ابوسفیان نے ہندہ سے پہلے اسلام قبول کیا تھا اور ہندہ اپنی عدّت کا زمانہ پورا ہونے سے پہلے مسلمان ہو گئی تھیں یعنی ہندہ نے ابوسفیان سے ایک رات بعد اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور نیز مسلمان ہونے کے

بعد دونوں کا اپنے نکاح پر برقرار رہنے کے معاملہ میں امام شافعی کے مسلک کی دلیل موجود ہے۔

نبی کو ھدیہ اور درخواست دعا...... غرض پھر ہندہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک ہدیہ بھیجا جو دو بھنی ہوئی بکریاں تھیں۔ یہ ہدیہ ہندہ نے اپنی ایک باندی کے ہاتھ بھیجا تھا باندی نے آنحضرت ﷺ کے مکان پر پہنچ کر اندر آنے کی اجازت چاہی اور آپ کے اجازت دینے پر اندر آگئی۔ اس وقت آنحضرت ﷺ اپنی ازواج حضرت اُمّ سلمہ اور حضرت میمونہؓ کے پاس تھے جہاں بنی عبدالمطلب کی کچھ عورتیں بھی بیٹھی ہوئی تھیں۔ اس باندی نے آنحضرت ﷺ کے سامنے پہنچ کر عرض کیا:

"میری مالکن آپ سے معافی چاہتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ان کی بکریاں آج کل بہت کم بچے جن رہی ہیں!"

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے ہندہ کی بکریوں کے لئے دعا کرتے ہوئے یہ الفاظ فرمائے:

"اللہ تعالیٰ تمہاری بکریوں میں برکت عطا فرمائے اور ان کی نسل میں افزائش فرمائے!"

چنانچہ اس دعا کا اثر یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعداد بہت بڑھادی یہاں تک کہ یہی باندی کہتی ہیں کہ اس کے بعد ہماری بکریوں میں اس قدر کثرت و برکت ہوئی اور ان کی نسل اس تیزی سے بڑھی کہ اس سے پہلے ہم نے کبھی ایسا نہیں دیکھا تھا۔

ابوسفیان کی کنجوسی اور ہندہ کی تنگی...... ایک دفعہ یہی ہندہ بنت عتبہ جو ابوسفیان کی بیوی تھیں آنحضرت ﷺ کے پاس آکر عرض پیرا ہوئیں:

"یارسول اللہ ابوسفیان بہت بخیل اور کنجوس آدمی ہیں اس لئے اگر میں ابوسفیان کے مال میں سے اپنے گھر والوں کو کھلانے پلانے لگوں تو اس میں میرے لئے کوئی حرج نہیں ہے۔"

حسب ضرورت شوہر کا مال لینے کی اجازت...... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اگر تم ان کو یعنی اپنے بچوں کو نیک اور جائز طور پر کھلاؤ تو اس میں تمہارے لئے کوئی حرج نہیں ہے!"

ایک روایت کے مطابق ہندہ نے آنحضرت ﷺ سے آکر یہ شکایت کی:

"یارسول اللہ! ابوسفیان اگرچہ ایک بہادر آدمی ہیں مگر مجھے اتنا گزارہ نہیں دیتے جس سے میں اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پال سکوں اس لئے مجبوراً مجھے ان کی اطلاع کے بغیر ان کے مال سے اتنا لینا پڑتا ہے جس سے ہمارا گزارہ ہو سکے مگر ابوسفیان کو اس کی خبر نہیں ہوتی۔

آپ نے فرمایا:

"تم رسانیت کے ساتھ اس میں سے اتنا لے سکتی ہو جو تمہاری اور تمہارے بچوں کی ضروریات کے لئے کافی ہو جائے!"

عورتوں سے مصافحہ...... ایک حدیث میں ہے کہ کسی عورت نے رسول اللہ ﷺ نے عرض کیا:

یارسول اللہ! آیئے ہم (آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر) آپ سے بیعت کریں۔

آپ نے فرمایا:

"میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کروں گا میں جو بات سو عورتوں سے کہوں گا وہ ایسی ہی ہوگی جیسے ایک عورت سے کہوں۔ ایک روایت میں یوں ہے۔ ایک ہزار عورتوں کے لئے بھی میرا قول ایسا ہی ہے جیسا ایک عورت کے لئے ہوگا!"

عورتوں کی بیعت کی نوعیت...... (یعنی میں عورتوں کو اس طرح بیعت نہیں کروں گا جس طرح مردوں کو کرتا ہوں کہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس سے بیعت لیتا ہوں بلکہ سب عورتیں ایک ساتھ میرے سامنے بیٹھ جائیں میں ان سے

ایک ہی دفعہ میں زبانی بیعت لوں گا)۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی عورت سے مصافحہ نہیں فرمایا بلکہ آپ زبانی طور پر ان کو بیعت فرماتے تھے۔

علامہ شعبیؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب عورت کو بیعت کی تو آپ کے ہاتھ میں کپڑا تھا (جس کا ایک سرا آپ نے پکڑ رکھا تھا اور دوسرا سرا عورتوں نے پکڑ رکھا تھا)۔

ایک قول ہے کہ بیعت کے لئے آپ نے پانی کے ایک برتن میں ہاتھ ڈال کر بھگویا اور پھر اسی کا عورتوں کو حکم دیا جس پر انہوں نے بھی اسی پانی میں ہاتھ بھگو لئے اور بس یہی ان عورتوں کی بیعت تھی۔ مگر علامہ ابن جوزی کہتے ہیں کہ پہلی روایت ہی زیادہ صحیح اور ثابت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے جو بیعتیں لی ہیں وہ صرف فتح مکہ کے دن ہی کی نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی دوسرے موقعوں پر ان کا ذکر موجود ہے جیسا کہ کتاب التلقیح میں ہے اس سلسلے میں حضرت اُمّ عطیہ کی یہ روایت گزر چکی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو انصاری عورتیں ایک مکان میں جمع ہو گئیں آپ نے ان کے پاس حضرت فاروقؓ کو بھیجا انہوں نے مکان کے دروازے پر کھڑے ہو کر عورتوں کو سلام کیا تو انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے ان سے کہا:

"میں رسول اللہ ﷺ کا قاصد بن کر آپ کے پاس آیا ہوں۔ آنحضرت ﷺ آپ سے اس بات پر بیعت لیتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی شرک نہیں کریں گی!"

اس موقعہ پر حضرت عمرؓ نے قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی تھی:

عَلٰیٓ اَنْ لَّا یُشْرِکْنَ بِاللّٰهِ شَیْئًا وَّلَا یَسْرِقْنَ وَلَا یَزْنِیْنَ وَلَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ۔ (لآیہ پ ۲۸ سورۂ ممتحنہ ع ۲۔ آیت ۱۲)

ترجمہ: آپ ان سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہ بہتان کی اولاد لاویں گی جن کو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان نطفہ شوہر سے جنی ہوئی دعویٰ کر کے بنالیویں اور مشروع باتوں میں آپ کے خلاف نہ کریں گی۔

اس پر ان عورتوں نے کہا۔ ہاں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے باہر سے اپنا ہاتھ بڑھا دیا اور عورتوں نے گھر کے اندر سے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے۔ پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے اللہ تو گواہ رہنا۔

غالباً یہاں عورتوں اور حضرت عمرؓ کے ہاتھوں کے درمیان کوئی کپڑا وغیرہ حائل رہا ہو گا براہ راست عورتوں کے ہاتھ نہیں پکڑے ہوں گے اور اس طرح فتنہ سے مکمل بچاؤ رہا ہو گا۔

عتبہ اور معتب کا اسلام ...... پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ سے فرمایا:

"تمہارے دونوں بھتیجے ابولہب عتبہ اور معتب کہاں ہیں۔ وہ مجھے نظر نہیں پڑے"۔

حضرت عباسؓ نے عرض کیا:

جو قریشی مشرکین کہیں منہ چھپا کر بیٹھ گئے ہیں وہ دونوں بھی ابھی انہیں کے ساتھ کہیں چھپ گئے ہیں"۔

ان کے اسلام پر غیر معمولی خوشی ...... آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ان دونوں کو میرے پاس لے کر آؤ۔

حضرت عباسؓ کہتے ہیں یہ سن کر میں سوار ہوا اور ان دونوں کے پاس گیا اور انہیں لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس آیا۔ آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو وہ دونوں فوراً ہی مسلمان ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ کو ان دونوں کے اسلام قبول کرنے سے بہت خوشی ہوئی اور آپ نے ان کے لئے دعا فرمائی۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کا ہاتھ پکڑا اور انہیں لے کر ملتزم پر تشریف لائے وہاں آپ نے ان کے لئے کچھ دیر دعا فرمائی اور پھر انہیں لے کر واپس اپنی جگہ پر آ گئے۔ اس وقت آنحضرت ﷺ کے چہرۂ مبارک سے خوشی و مسرت پھوٹی پڑ رہی تھی۔ حضرت عباسؓ کہتے ہیں میں نے آپ سے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! خدا آپ کو ہمیشہ خوش رکھے اس وقت تو آپ کے چہرۂ مبارک سے بہت خوشی کا اظہار ہو رہا ہے!"

خوشی کی وجہ...... آپ نے فرمایا:

"میں نے اپنے دونوں چچازاد بھائیوں کو اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے مانگا تھا حق تعالیٰ نے ان دونوں کو مجھے دے دیا ہے!"

مسلمان ہونے کے بعد یہ دونوں یعنی ابولہب عتبہ اور معتب آنحضرت ﷺ کے ساتھ غزوۂ حنین اور غزوۂ طائف میں شریک ہوئے تھے مگر یہ دونوں اسلام قبول کرنے کے بعد مکے سے مدینے نہیں گئے تھے بلکہ یہیں رہتے رہے تھے۔ غزوۂ حنین میں زخمی ہو کر معتب کی ایک آنکھ نکل گئی تھی۔

اللہ کے وعدہ کی تکمیل...... حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میرے پروردگار نے مجھ سے اسی فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا تھا!"

اس کے بعد آپ نے یہ سورت تلاوت فرمائی:

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا۔ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا۔ (الآیات پ ۳۰ سورۂ نصر ع ۱۔ آیات ۱ تا ۳)

ترجمہ: اے محمد ﷺ جب خدا کی مدد اور مکہ کی فتح معہ اپنے آثار کے آ پہنچے یعنی واقعہ ہو جائے اور آثار جو اس پر متفرع ہونے والے ہیں یہ ہیں کہ آپ لوگوں کو اللہ کے دین یعنی اسلام میں جوق در جوق داخل ہوتا ہوا دیکھ لیں تو اپنے رب کی تسبیح و تحمید کیجئے اور اس سے استغفار کی درخواست کیجئے وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

اسی واقعہ کی طرف قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے اپنے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے۔

وَاسْتَجَابَتْ لَهُ بِنَصْرٍ وَ فَتْحٍ
بَعْدَ ذَاكَ الْخَضْرَاءُ وَ الْغَبْرَاءُ

وَتَوَالَتْ لِلْمُصْطَفٰى الآيَةُ الْكُبْرٰى
عَلَيْهِمْ وَ الْغَارَةُ الشَّعْرَاءُ

وَإِذَا مَاتَلَا كِتَاباً مِنَ اللّٰهِ
تَلَتْهُ كَتِيبَةٌ خَضْرَاءُ

آسمان وزمین میں بول بالا...... مطلب۔رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی جو دعوت دی اس کو بلند و پست سب لوگوں نے قبول کیا۔ شعر میں بلند کے لئے خضراء کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو آسمان ہے (کیونکہ خضراء کے معنی نیلگوں کے ہیں جو آسمان کا رنگ ہے) کہا جاتا ہے کہ دراصل آسمان دنیا کا رنگ دودھ کی طرح بالکل صاف اور سفید ہے اور اس میں جو نیلگونی نظر آتی ہے وہ اس نیلگوں پہاڑ کی وجہ سے ہے جو زمین کے نیچے ہے (شاید مراد یہ ہے کہ اس پہاڑ کا عکس آسمان کو نیلگوں بنا کر پیش کرتا ہے)۔

پھر پہلے شعر کے دوسرے مصرعہ میں خضراء کے بعد لفظ غبراء ہے۔ پستی سے غبراء کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ غبراء زمین کو کہتے ہیں۔ غبراء اصل میں مٹی اور غبار کو کہتے ہیں چونکہ زمین کے تمام طبقے مٹی کے بنے ہیں اس لئے زمین کے واسطے غبراء کا لفظ استعمال کر لیا جاتا ہے۔

غرض مطلب یہ ہے کہ سب نے آپ کی دعوت قبول کی اور رسول اللہ ﷺ کو اپنے دشمنوں کے مقابلے میں زبردست امداد غیبی حاصل ہوئی۔ اس کے نتیجہ میں آپ کو دشمنوں کے علاقوں اور شہروں پر فتح حاصل ہوئی حالانکہ اس سے پہلے خود آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کمزور تھے کہ نہ ان کے پاس طاقت وقوت تھی اور نہ ان کی تعداد ہی کافی تھی۔ اس کے مقابلے میں دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی اور وہ دل سے مسلمانوں کو تکلیفیں پہنچانے کا فیصلہ کئے ہوئے تھے۔ اس طرح مسلسل اور پیہم ایسی علامتیں ظاہر ہوتی گئیں جن سے آنحضرت ﷺ کی نبوت کی سچائی ثابت ہوتی تھی۔ اسی طرح دشمنوں پر آنحضرت ﷺ کے حملے بھی برابر جاری ہے جن کے ذریعے آپ نے مشرکین کو ہر طرف سے گھیر لیا تھا۔

حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ طواف سے فارغ ہوئے تو آپ نے عثمان ابن طلحہ کو بلایا۔ یہ حضرت عثمان ابن طلحہ وہی ہیں جو فتح مکہ سے پہلے حضرت خالد ابن ولید اور حضرت عمرو ابن عاص کے ساتھ ہجرت کر کے مدینے میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور مسلمان ہو گئے تھے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ اس کے بعد یہ مدینے ہی میں رہتے رہے یہاں تک کہ پھر فتح مکہ کے وقت عثمان ابن طلحہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ مکے آئے۔

عثمان ابن طلحہ ......اب اس تفصیل سے اس گذشتہ روایت کی تردید ہو جاتی ہے جو قریب میں گزری ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن حضرت علیؓ کو بھیجا تا کہ وہ عثمان ابن طلحہ کے پاس جا کر ان سے کعبہ کی چابی مانگ لائیں مگر عثمان نے ان کو چابی دینے سے انکار کر دیا تھا اور کہا تھا کہ اگر میں یہ سمجھتا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں تو چابیاں ان کے حوالے کرنے سے انکار نہ کرتا۔ مگر اس پر حضرت علیؓ نے عثمان کا ہاتھ مروڑ کر زبردستی ان سے چابیاں چھین لیں اور پھر کعبہ کا دروازہ کھول دیا۔

امانتوں کو واپسی کا حکم...... نیز اس روایت کی بھی تردید ہو جاتی ہے کہ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (لآیہ پ۵ سورۂ نساء ع۸۔ آیت ۵۸)

ترجمہ: بے شک تم کو اللہ تعالیٰ اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ اہل حقوق کو ان کے حقوق پہنچا دیا کرو۔

تو رسول اللہ ﷺ نے عثمان ابن طلحہ پر عنایت و مہربانی فرماتے ہوئے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ وہ چابیاں عثمان کو واپس دے دیں چنانچہ حضرت علیؓ ان کی دلداری کے لئے کنجیاں لے کر عثمان کے پاس پہنچے تو عثمان نے ان سے کہا:

"پہلے تم نے زور زبردستی اور ایذاء رسانی کی اور اب رحم و مہربانی کرنے آئے ہو!"

حضرت علیؓ نے فرمایا:

"اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ کنجیاں تمہیں واپس کر دیں!"

اس پر حضرت عثمان ابن طلحہ مسلمان ہو گئے۔

غرض پھر جب طواف سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے عثمان کو بلایا اور وہ آ گئے تو آپ نے ان سے کعبہ کی کنجیاں لیں۔ وہ کہتے ہیں میں نے آپ کے لئے کعبہ کا دروازہ کھولا اور آپ اس میں داخل ہو گئے مگر پھر آپ کعبہ کے دروازے میں رک گئے اور آپ نے یہ کلمات کہے:

''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جو تنہا ہے جس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا' اپنے بندہ کی مدد و نصرت فرمائی اور جس نے تمام احزاب یعنی گروہوں کو اکیلے ہی شکست دے دی!''

در کعبہ سے احکام اسلام...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا جس میں کچھ احکام و مسائل بیان فرمائے۔

ان میں سے ایک حکم یہ تھا کہ کوئی مسلمان کسی کافر کے قتل کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

دوسرے یہ کہ دو مختلف مذہبوں کے درمیان وراثت جاری نہیں ہو سکتی۔

تیسرے یہ کہ کسی عورت کو نہ ایسے شخص سے نکاح کرنا جائز ہے جس کے نکاح میں پہلے سے ایسی عورت کی پھوپھی موجود ہے اور نہ ایسے شخص سے نکاح کرنا جائز ہے جس کے گھر میں اس عورت کی خالہ موجود ہو۔

چوتھے یہ کہ کسی مقدمہ میں دعویٰ کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ گواہ پیش کرے اور اس دعویٰ کا انکار کرنے والے یعنی مدعا علیہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ حلف اٹھائے۔

پانچویں یہ کہ کسی عورت کو تین رات کی مسافت کا سفر بغیر محرم کے کرنا جائز نہیں ہے۔

چھٹے یہ کہ عصر کی نماز کے بعد کوئی نماز پڑھنی جائز نہیں ہے۔ (یعنی غروب آفتاب تک نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے) اسی طرح صبح کی نماز کے بعد (طلوع آفتاب تک) کوئی نماز پڑھنی جائز نہیں ہے۔

ساتویں یہ کہ نہ بقر عید کے دن روزہ رکھنا جائز ہے اور نہ عید الفطر کے دن روزہ جائز ہے۔

جاہلی فخر و غرور کا خاتمہ...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اے گروہ قریش! اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں سے جاہلیت کے زمانے کا کبر و نخوت اور باپ دادا پر فخر کرنے کا جذبہ ختم فرما دیا ہے۔ تمام انسان آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ خاک کا پتلا اور مٹی سے بنے ہوئے ہیں''

اس کے بعد آپ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا ط إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ ط إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ۔ (الآیہ پ ۲۶ سورۃ حجرات ع ۲۔ آیت ۱۳)

ترجمہ: اے لوگوں ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ اللہ خوب جاننے والا پورا خبردار ہے۔

قریش کے فیصلہ کے لئے ان ہی سے سوال...... اس کے بعد آپ نے حاضرین کو خطاب کر کے فرمایا:

''اے گروہ قریش! تمہارا کیا خیال ہے۔ ایک روایت میں الفاظ ہیں کہ۔ تم کیا کہتے ہو اور کیا سوچتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا؟''۔

لوگوں نے کہا:

"بھلائی کا۔ آپ ایک نیک سرشت بھائی ہیں اور نیک طینت بھائی کے بیٹے ہیں حالانکہ آپ کو قابو حاصل ہو چکا ہے!"

ایک روایت میں یوں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کعبہ سے نکلے تو آپ نے اپنا ہاتھ کعبہ کی دونوں چوکھٹوں پر رکھا اور پھر فرمایا: "تم لوگ کیا کہتے ہو اور تمہارے خیال میں تمہارے ساتھ اب کیا سلوک کروں گا؟"۔

لوگوں نے کہا خیر اور بھلائی کا ہی خیال کرتے ہیں۔ اسی وقت سہیل ابن عمرو بولے:

ہم آپ کے متعلق کلمہ خیر ہی کہتے ہیں اور آپ سے خیر کا ہی گمان کرتے ہیں۔ آپ ایک شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں حالانکہ اس وقت آپ کو قابو حاصل ہو چکا ہے!"

عام معافی...... اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میں تم سے وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا کہ تم پر آج کوئی عتاب اور ملامت نہیں ہے"۔

ایک روایت میں آنحضرت ﷺ کے الفاظ اس طرح ہیں:

"تو پھر میں تم سے وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسفؑ نے کہا تھا کہ۔ آج تم پر کوئی عتاب اور تم سے کوئی باز پرس نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمائے جو سب سے بڑا رحم کرنے والا اور بڑا مہربان ہے۔ جاؤ تم سب کے سب آزاد ہو!"

یعنی ان سب لوگوں کو جو قابو میں آئے تھے چھوڑ دیا گیا غلام نہیں بنایا گیا اور نہ ان کے اوپر بڑائی جتائی گئی۔ روایت میں آزاد کے لئے طلقاء کا لفظ استعمال ہوا جو طلیق کی جمع ہے طلیق اصل میں آزاد کئے ہوئے قیدی کو کہتے ہیں۔

اجتماعی اسلام...... غرض یہ سنتے ہی مشرکین اور قریش مکہ ایک دم نکل کر باہر آئے تو ایسا لگتا تھا جیسے دوبارہ زندہ ہو کر اپنی قبروں سے نکلتے ہوئے آرہے ہیں۔ (پھر ناامیدی اور بے کسی کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کے حسن معاملہ اور اس نیک سلوک کا یہ اثر ہوا کہ) وہ سب ہی آغوش اسلام میں داخل ہو گئے۔

عثمان سے کلید کعبہ کی طلبی...... کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب طواف سے فارغ ہوئے تو آپ نے حضرت بلالؓ حبشی کو عثمان ابن طلحہ کے پاس بھیجا کہ ان سے کعبہ کی کنجیاں لے کر آئیں چنانچہ حضرت بلالؓ عثمان کے پاس پہنچے اور ان سے کنجیاں مانگیں۔ عثمان نے کہا کہ کنجیاں تو میری والدہ کے پاس ہیں۔ حضرت بلالؓ یہ جواب لے کر واپس آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو بتلایا کہ کعبہ کی کنجیاں عثمان کے پاس نہیں ہیں بلکہ وہ ان کی والدہ کے پاس ہیں۔

اب آنحضرت ﷺ نے قاصد کو عثمان ابن طلحہ کی والدہ کے پاس بھیجا جس نے جا کر اس سے کنجیاں طلب کیں۔ اس نے کہا:

"لات وعزیٰ کی قسم میں ہرگز بھی چابیاں نہیں دوں گی!"

(اس وقت خود عثمان ابن طلحہ آنحضرت ﷺ کے پاس آگئے تھے) انہوں نے ماں کا انکار سن کر آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! مجھے بھیجئے تاکہ میں اپنی ماں سے کسی طرح چابیاں حاصل کر کے لے آؤں!"

عثمان کا ماں سے سوال...... آنحضرت ﷺ نے ان کو بھیج دیا انہوں نے ماں کے پاس پہنچ کر اس سے چابیاں مانگیں تو اس نے پھر انکار کر دیا اور کہا نہیں لات وعزیٰ کی قسم میں کسی حالت میں بھی چابیاں تیرے حوالے نہیں کروں گی۔ ماں کی ضد دیکھ کر عثمان نے کہا:

"ماں۔ چابیاں حوالے کر دو کیونکہ اب صورتحال پہلے جیسی نہیں ہے بلکہ بدل چکی ہے۔ اگر تم چابیاں نہیں دو گی تو میں اور

میرا بھائی دونوں قتل کر دیئے جائیں گے اور اس وقت ہمارے سوا کوئی اور شخص آکر تم سے زبردستی کنجیاں چھین لے جائے گا!"

ماں کی ضد...... مگر اس عورت نے یہ سنتے ہی کنجیاں اپنی گود میں کپڑوں کے اندر یعنی ٹانگوں کے بیچ میں رکھ لیں۔ پھر کہنے لگی:

"کون شخص ہے جو یہاں ہاتھ داخل کر کے کنجیاں لینے کی کوشش کرے گا!"

اس کے بعد اس نے عثمان کو پھنکارتے ہوئے کہا۔

"میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں کہ اپنی قوم کی عزت تو خود اپنے ہاتھوں سے مت گنوا!"

ابو بکرؓ و عمرؓ کی آمد اور کنجیوں کی حوالگی...... یہاں تو یہ کشمکش جاری تھی اور ادھر رسول اللہ ﷺ حرم میں کھڑے ہوئے چابیوں کا انتظار فرما رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہاں کھڑے کھڑے آپ پسینے میں شرابور ہو گئے۔ آخر جب کہ عثمان اپنے گھر میں کنجیاں حاصل کرنے کے لئے ماں سے الجھ رہے تھے اچانک گھر میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر فاروق کی آواز سنی گئی۔ حضرت عمرؓ چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے۔ عثمان باہر نکلو۔ یہ صورت حال دیکھ کر عثمان کی ماں (کو گھبراہٹ ہوئی اور اس) نے بیٹے سے کہا:

"بیٹا۔ یہ کنجیاں لو۔ میرے نزدیک یہی بہتر ہے کہ کنجیاں تم لو بہ نسبت اس کے کہ تیم و عدی (کے قبیلوں کے لوگ) یعنی ابو بکر و عمر مجھ سے چھینیں!"

حضرت عثمان نے فوراً کنجیاں لیں اور باہر نکلے یہاں سے وہ آنحضرت ﷺ کی طرف چلے یہاں تک کہ جب آنحضرت ﷺ کے قریب پہنچے تو اچانک وہ لڑکھڑائے اور ان کے ہاتھ سے چابیاں گر گئیں آنحضرت ﷺ فوراً کنجیوں کی طرف بڑھے اور جھک کر انہیں اٹھا لیا۔

ایک روایت کے مطابق عثمان ابن طلحہ کہتے ہیں کہ حرم پہنچ کر میں بھی خوشی خوشی آپ کے سامنے آیا اور آپ نے بھی خوش بخوش میرا استقبال کیا پھر آپ نے مجھ سے کنجیاں لیں اور کعبہ کا دروازہ کھولا ایک روایت میں ہے کہ عثمان نے آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ کر کہا کہ یہ کنجیاں لیجئے جو اللہ تعالیٰ کی امانت تھیں۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ جب عثمان کی والدہ نے کنجیاں دینے سے انکار کر دیا تو عثمان نے ماں سے کہا:

"خدا کی قسم یا تو تم کنجیاں میرے حوالے کر دو ورنہ میں کندھے سے اپنی تلوار اتارتا ہوں!"

ماں نے جب بیٹے کے یہ تیور دیکھے تو چپکے سے کنجیاں انہیں پکڑا دیں۔ عثمان کنجیاں لے کر آئے اور آنحضرت ﷺ کے لئے کعبہ کا دروازہ کھولا۔

ان روایات میں جو اختلاف ہے اسے دور کرنے اور ان کے درمیان موافقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے بشرطیکہ ان تمام روایات کو درست مانا جائے۔

کلید کعبہ کے لئے علیؓ کی درخواست...... غرض عثمان ابن طلحہ سے کعبہ کی کنجیاں لینے کے بعد آنحضرت ﷺ مسجد حرام میں بیٹھ گئے۔ کعبہ کی کنجیاں اس وقت بھی آپ کے ہاتھ میں آستین کے اندر تھیں۔ اسی وقت حضرت علیؓ ابن ابو طالب آپ کے سامنے کھڑے ہوئے اور کہنے لگے:

"یا رسول اللہ! ہمیں۔ اور ایک روایت کے مطابق۔ مجھے حرم کے منصب سقایت یعنی حجاج کے لئے پانی کی فراہمی کی خدمت کے ساتھ حجابت یعنی کعبہ کی کلید برداری بھی دے دیجئے اللہ تعالیٰ آپ پر درود و سلام فرمائے!"

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے منصب سقایت ہمیشہ سے بنی ہاشم کے پاس ہی تھی اور منصب حجابت یعنی کعبہ کو کھولنے بند کرنے

کی خدمت بنی عبداللہ کے خاندان میں تھی۔ یہ منصب بہت بڑے اعزاز تھے جنہیں ہر خاندان جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا مگر چونکہ فتح مکہ کے بعد حالات بدل گئے تھے اور اسلام کی اور اس فتح کی وجہ سے کل اختیارات صرف آنحضرت ﷺ کے ہاتھ میں آگئے تھے۔ آپ نے عثمان ابن طلحہ سے بیت اللہ کی کنجیاں منگائیں تو انہوں نے فوراً لاکر پیش کردیں۔ ان حالات میں حضرت علیؓ نے چاہا کہ کعبہ کی کلید برداری کا یہ عظیم منصب بھی ہمارے خاندان یعنی بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے پاس آجائے اور سقایت و حجابت دونوں اعزاز ہمیں ہی حاصل ہوجائیں کیونکہ اس وقت یہ بات آنحضرت ﷺ کے اختیار میں ہے کہ آپ کعبہ کی کنجیاں جس کے چاہیں حوالے کرسکتے ہیں)۔

بنی ہاشم کو ایثار کی تلقین...... مگر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میں تمہیں یعنی اپنے خاندان کو وہ منصب اور عہدہ دوں گا جس میں تم لوگوں کو اپنا مال خرچ کرنا پڑے جو منصب سقایت ہے۔ ایسا عہدہ نہیں دوں گا جس کے ذریعہ لوگوں کا مال خود تمہیں حاصل ہو۔ جو منصب حجابت ہے۔ اور ایسا تمہارے شرف اور عزت و مرتبہ کی وجہ سے کروں گا۔

(یعنی منصب سقایت میں چونکہ حاجیوں کے لئے پانی فراہم کرنا پڑتا ہے اس لئے اس میں خود اس منصب داروں کا مال و دولت خرچ ہوتا ہے جب کہ کعبہ کی کلید برداری اور اندر داخلہ و زیارت میں کچھ خرچ نہیں ہوتا بلکہ خود لوگ کعبہ کے مجاور کی حیثیت سے اس کے منصب داروں کو نذرانہ پیش کرتے ہیں)۔

یوم وفا...... ایک روایت میں ہے کہ ایک دن حضرت عباسؓ نے بنی ہاشم کے کچھ لوگوں میں بیٹھ کر کعبہ کی کنجیاں حاصل کرنے کے لئے بڑی دیر باتیں اور جستجو کی۔ ان لوگوں میں حضرت علیؓ بھی تھے (جب رسول اللہ ﷺ کو اس کا پتہ چلا تو) آپ نے پوچھا کہ عثمان ابن طلحہ کہاں ہیں؟ اس پر عثمان کو بلایا گیا تو آپ نے ان کو کعبہ کی کنجیاں واپس کرتے ہوئے فرمایا:

"لو عثمان یہ تمہاری چابیاں ہیں۔ آج کا دن نیکی اور وفاداری کا دن ہے!"

قرآن پاک کی جو یہ آیت ہے کہ۔ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا جو پیچھے ذکر ہوچکی ہے اس کے متعلق ایک قول ہے کہ یہ آیت حضرت عثمان ابن طلحہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

غرض رسول اللہ ﷺ نے چابیاں حضرت عثمان ابن طلحہ کے حوالے کردیں۔ اس سے پہلے حضرت علی یہ کنجیاں اپنے قبضے میں لے چکے تھے اور پھر انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا تھا کہ یارسول اللہ ﷺ ہمیں یعنی بنی ہاشم کو منصب سقایہ کے ساتھ ساتھ منصب حجابت بھی عنایت فرمادیجئے مگر آنحضرت ﷺ نے اس کے جواب میں حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم نے ناروا اور تکلیف دہ بات کہی ہے پھر آپ نے علیؓ کو حکم دیا کہ کنجیاں عثمان ابن طلحہ کو لوٹادیں اور ان سے معافی چاہیں۔ آپ نے اسی گذشتہ آیت کے متعلق حضرت علیؓ سے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے تمہارے متعلق یہ وحی نازل فرمائی ہے"۔

یعنی یہ وحی اس وقت نازل ہوئی جب کہ آنحضرت ﷺ کعبہ کے اندر تھے۔ پھر آپ نے یہ آیت ان کو پڑھ کر سنائی جس پر حضرت علیؓ نے کنجیاں واپس کردیں۔ اب اس روایت کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ نے کعبہ کی کنجیاں اس نیت سے حاصل کی تھیں کہ انہیں عثمان ابن طلحہ کو واپس نہیں کریں گے۔ مگر جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے ان کو کنجیاں واپس کرنے کا حکم دیا۔

چاہِ زمزم کے حوض..... جہاں تک سقایہ کا تعلق ہے تو اس بارے میں پیچھے گزر چکا ہے کہ یہ کچھ حوضیں تھیں جن میں حاجیوں کو پلانے کے لئے میٹھا پانی لا کر جمع کیا جاتا تھا (یعنی حج کے موسم میں ان حوضوں کو بھر دیا جاتا تھا) اور پھر کبھی کبھی اس پانی میں چھوہارے اور کشمش بھی ڈال دی جاتی تھی۔

علامہ ازرقی نے لکھا ہے کہ چاہ زمزم کی دو حوضیں تھیں ایک حوض تو زمزم اور رکن یمانی کے درمیان تھی اس حوض کا پانی تو پینے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا اور دوسری حوض اس کے پیچھے تھی جس کا پانی وضو کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ غالباً یہ صورت حال فتح مکہ کے بعد ہوئی۔

منصب سقایہ اور بنی ہاشم..... حضرت عباسؓ نے اپنے والد عبدالمطلب کی وفات کے بعد منصب سقایہ کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا پھر خود حضرت عباس کی وفات کے بعد یہ خدمت ان کے بیٹے حضرت عبداللہ ابن عباس کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تھی۔

اس سلسلے میں محمدؒ ابن حنفیہ نے حضرت عبداللہؓ سے گفتگو کی تھی اور منصب سقایہ خود لینے کی کوشش کی تھی۔ محمد ابن حنفیہ حضرت علیؓ کے بیٹے تھے) اس پر حضرت عباس نے ان سے کہا:

"تمہارا اس سے کیا واسطہ۔! اس کے صحیح حقدار اور مستحق تو جاہلیت کے زمانے میں بھی ہم ہی تھے اور اب اسلام کے زمانے میں بھی ہم ہی ہیں۔ اپنے والد عبدالمطلب کے انتقال کے بعد عباس نے اس منصب کو خود سنبھال لیا تھا اور پھر فتح مکہ کے وقت رسول اللہ ﷺ نے ضابطہ میں بھی یہ منصب عباسؓ کے سپرد فرما دیا تھا!"

کلید برداری ہمیشہ کے لئے بنی طلحہ میں!..... جہاں تک منصب حجابہ یعنی کعبہ کی کلید برداری کا تعلق ہے تو یہ خدمت عثمان ابن طلحہ سے متعلق رہی اور ان کے آخری وقت تک کعبہ کی کنجی ان ہی کے پاس تھی پھر جب ان کا آخیر وقت آ گیا اور خود ان کے کوئی جانشین نہیں تھا تو انہوں نے یہ کنجی اپنے بھائی شیبہ کے حوالے کر دی ان ہی کے بعد سے ان کی اولاد کو شیبی کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ کعبہ کی کنجی رسول اللہ ﷺ نے عثمان ابن طلحہ اور ان کے چچازاد بھائی شیبہ کے سپرد فرمائی تھی۔ اس موقعہ پر آپ نے ان دونوں سے فرمایا تھا:

"اے بنی طلحہ! یہ کنجی تم لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے لو اب سوائے ظالم کے تم سے کبھی کوئی شخص یہ کنجی نہیں لے سکے گا!"

(یعنی اب یہ کنجی ہمیشہ کیلئے تمہارے خاندان کو دی گئی اور نسل در نسل یہ تمہارے ہی خاندان میں رہے گی) جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ شیبہ ابن عثمان ابن ابو طلحہ حضرت عثمان ابن طلحہ ابن ابو طلحہ کے چچازاد بھائی تھے تو یہ بات حافظ ابن حجر کے قول کے مطابق ہے کہ شیبیوں کی نسبت شیبہ ابن عثمان ابن ابو طلحہ کی طرف ہے جو حضرت عثمان ابن طلحہ ابن ابو طلحہ کے چچازاد بھائی تھی یعنی ابو طلحہ کے دو بیٹے تھے ایک عثمان اور دوسرے طلحہ۔ عثمان کے بیٹے تو شیبہ ہیں اور طلحہ کے بیٹے عثمان ہیں۔

ادھر علامہ ابن جوزی نے بھی اسی کے مطابق بات کہی ہے کہ جب عثمان ابن طلحہ نے مدینے کو ہجرت کی اور ۸ھ میں مسلمان ہوئے تو پھر وہ مدینے میں ہی قیام پذیر ہو گئے تھے یہاں کہ پھر وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ فتح مکہ کے لئے روانہ ہوئے۔ یہ بات گزر چکی ہے کہ فتح مکہ کے بعد حضرت عثمان پھر آنحضرت ﷺ کے ساتھ مدینہ ہی آ گئے تھے اور اس کے بعد آنحضرت ﷺ کی وفات تک وہیں رہے۔

جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی تو عثمان ابن طلحہ مدینہ سے پھر واپس مکہ آ گئے اور اسکے بعد وہیں رہے یہاں تک کہ

وفات پاگئے' حضرت عثمان ابن طلحہ کی وفات حضرت امیر معاویہؓ ابن ابوسفیان کی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں ہوئی۔

کلیدِ کعبہ کے لئے عباس کی خواہش...... غرض اس کے بعد کعبہ کو کھولنے کی خدمت مستقل طور پر حضرت عثمان ابن طلحہ کے پاس ہی رہی یہاں تک کہ جب آن کا آخر وقت آگیا تو انہوں نے کعبہ کی کنجی شیبہ ابن عثمان ابن ابو طلحہ کے سپرد کر دی جو عثمان کے چچازاد بھائی تھے۔ اس کے بعد سے منصب حجابہ یعنی کعبہ کو کھولنے بند کرنے کی خدمت شیبہ کی اولاد میں ہی قائم ہے۔

یہ حضرت عثمان ابن طلحہ درزی اور خیاطی کا کام کرتے تھے جو رسول خدا حضرت ادریسؑ کا پیشہ تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان کو بلوایا تو ان سے فرمایا کہ کعبہ کی کنجی مجھے دکھلاؤ چنانچہ وہ کنجی لے کر آئے مگر جب انہوں نے کنجی دکھانے کے لئے اپنا ہاتھ پھیلایا تو حضرت عباس اٹھے اور رسول اللہ ﷺ سے کہنے لگے کہ یارسول اللہ! منصب سقایہ کے ساتھ ساتھ یہ منصب حجابہ بھی مجھے ہی عنایت فرما دیجئے۔

یہ سنتے ہی عثمان ابن طلحہ نے فوراً اپنا ہاتھ کھینچ لیا جس میں کنجی تھی۔ آپ نے ان سے پھر فرمایا کہ مجھے کنجی دکھلاؤ تو انہوں نے پھر کنجی دینے کے لئے اپنا ہاتھ پھیلایا۔ حضرت عباس نے پھر اپنی وہی بات دہرائی جس پر عثمان نے پھر اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ آخر رسول اللہ ﷺ نے عثمان ابن طلحہ سے فرمایا:

"عثمان! اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو کنجی مجھے دے دو!"

حضرت عثمانؓ نے اس وقت کنجی آپ کے سپرد کرتے ہوئے عرض کیا:

"یہ لیجئے اور اللہ کی امانت کے طور پر رکھئے!"

غالباً یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کے کعبہ میں داخل ہونے سے پہلے کا ہے۔ لہٰذا یوں کہنا چاہئے کہ حضرت عباسؓ کی یہ درخواست دو مرتبہ ہوئی کہ کعبہ کی کنجی بھی ان کو مل جانی چاہئے۔ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے کعبہ میں داخلہ سے پہلے اور دوسری مرتبہ آپ کے داخلہ کے بعد ہوئی۔

اللہ کا فیصلہ...... ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عثمان سے فرمایا کہ کنجی میرے پاس لے کر آؤ عثمان کہتے ہیں میں کنجی لایا اور آپ نے اسے لے لیا مگر وہ پھر مجھے ہی واپس دے دی اور فرمایا کہ لو تم ہی لوگ اس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رکھو اب سوائے کسی ظالم آدمی کے یہ کنجی تم سے کوئی نہیں چھین سکتا۔

ایک روایت کے مطابق آپ نے یہ بھی فرمایا:

"اللہ تعالیٰ اس پر راضی ہے کہ یہ کنجی جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں تمہارے ہی پاس رہے۔ یہ کنجی تمہیں میں نہیں دے رہا ہوں بلکہ اللہ ہی نے تمہیں دی ہے اور اب اسے تمہارے ہاتھوں سے سوائے ظالم کے کوئی نہیں چھین سکتا"۔

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ۔ اب اس کو تم سے لینے کے لئے سوائے کافر کے کوئی شخص ظلم نہیں کر سکتا!"

ممکن ہے یہ صورت اس واقعہ کے بعد ہوئی جب آنحضرت ﷺ کے حکم پر حضرت علیؓ نے کنجی عثمان کے حوالے کی تھی (یعنی اس وقت تو آپ نے حضرت علیؓ سے عثمان کی کنجی دلا دی مگر پھر آپ نے عثمان سے کہہ کر کنجی منگائی اور ان سے لے کر پھر انہیں دی) گویا آنحضرت ﷺ کی خواہش تھی کہ یہ امانت آپ خود اپنے دست مبارک سے عثمان کے حوالے کر دیں جس میں کسی دوسرے کا واسطہ نہ ہو۔

پھر آپ نے عثمان ابن طلحہ سے فرمایا:

"عثمان! اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے گھر کا امین اور محافظ بنایا ہے' اب اس گھر سے تمہیں جائز طریقہ پر جو کچھ ملے اسے کھاؤ پیو"۔

نبی کی پیشنگوئی کی تکمیل...... عثمان کہتے ہیں کہ اس کے بعد جب میں آپ کے پاس سے واپس ہونے لگا تو آنحضرت ﷺ نے پھر مجھے آواز دی۔ میں واپس آیا تو آپ نے فرمایا:

"کیا یہ وہی بات نہیں ہے جو میں تم سے پہلے ہی کہہ چکا تھا۔"

عثمان کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد پر مجھے وہ بات یاد آئی جو آنحضرت ﷺ نے اپنی ہجرت سے پہلے ایک دفعہ مکہ میں ہی مجھ سے فرمائی تھی۔ اس وقت آپ صحابہ کے ساتھ بیت اللہ کے اندر داخل ہونا چاہتے تھے اس زمانے یعنی جاہلیت کے دور میں ہم لوگ بیت اللہ کو پیر اور جمعرات کے دن کھولا کرتے تھے۔ غرض اس وقت جب آنحضرت ﷺ نے بیت اللہ کے اندر داخل ہونا چاہا تو میں آپ پر سخت غصہ ہوا اور میں نے آپ کو بہت برا بھلا کہتے ہوئے اندر جانے سے روک دیا مگر آنحضرت ﷺ نے اس کے باوجود بھی کسی گرانی کا اظہار نہیں کیا بلکہ مجھ سے فرمایا:

"عثمان! عنقریب ایک دن تم دیکھو گے کہ یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جسے چاہوں گا سپرد کردوں گا!"

میں نے آپ کی یہ بات سن کر کہا:

"اس دن یقیناً قریش ہلاک و برباد اور ذلیل ہو چکے ہوں گے!"

آپ نے فرمایا:

"نہیں بلکہ اس دن قریش آباد و شادکام اور سربلند ہو جائیں گے!"

اسی وقت آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد میرے دل میں جم گیا تھا اور میں نے سمجھ لیا تھا کہ انجام کار ایسا ہی ہوگا جیسا آنحضرت ﷺ نے فرمادیا ہے (یعنی عثمان ابن طلحہ کو باوجود کافر ہونے کے اس بات کا یقین تو اسی وقت ہو گیا تھا مگر وہ اس کے باوجود اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ وہ مسلمان اس واقعہ کے کئی برس بعد ہوئے)۔

اذان بلالؓ اور قریش کے جذبات...... غرض عثمان کہتے ہیں کہ اب آنحضرت ﷺ نے جب مجھے وہ بات یاد دلائی تو میں نے کہا بے شک۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں ایک روایت میں یوں ہے کہ اس دن آنحضرت ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے آپ کے ساتھ حضرت بلالؓ بھی تھے آپ نے ان کو حکم دیا کہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر ظہر کی اذان دیں۔ اس وقت ابوسفیان' عتاب ابن اسید یا خالد ابن اسید اور حرث ابن ہشام بیت اللہ کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے اس حکم پر عتاب ابن اسید یا خالد ابن اسید نے اپنے باپ اسید کے متعلق کہا:

"اللہ نے اسید کو یہ عزت دی کہ وہ آج اس غلام یعنی بلال کو اذان دیتے نہیں سنیں گے اور (اگر وہ زندہ ہوتے تو) آج انہیں بھی یہ ناخوشگوار کلمات سننے پڑتے!"

یہ حرث ابن ہشام نے کہا:

"خدا کی قسم اگر میں جانتا کہ یہ سچے ہیں تو یقیناً ان کی پیروی اختیار کرلیتا"

بلالؓ پر تبصرے......ایک روایت کے مطابق حرث نے حضرت بلال حبشیؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"کیا محمد ﷺ کو اس کالے کوے کے سوا کوئی مؤذن نہیں ملتا تھا!"

بہر حال اس سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا ممکن ہے حرث نے یہ دونوں ہی باتیں کہی ہوں۔ عمرہ قضا کے بیان میں بھی ایسا

ہی ایک واقعہ گذر چکا ہے کہ اس وقت بھی جب حضرت بلال حبشیؓ نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی تھی تو قریش کی ایک جماعت نے اسی قسم کی بات کہی تھی۔

اسی طرح فتح مکہ کے موقعہ پر ہی ایک دوسرے قریشی نے حضرت بلالؓ کو اذان دیتے ہوئے دیکھ کر کہا:

"اللہ نے فلاں یعنی میرے باپ کو یہ عزت دی کہ انہیں پہلے ہی دنیا سے اٹھالیا ورنہ آپ وہ بھی اس کالے بھجنگ کو کعبہ کی چھت پر چڑھا ہوا دیکھتے"۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ "خدا کی قسم یہ بہت بڑا انقلاب ہے کہ آج بنی جمح کا یہ غلام کعبہ کی چھت پر چڑھا ہوا گدھے کی طرح ہینک رہا ہے!"

ابوسفیان کا بولنے سے خوف...... ابوسفیان جو اس وقت مسلمان ہو چکے تھے کہنے لگے:

"میں کچھ نہیں بولوں گا کیونکہ اگر میں ایک لفظ بھی کہوں گا تو یہ کنکریاں ہی جا کر محمد کو خبر دے دیں گی!"

آنحضرت ﷺ کو آسمانی اطلاع...... (یعنی ہم کچھ بھی بات کریں محمد ﷺ کو فوراً خبر ہو جاتی ہے اس لئے میں کچھ تبصرہ نہیں کروں گا) ابھی یہ لوگ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ میں سے نکل کر ان کی طرف تشریف لائے اور فرمایا کہ تم لوگوں نے ابھی جو کچھ کہا ہے اس کا مجھے علم ہو چکا ہے۔ اس کے بعد آپ نے ان لوگوں کی کہی ہوئی باتیں ان کے سامنے دہرائیں اور فرمایا:

"اے فلاں۔ تم نے تو یہ کہا۔ اور تم نے اے فلاں یہ کہا۔ اور تم نے اے فلاں یہ کہا!"

اس پر فوراً ابوسفیان نے عرض کیا:

"جہاں تک میرا تعلق ہے تو یا رسول اللہ ﷺ میں نے کچھ نہیں کہا۔"

توفیق اسلام...... یہ سن کر رسول اللہ ﷺ ہنسنے لگے۔ اسی وقت ان سب قریشیوں نے جن میں سوائے ابوسفیان کے باقی سب مشرک تھے کہا:

"ہم لوگ گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ خدا کی قسم ہماری ان باتوں کی ہمارے سوا کسی کو خبر نہیں ہے کہ ہم یوں کہہ سکیں کہ اس نے آپ کو بتلا دیا ہوگا!"

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ سے نکل کر ابوسفیان کی طرف آئے جو مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ابوسفیان نے جیسے ہی آپ کی طرف دیکھا تو اپنے دل میں کہنے لگے کہ خدا جانے انہوں نے کیسے مجھ پر غلبہ پالیا۔ اسی وقت آنحضرت ﷺ ان کے سامنے آکر کھڑے ہوئے اور آپ نے ان کے سینے پر ہاتھ مار کر کہا:

"خدا کی قسم ابوسفیان! میں نے تم پر غلبہ پالیا!"

ابوسفیان نے یہ سنتے ہی آپ کی نبوت و رسالت کی گواہی دی۔

غرض جب حضرت بلالؓ نے کعبہ کی چھت پر سے اذان دینی شروع کی تو قریش کے لوگ دلی نفرت اور غصہ کی وجہ سے ان کا مذاق اڑانے اور حضرت بلالؓ کی آواز کی نقلیں اتارنے لگے۔

ابو محذورہؓ کی خوش آوازی...... ان لوگوں میں ابو محذورہ بھی تھے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے یہ بھی بلال کی آواز کی نقلیں بنا رہے تھے۔ ان کی آواز بڑی خوبصورت اور نغمہ ریز تھی۔ انہوں نے ایک دفعہ بلالؓ کی نقل میں ،ان کی آواز بلند

کی تو ان کی آواز آنحضرت ﷺ کے کانوں میں پہنچی۔ آپ نے ان کو بلانے کا حکم دیا۔ چنانچہ ان کو سب کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا گیا۔ اس وقت ابو محذورہ یہ سمجھے کہ ان کے قتل کا حکم دیا جائے گا (کیونکہ وہ بلالؓ کی نقلیں اتار رہے تھے)۔

آنحضرت ﷺ نے ان کو قریب بلا کر اپنا دست مبارک ان کی پیشانی اور سینے پر پھیرا۔ ابو محذورہؓ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اسی وقت میرا دل ایمان و یقین سے بھر گیا اور میں نے سمجھ لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے رسول اور برحق پیغمبر ہیں۔

ابو محذورہؓ مسجد حرام کے مؤذن...... پھر آنحضرت ﷺ نے ان کو اذان کے کلمات سکھلائے اور حکم دیا کہ مکے والوں کے لئے وہ اذان دیا کریں (یعنی حرم کے مؤذن وہ ہوں گے) اس وقت محذورہ کی عمر سولہ سال تھی۔ پھر ان کی وفات کے بعد بیت اللہ کے مؤذن ان ہی کی اولاد میں نسل در نسل ہوتے رہے۔

مگر پیچھے اس سلسلے میں یہ بیان ہوا ہے کہ ابو محذورہؓ کی اذان اور ان کو آنحضرت ﷺ کے اذان سکھلانے کا واقعہ غزوۂ حنین سے واپسی کے وقت پیش آیا تھا (جب کہ یہاں اس واقعہ کو فتح مکہ کے موقعہ پر بیان کیا گیا ہے) مگر واضح رہے کہ پیچھے جہاں اس واقعہ کی تفصیل گزری ہے وہاں یہ شبہ بھی گزر چکا ہے اور اس موقعہ پر کہا گیا تھا کہ یہ اختلاف قابل غور ہے۔

بنت ابو جہل کا تبصرہ...... تاریخ ازرقی میں ہے کہ جب حضرت بلال حبشیؓ نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی تو ابو جہل کی بیٹی جویرہ بنت ابو جہل نے کہ:

"خدا کی قسم! ہم اس شخص سے کبھی محبت نہیں کر سکتے جس نے ہمارے محبوبوں کو قتل کیا ہے جو نبوت محمد ﷺ کو پیش کی گئی وہی پہلے میرے باپ کو بھی پیش کی گئی تھی مگر انہوں نے پیغمبری لینے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ اپنی قوم کی مخالفت کرنا پسند نہیں کرتے تھے!"

حارث ابن ہشام کا اسلام...... حارث ابن ہشام سے روایت ہے کہ جب اُمّ ہانی نے مجھے پناہ دی اور آنحضرت ﷺ نے ان کی دی ہوئی پناہ اور امان کی تصدیق فرما دی تو پھر کوئی مسلمان مجھ سے نہیں الجھ رہا تھا مگر مجھے سب سے زیادہ ڈر عمر ابن خطاب کا لگا ہوا تھا (کہ ان سے کہیں سامنا نہ ہو جائے)

آخر میں دن ایک جگہ بیٹھا ہوا تھا کہ وہاں سے فاروق اعظم کا گزر ہوا مگر انہوں نے بھی مجھے کچھ نہیں کہا بلکہ خاموشی کے ساتھ گزر گئے۔ ادھر حارث کہتے ہیں کہ چونکہ میں اب تک ہر جنگ میں رسول اللہ ﷺ کے مقابلے پر مشرکوں کیساتھ شریک رہا اس لئے مجھے آنحضرت ﷺ کے سامنے پڑتے ہوئے بے حد شرم محسوس ہو رہی تھی آخر مسجد حرام میں میری آپ سے ملاقات ہو گئی مگر آپ نے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ مجھ پر نظر ڈالی اور اپنی جگہ پر ٹھہر گئے یہاں تک کہ میں نے آپ کے قریب پہنچ کر آپ کو سلام کیا اور فوراً ہی اللہ کی وحدانیت اور آپ کی نبوت کی شہادت دی۔ آپ نے خوش ہو کر فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں اسلام کی ہدایت دی۔ تم جیسے آدمی کو اسلام سے بے بہرہ نہیں رہنا چاہئے تھا!"

شریک تجارت سائب کا اسلام...... پھر فتح مکہ کے دن ہی آپ کے پس سائب ابن عبد اللہ مخزومی آئے۔ ایک قول میں ان کو عبد اللہ ابن سائب ابن ابی سائب۔ اور ایک قول میں سائب ابن عویمر کہا گیا ہے۔ نیز ایک قول ہے کہ۔ قیس ابن سائب ابن عویمر آئے۔ کتاب استیعاب میں اس آخری قول کے متعلق ہے کہ اس سلسلے میں انشاء اللہ سب سے زیادہ صحیح قول یہی ہے۔

غرض یہ سائب جاہلیت میں آنحضرت ﷺ کے تجارتی شریک تھے۔ سائب کہتے ہیں کہ جیسے ہی میں بارگاہ نبوت میں پہنچا تو عثمان وغیرہ میری تعریفیں کرنے لگے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ان کے متعلق مجھے کچھ بتلانے کی ضرورت نہیں یہ میرے

دوست تھے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ جیسے ہی آنحضرت ﷺ کے سامنے پہنچا تو آپ نے فرمایا:

"میرے بھائی اور میرے تجارتی شریک کو مرحبا۔ جو نہ دھوکہ باز تھا اور نہ بددیانت۔ مگر تم جاہلیت میں جو کچھ بھی نیک عمل کرتے تھے وہ قبول نہیں ہوں گے۔ کیونکہ عمل کے صحیح اور مقبول ہونے کے لئے اسلام کا ہونا شرط ہے۔ یعنی اعمال نیت کے اوپر منحصر ہیں اور نیت کے لئے اسلام کا ہونا شرط ہے۔ مگر آج تمہارے نیک اعمال مقبول ہوں گے کیونکہ آج تم میں اسلام موجود ہے!"

سہیل ابن عمرو کا اسلام...... ادھر سہیل ابن عمرو نے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے آنحضرت ﷺ کے پاس اپنے بیٹے کو بھیجا تاکہ وہ آپ سے اپنے باپ کے لئے امان حاصل کریں۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میرے والد کو امان دے دیجئے۔ آپ نے فرمایا:

"خدا کی قسم ان کو امان ہے وہ سامنے آسکتے ہیں!"

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے گرد و پیش موجود لوگوں سے فرمایا:

"جو شخص سہیل ابن عمرو سے ملے تو ان کو ہرگز گرم نگاہوں سے نہ دیکھے کیونکہ خدا کی قسم سہیل بڑے عقلمند اور معزز آدمی ہیں اور سہیل جیسا انسان اسلام سے بیگانہ نہیں رہ سکتا!"

یہ جواب سن کر سہیل کے بیٹے عبداللہ وہاں سے اٹھے اور باپ کے پاس آکر انہیں آنحضرت ﷺ کے کلمات سنائے۔ سہیل نے یہ سن کر کہا:

خدا کی قسم یہ شخص بچپن میں بھی نیک اور شریف تھا اور اب بڑے ہو کر بھی اسی طرح نیک اور شریف ہے!"

اس کے بعد سہیل ابن عمرو آپ کے پاس آنے جانے لگے (مگر مسلمان نہیں ہوئے) یہاں تک کہ جب رسول اللہ غزوۂ حنین کے لئے تشریف لے گئے تو سہیل بھی آپ کے ہمراہ تھے اور اس وقت تک اپنے شرک و کفر پر قائم تھے۔ آخر جعرانہ کے مقام پر پہنچ کر یہ مسلمان ہو گئے۔

آنحضرت ﷺ کے قتل کا ارادہ...... کہا جاتا ہے کہ فتح مکہ کے موقعہ پر جب کہ رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کا طواف فرما رہے تھے تو ایک شخص نے جس کا نام فضالہ ابن عمیر ابن ملوح تھا اپنے دل میں سوچا کہ اس وقت آپ کو قتل کر دینا چاہئے۔ یہ سوچ کر فضالہ اٹھے اور آپ کو قتل کرنے کی نیت سے آپ کے قریب پہنچے۔ جیسے ہی یہ آپ کے پاس پہنچے آنحضرت ﷺ نے اچانک ان کو پکارا اے فضالہ۔ ان کے منہ سے بے اختیارانہ طور پر نکلا۔ ہاں یارسول اللہ ﷺ۔ آپ نے فرمایا:

"تم ابھی اپنے دل میں کیا سوچ رہے تھے؟"

انہوں نے کہا: "کچھ نہیں۔ میں تو اللہ کا ذکر کر رہا تھا!"

آنحضرت ﷺ کو اطلاع...... یہ سن کر آپ ہنسے اور پھر فرمایا کہ اللہ سے مغفرت و معافی چاہو۔

اس کے بعد آپ نے دست مبارک ان کے سینے پر رکھا جس کے ساتھ ہی ان کا دل پُر سکون ہو گیا (اور یہ واہی تباہی خیالات قلب سے نکل گئے جو آنحضرت ﷺ کے خلاف پیدا ہو رہے تھے) چنانچہ حضرت فضالہ اس کے بعد کہنے لگے:

"جوں ہی آنحضرت ﷺ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر ہٹایا تو کائنات کی ہر چیز سے زیادہ مجھے آنحضرت ﷺ کی ذات پیاری ہو چکی تھی!"

حرمت مکہ پر خطبہ...... فتح مکہ کے اگلے روز بنی خزاعہ نے بنی ہذیل کے ایک شخص پر ظلم کیا اور اسے قتل کر ڈالا۔ وہ شخص مشرک تھا۔ اسی روز ظہر کی نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ مسجد حرام سے کمر لگا کر کھڑے ہوئے اور آپ نے خطبہ دیا۔ ایک قول ہے کہ اپنی سواری پر سے خطبہ دیا جس میں پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور پھر فرمایا:

"لوگو! اللہ تعالیٰ نے جس روز زمین و آسمان کو پیدا فرمایا اور جس روز شمس و قمر کو تخلیق فرمایا اور جس روز ان دونوں پہاڑوں کو زمین پر قائم فرمایا اسی دن مکہ معظمہ کو حرام اور محترم قرار دے دیا تھا لہٰذا یہ شہر قیامت کے دن تک حرام اور محترم ہے۔ اس لئے جو شخص اللہ تعالیٰ پر قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ اس شہر میں خون بہائے۔ نہ کسی کو اس شہر میں درخت کاٹنے کی اجازت ہے۔ یہ بات نہ میرے سے پہلے کے لوگوں میں کسی کے لئے جائز تھی نہ میرے بعد والوں میں سے کسی کے لئے جائز ہے اور نہ اس گھڑی۔ یعنی فتح مکہ کی صبح سے عصر کے وقت تک۔ کے سوا میرے لئے جائز ہے کہ مکے والوں کو غیظ و غضب کا نشانہ بنائیں۔ اس شہر کی حرمت آج اسی طرح لوٹ آئی ہے جس طرح کل تھی۔ لہٰذا تم میں جو یہاں موجود ہیں وہ ان لوگوں تک بھی یہ پیغام پہنچا دیں جو غیر حاضر ہیں۔ اس پر اگر کوئی شخص تم سے یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اس شہر میں قتل و قتال اور خوں ریزی کی ہے تو اس سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اس کی اجازت دی تھی تمہیں نہیں دی ہے!"

مکے میں ہتھیار اٹھانے کی ممانعت...... صحیح مسلم کی ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے آپ نے بنی خزاعہ سے فرمایا:

"مکہ معظمہ میں کسی شخص کے لئے ہتھیار لے کر چلنا جائز نہیں ہے۔ اے گروہ خزاعہ! قتل و خوں ریزی سے اپنے ہاتھ روک لو۔ قتل و قتال بہت ہو چکا ہے۔ اگر اس گھڑی کے بعد کوئی شخص قتل کیا گیا تو اس کے وارثان کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہو گا کہ چاہے وہ قاتل کا خون مانگ لیں اور چاہے دیت یعنی اپنے مقتولوں کی جان کی قیمت لے لیں!"

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بنی ہذیل کے اس شخص کی دیت ادا فرمائی جس کو بنی خزاعہ نے قتل کر دیا تھا۔ اس شخص کا نام ابن اقرع ھذلی تھا جو بنی بکر میں سے تھا۔ یہ شخص مشرک تھا اور اسی حالت میں مکہ میں داخل ہوا۔ بنی خزاعہ کے لوگوں نے اس کو پہچان لیا اور اس کو چاروں طرف سے گھیر کر اس پر نیزوں کی بارش کر دی۔ ان لوگوں میں خراش بھی تھے جنہوں نے اپنے چوڑے پھل کا تیر اس کے پیٹ میں بھونک دیا۔ یہاں تک کہ وہ شخص مر گیا۔

خراش کو کافر کے قتل پر ملامت...... یہ خراش چونکہ مسلمان تھے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کو ملامت کی اور فرمایا:

"اگر میں ایک کافر کے بدلے میں ایک مسلمان کی جان لیا کرتا تو یقیناً خراش کو قتل کر دیتا!"

علامہ ابن ہشامؒ کہتے ہیں کہ یہ آدمی یعنی ابن اقرع پہلا مقتول شخص ہے جس کی دیت رسول اللہ ﷺ نے خود ادا فرمائی۔ مگر اس بارے میں ایک شبہ ہے جو غزوۂ خیبر کے بیان میں گزرا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے وہاں بھی ایک مقتول کی دیت ادا فرمائی تھی۔

مکے کی ابدی فتح...... فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اب مکے کے لئے قیامت تک کبھی جنگ نہیں ہو گی!"

علماء نے اس ارشاد کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ مراد ہے اب کفر پر مکہ کے لئے کبھی جنگ نہیں ہو گی یعنی اب مکے پر کبھی اس مقصد اور نیت سے چڑھائی نہیں ہو گی کہ وہاں کے لوگوں کو مسلمان کرنا مقصود ہو (کیونکہ اس دن کے بعد یہ ہمیشہ اسلام کا مرکز رہے گا)۔

بت شکنی کا حکم...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مکہ میں اعلان کیا گیا:

"جو شخص اللہ تعالیٰ پر قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے گھر میں بت کو باقی نہ چھوڑے بلکہ اسے توڑ ڈالے!"۔

ہندہ کا معزز بت ان کی ٹھوکروں میں...... ابوسفیان کی بیوی ہندہ جب مسلمان ہو گئیں تو وہ اپنے گھر میں اس بت کی طرف بڑھیں جو ان کا نجی بت تھا۔ ہندہ اس بت کو ٹھوکریں مارنے لگیں اور ساتھ ہی کہتی جاتی تھیں:

"ہم لوگ تیری وجہ سے بڑے دھوکہ اور غرور میں تھے!"

نواح مکہ میں بت شکنی...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مکے کے نواحی علاقوں میں صحابہ کی مختلف فوجی مہمیں روانہ کیں تاکہ گردو پیش میں جو بڑے بڑے بت ہیں ان کو توڑ دیا جائے۔ کیونکہ مشرکوں نے کعبہ کے بتوں کے علاوہ اور بھی بت بنا رکھے تھے جن کے لئے انہوں نے باقاعدہ عبادت گاہیں تعمیر کر رکھی تھیں اور ان میں وہ بت رکھے گئے تھے۔ مشرکین ان بتوں اور عبادت گاہوں کی بھی اتنی ہی تعظیم اور اتنا ہی احترام کرتے تھے جتنا کعبہ کا کرتے تھے۔ ان میں بھی وہ اسی طرح جانور کی قربانی کیا کرتے تھے جس طرح کعبہ کے لئے کرتے تھے اور ان کا بھی اسی طرح طواف کرتے تھے جس طرح کعبہ کا طواف کرتے تھے۔

غرض ہر خاندان کا ایک علیحدہ بت تھا جیسا کہ بیان ہوا یعنی عزیٰ، سواع اور منات وغیرہ جن کے متعلق تفصیلی بیان آگے آئے گا جہاں صحابہ کی فوجی مہموں کا ذکر ہو گا انشاء اللہ۔

مکے میں قیام اور قصر...... فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے انیس دن اور ایک قول کے مطابق اٹھارہ دن قیام فرمایا۔ بخاری نے دوسرے قول پر اعتماد کیا ہے۔ آپ نے اس پورے عرصہ میں قصر نمازیں پڑھیں۔ ہمارے شافعی ائمہ و فقہاء نے اس دوسرے قول کی بنیاد پر کہا ہے کہ جو شخص کسی ضرورت سے کہیں ٹھہرا اور ہر گھڑی اس ضرورت کے پورا ہو جانے کی توقع رہتی ہے تو وہ اٹھارہ دن تک قصر کرے گا جس میں پہنچنے اور چلنے کے دن شامل نہیں۔ آنحضرت ﷺ کے مکے میں اتنے دن ٹھہرنے کی وجہ شاید یہ تھی کہ آپ کو اس مال کے حاصل ہونے کی امید تھی جو آپ نے نادار صحابہ میں تقسیم کیا مگر جب یہ کام پورا نہیں ہو سکا تو آپ وہاں سے بنی ہوازن کی طرف روانہ ہو گئے۔

سعد کے بھتیجے ابن ولیدہ کا قضیہ...... پھر آنحضرت ﷺ کے پاس سعد ابن ابی وقاص آئے جو ابن ولیدہ زمعہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے جو زمعہ کی باندی کے پیٹ سے تھے ان کے ساتھ عبد ابن زمعہ بھی تھے۔ سعد نے کہا یا رسول اللہ! یہ ابن ولیدہ میرا بھتیجا یعنی عتبہ ابن ابی وقاص کا لڑکا ہے۔ عتبہ نے میرے سامنے اقرار کیا تھا کہ یہ ان کا بیٹا ہے اور کہا تھا کہ جب تم مکے پہنچو تو زمعہ کی باندی کے بیٹے کو تلاش کرنا کیونکہ وہ میرا بچہ ہے (یعنی میرے زنا کا نتیجہ ہے) لہٰذا میں اس کو آپ کے پاس لایا ہوں۔ اس پر عبد ابن زمعہ نے کہا یا رسول اللہ! یہ ابن ولید میرا بھائی ہے جو میرے باپ زمعہ کا بیٹا ہے اور اس باندی نے اس کو میرے باپ کے بستر پر یعنی باپ کے یہاں جنم دیا ہے یعنی وہ باندی میرے باپ کے تصرف میں تھی۔

آنحضرت ﷺ نے اب لڑکے کی طرف دیکھا تو آپ کو اس میں عتبہ ابن ابی وقاص کی بے حد شباہت آئی لہٰذا آپ نے عبد ابن زمعہ سے فرمایا کہ عبد ابن زمعہ! یہ تمہارا بھائی اس لئے ہے کہ یہ تمہارے باپ زمعہ کے بستر پر پیدا ہوا ہے اور بچہ شوہر یا آقا کو ملتا ہے اور زناکار کے حصہ میں پتھر یعنی سنگساری آئی ہے پھر آپ نے اپنی بیوی حضرت سودہ بنت زمعہ سے فرمایا کہ سودہ! اس سے پردہ کرو اس لئے کہ یہ تمہارا بھائی اور زمعہ کا بیٹا ہے۔

کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اس لڑکے میں عتبہ کی شباہت دیکھ لی تھی لہٰذا آپ کو ڈر ہوا کہ یہ آپ کے ماموں کا بیٹا نہ ہو

لہٰذا آپ نے احتیاط کیطور پر ان کو پردہ کا حکم دیا۔ چنانچہ پھر اس لڑکے نے مرتے دم تک سودہ کو نہیں دیکھا۔ اس روایت میں یوں ہے کہ سودہ اس پر پردہ کرو کیونکہ یہ تمہارا بھائی نہیں ہے (بلکہ تمہارے باپ کی باندی کے زنا کا نتیجہ ہے)۔

حدود و شرعی میں کوئی سفارش نہیں...... اسی دوران میں ایک عورت نے چوری کر لی آنحضرت ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا ارادہ کیا تو اس کی قوم کے لوگ جمع ہو کر حضرت اسامہ ابن زیدؓ کے پاس آئے کہ وہ آنحضرت ﷺ سے سفارش کر دیں۔ اسامہ نے جب آنحضرت ﷺ سے اس عورت کے متعلق سفارش کی تو آنحضرت ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور آپ نے فرمایا۔

"کیا تم اللہ کی مقرر کردہ سزاؤں میں سفارش کرتے ہو۔"

یہ سنتے ہی اسامہ نے عرض کیا کہ یارسول میرے لئے استغفار فرمایئے۔

اسی وقت آنحضرت ﷺ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا جس میں آپ نے حق تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ تم سے پہلی قوموں کو صرف اسی بات نے ہلاک کیا کہ اگر ان میں کوئی باعزت آدمی چوری کر لیتا تھا تو اس کو سزا نہیں دیتے تھے لیکن اگر کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تھا تو اس کو سزا دے دیتے تھے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے کہ اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں یقیناً اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالتا۔ اس کے بعد آپ کے حکم ﷺ سے اس کے ہاتھ کاٹ دیئے گئے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عرب کے لوگ چور کا داہنا ہاتھ کاٹا کرتے تھے۔

بحیثیت امیر مکہ عتاب کا تقرر...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے عتاب ابن اسید کو مکے کا والی بنایا جن کی عمر اس وقت اکیس سال تھی۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ لوگوں کو نماز خود پڑھایا کریں۔ یہ پہلے امیر ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد مکہ میں جماعت سے نماز پڑھائی۔ حضرت معاذ ابن جبل کو آنحضرت ﷺ نے مکے میں عتاب کے پاس چھوڑا تاکہ وہ لوگوں کو حدیث اور فقہ کی تعلیم دیں۔

کشاف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مکے والوں پر عتاب کو امیر بنایا اور فرمایا کہ جاؤ میں نے تمہیں اللہ کے گھر والوں پر امیر بنایا۔ آپ نے یہ جملہ تین دفعہ فرمایا۔

عتاب ابن اسیدؓ دھوکے بازوں کے لئے بے حد سخت اور مومنوں کے لئے بے حد نرم آدمی تھے اور کہتے تھے کہ خدا کی قسم مجھے جس شخص کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ بلاوجہ جماعت کی نماز چھوڑتا ہے میں نے اس کی گردن ماردی کیونکہ جماعت کی نماز سے منافق ہی بھاگتا ہے۔

اس پر مکے والوں نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی کہ یارسول اللہ! آپ نے اللہ کے گھر والوں پر عتاب ابن اسید جیسے دیہاتی اور اجد آدمی کو امیر بنادیا ہے۔

عتاب کی سخت گیری اور دیانت...... آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گویا عتاب جنت کے دروازے پر آئے اور بڑے زور سے زنجیر بجائی آخر دروازہ کھلا اور اس میں داخل ہو گئے۔ ان کے ذریعہ اللہ نے اسلام کو سربلند فرمایا ہے جو شخص مسلمانوں پر ظلم کرنا چاہتا ہے اس کے مقابلے میں مسلمانوں کے لئے عتاب مدد کو تیار رہتے ہیں۔

تاریخ ازرقی میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں نے اسید کو جنت میں دیکھا مگر اسید کیسے جنت میں داخل ہو گیا۔ اس وقت عتاب ابن اسید آپ کے سامنے آئے تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اسی کو جنت میں دیکھا تھا اس کو میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ

اسید کو سامنے لایا گیا اور آپ نے انہیں اسی دن مکے کا امیر بنادیا اور پھر فرمایا۔ عتاب تمہیں معلوم ہے کہ میں نے کن لوگوں پر تمہیں امیر بنایا ہے۔ میں نے تمہیں اہل اللہ یعنی اللہ کے گھر والوں پر امیر بنایا ہے اس لئے ان کے ساتھ نیک معاملہ کرنا۔ یہ بات آپ نے تین مرتبہ فرمائی۔

یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اسید کے بارے میں یہ کیسے فرمادیا کہ آپ نے ان کو جنت میں دیکھا تھا اور پھر اسید کے بیٹے عتاب کو دیکھ کر یہ فرمایا کہ یہی ہیں جنہیں میں نے دیکھا تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شاید عتاب اپنے باپ اسید سے بہت زیادہ مشابہ تھے لہٰذا آنحضرت ﷺ نے عتاب کو دیکھا لیکن یہ سمجھا کہ یہ ان کے باپ اسید ہیں پھر جب آپ نے خود عتاب کو دیکھا تو سمجھا کہ وہ عتاب تھے اسید نہیں تھے۔

علامہ سبط ابن جوزی نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب عتاب کو مکے والوں پر امیر مقرر کیا تو ان کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ حنین کو تشریف لے گئے تھے۔ مگر کچھ دوسرے لوگوں نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے طائف سے واپسی اور عمرہ جعرانہ کے بعد عتاب کو مکہ میں قائم مقام بنایا تھا اور ان کے ساتھ ابن جبلؓ کو چھوڑا تھا۔

اس اختلاف کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہاں قائم مقامی سے مراد ان کو اس عہدہ پر مقرر کرنا ہے۔ اب یوں کہنا چاہئے کہ کشاف کے حوالے سے مکے والوں کی آنحضرت ﷺ کے سامنے جو شکایت گزری ہے کہ آپ نے عتاب جیسے اجڈ آدمی کو یہاں قائم مقام بنادیا یہ غالباً قائم مقامی کے بعد تقرر کے موقعہ پر کی گئی ہو گی جیسا کہ اس کی وجہ ظاہر ہے۔

ادھر آنحضرت ﷺ نے عتاب کے والد اسید کو خواب میں دیکھا کہ وہ مکے کا والی ہے اور مسلمان ہے جب کہ وہ کفر کی حالت میں مرا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل یہ خواب اس کے بیٹے عتاب کے متعلق تھا جیسا کہ اس کی مثال ابو جہل اور اس کے بیٹے عکرمہ کے سلسلے میں گزری ہے۔

امیر مکہ کی تنخواہ...... جب آنحضرت ﷺ نے عتاب کو مکہ کا امیر بنایا تو ان کے لئے ایک درہم روزانہ مقرر فرمایا تو عتاب کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ بھوکے پیٹ کو ایک درہم روزانہ میں شکم سیر نہ کرے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ یہ کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا جس میں کہا کہ لوگوں اللہ تعالیٰ اس شخص کا پیٹ خالی ہی رکھے جو ایک درہم میں بھی بھوکا رہتا ہے کیونکہ خود ان کو ایک درہم روز ملتا تھا' مجھے رسول اللہ ﷺ روزانہ ایک درہم دیتے ہیں اس لئے اب میں کسی کا محتاج نہیں ہوں۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عتاب کو مکے کا عامل بنایا اور ان کی تنخواہ چالیس اوقیہ چاندی متعین فرمائی یعنی غالباً ایک درہم روزانہ ایک سال میں چالیس اوقیہ چاندی کے برابر ہوتا ہے۔ لہٰذا روایات میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

بیہقی کی سنن کبریٰ میں ہے کہ ان ہی عتاب کے بیٹے وہ عبدالرحمٰن تھے جن کا ہاتھ جنگ جمل میں کٹ گیا تھا اور پھر اس ہاتھ کو ایک گدھ اٹھا کر لے اڑا اور اس نے وہ ہاتھ مکے میں لا کر ڈال دیا ایک قول ہے کہ مدینے میں لا ڈالا تھا۔ ان کو یعسوب قریش کہا جاتا تھا۔

غزوۂ حنین

حنین کا محل وقوع...... حنین طائف کے قریب ایک گاؤں کا نام ہے۔ ایک قول ہے کہ یہ بستی ذی المجاز کے برابر میں تھی جو جاہلیت کے زمانہ کا ایک میلہ اور بازار تھا جس کا بیان گزر چکا ہے۔ ایک قول ہے کہ یہ مکے اور طائف کے درمیانی علاقے کا نام تھا۔

اس کو غزوۂ ہوازن بھی کہا جاتا ہے اور اسی کو غزوۂ اوطاس بھی کہا جاتا ہے جو جگہ کے نام سے منسوب ہے کیونکہ آخر کار اوطاس کے مقام پر ہی یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ (اور چونکہ یہ غزوۂ بنی ہوازن کے ساتھ پیش آیا اس لئے غزوۂ ہوازن بھی کہلاتا ہے)۔

اس غزوہ کا سبب...... اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ہاتھوں پر مکہ فتح کرادیا تو سوائے بنی ہوازن اور بنی ثقیف کے عرب کے تمام قبیلوں نے آنحضرت ﷺ کی اطاعت قبول فرمالی تھی (قبیلہ بنی ثقیف طائف کا قبیلہ تھا) کیونکہ ان دونوں قبیلوں کے لوگ بے حد سرکش اور شوریدہ دماغ تھے۔

ہوازن و ثقیف کے اندیشے...... اہل مغازی لکھتے ہیں کہ جس وقت حق تعالیٰ نے اپنے رسول کے ہاتھوں مکہ فتح کرادیا تو سرداران ہوازن اور سرداران ثقیف ایک دوسرے کے پاس پہنچے۔ اب یہ لوگ ڈر رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ ان سے بھی پنجہ آزما ہوں گے۔ چنانچہ وہ لوگ ایک دوسرے سے مل کر کہنے لگے:

"اب وہ یعنی آنحضرت ﷺ ہمارے طرف متوجہ ہونے کے لئے ہر طرف سے فارغ ہوگئے ہیں اور ہماری طرف بڑھنے میں انہیں کوئی رکاوٹ نہیں ہے اس لئے خیال یہی ہے کہ وہ اب ہم سے ہی جنگ کریں گے۔!"

اس پر وہ سب لوگ نہایت سرکشی کے ساتھ متفق ہو کر کہنے لگے:

"خدا کی قسم محمد ﷺ کو اب تک ایسے لوگوں سے سابقہ پڑا ہے جو جنگ و پیکار سے اچھی طرح واقف ہی نہیں ہیں!"

مالک کی سرداری میں مقابل کا اتفاق...... اس کے بعد بنی ہوازن کے سب لوگ متحد ہوگئے اور انہوں نے متفقہ طور پر اپنا سربراہ اور سردار مالک ابن عوف نضیری کو بنایا جو بعد میں مسلمان ہوگئے تھے' اس قرارداد کے بعد مالک کے پاس قبیلوں کی بڑی زبردست جماعتیں اور لشکر آکر جمع ہونے شروع ہوگئے۔

بنی سعد کے ساتھ درید کی آمد...... ان آنے والوں میں بنی سعد ابن بکر کے لوگ بھی تھے یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے رضاعی رشتہ دار تھے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے بنی سعد ہی میں دودھ پیا تھا (یعنی آپ کی دایہ حضرت حلیمہ سعدیہ اسی قبیلہ بنی سعد سے تھیں) بنی سعد کے لوگوں کے ساتھ درید ابن صمہ بھی آیا تھا جو بڑا تجربہ کار اور نہایت بہادر شخص تھا مگر یہ بہت بوڑھا اور عمر رسیدہ ہو چکا تھا۔ اس وقت اس کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ ایک قول ہے کہ ایک سو پچاس سال تھی اور ایک قول کے مطابق ایک سو ساٹھ سال کی عمر ہو چکی تھی۔ اسی طرح ایک قول یہ بھی کہ دو سو سال کے قریب پہنچ چکا تھا۔

درید کی عمر اور جنگی تجربات...... علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ اس وقت یہ شخص اندھا ہو چکا تھا اور اب اس کے سوا اس کا کوئی مصرف نہیں تھا کہ لوگ اس کی رائے اور جنگی تجربات سے فائدہ اٹھائیں کیونکہ درید بڑا ذی رائے اور سمجھدار و ہوشیار آدمی تھا اور جنگی معاملات میں نہایت پختہ کار شخص تھا۔

عورتوں اور مال سمیت لشکر کا کوچ...... دوسری طرف بنی ثقیف کے لشکر کے سربراہ کنانہ ابن عبدیالیل تھے جو بعد میں مسلمان ہوگئے تھے۔ ایک قول ہے کہ قارب ابن اسود تھا۔ بنی ہوازن کے سردار مالک ابن عوف کی عمر اس وقت تیس سال تھی

اس نے لوگوں کو حکم دیا کہ اپنے ساتھ اپنا مال و دولت' اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کو بھی لے لیں۔

آخر یہ لوگ روانہ ہوئے اور اوطاس کے مقام پر جا کر ٹھہرے۔ وہاں مالک ابن عوف کے پاس لوگ جمع ہوئے جن میں درید ابن صمہ بھی تھا (جو نابینا تھا) اس نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون سی وادی ہے؟ لوگوں نے کہا وادی اوطاس۔ درید نے کہا: "ہاں۔ یہی گھوڑے سواروں کی جگہ ہے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ یہ گھوڑے سوار لشکر کے لئے اچھی جولانگاہ ہے۔ جہاں نہ دشوار گزار چڑھائیاں اور ٹیلے ہیں اور نہ سیدھے اور ریتلے میدان ہیں۔! مگر مجھے اونٹوں کے بلبلانے 'گدھوں کے رینگنے' بکریوں کے منمنانے اور گایوں کے ڈکارنے کے آوازیں کیوں آرہی ہیں!"

درید کی اطاعت کے لئے مالک کا وعدہ!..... لوگوں نے جواب دیا کہ مالک ابن عوف اپنے لوگوں کے ساتھ ان کا مال و دولت اور ان کی عورتوں اور بچوں کو بھی لایا ہے۔ درید نے پوچھا مالک کہاں ہے؟ مالک نے درید سے کہا تھا کہ میں تمہاری مخالفت نہیں کروں گا۔ بات یہ ہوئی تھی کہ درید نے اسی دوران ابن عوف سے کہا:

"تم ایک شریف و معزز آدمی (یعنی رسول اللہ ﷺ) سے جنگ کرنے جا رہے ہو جس نے سارے عرب کو روند ڈالا ہے اور جس سے اب عجم کے لوگ بھی خوفزدہ ہیں۔ اس نے یہودیوں جیسی قوم کو سرزمین حجاز سے جلاوطن کر دیا ہے اور ان پر جنگ و خوں ریزی کے ذریعہ یا ذلیل کر کے جلاوطنی کے ذریعہ غلبہ حاصل کر لیا ہے!"

اس پر مالک نے درید سے کہا تھا:

"ہم اس بارے میں تمہاری کسی رائے کی مخالفت نہیں کریں گے!"

(اس طرح مالک اس تجربہ کار بوڑھے کو یقین دلا چکے تھے کہ تمہارے مشوروں پر عمل کیا جائے گا) غرض اب درید نے پوچھا کہ مالک کہاں ہے؟ تو لوگ ان کو بلا کر لائے اور درید سے کہا کہ یہ مالک ابن عوف آگئے ہیں۔ درید نے کہا: مالک۔ اب تم قوم کے امیر اور سربراہ بن گئے ہو اور آج کا دن بڑا اہم اور انقلابی قسم کا ہے جس کی مثال آئندہ بھی نہیں ملے گی (کیونکہ اس جنگ میں قوم کی تقدیر کا فیصلہ ہونے والا ہے) مگر یہ کیا بات ہے کہ یہاں (یعنی میدان جنگ میں) مجھے اونٹوں کے بلبلانے 'گدھوں کے رینگنے' بچوں کے رونے' بکریوں کے منمنانے اور گایوں کے ڈکارنے کی آوازیں بھی آرہی ہیں؟"

مالک ابن عوف نے کہا:

"میں لوگوں کے ساتھ ان کے مال و دولت اور ان کی عورتوں بچوں کو بھی لایا ہوں!"

درید اور مالک میں اختلاف..... درید نے کہا کیوں؟ تو مالک نے کہا:

"میرا ارادہ ہے کہ جنگ میں ہر جانباز کے گھر والوں اور مال و دولت کو ان کے پیچھے کر دوں گا تاکہ وہ اپنے متعلقین کی حفاظت میں پورے جوش کے ساتھ جان لڑا دے۔

درید نے کہا انتہائی لغو رائے ہے۔ اور اس کے بعد درید نے مالک کو جانوروں کی سی آواز میں برا بھلا کہا۔ یعنی دانت بھینچ کر اسے ڈانٹا جس کے نتیجہ میں منہ سے عجیب طرح کی آواز نکل رہی تھی۔ اسی بات کو اصل یعنی کتاب عیون الاثر نے یوں بیان کیا ہے کہ۔ زبان کو منہ میں دبا کر بولا اس کے بعد لوگوں سے کہنے لگا:

"یہ بھیڑوں کا چرانے والا۔ خدا کی قسم یہ جنگ و پیکار کو کیا جانے!"

اس کے بعد درید نے مالک کو مشورہ دیا کہ عورتوں اور بچوں کو فوراً واپس کر دو۔ پھر بولا:

کیا ہارنے والا کوئی چیز واپس بھی لے جایا کرتا ہے' اگر جنگ کا پانسہ تمہارے حق میں ہوا تو سوائے اپنے شمشیر زن سپاہی کے تمہیں کسی سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اور اگر جنگ کا رخ تمہارے خلاف ہے تو تم مال و متاع اور بیوی بچوں کے ساتھ رسوا ہو گئے!"

پھر اس نے لوگوں سے کہا کہ بنی کعب اور بنی کلب کا کیا بنا؟

لوگوں نے کہا کہ ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا گیا۔ درید نے کہا:

انہوں نے تمام کوشش اور جدوجہد پر پانی پھیر دیا اگر آج کا دن سربلندی اور اقبال کا دن ہوتا تو وہ دونوں قبیلے غائب نہ ہوتے!"

درید کی ناراضگی...... اس کے بعد درید نے کچھ اور مشورے دیئے جنہیں قبول کرنے سے مالک نے انکار کر دیا اور کہنے لگے:

"خدا کی قسم میں تمہارے مشوروں کو نہیں مانوں گا۔ تم بوڑھے ہو چکے ہو اور تمہاری رائے بھی بوڑھی ہو گئی ہے!"

(اس جواب پر درید بگڑ گیا اور) ہوازن سے بولا:

مالک سے یہ شرط ہو چکی تھی کہ وہ میرا کہنا مانے گا مگر اب وہ میری خلاف ورزی کر رہا ہے اس لئے میں اب اپنے گھر کو واپس جاتا ہوں!"

اس پر لوگ اسے روکنے لگے (جس پر وہ راضی ہو گیا) مگر مالک نے لوگوں سے کہا:

"اے بنی ہوازن! خدا کی قسم یا تو تمہیں میرے کہنے پر چلنا پڑے گا ورنہ میں اپنی اس تلوار کو اپنے سینے کے آرپار کر لوں گا!"

مالک کی رائے پر صف بندی!...... مالک کو یہ بات ناگوار گزر رہی تھی کہ (جب خود وہ جنگ کے سربراہ ہیں تو) درید کی رائے اور مشورے پر کیوں عمل کیا جائے۔ چنانچہ مالک کی اس دھمکی پر بنی ہوازن نے ان کی اطاعت کرنے کا اقرار کیا۔ یعنی جنگ میں عورتوں کو اونٹوں پر بٹھا کر جانبازوں کے پیچھے صف بستہ کر کے کھڑا کر دیا گیا' ان کے پیچھے بار برداری کے اونٹوں اور پالتو بھیڑ بکریوں کی صفیں قائم کی گئیں تاکہ لڑنے والے بھاگ نہ سکیں۔ اور ان کے پیچھے مال و دولت کی صف لگا دی گئی۔ یہ سب کارروائی مکمل کرنے کے بعد مالک نے لشکر کو خطاب کر کے کہا:

"جیسے ہی دشمن تمہارے سامنے آئے تو سب متحد ہو کر اور ایک ساتھ ان پر ہلہ بول دینا!"

مالک کے جاسوس...... اس کے بعد مالک نے اپنے جاسوس روانہ کئے تاکہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے متعلق خبریں لے کر آئیں۔ یہ تین آدمی تھے جن کو جاسوسی کا کام سپرد کر کے مسلمانوں کے لشکر کی اطلاعات فراہم کرنے کے لئے بھیجا گیا۔

غرض یہ جاسوس مسلمانوں کی ٹوہ لینے اور کافی گھوم پھرنے کے بعد واپس اپنے لشکر میں آئے تو بے انتہا خراب و خستہ حال ہو رہے تھے اور چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ مالک نے ان کو اس حالت میں دیکھ کر کہا:

"تمہارا برا ہو۔ یہ تمہاری کیا حالت ہو رہی ہے۔"

فرشتوں کا لشکر اور جاسوسوں کی بدحواسی...... ان تینوں نے کہا:

"ہم نے بالکل سفید فام لوگ دیکھے جو سیاہ و سفید گھوڑوں پر سوار تھے۔ اور پھر خدا کی قسم ہم رکے بھی نہیں تھے کہ ہماری یہ حالت ہو گئی جو آپ دیکھ رہے ہیں۔"

مالک نے کہا:

"تم پر افسوس ہے۔ تم تو سارے لشکر کو بزدل بنا دو گے!"

آنحضرت ﷺ کے جاسوس...... مگر اس خبر سے مالک نے کوئی اثر نہیں لیا اور اپنے مقصد کی دھن میں لگے رہے۔ ادھر جب رسول اللہ ﷺ نے سنا کہ بنی ہوازن نے ایک بڑا لشکر جمع کر لیا ہے تو آپ نے اپنے صحابہ میں سے ایک شخص کو ان کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ آپ نے اس شخص کو حکم دیا کہ ان کے لشکر میں شامل ہو جانا اور پھر ان کی باتیں سننا کہ وہ لوگ کیا فیصلے کر رہے ہیں۔

چنانچہ حکم کے مطابق یہ شخص بنی ہوازن کے لشکر میں داخل ہو گیا اور وہاں سے اس نے ان کی باتیں سنیں۔ معلومات کرنے کے بعد یہ واپس آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو ساری تفصیلات بتلائیں یہ شخص عبداللہ ابن ابی حدرد اسلمیؓ تھے۔

اسی دوران میں ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا:

"یارسول اللہ! میں آپ کے پاس سے چل کر فلاں پہاڑ پر چڑھا تھا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ بنی ہوازن کا پورا قبیلہ جمع ہے اور ان کے ساتھ عورتیں، بچے، مال و دولت اور نوجوان سارے حنین کی طرف جمع ہیں!"

مال غنیمت کی خوشخبری...... آنحضرت ﷺ یہ سن کر مسکرائے اور آپ نے فرمایا:

"انشاء اللہ تعالیٰ کل یہ سب کچھ مسلمانوں کے لئے مال غنیمت بنے گا!"

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے بنی ہوازن کے مقابلہ کے لئے کوچ کرنے کا فیصلہ کیا۔ ساتھ ہی آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ صفوان ابن امیہ کے پاس بہت سی زرہیں اور ہتھیار ہیں۔ صفوان اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ دل ہی دل میں آنحضرت ﷺ پر ایمان رکھتے تھے۔

صفوان سے مستعار ہتھیار...... آنحضرت ﷺ نے صفوان کو بلایا اور فرمایا:

"ابو امیہ! ہمیں اپنے ہتھیار عارضی طور پر دے دو تاکہ کل ہم ان کو دشمن کے مقابلے کے لئے استعمال کر سکیں!"

صفوان نے کہا۔ یارسول اللہ! آپ کیا زبردستی میرے ہتھیار چھیننا چاہتے ہیں۔"

آپ نے فرمایا:

"نہیں بلکہ عارضی طور پر۔ اور اس وقت تک کے لئے ان کی ضمانت ہوگی جب تک ہم وہ تمہیں واپس ادا کر دیں!"

صفوان نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام احمدؒ کی روایت میں یوں ہے کہ صفوان نے کہا کہ عارضی طور پر واپسی کے وعدے پر دے سکتا ہوں، آپ نے فرمایا: جو چیز عاریہ یعنی عارضی طور پر لی جاتی ہے اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ واپس کی جائے گی۔ چنانچہ صفوان نے سو زرہیں اور ان ہی کے مطابق ہتھیار دے دیئے۔

ایک قول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صفوان سے فرمایا تھا کہ ان زرہوں کے مناسب اور مطابق ہتھیار دے دو۔ جس پر صفوان نے ہتھیار بھی دے دیئے۔

صفوان کا ایثار...... کہا جاتا ہے کہ جنگ کے دوران ان میں سے کچھ زرہیں ضائع ہو گئی تھیں۔ جس پر آنحضرت ﷺ نے صفوان سے فرمایا کہ ان کی ضمانت لے لیں۔ مگر صفوان نے عرض کیا:

یارسول اللہ! آج مجھے اسلام سے بہت زیادہ دلچسپی اور رغبت پیدا ہو چکی ہے!"

نوفل سے مستعار نیزے...... اسی طرح آنحضرت ﷺ نے اپنے چچازاد بھائی نوفل ابن حرث ابن عبدالمطلب سے بھی

تین ہزار نیزے عارضی طور پر لئے۔ ساتھ ہی آپ نے نوفل سے فرمایا:

"گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے یہ نیزے مشرکوں کی کمر توڑ رہے ہیں!"

پیچھے گزر چکا ہے کہ یہ نوفل غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا تھا۔ پھر (جب آنحضرت ﷺ نے فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑنے کا فیصلہ فرمایا تو) نوفل نے اپنے فدیہ میں خود ایک ہزار نیزے دیئے اور رہائی حاصل کی تھی۔

حنین کو کوچ اور لشکر کی تعداد...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بارہ ہزار لشکر کے ساتھ بنی ہوازن سے مقابلہ کے لئے کوچ کیا۔ ان میں دو ہزار تو مکے والے تھے (جو ابھی مسلمان ہوئے تھے) اور دس ہزار وہ صحابہ تھے جن کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے مکہ فتح کرایا تھا (اور جو مدینہ سے آنحضرت ﷺ کے ساتھ آئے تھے)

بعض علماء نے لکھا ہے کہ مکے والوں میں سوار بھی تھے اور پیدل بھی تھے۔ یہاں تک کہ ان میں بہت سی عورتیں بھی بے تکلیف پیدل چل رہی تھیں اور مال غنیمت کی تمنائیں تھیں۔

مشرکین کی ہمراہی...... چنانچہ اس غزوہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ ۸۰ مشرکین بھی تھے جن میں صفوان ابن امیہ اور سہیل ابن عمرو شامل تھے۔ جب یہ لشکر دشمن کے پڑاؤ کے قریب پہنچ گیا تو آنحضرت ﷺ نے ان کی صف بندی کی اور مہاجرین وانصار میں پرچم اور جھنڈے تقسیم فرمائے۔

اسلامی پرچم...... مہاجرین کا پرچم آپ نے حضرت علیؓ کے سپرد فرمایا نیز ایک پرچم آپ نے حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص کو بھی عنایت فرمایا۔ اسی طرح ایک رامیہ یعنی پرچم آپ نے حضرت عمر فاروقؓ کو دیا۔ انصار میں خزرجیوں کا پرچم آپ نے حضرت حبابؓ ابن منذر کو عنایت فرمایا اور اوسیوں کا پرچم حضرت اسیدؓ ابن حضیر کو دیا گیا۔

کتاب سیرت دمیاطی میں ہے کہ اوس و خزرج کے ہر خاندان کو ایک ایک پرچم دیا گیا جو اسی خاندان کے کسی آدمی کے ہاتھ میں تھا۔ اسی طرح قبائل کو بھی لواء اور رایات دیئے گئے جنہیں انہیں کے کسی آدمی نے بلند کر رکھا تھا۔

آنحضرت ﷺ کی داؤدی زرہ...... آنحضرت ﷺ اپنے خچر پر سوار تھے اور دو زرہیں پہنے ہوئے تھے اس کے علاوہ آپ نے بکتر اور خود بھی زیب بدن فرما رکھا تھا۔ آپ نے جو دو زرہیں پہنی ہوئی تھیں ان میں سے ایک کا نام تو ذات الفضول تھا اور دوسری کا نام سغدیہ تھا۔ یہ سغدیہ نامی زرہ حضرت داؤدؑ کی تھی جو انہوں نے اس وقت پہن رکھی تھی جب جالوت کو قتل کیا تھا۔

مشرکین کے ایک مقدس درخت سے گزر...... مسلمان راہ میں بیری کے ایک درخت کے پاس سے گزرے جس کا مشرکین بہت زیادہ احترام کرتے تھے اور فتح کے شگون کے لئے اس کی شاخوں میں اپنی تلواریں اور ہتھیار لٹکایا کرتے تھے (یعنی ان کا عقیدہ تھا کہ اس درخت میں ہتھیار لٹکانے سے جنگ میں فتح نصیب ہوتی ہے اس درخت کو ذات انواط کہا جاتا تھا)۔

ایسے ہی درخت کے لئے صحابہ کی درخواست...... صحابہ نے اس درخت کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

"یارسول اللہ! ہمارے لئے بھی اسی طرح کسی درخت کو ذات انواط اور بابرکت درخت قرار دے دیجئے!"

قوم موسیٰ کی مثال سے جواب...... آپ نے فرمایا:

"اللہ اکبر! یہ ایسا ہی ہے جیسے موسیٰؑ کی قوم نے ان سے کہا تھا کہ۔ ہمارے لئے بھی ایک ایسا ہی معبود بنا دیجئے جیسا ان مشرکوں کا ہے۔ جس پر موسیٰؑ نے فرمایا تھا کہ تم بڑے جاہل لوگ ہو۔ تو اب کیا تم بھی اپنے پچھلوں کی سنت پر عمل کرو گے!"

(تشریح: موسیٰؑ کی قوم نے ان سے جو یہ عجیب اور لغو درخواست کی تھی اس کو قرآن پاک نے بیان کیا ہے' چنانچہ ارشاد باری ہے:

وَجَاوَزْنَا بِبَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰى اَصْنَامٍ لَّهُمْ. قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ط قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ. اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ. قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (پ۹ الاعراف ع۱۶۔ آیات ۱۳۸ تا ۱۴۰)

ترجمہ: اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار اتار دیا۔ پس ان لوگوں کا ایک قوم پر سے گزر ہوا جو اپنے چند بتوں کو لگے بیٹھے تھے۔ کہنے لگے اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ایک مجسم معبود ایسا ہی مقرر کر دیجئے جیسے ان کے یہ معبود ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں یہ منجانب اللہ بھی تباہ کیا جاوے گا اور فی نفسہٖ بھی ان کا یہ کام محض بے بنیاد ہے۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو تمہارا معبود تجویز کر دوں حالانکہ اس نے تم کو تمام جہان والوں پر فوقیت دی ہے۔

(غرض یہ کہ غزوۂ حنین کے دوران جب صحابہ نے مشرکوں کے اس محترم درخت کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ ہمارے لئے بھی اسی طرح کسی درخت کو بابرکت اور محترم قرار دیجئے تو آنحضرت ﷺ نے ان کی اس درخواست کو موسیٰؑ کی قوم کے اس سوال سے مشابہ قرار دیا اور گویا صحابہ کے اس سوال کو بھی لغو بتلایا۔ تشریح ختم۔ از مرتب۔)

وادیٔ حنین میں اچانک حملہ...... غرض مسلمان آگے بڑھے آخر بالکل صبح اندھیرے منہ یہ لشکر حنین کے مقام پر پہنچا اور اس وادی میں داخل ہو گیا۔ مشرکین کا لشکر (جس کی تعداد علامہ ابن کثیر کے مطابق بیس ہزار تھی) اس وادی کے پہاڑوں اور دروں میں پہلے سے چھپا ہوا بیٹھا تھا جیسے ہی مسلم لشکر اس وادی میں داخل ہوا مشرکین نے اچانک اپنی کمین گاہوں سے نکل کر اس پر زبردست یورش کر دی۔

درید کا صحیح مشورہ...... مشرکین کا لشکر یہاں درید ابن صمہ کے مشورے پر چھپایا گیا تھا۔ اس نے مالک ابن عوف سے کہا تھا:

"اپنے لشکر کے لئے تم کمین گاہیں بنا لو اور انہیں ان میں چھپا دو تاکہ اگر دشمن تمہارے اوپر حملہ کر کے دباؤ ڈالے تو اس کے پیچھے تمہارا لشکر کمین گاہوں سے نکل کر دشمن پر پشت سے حملہ کر دے اور اسی وقت تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ سامنے سے دباؤ ڈالنا۔ اور اگر پہلا حملہ تم کرو تو دشمن کو بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں ملے گا کیونکہ تمہارے ساتھی پشت سے نکل کر ان کا راستہ روک دیں گے۔ اور اس طرح تمہارے پورے لشکر کا متحدہ حملہ دشمن کو گھیر لے گا!"

ہوازن کی تیر اندازی...... یہ بنی ہوازن کے لوگ بہترین تیر انداز تھے (جو بہت دور اور سچے نشانے کے ساتھ تیر پھینکنے میں ماہر تھے) لہٰذا انہوں نے اپنی کمین گاہوں سے نکلتے ہی مسلمانوں کو تیروں کی باڑھ پر رکھ لیا۔ ان کے ہزاروں تیر ایک ساتھ اس طرح آرہے تھے جیسے ٹڈی دل ہوتا ہے اور مشکل ہی سے کوئی تیر خالی جاتا تھا (جس کی وجہ سے مسلمان گھبرا گئے اور جس کا جدھر منہ ہوا آنحضرت ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ اٹھا)۔

حضرت براءؓ ابن عازب سے روایت ہے کہ ایک دفعہ کسی شخص نے ان سے پوچھا کہ کیا غزوۂ حنین کے موقعہ پر تم لوگ رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے؟ انہوں نے کہا۔

"ہاں۔ مگر رسول اللہ ﷺ نہیں بھاگے (بلکہ اپنی جگہ ثابت قدم رہے)!"

اب جہاں تک حضرت سلمہؓ ابن اکوع کی اس روایت کا تعلق ہے جس میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس سے پسپائی کے وقت گزرا۔ تو یہاں پسپائی سے خود سلمہؓ ابن اکوع کی حالت مراد ہے نہ کہ رسول اللہ ﷺ کی۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کبھی کسی

موقعہ پر پسپا نہیں ہوئے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

مسلمانوں کی پسپائی...... حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ بنی ہوازن کے لوگ بڑے قادر تیر انداز ہیں مگر جب ہم نے ان پر حملہ کیا تو وہ پسپا ہو گئے اسی وقت ہم لوگ مال غنیمت لوٹنے میں مصروف ہو گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیں مصروف دیکھ کر وہ لوگ پلٹ پڑے اور انہوں نے ہمیں اپنے تیروں کی باڑھ پر رکھ لیا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان پسپا ہو کر بھاگ اٹھے اور ایک کو دوسرے کا ہوش نہ رہا۔

ہمراہی مشرکوں کی دغا...... کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ جو مکے والے تھے اور جن کو وہاں آزاد کر دیا گیا تھا ان میں کچھ تازہ مسلمان ہوئے تھے (اور ایمان نے ابھی ان کے دلوں میں گھر نہیں کیا تھا ساتھ ہی ان میں بہت سے ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) انہوں نے جب دیکھا کہ بنی ہوازن نے اچانک پلٹ کر حملہ کر دیا ہے تو وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے:

"یہی موقعہ ہے کہ میدان سے بھاگ کھڑے ہو اور (مسلمانوں کو ہراساں کرنے کے لئے) پسپا ہو جاؤ!"

یہ کہتے ہیں وہ لوگ ایک دم بھاگ اٹھے ان کو بھاگتے دیکھ کر دوسرے لوگ یعنی مسلمان بھی بھاگ پڑے تو گویا اصل میں پہلے پسپائی اختیار کرنے والے یہ لوگ تھے (اور ظاہر ہے کہ عین لڑائی کے دوران اور دشمن کے دباؤ کے وقت اگر فوج کا ایک حصہ بھاگ اٹھے تو سارا ہی لشکر گھبرا جائے گا اور بھاگنے والوں کا ساتھ دے گا)۔

پسپائی کا سبب...... اس وقت حضرت ابو قتادہؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا اللہ کا حکم یوں ہی تھا۔

اب اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگ میں مسلمان دو مرتبہ پسپا ہوئے ایک تو بالکل جنگ کے آغاز میں (جبکہ بنی ہوازن نے اچانک اپنی کمین گاہوں سے نکل کر مسلمانوں پر تیر اندازی کی) اور دوسرے اس وقت جب کہ مسلمان (مشرکوں کو پسپا کرتے ہی) مال غنیمت لوٹنے میں مشغول ہوئے (اور مشرکوں نے ان کی اس غلطی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اچانک پلٹ کر ان کو اپنے تیروں کی باڑھ پر رکھ لیا)۔ مگر کتاب اصل میں صرف پہلی پسپائی کو ہی ذکر کیا گیا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے گرد صرف چند جاں نثار...... غرض صحابہ کے پسپا ہو کر بھاگنے کے نتیجہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف چند جاں نثار صحابہ باقی رہ گئے (اور آپ دشمن کے نرغے میں تھے) آخر آپ وہاں سے دائیں جانب ہٹ آئے۔ اس وقت آپ کے ساتھ جو صحابہ تھے ان میں حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ، اور ان کے بیٹے حضرت فضلؓ، حضرت عباسؓ کے بھتیجے ابو سفیان ابن حارثؓ، ربیعہ ابن حارثؓ اور آنحضرت ﷺ کے چچازاد بھائی معتب ابن ابولہب شامل تھے۔ ان معتب کی ایک آنکھ پھوٹ گئی تھی مگر میں نہیں جانتا کہ کون سی آنکھ پھوٹی تھی۔

جہاں تک ان حضرات کا تعلق ہے جو اس نازک وقت میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے تو ان کی تعداد کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ ایک قول ہے کہ ان کی تعداد سو تھی ایک قول ہے کہ ۸۰ تھی۔ ایک قول کے مطابق یہ کل ملا کر بارہ تھے اور ایک قول کے مطابق صرف دس ہی تھے اسی طرح ایک قول کے لحاظ سے تین سو تھے۔

مگر ان مختلف روایات کی وجہ سے کوئی شبہ نہیں پیدا ہوتا کیونکہ ان میں موافقت ممکن ہے (یعنی ہو سکتا ہے مسلمانوں کے بھاگنے کے وقت ابتداء میں آپ کے ساتھ تین سو صحابہ باقی رہ گئے ہوں اور پھر رفتہ رفتہ وہ بھی دشمن کے مسلسل دباؤ کی وجہ سے پسپا ہوتے گئے ہوں یہاں تک کہ آخر میں صرف دس ہی رہ گئے ہوں۔ اب جہاں تک روایات کا تعلق ہے تو جس راوی نے

جتنی تعداد آپ کے ساتھ دیکھی اتنی ہی بیان کر دی۔ واللہ اعلم)۔

آنحضرت ﷺ کی پکار اور سواری..... (غرض جب صحابہ اس طرح جانیں بچا کر اور آنحضرت ﷺ کا ساتھ چھوڑ کر بھاگے تو) رسول اللہ پکار پکار کر فرمارہے تھے:

"میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں محمد ابن عبداللہ ہوں۔ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں!"

حضرت عباسؓ سے روایت ہے کہ اس وقت میں آنحضرت ﷺ کا خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھا اس خچر کا نام شہباز تھا جو مادی تھی اور یہ خچری فروہ ابن عمرو جذامی نے رسول اللہ ﷺ کو ہدیہ کی تھی جو بلقاء کا والی تھا اور فلسطین میں رومی شہنشاہ قیصر کی طرف سے مقرر تھا۔ اس خچری کو فضہ کہا جاتا تھا۔ ایک قول ہے کہ اس کو دُلدُل کہا جاتا تھا جو مقوقس شاہ مصر نے آنحضرت ﷺ کو ہدیہ کی تھی۔

بخاری میں ہے کہ دلدل نامی سواری آپ کو ایلہ کے بادشاہ نے ہدیہ کی تھی۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ دوسری قول کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو ابو نعیم نے حضرت انسؓ سے پیش کیا ہے کہ حنین میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تو رسول اللہ ﷺ شہباء پر سوار تھے جس کا نام دُلدُل تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو مخاطب کر کے فرمایا:

"دل دل۔ نیچے کو جھک جا۔!" چنانچہ اس نے فوراً اپنا پیٹ زمین سے ملا دیا۔ حدیث۔

غرض اس وقت ابو سفیان ابن حرثؓ نے آنحضرت ﷺ کی سواری کی رکاب پکڑ رکھی تھی اور لوگوں کو بھاگتے دیکھ کر یہ کہہ رہے تھے:

"لوگو۔ کدھر چلے جا رہے ہو!"

عباسؓ کو پکارنے کا حکم..... حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ اس کے باوجود میں دیکھ رہا تھا کہ لوگ ان کی آواز پر توجہ نہیں کر رہے تھے۔ اسی وقت آنحضرت ﷺ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا:

"عباس۔ لوگوں کو پکار کر کہو کہ۔ اے گروہ انصار! اے شجرہ رضوان والو! یعنی جس درخت کے نیچے حدیبیہ میں بیعت لی گئی تھی۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ عباس! مہاجرین کو آواز دو جنہوں نے درخت رضوان کے نیچے بیعت دی تھی۔ اور ان انصاریوں کو پکارو جنہوں نے پناہ اور مدد اور نصرت دی تھی!"

عباسؓ کی بلند آوازی..... آنحضرت ﷺ نے یہ حکم خاص طور پر حضرت عباسؓ کو اس لئے دیا کہ وہ غیر معمولی طور پر بلند آواز تھے یہاں تک کہ ان کی آواز آٹھ میل کے فاصلے تک سنی جا سکتی تھی۔ حضرت عباسؓ اخیر شب میں کے میں سلع پہاڑ پر کھڑے ہو کر اپنے لڑکوں کو آواز دیا کرتے تھے جو غابہ کے مقام پر ہوا کرتے تھے اور وہ لوگ ان کی آواز سن لیا کرتے تھے جب کہ سلع پہاڑی اور غابہ کے درمیان آٹھ میل کا فاصلہ تھا۔

ایک دفعہ مدینے پر کچھ گھوڑے سواروں نے غارت گردی کی انہوں نے پکار کر کہا۔ واصباحاہ۔ لوگو دوڑو۔ انہوں نے یہ فریاد اس قدر بلند آواز سے کی کہ جس حاملہ عورت نے سنی اسی کا حمل ان کی آواز کی دہل سے گر گیا۔

عباسؓ کی صدا اور سورۂ بقرہ والے..... ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ حضرت عباسؓ نے یوں آواز دی۔ اے حدیبیہ کے موقعہ پر سمرہ یعنی بیعت دینے والو۔ اے سورۂ بقرہ والو۔ یہاں خصوصیت سے سورۂ بقر کا ذکر کرنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ پہلی سورت ہے جو مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تھی اور اس لئے کہ اس میں یہ آیت بھی ہے:

كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِإِذْنِ اللهِ۔ وَاللهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔ (پ ۲ بقرہ ع ۳۳۔ آیت ۲۴۹)

ترجمہ: کثرت سے بہت سی چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی بڑی جماعتوں پر خدا کے حکم سے غالب آگئی ہیں اور اللہ تعالیٰ استقلال والوں کا ساتھ دیتے ہیں۔

اسی طرح سورۂ بقرہ میں یہ آیت بھی ہے:

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ۔ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ۔ (الٓمّٓ پ ا سورۂ بقرہ ع۔ آیت ۴۰)

ترجمہ: اور پورا کرو تم میرے عہد کو پورا کروں گا میں تمہارے عہدوں کو اور صرف مجھ ہی سے ڈرو

نیز اسی سورۂ بقرہ میں یہ آیت بھی ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللهِ وَاللهُ رَؤُوْفٌ بِالْعِبَادِ۔

ترجمہ: اور بعضے آدمی ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی میں اپنی جان تک صرف کر ڈالتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کے حال پر نہایت مہربان ہیں۔

ایک روایت کے مطابق حضرت عباسؓ نے ان الفاظ میں پکارا:

"اے اللہ کے مددگارو اور اس کے رسول کے مددگارو۔ اے بنی خزرج۔ یہاں بنی اوس کو چھوڑ کر صرف بنی خزرج کو پکارنے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے جنگ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ صبر و ثبات کا مظاہرہ کیا تھا۔

اس آواز پر لوگوں کی واپسی...... غرض آنحضرت ﷺ کی طرف سے یہ صدا سنتے ہی لوگوں نے ایک دم لبیک لبیک اور ایک روایت کے مطابق۔ یالبیک۔ یالبیک کہہ کر آنحضرت ﷺ کی طرف واپس آنا شروع کر دیا (اور بھاگنا چھوڑ کر پھر آنحضرت ﷺ کے گرد اور دشمن کے مقابلہ پر آگئے)۔

بخاری میں یوں ہے کہ جب سب لوگ دشمن کے حملے کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس صرف ایک جاں نثار باقی رہ گیا تو اس وقت آپ نے دو مرتبہ صدا بلند کی تھی۔ ایک دفعہ آپ نے دائیں جانب مڑ کر پکارا۔ اے گروہ انصار۔ انصار فوراً ہی یہ کہہ کر رک گئے۔ لبیک یعنی حاضر ہیں یارسول اللہ۔ مطمئن ہو جائیے ہم آپ کے ساتھ ہیں اس کے بعد بائیں جانب مڑے اور آپ نے پھر پکارا۔ اے گروہ انصار۔ اس صدا پر بائیں جانب کے لوگوں نے فوراً کہا: لبیک یارسول اللہ۔ مطمئن ہو جائیے ہم آپ کے ساتھ ہیں۔

بہر حال ان دونوں تفصیلات سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ صدا حضرت عباسؓ کے بعد اس وقت دی ہو جب انصاری آپ کے قریب آچکے تھے (یعنی حضرت عباسؓ کی پکار پر وہ لوگ مڑے اور مڑ کر آنحضرت ﷺ کی طرف واپس ہوئے جب قریب ہو گئے تو خود آنحضرت ﷺ نے اپنے دائیں بائیں آواز دی جس پر انہوں نے وہ الفاظ کہے جو ذکر ہوئے)۔

افراتفری میں واپسی کی مشکل...... چونکہ اس وقت لوگ پسپا ہو کر بے تحاشہ بھاگ رہے تھے اس لئے آنحضرت ﷺ کی آواز پر جب کوئی شخص واپسی کے لئے اونٹ کو موڑنا چاہتا تو موڑ نہیں سکتا تھا۔ آخر وہ اپنی زرہ اٹھا کر گلے میں ڈالتا، تلوار اور ترکش سنبھالتا اور پھر اونٹ سے کود کر اسے چھوڑ دیتا۔ اس کے بعد وہ آواز کی سمت چلتا اور تب جا کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچتا۔

ایک صحابی کہتے ہیں کہ اس وقت انصاری مسلمان اس طرح پروانہ وار آپ کی طرف دوڑ رہے تھے جیسے اونٹ اپنے بچوں

کی طرف۔ اور ایک روایت کے مطابق۔ جیسے گائے اپنے بچے کی طرف بھاگ بھاگ کر پہنچتی ہے۔ اس افراتفری میں مجھے رسول اللہ ﷺ کے لئے کفار کے نیزوں سے زیادہ خوف ان بھاگ بھاگ کر آنے والوں کے نیزوں کی طرف سے ڈر لگ رہا تھا۔

مسلمانوں کا نیا حملہ اور گھمسان کی جنگ...... آخر جب سو مسلمان آپ کے گرد جمع ہو گئے تو انہوں نے آگے بڑھ کر مشرکوں پر حملہ کیا اور قتل و قتال شروع کیا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نے ابھر کر مسلمانوں کو دیکھا تو انہیں شمشیر زنی میں مصروف پایا۔ اس موقعہ پر بھی مسلمانوں کا جنگی نعرہ وہی تھا جو فتح مکہ کے دن تھا۔

اس وقت رسول اللہ ﷺ نے قتل و خون ریزی کا بازار گرم دیکھ کر فرمایا:

"اب وطیس یعنی تو آپوری طرح گرم ہو گیا ہے!"

وطیس ایک پتھر کی سِل کو کہتے ہیں۔ عرب کے لوگ اس توے کے نیچے آگ جلا کر اس پر گوشت کے پارچے بھونا کرتے تھے۔ ویسے اصل میں وطیس کے معنی تنور کے ہیں (جس کو عام لوگ تندور کہتے ہیں)! مگر یہ ان کلمات میں سے ہے جو آنحضرت ﷺ کے سوا کسی کی زبان سے نہیں سنے گئے۔ یہ ایک کہاوت ہے جو گھمسان کی جنگ کے وقت بولی جاتی ہے۔

غرض پھر رسول اللہ ﷺ یہ کلمات فرمانے لگے:

"میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں!"

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سو آدمی آنحضرت ﷺ کے پاس شکست کھانے کے بعد آکر جمع ہوئے تھے۔ لہٰذا اس سے اسی قول کی تائید ہو جاتی ہے کہ اس نازک موقعہ پر جو لوگ صبر و ثبات کے ساتھ جمے رہے ان کی تعداد سو تک نہیں پہنچی تھی۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ غزوہ حنین کے دوران جب مسلمان پسپا ہو کر اور آنحضرت ﷺ کو تنہا چھوڑ کر بھاگے تو آپ نے حضرت حارثہؓ ابن نعمان سے فرمایا:

حارثہؓ کی ثابت قدمی اور جبرئیل کا انعام...... "حارثہ! تمہارے خیال میں کتنے لوگ اس وقت مقابلے پر جمے ہوئے ہیں؟"

حارثہؓ کہتے ہیں کہ میں نے انہیں شمار کیا تو وہ سو تھے چنانچہ میں نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! سو آدمی ہیں۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ایک مرتبہ جب کہ رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی کے دروازے پر کھڑے ہوئے جبرئیلؑ سے باتیں کر رہے تھے تو میں وہاں پہنچ گیا۔ جبرئیلؑ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا۔

"اے محمد ﷺ۔ یہ کون شخص ہے؟"

آپ نے فرمایا:

"یہ حارثہ ابن نعمان ہے!"

یہ سن کر جبرئیلؑ نے کہا:

"یہ ان سو آدمیوں میں سے ایک ہے جنہوں نے غزوۂ حنین کے موقعہ پر صبر و ثبات کا مظاہرہ کیا تھا اگر یہ مجھے سلام کر سکتا تو میں اس کے سلام کا جواب ضرور دیتا!"

اس کے بعد جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس واقعہ کی خبر دی تو میں نے عرض کیا:

"میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ آپ کے ساتھ یہ دحیہ کلبیؓ کھڑے ہوئے ہیں!"

ایک روایت میں یوں ہے کہ جب غزوۂ حنین میں لوگ آنحضرت ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ اٹھے تو آپ کے ساتھ صرف چار آدمی باقی رہ گئے تھے جن میں سے تین تو بنی ہاشم یعنی آنحضرت ﷺ کے خاندان والے تھے اور ایک ان کے علاوہ تھا۔ بنی ہاشم کے تین حضرات یہ تھے۔

علی ابن ابو طالب۔ عباس ابن عبد المطلب جو دونوں آنحضرت ﷺ کے سامنے ڈٹے ہوئے تھے اور تیسرے ابوسفیان ابن حارث جو آپ کی سواری کی لگام پکڑے ہوئے تھے۔

چوتھے آدمی جو بنی ہاشم کے علاوہ تھے حضرت ابن مسعودؓ تھے یہ آپ کے بائیں جانب کھڑے ہوئے تھے۔ ان جاں نثاروں کی وجہ سے مشرکین میں سے جو شخص بھی آنحضرت ﷺ کی طرف بڑھنے کی کوشش کرتا وہی کشتہ ہو کر گرتا تھا۔

ایک صحابی کہتے ہیں کہ میں نے اس موقعہ پر ابوسفیان ابن حارث کو دیکھا وہ آنحضرت ﷺ کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھے۔

مگر یہ بات اس گذشتہ روایت کے خلاف نہیں ہے جس کے مطابق لگام پکڑے ہوئے حضرت عباس ابن عبد المطلب تھے اور ابوسفیان ابن حارث آپ کی سواری کی رکاب پکڑے ہوئے تھے۔ ان میں اختلاف یوں نہیں ہے کہ پہلے یہ رکاب پکڑے ہوں اور پھر لگام سنبھال لی ہو۔

ابوسفیان کا جذبہ جاں نثاری...... ابوسفیان ابن حارث سے روایت ہے کہ جب غزوۂ حنین میں ہمارا دشمن سے مقابلہ ہوا تو میں اپنے گھوڑے سے کود گیا اس وقت میرے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی اور اللہ جانتا ہے کہ میں آنحضرت ﷺ پر نثار ہو جانا چاہتا تھا آنحضرت ﷺ اس وقت مجھے دیکھ رہے تھے۔ اس وقت حضرت عباسؓ نے آپ سے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! یہ آپ کا بھائی اور آپ کے چچا کا بیٹا ابوسفیان ہے اس سے راضی ہو جائیے"۔

ابوسفیان کی بخشش...... (یعنی اگرچہ اس نے کفر کے زمانے میں آپ کو بہت تکلیفیں پہنچائی ہیں مگر اب اس کا جذبہ محبت اور فدائیت دیکھتے ہوئے اس کو معاف فرما دیجئے اور اس سے خوش ہو جائیے) تب آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے ان کی وہ تمام دشمنیاں معاف فرما دی ہیں جو انہوں نے میرے خلاف کی ہیں!"

اس کے بعد آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور آپ نے مجھے۔ اے بھائی کہہ کر پکارا۔

میں نے بڑھ کر رکاب میں رکھا ہوا آپ کا پیر چوم لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں فرمایا ہے:

"ابوسفیان ابن حارث جنت کے نوجوانوں میں سے ایک ہے۔ یا۔ جنت کے نوجوانوں کا سردار ہے!"

کیا آنحضرت ﷺ کی صدا شعر تھی...... پیچھے رسول اللہ ﷺ کا ایک کلمہ گزرا ہے کہ جب کچھ صحابہ آپ کے پاس واپس آکر جمع ہو گئے اور دشمن پر ٹوٹ پڑے تو آپ اس وقت یہ فرما رہے تھے کہ۔ میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے۔ یہ کلمات عربی میں یوں ہیں: اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِب۔ اَنَا ابْنُ عبدالمُطَّلب۔!"

شعر کی تعریف...... ان کلمات کے بارے میں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ یہ شعر نہیں ہے (جیسا کہ قافیہ بندی کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے) کیونکہ یہ رجز یہ یعنی جنگی کلام ہے۔

کیا ابن عبد المطلب بطور فخر کہا گیا...... جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے آپ کو ابن عبد اللہ کہنے کے بجائے ابن عبد المطلب کہا اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب کے لوگ آنحضرت ﷺ کی نسبت آپ کے والد عبد اللہ کی طرف کرنے کے بجائے آپ کے دادا عبد المطلب کی طرف کیا کرتے تھے کیونکہ عبد المطلب زیادہ مشہور آدمی تھے اور دوسرے یہ کہ

عبدالمطلب کی زندگی ہی میں عبداللہ کی وفات ہو چکی تھی جب کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت تک ماں کے پیٹ ہی میں تھے جیسا کہ بیان ہوا۔ لہٰذا یہ بات جاہلیت کے زمانے کی طرح باپ دادا کے نام پر فخر کرنے کے طور پر نہیں فرمائی گئی تھی۔

ادھر پیچھے ایک جگہ آنحضرت ﷺ کا ایک ارشاد گزرا ہے جس میں آپ نے خود کو ابن عواتک یعنی عاتکاؤں کا بیٹا اور ابن فواطم یعنی فاطماؤں کا بیٹا فرمایا ہے (اس کی بھی تفصیل بیان ہو چکی ہے)۔

بہر حال یہاں آپ کے ابن عبدالمطلب فرمانے سے یہ مسئلہ نکالا گیا ہے کہ جنگ کے موقعوں پر اس قسم کی نسبت ظاہر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

بطور فخر کہنے کا سبب...... مگر علامہ خطابی نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے آپ کو جوانا ابن عبدالمطلب یعنی میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ کہا یہ بطور فخر کے فرمایا تھا مگر آنحضرت ﷺ نے یہاں اپنے باپ دادا کا ذکر عبدالمطلب کے ایک خواب کی بنیاد پر کیا جو انہوں نے اپنی زندگی میں دیکھا تھا۔ خواب کا یہ واقعہ بنی عبدالمطلب میں بہت مشہور ہوا تھا لہٰذا آنحضرت ﷺ نے اس خواب کی بنیاد پر اپنے آباء واجداد کا تعارف کرایا اور اسی خواب کی بنیاد پر (اپنے نام کے ساتھ) ان کا ذکر کیا عبدالمطلب کا وہ خواب آنحضرت ﷺ کی نشانیوں میں سے ایک تھا (جس کا ذکر ابتدائی صفحات میں ہو چکا ہے)۔

غرض اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اپنے خچر پر سے اترے۔ ایک قول ہے کہ اترے نہیں بلکہ اس پر بیٹھے بیٹھے ہی آپ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا:

"عباس! مجھے کچھ کنکریاں یعنی مٹی اٹھا کر دو!"

مشرکین کی طرف مشت خاک...... اس کے ساتھ ہی آپ کا خچر زمین پر اتنا جھکا کہ اس کا پیٹ تقریباً زمین سے مل گیا اور آنحضرت ﷺ نے ایک مٹھی بھر مٹی اٹھائی۔ بعض علماء لکھتے ہیں کہ (آنحضرت ﷺ کے یہ ارشاد فرماتے ہیں خچر کے زمین پر بیٹھ جانے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ) گویا اللہ تعالیٰ نے اس کو آنحضرت ﷺ کا کلام سمجھنے کا شعور دے دیا تھا۔ یعنی وہ آپ کا مقصد سمجھ گیا تھا۔

ایک روایت میں یوں ہے۔ جیسا کہ بیان ہوا کہ آپ نے اپنے خچر کو ہی خطاب کر کے فرمایا تھا کہ اے دُلدُل نیچے جھک جا۔ چنانچہ یہ سنتے ہی وہ جھک کر زمین سے مل گیا۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ دُل دُل گھٹنوں کے بَل ہو جا۔ چنانچہ وہ فوراً گھٹنوں کے بَل ہو گئی۔ ایک قول ہے کہ حضرت عباسؓ نے مٹی اٹھا کر دی تھی۔ اور ایک قول کے مطابق حضرت علیؓ نے دی تھی۔ نیز ایک قول ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے دی تھی۔ چنانچہ ان سے روایت ہے کہ آپ کا خچر آنحضرت ﷺ سمیت آگے بڑھا اور آپ زمین پر جھکے ہیں انہوں نے فوراً آپ سے کہا کہ اوپر اٹھ جائیے اللہ تعالیٰ آپ کو سربلند ہی رکھے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ مجھے ایک مٹھی بھر مٹی اٹھا کر دو۔ چنانچہ میں نے آپ کو مٹی اٹھا دی۔

آنحضرت ﷺ یہ مٹی اپنے دست مبارک میں لے کر مشرکین کی طرف مڑے اور اسے کفار کے چہروں کی طرف اچھال کر پھینکا اور فرمایا:

"یہ چہرے بگڑ گئے۔"

ایک روایت کے مطابق آپ نے یہ فرمایا کہ:

"حم۔یہ میرے مقابلے میں کامیاب نہیں ہوں گے۔"
یہ خاک دشمن کی آنکھ ناک میں...... ایک روایت کے مطابق آپ نے دونوں جملے ارشاد فرمائے تھے۔
غرض مشرکین کے لشکر میں کوئی شخص ایسا نہیں تھا جس کی آنکھوں اور منہ میں مٹی نہ بھر گئی ہو اسکے بعد آپ نے فرمایا:
"محمد کے پروردگار کی قسم! یہ مشرکین شکست کھا گئے۔"

ہوازن کی شکست...... چنانچہ اسی وقت بنی ہوازن (مسلمانوں سے ایسے دہشت زدہ ہوئے کہ کہاں تو وہ مکمل فتح حاصل کر چکے تھے اور کہاں) اچانک میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ چنانچہ خود بنی ہوازن کے بعض لوگوں نے کہا کہ ہمیں اس وقت ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ہر پتھر اور ہر درخت ایک گھوڑے سوار ہے جو ہمارے تعاقب میں ہے اور پیچھا کر رہا ہے۔

آنحضرت ﷺ پر یلغار اور غیبی امداد...... ایک شخص نے بیان کیا جو غزوۂ حنین کے موقعہ پر مشرک تھا اور مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک تھا کہ جنگ حنین کے موقعہ پر جب ہمارا اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں کا ٹکراؤ ہو تو مسلمان ہمارے مقابلے میں اتنی دیر بھی نہیں ٹھہرے جتنی دیر میں ایک بکری کا دودھ نکالا جاتا ہے اور ہم نے ان کو پسپا کر دیا۔ مگر اسی دوران میں جب کہ ہم مسلمانوں کو ڈھکیل رہے تھے اور ان کے تعاقب میں تھے تو اچانک ہم نے ایک شخص کو دیکھا جو سفید خچر پر سوار تھا۔ دوسرے ہی لمحہ ہم نے انہیں پہچان لیا کہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ تھے۔
(ہم رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر آپ کیطرف بڑھے) تو وہاں آپ کے چاروں طرف ہمارے مقابلے کے لئے بالکل سفید رنگ کے لوگ موجود تھے ان کے چہرے سفید اور خوبصورت تھے۔ ان لوگوں نے ہمیں دیکھتے ہی کہا:
"تمہارے چہرے بگڑ گئے۔ لوٹ جاؤ!"
ان کے ان الفاظ کے ساتھ ہی ہم لوگ پسپا ہو کر بھاگے اور وہ لوگ ہمارے اوپر چڑھے جا رہے تھے اور اس کے بعد وہی ہوا جو انہوں نے کہا تھا۔ کہ ہم لوگوں کو شکست فاش ہوئی۔
اسی موقعہ پر یعنی آنحضرت ﷺ کے مشرکوں کے چہروں کی طرف مٹی پھینکنے کے واقعہ کی طرف قصیدۂ ہمزیہ کے شاعر نے اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

وَرَمیٰ بِالحَصِیّٰ فا قصَدَ جَیْشاً
ما العَصَا عِنْدہ' وَما الالِقاءُ

معجزۂ مشت خاک اور عصائے موسیٰ کا تقابل...... مطلب: رسول اللہ ﷺ نے کنکریاں اور مٹی اٹھا کر دشمنوں کی طرف پھینکی تو وہ عظیم الشان لشکر ہلاک و برباد ہو گیا۔ اس مٹھی بھر خاک کے مقابلے میں موسیٰ کا عصا بھلا کیا چیز ہے اور موسیٰؑ کا اپنے عصا کو زمین پر پھینکنا آنحضرت ﷺ کے اس مشت خاک کو پھینکنے کے مقابلے میں کیا چیز ہے۔ دونوں میں زبردست فرق ہے لہٰذا اس معجزہ کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ آنحضرت ﷺ کا یہ معجزہ اس سے زیادہ عظیم الشان ہے۔ کیونکہ موسیٰؑ کے عصا کا سانپ کی شکل میں تبدیل ہو جانا فرعون کے جادوگروں کی رسیّوں اور لکڑیوں کے زندہ سانپوں کی شکل میں تبدیل ہو جانے کے مشابہ تھا۔ اور نیز یہ کہ عصائے موسیٰ کے اژدھے نے اگرچہ ان جادوگروں کی رسیّوں اور لکڑیوں کے سانپوں کو نگل لیا مگر اس سے ان کی دشمنی میں اور اضافہ ہو گیا۔ جب کہ اس کے مقابلے میں آنحضرت ﷺ کی یہ حصی یعنی مشت خاک تھی جس نے دشمن کو ہلاک و برباد کر دیا اور ان کی جمعیت پریشان کر کے انہیں تتر بتر کر دیا۔

کہا جاتا ہے کہ اس جنگ حنین کے موقعہ پر حق تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِيْنَ. ثُمَّ اَنْزَلَ اللهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا. وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ. ثُمَّ يَتُوْبُ اللهُ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ. وَاللهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (الآیات پ۱۰ سورۂ توبہ ع۴ آیات ۲۵ تا ۲۷)

ترجمہ: تم کو خدائے تعالیٰ نے لڑائی کے بہت موقعوں میں کافروں پر غلبہ دیا اور حنین کے دن بھی جب کہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت سے غرہ ہو گیا تھا پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کار آمد نہ ہوئی اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگی کرنے لگی پھر آخر تم پیٹھ دیکر بھاگ کھڑے ہوئے' اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے قلب پر اور دوسرے مومنین کے قلب پر اپنی طرف سے تسلی نازل فرمائی اور مدد کیلئے ایسے لشکر نازل فرمائے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سزا دی اور یہ کافروں کی دنیا میں سزا ہے۔ پھر اس کے بعد خدا تعالیٰ جس کو چاہیں توجہ نصیب کر دیں اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے بڑی رحمت کرنے والے ہیں"

بعض صحابہ کا لشکر کی کثرت پر زعم...... حدیث میں آتا ہے کہ (غزوۂ حنین کو جاتے ہوئے چونکہ مسلمانوں کا لشکر بہت زبردست تھا اس لئے) ایک صحابی نے۔ اور وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ تھے جیسا کہ سیرت دمیاطی میں ہے (مسلمانوں کی اس کثرت اور عظیم الشان لشکر کو دیکھ کر) رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! آج ہم اپنے لشکر کی کمی کی وجہ سے ہرگز شکست نہیں کھا سکتے!"

(یعنی اگر ہماری شکست کی بنیاد لشکر کی کمی ہو سکتی ہے تو ہمارا لشکر اس قدر عظیم الشان ہے کہ ہمیں شکست نہیں ہو سکتی) آنحضرت ﷺ کو یہ بات بہت گراں گزری' اور یہ کلمات آپ کو بہت زیادہ برے معلوم ہوئے (کیونکہ ان میں فخر و غرور کی بو تھی)۔

یہ کلمات کس نے کہے؟...... مگر ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ کلمات حضرت ابو بکرؓ نے نہیں کہے تھے بلکہ کہنے والے خود رسول اللہ ﷺ تھے کہ آپ نے جب مسلمانوں کا اتنا بڑا لشکر دیکھا تو یہ جملہ فرمادیا۔ ایک قول کے مطابق یہ جملہ ایک انصاری نوجوان نے کہا تھا یعنی حضرت سلمہ ابن اکوع نے یا سلامہ ابن دقش نے کہا تھا۔

ایک حدیث میں ہے کہ اس دن رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی:

"اے اللہ! میں آپ کو اس وعدے کا واسطہ دیتا ہوں جو آپ نے مجھ سے کیا ہے' اے اللہ ان مشرکوں کو ہم پر غالب نہیں آنا چاہئے!"

دعائے موسوی اور دعائے محمدی ﷺ...... علامہ بیہقی نے اپنی کتاب الاسماء والصفات میں ضحاک کی روایت پیش کی ہے کہ جب موسیٰ فرعون کی طرف چلے تو انہوں نے اس وقت جو دعا کی وہی دعا آنحضرت ﷺ نے حنین کے دن کی تھی جس کے الفاظ یہ ہیں:

كُنْتَ وَ تَكُوْنُ
وَاَنْتَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ
تَنَامُ الْعُيُوْنُ وَ تَنْكَدِرُ النُّجُوْمُ
وَاَنْتَ حَيٌّ قَيُّوْمٌ

لَا تَاخُذُكَ سَنَةٌ وَلَا نَوْمٌ
يَا حَيٌّ يَا قَيُّومٌ

ترجمہ: تو ہے اور رہے گا' تو زندہ ہے اور کبھی نہیں مر سکتا' جب کہ آنکھیں نیند میں غافل محو خواب ہوتی ہیں اور ستارے بکھرے ہوئے ہوتے ہیں تو تو اس وقت بھی زندہ اور ہر چیز کا نگہبان رہتا ہے' تجھے نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند آتی ہے اے خدائے زندہ و پاسبان عالم۔

ایک مشرک سورما کا قتل...... غزوۂ حنین میں مشرکوں کی صفوں کے آگے سرخ اونٹ پر سوار ایک شخص تھا جس کے ہاتھ میں ایک سیاہ پرچم تھا۔ یہ پرچم ایک بہت لمبے نیزے میں باندھا گیا تھا یہی ہوازن کے لوگ اس شخص کے پیچھے تھے۔ اگر کوئی شخص اس کی زد میں آجاتا تو وہ فوراً اس کے نیزہ مار دیتا اور اگر وہ اس کے نیزے کی زد سے بچ جاتا تو وہ اپنے پیچھے والوں کے لئے نیزہ اٹھا کر اشارہ کرتا اور وہ لوگ اس پر ٹوٹ پڑے (اور اس سرخ اونٹ والے کے پیچھے پیچھے رہتے)

یہ شخص اسی طرح حملے کرتا پھر رہا تھا کہ اچانک حضرت علیؓ اور ایک انصاری اس شخص کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے قتل کرنے کے لئے بڑھے۔ حضرت علیؓ نے اس کی پشت کی طرف سے آکر اس کے اونٹ کے کولھوں پر وار کیا جس کے نتیجہ میں اونٹ اُلٹے منہ گرا۔ اسی وقت اس انصاری شخص نے اس پر چھلانگ لگائی اور ایسا سخت وار کیا کہ اس کی ٹانگ آدھی پنڈلی سے کٹ گئی۔

اسی وقت مسلمانوں نے مشرکوں پر ایک سخت حملہ کر دیا۔ خدا کی قسم جس وقت بھاگے ہوئے مسلمان واپس رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ دشمن کے قیدی آنحضرت ﷺ کے پاس بندھے ہوئے کھڑے تھے۔

ابتدائی شکست پر نئے مسلمانوں کے ڈھلمل ایمان......اس غزوہ میں ابتدائی طور پر جب مسلمانوں کو شکست ہو گئی تھی اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے تھے تو مکے والوں میں ان لوگوں نے چہ میگوئیاں شروع کر دی (جو ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور) جن کے دلوں میں ابھی ایمان کی پختگی پیدا نہیں ہوئی تھی)۔

ان لوگوں میں ابوسفیان ابن حرب بھی تھے۔ ایک قول ہے کہ اس وقت تک ان کا اسلام مضبوط نہیں ہوا تھا یہاں تک کہ ان کے ترکش میں پانسہ کے تیر بھی موجود تھے (جو مشرکین مکہ ہر کام سے پہلے پھینکا کرتے تھے اور جن کی تفصیل ابتدائی صفحات میں گزر چکی ہے)۔

ابوسفیان کا تبصرہ اور صفوان کا غصہ...... چنانچہ ابوسفیان نے مسلمانوں کی پسپائی دیکھ کر اپنے ساتھیوں سے کہا:

"ان کی یہ شکست اور پسپائی اب سمندر کے ساحل سے پہلے نہیں رک سکتی!"

پھر کہنے لگے:

"خدا کی قسم ہوازن کے لوگ جیت گئے۔

صفوان ابن امیہ (اگرچہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے مگر انہیں ابوسفیان کی یہ بات سخت ناگوار ہوئی اور انہوں) نے غضبناک ہو کر ابوسفیان سے کہا کہ۔ تیرے منہ میں خاک (یعنی خدا نہ کرے ایسا ہو جیسا تو کہہ رہا ہے)۔

ابتدائی شکست پر اہل مکہ میں خوشیاں...... مسلمانوں کی اس ابتدائی شکست کی خبر کے پہنچی تو وہاں بہت سے لوگوں کو اس سے بے حد خوشی ہوئی اور وہ علی الاعلان مسلمانوں کو گالیاں دینے لگے یہاں تک کہ ان میں سے ایک شخص نے (جو ابھی تک کافر ہی تھا) کہا:

"اب عرب کے لوگ اپنے باپ دادا کے دین پر لوٹ آئیں گے!"

ایک دوسرے شخص نے جو صفوان ابن امیہ کا ماں شریک بھائی تھا۔ کہا:
"آج محمد کا جادو ٹوٹ گیا ہے!"

قریش کے آوازے اور صفوان کے دوٹوک جواب...... اس پر صفوان ابن امیہ نے جو اس وقت تک مشرک تھے کہا:
"خاموش۔ خدا کرے تیرے دانت ٹوٹ جائیں۔ یعنی اپنا منہ بند کر۔ خدا کی قسم! مجھے یہ بات کہیں زیادہ محبوب ہے کہ ایک قریشی (یعنی آنحضرت ﷺ) میرا حاکم اور بادشاہ بنے مگر مجھے یہ کسی طرح گوارا نہیں کہ بنی ہوازن کا کوئی شخص مجھ پر حکومت کرے!"

یعنی بنی ہوازن کو فتح ہوئی تو عرب کے سردار اور حاکم وہی لوگ ہوں گے اور قریش کو بھی جو عرب کا سب سے معزز قبیلہ ہے ان ہی کی ماتحتی میں رہنا پڑے گا جب کہ اگر محمد ﷺ کو فتح ہوئی تو ہمیں ان کے سرداری اور بادشاہت تسلیم کرنی ہوگی جو ہمارے لئے آسان ہے کیونکہ آنحضرت بھی قریشی ہیں)۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ ایک قریشی شخص کا گزر صفوان ابن امیہ کے پاس ہوا۔ اس شخص نے صفوان سے کہا:
"تو تمہیں خوشخبری ہو کہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو شکست ہو گئی۔ اب خدا کی قسم وہ اس شکست کے بعد کبھی نہیں پنپ سکیں گے!"

یہ سن کر صفوان ابن امیہ غضبناک ہو اٹھے اور کہنے لگے:
"کیا تو مجھے دیہاتی گنواروں کی فتح پر خوش خبری دے رہا ہے۔ خدا کی قسم! میں ایک قریشی شخص کا محکوم بننا پسند کرتا ہوں مگر کسی دیہاتی کی سرداری میں رہنا گوارا نہیں کر سکتا!"

مخالفین کو عکرمہ کا جواب...... حضرت عکرمہ ابن ابو جہل نے کہا:
"جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اس شکست کے بعد مسلمان کبھی نہیں پنپ سکیں گے تو یہ معاملہ تیرے ہاتھ میں نہیں ہے' یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اس میں محمد ﷺ کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اگر آج کے دن انہیں شکست ہو گئی تو کون جانے کل کا دن ان کا ہو!"

یہ سن کر سہیل ابن عمرو نے کہا:
"وہ زمانہ ابھی زیادہ پرانی بات نہیں ہے جب تم محمد ﷺ کی مخالفت میں پیش پیش رہا کرتے تھے!"

حضرت عکرمہ نے جواب دیا:
"ابو یزید! اس وقت ہمارا کوئی دین ہی نہیں تھا۔ ہماری عقلیں خراب ہو گئی تھیں کہ ہم پتھروں کی پرستش کیا کرتے تھے جو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ فائدہ۔!"

حضرت شیبہ حجبیؓ سے ایک روایت ہے۔ یہ شیبہ دربان حرم تھے اور ان کی اولاد بنو شیبہ کہلاتی ہے جن میں حرم کی دربانی اور کعبہ کی کنجیوں کا سلسلہ چلتا رہا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ عربی میں کعبہ کی کنجیاں رکھنے کے عہدہ کو حجابہ کہا جاتا ہے جس کے معنی ہیں دربانی۔ جس کے پاس کعبہ کی کنجیاں ہوتی ہیں اس کو حاجب حرم کہا جاتا ہے جس کے معنی ہیں دربان حرم۔ اسی نسبت سے کعبہ کی کنجیاں رکھنے والے شخص یا خاندان کو حجبی کہا جاتا ہے)۔

شیبہ کے اسلام کا واقعہ...... غرض یہ شیبہ حجبیؓ اپنے اسلام قبول کرنے کا واقعہ اور اس کا سبب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

ہمارے باپ دادا جن گمراہیوں میں مبتلا تھے ان کو ہم لوگوں نے جس سختی کے ساتھ اختیار کر رکھا تھا وہ ایسی عجیب تھیں کہ میں نے اس سے زیادہ حیرتناک عجیب اور تعصب پسندانہ بات نہیں دیکھی۔

جنگ میں آنحضرت ﷺ کے قتل کی نیت...... یہاں تک کہ فتح مکہ کا سال آگیا اور رسول اللہ ﷺ مکے میں فاتحانہ داخل ہوئے۔ فتح مکہ سے فارغ ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ وہاں سے بنی ہوازن کے مقابلے کیلئے حنین کو روانہ ہوئے۔ اس وقت میں نے کہا کہ میں بھی قریش کے ساتھ بنی ہوازن کے مقابلہ کیلئے جاؤں گا کیونکہ ممکن ہے جنگ کے درمیان جب دونوں لشکر آپس میں گڈمڈ ہو جائیں تو مجھے موقعہ مل جائے اور میں دھوکہ سے محمد ﷺ کو قتل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔ اس طرح میں تنہا ہی تمام قریش کا بدلہ چکا دوں گا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ اس طرح اس روز میں محمد ﷺ سے اپنا انتقام لے سکوں گا۔

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ غزوۂ احد میں شیبہ حجبیؓ کے باپ اور چچا قتل ہو چکے تھے ان کو حضرت حمزہؓ نے مارا تھا۔ شیبہ کہتے ہیں میں اس وقت کہا کرتا تھا کہ اگر عرب اور عجم کا ہر ہر شخص محمد ﷺ کا کلمہ پڑھنے لگے گا تو میں اس وقت بھی ان کی پیروی اختیار نہیں کروں گا بلکہ ان کا یہ بول بالا ان کے خلاف میری دشمنی میں اضافہ ہی کرے گا۔

آنحضرت ﷺ پر شیبہ کا حملہ اور آگ کا کوڑا...... (غرض شیبہ حجبیؓ بھی دوسرے قریشیوں کی طرح آنحضرت ﷺ کے ساتھ حنین کو روانہ ہوگئے) جنگ شروع ہونے کے بعد گھسان کی لڑائی ہونے لگی اور دونوں فریق ایک دوسرے میں گڈمڈ ہوگئے تو اس وقت رسول اللہ ﷺ اپنے خچر پر سے اترے۔ شیبہ کہتے ہیں کہ میں فوراً تلوار سونت کر بڑھا اور آپ کے پاس پہنچ کر میں نے آپ کو قتل کرنے کے لئے تلوار بلند کی مگر جس وقت میری تلوار اپنا کام کرنے ہی والی تھی کہ اچانک بجلی سی چمکی اور آگ کا ایک کوڑا میرے اوپر بلند ہوا۔ قریب تھا کہ وہ کوڑا مجھے جلا کر خاک کر دے کہ میں نے جلدی سے اور ڈر کے مارے (تلوار پھینک کر) اپنے ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لئے۔

شیبہ پر آنحضرت ﷺ کا تبسم اور دعا...... ایک روایت میں یوں ہے کہ جب میں نے آنحضرت ﷺ پر وار کرنے کا ارادہ کیا تو اچانک میرے اور آپ کے درمیان آگ کی ایک خندق اور لوہے کی ایک دیوار حائل ہو گئی۔ اسی وقت رسول اللہ ﷺ نے مجھے آواز دی:

"شیبہ میرے قریب آؤ۔" میں آپ کے پاس پہنچا۔ آپ میری طرف متوجہ ہو کر مسکرائے آپ میری نیت سمجھ چکے تھے۔ چنانچہ آپ نے میرے سینے پر اپنا دست مبارک پھیرا اور بارگاہ رب العزت میں یہ دعا فرمائی:

ذہنی انقلاب اور نبی کی محبت...... "اے اللہ۔ ان کو شیطان سے پناہ دیجئے!"

شیبہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اسی گھڑی سے رسول اللہ ﷺ مجھے اپنے کان' آنکھ اور اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہوگئے اور میرے دل میں آپ کے خلاف جو کچھ جذبات بھرے ہوئے تھے وہ آن کی آن میں ڈھل کر صاف ہوگئے۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ قریب آؤ اور جنگ کرو۔ چنانچہ میں نے آگے بڑھ کر آپ کے سامنے سے دشمن پر حملہ کیا اور تلوار چلانے لگا۔ خدا جانتا ہے کہ اس دن میں اپنی جان دے کر بھی آنحضرت ﷺ کو ہر دشمن سے بچانا چاہتا تھا۔ اگر میرا باپ بھی زندہ ہوتا اور میں اسے آنحضرت ﷺ کے مقابلے پر دیکھتا تو اس پر بھی تلوار آزمائی کرتا۔

اسکے بعد سائے کی طرح آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہا جیسا کہ کچھ دوسرے لوگ بھی آپ کی حفاظت کیلئے آپ کیساتھ ساتھ لگے ہوئے تھے' یہاں تک کہ مسلمان لوٹ کر آنحضرت ﷺ کے پاس آگئے اور سب مل کر ایک دم دشمن پر پلٹ پڑے۔

کفر کی شکست......ادھر میں نے اسی وقت آنحضرت ﷺ کا خچر آپ کے قریب کیا اور آپ اس پر سوار ہو کر سیدھے بیٹھ گئے اور مشرکوں کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ آخر مشرکین منتشر اور تتر بتر ہو گئے اور کسی کو بھی اس کی جرأت نہیں ہوئی کہ پلٹ کر حملہ آور ہو۔

بھگوڑوں کے قتل کا حکم...... آنحضرت ﷺ نے اسی وقت حکم دیا کہ جو مشرک ہاتھ لگے اسے قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ مسلمان ان کا پیچھا کر کے انہیں قتل کرنے لگے یہاں تک کہ بعض لوگوں نے بچوں کو بھی قتل کرنا شروع کر دیا مگر پھر آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو بچوں کے قتل سے منع فرمایا۔

ساتھ ہی آپ نے اعلان کیا کہ جس شخص نے کسی مشرک کو قتل کیا ہے تو مقتول کے ہتھیار وغیرہ قاتل کے ہوں گے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ جو اپنے مقتول کو قتل کرنے کا گواہ پیش کر دیگا (یعنی جو شخص کسی مقتول کے متعلق دعویٰ کرے کہ اسے میں نے قتل کیا ہے اور اس پر کوئی گواہ بھی پیش کر دے) تو مقتول کے ہتھیار وغیرہ اسی کو دیدیئے جائیں گے۔

مقتول کے ہتھیار قاتل کا حق...... کتاب اصل یعنی عیون الاثر میں غزوۂ بدر کے بیان میں کہا گیا ہے کہ جنگ بدر میں جو آنحضرت ﷺ کا یہ قول مشہور ہے کہ۔ جس شخص نے کسی مشرک کو قتل کیا تو مقتول کے ہتھیار وغیرہ قاتل کے ہوں گے۔ تو دراصل آپ کا یہ ارادہ غزوۂ حنین کے موقعہ کا ہے۔ اب جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے جس کے مطابق یہ بات غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں کہی گئی تھی۔ وہ روایت ایسی ہے کہ اس کو حجت اور دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔ چنانچہ امام مالکؒ اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ میرے علم کے مطابق آنحضرت ﷺ نے یہ بات صرف غزوۂ حنین ہی میں ارشاد فرمائی تھی۔ پھر کتاب اصل کے حوالے سے کہا جاتا ہے کہ یہی بات آپ نے غزوۂ موتہ میں بھی فرمائی تھی اور غزوۂ موتہ فتح مکہ سے پہلے کا غزوہ ہے۔

مگر بعض علماء نے لکھا ہے کہ۔ جہاں تک مقتول کے ہتھیار قاتل کو ملنے کا معاملہ ہے تو یہ مسئلہ شروع ہی سے مقرر شدہ ہے غزوۂ حنین میں صرف اس مسئلہ کی تجدید اور تکرار کیا گیا تاکہ عام طریقہ سے سب کو مسئلہ معلوم ہو جائے اور اس کی مشروعیت یعنی شرعی حکم ہونے کا اعلان ہو جائے۔

ابوطلحہ کی سرفروشی...... حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ غزوۂ حنین میں تنہا حضرت ابوطلحہؓ نے بیس مقتولوں کے بدن کا ساز و سامان اور ہتھیار حاصل کئے۔ یعنی انہوں نے تنہا ہی بیس آدمیوں کو قتل کیا اور ان کے ہتھیاروں اور بدن کے ساز و سامان یعنی زرہ بکتر وغیرہ) کے حقدار بنے۔

ابوقتادہ ایک مسلمان کی مدد کو...... حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ غزوۂ حنین میں میں نے ایک مسلمان اور ایک مشرک کو باہم لڑتے ہوئے دیکھا اچانک اس مشرک نے ایک دوسرے مشرک کو اپنی مدد کے لئے بلانا چاہا تاکہ دونوں مل کر اس مسلمان کا کام تمام کر سکیں میں نے یہ صورتحال دیکھی تو فوراً اس مسلمان کی مدد کو پہنچ گیا اور جاتے ہی اس مشرک کے ہاتھوں پر تلوار ماری جس سے اس کا ہاتھ کٹ کر گر گیا۔

ابوقتادہؓ مشرک کے چنگل میں......اس مشرک نے فوراً اپنا دوسرا ہاتھ بڑھا کر میری گردن میں ڈال دیا اور میری گردن پکڑ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد خدا کی قسم جب تک اس کا دم آخر نہیں ہونے لگا اس نے میری گردن نہیں چھوڑی اور نہ میں کوشش کے باوجود) چھڑا سکا اگر دوسرے ہاتھ کے زخم کے مسلسل خون نکلنے کی بنا پر اس کا دم نہ نکل جاتا تو وہ ضرور ایک ہی ہاتھ سے مجھے قتل کر دیتا۔ آخر زیادہ خون نکل جانے کی وجہ سے وہ کمزور ہو کر گر پڑا اور میں نے فوراً ہی اس پر تلوار کا وار کر کے اس کو قتل کر دیا۔

مشرک کا قتل اور اس کے ہتھیار...... مگر چونکہ اس وقت جنگ زور و شور سے ہو رہی تھی اس لئے میں فوراً ہی اس کے ہتھیار وغیرہ نہیں اتار سکا (اور لڑائی میں مشغول ہو گیا) آخر جب جنگ ختم ہو گئی (اور مشرکین شکست کھا کر بھاگ گئے) تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

"یارسول اللہ ﷺ! میں نے ایک شخص کو قتل کیا ہے جس کے پاس پورے ہتھیار وغیرہ ہیں مگر اس وقت جنگ میں مشغولیت کی وجہ سے میں اس کے بدن کا ساز و سامان نہیں اتار سکا تھا۔ اب میں نہیں جانتا کہ کس نے اس کے ہتھیار اتار لئے ہیں!"

اسی وقت مکے والوں میں سے ایک شخص نے کہا:

ہتھیاروں پر ایک قریشی کا قبضہ...... "یارسول اللہ! یہ سچ کہتے ہیں (یعنی اس مقتول کے بدن کا ساز و سامان اتار اگیا ہے اور میں نے اتار لیا ہے) آپ ان کو راضی کر دیں کہ وہ سامان میرے حق میں چھوڑ دیں!"

یہ سنتے ہی حضرت ابو بکرؓ بول اٹھے:

قریشی گیدڑ پر ابو بکرؓ کا غصہ...... "ہرگز نہیں۔ آنحضرت ﷺ ابو قتادہ کو کیوں راضی کریں؟ تم چاہتے ہو کہ اللہ کے شیروں سے میں اس شیر کے مقتول کے ہتھیار تقسیم کر لو جس نے اللہ کے دین کی حفاظت کے لئے جان کی بازی لگائی ہے۔"

ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرت ﷺ کو خطاب کر کے عرض کیا: ہرگز نہیں کہ آپ مقتول کا ساز و سامان اس قریشی گیدڑ کو دیں گے اور اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر کو محروم فرمادیں گے جس نے اللہ کے دین اور اس کے رسول کے لئے اپنی جان لڑائی ہے۔"

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اس قریشی سے فرمایا:

"یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ تم اس مقتول کا ساز و سامان ابو قتادہ کو واپس کر دو۔!"

حق بحقدار رسید...... حضرت ابو قتادہؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے اس شخص سے اپنے مقتول کا ساز و سامان وصول کیا اور پھر میں نے اس ساز و سامان اور ہتھیاروں وغیرہ سے ایک باغ خرید لیا۔ (یعنی وہ سامان بیچ کر یا اس کے بدلے میں مدینے میں ایک باغ خرید لیا)۔

درید کی ربیعہ سے مڈ بھیڑ......ادھر حضرت ربیعہ ابن رفیع کی مڈ بھیڑ درید ابن صمہ سے ہو گئی (جو بنی سعد کا وہی بوڑھا اور تجربہ کار اندھا تھا جس کے ساتھ بنی ہوازن کے لشکر کے سالار مالک کا اختلاف ہو گیا تھا کیونکہ مالک نے اس کے مشورے ماننے سے انکار کر دیا تھا)۔

ربیعہ کا ناکام حملہ اور درید کا تمسخر......درید ایک اونٹ پر سوار تھا حضرت ربیعہؓ یہ سمجھے کہ وہ کوئی عورت ہے انہوں نے اس کے اونٹ کی مہار پکڑلی۔ اور اب جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ ایک بہت بوڑھا اور اندھا آدمی ہے۔ حضرت ربیعہؓ اس کو پہچانتے نہیں تھے۔ درید نے ان سے پوچھا۔ تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا تجھے قتل کروں گا۔ اس نے پوچھا تو کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ ربیعہ ابن رفیع سلمی ہوں۔ یہ کہتے ہی ربیعہ نے اس پر تلوار کا ہاتھ مارا مگر (بوڑھا بڑا گھاگ اور تجربہ کار تھا اور اس کی جنگجوئی کا دور دور تک شہرہ تھا اگرچہ وہ اب بہت بوڑھا اور اندھا ہو چکا تھا مگر اس نے وار بچالیا اور) اس کا کچھ بھی نہ بگڑا۔

درید نے ان کی ناتجربہ کاری پر ان) کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا:

"تیری ماں نے تجھے بڑے خراب ہتھیاروں سے مسلح کر کے بھیجا ہے۔ جا میرے پالان یعنی کجاوہ کے پچھلے حصے سے

میری تلوار اٹھا اور اس سے وار کر۔ ہڈیوں کے حصے سے بچا کر مارنا اور دماغ میں تلوار اتار دینا کیونکہ میں خود اسی طرح لوگوں کو مارا کرتا تھا۔ اس کے بعد جب تو اپنے گھر پہنچے تو اپنی ماں سے بتانا کہ میں نے درید ابن صمہ کو قتل کیا ہے۔ ہو سکتا ہے اسے یاد آجائے کہ ایک دن میں نے تیرے گھر کی عورتوں کو دشمن سے بچایا تھا!"

درید کا قتل اور ربیعہ کی ماں کا افسوس...... غرض حضرت ربیعہؓ نے درید کو قتل کر دیا۔ گھر پہنچنے کے بعد جب ربیعہ نے اپنی والدہ کو یہ واقعہ بتلایا تو اس نے کہا:

"خدا کی قسم تجھے چاہئے کہ اس غلطی کی پاداش میں دویا تین غلام آزاد کرے پھر بیٹے سے کہنے لگی۔ جب وہ تمہیں اپنے اس احسان کی طرف اشارہ کر چکا تھا جو اس نے ہم پر کیا تھا تو تمہیں اس کے احترام میں اس کے قتل سے باز رہنا چاہئے تھا۔"

حضرت ربیعہ نے کہا:

"میں اللہ اور اس کے رسول کی رضاجوئی کے مقابلے میں کسی کا احترام نہیں کر سکتا"۔

ابو طلحہ کی بیوی اُمّ سلیم خنجر بکف...... ایک قول ہے کہ درید کے قاتل حضرت زبیر ابن عوام تھے۔ نیز ایک قول کے مطابق عبداللہ ابن قنیع تھے۔

اس جنگ میں حضرت ابو طلحہؓ کے ساتھ ان کی بیوی حضرت اُمّ سلیم بھی تھیں انہوں نے اپنے پیٹ پر ایک چادر باندھ رکھی تھی اور اس میں خنجر اڑس رکھا تھا۔

اس زمانے میں وہ حاملہ تھیں اور اسی حمل سے ان کے بیٹے عبداللہ پیدا ہوئے تھے۔ حضرت ابو طلحہ نے بیوی کو پیٹ پر بندھی چادر میں خنجر اڑسے دیکھا تو ان سے پوچھا کہ اُمّ سلیم یہ تمہارے ساتھ خنجر کیسا ہے؟

انہوں نے کہا:

"اگر مشرکوں میں سے کوئی شخص میرے قریب آیا تو میں یہ خنجر اس کے بھونک دوں گی۔"

حضرت ابو طلحہ نے رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا:

"یا رسول اللہ! آپ نے سنا یہ اُمّ سلیم جس کی آنکھوں میں کیچڑ بہتا ہے کیا کہہ رہی ہے۔!"

یہ کہہ کر انہوں نے اُمّ سلیم کی بات آنحضرت ﷺ سے بیان کی۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ ہنسنے لگے:

اُمّ سلیم کو رمیصا اور غُمیصا کہا جاتا ہے جس کے معنی ہیں وہ عورت جس کی آنکھوں سے کیچڑ بہتی رہتی ہے۔ چنانچہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اُمّ سلیم کو رمیصا اسی لئے کہا جاتا تھا کہ ان کی آنکھوں میں کیچڑ بہتی رہتی تھی۔

اُمّ سلیم کا مہر ابو طلحہ کا اسلام...... اُمّ سلیم کے بیٹے انسؓ ابن مالکؓ سے روایت ہے کہ اُمّ سلیم میرے باپ مالک کے نکاح میں تھیں پھر میرے باپ مالک کفر کی حالت میں ہی مر گئے تو میرے چچا ابو طلحہ نے ان سے اپنا رشتہ دیا۔ اس وقت ابو طلحہ بھی کافر تھے اس لئے اُمّ سلیم نے رشتہ کو انکار کر دیا اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ ابو طلحہ مسلمان ہو گئے تو اُمّ سلیم نے ان سے کہا:

میں اب تم سے شادی کرنے پر راضی ہوں اور تم سے کوئی مہر نہیں لوں گی بس تمہارا اسلام ہی میرا مہر ہے!"

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں جنت میں داخل ہوا تو مجھے کچھ آہٹ سنائی دی۔ میں نے پوچھا یہاں کون ہے؟ تو فرشتوں نے کہا کہ یہ انس ابن مالک کی والدہ غمیصا بنت ملحان ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی اُمّ سلیمؓ سے محبت و شفقت...... حضرت انسؓ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج کے

سوا کسی عورت کے گھر تشریف نہیں لے جاتے تھے البتہ اُمّ سلیم کے ہاں جایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ اس بارے میں آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

"اس کا بھائی میری ہمراہی میں قتل ہو گیا تھا اس لئے میں اس کا خیال کرتا ہوں!"

غالباً آنحضرت ﷺ کے اُمّ سلیم کے پاس جانے سے مراد یہ ہے کہ آپ جس طرح اپنی ازواج کے پاس اکثر جایا کرتے تھے اسی طرح اُمّ سلیم کے یہاں بھی اکثر تشریف لے جاتے تھے مگر یہ بات اس قول کے خلاف نہیں ہے جس کے مطابق آپ بعض انصاری خواتین کے یہاں بھی جاتے تھے کیونکہ ایک اجنبی عورت کے پاس جانے کا جواز آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے اس لئے کہ آنحضرت ﷺ کے جانے میں کسی فتنہ کا اندیشہ نہیں تھا) لہٰذا آپ اُمّ سلیم کے یہاں چلے جاتے تھے۔ اُمّ سلیم ہی اُمّ حرام تھیں وہ آنحضرت ﷺ کے سر میں جوئیں بھی تلاش کرتی تھیں اور آنحضرت ﷺ ان کے یہاں سو بھی جایا کرتے تھے۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ ربیع کے یہاں بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔

پھر میں نے اُمّ سلیم کے یہاں آنحضرت ﷺ کے جانے کے سلسلے میں کتاب امتاع دیکھی جس میں انہوں نے یہ روایت بیان کی ہے اور کتاب مزیل الخفاء میں یہ بھی ہے کہ اُمّ سلیم اور ان کی بہن آنحضرت ﷺ کی رضاعی خالائیں تھیں۔ لہٰذا اب معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کا ان کے یہاں جانا اس بنیاد پر نہیں تھا کہ آپ کے لئے اجنبی عورت کے پاس تنہائی میں بیٹھنا جائز تھا (بلکہ آپ اس لئے ان کے یہاں جاتے تھے کہ وہ اور ان کی بہن دونوں آپ کی رضاعی خالائیں تھیں)۔

اُمّ سلیم کے بچے کی وفات...... حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ اُمّ سلیم سے ابو طلحہ کا جو بیٹا تھا (یعنی انسؓ کا ماں شریک بھائی) اس کا نام عمیر تھا جس کو رسول اللہ ﷺ چھیڑا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے: أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ۔ یعنی ابو عمیر وہ سرخ پرندا کہاں گیا۔ دراصل ابو عمیر نے ایک سرخ رنگ کا پورا یعنی چڑیا پالی تھی جو کچھ دن بعد ایک روز اڑ گئی ادھر سرخ پورے کو نُغیر کہتے ہیں جو عُمیر کے ہم وزن لفظ ہے۔ اس طرح گویا آپ نے ابو عمیر کی چھیڑ بنالی تھی۔ کہ وہ آپ کے سامنے ہوتے تو آپ اس بچہ کو الفاظ سے چھیڑتے تھے۔ اس بات کو علامہ سیوطی نے اپنی کتاب شمر ید الاکبار میں ذکر کیا ہے۔ مگر بعض علماء نے لکھا ہے کہ وہ بچہ ابو عمیر کے علاوہ دوسرا تھا۔

غرض اس بچے کا اچانک انتقال ہو گیا۔ ام سلیم نے لوگوں سے کہا:

"ابو طلحہ کو اس حادثہ کی اطلاع کوئی شخص نہ کرے تاکہ میں خود انہیں یہ خبر دوں!"

اُمّ سلیم کا صبر اور شوہر کی دلدہی...... اس کے بعد جب ابو طلحہ آئے تو انہوں نے آتے ہی پوچھا میرے بیٹے کا کیا حال ہے؟ اُمّ سلیم نے کہا کہ وہ ہمیشہ سے زیادہ آرام کے ساتھ ہے۔ اس کے بعد انہوں نے ان کے سامنے رات کا کھانا رکھا۔ ابو طلحہؓ نے اطمینان سے کھایا پیا۔ پھر اُمّ سلیم نے ہمیشہ سے زیادہ ان کی دلداری کی اور بن سنور کر آئیں ابو طلحہ نے ان کے ساتھ ہمبستری کی۔

شوہر کو رفتہ رفتہ اطلاع...... اب جب کہ اُمّ سلیم نے دیکھا کہ وہ اطمینان سے کھا پی چکے ہیں اور ان کے ساتھ لیٹ بھی چکے ہیں تو انہوں نے کہا:

"ابو طلحہ! آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر کچھ لوگ اپنی کوئی چیز کسی گھرانے کو امانت کے طور پر دیں اور پھر کچھ وقت کے بعد

مانگیں تو کیا اس گھرانے کو یہ مناسب ہے کہ وہ امانت واپس کرنے سے انکار کر دے؟"
ابو طلحہ نے کہا نہیں (ہر گز انکار نہیں کرنا چاہئے)۔
تب اُمّ سلیم نے کہا:
"بس تو اپنے بیٹے کے لئے بھی صبر کرو!"
ابو طلحہ یہ سنتے ہی بگڑ گئے اور سیدھے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے اور آپ کو سارا واقعہ بتلایا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:
"رات کے اس اخیر حصہ میں تمہارے اس واقعہ پر اللہ تعالیٰ تم دونوں کو برکت عطا فرمائے!"

آنحضرت ﷺ کی دعا اور نعم البدل...... (یعنی چونکہ انہوں نے اپنے بیٹے کی موت کی اطلاع دی اور ساتھ ہی پورا واقعہ بتلایا کہ کس طرح کھاپی کر انہوں نے بیوی کے ساتھ ہمبستری بھی کر لی اور تب جا کر بیوی نے اس حادثہ کی اطلاع دی تو آنحضرت ﷺ نے انہیں اس ہمبستری کے نتیجہ میں انہیں برکت اور نعم البدل کی دعا دی) چنانچہ اس کے بعد ہی اُمّ سلیم کو حمل ہو گیا۔ اس حمل سے وہی عبداللہ ابن طلحہ پیدا ہوئے تھے جن کا ذکر گذشتہ سطروں میں گزرا ہے۔

اُمّ سلیمؓ کہتی ہیں کہ جب عبداللہ پیدا ہوا تو میں اس بچہ کو لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس گئی آپ نے پوچھا کیا تمہارے پاس کھجور ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں! یہ کہہ کہ میں نے آپ کو چند کھجوریں دیں۔ آپ نے وہ کھجوریں اپنے منہ میں ڈال کر چبائیں پھر آپ نے وہ چبائی ہوئی کھجور بچے کے منہ میں ڈال دیں بچہ فوراً منہ چلانے لگا۔ آپ نے فرمایا:
"انصار کو کھجوروں سے بہت محبت ہے!"

اس کے بعد آپ نے اس بچے کا نام عبداللہ رکھا۔ اس طرح یہ عبداللہ وہ ہیں جو اُمّ سلیمؓ اور ابو طلحہؓ کے اس رات کے ہمبستر ہونے کے نتیجہ میں (اور آنحضرت ﷺ کی دعا کی برکت سے) پیدا ہوئے تھے پھر خود ان عبداللہ ابن ابو طلحہ کے نو بیٹے پیدا ہوئے جو سب کے سب قرآن کے حافظ ہوئے۔

بنی ہوازن کا اوطاس میں جماؤ...... غرض جب بنی ہوازن کو حنین کے میدان میں شکست ہو گئی اور وہ یہاں سے بھاگ اٹھے تو ان کے لشکر کے ایک حصہ نے اوطاس کے مقام پر پہنچ کر ڈیرے ڈال دیئے آنحضرت ﷺ نے ان کے تعاقب میں حضرت ابو عامر اشعریؓ کو ایک دستہ دے کر بھیجا جس کا تفصیلی بیان سرایا یعنی صحابہ کی فوجی مہمات کے موقعہ پر آئے گا۔

شیبہ کی نبی سے محبت...... پھر خود آنحضرت ﷺ دشمن کو شکست دینے کے بعد اپنے لشکر گاہ میں واپس تشریف لے آئے۔ حضرت شیبہ حجبیؓ کہتے ہیں کہ یہاں آکر آنحضرت ﷺ اپنے خیمہ میں داخل ہو گئے اور ساتھ میں میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے خیمہ میں داخل ہو گیا جب کہ باقی تمام لوگوں میں سے کسی نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ خیمہ میں جانے کی جرأت نہیں کی۔ میں آنحضرت ﷺ کا اس قدر عاشق ہو چکا تھا کہ صرف اس لئے آپ کے ساتھ خیمہ میں گیا تھا کہ آپ کے چہرۂ انور کی زیارت کر کے خوش ہو سکوں (جب کہ کچھ ہی دیر پہلے یہ آنحضرت ﷺ کی جان لینے کے منصوبے بنا رہے تھے)۔
اسی وقت رسول اللہ ﷺ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:
"شیبہ! اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ارادہ فرمایا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو تم نے خود سوچا تھا۔!"

شیبہ کا اسلام...... یہ کہہ کر آنحضرت ﷺ نے وہ ساری باتیں میرے سامنے بیان فرما دیں جو (آپ کے خلاف میرے دل میں تھیں اور جنہیں میں نے آج تک کسی کے سامنے نہیں کہا تھا۔ یہ سنتے ہی میں نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی

معبود نہیں ہے اور یہ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر میں نے آپ سے عرض کیا کہ میرے لئے معافی و مغفرت کی دعا فرمایئے۔

آپ نے فرمایا:

"حق تعالیٰ شانہ' نے تمہاری خطاؤں کو معاف فرمادیا ہے۔!"

بھاگنے والے مسلمانوں پر اُمّ سلیم کا غصہ...... ادھر اُمّ سلیم نے ابتدائی شکست کھا کر بھاگنے والے مسلمانوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

"یارسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ ان تمام لوگوں کو قتل کرادیجئے جو آپ کو میدان میں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے کیونکہ وہ اسی سزا کے مستحق ہیں!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ ہمیں کافی ہو گیا اور اس میں بہتری ظاہر فرمائی!"

عائذ کا زخم اور آنحضرت ﷺ کی مسیحائی...... حضرت عائذ ابن عمرو سے روایت ہے کہ غزوۂ حنین میں میری پیشانی میں ایک تیر آکر لگا اور میرے چہرے اور سینے پر خون بہہ کر پھیلنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک میرے چہرے اور سینے سے پیٹ تک پھیرا جس سے خون اسی وقت بند ہو گیا اس کے بعد آپ نے میرے لئے دعا فرمائی آنحضرت ﷺ نے جو ہاتھ میرے جسم پر پھیرا اس کا نشان اس طرح باقی رہ گیا جیسے گھوڑے کی پیشانی کا نشان ہوا کرتا ہے۔

خالد کا زخم اور نبی کی چارہ گری...... اسی طرح حضرت خالدؓ ابن ولید بھی اس جنگ میں زخمی ہو گئے تھے آنحضرت ﷺ نے ان کے زخم میں اپنا لعاب دہن ڈال دیا جس سے زخم کی تکلیف بالکل جاتی رہی۔ (اس قسم کے مختلف واقعات دوسرے غزوؤں میں بھی پیش آئے ہیں جن کی تفصیل گزر چکی ہے)۔

ایک صحابی سے روایت ہے کہ جب غزوۂ حنین میں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو شکست دیدی اور مسلمان ان کو بھگانے کے بعد اپنے پڑاؤ میں واپس آگئے تو میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ آپ مسلمانوں کے درمیان گھوم رہے تھے اور یہ فرمارہے تھے:

"کوئی ہے جو مجھے خالدؓ ابن ولید کے خیمے تک پہنچادے!"

چنانچہ آپ کو وہاں پہنچادیا گیا۔ آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ وہ اپنے کجاوہ کے پچھلے حصے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے اور زخم ہونے کی وجہ سے کمزور ہو گئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے زخم میں اپنا لعاب دہن ڈالا جس سے وہ زخم فوراً ہی ٹھیک ہو گیا۔

حنین میں غیبی مدد کا نزول...... حضرت جبیرؓ ابن مطعم سے روایت ہے کہ دشمن کی شکست سے پہلے جب کہ گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی میں نے دیکھا ایک سیاہ چیز آسمان سے اتری اور ہمارے اور دشمن کے درمیان آکر گری۔ اب میں نے دیکھا کہ وہ تو سیاہ اور موٹی موٹی چیونٹیاں تھیں جن سے پوری وادی بھر گئی مجھے اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ فرشتے تھے اور ان کے آتے ہی دشمن کو بدترین شکست ہوئی۔

فرشتوں کی فوج...... سیرت دمیاطی میں ہے کہ خاص طور پر جو فرشتے غزوۂ حنین میں نازل ہوئے ان کے سروں پر سرخ عمامے تھے جن کے پلّے انہوں نے اپنی پشت پر دونوں شانوں کے درمیان لٹکار کھے تھے۔ چنانچہ بنی ہوازن کے کچھ ایسے لوگوں سے روایت ہے جو اس جنگ میں مسلمانوں کے مقابلے میں تھے (اور اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) کہ غزوۂ حنین کے موقعہ پر ہم نے کچھ سفید فام لوگ دیکھے جو سیاہ و سفید گھوڑوں پر سوار تھے اور جن کے سروں پر سرخ عمامے تھے۔ ان عماموں

کے پلتّے انہوں نے آسمان وزمین کے درمیان لٹکار کھے تھے۔ ساتھ ہی ہم نے ایسے سرفروشوں کی ٹکڑیاں دیکھیں کہ انہیں دیکھ کر ہم لوگ بے حد خوفزدہ اور مرعوب ہوگئے اور ہم نے سمجھ لیا کہ ان لوگوں سے لڑنا ہماری طاقت سے باہر ہے۔

فتح حنین کا اثر...... پھر جب حنین کے میدان میں مشرکین کو شکست ہو گئی تو بہت سے مکے والے اور دوسرے لوگ مسلمان ہوگئے کیونکہ انہوں نے دیکھ لیا کہ رسول اللہ ﷺ کو حق تعالیٰ کی مدد اور نصرت حاصل ہے (جو آپ کی سچائی کی سب سے بڑی دلیل ہے)۔

غیبی لشکر شیبہ کی نظروں میں...... حضرت شیبہ جحبیؓ سے روایت ہے کہ حنین کی جنگ میں رسول اللہ ﷺ کیساتھ میں بھی روانہ ہوا مگر خدا کی قسم اس وقت اسلام کی خاطر نہیں گیا تھا بلکہ صرف اسلئے مسلمانوں کا ساتھ دے رہا تھا کہ کہیں بنی ہوازن کو فتح نہ ہو جائے اور پھر قریش کو ان سے دب کر رہنا پڑے' میں وہاں میدان جنگ میں کھڑا ہوا تھا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: "یارسول اللہ! میں یہاں سیاہ و سفید گھوڑوں پر شہسواروں کا لشکر دیکھ رہا ہوں!"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"وہ لشکر سوائے کافروں کے اور کسی کو نظر نہیں آتا۔!"

(یعنی حق تعالیٰ مسلمانوں کی امداد کے لئے فرشتوں کا جو لشکر اتارتا ہے وہ مسلمانوں کو نظر نہیں آتا بلکہ اس کو صرف کافر ہی دیکھتے ہیں کیونکہ وہ آسمانی لشکر کفار و مشرکین کو مرعوب کرنے کے لئے ہی اتارے جاتے ہیں)

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے تین مرتبہ میرے سینہ پر اپنا دست مبارک مارا اور یہ دعا فرمائی کہ۔ اے اللہ! شیبہ کو ہدایت عطا فرما۔ آنحضرت ﷺ نے تیسری مرتبہ میرے سینہ پر اپنا ہاتھ مار کر ابھی اٹھایا نہیں تھا کہ میری کایاپلٹ چکی تھی اور آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس مجھے سارے جہاں میں سب سے زیادہ عزیز ہو چکی تھی۔

مالِ غنیمت اور قیدی جعرّانہ کو...... غرض حنین کی فتح مکمل ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ قیدی اور تمام مال غنیمت ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔ جب سب قیدی اور مال غنیمت جمع ہو گیا تو آپ نے اس کو جعرانہ کی طرف روانہ کر دیا۔

جعرانہ کی تحقیق...... یہ جعرانہ ایک جگہ کا نام ہے جو ایک عورت کے نام پر رکھا گیا ہے۔ جعرانہ اس عورت کا لقب تھا۔ ایک قول ہے کہ یہی وہ عورت تھی جو سوت کات کر مکمل کر لینے کے بعد پھر اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا کرتی تھی۔

تشریح: یہ عورت مکے کی تھی اور اس کے دماغ میں فتور تھا۔ یہ اپنے گھر میں بیٹھی سوت کاتا کرتی تھی اور جب تمام سوت کات کر مکمل کر لیتی تو پھر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا کرتی تھی۔ اس عورت کا ذکر قرآن پاک میں حق تعالیٰ نے مثال کے طور پر کیا ہے کہ اپنے عہد کو مضبوط کرنے اور قسم کھا لینے کے بعد اسے توڑ دینا ایسا ہی ہے جیسے وہ عورت کیا کرتی تھی۔ یہ مثال قرآن پاک کی جس آیت میں ہے وہ یہ ہے:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا۔ (لآیہ پ ۱۴ سورۂ نحل ع ۱۳۔ آیت ۹۲)

ترجمہ: اور مکے کی اس دیوانی عورت کے مشابہ مت بنو جس نے اپنا سوت کاتے پیچھے بوٹی بوٹی کر کے نوچ ڈالا۔

غرض وہ قیدی اور مال غنیمت اس وقت تک جعرانہ کے مقام پر رہے جب تک کہ آپ غزوۂ طائف سے فارغ ہو کر نہیں آگئے۔ اسی غزوہ میں حضرت طلحہ ابن عبید اللہ کو آنحضرت ﷺ نے طلحہ جواد کا لقب دیا جس کے معنی ہیں بہت سخی اور فیاضی و بخشش کرنے والا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت طلحہؓ نے اس لشکر پر اپنا مال بے تحاشہ خرچ کیا تھا۔

غزوۂ طائف

ہوازن کی طائف میں پناہ...... آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ بنی ہوازن کا سالار مالک شکست کھانے کے بعد طائف میں جمع ہو گیا ہے (جہاں قبیلہ ثقیف آباد تھا جو عرب کے بڑے زبردست قبیلوں میں سے ایک تھا اور اب اسلام سے بے بہرہ تھا)۔

طائف شہر اور اس نام کا سبب...... طائف ایک بڑا شہر ہے اور اس وقت بھی بڑا شہر تھا جس میں انگوروں، کھجوروں اور دوسرے پھلوں کی کثرت ہے (اور عرب کا بڑا زرخیز اور شاداب علاقہ ہے جہاں کی آب و ہوا بھی بہت اچھی ہے اور ٹھنڈا علاقہ ہے چنانچہ اس وقت بھی عرب کے دولت مند لوگ گرمی کا موسم گذارنے کے لئے اس شہر میں آیا کرتے تھے)۔

دعائے ابراہیمی پر شامی شہر کی منتقلی...... ایک قول ہے کہ اس شہر کو طائف کہنے کی وجہ یہ ہے کہ دراصل یہ شہر ملک شام میں تھا جہاں ہر طرف سبزہ زار ہیں پھر ابراہیمؑ نے حق تعالیٰ سے دعا کی کہ اسے عرب (کی اس اجاڑ اور بے برگ و گیاہ سرزمین) میں منتقل فرمادے چنانچہ اللہ کے حکم پر) جب جبرئیلؑ اس شہر کو یہاں اٹھا کر لائے تو انہوں نے اس کے گرد طواف کیا تھا یعنی اس کے چاروں طرف گھومے تھے (اور پھر اسے یہاں لائے تھے) ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی کہ مکے والوں کو پھلوں کی دولت عطا فرمادے (جس پر اللہ تعالیٰ نے اس شاداب اور ثمر بار شہر کو یہاں منتقل فرمادیا)۔

دیگر مشہور اسباب...... ایک قول ہے کہ چونکہ لوگوں نے اس شہر کے گرد دیوار بنا کر اس کا طواف کیا تھا اور اپنی حفاظت کا انتظام کیا تھا اس لئے اس کو طائف کہا جانے لگا ایک قول ہے کہ یہ شہر اصحاب صریم کا مشہور باغ تھا جو صنعاء کے قرب وجوار میں تھے (اصحاب صریم کا واقعہ قرآن کریم میں سورۂ قلم میں بیان کیا گیا ہے) غرض یہ اصحاب صریم کا باغ تھا پھر جبرئیلؑ نے اس کو یہاں سے منتقل کر دیا اور پہلے اس کو لے کر مکے آئے اور اس باغ سمیت بیت اللہ کا طواف کیا اور اس کے بعد اس باغ کو اس جگہ اتار دیا جہاں یہ یعنی طائف شہر اب ہے۔ اس جگہ کو دج کہا جاتا ہے جو قوم عمالیق کے ایک شخص کے نام پر ہے کیونکہ اس مقام پر سب سے پہلے وہی دج نامی شخص آکر مقیم ہوا تھا۔

غرض رسول اللہ ﷺ کو یہ معلوم ہوا کہ بنی ہوازن کا سالار مالک ابن عوف اپنی قوم کی ایک بڑی جمعیت اور لشکر کے ساتھ طائف پہنچ گیا ہے جہاں وہ لوگ شہر کی ایک حویلی یعنی قلعہ میں پناہ گزین ہو گئے ہیں اور انہوں نے حویلی میں سال بھر کی رسد یعنی کھانے پینے کا سامان جمع کر لیا ہے۔

طائف کو کوچ...... اس اطلاع پر رسول اللہ ﷺ نے حنین سے روانہ ہو کر طائف کی طرف کوچ کیا اور ان کی سرکوبی کا ارادہ فرمایا۔ آپ نے تمام غزوۂ حنین کے قیدی اور مال غنیمت پہلے ہی جعرانہ کے مقام پر بھجوا دیئے تھے۔

حنین کے قیدیوں کی تعداد...... کتاب امتاع میں ہے کہ یہ قیدی اور مال غنیمت آپ نے بدیل ابن ورقاء خزاعی کے ساتھ جعرانہ کو روانہ کئے تھے۔ مگر علامہ سہیلی نے یہ لکھا ہے کہ قیدیوں کی تعداد چھ ہزار تھی جن کو آنحضرت ﷺ نے ابوسفیان ابن حرب کی حفاظت میں دیا اور ان کو قیدیوں کا امین بنایا یہاں تک کہ علامہ سہیلی کا حوالہ ہے۔

غالباً یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کے غزوۂ طائف سے واپس آنے کے بعد کا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان قیدیوں کو ابوسفیان کے سپرد کیا کیونکہ غزوۂ طائف میں ابوسفیان رسول اللہ کے ساتھ ہی تھے جیسا کہ آگے آنے والی تفصیلات سے

معلوم ہوگا۔ لہٰذا دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

سفر طائف میں کارروائیاں...... راستے میں جب رسول اللہ ﷺ مالک ابن عوف کی حویلی کے پاس سے گزرے تو آپ کے حکم پر اس کو مہندم کر دیا گیا اس کے بعد آپ بنی ثقیف کے ایک شخص کے باغ کے پاس سے گذرے وہ شخص اس باغ (کی عمارت) میں پناہ گزین تھا آنحضرت ﷺ نے اس شخص کے پاس پیغام بھیجا کہ یا تو باہر نکل آؤ ورنہ ہم تمہارے باغ کو برباد کر دیں گے۔ اس شخص نے باہر نکلنے سے انکار کر دیا آخر آنحضرت ﷺ کے حکم پر باغ کو جلا دیا گیا۔

ابورغال کی قبر پر گذر...... پھر رسول اللہ ﷺ کا گذر ایک قبر سے ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ قبر ابورغال کی ہے یہ ابورغال ثقیف کا باپ تھا اور صالح کی قوم ثمود میں سے تھا یہ شخص بھی آسمانی عذاب میں گرفتار ہو گیا تھا جو اس کی قوم کے اوپر اسی مقام پر آیا تھا اور یہیں ہلاک ہو کر زمین میں دفن ہو گیا۔ اس آسمانی عذاب کے وقت یہ شخص حرم میں یعنی مکے میں گیا ہوا تھا اس لئے عذاب سے محفوظ رہا مگر جیسے ہی یہ شخص حرم سے نکل کر اس جگہ آیا تو یہ بھی گرفتار بلا ہو گیا۔

ابورغال قوم ثمود سے تھا...... چنانچہ ایک صحابی سے روایت ہے کہ جب ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ طائف کی طرف جا رہے تھے تو ہم ایک قبر کے پاس سے گزرے تب آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"یہ ابورغال کی قبر ہے جو ثقیف کا باپ تھا اور قوم ثمود میں سے تھا وہ اس حرم کے ذریعہ اپنا بچاؤ کرتا تھا مگر جب وہ حرم سے نکل آیا تو وہ بھی اسی آفت کا شکار ہو گیا جس کا شکار اس کی قوم ہو رہی تھی اور اسی جگہ دفن ہو گیا۔ حدیث

عذاب اور ابورغال کی حرم کی پناہ...... کتاب عرائس میں مجاہد کی روایت یوں ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ سے کسی نے پوچھا کہ قوم لوط پر عذاب نازل ہونے کے بعد کیا ان میں سے کوئی شخص زندہ بھی بچا تھا (یا ساری کی ساری قوم ہلاک و برباد ہو گئی تھی)۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"نہیں مگر ایک شخص اس کے بعد چالیس دن تک بچا رہا کیونکہ وہ اس وقت حرم میں تھا پھر بھی قوم لوط پر جو پتھر برسائے گئے ان میں سے ایک پتھر اس شخص کو ہلاک کرنے کے لئے حرم میں پہنچ گیا مگر فوراً فرشتوں نے بڑھ کر اس پتھر کو روک دیا اور پتھر سے کہا:

"جہاں سے تو آیا ہے وہیں واپس لوٹ جا یہ شخص اللہ تعالیٰ کے حرم اور پاسبانی میں ہے"۔

چنانچہ وہ پتھر لوٹ گیا اور حرم سے باہر نکل کر چالیس دن تک زمین و آسمان کے درمیان فضا میں قائم رہا۔ آخر اس شخص کا کام حرم کی حدود میں پورا ہو گیا وہاں سے (گھر جانے کے لئے) واپس روانہ ہوا جیسے ہی وہ اس جگہ پہنچا وہ پتھر اچانک اس کے اوپر گرا اور وہ وہیں ہلاک ہو کر زمین میں دفن ہو گیا"۔

ابورغال شاہ ابرہہ کا راہبر...... یہ ابورغال وہی شخص ہے جو ابرہہ کے لشکر کا راہبر تھا اور مکے تک اس کی رہنمائی کر کے لایا تھا کیونکہ جب مکے کی طرف آتے ہوئے ابرہہ طائف پہنچا تو طائف کے لوگوں نے اس کا استقبال کیا اور اس کی اطاعت قبول کی۔ پھر ان لوگوں نے ابرہہ سے کہا:

"ہم آپ کو ایک راہبر دیتے ہیں جو آپ کو راستہ بتلائے گا"۔

چنانچہ انہوں نے ابورغال کو راہبر کے طور پر اس کے ساتھ کیا۔

غرض آنحضرت ﷺ نے یہ بتا کر کہ یہ قبر ابو رغال کی ہے فرمایا:

"اس کی نشانی یہ ہے کہ اس کی لاش کے ساتھ ایک شاخ بھی دفن ہے اگر تم لوگ اس قبر کو کھودو تو تمہیں وہ شاخ ملے گی!

یہ سنتے ہی لوگوں نے قبر کھود ڈالی اور اس میں وہ شاخ نکال لی۔

خالدؓ ہر اول دستہ کے سالار...... غرض رسول اللہ ﷺ حنین سے طائف روانہ ہوئے تو آپ نے ہر اول دستے کا سالار حضرت خالدؓ ابن ولید کو بنا کر انہیں آگے روانہ کیا یہ گھڑ سوار دستہ بنی سلیم کا تھا اور اس میں سو گھوڑے تھے' آنحضرت ﷺ نے بنی سلیم کو ان شہسواروں کو مکے سے روانگی کے وقت سے ہی آگے روانہ کیا تھا اور وہیں سے ان کا سالار حضرت خالدؓ کو بنا دیا تھا۔

طائف میں ہوازن کا محاصرہ...... آخر یہ لشکر چلتے چلتے طائف پہنچ گیا یہاں پہنچ کر انہوں نے اس حویلی یا چھوٹے قلعہ کے قریب پڑاؤ ڈالا جس میں مالک ابن عوف بنی ہوازن کے بچے کھچے لشکر کے ساتھ پناہ گزین تھا مشرکوں نے قلعہ میں سے مسلمانوں پر زبردست تیر اندازی کی جس کے نتیجہ میں بہت سے لوگ زخمی ہو گئے۔

ہوازن کی تیر اندازی...... ان زخمیوں میں ابوسفیان ابن حرب بھی تھے (یہاں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ ابوسفیان نام کے دو آدمیوں کا ذکر آرہا ہے ایک ابوسفیان ابن حرب اور دوسرے ابوسفیان ابن حارث۔ ان میں ابوسفیان ابن حرب تو وہی مشہور ابوسفیان ہیں جو فتح مکہ تک آنحضرت ﷺ کے شدید دشمن رہے اور اس وقت مسلمان ہوئے یہ آنحضرت ﷺ کے چچا تھے اور حضرت امیر معاویہؓ کے والد تھے نیز یہی ہندہ بنت عتبہ کے شوہر تھے جن کا تفصیلی واقعہ گذرا ہے۔

دوسرے ابوسفیان ابن حرث تھے جو آنحضرت ﷺ کے چچا حرث کے بیٹے تھے اور آنحضرت ﷺ کے رضاعی بھائی بھی تھے کیونکہ انہوں نے دایہ حلیمہ سعدیہ کا دودھ پیا تھا ان کے باپ حرث عبد المطلب کے سب سے بڑے بیٹے تھے لہذا اردو کے لحاظ سے یوں کہنا چاہئے کہ یہ حرث آنحضرت ﷺ کے تایا تھے غرض یہ ابوسفیان ابن حارث آنحضرت ﷺ کے چچازاد بھائی اور رضاعی بھائی تھے جب کہ ابوسفیان ابن حرب خود آنحضرت ﷺ کے چچا تھے۔ یہاں ان مشہور ابوسفیان ابن حرب کا ہی ذکر ہے جو آنحضرت ﷺ کے چچا تھے۔

ابوسفیان کی آنکھ میں تیر...... غرض مشرکین کی اس تیر اندازی میں ابوسفیان ابن حرب بھی زخمی ہو گئے ایک تیر انکی آنکھ میں آکر لگا (جس سے ان کی آنکھ باہر نکل آئی یہ سیدھے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور اس حال میں ان کی آنکھ انکے ہاتھ میں تھی انہوں نے آپ سے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! میری یہ آنکھ اللہ کے راستے میں جاتی رہی۔"

آنکھ یا آنکھ کے بدلے جنت...... آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"اگر تم چاہو تو میں دعا کروں گا اور تمہاری یہ آنکھ واپس اپنی جگہ پر ٹھیک ہو جائے گی اور اگر آنکھ نہ چاہو تو تمہیں جنت میسر آئے گی۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ آنکھ یعنی عین نہ چاہو تو جنت میں تمہیں عین یعنی چشمہ آب رحمت میسر آئے گا۔"

جنگ یرموک اور ابوسفیان کی دوسری آنکھ...... ابوسفیان نے کہا بس تو مجھے جنت ہی عزیز ہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنے ہاتھ سے اپنی آنکھ پھینک دی۔

ابوسفیان کی دوسری آنکھ اس وقت زخمی ہو کر نکل گئی تھی جب کہ وہ جنگ یرموک کے موقعہ پر رومیوں کے مقابلے میں

لڑ رہے تھے اس جنگ یرموک میں ابوسفیان مسلمانوں کو جوش دلا رہے تھے اور جنگ میں ثابت قدم رہنے کی تلقین کر رہے تھے۔ وہ اس وقت کہہ رہے تھے:

"اللہ۔ اللہ۔ اللہ کے بندو! تم اللہ کی مدد کرو وہ تمہاری مدد کرے گا۔ اے اللہ یہ تیرے دنوں میں سے ایک دن ہے اے اللہ! اپنے بندوں کے لئے اپنی مدد اور نصرت نازل فرما۔"

یرموک کے وقت خلیفہ اولؓ کی وفات...... یہ واقعہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے آخری دور کا ہے حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات اس وقت ہوئی جب کہ ان کا یہ لشکر یرموک میں جنگ کیلئے تیاری کر چکا تھا۔ اس وقت اس لشکر کے سپہ سالار حضرت خالدؓ ابن ولید تھے پھر جب حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ بنے تو انہوں نے فوراً حضرت خالدؓ کو مراسلہ بھیجا جس میں ان کو سالاری سے برطرف کرنے کا حکم تھا اور حضرت ابوعبیدہؓ ابن جراح کو ان کی جگہ سپہ سالار بنانے کی اطلاع تھی۔

عمرؓ کی خلافت اور سپہ سالار خالدؓ کی برطرفی...... جب حضرت عمرؓ کا یہ ایلچی یرموک کے مقام پر پہنچا تو مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان جنگ شباب پر تھی سب سے پہلے خلیفہ کے ایلچی کو مسلمانوں کے گھوڑے سوار دستے نے دیکھا اور اسے روک کر مدینہ کی خبریں معلوم کرنے کے لئے سوالات کئے (کیونکہ یہاں مسلمانوں کو اب تک صدیق اکبرؓ کی وفات کی کوئی خبر نہیں تھی، مگر قاصد نے ان کے سوالات کے جواب میں صرف اتنا کہا کہ وہاں سب خیریت اور ہر طرح سکون ہے۔ پھر اس نے کہا کہ جلد ہی اسلامی لشکر کے لئے مدینہ سے امدادی فوج آرہی ہے۔

ایلچی نے ان لوگوں سے حضرت ابوبکرؓ کی وفات کو بھی چھپایا اور یہ بات بھی چھپائی کہ نئے خلیفہ حضرت عمرؓ نے حضرت خالدؓ ابن ولید کو سپہ سالاری سے برطرف کر کے حضرت ابوعبیدہؓ ابن جراح کو عساکر اسلامی کا امیر بنا دیا ہے۔

اس کے بعد کچھ سوار ایلچی کو لے کر سپہ سالار حضرت خالدؓ کے پاس لائے یہاں ایلچی نے بڑی رازداری سے حضرت خالدؓ کو حضرت ابوبکرؓ کی وفات اور عمرؓ کی خلافت کی اطلاع دی اور کہا کہ میں نے لشکر والوں کو کچھ نہیں بتلایا ہے بلکہ صرف خیر خیریت بتلا کر ٹال دیا ہے۔

حضرت خالدؓ نے قاصد کی اس سمجھداری کو بہت سراہا اور اس سے نئے خلیفہ کا فرمان لے کر اپنے ترکش میں رکھ لیا اور اسے فوراً پڑھا بھی نہیں کیونکہ انہیں خوف ہوا کہ اگر یہ اچانک خبریں ظاہر ہو گئیں تو مسلم لشکر ہمت ہار بیٹھے گا (کیونکہ ایک طرف اپنے محبوب خلیفہ کی اچانک خبر اور دوسری طرف اپنے محبوب سپہ سالار کی معزولی و برطرفی کی اطلاع ان کے حوصلے پست کرنے اور جنگ کا پانسہ پلٹ دینے کے لئے کافی تھیں اس لئے حضرت خالدؓ نے ان خبروں کو لشکر سے چھپائے رکھا۔

آخر جب مسلمانوں نے رومی فوج کو شکست دے دی اور مال غنیمت بھی جمع کر لیا ادھر مسلم شہیدوں کو دفن کر کے فارغ ہو گئے جن کی تعداد تین ہزار تھی تو حضرت خالدؓ نے خلیفہ کا خط حضرت ابوعبیدہؓ کو دیا اور اس وقت سے حضرت ابوعبیدہؓ لشکر کے سپہ سالار ہو گئے۔ امیر لشکر بننے کے بعد حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت ابوجندلؓ کو حضرت عمرؓ کے پاس مسلمانوں کی فتح کی خوشخبری دے کر بھیجا۔

برطرفی کا اعلان اور عمرو کا خلیفہ پر اعتراض...... حضرت عمر فاروقؓ نے جب حضرت خالدؓ ابن ولید کو معزول کیا اور حضرت ابوعبیدہؓ کو سپہ سالار متعین کیا تو انہوں نے مدینے میں لوگوں کے سامنے خطبہ دیا اور کہا:

"میں خالدؓ ابن ولید کے متعلق آپ لوگوں سے معذرت کرتا ہوں کہ میں نے ان کو عساکر اسلامیہ کی سالاری سے

برطرف کردیا ہے اور ابو عبیدہؓ کو امیر لشکر بنادیا ہے۔"

یہ سنتے ہی عمروؓ ابن حفص ایک دم کھڑے ہوئے اور حضرت عمرؓ کے سامنے آئے' یہ حضرت خالدؓ کے چچازاد بھائی تھے اور حضرت عمرؓ کی والدہ کے بھی چچازاد بھائی تھے۔ انہوں نے کہا:

"خدا کی قسم عمرؓ! آپ نے انصاف نہیں کیا آپ نے اس شخص کو برطرف کردیا جس کو رسول اللہ ﷺ نے سپہ سالار منتخب کیا تھا۔ آپ نے اس تلوار کو میان میں ڈال دیا جس کو رسول اللہ ﷺ نے سونتا تھا۔ آپ نے رشتہ داری کا بھی پاس نہیں کیا اور ابن عم کے ساتھ جفا اور ظلم بھی کیا۔"

اس پر حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا:

"چونکہ تم خالد کے بہت قریبی رشتہ دار ہو اور پھر نوعمر نوجوان بھی ہو اس لئے تمہیں اپنے چچازاد بھائی کی برطرفی پر غصہ آگیا ہے!"

(یعنی تم خالدؓ ابن ولید سے قریبی رشتے کی بناء پر اپنے جذباتی تعلق و ناتجربہ کاری و کمسنی کی وجہ سے یہ اعتراض کررہے ہو اور تمہیں غصہ آرہا ہے ورنہ سلطنت کے تقاضے اور سیاسی وانتظامی مصلحتیں تمہارے سامنے ہوتیں تو تم ایسا نہ کہتے)۔

طائف کے زخمیوں کی وفات...... غرض غزوۂ طائف میں جو مسلمان بنی ہوازن کی تیراندازی سے زخمی ہوئے تھے ان میں سے بارہ آدمیوں کی وفات ہوگئی۔ آخر آنحضرت ﷺ اس قلعہ سے ہٹ کر اس جگہ آکر فروکش ہوگئے جہاں اب مسجد طائف ہے۔

طائف میں قصر نمازیں...... آنحضرت ﷺ کے ساتھ آپ کی ازواج میں سے حضرت اُمّ سلمہؓ اور حضرت زینبؓ بنت جحش تھیں آپ نے ان دونوں کے لئے دو علیحدہ قبّے نصب کرادیئے اور طائف کے محاصرے کی پوری مدت میں آپ ان دونوں قبّوں کے درمیان قصر نماز پڑھتے رہے۔ یہ مدّت اٹھارہ دن کی تھی جس میں آپ کے یہاں پہنچنے اور یہاں سے روانہ ہونے کے دن شامل نہیں ہیں۔

قصر نماز کے سلسلے میں ہمارے شافعی فقہاء کا جو قول ہے اس سے یہ مدّت مراد ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کے موقعہ پر اتنی ہی مدت مکہ میں قیام کیا تھا کیونکہ آپ کو بنی ہوازن سے مقابلہ کرنا تھا۔ مگر طائف کے محاصرہ کی جو مدت بیان کی گئی ہے اس میں اختلاف ہے اور کچھ دوسرے اقوال بھی ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے قبّہ میں ایک ہیجڑے کی فحش کلامی...... ایک روز رسول اللہ ﷺ حضرت اُمّ سلمہؓ کے خیمہ میں تشریف لے گئے تو اس وقت وہاں ان کے بھائی عبداللہ بھی تھے نیز ایک مخنث بھی موجود تھا وہ مخنث عبداللہ سے اس وقت یہ کہہ رہا تھا:

"عبداللہ! اگر کل اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھوں طائف فتح کرادیا تو غیلان کی بیٹی کو ضرور پکڑ لینا کیونکہ چار تو اس کے سامنے کی طرف ہیں اور آٹھ اس کے پیچھے کی طرف ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے جیسے ہی اس مخنث کا یہ جملہ سنا آپ نے حضرت اُمّ سلمہؓ سے فرمایا:

آئندہ یہ شخص تمہارے پاس نہ آنے پائے!"

بادیہ بنت غیلان...... مخنث نے جو یہ جملہ کہا تھا کہ چار تو اس کے آگے کی طرف ہیں اور آٹھ پیچھے کی طرف ہیں۔ اس سے

مراد بنت غیلان کے پیٹ کی سلوٹیں ہیں کیونکہ اس کے پیٹ میں چار سلوٹیں تھیں۔ (جو بدن کے نرم اور گداز ہونے کی وجہ سے پڑ جاتی ہیں) اور چونکہ ہر سلوٹ کے دو کنارے ہوتے ہیں لہٰذا پیچھے سے دیکھنے میں وہ آٹھ نظر آتی ہیں (مقصد یہ ہے کہ وہ لڑکی بڑے گداز اور خوبصورت بدن کی ہے مگر یہ ایک فحش قسم کا انداز بیان ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ کو یہ بات سخت ناگوار گزری (مخنث اس شخص کو کہتے ہیں جو ہیجڑا اور زنخا ہو اور جو نہ مرد کہلانے کا مستحق ہو نہ عورت) (کتاب امتاع میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غلام تھا جو آپ کی خالہ فاختہ بنت عمرو ابن عائذ کا غلام تھا اس غلام کو مانع کہا جاتا تھا۔ اس غلام کو آنحضرت ﷺ کے گھروں یعنی ازواج کے حجروں میں جانے کی اجازت تھی کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا خیال تھا کہ اسے عورتوں کے معاملات کا کچھ پتہ نہیں ہے اور نہ ہی اس میں چالاکی اور چھل فریب کی صلاحیت ہے۔

ہیجڑے کی زبانی بادیہ کے حسن کی تعریف...... ایک روز رسول اللہ ﷺ نے سنا کہ وہ غلام حضرت خالد ابن ولید سے۔ اور ایک قول کے مطابق۔ حضرت امّ سلمہؓ کے بھائی عبد اللہ سے کہہ رہا تھا:

”اگر کل رسول اللہ ﷺ نے طائف فتح کر لیا تو دیکھو بادیہ بنت غیلان کو ہرگز نہ چھوڑنا کیونکہ چار تو اس کے آگے کی طرف سے ہیں اور آٹھ پیچھے کی طرف سے ہیں۔ جب وہ کھڑی ہوتی ہے تو اس کے بدن کی رعنائی دوگنی ہو جاتی ہے اور جب بیٹھتی ہے تو جسم پھیل کر اور دلکش ہو جاتا ہے۔ اور جب باتیں کرتی ہے تو نغمے پھوٹتے ہیں۔ اس کی ٹانگوں کے بیچ میں ایسا ہے جیسے ایک الٹا برتن ہوتا ہے۔“

آنحضرت ﷺ کا غصہ...... آنحضرت ﷺ نے اس کی یہ باتیں سنیں تو فرمایا:

”میں نہیں جانتا تھا کہ یہ خبیث ان باتوں کو بھی سمجھتا ہے جو میں نے اس کے منہ سے سنی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ نے اس کو مخاطب کر کے فرمایا۔ خدا تجھے ہلاک کرے۔ تیری نگاہیں بڑی دور تک پہنچتی ہیں۔ میں سمجھتا تھا کہ یہ خبیث عورتوں کے معاملات کو جانتا بھی نہیں!“

دونوں ہیجڑوں کی شہر بدری کا حکم...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس غلام یعنی مانع کو مدینے سے نکال دیا اور جمی کے علاقہ میں شہر بدر کرا دیا ساتھ ہی آپ نے صحابہ کو تاکید کی کہ یہ شخص تم میں سے کسی کی عورتوں کے پاس نہ آنے پائے۔

آخر کچھ صحابہ نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ جنگلوں میں بھٹک بھٹک کر بھوکوں مر جائیگا اس پر آنحضرت ﷺ نے اس کو صرف جمعہ کے دن مدینہ میں داخل ہونے اور لوگوں سے کچھ امداد مانگ لینے کی اجازت دے دی۔

پھر آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد یہ دونوں واپس مدینے آگئے مگر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے انہیں نکلوا دیا پھر صدیق اکبر کی وفات کے بعد یہ دونوں دوبارہ مدینے آگئے مگر اب حضرت عمر نے ان کو نکلوا دیا۔

غیلان کا اسلام اور اس کی دس بیویاں...... یہ لڑکی بادیہ بنت غیلان جس کی انہوں نے تعریفیں کی تھیں مسلمان ہو گئی تھیں بادیہ کے باپ غیلان بھی مسلمان ہو گئے تھے جب یہ مسلمان ہوئے تو ان کے دس بیویاں تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ ان میں سے چار کو رکھ کر باقی سب کو آزاد کر دو۔

غیلان کا ایک حکیمانہ قول...... یہ غیلان ایک دفعہ شہنشاہ ایران کسرائے فارس کے دربار میں گئے تھے بادشاہ نے ان سے پوچھا:

”تمہیں اپنا کون سا بیٹا سب سے زیادہ عزیز اور محبوب ہے؟“

غیلان نے جواب دیا:

وہ بیٹا جو کہیں گیا ہوا ہو واپس آنے تک سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اور وہ بیٹا جو بیمار ہو تندرست ہونے تک سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اور وہ بیٹا جو چھوٹا ہو بڑا ہونے تک سب سے زیادہ عزیز ہے!"

دشمن کا اپنے تحفظ پر اعتماد...... اسی محاصرہ کے دوران حضرت خالد ابن ولید لشکر سے نکل کر آگے بڑھے اور پکار کر دشمنوں سے کہا کہ کوئی ہے جو میرے مقابلہ میں آئے؟ مگر وہاں سے کوئی شخص سامنے نہ آیا۔ دشمن کے سپاہی قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہے تھے حضرت خالدؓ کی للکار پر قلعہ کے اوپر سے عبد یالیل نے جواب دیا:

"ہم میں سے کوئی شخص بھی قلعہ سے اتر کر تمہارے پاس نہ آئے گا۔ ہم قلعہ بند رہیں گے ہمارے پاس اس قدر رسد اور کھانے پینے کا سامان ہے جو برسوں کافی ہو سکتا ہے اس لئے اگر تم لوگ اس وقت تک ٹھہرو جب ہماری رسد اور غلہ وغیرہ ختم ہو جائے تو ضرور ہم اپنی تلواریں سنبھال کر تمہارے سامنے نکل آئیں گے اور اس وقت تک لڑیں گے جب تک کہ ہمارا آخری آدمی بھی ختم نہ ہو جائے۔!"

پہلی بار منجنیق کا استعمال...... ہمارے کئی شافعی ائمہ نے روایت کیا ہے کہ اس غزوہ میں اہل طائف کے مقابلے میں منجنیق بھی نصب کی گئی اور اس سے قلعہ پر بڑے بڑے پتھر مارے گئے یہ پہلا موقعہ تھا کہ اسلام کے زمانے میں منجنیق کا استعمال کیا گیا اور اس سے پتھراؤ کیا گیا۔ اس تعبیر کا مشورہ حضرت سلمان فارسیؓ نے دیا تھا۔ انہوں نے کہا:

"ہم لوگ سرزمین فارس میں جنگ کے وقت قلعہ پر منجنیق نصب کیا کرتے تھے اور اس سے دشمن کو نقصان پہنچایا کرتے تھے"

سلمانؓ کی بنائی ہوئی منجنیق...... کہا جاتا ہے کہ یہ منجنیق حضرت سلمان فارسیؓ نے خود اپنے ہاتھ سے بنائی تھی۔ مگر یہاں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ پیچھے غزوۂ خیبر کے بیان میں گزرا ہے کہ جب مسلمانوں نے قلعہ صعب فتح کیا تو اس میں صحابہ کو بہت سے جنگی آلات ملے جن میں دبّابے اور منجنیق بھی تھیں۔ اس کے جواب میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ منجنیق جو طائف میں استعمال کی گئی حضرت سلمانؓ نے خود بنائی تھی کیونکہ ممکن ہے جو منجنیقیں مسلمانوں کو خیبر میں ہاتھ لگی تھیں وہ اس وقت طائف میں ان کے ساتھ نہ رہی ہوں۔

غزوۂ خیبر کے بیان میں گزرا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے وطیح اور سلالم کے قلعوں کا محاصرہ کیا اور چودہ دن گزرنے پر بھی دشمن قلعہ سے باہر نہ نکلا تو آپ نے قلعہ شکنی کے لئے منجنیق نصب کرنے کا ارادہ فرمایا تھا۔ ادھر وہیں کتاب امتاع کے حوالے سے یہ بھی گزرا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قلعہ براء کے سامنے منجنیق نصب بھی کرائی تھی ساتھ ہی وہیں ہم نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ بات بعض علماء کے اس قول کے خلاف نہیں کہ منجنیق غزوۂ طائف کے سوا آنحضرت ﷺ نے کہیں استعمال نہیں فرمائی کیونکہ ممکن ہے ان بعض علماء کی مراد یہ ہو کہ آنحضرت ﷺ نے غزوۂ طائف کے سوا کسی غزوہ میں منجنیق سے سنگ اندازی نہیں کرائی جیسا کہ ہم نے اس بات کی طرف اشارہ بھی کیا تھا (کیونکہ قلعہ براء کے سامنے منجنیق نصب تو کرائی گئی مگر اس سے سنگ اندازی نہیں ہوئی)۔

طائف میں دبّابوں کا استعمال...... (غرض اس کے ساتھ ہی چونکہ دبابے بھی استعمال کئے گئے جن کے بارے میں تفصیل گزر چکی ہے کہ دبّابہ پرانے زمانے کا ٹینک ہوتا تھا جس کے سائے میں چل کر لڑنے والے قلعہ کی دیواروں تک پہنچ جاتے اور دیوار توڑتے) چنانچہ غزوۂ طائف میں بھی کچھ صحابہ ایک دبّابہ کے سائے میں داخل ہو کر اسے کھینچتے ہوئے قلعہ کی دیوار تک لے گئے تاکہ قلعہ میں آگ لگا دیں۔

کتاب امتاع میں یوں ہے کہ صحابہ دو دبابوں میں داخل ہو کر قلعہ کی طرف بڑھے ان دونوں دبّابوں پر گائے کی کھال چڑھی ہوئی تھی مگر جیسے ہی یہ دبّابے قلعہ کے قریب پہنچے بنی ثقیف نے اوپر سے ان پر لوہے کی گرم سلاخیں پھینکیں جو آگ میں تپا کر سرخ کرلی گئی تھیں۔ صحابہ اس حملہ پر دبّابوں میں سے نکلنے پر مجبور ہوگئے۔ ان کے باہر نکلتے ہی دشمن نے ان پر تیر اندازی کی جس سے ان کے کچھ لوگ مارے گئے۔

دبّابہ ایک جنگی آلہ ہے اور چمڑے سے بنایا جاتا تھا۔ پھر لوگ اس میں بیٹھ جاتے اور کچھ لوگ اس کو کھینچ کر قلعہ کی دیوار تک لے جاتے اور اس میں بیٹھے ہوئے لوگ قلعہ کی دیوار میں نقب لگاتے۔

(دبّابہ کے لئے ضروری نہیں تھا کہ چمڑے کا ہی بنایا جائے۔ یا ہو سکتا ہے کہ ابتداء میں یا اس زمانے میں اور یا عرب میں چمڑے سے بنایا جاتا ہو ورنہ دبّابے بے اثر لکڑی سے بنائے جاتے تھے دبّابہ ایک بڑی بند گاڑی کی شکل میں بنایا جاتا تھا جس کے نیچے پہیئے ہوتے تھے۔ اس گاڑی کی چھت اور سامنے کے تمام حصوں پر چمڑا یا لوہے کی چادر مڑھ دی جاتی تھی تاکہ دشمن اس میں آگ لگانے کے لئے روغن نفت وغیرہ پھینکے تو یہ آگ نہ پکڑ سکے۔ کچھ سپاہی نقب زنی کے اوزار اور آلات لے کر اس کے اندر بیٹھ جاتے اور چالیس پچاس آدمی اس کے نیچے پہنچ کر اس کو قلعہ کی طرف دھکیل کر لے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر یہ صحیح سلامت پہنچ گیا تو اس کو قلعہ کی دیوار یا پھاٹک سے ملا دیتے اور پھر اندر بیٹھے ہوئے لوگ باہر نکل کر دیوار توڑنے یا پھاٹک میں آگ لگانے کی کوشش کرتے تھے)۔

ثقیف کے باغات کاٹنے کا حکم...... اسی دوران میں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ بنی ثقیف کے انگوروں اور کھجوروں کے باغات کاٹ لئے جائیں اور پھر ان میں آگ لگا دی جائے چنانچہ مسلمانوں نے بڑی تیزی کے ساتھ باغ کاٹنے شروع کر دیئے۔ اس پر قلعہ کی دیواروں اور برجیوں پر بیٹھے ہوئے بنی ثقیف کے لوگوں نے آنحضرت ﷺ کو رشتہ داری اور خدا کا واسطہ دیا کہ باغات نہ کاٹے جائیں۔

دشمن کی عاجزی پر حکم کی منسوخی...... دشمن کی اس عاجزی پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"میں رشتہ داری اور خدا کے نام پر ان باغات کو چھوڑے دیتا ہوں!"

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اعلان کرایا:

"جو شخص بھی قلعہ سے نکل کر ہمارے پاس آجائے وہ آزاد ہے!"

مگر اس اعلان پر دس پندرہ آدمیوں سے زیادہ نہیں آئے۔ ایک قول ہے کہ تیئیس آدمی آئے تھے۔ ان میں سے ایک شخص سامان اتارنے کی ایک چرخی کے ذریعہ اترا تھا۔ اس چرخی کو چونکہ عربی میں بکرہ کہا جاتا ہے اس لئے اس شخص کو لوگ ابو بکرہ کہنے لگے۔ یہ شخص حرث ابن کلدہ کا غلام تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سب کو آزاد فرمادیا۔

عیینہ کا نبی سے فریب...... ان میں سے ایک ایک آدمی کو آپ نے ایک ایک مسلمان کے سپرد کیا اور خرچہ کی ذمہ داری اس مسلمان پر ڈالی۔ یہ بات طائف والوں کو بے حد گراں گزری اور اس سے انہیں بہت تکلیف ہوئی۔ اس کے بعد عیینہ ابن حصن فزاری نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت چاہی کہ وہ قلعہ کے اندر جاکر بنی ثقیف کو اسلام کی دعوت دے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو اجازت دے دی۔

اس اجازت کے بعد عیینہ قلعہ میں ان لوگوں کے پاس پہنچا اور (اسلام کی دعوت دینے کے بجائے) بنی ثقیف سے کہنے لگا:

"تم لوگ مضبوطی کے ساتھ اپنے قلعہ میں ڈٹے رہو کیونکہ ہماری حیثیت تو ایک غلام سے بھی بدتر ہوتی جارہی ہے۔
ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ۔ دیکھو کسی حال میں بھی قلعہ مت چھوڑنا اور نہ کسی بات سے متاثر اور پریشان ہونا۔ یعنی ان باغات اور درختوں کے کاٹے جانے پر دل چھوٹا مت کرنا۔!"

آنحضرت ﷺ پر فریب کا آسمانی انکشاف...... (اسلام کی یہ تبلیغ کرنے کے بعد) عیینہ ابن حصن واپس رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ آپ نے پوچھا عیینہ! تم نے ان لوگوں سے کیا کہا؟

"میں نے انہیں اسلام قبول کرنے کی ہدایت کی اور دین کی دعوت دی دوزخ سے ڈرایا اور جنت کا راستہ بتلایا۔!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"تو جھوٹ بول رہا ہے۔ تو نے ان لوگوں سے یہ کہا ہے!"

اور آپ نے عیینہ کی وہ ساری باتیں دہرادیں جو اس نے بنی ثقیف سے کہی تھیں۔ یہ سنتے ہی عیینہ (حیران رہ گیا اور) کہنے لگا:

"یارسول اللہ! آپ سچ کہتے ہیں۔ میں اپنی حرکت پر آپ سے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتا ہوں۔!"

طائف میں آنحضرت ﷺ کا نشانہ ہوازن تھے...... (رسول اللہ ﷺ نے اب تک طائف پر کوئی فیصلہ کن حملہ نہیں کیا تھا اور نہ طائف فتح کرنے کا ارادہ فرمایا تھا کیونکہ آپ دراصل بنی ہوازن کے تعاقب میں یہاں آئے تھے جو حنین کے میدان میں آپ کے ہاتھوں شکست کھا کر طائف میں پناہ گزین ہوگئے تھے اور طائف کے قبیلہ بنی ثقیف نے ان کو پناہ دے دی تھی۔ چنانچہ آپ نے اب تک طائف کو فتح کرنے کا ارادہ نہیں فرمایا تھا) جس کی وجہ یہ تھی کہ حق تعالیٰ کی طرف سے ابھی تک آپ کو اس شہر کے فتح کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔

آپ کو ثقیف سے جنگ کا حکم نہیں تھا...... (چونکہ طائف کے محاصرہ کو کافی دن گزر گئے تھے اور اب تک آپ کی طرف سے باضابطہ اور فیصلہ کن حملہ کا حکم نہیں ہوا تھا اس لئے) حضرت عثمانؓ ابن مظعون کی بیوی حضرت خولہ بنت حکیم نے ایک روز آپ سے عرض کیا:

"یارسول اللہ ﷺ! آپ کو کیا رکاوٹ ہے کہ آپ طائف والوں پر فیصلہ کن حملہ نہیں فرمارہے ہیں؟"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ہمیں ابھی تک طائف والوں کے خلاف کاروائی کرنے کا حکم نہیں ملا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہم اس وقت اس شہر کو فتح نہیں کریں گے!"

پھر یہی سوال آپ سے حضرت عمرؓ نے کیا تو آنحضرت ﷺ نے ان سے بھی یہی فرمایا کہ ہمیں طائف والوں سے جنگ کرنے کا حکم نہیں ملا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ جب خدا نے ان سے جنگ کی اجازت نہیں دی تو پھر ہم ان کے مقابلہ میں کیوں کھڑے رہیں۔ (مگر اس کی وجہ وہی ہے کہ آنحضرت ﷺ یہاں بنی ہوازن کے تعاقب میں آئے تھے طائف والوں سے جنگ کے لئے نہیں تشریف لائے تھے)۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ خولہ بنت حکیم نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

"یارسول اللہ! اگر اللہ تعالیٰ آپ کے ہاتھوں طائف فتح کرادے تو بادیہ بنت غیلاں یا فارعہ بنت عقیل کے زیورات مجھے عنایت فرمادیں۔!"

یہ دونوں لڑکیاں بنی ثقیف کی سب سے زیادہ خوبصورت اور زیورات کی شوقین لڑکیاں تھیں۔ مگر آنحضرت ﷺ نے خولہؓ سے فرمایا:

"لیکن خولہ! اگر حق تعالیٰ نے ہمیں بنی ثقیف سے جنگ کی اجازت ہی نہ دی ہو۔!"

عمرؓ کا فتح طائف کے متعلق سوال...... حضرت خولہؓ نے اس بات کا ذکر حضرت عمر ابن خطابؓ سے کیا، حضرت عمرؓ آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے:

"یا رسول اللہ! اس بات میں کہاں تک اصلیت ہے جو خولہ نے مجھ سے بتائی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ یہ بات آپ نے فرمائی ہے؟"

آپ نے فرمایا: ہاں میں نے ہی کہی ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا نے کیا اللہ تعالیٰ نے طائف والوں سے جنگ کرنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں!۔ انہوں نے عرض کیا تو کیا میں واپسی کے لئے کوچ کا اعلان کر دوں؟۔

آپ نے فرمایا۔ بے شک۔

آنحضرت ﷺ کا واپسی کے لئے مشورہ...... آنحضرت ﷺ نے واپسی کے کوچ یا قیام کے سلسلے میں ایک اور شخص سے بھی مشورہ فرمایا جو نوفل ابن معاویہ دیلمی تھے۔ انہوں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ ﷺ۔ لومڑی اپنے بھٹ میں ہے اگر آپ ٹھہریں تو اس کو پکڑ سکتے ہیں اور چلے جائیں تو وہ آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔!"

واپسی کے حکم پر لشکر کو گرانی...... اس کے بعد آپ کے حکم سے حضرت عمر فاروقؓ نے لوگوں میں واپسی کے کوچ کا اعلان کر دیا۔ لوگوں کو اس اعلان پر گرانی ہوئی اور کہنے لگے کہ قلعہ تو فتح نہیں ہوا اور ہم لوگ واپس جا رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کی ہچکچاہٹ دیکھ کر (ان کی زبان بندی کے لئے) فرمایا:

"بس تو پھر حملہ کی تیاری کرو۔!"

نبی کی خلاف ورزی اور اس کا نقصان...... لوگوں نے فوراً حملہ کی تیاری کی اور قلعہ پر دھاوا بول دیا اس کے نتیجہ میں (قلعہ تو فتح نہیں ہوا البتہ) مزید بہت سے لوگ زخمی ہو گئے اس وقت آنحضرت ﷺ نے پھر اعلان کرایا کہ اب ہم انشاء اللہ روانہ ہو رہے ہیں۔ اس وقت لوگ یہ اعلان سنتے ہی خوش ہو گئے اور فرمانبرداری کے ساتھ کوچ کے لئے تیار ہو گئے۔

نبی کی رائے اور اس کی برکت...... رسول اللہ ﷺ یہ دیکھ کر ہنسنے لگے یعنی آپ کو اس بات پر تعجب ہو رہا تھا کہ کس قدر جلد ان لوگوں کی رائے بدل گئی۔ لوگوں کی رائے اب اس لئے بدل گئی تھی کہ انہوں نے سمجھ لیا کہ رسول اللہ ﷺ کی رائے ہی ان کی اپنی رائے سے زیادہ صحیح اور فائدہ مند ہے لہٰذا وہ لوگ آپ کی رائے پر ہی آ گئے (کیونکہ لوگوں نے دیکھ لیا کہ دشمن اپنے مضبوط قلعہ میں بند اور محفوظ ہے۔ رسد کی بھی کمی نہیں ہے۔ اس لئے ہمارے حملوں کا نتیجہ سوائے ہمارے اپنے نقصان کے اور کچھ نہیں ہوگا اس لئے آنحضرت ﷺ کی رائے ہی درست ہے کہ اس مہم کو ناتمام چھوڑ کر واپس ہو جانا چاہئے)۔

سفر میں دعاؤں کی تلقین...... پھر روانگی کے وقت رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اس کا وعدہ سچا ہے، اس نے اپنے بندے کی مدد فرمائی اور اس اکیلے نے احزابی لشکر کو شکست دی۔ اس کے بعد جب وہ روانہ ہو کر آگے بڑھ گئے تو آپ نے فرمایا یوں کہو:

"ہم لوٹنے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں اور عبادت کرنے والے ہیں اپنے پروردگار کی اور اسی کی تعریفیں بیان کرتے ہیں!"

ثقیف کے لئے ہدایت کی دعا...... پھر کچھ لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

"یا رسول اللہ ﷺ! طائف کے بنی ثقیف کے لئے بددعا فرمائیے۔

آپ نے اسی وقت ان الفاظ میں دعا فرمائی:

"اے اللہ۔ بنی ثقیف کو ہدایت عطا فرمائیے اور انہیں مسلمان کی حیثیت سے ہمارے پاس بھیجئے۔!"

غالباً قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے اسی کی طرف اپنے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے۔

جَهِلَتْ قومه عليه فاغضى
وَاخو لِحِلم دأبَة الاغضاءُ
وسع العالمين علماً و حماً
فهو بَحرٌ لَم تعتيه الاعباءُ

مطلب...... رسول اللہ ﷺ کو آپ کی قوم قریش اور دوسرے لوگوں نے تکلیفیں پہنچائیں مگر آپ نے حیا کی وجہ سے ان کے سامنے نظریں جھکالیں۔ انتقام کو پسند نہ کرنے والے کی شان یہی ہوتی ہے کہ وہ دشمنوں کے سامنے نظریں جھکا کر شریفانہ سلوک کرتا ہے۔ آپ کا علم اگر جن وانسان اور فرشتوں تک کے تمام عالموں سے بڑھا ہوا تھا تو آپ کا حلم بھی اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ ہر شخص کی غلطیاں اس کے سامنے ہیچ تھیں (یعنی بڑی سے بڑی خطا پر بھی آپکا حلم ومروت مغلوب نہیں ہوتا تھا کہ آپ حلم ومروت کو خیر باد کہہ کر غضب ناک ہو جائیں بلکہ اس وقت بھی عفو ودرگزر سے کام لیتے تھے لہٰذا اس بناء پر آپ ایک بحر ناپیدا کنار تھے جو بڑے سے بڑے بوجھ کو بھی برداشت کر سکتا ہے۔

عبداللہ کا جان لیوا زخم...... اس آخری حملے میں جو لوگ زخمی ہوئے ان میں حضرت ابو بکر صدیق ؓ کے صاحبزادے بھی تھے۔ ان کے ابو محجن کا مارا ہوا تیر آکر لگا تھا۔ یہ زخم اتنا لمبا چلا اور اس قدر جان لیوا ثابت ہوا کہ آخر اپنے والد حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے زمانے میں اسی زخم کے نتیجہ میں ان کی وفات ہوگئی۔

بیوی عاتکہ سے عبداللہ کی شدید محبت...... ان کی بیوی عاتکہ بنت زید ابن عمرو ابن نفیل تھیں انہوں نے عبداللہ کا مرثیہ بھی لکھا تھا۔ حضرت عبداللہؓ اپنی بیوی عاتکہ سے بے انتہا محبت کرتے تھے، ایک مرتبہ جب کہ جمعہ کا دن تھا عبداللہ کے والد حضرت ابو بکر صدیق ؓ جمعہ کی نماز کے بعد بیٹے کے یہاں آئے، اس وقت حضرت عبداللہ اپنی بیوی کے ساتھ ہنسی دل لگی کر رہے تھے۔

عبداللہ اسی وقت اپنی بیوی سے پوچھ رہے تھے۔ کیا جمعہ کی نماز ہو چکی؟ حضرت ابو بکرؓ نے ان کا یہ جملہ سن لیا۔ انہوں نے فوراً کہا:

"کیا تمہاری بیوی نے تمہیں نماز سے بھی بے خبر کر دیا ہے۔ اب مجھے اس وقت تک چین نہیں آئے گا۔ جب تک تم اس کو طلاق نہیں دے دوگے۔!"

باپ کے حکم پر بیوی کو طلاق...... چنانچہ حضرت عبداللہ نے والد کے حکم پر بیوی کو علیحدہ کر دیا۔ انہوں نے طلاق تو دے دی مگر اب بیوی کی جدائی ان پر بے حد شاق ہوئی ایک روز حضرت ابو بکرؓ پھر بیٹے کے یہاں آئے تو انہوں نے حضرت عبداللہ

کو کچھ شعر پڑھتے ہوئے سنا جن میں سے ایک شعر یہ ہے:

فَلَمْ أرَ مِثْلِي طَلَّقَ الْيَوم مِثْلَهَا
ولاَ مِثْلَها فِي غَيرِ جَرمٍ تُطَلَّقُ

ترجمہ: مجھ جیسا بدنصیب کون ہوگا جس نے آج اس جیسی بیوی کو طلاق دے دی۔ اس جیسی بیوی کو بھی کوئی شخص بغیر کسی جرم کے طلاق دے سکتا ہے۔

درد فراق اور رجعت...... حضرت ابو بکرؓ نے (بیٹے کے یہ پردرد شعر سنے تو) ان سے کہا کہ عبداللہ تم عاتکہ سے رجعت کرلو (رجعت کا مطلب یہ ہے کہ اگر بیوی کو صرف ایک طلاق دی اور پھر اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اس کو بغیر دوسری مرتبہ نکاح کئے بغیر پھر اپنے گھر میں لایا جائے)۔

حضرت عبداللہ باپ کی طرف سے اجازت ملنے پر اس قدر خوش ہوئے کہ انہوں نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا کہ آپ ذرا اپنی جگہ ٹھہریئے۔ یہ کہہ کر انہوں نے فوراً اپنے غلام سے جو ان کا ذاتی اور زرخرید غلام تھا۔ کہا:

"اللہ کے راستے میں تو آزاد ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں یعنی اعلان کرتا ہوں کہ میں نے عاتکہ سے رجعت کی۔!"

غرض جب حضرت عبداللہ ابن ابو بکرؓ کا انتقال ہوا تو ان کی بیوی عاتکہ نے ان کا مرثیہ کہا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

ألَيت لاتَنفَك عَينِي حَزِينَةً
عَلَيْك ولاَ يَنفَك جِلدِي أغبرا

ترجمہ: میں نے عہد کیا ہے کہ تمہارے لئے میری آنکھیں ہمیشہ اشک آلود و غمگین رہیں گی اور اب میرے جسم سے کبھی گرد و غبار دور نہیں ہوگا۔

عاتکہ کا ہر شوہر مقتول...... حضرت عبداللہ کے انتقال کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے عاتکہ سے شادی کرلی تھی۔ نکاح کے بعد جب حضرت عمرؓ ان کے ساتھ عروسی منانے کے لئے جانے لگے تو حضرت علیؓ نے فاروق اعظم سے کہا:

"کیا آپ مجھے اس کی اجازت دیں گے کہ میں عاتکہ سے ایک بات کرلوں۔"

حضرت عمرؓ نے کہا:

"آپ کے اس سے گفتگو کرنے میں کوئی غیرت کی بات نہیں ہے۔ ضرور بات کرلیجئے۔!"

حضرت علیؓ نے اب عاتکہ سے کہا:

"کیا یہ شعر تم نے کہا تھا؟

أَلِيتُ لا تَنفَك عَينِي قَرِيرَة
عَلَيك وَلَا يَنفَك جلدي أَصفرا

ترجمہ: میں نے عہد کیا ہے کہ میری آنکھوں سے کبھی آنسو جدا نہیں ہوں گے اور وہ آنسو تمہارے لئے ہی بہائے جائیں گے۔ اور یہ کہ میرے جسم سے کبھی میل صاف نہیں ہوگا یعنی اب میں کبھی بناؤ سنگھار نہ کروں گی۔

(یہاں اس شعر کے دونوں مصرعوں کے آخری لفظ بدلے ہوئے ہیں)

عاتکہ نے کہا کہ میں نے اس طرح نہیں کہا تھا۔ یہ کہتے ہی وہ بری طرح رو پڑیں اور ان کا پچھلا رنج و غم پھر تازہ ہو گیا۔

حضرت عمرؓ نے عاتکہ کی یہ حالت دیکھ کر حضرت علی سے کہا:

ابوالحسن! شاید تمہارا مقصد یہی تھا کہ تم اس کو میرے لئے بھی بے کار کر دو۔"

پھر اس کے بعد حضرت عمرؓ قتل کئے گئے تو عاتکہ نے ان کا مرثیہ بھی کہا جس کے دو شعر یہ ہیں۔

مَن لِنفَس عَادَها أحزانها

وَلعين شَفُها طوْل السّهد

ترجمہ: وہ کون تھے جن کی وجہ سے یہ جان غموں کی عادی ہو گئی اور آنکھوں کے لئے بیداری شفا بن گئی (یعنی آنکھوں ان کے فراق میں بیداری کی اتنی عادی ہو گئیں کہ اب سونے سے تکلیف ہوتی ہے)۔

جَسَدٌ لُفّف فِي أكْفانِه

رَحمت اللّهِ عَلى ذٰلِكَ الجَسَد

ترجمہ: یہ سب کچھ ایک کفن پوش جسم کی وجہ سے ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس جسم پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے'

حضرت عمرؓ کے قتل کے بعد حضرت زبیرؓ نے ان سے شادی کر لی تھی کچھ عرصہ بعد حضرت زبیر بھی قتل ہو گئے تو عاتکہ نے ان کا مرثیہ بھی لکھا جس کے ایک شعر میں وہ زبیر کے قاتل کو مخاطب کر کے کہتی ہیں۔

ثكلتك امّك ان قتلت لِمُسلماً

حلت عَليْك عقُوبة المُتَعَمِّد

ترجمہ: تیری ماں کا خانہ خراب ہو تو نے ایک ایسے مسلمان کو قتل کیا ہے کہ اس کی وجہ سے تو اس سزا کا مستحق بن گیا ہے جو جان بوجھ کر ایک مسلمان کو قتل کرنے والے کے لئے قرآن نے متعین کی ہے۔

حضرت زبیرؓ کے قتل کے بعد حضرت علیؓ نے ان سے اپنا رشتہ دیا تو عاتکہ نے کہا:

"اب اسلام میں آپ کے سوا کوئی بڑی شخصیت نہیں رہی اور میں آپ کا قتل کسی حال میں پسند نہیں کرتی!"

علیؓ کا رشتہ اور عاتکہ کا وہم...... (یعنی میں اتنی بد قسمت ہوں کہ جو شخص بھی مجھ سے شادی کرتا ہے وہ قتل ہو جاتا ہے کیونکہ سب سے پہلے ان کے شوہر حضرت عبداللہؓ ابن ابو بکر قتل ہوئے' ان کے بعد دوسرے شوہر حضرت عمرؓ قتل ہوئے اور پھر تیسرے شوہر حضرت زبیرؓ قتل ہوئے اب اسلام میں تنہا آپ ہی ایک اہم شخصیت رہ گئے ہیں اس لئے میں نہیں چاہتی کہ مجھ سے نکاح کرنے کی نحوست پھر ظاہر ہو اور آپ بھی قتل کر دیئے جائیں) چنانچہ لوگوں میں بھی عاتکہ کے متعلق یہ کہاوت مشہور ہو گئی تھی کہ۔ جو شخص شہادت کا طلبگار ہو وہ عاتکہ سے شادی کر لے۔

نبی کی راہ گزر کے لئے درخت شق...... غرض طائف سے واپسی میں جب کہ آنحضرت ﷺ رات کے وقت طائف کے قریب ایک وادی میں سفر کر رہے تھے کہ اچانک رات کی تاریکی میں جب کہ آنحضرت ﷺ نیند کی جھونک میں تھے سامنے ایک بیری کا درخت آ گیا (یعنی آنحضرت ﷺ کی سواری رات کے اندھیرے میں درخت کے عین سامنے آ گئی مگر اسی وقت بیری کا وہ درخت پھٹ گیا اور اس کے دو حصے ہو گئے یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ ان دونوں حصوں کے درمیان سے گزر گئے (یعنی درخت نے آپ کو راستہ دے دیا تاکہ آپ کو وہاں سے گھوم کر جانے کی زحمت نہ ہو) وہ درخت آنحضرت ﷺ کے گزر جانے کے بعد اسی طرح دو حصوں میں پھٹا ہوا باقی رہا۔

سراقہ سے ملاقات اور آنحضرت ﷺ کی تحریر امان...... جب رسول اللہ ﷺ جعرانہ جانے کیلئے نشیب میں اترے تو وہاں آپ کو سراقہ ملے جن کے ہاتھ میں آنحضرت ﷺ کی دی ہوئی وہ تحریر تھی جو آپ نے ہجرت کے وقت سفر کے دوران انہیں عطا فرمائی تھی (یہ سراقہ ابن مالک وہ ہیں جنہوں نے مکہ سے آنحضرت ﷺ کی ہجرت کے بعد آپ کا تعاقب کیا تھا اور آپ کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی تاکہ وہ انعام حاصل کرسکیں جس کا اعلان قریش کی طرف سے کیا گیا تھا۔ چنانچہ یہ گھوڑے پر سوار ہو کر آنحضرت ﷺ کے بالکل قریب پہنچ گئے تھے ان کے گھوڑے کو ٹھوکر لگی اور پتھریلی زمین ہونے کے باوجود اس کی ٹانگیں زمین میں دھنس گئیں۔ آخر سراقہ نے آنحضرت ﷺ سے ہی درخواست کی کہ ان کو اس مصیبت سے نجات دلانے کے لئے دعا فرمائیں چنانچہ آپ کی دعا پر ان کا گھوڑا آزاد ہو گیا۔

اس کے بعد سراقہ اس وقت مسلمان تو نہیں ہوئے مگر انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا تھا کہ اے محمد ﷺ میں جانتا ہوں کہ ایک دن ساری دنیا میں آپ کا بول بالا ہوگا اور آپ لوگوں کی جانوں کے مالک ہوں گے اس لئے مجھے اپنی طرف سے ایک تحریر دے دیجئے کہ میں آپ کی حکومت کے وقت جب آپ کے پاس حاضر ہوں تو آپ میرے ساتھ باعزت طور پر پیش آئیں گے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے عامر ابن فہیرہ یا حضرت ابو بکرؓ کو تحریر لکھ دینے کا حکم دیا اور انہوں نے ایک چمڑے کے ٹکڑے یا ہڈی یا کپڑے پر آنحضرت ﷺ کی طرف سے اس مضمون کی تحریر لکھ کر سراقہ کو دے دی تھی۔ اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کا بول بالا فرمادیا تھا تو سراقہ آپ سے ملنے کے لئے چلے یہاں تک کہ جعرانہ کے قریب آپ سے ملاقات ہوئی تو سراقہ آنحضرت ﷺ کی اس تحریر کو ہاتھ میں لئے آپ کی طرف بڑھے)۔

اس وقت سراقہ ابن مالک زور زور سے پکار کر کہہ رہے تھے:

"میں سراقہ ہوں اور یہ میرے پاس آنحضرت ﷺ کی تحریر ہے۔!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"آج وفاد محبت اور وعدے پورے کرنے کا دن ہے۔ اس کو میرے قریب لاؤ۔!"

چنانچہ صحابہ نے سراقہ کو آنحضرت ﷺ کے قریب لا کھڑا کیا۔ سراقہ نے آنحضرت ﷺ کی طرف صدقہ بڑھانا چاہا اور ایسی گمشدہ اونٹنی کے متعلق سوال کیا جو ان کے حوض پر آکر پانی پی جائے یعنی جو حوض انسان نے خود اپنے اونٹوں کے لئے بنا رکھا ہے۔ سراقہ نے پوچھا کیا اس میں میرے لئے کچھ اجر بھی ہے؟

آپ نے فرمایا:

"ہاں! جو پیاسے اور تشنہ جگر کو سیراب کرنے میں اجر ہے۔!"

حنین کے مال غنیمت کی شمار...... رسول اللہ ﷺ نے جعرانہ پہنچ کر حنین کے قیدیوں اور مویشیوں کو شمار کرایا۔ قیدیوں کی تعداد چھ ہزار تھی اور اونٹ چوبیس ہزار تھے۔ بکریاں چالیس ہزار سے زیادہ تھیں اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھی۔

دلداری کے لئے اہل مکہ کے حصے...... آنحضرت ﷺ نے اس مال غنیمت میں سے مکے کے ان لوگوں کو بھی حصہ دیا جو حال ہی میں مسلمان ہوئے تھے۔ ان کو حصہ دینے کا مقصد ان کی دل دہی اور خاطر داری تھی۔ ان لوگوں میں سرفہرست ابوسفیان ابن حرب ہیں جنہیں آپ نے چالیس اوقیہ چاندی اور سو اونٹ عنایت فرمائے۔

ابوسفیان نے کہا کہ میرے بیٹے یزید کو بھی کچھ عنایت فرمائیے۔ یزید کو یزید خیر کہا جاتا تھا آنحضرت ﷺ نے اتنا ہی مال

یعنی چالیس اوقیہ چاندی اور سو اونٹ یزید کو دیئے۔ پھر ابو سفیان نے کہا کہ میرا دوسرا بیٹا معاویہ بھی تو ہے۔ آپ نے معاویہ کے لئے بھی اتنا ہی مال دیا۔

ابو سفیان کو بخشش...... اس طرح ابو سفیان کو تین سو اونٹ اور ایک سو بیس اوقیہ چاندی ملی۔

اس کے بعد ابو سفیان نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ حقیقت میں جنگ اور امن دونوں زمانوں میں شریف ہیں۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ آپ کے مقابلہ میں میں نے جنگیں لڑیں اور آپ ایک شریف دشمن ثابت ہوئے۔ یہ شرافت کی انتہا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزاء خیر عطا فرمائے۔!"

حکیم کا حصہ اور ان کے مطالبات پر فہمائش...... اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے حکیم ابن حزام کو سو اونٹ عنایت فرمائے انہوں نے مزید اونٹوں کی درخواست کی تو آپ نے سو اونٹ اور دے دیئے۔ کتاب امتاع میں یوں ہے کہ حکیم ابن حزام نے آپ سے سو اونٹ مانگے آپ نے عطا فرما دیئے۔ اب انہوں نے سو اونٹ اور مانگے تو آپ نے پھر سو اونٹ دے دیئے۔ اس کے بعد انہوں نے پھر اونٹ مانگے تو آپ نے تیسری مرتبہ پھر سو اونٹ دے دیئے۔ اس عطا و بخشش کے بعد آپ نے حکیم ابن حزام سے فرمایا:

"حکیم۔ یہ مال پاکیزہ اور صاف مال ہے جس شخص نے اس کو سخاوت اور شرافت نفس کے طور پر حاصل کیا اس کیلئے اس میں برکت ہوگی لیکن اگر یہ مال حرص اور لالچ کے طور پر حاصل کیا گیا تو اس میں کوئی خیر و برکت نہیں ہوگی بلکہ لینے والے کی مثال ایسی ہوگی جیسے کوئی شخص کھائے چلا جاتا ہے مگر سیر نہیں ہوتا۔ یاد رکھو اوپر رہنے والا ہاتھ نیچے رہنے والے ہاتھ سے کہیں بہتر ہوتا ہے۔!"

دست عطا اور دست سوال...... (یعنی یہ ایک پاک و صاف مال ہے اگر اس کو آدمی اس لئے لے رہا ہے کہ اپنی سخاوت اور خیر خیرات سے لوگوں کو اس کے ذریعہ فائدہ پہنچائے گا تو اس مال میں برکت ہوگی اور اگر محض لالچ اور حرص و ہوس کے طور پر لے رہا ہے تو اس میں برکت نہیں ہوگی بلکہ اور حرص بڑھتی جائے گی۔ گویا خیر خیرات کرنے والے کا ہاتھ ہمیشہ اوپر رہتا ہے اور مانگنے والے کا ہاتھ پھیلا ہوا اور نیچے ہوتا ہے لہٰذا محض حرص و لالچ کی وجہ سے ہاتھ نہ پھیلاؤ بلکہ اپنا ہاتھ دوسروں کو دینے والا ہاتھ بناؤ)۔

فہمائش کے بعد حکیم کے بے نیازی...... آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سن کر حکیم ابن حزام نے صرف وہ اونٹ رکھ لئے جو آنحضرت ﷺ نے انہیں خود سے عطا فرمائے تھے اور باقی دو سو اونٹ جو انہوں نے مانگ کر لئے تھے واپس کر دیئے اس کے بعد انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے کہ آپ کے علاوہ اور آپ کے بعد کبھی کسی شخص کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاؤں گا (یعنی کسی سے کچھ نہ مانگوں گا اور جو شخص خود سے کچھ دینا چاہے گا نہ وہ قبول کروں گا) یہاں تک کہ اسی حالت میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔!"

چنانچہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جب کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ خلیفہ تھے تو انہوں نے کئی مرتبہ حکیم ابن حزام کو کچھ نہ کچھ دینے کی کوشش کی مگر انہوں نے ایک حبہ بھی لینے سے انکار کر دیا۔ ان کے بعد جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں

نے بھی حکیم ابن حزام کو عطیہ دینے کی کوشش کی مگر انہوں نے لینے سے بالکل انکار کر دیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ مسلمانوں کے سامنے فرمایا:

"مسلمانو! میں حکیم ابن حزام کو وہ پونجی دینا چاہتا ہوں جو فئی کے اس مال میں اللہ تعالیٰ نے ان کا حق بنائی ہے مگر وہ اسے قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔!"

اقرع، عیینہ اور ابن مرداس کے حصے...... غرض اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اس مال غنیمت میں سے اقرع ابن حابس کو بھی سو اونٹ عطا فرمائے اور اتنے ہی اونٹ عیینہ ابن حصن فزاری کو دیئے۔ عباس ابن مرداس کو آپ نے چالیس اونٹ عنایت فرمائے عباس کو آنحضرت ﷺ کی یہ تقسیم گراں گزری کہ آپ نے اقرع ابن حابس اور عیینہ ابن حصن کو ان پر فوقیت دی (کہ ان دونوں کو سو سو اونٹ دیئے اور عباس ابن مرداس کو صرف چالیس ہی دیئے) انہوں نے اس پر کچھ شعر کہے جو یہ ہیں۔

انجعل نهبي ونهب العبيد
هي فرسه بين عيينة و الاقرع

کیا آپ میرا حصہ اور غلاموں کا حصہ برابر دے رہے ہیں۔ یعنی جو حصہ عیینہ اور اقرع کو دیئے گئے وہ برابر کئے گئے ہیں۔

فما كان حصن ولا حابس
يفوقان مرداس في مجمع

حصن یعنی عیینہ ابن حصن اور حابس یعنی اقرع ابن حابس کو مرداس یعنی عباس ابن مرداس پر کھلے عام ترجیح دی جا رہی ہے۔

وما كنت دون امرئ منهما
ومن تضع اليوم لا يرفع

حالانکہ میں ان دونوں کے مقابلے میں کمتر نہیں ہوں لیکن آپ جسے آج حقیر اور کمتر قرار دیں گے پھر وہ قیامت تک بھی بلند اور برتر نہیں بن سکتا۔

اقرع کی طلب اور زبان بندی کا حکم...... اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان کو مزید اونٹ دے کر پورے سو کر دیئے ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ میرے متعلق اس کی زبان کاٹ دو (یعنی اس کو بھی سو اونٹ دے کر خاموش کر دو)۔ کشاف کے مطابق آپ نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا:

"ابو بکرؓ میرے متعلق اس کی زبان کاٹ دو اور اس کو بھی سو اونٹ دے دو۔!"

اقرع کی غلط فہمی اور خوف...... یہاں تک کتاب کشاف کا حوالہ ہے۔ کشاف کے اس حوالے کے بعد اب بعض علماء کا یہ قول قابل غور بن جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اس جملہ پر کہ۔ میرے متعلق اس کی زبان کاٹ دو۔ لوگوں نے یہ سمجھا کہ آپ واقعی ان کی زبان کاٹنے کا حکم دے رہے ہیں۔ خود عباس ابن مرداس بھی اس جملہ سے سخت گھبرا گئے۔

پھر انہیں وہاں لے جایا گیا جہاں مال غنیمت جمع تھا اور ان سے کہا گیا کہ جتنے اونٹ چاہو لے لو اور اس وقت عباس ابن مرداس اس بات کو سمجھے اور انہوں نے کہا:

"دراصل آنحضرت ﷺ کا منشا یہ تھا کہ مزید مال دے کر میری زبان کاٹ ڈالی یعنی بند کر دی جائے!"

مگر عباس نے اس مال میں سے کوئی بھی چیز لینی پسند نہیں کی تو آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک حُلّہ بھجوایا۔ ایک روایت

یں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے سو اونٹ پورے کر دیئے۔ (یعنی ممکن ہے پہلے ابن مرداس نے لینے سے انکار کر دیا ہو ور پھر آنحضرت ﷺ کے فرمانے پر مزید ساٹھ اونٹ قبول کر لئے ہوں)

مؤلفہ قلوب کی تعریف اور قسمیں...... ادھر جہاں تک مولفہ قلوب کا تعلق ہے تو وہ تین قسم کے لوگ تھے (مولفہ قلوب ان کو صحابہ کہا جاتا ہے جن کو آنحضرت ﷺ نے مال دے کر ان کی دلداری کی تاکہ وہ اسلام پر باقی رہیں یا اسلام قبول کریں) تو ان مؤلفہ قلوب میں تین قسم کے افراد شامل تھے۔ ایک تو وہ لوگ تھے جن کی دلداری اور مالی امداد آنحضرت ﷺ نے اس لئے فرمائی کہ وہ لوگ مسلمان ہو جائیں جیسے صفوان ابن امیہ تھے۔ دوسرے وہ لوگ تھے جن کی دلداری اس لئے کی گئی کہ ان کے شر سے محفوظ رہیں جیسے عیینہ ابن حصن، عباس ابن مرداس اور اقرع ابن حابس تھے (کیونکہ یہ لوگ بڑے فتنہ پرداز اور شریر قسم کے تھے)۔

مگر ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ سے اس موقعہ پر کسی نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! آپ نے عیینہ ابن حصن اور اقرع ابن حابس کو تو سو سو اونٹ دیئے مگر جعیل ابن سراقہ کو کچھ نہیں دیا۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے کہ جعیل ابن سراقہ ساری دنیا سے بہتر ہے سب ہی لوگ عیینہ اور اقرع کی طرح برابر ہیں مگر میں نے ان دونوں کی دلداری اور تالیف قلب کی خاطر ان کو انعام و اکرام دیا ہے اور جعیل ابن سراقہ کے اسلام پر اعتماد کیا ہے۔!"

یہ بات پیچھے بیان ہو چکی ہے کہ یہ جعیل ابن سراقہ مسلمان فقراء اور مسکینوں میں سے تھے اور بے حد بد شکل اور بد صورت آدمی تھے۔ یہی جعیل ابن سراقہ وہ شخص ہیں جن کی شکل میں غزوۂ احد کے موقعہ پر شیطان ظاہر ہوا تھا اور اس نے مسلمانوں میں یہ خبر پھیلا دی تھی کہ محمد ﷺ قتل ہو گئے ہیں۔

تالیف قلب کا مقصد...... ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں اپنے ایک محبوب شخص کو چھوڑ کر کسی دوسرے آدمی کو مال دے دیتا ہوں جو صرف اس ڈر سے کہ وہ دوسرا آدمی جہنم میں الٹے منہ نہ پھینک دیا جائے (یعنی اس شخص کو میں کچھ نہیں دے رہا ہوں جو مجھے محبوب ہے یعنی پکا مسلمان ہے اور ایسے شخص کو دے رہا ہوں جو مجھے محبوب نہیں ہے کیونکہ وہ پختہ مسلمان نہیں ہے۔ مگر یہ صرف اس لئے کہ اس مالی امداد اور دلداری کے نتیجہ میں وہ شخص اسلام کی طرف مائل ہو جائے اور قیامت میں اس کا ٹھکانہ جہنم نہ ہو)۔

صفوان کی تالیف قلب...... اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ لوگوں میں کچھ ایسے آدمی بھی ہیں جنہیں ہم ان کے اسلام کے حوالے کر دیتے ہیں یعنی ان کے اسلام پر اعتماد کرتے ہیں جیسے فرات ابن حصان ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صفوان ابن امیہ کو جو کچھ عنایت فرمایا اس کا ذکر گزر چکا ہے کہ گھاٹی میں جس قدر بھی بکریاں، اونٹ اور گائیں تھیں وہ سب ان کو دے دیں۔ واضح رہے کہ گھاٹی ان مویشیوں سے بھری ہوئی تھیں۔ اس کے نتیجہ میں وہ مسلمان ہو گئے تھے جیسا کہ بیان ہوا۔

تالیف قلب کی حدود...... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: علامہ ابن جوزی کہتے ہیں۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ مولفہ قلوب لوگوں میں مختلف قسم کے آدمی تھے اور اسلام کے شروع میں ان کی تالیف قلب اور دلداری کی گئی پھر آخر ان کے دلوں میں اسلام کی محبت گھر کر گئی تو اس وقت وہ لوگ مولفہ قلوب کی تعریف میں سے نکل گئے پھر بھی علماء ان کو جو مولفہ قلوب میں بیان کرتے

ہیں وہ ان کے ابتدائی حال کی وجہ سے لکھتے ہیں۔ ان میں کچھ لوگ وہ بھی ہیں جن کے متعلق یہ معلوم نہیں کہ بعد میں اسلام ان کے دلوں میں جڑ پکڑ گیا تھا یا نہیں۔ بظاہر ایسے لوگ تالیف اور دلداری کی حالت میں ہی باقی رہے۔ اب ان لوگوں میں یہ فرق کرنا ممکن بھی نہیں ہے کہ کس کا اسلام مضبوط ہو گیا تھا اور کس کا نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ ہو سکتا ہے جس کو ہم برا سمجھتے ہوں وہ حقیقت میں اس کے خلاف یعنی اچھا ہو اس واسطے کہ انسان کے دل کی حالت اکثر بدلتی رہتی ہے جب کہ یہ ضروری نہیں کہ دل کی بدلتی ہوئی کیفیات ہمکو بتلائی بھی گئی ہوں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ جس کے بارے میں ہمیں مسلمان ہو جانے کی خبر مل گئی ہے اس کے متعلق اچھا گمان ہی قائم کریں۔

تالیف قلب کی برکات...... چنانچہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ اکثر ایسا ہوا کہ کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آنحضرت ﷺ نے اس کو دنیاوی مال و متاع میں سے کوئی چیز عنایت فرمادی اور وہ شخص اس انعام کی خوشی میں اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ مگر شام ہونے تک اس کے دل میں اسلام اسی طرح گھر کر چکا ہوتا تھا کہ یہ دین اسے دنیا اور اس کی تمام نعمتوں سے زیادہ عزیز ہوتا تھا۔ یہاں تک علامہ ابن جوزی کا حوالہ ہے۔

جہاں تک عباس ابن مرداس کا تعلق ہے جن کے شعر گذشتہ سطروں میں بیان ہوئے ہیں اور جن کا تفصیلی واقعہ بھی بیان ہو چکا ہے) فتح مکہ سے پہلے یسیر کے مقام پر مسلمان ہوا تھا۔ یہ شخص ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے جاہلیت کے زمانے میں ہی اپنے اوپر شراب حرام کر لی تھی۔ واللہ اعلم

مال خمس سے تالیف قلب...... غرض جعرانہ کے مقام پر رسول اللہ ﷺ اسی طرح لوگوں کو سو اور پچاس کے درمیان کی تعداد میں اونٹ عنایت فرماتے رہے، یہ سب تقسیم مال غنیمت کے پانچویں حصے میں سے کی جا رہی تھی جیسا کہ آگے تفصیل آئیگی۔

لوگوں کا تقاضہ اور تقسیم غنیمت کا حکم...... پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید ابن ثابت کو حکم دیا کہ لوگوں کو جمع کر کے ان پر مال غنیمت تقسیم کریں۔ یعنی پانچواں حصہ نکالنے کے بعد جو مال باقی بچا ہے اس کو تقسیم کر دو۔ کیونکہ مال غنیمت کے پانچ حصے کر کے ایک حصہ بیت المال کے لئے علیحدہ کیا جاتا ہے اور باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کئے جاتے ہیں جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

آنحضرت ﷺ کی فیاضی...... اس سے پہلے صحابہ کرام آنحضرت ﷺ کے پاس جمع ہوئے اور تقاضہ کرنے لگے کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم پر مال غنیمت تقسیم فرمادیجئے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ اصرار کرتے کرتے آپ کے ساتھ چلتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو ایک درخت کے نیچے پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ یہاں درخت میں الجھ کر آپ کی چادر پھنس گئی۔ آپ نے فرمایا:

"میری چادر واپس کر دو، لوگو! خدا کی قسم اگر تہامہ کے سارے درخت یعنی باغات بھی مجھے مال غنیمت میں حاصل ہو جاتے تو میں انکو بھی تم ہی لوگوں پر تقسیم کر دیتا اور تم مجھے بخیل یا تنگ دل اور مال کو روک کر رکھنے والا نہیں کہہ سکتے تھے"۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اٹھ کر اپنے اونٹ کے پاس تشریف لائے اور اس کے کوہان سے ایک بال نوچ کر اسے اوپر اٹھایا اور لوگوں کو دکھلا کر فرمایا:

"لوگو۔ خدا کی قسم تمہارے فئی یعنی غنیمت کے مال اور یا کوہان کے اس مال میں سے میرا حصہ پانچویں حصہ کے سوا کچھ نہیں ہے اور وہ پانچواں حصہ بھی تمہارے ہی پاس چلا جاتا ہے۔ لہٰذا ایک ایک سوئی اور دھاگا بھی یہیں لا کر جمع کر دو کیونکہ مالِ غنیمت

میں دھوکہ انتہائی شرمناک اور رسوا کن ہے اور قیامت میں جہنم کی آگ کا کام کرتا ہے۔!"

اسی وقت آپ کے پاس ایک انصاری شخص آیا جس کے ہاتھوں میں بالوں کا گچھا تھا۔ اس نے آکر عرض کیا:

"یا رسول اللہ! میں نے بالوں کا یہ گچھا اس ارادہ سے لیا تھا کہ اپنے اونٹ کیلئے اس میں سے نیچے بچھانے کا نمدہ بناؤں گا۔!"

آپ نے فرمایا:

"جہاں تک اس میں میرے حصے کا تعلق ہے تو وہ میں نے تمہیں دیا۔!"

یہ سن کر اس شخص نے کہا:

"اگر بات اتنی نازک ہے تو مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔!"

یہ کہہ کر اس نے بالوں کا وہ گچھا پھینک دیا۔

مال غنیمت اور مجاہدین کا زھد و تقویٰ...... ایک روایت میں ہے کہ عقیل نے مال غنیمت میں سے ایک سوئی لے لی تھی وہ سوئی انہوں نے لاکر بیوی کو دے دی۔ ان کی بیوی نے ان سے کہا:

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ جنگ میں تم نے بھی حصہ لیا تھا۔ اب یہ بتاؤ کہ تمہیں مال غنیمت میں سے کیا ملا ہے؟"

عقیل نے جھلا کر کہا:

"چپ رہو۔ بس یہ سوئی ہے جس سے تم اپنے کپڑے سی لیا کرنا۔!"

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے یہ اعلان سنا کہ جس شخص نے بھی مال غنیمت میں سے (بلا اجازت) کوئی چیز لی ہے چاہے وہ سوئی یا دھاگہ ہی کیوں نہ ہو اس کو چاہئے کہ وہ چیز فوراً لاکر واپس کر دے۔ عقیل فوراً گھر آئے اور بیوی سے وہ سوئی لے کر مال غنیمت میں ڈال دی۔

غنیمت میں ابوجہم کی نگرانی اور خالدؓ سے جھگڑا...... علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ غزوۂ حنین کے مال غنیمت کے نگراں حضرت ابوجہم ابن حذیفہ عدوی تھے ان کے پاس خالد ابن برصاء آئے اور انہوں نے مال غنیمت میں سے بالوں کی بنی ہوئی ایک لگام نکال کر لے لی حضرت ابوجہم نے ان کا ہاتھ پکڑ کر لینے سے روکا۔ اس پر خالد ابن برصاء (بگڑ گئے اور) ابوجہم کے ساتھ کھینچ تان کرنے لگے آخر ابوجہم نے ایک کمان اٹھا کر ان کے ماری جس سے خالد زخمی ہو گئے اور ان کا سر یا کھوپڑی پھٹ گئی۔

معاملہ رفع دفع کرنے کیلئے نبی کی کوشش!...... اس پر خالد نے ابوجہم کے خلاف آنحضرت ﷺ کے سامنے فریاد کی اور مقدمہ پیش کیا۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ پچاس بکریاں لے لو اور بات ختم کر دو۔ مگر خالد نے کہا کہ میں تو ان سے بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اچھا سو بکریاں لے لو اور معاملہ رفع دفع کرو۔ خالد نے پھر کہا کہ میں تو ان سے بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ آخر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"تم ڈیڑھ سو بکریاں لے کر ان کا پیچھا چھوڑو۔ اس سے زیادہ تمہیں کچھ نہیں دیا جائے گا اور میں تمہیں ایک ذمہ دار نگراں اور ناظم سے ہرگز بدلہ نہیں لینے دوں گا۔!"

اس طرح ڈیڑھ سو بکریوں کی قیمت پندرہ اونٹ کی نصاب کے برابر قرار دی گئی (یعنی ڈیڑھ سو بکریاں ہوں تو پندرہ اونٹ ان کے برابر ہوں گے اور اس سے زکوٰۃ نصاب متعین ہو گا۔ اسی سے کھوپڑی کی دیت یا قیمت پندرہ اونٹ متعین کی گئی ہے۔!

مال غنیمت کی تقسیم...... پھر جب آنحضرت ﷺ نے باقی لوگوں میں مال غنیمت تقسیم فرمایا تو ہر شخص کو چار اونٹ اور چالیس

بکریاں دیں اور اگر مجاہد گھڑ سوار ہو تو اس کو بارہ اونٹ اور ایک سو بیس بکریاں عنایت فرمائیں۔ اگر کسی شخص کے پاس ایک سے زائد گھوڑے ہوئے تو اس کو صرف ایک ہی گھوڑے کا حصہ دیا گیا۔

سواروں کا حصہ...... چنانچہ حضرت زبیرؓ کے پاس کئی گھوڑے تھے مگر ان کو صرف ایک ہی گھوڑے کے حساب سے زائد حصہ دیا گیا۔ ہمارے امام شافعی نے اسی واقعہ سے مسئلہ نکالا ہے اور اسی بنیاد پر کہا ہے کہ گھوڑے سوار کو اس کے ایک گھوڑے کا حصہ دیا جائے گا (اس کے زائد گھوڑوں کا حصہ نہیں دیا جائے گا)۔

تقسیم پر منافقین کا اعتراض اور آنحضرت ﷺ کا غصہ...... مال غنیمت کی تقسیم کے سلسلے میں بعض منافقوں نے اعتراضات کیے۔ ایک قول ہے کہ وہ منافق معتب تھا۔ اس نے کہا:

"اس تقسیم میں انصاف سے کام نہیں لیا گیا نہ ہی یہ تقسیم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کی گئی ہے!"

رسول اللہ ﷺ کو جب اس بات کی خبر ہوئی تو غصہ کی وجہ سے آپ کے چہرۂ مبارک کا رنگ سرخ ہو گیا۔ روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ: آپ کے چہرۂ مبارک کا رنگ بدل کر صرف جیسا ہو گیا۔ صِرف ایک تیز سرخ رنگ کو کہا جاتا ہے جس سے چمڑے کو رنگا جاتا ہے۔

صبر و ضبط میں موسیٰؑ کی مثال...... ایک روایت میں یوں ہے کہ یہ سن کر آنحضرت ﷺ کو بے انتہا غصہ آیا اور آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا:

"اگر اللہ اور اس کا رسول بھی انصاف سے کام نہیں لے سکتا تو کون ہے جو عدل و انصاف کر سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ میرے بھائی موسیٰؑ پر رحمت فرمائے انہیں اس سے بھی بڑی بڑی تکلیفیں اور اذیتیں پہنچائی گئیں اور انہوں نے صبر سے کام لیا!"۔

ذوخویصرہ کا نبی کی تقسیم پر اعتراض...... غرض ایک قول ہے کہ جس شخص نے یہ بات کہی تھی کہ آنحضرت ﷺ نے مال غنیمت کی تقسیم میں معاذ اللہ انصاف سے کام نہیں لیا' وہ ذوخویصرہ تیمی تھا۔ یہ ذوخویصرہ یمانی کے علاوہ ایک دوسرا شخص تھا۔ ذوخویصرہ یمانی وہ شخص تھا جس نے مسجد نبوی میں پیشاب کر دیا تھا۔

ذوخویصرہ تیمی آنحضرت ﷺ کے پاس آکر کھڑا ہوا اور کہنے لگا: "اے محمدؐ! آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے آج کیا کیا ہے؟"

آپ نے فرمایا۔ "بے شک مگر اس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟"

عمرؓ اور خالدؓ آمادہ قتل...... اس نے کہا میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے انصاف سے کام نہیں لیا یہ سن کر آنحضرتؐ ناراض ہو گئے اور آپؐ نے فرمایا: "تیرا برا ہو اگر میرے پاس بھی انصاف نہیں ہے تو پھر کس کے پاس ہو گا؟"

نمازی کو قتل نہ کرنے کا حکم...... حضرت عمرؓ وہاں موجود تھے۔ انہوں نے آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ کیا ہم اس شخص کو قتل نہ کر ڈالیں۔ ایک قول ہے کہ حضرت خالد ابن ولیدؓ نے کہا تھا کہ کیا ہم اس کی گردن نہ ماردیں۔ امام نوویؒ کہتے ہیں کہ دونوں باتوں میں کوئی تضاد اور ٹکراؤ نہیں ہے کیونکہ دونوں نے ہی اس شخص کو قتل کرنے کی اجازت چاہی تھی۔

چنانچہ مسلم میں ہے کہ اس شخص کا یہ اعتراض سن کر حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ میں اس شخص کی گردن نہ ماردوں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: نہیں! حضرت عمرؓ یہ سن کر اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ پھر حضرت خالدؓ کھڑے ہو کر عرض گزار ہوئے کہ یا رسول اللہ ﷺ اجازت ہو تو میں اس شخص کی گردن ماردوں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"نہیں۔ ممکن ہے یہ شخص نماز پڑھتا ہو!"

حضرت خالدؓ نے عرض کیا:

"کیا کوئی نمازی ایسی بات کہہ سکتا ہے جو اس کے دل میں نہ ہو؟"

دلوں کا حال صرف خدا جانتا ہے...... آپ نے فرمایا:

"مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ میں لوگوں کے دلوں کو چیر کر یا ان کے سینے چاک کر کے دیکھوں!"

آنحضرت ﷺ پر اعتراض کا ایک اور واقعہ...... حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ جب کہ حضرت علیؓ یمن میں تھے انہوں نے وہاں سے سونا ملی ہوئی مٹی رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجی۔ یعنی سونے کی کان کی مٹی تھی جس میں سے ابھی سونا علیحدہ نہیں کیا گیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے وہ مٹی چار آدمیوں کی تقسیم فرمادی جو یہ تھے: اقرع ابن حابس۔ عینیہ ابن بدر۔ علقمہ ابن علاقہ اور زید الخیر۔

اس پر قریش کے بڑے بڑے سردار بگڑ گئے اور رسول اللہ ﷺ سے کہنے لگے:

"آپ یہ مال ان نجدی سرداروں کو تو بخش رہے ہیں اور ہمیں چھوڑے دیتے ہیں۔"

آپ نے فرمایا:

"میں نے ایسا اس لئے کیا ہے کہ ان لوگوں کی تالیف قلب اور دلداری ہو جائے۔!"

اسی وقت آپ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ اے محمد ﷺ۔ اللہ سے ڈرو۔ آپ نے فرمایا:

"اگر میں ہی خدا کی نافرمانی کرتا ہوں تو کون ہے جو اللہ کی اطاعت کرنے والا ہے۔ اس نے مجھے زمین کا امانت دار بنایا ہے اور تم مجھے امانت دار نہیں سمجھتے۔"

ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ "کیا تم مجھے امانتدار نہیں سمجھتے جب کہ میں اس ذات کا امین اور امانتدار ہوں جو آسمانوں میں ہے اور جو صبح شام مجھے آسمان کی خبریں بھیجتا ہے۔!"

اس کے بعد پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے بھی وہی بات کہی جو پہلے نے کہی تھی۔ کہ اللہ سے ڈرو۔ آپ نے فرمایا:

"تجھ پر افسوس ہے۔ کیا زمین والوں میں سب سے زیادہ میں ہی اس کا حقدار اور اہل نہیں ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈروں؟"

غالباً یہ واقعہ غزوۂ حنین کے مال غنیمت کے علاوہ کسی اور مال غنیمت کی تقسیم کا موقعہ ہے۔ جہاں تک اس شخص کا تعلق ہے جس نے وہ بات کہی جو بیان ہوئی۔ اس کے متعلق یہ بھی احتمال ہے کہ وہ حنین کے موقعہ پر ان ہی دونوں میں سے کوئی ایک رہا ہو اور یا اس کے ساتھیوں میں سے کوئی رہا ہو۔

ذوخویصرہ خوارج کا بانی تھا...... بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ ذوخویصرہ ہی فرقہ خوارج کا اصل بانی ہے اور یہ کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا:

"اس کو بلا کر لاؤ کیونکہ اسی شخص کے چیلے دین کی اتنی گہرائی میں جائیں گے کہ آخر کار خود دین سے ہی اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیرانداز سے تیر نکل جاتا ہے۔!"

خارجیوں کے متعلق نبی کی پیشین گوئی...... (یعنی جیسے تیرانداز تیر کو کمان میں لگا کر پوری قوت سے اپنی طرف کھینچتا ہے اور پھر چھوڑتا ہے تو وہ بڑی تیزی کے ساتھ ہاتھ سے چھوٹ کر جاتا ہے) ایک روایت کے مطابق جب ذوخویصرہ نے وہ جملہ کہا تو حضرت عمر فاروقؓ نے آنحضرت ﷺ سے یہ عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن

مار دوں۔ آپ نے فرمایا:

"معاذ اللہ کہ لوگ یوں کہیں کہ میں اپنے صحابہ کو قتل کرتا ہوں۔ یہ شخص اور اس کے ساتھی (یعنی اس کی نسل کے لوگ کیونکہ یہی فرقہ خوارج کا بانی اور مورث اعلیٰ ہے) قرآن پڑھیں گے مگر اس طرح کہ اس کے الفاظ ان کے گلوں سے نیچے نہیں ہوں گے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ ان کے حلقوم کی رگوں سے نیچے نہیں ہوں گے۔ ان کے دل اس کو نہیں سمجھتے ہوں گے۔ ان کے لئے قرآن میں کوئی حصہ یا لطف نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ ان کے منہ اس کی تلاوت کرتے ہوں گے۔ یہ لوگ اہل اسلام کو قتل کریں گے اور صنم پرستوں یعنی مشرکوں کو دعوت دیں گے۔ اگر میں ان لوگوں کا زمانہ پاتا تو ان کو عاد و ثمود کے لوگوں کی طرح قتل و ہلاک کرتا۔ یعنی ان کو نیست و نابود کر دیتا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ۔ اگر تم ان لوگوں کو پاؤ تو ان سب کو قتل کر ڈالنا کیونکہ ان کو قتل کرنے میں اس شخص کو قیامت کے دن اللہ کے یہاں اجر و ثواب حاصل ہوگا۔!"

خارجیوں کے گردن زدنی ہونے کی دلیل..... جو علماء یہ کہتے ہیں کہ خارجیوں کو قتل کرنا جائز ہے وہ اسی حدیث سے دلیل حاصل کرتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے ان لوگوں سے جنگ کر کے انہیں قتل کیا تھا۔ (اور خارجی فرقہ کے لوگ سب سے زیادہ حضرت علیؓ کے ہی دشمن ہیں اور انہیں گالیاں دینا ثواب سمجھتے ہیں)۔

کیا خارجی کافر ہیں؟..... رسول اللہ ﷺ سے خارجیوں کے بارے میں سوال کیا گیا کہ آیا وہ لوگ کافر ہیں؟ آپ نے فرمایا:

"کفر سے ہی وہ لوگ بھاگ کر آئیں گے۔!"

صحابہ نے پوچھا کہ کیا پھر وہ لوگ منافقین میں سے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا:

"منافقین خدا کو بہت ہی کم یاد کرتے ہیں جب کہ یہ لوگ کثرت سے ذکر اللہ کیا کریں گے۔!"

صحابہ نے عرض کیا کہ پھر وہ لوگ کیا ہوں گے؟

آپ نے فرمایا:

"وہ لوگ ایک فتنہ میں مبتلا ہو کر اندھے اور بہرے ہو جائیں گے۔!"

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے خارجیوں کو کفار میں سے نہیں شمار فرمایا کیونکہ وہ لوگ سمجھ کی غلطی کا شکار ہیں اور تاویل کرتے ہیں۔ لہٰذا گذشتہ حدیث میں جہاں رسول اللہ ﷺ نے ان کے سلسلے میں لفظ دین استعمال فرمایا ہے وہاں دین سے مراد اطاعت ہے ملت نہیں (یعنی وہ اطاعت سے خارج ہیں ملت سے خارج نہیں ہیں) ادھر گذشتہ حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ اہل اسلام کو قتل کرینگے' یہاں یہ بات قرین قیاس نہیں ہے کہ ایمان کے بجائے اسلام کا لفظ فرمادیا گیا ہو۔

ذوخویصرہ کی نسل میں سردار خوارج..... آنحضرت ﷺ نے ذوخویصرہ کی نسل کے متعلق جو پیشین گوئی فرمائی تھی اور جو الفاظ ارشاد فرمائے تھے وہ گذشتہ سطروں میں بیان ہوئے۔ ان کی تکمیل آگے جا کر اس طرح ہوئی کہ اسی ذوخویصرہ کی نسل میں حرقوص پیدا ہوا جس کو ذی ثدیہ یعنی پستان والا کہا جاتا تھا۔ یہ حرقوص پہلا شخص ہے جس نے خارجیوں سے امانت کی بیعت لی۔

خارجیوں کے عقائد..... خارجیوں کے بنیادی عقائد میں ایک یہ ہے کہ وہ کبیرہ گناہ کرنے والے کو کافر قرار دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ کبیرہ گناہ کرنے کے بعد پھر اس شخص کے سارے عمل بے کار ہو جاتے ہیں اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم کا مستحق ہو جاتا ہے اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں ہی رہے گا۔

ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اگر دار الاسلام میں لوگ کبیرہ گناہ کرنے لگیں تو پھر وہ دار الاسلام نہیں رہتا بلکہ دار الکفر بن

جاتا ہے۔اسی طرح اس فرقہ کے لوگ جماعت سے نماز نہیں پڑھتے (یہ اس فرقہ کے بنیادی عقائد ہیں اور اس کے علاوہ اور عقائد میں بھی ان لوگوں نے تبدیلیاں کی ہیں)۔

حضرت علیؓ اور خوارج...... حضرت علیؓ نے جو ان کے خلاف تلوار اٹھائی اس کا سبب یہ تھا کہ جنگ صفین کے موقعہ پر جب حضرت علیؓ اور امیر معاویہ کے درمیان فیصلہ اور ثالثی ہو گئی تو یہ لوگ حضرت علیؓ سے بگڑ گئے اور کہنے لگے کہ فیصلہ کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہی حاصل ہے آپ نے کفر کیا ہے کہ فیصلہ قبول کر لیا۔اس لئے اگر آپ اپنے متعلق یہ گواہی دیں کہ یہ فیصلہ قبول کر کے آپ نے کفر کیا ہے اور از سر نو توبہ کر کے ایمان قبول کریں تو ہم آپ کی اس پیشکش پر غور کر سکتے ہیں کہ آپ کا ساتھ دیں لیکن اگر آپ ایسا نہیں کرتے تو ہم برابری کے درجہ میں آپ کی خلاف ورزی کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والے مکر کو چلنے نہیں دیتا۔ آخر جب حضرت علیؓ مایوس ہو گئے کہ یہ ان کا ساتھ نہیں دیں گے تو انہوں نے ان سے جنگ کی۔

پیشین گوئیوں کی تکمیل...... جہاں تک حرقوص کا تعلق ہے تو یہ پہلا شخص ہے جس نے دین کو خیر باد کہا۔یہ ایک سیاہ فام شخص تھا جس کا ایک شانہ ایسا تھا جیسے عورت کا پستان ہوتا ہے چنانچہ اس کی پیشین گوئی بھی رسول اللہ ﷺ فرما چکے تھے کہ ذوخویصرہ کی نسل میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کے شانہ ہوگا مگر بازو نہیں ہوگا اور اس کے شانے پر ایک ایسی گھنڈی ہوگی جیسی عورت کے پستان پر ہوتی ہے اور اس پر سفید بال ہوں گے۔

حضرت علیؓ کی خوارج سے جنگ...... حضرت علیؓ نے جب ان لوگوں سے جنگ کی اور خارجیوں کی فوج کے اکثر حصے کو قتل کر ڈالا تو انہیں حرقوص کی تلاش ہوئی۔ آخر ایک شخص اس کی لاش لے کر آیا۔اب دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس شخص کے بالکل ایک عورت کا سا پستان ہے۔

سردار خوارج حرقوص کا قتل...... ایک روایت میں یوں ہے کہ لوگوں نے حرقوص کو مقتولوں میں تلاش کیا مگر وہ کہیں نہیں ملا آخر حضرت علیؓ خود اس کی تلاش میں اٹھے اور مقتولوں کے درمیان گھومنے لگے یہاں تک کہ لوگوں نے اس کو لاشوں کے بیچ میں سے نکالا۔ حضرت علیؓ نے اس کی لاش کو دیکھتے ہی کلمہ تکبیر بلند کیا اور کہا:

"اللہ کے رسول نے سچ کہا تھا۔ میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے سنا کہ ان لوگوں میں ایک شخص ایسا ہوگا جس کے شانہ ہوگا مگر بازو نہیں ہوگا اور اس شانہ کے اوپر عورت کے پستان جیسی گھنڈی ہوگی جس پر سفید رنگ کے بال ہوں گے۔"

یہ سن کر عبیدہ سلمانیؒ حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے:

"امیر المومنین! قسم ہے اس ذات کی جسکے سوا کوئی معبود نہیں ہے کہ میں نے بھی رسول اللہ ﷺ کو ایسے ہی فرماتے سنا ہے۔"

حضرت علیؓ نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کیا واقعی؟ حضرت علیؓ نے اس طرح عبیدہ سلمانی سے اس بات پر تین مرتبہ قسم کھانے کو کہا اور انہوں نے تین مرتبہ قسم کھائی۔ (یعنی تصدیق کے طور پر اور اپنی مسرت کے اظہار کے طور پر انہوں نے عبیدہ سے تین مرتبہ یہ بات کہلوائی)

قریش کو عطایا اور انصار کو گرانی...... حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (مال غنیمت کے پانچویں حصے میں سے) قریش اور قبائل عرب کو جب یہ انعامات اور بخششیں عطا فرمائیں تو انصاریوں کو کچھ بھی نہیں دیا اس سے ان لوگوں کو ناگواری ہوئی اور وہ اس قدر ناراض ہوئے کہ آپس میں بہت زیادہ چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ چہ میگوئیوں سے مراد یہ ہے کہ بہت سے نازیبا باتیں زبان سے کہنی شروع کر دیں یہاں تک کہ ان میں سے بعض لوگوں نے کہا:

"یہ عجیب بات ہے کہ قریش کے لئے تو عطاء و بخشش ہو رہی ہے۔ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ قریش اور مہاجرین پر تو انعامات تقسیم ہو رہے ہیں اور ہمیں محروم رکھا جا رہا ہے جب کہ ہماری تلواروں سے اب تک ان کے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ایک روایت میں یوں ہے کہ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ ہماری تلواریں قریش کے خون میں ڈوبی ہوئی ہیں اور ہمارا مال غنیمت بھی ان ہی کو دیا جا رہا ہے جس سے وہ عیش کریں گے۔اگر یہ بخششیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہو رہی ہیں تو ہم صبر کر لیں گے لیکن اگر رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ سے ہو رہی ہیں تو آپ کو ہمارا خیال کرنا چاہئے۔"

سردار انصار کی آنحضرت ﷺ سے گفتگو...... انصار کے سردار حضرت سعدؓ بن عبادہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ: "یارسول اللہ! انصاریوں کا یہ گروہ آپ سے ناراض ہو رہا ہے اس لئے کہ آپ کو جو مال غنیمت حاصل ہوا ہے وہ آپ نے اپنی ہی قوم میں تقسیم فرما دیا ہے اور انہیں بڑے بڑے انعامات دیئے ہیں جب کہ انصاریوں کے اس گروہ کو اس میں سے کچھ بھی نہیں ملا!"

آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا:

"خود تم اس بارے میں کیا خیال رکھتے ہو سعد؟"

حضرت سعدؓ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! میں بھی اپنی قوم کا ایک فرد ہوں!"

انصار کی طلبی...... آپ نے فرمایا کہ اچھا اپنی قوم کو اس خطیرہ یعنی اونی خیمہ میں لے کر آؤ۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ خطیرہ زربیہ وہ خیمہ ہوتا ہے جو درختوں یعنی پتوں سے اونٹوں اور بکریوں وغیرہ کے لئے بنایا جاتا ہے۔ جس کو اردو میں جانوروں کا باڑہ کہتے ہیں۔ تاکہ مویشی سردی اور ہوا سے محفوظ رہیں۔ مگر یہ تشریح غالباً لفظ کے اصل معنی کے لحاظ سے ہے (جب کہ خطیرہ اونی قبہ کو بھی کہتے ہیں) لہٰذا ان تشریحات اور معنی کی وجہ سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے۔

غرض جب سب انصار جمع ہو گئے تو حضرت سعدؓ ابن عبادہ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر آپکو اطلاع دی کہ انصار کے سب لوگ آپ سے ملنے کیلئے جمع ہو گئے ہیں چنانچہ آنحضرت ﷺ ان لوگوں کے پاس تشریف لائے 'آپ نے ان سے پوچھا:

"کیا تم لوگوں میں تمہارے سوا کوئی غیر آدمی تو نہیں ہے؟"

انہوں نے کہا: نہیں بس ایک شخص ہے جو ہماری بہن کا لڑکا ہے۔ آپ نے فرمایا قوم کا بھانجہ قوم ہی کا فرد ہوتا ہے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"اگر یہاں انصاریوں کے علاوہ کوئی شخص ہو تو وہ واپس اپنے پڑاؤ میں چلا جائے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قوم کے بھانجے کو قوم ہی کا ایک فرد قرار دیا اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ یہاں قریش کے جتنے آدمی بھی موجود ہوں انہیں ایک جگہ جمع ہونے کو کہو۔ چنانچہ جب سب قریش جمع ہو گئے تو حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ کے پاس اندر آکر عرض کیا کہ آپ باہر تشریف لائیں گے یا وہ لوگ آپ کے پاس اندر آجائیں؟ آپ نے فرمایا میں ہی باہر آتا ہوں۔ پھر آپ باہر تشریف لائے اور ان سے فرمایا:

"اے گروہ قریش! تم میں اس وقت قریش کے سوا کوئی غیر آدمی تو نہیں ہے۔؟"

انہوں نے عرض کیا نہیں بس ایک شخص ہے جو ہماری بہن کا لڑکا ہے (یعنی قریش کی اس عورت کا بیٹا ہے جو دوسرے

قبیلہ میں بیاہی گئی ہے)۔

آپ نے یہ سن کر کچھ نہیں کہا بلکہ بات چیت شروع فرمادی (گویا آپ نے اپنے عمل سے یہ واضح فرمایا کہ قوم کی بہن کا بیٹا قوم ہی میں سے ہوتا ہے غیر نہیں ہوتا) چنانچہ پھر آپ نے قریش سے فرمایا:

"اے گروہ قریش! میرے نزدیک سب سے بہترین لوگ وہ ہیں جو متقی اور پرہیزگار ہیں۔ اس لئے دیکھو ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن سب لوگ تو اپنے اپنے نیک اعمال لے کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور تم لوگ دنیا کا بوجھ اٹھائے ہوئے پہنچو اور مجھے تمہاری طرف سے منہ موڑ لینا پڑے۔!"

دریافت حال...... غرض پھر رسول اللہ ﷺ نے انصاریوں کے سامنے پہلے خدا کی حمد و ثنا بیان کیا اور اس کے بعد فرمایا:

"اے گروہ انصار! یہ کیا باتیں ہیں جو تمہاری طرف سے مجھے معلوم ہوئی ہیں کہ تم لوگوں کو میرے متعلق کچھ ناگواری پیش آئی ہے۔!"

انصار کے سامنے ذکر نعمت...... غرض اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے انصاریوں سے فرمایا:

"کیا میں تمہارے پاس اس وقت نہیں آیا تھا جب تم گمراہ تھے اور پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں میرے ذریعہ ہدایت عطا فرمائی؟ تم لوگ نادار اور تنگدست تھے پھر اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ تمہیں مال و دولت سے نوازا؟ تم لوگ ایک دوسرے کے دشمن تھے اور حق تعالیٰ نے میرے ذریعہ تمہارے دل ایک کر دیئے؟ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ تم لوگ متفرق تھے اور اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ ایک کر دیا۔!"

اللہ کے احسانات کی یاد دہانی...... ایک روایت کے مطابق آپ نے انصار سے فرمایا:

"اے گروہ انصار! کیا تم پر یہ اللہ تعالیٰ کا احسان نہیں ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی دولت سے نوازا، تمہیں عزت و سربلندی کے لئے مخصوص فرمایا اور تمہیں اس بہترین نام سے یاد فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کے انصار اور اس کے رسول کے انصار یعنی مددگار ہو۔!"

لوگوں نے عرض کیا:

"بے شک۔ اللہ اور اس کے رسول نے احسان فرمایا اور فضیلت عطا فرمائی۔!"

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے پھر فرمایا:

اے گروہ انصار! کیا ان سب چیزوں کے بعد بھی تم میری باتوں کو نہیں مانو گے؟"

ان الفاظ پر (گویا انصاریوں کی آنکھیں کھل گئیں اور) انہوں نے عرض کیا:

یارسول اللہ! ہم کس کس بات کو مانیں ہے بے شک احسان اور فضل کرنا اللہ اور اس کے رسول ہی کا حق ہے۔!"

انصار کی احسان شناسی...... ایک روایت کے مطابق انصار نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! آپ نے ہمیں اندھیرے مین پایا اور پھر حق تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ ہمیں ان اندھیروں سے نکال کر روشنی میں پہنچا دیا۔ آپ نے ہمیں جہنم کے کنارے پر کھڑا پایا مگر پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ ہمیں اس تباہی سے بچایا۔ آپ نے ہمیں گمراہی میں پایا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ ہمیں ہدایت فرمائی۔ اس لئے ہم اللہ تعالیٰ کو اپنا پروردگار مان کر اسلام کو اپنا دین مان کر اور محمد ﷺ کو اپنا نبی مان کر راضی ہیں لہٰذا آپ جو چاہیں کریں۔ یارسول اللہ آپ کو ہر طرح اختیار ہے۔!

انصار کے احسان کا اقرار......رسول اللہ ﷺ نے انصاریوں (کی اس اطاعت و فرمانبرداری پر ان) سے فرمایا:

"اب حقیقت یہ ہے کہ خدا کی قسم اگر تم چاہتے تو مجھے یہ جواب دے سکتے تھے اور اس جواب میں تم سچے ہوتے کہ۔ آپ ہمارے پاس اس حالت میں آئے تھے جب کہ لوگ آپ کو جھٹلا رہے تھے مگر ہم نے آپ کی تصدیق کی' آپ تن تنہا ہو کر آئے اور ہم نے آپ کی مدد اور نصرت کی' بے ٹھکانہ آئے اور ہم نے آپ کو ٹھکانہ اور پناہ دی۔ نادار اور تنگدست آئے اور ہم نے آپ کو مالا مال کر دیا۔ اور پریشان و خوفزدہ آئے اور ہم نے آپ کو امن و سکون اور ٹھکانہ دیا۔!"

اس پر انصار نے عرض کیا:

"احسان کرنا تو اللہ اور اس کے رسول کو ہی زیبا ہے۔ ہم پر اور ہمارے علاوہ دوسرے لوگوں پر اللہ کا فضل ہے۔!"

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے پھر فرمایا کہ یہ کیا بات ہے جو تمہارے متعلق مجھے معلوم ہوئی ہے وہ لوگ خاموش ہو گئے۔ آپ نے پھر پوچھا:

"اس بات کی کیا اصلیت ہے جو تمہارے متعلق مجھ تک پہنچی ہے؟"

نوجوانوں کے جرم کا اعتراف...... آخر انصاریوں کے سمجھ دار لوگوں نے عرض کیا:

"جہاں تک ہمارے سرداروں کا تعلق ہے انہوں نے ایک لفظ بھی نہیں کہا البتہ کچھ لوگوں نے جو ابھی ناسمجھ اور کم عمر ہیں یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کی مغفرت فرمائے کہ آپ قریش کو تو انعام و اکرام عطا فرما رہے ہیں اور ہمیں محروم کیے دے رہے ہیں جب کہ ہماری تلواروں سے دشمن کا خون اب تک ٹپک رہا ہے۔!"

انصار کو فہمائش......ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ تم لوگوں کے متعلق جو بات مجھ تک پہنچی وہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا وہی ہے جو آپ تک پہنچی ہے کیونکہ وہ لوگ جھوٹ نہیں کہتے۔ آپ نے فرمایا:

"میں صرف ان لوگوں کو عطیات دے رہا ہوں جو حال ہی میں کفر کی تاریکیوں سے نکل کر آئے ہیں میرا مقصد ان کی دلداری اور تالیف قلب ہے۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ۔ قریش کے لوگ جاہلیت اور مصیبت کے دور سے ابھی نکلے ہیں۔ میں ان کو پناہ دینا چاہتا ہوں اور میرا مقصد ان کی دلداری ہے۔ اے گروہ انصار! کیا اس کی وجہ سے تمہارے دلوں میں اس دنیا کی کچھ محبت و طلب پیدا ہو گئی ہے جس کے ذریعہ میں ان لوگوں کی دلداری کر رہا ہوں تاکہ ان کے دلوں میں اسلام کی محبت جم جائے اور انہیں دیکھ کر دوسرے لوگ بھی اسلام کی طرف مائل ہو جائیں۔ تمہارے اسلام کی مضبوطی پر مجھے بھروسہ ہے کہ وہ ڈگمگانے والا نہیں ہے۔ اے گروہ انصار! کیا تمہیں اتنی بات کافی نہیں کہ وہ لوگ تو اونٹ اور بکریاں لے کر واپس لوٹیں اور تم لوگ رسول اللہ کو لے کر لوٹو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے کہ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں ایک انصاری ہی کہلاتا۔ یعنی اپنی نسبت مدینہ کی طرف کرتا۔ اگر ایک شعب یعنی گھاٹی میں تمام لوگ چلیں اور دوسری گھاٹی میں انصاری چلیں تو میں انصار کی گھاٹی ہی چلنا پسند کروں گا۔ اے اللہ انصاری مسلمانوں پر اور انصاریوں کی اولاد پر رحمتیں نازل فرما۔!"

انصار کا تاثر اور نیاز مندی......ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد سن کر سب انصاری رونے لگے یہاں تک کہ روتے روتے ان کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ پھر یہ کہنے لگے:

"ہم رسول اللہ ﷺ کی تقسیم پر بھی راضی ہیں اور حصہ رسد پر بھی راضی ہیں۔!"

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ وہاں سے تشریف لے گئے اور سب لوگ بھی چلے گئے۔

آنحضرت ﷺ نے انصار سے ایک جملہ یہ ارشاد فرمایا تھا جو گذشتہ سطروں میں بیان ہوا کہ۔ کیا میں تمہارے پاس اس وقت نہیں آیا تھا جب تم گمراہ تھے اور پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں میرے ذریعہ ہدایت فرمائی۔!"

شکر نعمت کے لئے ذکر نعمت...... اس جملہ میں بظاہر احسان جتانے کا انداز ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ۔ بخشش و عطا کی آفت احسان جتانا ہے (یعنی آدمی کسی کو کچھ دے کر اس کے ساتھ نیک سلوک کرتا ہے جو ایک کار خیر ہے مگر پر احسان جتا کر اس کار خیر کو باطل اور بے کار کر دیتا ہے)۔

مگر انصاریوں سے آنحضرت ﷺ نے جو ارشاد فرمایا وہ احسان جتانے کے تحت نہیں آیا جو ایک ناپسندیدہ اور مذموم حرکت ہے اور جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ نے اس کار خیر کے لئے آفت قرار دیا ہے۔ بلکہ آپ کا فرمان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد دلانے کے طور پر تھا (جیسے انسان شکر نعمت کے لئے ذکر نعمت کرتا ہے)۔

انصار کے فضائل...... انصاری مسلمانوں کی تعریف میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

"اے اللہ انصاریوں پر 'انصار کے بیٹوں پر 'انصار کی بیویوں پر اور انصار کے بچوں پر اپنی رحمتیں نازل فرما۔!"

انصار سے محبت و الفت...... ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ "اے اللہ! انصاریوں کو برکت عطا فرما اور انصار کے بچوں اور بچیوں پر برکت نازل فرما۔"

آپ نے انصاریوں سے فرمایا:

"تم لوگ شعار اور زیر جامہ ہو۔ یعنی وہ کپڑا جو براہ راست بدن سے لگا ہوا رہتا ہے اور باقی لوگ دثار یعنی اوپر کا کپڑا ہیں جو زیر جامہ کے اوپر پہنا جاتا ہے۔!"

انصار کے لئے دعائیں...... تو گویا دوسروں کے مقابلے میں انصاری مسلمان رسول اللہ ﷺ سے زیادہ ملے ہوئے اور زیادہ قریب ہیں۔ اسی طرح آپ کا ارشاد ہے:

"انصاریوں سے محبت رکھنا ایمان کی علامت ہے اور ان سے بغض و نفرت رکھنا نفاق کی علامت ہے۔ اے اللہ! انصاریوں کی مغفرت فرما اور ان کے بیٹوں اور بیٹیوں کے بیٹوں 'انصار کی عورتوں اور اولاد انصار کی عورتوں کی اور انصار کے بیٹوں اور پوتوں کی عورتوں کی مغفرت فرما۔" ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

"اے اللہ! انصار۔ انصار کے بچوں اور ان کے...... بچوں کے بچوں 'ان کے غلاموں اور ان کے پڑوسیوں کی مغفرت فرما۔ جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ انصار سے دشمنی اور نفرت نہیں کر سکتا۔!"

انصار سے تعلق خاطر خاص...... انصار کے متعلق آنحضرت ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے کہ انصاریوں کو اذیت و تکلیف مت پہنچاؤ جس نے انہیں تکلیف پہنچائی اس نے مجھے تکلیف پہنچائی۔ اس جس نے ان کی مدد کی اس نے میری مدد کی 'جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بھی بغض رکھا 'جس نے ان پر سرکشی کی اس نے مجھ پر سرکشی کی 'جس نے آج ان کی حاجت روائی کی تو قیامت میں ان کی حاجت روائی کے لئے میں تیار ہوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے وطن کو اپنے دین کے اعزاز و سربلندی کے لئے پسند فرمایا ہے اور ان کو اپنی نبی کے انصار اور مددگار کے طور پر منتخب فرمایا ہے۔

ایک موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے انصار کی فضیلت میں فرمایا:

انصار سے محبت ایمان کی علامت...... ایک دوسرے موقعہ پر انصار کے لئے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

"انصاریوں سے وہی محبت کرے گا جو مومن ہوگا وہی شخص دشمنی رکھے گا جو منافق ہوگا۔ جس نے ان سے محبت کی اس سے اللہ نے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس سے اللہ نے بغض رکھا"۔

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے انصاریوں کو مخاطب کر کے تین مرتبہ یہ جملہ ارشاد فرمایا:

"اللھم۔ بے شک تم لوگ مجھے سب سے زیادہ عزیز اور محبوب ہو۔!"

انصار کی تعریف میں حسان کے شعر..... شاعر اسلام حضرت حسان ابن ثابتؓ نے انصاریوں کی مدح و تعریف میں یہ اشعار کہے تھے۔

سمّا هُمُ الله انصاراً بِنَصْرِهم
دِيْن الهُدى وَ عوان الحَرْب تَسْحَرّ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ان کا نام انصار رکھا کیونکہ انہوں نے اس دین ہدایت کی مدد و نصرت کی اور خوفناک لڑائیوں میں بھی یہ لوگ مددگار اور ثابت قدم ثابت ہوئے۔

وَسارعُوَا في سِبيْل الله و اعترفوا
لِلنّائبات وَما خافوا وَمَا ضَجروا

ترجمہ: خدا کے راستے میں لوگ آگے بڑھتے تھے اور مصائب اور تکلیفوں کا مقابلہ کرتے تھے اس کے باوجود نہ خوفزدہ ہوتے تھے اور نہ دل تنگ ہوتے ہیں۔

اس قسم کا ایک واقعہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پیش آیا تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ ابن ثعلبہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ کچھ جنگی قیدی رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ آئے۔ آپ نے کچھ لوگوں کو تو وہ قیدی غلام کے طور پر عنایت فرمائے اور کچھ لوگوں کو نہیں دیئے۔ ساتھ ہی آپ نے فرمایا:

"جن لوگوں کی طرف سے ہمیں شور شغب اور ہنگامہ آرائی کا اندیشہ ہے ان کو ہم نے بخشش دی ہے۔ اور جن لوگوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے بے نیازی اور خیر سے معمور فرمایا ہے ان پر اعتماد کرتے ہیں ایسے لوگوں میں عمرو ابن ثعلبہ بھی ہیں۔!"

چنانچہ عمرو ابن ثعلبہؓ کہا کرتے تھے:

"مجھے اس بات کی خوشی ہے اور یہی بات میرے لئے سب سے بڑی دولت ہے۔!"

شیماء بنت حلیمہؓ حنین کے قیدیوں میں..... غزوۂ حنین میں جو قیدی ہاتھ آئے تھے ان میں رسول اللہ ﷺ کی رضاعی بہن شیماء بنت حلیمہ بھی تھیں (جو آنحضرت ﷺ کی دایہ حلیمہ سعدیہ کی بیٹی اور آنحضرت ﷺ کی دودھ شریک بہن تھیں) یہ لفظ شیماء ش پر زبر کے ساتھ ہے اس کو شمار یعنی بغیری کے بولا جاتا ہے۔ تاہم ان کے نام میں اختلاف ہے۔

شیماء عظیم بھائی کے حضور میں..... غرض جب یہ گرفتار ہوئیں تو گرفتار کرنے والے صحابہ سے کہنے لگیں کہ میں تمہارے نبی کی بہن ہوں مگر لوگوں نے ان کی بات پر یقین نہیں کیا۔ آخر انصاریوں کی ایک جماعت ان کو پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائی آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ کر شیماء نے آپ سے عرض کیا:

"اے محمد! میں آپ کی بہن ہوں۔!"

آپ نے پوچھا اس کی کیا نشانی ہے؟ آخر حدیث تک۔

جعرانہ جانے کی ہدایت...... (یہ واقعہ اس بات کا ہے جب کہ جب آپ حنین میں تھے اور آپ نے قیدیوں کو اور مال غنیمت کو جعرانہ بھجوا کر خود طائف کی طرف کوچ فرمایا تھا)۔

غرض پھر آپ نے شیماء سے فرمایا:

"تم فی الحال جعرانہ چلی جاؤ جہاں تم اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ رہو گی۔ میں اس وقت طائف جا رہا ہوں!"۔

شیماء کے جسم پر تعارفی علامت...... چنانچہ شیماء کو جعرانہ کے مقام پر بھجوا دیا گیا۔ اس کے بعد جب رسول اللہ ﷺ طائف سے جعرانہ واپس تشریف لائے تو شیماء آپ کے پاس حاضر ہوئیں اور کہنے لگیں کہ یا رسول اللہ میں آپ کی بہن ہوں۔ یہ کہنے کے بعد انہوں نے کچھ شعر بھی پڑھے۔ آپ نے فرمایا: اس بات کا کیا ثبوت ہے؟!

شیماء نے کہا۔ میری کمر میں وہ نشان ہے جو آپ کے کاٹے کا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ:

"میرے چہرے پر اور ایک روایت کے مطابق میرے انگوٹھے پر آپ کے کاٹنے کا نشان ہے جب کہ میں آپ کو گود میں لئے ہوئے تھی۔!"

آنحضرت ﷺ کے دانتوں کا نشان...... چنانچہ آنحضرت ﷺ نے وہ نشان دیکھا تو اس کو پہچان لیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ جب شیماء نے اپنے آپ کو آنحضرت ﷺ کی بہن کہا تو آپ نے ان سے فرمایا:

"اگر تم سچی ہو تو تم پر سر وہ نشان بھی ہو گا جو مٹ نہیں سکتا"۔

یہ سنتے ہی شیماء نے اپنے شانے پر سے کپڑا ہٹا کر وہ نشان دکھلاتے ہوئے کہا:

"ہاں یا رسول اللہ۔ اس وقت آپ چھوٹے سے تھے اور میں آپ کو گود میں لئے ہوئے تھی تو اس جگہ آپ نے مجھے کاٹ لیا تھا۔!"

بہن کا اعزاز...... آنحضرت ﷺ نے وہ نشان دیکھ کر پہچان لیا۔ روایات کا یہ اختلاف قابل غور ہے۔

غرض شیما کو پہچان لینے کے بعد آپ فوراً کھڑے ہو گئے۔ آپ نے ان کے لئے اپنی چادر بچھائی اور انہیں اس پر بٹھایا (اور اپنی بہن کی عزت و تکریم فرمائی)

یاد رفتہ...... اس وقت رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ آپ نے شیما سے ان کے والد اور والدہ کے متعلق پوچھا جس پر انہوں نے بتلایا کہ ان دونوں کا انتقال ہو چکا ہے۔ ساتھ ہی آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا:

"تم جو کچھ مانگو گی وہ دیا جائے گا اور جس بات کی سفارش کرو گی وہ سفارش قبول کی جائے گی۔!"

شیماء کے ذریعہ قیدیوں کی سفارش...... شیماء نے اس پر آپ سے قیدیوں کو مانگا۔ اس سے پہلے خود شیماء کی قوم یعنی بنی سعد کے قیدیوں نے انہیں بلایا تھا اور ان سے کہا تھا:

"یہ شخص تمہارے بھائی ہیں اس لئے ان سے اپنی قوم کے قیدیوں کو مانگ لو ہمیں امید ہے کہ وہ ہمارے متعلق تمہاری بات مان لیں گے"۔

چنانچہ شیماء وہاں سے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور بولیں کہ کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:

"تم میرے لئے بالکل اجنبی ہو۔ تم کون ہو؟" شیماء نے کہا:

"میں آپ کی بہن شیماء بنت ابوذویب ہوں جس کا ثبوت یہ ہے کہ ایک روز جب کہ میں آپ کو گود میں لئے ہوئے تھی تو آپ نے میرے مونڈھے میں بڑے زور سے کاٹ لیا تھا۔ یہ اسی کا نشان ہے۔!"

شریف بھائی اور مبارک بہن...... پھر شیماء نے رسول اللہ ﷺ سے قیدیوں کو مانگا۔ ان قیدیوں کی تعداد چھ ہزار تھی۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سب قیدی شیماء کو ہبہ فرما دیئے (اور شیماء نے ان سب کو چھوڑ دیا) اس سے زیادہ شریفانہ معاملہ آج تک کبھی دیکھنے میں نہیں آیا اور شیماء سے زیادہ کوئی عورت اپنی قوم کے لئے بابرکت ثابت نہیں ہوئی۔

شیماء کو انعام واکرام...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کو اختیار دے دیا (کہ چاہے یہاں ٹھہر جائیں اور چاہے اپنے وطن کو چلی جائیں) آپ نے ان سے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میرے پاس تمہاری عزت و محبت ہے اور اگر چاہو تو میں تمہیں مال و دولت دے کر تمہاری قوم کے پاس واپس بھیج دوں۔ شیماء نے کہا ہاں آپ مجھے مال و دولت دے کر میری قوم میں واپس بھیج دیں' اس پر آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک غلام عطا فرمایا جس کا نام مکحول تھا اور ایک باندی عنایت فرمائی۔ ایک قول ہے کہ آپ نے شیماء کو تین غلام اور ایک باندی نیز بہت سا مال و دولت اور بکریاں عنایت فرمائی تھیں۔ ایک قول ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس جو آئی تھیں وہ آپ کی رضاعی والدہ یعنی حلیمہ تھیں۔ اس پر تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قریش اور دوسرے لوگوں کو جو انعام واکرام دیئے وہ اس پانچویں حصہ میں سے دیئے تھے جو خود آنحضرت ﷺ کا حصہ ہوتا تھا ان باقی چار عدد حصوں میں سے نہیں دیئے تھے جو مجاہدین کا حق ہوتا ہے ورنہ اگر آپ باقی مال میں سے دیتے تو صحابہ سے اس کی اجازت ضرور لیتے کیونکہ ان بقیہ حصوں پر صحابہ کی ملکیت مکمل ہو چکی تھی۔

قیدیوں کی رہائی کیلئے ہوازن کا وفد...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ کے پاس بنی ہوازن کا وفد گیا اس میں چودہ آدمی تھے اور سب کے سب مسلمان تھے' اس وفد کے سربراہ زہیر ابن صرد تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کا لقب ابو صرد اور ابو برقان تھا اور یہ رسول اللہ ﷺ کے رضاعی چچا تھے۔ ان لوگوں نے آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم لوگ باعزت اور خاندانی لوگ ہیں مگر ہم پر جو وقت پڑا وہ آپ کو معلوم ہے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ یا رسول اللہ ﷺ آپ نے جن قیدیوں کو پکڑا ہے ان میں مائیں' بہنیں' پھوپیاں اور خالائیں ہیں جو قوم کی عزت و ناموس ہیں یا رسول اللہ! ہم ان کے سلسلے میں اللہ کے اور آپ کے سامنے درخواست پیش کرتے ہیں۔

ایک روایت کے مطابق زہیر نے کہا کہ یا رسول اللہ! ان پردہ نشینوں میں آپ کی پھوپیاں' آپ کی خالائیں اور آپ کو دودھ پلانے والیاں ہیں۔ یہ بات انہوں نے اس لئے کہی کہ آنحضرت ﷺ کی دایہ حلیمہ قبیلہ ہوازن ہی کی تھیں۔ پھر زہیر نے کہا:

"اگر ہم نے شام کے بادشاہ ابن ابو شمر یا عراقی بادشاہ نعمان ابن منذر کو دودھ پلایا ہوتا اور پھر ہم پر ایسی مصیبت آئی ہوتی تو ہم اس سے بھی مہربانی کی امید کرتے جب کہ آپ تو ان سب سے بہتر ہیں!"

کرم کی درخواست اور امیر وفد کے شعر...... اس کے بعد زہیر نے کچھ شعر پڑھے جن میں آنحضرت ﷺ سے مہربانی اور کرم کی درخواست کی گئی ہے۔ ان میں سے چند شعر یہ ہیں۔

أُمْنُنْ عَلَينَا رَسولَ اللهِ فِي كَرَمِ
فَانِكَ الْمَرْءِ نَرْجُوه وَ نَنتَظِر

ترجمہ: یارسول اللہ ہم پر مہربانی و کرم کر کے احسان فرمائیے کیونکہ آپ ایک شریف آدمی ہیں اور ہم آپ سے مہربانی و کرم کی وہ امید لے کر آئے ہیں۔

أُمْنُنْ عَلَى نِسْوَةٍ قَدْ كُنْتَ تَرْضَعُهَا
إِذْفُوكَ مَمْلُوَّةٌ مِن مَخْفِهَا الدَّرِد

ترجمہ: ان عورتوں پر احسان و کرم فرمائیے جن کا آپ دودھ پیا کرتے تھے اور جن کے دودھ کی دھاروں سے آپ کا منہ بھرا رہا کرتا تھا۔ یعنی ہم ان نعمتوں کو بھولے نہیں چاہے آپ انکار کر دیں۔

إنَّا لَنَشْكُرُ الآءَ وَإِن كُفِرَتْ
وَعِنْدَنَا بَعْدَ هٰذَا الْيَوْمَ مُدَّخَر

ہم ان نعمتوں کا تذکرہ ضرور کرتے رہیں گے چاہے آپ ان کو فراموش کر جائیں اور ہمارے پاس تو اس دن کے بعد بھی وہ ذخیرے باقی رہیں گے۔

إِنا لَوعَمِل عفوا مِنْكَ نَلبسُه
هَدى البريّة ان تَعفُو وَ تَنْتَصِر

ہم آپ سے زبردست اور بہت بڑے عفو و کرم کی امید کر رہے ہیں اور دنیا کی سب سے بڑی نیکی یہی ہے کہ معاف کیا جائے اور نیک سلوک کیا جائے۔

فَالبِس العَفْوَ مَنْ قَدْ كُنْتَ تَرْضَعَه
مِن امّهاتِكَ اِن الْعَفو مُشْتَهَر

آپ اپنی ماؤں کو عفو و کرم کا لباس پہنائیے جن کی چھاتیوں کا دودھ آپ پی چکے ہیں کیونکہ مہربانی و کرم ہی سے دنیا میں شہرت و عزت حاصل ہوتی ہے۔

قیدیوں یا مال میں سے ایک...... یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بہترین بات وہ ہے کہ سچی ہو اس لئے بتاؤ کہ تمہیں اپنی عورتیں اور بچے پیارے ہیں یا مال و دولت۔ بخاری کی روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ میرے نزدیک سب سے اچھی بات وہ ہے جو سچ ہو۔ اس لئے دو چیزوں میں سے ایک چیز کو پسند کر لو۔ یا تو قیدی یا مال۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا:

میں تمہارا انتظار کرتا رہا آخر میں نے یہ سمجھا کہ تم لوگ نہیں آؤ گے۔

کیونکہ طائف سے جعرانہ کو واپسی کے بعد آنحضرت ﷺ نے (قیدیوں کو تقسیم کرنے سے پہلے) دس پندرہ روز تک بنی ہوازن کا انتظار فرمایا تھا۔

ایک روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کی درخواست کے جواب میں فرمایا:

"اب چیزوں یعنی قیدیوں اور مال کی تقسیم کا کام مکمل ہو چکا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ تقسیم کے بعد قیدیوں پر احسان کرے بلکہ تقسیم سے پہلے وہ ایسا کر سکتا ہے جیسا کہ آپ نے خیبر کے یہودیوں کے معاملے میں فرمایا تھا۔ مگر واضح رہے کہ یہ مسئلہ مردوں کے معاملہ میں ہے بچوں کے معاملہ میں نہیں۔

قیدیوں کی رہائی کی درخواست...... غرض یہ سن کر بنی ہوازن نے عرض کیا:

"ہمیں مال و دولت کی ضرورت نہیں ہے آپ ہماری عورتوں اور ہمارے بچوں کو ہمیں واپس دے دیجئے ہمیں وہی زیادہ عزیز ہیں ہم بکریوں اور اونٹوں کے متعلق کچھ نہیں کہتے۔!"

مسلمانوں سے سفارش کا وعدہ...... آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"بس تو میرے اور بنی عبدالمطلب کے حصے میں جو قیدی آئے ہیں وہ میں نے تمہیں دیئے۔" پھر آپ نے فرمایا۔ جب میں لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھالوں تو تم لوگ کھڑے ہو کر کہنا کہ: ہم رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ مسلمانوں سے سفارش کراتے ہیں اور مسلمانوں کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ سے سفارش کراتے ہیں کہ ہماری اولاد اور ہماری عورتوں کو چھوڑ دیا جائے۔!"

مجمع میں ہوازن کی درخواست...... اس سے پہلے آنحضرت ﷺ ان سے یہ فرما چکے تھے کہ اپنے اسلام کو ظاہر کر دینا اور کہنا کہ ہم تمہارے بھائی ہیں۔ تب میں لوگوں سے تمہاری سفارش کر دوں گا۔

چنانچہ ظہر کی نماز کے بعد وہ لوگ کھڑے ہوئے اور انہوں نے وہ سب باتیں کہہ دیں جو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمائی تھیں۔

ہوازن کیلئے صحابہ سے سفارش...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے پہلے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی پھر فرمایا:

"امابعد۔ تمہارے یہ بھائی توبہ کر کے آئے ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ ان کے قیدی انہیں واپس کر دیئے جائیں۔ اس لئے جو شخص خوش دلی کے ساتھ ان کے قیدیوں کو واپس کر سکے وہ کر دے لیکن جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنا حصہ برقرار رکھے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ ہمیں جو مال غنیمت عطا فرمائے گا تو اس میں سے ہم اس کو دیں تب وہ اپنا قیدی واپس کرے گا تو وہ ایسا کرے۔!"

بخاری میں اسی طرح ہے۔ ایک روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ نے یوں فرمایا:

"لیکن جو شخص یہ چاہے کہ وہ ان قیدیوں میں سے جو ان کا حق ہیں ان کو روکنا چاہے تو اس کو آئندہ ہم جو قیدی بھی گرفتار کریں گے اس مال میں اس کو ہر آدمی کے بدلے میں چھ اونٹ دیں گے۔!"

ایک روایت میں یوں ہے کہ: جو شخص بغیر زبردستی یا مجبوری کے دینا چاہے وہ دے دے اور جو شخص مفت چھوڑنا پسند نہ کرے بلکہ اس کی قیمت لینا چاہتا ہے تو اس کی قیمت میرے ذمہ ہے!"

انصار و مہاجرین کی فرمان برداری...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے بنی ہوازن سے فرمایا:

"جہاں تک میرے اور بنی عبدالمطلب کے حصے کا تعلق ہے وہ تمہیں دیا۔!"

یہ سنتے ہی تمام مہاجرین اور انصار نے بھی اعلان کیا کہ جو ہمارا ہے وہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو دیا۔

تین شریروں کی نافرمانی...... مگر اقرع ابن حابس نے کہا:

"جہاں تک میرے اور بنی تمیم کے حصے کا تعلق ہے تو ہم اس کو دینے سے انکار کرتے ہیں۔!"

اقرع، عینیہ اور عباس کے اعلانات...... اس وقت عینیہ ابن حصن فزاری نے بھی یہی کہا کہ جہاں تک میرے اور بنی فزارہ کے حصہ کا تعلق ہے تو ہم اس کو دینے سے انکار کرتے ہیں۔ اسی وقت عباس ابن مرداس کھڑا ہوا اور اس نے بھی اعلان کیا کہ جہاں تک میرے اور بنی سلیم کے حصے کا تعلق ہے تو ہم اس کو دینے سے انکار کرتے ہیں۔

بنی سلیم کی طرف سے عباس کی تردید...... مگر عباس کی بات سنتے ہی بنی سلیم نے اس کی تردید کر دی اور کہا کہ جو کچھ ہمارا

حصہ ہے وہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو دیا۔ عباس کو اپنی قوم کی یہ بات سخت ناگوار ہوئی اور اس نے کہا:
"تم نے میری سخت توہین کر دی ہے اور مجھے اس معاملہ میں تن تنہا کر دیا ہے۔!"
ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا:
"یہ لوگ مسلمان کی حیثیت سے آئے ہیں میں نے ان کو اختیار دیا تھا (کہ چاہے قیدیوں یعنی بیوی بچوں کو لے لیں اور چاہے اپنا مال لے لیں) مگر اپنی اولاد اور عورتوں کے مقابلے میں انہوں نے دوسری چیزوں سے انکار کر دیا ہے۔ اب تم میں سے جس کے پاس کوئی قیدی عورت ہو اور وہ خوشی سے اسے واپس کر سکتا ہے تو واپس کر دے لیکن جو بخشش کے طور پر انہیں واپس نہیں کرنا چاہتا تو وہ اپنے قیدی کو بطور قرض واپس کر دے اور اس کے بعد جو پہلا مال غنیمت حاصل ہو گا اس میں سے ہم اس کو ایک آدمی کے بدلے چھ اونٹ دیں گے!"

قیدی باندیوں سے ہمبستری کی شرائط...... لوگوں نے عرض کیا ہم اس بات پر راضی ہیں اور سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد صحابہ نے بنی ہوازن کی عورتیں اور بیٹے واپس کر دیئے۔

ادھر جب رسول اللہ ﷺ نے قیدی عورتوں کو صحابہ میں تقسیم کیا تو ساتھ ہی آپ کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ کوئی شخص حاملہ عورت سے اس وقت تک ہمبستری نہ کرے جب تک وہ بچہ کو جنم نہ دے اور غیر حاملہ سے کوئی شخص اس وقت تک ہم صحبت نہ ہو جب تک استبرانہ کرے یعنی اس کو ایک حیض نہ آجائے (تاکہ یہ بات صاف ہو جائے کہ اس کو حمل نہیں ہے)۔

عورتوں سے عزل کے متعلق سوال!...... حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ جب غزوۂ حنین کے موقعہ پر ہم نے قیدی عورتیں پکڑیں تو ہم اس کوشش میں تھے کہ ہمیں ان کا فدیہ یعنی جان کی قیمت مل جائے (لہٰذا چونکہ ہم ان کو فروخت کرنا یا فدیہ لے کر واپس کرنا چاہتے تھے اس لئے یہ نہیں چاہتے تھے کہ ہم سے ہمبستری کے نتیجہ میں وہ حاملہ ہو جائیں) چنانچہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ان کے ساتھ عزل کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

ہمارے سوال پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
"تمہارا جو دل چاہے کر لو اللہ تعالیٰ نے جس انسان کا وجود مقدر فرمایا ہے وہ ہو کر رہے گا جب کہ ہر منی یعنی ہر انزال سے بچہ نہیں ہوتا۔!"

یہود میں عزل کی ممانعت...... حضرت ابو سعیدؓ کہتے ہیں کہ یہودی عزل نہیں کرتے تھے بلکہ وہ) کہتے تھے کہ عزل ایک چھوٹا قتل ہے۔ یعنی بچہ کو زندہ دفن کرنے کی ایک چھوٹی شکل ہے۔ گویا یہودیوں کے نزدیک عزل کرنا جائز نہیں تھا۔ آنحضرت ﷺ کے سامنے یہ بات آئی تو) آپ نے فرمایا:
"یہودی غلط کہتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی بچہ کی پیدائش کا ارادہ فرمالیا ہے تو کسی میں یہ طاقت نہیں کہ اس پیدائش کو روک دے۔!"

عیینہ کے حصہ کی بڑھیا اور لالچ...... غرض اس طرح بنی ہوازن کو ان کے تمام قیدی واپس کر دیئے گئے اور سوائے ایک بڑھیا کے کوئی قیدی باقی نہیں رہا۔ یہ بڑھیا عیینہ ابن حصن فزاری کے حصہ میں آئی تھیں اور اس نے دینے سے انکار کر دیا تھا جیسا کہ بیان ہوا جب عیینہ نے اس بڑھیا کو لیا تو کہا:
"یہ اگرچہ بڑھیا ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ قبیلہ میں نسب کے اعتبار سے یہ بڑھیا اونچے درجے کی ہے (یعنی کسی بڑے

گھرانے سے ہے) اسلئے ممکن ہے اسکے گھر والوں سے اس کا بڑا فدیہ یعنی معاوضہ حاصل ہو جائے۔ (یعنی چونکہ اونچے گھرانے کی ہے اس لئے اس کے خاندان والے ضرور اس کی رہائی کی کوشش کریں گے اور بڑے سے بڑے معاوضہ پر بھی اس کو آزاد کرائیں گے جس سے مجھے فائدہ ہوگا)۔"

بڑھیا کا سن وسال...... پھر بعد میں عیینہ نے اس بڑھیا کو دس اونٹوں کے معاوضہ میں رہا کیا تھا ایک قول ہے کہ بیس اونٹوں کے بدلے میں آزاد کیا تھا اور یہ معاوضہ عیینہ کو اس بڑھیا کے بیٹے سے ملا تھا۔ جب اس کے بیٹے نے ماں کی رہائی کے لئے عیینہ سے بات کی تو پہلے عیینہ نے اس کے ساتھ خالص سودے بازی کی اور معاوضہ میں سو اونٹ مانگے۔ اس پر بڑھیا کے بیٹے نے کہا:

"خدا کی قسم نہ تو اس کی چھاتیاں ابھری ہوئی اور سخت ہیں (یعنی وہ کوئی پُر شباب دوشیزہ نہیں ہے) نہ اس کا پیٹ بچہ جننے کے قابل ہے (یعنی وہ بہت عمر رسیدہ ہے) نہ اس کے منہ میں ٹھنڈک اور تسکین کا سامان ہے (یعنی اس میں کوئی جنسی دلکشی نہیں ہے) نہ ایسی ہے کہ اس کا شوہر اس کی جدائی میں بے قرار ہو۔ اور نہ اس کی چھاتیوں میں دودھ اتر آتا ہے (یعنی وہ جوانی کی عمر سے گزر چکی ہے)۔"

ایک قول ہے کہ یہ بات زہیر نے کہی تھی جو بنی ہوازن کے وفد کا امیر تھا۔ مگر اس سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے زہیر ہی اس بڑھیا کا بیٹا رہا ہو۔ غرض یہ سن کر عیینہ نے کہا:

"اچھا لے جاؤ۔ خدا تمہیں اس بڑھیا کے ذریعہ کوئی برکت نہ دے۔!"

عیینہ کی نافرمانی اور آنحضرت ﷺ کی بددعا...... یہ رسول اللہ ﷺ کی دعا کی برکت تھی کیونکہ جن لوگوں نے اپنے قیدیوں کو بلا قیمت بنی ہوازن کو واپس کر دینے سے انکار کر دیا تھا ان کے لئے رسول اللہ ﷺ نے بددعا فرمائی تھی کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان باندیوں کی فروخت میں کوئی مالی فائدہ نہ دے بلکہ وہ مندہ اور کساد بازاری کا شکار ہوں (چنانچہ عیینہ نے اس بڑھیا کا معاوضہ سو اونٹ مانگا تھا مگر صرف دس اونٹ ملے) اور یہ بھی اس طرح کہ سب سے پہلے اس بڑھیا کے بیٹے نے خود ہی عیینہ کو اپنی ماں کے معاوضہ میں سو اونٹوں کی پیشکش کی مگر اس وقت عیینہ نے اور زیادہ کے لالچ میں سو اونٹ کے بدلے بڑھیا کو دینے سے انکار کر دیا اور چلا گیا (کہ بڑھیا کا بیٹا یعنی زہیر خود ہی اونٹوں کی تعداد بڑھا کر ماں کو چھڑانے آئے گا مگر زہیر خاموش ہو کر بیٹھ رہا)۔

عیینہ کو لالچ کی سزا...... آخر عیینہ کچھ انتظار کے بعد پھر خود ہی زہیر کے پاس گیا اور بولا کہ اچھا لاؤ سو اونٹ ہی دے دو اپنی ماں کو لے جاؤ۔ مگر اب زہیر نے سو اونٹ دینے سے انکار کر دیا اور کہا:

"اب میں پچاس اونٹوں سے زائد کچھ نہیں دوں گا۔!"

عیینہ پھر وہاں سے چلا گیا اور انتظار میں بیٹھ گیا کہ کچھ دیر میں زہیر سو اونٹوں کے بدلے ہی ماں کو لینے آئے گا، مگر زہیر نے پھر بے نیازی کا ثبوت دیا اور خاموش ہو رہا) آخر اب پھر عیینہ خود اس کا انتظار کرنے کے بعد دوبارہ زہیر کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ اچھا لاؤ پچاس اونٹ ہی دو اور ماں کو لے جاؤ۔ مگر اب زہیر نے پچاس اونٹ بھی دینے سے انکار کر دیا اور کہا:

"نہیں! اب میں پچیس اونٹوں سے زیادہ بالکل نہیں دے سکتا۔!"

(عیینہ نے اب بھی لالچ کو نہ چھوڑا اور یہ سمجھا کہ کچھ دیر میں یہ پچاس اونٹوں پر راضی ہو جائے گا) لہٰذا وہ پھر وہاں سے چلا گیا (اور زہیر کے آنے کا انتظار کرنے لگا مگر زہیر نے پھر خاموشی اختیار کر لی۔ آخر کار انتظار کے بعد) عیینہ پھر زہیر کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ اچھا پچیس اونٹ ہی دو اور بڑھیا کو لے جائے مگر زہیر نے کہا:

"اب میں دس اونٹ سے زائد میں اسے نہیں لے سکتا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ چھ اونٹ سے زائد نہیں دے سکتا۔!"

آخر تنگ آکر عیینہ نے کہا کہ اچھالے جاؤ خدا تمہیں اس سے کوئی برکت نہ دے۔ جیسا کہ بیان ہوا۔ (اس طرح رسول اللہ ﷺ کی دعا پوری ہوئی اور عیینہ کو سخت نقصان اور مندے کا شکار ہونا پڑا کہ سو کے بجائے صرف چھ یا دس اونٹ ملے)۔

نبی کی طرف سے قیدیوں کی پوشاکیں...... جب زہیر نے اپنی ماں کو حاصل کر لیا تو عیینہ سے کہا:

"رسول اللہ ﷺ نے ہر قیدی کو ایک ایک کتان کا لباس پہنایا ہے!"

(یعنی تم پر بھی لازم ہے کہ اس کے لئے کتان کا لباس دو۔ اور جیسے سب قیدیوں کو ملا ہے میری ماں کے لئے دو) جب زہیر نے عیینہ سے ایک قبطیہ یعنی کتانی کپڑا طلب کیا تو عیینہ نے انکار کر دیا اور کہا کہ اس بڑھیا کے لئے میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ مگر زہیر اس کے سر ہو گیا اور جب تک اس سے ایک قبطیہ حاصل نہیں کر لیا اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔

کتانی کپڑے کو عربی میں قبطیہ کہتے ہیں جس میں ق پر زبر ہے۔ یہ سفید رنگ کا کپڑا ہوتا تھا اور مصری کپڑا تھا جس کا نام وہاں کی قبطی قوم کی طرف منسوب تھا (کیونکہ قبطی ہی یہ کپڑا بنایا کرتے تھے' یہ قبطی مصر کے رہنے والے تھے مگر ان کا نسب بنی اسرائیل سے جدا تھا۔

قیدیوں کا خیال یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی شخص کو مکے بھیجا ہے تاکہ وہ قیدیوں کے لئے وہاں سے کپڑا لے آئے جو انہیں بطور اعزاز کے دیا جائے گا اور اس طرح ہر شخص آزاد ہونے کے بعد یہاں سے پوشاکیں پہن پہن کر جائے گا۔

مالک کے گھر والوں کی نظر بندی...... ادھر رسول اللہ ﷺ نے مالک ابن عوف نضری کے گھر والوں کو مکے میں روکے رکھنے کے لئے حکم دے دیا تھا (مالک ابن عوف قبیلہ بنی ہوازن کے لشکر کے سپہ سالار تھے جیسا کہ بیان ہوا۔ غزوۂ حنین میں ان کے گھر کی سب عورتیں اور مرد گرفتار ہو کر قیدی بن گئے تھے مگر خود مالک ابن عوف بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے آنحضرت ﷺ نے ان کے گھر والوں کو گرفتار کر کے حنین سے مکے بھیج دیا تھا اور ان کو وہیں روکے رکھنے کا حکم فرما دیا تھا) کہ وہاں وہ اپنی پھوپی اُمّ عبداللہ ابن ابوامیہ کے پاس رہیں۔

خاندان مالک کیلئے وفد کی گفتگو...... پھر جعرانہ میں جب بنی ہوازن کا وفد اپنے مقتولوں کی رہائی کے لئے آنحضرت ﷺ کے پاس آیا تو انہوں نے مالک ابن عوف کے گھر والوں کی رہائی کے متعلق بھی آنحضرت ﷺ سے بات چیت کی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ وہ لوگ ہمارے سرداروں میں سے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے ان کے ساتھ خیر اور بھلائی کا ارادہ کیا ہے اسی لئے مالک ابن عوف کے مال میں دونوں حصے نہیں جاری کئے گئے تھے (بلکہ ان کا مال اور ان کے گھرانے کے قیدیوں کو جوں کا توں باقی رکھا گیا تھا)۔

مالک کو زبردست پیشکش...... غرض اس کے بعد آپ نے وفد سے پوچھا کہ مالک ابن عوف کہاں گیا؟

انہوں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ وہ فرار ہو کر بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور طائف کے ایک قلعہ میں بنی ثقیف کے پاس پناہ گزین ہو گیا ہے"

آپ نے فرمایا:

"اس سے کہہ دو کہ اگر وہ میرے پاس مسلمان ہو کر آجائے تو میں اس کے گھر والوں اور اس کا مال اس کو واپس لوٹا دوں گا

ایک دیہاتی اور آنحضرت ﷺ کا وعدہ...... رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک اور شخص آیا اور آپ کے سر یعنی چہرہ مبارک کے بالکل قریب آکر کہنے لگا:

"یارسول اللہ۔ میرے لئے آپ کی طرف ایک وعدہ اور مطالبہ فرض ہے!"

آپ نے فرمایا۔ تم نے ٹھیک کہا اس لئے اب اس پر تم ہی فیصلہ کر کے جو چاہے مانگ لو۔ اس نے کہا:

دیہاتی کا فیصلہ و مطالبہ...... "اس کے مطالبہ میں آپ پر اسی بھیڑیں اور ان کے لئے ایک چرواہا عائد کرتا ہوں۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

واقعہ موسیٰؑ سے تقابل...... "وہ تمہاری ہو گئیں۔ تم نے بڑا سستا مطالبہ کیا ہے موسیٰؑ کو جس عورت نے یوسفؑ کی نعش مبارک کی جگہ بتلائی تھی اس نے تمہارے مقابلہ میں کہیں زیادہ بڑا اور کہیں زیادہ نفع بخش مطالبہ کیا تھا کہ: میرا مطالبہ ہے کہ آپ مجھے دوبارہ جوان بنادیں اور اپنے ساتھ جنت میں لے کر جائیں۔!"

کیا وعدہ خلافی حرام ہے...... امام غزالی نے یہ واقعہ اسی طرح نقل کیا ہے۔ علامہ سخاوی کہتے ہیں کہ اس حدیث کو ابن حبان اور حاکم نے پیش کیا ہے اور اس کی سند درست قرار دیا ہے۔ مگر اس شبہ میں ہے جیسا کہ علامہ عراقی نے کہا ہے کہ یہی اس مسئلہ کی بنیاد ہے کہ خیر کے وعدے کی خلاف ورزی جائز نہیں ہے۔ امام نووی نے لکھا ہے کہ ایک جماعت کا قول ہے کہ خیر کے وعدے کو پورا کرنا واجب ہے۔ علامہ سبکی نے یہی بات یوں کہی ہے کہ وعدے کی خلاف ورزی کرنا جھوٹ بولنے کے درجہ میں ہے اور جھوٹ بولنا حرام ہے اور حرام سے بچنا واجب ہے۔ مگر امام غزالیؒ کہتے ہیں کہ وعدہ خلافی کرنا جھوٹ کے درجہ میں نہیں ہے۔ ہاں اگر وعدہ کرتے ہوئے آدمی یہ نیت رکھتا ہے کہ وہ اس وعدے کو پورا نہیں کرے گا تو یہ جھوٹ کے درجہ میں ہوگا۔

وعدہ خلافی کے متعلق ارشاد...... اسی بات کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جسے عبداللہؓ ابن ربیعہ نے پیش کی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ہمارے مکان پر تشریف لائے اس وقت میں ایک کم عمر بچہ تھا میں کھیلتا ہوا ذرا دور کو چلا گیا۔ میری والدہ نے مجھے اپنے پاس بلانے کے لئے مجھے آواز دیتے ہوئے کہا:

"عبداللہ۔ یہاں آؤ ایک چیز دوں گی۔!"

رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم کیا دینا چاہتی ہو؟

انہوں نے عرض کیا: "میں اس کو ایک کھجور دیتی۔!" آپ نے فرمایا:

"اگر تم کھجور دینے کی نیت کے بغیر یہ کہہ کر بچہ کو بلالیتیں تو تمہارے نامہ اعمال میں ایک جھوٹ لکھ دیا گیا ہوتا۔!"

جعرانہ سے عمرہ...... پھر جعرانہ سے مکے جانے کے وقت رسول اللہ ﷺ نے جعرانہ میں ہی احرام باندھا اور وہاں سے روانہ ہو کر رات کے وقت مکے میں داخل ہوئے اس دوران آپ مسلسل تلبیہ یعنی لبیک۔ پڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ نے حجر اسود کو بوسہ دیا اور رات ہی میں واپس تشریف لے آئے اور صبح کو وہاں اس طرح اٹھے جیسے وہیں سوئے تھے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ صبح کو مکے میں اس طرح اٹھے جیسے وہیں سوئے تھے۔ مگر ظاہر ہے اس میں شبہ ہے۔

جعرانہ سے ستر انبیاء کے عمرے...... اس عمرہ کیلئے آپ ھدی کا جانور نہیں لے گئے تھے' عمرہ کے بعد آپ نے سر منڈایا آپ کے بال بنانے والے ابوہند حجام تھے۔ ایک قول ہے کہ ابو خراش ابن امیہ تھے جنہوں نے حدیبیہ میں آپ کے سر کے بال مونڈے تھے۔ یہ عمرہ آپ نے جعرانہ میں تیرہ دن ٹھہرنے کے بعد فرمایا۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں سے ستر انبیاء عمرہ کیلئے گئے ہیں۔

اور اس کے علاوہ سو اونٹ مزید دوں گا۔!"

مالک کا طائف سے فرار...... جب مالک ابن عوف کو معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے ان کی قوم کے ساتھ کس قدر شریفانہ اور فیاضی کا سلوک کیا ہے۔ نیز یہ کہ خود ان کے گھر والے اور مال علیحدہ محفوظ کئے ہوئے ہیں جن کے متعلق آنحضرت ﷺ نے واپسی کا وعدہ کیا ہے تو ایک دن مالک چپکے سے قلعہ سے نکل آئے کیونکہ انہیں ڈر تھا کہ اگر بنی ثقیف کو ان کے فرار کے ارادہ کی سن گن پڑ گئی تو وہ انہیں قید کر لیں گے (اور ہرگز نہیں جانے دیں گے)۔

آنحضرت ﷺ کے پاس حاضری اور اسلام...... مالک نے قلعہ سے نکل کر گھوڑا پکڑا اور اسے ایڑ لگا دی یہاں تک کہ وہ نہایت تیز رفتاری کے ساتھ دھناء کے مقام تک پہنچے جو ایک مشہور جگہ تھی یہاں سے وہ پھر سوار ہوئے یہاں تک کہ جعرانہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ گئے اور مسلمان ہو گئے جس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کے گھر والے اور ان کا مال انہیں واپس دے دیا۔

پھر آنحضرت ﷺ نے ان کو بنی ہوازن کے مسلمانوں پر اپنا قائم مقام یعنی امیر بنا دیا۔ اس کے بعد ان کا یہ معمول تھا کہ طائف کے بنی ثقیف کے مویشی چرنے کے لئے نکلتے تو مالک انہیں پکڑ لیتے۔ جو کوئی سواری ملتی اسی پر چھپٹ پڑتے۔ اسی طرح مالک کو جو کچھ مال غنیمت حاصل ہوتا اس میں سے پانچواں حصہ وہ رسول اللہ ﷺ کو بھیجا کرتے تھے۔

ایک دیہاتی کی آمد اور رسول...... ایک روز جعرانہ کے قیام کے دوران ایک دیہاتی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ بعض علماء نے جس دیہاتی کی آمد کو حنین میں بتلایا ہے وہ اصل یہی واقعہ ہے کیونکہ ان علماء کا حنین کہنے سے مقصد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی حنین سے واپسی کے وقت وہ دیہاتی آپ کے پاس آیا تھا۔

اس دیہاتی نے ایک جبّہ پہن رکھا تھا جو خوشبو سے معطر تھا اور اس کی ڈاڑھی اور سر کے بال زرد خضاب سے رنگے ہوئے تھے۔ اس شخص نے عمرہ کا احرام باندھ رکھا تھا۔ اس نے آنحضرت ﷺ کے پاس آکر عرض کیا:

"یا رسول اللہ! مجھے فتویٰ دیجئے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ۔ اس شخص کے بارہ میں آپ کی کیا رائے ہے جس نے اپنے جبّہ سے ہی احرام باندھ رکھا ہو اور وہ جبّہ پہلے ہی خوشبو سے معطّر ہو؟"

آنحضرت ﷺ کا فتویٰ...... اس سوال پر رسول اللہ ﷺ کچھ دیر خاموش رہے اچانک آپ پر وحی نازل ہوئی۔ جب وحی کی کیفیت ختم ہوئی تو آپ نے فرمایا:

"وہ عمرہ کے بارے میں سوال کرنے والا کہاں ہے؟ تم اپنا یہ جبّہ اتار دو اور تمہارے بدن پر خوشبو کا جو اثر ہے اس کو دھو ڈالو۔ ایک روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ نے اس شخص سے فرمایا کہ: تم حج کے احرام کے وقت کیا کرتے ہو؟"

اس نے عرض کیا: "اس وقت میں جبّہ اتار دیتا ہوں اور خوشبو کا اثر دھو ڈالتا ہوں۔!"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"بس عمرہ کے سلسلے میں بھی وہی کرو جو تم حج کے موقعہ پر کیا کرتے ہو۔!"

جو علماء یہ کہتے ہیں کہ احرام باندھنے سے پہلے ایسی خوشبو لگانا حرام ہے جو احرام کے وقت تک باقی رہے۔ وہ آنحضرت ﷺ کے اسی ارشاد سے دلیل حاصل کرتے ہیں مگر ہمارے شافعی علماء کے نزدیک اس کا مستحب ہونا ترجیحی ہے۔ (یعنی احرام سے پہلے خوشبو وغیرہ لگا لینی چاہیئے تاکہ احرام کے زمانے میں جب کہ خوشبو نہیں لگائی جاسکتی' بدن میں بو نہ پیدا ہو جائے)۔

غزوۂ تبوک

اس غزوہ کا نام...... اس غزوہ کو غزوۂ عسیرہ بھی کہا جاتا ہے۔ نیز اس کو غزوۂ فاضحہ بھی کہا جاتا ہے فاضحہ کے معنی ہیں پول کھولنے اور فضیحتہ کرنے والا۔ کیونکہ اس غزوہ میں بہت سے منافقوں کے نفاق کا پول کھل گیا تھا (جو اب تک اپنے نفاق کو چھپائے ہوئے تھے اور اندر اندر مسلمانوں کے خلاف کاروائیاں کرتے رہتے تھے)۔

تاریخ غزوۂ تبوک...... یہ غزوہ رجب ۹ھ میں پیش آیا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بخاری میں ہے کہ یہ غزوۂ حجۃ الوداع کے بعد پیش آیا تھا۔ مگر ایک قول ہے کہ یہ بات لکھنے والوں یعنی کتابت کی غلطی ہے (ورنہ حقیقت میں یہ غزوہ حجۃ الوداع یعنی آنحضرت ﷺ کے آخری حج سے پہلے کا ہے جس کی تفصیلات آگے آرہی ہیں)۔

غزوۂ تبوک کا سبب...... اس غزوہ کا سبب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ رومیوں نے شام میں بہت زبردست لشکر جمع کر لیا ہے اور یہ کہ انہوں نے اپنے ہراول دستوں کو بلقاء کے مقام تک بڑھا دیا ہے جو ایک مشہور مقام کا نام ہے۔

غلط اطلاع پر ہرقل کی لشکر کشی...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ لشکر جمع کرنے کا سبب یہ تھا کہ عرب متنصرہ یعنی عرب کے عیسائیوں نے شہنشاہ روم ہرقل اعظم کو لکھا تھا کہ یہ شخص جنہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہوا ہے ہلاک ہو چکے ہیں اور ان کے ساتھی قحط سالی کا شکار ہیں جس کی وجہ سے ان سب کا مال و متاع تباہ ہو گیا ہے۔ لہٰذا ہرقل نے ایک سردار کو چالیس ہزار فوج دے کر روانہ کیا۔

مسلمان قحط کا شکار...... مگر اس بات کی کوئی حقیقت نہیں تھی بلکہ یہ افواہ اس لئے پھیلائی گئی تھی کہ مسلمانوں میں سے جس کو بھی یہ بات معلوم ہو گی اس کے حوصلے پست ہو جائیں گے۔ اس وقت لوگ تنگدستی کا شکار تھے ہر جگہ قحط سالی اور شدید گرمی و خشکی کا دورورہ تھا۔ دوسرے یہ پھلوں کے پکنے اور بہار کا وقت تھا اور ایسے وقت میں لوگ کہیں جانا گوارا نہیں کرتے بلکہ اپنے باغوں میں ٹھہر کر پھلوں کی نگرانی اور دیکھ بھال کرنا پسند کرتے ہیں۔

جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ جب پھل پک چکے تھے۔ اس بات کی تائید حضرت عروفہ ابن امیر کے قول سے بھی ہوتی ہے کہ تبوک کے لئے رسول اللہ ﷺ کی روانگی خریف کی فصل کے زمانے میں ہوئی تھی۔ یہ بات اس قول کے خلاف نہیں ہے کہ اس وقت شدید گرمی پڑ رہی تھی کیونکہ موسم خریف کے ابتدائی زمانے میں جب کہ یہ میزان کا برج یعنی مہینہ ہوتا ہے۔ گرمی ہوتی ہے۔

صحابہ کو تیاری کا حکم...... ادھر آنحضرت ﷺ جب بھی کسی غزوہ کے لئے روانہ ہوتے تو اپنی منزل کو ظاہر نہیں فرماتے تھے اور جہاں جانا ہے اس کے خلاف راستہ اختیار کرتے تھے مگر غزوۂ تبوک میں چونکہ فاصلہ بھی زیادہ تھا اور مشقت و تکلیف بھی سامنے تھی اور موسم بھی بہت زیادہ سخت تھا اس لئے آپ نے سفر کا مقصد ظاہر فرما دیا تھا پھر یہ کہ دشمن کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی لہٰذا یہ بھی مقصد تھا کہ لوگوں کو جو تیاری کرنی ہے وہ پوری کر لیں۔

غرض آپ نے صحابہ کو کوچ کیلئے تیاری کا حکم دیا ساتھ ہی آپ نے مکہ اور دوسرے عرب قبائل میں آدمی بھیجے کہ وہ لشکر میں شریک ہوں، دوسری طرف آپ نے مالداروں کو توجہ دلائی کہ وہ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کریں اور انہیں اس کیلئے تاکید فرمائی۔

آخری غزوۂ نبوی ﷺ...... یہ رسول اللہ ﷺ کا آخری غزوہ ہے جس میں آپ تشریف لے گئے (کیونکہ اس کے بعد پھر آپ کسی غزوہ میں تشریف نہیں لے جاسکے بلکہ چھوٹی مہمات میں صحابہ کو فوجی دستوں میں مختلف مقامات پر بھیجتے رہے یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوگئی۔

عثمانؓ کی بے مثال فیاضی......اس غزوہ کے لئے حضرت عثمان غنیؓ نے اپنا مال و دولت پانی کی طرح بہادیا انہوں نے اس قدر دولت لٹائی کہ کوئی دوسرا شخص اس بارے میں ان کا ہمسر نہیں بن سکا کیونکہ حضرت عثمانؓ نے دس ہزار لشکر کی تیاری میں مدد دی اور ان پر دس ہزار دینار خرچ کئے جو اونٹوں اور گھوڑوں کے علاوہ تھے۔ انہوں نے جو اونٹ دیئے ان کی تعداد نو سو تھی اور جو گھوڑے پیش کئے ان کی تعداد ایک سو تھی۔ اس کے علاوہ بے شمار زاد راہ کا سامان اور اس کی ضروریات دیں یہاں تک کہ پانی کے کپھال باندھنے کی رسّیاں تک فراہم کیں۔

آنحضرت ﷺ کی معمولی مسرت...... بعض علماء نے کہا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے تین سو اونٹ معہ ساز و سامان یعنی ان کی جھولوں اور پالانوں کے دیئے تھے اور پچاس گھوڑے دیئے تھے آنحضرت ﷺ (کو حضرت عثمانؓ کی اس فیاضانہ امداد اور بلند حوصلگی سے اس قدر خوشی ہوئی کہ آپ) نے فرمایا:

"اے اللہ! میں عثمان سے راضی اور خوش ہوں تو بھی اس سے راضی اور خوش ہو جا۔!"

عثمانؓ کیلئے تمام رات دعا...... حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ میں نے اس روز رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ شروع رات سے صبح تک دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے حضرت عثمان غنیؓ کے لئے دعائے خیر فرماتے رہے اور حق تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ عرض کررہے تھے کہ اے اللہ! عثمان سے راضی ہو جا کیونکہ میں اس سے راضی ہوں۔

ذات نبوت کے سسرالی رشتہ دار...... ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے دعا کی ہے کہ وہ شخص جس سے میرا سسرالی رشتہ ہو یا جس کا مجھ سے سسرالی رشتہ ہو۔ یعنی جس کی سسرال میں ہوں یا جو میری سسرال کا ہو اسے دوزخ میں داخل نہ کیجئے!۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عثمانؓ ایک ہزار دینار لے کر آئے اور انہیں رسول اللہ ﷺ کی گود میں ڈال کر کھڑے ہوگئے۔ (آنحضرت ﷺ ان کی اس فیاضی سے اس قدر مسرور ہوئے کہ) آپ ان دیناروں کو اپنے دونوں ہاتھوں سے الٹتے پلٹتے جاتے تھے اور یہ فرمارہے تھے:

"عثمان کے آج اس عمل کے بعد اب انہیں کوئی عمل نقصان نہیں پہنچاسکتا۔"

زبردست عمل صالح...... آپ بار بار ان دیناروں کو الٹتے اور یہ جملہ ارشاد فرماتے رہے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت عثمانؓ دس ہزار دینار لے کر آئے اور انہیں رسول اللہ ﷺ کے سامنے ڈال دیا۔ آنحضرت ﷺ ان دیناروں کو دونوں ہاتھوں سے الٹ پلٹ کر یہ فرماتے جاتے تھے:

"عثمان۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے تمام گناہ معاف فرمادیئے ہیں چاہے وہ گناہ تم نے کھلے عام کئے ہوں اور چاہے پوشیدہ طور پر کئے ہوں۔ اور وہ گناہ بھی جو تم کر چکے ہو اور وہ بھی جو آئندہ قیامت تک تم سے سرزد ہو سکتے ہیں۔ اب اس عمل کے بعد تم کچھ بھی کرو تمہاری مغفرت ہو چکی۔!"

گذشتہ سطروں میں حضرت عثمانؓ کی طرف سے جن دس ہزار دینار کا ذکر ہوا ہے وہ غالباً وہ رقم تھی جس سے انہوں نے

دس ہزار لشکر کو مسلح کیا تھا اور یہ کہ دس ہزار دینار ان ایک ہزار دینار کے علاوہ تھے جن کا ذکر ہوا اور جو انہوں نے آنحضرت ﷺ کے سامنے لا کر ڈھیر کئے تھے۔

ابو بکرؓ کی دریا دلی...... حضرت عثمان غنیؓ کے علاوہ جو دوسرے مالدار صحابہ تھے انہوں نے بھی لشکر کی تیاری میں زبردست امدادیں دیں۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیقؓ سب سے پہلے اپنا مال و دولت لے کر آئے۔ انہوں نے اپنی ساری دولت لا کر رسول اللہ ﷺ کو نذر کر دی جس کی مقدار چار ہزار درہم تھی۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا:

"کیا تم نے اپنے گھر والوں کے لئے بھی کچھ بچایا یا نہیں؟"

صدیق اکبرؓ نے عرض کیا:

"میں نے ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول کو بچالیا ہے۔!"

عمر اور دیگر صحابہ کے عطیات...... پھر حضرت عمر فاروقؓ اپنا آدھا مال لیکر حاضر ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے بھی پوچھا کہ کیا اپنے گھر والوں کے لئے بھی کچھ بچالیا ہے؟ فاروق اعظم نے عرض کیا کہ باقی آدھا مال ان کے لئے بچالیا ہے!۔

اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ سو اوقیہ چاندی لے کر حاضر ہوئے (اوقیہ عرب کا ایک وزن تھا جو رطل کا بارہواں حصہ ہوتا ہے اور سات مثقال کے برابر ہے۔ ایک مثقال ڈیڑھ درہم کے وزن کا ہوتا ہے لہٰذا ایک اوقیہ ساڑھے دس درہم کے وزن کا ہوا اور سو اوقیہ ایک ہزار پچاس درہم کے وزن کے برابر ہوا)۔

اللہ کے خزانے...... چنانچہ حضرت عثمان ابن عفان اور حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کے متعلق اسی لئے فرمایا گیا کہ

"یہ دونوں زمین پر اللہ کے خزانوں میں سے دو خزانے ہیں جو اپنا مال و دولت اللہ تعالیٰ کی اطاعت و خوشنودی حاصل کرنے کیلئے بے دھڑک خرچ کرتے ہیں"۔

اسی طرح حضرت عباسؓ ابن عبدالمطلب بے شمار مال لے کر آئے اور آپ کی خدمت میں پیش کیا اور اسی طرح حضرت طلحہؓ بہت سا مال و دولت لے کر آئے (حضرت عباس ابن عبدالمطلب کے بارے میں بیان ہو چکا ہے کہ وہ بڑے زبردست تاجر اور نہایت مال دار آدمی تھے)۔

عورتوں کی طرف سے زیورات...... (اس کے علاوہ مستورات اور خواتین اسلام نے بھی اس چندہ میں دل کھول کر حصہ لیا) عورتوں کے پاس جو کچھ زیورات تھے ان میں سے طاقت واستطاعت کے مطابق سب نے چندہ دیا۔ (اور مجاہدین کے لشکر کی تیاری میں امداد کی)۔

عاصمؓ کی طرف سے پونے چار سو من کھجوریں...... حضرت عاصم ابن عدی نے ستر وسق کھجوریں لا کر نذر کیں۔ (جیسا کہ بیان ہوا ایک وسق ایک اونٹ پر جتنا وزن لادا جاتا ہے اس کو کہتے ہیں۔ یہ وزن ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع اسّی تولے کے سیر سے ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے لہٰذا ایک وسق کا وزن دو سو دس سیر ہوا اور ستر وسق کا وزن چالیس سیر کے من سے تین سو ساڑھے سرسٹھ من ہوا اور سو من کے ایک ٹن کے حساب سے تقریباً پونے چار ٹن ہوا کہ اس قدر وزن کی کھجوریں عاصم ابن عدی کی طرف سے بطور چندہ وصول ہوئیں)۔

نادار صحابہ اور شوق جہاد...... اسی دوران صحابہ میں سے فقراء کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے جس میں سات صحابہ تھے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سواری کے انتظام کیلئے درخواست کی تاکہ وہ بھی غزوہ میں شریک ہو سکیں۔ مگر

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"میرے پاس تمہاری سواری کے لئے کوئی انتظام نہیں ہے۔!"

دربار نبوت سے درخواست اور انکار..... اس جواب پر وہ مایوس ہو کر لوٹے تو اس حال میں کہ ان کی آنکھوں سے اس غم میں آنسو رواں تھے کہ ہمیں خرچ کرنے کے لئے کوئی چیز میسر نہیں ہے (چنانچہ ان ہی حضرات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن پاک میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلاَ عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَااَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا اَجِدُمَا اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلاَّ يَجِدُوْا مَايُنْفِقُوْنَ۔ (الآیہ پ۱۰ سورۂ توبہ ع ۱۲۔ آیت ۹۲)

ترجمہ: اور نہ ان لوگوں پر کوئی گناہ ہے کہ جس وقت وہ آپ کے پاس اس واسطے آتے ہیں کہ آپ ان کو کوئی سواری دے دیتے اور آپ کہہ دیتے ہیں کہ میرے پاس تو کوئی چیز نہیں جس پر تم کو سوار کروں تو وہ ناکام اس حالت سے واپس چلے جاتے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے ہیں اس غم میں کہ افسوس ان کو خرچ کرنے کے لئے کچھ بھی میسر نہیں۔

حرماں نصیبی پر گریہ وبکا..... یہاں خرچ کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ سواری کا انتظام کر سکیں۔

غرض یہ حضرات روتے ہوئے یہاں سے واپس ہوئے۔ چونکہ عربی میں رونے کو بکاء کہتے ہیں اس لئے ان رونے والوں کو بکّاء ون کہا گیا۔ یعنی بہت رونے والے لوگ!

ان لوگوں میں عرباضؓ ابن ساریہ بھی تھے مگر قاضی بیضاوی نے ان سات حضرات میں عرباض کا نام ذکر نہیں کیا ہے۔

پھر ان سات میں سے دو کے لئے حضرت عباسؓ نے سواری کا انتظام کیا اور تین کے لئے حضرت عثمانؓ نے سواری فراہم کی۔ حضرت عثمانؓ کی طرف سے ان تین کا انتظام اس پورے لشکر کی تیاری کے علاوہ تھا جو حضرت عثمانؓ کر چکے تھے۔

صحابہ کی امداد اور سواریوں کی فراہمی..... پھر دو آدمیوں کے لئے یامین ابن عمرو نضری نے سواری کا انتظام کیا کہ انہوں نے ان دونوں کو اپنی اونٹنی دی اور ساتھ ہی دونوں کو دو دو صاع کھجوریں بطور زادراہ کے دیں (یعنی سواری کے علاوہ راہ کے کھانے پینے کا انتظام کیا اور اس طرح ان ساتوں کو سواری فراہم ہو گئی)۔

سواری کیلئے ایک اور جماعت کی درخواست..... مگر علامہ مغلطائی نے ان لوگوں کی تعداد اٹھارہ بیان کی ہے۔ بخاری میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ میرے ساتھیوں نے مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا کہ میں ان کے لئے آنحضرت ﷺ سے دو سواریوں کے انتظام کی درخواست کروں۔ چنانچہ میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

"یا نبی اللہ! مجھے میرے ساتھیوں نے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ ان کے لئے سواری کا انتظام فرمادیں۔!"

آنحضرت ﷺ کا انکار اور قسم..... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں تمہیں ہر گز کوئی سواری نہیں دوں گا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ خدا کی قسم نہ تو تمہیں کوئی سواری دوں گا اور نہ میرے پاس تمہاری سواری کے لئے کچھ ہے۔ اس پر میں انتہائی مایوس و غمزدہ ہو کر واپس اپنے ساتھیوں کے پاس آیا کہ رسول اللہ ﷺ نے سواری کے انتظام سے انکار فرمادیا ہے۔ ساتھ ہی مجھے یہ ڈر بھی تھا کہ شاید میرے اس سوال سے رسول اللہ ﷺ کو گرانی ہوئی ہے کہ آپ نے ان لوگوں کو نہ لے جانے کی قسم تک کھالی ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ میں واپس اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے کہا تھا وہ ان سے

نقل کیا مگر ابھی ذرا ہی دیر گزری تھی کہ اچانک میں نے بلال ؓ کو پکارتے ہوئے سنا جو میرا نام لے کر کہہ رہے تھے کہ عبداللہ ابن قیس کہاں ہے ؟ (حضرت ابو موسیٰؓ کا نام عبداللہ تھا یہ قیس کے بیٹے تھے اور ابو موسیٰ اشعری ان کا لقب تھا کیونکہ موسیٰ ان کے بیٹے کا نام تھا)۔

خدا کی طرف سے انتظام..... غرض بلالؓ کی صدا پر میں نے فوراً جواب دیا کہ موجود ہوں۔ بلال نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ تمہیں یاد فرماتے ہیں فوراً حاضر ہو جاؤ چنانچہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا:

"یہ چھ اونٹ لو اور انہیں اپنے ساتھیوں کے پاس لے جاؤ"!

جب ان لوگوں کو یہ اونٹ ملے تو وہ کہنے لگے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو مجبور کر دیا کہ آپ اپنی قسم کے خلاف کریں کیونکہ آپ نے قسم کھا کر فرمایا تھا کہ میں تمہیں کوئی سواری نہیں دوں گا اور پھر آپ نے سواریوں کا انتظام فرمادیا۔ اس لئے خدا کی قسم اس سفر میں ہمارے لئے کوئی برکت نہیں ہوگی۔ یہ باتیں کر کے یہ سب رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ آپ نے فرمایا:

"تمہاری سواری کا انتظام میں نے نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا۔ میں کبھی قسم کھالیتا ہوں لیکن اگر دیکھتا ہوں تو اس کے مخالف شکل میں خیر ہے تو میں اپنی قسم کا کفارہ کر لیتا ہوں اسی خیر والی شکل پر عمل کرتا ہوں۔!"

قسم اور آنحضرت ﷺ کا طریقہ..... اس موقعہ پر دراصل رسول اللہ ﷺ نے یہ حلف فرمایا تھا کہ ان لوگوں کیلئے قرض وغیرہ کر کے کسی سواری کا انتظام نہیں کروں گا یہاں تک کہ اس کے بغیر ان کے لئے سواری کا انتظام ہو جائے لہٰذا (جیسا کہ آپ نے فرمایا چونکہ ان کی سواریوں کا انتظام اللہ تعالیٰ نے بغیر قرض وغیرہ کے فرمادیا اس لئے) آپ کی قسم نہیں ٹوٹی۔

مگر اس تشریح میں ایک اشکال ہے کہ آپ نے جو یہ راستہ ارشاد فرمایا تھا کہ۔ میں کبھی قسم کھالیتا ہوں اور پھر اور دوسری شکل میں خیر نظر آتی ہے تو قسم کا کفارہ ادا کر کے دوسری شکل پر عمل کر لیتا ہوں۔ تو یہ تشریح آپ کے اس قول کے مطابق نہیں (کیونکہ اس تشریح کے مطابق نہ قسم ٹوٹی نہ کفارہ کی ضرورت رہی)۔

اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ آپ کا یہ ارشاد دراصل اپنی عادت ظاہر کرنے اور قاعدہ کو ثابت کرنے کیلئے تھا اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس موقعہ پر بھی آپ نے اپنی قسم توڑی تھی بلکہ آپ کا یہ ارشاد عادت اور صورت کا جواز ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ گویا آپ نے یہ فرمایا کہ۔ اگر اس طرح میری قسم ٹوٹ جاتی کہ قسم توڑنے کی صورت میں ہی خیر ہوتی اور پھر میں اس کا کفارہ ادا کر دیتا تو یہ ایک شرعی گنجائش ہی نہیں بلکہ ترجیحی طور پر مستحب اور مناسب بات ہوتی۔

یہاں آپ کی یہ قسم نہ ٹوٹنے کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ایسی کوئی روایت نہیں ہے کہ آپ نے اپنی اس قسم کا کفارہ ادا فرمایا تھا۔ ادھر اس روایت میں اور اس سے پہلی روایت میں موافقت پیدا کرنا بھی ضروری ہے (یعنی پیچھے جو سات فقراء صحابہ کے متعلق روایت گزری ہے کہ انہوں نے سواری کے لئے درخواست کی اور مایوس ہو کر روتے ہوئے لوٹے تو پھر ان میں سے دو کے لئے حضرت عباسؓ نے سواری کا انتظام کیا تین کے لئے حضرت عثمانؓ نے اور دو کے لئے یامین ابن عمر و نضری نے سواری فراہم کی۔ اس کے بعد دوسری روایت یہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کی ہے)۔

اب اگر ان دونوں روایتوں کو ایک ہی واقعہ مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت عباس وغیرہ نے ان چھ اونٹوں کے حاصل ہونے سے پہلے ان کے لئے سواری کا انتظام کر دیا تھا۔ ورنہ پھر یوں کہنا پڑے گا کہ یہ دونوں علیٰحدہ علیٰحدہ واقعات ہیں۔

لشکر اسلام کی تعداد...... آخر کار جنگ کی تیاری مکمل ہو گئی اور رسول اللہ ﷺ تیس ہزار لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ ایک قول ہے کہ لشکر کی تعداد چالیس ہزار تھی اور ایک قول کے مطابق کل لشکر ستر ہزار کی تعداد میں تھا۔

مدینہ میں قائم مقام...... اس لشکر میں دس ہزار گھوڑے سوار تھے۔ ایک قول دو ہزار کے اضافہ کے ساتھ بارہ ہزار سواروں کا ہے۔ مدینہ میں آپ نے حضرت محمدؓ ابن مسلمہ انصاری کو اپنا قائم مقام بنایا جیسا کہ مشہور قول یہی ہے۔ علامہ دمیاطی کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک یہی قول زیادہ ثابت ہے۔ مگر ایک قول کے مطابق حضرت سباع ابن عرفطہ غفاری کو قائم مقام بنایا گیا اور ایک قول کے لحاظ سے حضرت ابن اُمّ مکتومؓ کو بنایا گیا۔ ایک قول حضرت علیؓ کے بارے میں بھی ہے۔ علامہ ابن عبد البر نے اسی قول کو زیادہ ثابت اور صحیح قرار دیا ہے جیسا کہ ان کے کلام میں ہے۔

علیؓ کی گھر پر تعیناتی...... علامہ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر والوں کو دیکھ بھال کیلئے مدینے میں چھوڑا تھا اور انہیں حکم دیا تھا کہ وہ ان کے ساتھ ہی مدینے میں رہیں (عام طور پر علماء نے اسی قول کو نقل کیا ہے)۔

منافقوں کے ڈھول کا پول...... (جیسا کہ ابتداء میں بیان ہوا اس غزوۂ تبوک کا نام غزوۂ فاضحہ بھی ہے کیونکہ اس میں منافقوں کی پول کھل گئی تھی۔ وجہ یہ ہے کہ اس غزوہ کے موقعہ پر سخت خشکی قحط سالی اور جھلسا دینے والی گرمی پڑ رہی تھی لوگوں کے لئے اس وقت غزوہ کے لئے نکلنا بڑی مشقت اور تکلیف کا کام تھا مگر پختہ اور راسخ العقیدہ مسلمانوں کے لئے خدا اور رسول کے حکم کے سامنے ہر تکلیف اور مشقت ہیچ تھی اس لئے وہ تو آنحضرت ﷺ کے ارشاد پر فوراً تیاریوں میں مشغول ہوئے اور آپ کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ لیکن منافقوں کے لئے یہ بڑا صبر آزما مرحلہ تھا یہ لوگ دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے محض ظاہر داری اور اپنے مفادات کے واسطے انہوں نے کلمہ پڑھ لیا تھا اور مسلمانوں کی صف میں شامل ہو گئے تھے ورنہ حقیقت میں یہ لوگ نہ مسلمان تھے اور نہ اسلام یا مسلمانوں سے کوئی دلچسپی رکھتے تھے پھر بھی یہ لوگ اپنے نفاق کو چھپائے رکھتے تھے اور وقت پر مسلمانوں کو دھوکہ دے کر آنحضرت ﷺ کو تکلیفیں پہنچاتے رہتے تھے۔

منافقین گومگو میں...... یہ وقت جب کہ اچانک غزوۂ تبوک کے لئے کوچ کا اعلان ہوا منافقوں کے لئے بہت سخت تھا کیونکہ موسم اور حالات ناسازگار تھے اور وہ اپنے نفاق کو چھپائے رکھنا چاہیں تو ان کو مسلمانوں کے ساتھ غزوہ میں جانا ضروری تھا لیکن گرمی اور ناسازگاری کی وجہ سے وہ یہ بھی نہیں کرنا چاہتے تھے اور ساتھ نہ جائیں تو ان کو پول کھلتا تھا۔ آخر انہوں نے نہ جانے کا ہی فیصلہ کیا اور گرمی کا بہانہ کر کے گھروں میں بیٹھ رہے)۔

مدینہ سے کوچ اور منافقین کی ہمراہی...... سردار منافقین عبداللہ ابن اُبی ابن سلول اور اس کے ساتھی منافقین مدینہ سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ کے لئے روانہ ہوئے اور شہر سے باہر آ کر ثنیۃ الوداع کی پہاڑی کے نیچے عبداللہ ابن اُبی نے اپنے ساتھیوں سمیت علیحدہ اپنا پڑاؤ ڈالا۔ آنحضرت ﷺ نے پہاڑی کے اوپر 'قرار گاہ بنائی تھی' مگر منافقوں کا گروہ یہیں سے مدینہ کو واپس ہوا اور اپنے گھروں میں بیٹھ رہا۔

ثنیۃ الوداع میں پڑاؤ...... ابن اسحاقؒ کہتے ہیں کہ عبداللہ ابن اُبی نے ثنیہ پہاڑی کے دامن میں اس لئے پڑاؤ ڈالا کہ ان کے خیال کے مطابق آنحضرت ﷺ کا لشکر ان سے کم تھا مگر جیسا کہ ظاہر ہے یہ بات صرف ایک خوش فہمی اور خیال ہی کے طور پر ہو سکتی ہے ورنہ یہ بات قرین قیاس نہیں ہے کہ عبداللہ ابن اُبی کا لشکر آنحضرت ﷺ کے لشکر کے برابر بھی ہو چہ جائیکہ آپ کے لشکر سے زیادہ ہو۔ اس لئے یہ بات قابل غور ہے۔

ابن ابی کے واپسی کے حیلے...... جب عبداللہ ابن ابی یہاں مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر واپس جانے لگا تو اس نے کہا "محمد ﷺ بنی اصفر یعنی رومیوں کے ساتھ ایسے وقت جنگ کرنے جا رہے ہیں جب کہ حالات نہایت ناساز گار ہیں لوگ گرمی اور خشک سالی کی وجہ سے پریشان ہیں اور وطن سے بھی اتنی دور جانا ہے کہ ہماری ہمت سے باہر ہے۔ محمد ﷺ نے بنی اصفر یعنی رومیوں کے ساتھ جنگ کرنے کو کھیل سمجھا ہے۔ خدا کی قسم مجھے تو ایسا نظر آ رہا ہے کہ ان کے ساتھی یعنی صحابہ پہاڑوں میں چھپتے اور بھٹکتے پھر رہے ہوں گے۔!"

رومیوں کا خوف دلا کر ہراس انگیزی کی کوشش...... ابن ابی یہ باتیں اس لئے کہتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ آنحضرت ﷺ کا ساتھ چھوڑ دیں (منافقین کا اصل مقصد زندگی ہی یہ تھا)۔

لفظ روم کی تاریخ و تحقیق...... گذشتہ سطروں میں رومیوں کو بنی اصفر کہا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ روم ابن عیص ابن اسحاقؑ کی اولاد میں سے ہیں۔ اس روم ابن عیص کو اصفر کہا جاتا تھا۔ عربی میں اصفر زرد رنگ کو کہتے ہیں چونکہ روم نامی اس شخص کے رنگ میں زردی کی آمیزش تھی اس لئے اس کو اصفر کہا جانے لگا تھا۔

مگر قدیم تاریخ کے علماء نے کہا ہے کہ عیص نے اپنے چچا اسماعیلؑ کی بیٹی سے شادی کر لی تھی جس سے روم پیدا ہوا جو عیص کا بیٹا تھا۔ روم کے جسم پر کچھ زردی تھی اس لئے اس کو اصفر کہا جانے لگا۔ مگر ایک قول یہ ہے کہ وہ زردی روم میں نہیں تھی بلکہ اس کے باپ عیص میں تھی۔

مہاجرین کو پرچموں کی تقسیم...... غرض اس کے بعد جب ثنیۃ الوداع سے تبوک کی طرف رسول اللہ ﷺ نے کوچ فرمایا تو آپ نے مختلف پرچم تیار کئے اپنا لواء اعظم یعنی بڑا پرچم آپ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو عنایت فرمایا پھر اپنا لواء اعظم آپ نے حضرت زبیرؓ کو مرحمت فرمایا۔

انصار و قبائل میں پرچم...... قبیلہ اوس کا رایہ آپ نے حضرت اسیدؓ ابن حضیر کو دیا اور قبیلہ خزرج کا رایہ حضرت حبابؓ ابن منذر کو عطا فرمایا۔ پھر آپ نے انصار کے ہر خاندان اور دوسرے عربی قبائل میں۔ بہت سے رایات اور لواء تقسیم فرمائے۔ یعنی کسی کو رایت دیا اور کسی کو لواء دیا۔

یہودی کے گھر منافقوں کا اجتماع...... ادھر منافقین کی ایک جماعت سویلم یہودی کے گھر میں جمع ہوئی وہ لوگ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ بنی اصفر۔ یعنی رومی بہادروں سے لڑنا بھی ایسا ہنسی کھیل ہے جیسے اب تک عربوں کے ساتھ جنگیں ہوتی رہی ہیں۔ خدا کی قسم یہ سمجھ لو کہ کل یہ لوگ یعنی صحابہ پہاڑوں میں منہ چھپاتے پھر رہے ہوں گے۔ یہ باتیں وہ لوگ مسلمانوں کو ڈرانے اور خوف زدہ کرنے کے لئے کہہ رہے تھے۔

نبی کو اطلاع اور باز پُرس...... غرض ادھر تو منافقین اس مکان میں یہ باتیں کر رہے تھے اور ادھر آنحضرت ﷺ کو ان باتوں کا پتہ چلا تو آپ نے عمار ابن یاسرؓ سے فرمایا:

"ان لوگوں کے پاس جاؤ۔ وہ لوگ بہت زیادہ جل رہے ہیں۔ انہوں نے جو کچھ کہا ہے اس کی ان سے تصدیق کراؤ اگر وہ انکار کریں یعنی بات بنا کر کچھ اور کہیں تو کہنا نہیں بلکہ تم نے ایسا ایسا کہا تھا (اور آپ نے ان کی کہی ہوئی باتیں عمار کو بتلائیں)۔"

منافقین کے حیلے بہانے...... چنانچہ حضرت عمار ابن یاسرؓ ان منافقوں کے پاس گئے اور یہ ساری بات ان سے بتائی۔ وہ لوگ فوراً رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور اپنی اس حرکت پر معذرت کرنے لگے انہوں نے کہا کہ ہم لوگ مذاق اور تفریح کر رہے

تھے۔اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائی:

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ۔ (الآیہ پ۱۰ سورۂ توبہ ع۸۔ آیت ۶۵)

ترجمہ: اور اگر آپ ان سے پوچھئے تو کہہ دیں گے کہ ہم تو محض مشغلہ اور خوش طبعی کر رہے تھے۔

جد ابن قیس کی حیلہ سازیاں......اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے جد ابن قیس سے فرمایا:

"جد۔ کیا تم بنی اصفر کے سورماؤں سے مقابلہ کو چلو گے؟"

اس نے کہا:

"یارسول اللہ! کیا آپ مجھے اس کی اجازت دیدیں گے کہ میں نہ جاؤں بلکہ یہیں رہ جاؤں اور پھر آپ مجھ کو خرابی میں نہ ڈالیں یعنی مجھ سے باز پرس بھی نہ کریں۔ کیونکہ خدا کی قسم میری قوم کے لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مجھ سے زیادہ عورتوں کا رسیا کوئی دوسرا نہیں ہے' مجھے ڈر ہے کہ بنی اصفر کی نازنینوں کو دیکھ کر مجھ سے صبر نہ ہو سکے گا۔!"

یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے اس شخص کی طرف سے منہ پھیر لیا اور فرمایا کہ تجھے اجازت ہے۔ حق تعالیٰ نے اس پر یہ آیت نازل فرمائی:

وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ ائْذَنْ لِي وَلَا تَفْتِنِّي أَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا. وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ.

(الآیہ پ۱۰ سورہ توبہ ع۷ آیت ۴۹)

ترجمہ: اور منافقین مخلفین میں بعضی شخص وہ ہے جو کہتا ہے کہ مجھ کو اجازت دے دیجئے اور مجھ کو خرابی میں نہ ڈالئے خوب سمجھ لو کہ یہ لوگ خرابی میں تو پڑ ہی چکے اور یقیناً دوزخ آخرت میں ان کافروں کو گھیرے گی۔

رومی باندیوں کے متعلق خوشخبری......ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جنگ کے لئے تبوک چلو اور بنی اصفر یعنی رومیوں کی عورتوں کو مال غنیمت میں حاصل کرو۔!"

منافقین کا جہاد سے گریز......اس پر بعض منافقین نے کہا کہ ہمیں یہیں رہ جانے کی اجازت دے دیجئے اور بعد میں ہم پر گرفت بھی نہ کیجئے۔اس کے جواب پر حق تعالیٰ نے وہ آیت نازل فرمائی جو گذشتہ سطروں میں بیان ہوئی کہ۔ أَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا۔ یعنی خوب سمجھ لو کہ فتنہ میں تو یہ لوگ پڑ ہی چکے ہیں۔

اور وہ فتنہ یہی ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دینے کے بجائے پیچھے رہ جانا چاہتے ہیں اور آپ سے دامن بچانا چاہتے ہیں۔

جد ابن قیس کو بیٹے کی ملامت......ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جد ابن قیس سے فرمایا:

"اے ابو قیس! کیا تم ہمارے ساتھ جنگ میں چلو گے؟ ممکن ہے واپس میں بنی اصفر کی بیٹیاں یعنی رومی عورتیں تمہاری شریک سفر ہوں۔"

اسکے جواب میں جد ابن قیس نے وہی بات کہی جو بیان ہوئی' اسکے بیٹے عبداللہ ابن جد نے اس پر باپ کو ملامت کی اور کہا:

"خدا کی قسم آپ صرف اپنے نفاق کی وجہ سے ساتھ نہیں جا رہے ہیں انشاءاللہ خدا تعالیٰ آپ کے متعلق بہت جلد قرآنی آیات نازل فرمائے گا۔!"

جد کا بیٹے پر غیظ و غضب...... جد ابن قیس بیٹے کی یہ بات سن کر غضبناک ہوا اور جوتا نکال کر عبداللہ کے منہ پر مارنے لگا۔

آخر جب جد کے متعلق قرآن نازل ہو گیا (یعنی وہ آیت جو گذشتہ سطروں میں ذکر ہوئی تو عبداللہ ابن جدابن قیس نے باپ سے کہا کہ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا؟

جد نے ان کو ڈانٹتے ہوئے کہا:

خاموش۔ اے کمینے۔ خدا کی قسم تو میرے حق میں محمد ﷺ سے بھی زیادہ سخت ہے!"

منافقوں کے عطیات نامقبول...... ایک روایت میں یوں ہے کہ جب جدابن قیس نے جانے سے انکار کیا اور معذرت چاہی جیسا کہ بیان ہوا تو ساتھ ہی اس نے آنحضرت ﷺ سے بھی کہا تھا کہ۔ مگر میرے پاس جو کچھ ہے اس سے میں آپ کی مدد ضرور کروں گا۔ (یعنی جنگی تیاریوں میں اپنے روپیہ سے امداد کروں گا)۔

اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعاً اَوْ كَرْهاً لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ. اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْماً فٰسِقِيْنَ۔ (الآیہ پ ۱۰ سورۂ توبہ ع ۷۔ آیت ۵۳)

ترجمہ: آپ فرمادیجئے کہ تم خواہ خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے تم کسی طرح خدا کے نزدیک مقبول نہیں کیونکہ بلاشبہ تم عدول حکمی کرنے والے لوگ ہو۔

جدابن قیس کے متعلق یہ بات پیچھے گزر چکی ہے کہ اس نے حدیبیہ میں بیعت رضوان نہیں دی تھی اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ اس نے بعد میں نفاق سے توبہ کر لی تھی اور پھر اس توبہ پر صحیح طریقہ سے عمل بھی کیا تھا۔ نیز یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی ساعدہ سے پوچھا تھا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ انہوں نے کہا جدابن قیس ہے جس میں بخل کی بیماری ہے۔ اس کے بعد پھر خود بنی ساعدہ نے پوچھا تھا کہ یارسول اللہ ہمارا سردار کون ہے؟ آپ نے فرمایا بشر ابن براء معرور ہیں۔ اور ایک روایت کے مطابق آپ نے فرمایا تھا کہ تمہارے سردار جعد ابیض عمرو ابن جموح ہیں۔ پھر اسی سلسلے میں علامہ ابن عبدالبر کا قول گزرا تھا کہ پہلی بات کو دل زیادہ قبول کرتا ہے۔ جدابن قیس کا انتقال حضرت عثمانؓ کی خلافت کے دور میں ہوا تھا۔

منافقین کی طرف سے گرمی کا بہانہ...... غرض غزوۂ تبوک کو روانگی کے موقعہ پر منافقین ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ اس گرمی میں کہیں مت جاؤ۔ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرّاً لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ (پ ۱۰ توبہ ع ۱۱ ۸)

ترجمہ: پیچھے رہ جانے والے خوش ہو گئے رسول اللہ ﷺ کے جانے کے بعد اپنے بیٹھے رہنے پر ان کو اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرنا ناگوار ہوا اور دوسروں کو بھی کہنے لگے کہ تم گرمی میں مت نکلو۔ آپ کہہ دیجئے کہ جہنم کی آگ سے بھی زیادہ گرم ہے کیا خوب ہو تا اگر وہ سمجھتے۔

کچھ دیہاتیوں کا عذر...... اسی دوران میں رسول اللہ ﷺ کے پاس ایسے عذر والے لوگ آئے جنہیں کوئی مجبوری تھی جیسے ضعیف اور تنگدست اعرابی۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اپنی معذوری بیان کر کے نہ جانے کی اجازت چاہی آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو اجازت دے دی۔ ایسے لوگوں کی تعداد بیاسی تھی۔

منافقین کی بلا عذر پہلو تہی...... ادھر بہت سے منافقین وہ تھے جو بغیر کسی عذر کے اپنے گھروں میں بیٹھ رہے اور جنگ کے لئے نہیں گئے نہ ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے سامنے کوئی عذر بیان کیا بلکہ اللہ اور اس کے رسول کے مقابلے میں جرأت و

جسارت کرتے ہوئے یہ لوگ جنگ سے دامن بچاگئے حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں انہی کی طرف اشارہ فرمایا ہے (جو واقعی معذور تھے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے حاضر ہو کر معذوری ظاہر کی اور اجازت چاہی ان کے متعلق بھی اور ان سرکش منافقوں کے متعلق بھی جو بلا عذر اور بغیر اجازت چاہے گھروں میں بیٹھ رہے' قرآن پاک میں یہ ارشاد ہے:

وَجَاءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ط سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ. (پ۱۰سورۂ توبہ ع ۱۲۔ آیت ۹۰)

ترجمہ: اور کچھ بہانہ باز لوگ دیہاتوں میں سے آئے تاکہ ان کو گھر رہنے کی اجازت مل جائے اور ان دیہاتیوں میں سے جنہوں نے خدا سے اور اس کے رسول سے دعویٰ ایمان میں بالکل ہی جھوٹ بولا تھا اور وہ بالکل ہی بیٹھ رہے ان میں جو آخر تک کافر رہیں گے ان کو دردناک عذاب ہوگا۔

واضح حکم خداوندی...... علامہ سُہیلی کہتے ہیں کہ مفسرین کے نزدیک سورۂ برأت یعنی سورۂ توبہ کا آخری حصہ ابتدائی حصہ سے پہلے نازل ہوا تھا اور یہ کہ اس سورت کی جو آیات سب سے پہلے نازل ہوئیں وہ یہ ہیں:

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ (الآیہ پ۱۰سورۂ توبہ ع ۶۔ آیت ۴۱)

ترجمہ: نکل پڑو خواہ تھوڑے سامان سے ہو اور خواہ زیادہ سامان سے ہو اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم یقین رکھتے ہو تو دیر مت کرو۔

(یہاں حضرت تھانویؒ نے خِفَافًا وَّ ثِقَالًا کے معنی یہ کئے ہیں کہ چاہے تم تھوڑے سامان کیساتھ ہو یا زیادہ سامان کیساتھ) مگر ایک قول ہے کہ اس کے معنی ہیں چاہے جوان ہو یا بوڑھے ہو اللہ کی راہ میں نکل پڑو۔

ایک قول کے مطابق اس کے معنی ہیں کہ چاہے تم مالدار ہو یا نادار ہو۔ نیز ایک قول کے لحاظ سے یہ معنی ہیں کہ چاہے تم کام والے یعنی مشغول آدمی ہو اور چاہے بے کار ہو اور ایک قول کے مطابق یہ معنی ہیں کہ چاہے تم پیدل ہو یا سوار ہو۔

غرض اس کے بعد پھر سورۂ برأت یعنی سورۂ توبہ کا ابتدائی حصہ نازل ہوا کہ مشرکین میں سے جسکے ساتھ جو بھی عہد اور معاہدہ ہے اسے ختم کر دیا جائے۔ جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

بلا عذر گریز کرنے والے مسلمان

مسلمانوں میں سے بھی بعض لوگ ایسے تھے جنہوں نے بغیر کسی عذر کے جنگ میں شرکت سے گریز کیا ان لوگوں میں کعب ابن مالک' ہلال ابن امیہ اور مرارہ ابن ربیع بھی تھے' ساتھ یہ ہی لوگ وہ ہیں جن پر اسلام کے سلسلے میں کوئی تہمت نہیں لگائی گئی۔

علیؓ کے چھوڑنے پر منافقین کی افواہیں...... ادھر جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو مدینے میں چھوڑا تو منافقوں نے لوگوں میں ان کے متعلق طرح طرح کی باتیں پھیلائیں کہ دراصل علی۔ آنحضرت ﷺ پر بوجھ تھے اور آپ نے اسی لئے ان کو چھوڑ دیا ہے۔ حضرت علیؓ کو جب یہ باتیں معلوم ہوئیں تو انہوں نے فوراً اپنے ہتھیار اٹھائے اور آنحضرت ﷺ کے پیچھے روانہ ہو گئے یہاں تک کہ آپ سے جا ملے۔ اس وقت آنحضرت ﷺ جرف کے مقام پر فردکش تھے۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں

پہنچ کر حضرت علیؓ نے عرض کیا:

علیؓ کا تاثر اور کوچ...... "یارسول اللہ! منافقین یہ کہہ رہے ہیں کہ میں دراصل آپ کے لئے ایک بوجھ تھا اور مجھے چھوڑ کر آپ نے اپنا بوجھ ہلکا کر لیا ہے۔!"

دل دہی اور واپسی کا حکم...... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"وہ لوگ جھوٹے ہیں۔ میں نے تمہیں صرف ان لوگوں کی وجہ سے چھوڑا ہے جنہیں میں مدینے میں چھوڑ آیا ہوں۔! اس لئے واپس جاؤ اور میری عدم موجودگی میں میرے گھر والوں اور اپنے گھر والوں کی دیکھ بھال کرتے رہو۔ علی! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم میرے لئے اسی درجے میں رہو جس درجے میں موسیٰؑ کے لئے ہارونؑ تھے سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے!

کیونکہ جب موسیٰؑ اپنے پروردگار کے وعدے پر جانے لگے تو وہ ہارونؑ کو (جو ان کے بھائی تھے) اپنی قوم میں اپنا قائم مقام بنا کر گئے تھے۔ غرض آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد پر حضرت علیؓ واپس مدینے آ گئے۔

علیؓ کو قریشی پھبتیوں کا ڈر...... حضرت علیؓ سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک غزوہ میں تشریف لے گئے تو جعفرؓ طیار کو اپنے گھر والوں کے پاس چھوڑنے کا ارادہ کیا مگر جعفر نے عرض کیا کہ خدا کی قسم میں آپ کو چھوڑ کر گھر میں نہیں بیٹھوں گا آخر آنحضرت ﷺ نے مجھے گھر والوں کے پاس چھوڑنے اور جعفر کو ساتھ لے جانے کا فیصلہ فرمایا۔ اس پر میں نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! کیا آپ ایسے موقعہ پر مجھے چھوڑے جا رہے ہیں جب کہ قریشی پہلے ہی بہت کچھ کہہ رہے ہیں کیا وہ میرے متعلق یہ نہیں کہیں گے کہ میں نے کتنی جلدی اپنے چچا کے بیٹے یعنی آپ سے دامن بچا لیا اور گھر بیٹھ رہا۔ دوسرے یہ کہ میں اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کا طالب اور اس کے لئے کوشاں ہوں کیونکہ میں نے حق تعالیٰ کا یہ ارشاد سنا ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَئُوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ. اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ. (۱۱ سورۂ توبہ آیت ۱۲۰)

ترجمہ: اور میرے ساتھ جانے کا ضروری ہونا اس سبب سے ہے کہ ان کو اللہ کی راہ میں جو پیاس لگی اور جو ماندگی پہنچی اور جو بھوک لگی اور جو چلنا چلے جو کفار کے لئے موجب غیظ ہوا ہو اور دشمنوں کی جو کچھ خبر لی ان سب پر ان کے نام ایک ایک نیک کام لکھا گیا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ مخلصین کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

آنحضرت ﷺ کیلئے علیؓ جیسے موسیٰؑ کیلئے ہارون...... رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا:

"جہاں تک تمہاری اس بات کا تعلق ہے کہ قریش یوں کہیں گے کہ تم نے کتنی جلدی اپنے چچا کے بیٹے سے دامن بچا لیا اور گھر بیٹھے رہے تو انہوں نے تو یہ بھی کہا ہے کہ میں جادوگر ہوں کاہن ہوں اور بالکل جھوٹا ہوں۔ اور جہاں تک تمہاری اس بات کا تعلق ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کے طالب ہو تو تمہارے سامنے میرا طریقہ اور اسوہ ہونا چاہئے کہ بعض جنگوں میں میں خود نہیں گیا بلکہ پیچھے رہا۔ کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ تمہاری حیثیت میرے لئے وہی ہو جو موسیٰؑ کیلئے ہارونؑ کی تھی۔!"

شیعوں کیلئے خلافت علیؓ کی بنیاد...... سوائے اس غزوۂ تبوک کے اور کوئی غزوہ ایسا نہیں ہے جس میں حضرت علیؓ شریک نہ ہوئے ہوں۔

اس حدیث کی بنیاد پر روافض اور شیعہ حضرات دعویٰ کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت علیؓ کی خلافت کے سلسلے میں یہ حدیث ایک تفصیلی دلیل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہارونؑ کو موسیٰؑ سے جتنے بھی مرتبہ اور درجات حاصل ہیں وہ سب کے سب سوائے نبوت کے کہ ہارونؑ کو یہ بھی حاصل تھی۔ حضرت علیؓ کو رسول اللہ ﷺ سے حاصل ہیں ورنہ پھر آنحضرت ﷺ نے اس حدیث کے آخر میں یہ کیوں فرمایا کہ۔ سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ یعنی حضرت علیؓ کیلئے ہارونؑ کی تمام خصوصیات نہ ماننے کی صورت میں آنحضرت ﷺ کا "مگر" کہہ کر یہ استثناء ظاہر کرنا صحیح نہیں رہے گا لہٰذا اس حدیث کی روشنی میں بقول روافض حضرت علیؓ کی فضیلت ثابت ہے اور اس کی بنیاد پر آنحضرت ﷺ کے بعد خلافت کے حقدار وہی تھے۔

موسیٰؑ سے ہارونؑ کے لئے جو خصوصیات حاصل ہیں وہ نبوت کو چھوڑ کر ایک یہ بھی ہے کہ اگر وہ موسیٰؑ کے بعد زندہ رہتے تو ان کی خلافت کے حقدار وہی تھے (لہٰذا حضرت علیؓ کو آنحضرت ﷺ سے وہی خصوصیات حاصل ہونی چاہئیں کیونکہ آپ نے حضرت علیؓ کو اپنے لئے وہی درجہ دیا جو موسیٰؑ کے لئے ہارونؑ کو حاصل تھا)۔

اس دعویٰ کا جواب...... شیعوں اور رافضیوں کے اس دعویٰ کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے جیسا کہ علامہ آمدی نے کہا ہے۔ لیکن اگر اس کو صحیح تسلیم کیا جائے بلکہ اس کا صحیح ہونا ثابت ہے کیونکہ یہ حدیث صحیحین یعنی بخاری و مسلم میں موجود ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اخبار آحاد میں سے ہے اس کے خبر واحد ہونے کی وجہ سے ہی رافضی اور شیعہ دونوں اس روایت کو حضرت علیؓ کی امارت ثابت کرنے کے لئے دلیل اور حجت نہیں بنا سکتے لیکن اگر اس کو حجت یعنی قابل دلیل روایت مان بھی لیا جائے تو بھی اس سے یہ دعویٰ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس حدیث کے معنی میں عموم اور پھیلاؤ نہیں ہے بلکہ اس ارشاد کی حدود ہیں جو کہ حدیث کے ظاہری الفاظ سے نمایاں ہیں اور وہ حدود یہ ہیں کہ حضرت علیؓ صرف آنحضرت ﷺ کے گھر والوں پر آپ کی طرف سے آپ کے خلیفہ مقرر کئے گئے تھے اور یہ تقرر بھی صرف اس مدت کے لئے تھا جس میں آنحضرت ﷺ غزوۂ تبوک کے لئے مدینے سے غیر حاضر رہے۔

عارضی قائم مقامی سے دعویٰ بے بنیاد...... یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ہارونؑ موسیٰؑ کی قوم میں صرف اس وقت تک کیلئے حضرت موسیٰؑ کی طرف سے خلیفہ مقرر کئے گئے تھے جب تک موسیٰؑ مناجات کے لئے اپنی قوم کے پاس سے غیر حاضر رہے (اور ان کی واپسی کے بعد ہارونؑ کی قائم مقامی ختم ہو گئی)۔

لہٰذا اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد عام تھا تو بھی (ایک خاص مدت تک کے لئے) مخصوص تھا (دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ یہ تقرر عام مخصوص تھا) اور یہ قاعدہ ہے کہ عام مخصوص باقی چیزوں یا باقی مدت کے لئے حجت نہیں بن سکتا اور بنتا ہے تو ایک کمزور حجت بنتا ہے (جس پر احکام نافذ نہیں کئے جا سکتے)۔

قائم مقامی جانشینی کا فرق...... پھر یہ کہ دوسرے بہت سے موقعوں پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کے علاوہ دوسرے صحابہ کو بھی اپنا قائم مقام بنایا تھا لہٰذا اس دلیل کی روشنی میں ہر اس شخص کو خلافت کا مستحق ہونا چاہئے جسے آپ نے اپنا قائم مقام بنایا (جو ایک لغو دلیل ہوگی۔ آنحضرت ﷺ نے غزوات میں تشریف لے جاتے ہوئے ہمیشہ اپنا قائم مقام متعین فرمایا۔ جانشین متعین نہیں فرمایا اور قائم مقامی ہمیشہ عارضی اور غیر مخصوص ہوا کرتی ہے جب کہ جانشینی مستقل اور ہمیشہ کے لئے ہوا کرتی ہے)۔

گریز کرنیوالوں سے بے نیازی...... رسول اللہ ﷺ کے کوچ کر جانے کے بعد جب کوئی شخص رہ جاتا اور آنحضرت ﷺ سے بتلایا جاتا کہ فلاں شخص نے جنگ سے گریز کیا ہے تو آنحضرت ﷺ فرماتے:

"اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر اس میں کوئی بھی خیر ہوگی تو اللہ تعالیٰ جلد ہی اسے تم سے لا ملائے گا اور اگر اس میں کوئی خیر نہیں ہے تو اس طرح حق تعالیٰ نے تمہیں اس کی طرف سے بے فکر کر دیا۔!"

ابو خیثمہؓ کا گریز...... رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جانے سے گریز کرنے والوں میں ابو خیثمہؓ بھی تھے۔ (چنانچہ یہ مدینہ میں ہی رہ گئے تھے) ایک روز جب کہ رسول اللہ ﷺ کو کوچ کیے ہوئے کئی دن ہو چکے تھے اور شدید گرمی کا دن تھا یہ اپنی دونوں بیویوں کے پاس آئے ان کی بیویوں نے باغ کے اندر اپنے سائبانوں میں خوب اچھی طرح پانی چھڑک کر انہیں ٹھنڈا کر رکھا تھا اور دونوں اپنے اپنے سائبان میں کھانا تیار کر کے بیٹھی ہوئی تھیں۔

سامان راحت پر نبی کیلئے تڑپ...... اس روز سخت گرمی پڑ رہی تھی (اور ان کی بیویوں نے اپنے سائبان بے حد آرام دہ اور ٹھنڈے کر رکھے تھے) انہوں نے اندر آتے ہی اپنی بیویوں اور ان کے انتظامات کو دیکھا اور کہنے لگے:

"رسول اللہ ﷺ تو اس قدر شدید گرمی میں سفر کر رہے ہیں اور ابو خیثمہؓ یہاں ٹھنڈے سائبانوں اور پانی کی فراوانی اور حسین عورتوں کی صحبت کا لطف اٹھا رہا ہے۔ یہ ہرگز انصاف کی بات نہیں ہے۔ اس کے بعد کہنے لگے۔ خدا کی قسم میں تم دونوں میں سے کسی کے بھی سائبان میں داخل نہیں ہوں گا بلکہ اب تو رسول اللہ ﷺ کے پاس ہی پہنچوں گا۔ لہٰذا تم دونوں فوراً میرے لئے زاد راہ کا انتظام کرو۔!"

آنحضرت ﷺ کی جستجو میں کوچ...... چنانچہ ان کی بیویوں نے زاد راہ تیار کیا اور انہوں نے اپنی اونٹنی تیار کی پھر انہوں نے اپنی تلوار اور اپنا نیزہ لیا۔ اور جیسا کہ کشاف میں ہے اسی وقت رسول اللہ ﷺ کی جستجو میں روانہ ہو گئے یہاں تک کہ تبوک میں آپ سے جا ملے۔

ابو خیثمہؓ جب رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں جا رہے تھے تو راستے میں ان کو عمیر ابن وہب ملے وہ بھی آنحضرت ﷺ کی جستجو میں ہی جا رہے تھے چنانچہ یہاں سے یہ دونوں حضرات ایک ساتھ چلے یہاں تک کہ تبوک کے قریب پہنچ گئے۔ یہاں ابو خیثمہؓ نے عمیر ابن وہب سے کہا:

"مجھ پر ایک گناہ ہے اس لئے تم سے درخواست ہے کہ جب تک میں رسول اللہ ﷺ کے پاس نہ پہنچ جاؤں تم میرا ساتھ نہ چھوڑنا۔"

نبیؐ کے حضور میں ابو خیثمہؓ کی حاضری...... چنانچہ وہ ان کے ساتھ ہی رہے۔ جب ابو خیثمہؓ لشکر کے سامنے پہنچے تو لوگوں نے دور سے سواروں کو دیکھ کر کہا:

"یہ سامنے کوئی سوار آ رہے ہیں۔!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا یقیناً ابو خیثمہؓ ہوں گے (اس عرصہ میں یہ قریب آ گئے تو) لوگوں نے پکار کر کہا:

"یا رسول اللہ! خدا کی قسم یہ تو ابو خیثمہؓ ہی ہیں۔!"

اسی وقت ابو خیثمہؓ نے اونٹنی بٹھائی اور آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ کر آپ کو سلام کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ابو خیثمہؓ تمہارے لئے یہی زیادہ بہتر تھا۔

اس کے بعد ابو خیثمہؓ نے آنحضرت ﷺ کو اپنا پورا واقعہ بتلایا تو آپ نے بہت خوب فرمایا اور ان کیلئے دعائے خیر کی ابو خیثمہؓ سے آنحضرت ﷺ نے جو یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا کہ۔ تمہارے لئے یہی زیادہ بہتر تھا۔ یہ کلمہ تہدید اور تنبیہ ہے۔

قوم ثمود کے کھنڈروں سے گزر...... اس سفر کے دوران یعنی تبوک جاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ ان کھنڈروں سے گزرے جو قوم ثمود کا وطن تھا (اور حق تعالیٰ کے عذاب سے تباہ و برباد ہو گیا تھا) جب آپ اس علاقہ میں پہنچے تو آپ نے سر مبارک پر کپڑا ڈال لیا اور اپنی سواری کی رفتار تیز کر دی تاکہ جلد از جلد یہاں سے گزر جائیں ساتھ ہی آپ نے صحابہ سے فرمایا:

"جب تم ان کھنڈروں میں داخل ہو جو سرکشوں اور ظالموں کے ہیں تو روتے ہوئے گزرو کیونکہ مبادا تم بھی اسی بلا میں گرفتار ہو جاؤ جس میں یہ قوم گرفتار ہوئی تھی۔!"

عبرت آموز بستی...... (چونکہ یہ سرکشوں کی بستی تھی جہاں کی آب دہوا بھی زہریلی اور ظلم سے مسموم تھی اس لئے آپ نے روتے ہوئے گزرنے کا حکم دیا تھا) اس کی حکمت یہ تھی کہ رونے کے ساتھ انسان کو اپنی فکر اور دوسروں کے حالات سے عبرت پیدا ہوتی ہے (جو آدمی کے لئے سامان خیر ہے)۔

شوریدہ سر قوم ثمود...... گویا رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ تقدیر الٰہی سے پیدا ہونے والے ان حالات پر غور کریں اور روئیں جو کفر کی وجہ سے اس قوم پر طاری ہو گئے تھے حالانکہ (اس قوم کی تاریخ یہ تھی کہ) ان کو روئے زمین پر حکومت و شوکت عطا فرمائی گئی تھی اور سرکشی و طغیانی چھوڑنے کے لئے انہیں ایک طویل مدت تک مہلت دی گئی تھی (مگر جب اس قوم نے ظلم و ستم اور جور و جفا کی خو نہ بدلی تو) آخر ان کی گرفت ہوئی اور انہیں ایک زبردست عذاب کی چکی میں پیس ڈالا گیا۔

اثرات بد سے تحفظ کی تدبیر...... لہٰذا ایسے مقام سے گزرتے ہوئے بہترین تدبیر یہی ہے کہ آدمی تواضع و انکساری کے ساتھ خدا کے حضور میں دعائیں مانگتا ہوا اور روتا ہوا گزرے۔ ان حالات سے عبرت حاصل کرے اور یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کو دلوں میں انقلاب پیدا کرتے کچھ دیر نہیں لگتی۔ لہٰذا مومن اس بات سے مامون و محفوظ نہیں ہے کہ اس کا انجام بھی ایسا ہی ہو جائے۔

مسموم پانی سے پرہیز کا حکم...... اسی وقت رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ممانعت فرمائی کہ نہ کوئی شخص یہاں کا پانی پئے نہ اس پانی سے نماز کے لئے وضو کرے نہ اس سے آٹا گوندھے نہ اس سے حسیس کا بھرتہ تیار کرے نہ کسی اور قسم کا کھانا بنائے (کیونکہ یہاں کے پانی میں بھی عذاب خداوندی کے اثرات ہوں گے)۔

نیز آپ نے حکم دیا کہ اگر کسی شخص نے یہاں کے پانی سے آٹا گوندھ لیا ہے یا بھرتہ وغیرہ تیار کر لیا ہے تو اسے چارہ کے طور پر اونٹوں کو کھلا دیا جائے (کیونکہ یہ پانی اور اس سے تیار کی ہوئی چیزیں جانوروں کے مزاج کے مطابق تو ہو سکتی ہیں آدمیوں کیلئے اس میں خیر نہیں ہو سکتی) اسی طرح اور جو کوئی کھانا اس پانی سے بنایا گیا ہو تو اسے پھینک دیا جائے کوئی شخص اس میں سے کچھ نہ کھائے۔

ثمود کی اونٹنی کے کنوئیں میں پڑاؤ...... غرض آپ آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ نے اس تباہ شدہ علاقہ میں اس کنوئیں پر پہنچ کر پڑاؤ ڈالا جس میں سے حضرت صالحؑ کی اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔

تنہا کہیں نہ جانے کا حکم...... اس کے ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ نے ممانعت فرمائی کہ آج رات کوئی شخص تنہا پڑاؤ سے باہر ہرگز نہ نکلے بلکہ کسی نہ کسی کو ساتھ رکھے۔ اتفاق سے ایک شخص اس رات اپنی کسی ضرورت سے پڑاؤ کے باہر تنہا چلا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا دم گھٹ گیا۔ اسی طرح ایک دوسرا شخص اپنے اونٹ کی تلاش میں تنہا نکل گیا جس کا انجام یہ ہوا کہ شدید ہوا نے اس کو اڑا کر لے جا کر پہاڑوں میں لے جا پھینکا۔

حکم کی خلاف ورزی کا انجام...... آنحضرت ﷺ کو جب ان حادثات کی اطلاع دی گئی تو آپ نے فرمایا:

"کیا میں نے تم کو منع نہیں کیا تھا کہ کوئی شخص تنہا کہیں نہ جائے بلکہ کسی کو ساتھ لے کر نکلے؟"

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس شخص کے لئے دعا فرمائی جس کا دم گھٹ رہا تھا۔ آپ کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس کو شفا عطا فرمائی۔ پھر آپ نے اس شخص کے لئے دعا کی جسے ہواؤں نے لے کر پہاڑوں میں لے جا پھینکا تھا۔ وہ شخص ایک عرصہ کے بعد بھٹکتا ہوا اس وقت مدینہ منورہ پہنچا جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس مدینے پہنچے۔

علامہ دمیاطی نے اپنی کتاب سیرت میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے لشکر میں نماز پڑھانے کیلئے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو قائم مقام بنایا کرتے تھے اور لشکر کی پہرہ داری اور طلایہ گردی کرنے والے دستہ پر حضرت عبادؓ ابن بشر کو مامور فرماتے تھے چنانچہ رات کو وہی لشکر کے گرد پہرہ دینے کے لئے گھوما کرتے تھے۔

لشکر میں پانی کی نایابی اور تشنہ لبی...... ایک روز مسلمانوں کے پاس پانی ختم ہو گیا اور لوگوں کو پیاس نے اس قدر پریشان و بیتاب کر دیا کہ حلق میں کانٹے پڑ گئے یہاں تک کہ بہت سے لوگوں نے اپنے اونٹ کاٹ ڈالے اور ان کے پیٹ میں سے پانی کی وہ تھیلیاں نکالیں جن میں اونٹ کئی کئی دن کا پانی پی کر اکٹھا کر لیتا ہے اور پیاس سے پریشان نہیں ہوتا۔ لوگوں نے وہ تھیلیاں نکال کر اس میں کا پانی پیا اور پیاس بجھائی۔

چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ شدید گرمی کے زمانے میں ہم سفر پر روانہ ہوئے راستے میں ہم لوگ ایک منزل پر ٹھہرے تو ہمارے پاس پانی بالکل ختم ہو گیا اور سب لوگ پیاس سے جاں بہ لب ہو گئے یہاں تک کہ کچھ لوگوں نے اپنے اونٹ ذبح کر کے ان کے پیٹ کی تھیلیوں کا پانی نکال کر پیا اور باقی پانی اپنے جگر اور سینوں پر ملا تا کہ کچھ ٹھنڈک اور سکون حاصل ہو سکے۔

آخر لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس تکلیف کی شکایت کی۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نے آپ سے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو دعائے خیر کا خوگر بنایا ہے اس لئے ہمارے واسطے دعا فرمائیے!"

آنحضرت ﷺ کی دعا سے سیرابی...... آپ نے فرمایا کیا تم دعا کرانا چاہتے ہو؟ صدیق اکبرؓ نے عرض کیا۔ ہاں! آپ نے فوراً دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور اس وقت تک اٹھائے رکھے جب تک حق تعالیٰ نے بدلیاں نہ بھیج دیں۔ گھٹا گھر کر آئی اور اتنی بارش ہوئی کہ لوگ سیراب و مطمئن ہو گئے اور انہوں نے کافی پانی آئندہ کے لئے جمع کر لیا۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ بدلیاں صرف اتنے حصے میں ہی تھیں جتنے علاقے میں لشکر کا پڑاؤ تھا اس سے آگے نہیں بڑھیں۔ ایک وقت ایک انصاری شخص نے ایک دوسرے شخص سے جو منافق کی حیثیت سے بدنام تھا کہا:

"تیرا برا ہو۔ کیا تو یہ معجزہ نہیں دیکھ رہا ہے؟"

معجزہ اور ایک منافق کی ہٹ دھرمی...... (یعنی ایسی کھلی ہوئی نشانیاں دیکھ کر بھی تجھے عقل نہیں آتی کہ تو دل سے مسلمان ہو جائے۔ اس نے کہا:

"بات یہ ہے کہ یہ بارش تو فلاں نور یعنی فلاں ستارے کے تحت ہوئی ہے!"

یعنی اس میں معجزہ کو کوئی دخل نہیں ہے بلکہ یہ بادل تو بارش کے سیارے کی طرف سے آئے اور برسے ہیں۔ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ۔ (الآیہ پ ۲۷ سورۂ واقعہ ع ۳۔ آیت ۸۲)

ترجمہ :اور تکذیب۔یعنی جھٹلانے)۔ کو اپنی غذا بنا رہے ہو۔

یعنی بجائے رزق پر شکر کرنے کے تم تکذیب کو ہی اپنی غذا اور خوراک بنا رہے ہو۔ کہ بارش کو بجائے اللہ کی قدرت کی طرف منسوب کرنے کے انواء اور ستاروں کی کرشمہ سازی قرار دیتے ہو کہ یہ فلاں ستارے کے ذریعہ ہوئی یا فلاں کے ذریعہ ہوئی۔

ایک روایت کے مطابق بارش کا یہ معجزہ دیکھنے کے بعد انصاری صحابی نے اس منافق سے یوں کہا تھا کہ تیرا برا ہو کیا اس معجزہ کے بعد بھی ایمان لانے کیلئے کسی چیز کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے اس نے کہا کہ یہ بارش تو ایک گزرتے ہوئے بادل نے برسادی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی تشنگی کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا:

"اگر میں تمہارے لئے پانی کی دعا کروں اور تمہیں سیرابی ہو جائے تو شاید یہ کہہ دو گے کہ یہ بارش تو فلاں نوء یعنی ستارے کے عمل سے ہوئی ہے۔!"

ان لوگوں نے عرض کیا:

"یا نبی اللہ۔ یہ انواء یعنی ستاروں کی چال سے بارش ہونے کا وقت نہیں ہے۔!"

غرض پھر رسول اللہ ﷺ نے پانی منگا کر وضوء کیا۔ اس کے بعد آپ کھڑے ہو کر نماز میں مشغول ہو گئے۔ نماز کے بعد آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ اسی وقت ہوا چلنی شروع ہوئی اور بادل چھا گئے اور تھوڑی ہی دیر میں اس قدر بارش ہوئی کہ ساری وادیوں میں پانی بھر گیا۔

اس وقت رسول اللہ ﷺ ایک شخص کے پاس سے گزرے جو اپنے برتن میں پانی بھر رہا تھا اور ساتھ ہی یہ کہتا جاتا تھا کہ یہ فلاں نوء یعنی ستارے کی بارش ہے (جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے ہی فرمایا تھا کہ لوگ اس سیرابی کو سیاروں کے عمل کی طرف منسوب کریں گے)اس وقت اللہ تعالیٰ نے وہ آیت نازل فرمائی جو گزشتہ سطروں میں ذکر ہوئی۔

آنحضرت ﷺ کی اونٹنی کی گمشدگی...... اسی دوران میں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی گم ہو گئی (جس کی تلاش شروع کی گئی) لشکر کے ساتھ منافقین کی ایک جماعت بھی تھی جن کا مقصد سوائے مال غنیمت میں حصہ دار بننے کے اور کچھ نہیں تھا۔ اونٹنی کی گمشدگی اور تلاش کی جستجو پر یہ لوگ کہنے لگے:

محمد ﷺ کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ نبی ہیں اور یہ کہ وہ تمہیں آسمان کی خبریں سناتے ہیں۔ تو کیا انہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے؟"

منافقین کی زبان زوری اور اونٹنی کی بازیافت...... رسول اللہ ﷺ کو فوراً ہی منافقوں کی ان باتوں کی خبر ہو گئی آپ نے فرمایا: "ایک شخص ایسا ایسا کہہ رہا ہے۔ میں خدا کی قسم ان ہی باتوں کو جانتا ہوں جو اللہ تعالیٰ مجھے بتلا دیتا ہے اور ابھی اللہ تعالیٰ نے مجھے بتلایا ہے کہ وہ اونٹنی فلاں فلاں وادی میں ہے اس کی مہار ایک درخت کی ٹہنی میں الجھ گئی ہے۔ تم لوگ وہاں جاؤ اور اونٹنی کو میرے پاس لے آؤ۔!"

لوگ فوراً اس گھاٹی میں گئے تو اونٹنی کو اسی طرح پایا جیسے آنحضرت ﷺ نے بتلایا تھا اور اسے آنحضرت ﷺ کے پاس لے آئے۔

اسی قسم کا واقعہ غزوۂ بنی مصطلق میں بھی گزر چکا ہے جس کو غزوۂ مریسیع بھی کہا جاتا ہے۔ لیکن اس واقعہ کو ایک سے زائد مرتبہ ماننے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ واقعہ ایک ہی دفعہ پیش آیا ہو مگر راویوں کی غلط فہمی سے ایسا ہوا ہو

کہ ایک راوی نے اس کو غزوۂ بنی مصطلق یعنی مریسیع کا واقعہ سمجھ کر یہ بیان کیا اور دوسرے نے اسے غزوۂ تبوک کا واقعہ سمجھا۔
ایک صحابی نے آنحضرت ﷺ کی اونٹنی کا یہ واقعہ سنا تو وہ اپنے پڑاؤ میں پہنچے اور وہاں جو لوگ موجود تھے ان سے بولے:
"خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ نے ایک عجیب بات بتلائی کہ آپ نے ایک شخص کی کہی ہوئی بات سنائی جس کی اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دی ہے۔!"
اسکے بعد انہوں نے اس شخص کا جملہ اور واقعہ بیان کیا۔ ان کے پڑاؤ میں جو اور لوگ موجود تھے ان میں سے ایک نے کہا:
"یہ بات فلاں شخص نے بھی کہی تھی اور ابھی تھوڑی دیر پہلے بھی کہی تھی۔!"
اس صحابی نے یہ سن کر کہا:
"لوگو! میرے پڑاؤ میں ایسے چالاک اور شریر لوگ موجود ہیں اور مجھے پتہ بھی نہیں۔ اے خدا کے دشمن میرے پڑاؤ سے نکل جا اور آئندہ میرے ساتھ رہنے کی ضرورت نہیں ہے۔!"
کہا جاتا ہے کہ اس منافق نے بعد میں توبہ واستغفار کر لی تھی مگر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے شر اور برائیوں کی اپنی خو نہیں بدلی بلکہ اسی حالت میں ہلاک ہو گیا تھا (کہ آخر تک سچے دل سے مسلمان نہیں ہوا بلکہ آنحضرت ﷺ کو تکلیفیں پہنچاتا رہا)
اونٹ کی ماندگی اور ابوذر کا پیدل سفر...... اسی دوران میں حضرت ابوذر غفاریؓ کا اونٹ مسلسل چلنے کی وجہ سے تھک کر چور چور اور اتنا نڈھال ہو گیا کہ اسے چلنا دوبھر ہو گیا اور وہ سارے لشکر سے پیچھے رہ گیا آخر جب اونٹ نے بالکل ہی جواب دے دیا تو حضرت ابوذرؓ نے اپنا سامان اونٹ پر سے اتار کر خود اپنی کمر پر لادا اور پیدل ہی رسول اللہ ﷺ اور آپ کے لشکر کے نشان قدم پر چل دیئے یہاں تک کہ آپ ﷺ سے اس وقت جا ملے جب کہ آنحضرت ﷺ ایک منزل پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔
حضرت ابوذرؓ کے اس طرح آپ کے پاس پہنچنے سے پہلے لوگ رسول اللہ ﷺ سے کہہ رہے تھے:
"یارسول اللہ! ابوذر پیچھے رہ گئے کیونکہ ان کا اونٹ تھک کر چلنے کے قابل نہیں رہا تھا۔!"
آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر فرمایا تھا:
"اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر اس میں یعنی ابوذر میں کوئی خیر ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس کو تم تک پہنچادے گا اور اگر خیر کے بجائے برائی ہے تو سمجھو خدا نے تمہیں اس سے امن دے دیا۔!"
ابوذرؓ کی لشکر میں آمد...... پھر جب حضرت ابوذر غفاریؓ سامنے سے آتے ہوئے نظر آئے اور انہیں ایک شخص نے پیدل آتے ہوئے دیکھا تو اس نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔
"یارسول اللہ! کوئی شخص اس راستے سے تن تنہا اور پیدل ہی چلا آرہا ہے۔!"
ابوذرؓ کی کسمپرسی میں موت کی پیشینگوئی...... آپ نے فرمایا ابوذر ہوں گے۔ پھر جب لوگوں نے غور سے دیکھا تو پہچان گئے اور آنحضرت ﷺ سے کہنے لگے کہ یارسول اللہ ﷺ خدا کی قسم یہ تو ابوذر ہی ہیں۔
آنحضرت ﷺ نے ان کو پیدل آتے دیکھ کر فرمایا۔
"اللہ تعالیٰ ابوذر پر رحمت فرمائے جو اکیلا ہی پیدل چلا آرہا ہے۔ اکیلا ہی مرے گا (یعنی موت کے وقت تن تنہا ویرانہ میں ہوگا) اور اکیلا ہی دوبارہ زندہ کر کے قیامت میں اٹھے گا!"
آنحضرت ﷺ کو تاخیر اور ابن عوف کی امامت...... حضرت مغیرہ ابن شعبہ سے روایت ہے کہ جب ہم حجر یعنی ثمود

کے کھنڈرات اور تبوک کے درمیانی علاقہ میں پہنچے تو رسول اللہ ﷺ فجر کے بعد قضاء حاجت کے لئے تشریف لے گئے۔ میں پانی لے کر آپ کے پیچھے پیچھے چلا لوگوں کو آپ کے انتظار میں نماز فجر کیلئے دیر ہوئی اور روشنی ہونے لگی تو انہوں نے امامت کے لئے حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن عوف کو آگے بڑھادیا۔ انہوں نے نماز پڑھانی شروع کی اسی وقت رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے آپ وضو کر کے اور خفین پر مسح کر کے عبدالرحمٰن ابن عوف کی طرف بڑھے اس وقت وہ ایک رکعت نماز پڑھا چکے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ابن عوف کے ساتھ ایک رکعت پڑھی اور دوسری رکعت پوری کرنے کیلئے ان کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑے ہو گئے۔

نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے لوگوں سے فرمایا:

"تم نے اچھا کیا۔ یا یوں فرمایا کہ۔ تم نے ٹھیک کیا۔!"

صالح امتی کے پیچھے ہر نبی کی اقتدا...... اس کے بعد آپ نے پھر فرمایا:

"کسی نبی نے اس وقت تک وفات نہیں پائی جب تک کہ اسکی امت میں سے کسی نیک آدمی نے اس کی امامت نہ کر لی ہو"

غالباً یہ روایت اس گذشتہ قول کے خلاف نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ لشکر کو نماز پڑھانے کے لئے حضرت ابو بکرؓ کو اپنا قائم مقام بنایا کرتے تھے۔

ادھر آنحضرت ﷺ کا جو یہ ارشاد ہے کہ۔ کسی نبی نے اس وقت تک وفات نہیں پائی جب تک اس کی امت میں سے کسی نیک آدمی نے اس کی امامت نہ کر لی ہو۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سفر میں اگر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے نماز پڑھائی تو آنحضرت ﷺ نے ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھی تھی۔ مگر یہ بات قابل غور ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کے حق میں فرمایا:

عبدالرحمٰن ابن عوف مسلمانوں کے سرداروں کے سردار ہیں۔!"

ادھر حضرت عبدالرحمٰن کے پیچھے نماز پڑھنے کی جو روایت بیان ہوئی ہے یہ حضرت ابن عباسؓ کی اس حدیث کے خلاف نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت میں سوائے حضرت ابو بکرؓ کے کسی کے پیچھے نماز نہیں پڑھی۔ یعنی اپنے مرض وفات میں۔ کیونکہ مراد یہ ہے کہ پوری نماز صدیق اکبرؓ کے سوا کسی کے پیچھے نہیں پڑھی۔ یا ایک سے زائد بار نماز مراد ہے۔

چشمہ تبوک میں پانی کی کمی...... غرض جب لشکر تبوک کے مقام پر پہنچ کر فرد کش ہوا تو معلوم ہوا کہ تبوک کے چشمہ میں بے حد کم پانی ہے (جو لشکر کی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتا) آنحضرتؐ نے اس میں سے اپنے دست مبارک میں چلو بھر پانی لیا اور اسے منہ میں لے کر واپس چشمہ کے منہ پر کلی کر دی اسی وقت چشمہ سے پانی کے سوتے پھٹ کر فوارہ کی طرف اُبلنے لگے اور سارا چشمہ بھر گیا۔

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ پانی بہت کم ہے یعنی تبوک کے چشمہ میں پانی ناکافی ہے۔ ادھر اس سے ایک دن پہلے آنحضرت ﷺ نے لشکر سے فرمایا تھا:

"کل تم لوگ انشاء اللہ تبوک کے چشمہ پر پہنچ جاؤ گے۔ تم اس چشمہ پر دن چڑھے سے پہلے ہر گز نہیں پہنچو گے اسلئے جو شخص بھی وہاں پہنچے وہ چشمہ کے پانی کو میرے پہنچنے سے پہلے ہاتھ بھی نہ لگائے!"

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سارے لشکر میں اس حکم کا اعلان کرادیا۔ حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ جب ہم اگلے روز

تبوک کے چشمہ پر پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ چشمہ میں پانی اس قدر کم تھا کہ قطرہ قطرہ کر کے رس رہا تھا۔
معجزہ اور پانی کی فراوانی..... سب سے پہلے اس چشمہ پر دو آدمی پہنچے تھے جو منافقین میں سے تھے اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کے حکم کے خلاف پانی میں ہاتھ تر کر لئے تھے آنحضرت ﷺ کو جب معلوم ہوا تو آپ نے ان کو بہت ڈانٹا۔ ایک روایت کے مطابق سب سے پہلے چار منافقین پہنچے تھے۔

غرض جب آنحضرت ﷺ وہاں پہنچ گئے تو لوگوں نے تھوڑا تھوڑا کر کے چلو بھر پانی جمع کیا آنحضرت ﷺ نے اس سے اپنا چہرہ مبارک اور ہاتھ دھوئے اور اس کے بعد منہ میں سے تھوڑا پانی لے کر اس چشمہ میں الٹ دیا۔ اس کیساتھ ہی چشمہ میں پانی کی فروانی ہو گئی۔
لشکر میں خوراک کی نایابی..... مسلم میں ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر لوگ بھوک کا شکار ہوئے اور ان کے کھانے پینے کا سامان بالکل ختم ہو گیا۔ حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ ایک کھجور مل جاتی تو ایک پوری جماعت اسے لے کر بیٹھ جاتی اور سب لوگ باری باری اس کو چوستے اور دوسروں کی طرف بڑھاتے رہتے تھے۔

آخر لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! اگر آپ اجازت دیں تو ہم اپنے اونٹ ذبح کر کے کھالیں اور پیٹ کی آگ بجھالیں!"
عمر کی درخواست پر دعائے برکت..... اس پر حضرت عمر فاروقؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:
"یا رسول اللہ! اگر آپ نے یہ اجازت دے دی تو ساری سواریاں فنا ہو جائیں گے اس لئے آپ ان سے فرمایئے کہ جس کے پاس خوراک بچی ہو یا زائد ہو وہ لے کر آجائے پھر آپ اس خوراک میں برکت کے لئے دعا فرمایئے شاید اللہ تعالیٰ اس طرح برکت عطا فرمادے۔! آنحضرت نے فرمایا۔ ہاں!۔ اس کے بعد آپ نے ایک کپڑا منگا کر وہاں بچھایا اور لوگوں سے فرمایا کہ اپنا زائد کھانا یہاں لا کر جمع کر دیں۔ چنانچہ اس حکم پر کوئی شخص تو ایک مٹھی بھر غلہ کا بھوسہ لے کر آیا اور دوسرا مٹھی بھر کھجوریں لایا تو کوئی خشک گوشت ہی لے کر آگیا۔
دعا کی برکت اور خوراک کی بہتات..... آخر رفتہ رفتہ جب سب لوگ لے آئے تو اس کپڑے پر بہت تھوڑا سا کھانا جمع ہوا۔ اب رسول اللہ ﷺ نے اس میں برکت کے لئے دعا کی۔ پھر لوگوں سے فرمایا کہ اب اس میں سے اپنے اپنے برتنوں میں لینا شروع کرو۔ چنانچہ سب نے اس خوراک میں سے لینا شروع کیا یہاں تک کہ پورے لشکر میں کوئی برتن ایسا نہیں رہا جو انہوں نے بھر نہ لیا ہو پھر سب نے خوب سیر ہو کر کھایا اور کھانا اس پر بھی بچ گیا اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ جو شخص بھی اس کلمہ کے ساتھ اس میں کوئی شبہ کئے بغیر اللہ تعالیٰ سے ملے گا اس کو جنت سے نہیں روکا جا سکتا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کی آگ سے بچالے گا۔!"

اسی قسم کا ایک واقعہ غزوۂ حدیبیہ سے واپسی کے بیان میں گزر چکا ہے۔ لیکن اس واقعہ کے دو مرتبہ پیش آنے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ راویوں کی غلط فہمی سے ایسا ہوا ہو کہ اس نے اس کو تبوک کے سفر کا واقعہ سمجھا ہو اور دوسرے کی یادداشت میں یہ روایت حدیبیہ کے سفر کی رہی ہو۔
لشکر کیلئے طلحہ کی فیاضی..... کھانے کی تنگی کا یہ واقعہ شاید اس کے بعد کا ہے جب کہ حضرت طلحہ ابن عبید اللہ نے مسلمانوں

کیلئے کچھ اونٹ ذبح کئے تھے اور لوگوں کو کھلایا پلایا تھا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نے فرمایا تاکہ تم طلحہ فیاض ہو۔ فیاض کے معنی سخی کے ہیں۔ اسی طرح غزوۂ احد کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے ان کو طلحہ خیر کا خطاب دیا تھا اور لشکر کے لئے ان کی اسی فیاضی کو دیکھ کر غزوۂ حنین میں آپ نے ان کو طلحہ جود کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ جود عربی میں سخات کو کہتے ہیں اور طلحہ جود کے معنی ہوں گے پیکر سخاوت طلحہ۔

ایک صحابی سے روایت ہے کہ تبوک کے سفر میں گھی کی مشک میرے پاس تھی میں نے مشک کو دیکھا تو اس میں تھوڑا سا گھی باقی رہ گیا تھا۔ مجھے آنحضرت ﷺ کے لئے کھانا تیار کرنا تھا میں نے گھی کو پگھلانے کے لئے وہ مشک دھوپ میں رکھ دی اور خود سو گیا (گھی پگھل کر مشک سے نکلا اور گرم پتھر پر آکر چڑچڑانے لگا۔ اس کی آواز سے ہی میری آنکھ کھلی میں نے جلدی سے اٹھ کر مشک کا منہ اپنے ہاتھ سے بند کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ یہ سب منظر دیکھ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا:

"اگر تم اس وقت اس کا منہ بند نہ کرتے تو ساری وادی میں گھی کی نہریں بہہ جاتیں۔"

بلال رضی اللہ عنہ سے کھانے کے متعلق سوال...... حضرت عرباض ابن ساریہ سے روایت ہے کہ میں تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا ایک رات آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا کھانے کے لئے کچھ ہے؟ انہوں نے عرض کیا:

"قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہمارے تھیلے بالکل خالی ہو چکے ہیں۔!"

آپ نے فرمایا پھر دیکھو ممکن ہے کسی تھیلے میں کچھ موجود ہو۔

بلال رضی اللہ عنہ کا انکار اور معجزہ نبوی ﷺ...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے خود ایک ایک تھیلا اٹھا کر الٹنا شروع کیا جن میں سے ایک دو کھجور نکل کر گر جاتی ہے آخر اس طرح آپ کے ہاتھ میں سات کھجوریں آگئیں پھر آپ نے ایک دستر خوان منگا کر بچھایا اور وہ کھجوریں اس پر رکھ کر اس پر اپنا دست مبارک رکھ دیا اور ہم لوگوں سے فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر کھاؤ۔ چنانچہ ہم تین آدمیوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ میں نے خود ۵۴ کھجوریں کھائیں جنہیں شمار کرتا رہا اور ان کی گٹھلیاں دوسرے ہاتھ میں جمع کرتا رہا۔ اسی طرح میرے دونوں ساتھی کر رہے تھے۔ آخر ہم نے شکم سیر ہو جانے کے بعد ہاتھ روک لئے مگر اب دیکھا تو دستر خوان پر وہ سات کھجوریں جوں کی توں موجود تھیں۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مجھے اپنے پروردگار سے حیا آتی ہے ورنہ ہم یہی کھجوریں اس وقت تک کھاتے رہتے جب کہ ہم میں کا ایک ایک شخص مدینہ نہ پہنچ جاتا۔!"

یہ کہہ کر آپ نے وہ ساتوں کھجور ایک غلام کو عطا فرما دیں جو انہیں چباتا ہوا باہر نکل گیا۔

تبوک میں بادشاہ ایلہ کی حاضری...... جب رسول اللہ ﷺ تبوک میں قیام فرماتے تو آپ کے پاس ایلہ کا بادشاہ یحنہ ابن اردیہ آیا (جس کو عام طور پر لوگ یوحنا کہتے ہیں) اس کے ساتھ جرباء کے لوگ بھی تھے جو ملک شام کا ایک گاؤں ہے اور اذرح کے لوگ بھی تھے جو بصرات کے مقابل ایک شہر ہے نیز مینا بستی کے لوگ بھی بادشاہ ایلہ کے ہمراہ تھے۔

شاہ ایلہ سے خراج پر صلح...... یحنہ نے رسول اللہ ﷺ کو ایک سفید خچر ہدیہ میں پیش کیا اس کے بدلے میں آنحضرت ﷺ نے اس کو ایک چادر بطور ہدیہ عنایت فرمائی۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یحنہ کے ساتھ اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ آپ کو سالانہ جزیہ یعنی خراج ادا کیا کرے گا۔

بادشاہ کو امان نامہ...... اس سے پہلے آنحضرت ﷺ نے بادشاہ ایلہ کو اسلام کی دعوت دی تھی مگر وہ مسلمان نہیں ہوا۔

مصالحت کے بعد آپ نے یحنہ کو ایک تحریر دی جس کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یحنہ اور ایلہ والوں کو اس تحریر کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اور محمد نبی رسول اللہ ﷺ کی جانب سے امان دی جاتی ہے۔ بحر و بر یعنی خشکی اور سمندروں میں ان کے جہازوں اور ان کے قافلوں کو امان ہے۔ وہ لوگ اور ان کے ساتھ ملک شام' ملک یمن اور بحر کے جو لوگ ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ اور محمد ﷺ کی ذمہ داری میں ہیں۔ اس کے بعد ان میں کوئی شخص اگر کوئی خلاف ورزی یا نئی بات کرے گا تو اس کی جان اور مال دونوں پر بنے گی اور وہ جس شخص کے ہاتھ بھی لگ جائے گا اس کے لئے اس کا جان اور مال حلال ہو گا۔ یہ کسی چشمہ آب پر پڑاؤ کریں یا خشکی و تری میں کوئی راستہ اختیار کریں تو ان کو کسی حال میں روکنا درست نہیں ہو گا۔!"

اذرح اور جرباء والوں کو تحریر امان...... اسی طرح آپ نے اذرح اور جرباء والوں کو بھی ایک امان نامہ لکھ کر دیا جس کا مضمون یہ تھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد نبی ﷺ کی یہ تحریر اذرح اور جرباء والوں کیلئے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور محمد ﷺ کی امان میں ہیں اور یہ کہ انہیں ہر رجب کے مہینے سو دینار پورے پورے ادا کرنے ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی نصیحت اور احسان کا کفیل ہے۔!"

میناوالوں سے معاہدہ...... میناوالوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے ان کے باغات کے چوتھائی پھلوں پر صلح کی۔ (یعنی وہ لوگ ہر فصل پر ایک چوتھائی پھل مسلمانوں کو خراج کے طور پر دیا کریں گے اور اس کے بدلے میں وہ لوگ مسلمانوں کی ذمہ داری میں رہیں گے)۔

آنحضرت ﷺ کے لئے شمع کی روشنی...... حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جب ہم تبوک میں تھے تو میں نے لشکر کے ایک کنارے پر آگ کا ایک شعلہ یعنی شمع کی لو دیکھی۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ جیسے ہی میں نے وہ شعلہ دیکھا میں اسی طرف چل پڑا اچانک میں نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کو دیکھا۔ معلوم ہوا کہ عبداللہ ذوالبجادینؓ کا انتقال ہو گیا ہے لوگوں نے ان کی قبر کھودی آنحضرت ﷺ قبر کے اندر اترے ہوئے ہیں اور حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ قبر کی مٹی نکال رہے ہیں۔ اس وقت آنحضرت ﷺ ان دونوں سے فرما رہے تھے کہ اپنے بھائی کی لاش میری طرف بڑھاؤ۔ چنانچہ انہوں نے میت اتاری' جب آنحضرت ﷺ نے میت کو قبر کی شق میں رکھ دیا تو یہ دعا فرمائی:

"اے اللہ! میں آخر وقت تک اس سے راضی رہا پس تو بھی اس سے راضی رہنا"۔

عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں: "کاش اس قبر کی میت میں ہوتا"۔

تبوک میں قیام کی مدت...... غرض تبوک کے مقام پر رسول اللہ ﷺ دس پندرہ رات ٹھہرے۔ سیرت دمیاطی میں یوں ہے کہ آپ نے یہاں بیس رات قیام فرمایا اس عرصہ میں آپ دو رکعتیں یعنی قصر نماز پڑھتے رہے اور یہ کہ آپ تبوک سے آگے کہیں نہیں گئے۔

تبوک سے بڑھنے کے متعلق مشورہ...... رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے اس بارے میں مشورہ فرمایا کہ یہاں سے آگے بڑھا جائے یا نہیں؟ حضرت عمرؓ نے عرض کیا:

اب اگر تم احسان کا معاملہ کرو اور اس کا مال اسے واپس کر دو تو یہ ہماری خواہش کے مطابق ہوگا اور اگر تم اس بات سے انکار کر دو تو بہر حال وہ مال اللہ کا دیا ہوا مال غنیمت ہے جو اس نے تمہیں فراہم فرمایا ہے اور وہ تمہارا حق ہے"۔

صحابہ کا سر تسلیم ...... صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہم یہ مال بالکل اسے لوٹا دیں گے۔ چنانچہ صحابہ نے جو کچھ ابوالعاص کا مال تھا انہیں واپس لا دیا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ صلح حدیبیہ اور مدینہ کے واقعہ سے پہلے کا ہے کیونکہ صلح حدیبیہ کے بعد سرایا اور حضور ﷺ کی بھیجی ہوئی جنگی مہمات نے قریش پر چھاپے مارنے بند کر دیئے تھے۔

تاریخ سریہ ...... مگر آنحضرت ﷺ نے حضرت زینبؓ سے جو یہ ارشاد فرمایا تھا کہ ابوالعاص تمہارے پاس نہ آنے پائے۔ اس ارشاد سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے بعد کا ہے کیونکہ مشرکین سے مومن عورتوں کے نکاح کی حرمت صلح حدیبیہ کے موقع پر ہی ہوئی ہے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ فتح مکہ کے قریب پیش آیا تھا اور ۸ھ کا ہے۔ اسی لئے علامہ زہری نے لکھا ہے جن کا اتباع ابن عقبہ نے بھی کیا ہے کہ اس قریشی قافلے کو لوٹنے والے اور قافلہ کے لوگوں کو گرفتار کرنے والے دراصل حضرت ابوبصیر اور ابوجندل اور ان کے ساتھی تھے کیونکہ صلح حدیبیہ کی پوری مدت میں ان حضرات کا دستور یہی رہا کہ ان کے راستے سے جو بھی قریشی قافلہ گزرتا تھا یہ لوگ آنحضرت ﷺ کی اطلاع کے بغیر اسے لوٹ لیتے تھے جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

غرض جب مسلمانوں نے اس قریشی قافلے پر چھاپہ مارا (اور لوگوں کو گرفتار کیا) تو ابوالعاص کو انہوں نے چھوڑ دیا کیونکہ وہ آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی کے شوہر تھے۔ ایک قول ہے کہ ابوالعاص وہاں سے مدینہ کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے اور ان صحابہ کے ہاتھ نہیں آئے۔

رات کے اندھیرے میں ابوالعاص مدینہ میں داخل ہوئے اور سیدھے اپنی بیوی حضرت زینبؓ کے پاس پہنچ کر ان سے امان اور پناہ مانگی جس پر انہوں نے ابوالعاص کو اپنی پناہ میں لینے کا اعلان کر دیا (تاکہ کوئی مسلمان ان کو گزند نہ پہنچائے)۔

ابوالعاص کے ساتھیوں کی رہائی ...... اس کے بعد ابوالعاص نے حضرت زینبؓ سے اپنے ان ساتھیوں کے متعلق بات کی جو اس سریہ کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے تھے حضرت زینب نے ان کے بارے میں آنحضرت ﷺ سے گفتگو کی تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

"میں ابوالعاص کا سسرالی ہوں اور ہم نے ابوالعاص کو بہت اچھا داماد پایا۔ اب وہ اپنے کچھ قریشی ساتھیوں کیساتھ ملک شام سے آرہا تھا کہ ابوجندل اور ابوبصیر نے ان لوگوں پر چھاپہ مارا اور انہیں گرفتار کر کے جو کچھ مال و اسباب ان کیساتھ تھا وہ چھین لیا۔ اب اللہ کے رسول کی بیٹی زینبؓ نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ میں ان لوگوں کو پناہ اور امان دے دوں۔ پس کیا تم لوگ ابوالعاص اور اس کے ساتھیوں کو پناہ دیتے ہو؟"

صحابہ نے یہ سنتے ہی ان لوگوں کو پناہ دینے کا اقرار کر لیا۔ ادھر جب ابوجندل' ابوبصیر اور ان کے ساتھیوں نے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سنا تو انہوں نے تمام قیدی لوٹا دیئے اور جو کچھ مال ان سے چھینا تھا وہ بھی لوٹا دیا یہاں تک کہ رسّیاں تک واپس کر دیں۔

علامہ زہری کی اس تفصیل کو (کہ یہ چھاپہ آنحضرت ﷺ کے سریہ نے نہیں مارا تھا بلکہ ابوجندل اور ابوبصیر وغیرہ نے مارا تھا) کتاب ہدی میں بھی درست قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ جیسا کہ بتایا گیا اس بات کی تائید آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے ہوتی

کہ اس روایت کی سند میں کلام ہے۔ بعض دوسروں نے کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ ایک دوسرے محدث نے کہا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے بلکہ صحیح حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب کے اس پہلے نکاح کو ہی بر قرار رکھا۔

علامہ ابن عبدالبر کہتے ہیں یہ حدیث متروک ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کے پہلے نکاح کو ہی بر قرار رکھا تھا اس پر علماء کے نزدیک عمل درست نہیں ہے۔ البتہ یہ حدیث ہمارے نزدیک صحیح ہے کہ حضرت زینبؓ کو نئے نکاح کے بعد لوٹایا گیا۔ اصول بھی اسی کی موافقت کرتا ہے اور اگر پہلے والی حدیث کو درست مانا جائے تو اس سے مراد ہو گی کہ پہلے مہر کو بر قرار رکھا۔ حدیث کو اس معنی پر محمول کرنا بہت مناسب شکل ہے۔ یہاں تک علامہ ابن عبدالبر کا کلام ہے۔

مگر بعض دوسرے علماء کہتے ہیں کہ علامہ ابن عبدالبر کا اس حدیث کو درست قرار دینا کہ حضرت زینب کو جدید نکاح کے ذریعہ ابوالعاص کے حوالے کیا گیا۔ حدیث کے اماموں جیسے امام بخاریؒ امام احمدؒ بن حنبل، یحییٰؒ ابن سعید قطان، دار قطنیؒ اور امام بیہقیؒ وغیرہ کے کلام کے خلاف ہے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حضرت زینبؓ پہلے مشرکہ تھیں اور پھر اپنے شوہر سے پہلے مسلمان ہوئیں اور جس پر بعض لوگوں کا قول ہے کہ۔ یہ نہیں کہا گیا کہ حضرت زینب کے اسلام سے اتنی مدت بعد ابوالعاص مسلمان ہوئے۔ تو اس بارے میں شبہ ہے کیونکہ حضرت زینب نے بغیر اس بات کے کہ وہ پہلے مشرکہ رہی ہوں اپنے والد کے لائے ہوئے مذہب کی پیروی اور اتباع کیا (یعنی مشرکہ ہونے کا کوئی زمانہ ان پر نہیں گزرا)۔

مومن عورت کا کافر سے نکاح...... یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جب حضرت زینب مسلمان تھیں تو آنحضرت ﷺ نے شروع ہی میں کیسے ان کا نکاح کر دیا جب کہ وہ کافر تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آنحضرت ﷺ نے نبوت کے ملنے کے بعد حضرت زینب کا نکاح ابوالعاص سے کیا تھا تو وہ حق تعالیٰ کے اس ارشاد کے نازل ہونے سے پہلے کیا تھا:

وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا۔ (سورۂ بقرہ آیت ۲۲۱ ع ۲۷)

ترجمہ:۔ اور عورتوں کو کافر مردوں کے نکاح میں مت دو جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں۔

کیونکہ یہ آیت صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی تھی جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے۔ چنانچہ ابن سعد نے ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوالعاص سے حضرت زینب کا نکاح زمانہ جاہلیت میں یعنی اپنے ظہور سے پہلے کیا تھا۔ واللہ اعلم

سریہ زید ابن حارثہ بسوئے بنی ثعلبہ

مال غنیمت...... یہ سریہ طرف کی جانب بھیجا گیا جو کتف کے وزن پر ہے اور ایک چشمہ کا نام ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید ابن حارثہ کو طرف کی جانب پچیس آدمیوں کے ساتھ بنی ثعلبہ کی جانب بھیجا جس میں انہوں نے بیس اونٹ اور بکریاں مال غنیمت میں حاصل کیں۔ حافظ دمیاطی نے صرف اونٹوں کا ذکر کیا ہے بکریوں کا تذکرہ نہیں کیا۔

دشمن کا فرار...... یہاں صحابہ کو دشمن کا کوئی شخص نہیں ملا کیونکہ ان لوگوں کو یہ خیال ہو گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ ان کی سر کوبی کیلئے آرہے تھے (اس لئے وہ لوگ پہلی ہی وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے)۔

حضرت زیدؓ نے دشمن کا پیچھا بھی کیا مگر وہ ہاتھ نہیں آئے۔ آخر صحابہ مال غنیمت یعنی اونٹ اور بکریاں لے کر مدینہ واپس آگئے۔ اس سریہ میں مسلمانوں کا نعرہ اَمِت اَمِت تھا تا کہ رات کی تاریکی میں لڑائی کے دوران وہ ایک دوسرے کو پہچان سکیں۔

سریہ زید ابن حارثہ بسوئے جذام

سریہ کا سبب...... یہ جذام ایک جگہ کا نام تھا جس کو حسمی بھی کہا جاتا تھا' یہ جگہ وادی قری کے پیچھے ایک بستی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ سیلاب آیا تھا تو اس کے اترنے کے بعد بھی اس جگہ اسی (۸۰) سال تک پانی جمع رہا تھا۔

قیصر روم کی طرف نبی کا قاصد...... اس سریہ کا سبب یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت دحیہ کلبیؓ کو قیصر روم کے پاس بھیجا تھا روایت یہی ہے لیکن ممکن ہے اس میں راوی کی طرف سے کوئی تبدیلی ہو گئی ہو یا یہ کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت دحیہ کو بغیر کوئی مراسلہ یعنی نامہ مبارک دیئے شہنشاہ روم کے پاس بھیجا ہو ورنہ حضور ﷺ نے ان کو اس سریہ کے بعد خط دے کر بھیجا تھا کیونکہ یہ سریہ حدیبیہ کے بعد کا ہے۔

شاہ روم کا قاصد کو انعام واکرام...... غرض حضرت دحیہؓ جب قیصر روم کے پاس پہنچے تو بادشاہ نے ان کو بہت سا مال دولت بھی دیا اور خلعت یعنی ایک قیمتی پوشاک بھی دی۔ حضرت دحیہؓ یہ سب مال لے کر شاہ روم کے پاس سے واپس مدینہ آ رہے تھے۔

قاصد پر اہل جذام کا حملہ...... جب دحیہ کلبیؓ اس مقام یعنی جذام پر پہنچے تو ہنید اور اس کے بیٹے نے جذام کے کچھ دوسرے آدمیوں کے ساتھ ان پر حملہ کر دیا اور ان کا راستہ روک کر ان کا تمام مال واسباب لوٹ لیا یہاں تک کہ ان کے بدن پر صرف ایک بوسیدہ کپڑا باقی رہ گیا۔

جذامی مسلمانوں کے ذریعہ چھٹکارا...... اس واقعہ کی خبر جذام کے لوگوں کو ہوئی جو مسلمان ہو چکے تھے اور بنی ضبیب میں سے تھے۔ یہ لوگ ھنید وغیرہ کے پاس گئے اور ان سے حضرت دحیہ کا مال واسباب واپس حاصل کر کے انہیں نجات دلائی۔

حضور ﷺ کی طرف سے جذامیوں کو گوشمالی...... اسکے بعد حضرت دحیہؓ مدینہ پہنچے اور آنحضرت ﷺ کو سارا واقعہ بتلایا آنحضرت ﷺ نے زید ابن حارثہ کو پانچ سو آدمیوں کیساتھ جذام کی طرف روانہ فرمایا اور حضرت دحیہ کلبیؓ کو بھی ان کیساتھ کیا۔

حضرت زید ابن حارثہ راتوں کو سفر کرتے تھے اور دن کو کمین گاہوں میں چھپ رہتے تھے۔ ان کے ساتھ بنی عذرہ کا ایک راہبر تھا۔ آخر زید نے وہاں پہنچ کر دشمن یعنی ہنید اس کے بیٹے اور ان کے ساتھیوں پر حملہ کر دیا۔

لٹیروں کا قتل اور مال غنیمت...... صحابہ نے ہنید' اس کے بیٹے اور ان دونوں کے ساتھیوں کو قتل کر ڈالا اور ان کے تمام مویشی چھین لئے جن میں ایک ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں تھیں نیز ایک سو آدمیوں کو قید کیا جن میں عورتیں اور بچے تھے۔

(قال) جب بنی ضبیب نے حضرت زید ابن حارثہ کے اس حملے کے بارے میں سنا تو ان کے کچھ سوار زید ابن حارثہ کے پاس آئے اور ان میں سے ایک شخص نے ان سے کہا:

"ہم لوگ مسلمان ہیں"۔

اہل جذام کی حضور ﷺ سے فریاد...... حضرت زیدؓ نے کہا کہ اُمّ الکتاب یعنی سورۂ فاتحہ پڑھ کر سناؤ تو اس نے الحمد شریف پڑھی۔ پھر ان میں سے ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کی پاس حاضر ہوئی اور آنحضرت ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دی۔ ان میں سے ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! حلال چیزوں کو ہم پر حرام نہ فرمایئے اور حرام چیزوں کو حلال نہ فرمایئے۔!"

مال وقیدیوں کی رہائی کی تجویز...... آپ ﷺ نے پوچھا کہ مقتولوں کے متعلق میں کیا کروں؟ اس شخص نے عرض کیا:

سریۂ زید ابن حارثہ بسوئے جذام

سریہ کا سبب...... یہ جذام ایک جگہ کا نام تھا جس کو حسمی بھی کہا جاتا تھا' یہ جگہ وادی قری کے پیچھے ایک بستی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ سیلاب آیا تھا تو اس کے اترنے کے بعد بھی اس جگہ اسی (۸۰) سال تک پانی جمع رہا تھا۔

قیصر روم کی طرف نبی کا قاصد...... اس سریہ کا سبب یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت دحیہ کلبیؓ کو قیصر روم کے پاس بھیجا تھا روایت یہی ہے لیکن ممکن ہے اس میں راوی کی طرف سے کوئی تبدیلی ہو گئی ہو یا یہ کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت دحیہ کو بغیر کوئی مراسلہ یعنی نامہ مبارک دیئے شہنشاہ روم کے پاس بھیجا ہو ورنہ حضور ﷺ نے ان کو اس سریہ کے بعد خط دے کر بھیجا تھا کیونکہ یہ سریہ حدیبیہ کے بعد کا ہے۔

شاہ روم کا قاصد کو انعام واکرام...... غرض حضرت دحیہؓ جب قیصر روم کے پاس پہنچے تو بادشاہ نے ان کو بہت سا مال دولت بھی دیا اور خلعت یعنی ایک قیمتی پوشاک بھی دی۔ حضرت دحیہؓ یہ سب مال لے کر شاہ روم کے پاس سے واپس مدینہ آ رہے تھے۔

قاصد پر اہل جذام کا حملہ...... جب دحیہ کلبیؓ اس مقام یعنی جذام پر پہنچے تو ہنید اور اس کے بیٹے نے جذام کے کچھ دوسرے آدمیوں کے ساتھ ان پر حملہ کر دیا اور ان کا راستہ روک کر ان کا تمام مال واسباب لوٹ لیا یہاں تک کہ ان کے بدن پر صرف ایک بوسیدہ کپڑا باقی رہ گیا۔

جذامی مسلمانوں کے ذریعہ چھٹکارا...... اس واقعہ کی خبر جذام کے لوگوں کو ہوئی جو مسلمان ہو چکے تھے اور بنی خبیب میں سے تھے۔ یہ لوگ ھنید وغیرہ کے پاس گئے اور ان سے حضرت دحیہ کا مال واسباب واپس حاصل کر کے انہیں نجات دلائی۔

حضور ﷺ کی طرف سے جذامیوں کو گوشمالی...... اسکے بعد حضرت دحیہؓ مدینہ پہنچے اور آنحضرت ﷺ کو سارا واقعہ بتلایا آنحضرت ﷺ نے زید ابن حارثہ کو پانچ سو آدمیوں کیساتھ جذام کی طرف روانہ فرمایا اور حضرت دحیہ کلبیؓ کو بھی ان کیساتھ کیا۔

حضرت زید ابن حارثہ راتوں کو سفر کرتے تھے اور دن کو کمین گاہوں میں چھپ رہتے تھے۔ ان کے ساتھ بنی عذرہ کا ایک راہبر تھا۔ آخر زید نے وہاں پہنچ کر دشمن یعنی ہنید اس کے بیٹے اور ان کے ساتھیوں پر حملہ کر دیا۔

لٹیروں کا قتل اور مال غنیمت...... صحابہ نے ہنید' اس کے بیٹے اور ان دونوں کے ساتھیوں کو قتل کر ڈالا اور ان کے تمام مویشی چھین لئے جن میں ایک ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں تھیں نیز ایک سو آدمیوں کو قید کیا جن میں عورتیں اور بچے تھے۔

(قال) جب بنی خبیب نے حضرت زید ابن حارثہ کے اس حملے کے بارے میں سنا تو ان کے کچھ سوار زید ابن حارثہ کے پاس آئے اور ان میں سے ایک شخص نے ان سے کہا:

"ہم لوگ مسلمان ہیں"۔

اہل جذام کی حضور ﷺ سے فریاد...... حضرت زیدؓ نے کہا کہ اُمّ الکتاب یعنی سورۂ فاتحہ پڑھ کر سناؤ تو اس نے الحمد شریف پڑھی۔ پھر ان میں سے ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کی پاس حاضر ہوئی اور آنحضرت ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دی۔ ان میں سے ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

"یارسول اللہ! حلال چیزوں کو ہم پر حرام نہ فرمایئے اور حرام چیزوں کو حلال نہ فرمایئے۔!"

مال و قیدیوں کی رہائی کی تجویز...... آپ ﷺ نے پوچھا کہ مقتولوں کے متعلق میں کیا کروں؟ اس شخص نے عرض کیا:

"جو زندہ ہیں ان کو آزاد کر کے ہمارے حوالے فرمادیجئے لیکن جو لوگ قتل ہو چکے ہیں وہ میرے ان قدموں کے نیچے ہیں"۔
آپ ﷺ نے فرمایا۔ سچ کہا۔
پھر ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:
"زید ابن حارثہ کے لئے ہمارے ساتھ ایک آدمی بھیج دیئے۔!"

علیؓ کو زید کے پاس جانے کا حکم...... چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو ان کے ساتھ بھیج دیا تاکہ وہ زید کو حکم دیں کہ ان لوگوں کی حرم یعنی عورتوں وغیرہ کو اور ان کے مال و متاع کو چھوڑ دیں۔ اس پر حضرت علیؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:
یا رسول اللہ! زید میری اطاعت نہیں کریں گے (یعنی میرا حکم نہیں مانیں گے)!"

حضرت علیؓ کا کوچ...... آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میری یہ تلوار لے جاؤ۔ چنانچہ حضرت علیؓ وہ تلوار لے کر روانہ ہو گئے۔ راستے میں حضرت علیؓ کو ایک شخص ملا جسے حضرت زید نے قاصد بنا کر فتح کی خوشخبری کے ساتھ مدینہ کیلئے روانہ کیا تھا' یہ شخص بنی ضبیب سے حاصل شدہ مال غنیمت کی اونٹنیوں میں سے ایک پر سوار تھا۔
حضرت علیؓ نے اس شخص سے وہ اونٹنی لی کر اس جماعت کو واپس کر دی اور اس قاصد کو خود اپنی سواری پر پیچھے بٹھالیا۔
اس کے بعد حضرت علیؓ جذام پہنچ کر زید ابن حارثہ سے ملے اور ان کو رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچایا۔

زید کو نبی ﷺ کا پیغام...... یہ سن کر زید ابن حارثہ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ اس کا کیا ثبوت ہے؟ (کہ آپ کو آنحضرت ﷺ نے قاصد بنا کر اور یہ حکم دے کر بھیجا ہے) حضرت علی نے وہ تلوار نکالی اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی تلوار ثبوت ہے۔
حضرت زید تلوار کو دیکھتے ہی پہچان گئے اور پکار کر سب لوگوں کو جمع کیا اور ان سے کہا:
جس شخص کے پاس بھی اس مال غنیمت میں سے کوئی چیز ہو وہ اسے واپس لادے یہ آنحضرت ﷺ کی تلوار ہے (جو اس حکم کے ثبوت میں آئی ہے)۔"

مال و قیدی واپس...... تمام لوگوں نے اسی وقت وہ سارا مال و اسباب واپس لا دیا جو انہوں نے اس سریہ میں حاصل کیا تھا۔
مؤلف کہتے ہیں۔ اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زید اور ان کے سریہ نے جو کچھ مال غنیمت یعنی اونٹ' بکریاں اور قیدی حاصل کئے تھے وہ سب کے سب مسلمانوں کے ہی تھے جو جذام میں بنی ضبیب کے تھے۔ نیز یہ کہ ہنید اور اس کے بیٹے کے ساتھ جو لوگ قتل ہوئے تھے وہ بھی مسلمان تھے۔ مگر یہ تفصیل بعید از قیاس ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ واللہ اعلم

سریۂ حضرت ابو بکر صدیق بسوئے بنی فزارہ

جیسا کہ صحیح مسلم ہے یہ لوگ وادی قریٰ میں رہتے تھے۔ حضرت سلمہؓ ابن اکوع سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو بنی فزارہ کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا میں بھی ان کیساتھ اس سریہ میں شامل تھا۔ یہاں تک کہ جب ہم صبح کی نماز سے فارغ ہو گئے تو حضرت ابو بکرؓ کے حکم پر ہم حملے کے لئے بڑھے اور بنی فزارہ کے چشمہ پر پہنچ گئے۔

سلمہ اور بنی فزارہ کے قیدی...... یہاں صدیق اکبر نے یعنی انکے لشکر نے بہت سے لوگوں کو قتل کیا اسی وقت میں نے دشمن کی ایک جماعت دیکھی جس میں عورتیں اور بچے بھی تھے' مجھے خیال ہوا کہ کہیں یہ لوگ مجھ سے پہلے پہاڑ پر پہنچ کر میری دسترس سے باہر نہ نکل جائیں اسلئے میں نے تیزی سے بڑھ کر ان کو جالیا اور ایک تیر چھوڑا جو انکے اور پہاڑ کے درمیان میں سے گزرا۔

قیدیوں میں اُمّ فرقہ اور اس کی بیٹی!......ان لوگوں نے جیسے ہی تیر کو دیکھا وہ لوگ فوراً ٹھہر گئے۔ ان میں ایک عورت تھی جو اُمّ فرقہ کہلاتی تھی۔ یہ ایک معمولی اون کی پوستین اوڑھے ہوئے تھی اس عورت کے ساتھ اس کی بیٹی تھی جو شاید عرب کی حسین ترین لڑکی تھی۔

(جیسے ہی تیر دیکھ کر یہ لوگ رکے حضرت سلمہؓ نے ان کو قیدی بنالیا) سلمہ کہتے ہیں کہ پھر میں ان سب کو ہانکتا ہوا صدیق اکبر کے پاس لایا۔ حضرت ابو بکر نے اس عورت کی بیٹی مجھے عنایت فرمادی۔ میں نے وہاں اس لڑکی کے جسم کی جھلک بھی نہیں دیکھی بلکہ پہلے اس کو لے کر مدینہ آیا۔

یہاں رسول اللہ ﷺ سے میری ملاقات ہوئی تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

"سلمہ! وہ عورت مجھے ہبہ کردو۔ للہ ابوک!"

یہ کلمہ للہ ابوک عربوں کا ایک خاص محاورہ تھا جو مخاطب کی تعریف کیلئے یا پسندیدگی و تعجب ظاہر کرنے کیلئے بولا جاتا تھا اسکا مطلب یہ ہے کہ تمہارا باپ خالص خدا کے واسطے تھا کہ اس کی شرافت تم میں آئی اور اس نے تم جیسے شریف آدمی کو جنم دیا۔

اس سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس لڑکی کے حسن و جمال کا تذکرہ آچکا تھا میں نے آنحضرت ﷺ کی یہ بات سنتے ہی عرض کیا کہ یارسول اللہ وہ لڑکی میں نے آپ ﷺ کو دی۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس لڑکی کو مکہ بھیج کر اس کے بدلے ان مسلمان قیدیوں کو وہاں سے رہا کرالیا جو مشرکوں کے ہاتھوں میں گرفتار تھے۔ ایک قول ہے کہ اس لڑکی کے بدلے ایک مسلمان قیدی کو رہا کرالیا جو قریش کے قبضے میں تھا۔

کیا امیر سریہ زید تھے؟...... مگر کتاب اصل نے ذکر کیا ہے کہ اس سریہ کے امیر جس نے اُمّ قرفہ نامی عورت کو گرفتار کیا تھا حضرت ابو بکر صدیق تھے۔ مگر مسلم کی روایت اور خود کتاب اصل میں اس سے پہلے جو روایت ابن اسحاق اور ابن سعد سے بیان کی گئی ہے اس کے مطابق یہ سریہ جس نے اُمّ فرقہ کو گرفتار کیا حضرت زید ابن حارثہ کی سربراہی میں تھا۔ ان کا ٹکراؤ بنی فزارہ سے ہوا تھا جس میں چند صحابہ شہید ہوگئے اور حضرت زید مقتولین کے درمیان زخمی ہو کر گر گئے۔ بعد میں انہیں مقتولوں کے درمیان سے اٹھایا گیا ان میں اس وقت زندگی کی رمق باقی تھی۔ چنانچہ بعد میں جب وہ مدینہ آئے تو انہوں نے قسم کھائی کہ میں اس وقت تک جنابت یعنی ناپاکی کا غسل نہیں کروں گا جب تک کہ بنی فزارہ سے جنگ نہیں کرلوں گا۔

زید کے سریہ کو حادثہ......اس کے بعد جب ان کے زخموں کو آرام ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ نے زید کو بنی فزارہ کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا۔ حضرت زید اور ان کا دستہ راتوں کو سفر کرتا اور دن کو کہیں چھپ جاتا یہاں تک کہ چپکے چپکے یہ بنی فزارہ تک پہنچ گئے اور انہوں نے دشمن کو چاروں طرف سے گھیر لیا اس کے بعد انہوں نے تکبیر کہی اور ان پر جا پڑے۔

اُمّ فرقہ کا شہرہ......اس لڑائی میں حضرت زید نے اُمّ فرقہ کو گرفتار کیا جو اپنی قوم میں بہت باعزت عورت تھی۔ اس کے گھر میں پچاس تلواریں لٹکی رہتی تھی جو سب کے سب اس کے عزیزوں کیلئے تھیں۔ اس عورت کے بارہ لڑکے تھے اسی لئے عرب کے لوگ اس عورت کی عزت و عظمت کے متعلق مثال دیتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ کاش میں اُمّ فرقہ کے جیسا باعزت ہوتا۔

اُمّ فراقہ کی بدزبانیاں...... غرض ان سب عورتوں و بچوں کو حضرت زیدؓ نے گرفتار کرلیا اور پھر اُمّ فرقہ کو قتل کردینے کا حکم دیا کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں سخت گستاخیاں کیا کرتی تھی اور آپ ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی۔

اُمّ فرقہ کے حوصلے اور انجام...... ایک روایت میں آتا ہے کہ اس عورت نے اپنے بیٹوں اور پوتوں کو ملا کر تیس سوار

سپاہیوں کو دستہ بنالیا تھا اور پھر ان کو حکم دیا کہ مدینہ پر چڑھائی کرو اور محمد ﷺ کو قتل کر ڈالو۔ مگر بعض علماء نے اس روایت کو منکر بتلایا ہے۔

غرض حضرت زید نے اس عورت کی دونوں ٹانگوں میں دو رسّیاں بندھوائیں اور ان رسّیوں کے دوسرے دونوں سرے دو اونٹوں کے ساتھ باندھ کر ان اونٹوں کو مخالف سمتوں میں ہنکادیا۔ ایک قول ہے کہ رسّی کے دوسرے سرے دو گھوڑوں کے ساتھ باندھے گئے تھے جس کے نتیجہ اُمّ فرقہ کا جسم پھٹ کر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔

اُمّ فرقہ اور اس کی بے خیر اولاد...... اُمّ فرقہ کا بیٹا فرقہ تھا جس کے نام پر اس عورت کا یہ لقب مشہور ہوا۔ اس شخص فرقہ کو رسول اللہ ﷺ نے قتل فرمایا تھا اور اُمّ فرقہ کی باقی اولاد حضرت ابو بکر صدیق کی خلافت کے زمانے میں مرتدین کے ساتھ قتل ہوئی (یعنی صدیق اکبر کے زمانے میں جو فتنہ ارتداد پھیلا اور لوگ اسلام سے پھرنے لگے تو ان میں اُمّ فرقہ کی اولاد بھی تھی۔ ان سب مرتدین کے خلاف حضرت ابو بکر صدیق نے لشکر کشی کی تھی اور مرتدین کو قتل کرایا تھا۔ ان قتل ہونے والے مرتدین میں اُمّ فرقہ کی باقی اولاد بھی تھی جو مرتد ہونے کی حالت میں قتل ہوئے) لہٰذا نہ اُمّ فرقہ میں کوئی خیر تھی اور نہ اس کی اولاد میں خیر تھی۔

اُمّ فرقہ کی حسین بیٹی...... غرض پھر یہ حضرات اُمّ فرقہ کو قتل کرنے کے بعد اس کی بیٹی کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے یہاں رسول اللہ ﷺ کے سامنے اُمّ فرقہ کی بیٹی کے حسن و جمال کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے ابن اکوع سے فرمایا:

"سلمہ! تم نے کیسی لڑکی گرفتار کی ہے؟"

آنحضرت ﷺ کی طرف سے طلب گاری......انہوں نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! وہ ایسی لڑکی ہے جس کے بدلے میں میں اپنے خاندان کی ایک عورت رہا کرانا چاہتا ہوں جو بنی فزارہ میں ہے"۔

اس جواب پر آنحضرت ﷺ نے پھر دو یا تین مرتبہ اپنی بات دہرائی۔

لڑکی کے بدلے مسلمانوں کی رہائی...... آخر سلمہ سمجھ گئے کہ رسول اللہ ﷺ اس لڑکی کو خود لینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ سلمہ نے وہ لڑکی حضور ﷺ کو ہبہ کر دی اور آنحضرت ﷺ نے اس کو اپنے ماموں حزن ابن ابو وہب ابن عمرو ابن عائذ کے لئے مکہ بھیج دیا۔ اس لڑکی سے حزن کے یہاں ابن حزن پیدا ہوئے۔

حزن کو آپ کا ماموں اس لئے کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے والد کی ماں فاطمہ ہی عائذ کی بیٹی تھیں جیسا کہ بیان ہوا اور عائذ، حزن کا دادا تھا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ فاطمہ جو تھیں وہ عمرو ابن عائذ کی بیٹی تھیں۔

گزشتہ روایت میں بیان ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس قیدی لڑکی کے بدلے ایک مسلمان قیدی کو چھڑایا تھا جب کہ اس دوسری روایت میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ علامہ سہیلی کہتے ہیں کہ اس لڑکی کے بدلے میں مکہ سے ایک مسلمان قیدی رہا کرانے کی جو روایت بیان ہوئی ہے وہ زیادہ درست اور صحیح ہے بہ نسبت اس دوسری روایت کے کہ آپ ﷺ نے اس لڑکی کو اپنے ماموں حزن کو ہبہ کر دیا تھا۔

علامہ شمس شامی نے ان دونوں روایتوں کو جمع کیا ہے اور کہا کہ ممکن ہے یہ دو علیٰحدہ علیحدہ سریہ رہے ہوں اور دونوں سریوں میں حضرت سلمہ ابن اکوع شریک رہے ہوں ایک میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ اور دوسرے میں حضرت زید

ابن حارثہؓ کے ساتھ۔

اس بات کی تائید اس قول سے ہوتی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ والے سریہ میں آنحضرت ﷺ نے اُمّ فرقہ کی بیٹی کو مکہ بھیجا تھا اور اس کے بدلہ میں مکہ سے وہ مسلمان قیدی رہا کرالئے تھے جو مشرکوں کے ہاتھوں گرفتار تھے۔

اور حضرت زید والے سریہ میں (جب یہ لڑکی سلمہ کے ہاتھوں گرفتار ہوگئی تو) آپ ﷺ نے اس کو مکہ میں اپنے ماموں حزن کو ہبہ فرمادیا۔ پھر علامہ شامی کہتے ہیں کہ میں نے اس موافقت کے سلسلے میں کوئی اعتراض نہیں پایا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: اس جمع اور موافقت میں شبہ ہے کیونکہ اس تفصیل کے مطابق اُمّ فرقہ دو عورتیں تھیں اور دونوں کی ایک ایک خوبصورت بیٹی تھی اور یہ دونوں کو حضرت سلمہ نے گرفتار کیا اور دونوں کو سلمہ سے آنحضرت ﷺ نے لے لیا۔ ظاہر ہے اتنے زیادہ اتفاقات کا پیش آنا ممکن نہیں معلوم ہوتا۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اُمّ فرقہ دو عوتیں نہیں تھیں (بلکہ ایک ہی عورت تھی جس کی بیٹی حضرت ابن زید حارثہ والے سریہ میں سلمہ کے ہاتھوں گرفتار ہوئی اور) حضرت ابو بکر والے سریہ میں سلمہ نے جس عورت کو گرفتار کیا اس کا نام اُمّ فرقہ بتلانا راوی کی غلط فہمی ہے۔

اس خیال کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ بعض دوسرے علماء نے (حضرت ابو بکر والے سریہ میں) ایک عورت کا ذکر کیا ہے مگر اس کا نام اُمّ فرقہ یا کچھ اور نہیں بیان کیا بلکہ صرف اس قدر بیان کیا ہے کہ ان قیدیوں میں بنی فزارہ کی ایک عورت تھی جس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی تھی جو عرب کی حسین ترین لڑکیوں میں سے ایک تھی۔ حضرت ابو بکر نے وہ لڑکی مجھے بخش دی پھر ہم اس کو لے کر مدینہ آگئے۔ ابھی میں نے اس لڑکی کا پلہ بھی نہیں چھوا تھا یعنی اس کے ساتھ ہمبستری نہیں کی تھی کہ مجھے بازار میں دو دن تک رسول اللہ ﷺ ملے اور دونوں مرتبہ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ سلمہ! وہ لڑکی مجھے ہبہ کردو۔ دونوں مرتبہ میں نے عرض کیا کہ وہ آپ کی ہوگئی۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو مکہ بھیج دیا اور اس کے بدلے وہاں سے کچھ مسلمان قیدی رہا کرالئے۔

اُمّ فرقہ زید کے سریہ میں تھی...... ادھر واضح رہے کہ کتاب اصل یعنی عیون الاثر نے ابن اسحاق اور ابن سعد سے یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید ابن حارثہ کو وادی قری کی طرف بھیجا یعنی بنی فزارہ سے جنگ کے لئے روانہ کیا تھا۔ وہاں ان کا دشمن سے سامنا ہوا تو زید کے بہت سے ساتھی بنی فزارہ کے ہاتھوں قتل ہوگئے اور خود حضرت زید صرف اس لئے بچ گئے کہ وہ بہت زخمی ہو کر مقتولین کے درمیان گر گئے تھے۔

یہ بات اس قول کے خلاف ہے جو ابن سعد سے نقل کیا جاتا ہے اور جس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ اس جماعت میں حضرت زید غازی کی حیثیت سے لڑنے کے لئے نہیں گئے تھے بلکہ تاجر کی حیثیت سے گئے تھے اور یہ کہ ان کو بنی فزارہ کی طرف سے نہیں بھیجا گیا تھا بلکہ بنی فزارہ کے پاس سے ان کا گزر ہوا تو وہ لوگ حضرت زید پر حملہ آور ہوگئے۔

زید کے کاروان تجارت پر حملہ...... ابن سعد نے س روایت کو یوں بیان کیا ہے کہ حضرت زید ابن حارثہؓ تجارت کے لئے ملک شام کی طرف گئے۔ ان کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے صحابہ کا تجارتی سامان بھی تھا جب وہ وادی قری کے قریب پہنچے تو ان کا سامنا بنی فزارہ کے کچھ لوگوں سے ہوگیا بنی فزارہ نے زید اور ان کے ساتھیوں پر حملہ کردیا انہوں نے زید پر بھی وار کئے اور ان کے ساتھیوں پر بھی (جس کے نتیجہ میں حضرت زید کے ساتھی شہید ہوگئے اور خود حضرت زید زخمی ہو کر مقتولوں میں گر گئے)۔

فزارہ سے انتقام کیلئے زید کی قسم...... بنی فزارہ نے یہ سمجھا کہ زید سمیت سب لوگ ختم ہوگئے ہیں اس لئے وہ ان کا تمام مال و

دولت اور سامان تجارت لوٹ کر لے گئے۔ اس کے بعد اس کاروان تجارت کے بچے کچھے لوگ واپس مدینہ پہنچے جہاں حضرت زید نے قسم کھائی کہ میں اس وقت تک ناپاکی کا غسل نہیں کروں گا جب تک کہ بنی فزارہ سے جنگ نہیں کرلوں گا۔

چنانچہ جب انکے زخم ٹھیک ہوگئے تو آنحضرت ﷺ نے انکو بنی فزارہ کے خلاف سریہ میں بھیجا اور چلنے کے وقت ان سے فرمایا کہ دن کے وقت میں کہیں چھپا رہا کرنا اور راتوں کو سفر کیا کرنا یہ لوگ روانہ ہوگئے ان کیساتھ بنی فزارہ کا ایک راہبر تھا۔

فزارہ کو انتقام کا دھڑکا...... ادھر اس حرکت کے بعد سے بنی فزارہ کو مسلمانوں کی طرف سے انتقام کا خوف لگا رہتا تھا اسلیئے وہ لوگ اپنے ایک آدمی کو روزانہ صبح ہی نگراں کے طور پر پہاڑ کے اوپر بھیج دیتے تھے وہ شخص پہاڑوں پر سے دن بھر اس راستے کی نگرانی کیا کرتا تھا جس پر سے مسلمانوں کے آنے کا احتمال تھا وہ وہاں سے ایک دن کی مسافت تک دیکھتا اور پھر آکر لوگوں سے کہتا:

"جاؤ آرام کرو۔ کوئی خطرہ کی بات نہیں ہے۔!"

پھر شام ہوتی تو یہی نگراں دوبارہ اس پہاڑ پر چڑھتا اور رات بھر کی مسافت کے فاصلے تک دیکھتا پھر آکر لوگوں سے کہتا:

"جاکر سو جاؤ کیونکہ آج رات تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔!"

زید کا اچانک حملہ...... یہاں تک کہ جب زیدؓ ابن حارثہ اور ان کے ساتھی وادی قریٰ سے ایک رات کے فاصلے پر رہ گئے تو ان کا فزاری راہبر راستہ بھول گیا اور انہیں ایک دوسرے راستے پر لے گیا یہاں تک کہ شام ہوگئی اور وہ لوگ یونہی بھٹکتے رہے، اچانک اس وقت انہوں نے بنی فزارہ کے لوگوں کو دیکھ لیا جن کے قریب پہنچ چکے تھے اس وقت انہوں نے اپنے راستہ بھٹکنے پر شکر ادا کیا اور رات کی تاریکی میں بنی فزارہ کے لئے گھات لگا کر بیٹھ گئے۔

صبح ہوئی تو صحابہ نے بنی فزارہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور اس کے بعد حضرت زیدؓ اور ان کے ساتھیوں نے بلند آواز سے تکبیر کہی (اور دشمن پر ٹوٹ پڑے) جس کے بعد کی تفصیلی پچھلی سطروں میں گزر چکی ہے۔

کامیابی پر حضور کی خوشی...... اس کے بعد حضرت زید ابن حارثہ واپس مدینہ پہنچے تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور دروازہ پر دستک دی، آنحضرت ﷺ جسم مبارک پر چادر لپیٹے بغیر اسے کھینچتے ہوئے فوراً باہر تشریف لائے اور زید کو گلے لگایا، پیشانی کو بوسہ دیا اور حالات دریافت فرمائے۔ حضرت زید نے آنحضرت ﷺ کو سب حالات بتلائے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو کامیاب و کامران فرمایا۔

اس تفصیل کے بعد کتاب اصل میں جو قول ہے اور جو ابن سعد سے روایت ہے اس پر اشکال پیدا ہوتا ہے وہ قول یہ ہے کہ زید ابن حارثہ کے وادی قریٰ کی طرف دو سریہ ہیں ایک رجب کے مہینہ میں اور دوسرا رمضان کے مہینہ میں۔ کیونکہ اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ زید کو ان دونوں مرتبہ میں غازی کی حیثیت سے بھیجا گیا اور وہ وادی قریٰ کی طرف بنی فزارہ کے پاس سے گزرے تو ان لوگوں نے ان پر اور ان کے ساتھیوں پر حملہ کر کے انہیں قتل و زخمی کیا اور مسلمانوں کا تمام مال و اسباب چھین لیا تھا۔

پھر میں نے کتاب اصل دیکھی جس میں انہوں نے اپنے شیخ حافظ دمیاطی کی پیروی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ رجب کی مہینے میں زید ابن حارثہ کا جو سریہ وادی قریٰ کی طرف ہوا اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سریہ میں زید ابن حارثہ کو امیر بنا کر بھیجا تھا۔ پھر صاحب اصل لکھتے ہیں۔ سریہ زید ابن حارثہ سوئے اُمّ فرقہ جو رمضان کے مہینے میں وادی قریٰ کی جانب بھیجا گیا مگر اس تفصیل میں جو اشکال ہے وہ ظاہر ہے۔

سریہ عبدالرحمٰن ابن عوف بسوئے دومتہ الجندل

ابن عوف کا اعزاز اور کوچ کا حکم...... یہ سریہ دومتہ الجندل میں بنی کلب کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا تھا۔ اس سریہ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن عوف کو روانہ فرمایا تھا۔ روانگی سے پہلے آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنے سامنے بٹھایا اور خود اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر عمامہ باندھا آنحضرت ﷺ نے ان سے پہلے حضرت عبدالرحمٰن کو بلا کر فرمایا:

"تم تیاری کرو کیونکہ میں تمہیں آج ہی یا کل انشاء اللہ تعالیٰ ایک سریہ میں بھیج رہا ہوں۔!"

مدینہ کے باہر پڑاؤ...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت ابن عوف کو حکم فرمایا کہ رات کے وقت دومتہ الجندل کی طرف کوچ کریں' ان کیساتھ آپ ﷺ نے سات سو آدمیوں کا دستہ کیا۔ چنانچہ ان صحابہ نے مدینہ سے باہر جا کر کوچ کے لئے پڑاؤ ڈالا۔

ابن عوفؓ کی تمنا...... صبح اندھیرے منہ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"یارسول اللہ! میری تمنا ہے کہ (کوچ سے پہلے) میرا آخری وقت آپ کے ساتھ ہو"۔

دست مبارک سے عمامہ...... اس وقت حضرت ابن عوف کے سر پر موٹے کپڑے کا ایک عمامہ تھا جسے انہوں نے لپیٹ رکھا تھا' آنحضرت ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ان کا عمامہ کھولا اور پھر ایک سیاہ رنگ کا عمامہ خود ان کے سر پر باندھا آپ ﷺ نے تقریباً چار انگشت کے برابر عمامہ کا شملہ دونوں مونڈھوں کے درمیان ابن عوف کی کمر پہ چھوڑا اور پھر فرمایا:

"اے ابن عوف! اس طرح عمامہ باندھا کرو کیونکہ یہ زیادہ اچھا اور خوشنما لگتا ہے"۔

جنگی ہدایات...... اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ ابن عوف کو پرچم دیں چنانچہ حضرت بلالؓ نے انہیں پرچم پیش کیا' اس کے بعد رسول اللہ ﷺ خطبہ کیلئے کھڑے ہوئے پہلے آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی پھر اپنے آپ پر درود پڑھا اور اس کے بعد فرمایا:

"ابن عوف یہ سنبھالو۔ پھر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے نام پر اور اللہ کے راستے میں جہاد کے لئے کوچ کرو اور ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے ہیں لیکن خیانت اور غداری یعنی وعدہ خلافی مت کرنا۔ بچوں کو قتل مت کرنا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ نہ خیانتیں کرنا اور نہ غداریاں کرنا' زیادتیاں نہ کرنا اور کسی کے ناک کان نہ کاٹنا اور کمسن بچوں پر ہاتھ نہ اٹھانا یہ اللہ کا عہد ہے اور تمہارے نبی کی سنت ہے"۔

شہزادی سے نکاح کا حکم...... اس کے بعد آپ نے پھر فرمایا:

"جب وہ لوگ تمہاری دعوت و تبلیغ کو قبول کرلیں تو ان کے بادشاہ کی بیٹی سے شادی کر لینا"۔

ابن عوفؓ کی مشرکوں کو تبلیغ...... حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن عوف روانہ ہوگئے یہاں تک کہ دومتہ الجندل پہنچ گئے۔ ابن عوف تین روز تک ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہے اور وہ لوگ اس دعوت کو ٹھکراتے رہے۔ وہ ان کی تبلیغ کے جواب میں کہتے کہ ہم تلوار کے سوا کوئی جواب نہیں دیں گے۔

سردار بنی کلب کا اسلام...... لیکن تیسرے دن ان کا سردار اور بادشاہ اصبغ ابن عمرو کلبی مسلمان ہوگیا جو عیسائی تھا۔ کتاب نور میں ہے کہ اس شخص ابن عمرو کلبی کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ بظاہر مطلب یہ ہے کہ یہ شخص آنحضرت ﷺ کے پاس

حاضر نہیں ہوا۔ لہٰذا یہ صحابی نہیں بلکہ تابعی ہے۔
اصبغ کے ساتھ اسی قسم کے بہت سے دوسرے لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔ جو لوگ مسلمان نہیں ہوئے بلکہ اپنے کفر پر باقی رہے ان سے جزیہ کی ادائیگی پر معاہدہ کیا گیا۔ اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف نے ایک قاصد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں روانہ کیا جس کے ذریعہ اس کامیابی کی اطلاع دی اور یہ کہ وہ ان لوگوں میں اپنی شادی کا ارادہ کر رہے ہیں۔
سردار زادی سے نکاح...... آنحضرت ﷺ نے ان کے پاس کہلایا کہ وہ اصبغ ابن عمرو کلبی کی بیٹی کے ساتھ شادی کریں۔ چنانچہ ابن عوف نے عمرو کی بیٹی کے ساتھ نکاح کیا اور وہیں اس کے ساتھ خلوت کی پھر وہ اپنی بیوی کو مدینہ لے آئے جن کے پیٹ سے ان کے یہاں سلمہ ابن عبدالرحمٰن ابن عوف پیدا ہوئے۔ بنی کلب کی یہی پہلی خاتون ہیں جن سے ایک قریشی نے نکاح کیا ان کے یہاں سلمہ کے علاوہ اور کوئی بچہ نہیں ہوا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن عوف نے ان کو اپنے مرض موت میں تین طلاقیں دے دی تھیں اور ایک سیاہ فام باندی ان کو دے دی تھی۔ اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کا انتقال ہو گیا جب کہ یہ ابھی عدت ہی گزار رہی تھیں۔ ایک قول ہے کہ ان کی عدت پوری ہو چکی تھی۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے ان کو وارث بنا دیا تھا۔
افضل ترین مومن...... عبداللہ ابن عمرؓ ابن خطاب سے روایت ہے کہ میں حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کیلئے رسول اللہ ﷺ کی وصیت و ہدایت سننے کیلئے گیا اسی وقت وہاں ایک انصاری نوجوان پہنچا۔ وہ آنحضرت ﷺ کو سلام کرنے کے بعد بیٹھ گیا اور کہنے لگا:
"یا رسول اللہ! کون سا مومن سب سے زیادہ افضل ہے؟"
آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "جو اخلاق کے لحاظ سے سب سے اچھا ہو۔!"
دانشمند ترین مومن...... پھر اس نوجوان نے پوچھا:
"کون سا مومن سب سے زیادہ دانشمند ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا:
"جو سب سے زیادہ موت کو یاد رکھنے والا ہو اور موت آنے سے پہلے سب سے زیادہ اس کی تیاری کرنے والا ہو۔ ایسے ہی لوگ دانشمند اور سمجھدار ہوتے ہیں۔!"
پانچ خطرناک خصلتیں...... اس کے بعد وہ نوجوان خاموش ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ حاضرین مجلس کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ ﷺ نے فرمایا:
"اے گروہ مہاجرین! پانچ عادتیں بے حد خطرناک ہیں اور میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ وہ تم میں پیدا ہوں۔ اول یہ کہ جب کسی قوم میں بے حیائی اس درجہ بڑھ جائے کہ لوگ کھلّم کھلا اسے کرنے لگیں تو اس قوم میں طاعون اور فاقہ کشی پھیلتی ہے جو ان سے پچھلوں کے زمانے میں نہیں تھی۔ دوسرے جب کوئی قوم ناپ تول میں کمی کرنے لگتی ہے تو اللہ تعالیٰ قحط سالی سوکھے اور دوسری مصیبتوں میں مبتلا فرما دیتا ہے اور ان پر ظالم بادشاہ مسلط فرما دیتا ہے کہ شاید انہیں ہوش آجائے۔ تیسرے جب لوگ زکوٰۃ ادا کرنا چھوڑ دیتے ہیں تو ان پر بارش بند کر دی جاتی ہے اگر جانور نہ ہوتے تو انہیں ایک قطرہ پانی بھی نہ ملتا۔ چوتھے جو قوم اللہ اور اس کے رسول کا عہد توڑتی ہے تو اللہ تعالیٰ غیر قوم کے دشمن ان پر مسلط فرما دیتا ہے جو ان سے سب کچھ چھین لیتے ہیں اور پانچویں جو قوم کتاب اللہ کے خلاف فیصلے کرنے لگتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی درمیان پھوٹ پیدا کر دیتا ہے"۔
ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ:
"اللہ تعالیٰ ان میں گروہ بندیاں پیدا فرما دیتا ہے اور وہ آپس میں قتل و غارت کرنے لگتے ہیں"۔

سریۂ زید ابن حارثہ بسوئے مدین

مدین کے قیدیوں کی فروختگی...... مدین حضرت شعیبؑ کے گاؤں کا نام ہے اور تبوک کی طرف ہے حضرت زیدؓ نے اس سریہ میں مدین کے بہت لوگوں کو پکڑ کر قیدی بنایا اور پھر مدینہ میں جب انہیں فروخت کیا تو اس فروختگی کے نتیجہ میں مائیں اور بیٹے علیحدہ علیحدہ ہو گئے کہ مائیں کسی کے ہاتھ فروخت ہوئیں اور بچے کسی کے ہاتھ۔

قیدی ماؤں اور بچوں میں جدائی...... ایک روز رسول اللہ ﷺ کہیں جانے کے لئے نکلے تو آپ نے ﷺ ان لوگوں کو روتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے پوچھا کہ ان لوگوں کو کیا ہوا؟

کسی نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! یہ لوگ اور ان کی عورتوں میں مائیں اور ان کے بچے ایک دوسرے سے بچھڑ گئے ہیں۔!"

ماؤں و بچوں پر شفقت...... آپ ﷺ نے فرمایا:

"ان لوگوں کو علیحدہ علیحدہ مت فروخت کرو بلکہ اکٹھے ہی فروخت کرو"۔

کتاب اصل میں ہے کہ اس سریہ میں حضرت زیدؓ کے ساتھ حضرت علی بن ابی طالب کے غلام ضمیرہ بھی تھے اسی طرح ان کے بھائی اور ان کے ایک اور بھائی بھی ساتھ تھے۔

سریۂ حضرت علیؓ بہ سوئے فدک

محل وقوع...... فدک ایک گاؤں کا نام ہے جو مدینہ سے چھ رات کی مسافت پر ہے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ مدینہ سے تین مرحلوں پر ہے۔ یہ گاؤں اب اجڑا ہوا خرابہ ہے صحاح میں یہ ہے کہ فدک خیبر کا ایک گاؤں ہے۔

یہود سے ساز باز...... اس سریہ کا سبب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو فدک کے قبیلہ بنی سعد کے بارے میں معلوم ہوا کہ ان کے پاس لڑنے والوں کا جتھا ہے جس سے بنی سعد کے لوگ خیبر کے یہودیوں کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے بدلے میں خیبر کی کھجوروں کی فصل بنی سعد کو مل جائے گی یعنی جتنی بھی بہار ہو گی (وہ بنی سعد کو ملے گی)۔

سرکوبی کیلئے مہم...... اس اطلاع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو سو آدمیوں کیساتھ بنی سعد کی سرکوبی کیلئے روانہ فرمایا۔ حضرت علیؓ راتوں کو سفر کرتے تھے اور دن کو کہیں چھپ رہتے تھے۔ یہاں تک کہ چلتے چلتے خیبر اور فدک کے درمیان ایک جگہ پہنچ گئے۔

دشمن جاسوس کی گرفتاری...... یہاں انہیں ایک شخص ملا جس سے مسلمانوں نے بنی سعد کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے کہا مجھے کچھ پتہ نہیں۔ صحابہ نے اس پر سختی کی تو آخر اس نے اقرار کیا کہ وہ بنی سعد کا جاسوس ہے۔ پھر اس نے کہا کہ اگر تم لوگ مجھے امان دو تو میں تمہیں ان کے متعلق خبریں دوں گا۔ مسلمانوں نے اس کو امان دے دیا۔

حملہ اور مال غنیمت...... اس کے بعد اس شخص نے بنی سعد کی نشاندہی کی جس پر صحابہ نے دشمن پر حملہ کر دیا اور پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں اپنے قبضے میں کر لیں خود بنی سعد وہاں سے تیزی کے ساتھ بھاگ گئے تھے۔

حضرت علیؓ نے رسول اللہ ﷺ کے لئے صفی کا مال علیحدہ کیا جو حاملہ اونٹنیاں تھیں۔ یہاں ایسی اونٹنیوں کیلئے لقوح اور حلوب کا لفظ استعمال کیا ہے' مراد ہے وہ حاملہ اونٹنی جو بیانے کے قریب ہو اسکو حذدہ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بہت تیز چلتی ہے۔

تقسیم غنیمت..... غرض اس کے بعد حضرت علی نے اس مال میں سے پانچواں حصہ علیحدہ کیا اور باقی مال کو اپنے ساتھیوں پر تقسیم کر دیا (اس موقعہ پر اس کے علاوہ دوسرے موقعوں پر آنحضرت ﷺ کے لئے جو صفی کا مال نکالا گیا اس کی تفصیل گذشتہ (ابواب میں گذر چکی ہے)۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: گذشتہ سطروں میں بنی سعد کے متعلق جو یہ قول گزرا ہے کہ وہ خیبر کے یہودیوں کی مدد کرنا چاہتے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بظاہر یہ بات اس وقت کی ہے جب آنحضرت ﷺ نے خیبر کا محاصرہ کر رکھا تھا یا جب آنحضرت ﷺ نے اس محاصرہ کا ارادہ فرمایا تھا مگر گذشتہ تفصیلات کے مطابق اس بارے میں جو اشکال ہے وہ ظاہر ہے۔ واللہ اعلم

سریہ عبداللہؓ ابن رواحہ بسوئے اُسَیر

اُسَیر یہود کی سرداری پر..... اس شخص کو اسیر ابن رزام یہودی کہا جاتا تھا جو خیبر میں رہتا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے خیبر کے یہودیوں کے سردار ابو رافع سلام ابن ابوالحقیق کو مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کرا دیا جیسا اس کی تفصیل گزر چکی ہے تو یہودیوں نے اسیر ابن رزام کو اپنا امیر اور سردار بنالیا۔

حضور ﷺ کے خلاف ارادے..... جب یہودیوں نے اس شخص کو اپنا امیر بنایا تو اس نے یہود سے کہا:

"میں محمد ﷺ کے ساتھ ایسی چال چلوں گا جو میرے ساتھیوں میں سے کوئی نہ چل سکا"۔

لوگوں نے پوچھا تم کیا کرنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا:

"میں قبیلہ غطفان میں جاؤں گا اور انہیں محمد ﷺ کے خلاف جنگ کے لئے تیار کروں گا"۔

بنی غطفان کو اشتعال انگیزی..... لوگوں نے کہا ہاں تمہاری رائے ٹھیک ہے۔

یہ واقعہ خیبر کی فتح سے پہلے کا ہے۔ غرض اس کے بعد اسیر قبیلہ غطفان وغیرہ میں گیا اور انہیں رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے پر اکسانے لگا۔

حضور ﷺ کی طرف سے تحقیق حال..... آنحضرت ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن رواحہ کو تین آدمیوں کے ساتھ خفیہ طور پر بھیجا تاکہ وہ اسیر اور اس کے ارادوں کے بارے میں پتہ لگائیں۔ حضرت عبداللہ نے وہاں پہنچ کر یہ معلومات حاصل کیں اور واپس آ کر آنحضرت ﷺ کو خبر دی۔

اسیر سے گفت و شنید..... رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو اس سلسلے میں ابھارا تو تیس آدمیوں نے اپنی خدمات پیش کیں آپ ﷺ نے ان لوگوں پر حضرت عبداللہ ابن رواحہ کو امیر بنایا۔ ایک قول ہے کہ عبداللہ ابن عتیک کو امیر بنایا۔

باہم وعدۂ امان..... یہ صحابہ یہاں سے روانہ ہو کر اسیر کے پاس پہنچے اور اس سے کہنے لگے:

"کیا ہمیں جان کی امان دی جاسکتی ہے تاکہ ہم جس مقصد کے لئے آئے ہیں وہ پیش کر سکیں؟"۔

اس نے کہا:

"ہاں! اور میرے لئے بھی تمہاری طرف سے یہی وعدۂ امان ملنا چاہئے"۔

اسیر کو نبی کی پیشکش...... صحابہ نے کہا "ہاں"۔

اس کے بعد صحابہ نے اس سے کہا:

"ہمیں رسول اللہ ﷺ نے تمہارے پاس بھیجا ہے کہ تم آنحضرت ﷺ کے پاس چلو تاکہ رسول اللہ ﷺ تمہیں خیبر کا امیر بنادیں اور تمہارے ساتھ خیر خواہی فرمائیں۔"

حضور ﷺ سے ملنے کی تجویز...... اسیر کو اس معاملے میں خود بھی لالچ پیدا ہوا اگرچہ اس نے یہودیوں سے مشورہ کیا اور انہوں نے اسیر کو مشورہ دیا تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے پاس ہرگز نہ جائے۔ انہوں نے کہا تھا:

"محمد ﷺ کبھی بھی بنی اسرائیل میں سے کسی شخص کو قائم مقام نہیں بناسکتے"۔

اس نے کہا ہاں لیکن وہ جنگ سے اکتا گئے ہیں۔

کتاب نور میں اس بارے میں لکھا ہے کہ اس واقعہ کو فتح خیبر سے پہلے کا واقعہ کہنا مناسب نہیں ہے اس لئے کہ اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ خیبر کی فتح کے بعد کا ہے (کیونکہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے کسی کو خیبر پر قائم مقام یا امیر بنانے کا مطلب ہے کہ خیبر مسلمانوں کے قبضے میں آچکا تھا)۔

یہود کی مخالفت اور اسیر کی رضامندی...... مؤلف کہتے ہیں: مگر ممکن ہے خیبر پر قائم مقام یا امیر بنانے سے مراد مصالحت اور جنگ بندی ہو اسی وجہ سے اسیر نے جواب دیا تھا کہ آنحضرت ﷺ جنگ سے اکتا گئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

یہود اور مسلمان مدینہ کو...... غرض اس کے بعد اسیر اپنے تیس آدمیوں کے ساتھ مسلمانوں کے ہمراہ ہو گیا ہر سواری پر ایک یہودی کے ساتھ ایک مسلمان بیٹھا حضرت عبداللہؓ ابن انیس کہتے ہیں کہ میں اسیر کی سواری پر اس کا ساتھی تھا اور اب اسیر کو ہمارے ساتھ اپنی روانگی پر ندامت ہو رہی تھی (کیونکہ یہ فیصلہ اس نے یہود کے مشورہ کے خلاف کیا تھا)۔

راہ میں اسیر کی غداری...... چنانچہ اسیر نے اچانک میری تلوار پر ہاتھ ڈالا میں فوراً اس کا ارادہ بھانپ گیا اور میں نے تین دفعہ پکار کر یہ لفظ کہے۔ "خدا کے دشمن نے غداری کی۔ خدا کے دشمن نے غداری کی۔ خدا کے دشمن نے غداری کی۔"

دغابازی کی سزا...... اس کے ساتھ ہی میں نے اسیر پر اپنی تلوار سے حملہ کیا جس سے اس کی ران جڑ سے کٹ گئی اور وہ نیچے گر گیا۔ اس وقت اس کے ہاتھ میں ایک ہتھیار تھا جو اس نے میرے سر پر مارا اور میرے سر میں زخم آ گیا۔

یہودی وفد کا قتل...... ادھر اسی وقت ہم مسلمانوں نے ان لوگوں پر حملہ کر دیا اور تمام یہودیوں کو مار ڈالا اور صرف ایک شخص جان بچا کر بھاگ گیا جس کو ہم پکڑ نہیں سکے (یعنی تیس میں سے انتیس یہودی مارے گئے)۔

ظالموں سے نجات...... اس کے بعد ہم لوگ مدینہ واپس آئے اور رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دی' آپ ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے تمہیں ظالم قوم سے نجات عطا فرمائی ہے"۔

عبداللہؓ کو نبی کا تحفہ...... پھر آپ نے میرے زخم میں اپنا لعاب دہن ڈالا جسکے بعد وہ ٹھیک ہو گیا اور میری تکلیف رفع ہو گئی۔

ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے عصائیں سے ایک ٹکڑا کاٹ کر مجھے عنایت کیا اور فرمایا:

"اسے ہمیشہ اپنے پاس رکھو کیونکہ یہ ٹکڑا قیامت کے دن میرے اور تمہارے درمیان علامت ہو گا جس سے میں تمہیں پہچانوں گا کیونکہ تم قیامت کے دن عصائے کے سہارے آؤ گے"۔

چنانچہ عبداللہ کے انتقال کے بعد جب انہیں دفن کیا گیا تو وہ ٹکڑا کفن کے نیچے ان کے جسم پر رکھ دیا گیا تھا۔

مؤلف کہتے ہیں۔ عبد اللہ کے ایسے ہی ایک واقعہ کی نظیر پہلے بھی گزر چکی ہے جب کہ آنحضرت ﷺ ان کو سفیان ابن خالد ہذلی کے قتل کے لئے بھیجا تھا اور وہ اس کا سر لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تھے۔ لہٰذا یہ بات ممکن ہے کہ یہ اضافہ کسی راوی کے مغالطہ کی وجہ سے ہو گیا ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان کے ساتھ یہ واقعہ ایک سے زائد مرتبہ پیش آیا ہو۔ یعنی آنحضرت ﷺ نے کو اپنا عصا پہلے سفیان ابن خالد ہذلی کے واقعہ پر عطا فرمایا ہو اور پھر دوسرا عصا دوبارہ اس سریہ کے موقعہ پر عنایت فرمایا ہو اور انکے دفن کے وقت وہ دونوں عصا ان کے جسم اور کفن کے درمیان میں رکھے گئے ہوں۔

اگرچہ اس احتمال میں کوئی اشکال نہیں ہے مگر ظاہر بات ہیکہ اس صورت میں ذہن یہ سوال ہوتا ہے کہ عبد اللہ کو دو مرتبہ عصا عنایت فرمانے میں کیا حکمت تھی اور باقی صحابہ کے مقابلہ میں ان ہی کیساتھ یہ خصوصیت اور اعزاز کیوں برتا گیا۔ واللہ اعلم

سریہ عمرو ابن امیہ ضمری و سلمہ ابن اسلم ابن حریس

انصار میں جتنے لوگ بھی حریس نام کے تھے وہ سب سین مہملہ کے ساتھ حریس تھے سوائے ایک شخص حریش کے جن کا نام سین معجمہ (یعنی نقطوں والے) کے ساتھ تھا۔

ابو سفیان کا ناپاک ارادہ...... ایک قول میں ان کے بجائے جبار ابن صخر کا نام آتا ہے۔ ان حضرات کو مکہ میں ابو سفیان ابن حرب کی طرف بھیجا تاکہ موقعہ پڑے تو یہ دونوں اس کو قتل کر دیں۔ اس واقعہ کا سبب یہ تھا کہ ایک روز ابو سفیان نے کچھ قریشیوں کے سامنے کہا:

"کیا کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جو ہمارے لئے دھوکہ سے محمد ﷺ کو قتل کر دے۔ وہ مدینہ کے بازاروں میں تنہا گھومتے پھرتے ہیں"۔

نبی کے قتل کیلئے اعرابی کی آمادگی...... اس پر ایک دیہاتی آگے بڑھا اور اپنے متعلق کہنے لگا:

"میں اپنے آپ کو سب سے زیادہ دل گردہ کا، سب سے زیادہ بہادر اور سب سے زیادہ تیز دوڑنے والا سمجھتا ہوں۔ اگر تم میرے خرچہ کا ذمہ لو تو میں محمد ﷺ کے پاس پہنچ کر اور موقعہ دیکھ کر انہیں قتل کرنے کا ذمہ لیتا ہوں میرے پاس خنجر بھی ہے جو کرگس کے پنکھ کی طرح کا ہے اور میں راستہ بھی جانتا ہوں"۔

اس پر ابو سفیان نے کہا کہ بے شک تم ہمارے ساتھی ہو۔ اس کے بعد ابو سفیان نے اس اعرابی کو ایک اونٹ فراہم کیا اور زاد راہ دے کر کہا کہ ہوشیاری سے کام کرنا (اس طرح اس دیہاتی کو آنحضرت ﷺ کے قتل کا کام سونپا گیا)۔

اعرابی بارگاہِ نبوت میں...... رات میں یہ دیہاتی مکہ سے روانہ ہوا اور سفر کرتا ہوا آخر ایک دن مدینہ پہنچ گیا۔ یہاں اس نے آنحضرت ﷺ کے متعلق معلوم کیا تو کسی نے اسے پتہ بتلا دیا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ بنی اشہل کی مسجد میں تھے۔

قاتل کی نیت کی اطلاع...... یہ دیہاتی اپنی سواری پر روانہ ہوا اور آنحضرت ﷺ کے سامنے پہنچ گیا۔ آپ ﷺ نے جیسے ہی اسے دیکھا تو فرمایا:

"یہ شخص حقیقت میں کسی برے ارادے سے آیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے ارادہ کے درمیان رکاوٹ ہے"۔

اسی وقت یہ شخص آنحضرت ﷺ کے پاس آیا تاکہ اپنے برے ارادہ کو پورا کرے مگر اسی وقت حضرت اسید ابن حضیر نے اسکو پکڑ لیا اور اسکی عبا کے اندر ہاتھ ڈالا تو اس میں سے خنجر نکلا، حضرت اسیدؓ نے اس شخص کو پکڑ کر بڑے زور سے اس کا گلا دبانا شروع کیا۔

اعرابی کا اسلام...... اس وقت رسول اللہ ﷺ نے اس شخص سے پوچھا کہ سچی بات بتاؤ اس نے کہا پہلے میری جاں بخشی کا وعدہ دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ہاں۔ تب اس نے ساری بات آپ ﷺ کو بتلا دی۔ آنحضرت ﷺ نے وعدہ کے مطابق اس کو چھوڑ دیا۔ جس کے بعد یہ اسی وقت مسلمان ہو گیا۔

دلی کیفیات کا اظہار...... اس کے بعد اس شخص نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

"یارسول اللہ! میں کسی شخص سے ڈرنے والا نہیں ہوں مگر جیسے ہی میں نے آپ کو دیکھا میرے ہوش جاتے رہے اور میرا حوصلہ کمزور ہو گیا۔ پھر یہ کہ آپ کو میرے ارادوں کی خبر ہو گئی جس سے میں نے سمجھ لیا کہ آپ بے شک حق پر ہیں۔!"

عمرو ابن امیہ مکہ میں...... آنحضرت ﷺ یہ سن کر مسکرانے لگے:

اس پر رسول اللہ ﷺ نے عمرو ابن امیہ ضمری کو ان کے مذکورہ ساتھی کے ساتھ ابوسفیان کی طرف مکہ کو روانہ فرمایا۔ یہ واقعہ حضرت خبیبؓ کے قتل اور انہیں لکڑی کی پھانسی پر لٹکانے کے بعد کا ہے (جس کی تفصیل گذر چکی ہے)۔

عمرو ابن امیہ ضمری مکہ پہنچے تو ایک رات جب کہ وہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے انہیں معاویہ ابن ابوسفیان نے دیکھ لیا (یہ وہی مشہور حضرت امیر معاویہ ہیں اور اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) یہ عمرو ابن امیہ کو دیکھتے ہی پہچان گئے۔

عمرو کی آمد سے قریش کو فکر...... معاویہ نے فوراً ہی قریش کو اس کی اطلاع دی جس پر قریشی ڈر گئے کیونکہ یہ عمرو ابن امیہ ضمری جاہلیت کے زمانے میں نہایت عیار اور چالاک آدمی تھے (یہاں تک کہ ان کی چالاکیوں اور بہادری کی وجہ سے لوگ ان کو شیطان کہا کرتے تھے اور سب ان سے ڈرتے تھے۔ اسی لئے اب اچانک یہ سن کر کہ عمرو ابن امیہ مکہ میں ہیں سب لوگ پریشان ہو گئے کہ خدا جانے یہ کس ارادے سے آئے ہیں اور اب کیا نیا گل کھلائیں گے)۔

قریش عمرو کی تلاش میں...... قریش کہنے لگے کہ عمرو کسی نیک ارادے سے ہرگز نہیں آسکتا لہٰذا لوگوں نے بڑی شدت سے ان کی تلاش شروع کر دی۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ جب یہ دونوں یعنی عمرو ابن امیہ ضمری اور سلمہ ابن اسلم مکہ پہنچے تو انہوں نے اپنے اونٹ ایک گھاٹی میں روکے اور پھر دونوں رات کے وقت مکہ میں داخل ہوئے پھر عمرو کے ساتھی نے کہا:

"عمرو! بہتر ہو گا کہ ہم پہلے بیت اللہ کا طواف کر لیں اور دو رکعتیں پڑھنے کے بعد پھر ابوسفیان کو تلاش کریں"۔

طواف کعبہ...... عمرو نے کہا:

"میں مکہ کے اس چتکبرے گھوڑے کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہاں لوگوں کا یہ قاعدہ ہے کہ وہ رات کا کھانا کھانے کے بعد اپنی چوپالوں میں مجلسیں گرم کرتے ہیں۔"

عمرو کو ابوسفیان کی تلاش...... یعنی یہاں لوگ رات کا کھانا کھانے کے بعد اپنے اپنے چوک میں بیٹھ جاتے ہیں اس لئے یہ کام فوراً کرنا چاہئے سلمہ نے کہا ہرگز نہیں خدا نے چاہا تو......

عمرو کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہم نے کعبہ کا طواف کیا اور وہاں نماز پڑھی اور پھر ہم ابوسفیان کی تلاش میں روانہ ہوئے۔

قریش کو مخبری...... راہ میں مجھے قریش کا ایک شخص ملا جو مجھے دیکھتے ہی پہچان گیا اور فوراً پکار اٹھا۔

عمرو ابن امیہ...... اس نے قریش کو میرے متعلق خبر دے دی۔ اس وجہ سے میں اور میرا ساتھی وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے اور ایک پہاڑ پر چڑھ گئے۔

قریش عمرو کی جستجو میں...... قریش کے لوگ ہماری تلاش میں پھر رہے تھے اس لئے ہم اس پہاڑ کے ایک غار میں داخل ہو گئے۔ ادھر عمرو کو ایک قریشی ملا تھا جسے انہوں نے قتل کر دیا تھا۔ وہ کہتے ہیں صبح کو جب کہ ہم غار میں تھے ہم نے ایک قریشی شخص کو دیکھا جو ایک گھوڑے کو ہنکاتے جا رہا تھا۔ میں نے سلمہ سے کہا: "اگر اس شخص نے ہمیں دیکھ لیا تو یقیناً شور مچا دے گا"۔

عمرو کے ہاتھوں ایک قریشی کو قتل...... چنانچہ میں اس کی طرف خنجر لئے ہوئے بڑھا۔ یہ خنجر میں ابوسفیان کے لئے ساتھ رکھتا تھا میں نے اس شخص کے ہاتھ پر خنجر سے وار کیا جس پر وہ اتنی زور زور سے چیخا کہ مکہ والوں تک اس کی آواز پہنچ گئی اور لوگ بھاگتے ہوئے وہاں آ گئے۔

مکہ سے فرار...... یہاں پہنچ کر ان لوگوں نے اس شخص کو اس حالت میں پایا کہ اس کا سانس اکھڑ رہا تھا انہوں نے اس زخمی سے پوچھا کہ تجھ کو کس نے مارا ہے؟ اس نے کہا عمرو ابن امیہ نے۔ اتنا کہہ کر اس کا دم آخر ہو گیا۔ آخر لوگ اسے اٹھا کر لے گئے۔

خبیب کی سولی سے گزر...... میں نے اپنے ساتھی یعنی سلمہ سے یہ بات بتائی۔ آخر جب خیریت کے ساتھ شام ہو گئی تو ہم رات کے وقت مدینہ واپسی کے لئے وہاں سے نکلے راستے میں ہمیں قریش کے وہ پہریدار ملے جو حضرت خبیبؓ کی پھانسی پر لٹکی ہوئی لاش کی نگرانی کر رہے تھے۔

(ان پہریداروں نے عمرو اور سلمہ کو رات کے اندھیرے میں جاتے ہوئے دیکھا) تو ان میں سے ایک شخص دوسرے سے بولا:

"اگر عمرو ابن امیہ مدینہ میں نہ ہوتا تو میں یہ کہتا کہ یہ سامنے جانے والا شخص یقیناً عمرو ہے"۔

سولی جھپٹ کر عمرو کا فرار...... عمرو کہتے ہیں کہ اس کے بعد جب میں اس پھانسی کے قریب پہنچا (جس پر حضرت خبیبؓ کی لاش لٹکی ہوئی تھی) تو میں نے اچانک جھپٹ کر اسے کھینچ لیا اور میں اور میرا ساتھی اس لکڑی کو اٹھا کر پوری رفتار سے بھاگے۔ وہ لوگ ہمارے پیچھے دوڑے تو میں نے ایک جگہ اس لکڑی کو پھینک دیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے ان لوگوں کی نظروں سے غائب کر دیا سیرت ابن ہشام میں اسی طرح ہے۔

ادھر پیچھے اس بارے میں گزرا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر اور حضرت مقداد کو اس مقصد سے یہاں بھیجا تھا کہ وہ اس پھانسی کی لکڑی کو اتار لائیں اور حضرت زبیرؓ نے اسے اتار لیا تھا جس کے بعد زمین نے اسے نگل لیا۔

ادھر علامہ ابن جوزی کے حوالے سے یہی تفصیل گزری ہے جو یہاں ہے کہ اس پھانسی کو عمرو ابن امیہ نے اتارا تھا۔ لہٰذا اگر یہ دونوں روایتیں صحیح ہیں تو ان کے درمیان موافقت اور جمع کی ضرورت ہے۔

عمرو کے ہاتھوں ایک اور قتل...... کہا جاتا ہے کہ اس سفر میں عمرو ابن امیہ نے ایک دوسرے شخص کو بھی قتل کیا تھا۔ انہوں نے اس کو یہ شعر پڑھتے سن لیا تھا کہ ؎

وَلَسْتُ بِمُسْلِمٍ مَا دُمْتُ حَيًّا
وَلَسْتُ أَدِينُ دِينَ الْمُسْلِمِينَا

اس شخص کی زبان سے یہ کلمات سن کر عمرو ابن امیہ ضمری نے اس کو قتل کر دیا۔

اسی طرح (انہوں نے ایک اور شخص کو قتل کیا تھا) راستے میں انہیں دو آدمی نظر آئے جن کو قریش نے مدینہ کی طرف مسلمانوں کی جاسوسی کے لئے بھیجا تھا۔ عمرو نے اس میں سے ایک کو قتل کر ڈالا اور دوسرے کو گرفتار کر لیا۔

اس کے بعد عمرو مدینہ آئے جس وقت یہ اپنی روداد سفر رسول اللہ ﷺ کو سنا رہے تھے تو آپ ﷺ ہنس رہے تھے۔

سریۂ سعید ابن زید بسوئے عرنیین

امیر سریہ...... ایک قول ہے کہ یہ سریہ حضرت زید ابن جابر کا تھا اور اکثر علماء کا قول یہی ہے۔ اسی لئے حافظ دمیاطی نے صرف ان ہی کا نام ذکر کیا ہے۔ نیز ایک قول کے مطابق حضرت جریر ابن عبداللہ بجلی کا تھا۔ مگر اس قول کی تردید بھی کی گئی ہے کہ جریر ابن عبداللہ بجلی اس سریہ کے تقریباً چار سال بعد مسلمان ہوئے ہیں۔

عرنیین کا وفد...... یہ سریہ عرنیین کی طرف بھیجا گیا تھا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس عرینہ کی ایک جماعت وفد کی صورت میں آئی جس میں آٹھ آدمی تھے۔ ایک قول ہے کہ ان آٹھ آدمیوں میں چار عرینہ کے تھے تین عکل کے اور ایک یعنی آٹھواں آدمی کسی اور قبیلہ کا تھا۔

وفد کا اسلام...... یہ لوگ مسلمان کی حیثیت سے آئے اور انہوں نے کلمہ شہادت پڑھا۔ یہ لوگ بے حد نڈھال تھے اور ہلاک ہونے کے قریب پہنچ چکے تھے۔ یہ لوگ بہت زیادہ لاغر و کمزور تھے ان کے رنگ زرد اور پیٹ بڑے بڑے تھے۔

نبی ﷺ سے ٹھکانے کی درخواست...... ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

"یارسول اللہ! ہمیں ٹھکانہ دیجئے اور کچھ کھانے کا انتظام فرمادیجئے!"

عرنیین کی خرابی صحت...... آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو اپنے پاس صفہ پر (یعنی مسجد سے ملحق اس چبوترے پر جہاں دوسرے بہت سے نادار صحابہ کا ٹھکانہ تھا) ٹھکانہ دیا ایک روز انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

"مدینہ میں بیماریوں کا زور رہتا ہے اور یہاں کی فضا گھٹی ہوئی ہے اور ہم لوگ دیہاتی یعنی کسان نہیں بلکہ مویشی پالنے اور ان کے دودھ پر گزر بسر کرنے کے عادی ہیں"۔

اونٹنیوں کا دودھ اور پیشاب...... اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"بہتر ہوگا کہ تم لوگ (شہر سے باہر) ہماری دودھیاری اونٹنیوں کے ساتھ رہو اور ان کا دودھ اور پیشاب پیو"۔

ان اونٹنیوں کی تعداد پندرہ تھی (گویا آنحضرت ﷺ نے یہ ان لوگوں کی بیماری کا علاج بتلایا تھا) کیونکہ اونٹنیوں کے دودھ میں پیٹ کی صفائی کرنے 'نرم اجابت لانے' پیشاب لانے اور سدّے نکالنے کی خاصیت ہوتی ہے۔ اور پیٹ میں پانی آجانے اور پیٹ لٹک جانے کا سبب سدّے بننا اور جگر کی خرابی ہوتا ہے اور جگر کے لئے سب سے زیادہ مفید چیز اونٹنی کا دودھ ہے خاص طور پر جب کہ اسے اس طرح استعمال کیا جائے کہ اس میں وہ گرمی اور حرارت موجود ہو جو تھنوں سے نکلتے وقت ہوتی ہے (یعنی تھن سے نکلتے ہی بالکل تازہ دودھ پیا جائے) اور اس کیساتھ اونٹ کے بچہ کا تازہ پیشاب ملالیا جائے جس میں وہ حرارت موجود ہو جو جسم سے نکلتے وقت ہوتی ہے۔

تشریح...... یہاں پیشاب بطور دوا استعمال کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ احقر مترجم نے اس سلسلے میں مختلف کتابوں کا مطالعہ کیا۔ ان میں شرح زرقانی علی المواہب نے اس بارے میں جو تفصیل دی ہے اس کا ترجمہ یہاں نقل کر رہا ہوں جس سے اس معاملے پر روشنی پڑتی ہے۔

اس روایت میں امام مالکؒ 'امام احمدؒ اور ان سے اتفاق رکھنے والے دوسرے علماء کو اپنے اس قول کی دلیل حاصل ہوتی ہے کہ ان جانوروں کا پیشاب پاک ہے جن کا گوشت کھایا جاتا ہے یعنی اونٹ کے پیشاب کے لئے تو بذریعہ حدیث صراحت سے

اور دوسرے حلال جانوروں کے لئے قیاس کے ذریعہ کیونکہ اگر اونٹ کا پیشاب ناپاک ہوتا تو آنحضرت ﷺ اس کے ذریعہ دوا اور علاج کا حکم نہ دیتے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کی شفا کسی ایسی چیز میں نہیں رکھی جو امت پر حرام کی گئی ہو۔ اس روایت کو ابوداؤد وغیرہ نے بیان کیا ہے۔

مگر امام ابو حنیفہؒ' امام شافعیؒ اور دوسرے جمہور علماء نے امام مالک واحمد سے اس بارے میں اختلاف کیا ہے۔ ان حضرات نے ہر ایک کے پیشاب کو ناپاک کہا ہے اور اس حدیث کو صرف دوا علاج کے وقت جواز پر محمول کیا ہے۔ لہٰذا جب ضرورت اور مجبوری نہ ہو تو اس حدیث کے تحت پیشاب پینا جائز نہیں ہوگا۔

جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کی شفا کسی ایسی چیز میں نہیں رکھی جو امت پر حرام کی گئی ہو۔ تو یہ اختیار کی حالت میں ہے ورنہ کوئی حرمت نہیں ہے جیسے مجبور آدمی کے لئے مردار گوشت ہے۔ (یعنی اختیار اور صحت کی حالت میں مردار چیز جائز کی گئی ہے۔ تشریح ختم۔ از مرتب)

عرنیین کی صحت یابی اور دغا...... غرض ان لوگوں نے (مدینہ سے باہر جاکر رہائش اختیار کی اور اونٹوں کے پاس رہنا شروع کر دیا) رسول اللہ ﷺ کی ہدایت پر عمل کیا (جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو صحت وشفا عطا فرمائی اور وہ تندرست ہو گئے)۔

چرواہے کا قتل اور اونٹنیوں کی چوری...... غرض جب یہ لوگ تندرست ہو گئے تو اسلام سے پھر کر دوبارہ کفر کی طرف لوٹ گئے اور اس چراگاہ میں (آنحضرت ﷺ کا) جو چرواہا تھا اس کو قتل کر دیا۔ یہ چرواہا آنحضرت ﷺ کا غلام یسار تھا انہوں نے یسار کو ہلاک کر کے اس کے ناک اور کان' آنکھ کاٹ کر لاش کا مثلہ کر دیا اور اس کی زبان اور آنکھوں میں کانٹے چبھا دیئے یہاں تک کہ اسی حالت میں وہ ختم ہو گیا۔ اس کے بعد یہ لوگ آنحضرت ﷺ کی اونٹنیاں لے کر فرار ہو گئے۔

ظالمانہ قتل...... ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ۔ وہ لوگ بعض اونٹنیوں پر سوار ہوئے اور باقی کو بھگا لے گئے تو یسار چرواہے نے ان کا تعاقب کیا یہاں تک کہ کافروں کو جالیا یسار کے ساتھ کچھ دوسرے لوگ بھی تھے۔ مشرکوں نے یسار وغیرہ سے مقابلہ کر کے ان لوگوں کو مار ڈالا اور یسار کے ہاتھ پیر کاٹ کر اسے ہلاک کر دیا۔

آنحضرت ﷺ کو خبر اور تعاقب کا حکم...... رسول اللہ ﷺ کو جب اس واقعہ کی خبر ملی تو آپ نے بیس گھوڑے سوار ان کے پیچھے روانہ فرمائے اور ان پر حضرت سعیدؓ ابن زید کو امیر مقرر فرمایا ان سواروں کے ساتھ آپ ﷺ نے ایک ایسا شخص بھی بھیجا جو نشانِ قدم پر مجرموں کا پیچھا کر رہا تھا۔

گرفتاری اور انتقام...... آخر ان سواروں نے ان لوگوں کو جالیا اور چاروں طرف سے گھیر کر ان سب کو گرفتار کر لیا۔ صحابہ ان کو لے کر مدینہ آئے تو رسول اللہ ﷺ کے حکم پر ان کے ہاتھ پیر کاٹے گئے اور آنکھوں میں گرم سلائیں چبھائی گئیں۔ پھر ان لوگوں کو حرہ میں لے جاکر ڈال دیا گیا جو سیاہ پتھروں کا علاقہ تھا اور ایسا لگتا تھا جیسے ان پتھروں کو آگ میں جلایا گیا ہے یہاں یہ لوگ پیاس سے بیتاب ہوئے مگر کہیں پانی نہیں تھا۔

شدید انتقام کی ممانعت...... تشریح: اس طرح ان لوگوں کو اسی طریقے پر سزا دے کر ہلاک کیا گیا جس ظالمانہ طریقہ سے انہوں نے یسار اور اس کے ساتھیوں کو ہلاک کیا تھا۔ مگر یہ اس طرح کا پہلا اور آخری واقعہ ہے کیونکہ اس کے بعد آئندہ کے لئے یہ حکم ہو گیا کہ کوئی مجرم چاہے کیسا ہی سخت اور ظالمانہ طریقہ کا جرم کرے اس کو ہرگز ایسی سزا نہ دی جائے۔ ابتداء میں تو بڑے سے بڑے دشمن کا مثلہ کرنا یعنی ہاتھ پیر اور ناک کان' آنکھ وغیرہ کاٹنا حرام تھا لیکن اس واقعہ کے بعد انتقام اور قصاص

کے طور پر بھی مثلہ کرنا ہمیشہ کے واسطے حرام قرار دے دیا گیا۔ لہٰذا اب اگر کوئی کافر کسی مسلمان کا قتل کر کے مثلہ کرے تو قصاص کے بدلے میں اس کافر کا مثلہ کرنا جائز نہ ہوگا بلکہ اسے صرف قتل کیا جائے گا۔ (زرقانی۔ جلد ۲ صفحہ ۱۷۶)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ پیاس کی زیادتی سے زمین کو اپنے دانتوں سے کھود رہا تھا کہ مٹی کی نمی سے تسکین ہو مگر وہ نمی بھی نہ ملی یہاں تک کہ وہ اسی حالت میں مر گئے اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق آیت نازل فرمائی:

اِنَّمَا جَزٰۤؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْۤا اَوْ یُصَلَّبُوْۤا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ. ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ۔ (سورۂ مائدہ آیت ۳۳، ع ۵)

ترجمہ: جو لوگ اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کئے جائیں یا سولی دیئے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیئے جائیں یا زمین پر سے نکال دیئے جائیں یہ ان کے لئے دنیا میں سخت رسوائی ہے اور ان کو آخرت میں عذاب عظیم ہوگا۔

اس کے علاوہ پھر کبھی کوئی ایسا واقعہ نہیں ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے کسی شخص کی آنکھیں پھوڑوائی ہوں۔ ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے سواروں نے جب ان لوگوں کو گرفتار کیا تو ان کے ہاتھ پیر باندھ کر اور انہیں اپنے ساتھ گھوڑوں پر بٹھا کر مدینہ لائے اس وقت آنحضرت ﷺ شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ صحابہ ان سب قیدیوں کو لے کر آپ کی تلاش میں گئے یہاں تک کہ انہوں نے آپ ﷺ کو مجمع سیول یعنی پانی کے بہاؤ کی جگہ پر پالیا۔ اس وقت آپ ﷺ نے ان کے بارے میں حکم فرمایا تو ان کے ہاتھ پیر کاٹ کر آنکھیں پھوڑی گئیں اور وہیں ان لوگوں کو سولی دے دی گئی۔

آنحضرت ﷺ کی اونٹنیوں میں سے ایک اونٹنی گم ہوگئی تھی جس کو حفاء کہا جاتا ہے۔ آپ نے اس اونٹنی کے بارے میں دریافت فرمایا تو بتایا گیا کہ اسے ان مجرموں نے ذبح کر دیا تھا۔ سیرت دمیاطی میں یوں ہی ہے۔ اسی سیرت میں اس سریہ کو سریہ عمرو ابن امیہ ضمری سے پہلے بیان کیا گیا ہے۔

سریۂ امیر المومنین عمر ابن خطاب بسوئے ہوازن

مقام سریہ...... رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر فاروقؓ کو تیس صحابہ کیساتھ تُربہ کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ ایک مقام کا نام تھا جو صنعاء کے راستے سے مکہ سے چار رات کی مسافت پر تھا، اسکو تربہ بھی کہتے ہیں، یہ لفظ تربہ تاء پر پیش اور راء پر زبر کیساتھ ہے۔

دشمن کا فرار...... رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کے ساتھ بنی ہلال کے ایک شخص کو بطور راہبر بھیجا۔ حضرت عمرؓ راتوں کو سفر کرتے اور دن کو کہیں چھپ رہتے تھے۔ مگر بنی ہوازن کو حضرت عمر کی پیش قدمی کی خبر پہنچ گئی اور وہ لوگ وہاں سے فرار ہو گئے۔

حکم رسول کی پابندی...... آخر حضرت عمرؓ بنی ہوازن کی بستی میں پہنچ گئے مگر وہاں انہیں کوئی بھی نہیں ملا اس لئے وہ واپس مدینہ کیلئے روانہ ہو گئے۔ راستے میں حضرت عمر ایک جگہ پہنچے جو مدینہ سے چھ میل کے فاصلے پر تھی۔ یہاں راہبر نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا: "اگر آپ چاہیں تو بنی خثعم کے جتھے پر حملہ کرنا ممکن ہے"۔

مگر حضرت عمرؓ نے فرمایا: "مجھے رسول اللہ ﷺ نے بنی خثعم پر حملہ کا حکم نہیں دیا ہے۔ آپ ﷺ نے مجھے صرف بنی ہوازن کیساتھ جنگ کرنے کے لئے بھیجا تھا"۔

سریۂ حضرت ابو بکرؓ بسوئے بنی کلاب

سریہ کی کامیابی...... حضرت سلمہؓ ابن اکوع سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کو روانہ فرمایااور ہم لوگوں پران کوامیر بنایا۔ کچھ مشرکین ہمارے ہاتھ لگے جنہیں ہم نے قتل کر دیا۔ خود میں نے اپنے ہاتھ سے سات مشرک گھرانوں کو قتل کیا۔

کتاب اصل یعنی عیون الاثر نے اس روایت پر یہ اضافہ کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کو بنی فزارہ کی طرف روانہ فرمایاوغیرہ وغیرہ۔ مگر اس بات کو وہم قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ بات حضرت ابو بکرؓ کے اس سریہ کی ہے جو بنی فزارہ کے مقابلہ میں وادی قریٰ کا ہے اور یہ بات گزر چکی ہے لہٰذا یہ دونوں علیحدہ علیحدہ واقعات ہیں جنہیں ایک کر دیا گیا۔ کتاب اصل نے یہ جو کچھ لکھا ہے اس میں انہوں نے اپنے شیخ حافظ دمیاطی کی اتباع کی ہے اور اس بارے میں جو شبہ ہے وہ بیان ہو چکا ہے۔

سریۂ بشیر ابن سعد بسوئے بنی مُرّہ

مالِ غنیمت کا حصول......رسول اللہ ﷺ نے حضرت بشیر ابن سعد کو تین آدمیوں کے ساتھ بنی مُرّہ کی سر کوبی کے لئے بھیجا جو فدک میں تھے۔ اس کے متعلق گزر چکا ہے کہ یہ فدک ایک گاؤں تھا جو مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر تھا۔

بشیرؓ ابن سعد مدینہ سے روانہ ہوئے تو راستے میں انہیں بکریوں کے کچھ چرواہے ملے۔ انہوں نے ایک سے بنی مُرّہ کے متعلق پوچھا تو انہیں بتایا گیا کہ وہ ان کی ہی وادی ہے۔ حضرت بشیر وہاں سے اونٹ اور بکریاں لے کر واپس مدینہ کو روانہ ہو گئے۔

دشمن کا جوابی حملہ......اسی وقت ان چرواہوں میں سے ایک شخص فریادی کے طور پر بھاگتا ہوا بنی مُرّہ کی طرف گیا (اور ان کو اطلاع دی وہ لوگ فوراً ہی مسلمانوں کے تعاقب میں چلے اور) دشمن کی ایک بہت بڑی تعداد نے پیچھا کر کے بشیر ابن سعد اور ان کے ساتھیوں کو جالیا۔

سریہ کی شکست...... رات بھر دونوں طرف سے ایک دوسرے پر تیر افگنی ہوتی رہی یہاں تک کہ حضرت بشیر اور ان کے ساتھیوں کے پاس تیر ختم ہو گئے۔ صبح ہوتے ہی دشمن نے ان صحابہ پر شدید حملہ کر دیا۔ اور بہت سے صحابہ کو قتل اور بہت سوں کو گرفتار کر لیا۔

خود حضرت بشیرؓ نے نہایت شدت سے جنگ کی یہاںتک کہ وہ زخموں سے چور ہو کر گر پڑے ان میں زندگی کی ہلکی سی رمق باقی تھی (ورنہ دیکھنے میں وہ مردہ معلوم ہوتے تھے) دشمن نے ان میں زندگی کے آثار تلاش کرنے کیلئے ان کے ٹخنے پر مارا مگر انکے جسم میں کوئی حرکت نہ ہوئی اس پر کسی نے کہا کہ یہ مر چکا ہے' چنانچہ وہ لوگ اپنے اونٹ اور بکریاں ہنکا کر واپس لے گئے۔

رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کی خبر ملی۔ ادھر کچھ عرصہ بعد ابن سعد بھی مدینہ پہنچ گئے۔ واقعہ کے دن وہ رات تک مقتولوں کے درمیان پڑے رہے شام کو وہ کسی نہ کسی طرح وہاں سے اٹھ کر فدک پہنچ گئے جہاں وہ چند دن ایک یہودی کے پاس ٹھہرے رہے یہاں تک کہ جب ان میں چلنے کی طاقت آگئی تو وہ وہاں سے مدینہ آگئے۔

مؤلف کہتے ہیں: روایت کے آخری حصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی مُرّہ کے وہ لوگ جن کے مقابلے کے لئے بشیر ابن

سعد گئے تھے فدک میں نہیں تھے بلکہ وہاں سے کسی دوسری جگہ پر تھے لہٰذا شروع میں جو یہ قول گزرا ہے کہ "جو فدک میں تھے"۔ یہ محض تسامح کے طور پر ہے۔ادھر یہ کہ حضرت بشیر کی یہ حالت ہو جانے کا واقعہ دو دفعہ پیش آیا۔ جو قابلِ غور ہے۔

سریۂ غالب لیثی بسوئے بنی عوال بنی عبد ابن ثعلبہ

رسول اللہ ﷺ نے حضرت غالب ابن عبد اللہ لیثی کو ایک سو تین آدمیوں کے ساتھ بنی عوال اور بنی عبد ابن ثعلبہ کی سرکوبی کے لئے بھیجا جو میقعہ میں تھے ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا غلام یسار راہبر کے طور پر گیا۔

حملہ اور فتح...... ان سب صحابہ نے ایک ساتھ دشمن پر یلغار کی اور ان کی بستی کے درمیان میں پہنچ گئے صحابہ نے ان کے معزز لوگوں میں سے بہت سے آدمیوں کو قتل کر دیا اور ان کے اونٹ اور بکریاں ہنکا کر لے گئے اس معرکہ میں صحابہ نے کسی کو گرفتار نہیں کیا۔

اسامہ کے ہاتھوں ایک کلمہ گو کا قتل...... اسی سریہ میں حضرت اسامہؓ ابن زید نے (دشمنوں میں سے) ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا جس نے (قتل کے وقت) لا الہ الا اللہ کہہ دیا تھا (مگر اس کے باوجود حضرت اسامہ نے اس کو قتل کر دیا) اس شخص کا نام مرداس ابن نہیک تھا۔

آنحضرت ﷺ کو اطلاع اور صدمہ...... سیرت حافظ دمیاطی میں اس کا نام نہیک ابن مرداس لکھا ہے لیکن مرداس ابن نہیک کتاب کشاف میں ہے (جب رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ اسامہ نے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا جس نے قتل کے وقت کلمہ پڑھ دیا تھا تو) آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

"کیا تم نے اس شخص کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا جس سے تمہیں معلوم ہو گیا کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا"۔

خود حضرت اسامہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں روانہ فرمایا ہم لوگ دن نکلے دشمن کے سر پر پہنچ گئے اور ان لوگوں کو شکست دی اسی دوران میں دشمن کے ایک آدمی سے میرا سامنا ہوا میرے ساتھ ایک انصاری صحابی بھی تھے۔

جب ہم نے اس شخص پر حملہ کیا تو اس نے فوراً لا الہ الا اللہ کہہ دیا یہ سنتے ہی اس انصاری نے اپنا ہاتھ روک لیا مگر میں نے اس پر نیزے سے وار کیا اور اسے قتل کر دیا جب ہم وہاں سے واپس مدینہ آئے (اور آنحضرت ﷺ کو یہ واقعہ معلوم ہوا) تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

"اسامہ! کیا تم نے اس شخص کو اس کے لا الہ الا اللہ کہہ دینے کے باوجود بھی قتل کر دیا!"

اسامہؓ کی شدید ندامت...... میں نے عرض کیا کہ کلمہ تو اس نے جان بچانے کے لئے پڑھ دیا تھا۔

مگر میرے اس جواب کے باوجود آنحضرت ﷺ بار بار وہی بات فرماتے رہے یہاں تک کہ میں تمنا کرنے لگا کہ کاش میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوا ہوتا یعنی میں نے آرزو کی کہ کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا تاکہ میں نے جو حرکت کی ہے اس کا گناہ میرے سر سے ڈھل جاتا۔

کتاب اصل میں بھی اسی طرح ہے کہ ایک کلمہ پڑھ دینے والے شخص کا اسامہ کے ہاتھوں قتل اسی سریہ میں پیش آیا تھا ابن سعد نے بھی اسی قول کا اتباع کیا ہے مگر علامہ شمس شامی کہتے ہیں کہ دراصل یہ واقعہ حرقہ کی طرف اسامہ ابن زید کے سریہ کا ہے جو بنی جہینہ کے خاندان کی ایک شاخ تھی۔

قتل کا سبب غلط فہمی تھا...... آگے حضرت اسامہ سے روایت آئے گی کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں جہینہ کی شاخ حرقہ کی طرف بھیجا۔ صبح ہوتے ہی ہم وہاں پہنچے وہاں ایک شخص جس کا نام مرداس ابن نہیک تھا جس کا یہ حال تھا کہ جب دشمن نے ہمارا مقابلہ کیا تو وہ ہم پر ان میں سب سے زیادہ شدید حملے کر رہا تھا اور جب دشمن نے پشت پھیری تو وہ ان کی حفاظت کر رہا تھا آخر ہم نے ان لوگوں کو شکست دی اس وقت میں نے اور ایک انصاری شخص نے مرداس کا پیچھا کیا میں نے اس پر تلوار بلند کی تو اس نے اچانک لاالہ الااللہ کہا ایک روایت میں محمد رسول اللہ ﷺ کا اضافہ بھی ہے اس پر انصاری نے اپنی تلوار روک لی مگر میں نے اس کے نیزہ مار کر قتل کر دیا اس واقعہ کے بعد میرے دل پر اس کا اتنا اثر ہوا اور میں اس قدر پریشان ہو گیا کہ مجھ سے کھانا کھانا بھی مشکل ہو گیا آخر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے مجھے بوسہ دیا اور گلے سے لگایا۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی یہ عادت تھی کہ جب آپ ﷺ اسامہ ابن زیدؓ کو کہیں بھیجتے تو ان کے بارے میں صحابہ سے سوال فرماتے تھے اور آپ ﷺ کی خواہش ہوتی کہ اسامہ کی تعریف کی جائے مگر جب وہ اس سریہ سے واپس آئے تو آپ ﷺ نے صحابہ سے ان کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا اس پر لوگ خود ہی رسول اللہ ﷺ سے بیان کرنے لگے وہ کہتے:

"یارسول اللہ! آپ ﷺ کو نہیں معلوم اسامہ نے کیا حرکت کی ہے؟ ان کے سامنے ایک شخص آیا اور اس نے لاالہ الااللہ کہہ دیا مگر اس کے باوجود اسامہ نے اس پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا"۔

آنحضرت ﷺ ان لوگوں کی باتیں سن کر صحابہ کی طرف سے منہ پھیر لیتے مگر جب لوگ بار بار یہ بات سناتے رہے تو آپ ﷺ نے اسامہ کی طرف سر مبارک اٹھایا اور فرمایا:

"اسامہ! کیا تم نے اس کے لاالہ الااللہ کہنے کے باوجود اسے قتل کر دیا؟ قیامت کے دن تم لاالہ الااللہ کا کیا کرو گے؟

اسامہ نے عرض کیا کہ اس نے یہ کلمہ ہتھیار کے خوف سے کہا تھا ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ یہ کلمہ اس نے قتل سے بچنے کے لئے کہا تھا۔

اسامہ کہتے ہیں کہ میری بات کے جواب میں آنحضرت ﷺ بار بار اپنا سوال دہراتے رہے یہاں تک کہ میں تمنا کرنے لگا کہ کاش میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوا ہوتا (یعنی آج مسلمان ہوا ہوتا تو میرے دوسرے گناہوں کے ساتھ یہ گناہ بھی دھل گیا ہوتا کیونکہ اسلام پچھلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے)۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا الخ۔ (سورۂ نساء آیت ۹۴ ع ۱۲)

ترجمہ: اور ایسے شخص کو جو کہ تمہارے سامنے اطاعت ظاہر کرے دنیوی زندگی کے سامان کی خواہش میں یوں مت کہہ دیا کرو کہ تو مسلمان نہیں ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں تفسیر کشاف میں یوں ہے کہ اس واقعہ کی اصل یہ ہے کہ مرداس ابن نہیک فدک والوں میں سے ایک شخص تھا جو مسلمان ہو گیا تھا اس کے علاوہ اس کی قوم میں سے کوئی اور شخص مسلمان نہیں ہوا تھا۔

اسی دوران میں رسول اللہ ﷺ کے ایک سریہ نے ان لوگوں سے جنگ کی اس سریہ کے امیر غالب ابن فضالہ لیثی تھے فدک والے مسلمانوں سے ڈر کر بھاگ گئے مگر چونکہ مرداس مسلمان تھے اس لئے وہ وہیں رکے رہے (اپنی قوم کے ساتھ نہیں بھاگے) انہوں نے مسلمانوں کو دیکھا تو اپنی بھیڑوں کو پہاڑ کی گھاٹی میں ہنکالے گئے اور وہاں سے اوپر چڑھ گئے جب مسلمان پہاڑ

کے پاس پہنچ گئے اور انہوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا تو مرداس نے بھی تکبیر کہی اور نیچے اتر آئے جہاں پہنچ کر انہوں نے کہا:

"لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ السلام علیکم"۔

اسامہ بن زید نے اس کے باوجود مرداس کو قتل کر دیا اور اس کی بکریاں بھیڑیں ہنکا کر لے گئے مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دی تو آپ ﷺ کو اس بات سے شدید تکلیف پہنچی اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اس شخص کو اس کے اسلحہ پر قبضہ کرنے کے لئے قتل کر دیا پھر آپ ﷺ نے یہ آیت اسامہ کے سامنے تلاوت فرمائی (جو گذشتہ سطروں میں بیان ہوئی)۔

مکافات عمل......اسامہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میرے لئے استغفار فرمایئے!

آپ ﷺ نے فرمایا:

"مگر لا الہ الا اللہ کا کیا کرو گے ؟"

آنحضرت ﷺ اسی طرح اس جملے کا تکرار فرماتے رہے یہاں تک کہ میں تمنا کرنے لگا کہ کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا پھر آنحضرت ﷺ نے میرے لئے استغفار فرمائی اور مجھے ایک غلام آزاد کرنے کا حکم فرمایا۔

آگے اسی قسم کا واقعہ غالب ابن عبداللہ لیثی کے سریہ میں بھی آ رہا ہے جو مصاب بشیر ابن سعد کی طرف بھیجا گیا تھا لیکن یہ بات قرین قیاس نہیں ہے کہ یہی واقعہ بار بار پیش آیا ہو خاص طور پر تین یا چار موقعوں پر۔

اس سریہ کا راہبر رسول اللہ ﷺ کے غلام یسار کو بتلایا گیا کہ اس کا مطلب ہے کہ یہ سریہ عرنیین کے سریہ سے پہلے کا ہے کیونکہ عرنیین کے سریہ میں گزرا ہے کہ ان لوگوں نے یسار کو قتل کر دیا تھا مگر پھر میں نے کتاب نور دیکھی جس میں ہے کہ شاید یہ یسار کوئی دوسرے تھے لیکن میں نے ان کا ذکر غلاموں میں نہیں دیکھا البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ دوسرے یسار حضور ﷺ کے کسی رشتہ دار کے غلام رہے ہوں اور قرابت کی وجہ سے اس غلام کی نسبت بھی آنحضرت ﷺ کی طرف کر دی گئی ہو۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت اسامہ حضرت علیؓ کے ساتھ کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے (کیونکہ ان میں مقابلہ مسلمانوں سے ہی ہوتا تھا) اسامہ نے حضرت علی سے کہا تھا:

"اگر آپ اپنا ہاتھ کسی سانپ کے منہ میں بھی ڈال دیں تو میں بھی یقیناً آپ کے ساتھ ہی اس میں اپنا ہاتھ ڈال دیتا لیکن آپ نے سنا ہی ہے کہ اس وقت جب میں نے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا تھا جو لا الہ الا اللہ کہہ رہا تھا رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے کیا فرمایا تھا جس کے جواب میں میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا تھا کہ میں اللہ کے سامنے عہد کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی کسی ایسے شخص کو قتل نہیں کروں گا جو لا الہ الا اللہ کہتا ہو۔ واللہ اعلم

سریۂ بشیر ابن سعد بہ سوئے یمن

یہ لفظ یمن یاء پر زبر کے ساتھ ہے جو حروف تہجی کا آخری حرف ہے ایک قول ہے کہ یاء پر پیش ہے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ سریہ امن کی طرف الف پر زبر اور میم اور نون پر سکون کے ساتھ اور جبار جیم پر زبر کے ساتھ کی طرف گیا تھا جو خیبر کے قریب ایک وادی ہے۔

عیینہ کی خیرہ سری......رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی کہ عیینہ ابن حصن نے غطفانیوں کی ایک جماعت کو آنحضرت ﷺ کے خلاف مدد دینے کا وعدہ کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ خود بھی اپنے آدمیوں کے انکا ساتھ دیگا) یہ واقعہ عیینہ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے کا ہے۔

گوشمالی کے لئے سریہ...... آنحضرت ﷺ نے بشیر ابن سعدؓ کو بلا کر (دشمن کی گوشمالی کے لئے جانے کا حکم دیا اور ان کے لئے) ایک لواء یعنی پرچم تیار کر کے دیا آپ ﷺ نے بشیر ابن سعد کے ساتھ تین سو صحابہ کو روانہ فرمایا۔ یہ سریہ راتوں میں سفر کرتا اور دن کے وقت کمین گاہوں میں چھپ رہتا آخر یہ جماعت مذکورہ جگہ پر پہنچ گئی۔

(وہاں غطفانیوں کے بہت سے چرواہے بھیڑ بکریاں چرا رہے تھے) صحابہ نے ان تمام بھیڑ بکریوں کو اپنے قبضہ میں لیا اور بہت سے اونٹ بھی پکڑے دشمن کے چرواہے مسلمانوں کو دیکھ کر وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے اور غطفانیوں کو جا کر حملہ کی خبر دی وہ لوگ یہ وحشتناک خبر سن کر (خوفزدہ ہو گئے اور) اور اپنی بستی کے بالائی حصوں کی طرف فرار ہو گئے۔

بشیر ابن سعد کو دشمن کے صرف دو آدمی ہاتھ لگ سکے جنہیں گرفتار کر لیا گیا اس فتح پر صحابہ زبردست مالِ غنیمت سمیت واپس مدینہ آ گئے یہاں وہ دونوں قیدی مسلمان ہو گئے رسول اللہ ﷺ نے اسی وقت ان دونوں کو رہا فرما دیا۔

علامہ شامیؒ کہتے ہیں کہ یہ دونوں قیدی عیینہ کی جماعت میں سے تھے کیونکہ جب عیینہ کے گروہ سے مسلمانوں کی مڈ بھیڑ ہوئی تو صحابہ نے انکے سامنے کے دستہ کو شکست دیدی اور بھاگنے والوں کا پیچھا کیا تو اس تعاقب کے دوران یہ دو آدمی گرفتار ہوئے۔

* کتاب اصل میں ہے کہ عیینہ کو عیینہ کہنے کی وجہ یہ تھی کہ اس کی ایک آنکھ غیر معمولی طور پر بڑھ کر پھیل گئی تھی چنانچہ اس کا لقب ہی عیینہ پڑ گیا۔

سریۂ ابن ابو العوجاء سُلمی بسوئے بنی سلیم

دشمن کا جاسوس...... رسول اللہ ﷺ نے ابن ابو العوجاء کو پچاس آدمیوں کے ساتھ بنی سلیم کی طرف بھیجا مگر دشمن کا ایک جاسوس ان کے ساتھ تھا جو کسی وقت خاموشی کے ساتھ مسلمانوں سے علیحدہ ہو کر پہلے ہی بنی سلیم کے پاس پہنچ گیا اور اس نے انہیں مسلمانوں کے متعلق خبردار کر دیا۔

بنی سلیم نے فوراً زبردست لشکر جمع کر لیا جب مسلمان وہاں پہنچے تو دشمن پوری طرح ہوشیار اور تیار تھا صحابہ نے ان لوگوں کو دعوت اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے کہا:

"تم ہمیں جس چیز کی طرف بلا رہے ہو ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے!"

سریہ کی ناکامی...... اس کے بعد دونوں طرف سے تیز اندازی شروع ہو گئی جو کچھ دیر تک جاری رہی۔

مشرکوں کو برابر مدد پہنچ رہی تھی یہاں تک کہ انہوں نے ہر طرف سے مسلمانوں کو گھیرے میں لے لیا مسلمانوں نے نہایت پامردی کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا لیکن آخرکار ایک ایک کر کے ان کے تمام آدمی شہید ہو گئے۔

سریۂ غالب ابن عبد اللہ لیثی بسوئے بنی المُلَوّح

یہ بنی ملوح کرید کے مقام پر آباد تھے، رسول اللہ ﷺ نے غالب ابن عبد اللہ لیثی کو دس پندرہ آدمیوں کے ساتھ ان لوگوں کی طرف بھیجا۔

(قال) جہاں تک واقدی کی اس روایت کا تعلق ہے کہ اس سریہ میں ایک سو تین آدمی تھے تو وہ ایک دوسرا سریہ ہے جس

کے سربراہ ان کے علاوہ ایک دوسرے غالب تھے (اس لئے یہ بات غلط فہمی پر مبنی ہو سکتی ہے)۔

اقول مؤلف کہتے ہیں: ان ہی غالب ابن عبداللہ لیثی کی سربراہی میں ایک سریہ بنی عوال اور بنی عبد ابن ثعلبہ کی سرکوبی کے لئے بھی گیا تھا جس کی تفصیل گزر چکی ہے مگر وہ سریہ جو میعقہ کی طرف گیا تھا اس دوسرے سریہ سے پہلے کا ہے واللہ اعلم۔

شب خون کا حکم...... رسول اللہ ﷺ نے حضرت غالب لیثی اور ان کے ساتھیوں کو دشمن پر شب خون مارنے کا حکم دے کر روانہ فرمایا یہ حضرات یہاں سے چل کر جب قدید کے مقام پر پہنچے تو انہیں حرث لیثی ملا جسے انہوں نے گرفتار کر لیا حارث نے ان صحابہ سے کہا:

"دراصل رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے جا رہا تھا تا کہ اسلام قبول کروں۔

اس پر صحابہ نے کہا:

"ہم تمہیں ایک رات اور ایک دن کے لئے باندھ کر جائیں گے اگر تم واقعی مسلمان ہو تو ہماری اس بندش سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور اگر ایسا نہیں ہے تو ہمیں تمہارے متعلق یقین ہو جائے گا کہ تمہاری بات غلط ہے"۔

یہ کہہ کر صحابہ نے حرث لیثی کو باندھ دیا اور اس کے پاس سوید صخری کو چھوڑ کر آگے روانہ ہو گئے ایک روایت میں یوں ہے کہ اس کے پاس اپنے میں سے ایک سیاہ فام شخص کو چھوڑ کر آگے بڑھے ساتھ ہی اس نگراں شخص سے کہا:

"اگر یہ قیدی تم سے جھگڑا کرے تو اس کی گردن مار دینا"۔

کامیاب جاسوسی...... اس کے بعد یہ لوگ آگے روانہ ہو گئے اور سورج چھپنے کے وقت دشمن کے ٹھکانے پر پہنچ گئے یہاں یہ حضرات وادی کے ایک گوشے میں چھپ کر بیٹھ رہے۔ جندب جہنی کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے مجھے بنی ملّوح کی طرف جاسوسی کے لئے بھیجا میں وہاں سے چل کر ایک بلند چوٹی پر ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں سے دشمن کے لوگ نظر آتے تھے۔

دشمن کی چوکسی...... یہاں پہنچ کر میں سیدھا کھڑا ہوا اور سامنے دیکھنے کے لئے آگے کو جھک کر جھانکنے لگا اسی وقت ایک شخص اپنے خیمہ سے باہر نکلا اور اپنی بیوی سے کہنے لگا:

"میں اس سامنے کے پہاڑ پر ایک سیاہ دھبہ سا دیکھ رہا ہوں جو پہلے کبھی نظر نہیں آیا ذرا تم جا کر اپنے برتنوں کو دیکھو کہیں کتے ان میں سے کچھ نکال کر نہ لے بھاگے ہوں!"

اس عورت نے جا کر اپنے برتن دیکھے اور پھر آ کر کہنے لگی:

"میرے برتنوں میں تو خدا کی قسم کوئی چیز کم نہیں ہے"۔

اس شخص نے کہا:

"اچھا ذرا تیر کمان لا کر دو!"

عورت نے اس کو تیر کمان لا کر دیا تو اس شخص نے میری طرف ایک تیر چلایا جو صحیح نشانہ سے میری آنکھوں کے درمیان یعنی پیشانی پر لگا میں نے جلدی سے وہ تیر نکال کر پھینکا اور اپنی جگہ پر جما رہا (کیونکہ اس وقت وہاں سے ہلنے یا ہٹنے کے معنی یہ تھے کہ اس شخص کا شبہ یقین میں بدل جاتا اور مسلمانوں کا شب خون مارنے کا منصوبہ ناکام ہو جاتا) پھر اس شخص نے دوسرا تیر چلایا جو میرے شانے میں آ کر لگا میں نے اسے بھی جلدی سے کھینچ کر پھینکا اور اپنی جگہ جما رہا آخر اس نے اپنی بیوی سے کہا:

"تیرا باپ نہ رہے خدا کی قسم اگر یہ کوئی جاسوس یعنی آدمی ہوتا تو ضرور اپنی جگہ سے ہلتا کیونکہ اس کو دونوں تیر لگے ہیں تم

صبح کو وہاں جا کر دونوں تیروں کو دیکھ لینا انہیں کتے نہیں بھنبھوڑیں گے۔"

شب خون...... یہاں تیرا باپ نہ رہے کے لئے لَا اَبَاً لَك آیا ہے جو ایک کو سنا ہے کہ تیری دیکھ بھال اور ذمہ داری اٹھانے والا میرے سوا کوئی نہ رہے اس معنی میں یہ بھی آتا ہے اسی طرح تعجب کے مقام پر بھی استعمال کیا جاتا ہے اس وقت اس کے یہ معنی مراد نہیں لئے جاتے۔

اس کے بعد وہ اندر چلا گیا جندب جہنی کہتے ہیں جب یہ لوگ مطمئن ہو کر سو گئے تو اچانک ہم نے ان پر شب خون مارا ہم نے دشمن کے بہت سے جانبازوں کو قتل کیا اور ان کے گھر والوں کو قیدی بنا لیا اس کے بعد ہم ان کی تمام بھیڑ بکریوں کو ہنکا لے گئے۔

واپسی میں ہم حرث لیثی کے پاس پہنچے (یعنی وہی قیدی جس کو یہ حضرات اس غزوہ میں جاتے ہوئے ایک شخص کے سپرد کر گئے تھے واضح رہے کہ حرث لیثی نے گرفتاری کے وقت کہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اسلام قبول کرنے جا رہا ہوں) اب مسلمانوں نے قیدی اور اس کے نگراں کو ساتھ لیا اور مدینہ کو روانہ ہو گئے۔

دشمن کی طرف سے تعاقب...... ادھر بنی ملوح یعنی دشمن کے آدمیوں میں سے ایک شخص مسلمانوں سے جان بچا کر بھاگا اور اس نے اپنی قوم میں جا کر فریاد کی اور اپنی تباہی کا حال سنایا بنی ملوح کے لوگ اسی وقت ایک زبردست لشکر لے کر مسلمانوں کے تعاقب میں نکلے اور ایک جگہ صحابہ کو جا لیا وہاں دشمن کے اور مسلمانوں کے درمیان ایک وادی تھی مگر اس سے پہلے کے دشمن اس وادی کو پار کرتا اللہ تعالیٰ کے حکم سے اچانک بادل چھائے اور اتنی شدید بارش ہوئی کہ ہم نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔

مدد خداندی...... اس بارش کے نتیجہ میں وادی میں سیلاب آگیا اور وہ پانی سے بھر گئی کوئی شخص وادی کو پار نہیں کر سکتا تھا دشمن کا لشکر بے بسی کے ساتھ وادی کے پار ہمیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا اور ہم آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ خیر و عافیت کے ساتھ مدینہ پہنچ گئے ایک دوسری روایت میں یہ لفظ ہیں کہ:

دشمن کے سامنے آجانے پر ہم لوگ کہنے لگے کہ دشمن ہمیں تاک رہا ہے اسی وقت اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے وادی کو بادلوں سے ڈھک دیا جو اتنے برسے کہ وادی کے دونوں کنارے لبریز ہو گئے حالانکہ اس روز میں نہ کہیں بادل نظر آتے تھے اور نہ کہیں بارش کا نام و نشان تھا بارش کے طوفانی پانی نے وادی کا راستہ اس طرح بند کر دیا کہ کوئی شخص ادھر سے ادھر نہیں جا سکتا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن ہمیں جاتے ہوئے بے بسی سے دیکھتا رہا۔

اسی قسم کا ایک واقعہ قطنہ ابن عامر کے ساتھ بھی پیش آیا تھا کہ وادی میں سیلاب آکر راستہ بند ہو گیا تھا اس وقت قطنہ ابن عامر تبال کی طرف بنی خشعم کے مقابلے کے لئے جا رہا تھا جیسا کہ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

سریۂ غالب ابن عبداللہ لیثی

یہ سریہ فدک میں بنی مرہ کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا جنہوں نے حضرت بشیر ابن سعد کے تیس ساتھیوں کو شہید کیا تھا اس واقعہ کے بعد حضرت غالب لیثی فتح و نصرت کے ساتھ کرید کے مقام سے واپس مدینہ آئے (کرید کے معرکہ کی تفصیل گذشتہ صفحات میں بیان ہو چکی ہے) رسول اللہ ﷺ نے غالب لیثی کو کرید سے واپسی پر دو سو صحابہ کے ساتھ فدک میں بنی مرہ کی گوشمالی کے لئے روانہ فرمایا۔

حضرت غالب کے واپس آنے سے پہلے آنحضرت ﷺ اس معرکہ کے لئے حضرت زبیر کو بھیجنے کا ارادہ فرما چکے تھے اور

ان کو پرچم بھی تیار کر کے عنایت فرما چکے تھے لیکن اسی دوران حضرت غالب لیثی سریہ کرید سے کامیاب و کامران واپس ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے حضرت زبیرؓ سے فرمایا کہ تم ٹھہر جاؤ (اس مہم پر غالب کو بھیجا جائے گا) چنانچہ دو سو آدمیوں کی جماعت لے کر غالب لیثی فدک کی طرف روانہ ہو گئے۔

بنی مُرہ کی سر کوبی...... حضرت غالب نے دشمن کے سر پر پہنچتے ہی ان پر یلغار کی اور بہت سے آدمیوں کو قتل کر کے ان کے اونٹ وغیرہ اپنے قبضے میں کر لئے' جب حضرت غالب رات میں دشمن کے قریب پہنچے تو انہوں نے اپنے ساتھیوں کے مقابل کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی خوب حمد و ثنا بیان کی اور اس کے بعد کہا:

"اما بعد! میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی نصیحت کرتا ہوں جو تنہا ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور یہ کہ تم لوگ میری اطاعت کرو اور میرے کسی معاملے میں میری مخالفت نہ کرو اس لئے کہ جو شخص کسی کی اطاعت نہیں کرتا اس کی کوئی رائے اور اہمیت نہیں ہوتی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ تم لوگ میری نافرمانی مت کرنا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے میرے مقرر کئے ہوئے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی لہٰذا جب تم لوگ میری نافرمانی کرو گے تو گویا اپنے نبی کی نافرمانی کرو گے"۔

بھائی چارہ...... اس کے بعد حضرت غالب نے اپنے ساتھیوں کے درمیان اخوت اور بھائی چارہ قائم کیا۔ چنانچہ وہ ایک ایک کا نام لے کر پکارتے اور کہتے کہ اے فلاں تم اور فلاں بھائی بھائی ہو اور اے فلاں تم اور فلاں بھائی بھائی ہو (پھر انہوں نے ان لوگوں سے فرمایا):

"تم میں سے کوئی شخص اپنے ساتھی کا ساتھ نہ چھوڑے ایسا نہ ہو کہ تم میں سے کوئی شخص تنہا واپس آئے اور جب میں اس سے پوچھوں کہ تمہارا ساتھی کہاں ہے؟ تو وہ کہے کہ میں نہیں جانتا نیز جب میں تکبیر کہوں تو تم سب بھی میرے ساتھ تکبیر کہنا"۔

حملہ اور فتح...... چنانچہ جب انہوں نے دشمن کو چاروں طرف سے گھیر لیا تو حضرت غالبؓ نے زور سے تکبیر کہی جس کے جواب میں سب مسلمانوں نے تکبیر کہی اور تلواریں کھینچ کر دشمن کے مقابلے کے لئے نکل پڑے انہوں نے تھوڑی دیر جنگ کی اور دشمن کو تلواروں کی دھار پر رکھ لیا۔

اس روز مسلمانوں کا جنگی نعرہ "اَمِت اَمِت" تھا مسلم لشکر میں حضرت اسامہ ابن زیدؓ بھی تھے جو حضرت غالبؓ کی نگاہوں میں نہ رہے اور کافی دیر تک انہوں نے اسامہؓ کو نہیں دیکھا رات میں کافی دیر کے بعد وہ غالب کی پاس آئے تو حضرت غالب نے ان کو ملامت کی اور کہا: "تمہیں یاد نہیں میں نے تم سے کیا عہد لیا تھا؟"

حضرت اسامہؓ نے کہا:

"میں دشمن کے ایک آدمی کے تعاقب میں نکل گیا تھا جو میرے ساتھ ٹھٹھا کر رہا تھا آخر اس کا پیچھا کرتے کرتے جب میں نے اس کے قریب پہنچ کر تلوار سے اس پر وار کیا تو اس نے لا الہ الا اللہ کہا"۔

امیر یعنی غالب لیثی نے یہ سن کر فرمایا:

"تم نے بہت برا کیا' تم ایک ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو لا الہ الا اللہ کہتا ہے"۔

اسامہؓ اس پر بہت نادم و شرمندہ ہوئے مسلمانوں نے اس فتح کے بعد بہت سے اونٹوں بکریوں پر قبضہ کیا اور بہت سے آدمی پکڑے چنانچہ ہر مجاہد کے حصہ میں ایک اونٹ کے بدلہ میں دس بکری کے حساب سے آئیں۔ اس سلسلے میں گذشتہ

صفحات میں تفصیل اور اس پر شبہ کا بیان گزر چکا ہے۔

یہاں حضرت اسامہؓ کا جو یہ قول گزرا ہے کہ جب میں نے اس کے قریب پہنچ کر تلوار سے اس پر وار کیا تو اس نے لا الہ الا اللہ کہا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص نے تلوار کے وار کے بعد کلمہ پڑھا تھا۔

البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ تلوار کے وار سے وار کرنے کا ارادہ مراد لیا جائے ادھر گذشتہ روایات میں تلوار کے بجائے نیزہ کا حملہ بیان کیا گیا ہے یہ اختلاف قابل غور ہے۔

سریۂ شجاع ابن وہب اسدی بسوئے بنی عامر

رسول اللہ ﷺ نے حضرت شجاع ابن وہبؓ کو چوبیس آدمی دے کر بنی ہوازن کے ایک گروہ کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا بنی ہوازن کی اس شاخ کو بنی عامر کہا جاتا تھا آنحضرت ﷺ نے حضرت شجاع کو حکم دیا کہ دشمن پر اچانک حملہ کریں۔

دشمن کا فرار اور مالِ غنیمت...... حضرت شجاع راتوں کو سفر کرتے ہوئے اور دن میں چھپتے ہوئے چلے یہاں تک کہ ایک دن اچانک دشمن کے سر پر پہنچ گئے جب کہ وہ لوگ حملے سے بالکل غافل اور بے خبر تھے (نتیجہ یہ ہوا کہ بنی عامر کے لوگ مسلمانوں کو اچانک دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے مگر) حضرت شجاع نے اپنے ساتھیوں کو ان کا تعاقب کرنے سے منع کر دیا۔

مسلمانوں کو بہت سے اونٹ اور بکریاں مالِ غنیمت میں حاصل ہوئیں جنہیں لے کر وہ مدینہ واپس آگئے یہ مال غنیمت اس قدر تھا کہ ہر مجاہد کے حصے میں پندرہ اونٹ آئے یا ایک اونٹ کے بدلے دس بھیڑ کے حساب سے ملیں۔

سریۂ کعبؓ ابن عمیر غفاری

رسول اللہ ﷺ نے حضرت کعب ابن عمیر غفاریؓ کو ذات اطلاح کی طرف روانہ فرمایا جو سرزمین شام میں وادی قریٰ کی پشت پر تھا حضرت کعب کے ساتھ پندرہ آدمی تھے مگر وہاں پہنچ کر حضرت کعب کو دشمن کا بہت بڑا مجمع ملا۔

دشمن کی بڑی تعداد...... اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جب حضرت کعبؓ روانہ ہو کر ذات اطلاح کے قریب پہنچے تو دشمن کے ایک جاسوس نے ان کو دیکھ لیا اور اس نے فوراً ہی اپنے آدمیوں کو مسلمانوں کی پیش قدمی کی اطلاع دے دی (جس پر انہوں نے اپنی جمعیت فراہم کر لی)۔

حملہ آور صحابہ کا قتل...... غرض حضرت کعبؓ نے دشمن کے مقابل پہنچ کر ان کو اسلام کی دعوت دی مگر انہوں نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی بلکہ اس کے جواب میں صحابہ پر تیر اندازی شروع کر دی آخر مسلمانوں نے ان کا مقابلہ شروع کیا اور جی چھوڑ کر ان سے لڑے یہاں تک کہ حضرت کعب ابن عمیر کے مسلمانوں کا آخر آدمی تک قتل ہو گیا۔

آنحضرت ﷺ کو صدمہ...... حضرت کعب زخموں سے چور لاشوں کے درمیان پڑے تھے اس لئے دشمن نے ان کو مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا شام ہوئی تو وہ کسی نہ کسی طرح اٹھ کر مدینہ کو روانہ ہوئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے آپ ﷺ کو جب اس سریہ کا انجام معلوم ہوا تو آپ ﷺ کو بے حد صدمہ ہوا۔

آپ ﷺ نے اسی وقت ان کی طرف ایک بعث بھیجنے کا ارادہ فرمالیا مگر پھر آپ کو پتہ چلا کہ وہ لوگ اس مقام سے ہٹ کر کہیں

اور چلے گئے ہیں اس لئے آپ ﷺ نے یہ ارادہ ملتوی فرمادیا (کیونکہ دشمن کو پہلے ہی مسلمانوں کی طرف سے انتقام کا خوف تھا)۔

اقول مؤلف کہتے ہیں: میں اس سے واقف نہیں کہ وہ کیا سبب ہے جس کی وجہ سے آنحضرت ﷺ اس مقام کی طرف بعث بھیجنے کا ارادہ فرمایا تھا۔ واللہ اعلم

سریۂ عمرو ابن عاص بسوئے ذات السّلاسل

لفظ سلاسل...... ذات سلاسل ایک علاقہ کا نام ہے جو آبی سرزمین ہے۔ اس پانی کو سلاسل کہا جاتا ہے۔ ایک قول کے مطابق اس جگہ کا نام ذات سلاسل رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں تہہ در تہہ اور مسلسل ریت کے ٹیلے تھے اگر پانی میٹھا اور صاف ہو جو آسانی کے ساتھ حلق سے اتر جائے تو اس کو آب مسلسل اور آب سلسال کہا جاتا ہے یہ علاقہ وادی قریٰ کے پیچھے تھا۔

ایک قول کے مطابق وجہ یہ تھی کہ مشرکوں نے بچھڑ جانے کے خوف سے خود کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھ لیا تھا (تاکہ اچانک حملہ کی صورت میں افراتفری کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے سے علیحدہ نہ ہو جائیں)۔

مؤلف کہتے ہیں: حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے زمانے میں اہل فارس کے ساتھ حضرت خالد بن ولیدؓ کے جو معرکے ہوئے تھے ان کو بھی ذات السلاسل کہا جاتا ہے کیونکہ ان معرکوں میں بھی بہادروں نے خود کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھ لیا تھا تاکہ کوئی بھی شخص میدان سے بھاگ نہ سکے چنانچہ ان کا آخری آدمی تک قتل ہو گیا اس لئے کہ سلاسل نے ان کو پسپائی اور شکست سے روکے رکھا۔

بنی قضاعہ کی جنگی تیاریاں...... رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ بنی قضاعہ نے ایک لشکر جمع کیا ہے جو مدینہ پر حملہ کرنا چاہتا ہے آپ ﷺ نے حضرت عمروؓ ابن عاص کو بلایا اس وقت ان کو اسلام قبول کئے ایک سال ہو چکا تھا آپ ﷺ نے ان کو ایک سفید رنگ کا لواء تیار کر کے دیا ساتھ ہی آپ ﷺ نے سیاہ رنگ کا ایک رایہ بھی ان کے ساتھ کیا۔

ابن عاصؓ کی روانگی...... آنحضرت ﷺ نے تین سو بڑے بڑے مہاجر اور انصاری صحابہ ان کیساتھ کئے اس لشکر کیساتھ تیس گھوڑے تھے آپ ﷺ نے عمرو ابن عاص کو حکم فرمایا کہ راہ میں جو شخص بھی ان کے پاس سے گزرے اس سے مدد حاصل کریں حضرت عمرو اس طرح روانہ ہوئے کہ راتوں کو سفر کرتے اور دن کو کہیں چھپ رہتے آخر چلتے چلتے وہ دشمن کے قریب پہنچ گئے۔

دشمن کی کثرت...... یہاں حضرت عمرو کو معلوم ہوا کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے اس لئے انہوں نے (مدد طلب کرنے کے لئے) حضرت رافع ابن کعب جہنی کو آنحضرت ﷺ کے پاس بھیجا آپ ﷺ نے جواب میں حضرت ابو عبیدہؓ کے ساتھ دو سو بڑے بڑے مہاجر اور انصاری صحابہ کو کمک کے طور پر بھیجا ان صحابہ میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی شامل تھے۔

ابو عبیدہؓ کے ذریعہ کمک...... آنحضرت ﷺ نے ابو عبیدہؓ کو پرچم تیار کر کے عنایت فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ وہاں پہنچ کر حضرت عمرو ابن عاص سے مل جائیں ساتھ ہی آپ ﷺ نے ان کو نصیحت کی کہ متحد اور یکجا رہیں اختلاف نہ کریں چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ مدینہ سے چل کر عمرو ابن عاص سے جا ملے۔

یہاں پہنچ کر نماز کے لئے ابو عبیدہؓ نے امامت کرنی چاہی اس پر حضرت عمرو ابن عاص نے کہا:

"آپ میرے پاس بطور مدد کے لئے آئے ہیں جب کہ امیر میں ہی ہوں"۔

ابو عبیدہؓ کے ساتھ جو مہاجر صحابہ تھے انہوں نے عمرو ابن عاص سے اس کے جواب میں کہا:

"آپ اپنے ساتھیوں کے امیر ہیں اور یہ اپنے ساتھیوں کے امیر ہیں"۔

لشکر کی امامت...... عمرو ابن عاص نے کہا کہ آپ لوگ صرف ہماری مدد کے طور پر بھیجے گئے ہیں ابو عبیدہؓ نے یہ اختلاف دیکھا تو انہوں نے کہا:

"عمرو! میری روانگی کے وقت آنحضرت ﷺ نے مجھ کو جو آخری ہدایت فرمائی تھی وہ آپ ﷺ کا یہ قول تھا کہ اپنے ساتھی کے پاس پہنچ کر ایک دوسرے کے ساتھ اتفاق کرنا' اختلاف مت کرنا اس لئے خدا کی قسم چاہے تم میری نافرمانی کرو مگر میں یقیناً تمہاری اطاعت کروں گا"۔

حضرت عمروؓ نے کہا: یہ اس لئے کہ میں تم پر امیر ہوں حضرت ابو عبیدہ نے کہا تم ہی صحیح ہو۔

جہاں تک حضرت ابو عبیدہؓ کا تعلق ہے وہ بہت زیادہ خوش اخلاق اور نرم مزاج آدمی تھے اس لئے (وہ خاموش ہو گئے اور) حضرت عمرو ابن عاص امامت کرتے رہے۔

حضرت عمرو ابن عاص سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے بلوایا اور حکم دیا کہ میں اپنے کپڑے اور ہتھیار لے آؤں پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "اے عمرو! میں چاہتا ہوں کہ تمہیں ایک لشکر کی سربراہی میں بھیجوں تا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں مال غنیمت اور فتح عطا فرمائے"۔

عمرو نے عرض کیا کہ میں مال و دولت کے لالچ میں مسلمان نہیں ہوا ہوں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں! لیکن صالح مال صالح انسان کے لئے ہی ہوتا ہے"۔

مشرکوں کی پسپائی...... غرض اس کے بعد مسلمانوں نے دشمن کا زبردست لشکر دیکھا اور اس پر حملہ آور ہو گئے مشرکین (حملے کی تاب نہ لا سکے اور) منتشر ہو گئے صحابہ نے دشمن کا پیچھا کرنا چاہا مگر حضرت عمروؓ نے ان کو منع کر دیا۔

پھر مسلمانوں نے سردی سے حفاظت کیلئے آگ روشن کرنی چاہی مگر حضرت عمروؓ نے انہیں روک دیا انہوں نے ان لوگوں سے کہا: "جو شخص بھی آگ جلائے گا میں واقعی اس کو اسی آگ میں ڈال دوں گا"۔

ابن عاصؓ کے جنگی مصالح...... لوگوں کو اس پر بہت گرانی ہوئی کیونکہ سردی کی شدت تھی آخر معزز مہاجروں میں سے ایک مہاجر نے اس بارے میں حضرت عمرو سے بات کی مگر عمرو ابن عاص نے ان کے ساتھ بھی سخت کلامی کی اور کہا:

"تمہیں حکم دیا گیا تھا کہ میرے احکام کی اطاعت اور پیروی کرو"۔

انہوں نے کہا ہاں' عمرو نے کہا بس تو پھر اسی پر عمل کرو۔

جب حضرت عمر فاروقؓ کو اس بات کا علم ہوا تو وہ سخت غضبناک ہوئے اور انہوں نے عمرو ابن عاص کے پاس جانے کا ارادہ کیا مگر ان کو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے روک دیا اور کہا:

"رسول اللہ ﷺ نے عمرو کو صرف انکی جنگی مہارت کی وجہ سے ہی امیر بنایا ہے" یہ سن کر حضرت فاروق اعظم خاموش ہو گئے۔

بلا غسل کے امامت...... اسی دوران میں یہ واقعہ ہوا کہ ایک رات عمرو ابن عاص کو سوتے میں احتلام یعنی بد خوابی ہو گئی اس رات سردی بھی بہت غیر معمولی طور پر شدید تھی اس لئے عمرو ابن نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

"تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ خدا کی قسم مجھے احتلام ہو گیا ہے لیکن اگر میں نہایا تو مر جاؤں گا"۔

یہ کہہ کر انہوں نے پانی منگایا جس سے اپنی شرم گاہ دھوئی اور وضو کیا اور (غسل کے بجائے) تیمم کر لیا اس کے بعد انہوں نے کھڑے ہو کر لوگوں کو نماز پڑھائی (یعنی جنابت یا ناپاکی کا غسل کرنے کے بجائے صرف تیمم کر کے نماز پڑھائی)۔

نبی کو فتح کی خوشخبری......اس کے بعد انہوں نے عوف ابن مالک کو رسول اللہ ﷺ کے پاس سلامتی کے ساتھ اپنے آنے کی خوشخبری دے کر بھیجا حضرت عوفؓ ابن مالک کہتے ہیں کہ جب میں آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا تو اس وقت آپ اپنے حجرہ میں نماز پڑھ رہے تھے (یعنی مصلے پر تھے) میں نے کہا السّلام علیک یارسول اللہ ﷺ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' آپ نے دریافت فرمایا کیا عوف ابن مالک ہیں؟ میں نے عرض کیا:

"ہاں یارسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں!"

آنحضرت ﷺ کو واقعات کی اطلاع..... آپ نے فرمایا وہاں کے حالات سناؤ اس پر میں نے روانگی کے وقت سے تمام حالات سنائے اور حضرت ابو عبیدہؓ ابن جراح اور عمروؓ ابن عاص کے درمیان جو واقعہ ہوا تھا اور پھر جس طرح حضرت ابو عبیدہؓ نے ان کی اطاعت کی تھی اس کی تفصیل بھی سنائی آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا:

"اللہ تعالیٰ ابو عبیدہ ابن جراح پر رحمت فرمائے"۔

اس کے بعد میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ بھی بتلایا کہ کس طرح عمرو ابن عاص نے مسلمانوں کو دشمن کا تعاقب کرنے سے روک دیا تھا اور کس طرح آگ جلانے سے منع کر دیا تھا اور کیسے جنابت کی حالت میں صحابہ کو نماز پڑھادی تھی۔

ابنؓ عاص سے باز پُرس......اس کے بعد حضرت عمرو ابن عاص مدینہ پہنچ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے اس بارے میں دریافت کیا انہوں نے آگ نہ جلنے دینے کے متعلق جواب دیا۔

میں نے یہ بات پسند نہیں کی کہ مسلمان آگ جلائیں اور دشمن آگ کی کمی سے ان کی تعداد کی کمی کا اندازہ کرلے' اسی طرح میں نے مسلمانوں کو دشمن کا تعاقب کرنے سے اس لئے روکا کہ کہیں دشمن کو مدد حاصل ہو جائے اور وہ اچانک مسلمانوں پر پلٹ پڑیں"۔

آنحضرت ﷺ نے اس پر حضرت عمروؓ کی دانائی کی تعریف کی۔

پھر خود حضرت عمروؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ سے میری نماز کے متعلق سوال کیا اور فرمایا:

"عمرو! تم نے جنابت کی حالت میں اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی"۔

ابن عاص کی وضاحت......میں نے عرض کیا:

"قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو سچائی و حق کے ساتھ ظاہر فرمایا اگر میں اس وقت غسل کر لیتا تو یقیناً مر جاتا اس روز جیسی سردی میں نے کبھی نہیں دیکھی اور پھر حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ۔ (سورۂ بقرہ آیت ۲۹۵' ع ۲۴)

ترجمہ:۔ اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں مت ڈالو۔

اس جواب پر رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے۔

اب اس سلسلے میں ہمارے یعنی شافعی اماموں کو اس کا جواب دینا ضروری ہے کہ صحابہ نے عمرو کے پیچھے کیسے نماز پڑھ لی (جب کہ وہ جنابت کی حالت میں تھے) کیونکہ میرے علم میں کوئی ایسی حدیث بھی نہیں ہے جس کے مطابق آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو اس نماز کی قضا کا حکم دیا ہو۔

سریۂ خبط

ابو عبیدہ کی سرداری..... لفظ خبط عربی میں درخت میں پتے جھاڑنے کو کہتے ہیں (اس کی تفصیل آگے بھی آئے گی) رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ ابن جراحؓ کو تین سو صحابہ کی جماعت دے کر بنی جہینہ کی ایک شاخ کی طرف بھیجا جو سمندر کے ساحل پر آباد تھی۔ اس جماعت میں مہاجر اور انصاری صحابہ تھے اور ان میں حضرت عمر فاروقؓ بھی تھے۔

سریہ کا سبب..... ایک قول کے مطابق اس سریہ کے بھیجنے کا مقصد ایک قریشی قافلے پر تاخت کرنا تھا۔ اس صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ یہ واقعہ حدیبیہ کی صلح سے پہلے کا ہے کیونکہ یہ بات گزر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معاہدۂ حدیبیہ کے بعد قریش کے تجارتی قافلوں پر تاخت بند فرمادی تھی جو فتح مکہ تک جاری رہی (جب کہ یہ سریہ بعد کا ہے) یہ بھی کہنا مشکل ہے کہ سریہ خبط ایک سے زائد مرتبہ پیش آیا ہوگا۔ لہٰذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ سریۂ خبط دو مرتبہ پیش آیا تھا ایک بار معاہدۂ حدیبیہ سے پہلے اور دوسری مرتبہ اس کے بعد۔ اسی اشکال کی وجہ سے اس قول کو وہم قرار دیا گیا ہے۔

صحابہ کو خوراک کی کمی..... غرض یہ لوگ پندرہ دن تک ساحل پر ٹھہرے رہے (یہاں تک کہ ان کے پاس کھانے کو کچھ نہیں رہا اور) یہ لوگ بھوک سے بے حال ہوگئے یہاں تک کہ درختوں کے پتے جھاڑ کر پیٹ کی آگ بجھانے لگے۔ یعنی پتوں کو پانی میں تر کرتے اور کھاتے یہاں تک کہ اس سے ان کے ہونٹ اور باچھیں پھٹ گئیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ (خوراک و رسد کی کمی کی وجہ سے) حضرت ابو عبیدہؓ لوگوں کو ایک دن میں فی کس ایک کھجور دے رہے تھے لہٰذا لینے والا کھجور کو چوستا اور پھر اس کی گٹھلی کپڑے میں لپیٹ کر رکھ لیتا۔

حضرت زبیرؓ سے روایت ہے کہ ان سے کسی نے کہا:

"تم لوگ ایک کھجور میں کیا کرتے تھے؟"

صحابہ کا صبر و شکر..... انہوں نے کہا:

"ہم اس کو اس طرح چوستے جیسے بچہ اپنی ماں کی چھاتی چوستا ہے اور اس کے بعد اس پر پانی پی لیتے اس طرح یہی کھجور ہمیں اس پورے دن کے لئے کافی ہو جاتی تھی۔!"

پتوں پر گزارہ..... جب یہ سریہ روانہ ہوا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے ان صحابہ کو کھجوروں کی ایک تھیلی زادراہ کے طور پر عنایت فرمائی تھی چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ یہی کھجوریں لشکر میں تقسیم فرماتے تھے (اور مجاہدین کا کھانا صرف یہی تھا کیونکہ رسد اور خوراک کی بہت کمی تھی) ادھر جب یہ کھجوریں ختم ہونے لگیں تو حضرت ابو عبیدہؓ گن گن کر لشکریوں کو رسد تقسیم فرماتے۔ پھر اس کے بعد نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ہر مجاہد کو ایک دن کی رسد کے طور پر صرف ایک کھجور ملتی اور پھر کھجور کے بعد یہ حضرات درختوں کے پتوں پر گزارہ کرتے۔

بھوک سے بدحالی..... حضرت قیسؓ ابن سعد ابن عبادہ نے مسلمانوں کی یہ حالت دیکھی کہ وہ بھوک سے نڈھال ہو چکے ہیں اور اسی دوران کسی شخص نے کہا کہ خدا کی قسم اس وقت جس حالت میں ہیں اگر ایسے میں دشمن سے ہمارا سامنا ہو گیا تو کیا ہوگا ہم تو ضعف و نقاہت کی وجہ سے حرکت کرنے کے قابل بھی نہیں ہیں۔

قیس کا جذبۂ خیر..... اس پر حضرت قیسؓ نے لوگوں سے کہا:

”کون ہے جو مجھ سے مدینہ میں کھجوریں خرید لے اور ان کی قیمت میں یہاں مجھے اونٹ دے دے؟“

اس پر ساحلی علاقے کے لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا:

”میں خریدنے کو تیار ہوں مگر خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو؟“

انہوں نے کہا کہ میں قیس ابن سعد ابن عبادہؓ ہوں۔ اس شخص نے کہا:

”میں نہیں جانتا تھا کہ میرے اور سعد کے درمیان یثرب کے سردار کی قائم کی ہوئی محبت ہے۔“

اونٹوں کی خریداری...... اس کے بعد حضرت قیسؓ نے پانچ اونٹ خرید لئے ان میں سے ہر اونٹ ایک وسق کھجور کے بدلے میں لیا گیا۔ ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع اسی تولہ کے سیر سے ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے اس طرح گویا دو سو دس سیر کھجور کے بدلے میں ایک اونٹ خریدا گیا۔

(غرض وہ شخص یہاں اونٹ دینے پر رضامند ہو گیا اور) پھر کہنے لگا کہ اس معاملہ کے لئے کسی شخص کی ضمانت ہونی بھی ضروری ہے (یعنی کوئی شخص اس کا ضامن بنے کہ مدینہ پہنچ کر کھجوریں دلوادے گا)۔

حضرت قیس نے کہا:

”تم جس شخص کو چاہو میں اس کی ضمانت دلا سکتا ہوں۔!“

اس پر اس نے مہاجر اور انصاری صحابہ میں سے کچھ لوگوں کی ضمانت طلب کی۔ ان حضرات میں حضرت فاروق اعظمؓ بھی تھے۔ ایک قول ہے کہ فاروق اعظمؓ نے لوگوں کو اس معاملے کا ضامن بننے سے روکا تھا اور کہا تھا کہ یہ شخص یعنی قیس ابن سعد ابن عبادہؓ خالی ہاتھ آدمی ہے اس کی ملکیت میں کوئی مال نہیں ہے جو کچھ مال ہے وہ اس کے باپ سعد ابن عبادہ کی ملکیت ہے۔

یہ سن کر اس شخص یعنی کھجوروں کے خریدار نے کہا:

”خدا کی قسم سعد ابن عبادہ اپنے بیٹے کے کئے ہوئے معاملے کو پورا نہیں کریں گے۔!“

لشکر کی ضیافت...... اس کے نتیجہ میں حضرت قیسؓ اور حضرت عمرؓ فاروق کے درمیان تیز کلامی ہوئی اور قیس نے فاروق اعظم کو سخت وسست کہا۔ غرض (پھر یہ معاملہ طے ہو گیا اور) قیس نے وہ اونٹ لے لئے (یہ کل پانچ اونٹ تھے) قیس نے ان میں سے تین دن تک روزانہ ایک اونٹ ذبح کر کے مسلمانوں کو کھلایا۔

امیر لشکر کا تامل...... چوتھے دن قیس نے چوتھا اونٹ ذبح کرنے کا ارادہ کیا مگر امیر لشکر ابو عبیدہؓ نے ان کو روک دیا اور کہا:

”میں طے کر چکا ہوں کہ اب تمہیں اونٹ ذبح کرنے نہیں دوں گا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارے والد تمہاری ذمہ داری کو قبول کرنے سے انکار کر دیں۔ یعنی تم نے اس شخص کو کھجوریں دینے کا جو وعدہ کیا ہے تمہارے والد اس کی ادائیگی سے انکار کر دیں جب کہ خود تمہارے پاس کسی قسم کا کوئی مال ہے نہیں؟“۔

قیس کا باپ پر اعتماد...... حضرت قیس نے جواب دیا:

”کیا آپؓ یہ سمجھتے ہیں کہ ابو ثابت یعنی میرے والد جو دوسروں کے قرضے بھی خود ادا کر دیتے ہیں اور ناداروں اور بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں وہ میرا قرض ادا نہیں کریں گے جو میں نے ان لوگوں کی مدد کیلئے کیا ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کر رہے ہیں۔!“

بخاری کی روایت یوں ہے کہ حضرت قیس نے مجاہدین کے لئے نو اونٹ ذبح کئے تھے یعنی روزانہ تین اونٹ ذبح کرتے تھے، اس کے بعد حضرت عبیدہؓ نے ان کو روک دیا تھا۔ جس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خریدے ہوئے اونٹ کل پانچ تھے

جن میں سے قیس نے تین دن تک روزانہ ایک اونٹ ذبح کیا تھا وہ یہ ہے کہ ان کے پاس وہ اونٹ باقی رہ گئے تھے جنہیں لے کر وہ مدینہ پہنچے جن پر وہ باری باری سوار ہو رہے تھے۔ بہر حال دونوں روایتوں کا اختلاف قابل غور ہے۔

اللہ کی مدد اور عنبر مچھلی..... اسی سریہ کے دوران (جب کہ مسلمان کھانے پینے کی تنگی کا شکار تھے) اچانک سمندر کی موجوں نے ایک نہایت عظیم الشان مچھلی اچھال کر کنارے پر پھینک دی۔ اس مچھلی کو عنبر کہا جاتا ہے (یہ گویا حق تعالیٰ کی طرف سے مجاہدوں کی ایک کھلی مدد تھی)۔

مچھلی کا ہولناک جثہ..... یہ مچھلی اتنی عظیم الشان اور زبردست تھی کہ حضرت ابو عبیدہؓ نے اس کے سینے کی ہڈیوں میں سے ایک دائرہ نما ہڈی زمین پر نصب کرائی اور پھر سب سے لمبے آدمی یعنی حضرت قیسؓ ابن سعد ابن عبادہ کو لشکر کے سب سے اونچے اونٹ پر بٹھا کر اس ہڈی کے اندر سے گزارا حضرت قیس آرام کے ساتھ اس طرح اس ہڈی کے نیچے سے گزر گئے کہ ان کا سر ہڈی سے نہیں چھوا۔ اسی طرح حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں اور پانچ فلاں فلاں آدمی اس مچھلی کی ایک آنکھ کے سوراخ میں گھس گئے تو ہم کسی کو نظر نہیں آرہے تھے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت ابو عبیدہؓ نے اس کی آنکھ کے سوراخ میں تیرہ آدمی بٹھا دیئے تھے۔

غرض مسلمانوں نے بہت دن تک یعنی تقریباً مہینے تک اس مچھلی کا گوشت کھایا جب کہ لشکر میں تین سو آدمی تھے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ درختوں کے پتے کھاتے کھاتے ہمارے ہونٹ زخمی ہو چکے تھے اور ہماری باچھیں پھٹ چکی تھیں۔ ہم لوگ سمندر کے ساحل کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے کہ اچانک سمندر کی موجوں سے کوئی عظیم الشان چیز اچھل کر باہر آگری جو دور سے ایک بہت بڑا ٹیلہ معلوم ہو رہی تھی۔ ہم لوگ اس کی طرف بڑھے اور قریب آ کر معلوم ہوا کہ وہ عنبر مچھلی تھی۔

حضرت ابو عبیدہؓ نے اسے دیکھ کر کہا کہ یہ مردہ ہے۔ پھر کہا:

"چونکہ تم لوگ پریشان حال اور اضطرار کی حالت میں ہو اس لئے اسے کھا سکتے ہو۔!"

ایک ماہ مچھلی پر گزارہ..... چنانچہ ہم لوگوں نے تقریباً ایک مہینہ تک اس کا گوشت کھایا جب کہ ہماری تعداد تین سو تھی۔ اس کا گوشت اتنی مقدار میں تھا کہ ہم اسے کھا کھا کر موٹے ہو گئے۔ ہم لوگ اس کی آنکھ کے ڈھیلے میں سے پیالے بھر بھر کر چکنائی نکالتے تھے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ ہم لوگ اس کی آنکھ سے ایسے ایسے پیالوں میں چکنائی نکالتے تھے پھر ہم اس کا کچھ گوشت بچا کر اپنے ساتھ مدینہ لے گئے۔

بھوک کی خبروں پر سعدؓ کا جوش..... غرض ادھر مدینہ میں مسلمانوں کے لشکر کی ناداری اور بھوک سے بد حالی کی خبریں آرہی تھیں لشکر کی واپسی سے پہلے جب حضرت سعدؓ بن عبادہ نے یہ خبریں سنیں تو وہ کہنے لگے:

"اگر میرا بیٹا قیس ہوتا تو لشکر کیلئے یقیناً جانور ذبح کر کے ان کو کھلاتا"۔

سعدؓ کا قیس سے سوال..... پھر جب لشکر واپس مدینہ پہنچا تو حضرت سعدؓ نے قیس سے پوچھا:

"جب لوگ بھوک سے بے حال ہو رہے تھے تو تم نے کیا کیا تھا؟"

انہوں نے جواب دیا کہ میں نے ان کے لئے جانور ذبح کر کے ضیافت کی تھی۔ سعدؓ نے کہا تم نے ٹھیک کیا' پھر پوچھا اسکے بعد کیا کیا؟ انہوں نے کہا میں نے پھر جانور ذبح کیا۔ انہوں نے کہا ٹھیک کیا پھر پوچھا اس کے بعد کیا کیا؟ انہوں نے کہا میں نے

پھر جانور ذبح کیا۔ سعدؓ نے کہا ٹھیک کیا۔ پھر کہا اس کے بعد کیا کیا؟ قیس نے جواب دیا پھر مجھے ذبیحہ کرنے سے روک دیا گیا۔ سعدؓ نے کہا: تمہیں کس نے روکا تھا؟ قیس نے جواب دیا: ہمارے امیر ابو عبیدہؓ نے! انہوں نے پوچھا کیوں؟

قیس نے جواب دیا:

''وہ یہ سمجھتے ہیں کہ میرے پاس اپنا ذاتی مال کچھ بھی نہیں ہے بلکہ جو کچھ ہے وہ سب باپ کی ملکیت ہے۔ اس پر میں نے ان سے کہا کہ جب میرے والد دور دراز کے رشتہ داروں کے قرضے تک ادا کر دیتے ہیں انکا بوجھ اٹھاتے ہیں' غریبوں اور بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں تو کیا وہ میرے لئے اتنا بھی نہیں کریں گے۔ حضرت عمرؓ نے اور زیادہ زور دے کر ان سے مجھے منع کرا دیا''۔

بیٹے کے عمل کا خیر مقدم...... حضرت سعدؓ ابن عبادہ نے قیس سے کہا:

''لو یہ چار باغ ہیں جن میں سے کم سے کم بھی اتنا ہے کہ اس سے پچاس وسق کھجوریں حاصل ہوتی ہیں''۔

اس کے بعد قیس ابن سعدؓ نے اونٹ والے سے کیا ہوا اپنا وعدہ پورا کیا اور اسکے علاوہ بھی اس کو کھجوریں دیں اور پہننے کو کپڑے دیئے۔

جب رسول اللہ ﷺ کو قیس کے اس وقعہ کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا:

''وہ ایک فیاض یعنی صاحب خیر گھرانے کا فرد ہے اور سخاوت و فیاضی اس گھرانے کی خصوصیت ہے''۔

اس خاندان کو نبی کی دعائیں...... حضرت سعدؓ ابن عبادہ سے روایت ہے کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ ہمارے مکان پر تشریف لائے اور فرمایا: السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ اس کے بعد آپ نے دعا فرمائی:

''اے اللہ! سعد ابن عبادہ کی آل و اولاد پر تو اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرما''۔

آنحضرت ﷺ کی عنبر کے گوشت کی خواہش...... غرض حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ پھر جب ہم واپس مدینہ پہنچے تو ہم نے رسول اللہ ﷺ سے عنبر مچھلی کا تذکرہ کیا' آپ ﷺ نے فرمایا:

''یہ رزق اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے فراہم فرمایا تھا۔ اگر اسکا کچھ گوشت تمہارے پاس ہو تو ہمیں بھی لا کر کھلاؤ''۔

ہم نے اسکا کچھ گوشت آنحضرت ﷺ کے پاس بھیجا اور آپ ﷺ نے بھی اسکو تناول فرمایا' یہ گوشت خراب نہیں ہوا تھا۔

سریۂ ابو قتادہ بسوئے غطفان

اچانک حملہ...... یہ ان لوگوں کا علاقہ تھا جو مسلمانوں کے خلاف برسر جنگ تھے رسول اللہ ﷺ نے حضرت قتادہؓ کو پندرہ آدمیوں کے ساتھ غطفان کی طرف روانہ فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ وہ اچانک اور بے خبری میں دشمن پر حملہ آور ہوں چنانچہ ابو قتادہؓ دن کو چھپتے اور راتوں کو سفر کرتے ہوئے چلے اور اچانک غطفانیوں پر حملہ کر کے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔

مسلمانوں نے ان کے سر کردہ لوگوں کو قتل کر دیا اور اونٹوں اور بکریوں پر قبضہ کر لیا جن کی تعداد سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں تھیں۔ ساتھ ہی صحابہ نے دشمن کے بہت سے آدمیوں کو قیدی بنایا۔

فتح اور مال غنیمت...... اس طرح مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ نکالنے کے بعد فی کس بارہ اونٹ اور فی اونٹ بیس بکری کے حساب سے مال غنیمت ملا۔ حضرت ابو قتادہؓ کے حصہ میں قیدیوں میں سے ایک نہایت خوبصورت لڑکی آئی۔ آنحضرت ﷺ نے ابو قتادہ سے کہا کہ وہ لڑکی وہ آپ ﷺ کو ہبہ کر دیں چنانچہ ابو قتادہ نے وہ لڑکی آپ ﷺ کو دے دی اور آپ ﷺ نے

اس کو ایک دوسرے شخص کو ہبہ فرمادیا۔

ایک شخص سے نبی کا وعدہ...... آنحضرت ﷺ نے اس شخص سے وعدہ فرمایا تھا کہ جو پہلا مال غنیمت اللہ تعالیٰ عنایت فرمائے گا اس میں سے آپ ﷺ اس کو ایک باندی دیں گے چنانچہ اس موقعہ پر وہ شخص آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور بولا:

"یارسول اللہ! ابو قتادہ کو ایک نہایت حسین و جمیل باندی مل گئی ہے حالانکہ آپ ﷺ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ جو پہلا مال غنیمت اللہ تعالیٰ عنایت فرمائے گا اس میں سے آپ ﷺ مجھے ایک باندی دیں گے!"۔

چنانچہ آپ ﷺ نے ابو قتادہ کو بلا کر ان سے فرمایا کہ وہ لڑکی مجھے ہبہ کردو۔ انہوں نے فوراً ہی ہبہ کردی اور آپ ﷺ نے پھر وہ لڑکی اس شخص کو دے دی)

سریہ عبداللہ ابن ابی حدرد اسلمی بہ سوئے غابہ

غابہ گھنے درخت کو کہتے ہیں مراد ہے جھاڑیوں والا علاقہ۔ یہی عبداللہ اسلمیؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی قوم کی ایک عورت سے شادی کی۔ میں اس سلسلے میں امداد لینے کے لئے رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ مہر کتنا ہوا ہے؟ میں نے عرض کیا دو سو درہم۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"سبحان اللہ! جو کچھ زائد ہے وہ تمہیں اپنے لوگوں سے لینا چاہئے تھا خدا کی قسم! میرے پاس تمہاری مدد کیلئے کچھ بھی نہیں ہے۔"

اس کے کچھ دن بعد رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ ایک شخص نے جس کا نام رفاعہ ابن قیس یا قیس ابن رفاعہ ہے ایک بہت بڑا لشکر جمع کر کے غابہ کے مقام پر پڑاؤ ڈال لیا ہے اور وہ آنحضرت ﷺ سے جنگ کرنا چاہتا ہے۔

دشمن کی سراغ رسانی...... آنحضرت ﷺ نے مجھے اور دو دوسرے مسلمانوں کو بلا کر فرمایا:

"تم لوگ اس شخص یعنی رفاعہ ابن قیس کی طرف جاؤ اور اس کے متعلق معلومات کر کے مجھے بتلاؤ"۔

ساتھ ہی آپ ﷺ نے ایک عمر رسیدہ اونٹنی ہمارے حوالے کی اور فرمایا کہ اس پر سفر کرو مگر باری باری سوار ہونا (یعنی ایک ساتھ تینوں مت بیٹھنا) چنانچہ ہم میں سے ایک شخص اس پر سوار ہو گیا مگر کمزوری کی وجہ سے وہ اٹھ نہ سکی یہاں تک کہ میں نے اس کو مار کر اٹھایا۔

بے شمار دشمن اور تین مسلمان......اس کے بعد ہم لوگ وہاں سے روانہ ہوئے ہمارے پاس جو ہتھیار تھے وہ تیر و تلوار تھے آخر ہم لوگ سورج ڈوبنے کے وقت دشمن کے قریب پہنچ چکے تھے' یہاں پہنچ کر میں دشمن کے ایک جانب میں تھا اور میرے دونوں ساتھی دوسری جانب میں تھے۔ میں نے ان سے کہا:

"جب تم لوگ مجھے تکبیر کہتے سنو تو تم بھی تکبیر بلند کرنا"۔

دشمن کا سردار رفاعہ......ابھی ہم اس حالت میں دشمن پر اچانک حملہ کرنے کی گھات لگا رہے تھے کہ رفاعہ ابن قیس یا قیس ابن رفاعہ جو دشمن کا سردار تھا اپنے ایک چرواہے کی تلاش میں نکلا جس کو واپس آنے میں دیر ہو گئی تھی اور ان لوگوں کو اس کی طرف سے تشویش ہو رہی تھی۔

جب رفاعہ اسکی تلاش میں جانے لگا تو اس کی قوم کے کچھ لوگوں نے اس سے کہا کہ خدا کی قسم اس کام کیلئے ہم لوگ ہی کافی ہیں آپ نہ جائیں مگر اس نے کہا کہ خدا کی قسم میں ہی جاؤنگا۔ تب لوگوں نے کہا کہ اچھا ہم آپ کیساتھ چلتے ہیں تو وہ کہنے لگا:

"نہیں۔ خدا کی قسم تم میں سے کوئی شخص میرے پیچھے نہ آئے۔!"

رفاعہ کا قتل اور لشکر میں بھگدڑ...... یہ کہہ کر وہ روانہ ہو گیا یہاںتک کہ جب میرے پاس سے گزرا تو میں نے موقعہ دیکھ کر اسکے تیر مارا جو ٹھیک اسکے دل میں پیوست ہو گیا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ آواز بھی نہ نکال سکا اور ادھر میں نے اچھل کر اسکو دبوچ لیا۔

تین مسلمانوں کی عظیم فتح...... پھر میں نے اس کا سر اتارا اور اسے لے کر تیزی کے ساتھ لشکر کے کنارے پہنچ کر زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا جس کے جواب میں میرے ساتھیوں نے بھی نہایت زور سے تکبیر بلند کی۔ اس اچانک ہلچل کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کے لوگ گھبرا کر بھاگ کھڑے ہوئے اور ہم بے شمار اونٹ اور بھیڑ بکریاں ہانک لائے۔

پھر ہم یہ مالِ غنیمت لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے۔ چونکہ میں رفاعہ ابن قیس کا سر بھی اپنے ساتھ لایا تھا اس لئے میں وہ بھی آپ ﷺ کے سامنے لے کر آیا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نے اس مال میں سے تیرہ اونٹ مجھے دے کر مہر کی رقم ادا کرنے کے سلسلے میں میری امداد فرمائی۔

بعض علماء نے اس سریہ کو اور ابو قتادہ کے اس سریہ کو ایک ہی قرار دیا ہے جس کا ذکر پیچھے گزرا ہے اور جو محارب کے علاقہ میں غطفان کی طرف بھیجا گیا تھا۔ اسی لئے میں نے کتاب اصل کے خلاف اس سریہ کو سریۂ ابو قتادہ کے بعد بیان کیا ہے۔

امیر لشکر کی نصیحتیں...... پھر جب شفق کی سرخی غائب ہو گئی اور کائنات پر ابتدائی تاریکی نے اپنی چادر تان لی تو ابو قتادہؓ نے ہم لوگوں کے سامنے تقریر کی اور ہمیں اللہ سے ڈرتے رہنے کی نصیحت کی اور ہم میں سے دو دو آدمیوں کے درمیان محبت و اخوت کا رشتہ قائم کیا۔ پھر انہوں نے کہا:

"کوئی شخص اپنے ساتھی کا ساتھ واپسی تک ہرگز نہ چھوڑے۔ ایسا ہرگز نہ ہونا چاہیئے کہ کوئی شخص میرے پاس تنہا پہنچے اور جب میں اس سے اس کے ساتھی کے متعلق پوچھوں تو وہ یہ کہے کہ مجھے پتہ نہیں وہ کہاں ہے۔! جب میں تکبیر کہوں تو تم بھی تکبیر کہنا اور جب میں حملہ کروں تو تم بھی حملہ کرنا نیز دور تک دشمن کا تعاقب نہ کرنا۔!"

حملہ کا اشارہ...... اس کے بعد ہم دشمن کے گرد پھیل گئے پھر ابو قتادہ نے تلوار کھینچی اور تکبیر کہی ساتھ ہی ہم لوگوں نے بھی اپنی تلواریں سونتیں اور جوابی تکبیر کہی۔ چند ثانیوں میں جنگ شروع ہو چکی تھی اور دونوں فریق ایک دوسرے پر حملے کر رہے تھے۔

ایک مشرک سورما اور عبد اللہ...... اچانک دشمن کا ایک نہایت لمبا اور قد آور آدمی میرے سامنے آیا اور مجھ سے تضحیک آمیز انداز میں کہنے لگا:

"او مسلم...... لے جنت میں پہنچنے کے لئے تیار ہو جا۔!"

میں اس کی طرف متوجہ ہوا اور بڑھا تو وہ حملوں کے دوران کبھی میری طرف رخ کر لیتا اور کبھی پیٹھ کر لیتا میں اس کا پیچھا کرنے لگا تو میرے ساتھی نے مجھ سے کہا:

"اس کا تعاقب مت کرو کیونکہ ہمارے امیر نے ہمیں دور تک پیچھا کرنے سے روکا ہے۔!"

مشرک کا قتل...... ادھر وہ شخص اسی طرح سامنے آتا اور پلٹتا رہا میرا ساتھی کہنے لگا کہ یہ شخص فریبی ہے اس کا معاملہ عجیب ہے' آخر میں نے اس کو جالیا اور اس پر تیر چلایا جس سے وہ کشتہ ہو کر گر گیا۔ میں مقتول کی تلوار لے کر اپنے ساتھی کے پاس آیا تو اس نے مجھے بتایا کہ مسلمان مال غنیمت جمع کر رہے ہیں اور ابو قتادہ مجھ پر اور تم پر بہت ناراض ہو رہے ہیں۔ میں فوراً ہی ابو قتادہ کے پاس آیا تو وہ مجھے ملامت کرنے لگے پھر میں نے ان کو سارا واقعہ سنایا۔

مالِ غنیمت......اس کے بعد ہم نے بھیڑوں بکریوں کو اکٹھا کیا دشمن کی عورتوں کو قبضے میں کیا اور وہاں سے روانہ ہوئے ہماری تلواروں کے پر تلے اونٹوں کے پالانوں میں لٹک رہے تھے صبح کو میں نے قیدیوں میں ایک عورت کو دیکھا جو ایک ہرنی کی طرح بھڑکی ہوئی تھی اور بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ رہی تھی ساتھ ہی وہ روتی جاتی تھی۔ آخر میں نے اس سے کہا:

"تم بار بار کیا دیکھ رہی ہو؟"

اس نے کہا:

"خدا کی قسم میں ایک شخص کی تلاش میں نظریں دوڑا رہی ہوں جو اگر زندہ ہے تو وہی ہمیں تمہارے ہاتھوں سے چھٹکارہ دلا سکتا ہے"۔

مجھے یہ سن کر خود بخود یقین ہو گیا کہ یہ عورت اسی شخص کے متعلق کہہ رہی ہے جسے میں نے قتل کیا ہے۔ چنانچہ میں نے اس سے کہا: "خدا کی قسم اسے تو میں نے خود قتل کیا ہے۔ دیکھو یہ اسی کی تلوار ہے جو پالان میں لٹکی ہوئی ہے۔!"

اس نے کہا ذرا اس کا پر تلہ تو مجھے دکھانا۔

میں نے کہا دیکھو یہ اسی کی تلوار کی میان ہے۔ جیسے ہی اس نے تلوار اور پر تلہ دیکھا وہ رونے لگی اور دیر تک روتی رہی۔

(اسی طرح یہ وہ روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سریہ اور ابو قتادہ والا سریہ ایک ہی تھے) مگر ظاہر ہے کہ اس تفصیل کی وجہ سے دونوں سرایا کو ایک کہنا اور زیادہ مشکل ہے۔ واللہ اعلم

سریۂ ابو قتادہ بسوئے بطن اضم

ایک جنگی حکمت عملی...... یہ اضم ایک بستی یا پہاڑ کا نام ہے جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ والوں سے جنگ کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ نے حضرت ابو قتادہ کو بطن اضم کی طرف روانہ فرمایا اور ان کے ساتھ آٹھ آدمی بھیجے جن میں محلم ابن جثامہ لیثی بھی تھے۔ صحابہ کو اس طرف بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ دشمن کے لوگ اس غلط فہمی میں پڑ جائیں کہ آنحضرت ﷺ کی توجہ مکہ کی طرف نہیں بلکہ اضم کی جانب ہے اور یہ خبر مشہور ہو جائے۔

محلم کے ہاتھوں کلمہ گو کا قتل......ابو قتادہ کو راستے میں عامر ابن اضبط اشجعی ملا اس نے ان کے پاس آ کر انہیں اسلامی سلام کیا اس پر مسلمانوں نے اس پر ہاتھ اٹھانے سے پرہیز کیا مگر محلم کا اس شخص کے ساتھ پہلے سے کوئی جھگڑا تھا اس لئے انہوں نے عامر پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا اس کے بعد انہوں نے اس کا سامان اور اونٹ اپنے قبضے میں لے لیا۔

جب صحابہ اضم کے مقام پر پہنچ گئے تو (چونکہ انہیں صرف مشرکوں کی توجہ ہٹانے کیلئے بھیجا گیا تھا اس لئے) یہ حضرات وہاں سے واپس ہو گئے۔ اسی دوران میں انہیں خبر ملی کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کیلئے روانہ ہو گئے ہیں لہٰذا یہ لوگ بھی اسی طرف مڑ گئے اور مکہ پہنچ کر آنحضرت ﷺ سے مل گئے۔

محلم سے باز پُرس......(قال۔ جب آپ ﷺ کو محلم کا واقعہ معلوم ہوا تو) آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

"کیا تم نے اس شخص کو اس کے یہ کہنے کے باوجود قتل کر دیا کہ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہوں۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ یہ کہنے کے باوجود کہ میں مسلمان ہوں"۔

مقصد یہ ہے کہ اس نے اسلامی سلام کیا تھا جو صرف ایک مومن ہی کر سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہو اور وہ شخص مسلمان تھا۔

محلم نے عرض کیا:

"یارسول اللہ اس نے یہ بات یعنی اسلامی سلام دراصل جان بچانے کے لئے کیا تھا۔!"

آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا؟"

محلم نے عرض کیا کیوں یارسول اللہ ﷺ؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

"جس سے تمہیں معلوم ہو کہ وہ سچا تھا یا جھوٹا تھا"۔

ایک روایت کے مطابق اس پر محلم نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! اگر میں اس کا دل چیر کر دیکھ لیتا تو کیا مجھے اس کے کل کا حال معلوم ہو جاتا؟"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"پھر اس نے جو کچھ زبان سے کہا تھا اس کو کیوں قبول نہیں کیا جب کہ تم اس کے دل کا حال نہیں جان سکتے تھے!"

محلم کی ندامت...... تب محلم نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ ﷺ میرے لئے مغفرت و بخشش کی دعا فرمایئے۔!"

آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تمہیں معاف نہیں فرمائے گا"۔

محلم یہ سن کر وہاں سے اس حال میں اٹھے کہ اپنی چادر کے پلو سے اپنے آنسو پونچھ رہے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے معاملے میں یہ آیات نازل فرمائیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا. تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ ط كَذَٰلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا. إِنَّ اللهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا. (سورۂ نساء' پ۵' ع۱۳' آیت ۹۴)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو جب تم اللہ کی راہ میں سفر کیا کرو تو ہر کام کو تحقیق کر کے کیا کرو اور ایسے شخص کو جو کہ تمہارے سامنے اطاعت ظاہر کرے دنیوی زندگی کے سامان کی خواہش میں یوں مت کہہ دیا کرو کہ تو مسلمان نہیں کیونکہ خدا کے پاس بہت غنیمت کے مال ہیں پہلے تم بھی ایسے ہی تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا سو غور کرو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں۔

مقتول کے رشتے داروں کا غصہ...... محلم کے سلسلے میں ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ حنین میں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی اور پھر آپ ﷺ ایک درخت کے سائے میں آکر بیٹھ گئے۔ اسی وقت آپ ﷺ کے سامنے اقرع ابن حابس اور عیینہ ابن حصن آکر عامر ابن اضبط کے قتل کے بارے میں بحث کرنے لگے (جن کو محلم نے قتل کر دیا تھا)۔

قصاص کا مطالبہ...... عیینہ ابن حصن عامر کے خون کا بدلہ چاہتے تھے۔ وہ آنحضرت ﷺ سے کہنے لگے:

"یارسول اللہ! خدا کی قسم میں اسے یعنی محلم کو نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ اس کی عورت کو بھی اسی طرح گرمی کا مزہ نہ چکھادوں جیسے اس نے میری عورتوں کو چکھایا ہے۔!"

اقرع ابن حابس، محلم کی طرف سے بول رہے تھے اور ان کا دفاع کر رہے تھے۔ آخر ان دونوں کی تیز کلامی بڑھ گئی اور آوازیں بلند ہو گئیں آنحضرت ﷺ عیینہ اور ان کے ساتھیوں کو سمجھاتے ہوئے فرما رہے تھے کہ تم لوگ عامر کی دیت یعنی

خوں بہا اور جان کی قیمت لے لو جو آدھی ہم ابھی دے دیں گے اور باقی آدھی واپس پہنچ کر ادا کر دیں گے۔ مگر عیینہ نہیں مان رہے تھے (بلکہ وہ قصاص کا مطالبہ کر رہے تھے)۔

خوں بہا پر رضامندی...... آخر بہت کچھ سمجھانے پر دونوں فریق دیت یعنی خوں بہا پر راضی ہو گئے پھر عیینہ اور ان کے ساتھیوں نے کہا کہ مُحلّم آنحضرت ﷺ سے استغفار کی درخواست کرے اور معافی چاہے۔ محلم فوراً ہی کھڑے ہو گئے وہ ایک لمبے چوڑے اور قد آور آدمی تھے انہوں نے ایک حلّہ اوڑھ رکھا تھا جسے وہ اس تیاری میں پہن کر آئے تھے کہ ان کو اسی میں قتل کیا جائے۔

محلم کی دعاء مغفرت کی درخواست...... محلم آنحضرت ﷺ کے سامنے آکر بیٹھ گئے ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا:

"میں محلم ہوں اور میں نے وہ گناہ کیا ہے جس کی آپ ﷺ کو اطلاع ملی ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرتا ہوں اور آپ یا رسول اللہ ﷺ میرے لئے مغفرت و بخشش کی دعا فرمایئے"۔

نبی ﷺ کا دعا سے انکار...... آنحضرت ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور فرمایا: "اے اللہ! محلم کو معافی نہ دے۔!"

محلم کی صدمہ سے موت...... آپ ﷺ نے یہ کلمات تین مرتبہ فرمائے اور بلند آواز سے فرمائے۔ محلم یہ سنتے ہی روتے ہوئے کھڑے ہو گئے وہ اپنی چادر کے پلو سے آنسو پونچھتے جاتے تھے۔ اس کے بعد محلم صرف سات دن زندہ رہے یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا پھر جب ان کو دفن کیا جانے لگا تو بار بار زمین نے ان کو واپس نکال دیا۔ آخر کار ان کو قبر میں رکھنے کے بجائے زمین پر ہی رکھ کر اوپر سے پتھر ڈال دیئے گئے اور اس طرح انہیں چھپا دیا گیا۔

سامانِ عبرت...... جب رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"زمین تو اس شخص کو بھی قبول کر لیتی ہے جو تم میں بدترین آدمی ہو (یعنی حتی کہ ان لوگوں کو بھی جو خدائی کا دعویٰ کر بیٹھتے ہیں) لیکن ایسے واقعات سے اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت فرماتا ہے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دکھاتا ہے کہ لا الہ الا اللہ کی عظمت کیا ہے۔ یعنی اس شخص کی عظمت جو کہ کلمہ کہہ دیتا ہے۔!"

جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ بار بار زمین نے ان کی لاش کو باہر نکال دیا۔ اس کی تردید ایک دوسرے قول سے ہو جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے محلم کو بددعا دینے کے بعد پھر ان کے لئے مغفرت و معافی کی دعا فرمائی تھی۔

بعد وفات دعاء مغفرت...... اب اس اشکال کے سلسلے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے ان کے مرنے کے بعد دعاء مغفرت فرمائی تھی چنانچہ بعض دوسری روایتوں سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارے لئے ایک نصیحت و عبرت کا سامان بنایا تھا تاکہ آئندہ کوئی شخص کسی ایسے آدمی کو قتل کرنے کی جسارت نہ کرے جس نے لا الہ الا اللہ کی گواہی دی۔ یا یہ کہہ دیا کہ میں مسلمان ہوں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

"اس کی لاش بنی فلاں میں لے جا کر دفن کر دو اب زمین اس کو قبول کر لے گی۔!"

چنانچہ پھر لوگ ان کو اسی گھاٹی میں لے گئے اور دفن کر دیا۔ لہٰذا ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اسی وقت ان کے لئے دعائے مغفرت و معافی فرمائی ہو۔

ایک قول ہے کہ جس شخص کو زمین نے باہر نکال پھینکا تھا وہ محلم کے علاوہ ایک دوسرا شخص تھا کیونکہ محلم تو حضرت زبیرؓ کی خلافت کے زمانے میں حمص میں فوت ہوئے تھے اور جس شخص کو زمین نے نکال پھینکا تھا اس کا نام فلیت تھا۔

سریۂ خالد ابن ولید بسوئے عزیٰ

جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح فرمایا تو آپ ﷺ نے حضرت خالد ابن ولیدؓ کو تین سواروں کے ساتھ عزیٰ کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ عزیٰ قریش کا ایک بت تھا اور مشرکوں کے نزدیک بے حد قابل احترام بت تھا۔

خالدؓ کے ہاتھوں بت کا انہدام...... غرض حضرت خالدؓ نخلہ میں عزیٰ کے پاس پہنچے۔ یہ بت تین درختوں کے تنوں پر بنا ہوا تھا۔ حضرت خالد نے یہ تنے کاٹ ڈالے اور یہ بنیاد ختم کر کے اسے تباہ کر دیا اس کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آئے اور آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے خالد سے پوچھا:

"کیا تم نے کوئی چیز دیکھی جو (یعنی جو اس کے توڑنے کے وقت اس میں سے نکلی ہو)؟"

عزیٰ کی حقیقت......انہوں نے عرض کیا! نہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا تب پھر تم دوبارہ اس جگہ جاؤ۔ (زرقانی کے مطابق۔ آپ ﷺ نے فرمایا:)

"تب تم نے اسے تباہ نہیں کیا۔ یعنی مکمل طور پر تباہ نہیں کیا جس سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کی حقیقت ہی فنا ہو جائے کیونکہ تم نے صرف یہ کیا ہے کہ اس کی ظاہری صورت کو بگاڑ دیا جب کہ اس کے اندر کا چھپا ہوا معاملہ باقی رہ گیا جو عزیٰ کو فنا کر دینے سے ہی فنا ہو گا) لہٰذا دوبارہ وہاں جاؤ اور اس بت کو برباد کر آؤ۔!"

اصل عزیٰ کی تباہی...... چنانچہ حضرت خالد دوبارہ گئے۔ اس مرتبہ وہ عزیٰ کے خلاف سخت غضبناک تھے۔ انہوں نے وہاں پہنچ کر جیسے ہی اپنی تلوار کھینچی اچانک اس بت میں سے ایک سیاہ رنگ کی بوڑھی اور ننگی عورت نکلی جس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور وہ ان پر خاک ڈال رہی تھی۔

خادم کی عزیٰ سے فریاد......اس کو دیکھتے ہی عزیٰ کا محافظ اور خادم پکار پکار کر عزیٰ سے حضرت خالد کے متعلق کہنے لگا:

"اے عزیٰ اسے روک دے۔ اے عزیٰ اسے باز رکھ۔!"

حضرت خالدؓ نے فوراً ہی تلوار کا وار کر کے اس عورت کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیئے ساتھ ہی وہ یہ کہتے جاتے تھے۔

يَا عُزَّ كُفْرَانَكَ لَا سُبْحَانَكَ

اِنِّیْ رَاَیْتُ اللّٰہ قد اَهَانَكَ

ترجمہ:۔ اے عزیٰ تو ناپاک ہے تجھ میں کوئی پاکیزگی نہیں۔ میں نے خود تجھے اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں ذلیل ہوتے دیکھا ہے۔

اس کے بعد حضرت خالد واپس رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو یہ واقعہ سنایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"ہاں۔ یہی عزیٰ تھا۔!"

سریۂ عمروؓ ابن عاص بہ سوئے سواع

سواع بت...... یہ ایک بت کا نام ہے اور بت کا یہ نام حضرت نوحؑ کے بیٹے سواع کے نام پر رکھا گیا تھا۔ یہ بت ایک عورت کی شکل کا تھا ابتداء میں یہ بت قوم نوح کا تھا اور اس کے بعد یہ بنی ہذیل کا بت ہو گیا۔ وہ لوگ سفر کر کے اس بت کی طرف حج کرنے کے لئے آیا کرتے تھے۔

عمرو ابن عاصؓ سواع کی طرف...... غرض فتح مکہ سے پہلے تک بنی ہذیل اس بت سواع کا حج کرنے کے لئے اس کے پاس آیا کرتے تھے، فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو ابن عاصؓ کو اپنے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ سواع بت کی طرف روانہ فرمایا تاکہ وہ اس بت کو توڑ دیں اور اس کی جگہ کو تباہ کر دیں۔

حضرت عمروؓ کہتے ہیں کہ میں جب اس بت کے پاس پہنچا تو وہاں اس کا خادم بھی موجود تھا وہ مجھ سے پوچھنے لگا تم کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا: "مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ میں اس کو تباہ کر دوں۔!"

سواع کی پامالی...... خادم کہنے لگا کہ تم ایسا کر ہی نہیں سکتے، میں نے پوچھا کیوں؟ تو بولا کہ یہ خداوند سواع تمہیں روک دیگا۔ میں نے کہا: "تیرا ناس ہو کیا تو اب تک اسی باطل تصور میں گم ہے۔ کیا یہ سنتا دیکھتا ہے؟"

اس کے بعد میں نے بت کے قریب جا کر اسے ایک ہی ضرب میں توڑ ڈالا۔ پھر میں نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا جنہوں نے وہ پوری عبادت گاہ مسمار کر ڈالی مگر ہمیں وہاں کوئی خزانہ وغیرہ نہیں ملا اس کے بعد میں نے سواع کے خادم سے کہا:

خادم سواع کا اسلام...... "تو نے دیکھ لیا۔!" خادم نے فوراً کہا میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہوں اور مسلمان ہوتا ہوں۔

سریۂ سعدؓ ابن زید اشہلی بسوئے منات

یثربیوں کا بت منات...... یہ منات بھی ایک بت تھا جو مدینہ کے مشہور قبیلوں اوس اور خزرج کا تھا۔ (اس کے متعلق علامہ زرقانی لکھتے ہیں کہ یہ اوس و خزرج اور ان کے دین پر چلنے والوں کا بت تھا ابن سعد نے اسی میں غسانیوں کا اضافہ بھی کیا ہے)۔

خادم منات...... رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد ابن زید اشہلیؓ کو بیس سواروں کیساتھ منات بت کی طرف روانہ فرمایا تھا کہ وہ اس بت اور اسکی بنیاد کو تباہ کر دیں۔ جب یہ اس بت کے سامنے پہنچے تو وہاں بت کا جو خادم تھا وہ حضرت سعدؓ سے بولا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ منات کو منہدم کرنا، وہ خادم حقارت کیساتھ کہنے لگا کہ کیا تم اسے منہدم کرو گے؟ کر کے دیکھ لو حضرت سعد منات کی طرف متوجہ ہوئے مگر جیسے ہی وہ بڑھنے لگے اچانک ایک ننگی اور سیاہ فام عورت نکلی جس کے سر کے بال پراگندہ تھے اور جو اپنا سینہ پیٹ کر واویلا کر رہی تھی۔ اسی وقت بت کے خادم نے اس عورت سے کہا:

"منات! تیرے مقابلے میں ایک نافرمان آیا ہے۔!"

منات کی تباہی...... اسی وقت حضرت سعد ابن زیدؓ نے اس عورت پر ایک بھرپور وار کیا اور اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے منات بت اور اس کی بنیادوں کو برباد کر دیا۔ (واضح رہے کہ ایک سیاہ فام۔ برہنہ اور پراگندہ سر عورت کے نکلنے کی ایسی ہی روایت عزیٰ بت کے واقعہ میں بھی گزری ہے)۔

سریۂ خالدؓ ابن ولید بسوئے جذیمہ

تبلیغی سریہ...... یہ جذیمہ یلملم کی سمت کے لوگ تھے آپ ﷺ نے حضرت خالدؓ کو اسلام کی تبلیغ کے لئے بنی جذیمہ کی طرف بھیجا۔ اس طرح گویا حضرت خالدؓ ان لوگوں سے جنگ کے لئے نہیں گئے تھے۔ آنحضرت ﷺ کو ان لوگوں کے اسلام کے متعلق کوئی خبر نہیں تھی اور نہ ہی آپ ﷺ نے خالد ابن ولید کو جنگ کا حکم دیا تھا۔

غرض جب وہ لوگ مسلمان نہ ہوئے تو آپ ﷺ نے حضرت خالد کو تین سو پچاس آدمیوں کے ساتھ اس کی طرف بھیجا جن میں مہاجر اور انصاری دونوں صحابہ تھے نیز کچھ لوگ بنی سلیم کے بھی تھے آنحضرت ﷺ نے یہ سریہ مکہ معظمہ سے ہی روانہ فرمایا تھا (کیونکہ اس وقت تک آپ ﷺ فتح مکہ کے بعد وہیں مقیم تھے۔ زرقانی کی روایت کے مطابق یہ واقعہ شوال ۸ھ کا ہے۔ یہ بنی جذیمہ کا علاقہ مکہ سے زیریں جانب میں یلملم کی طرف ایک رات کے سفر کی مسافت پر تھا۔

جذیمہ اہل سریہ کے پرانے مجرم...... بنی جذیمہ کے لوگوں نے جاہلیت کے زمانے میں حضرت خالد کے ایک چچا فاکہہ کو قتل کر دیا تھا۔ نیز زمانہ جاہلیت ہی میں پھر انہوں نے فاکہہ کے بھائی کو بھی قتل کر دیا تھا۔ دراصل دور جاہلیت میں یہ بنی جذیمہ عرب کا سب سے شریر اور برا قبیلہ تھا۔ اسی لئے ان کا نام لعقۃ الدم یایوں کہئے کہ خونخوار پڑ گیا تھا۔

مبلغوں کی آمد......اس کے علاوہ بنی جذیمہ نے حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ کے والد کو بھی قتل کیا تھا ان صحابہ میں حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ بھی تھے۔ ادھر بنی سلیم کے لوگ بھی اس جماعت میں شریک تھے اور بنی جذیمہ نے ایک موقع پر بنی سلیم کے مالک ابن شرید اور اس کے دونوں بھائیوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

جذیمہ کی ہتھیار بندی......اب بنی جذیمہ نے جب مسلمانوں کو دیکھا اور انہیں پتہ چلا کہ اس جماعت میں بنی سلیم کے لوگ بھی ہیں، عبدالرحمٰنؓ ابن عوف بھی ہیں اور خالدؓ ابن ولید امیر جماعت ہیں تو یہ لوگ ڈر گئے (اور انہوں نے سمجھا کہ یہ سب ہم سے اپنے مقتولوں کا انتقام لینے آئے ہیں لہٰذا ان لوگوں نے فوراً ہی اپنے جنگی ہتھیار لگا لئے اور لڑائی کے لئے تیار ہو کر کھڑے ہو گئے۔

جذیمہ کا اظہار اسلام...... آخر جب خالد ابن ولید ان کے پاس پہنچے تو یہ ان سے ملے حضرت خالد نے ان لوگوں سے کہا:

"تم لوگ مسلمان ہو جاؤ!"

بنی جذیمہ نے کہا: "ہم تو مسلمان ہی ہیں۔!"

حضرت خالدؓ نے کہا: "پھر اپنے ہتھیار نکال دو اور نیچے اتر کر ہمارے پاس آجاؤ۔!"

سپر اندازی سے خوف......ان لوگوں نے کہا:

"نہیں۔ خدا کی قسم ہتھیار اتار دینے کے بعد ہمارے لئے قتل ہو جانے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہو گا کیونکہ ہمیں تمہاری اور تمہارے آدمیوں کی طرف سے خطرہ ہے۔

یہ سن کر حضرت خالد نے کہا:

"تب پھر سن لو اگر تم نیچے نہیں اترتے تو تمہارے لئے کوئی پناہ نہیں ہے۔!"

اس پر ان لوگوں میں سے ایک گروہ نے تو ہتھیار رکھ دیئے جنہیں گرفتار کر لیا گیا اور باقی لوگ ادھر ادھر بھاگ گئے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ جب خالد ابن ولید بنی جذیمہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے ان لوگوں سے پوچھا۔

"تم کیا ہو؟ یعنی مسلمان ہو یا کافر۔!"

اقرار اسلام...... بنی جذیمہ نے جواب دیا:

"ہم مسلمان ہیں۔ ہم نمازیں پڑھ چکے ہیں، محمد ﷺ کی تصدیق کر چکے ہیں، اپنے میدانوں اور چوپالوں میں مسجدیں بنا چکے ہیں اور ان میں اذانیں دے چکے ہیں۔!"

ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ: خالد کے سوال کے جواب میں بنی جذیمہ نے یہ کہنا مناسب نہیں سمجھا کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں بلکہ یہ کہنے لگے کہ ہم نے پہلا دین چھوڑ دیا ہم نے پہلا دین چھوڑ دیا۔ غرض جب انہوں نے اپنے مسلمان ہونے کا اقرار کیا تو حضرت خالد نے کہا: "پھر تمہارے ہتھیار لگا کر سامنے آنے کا کیا مطلب ہے؟"

سپر اندازی اور گرفتاری...... انہوں نے کہا:

"دراصل ہمارے اور عربوں کے کچھ لوگوں کے درمیان دشمنی ہے لہٰذا ہم یہ سمجھتے تھے کہ کہیں تم وہی لوگ تو نہیں ہو لہٰذا ہم نے فوراً ہی ہتھیار لگا لئے تھے!

خالد ابن ولید نے کہا کہ بس تو اب ہتھیار اتار دو۔ ان لوگوں نے ہتھیار اتار دیئے۔ اسی وقت حضرت خالدؓ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ ان لوگوں کو گرفتار کر لو چنانچہ کچھ لوگوں کی مشکیں کس دی گئیں اور انہیں خالد نے اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیا۔

قیدیوں کے قتل کا حکم...... صبح ہوئی تو خالد ابن ولید کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ جس کے پاس کوئی قیدی ہو وہ اسے قتل کر دے۔ اس اعلان پر بنی سلیم نے فوراً عمل کیا اور ان کے پاس جو قیدی تھے ان کی گردنیں مار دی گئیں۔ لیکن مہاجر اور انصاری صحابہ نے اس حکم پر عمل نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنے قیدیوں کو رہا کر دیا۔

آنحضرت ﷺ کو واقعہ کی خبر...... اس کے بعد اس واقعہ کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو ہوئی کیونکہ ان لوگوں میں سے ایک شخص آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور اس نے خالد ابن ولید کے اس اقدام کی تفصیلات آنحضرت ﷺ کو بتلائیں۔ یہ واقعہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اس شخص سے پوچھا:

کیا خالد کی اس حرکت پر صحابہ میں سے کسی نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا؟"

اس نے عرض کیا: "ہاں! ایک زرد و پستہ قد آدمی نے اور ایک سرخ و سفید لمبے تڑنگے آدمی نے اس پر ناگواری کا اظہار کیا تھا"۔

یہ اتہ پتہ سن کر حضرت عمر فاروقؓ نے فوراً آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

"خدا کی قسم یا رسول اللہ ﷺ میں دونوں کو سمجھ گیا۔ ان میں سے پہلا تو میرا بیٹا ہے کیونکہ یہ اسی کی پہچان ہے اور دوسرا سالم ہے جو ابو حذیفہ کا غلام ہے"۔

نبی کی حادثہ سے برأت و بیزاری...... یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اے اللہ! خالد نے جو کچھ کیا میں تیرے سامنے اس سے اپنی برأت اور بیزاری کا اظہار کرتا ہوں"۔

مقتولین کا خوں بہا...... آپ ﷺ نے یہ کلمات دو مرتبہ فرمائے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو روانہ فرمایا جنہوں نے بنی جذیمہ کو ان کے مقتولین کی دیت یعنی جان کی قیمت ادا کی۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا:

"علی! ان لوگوں کے پاس جاؤ اور ان کے حالات دیکھو۔!"

مالی نقصان کا معاوضہ...... ساتھ ہی آپ ﷺ نے ان کو کچھ مال یعنی اونٹ وغیرہ دیئے جس کے ذریعہ ان کے مقتولوں

کو خون بہا ادا کیا۔ ساتھ ہی انہوں نے اس مال سے کچھ حصہ بنی جذیمہ کے ضائع ہونے والے مال کے بدلے دیا اس طرح ان مقتولوں کی جانوں کی قیمت بھی دی اور ضائع ہونے والے مال کا عوض بھی دیا یہاں تک کہ کتے کے پانی پینے کا برتن بھی اگر ضائع ہوا تو اس کا بھی عوض اور بدل دیا گیا۔

آخر جب ان کے جان و مال کے تمام نقصان کی تلافی کر دی گئی تو حضرت علیؓ نے ان سے سوال کیا:

"اب تمہارا کوئی جان یا مال ایسا تو باقی نہیں رہا جس کی تلافی نہ کی گئی ہو؟"

انہوں نے کہا! نہیں۔ تو حضرت علیؓ نے فرمایا:

"لیکن میں تمہیں احتیاطاً وہ مال بھی دے رہا ہوں جو میرے پاس بچ گیا ہے تاکہ اس مال کی تلافی بھی ہو جائے جو بھول چوک میں رہ گیا ہو۔!"

اس کے بعد حضرت علیؓ واپس رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو تفصیلات بتلائیں۔ آپ ﷺ نے ان کی کارگزاری کو پسند کرتے ہوئے فرمایا:

"تم نے ٹھیک کیا اور اچھا کیا"۔ ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ:

"قسم ہے اس ذات کی جس کا میں بندہ ہوں کہ یہ بات میرے نزدیک خاکستری اونٹوں سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔!"

اس کے بعد آنحضرت ﷺ کھڑے ہوئے اور قبلہ کی طرف رخ کر کے اور ہاتھ پھیلا کر آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا:

"اے اللہ! خالد ابن ولید نے جو کچھ کیا ہے میں تیرے سامنے اس سے برأت و بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔!"

خالد و عبدالرحمٰن میں بحث...... ادھر اسی معاملے میں حضرت خالد ابن ولید اور عبدالرحمٰن ابن عوف کے درمیان برائی پیدا ہو گئی۔ عبدالرحمٰن نے خالد سے کہا:

تم نے مسلمان ہو کر بھی زمانۂ جاہلیت کی جیسی حرکت کی ہے۔!"

خالد ابن ولید نے کہا: "حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ میں نے تمہارے باپ کا انتقام لیا ہے۔!"

عبدالرحمٰنؓ کی دلیل...... ابن عوف نے کہا:

"تم غلط کہتے ہو۔ میں پہلے ہی اپنے باپ کے قاتل کو قتل کر چکا تھا۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ۔ تم زمانہ جاہلیت میں قتل ہونے والے کسی شخص کے لئے مسلمانوں سے کیسے انتقام لے سکتے ہو"۔

خالد ابن ولید نے کہا: "تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ لوگ مسلمان تھے"۔

عبدالرحمٰن ابن عوف نے کہا:

"تمام سریہ والوں نے بتلایا ہے کہ تم نے انہیں مسجدیں بنانے اور اسلام کا اقرار کرتے دیکھا تھا!"

خالد کی دلیل...... حضرت خالد نے کہا: "میرے پاس رسول اللہ ﷺ کا حکم آیا تھا ان لوگوں پر حملہ کر دوں!"

ابن عوف نے کہا:

"تم رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھ رہے ہو ورنہ حقیقت میں تم نے اپنے چچا فاکہ کا انتقام لینے کیلئے جذیمہ پر حملہ کیا تھا۔"

صحابہ کا بلند مقام...... اسی وقت آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"ٹھہرو خالد! میرے صحابہ کیساتھ مت الجھو۔ اگر تمہارے واسطے احد کا پورا پہاڑ سونے کا ہو جائے اور تم اس کو اللہ کی راہ

میں خرچ کردو تب بھی میرے صحابہ کے صبح اور شام کے سفر کے برابر نہیں پہنچ سکتے۔!"

یہاں صحابہ سے آنحضرت ﷺ کی مراد وہ صحابہ ہیں جو سابقون الاولون یعنی شروع زمانہ اسلام میں ہی مسلمان ہو جانے والے لوگ ہیں۔ اور حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ بھی ان ہی صحابہ میں سے تھے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ حقیقت میں آپ ﷺ کی مراد

حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف ہی تھے جیسا کہ آگے آنے والی روایت سے اس کی صراحت ہو رہی ہے چنانچہ اسی روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ نے ان صحابہ کو جو ابتدائی دور ہی میں مسلمان نہیں ہوئے تھے اور جن کی طرف سے ایسے غیر سابقین صحابہ پر اعتراض ہوں گے غیر صحابہ کے درجے میں اتار دیا کیونکہ یہ بات ان کی شان کے خلاف ہو گی (یعنی معترض بھی صحابہ غیر سابقین اور جن پر اعتراض کیا جائے گا وہ بھی صحابہ غیر سابقین مگر چونکہ یہ اعتراض صحابہ کی شان کے خلاف ہے اس لئے آپ ﷺ نے ان کو غیر صحابہ کے درجہ میں اتار کر یہ ارشاد فرمایا)۔

جب حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ حضرت خالد ابن ولیدؓ سے الجھ رہے تھے تو حضرت عمر فاروقؓ، عبدالرحمٰنؓ کی حمایت میں بول رہے تھے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالدؓ سے روگردانی کرتے ہوئے ان سے فرمایا کہ خالد تم میرے صحابہ کے متعلق زبان بند رکھو۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ: میرے صحابہ کو برا بھلا مت کہو۔ اگر تمہارے پاس سونے کا احد پہاڑ بھی ہوتا اور تم اس سونے کا ایک ایک قیراط اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے تو بھی تم عبدالرحمٰن کے صبح و شام کے سفر کی برابری نہیں کر سکتے تھے۔

خالدؓ کی غلط فہمی...... یہ بات قرین قیاس نہیں ہے کہ حضرت خالد نے بنی جذیمہ کو صرف اس بناء پر قتل کرا دیا تھا کہ انہوں نے ان کے سوال پر صباء نا کہہ دیا تھا جس کے معنی ہیں کہ۔ ہم نے اپنا پہلا دین چھوڑ دیا ہے۔ صاف طور پر یہ نہیں کہا کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں (کیونکہ جب خالدؓ ابن ولید اپنی جماعت کے ساتھ ان لوگوں کے سامنے پہنچے تھے تو بنی جذیمہ انہیں دیکھ کر گھبرا گئے تھے کیونکہ یہ لوگ جاہلیت کے زمانے سے حضرت خالد اور عبدالرحمٰن اور بنی سلیم کے مجرم تھے۔ ادھر خالد وہاں تبلیغ اسلام کیلئے گئے تھے جنگ کرنے نہیں پہنچے تھے۔ انہوں نے جذیمہ والوں کو تبلیغ کے طور پر مسلمان ہو جانے کیلئے کہا۔ بنی جذیمہ اپنے گذشتہ جرم اور مسلمانوں کی طاقت سے اتنے مرعوب اور بدحواس ہو گئے تھے کہ گھبراہٹ میں ان کے منہ سے بجائے یہ نکلنے کے کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں یہ نکلا کہ ہم نے اپنا دین بدل دیا۔

البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت خالد نے یہ سمجھا کہ ان لوگوں نے یہ بات اپنے بچاؤ اور اسلام سے اپنی بے تعلقی کی وجہ سے کہی ہے۔ اب جہاں تک رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی کا تعلق ہے تو وہ حضرت خالدؓ کی جلد بازی اور ان کے متعلق اطمینان نہ حاصل کرنے کی وجہ سے تھی کہ انہوں نے بنی جذیمہ کی مراد سمجھنے سے پہلے انکے متعلق فیصلہ کر لیا۔

ادھر آنحضرت ﷺ کی وہ حدیث بھی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ میرے صحابہ کو برا بھلا مت کہو کیونکہ اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کر دے تو بھی وہ میرے صحابہ کی برابری نہیں کر سکتا بلکہ ان سے آدھے مرتبہ تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔

سریئہ ابو عامر اشعری ؓ بسوئے اوطاس

دشمن کی بچی کچھی جمعیت...... جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ حنین سے فارغ ہو کر لوٹے تو مشرکین شکست کھا کر بھاگے اور ان میں سے ایک گروہ اوطاس میں آ کر خیمہ زن ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو عامر اشعری ؓ کو صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ دشمن کے اس بچے کھچے گروہ کا صفایا کرنے کے لئے اوطاس کی طرف بھیجا۔

یہ ابو عامر اشعری حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ کے چچا تھے اور ابو عامر اشعری کے ساتھ جو صحابہ بھیجے گئے ان میں حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ بھی تھے۔ کتاب عیون الاثر میں ہے کہ یہ ابو عامر حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ کے بھتیجے تھے۔ مگر کتاب نور کے مطابق یہ دونوں باتیں غلط ہیں بلکہ حقیقت میں ابو موسیٰ اشعری ؓ خود ابو عامر اشعری کے بھتیجے تھے۔

ابو عامر کے ہاتھوں نو بھائی قتل...... الغرض ابو عامر اشعری ؓ اپنے دستے کے ساتھ روانہ ہو کر دشمن کے سامنے پہنچ گئے جہاں دونوں فریقوں میں جنگ ہوئی (اس جنگ میں انفرادی مقابلے بھی ہوئے) ابو عامر اشعری ؓ نے نو مرتبہ انفرادی مقابل طلب کیا اور ہر مرتبہ مشرکوں میں سے جو سورما ان کے مقابلے کے لئے آیا ابو عامر نے اسے قتل کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ دشمنوں کی صف میں سے نو مرتبہ جو سورما آتے رہے وہ سب سگے بھائی تھے جو حضرت ابو عامر اشعری کے مقابلے میں ایک کے بعد ایک قتل ہوتے رہے۔

مقابلہ سے پہلے دعوت اسلام...... جب بھی کوئی شخص ان کے مقابلے کے لئے سامنے آتا تو حضرت ابو عامر اشعری پہلے اسے اسلام کی دعوت دیتے جب وہ انکار کر دیتا تو ابو عامر کہتے:

"اے اللہ! تو گواہ رہنا اس کے بعد وہ دشمن پر حملہ آور ہوتے اور اسے قتل کر دیتے"۔

دسویں کے ہاتھوں ابو عامر کا قتل...... آخر میں ان کا دسواں بھائی ان کے مقابلے کے لئے آیا جس نے حضرت ابو عامر اشعری ؓ کو قتل کر دیا۔ صورت یہ ہوئی کہ جب یہ دسواں بھائی سامنے آیا تو ابو عامر نے اسے بھی اسلام کی دعوت دی مگر اس نے یہ دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ابو عامر نے اسی وقت کہا کہ اے اللہ! تو گواہ رہنا۔

یہ سن کر اس مقابل نے کہا: "اے اللہ! تو اس موقع کا گواہ نہ بننا!"

قاتل کا فریب...... ساتھ ہی اس شخص نے ان الفاظ کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھ دعا کیلئے پھیلا دیئے۔ حضرت ابو عامر سمجھے کہ یہ شخص مسلمان ہو گیا ہے لہٰذا انہوں نے اس پر حملہ کرنے سے اپنا ہاتھ روک لیا اسی وقت وہ شخص ابو عامر پر دوبارہ جھپٹا اور انہیں اچانک قتل کر دیا۔

اس کے بعد یہ شخص مسلمان ہو گیا تھا اور ہمیشہ ایک اچھا مسلمان ثابت ہوا۔ آنحضرت ﷺ جب بھی اس شخص کو دیکھتے تو فرماتے: "یہ ابو عامر کا قاتل ہے!"

ابو موسیٰ قاتل کے تعاقب میں...... مگر حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے کہ میں ابو عامر کو تلاش کرتا ہوا ان کے پاس پہنچا (وہ زخمی حالت میں پڑے ہوئے تھے مگر) اس وقت تک ان میں زندگی کی رمق باقی تھی۔ میں نے ان سے کہا:

"چچا! تمہیں کس نے گھائل کیا ہے؟"

انہوں نے دشمنوں میں سے ایک شخص کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس نے۔ میں فوراً ہی اس شخص کی طرف بڑھا اور

اس کے سر پر جا پہنچا۔اس نے جوں ہی مجھے دیکھا وہاں سے بھاگا۔میں یہ کہتا ہوا اس کے تعاقب میں دوڑنے لگا۔

"تجھے بھاگتے ہوئے شرم نہیں آتی۔کیا تو ڈٹ کر مقابلہ نہیں کر سکتا!"

یہ سن کر وہ رکا اور میرے مقابلے میں جم گیا۔ہم میں دو ایک وار ہوئے آخر میں نے اس کو قتل کر دیا۔اس کے بعد میں نے ابو عامر سے کہا:

"اللہ نے تمہارے قاتل کو قتل کر دیا ہے!"

ابو عامر کا نبی کو سلام......اس وقت ابو عامر نے اپنے بدن کے تیر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اب یہ تیر کھینچ کر نکال دو۔ میں نے تیر کھینچ دیا تو انہوں نے کہا:

"بھتیجے!میری طرف سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کرنا اور کہنا کہ میری مغفرت کی دعا فرمائیں!۔"

اس کے بعد ابو عامر نے کہا کہ میرا گھوڑا اور میرے ہتھیار بھی آنحضرت ﷺ کو پیش کر دینا۔

اس روایت اور گذشتہ روایت کا اختلاف قابل غور ہے اور ان دونوں کے درمیان موافقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے (کیونکہ گذشتہ روایت کے مطابق ابو عامر کا قاتل بعد میں مسلمان ہو گیا تھا اور ہمیشہ ایک اچھا مسلمان ثابت ہوا۔جب کہ اس بعد والی روایت کے مطابق ان کے قاتل کو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے اسی وقت قتل کر دیا تھا)۔

ابو موسیٰ قائم مقام امیر......ابو عامر اشعریؓ نے مرنے سے پہلے ابو موسیٰ اشعریؓ کو اپنا قائم مقام یعنی امیر بنا دیا تھا اور اسلامی پرچم ان کے حوالے کر دیا تھا۔ایک روایت میں یوں ہے کہ ایک شخص کا تیر ابو عامر کے دل میں لگا تھا اور دوسرے کا ان کے گھٹنے میں پیوست ہوا تھا۔ان دونوں زخموں سے وہ ہلاک ہو گئے۔اس کے بعد لوگوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو ان کی جگہ امیر بنا دیا۔ابو موسیٰ نے ان دونوں پر حملہ کیا اور دونوں قاتلوں کو ختم کر دیا۔

فتح اور ابو عامر کے لئے دعا......اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور مشرکین شکست کھا کر خوار ہوئے۔ مسلمانوں کو اس کامیابی کے نتیجہ میں بہت سا مال غنیمت اور قیدی ہاتھ لگے۔پھر جب حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے واپس پہنچ کر رسول اللہ ﷺ کو حضرت ابو عامر کی شہادت کی خبر سنائی تو آپ ﷺ نے ان کی مغفرت کی دعا فرمائی جس میں یہ کلمات ارشاد فرمائے!"اے اللہ!اس کو جنت میں میری امت کے اعلیٰ ترین لوگوں میں سے فرما دے"۔ایک رویت میں یوں ہے کہ:

"اے اللہ!اس کو قیامت کے دن اپنی مخلوق کے لوگوں میں بہت سوں سے بلند و برتر بنا دے!"

ابو موسیٰ کیلئے دعا......اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کے لئے دعا کرتے ہوئے یہ کلمات ارشاد فرمائے:

"اے اللہ!اس کے گناہوں کو معاف فرما دے اور قیامت کے دن اس کو باعزت مقام میں داخل فرما!"

سریۂ طفیل ابن عمرو دوسی بسوئے ذی الکفین بت

بت شکنی کا حکم......جب رسول اللہ ﷺ نے طائف کی طرف کوچ کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ نے طفیل ابن عمرو دوسی کو ذی الکفین بت کے توڑنے کا حکم فرمایا ساتھ ہی آپ ﷺ نے ان کو ہدایت دی کہ اس بارے میں اپنی قوم کی مدد حاصل کریں اور اس کام سے فارغ ہو کر طائف میں آپ ﷺ سے آملیں۔حضرت طفیل ابن عمرو دوسی وہاں سے تیزی کے ساتھ اپنی قوم کی طرف روانہ ہوئے۔وہاں پہنچ کر انہوں نے ذی الکفین بت کو منہدم کیا ساتھ ہی وہ اس بت کے چہرے پر آگ پھینکتے جاتے تھے (تاکہ اس کا جو بچا کھچا حصہ ہے وہ بھی جل کر خاک ہو جائے)۔

طفیل کی قوم کو ہدایت......اس کے بعد طفیل وہاں سے واپس روانہ ہوئے تو ان کے ساتھ ان کی قوم کے چار سو آدمی تھے جو تیزی سے روانہ ہو کر طائف میں رسول اللہ ﷺ سے آملے اس وقت آنحضرت ﷺ کو یہاں پہنچے ہوئے چار روز گزر چکے تھے۔

آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں سے ملاقات کے بعد ان سے پوچھا:

"اے گروہ ازد تمہارا پرچم اب کس کے ہاتھ میں رہا کرے گا؟"

اس پر حضرت طفیل ابن عمرو دوسی نے عرض کیا:

"اسی کے جس کے ہاتھ میں جاہلیت کے زمانے میں رہا کرتا تھا۔ یعنی نعمان ابن روایہ کے!"

آپ ﷺ نے فرمایا! تم نے ٹھیک بات کہی۔

سریۂ عینیہ ابن حصن فزاری بسوئے بنی تمیم

بنی کعب سے وصول زکوٰۃ......اس سریہ کا سبب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بشر ابن سفیان کو بنی کعب کی طرف روانہ فرمایا تاکہ وہ ان سے زکوٰۃ وصول کر کے لائیں۔ یہ بنی کعب بنی تمیم کے ساتھ ایک ہی چشمہ پر مقیم تھے حضرت بشر نے یہاں پہنچ کر بنی کعب سے صدقات وصول کرنے شروع کر دیئے۔

بنی تمیم کی مزاحمت......بنی تمیم نے یہ دیکھا تو انہیں یہ بات گراں ہوئی اور انہوں نے بنی کعب کے لوگوں سے کہا:

"تم ان لوگوں کو اپنا مال و دولت کیوں دے رہے ہو؟"

تمیم کے جنگی ارادے...... یہ کہہ کر بنی تمیم نے جمع ہو کر اپنے ہتھیاروں کی نمائش شروع کر دی اور بشر ابن سفیان کو زکوٰۃ وصول کرنے سے روکنے لگے بنی کعب نے یہ صورت حال دیکھی تو بنی تمیم سے کہا۔ "ہم مسلمان ہو گئے ہیں اور ہمارے دین میں زکوٰۃ دینا ضروری ہے!"

مگر بنی تمیم نہیں مانے اور کہنے لگے:

"خدا کی قسم ہم تو یہاں سے ایک اونٹ بھی نہیں جانے دیں گے!"

آنحضرت ﷺ کو اطلاع...... حضرت بشرؓ نے یہ منظر دیکھا تو وہ فوراً وہاں سے مدینہ واپس آئے اور رسول اللہ ﷺ کو صورتحال بتلائی۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نے عینیہ ابن حصن فزاری کو پچاس عرب سواروں کے ساتھ بنی تمیم کی گوشمالی کے لئے بھیجا ان سواروں میں کوئی بھی نہ تو مہاجر تھا اور نہ انصاری بلکہ یہ سب کے سب عرب بادیہ کے لوگ تھے۔

گوشمالی اور تمیم کے قیدی...... عینیہ راتوں کو سفر کرتے ہوئے اور دنوں میں چھپتے ہوئے چلے اور اچانک دشمن پر جا پڑے عینیہ نے حملہ کر کے دشمن کے گیارہ مرد اور اکیس عورتیں گرفتار کر لیں۔ ایک روایت کے مطابق گیارہ عورتیں اور تیس بچے پکڑے۔

تمیم کا وفد مدینہ میں...... عینیہ ان قیدیوں کو لے کر مدینہ آئے اور پھر آنحضرت ﷺ کے حکم پر ان قیدیوں کو رملہ بنت حرث کے گھر میں بند کر دیا گیا۔ ادھر ان کے پیچھے بنی تمیم کے سرداروں کی ایک جماعت مدینہ آئی جس میں عطارد ابن حاجب' زبرقان ابن بدر' اقرع ابن حابس' قیس ابن حرث' نعیم ابن سعد' عمرو ابن اقسم اور ریاح ابن حرث شامل تھے۔

قیدیوں کی رہائی اور انعام...... غرض اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تمام قیدیوں کو واپس بنی تمیم کے حوالے فرمایا اور ان کو انعام و اکرام بھی عطا فرمایا۔ چونکہ بنی تمیم کے یہ سب ہی لوگ مسلمان ہو گئے تھے اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان میں سے ہر ایک کو بارہ بارہ اوقیہ عنایت فرمایا۔

ایک قول ہے کہ آپ ﷺ نے عمرو ابن اقسم کے سوا سب کو بارہ بارہ اوقیہ دیا کیونکہ انہوں نے عمرو کو سب سے پیچھے رکھا

تھااس لئے کہ وہ ان میں عمر میں سب سے کم تھا چنانچہ آپ ﷺ نے عمرو کو پانچ اوقیہ عنایت فرمائے۔

وفد تمیم کی تعداد...... جہاں تک اس وفد کے ارکان کی تعداد کا سوال ہے تو اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ایک قول ہے کہ ان کی تعداد ستر تھی اور ایک قول کے مطابق اسی تھی۔ایک قول نوے افراد کا بھی ہے (گویا مختلف اقوال ہیں ان کی تعداد ستر یا اس سے اوپر ہی تھی)۔

وفد کا اسلام اور تعلیم دین...... کتاب استیعاب میں ہے کہ۔پھر یہ سب لوگ مسلمان ہو گئے اور کچھ عرصہ مدینہ میں ٹھہرے جہاں انہوں نے دین حاصل کیا اور قرآن پاک پڑھا۔اس کے بعد جب انہوں نے واپس اپنی قوم میں جانے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے قیدی اور گرفتار شدہ عورتیں ان کو واپس فرمادیں۔

سریہ قطبہ ابن عامر بسوئے خثعم

رسول اللہ ﷺ نے حضرت قطبہ ابن عامر کو بیس آدمیوں کے ساتھ بنی خثعم کی ایک شاخ کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ اچانک ان پر یلغار کر کے ان کی گوشمالی کریں۔

دشمن کا جاسوس...... یہ حضرات دس اونٹوں پر مدینہ سے روانہ ہوئے جن پر یہ باری باری بیٹھتے تھے۔وہاں انہوں نے ایک شخص کو پکڑا اور اس سے دشمن کے بارے میں سوالات کئے مگر وہ شخص ایسا بن گیا جیسے گونگا بہرہ ہو یعنی اس نے انہیں کچھ نہیں بتایا۔

پھر اس شخص نے اچانک چیخ چیخ کر اپنے آدمیوں کو ہوشیار کرنا چاہا جو قریب ہی کے ایک چشمہ پر مقیم تھے اور وہاں سے نہیں ہٹتے تھے جیسا کہ پیچھے بھی بیان ہو چکا ہے۔اس شخص کی اس حرکت پر مسلمانوں نے اس کی گردن ماردی۔

شبخون اور فتح......اس کے بعد مسلمانوں نے اتنا انتظار کیا کہ دشمن سو جائیں۔چنانچہ رات میں انہوں نے شبخون مارا مگر پھر بھی دشمن کے ساتھ ان کا شدید مقابلہ ہوا یہاں تک کہ دونوں فریقوں میں کافی لوگ زخمی ہوئے (آخر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور) صحابہ نے بہت سے اونٹ اور بکریاں پکڑے اور مدینہ کو روانہ ہو گئے۔اس وقت اس وادی میں زبردست سیلاب آ گیا جس نے مسلمانوں اور بنی خثعم کے درمیان رکاوٹ پیدا کر دی۔نتیجہ یہ ہوا کہ مال غنیمت کے ساتھ جاتے ہوئے مسلمانوں تک دشمن کی رسائی کا کوئی راستہ نہ رہا۔اس کی کچھ تفصیل پیچھے بھی گزر چکی ہے۔

سریہ ضحاک کلابی

اسلام سے انکار اور جنگ...... حضرت ضحاک کلابی ایک جماعت کے ساتھ بنی کلاب کی طرف گئے اور ان کے سامنے پہنچ کر انہوں نے بنی کلاب کو اسلام کی دعوت دی مگر انہوں نے ہدایت قبول کرنے سے انکار کر دیا آخر مسلمانوں نے ان سے جنگ کی یہاں تک کہ بنی کلاب کو شکست دی۔

مسلم بیٹا اور مشرک باپ...... مسلمانوں میں سے ایک شخص تھا جس کا باپ دشمن کی جماعت میں تھا اتفاق سے اس مسلمان کی مڈ بھیڑ اپنے مشرک باپ سے ہو گئی۔اس نے باپ کو اسلام کی دعوت دی مگر اس نے بیٹے کے ساتھ ساتھ اسلام کو بھی گالیاں دینی شروع کر دیں۔ آخر اس مسلمان نے باپ کے گھوڑے کی اگلی ٹانگوں پر وار کر کے اسے زخمی کر دیا جس کی وجہ سے گھوڑے نے اپنے سوار کو گرادیا۔اس کے بعد یہ مسلمان اپنے باپ کو وہیں روکے رہا یہاں تک کہ اس جگہ ایک اور مسلمان پہنچ گیا اور اس نے اس مشرک کو قتل کر دیا۔

نامہ نبوی کی توہین......ایک روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی کلاب کیطرف مسلمانوں کا وفد روانہ کیا اور بنی کلاب

کیلئے ایک خط لکھ کر بھیجا (جس میں ان کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی) مگر ان لوگوں نے نہ صرف اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا بلکہ آنحضرت ﷺ کے نامہ گرامی کی تحریر کو دھو ڈالا اور آپ ﷺ کے گرامی نامہ کو پانی کے ڈول میں تلی میں باندھ دیا۔

نبی کی سیف زبانی...... جب رسول اللہ ﷺ کو بنی کلاب کی اس حرکت کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"انہیں کیا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی عقلیں ختم کر دیں!۔"

آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے بعد سے ان لوگوں کا یہ حال ہو گیا کہ ان میں ایک شخص بھی صحیح عقل و حواس والا نہ رہا بلکہ ہر ہر شخص فاطر العقل ہو گیا۔ یہاں تک کہ سب لوگ گونگوں جیسے ہو گئے جو صحیح طور پر گفتگو کرنے کے قابل بھی نہ رہے **کیونکہ کوئی شخص ان کی بات سمجھ نہیں سکتا تھا۔**

سریۂ علقمہ ابن مجزز مدلجی

اس لفظ مجزز میں میم پر پیش جیم پر زبر اور پہلی زاء پر تشدید کے ساتھ زیر ہے اور دوسری بھی زاء ہے۔ یہ حضرت علقمہ ابن مجزز اسی قیافہ شناس شخص یعنی مجزز کے بیٹے تھے جس نے حضرت زید ابن حارثہ اور ان کے بیٹے اسامہ ابن زید کو اپنی قیافہ شناسی کی ذریعہ باپ بیٹا ثابت کیا تھا۔ انہوں نے دونوں کے پیر دیکھ کر کہا تھا:

"یہ پیر ایک دوسرے سے ہی نکلے ہوئے ہیں اس لئے یہ (بچہ یعنی اسامہ) صحابی ابن صحابی ہے!"

حبشیوں کے تعاقب کا حکم...... غرض رسول اللہ ﷺ نے علقمہ ابن مجزز کو حبشیوں کی ایک جماعت کا قلع قمع کرنے کے لئے بھیجا۔ آپ ﷺ کو اطلاع ملی تھی کہ کچھ حبشی لوگوں کو جدہ والوں نے سواریوں پر آتے ہوئے دیکھا ہے۔

یہ جدہ پر پیش کے ساتھ ہے اور دال پر تشدید ہے۔ جدہ سمندر کے کنارے کو کہتے ہیں چونکہ یہ بستی ساحل سمندر پر ہے اس لئے اس کا نام جدہ پڑ گیا (جواب کثرت استعمال کی وجہ سے جیم پر زبر کے ساتھ جدہ بولا جانے لگا۔

حبشیوں کا فرار...... آنحضرت ﷺ نے اس اطلاع پر حضرت علقمہؓ کو تین سو آدمیوں کے ساتھ ان حبشیوں کے تعاقب میں روانہ فرمایا۔ یہ ان کا پیچھا کرتے ہوئے سمندر میں سے ہو کر ایک جزیرہ میں پہنچے مگر حبشی مسلمانوں کی آمد پر وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

آخر مسلمان بغیر کسی مقابلے اور لڑائی کے وہاں سے روانہ ہوئے۔ راستے میں حضرت علقمہؓ نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک جماعت کو اس بات کی اجازت دے دی کہ وہ تیزی سے چل کر پہلے پہنچ جائیں۔ علقمہؓ نے اس جماعت میں سے ہی ایک شخص کو ان پر امیر بنا دیا۔

آگ میں کودنے کے لئے امیر کا حکم...... یہ لوگ تیز چل کر راہ میں ایک جگہ فروکش ہوئے جہاں انہوں نے گرمائی حاصل کرنے اور تاپنے کے لئے آگ جلائی۔ اسی وقت ان کے امیر نے کہا:

"میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ اس آگ میں کود جاؤ!۔"

امیر کا یہ حکم سنتے ہی چند لوگ کھڑے ہو گئے اور اس طرح پر تولنے لگے کہ امیر نے سمجھا کہ وہ آگ میں کودنے ہی والے ہیں۔ یہ دیکھ کر امیر نے کہا:

"بیٹھ جاؤ۔ میں تو تمہارے ساتھ مذاق کر رہا تھا!۔"

حکم گناہ ناقابل اطاعت ہے...... مدینہ پہنچ کر ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص تمہیں اللہ کی نافرمانی کا حکم دے اس کی بات مت مانو!۔"

(قال) اسی طرح حضرت علیؓ سے ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سریہ روانہ فرمایا جس پر ایک انصاری مسلمان کو امیر بنایا پھر آپ ﷺ نے سریہ والوں کو حکم دیا کہ اپنے امیر کے احکام ماننا اور اس کی اطاعت کرنا۔

(یہ سریہ روانہ ہو گیا) راستے میں کسی بات پر امیر لشکر اپنے لشکریوں سے ناراض ہو گیا۔ اس نے لشکریوں سے کہا کہ یہاں کچھ لکڑیاں لا کر جمع کرو۔ لوگوں نے لکڑیاں اکٹھی کر دیں تو امیر نے کہا اب ان میں آگ لگا دو لوگوں نے آگ روشن کر دی تو امیر نے کہا:

"کیا رسول اللہ ﷺ نے تمہیں یہ حکم نہیں دیا تھا کہ میرا حکم ماننا اور میری اطاعت کرنا؟"

لوگوں نے کہا "بے شک!"

پھر امیر نے حکم دیا۔

"تو بس اس آگ میں کود جاؤ!۔"

اس حکم پر لوگ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ آخر انہوں نے کہا:

"ہم لوگ آگ سے ہی بھاگ کر تو رسول اللہ ﷺ کی پناہ میں آئے تھے!"

غرض کچھ دیر ان کے درمیان اسی طرح بحث ہوتی رہی کہ امیر کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو گیا اور اس عرصہ میں آگ بھی ٹھنڈی ہو گئی (اور معاملہ آیا گیا ہو گیا) اس کے بعد جب یہ لوگ واپس مدینہ پہنچے تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اس واقعہ کا تذکرہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"اگر لوگ اس آگ میں کود جاتے تو پھر کبھی اس آگ میں سے نہ نکل سکتے۔!"

پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"اللہ کی نافرمانی کے حکم میں کسی کی اطاعت واجب ہی نہیں۔ اطاعت تو درحقیقت نیک کاموں کے حکم کی ہوتی ہے!۔"

یہاں رسول اللہ ﷺ کے ارشاد میں جو یہ الفاظ ہیں کہ اگر لوگ اس آگ میں کود جاتے اس میں "اس آگ" سے مراد وہ آگ ہے جو صحابہ نے امیر کے حکم پر جلائی تھی۔ اور اس ارشاد کے اگلے حصہ میں جو یہ الفاظ ہیں کہ تو پھر کبھی "اس آگ" میں سے نہ نکل سکتے۔ اس میں "اس آگ سے" مراد آخرت کی آگ یعنی جہنم ہے کیونکہ آدمی کا آگ میں کودنا ایک گناہ ہے اور گناہگار جہنم کا مستحق ہوتا ہے۔ تو گویا اس حدیث سے تنبیہ مقصود ہے۔

ایک روایت میں آنحضرت ﷺ کے یہ الفاظ ہیں:

"ان میں یعنی امیروں اور حاکموں میں سے جو شخص تمہیں اللہ کی نافرمانی کا حکم دے اس کی اطاعت مت کرو۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ اللہ کی نافرمانی کے حکم میں کسی کی اطاعت واجب نہیں ہے!"

یہاں آگ میں کودنے کا حکم دینے کے دو واقعات بیان ہوئے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ بات واضح رہے (کہ جہاں ایک طرف یہ ممکن ہے کہ یہ ایک واقعہ کی دو الگ روایتیں ہوں وہیں یہ بھی بعید از قیاس نہیں کہ یہ دو علیحدہ علیحدہ واقعات ہوں۔

سریہ علیؓ ابن ابی طالب

یہ سریہ فُلس نامی بت کو توڑنے اور بنی طے پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ یہ بت بنی طے کا ہی تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو ڈیڑھ سو انصاری صحابہ کے ساتھ روانہ فرمایا۔ یہ لوگ اونٹوں اور پچاس گھوڑوں پر سوار تھے۔

حضرت علیؓ کے ساتھ ایک سفید رائیت اور سیاہ رنگ کا لواء تھا (رائیت اور لواء چھوٹے اور بڑے پرچموں کو کہتے ہیں) اس

سریہ کا مقصد فلس نامی بت کو توڑنا اور بنی طے پر یلغار کرنا تھا۔

فلس بت کا انہدام...... حضرت علیؓ نے فجر کے وقت بنی طے پر حملہ کیا اور فلس بت کو توڑ کر اسے نذر آتش کر دیا۔ اس فتح میں مسلمانوں کو بہت سے اونٹ' بکریاں اور قیدی ہاتھ آئے جنہیں یہ اپنے ساتھ لے کر چلے۔

حاتم طائی کی بیٹی قیدیوں میں...... ان قیدیوں میں حاتم طائی کی بیٹی بھی تھی جس کا نام سفانہ تھا یہ عدی ابن حاتم طائی کی بہن تھی۔ سفانہ کے معنی موتی کے ہیں۔ یہ سفانہ بعد میں مسلمان ہو گئی تھیں (اور ہمیشہ ایک پختہ کار مسلمان رہیں) بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ حاتم طائی کی اولاد میں بیٹی شاید صرف یہی تھیں کیونکہ ان کے سوا کسی اور بیٹی کا ذکر نہیں ملتا۔

فلس کا خزانہ...... اس فلس نامی بت کا جو خزانہ مسلمانوں کے ہاتھ آیا اس میں عرب کی تین مشہور تلواریں بھی تھیں جن کے نام یہ ہیں۔ رسوب' مخذوم اور یمانی۔ اسی طرح تین زرہیں بھی ہاتھ آئیں۔ ان تلواروں میں سے رسوب اور مخذوم رسول اللہ ﷺ کے لئے بطور صفی یعنی مال غنیمت میں سے انتخاب کے طور پر علیحدہ کی گئیں۔ پھر تیسری یعنی یمانی بھی آپ ﷺ کو مل گئی۔

سفانہ بنت حاتم...... غرض جب یہ مدینہ پہنچ گئے تو آنحضرت ﷺ کا گزر عدی کی بہن یعنی حاتم طائی کی بیٹی کے پاس سے ہوا وہ آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر کھڑی ہو گئی اور آپ ﷺ کی طرف بڑھی۔ یہ سفانہ ایک نہایت سمجھدار اور دانشمند خاتون تھی۔

پھر اس نے رسول اللہ ﷺ سے بات کی کہ آپ ﷺ اس پر احسان فرمائیں (یعنی آزاد کر دیں) آنحضرت ﷺ نے اس پر احسان فرمایا (اور اسے رہا فرما دیا) اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مسلمان ہو گئیں اور اپنے بھائی عدی ابن حاتم کے پاس گئیں۔ بھائی کو انہوں نے مشورہ دیا کہ وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہو (اور اسلام قبول کرے) چنانچہ عدی آنحضرت ﷺ کے پاس آئے جیسا کہ اس کی تفصیل آگے وفود کے بیان میں ذکر ہو گی۔

نبی سے احسان کی درخواست...... کہا جاتا ہے کہ سفانہ نے جب آنحضرت ﷺ سے بات کی تھی تو یہ کہا تھا:

"اے محمد ﷺ! کیا یہ ممکن ہے کہ آپ ﷺ ہمیں چھوڑ دیں تاکہ عرب کے لوگ ہم پر انگلیاں نہ اٹھائیں کیونکہ میں اپنی قوم کے سردار کی بیٹی ہوں اور میرے والد وہ تھے جو اپنوں کی حفاظت کرتے تھے' مصیبت زدوں کی امداد کرتے تھے' بھوکوں کا پیٹ بھرتے تھے' ننگوں کو لباس فراہم کرتے تھے' مہمانوں کی عزت کرتے تھے لوگوں کو کھانا کھلاتے تھے' امن وسلامتی کے خواہاں رہتے تھے اور ان کے دروازے سے کبھی کوئی ضرورت مند خالی ہاتھ واپس نہیں جاتا تھا۔ میں حاتم طائی کی بیٹی ہوں۔!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"لڑکی! یہ صفات اور خوبیاں جو تو نے بیان کی ہیں ایک مومن کی ہوتی ہیں۔ اگر تیرے باپ مسلمان ہوتے تو ہم ان کے ساتھ رحم وکرم کا معاملہ کرتے۔!"

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

"اس لڑکی کو چھوڑ دو کیونکہ اس کا باپ بلند اور نیک اخلاق کو پسند کرتا تھا۔!"

ایک روایت کے مطابق سفانہ نے آنحضرت ﷺ سے یہ عرض کیا تھا:

"اے محمد ﷺ! کیا یہ ممکن ہے کہ آپ ﷺ مجھ پر احسان فرمائیں اور مجھے میری قوم میں رسوا نہ ہونے دیں کیونکہ میں قوم کی سردار کی بیٹی ہوں میرے باپ پڑوسیوں کی حفاظت کرتے تھے لوگوں کو کھانا کھلاتے تھے وغیرہ وغیرہ۔!"

آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا:

"بے شک یہ بلند اخلاق ہیں اگر تمہارے باپ مسلمان ہوتے تو میں ان کے لئے رحمت کی دعا کرتا!"

اس کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا:

"اس کو رہائی دے دو کیونکہ اس کے باپ بلند اخلاق سے محبت رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ بھی بلند اخلاق کو پسند فرماتا ہے۔!"

ایک روایت میں ہے کہ سفانہ نے آپ ﷺ سے کہا:

"اے محمد ﷺ! میرے باپ ہلاک ہو چکے ہیں اور میرا محافظ جان بچا کر بھاگ گیا ہے۔ اب آپ ﷺ میرے ساتھ احسان کا معاملہ فرمایئے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر احسان فرمائے گا۔!"

آپ ﷺ نے پوچھا کہ تمہارا محافظ کون ہے؟ سفانہ نے عرض کیا کہ عدی ابن حاتم (یعنی میرا بھائی جو مسلمانوں کی یلغار دیکھ کر جان بچانے کے لئے ملک شام کی طرف بھاگ گئے تھے اور بعد میں آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے تھے۔ اس کی تفصیل آگے وفود کے بیان میں آرہی ہے۔

آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا:

"وہ اللہ اور اس کے رسول سے بھاگنے والا۔!"

سفانہ پر احسان...... سفانہ کہتی ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ وہاں سے آگے بڑھ گئے اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا یہاں تک کہ اگلا دن آگیا تو میں نے پھر آپ ﷺ سے وہی درخواست کی اور آپ ﷺ نے پھر مجھے اسی طرح جواب دیا۔ تیسرے دن آنحضرت ﷺ نے اپنے پیچھے کھڑے ہوئے ایک آدمی سے بات کرنے کا مشورہ دیا میں نے اس شخص سے گفتگو کی۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

"میں تمہاری درخواست قبول کر چکا ہوں مگر جلدی مت کرو، اپنی قوم کے کسی ایسے شخص کو آجانے دو جو تمہارے بھروسہ کا ہو اور تمہیں تمہارے گھر پہنچادے ایسا شخص آئے تو مجھے بتانا۔!"

اس کے بعد میں نے اس شخص کے متعلق تحقیق کی جس سے بات کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ نے مجھے مشورہ دیا تھا، مجھے بتلایا گیا کہ وہ حضرت علیؓ تھے۔

سفانہ کہتی ہیں کہ پھر میں انتظار کرتی رہی یہاں تک کہ ایک قابلِ اعتبار آدمی مدینہ آیا (جو میری قوم کا تھا) میں اسی وقت آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئی اور عرض کیا:

"میری قوم کے چند لوگ مدینہ آئے ہیں جن میں ایک شخص میرے بھروسہ کا ہے۔!"

سفانہ کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے (مجھے اجازت دے دی اور ساتھ ہی) مجھے لباس اور سواری عنایت فرمائی اس کے علاوہ آپ نے مجھے زادِ راہ اور خرچہ بھی دیا (ان تمام نوازشات اور انعام واکرام کے ساتھ) میں مدینہ سے روانہ ہو کر ملک شام میں اپنے بھائی عدی ابن حاتم کے پاس پہنچ گئی۔

سریہ علی ابن ابی طالب بسوئے علاقہ مذحج

یہ لفظ مذحج مسجد کے وزن پر میم پر زبر اور حاء پر زیر کے ساتھ ہے۔ مذحج (ایک شخص کا نام تھا جو) یمن کے ایک قبیلہ کا مورثِ اعلیٰ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو یمن میں مذحج کے علاقہ کی طرف روانہ فرمایا۔

اس سریہ میں حضرت علیؓ کے ساتھ تین سو گھوڑے سوار تھے۔ آنحضرت ﷺ نے علیؓ ابن ابی طالب کے لئے لواء یعنی پرچم باندھا اور خود اپنے دست مبارک سے ان کے عمامہ باندھا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

"جاؤ! کسی دوسری طرف توجہ مت کرنا۔ جب تم ان کے علاقہ میں پہنچ کر پڑاؤ ڈالو تو اس وقت تک جنگ مت کرنا جب

تک کہ وہ خود ہی لڑائی شروع نہ کر دیں۔!"

یمن میں پہلی فتح...... اس کے بعد حضرت علیؓ روانہ ہو گئے۔ یہ پہلا گھوڑے سوار لشکر تھا جو یمن کے علاقہ کو پامال کر رہا تھا۔ وہاں پہنچ کر حضرت علیؓ نے اپنے ساتھیوں کو ادھر ادھر ٹولیاں بنا کر روانہ فرمایا (یعنی صحابہ مذحج کے علاقہ میں گئے) انہوں نے وہاں بہت سے مال غنیمت قبضہ میں کیا جس میں بچے عورتیں' اونٹ اور بکریاں وغیرہ شامل تھیں۔ حضرت علیؓ نے مال غنیمت پر حضرت بریدہ ابن مصیب کو نگراں مقرر فرمایا۔!"

تبلیغ و تلوار اور فتح...... اس کے بعد ان صحابہ کا سامنا دشمن کے ایک بڑے جتھے سے ہوا مسلمانوں نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی جس پر انہوں نے نہ صرف ہدایت قبول کرنے سے انکار کر دیا بلکہ صحابہ پر پتھر اور تیر برسانے شروع کر دیئے جس کے نتیجہ میں دشمن کے بیس آدمی قتل ہو گئے آخر وہ لوگ شکست کھا کر بھاگے اور جس کا جدھر منہ اٹھا وہ ادھر ہی فرار ہو گیا۔ حضرت مسعودؓ نے اپنے ساتھیوں کو دشمن کا تعاقب کرنے سے روک دیا۔ اس کے بعد پھر ان لوگوں سے سامنا ہوا تو انہوں نے دوبارہ ان کو اسلام کی دعوت دی جس پر ان کے سرداروں میں سے کچھ لوگوں نے فوراً ہی اسلام قبول کیا اور کہنے لگے:

"ہم اپنی قوم کے ان لوگوں کے بھی نمائندے ہیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ یہ ہماری طرف سے صدقات کا مال ہے اس میں سے آپ علیہ السلام اللہ کا حق نکال لیجئے۔!"

مال غنیمت کی تقسیم...... اس کے بعد حضرت علیؓ نے تمام مال غنیمت جمع کیا اور اس کے پانچ حصے کئے ان میں سے ایک پانچواں حصہ انہوں نے اللہ کے نام کا متعین کیا اور علیحدہ کر دیا اور باقی چار عدد پانچویں حصے اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیئے۔

مکہ کو علیؓ کا کوچ...... پھر حضرت علیؓ (اپنے لشکر پر ایک دوسرے شخص کو امیر بنا کر) خود وہاں سے روانہ ہو کر مکہ میں آنحضرت ﷺ سے جا ملے جہاں آپ ﷺ حج یعنی حجۃ الوداع کیلئے تشریف لائے تھے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو ایک سریہ میں یمن کی طرف بھیجا تو ہمدان کا پورا قبیلہ ایک ہی دن میں مسلمان ہو گیا۔ حضرت علی نے یہ خوشخبری لکھ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس خط لکھا۔ آپ ﷺ نے جیسے ہی یہ خط پڑھا فوراً ہی سجدہ میں گر گئے پھر آپ ﷺ اٹھ کر بیٹھے اور فرمایا کہ ہمدان والوں پر سلامتی ہو۔ اس کے بعد یمن کے لوگ ایک کے بعد ایک اسلام میں داخل ہونے لگے۔ کتاب اصل میں ہے کہ حضرت علیؓ کا یہ سریہ اول ہے اور اس سے پہلے جو بیان ہوا ہے وہ دوسرا ہے۔

سریۂ خالدؓ ابن ولید

نبی ﷺ کی پیشین گوئی...... یہ سریہ اکیدر ابن عبدالملک کی طرف بھیجا گیا جو دومتہ الجندل کے مقام پر تھا یہ شخص عیسائی تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالدؓ کو چار سو بیس سواروں کے ساتھ رجب ۹ھ میں دومتہ الجندل کے مقام پر اکیدر کی طرف روانہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے خالد ابن ولیدؓ سے فرمایا کہ وہاں پہنچ کر تم اکیدر کو گائے کا شکار کرتا ہوا پاؤ گے' حضرت خالدؓ مدینہ سے روانہ ہوئے یہاں تک کہ وہ اکیدر کی حویلی کے قریب پہنچ گئے اور حویلی نظر آنے لگی' یہ ایک چاندنی رات تھی اور فضا بھی صاف تھی۔

اکیدر شکار میں...... اس وقت اکیدر اپنی بیوی کے ساتھ مکان کے بالاخانہ میں تھا اچانک وہاں ایک گائے آئی جو حویلی کے پھاٹک میں سینگ مارنے لگی (یہ دونوں بالاخانے سے یہ منظر دیکھ رہے تھے) اکیدر کی بیوی کہنے لگی کہ کیا تم نے کبھی پہلے بھی یہ واقعہ دیکھا ہے؟ اس نے کہا خدا کی قسم کبھی نہیں وہ بولی پھر اسے کون چھوڑ سکتا ہے؟ اس نے کہا کوئی نہیں' یہ کہہ کر وہ نیچے اترا اور گھوڑا منگا کر زین کسوائی اُسکے ساتھ ہی گھر کے کچھ دوسرے لوگ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر چلے جن میں اسکا بھائی حسان بھی تھا۔

شکاری خود شکار...... کچھ ہی دور چلے ہوں گے کہ حضرت خالدؓ کے دستے سے ان کی مڈ بھیڑ ہو گئی اکیدر نے تو مقابلہ کی سکت نہ دیکھ کر خود کو گرفتاری کیلئے پیش کر دیا لیکن اس کا بھائی حسان مقابلہ میں ڈٹ گیا آخر لڑتا ہوا مارا گیا۔ حضرت خالد نے اکیدر کو اپنی پناہ میں لے کر قتل ہونے سے بچا لیا تاکہ اسے آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کریں اور اس پناہ کے نتیجہ میں وہ خالد کے ہاتھوں دومتہ الجندل فتح کرادے۔

اکیدر کا قیمتی لباس...... اکیدر اس وقت ایک نہایت قیمتی قبا پہنے ہوئے تھا جس میں اس طرح سونے کی پتیاں بنی ہوئی تھیں جیسے کھجور کی ہوتی ہیں۔ حضرت خالد نے اس کی وہ قبا اتار کر رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیج دی۔ صحابہ نے جب اسے دیکھا تو بڑے حیران ہوئے آنحضرت ﷺ نے ان کی حیرانی دیکھ کر فرمایا:

''جنت میں سعد ابن معاذؓ کے رومال بھی اس سے کہیں زیادہ اعلیٰ ہیں۔!''

اکیدر کی جزیہ پر صلح...... یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے' اکیدر نے دومتہ الجندل والوں کی طرف سے مسلمانوں کے ساتھ صلح کر لی جو دو ہزار اونٹ' آٹھ سو راس' چار سو زرہوں اور چار نیزوں پر ہوئی۔

اس کے بعد حضرت خالدؓ وہاں سے اکیدر اور اس کے بھائی مصاد کیساتھ مدینہ کو روانہ ہوئے اور اکیدر کیساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ نے اس کے ساتھ جزیہ پر صلح کی اور اکیدر اور اسکے بھائی مصاد کی جاں بخشی فرما دی پھر آپ ﷺ نے ان دونوں کو واپس جانے کی اجازت دے دی اور انہیں ایک امان نامہ لکھ دیا جس پر اس دن مہر لگائی گئی۔

اکیدر کو نبی کا امان نامہ...... اس امان نامے کے مضمون کا ایک حصہ یہ ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ تحریر محمد رسول اللہ کی جانب سے اکیدر کے لئے ہے جب کہ وہ دومتہ الجندل اور اس کے قرب وجوار کے علاقے سے خالد ابن ولید سیف اللہ کے ساتھ آیا اور اس نے بتوں اور گمراہیوں کو چھوڑ کر اسلام کا رخ کیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ جیسا کہ ظاہر ہے اس مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ اکیدر مسلمان ہو گیا تھا۔ یہ بات ابو نعیم اور ابن مندہ کے قول کے مطابق ہے جو اس کو مسلمان اور صحابہ میں شمار کرتے ہیں۔ اکیدر نے رسول اللہ ﷺ کو ایک حُلّہ ہدیہ کیا تھا جو آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر ابن خطابؓ کو ہبہ فرما دیا۔

ادھر علامہ ابن کثیرؒ نے اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ اکیدر کے اسلام کی روایت بالکل غلط ہے کیونکہ سیرت نگاروں کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہوا تھا۔ اب اس تحریر کے اس جملے کا کہ اس نے اسلام کا رخ کیا۔ یہ مطلب ہو گا کہ وہ اسلام کی طرف مائل ہوا' لیکن تحریر کا یہ جملہ قرین قیاس نہیں ہے کہ اس نے بتوں اور گمراہیوں کو چھوڑ دیا۔ بہر حال یہ اختلاف روایات قابل غور ہے۔

بد عہدی اور قتل...... پھر جب رسول اللہ ﷺ کیساتھ اسکی صلح ہو گئی تو وہ اپنی حویلی یعنی گڑھی میں لوٹ آیا اور وہاں نصرانی مذہب پر رہتے ہوئے زندگی گزارتا رہا۔ پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت کے دور میں حضرت خالدؓ نے دوبارہ حملہ کر کے اس کی گڑھی کا محاصرہ کر دیا اور پھر اس کو قتل کر دیا کیونکہ اس نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی تھی۔

علامہ ابن کثیر بلاذری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جب اکیدر آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوا تھا تو اس نے اسلام قبول کر لیا تھا پھر آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد مرتد ہو گیا جسکے نتیجہ میں عراق سے شام کے علاقے میں لوٹنے کے بعد حضرت خالدؓ کے ہاتھوں ہی مارا گیا۔

اب اس قول کی بنیاد پر اکیدر کو صحابہ میں شمار نہیں کیا جا سکتا ورنہ تو ہر اس شخص کو صحابہ میں شمار کرنا پڑے جو آنحضرت

ﷺ کی حیات میں مسلمان ہو کر آپ ﷺ کی وفات کے بعد مرتد ہو گیا جب کہ ظاہر ہے یہ بات کوئی شخص تسلیم نہیں کر سکتا۔ چنانچہ علامہ ذہبیؒ نے عمارہ ابن قیس ابن حرث شیبانی کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ مرتد ہو گیا تھا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت کے زمانے میں قتل کیا گیا لہٰذا اب وہ ہر لحاظ سے صحابہ کے دائرہ سے خارج ہو گیا۔

سریۂ اُسامہؓ ابن زید بسوئے اُبنیٰ

رومیوں کے خلاف لشکر...... یہ لفظ اُبنیٰ الف پر پیش باء کے سکون اور نون مقصورہ مفتوحہ کے ساتھ ہے جو عسقلان اور رملہ کے درمیان ایک بستی تھی مگر علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ یہ ابنیٰ موتہ کے قریب ایک گاؤں تھا اور موتہ وہی جگہ ہے جہاں اُسامہؓ کے والد حضرت زیدؓ ابن حارثہ قتل ہوئے تھے۔ ۱۱ھ میں پیر کے دن جب کہ ماہ صفر کے چار دن باقی تھے رسول اللہ ﷺ نے رومیوں کی عظیم سلطنت کے خلاف کمربستہ ہونے کا حکم فرمایا۔ اگلے دن آنحضرت ﷺ نے اسامہ ابن زیدؓ کو بلا کر فرمایا:

"اس مقام کی طرف بڑھو جہاں تمہارے والد قتل ہوئے تھے اور اس علاقے کو اسلامی شہسواروں سے پامال کرو۔ میں تمہیں اس لشکر کا امیر بناتا ہوں۔ ابنیٰ والوں کے خلاف صبح میں جنگ کرنا اور ان کی جائیدادوں کو نذر آتش کر دینا، تم نہایت تیزی کیساتھ سفر کر کے اپنی منزل کی طرف بڑھو تاکہ جاسوسوں کی اطلاعات سے پہلے دشمن کے سر پر پہنچ جاؤ۔ اگر خدا تعالیٰ نے تمہیں ان پر فتح عطا فرمائی تو ان لوگوں میں زیادہ مت ٹھہرنا اور اپنے ساتھ جاسوس اور مخبر لیجانا۔!"

آخری فوج ظفر موج...... پھر اگلے دن بدھ کے روز رسول اللہ ﷺ کو درد سر شروع ہوا جس کے بعد آپ ﷺ کو بخار بھی ہو گیا (اور آپ ﷺ کا مرض وفات شروع ہوا) جمعرات کے دن آنحضرت ﷺ نے تکلیف کے باوجود خود اپنے دست مبارک سے اسامہ کو لواء یعنی پرچم باندھ کر دیا اور فرمایا:

"اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستے پر جہاد کے لئے جاؤ اور جنہوں نے اللہ کے ساتھ کفر کیا ان سے جنگ کرو۔!"

اسامہؓ کی سرداری پر چہ میگوئیاں...... چنانچہ حضرت اسامہؓ ابن زید اپنا پرچم لے کر روانہ ہوئے پھر انہوں نے وہ پرچم حضرت بریدہؓ کے حوالے کیا اور مدینہ کے باہر جرف کے مقام پر لشکر کو ٹھہرا دیا (حضرت اسامہ ابن زید ایک بالکل نوعمر اور نوجوان لڑکے تھے جنہیں لشکر کا امیر بنایا گیا تھا جس میں بڑے بڑے ممتاز اور تجربہ کار صحابہ شریک تھے) ادھر مہاجر صحابہ میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جسے یہ بات محسوس نہ ہو رہی ہو یہاں تک کہ ان میں حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابو عبیدہؓ اور حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کو بھی اس کا احساس ہوا چنانچہ کچھ لوگ آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے اور کہنے لگے کہ کیا مہاجرین اور انصاریوں پر اس لڑکے کو امیر بنایا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت حضرت اسامہؓ کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ ایک قول کے مطابق انیس سال اور ایک قول کے مطابق سترہ سال تھی۔

ایک کمسن عالم...... سترہ سال کے قول کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ خلیفہ مہدی جب بصرہ میں آئے تو ان کو ایاس ابن معاویہ سے ملایا گیا جس کی ذکاوت و ذہانت کی مثالیں دی جاتی تھیں۔ اس وقت یہ ایاس بچے یعنی بہت کم عمر لڑکے تھے۔ ان کو خلیفہ مہدی سے اس طرح ملایا گیا کہ ان کے پیچھے پیچھے چار سو علماء اور مشائخ تھے۔ خلیفہ نے یہ منظر دیکھا تو لوگوں سے کہا:

"ان علماء اور مشائخ پر افسوس ہے۔ کیا ان کے درمیان اس بچے کے سوا کوئی شیخ نہیں تھا جس کو یہ آگے رکھتے؟"۔

اس کے بعد خلیفہ مہدی ایاس کی طرف متوجہ ہوا اور ان سے پوچھا کہ لڑکے تمہاری عمر کیا ہے؟ انہوں نے کہا:

"خدا امیر المومنین کا سایہ تادیر سلامت رکھے میری عمر وہی ہے جو اُس وقت اسامہ بن زید کی تھی جب رسول اللہ ﷺ

نے انہیں اس لشکر کا امیر بنایا تھا جس میں حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ جیسے حضرات شامل تھے۔!"

یہ جواب سن کر خلیفہ مہدی کو اس لڑکے کی ذہانت و ذکاوت کا اندازہ ہوا اور اس نے ان سے کہا کہ آگے آؤ خدا تم میں برکت عطا فرمائے۔

اس وقت ایاس کی عمر سترہ سال کی تھی۔ اس کے جو اقوال مشہور ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جو شخص اپنے عیبوں سے واقف ہے وہ احمق ہوتا ہے۔ اس پر کسی نے ان سے کہا کہ اے ابو وائلہ تم میں کون سے عیب ہے؟ انہوں نے کہا زیادہ بولنا۔

چہ میگوئیاں پر سرزنش...... اسامہ کی عمر کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ وہ بیس سال کے تھے۔ غرض چونکہ اسامہ کی سرداری پر تمام بڑے بڑے صحابہ میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں اس لئے جب آنحضرت ﷺ کو ان باتوں کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ سخت ناراض ہوئے یہاں تک کہ آپ ﷺ اسی حالت میں حجرۂ مبارک سے باہر تشریف لائے کہ آپ ﷺ کے سر مبارک پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور بدن پر ایک چھوردار چادر تھی۔ آپ ﷺ مسجد میں آکر منبر پر چڑھے پہلے آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور پھر صحابہ کو خطاب کر کے فرمایا:

"اما بعد! لوگو یہ کیسی باتیں ہیں جو میرے اسامہ کو امیر بنا دینے پر تم میں سے کچھ لوگوں کی طرف سے مجھ تک پہنچی ہیں۔ اس سے پہلے ایک بار جب میں نے اسامہ کے باپ کو امیر بنایا تھا تو اس وقت بھی تم نے طعن کئے تھے قسم ہے خدائے عزّ و جل کی کہ وہ یعنی زید ابن حارثہ امارت کے لئے موزوں ترین آدمی تھا اور اب اس کے بعد اس کا بیٹا اسامہ امارت کے لئے موزوں ترین ہے اور یہ میرے نزدیک تمام لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔ یہ دونوں باپ بیٹے ایسے ہیں کہ ان کے متعلق خیر کا ہی گمان کیا جا سکتا ہے لہٰذا اس کے یعنی اسامہ کے بارے میں خیر کا گمان رکھو کیونکہ وہ تم میں کے بہترین لوگوں میں سے ہے۔!"

الوداع کیلئے لشکری نبی کے پاس...... یہ بات پیچھے بیان ہو چکی ہے کہ اسامہ کو حِبّ ابن حِبّ کہا جاتا ہے۔ جب اسامہؓ چھوٹے سے تھے تو آنحضرت ﷺ خود اپنے کپڑے سے ان کی ناک صاف کیا کرتے تھے۔ غرض اتنا فرما کر آنحضرت ﷺ منبر سے اترے اور اپنے حجرۂ مبارک میں تشریف لے گئے۔ یہ واقعہ دس ربیع الاول ۱۱ھ سنیچر کے دن کا ہے۔ اس کے بعد وہ مسلمان جو اسامہ کے ساتھ لشکر میں جانے والے تھے آنحضرت ﷺ سے رخصت ہونے کے لئے آنے لگے جس کے بعد وہ جرف کے مقام پر لشکر میں چلے گئے۔

آنحضرت ﷺ مرض وفات میں...... آنحضرت ﷺ کی طبیعت زیادہ خراب ہوتی جا رہی تھی مگر پھر بھی آپ ﷺ فرما رہے تھے کہ اسامہ کے لشکر کو روانہ کر دو مگر آپ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کو روک لیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان دونوں روایات میں کوئی اختلاف نہیں ہے جن میں سے ایک کے مطابق حضرت ابو بکرؓ اس لشکر میں شامل تھے اور دوسرے کے مطابق وہ لشکر کے ساتھ نہیں گئے تھے۔ کیونکہ درحقیقت ابتداء میں وہ لشکر میں شامل تھے لیکن جب آنحضرت ﷺ نے ان کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تو وہ رک گئے تھے۔

اس قول سے حضرت ابو بکرؓ پر رافضیوں کے اس طعن کی تردید ہو جاتی ہے کہ انہوں نے حضرت اسامہؓ کے لشکر میں جانے سے دامن بچالیا تھا۔ کیونکہ حضرت ابو بکرؓ کا رکنا دراصل آنحضرت ﷺ کے حکم کی بناء پر تھا تاکہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ پھر وہی رافضی آگے کہتا ہے کہ۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں پر لعنت فرمائی تھی جو اسامہ کے لشکر میں جانے سے رک گئے تھے۔ مگر اس رافضی کا یہ قول بھی مردود ہے کیونکہ یہ لعنت کسی حدیث میں وارد نہیں ہوئی ہے۔

مرض کی شدت...... پھر اتوار کے دن رسول اللہ ﷺ کا درد بہت زیادہ بڑھ گیا اسامہ اپنے لشکر سے آئے اور آنحضرت ﷺ

کے حجرہ میں حاضر ہوئے اس وقت آپ آنکھیں بند کئے نڈھال تھے اسامہ نے آہستہ سے آپ ﷺ کا سر دبایا اور پھر پیشانی کو بوسہ دیا آنحضرت ﷺ نے کوئی بات نہیں کی بلکہ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور پھر انہیں اسامہ پر رکھ دیا۔ اسامہؓ کہتے ہیں میں نے سمجھ لیا کہ آپ میرے لئے دعا فرمارہے ہیں۔اس کے بعد اسامہ پھر اپنے لشکر میں لوٹ آئے۔

لشکر میں آتے ہی اسامہ نے لوگوں کو کوچ کا حکم دیا مگر جب کہ وہ کوچ کی تیاری کر رہے تھے اچانک ان کے پاس ان کی ماں اُمّ اَیمن کا قاصد آیا اور بولا کہ رسول اللہ ﷺ کا وقت آخر ہو رہا ہے۔ایک روایت میں یوں ہے کہ پھر اسامہ مدینہ سے چلے یہاں تک کہ جرف کے مقام پر پہنچ گئے اسی وقت ان کی بیوی فاطمہ بنت قیس کا پیغام پہنچا جنہوں نے کہلایا تھا کہ آپؓ جانے میں جلدی نہ کریں کیونکہ آنحضرت ﷺ کی طبیعت زیادہ خراب ہے۔

وفات النبی اور کوچ کا التواء...... یہ سنتے ہی اسامہ اور ان کے ساتھ ہی حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ فوراً مدینہ آئے۔یہ حضرات سیدھے آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچے لیکن اس وقت آپ ﷺ کا آخر وقت ہو رہا تھا۔پھر سورج جھکنے یعنی زوال کے وقت آپ ﷺ کی وفات ہو گئی۔ایک روایت میں یہ ہے کہ اسامہ ذی خشب کے مقام پر ہی پہنچے تھے کہ آنحضرت ﷺ کا وصال ہو گیا۔

اسی وقت وہ تمام مسلمان جو جرف کے مقام سے کوچ کے لئے تیار تھے جوق در جوق مدینہ آکر حجرہ مبارک پر جمع ہو گئے۔

ادھر حضرت بریدہؓ نے جن کے پاس اسلامی پرچم تھا حجرۂ مبارک پر آکر دروازے کے پاس پرچم گاڑ دیا۔اس کے بعد جب حضرت ابو بکر صدیقؓ کے لئے خلافت کی بیعت لی گئی تو انہوں نے بریدہ کو حکم دیا کہ وہ پرچم اسامہ کے گھر لے جائیں اور یہ کہ اسامہ آنحضرت ﷺ کے حکم کو پورا کریں۔

عرب میں فتنۂ ارتداد...... ادھر جوں ہی آنحضرت ﷺ کی وفات ہوئی عرب کے قبائل مرتد ہونے لگے کیونکہ جیسے ہی رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر مشہور ہوئی عرب میں نفاق اور پھوٹ پیدا ہو گئی اور عیسائیوں و یہودیوں کی طاقت پھر سے ابھر آئی۔نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی حالت ایسی ہو گئی جیسے سردیوں کی رات میں بارش سے بھیگی ہوئی بھیڑ کی ہوتی ہے۔چنانچہ عرب کے قبائل مرتد ہو گئے اور کہنے لگے کہ ہم نمازیں تو پڑھیں گے لیکن زکوٰۃ نہیں دیں گے۔

لشکر روکنے کا مشورہ......اس وقت صحابہ نے حضرت ابو بکرؓ کو مشورہ دیا کہ وہ اسامہ کے لشکر کو جانے سے روک دیں'انہوں نے کہا:"یہ لشکر ایسے وقت میں رومیوں کے مقابلے کے لئے بھیجنا کیسے مناسب ہو گا جب کہ مدینہ کے گرد و پیش میں عرب قبائل مرتد ہو رہے ہیں۔!"

حکم نبوی ﷺ پر خلیفہ کی پختگی...... مگر حضرت ابو بکرؓ نے یہ مشورہ ماننے سے انکار کر دیا اور کہا:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اگر آنحضرت ﷺ کی ازواج یعنی بیویوں تک کے پیروں کو کتے نوچنے لگیں تو بھی میں اس لشکر کو ہرگز نہیں روکوں گا جس کو آنحضرت ﷺ نے روانگی کا حکم دیا تھا اور نہ وہ پرچم کھولوں گا جو آنحضرت ﷺ نے باندھا تھا"۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔"خدا کی قسم میرے نزدیک یہ بات زیادہ آسان ہے کہ مجھے پرندے نوچ کھائیں بہ نسبت اس کے کہ میں آنحضرت ﷺ کے حکم کو پورا کرنے سے پہلے کوئی کام کروں۔!"

اسامہؓ کا تامّل اور انصار کا پیغام......اقول۔مؤلف کہتے ہیں:بعض علماء نے روایت کیا ہے کہ (آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جب خلیفہ اول حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرت ﷺ کے فرمان کے مطابق اسامہ کو غزوہ میں جانے کا حکم دیا تو) اسامہ خندق کے پاس ٹھہر گئے اور (امیر لشکر کی حیثیت سے) انہوں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپ خلیفہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جایئے اور

ان سے درخواست کیجئے کہ وہ مجھے لشکر کے ساتھ واپس مدینہ آنے کی اجازت دے دیں کیونکہ میرے لشکر میں تمام بڑے بڑے صحابہ شریک ہیں اگر میں ان سب کو لے کر رومیوں کی سمت چلا گیا تو مجھے خلیفہ کے متعلق اطمینان نہیں رہے گا کیونکہ ان پر بڑا بوجھ اور مسلمانوں کی ذمہ داریاں ہیں کہیں مشرکین ان پر جھپٹ نہ پڑیں۔

اسی وقت انصاری مسلمانوں نے حضرت عمرؓ سے یہ کہا:

"اگر حضرت ابو بکرؓ لشکر کے جانے پر ہی اصرار کریں تو ان کو ہماری طرف سے سلام پہنچا کر درخواست کیجئے گا کہ پھر وہ ہم پر اسامہ جیسے نوعمر لڑکے کے بجائے کسی معمر آدمی کو امیر بنا دیں!"

حضرت عمرؓ وہاں سے سیدھے حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس آئے اور انہیں حضرت اسامہ کا پیغام پہنچایا۔ مگر حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم اگر مجھ کو بھیڑیئے اور کتے بھی نوچ کھائیں تو بھی میں اس فیصلہ کو پورا کرنے سے نہیں رک سکتا جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا کہ انصار نے مجھے آپ ﷺ تک یہ پیغام اور درخواست پہنچانے پر مامور کیا ہے کہ آپؓ ان پر کسی دوسرے شخص کو امیر بنا دیں جو اسامہ کے مقابلے میں معمر اور تجربہ کار ہو۔

صدیق اکبر کا پُر جوش عزم...... حضرت ابو بکرؓ جو بیٹھے ہوئے تھے حضرت عمرؓ کی یہ بات سنتے ہی اچھل کر کھڑے ہو گئے اور حضرت عمرؓ کی داڑھی پکڑ کر کہنے لگے:

"تیری ماں تجھ سے ہاتھ دھوئے اور تجھ سے محروم ہو جائے اے ابن خطاب! اسامہ کو خود رسول اللہ ﷺ نے امیر بنایا تھا اور مجھ سے کہہ رہے ہو کہ میں اسے اس ذمہ داری سے سبکدوش کر دوں۔!"

اس جواب پر حضرت عمرؓ اسی وقت لشکر میں واپس آکر کہنے لگے کہ۔ تمہاری مائیں تم سے ہاتھ دھو بیٹھیں چلو بڑھو آج مجھے تمہاری وجہ سے خلیفہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے برا بننا پڑا۔

یہاں تک ان بعض علماء کا کلام ہے۔ یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے۔ پیچھے بیان ہوا ہے کہ کچھ لوگوں نے اسامہ کے امیر بننے پر گرانی کا اظہار کیا تھا اس پر آنحضرت ﷺ بیماری کی حالت میں حجرہ سے باہر نکلے اور منبر پر کھڑے ہو کر آپ ﷺ نے ایسے لوگوں کو سرزنش فرمائی تھی۔ لہذا یہ بات قرین قیاس نہیں کہ آنحضرت ﷺ کی اس سرزنش کا حال انصاریوں کے کانوں تک نہ پہنچا ہو (لہذا پھر انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کے پاس یہ پیغام کیسے بھیجا)۔

اب اس بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ جن انصاریوں نے اس وقت حضرت عمرؓ کے ذریعہ یہ بات کہلوائی ممکن ہے ان تک آنحضرت ﷺ کی ناگواری کا حال نہ پہنچا ہو۔ یا ان انصاریوں نے یہ خیال کیا ہو کہ ممکن ہے حضرت ابو بکرؓ اس میں مصلحت دیکھ کر ان کے ساتھ اتفاق کر لیں۔ اور حضرت عمرؓ نے اس لئے ان کا پیغام پہنچا دیا ہو کہ وہ خود ان کو انکاری جواب نہیں دے سکتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں پر ناراضگی کا اظہار فرمایا تھا جو اسامہ کی امارت پر چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ بہرحال یہ بات قابل غور ہے۔ واللہ اعلم

سالار مجاہدین کا احترام...... پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اسامہ سے اس بارے میں بات کی کہ وہ حضرت عمرؓ کو ساتھ نہ لے جائیں۔ اسامہ اس پر تیار ہو گئے۔ صدیق اکبرؓ کا اسامہؓ سے یہ اجازت لینا غالباً حضرت اسامہؓ کی دلداری کیلئے تھا (ورنہ ظاہر ہے کہ صدیق اکبرؓ خلیفۃ المسلمین تھے اور وسیع اختیارات رکھتے تھے) چنانچہ اسی دلداری کی ایک مثال یہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ جب بھی اسامہ سے ملتے تو کہتے السلام علیك ایھا الامیر جیسا کہ آگے اس کی تفصیل بیان ہوگی۔

لشکر اسامہ کا کوچ...... اس کے بعد جب ۱۱ھ کے ربیع الآخر کا چاند نظر آیا تو اسامہ ابن زید تین ہزار صحابہ کا لشکر لے کر مدینہ

سے روانہ ہوئے جس میں ایک ہزار گھوڑے سوار تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق خلیفۃ المسلمین نے اسامہؓ کو اس حال میں الوداع کہا کہ اسامہ سواری پر تھے اور خلیفۃ المسلمین ان کے ساتھ کچھ دور تک پیدل چلے۔ پیچھے پیچھے حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن عوف خلیفہ رسول کی سواری لئے چل رہے تھے۔ حضرت اسامہ نے صدیق اکبر سے عرض کیا کہ خلیفہ المسلمین یا تو آپؓ بھی سواری پر سوار ہو جائیں ورنہ میں اپنی سواری سے اتر جاتا ہوں۔ مگر حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ نہیں خدا کی قسم نہ میں سوار ہو کر چلوں گا اور نہ تم سواری سے اترو گے۔ اس کے بعد صدیق اکبر نے فرمایا:

"میں تمہیں، تمہارے دین کو، تمہاری امانت کو اور تمہارے نیک اعمال کو خدا کے سپرد کرتا ہوں!"۔

اسلام کی فتح...... اسی قسم کا واقعہ رسول اللہ ﷺ کا بھی ہے۔ جب آپ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف روانہ فرمایا تو آپ ﷺ کچھ دور تک اس طرح ان کے ساتھ ساتھ چلے کہ خود آنحضرت ﷺ پیدل تھے اور حضرت معاذؓ کو جو سواری پر سوار تھے نصیحتیں فرمار ہے تھے۔

غرض اس کے بعد وہ ابنی کی طرف چلے اور اچانک دشمن کے سر پر پہنچ کر حملہ کر دیا۔ یعنی صحابہ ٹولیاں بنا کر ان پر ٹوٹ پڑے۔ اس موقعہ پر مسلمانوں کا جنگی نعرہ یا منصور اَمِت تھا۔

اس لڑائی میں دشمن کے بہت لوگ مارے گئے اور بہت سے گرفتار ہوئے۔ پھر مسلمانوں نے دشمن کے مکانات اور زمین باغات کو آگ لگا دی درخت اور باغات اکھاڑ کر اور اجاڑ کر ان میدانوں کو گھوڑوں کے سموں سے پامال کر دیا۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کا ایک آدمی بھی قتل نہیں ہوا۔ اسامہ اپنے والد حضرت زید ابن حارثہؓ کے گھوڑے پر سوار تھے اور اس جنگ میں انہوں نے اپنے والد کے قاتل کو قتل کیا۔ مال غنیمت میں سے انہوں نے گھوڑے کے دو حصے نکالے اور گھوڑے سوار کا ایک حصہ رکھا۔ اسی کے مطابق انہوں نے اپنا حصہ بھی نکالا۔

مدینہ واپسی اور استقبال...... شام کو انہوں نے لشکر کو واپسی کے لئے کوچ کا حکم دیا اور نہایت تیزی کے ساتھ مدینہ کو روانہ ہوئے۔ آگے آگے انہوں نے مسلمانوں کی فتح و سلامتی کی خوشخبری دے کر ایک قاصد بھیج دیا تھا حضرت ابو بکرؓ اس فاتح لشکر کا استقبال کرنے کے لئے مدینہ سے باہر تشریف لائے ان کے ساتھ بہت سے مہاجر اور انصاری صحابہ تھے جو اس لشکر کے ساتھ نہیں بھیجے گئے تھے۔ ان حضرات نے اسامہ اور ان کے ساتھیوں کا استقبال کیا اور مسلمانوں کی فتح و سلامتی پر سب نے خوشی کا اظہار کیا۔

یہ فتح و دبدبہ اسلام...... اسامہ اپنے سامنے اسلامی پرچم بلند کئے ہوئے مدینہ منورہ میں داخل ہوئے اور سیدھے مسجد نبوی کے دروازہ پر پہنچ کر اترے اس کے بعد وہ اپنے گھر گئے۔ یہ لشکر کشی اس موقعہ پر مسلمانوں کیلئے زبردست نعمت اور فال نیک ثابت ہوئی کیونکہ عرب کے بہت سے وہ قبائل جو مرتد ہونے کا ارادہ کر چکے تھے اس لشکر اور اس کی فتوحات سے مرعوب ہو گئے (اس طرح وہ دشمنان اسلام کی سازشوں اور ارتداد سے بچ گئے) عرب کے قبائل کہنے لگے کہ اگر اصحاب محمد ﷺ کے پاس قوت و طاقت نہ ہوتی تو وہ اتنا بڑا لشکر نہیں بھیج سکتے تھے۔ چنانچہ وہ لوگ اسلام پر ثابت قدم رہے۔

اس سریہ کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کی یہ کیفیت تھی کہ جب بھی وہ حضرت اسامہ کو دیکھتے یہاں تک کہ خلیفہ ہو جانے کے بعد بھی تو کہتے السلام علیك یا امیر حضرت اسامہؓ کہتے اللہ تعالیٰ آپؓ کی مغفرت فرمائے امیر المومنین آپؓ مجھے یہ کہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے جب تک میں زندہ ہوں تمہیں یہی کہہ کر پکارتا رہوں گا کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو تم مجھ پر امیر تھے۔

جہاد

آیات*احادیث*فضائل

فرائضِ اسلام میں سے ایک اہم فریضہ "جہاد" کی تعریف اور اسکے احکام ومسائل پر مشتمل ضروری معلومات جن کا جاننا ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے۔

مؤلف

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب قدس اللہ سرہ

ناشر

دار الاشاعت

اردو بازار، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ ھَدَانَا اللّٰہُ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَرْسَلَہ، بِالْھُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ وَ کَفَاہُ، وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَ کُلِّ مَنِ اھْتَدٰی بِھُدَاہُ. اما بعد

جہاد اسلام کے فرائض میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی طرح اسلام کا پانچواں فرض ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ الجھاد ماض الی یوم القیامۃ. یعنی جہاد جاری رہے گا قیامت تک۔ قرآن وسنّت کی بے شمار نصوص اور اجماعِ امت جہاد کی فرضیت کا اعلان کررہے ہیں۔

لیکن ہندوستان پر انگریزی تسلط کے بعد وہاں کے مسلمانوں کو کھلے طور پر کفار کے ساتھ جہاد و قتال کے مواقع نہ رہے اور رفتہ رفتہ لوگوں کے ذہن سے اس کی ضرورت اور فضائل اور مسائل بھی غائب ہونے لگے۔ عام دیندار مسلمان بھی نماز روزے کے مسائل سے تو کچھ نہ کچھ واقف ہوتے ہیں۔ جہاد کب فرض ہوتا ہے؟ اس کے احکام کیا ہیں؟ آداب کیا ہیں؟ اس کی واقفیت تقریباً مفقود ہوتی چلی گئی۔

دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت پاکستان قائم ہو جانے کے بعد ہمارا فرض تھا کہ سب سے زیادہ اس فریضۂ جہاد پر توجہ دیتے اور اس کے اسباب ووسائل جمع کرنے میں لگ جاتے اور پاکستان کے مسلمان نوجوانوں کو فوجی تربیت دی جاتی، ان کے دلوں میں جہاد کا جذبہ پیدا کیا جاتا۔ مگر افسوس ہے کہ ہم نے یہاں پہنچ کر بھی اس فریضہ کو اسی طرح نسیان میں ڈالے رکھا جس طرح پہلے سے تھا۔

اور قرآن وسنّت کی نصوص نیز پوری تاریخِ اسلام کا تجربہ شاہد ہے کہ جب بھی مسلمان جہاد چھوڑ دیتے ہیں تو دوسری قومیں ان پر غالب آجاتی ہیں، انکے دل ان سے مرعوب ہو جاتے ہیں اور پھر انکے آپس میں پھوٹ پڑ جاتی ہے' وہ جذبۂ شجاعت وحمیت جو کفار کے مقابلہ میں صَرف ہونا چاہئے تھا وہ آپس میں صَرف ہونے لگتا ہے اور یہی ان کی تباہی کا سبب بنتا ہے' اس وقت ہم اپنی اس غفلت کی سزا بھگت رہے ہیں' سب طرف سے دشمنوں کی یلغار ہے اور مسلمان مختلف پارٹیوں، فرقوں اور نظریوں میں بٹے ہوئے ایک دوسرے کے مقابلے میں برسرِ پیکار ہیں۔

۱۹۶۵ء میں پاکستان پر بھارت کے اچانک حملہ کے وقت احقر نے ایک رسالہ بنام "جہاد" لکھا تھا، جس میں جہاد کی تعریف اور اس کے احکام اور فضائل وبرکات کا مفصل بیان تھا' دوسرے علماء کی طرف سے بھی اخباری بیانات اور رسائل اس طرح کے شائع ہوئے اور عام مسلمان دعا کی طرف متوجہ ہوئے۔

الحمد للہ! اُس وقت حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے بہت جلد تمام مسلمانوں میں جذبۂ جہاد عام فرمادیا اور فسق وفجور کے

بازار سرد پڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ بڑھ گئی۔ اس کے نتیجے میں حق تعالیٰ کی غیبی امداد کا کھلی آنکھوں سب نے مشاہدہ کیا۔ اس کا شکر تو یہ تھا کہ ہم جنگ کے ختم ہونے کے بعد اور زیادہ اللہ کی طرف رجوع ہوتے اور اخلاص کے ساتھ اللہ کیلئے جہاد کی تیاری میں لگ جاتے، مگر افسوس ہے کہ معاملہ برعکس ہوا اور اب پھر اسی پرانے دشمن نے ہماری سرحدات پر حملے شروع کر دیئے۔ اس لئے اب یہ رسالہ کسی قدر ترمیم کے ساتھ پھر شائع کیا جارہا ہے۔ ضرورت اس کی ہے کہ اس رسالہ کی اشاعت پاکستانی افواج میں اور عام شہریوں میں کثرت سے ہو۔ شاید اللہ تعالیٰ ہماری غفلتوں اور گناہوں کو معاف فرمادیں اور ہمارے دلوں میں پھر سے جہاد کا جذبہ پیدا فرمادیں اور ہمیں اس کا حق ادا کرنے کی توفیق بخشیں۔

بندہ محمد شفیع

۶/ شوال ۱۳۹۱ھ

جہاد کے معنی

لغت میں کسی کام کے لئے اپنی پوری کوشش اور توانائی خرچ کرنے کے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں اللہ کا کلمہ بلند کرنے اور دشمن کی مدافعت کرنے میں جان، مال، زبان، قلم کی پوری طاقت خرچ کرنے کو جہاد کہا جاتا ہے۔

امام راغب اصفہانیؒ نے لفظ جہاد کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ جہاد کی تین قسمیں ہیں: ۱۔ایک کھلے دشمن کا مقابلہ ۲۔دوسرے شیطان اور اسکے پیدا کئے ہوئے خیالات کا مقابلہ ۳۔ تیسرے خود اپنے نفس کی ناجائز خواہشات کا مقابلہ 'مطلب یہ ہے کہ جو چیز بھی اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کے راستہ میں رکاوٹ ہے، اسکی مدافعت جہاد ہے اور یہ رکاوٹ عادتاً انہی تین طرفوں سے ہوتی ہے' اس لئے جہاد کی تین قسمیں ہوگئیں' امام راغب نے یہ تین قسمیں بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ ارشادِ قرآنی وَجَاهِدُوْا فِيْ اللهِ حَقَّ جِهَادِهٖ (یعنی جہاد کرو اللہ کی راہ میں پورا جہاد) یہ جہاد کی تینوں قسموں کو شامل ہے۔ بعض روایات حدیث میں نفس کی ناجائز خواہشات کا مقابلہ اسی لئے جہاد قرار دیا ہے۔

قرآن کریم کی کئی آیتوں میں جہاد کے لئے مال خرچ کرنے کو بھی جہاد فرمایا ہے: وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ کا بھی یہی مطلب ہے اور رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی غازی کو سامانِ جہاد دے دیا اس نے بھی جہاد کر لیا۔

اور ایک حدیث میں زبان کے جہاد کو بھی جہاد قرار دیا ہے۔ اور قلم چونکہ ادائے مضمون میں زبان ہی کے حکم میں ہے، اس لئے قلمی دفاع کو علماءِ امت نے جہاد میں شامل فرمایا ہے۔

مذکورہ تصریحات سے معلوم ہوا کہ لفظِ جہاد اصطلاحِ شرع میں اللہ کی راہ میں پیش آنے والی ہر رکاوٹ کے مقابلہ اور مدافعت کے لئے عام معنی میں استعمال ہوتا ہے' مگر عرفِ عام میں جب لفظِ جہاد بولا جاتا ہے تو عموماً اس کے معنی دشمنانِ دین کے مقابلہ میں جنگ ہی سمجھے جاتے ہیں جس کیلئے قرآنِ کریم نے لفظ قتال یا مقاتلہ استعمال فرمایا ہے۔

جہاد کی نیت

ہر مسلمان جانتا ہے کہ تمام عباداتِ اسلامیہ کی صحت کا مدار نیت صحیح ہونے پر ہے' اسی لئے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج سب ہی کی ادائیگی میں نیت درست کرنا فرض اور ضروری سمجھا جاتا ہے۔ رسولِ کریم ﷺ کا واضح ارشاد اس معاملہ میں یہ ہے:

انما الاعمال بالنّيات و انما لا مرئ مَا نوىٰ. (صحیح بخاری)

''اعمال کا مدار نیت پر ہے اور ہر انسان کو اپنے عمل کے بدلہ میں وہی چیز ملتی ہے جس کی نیت کی ہے''۔

یعنی عبادت کا ثواب جب ہی کسی کو ملتا ہے جب کہ اس کی نیت خالص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی فرماں برداری اور رضا جوئی کی ہو۔ دنیا کا مال و متاع یا جاہ و منصب مقصود نہ ہو، ورنہ اللہ کے نزدیک وہ عبادت نہیں بلکہ ریاء ہے جو بجائے ثواب کے گناہِ عظیم ہے۔ علماء اسلام نے اس حدیث کو ایک چوتھائی اسلام قرار دیا ہے کیونکہ اسلامی تعلیمات کا بہت بڑا حصہ اس پر موقوف ہے۔

وہ عالم جو دنیا کی شہرت اور نام و نمود کے لئے علمی خدمات انجام دیتا ہے یا وہ غازی جو جہاد میں شہرت و انعام کی خاطر جانبازی کرتا اور شہید ہو جاتا ہے اور وہ شخص جو نام و نمود کے لئے دینی خدمات میں بڑی فیاضی سے مال خرچ کرتا ہے' ان تینوں کے متعلق صحیح حدیث میں رسولِ اکرم ﷺ کا ارشاد یہ ہے کہ ان کو یہ کہہ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا کہ تو نے جس مقصد کیلئے علمِ دین کو استعمال کیا یا جس مقصد کے لئے جان دی، یا جس مقصد کے لئے مال خرچ کیا، وہ مقصد ہم نے تجھے دنیا میں عطا کر دیا کہ لوگوں میں تیرے عالم، ماہر ہونے کی شہرت ہوئی، یا تجھے غازی اور شہید کے نام سے پکارا گیا، یا مال خرچ کرنے کی بناء پر تجھے سخی اور فیاض کہا گیا' اب ہم سے کیا چاہتے ہو؟ العیاذ باللہ!

جہاد کے میدان میں اترنے والے ہمارے بھائی جو ساری دنیا کو چھوڑ کر اپنی جانوں کی بازی لگاتے ہیں، دنیا و آخرت کے اعتبار سے کتنا بڑا کارنامہ ہے کہ اس کے ثواب کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا' ان حضرات کے لئے نہایت اہم ضرورت اس کی ہے کہ رسول کریم ﷺ کے ارشادِ مذکور کو ہر وقت سامنے رکھیں اور جہاد میں اخلاص کے ساتھ صرف یہ نیت کریں کہ اللہ کے لئے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت اور دشمنانِ دین کی مدافعت کرنا ہے۔ دنیا کے ثمرات و نتائج اور انعامات بھی اللہ تعالیٰ ان کو عطا فرمائیں گے۔ مگر جہاد کے وقت ان چیزوں کو اپنے دل میں نہ آنے دیں۔ وَاللہ الموفق والمعین.

مومن کا جہاد

وطن کیلئے نہیں، اسلام کے لئے ہے

اسلام نے اپنے ابتدائی دور میں نسلی، قبائلی، وطنی، لسانی وحدتوں کے بت توڑ کر ایک اسلام کی وحدت قائم کی تھی جس میں مشرق و مغرب کے بسنے والے کالے گورے، عربی، ہندی سب یکساں شریک ہوں۔ یہ ایک ایسی وحدت قائم ہوئی جس نے دنیا کی ساری وحدتوں کو زیر و زبر کر دیا۔

چند صدیوں سے یورپ والوں نے اس اسلامی وحدت کی بے پناہ قوت سے عاجز ہو کر بڑی چالاکی سے لوگوں میں پھر وطن پرستی اور نسب پرستی کے جذبات بیدار کئے تاکہ اسلامی وحدت کو جغرافیائی اور نسلی تفرقوں میں بانٹ کر پارہ پارہ کر دیں۔ کفار کے پاس تو کوئی ایسا دین و مذہب نہیں جس کے نام پر تمام دنیا کے انسانوں کو جمع کر سکیں۔ اس لئے وہ ہمیشہ یا اپنے قبیلہ اور نسب کی حفاظت کے لئے اسی کے نام پر جنگ کرتے ہیں، یا پھر اپنے وطن اور ملک کے نام پر لوگوں کو دعوتِ اتحاد دے کر جمع کرتے ہیں اور لڑتے ہیں۔

مسلمان قوم کو اللہ تعالیٰ نے ان سب چیزوں سے بالاتر رکھا ہے۔ وہ صرف اللہ کے لئے اور اسلام کے لئے جہاد کرتا ہے اور جو وطن یا نسب اللہ تعالیٰ اور اسلام کی راہ میں حائل ہو، اس نسب و وطن کو بھی اس پر قربان کر دیتا ہے۔ اسلام کی سب سے پہلی ہجرتِ مدینہ نے اور بدر و اُحد کے میدانوں نے ہمیں یہی سبق دیئے ہیں، کیونکہ ان میدانوں میں ایک ہی خاندان کے افراد کی تلواریں اسی خاندان کے دوسرے افراد کے سروں پر اس لئے پڑی ہیں کہ وہ اللہ و رسول ﷺ کے دشمن تھے۔ اگر وطنی اور قبائلی وحدتیں مقصد ہوتیں تو یہ سارے جہاد فضول ہوتے۔

آج کل عام لوگوں کی زبان پر وطن کا نعرہ سنتے سنتے مسلمان بھی اس کے عادی ہو گئے اور اپنے جہاد کو وطن کیلئے کہنے لگے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہمارے اکثر نوجوانوں کے خیالات اس سے پاک ہیں۔ وہ اپنی جان اللہ کے لئے دیتے ہیں نہ کہ وطن کے لئے۔ لیکن رائج الوقت زبان کا ایک محاورہ بن جانے کی وجہ سے اکثر ہمارے شعراء اور خطباء غالباً بے خیالی میں یہ الفاظ استعمال کرنے لگے ہیں۔ ضرورت اس کی ہے کہ ایسے مشرکانہ الفاظ سے بھی اجتناب کیا جائے۔

ہمارا وطنِ اسلام ہے

ہم وطن پرست نہیں۔ ہمیں اس وطن سے ہجرت کر جانے کا حکم ہے جس میں رہ کر ہم اسلام کے تقاضے پورے نہ کر سکیں' یہی وہ نظریہ ہے جس نے پاکستان بنوایا اور کروڑوں مسلمانوں کو ہجرت کرنے پر آمادہ کیا۔ شاعرِ مشرق اقبال مرحوم نے اس مضمون کو بڑی ہی لطافت سے ادا کیا ہے۔ وطنیت پر ان کے چند اشعار اس جگہ نقل کیے جاتے ہیں ؎

اس دور میں مئے اور ہے جام اور ہے جم اور ساقی نے بنا کی روشِ لطف و کرم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور تہذیب کے آذر نے ترشوائے صنم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ ملت کا کفن ہے
یہ بُت کہ تراشیدۂ تہذیبِ نوی ہے غارت گرِ کاشانۂ دینِ نبویؐ ہے

بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے　　اسلام ترا دیس ہے تو مصطفویؐ ہے

نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے

اے مصطفوی! خاک میں اس بُت کو ملادے

اسلامی جہاد کا ناقابلِ تسخیر سامان صبر اور تقویٰ ہے

دنیا اپنے حریف پر غلبہ پانے کے لئے طرح طرح کے سامان اور تدبیریں کرتی ہے اور اس سائنس کی ترقی کے زمانہ میں توان سامانوں اور تدبیروں کی حد نہیں رہی۔ اسلام بھی ضروری مادّی تدبیریں اور سامانِ جنگ جمع کرنے کا حکم دیتا ہے جیسا کہ اس کا مفصل بیان آگے آتا ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ مادّی سامان و تدابیر میں مسلمانوں کو دوسری قوموں سے کوئی خاص امتیاز حاصل ہے نہ ہو سکتا ہے بلکہ عادتاً غیر مسلموں کی ساری ذہنی فکری توانائی اور سارازور چونکہ ان ہی مادی سامانوں میں صرف ہوتا ہے وہ اس معاملہ میں مسلمانوں سے ہمیشہ زیادہ ہی رہیں گے اور تاریخ کے ہر دور میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔

البتہ مسلمانوں کے پاس ایک اور ایسی قوت ہے جو ناقابلِ تسخیر رہی ہے، اور دوسری قومیں اس سے عاجز ہیں۔ وہ ہے اللہ تعالیٰ کی نصرت اور غیبی امداد۔ مگر قرآن نے اس تائیدِ ربّانی کے حاصل ہونے کی کچھ شرطیں رکھی ہیں۔ جب بھی مسلمان ان شرطوں کو پورا کرلیں تو اللہ تعالیٰ کی نصرت وامداد آتی ہے اور تھوڑی تعداد تھوڑے سامان کو بڑی سے بڑی تعداد اور جنگی سامانوں پر غالب کر دکھاتی ہے۔

اور جب مسلمان خود ان شرطوں کو پورا کرنے میں سُستی اور غفلت کریں تو پھر اس امداد و نصرت کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی وعدہ نہیں۔ ایسی حالت میں ہمیں اپنے آپ کو اس کا مستحق نہیں سمجھنا چاہئے یہ دوسری بات ہے کہ اللہ جل شانہ، اپنے خاص فضل و کرم سے مسلمانوں کے ضعف پر رحم فرمائیں اور بلا شرط بھی اپنی امداد بھیج دیں، جیسا کہ ۶۵ء میں پاکستان پر بھارت کے حملہ کے وقت اس کا مشاہدہ ہوا کہ ہم اور ہماری قوم ان شرطوں پر کسی طرح پوری نہیں اترتی تھی جن کے ذریعے امدادِالٰہی آنی چاہیے۔ مگر اس نے اپنے فضل سے یک بیک ہمارے حالات میں بھی انقلاب پیدا کرکے ہمیں صبر و تقویٰ کے قریب کردیا اور اپنی امداد کے ایسے معجزات دکھائے کہ دشمنوں کو بھی اس کا قائل ہونا پڑا۔ امدادِالٰہی کے لئے وہ شرطیں کیا ہیں؟ قرآن کریم کی آیات ذیل میں تلاش کیجئے:

(۱) يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ. (بقرہ ع ۱۹)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! مدد مانگو اللہ سے صبر اور نماز کے ذریعہ۔

(۲) وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ط اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ. (بقرہ ع ۲۲)

ترجمہ :۔ نیکوکار وہ لوگ ہیں جو تنگ دستی اور بیماری میں اور دشمنوں سے جہاد کے وقت صبر کرنے والے یعنی ثابت قدم رہنے والے ہیں۔ یہی لوگ صادقین ہیں اور یہی متقی ہیں۔

(۳) وَقَالُوْا رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ. (بقرہ ع ۳۳)

ترجمہ :۔ (جہاد میں نکلنے والوں نے کہا) اے ہمارے پروردگار عطا کر دے ہم کو صبر اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور کافروں کی قوم کے مقابلہ پر ہماری مدد فرما۔

(۴) وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا. (آل عمران ع ۱۳)

ترجمہ :۔ اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کی کوئی جنگی تدبیر تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گی۔

(۵) بَلٰى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ. (آل عمران ع ۱۴)

ترجمہ : بے شبہ اگر تم نے صبر اور تقویٰ اختیار کیا اور دشمن فوراً ہی تم پر ٹوٹ پڑے تو تمہارا پروردگار پانچ ہزار نشانہ کرنے والے فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے گا۔

(۶) وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ط (آل عمران ع ۹)

ترجمہ :۔ اور اگر تم نے صبر اور تقویٰ اختیار کیا تو یہی ہمت کے کام ہیں۔

(۷) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. (آل عمران ختم)

ترجمہ :۔ اے ایمان والو! صبر کرو یعنی ثابت قدم رہو اور دوسروں کو بھی ثابت قدم رکھو اور دل لگائے رہو عبادت میں تاکہ تم فلاح و کامیابی حاصل کرو۔

(۸) وَقَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ. (اعراف ۱۵)

ترجمہ :۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ سے مدد مانگو اور ثابت قدم رہو، بے شبہ زمین اللہ ہی کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں جس کو چاہے اس کا مالک و وارث بنادے اور انجام کار کامیابی تقویٰ شعار لوگوں کی ہی ہے۔

(۹) وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ. (اعراف ۱۶)

ترجمہ :۔ اور اپنے رب کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہو گیا اور ہم نے فرعون کے اور اس کی قوم کے ساختہ پرداختہ کارخانوں کو اور جو کچھ وہ اونچی اونچی عمارتیں بنواتے تھے، سب کو درہم برہم کر دیا۔

(۱۰) اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَ يَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ط

ترجمہ :۔ اس لئے کہ جو شخص صبر اور تقویٰ اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکار لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

قرآن کریم کی یہ دس آیتیں ہیں۔ان کو پڑھئے اور بار بار پڑھئے۔ان میں انسان کے تمام اہم مقاصدؐ خصوصاً جہاد اور دشمنوں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی غیبی تائید اور نصرت وامداد حاصل کرنے کا نسخہ بتلایا گیا ہے۔اس نسخہ کے دو تین اجزاء آپ کوان سب آیات میں مشترک نظر آئیں گے۔صبر، تقویٰ، نماز۔ان آیات میں یہ بھی بتلادیا گیا ہے کہ ابتدائے آفرینشِ عالم سے اللہ تعالیٰ کا یہی دستور رہاہے کہ اس کی تائید ونصرت ان ہی لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے جو ایمان کے ساتھ نماز اور صبر و تقویٰ کے پابند ہوں۔

نماز کا مفہوم اور اس کی اہمیت تو سب ہی مسلمان جانتے ہیں۔صبر کا لفظ عربی زبان میں ہماری زبان کے عرفی معنی سے بہت عام معنی رکھتا ہے' عربی زبان میں صبر کے عام معنی نفس کو روکنے کے ہیں اور قرآن کی اصطلاح میں نفس کو اس کی بُری خواہشات سے روکنے کے ہیں اور قابو میں رکھ کر ثابت قدم رہنے کے ہیں۔اور تقویٰ کا ترجمہ پرہیزگاری کیا جاتا ہے۔دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مکمل اطاعت وفرماں برداری کا نام تقویٰ ہے۔

اسلامی تاریخ کے قرنِ اول میں جو چیزیں مسلمانوں کا شعار اور طرۂ امتیاز تھیں وہ یہی نماز اور صبر و تقویٰ ہیں۔اسی کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر میدان میں فتحِ مبین اور کامیابی عطا فرمائی۔آج بھی اگر ہم اس اصول پر کاربند ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کی امداد ہم سے کچھ دور نہیں۔حقیقت یہ ہے کہ ؎

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نُصرت کو
اتر سکتے ہیں گردُوں سے قطار اندر قطار اب بھی

جہاد کی تیاری اور سامانِ جنگ کی فراہمی بھی فرض ہے

صبر و تقویٰ اور اللہ تعالیٰ پر ایمان و توکل تو مسلمانوں کی اصل اور ناقابل تسخیر طاقت ہے ہی' اسکے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ہر زمانہ اور ہر مقام کے مناسب اسلحہ اور سامانِ جنگ بھی جمع کیا جائے۔قرآنِ کریم کا ارشاد ہے :

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ.

اور تیار کرو تم دشمن کیلئے جتنا بھی تم کر سکو سامانِ جنگ اور سدھے ہوئے گھوڑے تاکہ دھاک پڑ جائے اللہ کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں پر۔

رسولِ کریم ﷺ نے ہمیشہ جنگی مشقوں کا اہتمام فرمایا۔اس زمانہ میں جو جنگ کے ہتھیار تھے ان کو جمع کرنے کی ہدایتیں فرمائیں' جہاد کیلئے گھوڑے، اونٹ، زرہ بکتر وغیرہ جمع فرمائے' تیر اندازی اور نشانہ بازی کی مشق کیلئے ہدایت فرمائی۔

صحابہ کرامؓ نے

سامانِ جنگ کی صنعت سیکھنے کیلئے دوسرے ملکوں کا سفر کیا

امامِ حدیث و تفسیر ابنِ کثیرؒ نے اپنی تاریخی کتاب ''البدایہ والنہایہ'' میں غزوۂ حنین کے تحت نقل کیا ہے کہ رسولِ کریم ﷺ کے دو صحابی حضرت عروہؓ بن مسعود اور غیلان بن اسلمؓ اس جہاد میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس لئے شرکت نہیں کر سکے کہ وہ بعض جنگی اسلحہ اور سازوسامان کی صنعت سیکھنے کے لئے دمشق کے مشہور صنعتی شہر جرش میں اس لئے گئے ہوئے تھے کہ وہاں دبابہ اور ضبور کی وہ جنگی گاڑیاں بنائی جاتی تھیں جن سے اُس وقت آج کل کے ٹینکوں جیسا کام لیا جاتا تھا۔ اسی طرح منجنیق کا وہ آلہ جس سے بھاری بھاری پتھر پھینک کر قلعہ شکن توپوں کا کام لیا جاتا تھا، اس کی صنعت بھی وہاں تھی۔ یہ صنعتیں سیکھنے کے لئے ان بزرگوں نے ملکِ شام کا سفر اختیار کیا تھا۔

اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ اپنے ملک کو جنگی اسلحہ اور سامان کیلئے خود کفیل بنائیں، دوسروں کے محتاج نہ رہیں۔ ورنہ یہ بھی ممکن تھا کہ یہ جنگی گاڑیاں اور منجنیق وہاں سے خرید کر درآمد کر لی جاتیں۔ مگر رسولِ کریم ﷺ اور صحابۂ کرامؓ نے اس پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ خود اپنے یہاں ان کے تیار کرنے کی تدبیر اختیار فرمائی۔

ہمارا فرض ہے کہ ہم اس پر پورا غور کریں کہ رسول کریم ﷺ کو تو وہ روحانی اور ربانی طاقت اور نصرت حاصل تھی جس کے ہوتے ہوئے مادّی سامان کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ مگر پھر بھی آپؐ نے اس کا اس قدر اہتمام فرمایا، تو ہم جیسے گنہگار ضعیف الایمان لوگوں کو اس کی ضرورت کس قدر زیادہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں جنگ کیلئے جس طرح کے اسلحہ اور آلات و سامان کی ضرورت ہے، ان میں کسی سے پیچھے نہ رہیں، اور اس کوشش میں لگ جائیں کہ قریب سے قریب مدّت میں ان چیزوں کے لئے اپنے ملک کو خود کفیل بنا سکیں۔ واللہ الموافق والمعین۔

رباط یعنی اسلامی سرحدات کی حفاظت

جہاد کی مہمات میں سے ایک کام اسلامی سرحدات کو دشمن کی یلغار سے محفوظ رکھنے کا ہے جس کو قرآن و حدیث کی اصطلاح میں ''رباط'' کہا جاتا ہے۔ اور جہاد کی طرح اس کے بھی بڑے فضائل قرآن و حدیث میں مذکور ہیں۔ صحابۂ کرام کی ایک جماعت نے اس کام کو دوسرے کاموں پر ترجیح دے کر اسلامی سرحدات پر قیام اختیار فرمایا تھا۔

آج کل یہ فرائض ہماری رینجرز پولیس انجام دیتی ہے۔ اگر نیت میں اخلاص اور اسلامی ملک کی حفاظت کا جذبہ ہو تو تنخواہ لینے کے باوجود بھی یہ ''رباط'' کے ثواب کے مستحق ہوں گے۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک دن اللہ کی راہ میں رباط کی خدمت انجام دینا ایک مہینہ کے مسلسل روزے اور شب بیداری سے افضل ہے اور اگر اسی حالت میں اس کا انتقال ہو گیا تو جو نیک عمل یہ کرتا تھا وہ مسلسل اس کے نامۂ اعمال میں مرنے کے بعد بھی لکھے جاتے رہیں گے اور قبر کے سوال و جواب اور عذاب سے محفوظ رہے گا۔

اور طبرانی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ شخص قیامت کے روز شہیدوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا اور قیامت کے ہولناک عذاب میں بھی اس کو اطمینان ہو گا۔ (فتح القدیر)

رباط کا مفہوم اسلامی سرحدات کی حفاظت ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ کام ان ہی مقامات پر ہو سکتا ہے جو اسلامی ملک کی آخری حدود پر واقع ہیں۔

لیکن اس زمانہ کی فضائی جنگ نے اس معاملہ میں ایک نئے باب کا اضافہ کر دیا ہے، کیونکہ چھاتہ بردار فوج ہر جگہ اتر سکتی ہے، بمبار طیاروں سے ہر جگہ بم گرائے جا سکتے ہیں، اس لئے جن مقامات پر بھی دشمن کی ایسی یورش کا خطرہ ہو، ان کے حفاظتی انتظامات بھی اسی رباط کے حکم میں داخل ہوں گے۔

قدیم فقہاء نے بھی رباط کے معاملہ میں یہ فرمایا ہے کہ جس بستی پر ایک مرتبہ دشمن حملہ کر دے اس کی حفاظت چالیس ۴۰ سال تک رباط کے حکم میں داخل ہے۔ (فتح القدیر، ص ۲۷۸، ج ۴)

پاکستان کے سابقہ جہاد میں سرگودھا، پشاور، کراچی وغیرہ مقامات جہاں چھاتہ بردار فوجیں اترنے کے خطرات پائے گئے اور جہاں دشمن کے بمباروں نے بمباری کی۔ ان کی حفاظت کا ہر قدم رباط کے حکم میں ہے۔

یہ ایسا جہاد ہے جس میں ہر شہری اپنے گھر میں بیٹھا ہوا بھی رباط کا ثواب لے سکتا ہے، بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ اپنے شہر اور شہریوں کی حفاظت کا جذبہ رکھتا ہو اور مقدور بھر اس میں کوشش کرے۔

بلیک آؤٹ بھی رِباط کے حکم میں ہے

ایسے خطرات کے وقت جن بستیوں میں حکومت کی طرف سے اندھیرا جاری رکھنے کی ہدایات جاری ہوں ان کی تعمیل بھی ان ہی حفاظتی انتظامات کے تحت رباط کے حکم میں داخل ہو کر انشاء اللہ اس ثوابِ عظیم کا موجب ہو گی۔ مسلمان اس سے تنگ دل نہ ہوں بلکہ مفت کا ثوابِ رباط حاصل کرنے پر خوش ہوں اور شکر ادا کریں۔

عہدِ رسالتؐ میں بلیک آؤٹ کی ایک نظیر

جنگی حالات اور ان کے تقاضے ہر زمانے اور ہر ملک میں جدا ہوتے ہیں۔ ملک کے مبصّر اور اربابِ حکومت جس چیز کو شہری دفاع کیلئے ضروری قرار دیں، اس کی تعمیل شرعی حیثیت سے بھی ضروری ہو جاتی ہے۔ خواہ اس معین چیز کا ثبوت قرونِ

اولیٰ کی روایات میں ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ بنیادی مسئلہ مباحات میں اطاعتِ امیر کا ہے۔ اس کا ثبوت قرآن وحدیث میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے، وہی ان تمام جائز کاموں میں تعمیل حکم کی اصل علت ہے لیکن کوئی خاص کام اگر سرورِ کائنات ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی منقول ہے تو اس کا محبوب و مشروع ہونا اور مبارک عمل ہونا ظاہر ہے۔

دورانِ جنگ پاکستان میں شہری دفاع کیلئے حکومت نے رات کو روشنی کرنے پر پابندی لگا رکھی تھی۔ اطاعتِ حکم کے تحت تو اس کی تعمیل ضروری تھی ہی، اتفاق سے اس کی ایک نظیر خود عہدِ رسالتؐ میں بھی ملتی ہے جو ناظرین کی دلچسپی اور ایمان کو مستحکم کرنے کے لئے پیش کی جاتی ہے۔

جمادی الثانی ۸ھ میں جہاد کے لئے ایک لشکر مدینہ طیبہ سے دس منزل کے فاصلہ پر لخم و جذام کے قبائل کے مقابلہ کے لئے بھیجا گیا تھا جس کے امیر حضرت عمرو بن العاصؓ تھے۔ اس غزوہ میں دشمن کے سپاہیوں نے پوری فوج کو حلقۂ زنجیر میں جکڑ رکھا تھا تاکہ کوئی بھاگ نہ سکے۔ اسی لئے یہ غزوہ "ذات السلاسل" کے نام سے موسوم ہے۔ (یاد رہے کہ جنگ ذات السلاسل کے نام سے جو مشہور جنگ ہوئی وہ دورِ صحابہ میں اس کے بعد ہوئی ہے)۔

حدیث کی مشہور کتاب جمع الفوائد میں معجم کبیر طبرانی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ اس غزوۂ ذات السلاسل میں امیرِ لشکر حضرت عمرو بن العاصؓ نے اپنی فوج کو یہ حکم دیا کہ لشکر گاہ میں تین روز تک رات کے وقت کسی طرح کی روشنی نہ کریں اور نہ ہی آگ جلائیں۔

تین دن کے بعد دشمن میدان سے بھاگ کھڑا ہوا۔ بھاگتے ہوئے دشمن کا صحابہ کرامؓ نے جو لشکر میں موجود تھے، تعاقب کرنا چاہا، مگر امیرِ لشکر حضرت عمرو بن العاصؓ نے تعاقب سے بھی منع کر دیا' لشکر کے جانبازوں کو روشنی بند کرنے کے حکم ہی سے ناگواری تھی کہ تعاقب نہ کرنے کا حکم اور بھی ناگوار گزرا، مگر اطاعتِ امیر کی بناء پر تعمیل لازمی تھی، اسی لئے ان دونوں احکامات کی بلاچون و چرا پابندی کی گئی۔ البتہ جب لشکر مدینہ طیبہ واپس پہنچا تو آنحضرت ﷺ سے شکایت کی گئی۔ آپ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو بلا کر وجہ دریافت فرمائی۔

حضرت عمرو بن العاصؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرے لشکر کی تعداد دشمن کے مقابلہ میں تھوڑی تھی، اسلئے میں نے رات کو روشنی کرنے سے منع کیا کہ مبادا دشمن ان کی قلتِ تعداد کا اندازہ لگا کر شیر نہ ہو جائے اور اس کا حوصلہ نہ بڑھ جائے اور تعاقب کرنے سے بھی اسی لئے روکا کہ ان کی کم تعداد دشمن کے سامنے آجائیگی تو وہ کہیں لوٹ کر ان پر حملہ نہ کر دے۔

رسول کریم ﷺ نے ان کی اس جنگی تدابیر اور عمل کو پسند فرما کر اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

جہاد عام حالات میں فرضِ کفایہ ہے

فرضِ کفایہ اصطلاحِ شرع میں اس فرض کو کہا جاتا ہے جس کا تعلق ہر مسلمان کی ذات سے نہیں بلکہ پوری مسلم قوم سے ہے۔ ایسے فرض کا یہ حکم ہے کہ مسلمانوں سے چند آدمی اس فرض کو پورا کر دیں تو باقی سب مسلمان سبکدوش ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی بھی ادا نہ کرے تو جن جن لوگوں کو اطلاع پہنچے اور قدرت کے باوجود ادا نہ کریں، وہ سب گنہگار ہوں گے۔

مثال کے طور پر مسلمان میت کی نماز جنازہ اور کفن دفن کا انتظام ہے کہ یہ فریضہ پوری مسلم قوم کے ذمہ ہے، عزیز قریب اور برادری کے لوگ اگر اس فریضے کو ادا کریں تو باقی سب مسلمان سبکدوش ہو گئے اور اگر میت کا کوئی ایسا عزیز قریب موجود نہیں یا موجود ہوتے ہوئے عاجز ہے یا جان بوجھ کر غفلت کرتا ہے تو محلے کے دوسرے لوگوں پر فرض ہے کہ وہ اس کو انجام دیں۔ محلے والے بھی نہ کریں تو شہر کے دوسروں لوگوں پر جن کو اطلاع ملے یہ فریضہ عائد کیا جائے گا۔ شہر والے بھی نہ کریں تو اس کے متصل دوسرے شہر والوں پر عائد ہو گا۔ اسی طرح اسلام کے جتنے بھی اجتماعی فرائض و واجبات ہیں سب فرضِ کفایہ ہیں اور ان کا بھی یہی حکم ہے۔

احکامِ دین کی تعلیم و تبلیغ، ضرورت کے مطابق مسجدوں کی تعمیر اور دینی تعلیم کے مدرسوں کا قیام، محتاجوں، یتیموں اور غریبوں کی ضرورت پوری کرنے کے لئے محتاج خانے، یتیم خانے وغیرہ قائم کرنا، ناواقفوں کو احکام شرعیہ بتلانے کے لئے فتویٰ دینے کا انتظام، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا انتظام، اسلام کے خلاف اسلام کے دشمنوں یا گمراہوں کی طرف سے شبہات و تحریفات کے جوابات کا انتظام، اسلام کا کلمہ بلند کرنے اور معاند دشمنوں کو زیر وزبر کرنے کے لئے جہاد۔

یہ سب امور وہی ہیں جن کا تعلق پوری مسلم قوم سے ہے اور یہ اجتماعی فرائض ہیں۔ ایسے فرائض کو عین حکمت کے مطابق حق تعالیٰ نے ہر شخص پر فرضِ عین نہیں کیا بلکہ پوری قوم کے ذمہ لگا دیا ہے تاکہ وہ تقسیم کے ذریعہ ان سب فرائض کو آسانی سے ادا بھی کر سکیں اور اپنی معاشی ضروریات اور عینی فرائض کی ادائیگی کے لئے بھی ان کو فرصت مل سکے۔

پوری قوم میں جس قدر آدمی ایک کام کی ضرورت کو پورا کر سکیں اور وہ اس کام میں لگ جائیں تو باقی پوری قوم اس فریضہ سے سبکدوش ہو جاتی ہے۔

بعض تعلیم دین کے لئے مدارس کا انتظام کریں۔ بعض فتویٰ اور تصنیف کی ضرورت پوری کریں۔ بعض مساجد کے قیام و انتظام میں لگیں، بعض یتیم خانے، محتاج خانے، شفاخانے وغیرہ بنانے کا کام کریں۔ بعض قلم اور زبان کا جہاد کر کے مخالفینِ اسلام کے جوابات دیں۔ بعض جہاد و قتال کے فرائض کو انجام دیں۔

جہاد و قتال کے بارے میں حق تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے:

فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ دَرَجَةً ط وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ط (سورۃ نساء پ: ۵۔ع: ۱۳)

ترجمہ :۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا درجہ بہت بلند بنایا ہے جو اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں بہ نسبت گھر بیٹھنے والوں کے اور سب سے اللہ تعالیٰ نے اچھے گھر کا وعدہ کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو بمقابلہ گھر میں بیٹھنے والوں کے اجرِ عظیم دیا ہے۔

اس آیت نے واضح طور پر بتلادیا ہے کہ اگرچہ جان ومال سے جہاد کرنے والوں کا درجہ اللہ کے نزدیک بڑا ہے مگر جو لوگ دوسرے کاموں کی وجہ سے خود کو جہاد میں شریک نہ کر سکیں ان سے اللہ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ جہاد اپنی اصل سے عام قومی فرائض کی طرح فرض کفایہ ہے۔

دوسری آیت مَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً میں بھی یہ بتلایا گیا ہے کہ جب بھی مسلمانوں کی ایک جماعت جہاد کے لئے کافی ہو تو سب پر جہاد واجب نہیں رہتا۔

فرضِ کفایہ بعض اوقات فرضِ عین ہو جاتا ہے۔

اگر کوئی قومی فرض جو علی الکفایہ سب کے ذمہ فرض ہے، اسکے ادا کرنے والی کوئی جماعت موجود نہیں ہے یا موجود ہوتے ہوئے سستی یا غفلت کر رہی ہے یا اس کی تعداد اور سامان اس فریضے کی ادائیگی کے لئے کافی نہیں ہے تو اُن سے قریب کے مسلمانوں پر فرضِ عین ہو جاتا ہے کہ وہ اس فریضے کو ادا کریں اور اگر ادا کرنے والوں کو جانی یا مالی امداد کی ضرورت ہو تو اس کو پورا کریں۔

قریب کے مسلمانوں نے بھی غفلت برتی یا وہ بھی اس فریضے کی ادائیگی کے لئے کافی نہ ہوئے تو اُن سے قریب کے شہروں اور دیہات میں بسنے والے تمام مسلمانوں پر فریضہ عائد ہو جائے گا' اسی طرح جس قدر جانی یا مالی امداد کی ضرورت پیش آتی جائیگی، نزدیک سے لے کر سب مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا چلا جائے گا۔ صرف بچے، بوڑھے، بیمار، نادار اور اپاہج لوگ اس فرض سے مستثنیٰ ہوں گے۔ (ہدایہ، بدائع)

جہاد کب فرضِ عین ہو جاتا ہے ؟

جب کفار مسلمانوں کے کسی شہر پر حملہ کر دیں اور اسکی مدافعت کیلئے ملک کا مسلمان حاکم وامیر حکمِ عام جاری کرے کہ سب مسلمان جو قابلِ جہاد ہیں، شریک ہوں، تو سب پر جہاد کے لئے نکلنا فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ مدافعت کی ضرورتوں پر بھی مقدور بھر مدافعت فرض ہو جاتی ہے۔

غزوۂ تبوک میں رسولِ کریم ﷺ نے ایسا ہی حکمِ عام جاری فرمایا تھا اسی لئے جو لوگ اس جہاد میں شریک نہیں ہوئے ان پر سزائیں جاری کی گئیں۔

مسائلِ متفرقہ

مسئلہ : یہ ضروری نہیں کہ شہر کا حاکم وامیر جو اعلانِ جہاد کرے، متقی، پرہیزگار یا عالم ہی ہو، جو بھی مسلمان حاکم ہو، جب ایسے حکمِ عام کی ضرورت محسوس کرے، یہ حکم دے سکتا ہے اور سب مسلمانوں کو اس کا یہ حکم ماننا ضروری ہے۔

(فتح القدیر۔ ص: ۲۸۰۔ ج: ۴)

فائدہ : اس میں شبہ نہیں کہ امیرِ جہاد کا عالم و متقی ہونا بہت بڑی نعمت ہے اور فتح کا بہت بڑا سامان ہے۔ رسولِ کریم ﷺ جب بھی کسی کو امیرِ جہاد مقرر فرماتے تو اس کو وصیت فرماتے تھے کہ خود بھی تقویٰ اختیار کریں اور اپنے سپاہیوں کو بھی اس کی تلقین کریں اور یہی مسلمان کا وہ اصلی جوہر ہے جو دنیا کی کسی طاقت سے مغلوب نہیں ہوتا۔ یہ سب کچھ ہے مگر عملِ جہاد کے لئے شرط نہیں۔ جہاد ہر مسلمان امیر و حاکم کے ساتھ ضروری اور اس کے جائز حکم کی تعمیل واجب ہے۔

مسئلہ : جہاد جب فرضِ کفایہ ہو تو بیٹے کو ماں باپ کی اجازت کے بغیر جہاد میں جانا جائز نہیں کیونکہ ان کی خدمت اور اطاعت فرضِ عین ہے۔ وہ فرضِ کفایہ کی وجہ سے ساقط نہیں ہو سکتی۔

اسی طرح عورت کا شوہر کی اجازت کے بغیر جہاد کے کام میں لگنا جہاد کے فرضِ کفایہ ہونے کی صورت میں جائز نہیں۔ البتہ اگر دشمن کے شدید حملوں کی وجہ سے مسلمان حاکمِ وقت سب کو جہاد میں لگنے کا حکم جاری کر دے اور جہاد فرضِ عین ہو جائے تو پھر بیٹا ماں باپ کی اجازت کے بغیر، عورت شوہر کی اجازت کے بغیر بھی اپنے اس فرض کو پورا کرے۔

(بدائع ص: ۹۸۔ ج: ۷)

مسئلہ : میدانِ جہاد سے بھاگنا انتہائی سخت گناہ اور غضبِ الٰہی کا سبب ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے:

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ط

ترجمہ: اے ایمان والو! جنگ میں کافروں سے تمہارا مقابلہ ہو جائے تو تم ان سے پشت نہ پھیرو۔

اور فرمایا گیا: وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ط

ترجمہ:۔ اور جس نے اس دن کافروں سے پشت پھیری مگر ہاں جو لڑائی کیلئے پینترا بدلتا ہو یا اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے آتا ہو وہ مستثنیٰ ہے باقی جو ایسا کریگا وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹا۔

مسئلہ :۔ ہاں! اگر ایسی صورت پیش آجائے کہ مجاہدین کو حالات سے اس کا پورا اندازہ ہو جائے کہ اگر ہم اس وقت لڑیں گے تو ہم سب فناء ہو جائیں گے اور دشمن کو نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ ایسے وقت ان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں سے کمک حاصل کرنے اور تیاری کے بعد لڑنے کی نیت سے اس وقت میدان چھوڑ دیں اور پھر دوسرے مسلمانوں کی امداد اور سامان کی تیاری کے ساتھ دوبارہ مقابلہ پر جائیں۔ اس کا مدار مجاہدین کی تعداد اور سامان کی کمی یا زیادتی پر نہیں، بلکہ محاذِ جنگ کے مجموعی حالات اور تجربہ پر ہے۔ تجربہ ہی سے اس کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ اس مقام پر لڑنا مفید ہے یا پیچھے ہٹنا۔ قرآنِ مجید میں ایسے ہی حال کے متعلق ارشاد ہے :

وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَہٗ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ط

ترجمہ :۔ اور جس نے اس دن کافروں سے پشت پھیری، بجز جنگی چال کے، یا مسلمانوں کے کسی گروہ سے ملنے کے لئے تو اللہ کا غضب لے کر لوٹا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جنگی تدابیر کے لئے یا دوسرے مسلمانوں سے امداد حاصل کرنے کے لئے پیچھے ہٹنے کی خاص حالات میں اجازت دی گئی ہے۔ جب مقصود بھاگنا نہ ہو بلکہ دوبارہ حملہ کرنا ہو۔

تنبیہ :۔ صاحبِ بدائع نے فرمایا کہ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ قرآن کریم میں یہ ارشاد ہے : اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِائَةٌ يَّغْلِبُوْا اَلْفًا. ترجمہ :۔ اگر تم میں سے بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں تو دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر تم سو ہو تو ہزار پر غالب آجاؤ گے۔ "یہ آیت منسوخ نہیں۔ آج بھی ایسا ہو سکتا ہے"۔

چنانچہ پاکستان کے سابقہ جہاد میں خصوصاً لاہور کے محاذ پر تو ایسا مشاہدہ ہوا کہ دشمن کو بھی اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ مسلمانوں کی بہت تھوڑی سی تعداد نے دشمن کی ٹڈی دل فوج کا حملہ روکا اور اس پر فتح پائی۔

اگر اس کا امکان غالب نظر آئے کہ تھوڑی تعداد یا کم سامان کے باوجود مسلمان غالب آسکتے ہیں تو محض تعداد کی کمی کی وجہ سے پیٹھ پھیرنا جائز نہیں ہو گا۔

مسئلہ :۔ جو عورتیں، بوڑھے یا بچے جنگ میں جاسوسی کا کام کریں یا دوسرے طریقوں سے جنگ میں حصہ لیں، ان کو حالتِ جنگ میں قتل کیا جائے گا تاکہ ان کے شر سے مسلمان محفوظ رہیں۔

لیکن اگر بچے قید ہو جائیں تو قید ہونے کے بعد ان کا قتل کرنا جائز نہیں، خواہ انہوں نے جنگ میں کھلے طور پر بھی حصہ لیا ہو، کیونکہ گرفتار کرنے کے بعد ان سے کوئی خطرہ نہیں رہا۔ اب اگر قتل کیا جائے گا تو ان کے پچھلے عمل کی سزا میں قتل کیا جائے گا اور بچوں پر سزا جاری کرنا شرعاً جائز نہیں۔

مسئلہ :۔ جہاد میں اگر کسی مسلمان کا کافرباپ سامنے آجائے تو جب تک وہ حملہ نہ کرے بیٹے کو اس پر حملہ کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ قرآنِ کریم کی ہدایت یہ ہے کہ دنیا میں کافر ماں باپ کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرو، ان کی خدمت و خبر گیری کرو۔ اس لئے جہاد کے وقت بھی ابتداً ان کا قتل کرنا جائز نہیں۔

حضرت حنظلہؓ نے آنحضرت ﷺ سے اپنے کافر باپ کے قتل کی اجازت مانگی تو آپؐ نے منع فرمادیا۔ البتہ اگر باپ ہی بیٹے پر حملہ کردے اور اس حملہ سے اپنی جان بچانا بغیر اس کے ممکن نہ ہو کہ باپ کو قتل کرے تو اس کو اپنی حفاظت کرنا چاہیے، خواہ اس میں باپ کا قتل ہی واقع ہو جائے مگر یہ باپ کو قتل کرنے کا ارادہ نہ کرے۔ (بدائع، ص ۱۰۲۔ ج ۷)

مسئلہ : جہاد میں جانے کے وقت اپنے ساتھ قرآنِ کریم تلاوت کے لئے ایسی صورت میں لیجانا جائز ہے جب کہ مسلمانوں کی قوت مستحکم و مضبوط ہو، شہید یا قید ہونے کا خطرہ کم ہو اور جہاں یہ خطرہ قوی ہو تو قرآن کو اپنے ساتھ نہ رکھے۔ اس میں بے ادبی کا خطرہ ہے۔ رسولِ کریم ﷺ نے دشمن کی زمین پر قرآن کریم لیجانے کو جو منع فرمایا ہے، وہ ایسی ہی حالت سے متعلق ہے۔ (بدائع)

مسئلہ : جنگی قیدی جو مسلمان کے ہاتھ آجائیں، ان کو بھوک، پیاس وغیرہ کی تکلیف دینا جائز نہیں۔ (بدائع)

مسئلہ : کافر قیدیوں سے اپنے مسلمان قیدیوں کا تبادلہ کرلینا جائز ہے۔ (علیٰ قول الصاحبین، بدائع)

مسئلہ : جہاد میں جن لوگوں کو قتل کرنا جائز ہے، ان کا بھی مثلہ کرنا یعنی ناک، کان وغیرہ کاٹنا شرعاً جائز نہیں۔ رسولِ کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

مسئلہ : ضرورت پیش آجائے تو دشمن کے درختوں، کھیتوں کو کاٹ کر یا جلاکر تباہ کردینا بھی جائز ہے۔ (بدائع)

مسئلہ : دشمن قلعہ بند ہو جائے یا کسی محفوظ مکان میں داخل ہو کر دروازے بند کرلے تو اس کو ہتھیار ڈالنے اور اطاعت قبول کرلینے کی دعوت دی جائے۔ اس کو نہ مانے تو آگ لگا کر یا پانی میں غرق کر کے یا دوسرے طریقوں سے قلعہ اور مکان کو منہدم کردینا بھی جائز ہے۔ (بدائع)

مسئلہ : دشمن اگر قلعہ بند ہو جائے اور یہ معلوم ہو کہ دشمن کے ملازموں میں کچھ مسلمان بھی ہیں تو ان کی وجہ سے دشمن کے مقابلے میں کوئی رعایت نہ کی جائے گی البتہ اگر مسلمانوں کو بچا سکتے ہیں تو بچانے کی فکر کریں، ورنہ دشمن کو تباہ کرنے کے قصد سے گولہ باری کریں۔ جو مسلمان اس کی زد میں بلااختیار آجائیں وہ معاف ہے، کیونکہ کافروں کا کوئی شہر اور بستی اس سے خالی نہیں ہوتی کہ کوئی مسلمان قیدی یا ملازم وغیرہ ان کے پاس ہوں، اگر ان کی رعایت سے دشمن کا مقابلہ چھوڑ دیا جائے تو جہاد کا دروازہ ہی بند ہو جائے۔ (بدائع الصنائع، ص ۱۰۰، ج ۷)

مسئلہ : یہی صورت اس وقت بھی کی جائے گی جب کہ دشمن اپنے آپ کو بچانے کے لئے مسلمان قیدیوں یا بچوں

جب ہم نے اپنے علم کی روشنی میں دیکھا تو محسوس کیا کہ ہم سے غلطی ہوئی کیونکہ یہ شخص وہ نبی نہیں ہے جس کا دنیا کو انتظار ہے۔!"

دل کھول کر داد و دہش...... یہ سن کر کعب ابن اشرف ان لوگوں سے خوش ہو گیا اور اس نے ہمیشہ کی طرح داد و دہش کر کے ان کی جھولیاں بھر دیں۔ یہی نہیں بلکہ دوسرے مذہبی پیشواؤں میں سے جس نے بھی ان لوگوں کی بات کو تسلیم کیا یا اس کی تائید کی اس کو بھی کعب نے اپنے مال و دولت میں سے کچھ نہ کچھ حصہ دیا۔

چنانچہ یہ آیت مبارکہ اسی شخص کے بارے میں نازل ہوئی تھی:

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَادُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا۔ (الآیہ پ ۳ سورۂ آل عمران ع ۸۔ آیت ۷۵)

اور اہل کتاب میں سے بعض شخص ایسا ہے کہ اے مخاطب اگر تم اس کے پاس انبار کا انبار مال بھی امانت رکھ دو تو وہ مانگنے کے ساتھ ہی اس کو تمہارے پاس لا کر رکھ دے اور ان ہی میں سے بعض وہ شخص ہے کہ اگر تم اس کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھ دو تو وہ تم کو ادا نہ کرے مگر جب تک کہ تم اس کے سر پر نہ کھڑے رہو۔

کعب کی کم ظرفی...... اس کو کسی شخص نے ایک دینار امانت رکھنے کے لئے دیا تھا مگر جب اس نے مانگا تو کعب نے (اتنا مالدار ہونے کے باوجود) وہ دینار دینے سے انکار کر دیا (کہ اس کے پاس کوئی دینار وغیرہ امانت میں نہیں رکھوایا گیا تھا) علامہ جلال الدین سیوطی نے تکملہ میں اسی طرح لکھا ہے:

مگر تفسیر کشاف اور اس کی فروع میں یوں ہے کہ یہ آیت فخاص ابن عازوراء کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ اس سے کوئی شبہ نہیں پیدا ہوتا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ ایک سے زائد مرتبہ پیش آیا ہو (اور دونوں واقعات کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہو)۔

بدر میں فتح اور کعب کی چراغپائی...... غرض جب رسول اللہ ﷺ جنگ بدر میں مظفر و منصور ہوئے اور حضرت زید ابن حارثہ اور حضرت عبداللہ ابن رواحہؓ یہ خوش خبری لے کر مدینے والوں کے پاس پہنچے تو وہ لوگوں کو بتلانے لگے کہ قریش کا فلاں سردار بھی قتل ہو گیا اور فلاں بھی اور فلاں سردار بھی گرفتار ہو گیا اور فلاں بھی۔

مژدۂ فتح کی تردید...... (اس بالکل غیر متوقع اور بظاہر ناقابل یقین خبر کو سن کر کعب ابن اشرف سخت بدحواس ہوا اور) وہ ان دونوں کو جھوٹا قرار دینے لگا۔ وہ لوگوں سے کہنے لگا:

"یہ لوگ جن کے قتل اور گرفتاری کی خبر اڑا رہے ہیں وہ عرب کے اشراف و بلند مرتبہ لوگ اور عوام کے سردار ہیں خدا کی قسم اگر محمد ﷺ نے ان ہی لوگوں کو قتل کر دیا ہے تو اس کے بعد زمین کے اوپر رہنے سے بہتر زمین کے نیچے رہنا ہے (یعنی پھر اس زندگی سے موت ہی بہتر ہے)۔!"

(مقصد یہ تھا کہ یہ خبر بالکل بے سر و پا اور عقل کے خلاف ہے) جیسا کہ اس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے۔

آنحضرت ﷺ کی ہجو میں اشعار...... مگر پھر جب واقعات اور حالات نے خدا کے اس دشمن کو اس خبر کے ماننے پر مجبور کر دیا تو یہ مدینے سے سفر کر کے مکے آیا اور چونکہ یہ ایک بلند پایہ شاعر بھی تھا اس لئے اپنے شعروں میں رسول اللہ ﷺ کی ہجو اور توہین کرنے لگا ساتھ ہی ان شعروں میں مسلمانوں کے خلاف بھی اپنا بخار نکالتا۔

دشمنان اسلام کی اشتعال انگیزی...... کعب ان شعروں میں ایک طرف آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کی توہین کرتا تو

دوسری طرف ان کے دشمنوں کی تعریفیں اور خوبیاں بیان کرتا اور انہیں مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتا اور اشتعال دلاتا' یہ قریش کے سامنے اپنے شعر پڑھتا اور ان کے سرداروں کی موت پر روتا۔

کعب سے نجات کیلئے نبی کی دعا...... (آنحضرت ﷺ کو کعب ابن اشرف کی اس اشتعال انگیزی کی خبر ہوئی تو) آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

"اے اللہ! تو جس طرح چاہے مجھے ابن اشرف سے نجات عطا فرما۔!"

کعب مکے میں سرگرم سازش...... ادھر کعب ابن اشرف کو مکے میں جب کسی نے ٹھکانہ نہیں دیا تو یہ مایوس ہو کر وہاں سے واپس مدینے آگیا۔ کیونکہ مکے میں یہ سیدھا عبدالمطلب ابن وداعہ کے گھر گیا تھا اور وہیں اس نے اپنی سواری اور سامان رکھا تھا۔ عبدالمطلب کی بیوی عاتکہ بنت اسید نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور اسے سر آنکھوں پر بٹھایا۔

مکے میں دربدری...... جب آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے شاعر اسلام حضرت حسان ابن ثابت کو بلا کر اس واقعہ کی خبر دی۔ حضرت حسانؓ نے عبدالمطلب اور اس کی بیوی ہجو میں شعر لکھے۔ یہ شعر جب ان دونوں نے سنے تو انہوں نے کعب ابن اشرف کا سامان اپنے گھر سے اٹھا کر پھینک دیا' عبدالمطلب کی بیوی کہنے لگی:

"ہمیں اس یہودی سے کوئی واسطہ مطلب نہیں ہے۔!"

قریش سے جنگی معاہدہ کی کوشش...... بعد میں مطلب اور ان کی بیوی دونوں مسلمان ہو گئے تھے۔

غرض اس کے بعد کعب ابن اشرف مکے میں جس خاندان کا بھی مہمان ہوتا حضرت حسان اسی خاندان کی ہجو میں شعر لکھتے اور نتیجہ میں وہ لوگ کعب ابن اشرف کو اپنے یہاں سے چلتا کر دیتے (کیونکہ عربوں میں شاعروں کی طرف سے کی جانے والی ہجو نا قابل برداشت تھی اور ہر شخص ہجو کا موضوع بننے سے گھبراتا تھا)۔

ابوسفیان کے خدشات...... کہا جاتا ہے کہ کعب ابن اشرف جب مکے گیا تو اس کے ساتھ ستر سوار تھے جو سب یہودی تھے' یہ لوگ اس لئے گئے تھے کہ مکے میں قریش کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگی معاہدہ کر لیں۔ چنانچہ مکے پہنچ کر یہ لوگ ابوسفیان کے یہاں اترے تھے۔ ابوسفیان نے ان سے کہا:

"آپ لوگ اہل کتاب ہیں اور محمد ﷺ بھی صاحب کتاب ہیں (یعنی ان کے پاس بھی آسمانی کتاب ہے) ہمیں تمہاری طرف سے بھی خدشہ ہے کہ یہ سب تمہارا مکرو فریب ہو' اسلئے اگر تم واقعی یہ چاہتے ہو کہ ہم تمہارے ساتھ چلیں تو ان دونوں بتوں کو سجدہ کرو اور ان پر ایمان لاؤ۔!"

قریشی بتوں کو کعب کے سجدے...... (تاکہ ہمیں تمہارے متعلق اطمینان ہو جائے) چنانچہ کعب ابن اشرف نے فوراً ان بتوں کو سجدہ کر کے ان پر اپنے ایمان کا عملی اظہار کر دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَاۤءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا۔ (لآیہ پ۵ سورۂ نساء ع۔ آیت ۵۱)

ترجمہ: کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک حصہ ملا ہے پھر باوجود اس کے وہ بت اور شیاطین کو مانتے ہیں اور وہ لوگ کفار کی بت کہتے ہیں کہ یہ لوگ بہ نسبت مسلمانوں کے زیادہ راہ راست پر ہیں۔

معاہدہ اور مسلم قوانین کی توہین...... غرض پھر ان یہودیوں نے کعبہ کے پردہ کے پاس کھڑے ہو کر کفار مکہ سے

مسلمانوں کے خلاف حلف اور معاہدہ کیا۔ اس کے بعد کعب ابن اشرف واپس مکے سے مدینے کو روانہ ہوا۔ جب یہ مدینہ پہنچا تو اس نے مسلمان عورتوں کے حسن و جمال اور شباب و جوانی کے متعلق شعر کہنے شروع کر دیئے جن میں ان خواتین کے بارے میں عشقیہ جذبات اور بیہودہ باتیں ہوتیں جس سے مسلم خواتین میں سخت غم و غصہ پھیل گیا۔

آنحضرت ﷺ کے قتل کی سازش...... ایک قول ہے کہ ایک دن کعب ابن اشرف نے کھانا تیار کرایا اور یہودیوں کی ایک جماعت کو اس کام کیلئے متعین کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو دعوت دیں اور جب آپ تشریف لے آئیں تو کسی طرح آپ کو قتل کر ڈالیں۔

آسمانی تحفظ...... چنانچہ ان کی دعوت پر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے آپ کیساتھ چند صحابہ بھی تھے جب آنحضرت ﷺ آکر بیٹھ گئے تو آپ کو جبرئیلؑ نے یہودیوں کی سازش کے متعلق اطلاع دے دی' آنحضرت ﷺ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور وہاں سے واپس اس حالت میں گئے کہ جبرئیلؑ نے آپ کو اپنے پروں میں چھپالیا تھا (اور آپ ان لوگوں کو نظر نہیں آئے) یہودیوں نے جب آپ کو غائب پایا تو (پہلے تو بہت حیران ہوئے اور آخر مایوس ہو کر) سب ادھر ادھر ہو گئے۔

بہر حال کعب ابن اشرف (کے جرائم کی فہرست طویل ہے اس لئے اس سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا کہ اس) کو کس سبب کے تحت قتل کرایا گیا سبھی اسباب ہو سکتے ہیں۔

کعب کے جرائم اور قتل کی خواہش...... غرض رسول اللہ ﷺ نے ایک روز صحابہ سے فرمایا "کون ہے جو کعب ابن اشرف کے قتل کا بیڑا اٹھاتا ہے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ کون ہے جو ابن اشرف کے سلسلے میں ہماری مدد کر سکتا ہے کہ اب وہ کھل کر ہماری توہین و ہجو اور ہم سے دشمنی کا اظہار کرنے لگا ہے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ وہ اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء رسانی کر رہا ہے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ۔ وہ اپنے شعروں کے ذریعہ ہمیں ایذا پہنچا رہا ہے اور ہمارے خلاف مشرکین کو طاقت فراہم کر رہا ہے۔!"

ابوسفیان کا احساس کمتری...... مشرکین کو طاقت فراہم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ابوسفیان نے کعب ابن اشرف سے کہا تھا:

"تم لوگ کتاب یعنی توریت پڑھتے ہو اور علم والے ہو جب کہ ہم لوگ ان پڑھ ہیں کچھ نہیں جانتے۔ اس لئے تم ہی بتلاؤ کہ ہم میں سے کون زیادہ صحیح راستے پر اور سچائی کے قریب ہے۔ آیا ہم لوگ یا محمد ﷺ؟"

یہ سن کر کعب ابن اشرف نے کہا:

"تم ذرا اپنے دین کے اصول مجھے بتلاؤ۔!"

کعب بت پرستی کی تعریف میں...... ابوسفیان نے کہا:

"ہم لوگ حاجیوں کیلئے بڑے بڑے اونٹ ذبح کرتے ہیں' ان کو پانی فراہم کرتے ہیں' مہمانوں کی عزت افزائی اور مدارات کرتے ہیں اور ثواب کیلئے غلاموں کو آزاد کرتے ہیں' ہم رشتہ داروں کی خبر گیری کرتے ہیں اور اپنے پروردگار کے گھر یعنی حرم کو آباد رکھتے ہیں اور اس کا طواف کرتے ہیں۔ ہم لوگ حرم والے ہیں اور محمد ﷺ اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑنے والے ہیں' انہوں نے رشتہ داریوں کو قطع کیا اور حرم کو چھوڑ گئے اور سب سے زیادہ یہ کہ ہمارا دین پرانا ہے اور محمد ﷺ کا دین نیا ہے۔!"

یہ سن کر کعب نے کہا:

"خدا کی قسم۔ محمد ﷺ کے مقابلہ میں تم ہی زیادہ سیدھے اور سچے راستے پر ہو۔!"

ابن مسلمہ اور کعب کے قتل کا بیڑا...... غرض جب رسول اللہ ﷺ نے کعب کو قتل کرنے کے متعلق فرمایا تو محمد ابن سلمہ اوسی نے عرض کیا:

"اس کے قتل کا ذمہ میرا ہے یارسول اللہ ﷺ کیونکہ وہ میرا ماموں ہے۔ میں ہی اسے قتل کروں گا۔!"

مہم میں ابن مسلمہ کے مددگار...... محمدؓ ابن مسلمہ کعب ابن اشرف کے بھانجے تھے۔ چنانچہ محمد ابن مسلمہ اور اسکے ساتھ چار دوسرے صحابہ نے اسکو قتل کرنے کا فیصلہ کر لیا باقی چاروں صحابہ بھی قبیلہ اوس سے ہی تعلق رکھتے تھے جن کے نام یہ ہیں' حضرت عبادؓ ابن بشر' ابو نائلہؓ جو کعب ابن اشرف کے رضاعی یعنی دودھ شریک بھائی تھے حارثؓ ابن عیسٰی اور حارثؓ ابن اوس۔

ابن مسلمہ کا فکر...... آنحضرت ﷺ کے سامنے کعب ابن اشرف کے قتل کا بیڑا اٹھانے کے بعد حضرت محمد ابن مسلمہؓ تین دن تک موقعہ اور تدبیر کی تلاش میں رہے۔ اس عرصہ میں ان کی بھوک پیاس بھی جاتی رہی وہ صرف زندہ رہنے اور طاقت باقی رکھنے کیلئے کھاتے پیتے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں یہ خدشہ لگا ہوا تھا کہ کہیں میں اپنا وعدہ پورا کرنے میں ناکام نہ رہوں۔

حیلہ کیلئے اجازت طلبی...... آخر انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

"یارسول اللہ۔ اس سلسلے میں ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اس تک پہنچنے کیلئے حیلے اور بہانے کے طور پر کچھ کہیں۔!"

جنگی فریب کے تحت اجازت...... یہاں دراصل یہ لفظ ہونے چاہئیں تھے کہ ہم لوگ حیلہ کے طور پر اور بات بنانے کے لئے گھڑ کر کچھ کہیں چاہے وہ بات واقعہ کے خلاف ہو بہر حال آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"تم جو مناسب سمجھو وہ کہہ سکتے ہو۔ اس سلسلے میں تم لوگ آزاد ہو۔!"

گویا آنحضرت ﷺ نے انہیں اس سلسلے میں جھوٹ بولنے کی اجازت دے دی جو جنگی دھوکہ کے تحت آتا ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ ایک قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعدؓ ابن معاذ کو حکم دیا تھا کہ وہ کعب ابن اشرف کو قتل کرنے کے لئے ایک جماعت یعنی چند آدمی بھیجیں۔ مگر دونوں روایتوں میں جمع اور موافقت ممکن ہے۔

ابو نائلہ کعب کے گھر...... رسول اللہ ﷺ سے اجازت حاصل کرنے کے بعد ان پانچوں حضرات میں سے سب سے پہلے ابو نائلہ' کعب ابن اشرف کے پاس گئے۔ ابو نائلہ شاعر تھے اور شعر کہا کرتے تھے اس لئے یہ کچھ دیر کعب سے باتیں کرتے رہے اور اس کو شعر سناتے رہے۔ پھر کہنے لگے:

"ابن اشرف! میں تمہارے پاس ایک کام سے آیا ہوں اور تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں مگر تم وعدہ کرو کہ اس کا ذکر کسی سے نہیں کرو گے۔!"

کعب کو فریب...... ابن اشرف بولا کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔ تب حضرت ابو نائلہ نے کہا:

"اس شخص یعنی رسول اللہ ﷺ کی یہاں مدینے میں آمد ہمارے لئے ایک زبردست مصیبت بن گئی ہے۔ تمام عرب ہمارے دشمن ہو گئے ہیں اور ہمارے خلاف متحد ہو گئے ہیں جن کی وجہ سے ہمارے لئے سفر اور تجارت کے تمام راستے بند ہو گئے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ ہمارے بیوی بچے بھوکوں مر رہے ہیں اور سب لوگ سخت مصیبتوں کا شکار ہو رہے ہیں۔ ہمیں صدقات مانگنے تک کی نوبت آگئی ہم میں سے کسی کے پاس بھی کھانے کو کچھ نہیں رہا۔ جو کچھ پونجی ہمارے پاس تھی وہ ہم اس شخص اور اس کے ساتھیوں پر خرچ کر چکے ہیں۔!"

کعب نے کہا:

"مجھے سچ سچ بتاؤ تم ان کے معاملے میں کیا چاہتے ہو؟"

حضرت ابو نائلہ نے کہا:

"صرف ان کی ناکامی اور ان سے نجات۔!"

کعب نے کہا:

"کیا اب بھی تم یہ نہیں سمجھ سکے کہ تم لوگ جس دین پر ہو وہ باطل ہے۔!"

اشیائے خوردنی کا سوال...... ابو نائلہ نے کہا۔ اور ایک صحیح روایت کے مطابق محمد ابن مسلمہ نے کہا۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ احتمال یہ ہے کہ دونوں نے کہا:

"میں یہ چاہتا ہوں کہ تم مجھے اور میرے ساتھیوں کو کچھ کھانے پینے کی چیزیں قیمتاً دے دو جس کے بدلے فی الحال ہم تمہارے پاس کچھ رہن رکھ دیں گے اور تمہیں اس کے لئے دستاویز دے دیں گے۔!"

اولاد رہن رکھنے کا مطالبہ...... کعب نے کہا:

"کیا تم لوگ اس کے بدلے میں اپنی اولاد کو اور ایک روایت کے مطابق اپنی عورتوں کو میرے پاس رہن رکھ سکتے ہو۔"

ساتھیوں کو لانے کا وعدہ...... ابو نائلہ نے کہا:

"میں چاہتا ہوں آپ ہمیں اجازت دیں کہ ہم اپنے ہتھیار آپ کے پاس رہن رکھ دیں جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ ایک قول ہے کہ انہوں نے صرف زرہیں گروی رکھنے کی پیشکش کی تھی۔ پھر انہوں نے کہا۔ کیونکہ اس طرح بھروسہ کی بات ہو گی۔ میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ اپنے ساتھیوں کو آپ کے پاس لے کر آؤں۔!"

حضرت ابو نائلہؓ کا مقصد یہ تھا کہ جب وہ خود اور ان کے ساتھی کعب کے پاس آئیں تو وہ ہتھیار لینے سے انکار نہ کر دے (اس لئے بات پختہ کرنا چاہتے تھے) کعب نے یہ سن کر کہا:

"بے شک ہتھیاروں سے بات پختہ اور بھروسہ کی ہو گی۔!"

عورتوں کو رہن رکھنے کا مطالبہ...... بخاری میں اس طرح ہے کہ کعب نے ابو نائلہ سے کہا:

"اس کے بدلے میں تم اپنی عورتوں کو میرے پاس رہن رکھ دو۔!"

کعب کے حسن کی تعریف...... ابو نائلہ نے کہا:

"اپنی عورتوں کو ہم کیسے آپ کے پاس گروی رکھ سکتے ہیں جب کہ تم عرب کے سب سے زیادہ خوبصورت اور حسین آدمی ہو۔ ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ۔ اس صورت میں ہم اپنی عورتوں کی طرف سے مطمئن نہیں رہ سکتے۔ اور کون سی عورت ہو گی جو آپ جیسے حسین نوجوان سے بچ سکے گی کیونکہ آپ کو تو خود تمام عورتیں پسند کرتی ہیں۔!"

اس پر کعب نے کہا:

"اچھا تو پھر اپنے بیٹوں کو میرے پاس گروی رکھ دو۔!"

انہوں نے کہا:

"ہم بچوں ہی کو کیسے رہن رکھ سکتے ہیں وہ بدنام ہو جائیں گے۔!"

ہتھیار رہن رکھنے کی پیشکش...... کعب نے کہا۔ یوسف کو بھی تو رہن رکھا گیا تھا۔ انہوں نے کہا:

"یہ ہمارے لئے عار اور شرم کی بات ہے۔ ہاں البتہ ہم اپنے ہتھیار تمہارے پاس رہن رکھ سکتے ہیں۔!"

ابونائلہ کی ساتھیوں سے قرار داد...... یہ بات چیت کر کے حضرت ابونائلہ وہاں سے اٹھے اور اپنے ساتھیوں کے پاس آئے اور ان کی ساری تفصیل بتلانے کے بعد حکم دیا کہ اپنے ہتھیار ساتھ لے لیں۔ پھر یہ سب رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور وہاں سے کعب ابن اشرف کے مکان کی طرف چلے۔

نبی کی دعاؤں کے ساتھ روانگی...... رسول اللہ ﷺ بھی ان لوگوں کے ساتھ نکلے اور بقیع غرقد کے مقام تک ساتھ ساتھ آئے یہاں آپ نے ان سب کو رخصت کیا اور فرمایا:

"اللہ کا نام لے کر جاؤ۔ اے اللہ ان کی مدد فرما۔!"

ابن مسلمہ کی سربراہی...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ اپنے گھر تشریف لے آئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں پر حضرت محمدؓ ابن مسلمہ کو امیر بنایا۔ یہ چاندنی رات تھی جس میں یہ لوگ چلے جا رہے تھے یہاں تک کہ یہ سب کعب ابن اشرف کی حویلی پر پہنچ گئے۔

صحابہ کعب کی ڈیوڑھی پر...... دروازے پر پہنچ کر حضرت ابونائلہ نے کعب کو آواز دی۔ کعب کی اس وقت نئی نئی شادی ہوئی تھی (اور وہ اپنی بیوی کے پاس تھا) ابونائلہ کی آواز پر وہ جلدی سے کود کر اٹھا اور اپنی چادر اوڑھنے لگا۔

کعب کی بیوی کا اضطراب...... کعب کی بیوی نئی نویلی دلہن نے اس کی چادر کا کنارا پکڑ کر اسے روکتے ہوئے کہا:

"تم ایک جنگجو مرد ہو اور جنگ آزما لوگ ایسے غیر وقت میں مکان سے نہیں نکلا کرتے۔!"

(یعنی یہ احتیاط اور تجربہ کاری کے خلاف بات ہے) مگر کعب ابن اشرف نے کہا:

"وہ تو ابونائلہ ہے۔ اگر انہیں معلوم ہوا کہ میں سو رہا ہوں تو وہ مجھے جگائے گا بھی نہیں۔!"

شوہر کو روکنے کی کوشش...... مگر اس کی بیوی (کو پھر بھی اطمینان نہیں ہوا بلکہ اس کی چھٹی حس اسے آنے والے خطرے سے آگاہ کر رہی تھی لہٰذا اس) نے کہا:

"خدا کی قسم مجھے اس پکارنے والے کی آواز میں شرارت اور برائی کی بو آ رہی ہے۔!"

بخاری کی روایت میں یوں ہے کہ۔ (جب کعب ابن اشرف جانے لگا تو) اس کی بیوی نے کہا:

"تم اس غیر وقت میں کہاں جا رہے ہو۔ مجھے اس پکارنے والے کی آواز سن کر ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے اس سے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ مسلم میں یہ لفظ ہیں کہ۔ مجھے یہ آواز کسی خونی کی آواز لگ رہی ہے جو جان لینے آیا ہے۔!"

کعب کی اطمینان دہانی...... مگر کعب ابن اشرف نے (پھر بیوی کو اطمینان دلاتے ہوئے) کہا:

"یہ تو میرا بھانجا محمد ابن مسلمہ اور میرا رضاعی بھائی ابونائلہ ہیں کسی شریف آدمی کو اگر رات کے اندھیرے میں بلایا جائے تو اسے جانا چاہئے۔!"

بخاری میں اسی طرح ہے۔ مگر مسلم میں کعب کے الفاظ ہیں کہ:

"یہ تو محمد اور اس کا رضاعی بھائی ہے۔!"

مگر ایک قول کے مطابق صحیح یوں ہے کہ یہ محمد اور اس کا رضاعی بھائی ابونائلہ ہیں کیونکہ علماء نے لکھا ہے کہ ابونائلہ دراصل محمد ابن مسلمہ کے رضاعی بھائی تھے (کعب کے نہیں)۔

کعب صحابہ کے درمیان...... غرض (بیوی کے ساتھ اس ردّو قدح کے بعد (کعب ابن اشرف نیچے اتر کر باہر آیا اس کے جسم سے خوشبوؤں کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔ حضرت ابونائلہ اور ان کے ساتھیوں نے کچھ دیر اس سے بات چیت کی اور پھر اس کے ساتھ چلنے لگے۔

کعب کا معطر جسم......اچانک حضرت ابونائلہ نے کعب کے سر پر ہاتھ رکھا اور پھر اسے سونگھا۔ پھر کہنے لگے:

"میں نے اس سے زیادہ بہترین خوشبو والا عطر آج تک نہیں سونگھا تھا۔!"

کعب کی احمقانہ سرشاری......ابن اشرف نے کہا:

"یہ کیا ہے؟ میرے پاس تو عرب کی مہک دار ترین اور حسین ترین عورتیں بھی ہیں!"

یہ سن کر ابونائلہ نے کعب سے کہا:

"ابوسعید۔ ذرا اپنا سر قریب کرو۔ میں بھی اسے سونگھوں اور تمہارا سر اپنی آنکھوں اور چہرے سے لگاؤں!"

کعب پر نرغہ اور تیغ افگنی...... غرض یہ سب اسی طرح تھوڑی دیر باتیں کرتے رہے۔ کچھ دیر بعد ابونائلہ نے اپنا سر کعب کے سر پر رکھا مگر اس دفعہ انہوں نے اس کا سر مضبوطی سے پکڑ لیا اور فوراً ساتھیوں سے کہا کہ اس خدا کے دشمن کو مار ڈالو۔

چنانچہ سب نے اس پر وار کئے اور چاروں طرف سے اس پر تلواریں چلنے لگیں۔

کعب کی چیخیں اور جاگ...... مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر طرف سے جو تلواریں چلیں وہ کعب پر پڑنے کے بجائے آپس ہی میں ایک دوسرے سے ٹکرانے لگیں۔ ادھر کعب فوراً ابونائلہ سے لپٹ گیا ساتھ ہی اس نے اتنے زور سے چیخیں ماریں کہ گرد و پیش کی ہر حویلی میں لوگ بیدار ہو گئے۔

کعب کا قتل اور بیوی کی فریاد...... حضرت محمدؓ ابن مسلمہ کہتے ہیں کہ اس وقت میں نے اپنی تلوار اس کی گدی پر رکھی اور زور دیا یہاں تک کہ اس کی گردن میں سے پار ہو گئی اور کعب کشتہ ہو کر گر پڑا' ادھر کعب نے جب چیخیں ماری تھیں تو اس کی بیوی نے (جو پہلے ہی حواس باختہ ہو رہی تھی) فوراً ہی چیخنا شروع کر دیا' اے آل قریظہ! آے آل نضیر۔!"

قاتلوں کی ناکام تلاش......اس کی یہ آواز سن کر ہر طرف سے یہودی نکل آئے (اور واقعہ معلوم ہونے کے بعد قاتلوں کی تلاش میں دوڑے مگر) صحابہ جس راستے سے نکل کر گئے تھے یہ اسکے علاوہ دوسرے راستے پر تلاش کرتے چلے گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کسی کو بھی نہ پاسکے۔

مہم میں حرثؓ زخمی...... حضرت محمد ابن مسلمہؓ کہتے ہیں کہ (کعب پر جب ہم نے بے ترتیبی کے ساتھ تلواریں چلائیں تو) ہمارے ساتھیوں میں حرث ابن اوس ہم ہی میں سے کسی کی تلوار سے زخمی ہو گئے ان کے سر اور ٹانگ میں زخم آئے اور ان سے خون جاری ہو گیا تھا۔

حرثؓ کی بے بسی...... لہٰذا (جب کعب کے قتل کے بعد چاروں طرف سے یہودی نکل کر آنے لگے اور ہم لوگ وہاں سے فرار ہوئے تو زخمی ہونے اور خون بہہ جانے کی وجہ سے) حرث ابن اوس ہمارے ساتھ نہیں بھاگ سکے۔ جب ہم وہاں سے فرار ہونے لگے تو حرث نے پکار کر کہا:

"میری جانب سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کر دینا۔!"

حرثؓ کو ساتھیوں کی مدد...... یہ سن کر سب کو ان کا خیال آیا اور وہ انہیں اٹھا کر اپنے ساتھ ہی لے گئے۔ ایک روایت میں

یوں ہے کہ۔ حرث پیچھے رہ گئے تھے اور ساتھیوں کو پتہ نہیں چلا بلکہ فرار کے وقت انہوں نے حرث ابن اوس کو غائب پایا اس لئے پھر واپس اس جگہ گئے اور حرث کو اٹھا کر لائے۔

حضرت محمدؓ ابن مسلمہ کہتے ہیں کہ پھر آخر شب میں ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے جب کہ آپ نماز میں مشغول تھے ہم نے باہر سے ہی آپ کو سلام کیا آپ گھر سے باہر تشریف لائے تو ہم نے آپ کو اپنے دشمن کے قتل کی خبر سنائی۔ آپ نے ہمارے زخمی ساتھی کے زخم پر اپنا لعاب دہن لگایا جس کی برکت سے ان کی تکلیف دور ہو گئی۔

صحابہ کا نعرۂ تکبیر...... ایک روایت میں یوں ہے کہ ان صحابہ کو کعب ابن اشرف کو قتل کرنے کے بعد اس کی گردن علیحدہ کر دی اور پھر اس کا سر اٹھا کر وہاں سے بھاگے آخر جب یہ بھاگتے ہوئے بقیع غرقد کے مقام پر پہنچ گئے تو انہوں نے زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا جس سے (لوگوں نے سمجھ لیا کہ اللہ کا دشمن قتل کر دیا گیا ہے اور) رسول اللہ ﷺ نے بھی جان لیا کہ دشمن خدا کا کام تمام کر دیا گیا ہے۔

آنحضرت ﷺ در مسجد پر انتظار میں...... اس وقت یعنی رات کے آخری حصے میں رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ لوگوں نے جب بقیع غرقد کے مقام پر ان حضرات کی تکبیر سنی تو خود انہوں نے تکبیر کہی اور سمجھ گئے کہ اللہ کا دشمن ختم کر دیا گیا ہے۔ ادھر آنحضرت ﷺ تکبیر کی آواز سن کر مسجد نبوی کے دروازے پر ان صحابہ کے انتظار میں آ کھڑے ہوئے۔

آنحضرت ﷺ کی مسرت...... چنانچہ جب یہ صحابہ مسجد نبوی پر پہنچے تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کو مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوئے پایا۔ آپ نے ان لوگوں کو دیکھ کر فرمایا:

"یہ چہرے روشن ہو گئے۔"

کعب کا سر نبی کے قدموں میں...... انہوں نے یہ سن کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ کا چہرہ مبارک ہی روشن و تابناک ہے' ساتھ ہی ان لوگوں نے کعب ابن اشرف کا سر آپ کے سامنے ڈال دیا۔ آپ نے اس کے قتل پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا (کہ اس ذات بابرکات نے اسلام کے اتنے بڑے دشمن کو پامال کر دیا)۔

یہود کی فریاد...... اسی وقت پریشان حال یہودیوں کے رونے چیخنے کی آوازیں آئیں اور وہ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ کر کہنے لگے:

"ہمارے سردار کو دھوکہ اور فریب کے ذریعہ مار دیا گیا۔!"

آنحضرت ﷺ نے ان کو ابن اشرف کے کرتوت بتلائے کہ کس طرح وہ آنحضرت ﷺ کی جان کے درپے تھا اور مسلمانوں کو کس کس طرح تکلیفیں پہنچا رہا تھا۔ یہ جواب سن کر یہودی خوفزدہ ہو گئے۔

سریۂ عبداللہ ابن عتیک

ابن سلام ابن ابو حقیق...... یہ سریہ ابو رافع سلام بن ابو الحقیق کے قتل کیلئے بھیجا گیا تھا (جو ایک بڑا یہودی سردار تھا) لفظ سلام میں ل تخفیف کے ساتھ ہے اور حقیق میں ح پر پیش ہے اور ق پر زبر ہے یہ نضیر کے وزن پر تصغیر کا وزن ہے۔ یہ سلام قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتا تھا۔

کارناموں پر اوس و خزرج میں مقابلہ...... بخاری میں یوں ہے کہ اس کا نام ابو رافع عبداللہ ابن ابو حقیق تھا مگر اس کو سلام

ابن ابو حقیق کہا جاتا تھا۔ یہ خیبر میں رہتا تھا اور حجازیوں سے تجارت کیا کرتا تھا قبیلہ اوس کے لوگوں یعنی عبداللہ ابن مسلمہ اور ابونائلہ وغیرہ نے جب کعب ابن اشرف کو قتل کر دیا تو قبیلہ خزرج کے لوگ آپس میں کہنے لگے کہ ہمارے قبیلہ میں کون ایسا شخص ہے جو رسول اللہ ﷺ سے دشمنی رکھنے میں کعب ابن اشرف کے مشابہ ہو۔

ابورافع کے قتل کا فیصلہ...... اس پر کہا گیا کہ ایسا شخص ہمارے قبیلہ میں ابورافع سلام ابن ابو حقیق ہے کیونکہ یہ شخص بھی رسول اللہ ﷺ کو تکلیفیں پہنچانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتا تھا (بلکہ ہر ممکن طریقہ سے آپ کا ایذا رسانی کیا کرتا تھا اور اسلام اور مسلمانوں کا سخت دشمن تھا)۔

ابورافع کی اسلام دشمنی...... حضرت عروہؓ سے روایت ہے کہ یہ ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے قبیلہ غطفان اور عرب کے دوسرے مشرکوں کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف زبردست مالی امداد دی تھی اور یہی وہ شخص تھا جس نے غزوۂ خندق کے موقعہ پر احزابی لشکر جمع کیا تھا (جس میں عرب کے ہر قبیلے کے لوگ تھے)۔

کعب کا قتل اوس کا کارنامہ...... قبیلہ اوس کے اس کارنامے کے بعد (کہ انہوں نے کعب ابن اشرف جیسے دشمنِ خدا کو قتل کر کے آنحضرت ﷺ کی خوشنودی حاصل کی) قبیلہ خزرج کو بھی کوئی ایسا ہی کارنامہ انجام دینے کا جذبہ پیدا ہوا کیونکہ اوس اور خزرج کے دونوں قبیلوں میں اسلام کے بعد ہمیشہ اس بارے میں مقابلہ رہتا تھا کہ کون اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی زیادہ حاصل کرتا ہے۔

کارنامہ کیلئے خزرج میدان میں...... قبیلہ اوس کے لوگ کوئی بھی کارنامہ انجام دیتے تو قبیلہ خزرج پر لازم ہو جاتا کہ وہ بھی کوئی ایسا ہی کارنامہ انجام دے کر اس کی نظیر پیش کر دیں اور یہی حال قبیلہ اوس کا تھا۔ چنانچہ اوس کے اس کارنامے کے بعد خزرجی کہا کرتے تھے کہ خدا کی قسم کعب کو قتل کر کے یہ لوگ یعنی اوس والے ہم پر برتری اور فوقیت نہیں لے جا سکتے (یعنی اب ہم بھی اسی درجہ کا کوئی کارنامہ ضرور انجام دیں گے)۔

خزرجی جماعت...... چنانچہ قبیلہ خزرج نے دشمن خدا اور رسول اللہ ﷺ ابورافع سلام ابن ابو حقیق کے قتل کا بیڑا اٹھایا اور انہوں نے بھی اس معرکہ کیلئے اپنے پانچ آدمیوں کا انتخاب کیا۔ ان لوگوں میں یہ حضرات بھی تھے۔ حضرت عبداللہ ابن عتیکؓ، عبداللہ ابن انیسؓ اور ابو قتادہؓ۔

آنحضرت ﷺ سے اجازت...... پھر ان حضرات نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں اجازت طلب کی یعنی یہ کہ سلام ابن ابو حقیق تک پہنچنے کے لئے کوئی حیلہ کرنے اور موقعہ کے مطابق کچھ کہنے کی اجازت چاہی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس کی اجازت دے دی۔

صحابہ ابورافع کے گھر میں...... آنحضرت ﷺ نے ان صحابہ پر حضرت عبداللہ ابن عتیک کو امیر بنایا اور انہیں حکم دیا کہ کسی عورت اور بچے کو قتل نہ کریں۔ غرض یہ حضرات مدینے سے روانہ ہو کر خیبر پہنچے ور وہاں رات کے اندھیرے میں ابورافع کی حویلی کے احاطہ میں دیوار پھاند کر اتر گئے۔

(احاطہ کے اندر مختلف مکان یعنی کمرے تھے) ان لوگوں نے ہر کمرے کا دروازہ بند کر کے باہر سے زنجیر لگا دی (تاکہ کوئی شخص باہر نہ نکل سکے) ابورافع اوپر کی منزل میں تھا جہاں پہنچنے کے لئے لکڑی کی سیڑھی سے جانا پڑتا تھا۔

ابورافع کی خواب گاہ میں...... صحابہ اس سیڑھی کے ذریعہ اوپر پہنچ گئے اور اس کے کمرے کے دروازے پر جا کھڑے ہوئے

(جس میں ابو رافع تھا) یہاں پہنچ کر ان حضرات نے دروازے پر دستک دی تو ابو رافع کی بیوی نکل کر آئی۔ ان لوگوں کو دیکھتے ہی اس نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا:

"ہم لوگ عرب ہیں اور اشیاء خوردنی کی تلاش میں ہیں۔!"

بیوی سے سوال و جواب...... ایک روایت میں یوں ہے کہ جب یہ لوگ سیڑھی کے ذریعہ اوپر پہنچ گئے تو انہوں نے عبداللہ ابن عتیک کو آگے کر دیا کیونکہ وہ یہودیوں کی زبان بول سکتے تھے۔ انہوں نے دروازے پر دستک دی اور پکار کر کہا کہ میں ابو رافع کے لئے ایک ہدیہ لایا ہوں۔

اس پر ابو رافع کی بیوی نے دروازہ کھولا اور کہا کہ ابو رافع یہاں موجود ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ اندر داخل ہوئے ابو رافع کی بیوی بھی ساتھ ساتھ اندر آئی۔ ان لوگوں نے کمرے میں گھستے ہی اندر سے دروازہ بند کر لیا۔

ابو رافع پر بستر میں حملہ...... یہاں چونکہ اندھیرا تھا اس لئے انہوں نے صرف کپڑوں کی سفیدی اور چمک سے اندازہ کر لیا کہ ابو رافع اپنے بستر میں ہے کیونکہ بستر پر اس کا ہیولی ایک سفید چادر کی صورت میں نظر آرہا تھا۔ ان لوگوں نے ایک دم حملہ کیا اور تلواروں سے اس پر یلغار کر دی۔

بیوی کا شور و غل...... حضرت عبداللہؓ ابن انیس نے اپنی تلوار ابو رافع کے پیٹ پر رکھ کر دبائی اور اسے پار کر دیا۔ ساتھ ہی وہ کہتے جاتے تھے۔ بس۔ بس۔ یہ منظر دیکھ کر ابو رافع کی بیوی نے چیخنا شروع کر دیا (اور آس پاس کے لوگوں کو مدد کے لئے پکارا)۔

عورتوں پر حملہ سے نبی ﷺ کی ممانعت!...... ان صحابہ میں سے بعض راوی کہتے ہیں کہ ابو رافع کی بیوی جب بھی چیختی تو ہم میں سے کوئی نہ کوئی اس پر تلوار بلند کرتا مگر پھر فوراً ہی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ممانعت کو یاد کر کے اپنا ہاتھ گرا دیتا (اور اس کے قتل سے باز رہتا) ایک روایت میں یوں ہے کہ جب اس عورت نے ہتھیاروں کی جھلک دیکھی تو ایک دم گھبرا کر چیخنا چاہا مگر ہم میں سے کسی نے اس کی طرف تلوار گھما کر ڈرایا جس سے خوفزدہ ہو کر اس نے منہ بند کر لیا۔ اس کے بعد ہم نے ابو رافع پر اپنی تلواریں آزمائیں۔

لغزش قدم سے ابن عتیک زخمی...... جب ابو رافع کا کام تمام ہو گیا تو ہم وہاں سے نکلے۔ عبداللہ ابن عتیک کی بینائی کچھ کمزور تھی اس لئے وہ سیڑھی پر سے گر گئے جس سے ان کا پیر مڑ گیا اور بہ بہت زیادہ زخمی ہو گئے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ ان کی ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ پھر روایت کے آخر میں ہے کہ۔ ان کا پاؤں اتر گیا جسے انہوں نے اپنے عمامے سے باندھ دیا۔

اب یہاں ٹانگ کی ہڈی ٹوٹنے اور پاؤں کی روایتوں میں جمع اور موافقت ممکن ہے کیونکہ پاؤں اترنے کا تعلق جوڑ سے ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ ان کی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹی اور اس جھٹکے کی وجہ سے جوڑ پر سے اتر گئی۔ لہٰذا پاؤں اترنے اور ہڈی ٹوٹنے کی وجہ سے وہ سخت زخمی بھی ہو گئے۔

جہاں تک ابن اسحاقؒ کے اس قول کا تعلق ہے کہ سیڑھی پر سے گرنے کی وجہ سے ان کا ہاتھ اتر گیا تھا تو یہ وہم ہے۔ ورنہ صحیح روایت یہی ہے کہ ان کا پاؤں اتر گیا تھا جیسا کہ بیان ہوا۔

سیرت ابن ہشام میں یوں ہے کہ۔ ان کا ہاتھ اتر گیا تھا مگر ایک قول کے مطابق پاؤں اترا تھا۔ مگر کہا جاتا ہے کہ دونوں باتیں پیش آنے میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے۔

کمین گاہ میں صحابہؓ کی روپوشی...... غرض راوی کہتے ہیں کہ ہم عبداللہ ابن عتیک کو زخمی حالت میں اٹھا کر چلے اور ایک جگہ

پہنچ کر چھپ گئے۔ یہ جگہ یہودیوں کے چوپال میں تھی جہاں وہ کوڑا کرکٹ ڈالا کرتے تھے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ یہ لوگ خیبر کے چشموں کی ایک نالی میں چھپ گئے اور اس وقت تک چھپے رہے جب تک کہ لوگوں میں سکون نہیں ہو گیا۔

بہر حال دونوں باتوں میں کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ ابورافع کی بیوی کے شور مچانے پر لوگ اٹھے اور سب نے آگ روشن کی (کیونکہ رات کا وقت تھا اور اندھیرا ہو رہا تھا)۔

قاتل کی تلاش...... پھر لوگ چاروں طرف سے نکل نکل کر آنے لگے (اور قاتلوں کی تلاش شروع ہوئی) یہ لوگ اس وقت تک چھپے رہے جب تک تلاش کرنے والے لوگ مایوس ہو کر واپس نہیں آگئے۔ ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ پھر حارث نامی ایک یہودی تین ہزار آدمیوں کو لے کر قاتلوں کی تلاش میں نکلا۔ ان سب لوگوں کے ہاتھوں میں آگ کی مشعلیں تھیں جس کی روشنی میں یہ قاتلوں کو ڈھونڈ رہے تھے۔ آخر کافی جستجو کے بعد جب یہ لوگ مایوس ہو گئے تو ناکام و نامراد واپس لوٹے اور اس دشمن خدا کی لاش کے پاس پہنچے تو سب اس کے گرد جمع ہو گئے جب کہ وہ آخری ہچکیوں کے ساتھ اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر رہا تھا۔

مقتول کے متعلق تحقیق حال...... ادھر یہ حضرات کہتے ہیں کہ ہم نے اپنی کمین گاہ میں ایک دوسرے سے کہا:

"ہمیں یہ کیسے معلوم ہو کہ وہ دشمن خدا ختم بھی ہو چکا ہے یا نہیں۔!"

ان میں سے ایک شخص نے کہا میں جا کر دیکھتا ہوں اور پتہ لگا کر تمہیں بتلاؤں گا۔ چنانچہ وہ خاموشی سے وہاں سے نکلے اور لوگوں کے ہجوم میں شامل ہو گئے (کیونکہ ادھر تو رات کا وقت تھا اور دوسرے مجمع ہو رہا تھا لہٰذا یہ لوگوں میں رل مل گئے اور کسی کو شبہ نہیں ہوا)۔

بیوی کے شبہات...... یہ صحابی کہتے ہیں کہ موقع پر پہنچ کر میں نے دیکھا کہ ابورافع کی بیوی شوہر پر جھکی ہوئی اسے دیکھ رہی ہے اس کے ہاتھ میں مشعل ہے اور چاروں طرف یہودی کھڑے ہوئے ہیں وہ ان سے کہہ رہی تھی:

"خدا کی قسم میں نے عبداللہ ابن عتیک کی آواز سنی تھی مگر پھر میں نے خود ہی اپنے خیال کو جھٹلا دیا"۔

ابورافع کا دم واپسیں...... اس کے بعد وہ پھر اپنے شوہر کی طرف جھکی اور کہنے لگی:

"افسوس اے یہودیو! اس کی روح پرواز کر چکی ہے۔"

اس کا یہ جملہ میرے لئے سب سے زیادہ خوشگوار تھا' میں یہ سنتے ہی وہاں سے لوٹا اور اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ کر ان کو یہ خبر سنائی۔ اس کے بعد ہم عبداللہ ابن عتیک کو اٹھا کر روانہ ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ جب ابن عتیک کے پاؤں میں چوٹ آگئی تو وہ خود ہی کسی نہ کسی طرح چل کر دروازے پر آکر بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ میں آج رات اس وقت تک واپس مدینے نہیں جاؤں گا جب تک مجھے یہ نہ معلوم ہو جائے کہ ہم ابورافع کو مارنے میں کامیاب ہو گئے ہیں یا نہیں۔

ابورافع کی موت کا اعلان...... آخر صبح کے قریب جب مرغ اذان دے رہے تھے تو یہود میں سے ایک موت کی خبر دینے والا شخص بلند آواز سے یہ اعلان کر رہا تھا:

"میں ابورافع کی موت کی افسوسناک خبر دے رہا ہوں جو حجازیوں کا تاجر تھا۔!"

یہ اعلان سننے کے بعد حضرت عبداللہ ابن عتیک اپنے ساتھیوں کے سہارے وہاں سے روانہ ہوئے اور کہنے لگے:

"اللہ تعالیٰ نے ابو رافع کو ختم کر دیا۔!"

اسکے بعد ان جیالوں کا یہ مختصر سا کارواں مدینے کی طرف تیزی سے رواں دواں ہو گیا۔ اب اس روایت کو گذشتہ روایت کے مقابلے میں دیکھنا چاہیے۔

عرب کا یہ دستور تھا کہ جب ان کا کوئی بڑا آدمی مر جاتا تو ایک شخص گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتا اور مرنے والے (کی موت کا اعلان کر کے اس) کے اوصاف اور خوبیاں بیان کرتا تھا مگر پھر رسول اللہ ﷺ نے اس طریقہ کی ممانعت فرمادی۔

ابن عتیک ساتھیوں کے شانوں پر!...... حضرت عبداللہؓ ابن عتیک کے بارے میں گذشتہ سطروں میں دو روایتیں بیان ہوئی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اپنے ساتھیوں کا سہارا لے کر چلے اور دوسرے یہ کہ ساتھیوں نے ان کو اٹھایا اور لے چلے مگر ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے جب ان کے چوٹ لگی تو ابتداء گرم گھاؤ میں ان کو تکلیف کا احساس نہ ہوا اور وہ خود ہی کسی کے سہارے سے چل پڑے ہوں۔

چنانچہ ایک روایت میں وہ خود کہتے ہیں کہ (چوٹ لگنے کے بعد فوراً) میں ایک دم اٹھ کر چل پڑا مجھے کسی تکلیف اور اذیت کا احساس نہیں ہوا۔ پھر جب وہ اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ گئے اور وہاں سے دوبارہ چلنے کا ارادہ کیا تو انہیں تکلیف کا احساس ہوا چنانچہ اب ان کے ساتھیوں نے انہیں اٹھالیا۔

گذشتہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو رافع سلام ابن ابو حقیق کو قتل کرنے والے تنہا حضرت عبداللہ ابن عتیک تھے۔ بخاری کی روایت میں بھی یہی ہے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ گرنے سے جس شخص کی ٹانگ ٹوٹی وہ حضرت ابو قتادہؓ تھے کیونکہ جب ان لوگوں نے ابو رافع کو قتل کر دیا اور وہاں سے واپس روانہ ہوئے تو حضرت ابو قتادہ اپنی کمان اسی کمرے میں بھول گئے۔ وہ اسے لینے کے لئے واپس آئے اور کمان اٹھا کر جب واپس ہوئے تو ان کے پیر میں چوٹ آگئی جسے انہوں نے فوراً اپنے عمامے سے باندھ دیا اور اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ گئے۔

غرض اسکے بعد ان کے ساتھی مدینہ تک باری باری ان کو اٹھا کر چلتے رہے یہاں تک کہ جب یہ حضرات رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے ان کی چوٹ پر اپنا دست مبارک پھیرا جس سے وہ اسی وقت ٹھیک ہو گئی۔

آنحضرت ﷺ کو اطلاع...... (قال) جب رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دیکھا تو فرمایا:

"یہ چہرے روشن ہو گئے۔!"

اصلی قاتل کون تھا...... ہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ کا چہرہ مبارک ہی روشن و تابناک ہے۔ پھر ہم نے آپ کو اس دشمن خدا کی قتل کی اطلاع دی مگر آپ کے سامنے اس کو قتل کرنے والے کے متعلق ہم میں اختلاف ہو گیا کہ اس کا قاتل کون ہے؟ ہم میں سے ہر ایک اس کا دعویدار تھا کہ میں نے اسے قتل کیا ہے۔ آخر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"اچھا اپنی تلواریں مجھے لا کر دکھلاؤ۔!"

آنحضرت ﷺ کا فیصلہ...... چنانچہ ہم سب نے اپنی اپنی تلواریں آپ کو دیں۔ آپ نے سب تلواروں کو دیکھا اور عبداللہ ابن انیس کی تلوار کو دیکھ کر فرمایا:

"یہ تلوار ہے جس نے اسے قتل کیا ہے۔ اس پر میں کھانے کے نشانات دیکھ رہا ہوں۔!"

(کیونکہ ابو رافع سلام ابن ابو حقیق کے پیٹ میں تلوار مار کر ہلاک کیا گیا تھا لہٰذا جو تلوار اس کے پیٹ میں گھونپی گئی اس پر

کھانے کا لگا ہونا ظاہر ہے اس لئے کہ تلوار اس کے معدہ سے ہو کر گزری تھی اور معدہ میں جو کچھ کھانا بھرا ہوا تھا وہ تلوار پر لگا)۔

(قال) مگر صحیح حدیث سے جو ثابت ہے وہ یہ کہ اس کو تنہا عبداللہ ابن عتیک کے وار نے قتل کیا تھا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ نیز یہ کہ قتل کے وقت وہ دشمن خدا سر زمین حجاز کے ایک قلعہ یا گڑھی میں تھا۔ مگر اس سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا کیونکہ خیبر بھی سر زمین حجاز میں ہی ہے۔ یعنی خیبر۔ حجاز کی نواحی بستیوں میں سے ہے۔

خیبر کے قریب کمین گاہ...... خیبر جاتے ہوئے جب یہ حضرات بستی کے قریب پہنچے تو سورج غروب ہو چکا تھا اور لوگ اپنے اپنے بسیروں میں پہنچ چکے تھے اس وقت حضرت عبداللہ ابن عتیک نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

"تم لوگ اسی جگہ ٹھہر جاؤ میں جا کر پھاٹک کے چوکیدار کو ہموار کرنے کی کوشش کرتا ہوں ممکن ہے کسی طرح میں شہر میں داخل ہونے میں کامیاب ہو سکوں۔!"

ابن عتیک کی تدبیر...... چنانچہ ابن عتیک وہاں سے چل کر پھاٹک کے پاس پہنچے وہاں پہنچ کر وہ ایک طرف بیٹھ گئے اور اپنے اوپر اس طرح چادر لپیٹ لی جیسے قضائے حاجت کے لئے بیٹھے ہیں۔ اس وقت تقریباً سب لوگ شہر کے اندر داخل ہو چکے تھے (اور پھاٹک بند کرنے کا وقت آ پہنچا تھا)۔

پہریدار نے جب ایک شخص کو قضائے حاجت میں مصروف دیکھا تو (اس نے دروازہ بند کرنے سے پہلے) ان کو اسی طرح آواز دی جیسے اپنے آدمی کو پکارا جاتا ہے۔ وہ ان کو حویلی کا آدمی ہی سمجھا۔ اس نے کہا:

"اگر تمہیں اندر آنا ہے تو جلد آ جاؤ کیونکہ میں پھاٹک بند کرنے والا ہوں۔!"

شہر میں داخلہ...... چنانچہ حضرت عبداللہؓ جلدی سے اندر آ گئے اور ایک طرف چھپ گئے۔ اس کے بعد پہریدار نے پھاٹک بند کیا اور چابیاں ایک طرف لٹکا دیں۔ ابن عتیک کہتے ہیں کہ میں نے چابیاں اٹھائیں اور دروازہ کھول دیا (جس پر باقی ساتھی بھی اندر آ گئے)۔

ابو رافع داستان گوؤں کے ساتھ...... اس وقت ابو رافع کے پاس داستان گو بیٹھے ہوئے قصہ گوئی کر رہے تھے۔ جب اس کے پاس سے داستان گو چلے گئے تو میں اوپر گیا۔ راستے میں میں جو دروازہ بھی کھول کر داخل ہوتا اس کی زنجیر اندر سے لگا دیتا (تاکہ کوئی دوسرا شخص داخل نہ ہو سکے)۔ آخر میں ابو رافع کی خوابگاہ میں پہنچ گیا وہ ایک تاریک کمرے میں تھا اور اپنے بچوں کے درمیان لیٹا ہوا تھا مگر میں نہ سمجھ سکا کہ وہ کس جگہ ہے۔ آخر میں نے اسے آواز دے کر کہا: ابو رافع! اس نے کہا: کون ہے؟

ابن عتیک کے دو ناکام حملے...... اس کی آواز سے مجھے سمت کا اندازہ ہو گیا اور میں اسی طرف بڑھا جس طرف سے آواز آئی تھی۔ میں نے اس کے قریب پہنچتے ہی اس پر تلوار کا وار کیا مگر وار اوچھا پڑا اور وہ محفوظ رہا۔ اس کی ایک زبردست چیخ بلند ہوئی اور میں اسی وقت کمرے سے نکل گیا۔

اسی وقت ابو رافع کی بیوی نے شوہر سے کہا:

"ابو رافع۔ یہ آواز بالکل عبداللہ ابن عتیک کی تھی۔!"

ابو رافع نے کہا:

"تیرا ناس ہو عبداللہ ابن عتیک یہاں کہاں ر ہے۔!"

ابن عتیک کہتے ہیں یہ سن کر میں پھر ابو رافع کی خوابگاہ میں گیا اور میں نے اس کو پکار کر کہا:

"ابو رافع یہ کیسی آواز تھی؟"

ابو رافع نے کہا:

"ارے تمہارا برا ہو کسی شخص نے کمرے کے اندر آ کے مجھ پر تلوار کا وار کیا ہے۔!"

میں نے اس کی آواز سے پھر سمت کا اندازہ کیا اور بڑھ کر پھر اس پر حملہ کیا مگر یہ حملہ بھی ناکام رہا۔ اب میں فوراً پلٹا اور دوبارہ اس طرح کمرے میں گیا جیسے اس کی آواز پر مدد کے لئے آیا ہوں۔ میں آواز بدل کر بولتا ہوا کمرے میں گھسا۔

تیسرا کامیاب حملہ...... اس وقت ابو رافع فرط خوف و دہشت سے زمین پر چت پڑا ہوا تھا میں نے آتے ہی تلوار اس کے پیٹ پر رکھی اور اسے آر پار کر دیا۔ یہاں تک کہ اس کی ہڈیاں کڑکڑانے کی آواز سنائی دی۔ میں فوراً کمرے سے نکلا اور سیڑھی پر پہنچ کر نیچے اترنے لگا۔

مگر میں سیڑھی پر توازن برقرار نہ رکھ سکنے کی وجہ سے گر پڑا جس سے میرا پیر ٹوٹ گیا۔ میں نے اسے اپنے عمامے سے باندھا اور اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ کر ان سے کہا:

"قصہ پاک ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ابو رافع کو ختم کر دیا۔"

اس کے بعد میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو تفصیل بتلائی (میرے پیر کی چوٹ کا حال سن کر) آپ نے فرمایا کہ اپنا پاؤں پھیلاؤ۔ پھر آپ نے اس پر اپنا دست مبارک پھیرا تو مجھے ایسا لگا جیسے اس پیر میں کبھی کوئی تکلیف ہی نہیں تھی اور پاؤں اسی وقت ایسا ٹھیک ہو گیا جیسا کہ پہلے تھا۔ یہ روایت بخاری کی ہے۔

مگر اس میں اشکال ہے کہ ایک دوسری روایت کے مطابق ابن عتیک کہتے ہیں کہ۔ جب میں نے ابو رافع کے پیٹ پر تلوار رکھ کر دبائی یہاں تک کہ اس کی ہڈیاں کڑکڑانے کی آواز آئی تو میں لوگوں کے آجانے کے خوف سے باہر نکلا اور سیڑھی کے پاس پہنچا۔ یہ وہی سیڑھی تھی جس سے چڑھ کر میں اوپر آیا تھا۔ میں نے سیڑھی کے ذریعہ نیچے اترنا چاہا تو اس پر سے گر پڑا اور میرا پیر اتر گیا جسے میں نے اپنے عمامے سے باندھ دیا اور لنگڑاتا ہوا اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور ان سے بولا:

"جاؤ اور جا کر رسول اللہ ﷺ کو یہ خوش خبری سنا دو۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں اس وقت تک یہاں سے نہیں ہلوں گا جب تک کہ ابو رافع کی موت کا اعلان نہ سن لوں۔!"

چنانچہ صبح سویرے ہی موت کی خبر دینے والا اٹھا اور اس نے کہا کہ میں ابو رافع کی موت کا اعلان کرتا ہوں۔ یہ سن کر میں بھی جس طرح بن سکا اٹھ کر چل پڑا اور اس سے پہلے کہ میرے ساتھی رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچیں میں ان سے مل گیا اور پھر میں نے ہی آپ کو یہ خوشخبری سنائی۔

سیرت دمیاطی میں یوں ہے کہ یہ حضرات جس جگہ آکر چھپے تھے وہاں دو دن تک چھپے رہے یہاں تک کہ جب ان کی تلاش ختم کر دی گئی تو یہ وہاں سے نکل کر واپس ہوئے۔ بہر حال اس اختلاف کے پیش نظر روایات میں موافقت قابل غور ہے۔

سریہ زیدؓ ابن حارثہ

مقام سریہ...... یہ سریہ قردہ کی طرف بھیجا گیا۔ یہ لفظ ق پر زبر کے ساتھ ہے۔ ایک قول کے مطابق یہ لفظ ق کے بجائے ف سے فردہ ہے اور ف پر زیر اور ر پر سکون یعنی فردہ ہے کتاب اصل نے دوسرے قول کو پہلے پر مقدم کیا ہے۔

فتح بدر کے بعد قریش کی بے اطمینانی...... یہ دراصل ایک چشمہ کا نام تھا۔ اس سریہ کا سبب یہ تھا کہ غزوۂ بدر میں شکست کھانے کے بعد قریش کے لوگ اپنے اس تجارتی راستے کی طرف سے بے اطمینانی کا شکار ہو گئے جس سے ہو کر وہ ملک شام کو جایا کرتے تھے جو بدر کے مقام سے ہو کر گزرتا تھا۔

قریش کا نیا تجارتی راستہ...... اسی خطرہ کے پیش نظر قریش نے سفر کیلئے دوسرا راستہ اختیار کیا جو عراق سے ہو کر گزرتا تھا چنانچہ قریش کا ایک تجارتی قافلہ ملک شام کیلئے روانہ ہوا جس میں بہت زیادہ مال و دولت تھا یہ لوگ اسی نئے راستے سے روانہ ہوئے۔

کاروان تجارت...... انہوں نے ایک شخص سے معاملہ کیا کہ وہ قافلہ کی رہبری کرے۔ اس قافلے میں قریش کے بڑے بڑے سردار شامل تھے جیسے ابوسفیان، صفوان ابن امیہ، عبداللہ ابن ربیعہ اور حویطب ابن عبد العزیٰ۔

مسلم دستہ کا کوچ...... (رسول اللہ ﷺ کو جب اس قافلہ کے کوچ کا حال معلوم ہوا تو آنحضرت ﷺ نے ایک سو سواروں کے ساتھ حضرت زیدؓ ابن حارثہ کو اس قافلے پر چھاپہ مارنے کے لئے روانہ کیا۔ حضرت زید ابن حارثہ کا یہ پہلا سریہ تھا جس میں وہ امیر کی حیثیت سے بھیجے گئے۔

کامیاب چھاپہ...... قردہ نامی اسی چشمہ پر اس مسلم دستہ کا سامنا قریشی قافلے سے ہوا۔ مسلم دستے نے قافلہ پر چھاپہ مار کر اسے قبضہ میں کیا۔ مگر قریش کے لوگ بچ کر بھاگ جانے میں کامیاب ہو گئے۔ تاہم مسلمانوں نے قافلے کے رہبر کو پھر گرفتار کر لیا (جو پہلے ہی ان کا بھاگا ہوا قیدی تھا)۔

زبردست مال غنیمت...... اس کامیاب مہم کے بعد حضرت زید ابن حارثہ اس تجارتی مال و دولت کیساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے اس مال کے پانچ حصے کئے پانچواں حصہ جو علیحدہ کیا گیا صرف اسکی قیمت بیس ہزار درہم متعین ہوئی۔

قیدی رہبر کا اسلام...... پھر یہ قیدی آنحضرت ﷺ کے سامنے فوراً پیش کیا گیا۔ اس کو یہ پیشکش کی گئی کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو تمہیں قتل نہیں کیا جائے گا وہ شخص فوراً مسلمان ہو گیا جس پر آنحضرت ﷺ نے اس کو رہا کر دیا۔ اس کے بعد وہ ہمیشہ ایک سچا اور اچھا مسلمان ثابت ہوا۔

سریہ ابو سلمہ عبداللہ بن عبدالاسد

ابوسلمہؓ کی نبی سے رشتہ داری...... یہ حضرت ابوسلمہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپی برہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے تھے اور آنحضرت ﷺ کے رضاعی یعنی دودھ شریک بھائی تھے کیونکہ حضرت ثوبیہ نے آنحضرت ﷺ اور ابوسلمہ دونوں کو دودھ پلایا تھا جیسا کہ اس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے۔

بنی اسد کے خلاف مہم...... یہ سریہ قطن کی طرف بھیجا گیا تھا۔ یہ قطن ایک پہاڑ کا نام تھا۔ ایک قول کے مطابق بنی اسد کے ایک چشمہ کا نام تھا (مطلب یہ ہے کہ ان دنوں اس چشمہ پر قبیلہ بنی اسد کا پڑاؤ تھا کیونکہ عرب کے بدوی قبائل اس زمانہ میں اس طرح خانہ بدوشی کی زندگی گزارتے تھے اور جہاں پانی کا چشمہ ہوتا تھا وہیں مدتوں اپنی بستی آباد رکھتے تھے)۔

طلیحہ کی جنگی تیاریاں...... اس سریہ کا سبب یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو اطلاع ملی کہ خویلد کے لڑکے طلیحہ اور سلمہ اپنی قوم اور اپنے حلیفوں میں گھوم رہے ہیں ان لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف بھڑکا کر جنگ پر آمادہ کر رہے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کو اطلاع...... آنحضرت ﷺ کو یہ اطلاع قبیلہ بنی طے کے ایک شخص نے دی جو اپنی بھتیجی سے ملنے کیلئے

بعث عبد اللہ ابن انیس

سفیان کے جنگی ارادے..... یہ بعث یا سریہ سفیان ابن خالد ہذلی ثم لحیانی کی طرف بھیجا گیا تھا اس کا سبب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ اس شخص یعنی سفیان نے آپ کے مقابلہ کیلئے لشکر جمع کیا ہے' چنانچہ آپ نے اس کے قتل کیلئے حضرت عبد اللہ ابن انیس کو بھیجا۔

سفیان کی ہیبت ناک شخصیت..... عبد اللہ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے اس کا حلیہ بتلایئے۔ آپ نے فرمایا:

"جب تم اس کو دیکھو گے تو تم پر ہیبت چھا جائے گی اور خوفزدہ ہو کر تم کو شیطان یاد آجائے گا۔!"

عبد اللہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں تو کبھی کسی چیز سے نہیں ڈرا۔ آپ نے فرمایا:

"نہیں۔ اسے دیکھ کر تمہارے بدن میں یقیناً کپکپی لگ جائے گی۔!"

سفیان کے خلاف مہم..... عبد اللہ ابن انیس کہتے ہیں کہ اس پر میں نے رسول اللہ ﷺ سے موقعہ کے مطابق حیلہ کرنے کی اجازت چاہی تو آپ نے اجازت دے دی اور فرمایا کہ جو دل چاہے کہہ سکتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ میں اپنے آپ کو بنی خزاعہ میں سے ظاہر کروں گا۔

عبد اللہؓ کا کوچ..... ابن انیس کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں روانہ ہو گیا یہاں تک کہ جب میں عرفہ کے مقام پر پہنچا جو عرفہ کے قریب ایک وادی کا نام ہے تو میں نے اسے لاٹھی کے سہارے چلتا ہوا دیکھا اور اس کے چلنے سے زمین پر دھمک ہو رہی تھی اس کے پیچھے پیچھے مختلف قبیلوں کے وہ لوگ تھے جو اس سے وابستہ ہو گئے تھے۔

عبد اللہ پر سفیان کی ہیبت..... آنحضرت ﷺ نے اس کے متعلق مجھے جو کچھ بتلایا تھا اس کی وجہ سے میں اسے فوراً پہچان گیا کیونکہ اسے دیکھتے ہی مجھ پر ہیبت چھا گئی جب کہ میں کبھی کسی سے نہیں ڈرتا تھا۔ چنانچہ میں نے دل میں کہا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سچ کہا تھا۔

یہ عصر کی نماز کا وقت تھا اس لئے مجھے ڈر ہوا کہ اگر ابھی میرے اور اس کے درمیان مقابلہ ہو گیا تو کہیں میری عصر کی نماز نہ رہ جائے اس لئے میں نے پہلے نماز ادا کر لی اور پھر اس کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ ساتھ ہی میں اپنے سر سے اس کو اشارہ بھی کرتا جاتا تھا۔

سفیان سے ملاقات اور فریب..... آخر میں اس کے پاس پہنچا تو اس نے پوچھا تم کون ہو؟

میں نے کہا:

"میں بنی خزاعہ میں سے ہوں۔ میں نے سنا تھا کہ تم محمد ﷺ کے مقابلے کے لئے جمعیت فراہم کر رہے ہو اس لئے میں بھی تمہارے ساتھ شامل ہونے کے واسطے آیا ہوں۔!"

عبد اللہ سفیان کی گروہ میں..... اس نے کہا بے شک میں محمد ﷺ کے مقابلے کے لئے لشکر جمع کر رہا ہوں چنانچہ اس کے بعد میں کچھ دیر تک خاموشی سے اس کے ساتھ چلتا رہا پھر میں نے اس سے باتیں شروع کیں تو اس نے میری باتوں میں بہت

بعث عبداللہ ابن انیس

سفیان کے جنگی ارادے...... یہ بعث یا سریہ سفیان ابن خالد ہذلی ثم لحیانی کی طرف بھیجا گیا تھا اس کا سبب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ اس شخص یعنی سفیان نے آپ کے مقابلہ کیلئے لشکر جمع کیا ہے' چنانچہ آپ نے اس کے قتل کیلئے حضرت عبداللہ ابن انیس کو بھیجا۔

سفیان کی ہیبت ناک شخصیت...... عبداللہ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ مجھے اس کا حلیہ بتلایئے۔ آپ نے فرمایا:

"جب تم اس کو دیکھو گے تو تم پر ہیبت چھا جائے گی اور خوفزدہ ہو کر تم کو شیطان یاد آجائے گا۔!"

عبداللہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میں تو کبھی کسی چیز سے نہیں ڈرا۔ آپ نے فرمایا:

"نہیں۔ اسے دیکھ کر تمہارے بدن میں یقیناً کپکپی لگ جائے گی۔!"

سفیان کے خلاف مہم...... عبداللہ ابن انیس کہتے ہیں کہ اس پر میں نے رسول اللہ ﷺ سے موقعہ کے مطابق حیلہ کرنے کی اجازت چاہی تو آپ نے اجازت دے دی اور فرمایا کہ جو دل چاہے کہہ سکتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ میں اپنے آپ کو بنی خزاعہ میں سے ظاہر کروں گا۔

عبداللہؓ کا کوچ...... ابن انیس کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں روانہ ہو گیا یہاں تک کہ جب میں عرفہ کے مقام پر پہنچا جو عرفہ کے قریب ایک وادی کا نام ہے تو میں نے اسے لاٹھی کے سہارے چلتا ہوا دیکھا اور اس کے چلنے سے زمین پر دھمک ہو رہی تھی اس کے پیچھے پیچھے مختلف قبیلوں کے وہ لوگ تھے جو اس سے وابستہ ہو گئے تھے۔

عبداللہ پر سفیان کی ہیبت...... آنحضرت ﷺ نے اس کے متعلق مجھے جو کچھ بتلایا تھا اس کی وجہ سے میں اسے فوراً پہچان گیا کیونکہ اسے دیکھتے ہی مجھ پر ہیبت چھا گئی جب کہ میں کبھی کسی سے نہیں ڈرتا تھا۔ چنانچہ میں نے دل میں کہا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سچ کہا تھا۔

یہ عصر کی نماز کا وقت تھا اس لئے مجھے ڈر ہوا کہ اگر ابھی میرے اور اس کے درمیان مقابلہ ہو گیا تو کہیں میری عصر کی نماز نہ رہ جائے اس لئے میں نے پہلے نماز ادا کر لی اور پھر اس کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ ساتھ ہی میں اپنے سر سے اس کو اشارہ بھی کرتا جاتا تھا۔

سفیان سے ملاقات اور فریب...... آخر میں اس کے پاس پہنچا تو اس نے پوچھا تم کون ہو؟

میں نے کہا:

"میں بنی خزاعہ میں سے ہوں۔ میں نے سنا تھا کہ تم محمد ﷺ کے مقابلے کے لئے جمعیت فراہم کر رہے ہو اس لئے میں بھی تمہارے ساتھ شامل ہونے کے واسطے آیا ہوں۔!"

عبداللہ سفیان کی گروہ میں...... اس نے کہا بے شک میں محمد ﷺ کے مقابلے کے لئے لشکر جمع کر رہا ہوں چنانچہ اس کے بعد میں کچھ دیر تک خاموشی سے اس کے ساتھ چلتا رہا پھر میں نے اس سے باتیں شروع کیں تو اس نے میری باتوں میں بہت

زیادہ دلچسپی لی۔ ان ہی باتوں میں میں نے اس سے کہا:

"مجھے حیرت ہے کہ آخر محمد ﷺ نے یہ نیا دین کیوں جاری کیا کہ اپنے باپ دادا کا دین چھوڑا اور ان کو بے وقوف ثابت کرنا شروع کر دیا۔!"

سفیان ابن خالد نے کہا:

سفیان کا طنطنہ...... "محمد ﷺ کو ابھی تک دراصل کوئی مجھ جیسا نہیں ملا۔ اب تک ایسے ہی لوگ ملے جو جنگ و پیکار کے ماہر نہیں تھے۔!"

آخر جب وہ اپنے خیمہ پر پہنچ گیا اور اس کے ساتھی ادھر ادھر چلے گئے تو وہ مجھ سے کہنے لگا:

"اے خزاعی بھائی۔ ذرا یہاں آجاؤ۔!"

عبداللہ سفیان کا سر اتار کر فرار...... میں اس کے قریب آیا تو وہ بولا بیٹھ جاؤ۔ میں اس کے پاس ہی بیٹھ گیا (اور یہ باتیں کرتے رہے) یہاں تک کہ جب ہر طرف رات کا سناٹا چھا گیا اور لوگ سو گئے تو میں نے اچانک اٹھ کر اس کو قتل کر ڈالا اور اس کا سر اتار کر وہاں سے نکل بھاگا۔

حفاظت خداوندی...... میں وہاں سے نکل کر ایک قریبی پہاڑ کے غار میں جا چھپا اور (خدا کی قدرت سے) ایک مکڑی نے اسی وقت غار کے منہ پر جالا تان دیا (کہ اگر کوئی شخص غار کے دہانے پر آ بھی جائے تو اس پر جالے دیکھ کر یہ سمجھے کہ اس غار میں مدتوں سے کوئی آدمی داخل نہیں ہوا)۔

تلاش اور ناکامی...... (غرض جب لوگوں کو سفیان کے قتل کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے قاتل کی تلاش شروع کی اور) کچھ لوگ تلاش کرتے ہوئے اس غار تک آئے مگر انہیں کچھ نہ ملا اس لئے مایوس ہو کر وہ لوگ وہاں سے واپس چلے گئے (کیونکہ مکڑی کے جالے کی وجہ سے یہاں کسی کے ہونے کا گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا)۔

مدینے میں واپسی...... اس کے بعد میں غار سے نکل کر روانہ ہوا۔ میں راتوں کو سفر کرتا اور دن میں کہیں چھپا رہتا۔ آخر مدینے پہنچا تو آنحضرت ﷺ مجھے مسجد نبوی میں ہی ملے آپ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا کہ یہ چہرہ روشن ہو گیا۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ کا چہرہ انور ہی روشن و تابناک ہے۔

سفیان کا سر اور عصا...... پھر میں نے سفیان ابن خالد ھذلی کا سر آپ کے سامنے ڈال دیا اور آپ کو ساری تفصیل سنائی۔ آپ نے سفیان کا عصا میرے حوالے کیا اور فرمایا:

"جنت میں تم یہی عصا لئے ملنا۔!"

جنتی عصا...... یعنی وہاں اسی عصا کے سہارے چلنا کیونکہ جنت میں عصا والے لوگ بہت کم ہوں گے غرض اس کے بعد یہ عصا ہمیشہ عبداللہ ابن انیس کے پاس رہا یہاں تک کہ جب ان کا آخر وقت آیا تو انہوں نے اپنے گھر والوں کو اس کے متعلق وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ عصا میرے کفن کے اندر اس طرح رکھ دینا کہ یہ میرے جسم اور کفن کے درمیان رہے۔ چنانچہ گھر والوں نے اس وصیت کی تعمیل کی۔

عربی میں خصر کے معنی عصا کے سہارے چلنے کے ہیں اور مخصرہ عصا اور ٹیکی کو کہتے ہیں چنانچہ کتاب قاموس میں عبداللہ ابن انیس کو ذو والمخصرہ کہا گیا ہے۔ یہ لفظ مخصرہ مکنسہ کے وزن پر ہے۔

آنحضرت ﷺ اور دشمنان اسلام کے سر...... (اس واقعہ اور کعب ابن اشرف کے قتل کی ان تفصیلات سے علامہ زہری کے اس قول کی تردید ہو جاتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ میں کبھی کسی مقتول کا سر نہیں لایا گیا۔ البتہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت کے زمانے میں ان کے پاس ایک مقتول کا سر لایا گیا مگر انہوں نے بھی اس بات کو ناپسند کیا۔

مقتولین کے سر اور خلفاء...... سب سے پہلے خلیفہ جن کے پاس مقتول کے سر لائے گئے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ ہیں (جنہوں نے مکے میں اپنی خلافت کا اعلان کر دیا تھا اور جس کی تفصیل گزر چکی ہے) یہاں ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ جب حضرت حسینؓ اور آنحضرت ﷺ کے دوسرے اہل بیت قتل کئے گئے تو ملعون ابن زیاد نے ان کے سر یزید ابن معاویہ کے پاس بھیجے تھے جب کہ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے خلافت کی بیعت یزید کی موت کے بعد اور اس کے بیٹے معاویہ ابن یزید ابن معاویہ کی مدت خلافت گزرنے کے بعد ہی لی تھی۔ معاویہ ابن یزید نے خود ہی خلافت سے دست برداری دے دی تھی۔ اس کی مدت خلافت چالیس دن ہوئی (مگر یہ روایت درست نہیں ہے)۔

غالباً حضرت حسینؓ اور ان کے رفقاء کے سر عبداللہ ابن حمق کا سر بھیجے جانے سے پہلے بھیجے گئے تھے' لہٰذا اب یہ بات علامہ ابن جوزی کے اس قول کے خلاف نہیں رہتی جس کے مطابق اسلام کے زمانے میں سب سے پہلے جس مسلمان کا سر اتار کر بھیجا گیا وہ عبداللہ ابن ابو حمق تھا۔

اس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ اس کو کسی کیڑے نے کاٹ لیا تھا جس سے یہ مر گیا اس پر قاصدوں کو ڈر ہوا کہ کہیں ہم پر الزام نہ آئے اس لئے وہ اس کا سر کاٹ کے لے آئے۔

پھر میں نے علامہ ابن جوزی کی کتاب کا مطالعہ کیا جو لکھتے ہیں کہ ابن حبیب کے قول کے مطابق امیر معاویہ نے عمرو ابن ابی حمق کا سر ایک جگہ نصب کرایا تھا اور یزید ابن معاویہ نے حضرت حسینؓ کا سر نصب کرایا تھا۔

گذشتہ سطروں میں علامہ زہری کا قول گزرا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس مدینہ میں کسی کا سر نہیں لایا گیا۔ یہ بات کتاب نور کے اس قول کے خلاف نہیں ہے جو غزوۂ بدر کے بیان میں گزرا ہے کہ کتنے ایسے سر ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے سامنے لائے گئے کیونکہ ان میں سے کوئی بھی آنحضرت ﷺ کے پاس مدینے میں نہیں لایا گیا۔ یہ بات اس شبہ کی بنیاد پر ہے کہ غزوۂ بدر کے دن آپ کے سامنے سوائے ابو جہل کے کسی کا سر نہیں لا گیا گیا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

سریۂ رجیع

قریش کی طرف سے اسلامی جاسوسی...... کتاب اصل میں اس کو سریہ کی بجائے بعث کہا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جاسوس مکے کی طرف روانہ فرمائے جو قریش کی خبریں معلوم کرنے اور آنحضرت ﷺ کو وہ اطلاعات پہنچانے کے لئے روانہ کئے گئے تھے۔

آپ نے ان لوگوں پر حضرت عاصم ابن ثابت کو امیر بنایا۔ ان کو ابن ابوالح فلح بھی کہا جاتا تھا۔ ایک قول ہے کہ ان پر مرثد غنوی کو امیر بنایا گیا تھا جو آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت حمزہ کے حلیف تھے۔ اس لفظ مرثد میں م پر زبر اور ر پر سکون ہے اور لفظ غنوی میں پہلا حرف غ ہے۔

مسلم جاسوسوں کا کوچ...... غرض رسول اللہ ﷺ نے جن دس جاسوسوں کو مکے روانہ فرمایا ان میں عبداللہ ابن طارق اور خبیب ابن عدی بھی تھے' یہ خبیب تصغیر کا وزن ہے یہ لفظ خب سے بنا ہے جسکے معنی ہیں چالباز لوگوں کیساتھ فریب کرنے والا۔

خبیب، زید و عبد اللہ جاسوسوں میں...... اسی طرح ان حضرات میں زیدؓ ابن دشنہ بھی تھے۔ یہ دراصل لفظ ندشہ کو الٹا کیا ہے جس کے معنی گوشت کی نرمی یا ڈھیلے پن کے ہیں۔

سفیان صحابہ کے تعاقب میں...... غرض یہ حضرات مدینہ سے روانہ ہوئے یہاں تک کہ رجیع کے مقام پر پہنچ گئے۔ یہ رجیع قبیلہ ہذیل کے ایک چشمہ کا نام تھا یہاں انہیں سفیان ابن خالد ہذلی ملا جس کو بعد میں حضرت عبد اللہ ابن انیس نے قتل کیا اور جس کا سر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے تھے جیسا کہ بیان ہوا۔

سفیان کے ساتھیوں کی جمعیت...... ان صحابہ کو دراصل سفیان اور اس کی قوم کے لوگوں نے دیکھ لیا جو بنی لحیان سے تھے کیونکہ بنی لحیان ان ہی میں سے کہلاتے تھے سفیان اور اس کے ساتھیوں کی تعداد سو کے قریب تھی اور یہ سب لوگ تیر انداز یعنی تیر و ترکش سے لیس تھے۔ یہی بات بخاری میں بھی ہے کہ یہ لوگ سو کے قریب تھے۔

سفیان صحابہ کے سر پر...... ان لوگوں نے صحابہ کا پیچھا کرنا شروع کیا اور ان کے قدموں کے نشانات دیکھتے ہوئے چلے۔ یہاں تک کہ ایک جگہ جہاں صحابہ نے پڑاؤ کیا تھا ان لوگوں کو کھجور کی گٹھلیاں ملیں۔ سفیان کے ساتھیوں میں ایک عورت بھی تھی جو بکریاں چرایا کرتی تھی اس عورت نے اس جگہ کھجور کی گٹھلیاں پڑی دیکھیں تو وہ پہچان گئی کہ یہ مدینے کی کھجور کی گٹھلیاں ہیں۔

اب اس نے چیخ کر تمام لوگوں کو خبر دی کہ بس یہ سمجھو کہ تم لوگ اپنے شکار کے قریب پہنچ گئے ہو۔ یہ سن کر سب لوگوں نے ان کے نشانات دیکھتے ہوئے تیزی کے ساتھ بڑھنا شروع کیا یہاں تک کہ اس جگہ یعنی رجیع کے مقام پر ان صحابہ کو جا لیا۔

صحابہ کی پہاڑ پر پناہ...... جب صحابہ نے دیکھا کہ مشرکین سر پر آ پہنچا ہے تو وہ ایک قریبی پہاڑ پر چڑھ کر چھپ گئے۔ سفیان اور اس کے ساتھیوں نے ان لوگوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور پکار کر کہا:

"تم لوگ نیچے اتر آؤ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تمہیں قتل نہیں کریں گے۔!"

امان کی پیشکش...... اس پر حضرت عاصمؓ نے کہا:

"جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں کسی کافر کی امان لے کر ہرگز نہیں اتروں گا۔!"

عاصم مقابلے میں...... اس جواب پر ان لوگوں نے تیر اندازی شروع کر دی یہاں تک کہ حضرت عاصمؓ قتل ہو گئے نیز ان کے ساتھ چھ آدمی اور بھی قتل ہو گئے۔ حضرت عاصم نے آخر تک مقابلہ کیا اور وہ تیر اندازی کے دوران کچھ شعر پڑھتے جاتے تھے جن میں سے چند یہ ہیں ۔

اَلْموت حَقٌّ وَ الحَيَاتُ بَاطِلٌ
وَكُلّ مَاقضٰی الالٰہُ نَازِل

ترجمہ: موت برحق ہے اور زندگی باطل

اور آدمی کے لئے جو مصیبتیں مقدر ہو چکی ہیں وہ یقیناً آ کر رہیں گی۔

بالْمَرءِ وَالْمَرءِ اِلَيه أيلٌ

بلکہ آدمی خود ان مصیبتوں کی طرف بڑھتا اور ان میں مبتلا ہوتا ہے۔

عاصمؓ کی مایوسی اور دعا...... حضرت عاصم برابر ان لوگوں پر تیر اندازی کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے تیروں کا ذخیرہ ختم ہو گیا۔ اس کے بعد انہوں نے ان پر نیزہ سے حملہ کیا اور اس وقت تک نیزہ بازی کرتے رہے جب تک کہ نیزہ بھی نہیں ٹوٹ

گیا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی تلوار سونت لی اور یہ دعا کی:
"اے اللہ! میں نے روزِ روشن میں تیرے دین کی حمایت کی پس تو آخر دن تک میرے گوشت یعنی میرے جسم کی حمایت و حفاظت فرما۔!"

خبیب، زید و عبداللہ امان کے فریب میں...... ادھر صحابہ میں سے تین آدمی دشمن کی طرف سے امان کے وعدے پر نیچے اتر آئے تھے یعنی حضرت خبیبؓ، حضرت زیدؓ اور حضرت عبداللہ ابن طارقؓ۔ جب یہ لوگ مشرکین کے قبضہ میں آگئے تو انہوں نے اپنا چولہ اتار دیا اور حضرت خبیب اور حضرت زید کو رسیوں سے باندھ لیا۔

عبداللہ کا احتجاج اور مقابلہ...... "یہ تمہاری پہلی غداری ہے کہ تم نے اللہ کے نام پر کیا ہوا وعدہ توڑ دیا خدا کی قسم اگر ان مقتولین کا جذبہ میرے لئے کوئی نمونہ اور سبق ہے تو میں ہرگز تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔!"

اس پر انہوں نے ان کو رام کرنے کی بہت کوشش کی مگر حضرت عبداللہ نے ان کی کوئی بات نہیں مانی آخر ان لوگوں نے انہیں قتل کر دیا جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت ہے۔

مگر ایک قول کے مطابق حضرت عبداللہ ان کے ساتھ چلتے رہے وہ انہیں مکے لئے جا رہے تھے۔

عبداللہ پر سنگ باری اور قتل...... جب یہ لوگ مرظہران کے مقام پر پہنچے تو حضرت عبداللہ نے ان سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا پھر انہوں نے اپنی تلوار لی اور ان لوگوں سے کچھ فاصلے پر ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ آخر مشرکین نے ان پر پتھر برسانے شروع کئے یہاں تک کہ انہیں قتل کر دیا۔

خبیب و زید بحیثیت قیدی مکہ میں...... اس کے بعد وہ لوگ حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ کو لے کر روانہ ہوئے اور ذی قعدہ کے مہینے میں ان کے ساتھ مکے میں داخل ہوئے۔ مکہ میں قبیلہ بنی ھذیل کے دو آدمی قید تھے لہٰذا ان لوگوں نے ان دونوں قیدیوں کو قریش کے حوالے کر کے اپنے قیدی ان سے چھڑا لئے۔

قیدیوں کی فروختگی...... ایک قول ہے کہ انہوں نے ان دونوں کو پچاس پچاس اونٹوں کے بدلے میں فروخت کیا (اور اس کے مال کے ذریعہ اپنے قیدی رہا کرائے) ایک روایت ہے کہ حضرت خبیب کو ایک سیاہ فام باندی کے بدلے فروخت کیا گیا اور بنی حرث ابن عامر نے حضرت خبیب کو خرید لیا۔ یہ اس لئے کہ ایک قول کے مطابق غزوۂ بدر میں حضرت خبیب نے حرث کو قتل کیا تھا جیسا کہ بخاری میں ہے۔

خبیب کی قتل کیلئے خریداری...... پھر اس کے بعد لکھا ہے کہ بنی حرث ابن عامر میں یہی مشہور تھا کہ جنگ بدر میں حرث کے قاتل حضرت علیؓ تھے۔ جہاں تک ان خبیب ابن عدی کا تعلق ہے تو یہ قبیلہ خزرج کے تھے اور یہ غزوۂ بدر میں شریک نہیں تھے جیسا کہ ارباب مغازی میں سے کسی کے نزدیک بھی یہ بدر میں حاضر نہیں تھے۔

بنی حرث کا جذبہ انتقام...... مگر ایک قول ہے کہ اس روایت سے ایک صحیح روایت کی کمزوری اور تردید ظاہر ہوتی ہے۔ پھر میں نے اس سلسلے میں حافظ ابن حجر کا قول دیکھا کہ اس قول سے ایک صحیح حدیث کی تردید ہوتی ہے۔ پھر یہ کہ اگر حضرت خبیب ابن عدی نے حرث ابن عامر کو قتل نہیں کیا تھا تو اولاد حرث کو ان کی خریداری اور اپنے آدمی کے بدلے میں ان کو قتل کرنے سے کیوں دلچسپی ہوتی۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ آل حرث کو حضرت خبیب کے اپنے مقتول کے بدلے میں قتل کرنے سے صرف اس لئے دلچسپی تھی کہ وہ حرث کے قاتل کے قبیلے یعنی گروہ انصار سے تعلق رکھتے تھے۔

زید کی قتل کیلئے خریداری..... جہاں تک کہ حضرت زیدؓ کا تعلق ہے تو انہیں صفوان ابن امیہ نے خرید لیا واضح رہے کہ حضرت صفوان بعد میں خود بھی مسلمان ہو گئے تھے صفوان نے حضرت زید کو اپنے باپ امیہ کے بدلے میں قتل کرنے کے لئے خرید اتھا (جو غزوۂ بدر میں مارا گیا تھا)۔

اشہر حرم میں قتل کا التواء..... چونکہ یہ ذی قعدہ کا مہینہ تھا جو حرام مہینوں میں سے ہے اور اس کے بعد کے دو مہینے بھی حرام مہینوں میں سے تھے جن میں خوں ریزی حرام تھی اس لئے ان لوگوں نے ان دونوں قیدیوں کو ایک جگہ بند کر دیا تا کہ حرام مہینے ختم ہو جائیں تو اس کے بعد ان کو قتل کریں۔

خبیب کا استرے کیلئے سوال..... قید کے دوران حضرت خبیب نے حرث کی بیٹی سے ایک استرا عارضی طور پر لیا۔ صحیح بخاری میں یوں ہے کہ بنی حرث کی لڑکیوں میں سے ایک لڑکی سے لے لیا۔ تا کہ اس سے اپنے زیر ناف اور بغل کے بال بنالیں۔

دشمن کا بچہ خبیب کے قبضہ میں..... اتفاق سے اس عورت کا ایک چھوٹا بچہ کسی طرح حضرت خبیبؓ کے پاس آگیا جب کہ اس عورت کا دھیان دوسری طرف تھا (چونکہ حضرت خبیب دشمن کے آدمی تھے اور قتل کے انتظار میں قید تھے اس لئے قدرتی طور پر وہ لوگ خود بھی ان سے دور رہتے اور خاص طور پر بچوں کو پاس نہیں آنے دیتے تھے کہ یقینی طور پر یا تو بچے کو نقصان پہنچائیں گے اور یا اس کو اپنی رہائی کے لئے یرغمال بنائیں گے)۔

ماں کی گھبراہٹ..... غرض کسی طرح اس عورت کا بچہ حضرت خبیب کے پاس آگیا حضرت خبیب نے بچہ کو گود میں بٹھالیا اس وقت استرا ان کے ہاتھ میں تھا۔ اسی وقت ماں کی نظر بچے پر پڑی اور اس نے اسے اس حال میں دیکھا تو گھبراہٹ اور خوف و دہشت سے اس کا رنگ بدل گیا۔

خبیب کی عالی ظرفی..... وہ اس قدر حواس باختہ ہوئی کہ حضرت خبیب نے اس کی صورت دیکھ کر ہی اس کی دلی کیفیات کا اندازہ لگالیا۔ خبیب نے فوراً اس سے کہا:

"کیا تمہیں یہ اندیشہ ہو رہا ہے کہ میں اس بچے کو قتل کر دوں گا۔ میں انشاء اللہ ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔!"

ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت خبیب نے بچہ کا ہاتھ پکڑا اور اس کی ماں سے کہا:

"کیا اللہ تعالیٰ نے اس وقت اس بچے کے ذریعہ مجھے تم لوگوں پر قابو نہیں دے دیا۔"

(کہ میں چاہوں تو اس بچے کو قتل کرنے کی دھمکی دے کر خود کو تمہارے ہاتھوں سے رہا کرا سکتا ہوں) یہ سن کر بچے کی ماں نے کہا:

"مجھے تمہارے بارے میں ایسی بدگمانی نہیں ہے۔!"

حضرت خبیبؓ نے اسی وقت استرا اسی عورت کی طرف اچھال دیا اور فرمایا:

"نہیں۔ میں صرف مذاق کر رہا تھا ورنہ میں ہرگز ایسا نہیں کر سکتا۔!"

پاکیزگی کیلئے مہلت..... سیرت ابن ہشام میں یوں ہے کہ یہ عورت کہتی ہے جب خبیب کے قتل کا وقت قریب آگیا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ کیا تم ایک تیز استرا مجھے فروخت کر سکتی ہو تا کہ میں اس کے ذریعہ بال صاف کر کے پاک ہو جاؤں۔ اس سے پہلے حضرت خبیب اس سے کہہ چکے تھے کہ جب میرے قتل کا وقت آئے تو مجھے کچھ مہلت دلوا دینا۔

چنانچہ یہ عورت کہتی ہے کہ جب لوگ ان کو قتل کرنے کے لئے تیار ہوئے تو میں نے ان کو مہلت دلوائی اس وقت خبیب

نے استرا طلب کیا۔ وہ عورت کہتی ہیں میں نے اپنے خاندان کے ایک لڑکے کو استرا دے کر کہا کہ یہ استرا لے کر اندر جاؤ اور اس شخص یعنی قیدی کو دے دو۔

وہ عورت کہتی ہے کہ جب وہ لڑکا کمرے کے اندر چلا گیا تو میں پریشان ہو کر سوچنے لگی کہ خدا کی قسم یہ شخص اس لڑکے کو قتل کر کے اپنا انتقام لے گا اور جان کے بدلے میں جان لے لے گا۔ پھر جب اس لڑکے نے خبیب کو وہ استرا دیا تو انہوں نے لڑکے کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہنے لگے:

"خدا کی قسم جب تیری ماں نے تجھے یہ استرا دے کر بھیجا تو وہ کتنی ڈری ہو گی۔!"

شریف ترین قیدی...... یہ کہہ کر انہوں نے لڑکے کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ کہا جاتا ہے وہ لڑکا اس عورت کا بیٹا تھا۔ اس بات کا اشارہ خود حضرت خبیبؓ کے اس کلمہ سے بھی ملتا ہے کہ جب تیری ماں نے تجھے بھیجا۔ اس کے بعد یہ عورت یعنی بنت حارث کہا کرتی تھی کہ خدا کی قسم میں نے خبیبؓ سے بہتر قیدی کبھی نہیں دیکھا۔

قید خانے میں غیبی انعامات...... بنت حرث کہتی ہیں کہ ایک روز میں نے دروازے میں سے اس قیدی کو دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں انگوروں کا ایک خوشہ ہے۔ اور وہ خوشہ آدمی کے سر کے برابر بڑا ہے (حیرت یہ تھی کہ نہ جانے وہ خوشہ کہاں سے آیا) جب کہ وہ زنجیروں سے بندھے ہوئے تھے اور جب کہ مکے میں کوئی پھل نہیں ہوتا تھا۔ ایک روایت میں اس کے یہ لفظ ہیں کہ۔ جب میرے علم کے مطابق اللہ کی اس سرزمین یعنی مکے میں انگور نہیں کھائے جاتے۔

وقت آخر پاکیزگی مستحب...... حضرت خبیب کے اس واقعہ سے ہمارے یعنی شافعی فقہاء نے یہ دلیل حاصل کی ہے کہ جس شخص کو موت کا حکم سنا دیا گیا ہو اس کے لئے مناسب اور مستحب ہے کہ اپنے ناخن تراشنے' مونچھیں بنانے اور بغلوں و زیرناف بال صاف کرنے کی کوشش کرے غالباً حضرت خبیبؓ کی اس کوشش اور خواہش کی اطلاع بعد میں رسول اللہ ﷺ کو بھی ملی تھی اور آپ نے اس کو درست قرار دیا تھا۔

موت کا سفر...... (غرض وقت گزرتا رہا) یہاں تک کہ محرم کا مہینہ ختم ہو گیا اور اس کیساتھ ہی (اشہر حرم بھی تمام ہو گئے) اب قریش کے لوگ حضرت خبیب کو ان کے تہ خانے سے لے کر حرم کی حدود سے نکلے تا کہ انہیں حل میں لے جا کر قتل کر دیں (کیونکہ حرم کی حدود میں کسی کو قتل نہیں کیا جا سکتا تھا)۔

مقتل میں نماز کی درخواست...... آخر مقتل میں پہنچ کر جب انہوں نے خبیب کو قتل کرنے کے لئے آگے بڑھایا تو انہوں نے قریش سے کہا:

"تھوڑی دیر کے لئے مجھے مہلت دو تا کہ میں دو رکعت نماز پڑھ لو۔!"

طویل نماز کا ارمان...... چنانچہ قریش نے انہیں مہلت دیدی اور خبیب نے دو رکعت نماز پڑھی اس کے بعد قاتلوں سے کہا:

"خدا کی قسم اگر مجھے تمہارے یہ سوچنے کا خیال نہ ہو تا کہ میں موت کے ڈر سے وقت کو ٹال رہا ہوں تو اس وقت اور زیادہ لمبی نماز پڑھتا۔!"

اس کے بعد حضرت خبیب نے یہ دعا کی:

کفار کے لئے بد دعا...... "اے اللہ! ان کی تعداد کو ختم فرما دے اور انہیں چن چن کر اور منتشر کر کے مار دے اور ان میں سے یعنی کفار میں سے کسی کو باقی مت چھوڑ۔!"

قتل کے تماشبین......ان کی یہ دعا قبول ہوئی اور کچھ ہی عرصہ بعد غزوۂ خندق میں مشرکین اسی طرح فنا کے گھاٹ اترے کہ وہ منتشر اور تتر بتر ہو کر قتل ہو رہے تھے۔

(قال) کہا جاتا ہے کہ قریش کے لوگ جب حضرت خبیب کو قتل کرنے کے لئے لے چلے تو عورتیں' بچے اور غلام بھی ساتھ ساتھ تھے۔

لاش کی تشہیر کیلئے سولی......جب یہ لوگ تنعیم کے مقام پر پہنچے تو انہوں نے ایک لمبی لکڑی منگائی اور ایک گہرا گڑھا کھود کر اس میں وہ لکڑی گاڑ دی۔ پھر وہاں پہنچ کر جب حضرت خبیبؓ ان سے مہلت لے کر دو رکعت نماز پڑھ چکے تو قریش نے خبیب کو اس لکڑی پر لٹکا کر پھانسی دی اور لاش کو وہیں لٹکا رہنے دیا تاکہ ہر آنے جانے والے کی نظر پڑے اور اس طرح پھانسی کی خبر ہر طرف پھیل جائے۔

کفر کی ترغیب اور رہائی کا لالچ...... غرض جب حضرت خبیب نماز سے فارغ ہوگئے تو قریش نے ان سے کہا:

''اگر تم اب بھی اسلام سے منہ موڑ لو تو ہم تمہیں چھوڑ دیں گے لیکن اگر تم نہیں مانو گے تو ابھی تمہیں قتل کر دیا جائیگا۔!''

ثابت قدمی اور آنحضرت ﷺ کو سلام...... حضرت خبیبؓ نے قریش کی اس پیشکش کے جواب میں فرمایا:

''اللہ کے راستے میں میری جان کی کوئی قیمت نہیں بلکہ میرا قتل تو ایک معمولی بات ہے۔ اے اللہ۔ یہاں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو اس وقت تیرے رسول تک میرا اسلام پہنچادے اس لئے خدایا تو خود آنحضرت ﷺ کو میرا اسلام پہنچادے۔ اور آپ کو بتلادے کہ یہاں ہمارے ساتھ کیا کیا جارہا ہے۔!''

وحی کے ذریعہ سلام اور موت کی خبر...... چنانچہ حضرت اسامہ ابن زیدؓ سے روایت ہے کہ ایک روز جبکہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے (اور یہ وہی دن اور وہی وقت تھا جب کہ سینکڑوں میل دور مکے میں حضرت خبیبؓ کو پھانسی دی جارہی تھی اور وہ آنحضرت ﷺ کو سلام بھجوا رہے تھے)۔

جواب سلام اور صحابہ کو اطلاع......اچانک رسول اللہ ﷺ پر وہی کیفیت طاری ہوئی جو وحی نازل ہونے کے وقت پیش آیا کرتی تھی۔ یکایک ہم نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے سنا وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اس پر بھی سلام وسلامتی اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔!

اس کے بعد جب آپ پر سے وحی کے آثار ختم ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''یہ جبرئیلؑ مجھے خبیب کا سلام پہنچا رہے ہیں۔ خبیب کو قریش نے قتل کر دیا۔!''

انتقام کے چالیس طلبگار...... ایک روایت میں ہے کہ قریش نے ایسے چالیس آدمیوں کو حضرت خبیبؓ کے قتل کے وقت بلایا جن کے باپ دادا جنگ بدر میں قتل ہوئے تھے' پھر قریش کے ان لوگوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک نیزہ دے کر کہا کہ: یہی وہ شخص ہے جس نے تمہارے باپ دادا کو قتل کیا ہے۔

سولی پر لاش کے چالیس محافظ...... یہ سنتے ہی ان چالیس آدمیوں نے اپنے اپنے نیزے سے حضرت خبیب پر حملہ کیا یہاں تک کہ انہیں قتل کر دیا۔ قریش نے اس لکڑی پر چالیس آدمیوں کو محافظ بنایا۔ (یعنی چالیس آدمیوں نے یہ سمجھ کر حضرت خبیب کو قتل کیا کہ ہمارے باپ دادا کے قاتلوں کے نمائندے یہی ہیں۔ اور یہی چالیس آدمی اس سولی کے وکیل اور محافظ قرار دیئے گئے تاکہ یہ کسی شخص کو بھی لاش اتارنے نہ دیں)۔

آنحضرت ﷺ کو لاش منگانے کی جستجو......ادھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت مقدادؓ اور حضرت زبیر ابن عوامؓ کو مکے کی طرف روانہ فرمایا تاکہ وہ حضرت خبیبؓ کی لاش کو اس لکڑی اور سولی پر سے اتاریں۔ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں صحابہ سے فرمایا:

"تم میں سے کون ہے جو خبیب کو سولی پر سے اتارے اور جنت کا حقدار بن جائے۔"

زبیر و مقداد کی روانگی......اس پر حضرت زبیر ابن عوامؓ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ ﷺ! میں اور میرے ساتھی مقداد بن اسود یہ مرحلہ سر کریں گے۔!"

لاش کا حصول......(چنانچہ ان ہی دونوں کو بھیجا گیا) جب یہ اس جگہ پہنچے جہاں حضرت خبیبؓ کی لاش لٹکی ہوئی تھی تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں چالیس آدمی حفاظت پر تعینات ہیں مگر وہ سب کے سب نشہ میں غافل سوئے ہوئے ہیں' لہٰذا ان دونوں نے آسانی کے ساتھ لاش کو اتار لیا۔

چالیس دن بعد تروتازہ لاش......حضرت خبیبؓ کی لاش پھانسی اور موت کے چالیس دن بعد اتاری گئی حضرت زبیر ابن عوام نے حضرت خبیب کی لاش کو اپنے گھوڑے پر کس لیا چالیس دن تک لٹکی رہنے کے باجود لاش بالکل نرم و تازہ تھی اور اس میں کوئی تغیر اور تبدیلی پیدا نہیں ہوئی تھی۔

لاش کیلئے کفار تعاقب میں......جب یہ حضرات لاش کو لے جارہے تھے تو مشرکین نے ان کو دیکھ لیا اس وقت مشرکین کی تعداد ساٹھ تھی۔انہوں نے ان دونوں کا پیچھا کیا یہاں تک کہ بالکل ان کے قریب پہنچ گئے آخر حضرت زبیرؓ نے حضرت خبیبؓ کی لاش کو پھینک دیا جسے اسی وقت زمین نے نگل لیا (اور اس طرح حق تعالیٰ نے اس مجاہد کا پردہ ڈھک کر اس کی لاش کو بے حرمتی سے بچالیا)۔

لاش لقمہ زمین......عربی میں نگلنے کو بلع کہتے ہیں۔چنانچہ حدیث میں یہ لفظ ہیں کہ فابتلعتہ الارض یعنی زمین نے ان کو نگل لیا۔اسی لفظ سے بلیع کا لفظ بنتا ہے جس کے معنی نگلی ہوئی چیز کے ہیں۔لہٰذا اس واقعہ کی وجہ سے حضرت خبیبؓ کو اس کے بعد بلیع الارض کہا جانے لگا۔یعنی وہ جنہیں زمین نے نگل لیا یا اردو میں اس کا قریبی لفظ "لقمہ زمین" ہو سکتا ہے۔

کفار پر زبیرؓ و مقدادؓ کا رعب......پھر اسی وقت حضرت زبیرؓ نے اپنے سر اور چہرے سے اپنا عمامہ کھول دیا اور تعاقب کرنے والوں کی طرف منہ کر کے کہا:

"دیکھو۔ میں زبیر ابن عوام ہوں اور یہ میرے ساتھی مقداد ابن اسود ہیں۔ہم دونوں شیر ببر ہیں اگر تم چاہو تو تیر سے تمہارا استقبال کریں اور چاہو تو تم پر آپڑیں۔اور چاہو تو یہیں سے لوٹ جاؤ!"

یہ سن کر وہ مشرکین (اس سے مرعوب ہو کر) واپس چلے گئے۔

زبیر و مقدادؓ پر فرشتوں کا فخر......اس کے بعد یہ دونوں مدینے میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے اس وقت آنحضرت ﷺ کے پاس جبرئیلؑ تھے۔جبرئیلؑ نے آپ سے عرض کیا:

"اے محمد ﷺ آپ کے صحابہ میں ان دو آدمیوں پر فرشتے بھی فخر کرتے ہیں۔!"

یہ جان کی بازی لگانے والے......پھر ان دونوں صحابہ کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ (۲ سورۂ بقرہ ع ۲۵ آیت ۲۰۷)

ترجمہ: اور بعض آدمی ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی میں اپنی جان تک صاف کرڈالتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کے حال پر نہایت مہربان ہیں۔

ادھر پیچھے اسی آیت کے بارے میں گزرا ہے کہ یہ آیت حضرت علیؓ کے متعلق نازل ہوئی تھیں جب کہ آنحضرت ﷺ اپنی ہجرت کے وقت غار ثور میں تشریف لے گئے تھے اور حضرت علیؓ آپ کے بستر مبارک پر سو گئے تھے۔

ایک قول ہے کہ یہ آیت حضرت صہیبؓ کے بارے میں نازل ہوئی تھی جب کہ انہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا اور قریش نے ان کو روکا تو انہوں نے (صرف رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچنے کے شوق میں) اپنا ایک تہائی مال۔ یا کل مال قریش کو دے کر اپنا ہجرت کا ارادہ پورا کیا۔ جیسا کہ تفصیلاً گزر چکا ہے۔

بعض علماء نے اس موقعہ پر لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت صہیبؓ کے متعلق نازل ہوئی تھی جب کہ مشرکین نے ان کو عذاب دینے کے لئے گرفتار کیا۔ اس وقت انہوں نے ان سے کہا تھا:

"میں ایک بوڑھا آدمی ہوں۔ میں چاہے تم میں سے کہلاؤں یا تم میں رہوں یا تم میں سے نہ کہلاؤں اور تم میں نہ رہوں۔ اس لئے کیا یہ ممکن ہے کہ تم میرا تمام مال لے لو اور مجھے میرے دین پر چھوڑ دو۔!"

چنانچہ وہ لوگ اس پر راضی ہو گئے۔

لاش کس نے اتاری تھی؟...... ادھر علامہ ابن جوزی نے یوں لکھا ہے کہ حضرت خبیبؓ کی لاش کو سولی پر سے اتارنے والے اصل میں عمرو ابن امیہ ضمری تھے۔ چنانچہ خود عمرو ابن امیہ سے درخواست ہے کہ میں خبیب کی سولی کے پاس آیا اور اس پر چڑھ کر میں نے لاش کے بند کھول دیئے جس سے وہ نیچے گر گئی۔ پھر میں نے نیچے اتر کر دیکھا تو مجھے خبیب کی لاش کہیں نظر نہ آئی اس کو زمین نے نگل لیا تھا۔

پھر سیرت ابن ہشام میں بھی یہی روایت ہے اور یہ کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب عمرو کو ابوسفیان کے قتل کرنے کیلئے بھیجا گیا تھا۔ جس کی تفصیل انشاء اللہ آگے آرہی ہے جہاں اس سریہ کا بیان ہو گا۔ بہر حال حضرت خبیبؓ کی لاش اتارنے کے سلسلے میں روایات کا یہ اختلاف قابل غور ہے)۔

سر دار پر قبلہ روئی کی دعا...... جب حضرت خبیبؓ کو سولی پر لٹکایا گیا تو تکلیف اور دم گھٹنے کی وجہ سے ان کا جسم اینٹھ کر پھڑکا جس کے نتیجہ میں ان کا رخ قبلہ یعنی کعبہ کی طرف سے ہٹ گیا (جسے اس شدید وقت میں بھی اس مردِ خدا نے محسوس کیا اور) اسی حالت میں انہوں نے یہ دعا کی:

"اے اللہ! اگر تیرے یہاں میری کوئی خیر یعنی نیک عمل قابل قبول ہے تو میرا چہرہ قبلہ کی طرف پھیر دے!"

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے...... حق تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی اور ان کا چہرہ قبلہ کی طرف پھیر دیا (یعنی لٹکا ہوا اور پھڑکتا ہوا جسم خود ہی قبلہ کی طرف گھوم گیا اور اسی حالت میں اس عظیم مجاہد نے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کی۔ اللہ اللہ! یہ وہ مقام ہے اور عشق خدا اور رسول کا وہ درجہ ہے جو انسانی ذہن کی دسترس سے باہر ہے۔ دنیا کی کوئی قوم اور کوئی مذہب فداکاری اور جذبہ صادق کی یہ مثال پیش نہیں کر سکتا جب کہ اسلام کی تاریخ ایمانی قوت اور حیات مقصدی کی ایسی عظیم الشان مثالوں سے بھری پڑی ہے)۔

جب حضرت خبیب کا چہرہ قبلہ کی طرف گھوم گیا تو انہوں نے کہا:

"اس خدائے برتر کا شکر و احسان ہے جس نے میرا چہرہ اپنے اس قبلہ کی طرف کر دیا جو اس نے اپنے اور اپنے نبی اور تمام مومنین کے لئے پسند فرمایا ہے۔!"

بد دعا اور ابو سفیان کا خوف..... اس کے بعد حضرت خبیبؓ نے دشمنانِ اسلام کے لئے بد دعا کرتے ہوئے کہا:

"اے اللہ! ان مشرکوں کو چن چن کر ختم فرما دے' ان کو ایک ایک کر کے مار دے اور ان میں سے کسی کو نہ چھوڑ۔"

حضرت امیر معاویہ ابن ابوسفیان اپنے باپ ابوسفیان کے متعلق کہتے ہیں کہ جب حضرت خبیبؓ نے مشرکوں کیلئے بد دعا کی تو ابوسفیان جو وہاں موجود تھے اس بد دعا سے ڈر کر زمین پر الٹے لیٹ گئے کیونکہ مشرکین عرب کا عقیدہ تھا کہ اگر کسی شخص کے خلاف بد دعا کی جائے اور وہ زمین پر کروٹ سے لیٹ جائے تو بد دعا کے اثرات سے محفوظ رہتا ہے۔

خوفِ خدا کی ایک مثال..... حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے زمانے کا واقعہ ہے کہ انہوں نے ملک شام کے بعض علاقوں پر حضرت سعدؓ ابن عامر کو امیر بنایا۔ اس پر بعض لوگوں نے فاروق اعظمؓ سے عرض کیا کہ وہ دوروں کے مریض ہیں ان پر غشی اور بے ہوشی کے دورے پڑتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے سعدؓ ابن عامر کو اپنے پاس طلب کیا۔ جب وہ آئے تو حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ ان کے پاس صرف ایک توشہ دان ہے' ایک پھل دار ڈنڈا ہے اور ایک پیالہ ہے (اس کے سوا اور کوئی سامان نہیں تھا) فاروق اعظم نے ان سے پوچھا۔ کیا ان چیزوں کے سوا تمہارے ساتھ اور کوئی سامان نہیں ہے؟

حضرت سعد بن عامرؓ نے عرض کیا:

"امیر المومنین! ان چیزوں کے سوا اور ضرورت بھی کس چیز کی ہے۔! یہ توشہ دان ہے جس میں اپنا زادِ سفر رکھتا ہوں' یہ ڈنڈا ہے جس پر توشہ دان لٹکا لیتا ہوں اور یہ پیالہ ہے جس میں کھانا نکال کر کھاتا ہوں (اور اس کے علاوہ کس چیز کی ضرورت ہے)۔"

پھر حضرت عمر فاروقؓ نے ان سے فرمایا کہ کیا تمہیں کوئی بیماری ہے؟ انہوں نے عرض کیا نہیں! امیر المومنین نے پوچھا کہ پھر وہ غشی کے دورے کیسے ہوتے ہیں جن کے متعلق مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم دوروں کے مریض ہو؟

یہ سن کر حضرت سعد ابن عامرؓ نے عرض کیا:

"امیر المومنین! خدا کی قسم مجھے کوئی بیماری نہیں ہے بلکہ بات صرف اتنی ہے کہ جب خبیب ابن عدی کو قتل کیا گیا تھا تو اس وقت وہاں موجود لوگوں میں میں بھی تھا۔ میں نے ان کی بد دعا سنی تھی۔ اس وقت سے جب بھی مجھے اس کا خیال آجاتا ہے تو میں جہاں بھی ہوتا ہوں خوف و دہشت سے بیہوش ہو جاتا ہوں۔!"

حضرت عمرؓ کو یہ سن کر ان کی بہت قدر ہوئی۔ سعدؓ نے حضرت عمر کو کچھ نصیحتیں کیں تو فاروق اعظم نے فرمایا کہ کون ان پر عمل کر سکتا ہے؟ سعد نے کہا کہ امیر المومنین آپ! کیونکہ یہ نصیحتیں ایسی ہیں کہ کہہ کر ان پر عمل کیا کرایا جائے۔ پھر حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا کہ اپنے کام پر واپس جاؤ تو انہوں نے انکار کیا اور حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ انہیں معاف رکھا جائے۔ آخر انہیں اس ذمہ داری سے سبکدوش کر دیا گیا۔

وقت مرگ نماز خبیب کی سنت..... حضرت خبیبؓ ابن عدی اپنے عمل سے امت کے لئے یہ سنت قائم فرما گئے ہیں کہ جو مسلمان اس طرح قتل کیا جائے وہ قتل سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو جب ان کے اس عمل کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اسے پسند فرمایا۔ لہٰذا اب یہ ہر مسلمان کے لئے ایک سنت بن گئی۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زید ابن حارثہؓ کا واقعہ حضرت خبیبؓ کے بعد کا ہے مگر کتاب نور میں یوں ہے کہ

حضرت زید ابن حارثہ نے حضرت خبیب سے پہلے دو رکعت نماز پڑھی تھی۔ کتاب ینبوع میں ہے کہ حضرت زید ابن حارثہ کا واقعہ ہجرت سے بہت پہلے کا ہے۔

یہ نماز اور دوسرے واقعات...... امام ابن سیرین سے (جو تعبیر خواب کے امام تھے) جب بھی قتل سے پہلے کی دو رکعت نماز کے بارے میں سوال کیا جاتا تو وہ کہتے کہ حضرت خبیب اور حضرت حجر نے قتل سے پہلے یہ دو رکعتیں پڑھی تھیں اور یہ دونوں فضیلت والے تھے۔

امیر معاویہ اور زیاد کا واقعہ...... یہاں حجر سے مراد حضرت حجر ابن عدی ہیں کیونکہ زیاد نے جو امیر معاویہ کی طرف سے عراق کا والی اور امیر تھا ایک دفعہ امیر معاویہ سے ان کی شکایت کی۔ امیر معاویہ نے ان کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ امیر معاویہ کے سامنے پہنچے تو کہنے لگے۔ السلام علیک یا امیر المومنین۔ امیر معاویہ نے کہا۔ کیا امیر المومنین میں ہوں۔ اس شخص کی گردن ماردی جائے۔

قتل اور نماز...... چنانچہ جب حجر کو قتل کے لئے سامنے لایا گیا تو انہوں نے کہا کہ مجھے دو رکعت نماز پڑھنے کی مہلت دو۔ پھر انہوں نے جلدی جلدی دو رکعت نماز پڑھی (یعنی آہستہ آہستہ اور دیر لگا کر دو رکعتیں پوری نہیں کیں بلکہ جلدی جلدی پڑھ کر فارغ ہوئے) پھر انہوں نے قاتلوں سے کہا:

"اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تم نہ جانے کیا سمجھو گے تو میں یہ دو رکعتیں بہت اطمینان سے آہستہ آہستہ پڑھتا۔"

معاویہ حضرت عائشہؓ کے حضور...... اس کے بعد انہیں اور ان کے پانچ ساتھیوں کو قتل کر دیا گیا۔ پھر حضرت معاویہؓ جب حج کیلئے مکہ معظمہ آئے تو وہاں سے مزار مقدس کی حاضری و زیارت کے لئے مدینہ آئے یہاں انہوں نے حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی۔

اُمّ المومنین کی تنبیہ...... اُمّ المومنین نے ان کو اجازت دی تو وہ آکر بیٹھ گئے۔ اس وقت حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

"کیا حجر اور اس کے ساتھیوں کو قتل کرتے وقت تمہیں خدا کا خوف نہیں ہوا؟"

امیر معاویہ نے عرض کیا کہ ان لوگوں کے اصل قاتل تو وہ ہیں جنہوں نے ان کے خلاف شہادتیں دیں (کیونکہ ان کو شہادتیں حاصل ہونے پر قتل کیا گیا ہے)۔

زید کا واقعہ اور نماز...... جہاں تک حضرت زید ابن حارثہ کے قتل کا واقعہ ہے (جس کی طرف گذشتہ سطروں میں اشارہ کیا گیا ہے) اس کو لیث ابن سعد نے روایت کیا ہے کہ حضرت زید ابن حارثہ نے ایک دفعہ طائف میں ایک شخص کا خچر کرایہ پر لیا (وہ خچر پر سوار ہو کر چلے تو خچر کا مالک بھی ساتھ ساتھ چلا)۔

ایک خونی شخص...... خچر کے مالک نے راہ میں ایک سنسان جگہ پر ایک خرابہ میں خچر روکا اور حضرت زیدؓ سے کہا اترو حضرت زیدؓ نے اتر کر چاروں طرف نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ اس خرابے میں بہت سے مقتول لوگوں کے ڈھانچے پڑے ہوئے ہیں (جنہیں اس شخص نے اسی دھوکے سے قتل کیا تھا)۔

زید کے قتل کا ارادہ...... پھر اس شخص نے خود حضرت زید ابن حارثہ کو قتل کرنا چاہا تو انہوں نے اس سے کہا کہ مجھے اتنی مہلت دو کہ میں دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ کیونکہ مناسب یہ ہے کہ بندے کا آخری عمل نماز ہو کہ اس سے بہتر اور کوئی عمل نہیں ہو سکتا۔

نماز کے لئے درخواست......اس پر اس شخص نے کہا:

"پڑھ لو! مگر یاد رکھو تم سے پہلے ان مقتولوں نے بھی نماز پڑھی تھی اور انہیں انکی نمازوں نے کوئی فائدہ نہیں پہنچایا تھا۔!"

خدا سے فریاد......اس جواب سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہاں جو انسانی ڈھانچے پڑے ہوئے تھے وہ سب بھی مسلمانوں ہی کے تھے۔ غرض حضرت زیدؓ کہتے ہیں کہ جب میں نماز پڑھ چکا تو وہ مجھے قتل کرنے کیلئے بڑھا اس وقت میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور کہا یاارحم الراحمین۔!

غیبی آواز......اسی وقت اس شخص نے ایک آواز سنی جو کہہ رہی تھی کہ اس شخص کو قتل مت کر۔ وہ شخص یہ آواز سن کر سخت دہشت زدہ ہوا اور آواز والے کی تلاش میں ادھر گیا مگر وہاں اسے کچھ نہ ملا۔ آخر وہ واپس میرے پاس آیا تو میں نے پھر کہا۔ اے ارحم الراحمین۔

زیدؓ کو خدائی مدد......میں نے تین مرتبہ یہی کلمہ کہا اور اس شخص نے تینوں مرتبہ وہ آواز سنی اور آواز والے کو تلاش کیا۔ اسی وقت اچانک ہم نے سامنے دیکھا کہ ایک گھوڑے سوار آرہا ہے جس کے ہاتھ میں ایک آہنی نیزہ ہے اور اس کے سر سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہیں۔ اس غیبی مددگار نے آتے ہی اپنا نیزہ اس شخص کے سینے میں پیوست کر دیا جو اس کی کمر میں سے نکل گیا اور وہ اسی وقت کشتہ ہو کر گر پڑا۔

پھر اس غیبی مددگار نے مجھ سے کہا:

"تم نے جب پہلی بار یاارحم الراحمین کہہ کر دعا کی تو میں اس وقت ساتویں آسمان پر تھا۔ پھر تمہاری دوسری دعا پر میں آسمان دنیا پر تھا اور تمہاری تیسری پکار پر میں تمہارے پاس پہنچ گیا۔!"

ابو معلق کا واقعہ......اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: اسی قسم کا ایک واقعہ آنحضرت ﷺ کے ایک انصاری صحابی کے ساتھ بھی پیش آیا تھا ان انصاری صحابی کا نام ابو معلق تھا۔ یہ ایک تاجر تھے جو اپنا اور دوسروں کا مال لے کر اکثر تجارتی سفر کیا کرتے تھے اور دور دراز کے علاقوں میں جایا کرتے تھے۔ یہ صحابی نہایت عابد وزاہد اور متقی تھے۔

ابو معلق رہزن کے چنگل میں......ایک دفعہ یہ اپنے ایک سفر میں روانہ ہوئے تو راستے میں ایک رہزن سے ان کا سامنا ہو گیا۔ وہ لٹیرا سر سے پیر تک لوہے میں غرق اور ہتھیاروں سے لیس تھا۔ اس نے ان کو دیکھ کر کہا کہ جو کچھ تیرے پاس ہے وہ رکھ دے میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

نماز کے لئے سوال......انہوں نے اس سے کہا کہ تو میری جان لے کر کیا کرے گا ہاں تو مال چاہتا ہے تو لے لے اس پر اس رہزن نے کہا جہاں تک تیرے مال کا تعلق ہے وہ تو مجھے ملے گا ہی میں تو تیری جان بھی لے جاؤں گا! تب ابو معلق نے اس سے کہا کہ اچھا مجھے چار رکعت نماز پڑھنے کی مہلت دے دے' اس نے کہا جتنی چاہے پڑھ لے۔

ابو معلق کی ایک پُر تاثیر دعا......ابو معلق نے فوراً وضو کی اور چار رکعت نماز کی نیت باندھی۔ اور آخری رکعت کے آخری سجدے میں انہوں نے یہ دعا مانگی:

يَا وَدُوْدُ يَاذَالْعَرْشِ الْمَجِيْدِ يَافَعَّالاً لِّمَا يُرِيْدُ اَسْاَلُكَ بِعِزِّكَ الَّذِىْ لَايُرَامُ وَ مُلْكِكَ الَّذِىْ لَايُضَامُ وَبِنُوْرِكَ الَّذِىْ مَلَاءَ اَرْكَانَ عَرْشِكَ اَنْ تَكْفِيَنِىْ شَرَّ هٰذَا اللِّصِّ يَا مُغِيْثُ اَغِثْنِىْ.

ترجمہ: اے محبوب اور اے عرش بریں کے مالک' اے جو چاہے کرنے والے' میں تجھ سے تیری سرمدی عزت کے نام پر'

اور تیری دوامی حاکمیت کے نام پر' اور تیرے اس نور کے صدقے میں دعا کرتا ہوں جس نے ترے عرش عظیم کا احاطہ کر رکھا ہے کہ مجھے اس رہزن کے شر سے بچا' اے فریاد رس! میری مدد فرما۔

فوری فریاد رسی...... ابو معلق نے یہ دعا تین دفعہ مانگی۔ اس وقت انہوں نے دیکھا کہ اچانک ایک سوار سامنے سے آرہا ہے جس کے ہاتھ میں ایک آہنی نیزہ ہے جسے اس نے گھوڑے کی کمر پر ٹکار کھا ہے۔ رہزن کی نظر جیسے ہی اس سوار پر پڑی تو وہ سوار کی جانب رخ کر کے اسے دیکھنے لگا۔ اس سوار نے آتے ہی اپنا نیزہ اس کے مارا اور اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد وہ سوار حضرت ابو معلق کی طرف متوجہ ہوا جو سجدے میں پڑے ہوئے تھے اور کہنے لگا اٹھو۔ ابو معلق نے کہا تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں تم کون ہو کہ آج اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہی ذریعہ میری فریاد رسی فرمائی ہے۔ اس نے کہا:

"میں چوتھے آسمان والوں کا بادشاہ ہوں تم نے جب پہلی بار دعا مانگی تو میں نے آسمان کے دروازوں میں دستک کی آواز سنی۔ پھر تم نے دوسری بار دعا مانگی تو میں نے آسمان پر شور و شغب سنا پھر تم نے تیسری دفعہ دعا مانگی تو مجھ سے کہا گیا کہ یہ ایک مصیبت زدہ کی آواز ہے۔ اس وقت میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اس ظالم کے قتل کی ذمہ داری مجھے دی جائے۔!"

ہر مقصد کیلئے مفید دعا...... حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جو شخص اس طرح یہ دعا مانگے وہ چاہے مصیبت زدہ ہو یا نہ ہو اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔ (یعنی چار رکعت نماز پڑھے اور چوتھی رکعت کے آخری سجدے میں تین بار یہ دعا پڑھے تو اس کی دعا قبول ہو گی چاہے اس نے کسی مصیبت میں یہ دعا مانگی ہو اور چاہے کسی ضرورت میں مانگی ہو)۔

خبیب کے جیسی دیگر سنتیں...... پیچھے بیان ہوا کہ حضرت خبیبؓ نے قتل کے وقت جو دو رکعت نماز پڑھی تھی چونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو پسند فرمایا اس لئے حضرت خبیب کی یہ سنت ساری امت کے لئے قائم ہو گئی۔ اس قسم کی نظیریں اور بھی واقعات سے ملتی ہیں کہ کسی شخص کے کسی خاص وقت میں نیک عمل کو رسول اللہ ﷺ نے پسندیدگی سے دیکھا اور اس کو برقرار فرمایا۔

نماز جماعت میں صحابہ کا طریقہ...... مثلاً صحابہ کا قاعدہ تھا کہ وہ نماز کیلئے آئے اور دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ پہلے ہی نماز شروع فرما چکے ہیں تو آنے والا کسی سے پوچھتا کہ آنحضرت ﷺ کتنی رکعات پڑھ چکے ہیں ایک رکعت یا مثلاً دو رکعتیں۔ تو وہ آنے والا شخص پہلے دو رکعتیں علیحدہ پڑھ لیتا اور پھر باقی نماز میں دوسرے لوگوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی اقتدار میں شریک ہو جاتا۔

معاذؓ کا طریقہ...... پھر ایک روز حضرت معاذؓ آئے تو انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کو جس حالت میں بھی یعنی نماز کی جس رکعت میں بھی دیکھتا ہوں اسی میں شریک ہو جاتا ہوں اور آپ کے ساتھ نماز پڑھتا رہتا ہوں پھر جب آنحضرت ﷺ فارغ ہو جاتے ہیں تو میں اپنی چھوٹی ہوئی رکعات پوری کرتا ہوں۔

چنانچہ ایک دن حضرت معاذؓ مسجد میں آئے تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نماز شروع فرما چکے تھے اور ایک دو رکعتیں پڑھ چکے تھے حضرت معاذؓ وہیں سے آپ کے ساتھ شریک جماعت ہو گئے پھر جب آنحضرت ﷺ سلام پھیر کر فارغ ہوئے تو حضرت معاذؓ کھڑے ہو گئے اور انہوں نے اپنی چھوٹی ہوئی نماز پوری کی۔

معاذ کی سنت اور آنحضرت ﷺ کی تصدیق...... اس پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا:

"معاذ نے تمہارے لئے یہ ایک سنت قائم کر دی ہے لہٰذا تم بھی اسی طرح کیا کرو۔!"

یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے پہلے کا ہے جس میں آپ نے نماز جماعت کا مسئلہ بتاتے ہوئے فرمایا ہے کہ نماز جماعت کا جتنا حصہ تمہیں ملے اس میں شامل ہو کر پڑھو اور جو حصہ چھوٹ گیا ہے اسے (امام کے سلام پھیرنے کے بعد) پورا کرو۔

خبیبؓ کے ساتھی زید...... (جیسا کہ بیان ہوا ہے سفیان ہذلی نے جن دو قیدیوں کو مکے میں فروخت کیا تھا وہ حضرت خبیب ابن عدی اور حضرت زید ابن دثنہ تھے۔ حضرت خبیب کے قتل کا واقعہ تو یہ تھا جو ذکر ہوا اور حضرت زیدؓ کے واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ) صفوان ابن امیہ نے ان کو اپنے باپ کے بدلے میں قتل کرنے کے لئے خریدا تھا۔ وہ انہیں لے کر حرم کی حدود سے نکلے اور حل میں لے کر آئے تاکہ وہاں انہیں قتل کریں۔ صفوان ابن امیہ کے ساتھ ان کا ایک غلام بھی تھا۔

مقتل میں نبی ﷺ کے متعلق سوال...... پھر قتل کے وقت قریش کے بہت سے لوگ وہاں جمع ہو گئے جن میں ابوسفیان ابن حرب بھی تھے۔ جب حضرت زیدؓ کو قتل کرنے کے لئے آگے لایا گیا تو ابوسفیان نے ان سے کہا:

"زید! میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم اس وقت یہ پسند کرو گے کہ تمہاری جگہ یہاں محمد ﷺ ہوں جن کی گردن ماری جائے اور تم اپنے گھر آرام سے بیٹھو۔!"

زید کا عشق رسول ﷺ...... حضرت زیدؓ نے جواب دیا:

"خدا کی قسم میں اس وقت یہ بھی پسند نہیں کر سکتا کہ حضرت محمد ﷺ جہاں بھی ہیں وہاں آپ کو ایک کانٹا چبھنے کی بھی تکلیف ہو اور میں اپنے گھر آرام سے بیٹھا رہوں!"

عشق محمد ﷺ پر کفار کی حیرت...... یہ جواب سن کر ابوسفیان نے کہا:

"میں نے آج تک کسی کو کسی کے ساتھ اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی محبت اور عشق محمد ﷺ کے ساتھیوں کو ان کے ساتھ ہے"

اسی قسم کا واقعہ حضرت خبیبؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت خبیب کو سولی پر لٹکا کر مشرکوں نے ان پر ہتھیار رکھے تو پکار کر اور قسم دے کر ان سے پوچھا کہ کیا تو اس وقت یہ نہیں پسند کرتا کہ تیری جگہ یہاں محمد ﷺ ہوتے؟

حضرت خبیبؓ نے فرمایا:

"نہیں۔ خدا کی قسم میں یہ بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ آپ کے مبارک پیر میں ایک کانٹا بھی چبھ جائے۔"

زید کا قتل...... غرض اس کے بعد صفوان ابن امیہ کے غلام نے حضرت زید ابن دثنہ کو قتل کر دیا یعنی ان کے سینے پر نیزہ مارا جو ان کی کمر سے پار ہو گیا۔ ایک قول ہے کہ ان کو تیر مار کر ہلاک کیا گیا تھا۔ مشرکین نے قتل سے پہلے حضرت زیدؓ کو دین اسلام سے پھیرنے کی کوشش بھی کی تھی مگر ان کے دین وایمان کی طاقت کو اور فروغ ہوا۔

امیر سریہ عاصم...... ادھر جیسا کہ بیان ہوا اس سریہ رجیع کے امیر حضرت عاصمؓ تھے جو سفیان ہذلی اور اس کے ساتھیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے وہیں رجیع کے مقام پر قتل ہو گئے تھے۔ جب یہ قتل ہو گئے تو بنی ہذیل کے لوگوں نے ارادہ کیا کہ ان کا سر اتار کر سلاقہ بنت سعید نامی عورت کو فروخت کر دیں۔

عاصمؓ سلاقہ کے بیٹوں کے قاتل...... یہ عورت مسافع اور جلاس کی ماں تھی جن کے باپ کا نام طلحہ ابن ابو طلحہ ابن عبدالدار تھا۔ بعض علماء کے کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سلاقہ بعد میں مسلمان ہو گئی تھی۔

غرض بنی ہذیل نے حضرت عاصمؓ کا سر اس عورت کو فروخت کرنے کا ارادہ کیا۔ کیونکہ غزوۂ احد میں حضرت عاصمؓ نے اس کے دونوں بیٹوں مسافع اور جلاس کو قتل کر دیا تھا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

سلاقہ کی منّت...... ان دونوں بھائیوں کو حضرت عاصمؓ نے تیر مارے تھے۔ دونوں کے ساتھ یہ واقعہ ہوا کہ جیسے ہی ایک کے تیر لگا وہ زخمی ہو کر ماں کے پاس آیا اور اس کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔ وہ پوچھتی بیٹے تجھے کس نے مارا تو وہ کہتا کہ تیر لگتے

وقت میں نے ایک شخص کو یہ کہتے سنا "لے سنبھال۔ میں ابن ابوالافلح ہوں۔ پھر دوسرے بیٹے نے بھی آکر یہی بیان دیا اور دونوں ختم ہو گئے۔

کاسہ سر میں شراب پینے کی نذر...... اس وقت سلاقہ نے منت مانی کہ اگر مجھے عاصم ابن ابوافلح کا سر مل گیا تو میں اس کی کھوپڑی میں شراب بھر کر پیوں گی۔ ساتھ ہی اس نے اعلان کر دیا کہ جو شخص بھی عاصم کا سر لا کر مجھے دے گا اس کو سو اونٹ انعام میں دوں گی۔ جیسا کہ یہ تفصیل گزر چکی ہے۔

عاصمؓ کی دعا...... (ادھر پیچھے بیان ہوا کہ جب حضرت عاصم کو مقابلے کے دوران اپنی موت کا یقین ہو گیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ اگر تیرے یہاں میرا کوئی عمل مقبول ہے تو جس طرح میں نے تیرے دین کی حفاظت کی ہے اسی طرح تو میرے جسم کی حفاظت فرما۔ یعنی شاید سلاقہ کی منت کا حال ان کو بھی معلوم ہو چکا تھا اس لئے انہوں نے یہ دعا کی تھی)۔

عاصمؓ کی لاش اور آسمانی حفاظت...... (حق تعالیٰ نے حضرت عاصمؓ کی دعا قبول فرمائی۔ چنانچہ ان کے قتل کے بعد وہاں بھڑیں جمع ہو گئیں) بنی ہذیل کے لوگ جب بھی حضرت عاصم کا سر اتارنے کے لئے بڑھتے تو درمیان میں بھڑیں اڑ کر ان کی طرف لپکتیں اور ان کے چہروں وغیرہ پر ڈنک مارتیں۔ آخر ان لوگوں نے مجبور ہو کر کہا:

"اسے فی الحال یہیں چھوڑ دو۔ رات کے وقت ہم آئیں گے اور لاش کا سر اتار لیں گے!"

مگر شام ہی کو وادی میں زبردست سیلاب آگیا اور پانی انکی لاش کو بہا کر کہیں کا کہیں لے گیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے انکی دعا پوری فرما دی چنانچہ جبھی سے حضرت عاصم کا لقب "حمی الدبر" پڑ گیا جس کے معنی ہیں وہ شخص جس کی محافظ بھڑیں ہوں۔

قریش بھی لاش کی جستجو میں...... ادھر جب قریش کو خبر ہوئی کہ حضرت عاصم قتل ہو گئے ہیں تو انہوں نے ان کی لاش حاصل کرنے کی جستجو کی اور اس مقصد سے اپنے آدمی بھیجے کہ اگر پوری لاش نہ بھی ملے تو اس کا کچھ ٹکڑا ہی مل جائے تاکہ وہ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے انتقام کی آگ بجھائیں کیونکہ حضرت عاصم نے قریش کے بہت بڑے اور عظیم آدمی کو قتل کیا تھا۔

عاصم قریش کے مجرم...... علامہ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ قریش کا وہ عظیم آدمی غالباً عقبہ ابن معیط تھا کیونکہ جنگ بدر سے واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے حضرت عاصم نے عقبہ کو بے کسی کی حالت میں قتل کر دیا تھا۔ جیسا کہ اس واقعہ کی تفصیل گزر چکی ہے۔

(قال) غالباً قریش کو یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ حضرت عاصم کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا ہے کہ پہلے بھڑوں نے لاش کی حفاظت کی (اور پھر سیلاب نے اسے غائب کر دیا) یا ممکن ہے انہیں صرف بھڑوں کا حال معلوم ہوا ہو اور انہوں نے یہ سمجھا ہو کہ بھڑوں نے لاش کو چاٹ لیا لیکن کچھ نہ کچھ حصہ باقی ہو گا۔ یعنی انہیں لاش کے سیلاب میں بہہ جانے کا حال معلوم نہ ہو (اور اسی لئے انہوں نے لاش یا لاش کے کچھ ٹکڑے حاصل کرنے کے لئے اپنے آدمیوں کو دوڑا دیا کہ جو کچھ بھی مل سکے لے کر آئیں)

عاصمؓ کا ایک عہد...... حضرت عاصمؓ نے ایک دفعہ یہ دعا کی تھی کہ زندگی بھر نہ وہ کسی مشرک کو ہاتھ لگائیں گے اور نہ کوئی مشرک ان کے جسم سے چھو سکے۔

ادھر ان کی یہ دعا بھی گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے گوشت یعنی جسم کی اسی طرح حفاظت فرمائے جس طرح انہوں نے اس کے دین کی حفاظت کی ہے۔ حق تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی چنانچہ ان کی زندگی میں کبھی ایسا نہیں ہو سکا اور نہ ان کی موت کے بعد کوئی انہیں چھو سکا۔

زندگی و موت میں عاصم کی حفاظت...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ جب حضرت عاصم نے یہ عہد کیا کہ وہ کسی مشرک کو نہیں چھوئیں گے اور انہوں نے اپنی یہ نذر اور عہد پورا بھی کیا تو اللہ تعالیٰ نے خود ان کے بدن کی اس طرح حفاظت فرمائی کہ کوئی مشرک ان کو ہاتھ نہ لگا سکا اور اس طرح حضرت عاصمؓ ہمیشہ معصوم یعنی محفوظ رہے۔

واقعہ رجیع کی دوسری روایت...... ایک قول ہے کہ دس صحابہ جو آنحضرت ﷺ کے جاسوسوں کے طور پر مدینے سے روانہ ہوئے تھے دراصل قریش کی خبریں معلوم کرنے کیلئے نہیں گئے تھے بلکہ حقیقۃً یہ لوگ قبیلہ عضل اور قبیلہ قارہ کی ایک جماعت کے ساتھ تبلیغی مقصد سے جا رہے تھے۔

نبی کے پاس عضل و قارہ کے وفد...... یہ عضل و قارہ بنی ہون کی ایک شاخ تھی۔ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینے میں حاضر ہوئے تھے۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

"یارسول اللہ ﷺ! ہمارے قبیلوں میں اسلام پھیل رہا ہے اس لئے آپ ہمارے ساتھ کچھ صحابہ کو بھیج دیجئے جو ہمیں مسائل واحکام سمجھائیں، قرآن سکھلائیں اور اسلام شریعت کی تعلیم دیں۔!"

علماء کیلئے درخواست اور غداری...... چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان دس صحابہ کو بنی ہون کے ساتھ بھیج دیا۔ یہ سب مدینے سے روانہ ہوئے اور جب رجیع کے مقام پر پہنچے تو قبیلہ عضل و قارہ کے لوگوں نے (غداری کی اور) چیخ چیخ کر بنی ہذیل کے لوگوں کو ان مسلمانوں پر حملہ کے لئے بلایا۔

بنی ہذیل کو حملہ کے لئے اشارہ...... مسلمان اس وقت معاملے کو سمجھے جب کہ بنی ہذیل کے لوگ تلواریں سونتے ہوئے ان کے سر پر آپہنچے۔ مگر پھر بھی صحابہ تلواریں سنبھال کر مقابلے کے لئے تیار ہوگئے۔ اس وقت بنی ہذیل کے لوگوں نے یہ چال چلی کہ مسلمانوں سے کہا:

"ہم تمہیں قتل کرنا نہیں چاہتے بلکہ ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ تمہارے بدلے مکے والوں سے کچھ مال و دولت حاصل کرلیں، ہم تمہیں اللہ کے نام پر عہد دیتے ہیں کہ (تم ہتھیار ڈال کر خود کر ہمارے قبضے میں دے دو تو) تمہیں ہرگز قتل نہیں کریں گے۔!"

مگر مسلمانوں نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔

حافظ دمیاطی نے اصحاب رجیع کے واقعہ کی صرف یہ دوسری تفصیل ہی لکھی ہے اور بیان کیا ہے کہ ان صحابہ کے امیر حضرت مرثد غنوی تھے۔ چنانچہ علامہ دمیاطی نے اس غزوہ کا نام یوں لکھا ہے۔ "سریہ مرثد غنوی بہ سوئے رجیع" پھر اس طرح شروع کیا ہے کہ۔ آنحضرت ﷺ کے پاس قبیلہ عضل و قارہ کا ایک وفد آیا اور اس نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ہمارے قبیلہ میں اسلام کو فروغ ہو رہا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

مگر واقعہ کی تفصیل میں علامہ دمیاطی نے لکھا ہے کہ صحابہ کی اس جماعت پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عاصم کو امیر بنایا۔ اور ایک قول کے مطابق حضرت مرثد غنوی کو بنایا تھا۔ نیز انہوں نے اس سریہ کو اس کے بعد والے سریہ یعنی سریہ قراء کے بعد بیان کیا ہے جو بئر معونہ کی طرف گیا تھا۔

سریۂ قرّاء سوئے بئر معونہ

رسول اللہ ﷺ کے پاس ابو عامر مالک ملاعب الاسنہ آیا' اس کو ملاعب الرماح بھی کہا جاتا تھا' یہ شخص بنی عامر کا سردار تھا اور اس کو ابو براء بھی کہتے ہیں۔ براء میں الف پر مد ہے۔ بنی عامر کے لوگ دشمن خدا عامر ابن طفیل کے قبائلی چچا ہوتے تھے۔

ابو عامر مشرک کا ہدیہ...... غرض ابو عامر نے آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہو کر آپ کو دو ترکش اور دو سواریاں یعنی اونٹنیاں ہدیہ پیش کیں' مگر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"میں کسی مشرک کا ہدیہ نہیں لوں گا۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ مجھے مشرکوں کے ہدیہ لینے کی ممانعت کی گئی ہے۔!"

حضور ﷺ سے تبرک وشفا کی درخواست...... مؤلف کہتے ہیں: علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ ابو عامر نے آنحضرت ﷺ کو ایک گھوڑا ہدیہ بھیجا تھا اور پیغام بھیجا تھا کہ درد و تکلیف میں مبتلا ہوں اس لئے مجھے کوئی چیز بھجوا دیجئے جس سے میری تکلیف جاتی رہے۔ (یعنی غیر مسلم ہونے کے باوجود آنحضرت ﷺ پر اعتقاد کا یہ عالم تھا)

رسول اللہ ﷺ نے اس کو ایک برتن میں شہد بھیجا اور کہلایا کہ اسے کھائے شفا حاصل ہوگی ساتھ ہی آپ ﷺ نے یہ بھی کہلایا کہ مشرک کا تحفہ لینے سے مجھے منع کیا گیا ہے۔

یہاں جس لفظ کا ترجمہ تحفہ کیا گیا ہے وہ لفظ حدیث میں زبد ہے جسکے معنی مکھن یا مسکہ کے ہیں۔ علامہ سہیلی کہتے ہیں کہ حدیث میں جو لفظ زبد ہے (اس کی اصل وہی لفظ زبد ہے جسکے معنی مسکہ کے ہیں کیونکہ مراد یہ ہے کہ مجھے مشرکوں کو خوش رکھنے یا اس کے ساتھ لچک دار معاملہ کرنے سے منع کیا گیا ہے (اس کی اصل اردو میں موجود ہے اگرچہ اردو میں یہ ایک گھٹیا محاورہ ہے یعنی کسی کو خوش کرنے کے لئے مسکہ لگانے کا کلمہ بولا جاتا ہے) عربی میں اس کو مداہنت بھی کہتے ہیں کہ یہ لفظ دہن سے نکلا ہے جسکے معنی تیل کے ہیں لہٰذا مداہنت کو چکنا کرنے یا تیل لگانے کے معنی میں لے کر مراد وہی نکلتی ہے کہ کسی کو خوش کرنے کی کوشش کرنا اور اس کے ساتھ نرم معاملہ کرنا)۔

ابو عامر کے سلسلے میں دو روایتیں گزری ہیں۔ ایک کے مطابق وہ خود آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور اس نے آپ ﷺ کو ترکش اور سواریاں ہدیہ میں پیش کیں جنہیں آپ ﷺ نے قبول نہیں فرمایا۔ دوسری کے مطابق ابو عامر خود نہیں آیا بلکہ اس نے آپ ﷺ کو ہدیہ میں گھوڑا بھیجا۔ غالباً یہ دونوں واقعات علیحدہ علیحدہ ہیں اور گھوڑا بھیجنے کا واقعہ دوسرا یعنی اس کے خود آنے کے بعد کا ہے۔ مگر یہ احتمال بھی ہے کہ پہلے کا ہو جو زیادہ قرین قیاس ہے۔ واللہ اعلم

ابو عامر کی اسلام سے محرومی...... غرض جب ابو عامر آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے اسکے سامنے اسلام پیش کیا اور اسے دین کی دعوت دی مگر وہ مسلمان نہیں ہوا اگرچہ وہ اسلام سے بہت دور نہیں تھا (یعنی اسلام کو جانتا پہچانتا اور اس کی سچائی سمجھتا تھا) چنانچہ اس نے جواب میں آنحضرت ﷺ سے کہا:

"میں سمجھتا ہوں کہ آپ کا یہ پیغام نہایت اچھا اور شریفانہ ہے۔!"

مبلغین کیلئے درخواست...... صحیح روایت کے مطابق وہ مسلمان نہیں ہوا۔ مگر بعض علماء نے ابو عامر کو صحابہ میں شمار کیا ہے (اور ان کی رائے کے مطابق وہ مسلمان ہو گیا تھا) غرض اس کے بعد ابو عامر نے آپ ﷺ سے عرض کیا۔ "اے محمد ﷺ! بہتر ہو کہ آپ اپنے کچھ صحابہ کو نجد والوں کی طرف بھیج دیں جہاں بنی عامر اور بنی سلیم آباد ہیں۔ وہ لوگ نجد والوں کو آپ کے دین

کی تبلیغ کریں اور دعوت دیں مجھے امید ہے کہ نجد کے لوگ اس دعوت کو قبول کرلیں گے اور کامیابی ہو گی۔"

حضور ﷺ کا تامل.....رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مجھے صحابہ کے متعلق نجد والوں کی طرف سے خطرہ ہے۔" ابو براء یعنی ابو عامر نے کہا:

ابو عامر کی ذمہ داری و پناہ..... "میں ان کو پناہ دیتا ہوں وہ لوگ میری پناہ اور میری ذمہ داری میں ہوں گے اس لئے اب آپ ﷺ ضرور اپنے صحابہ کو وہاں بھیجئے کہ وہ لوگوں کو آپ کے دین کی دعوت دیں۔!"

اس کے بعد (جب صحابہ کا جانا طے ہو گیا تو) خود ابو براء پہلے ہی نجد کی جانب روانہ ہو گیا وہاں پہنچ کر اس نے لوگوں میں اعلان کیا کہ میں نے محمد ﷺ کو صحابہ کو پناہ دے دی ہے (یعنی اب ان کے مقابلے پر آنے کا مطلب میرے مقابلے پر آنا ہے)۔

منذر کیساتھ جماعت مبلغین.....چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اہل نجد میں تبلیغ کیلئے حضرت منذرؓ ابن عمرو کو چالیس آدمیوں کیساتھ اور ایک روایت کے مطابق ستر آدمیوں کیساتھ بھیجا' حافظ دمیاطی نے صرف ستر کی تعداد ہی لکھی ہے کیونکہ صحیح بخاری کی روایت میں یہی تعداد ہے۔ نیز ایک قول تیس آدمیوں کا بھی ہے جو سب کے سب نہایت عابد و زاہد اور بہترین مسلمان تھے۔

یہ زاہد و متقی بندے.....چونکہ یہ حضرات ہر وقت قرآن کریم کی تلاوت اور درس میں مشغول رہتے تھے اس لئے اس جماعت کو قراء یعنی قاریوں کی جماعت کہا جاتا تھا ان کا معمول تھا کہ شام ہوتے ہی یہ مدینہ کے ایک حصہ میں جمع ہو جاتے جہاں نمازیں پڑھتے اور قرآن پاک کی تلاوت کرتے اور اس کے پڑھانے میں مشغول رہتے۔ اس کی وجہ سے اس حصے کے لوگ یہ سمجھتے کہ وہ مسجد میں بیٹھے ہوئے ہیں اور مسجد والے یہ سمجھتے کہ وہ اپنے گھر والوں کے پاس ہیں۔

صبح کو یہ حضرات میٹھا پانی ڈھونڈ کر لاتے لکڑیاں چنتے اور انہیں رسول اللہ ﷺ کے حجروں میں لاتے۔ بعض علماء نے یوں لکھا ہے کہ یہ لوگ دن میں لکڑیاں جمع کرتے اور راتوں کو قرآن کریم کے درس و قرأت میں مشغول رہتے تھے۔ لکڑیاں بیچ کر یہ حضرات اصحاب صفہ کے لئے کھانا خریدا کرتے تھے۔

بہر حال روایات کے اس اختلاف سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ہو سکتا ہے کسی روز یہ لوگ دن میں لکڑیاں چنتے ہوں اور کسی روز صبح سویرے چنتے ہوں' اور یہ کہ ان میں سے کچھ لوگ ایک کام کرتے ہوں اور دوسرے دوسرا کام کرتے ہوں۔ ان ہی قراء کو حضرات کو آنحضرت ﷺ نے اہل نجد کی تعلیم کے لئے بھیجا ان میں حضرت عامر ابن فہیرہؓ بھی تھے۔

روانگی..... آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک مکتوب بھی لکھ دیا۔ اس کے بعد یہ لوگ مدینہ سے روانہ ہوئے یہاں تک کہ بئر معونہ یعنی معونہ کنویں پر جا کر ٹھہرے۔ یہ بئر معونہ بنی عامر کے علاقہ اور بنی سلیم کی سرزمین کے درمیان میں تھا۔ بنی سلیم کے علاقے کو حرہ کہا جاتا تھا جہاں سیاہ رنگ کے پتھر بکثرت تھے۔

عامر کے پاس قاصد..... یہاں قیام کر کے ان حضرات نے حرام ابن ملحان کو جو حضرت انسؓ کے ماموں تھے آنحضرت ﷺ کا خط دے کر دشمن خدا عامر ابن طفیل لعنہ اللہ کے پاس بھیجا جو بنی سلیم کا سردار اور سرغنہ تھا۔ ایک روایت کے الفاظ میں وہ بنی عامر کا سرگروہ تھا اور ابو براء عامر ابن مالک کا بھتیجا تھا جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا ہے۔

قاصد کا قتل.....جب حرام ابن ملحان آنحضرت ﷺ کا گرامی نامہ لے کر عامر ابن طفیل کے پاس پہنچے تو اس نے خط کو پڑھنا بھی گوارا نہ کیا بلکہ اس نے یہاں تک سرکشی کی کہ حضرت حرام کو قتل کر دیا۔ جب حرام ابن ملحان وہ خط لے کر عامر کے پاس پہنچے تو انہوں نے وہاں موجود لوگوں سے کہا:

"اے بئر معونہ کے لوگو! میں رسول اللہ ﷺ کے قاصد کی حیثیت سے تمہارے پاس آیا ہوں اس لئے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔!"

اسی وقت ایک شخص خاموشی کے ساتھ حضرت حرام کے پیچھے سے آیا اور اس نے ان کے پہلو میں نیزہ مارا جو ان کے دوسرے پہلو سے پار ہو گیا۔ اس وقت حضرت حرام نے بلند آواز سے کہا:

"اللہ اکبر۔ رب کعبہ کی قسم میں کامیاب و کامران ہو گیا۔!"

اسی وقت عامر ابن طفیل نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اس طرح۔ اور ان کا خون ان کے چہرے اور سر پر مل دیا۔ پھر اس نے بنی عامر کو باقی صحابہ کے قتل کرنے کے لئے جوش دلانا چاہا مگر انہوں نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا (کیونکہ عامر کے چچا ابو براء نے ان صحابہ کو اپنی پناہ دینے کا اعلان کیا تھا) بنی عامر نے ابن طفیل سے کہا۔ "نہ ہم ابو براء کی حیثیت خراب کریں گے اور نہ اس کے وعدے اور پناہ کو جھوٹا بنا سکتے ہیں اس نے ان مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کیا ہے اور ان کو پناہ دی ہے۔!"

بنی سلیم کے ہاتھوں بقیہ صحابہ کا قتل...... اس پر عامر ابن طفیل نے بنی سلیم کے قبائل کو بھڑکانے کی کوشش کی کہ وہ صحابہ پر حملہ آور ہوں۔ حافظ دمیاطی نے بنی سلیم کے ان خاندانوں کے نام عصیہ، رعل اور ذکوان لکھے ہیں۔ بعض علماء نے ان میں بنی لحیان کا اضافہ بھی کیا ہے مگر بعض علماء نے بنی لحیان کے متعلق کہا ہے کہ اس جگہ ان کا ذکر نہیں ہے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں۔ یہاں ان قبائل بنی سلیم کے ساتھ جس نے بنی لحیان کا بھی ذکر کیا ہے اس کو یہ مغالطہ اس لئے ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے ان قبائل کے لئے جب بد دعا فرمائی تو اس میں بنی لحیان کا بھی ذکر فرمایا تھا۔ حالانکہ آگے بیان ہو گا کہ آنحضرت ﷺ نے بد دعا میں بنی لحیان کو اس لئے شامل فرمایا تھا کہ آپ کو اصحاب رجیع اور اصحاب بئر معونہ کے قتل کی خبریں ایک ہی دن ملی تھیں اور بنی لحیان، اصحاب رجیع کے قاتل تھے۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ نے ان دونوں واقعات پر ظالموں کے خلاف ایک ہی مرتبہ میں بد دعا فرمائی۔ واللہ اعلم

زندہ بچ جانے والے...... غرض عامر کی پکار پر یہ قبائل یعنی عصیہ، رعل اور ذکوان فوراً آگئے (اور صحابہ کو قتل کرنے پر تیار ہو گئے) اس کے بعد یہ لوگ مسلمانوں کی طرف بڑھے اور انہوں نے صحابہ کے پڑاؤ کو گھیر لیا جب مسلمانوں نے یہ صورتحال دیکھی تو وہ فوراً تلواریں سونت کر مقابلہ پر آگئے آخر لڑتے لڑتے ایک ایک مسلمان شہید ہو گیا البتہ حضرت کعب ابن زید زندہ بچ گئے کیونکہ (زخمی ہو کر گرنے کے بعد) ان میں زندگی کی کچھ رمق باقی رہ گئی تھی (اور دشمن انہیں مُردہ سمجھ کر چھوڑ گئے تھے) بعد میں انہیں میدان سے اٹھایا گیا (وہ تندرست ہو کر اس کے بعد غزوۂ خندق تک زندہ رہے اور غزوۂ خندق میں شہید ہوئے)۔

اسی طرح حضرت عمرو ابن امیہ ضمری اور ایک تیسرے شخص بھی زندہ بچ جانے میں کامیاب ہو گئے کیونکہ یہ دونوں ادھر ادھر گئے ہوئے تھے۔ جب مشرکوں نے مسلمانوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا تو صحابہ نے اللہ تعالیٰ سے یوں فریاد کی اور دعا کی:

"اے اللہ! ہمارے پاس تیرے سوا کوئی ایسا ذریعہ نہیں جو ہماری طرف سے تیرے رسول تک سلام پہنچا دے پس تو ہی آنحضرت ﷺ تک ہمارا سلام پہنچا دے۔!"

آنحضرت ﷺ کو آسمانی اطلاع...... اسی وقت جبرئیلؑ نے آنحضرت ﷺ کو اس بات کی اطلاع دی اور آپ ﷺ نے اسی وقت فرمایا وعلیہم السلام یعنی ان پر سلام ہو۔ ایک روایت کے مطابق اس موقعہ پر مسلمانوں نے ان الفاظ میں اللہ سے دعا کی تھی کہ:

"اے اللہ! ہماری طرف سے ہمارے نبی کو یہ اطلاع پہنچادے کہ ہم تجھ سے مل گئے پس ہم تجھ سے راضی ہو گئے اور تو ہم سے راضی ہو گیا۔!"

خطبہ میں واقعہ کا بیان...... جب رسول اللہ ﷺ کو آسمان سے اس واقعہ کی خبر پہنچی تو آپ ﷺ (خطبہ کے لئے) کھڑے ہوئے۔ پہلے آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرمائی اور پھر صحابہ سے فرمایا:

"تمہارے بھائی مشرکوں سے دوچار ہو گئے جنہوں نے ان سب کو قتل کر ڈالا ہے' مسلمانوں کے لبوں پر اس وقت یہ الفاظ تھے کہ۔ اے اللہ! ہماری طرف سے ہماری قوم کو یہ اطلاع پہنچادے کہ ہمیں اپنے رب کی ملاقات حاصل ہو گئی ہم اس سے راضی ہو گئے اور ہمارا رب ہم سے راضی ہو گیا۔

ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ۔ پس وہ ہم سے راضی ہو گیا اور ہمیں راضی کر لیا۔

"پس اب میں تمہارے سامنے ان مسلمانوں کے قاصد اور پیغامبر کے طور پر کھڑا ہوں کہ وہ اللہ سے راضی ہو گئے اور اللہ ان سے راضی ہو گیا۔ (یہاں آنحضرت ﷺ نے ان صحابہ کے جو الفاظ نقل فرمائے وہ یوں ہیں:)

رَبَّنَا بَلِّغْ قَوْمَنَا اَنَّا قَدْ لَقِيْنَا رَبَّنَا وَرَضِيْنَا عَنْهُ وَرَضِيَ عَنَّا رَبُّنَا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ فَرَضِيَ عَنَّا وَاَرْضَانَا)

منسوخ آیت...... حضرت انسؓ نے ذکر کیا ہے کہ صحابہ کے یہ کلمات جو ذکر کئے گئے قرآن تھے جس کی تلاوت کی جاتی رہی مگر بعد میں یہ تلاوت منسوخ ہو گئی' لہٰذا اس منسوخی کے بعد ان کلمات کے لئے قرآن کا درجہ باقی نہیں رہا جس کی تلاوت عبادت ہے اور جس کو طہارت اور پانی کے بغیر چھوا نہیں جا سکتا۔ لہٰذا اس کو نماز میں نہیں پڑھا جا سکتا۔ اسی طرح اور جو قرآنی احکام ہیں وہ ان کلمات پر جاری نہیں ہوں گے۔

غرض حضرت عمرو ابن امیہ ضمری اور ان کے ساتھ ایک دوسرے شخص بچ گئے تھے کیونکہ مشرکوں کے حملہ کے وقت یہ دونوں اونٹ چرانے گئے ہوئے تھے۔ اب انہوں نے دور سے دیکھا کہ ان کے پڑاؤ کی جگہ کے اوپر پرندے اڑ رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم ان پرندوں کے منڈلانے کی کوئی خاص وجہ ہے۔ فوراً ہی یہ دونوں حال معلوم کرنے اپنے پڑاؤ کی طرف آئے تو انہوں نے اپنے ساتھیوں کو خاک و خون میں پڑا پایا۔ وہیں یہ گھوڑے سوار بھی کھڑے ہوئے تھے جو ان صحابہ کے قاتل تھے۔

ایک صحابی کی غیرت و جرأت...... یہ منظر دیکھ کر حضرت عمرو کے ساتھی نے پوچھا کہ اب کیا رائے ہے؟ حضرت عمرو نے کہا:

"میری رائے ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچیں اور آپ ﷺ کو اس حادثہ کی خبر دیں۔!"

اس پر ان کے ساتھی نے کہا:

"مگر جس جگہ منذر ابن عمرو جیسا آدمی شہید ہوا ہے وہاں سے میں اپنی جان بچا کر ہرگز نہیں جاؤں گا۔"

عمرو کی گرفتاری...... چنانچہ یہ دونوں سامنے آکر دشمن کے مقابلے میں پہنچ گئے یہاں تک کہ لڑتے لڑتے یہ شخص تو شہید ہو گیا اور حضرت عمرو بن امیہ گرفتار ہو گئے ان لوگوں کے پوچھنے پر حضرت عمرو نے بتلایا کہ میں قبیلہ بنی مضر سے ہوں۔

آزادی اور واپسی...... اس پر عامر ابن طفیل نے عمرو کو پکڑا اور انہیں بالوں سے کھینچا پھر انہیں اپنی ماں کی طرف سے آزاد کر دیا جس نے ایک غلام کو آزاد کرنے کی منت مان رکھی تھی۔ اس کے بعد عمرو ابن امیہ وہاں سے روانہ ہوئے یہاں تک کہ ایک سائے دار جگہ پر پہنچ کر بیٹھ گئے۔ اسی وقت دو آدمی وہاں اور آئے اور حضرت عمرو کے پاس آکر بیٹھ گئے۔ عمرو نے ان سے ان کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتلایا کہ ہم بنی عامر سے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے خود کو بنی سلیم کا بتلایا۔

عامری حضور کی پناہ تھے...... ان دونوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا معاہدہ تھا (جس کے تحت آپ ﷺ نے ان کو امان دے رکھی تھی) مگر عمرو ابن امیہ کو اس معاہدہ کا کچھ پتہ نہیں تھا۔ عمرو ان دونوں کے سونے کا انتظار کرنے لگے جب انہیں نیند آگئی تو عمرو نے دونوں کو قتل کر دیا۔ ان کے ذہن میں اس وقت صرف یہ خیال تھا کہ انہوں نے ان کے ذریعہ بنی عامر سے صحابہ کا انتقام لے لیا ہے۔

حضور ﷺ کو واقعہ کی اطلاع...... اس کے بعد جب عمرو رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے اور آپ ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع دی اور ان دونوں آدمیوں کو قتل کرنے کی خبر بھی سنائی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"تم نے دو ایسے آدمیوں کو قتل کیا ہے جن کی دیت اور جان کی قیمت مجھے خود ادا کرنی پڑے گی۔"

پھر آنحضرت ﷺ نے صحابہ کے قتل کے واقعہ کے متعلق فرمایا:

"یہ ابو براء کی حرکت ہے۔ میں اسی وجہ سے پس و پیش بھی کر رہا تھا اور ڈر بھی رہا تھا۔"

ابو براء کو شدید صدمہ...... ادھر جب ابو براء کو معلوم ہوا کہ اس کے بھتیجے عامر ابن طفیل نے اس کی پناہ اور امان کو توڑ دیا تو اس کو زبردست صدمہ ہوا اور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کا اس کی وجہ سے جو انجام ہوا اس سے اسے اور زیادہ تکلیف اور صدمہ ہوا۔

ربیعہ عامر کی تاک میں...... ادھر ابو براء کے بیٹے ربیعہ نے عامر ابن طفیل پر جو اس کا چچازاد بھائی ہوتا تھا حملہ کیا اور اس کے نیزہ مارا جو اس کی ران میں لگا اور وہ اپنے گھوڑے سے گر پڑا۔ اسی وقت اس نے چلا کر کہا:

"اگر میں مر گیا تو میرا خون ابو براء پر ہوگا اور اگر میں زندہ رہ گیا تو دیکھوں گا۔"

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ تو اپنا معاملہ خود دیکھوں گا۔!"

ربیعہ حضور کی بارگاہ میں...... کتاب اصابہ میں یوں ہے کہ ربیعہ ابن ابو براء رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تھا اور اس نے کہا تھا:

"کیا میرے باپ کے اوپر سے یہ کلنک کا ٹیکہ اس طرح دھل سکتا ہے کہ میں عامر ابن طفیل پر تلوار یا نیزے کا ایک وار کر دوں؟"

آپ ﷺ نے فرمایا۔ ہاں!۔ چنانچہ ربیعہ اسی وقت واپس ہوا اور ایک جگہ اس نے عامر ابن طفیل کو پا کر اس پر وار کیا جو پہلے سے زیادہ سخت تھا۔ اسی وقت عامر کی قوم کے لوگوں نے ربیعہ کو گھیر لیا اور عامر سے کہا کہ بدلہ لے لو مگر عامر نے کہا کہ میں نے اسے معاف کیا۔

صدمہ سے ابو براء کی موت...... ادھر اس دوران میں ابو براء اپنے بھتیجے کی اس حرکت اور اپنی رسوائی کے غم میں مر چکا تھا۔ اب ربیعہ کے ہاتھوں زخمی ہونے کے باوجود عامر ابن طفیل اس زخم سے ہلاک نہیں ہوا بلکہ بعد میں وہ آنحضرت ﷺ کی بددعا کے نتیجہ میں طاعون کی بیماری سے ہلاک ہوا جیسا کہ اس واقعہ کی تفصیل آگے وفود کے بیان میں بنی عامر کے وفد کے تحت آئے گی۔

جہاں تک ابو براء کے مسلمان ہونے کا تعلق ہے تو اس بارے میں بعض علماء نے لکھا ہے کہ ابو براء کو صحابہ میں شمار کر کے علامہ مستغفری نے غلطی کی ہے۔

ابن فہیرہ کی شہادت اور کرامت...... اس موقعہ پر مشرکین سے لڑائی میں جب حضرت عامر ابن فہیرہ قتل ہوئے تو ان کو آسمان پر اٹھا لیا گیا (یعنی ان کا جسم اللہ تعالیٰ نے اوپر اٹھا لیا۔ ان کے قاتل نے جب یہ کرامت دیکھی تو وہ اسی وقت مسلمان

ہو گیا۔ یہ شخص جبار ابن سلمی تھا۔ عامر ابن طفیل نہیں تھا جیسے کہ بعض روایات میں آیا ہے وہ بیان ہو چکیں۔

جب رسول اللہ ﷺ کو عامر ابن فہیرہ کے قتل کی خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"عامر ابن فہیرہ کی لاش کو فرشتوں نے دفن کیا ہے۔"

لاش آسمان کی بلندیوں میں...... مراد ہے زمین میں دفن کیا ہے۔ کیونکہ ایک روایت کے مطابق ان کو آسمان پر اٹھالیا گیا اور پھر دوبارہ زمین پر رکھا گیا جیسا کہ بخاری میں ہے۔

چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ عامر ابن طفیل نے ایک مقتول کی طرف اشارہ کر کے حضرت عمرو ابن امیہ سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے؟ عمرو ابن امیہ نے کہا کہ یہ عامر ابن فہیرہ ہیں۔

اس نے کہا۔ "میں نے دیکھا تھا کہ قتل کے بعد انہیں آسمان کی طرف اٹھالیا گیا تھا یہاں تک کہ میں ان کے اور زمین کے درمیان آسمان کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے بعد پھر انہیں نیچے لاکر رکھ دیا گیا۔

اس روایت میں یوں ہے کہ عامر ابن فہیرہ کو اسی روز مقتولوں میں تلاش کیا گیا مگر وہ نہیں ملے تو لوگوں نے سمجھا کہ ان کو فرشتے اٹھا کر لے گئے۔ اس روایت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں نے ان کو زمین پر لاکر دفن نہیں کیا بلکہ ان کو اٹھا کر اوپر لے گئے تھے۔

چنانچہ اس بات کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ عامر ابن طفیل حضرت عمرو کے ساتھ لاشوں کے درمیان آیا اور ان سے ایک ایک مقتول کے متعلق پوچھنے لگا کہ اس کا نام کیا ہے؟ اس کا نام کیا ہے اور اس کا نام کیا ہے؟ اس کے بعد کہنے لگا:

"کیا تمہارا کوئی ایسا ساتھی بھی ہے جس کی لاش ان مقتولوں میں نہیں ہے؟"

اس پر حضرت عمرو نے کہا:

"ہاں! میں ان میں ابو بکر صدیق ؓ کے غلام عامر ابن فہیرہ کو نہیں دیکھ رہا ہوں۔"

عامر نے کہا:

"وہ شخص تم میں کس حیثیت کا آدمی تھا؟"

عمرو نے کہا:

"وہ ہم میں بہت افضل اور مسلمانوں میں بہترین شخص تھے جو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے تھے۔"

شہداء بئر معونہ پر زبردست صدمہ...... اس پر عامر نے بتایا کہ جب وہ قتل ہوئے تو ان کو آسمان کی طرف اٹھالیا گیا تھا۔

حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کسی شخص کے لئے اس قدر رنجیدہ نہیں دیکھا جتنا آپ ﷺ صحابہ بئر معونہ کے حادثہ پر رنجیدہ اور غمگین ہوئے (واضح رہے کہ چونکہ یہ صحابہ بئر معونہ کے مقام پر قتل کئے گئے تھے اس لئے ان حضرات کو اصحاب بئر معونہ کیا گیا ہے اور اس واقعہ کو واقعہ بئر معونہ کہا جاتا ہے) اور رسول اللہ ﷺ نے ان مشرکین اور قاتلوں کے لئے تین روز تک صبح کو بددعاء فرمائی۔

قاتلوں کے خلاف شدید ردّ عمل...... مؤلف کہتے ہیں: شیخین کی روایت میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک مہینے تک مسلسل دعائے قنوت پڑھتے اور اصحاب بئر معونہ کے قاتلوں کیلئے بددعا فرماتے رہے۔ یعنی پانچوں نمازوں میں آخری رکعت کے رکوع سے کھڑے ہونے کے بعد۔ لہٰذا اب صبح سے مراد دن اور رات ہو گئی۔ ہمارے یعنی بعض شافعی علماء نے بیان کیا ہے

کہ اس مذکورہ دعا میں رسول اللہ ﷺ دونوں ہاتھوں کو اٹھایا کرتے تھے اور اسی عمل کو دیکھ کر صبح کی نماز میں بھی دونوں ہاتھ اٹھا کر قنوت پڑھنے کو قیاس کیا گیا۔

حاکم نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ قنوت صبح میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھایا کرتے تھے۔ چونکہ آنحضرت ﷺ نے اصحاب بئر معونہ کے قاتلوں کے حق میں قنوت اور بددعا فرمائی تھی اس لئے اس کی بنیاد پر ہمارے یعنی شافعی فقہاء نے یہ دلیل حاصل کی ہے کہ مصیبتوں کے وقت تمام نمازوں میں قنوت پڑھنا مستحب ہے (جیسا کہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے)۔

سیرت کی ایک کتاب میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مہینے تک چاشت کی نماز میں ان قاتلوں کے لئے بددعا فرمائی۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ آپ ﷺ صبح کی نماز میں یہ دعا فرمایا کرتے تھے اور یہی قنوت کی ابتداء ہے جب کہ اس سے پہلے آپ ﷺ قنوت نہیں پڑھا کرتے تھے یہ روایت شیخین کی ہے۔

علامہ جلال سیوطیؒ سے ایک دفعہ پوچھا گیا کہ آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ کے قاتلوں کے حق میں جو بددعا فرمایا کرتے تھے آیا وہ مشہور دعائے قنوت سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا کرتے تھے یا آپ ﷺ کی وہ دعا ہی قنوت تھی۔

علامہ سیوطیؒ نے جواب دیا کہ میں ایسی کسی حدیث سے واقف نہیں ہوں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ قنوت اور دعا دونوں کو جمع کرتے تھے۔ علامہ کہتے ہیں۔ بلکہ احادیث کے ظاہری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ (ان قاتلوں کے خلاف صرف دعا ہی فرمایا کرتے تھے لہٰذا آپ ﷺ کی قنوت وہ دعا ہی تھی۔ یہی بات ہمارے شافعی علماء کے قول کے مطابق ہے۔ اور نماز فجر کی آخری رکعت میں رکوع سے کھڑے ہونے کے بعد مطلقاً دعاء قنوت پڑھنا اور باقی تمام نمازوں کے آخر میں مصیبتوں کیلئے دعائے قنوت مستحب ہے۔ دعائے قنوت یہ مشہور دعا ہے: اَللّٰهُمَّ اِهْدِنَا الخ۔ یعنی القنوت میں ال عہد کیلئے ہے۔ واللہ اعلم

اصحاب رجیع واصحاب بئر معونہ...... ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ ان تمام مشرکوں کے لئے بددعا فرماتے رہے جنہوں نے دونوں مقامات پر آپ ﷺ کے صحابہ کے ساتھ دغابازی کر کے انہیں قتل کیا۔ یعنی بئر معونہ اور رجیع کے مقامات پر۔ یعنی آنحضرت ﷺ ایک ہی دعا میں دونوں واقعات کے قاتلوں کو شامل فرمایا کرتے تھے کیونکہ آپ ﷺ کو ان دونوں واقعات کی خبر ایک ہی وقت میں ملی تھی جیسا کہ بیان ہوا۔

امام بخاریؒ نے بئر معونہ اور بعث رجیع کو ایک ساتھ ہی بیان کیا ہے کیونکہ زمانے کے لحاظ سے یہ واقعات ایک دوسرے سے بہت قریب ہیں چنانچہ بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ عرب کے بعض خاندانوں یعنی رعل' ذکوان' عصیہ اور بنی لحیان کے حق میں بددعا فرماتے رہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی واقعہ ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ بنی لحیان نے اصحاب رجیع کو قتل کیا تھا اور ان دوسرے خاندانوں نے اصحاب بئر معونہ کو قتل کیا تھا جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سریۂ محمد ابن مسلمہ بسوئے قرطاء

یہ لفظ قاف کے زبر کے ساتھ قرطاء ہے بنی بکر ابن کلاب کے لوگ تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت محمدؓ ابن مسلمہ کو تیس سواروں کے ساتھ قرطاء کے طرف روانہ فرمایا۔

مسلم دستہ کو ہدایات...... آپ ﷺ نے انہیں حکم فرمایا تھا کہ رات کو سفر کیا کریں اور دن میں کسی کمین گاہ میں چھپ رہا کریں۔ ساتھ ہی آپ ﷺ نے ابن مسلمہ کو یہ حکم فرمایا تھا کہ بنی بکر پر چاروں طرف سے حملہ کریں۔ چنانچہ ابن مسلمہ حکم کے مطابق راتوں کو سفر کرتے اور دن میں کمین گاہوں میں بسر کرتے ہوئے چلے۔

(قال) راہ میں انہوں نے کچھ سوار دیکھے جو پڑاؤ ڈال رہے تھے ابن مسلمہ نے اپنا ایک آدمی ان کے پاس بھیجا تا کہ یہ معلوم کریں کہ وہ کون لوگ ہیں۔ وہ شخص گیا اور کچھ دیر بعد ابن مسلمہ کے پاس واپس آ کر کہنے لگا:

''یہ لوگ ان میں سے ہیں جو برسر جنگ ہیں۔!''

راہ میں ایک فتح...... ابن مسلمہ نے ان کے قریب ہی اپنا پڑاؤ ڈالا اور ان کو اتنی مہلت دی کہ انہوں نے پانی کے گرد اپنے اونٹ بٹھا لئے اس کے بعد انہوں نے ان پر حملہ کر دیا اور ان میں سے کچھ لوگوں یعنی دس آدمیوں کو قتل کر دیا اور باقی سب کے سب بھاگ گئے۔ ان لوگوں کا مال و دولت اور بکریاں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔ جہاں تک بھاگنے والوں کی عورتوں وغیرہ کا تعلق ہے ابن مسلمہ نے ان کی طرف توجہ نہیں دی۔

بنی بکر پر حملہ اور فتح...... اس کے بعد ابن مسلمہ آگے روانہ ہوئے یہاں تک کہ وہ ایسے مقام تک پہنچ گئے جہاں سے بنی بکر کی بستی سامنے نظر آتی تھی یہاں سے ابن مسلمہ نے عابد ابن بشیر کو ان کی طرف بھیجا اور خود اپنے ساتھیوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور اچانک بنی بکر پر حملہ کیا۔ مسلمانوں نے دشمن کے دس آدمی ہلاک کئے اور بہت سا مال اور بکریوں کو قبضہ میں کیا۔

مدینہ واپسی اور تقسیم غنیمت...... اس کے بعد ابن مسلمہ واپس مدینہ آ گئے۔ جو مال غنیمت یہ اپنے ساتھ لائے تھے آنحضرت ﷺ نے اس کے پانچ حصے کئے۔ آپ ﷺ نے ایک اونٹ کو دس بکریوں کے برابر قرار دیا۔ اس مال میں ڈیڑھ سو اونٹ تھے اور تین ہزار بکریاں تھیں۔

قیدیوں میں سردار یمامہ...... اس سریہ میں مسلمانوں نے جو قیدی بنائے تھے ان میں ثمامہ ابن اثال حنفی بھی تھا جو بنی حنفیہ میں سے تھا اور اہل یمامہ کا سردار تھا مسلمان اس کو پہچانتے نہیں تھے بلکہ ایک عام آدمی سمجھ کر پکڑ لائے تھے۔

جب اس کو رسول اللہ ﷺ کے حضور میں پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''کیا تم جانتے ہو کہ تم کس کو گرفتار کر کے لائے ہو۔ یہ ثمامہ ابن اثال حنفی ہے۔ اس قیدی کیساتھ اچھا سلوک کرو!''

ثمامہ پر قابو کیلئے نبی کی دعا...... چنانچہ اس کو مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا گیا۔

ایک قول یہ ہے کہ ثمامہ کو اس سریہ والوں نے گرفتار نہیں کیا تھا بلکہ اصل میں وہ عمرہ کرنے کے لئے مکہ جا رہا تھا راہ میں وہ مدینہ میں آیا مگر مدینہ پہنچ کر کچھ دن ٹھہر گیا۔

وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مسلمیہ کذاب کا قاصد بن کر بھی آیا تھا اور دھوکہ سے آنحضرت ﷺ پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔

آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس پر آپ ﷺ کو قابو عطا فرمائے۔

قیدی ثمامہ کی خاطر داری..... چنانچہ (آنحضرت ﷺ کی دعا قبول ہوئی اور) وہ پکڑا گیا اور اسے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لایا گیا۔ پھر اسے مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا گیا۔ اسی وقت آنحضرت ﷺ اپنی ازواج میں سے ایک کے پاس تشریف لائے اور آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

"تمہارے پاس جو کچھ کھانا ہو وہ جمع کر کے اس کے یعنی ثمامہ کے پاس بھیج دو۔!"

ساتھ ہی آپ نے حکم دیا کہ ایک اونٹنی کا دودھ صبح شام اس کے پاس پہنچا دیا جایا کرے مگر یہ دودھ ثمامہ کو کافی نہیں ہوتا تھا۔ پھر آنحضرت ﷺ خود اس کے پاس تشریف لائے اور اس سے فرمایا:

"ثمامہ! کیا بات ہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے تم پر قابو عطا فرما ہی دیا۔!"

ثمامہ نے کہا کہ ہاں محمد ﷺ ایسا ہی ہونا تھا۔

ثمامہ کی مایوسی..... اس کے بعد آنحضرت ﷺ اس کے پاس آتے اور فرماتے کہ ثمامہ تمہارے پاس اب کیا ہے؟ وہ کہتا:

محمد ﷺ! میرے پاس خیر ہی ہے۔ اگر آپ ﷺ مجھے قتل کرتے ہیں تو آپ ﷺ ایک شریف آدمی کا قتل کریں گے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ تو آپ ﷺ ایسے آدمی کو قتل کر دیں گے جس کا خون قیمتی ہے (یعنی جس کے خون کا بدلہ لینے والے بہت ہیں) اور اگر آپ ﷺ مجھے معاف کر دیتے ہیں تو آپ ﷺ مجھے ایک شکر گزار آدمی پائیں گے۔ اور اگر آپ ﷺ میرے بدلے مال چاہتے ہیں تو جو چاہے مانگئے آپ ﷺ کو منہ مانگا دیا جائے گا۔!"

ثمامہ کے فدیہ سے دلچسپی..... آنحضرت ﷺ تین دن تک اسی طرح اس سے پوچھتے رہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ آخر ہم مساکین یعنی اصحاب صفہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کرنے لگے:

"ثمامہ کے خون کا ہم کیا کریں گے۔ خدا کی قسم اگر ہمیں ثمامہ کے بدلے میں ایک موٹے تازے اونٹ کی غذا بھی مل جائے تو وہ ہمیں اس کے خون سے زیادہ عزیز ہے۔!"

ثمامہ کی رہائی کا فیصلہ..... کتاب استیعاب میں یوں ہے کہ خود آنحضرت ﷺ ثمامہ کے پاس سے یہ فرماتے ہوئے لوٹے کہ اے اللہ موٹے تازے اونٹوں کی خوراک مجھے ثمامہ کے خون سے زیادہ عزیز ہے (یعنی بجائے اس کے کہ ثمامہ کو قتل کر کے اس کا خون بہادیا جائے ہمارے نزدیک یہ کہیں زیادہ بہتر ہے کہ اس کی رہائی کے بدلے میں اونٹ وغیرہ حاصل کر لئے جائیں) چنانچہ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کے حکم پر ثمامہ کو رہا کر دیا گیا۔

یعنی تیسرے دن آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"ثمامہ کو چھوڑ دو! ثمامہ میں نے تمہیں معاف کر دیا۔!"

حسن سلوک پر ثمامہ کا اسلام..... چنانچہ ثمامہ کو رہا کیا گیا تو وہ مسجد نبوی کے قریب چلتے ہوئے پانی کے ایک چشمہ پر آیا یہاں اس نے غسل کیا اپنے کپڑے پاک کئے اور پھر مسجد میں داخل ہو کر یہ اعلان کیا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

ذہنی انقلاب..... یہ بات اس قول کے خلاف ہے جسے ہمارے یعنی شافعی فقہاء نے ثمامہ کے واقعہ سے استدلال کے طور پر ذکر کیا ہے کہ جو شخص مسلمان ہو اس کیلئے مستحب ہے کہ وہ اسلام کیلئے غسل کرے (یعنی مسلمان ہونے کے بعد غسل کرے)

پھر میں نے بعض بعد کے شافعی علماء کی کتابیں دیکھیں جنہوں نے اس اشکال کے جواب میں لکھا ہے کہ ثمامہ پہلے مسلمان ہو گئے تھے اور پھر غسل کرنے کے بعد انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا۔

ادھر کتاب استیعاب میں بھی ہے کہ پھر ثمامہ نے اسلام قبول کیا اور اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو غسل کرنے کا حکم فرمایا جیسا کہ ایک دوسری روایت میں بھی ہے کہ ثمامہ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

''اے محمد! خدا کی قسم اب سے پہلے روئے زمین پر میرے نزدیک آپ سے زیادہ قابل نفرت کوئی دوسرا نہیں تھا مگر اب آپ ﷺ کے روئے انور سے زیادہ دنیا کا کوئی چہرہ مجھے محبوب نہیں ہے اور خدا کی قسم اب سے پہلے تمام روئے زمین پر میرے نزدیک آپ ﷺ کے دین سے زیادہ قابل نفرت دین کوئی دوسرا نہیں تھا مگر اب آپ ﷺ کے دین سے زیادہ دنیا کا کوئی دین مجھے محبوب نہیں ہے۔ اور خدا کی قسم اب سے پہلے تمام روئے زمین پر میرے نزدیک آپ ﷺ کے شہر سے زیادہ قابل نفرت شہر کوئی دوسرا نہیں تھا مگر اب آپ ﷺ کے شہر سے زیادہ دنیا کا کوئی شہر مجھے محبوب نہیں ہے۔!''

یہ کہنے کے بعد ثمامہ نے کلمہ شہادت پڑھا۔ شام ہوئی تو ان کے سامنے وہی سب کھانا لایا گیا جو روزانہ لایا جاتا تھا مگر اب انہوں نے اس میں سے بہت تھوڑا سا لیا اور اسی طرح اونٹنی کے دودھ میں سے بے حد ذرا سا دودھ لے کر چھوڑ دیا۔ مسلمانوں کو یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا۔

ثمامہ کو عمرہ کا حکم...... (قال) پھر ثمامہ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا؟

''یا رسول اللہ ﷺ! میں عمرہ کے ارادہ سے جا رہا تھا۔ صحیح کی حدیث کے الفاظ یوں ہیں کہ۔ آپ ﷺ کے سواروں نے مجھے اس وقت گرفتار کر لیا جب میں عمرہ کی نیت سے جا رہا تھا۔ اب آپ ﷺ کا کیا حکم ہے؟''

تلبیہ کے ساتھ مکہ میں داخلہ...... آنحضرت ﷺ نے ان کو عمرہ کرنے کا حکم دیا (ثمامہ عمرہ کے لئے روانہ ہو گئے)

جب وہ مکہ کے علاقہ میں پہنچے تو انہوں نے تلبیہ یعنی لبیک اللھم لبیک پڑھنا شروع کیا۔ اس طرح وہ پہلے آدمی ہیں جو لبیک پڑھتے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے۔

قریش کے ہاتھوں گرفتاری...... اسی وقت قریش نے انہیں پکڑ لیا اور کہا:

''تم ہمارے مدّ مقابل آ رہے ہو۔ ثمامہ تم بددین ہو گئے ہو''۔

یمامہ کی رسد روکنے کی دھمکی...... حضرت ثمامہ نے کہا۔

''میں مسلمان ہو چکا ہوں اور میں نے محمد ﷺ کا بہترین دین اختیار کر لیا ہے خدا کی قسم! اب سرزمین یمن میں یمامہ سے تمہیں گیہوں کا ایک دانہ بھی نہیں ملیگا جو مکہ والوں کیلئے غلہ حاصل کرنے کا مرکز تھا جب تک رسول اللہ ﷺ اجازت نہ دیں۔''

قریش پر دھمکی کا اثر...... اس پر قریش کے لوگ انہیں قتل کرنے کے لئے بڑھے مگر اسی وقت کسی نے انہیں روکتے ہوئے کہا:

''اسے چھوڑ دو کیونکہ تم ہمیشہ یمامہ کے محتاج ہو۔!''

رسد کی بندش اور قریش کی بے چارگی...... اس پر انہیں چھوڑ دیا گیا اور یہ وہاں سے یمامہ چلے گئے جہاں انہوں نے یمامہ والوں کو اس سے روک دیا کہ کوئی بھی چیز مکہ لے کر نہ جائیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مکہ میں لوگ بھوکوں مرنے لگے اور قریش گندگی اور علہز تک کھانے پر مجبور ہو گئے۔ علہز اس خون کو کہتے ہیں جو اونٹ کے بالوں کے ساتھ ملا ہوا ہو۔ اس کو آگ پر بھون بھون کر کھایا جانے لگا۔ علہز کی تفصیل پیچھے بھی گزر چکی ہے۔

رسد کیلئے قریش کی نبی سے فریاد..... آخر مجبور ہو کر قریش نے رسول اللہ ﷺ (سے فریاد کی اور آپ ﷺ) کو لکھا:

''کیا آپ ﷺ یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ آپ کو رحمۃ للعالمین یعنی سارے عالم اور مخلوق کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ مگر آپ ﷺ نے باپ دادا کو تلواروں سے فنا کر دیا اور ان کی اولادوں کو بھوکوں مار کر ہلاک کر دیا۔ آپ ﷺ صلہ رحمی یعنی رشتہ داروں کی خبر گیری کا حکم دیتے ہیں اور خود ہم سے رشتہ داری کے سب بندھن کاٹ ڈالے!''

رحمت عالم کی صلہ رحمی..... آنحضرت ﷺ نے فوراً ہی حضرت ثمامہ کو لکھوایا کہ مکہ والوں کیلئے جو رسد یمامہ سے جایا کرتی ہے اس پر سے پابندی اٹھا دیں۔

ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ نے ثمامہ کو یہ لکھوایا کہ۔ میری قوم کی رسد پر سے پابندی اٹھا لیں۔ حضرت ثمامہ نے فوراً اس حکم کی تعمیل کی:

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ۔ (سورۂ مومنون آیت ۷۷،ع ۴)

اور ہم نے ان کو گرفتار عذاب بھی کیا ہے سو ان لوگوں نے نہ اپنے رب کے سامنے پورے طور سے فروتنی کی اور نہ عاجزی اختیار کی۔

ادھر کتاب استیعاب میں اس واقعہ کی تفصیل اس طرح ہے کہ ثمامہ جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور قریش نے ان کی آمد کی خبر سنی تو انہوں نے ثمامہ سے آ کر کہا:

''ثمامہ! تم بددین ہو گئے اور تم نے اپنے باپ دادا کا مذہب چھوڑ دیا!''

ثمامہ نے جواب دیا:

''میں نہیں سمجھ سکتا کہ تم لوگ کیا کہہ رہے ہو سوائے اس کے کہ میں نے اس عمارت یعنی کعبہ کے رب کی قسم کھائی ہے کہ جب تک تم میں سے ایک ایک آدمی محمد ﷺ کی اطاعت اور اتباع نہیں کر لے گا تمہیں یمامہ سے ان چیزوں یعنی رسد میں سے کچھ نہیں ملے گا جن سے تم فائدہ اٹھاتے رہے ہو۔!''

مکہ کا یمن کی رسد پر انحصار..... قریش کی رسد اور تمام منافع یمامہ سے متعلق تھے۔ اس کے بعد ثمامہ یمامہ گئے اور وہاں سے جو کچھ رسد وغیرہ مکہ آیا کرتی تھی اس کو روک دیا۔ جب قریش بہت زیادہ پریشان ہو گئے تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کو لکھا کہ ہمارا آپ ﷺ کے ساتھ معاہدہ ہے اور آپ ﷺ صلہ رحمی یعنی رشتہ داروں کی خبر گیری کا حکم دیتے ہیں اور اس پر زور دیتے ہیں لیکن ثمامہ نے ہماری رسد بند کر دی ہے جس سے ہم سخت تنگی میں پڑ گئے ہیں اس لئے اگر آپ ﷺ مناسب سمجھیں اور ثمامہ کو لکھ دیں کہ وہ ہماری رسد جاری کر دے تو ضرور ایسا کر دیں۔ آنحضرت ﷺ اس پر ثمامہ کو ہدایت لکھ کر بھیج دی کہ میری قوم کی رسد کھول دو۔

اسلام کے بعد ثمامہ کی کم خوراکی..... گزشتہ سطروں میں بیان ہوا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد ثمامہ کو جب کھانا لا کر دیا گیا جو روزانہ اس کو دیا جاتا تھا تو انہوں نے عادت کے خلاف اس میں سے بہت تھوڑا سا کھایا جس پر مسلمان بہت حیران ہوئے۔

کافر اور مومن کی خوراک..... چونکہ اسلام سے پہلے وہ جتنا روز کھاتے تھے آج اس سے بہت کم لیا تھا اس لئے صحابہ کو اس پر تعجب ہوا۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا:

''تم لوگ اس بات پر حیران ہو رہے ہو! کیا اس شخص پر جس نے دن کے ابتدائی حصے میں ایک کافر کے پیٹ سے کھایا اور

دن کے آخری حصے میں ایک مسلمان کے پیٹ سے کھایا۔ درحقیقت ایک کافر سات پیٹوں میں کھاتا ہے اور ایک مسلمان ایک پیٹ کا کھانا کھاتا ہے۔!"

اسی قسم کا واقعہ آنحضرت ﷺ کو حضرت جہجاہ غفاریؓ کے ساتھ بھی پیش آیا تھا انہوں نے ایک دفعہ جب کہ کافر تھے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھانا کھایا تو بہت زیادہ کھایا۔ اس کے بعد جب وہ مسلمان ہوگئے تو پھر آنحضرت ﷺ کے ساتھ کھانا کھایا تو بہت کم کھایا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک مومن ایک پیٹ کا کھانا کھاتا ہے اور ایک کافر سات پیٹ کا کھانا کھاتا ہے۔ یہاں کھانے سے مراد غالباً کھانا اور پینا دونوں ہیں۔

مگر میں نے کتاب جامع صغیر میں دیکھا کہ ایک کافر سات پیٹ کے برابر پیتا ہے اور ایک مسلمان ایک پیٹ کے برابر پیتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ کھاتا اور پیتا ہے جیسے وہ شخص جو سات پیٹ کے برابر کھاتا اور پیتا ہے۔

ثمامہ کی اسلام پر پختگی...... حضرت ثمامہؓ یمامہ میں ہی رہتے تھے۔ جب یمامہ والوں میں ارتداد کا فتنہ پھیلا اور وہ مرتد ہونے شروع ہوئے تو حضرت ثمامہ اپنی قوم کے درمیان اسلام پر ثابت قدم رہے اور قوم کے لوگوں کو مسیلمہ کذاب یعنی اس جھوٹے نبی کی پیروی سے روکتے رہے ثمامہ اپنی قوم سے کہتے۔ "خدا کے لئے اس ظلمت و گمراہی سے بچو جس میں کوئی نور اور روشنی نہیں ہے۔ یہ بدبختی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا مقدر کر دی ہے جو تم میں اس جھوٹے نبی کی پیروی کرتا ہے"۔

سریۂ عکاشہ ابن محصن بسوئے غمر

بنی اسد کے خلاف مہم...... یہ غمر غین کے زبر اور میم اور راء پر جزم کے ساتھ لفظ غمر ہے جو بنی اسد کے ایک چشمہ کا نام تھا جہاں بنی اسد کی ایک بڑی تعداد رہتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عکاشہ ابن محصن اسدی کو چالیس آدمیوں کے ایک دستہ کے ساتھ انکی طرف روانہ فرمایا ان لوگوں میں حضرت ثابت ابن ارقم بھی تھے۔ ایک قول ہے کہ اس سریہ کے امیر حضرت ثابتؓ ہی تھے۔

دشمن کا فرار...... یہ جماعت مدینہ سے روانہ ہوئی اور تیزی کے ساتھ چل کر مذکورہ چشمہ تک پہنچ گئی۔ یہاں پہنچ کر مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ بنی اسد کو مسلمانوں کے آنے کا پتہ چل گیا تھا اس لئے وہ وہاں سے بھاگ چکے ہیں۔ عکاشہ کو اس جگہ ان میں سے ایک بھی نہیں ملا۔

تعاقب اور تلاش...... حضرت عکاشہ نے حضرت شجاع ابن وہب کو خبر رسانی کے لئے روانہ کیا تاکہ وہ دشمن کا پتہ لگائیں اور ان کے نشانِ قدم تلاش کریں۔ انہوں نے آکر بتلایا کہ مجھے قریبی علاقہ میں ان کے نشانات ملے ہیں۔

ایک دیہاتی کی گرفتاری...... مسلمان فوراً ہی اس طرف روانہ ہوئے وہاں انہوں نے ایک شخص کو سوتا ہوا پایا انہوں نے اس سے ان لوگوں کے متعلق سوالات کئے تو اس نے کہا:

"وہ لوگ ہیں کہاں؟ وہ تو اپنے علاقے کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے گئے ہیں۔!"

جاں بخشی کے وعدہ پر مخبری...... صحابہ نے کہا کہ ان کا مال و متاع کہاں ہے؟ اس نے کہا وہ سب ان ہی کے ساتھ ہے۔ اس پر ایک مسلمان نے اس کو اپنا کوڑا مارا تو اس نے کہا:

''اگر آپ لوگ میری جاں بخشی کا وعدہ کریں تو میں آپ کو اپنے بنی عم کے مال ومتاع کے متعلق بتلاؤں جو آپ کی آمد سے بے خبر ہیں''۔

صحابہ نے وعدہ کیا اور اس کو جان کی امان دی۔ وہ شخص صحابہ کو اپنے ساتھ لے کر چلا۔ اس نے تلاش وجستجو میں اتنا زیادہ وقت لگایا کہ مسلمانوں کو اس کی طرف سے فریب دہی کا اندیشہ ہونے لگا۔ آخر صحابہ نے اس سے کہا:

''خدا کی قسم یا تو سچ سچ بتلا ورنہ ہم تیری گردن ماردیں گے۔!''

مالِ غنیمت کی دستیابی......تب اس نے ایک جگہ پہنچ کر کہا:

''آپ لوگ یہاں سے ان کے سامنے پہنچ سکتے ہیں۔!''

چنانچہ مسلمانوں نے اس چڑھائی سے دیکھا تو انہیں سامنے بہت کچھ مال ومتاع یعنی مویشی نظر آئے۔ مسلمانوں نے فوراً حملہ کیا اور ان سب کو ہانک لائے۔ جب انہیں شمار کیا تو وہ سو اونٹ تھے۔ وہاں جتنے دیہاتی تھے وہ سب ڈر کر ادھر ادھر بھاگ چکے تھے۔ صحابہ نے ان کا پیچھا کرنے اور انہیں تلاش کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی بلکہ وہ ان اونٹوں کو ساتھ لے کر واپس مدینہ کو روانہ ہوگئے اور اس شخص کو جسے انہوں نے امان دی تھی رہا کردیا۔ واللہ اعلم

سریۂ ابن مسلمہ بسوئے ذی القصّہ

بنی ثعلبہ کی طرف کوچ...... یہ لفظ ذی القصہ قاف کے زبر، صاد پر تشدید کے ساتھ ہے اور یہ مدینہ کے قریب ایک بستی کا نام تھا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت محمد ابن مسلمہ کو دس آدمیوں کے ساتھ ذی القصہ میں رہنے والے بنی ثعلبہ اور خاندان ثعلبہ میں سے بنی عوال کی طرف بھیجا۔

صحابہ رات کے وقت وہاں پہنچے بنی ثعلبہ کے لوگ جو سو کی تعداد میں تھے کمین گاہوں میں مسلمانوں کی گھات لگا کر بیٹھ گئے اور اس وقت تک چھپے رہے جب تک محمد ابن مسلمہ اور ان کے ساتھی سو نہیں گئے انہوں نے اپنے چاروں طرف آگ روشن کرلی تھی۔

بنی ثعلبہ کا اچانک حملہ......(اس وقت دشمن خاموشی کے ساتھ صحابہ کی طرف بڑھے) مسلمانوں کو اس وقت تک ان لوگوں کے آنے کا احساس نہیں ہوا جب تک دشمن بالکل سر پر نہیں پہنچ گیا۔ تب اچانک حضرت محمد ابن مسلمہ اچھل کر کھڑے ہوگئے اور انہوں نے چیخ چیخ کر اپنے ساتھیوں کو ہتھیاروں کے لئے کہا چنانچہ صحابہ بھی پھرتی کے ساتھ اٹھے اور انہوں نے تیراندازی شروع کی۔

افراد سریہ کا قتل......اسی وقت دشمن نے تیروں سے حملہ کیا اور تمام صحابہ کو قتل کردیا۔ حضرت محمد ابن مسلمہؓ زخموں سے چور ہوکر گر گئے ایک شخص نے اسی حالت میں ان کی کہنی پر وار کیا مگر جب ابن مسلمہ کے جسم میں کوئی حرکت نہیں ہوئی تو انہوں نے ان کو مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا لیکن جاتے جاتے ان کے کپڑے اتار کر انہیں برہنہ کر گئے۔

ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد اتفاق سے اس جگہ سے ایک مسلمان کا گزر ہوا اس نے صحابہ کی لاشیں دیکھیں تو بلند آواز سے انا اللہ پڑھی حضرت ابن مسلمہ نے اس شخص کو انا للہ پڑھتے سنا تو فوراً اپنے جسم کو حرکت دی تاکہ وہ شخص ان کو زندہ

سمجھ سکے۔ چنانچہ وہ شخص انہیں اٹھا کر مدینہ لے آیا۔

سر کوبی کیلئے دوسرا دستہ...... اس صورتحال کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ ابن جراح کو چالیس آدمیوں کے دستہ کے ساتھ (ان لوگوں کی سرکوبی کے لئے) بھیجا۔ یہ لوگ جب اس رزم گاہ میں پہنچے تو انہیں دشمن کا کوئی آدمی نہیں ملا (کیونکہ وہ لوگ مسلمانوں کی آمد کو سن کر وہاں سے فرار ہو گئے تھے) البتہ مسلمانوں کو دشمن کے اونٹ اور بکریاں ملیں جنہیں لے کر یہ حضرات واپس مدینہ منورہ آ گئے۔

سریۂ ابو عبیدہ ابن جراح بسوئے ذی القصہ

اہل ذی القصہ کی گوشمالی...... رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ ابن جراح کو چالیس آدمیوں کے ساتھ ذی القصہ کے لوگوں کی گوشمالی کے لئے روانہ فرمایا کیونکہ آنحضرت ﷺ کو خبر ملی تھی کہ وہ لوگ مدینہ کی چراگاہوں اور باغات پر غارت گری کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔

اس روز وہ اس جگہ پر مویشیوں کو چرا رہے تھے جو مدینہ سے سات میل کے فاصلے پر تھی صحابہ نے مغرب کی نماز پڑھی اور رات کو چلے یہاں تک کہ صبح کے دھندلکے میں یہ حضرات ذی القصہ کے مقام پر پہنچ گئے۔

اچانک حملہ اور دشمن کا فرار...... یہاں پہنچ کر مسلمانوں نے اچانک ان لوگوں پر حملہ کر دیا دشمن عاجز اور ہراساں ہو کر پہاڑوں کی طرف بھاگ اٹھے صحابہ ان میں سے صرف ایک آدمی کو گرفتار کر سکے البتہ صحابہ نے ان کے مال واسباب پر قبضہ کر لیا جن میں بوسیدہ کپڑے بھی تھے۔ یہ سب سامان لے کر صحابہ مدینہ واپس آ گئے۔ آنحضرت ﷺ نے اس تمام مال کا پانچواں حصہ نکالا۔ قیدی شخص نے اسلام قبول کر لیا اس لئے اس کو رہا کر دیا گیا۔

سریۂ زید ابن حارثہ بسوئے بنی سلیم

بنی سلیم کے لوگ جموح کے مقام پر تھے یہ جموح جیم کے زبر کے ساتھ بطن نخل کا ایک حصہ تھا رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید ابن حارثہ کو جموح کے مقام پر بنی سلیم کی طرف روانہ فرمایا۔

سر کوبی اور مال غنیمت...... حضرت زید مدینہ سے چل کر جموح کے مقام پر پہنچے۔ یہاں ایک عورت مسلمانوں کے ہاتھ لگی جس نے انہیں دشمن کے ایک ٹھکانے کا پتہ بتلایا مسلمان وہاں پہنچے تو اس جگہ انہیں اونٹ اور بکریاں ہاتھ لگیں۔

ساتھ ہی صحابہ نے بنی سلیم کے کچھ لوگوں کو یہاں سے گرفتار بھی کیا جن میں سے اس عورت کا شوہر بھی تھا۔ (جس نے اس ٹھکانے کا پتہ بتلایا تھا) صحابہ اس مال غنیمت کے ساتھ مدینہ واپس آئے۔ آنحضرت ﷺ نے اس عورت اور اس کے شوہر کو رہا فرما دیا۔

سریۂ زید ابن حارثہ بسوئے عیص

قریشی قافلے پر یلغار...... یہ عیص مدینہ سے چار رات کی مسافت پر ایک مقام تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ قریش کا ایک تجارتی قافلہ مع مال واسباب کے شام سے آرہا ہے آنحضرت ﷺ نے حضرت زید ابن حارثہ کو ایک سو ستر سواروں کے ساتھ اس قافلے پر چھاپہ مارنے کے لئے بھیجا۔

قیدیوں میں نبی کے داماد...... قریش کے اس تجارتی قافلے میں ابوالعاص ابن ربیع بھی تھے (جو آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب کے شوہر تھے) حضرت زید قریشی قافلہ کے مال واسباب لے کر مدینہ آئے تو قیدیوں میں ابوالعاص ابن ربیع بھی تھے۔

ابوالعاص کو بیوی کی پناہ......ابوالعاص نے مدینہ پہنچ کر اپنی بیوی حضرت زینبؓ سے اپنے لئے پناہ طلب کی۔ حضرت زینب نے ان کو پناہ دے دی اور لوگوں میں اس کا اعلان کر دیا جب کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ یعنی آپ ﷺ صحابہ کے ساتھ فجر کی نماز شروع فرما چکے تھے۔ اس وقت حضرت زینب نے یہ اعلان کیا:

"لوگو! میں نے ابوالعاص ابن ربیع کو پناہ دے دی ہے۔!"

جب رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیرا تو آپ ﷺ نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا کہ جو کچھ میں نے سنا ہے کیا وہ آپ لوگوں نے بھی سنا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا ہاں! تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ حقیقت میں مجھے اس بارے میں کچھ خبر نہیں ہے"۔

مومن کی پناہ کا احترام......اس کے بعد آنحضرت ﷺ وہاں سے اٹھ کر اپنی صاحبزادی کے پاس تشریف لائے اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ جسے تم نے پناہ دی اسے ہم نے بھی پناہ دے دی پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

"مومنین اپنے مقابل کے سامنے ایک ہیں۔ ان میں کا ایک ادنیٰ آدمی بھی ذمہ داری اور پناہ دے سکتا ہے۔ جو شخص ایک مسلمان کی پناہ کو توڑتا ہے یعنی اس کی لی ہوئی ذمہ داری اور پناہ و معاہدہ کو ختم کرتا ہے اس پر اللہ کی بھی لعنت اور اور فرشتوں اور تمام مسلمانوں کی بھی لعنت ہے"۔

اس کے بعد حضرت زینبؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئیں اور انہوں نے آپ سے درخواست کی کہ ابوالعاص کا جو مال لیا گیا ہے وہ اسے واپس کر دیا جائے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی یہ درخواست قبول فرمائی اور آپ ﷺ نے حضرت زینب سے فرمایا:

بیٹی! اس کو خاطر داری کے ساتھ رکھنا لیکن وہ تمہارے پاس نہ آنے پائے کیونکہ تم اس کیلئے حلال نہیں ہو۔!"

حضور ﷺ کا صحابہ سے مشورہ......اس لئے کہ ایک مومن عورت کا نکاح ایک مشرک کیساتھ حرام ہے جیسا کہ حدیبیہ کے بیان میں گزر چکا ہے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس سریہ کے شریک صحابہ کو طلب کیا اور جب وہ لوگ حاضر ہو گئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

"یہ شخص یعنی ابوالعاص ابن ربیع ہم ہی میں سے ہے جیسا کہ تم جانتے ہو۔ تم نے اس کے مال واسباب پر قبضہ کیا ہے۔

کو آگے کر دے۔ اس وقت بھی اگر مسلمان کو بچانے کی کوئی صورت نہ رہے تو دشمن پر حملہ کی نیت سے مقابلہ کیا جائے اور جو مسلمان اس کی زد میں آجائیں تو معاف ہے۔ (بدائع)

مسئلہ : عین حالتِ جنگ و قتال میں بھی ایسے کافروں کو قتل کرنا جائز نہیں جو جنگ میں حصہ نہیں لیتے' مثلاً چھوٹے بچے، عورتیں، بوڑھے، اپاہج، اندھے، دیوانے، مندروں اور عبادت خانوں میں مشغولِ عبادت رہنے والے، بشر طیکہ وہ جنگ میں حصہ نہ لیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک میدانِ جنگ میں کسی کافر عورت کو مقتول پایا تو بہت افسوس کا اظہار فرما کر فرمایا کہ یہ تو جنگ کرنے والی نہ تھی، اس کو کیوں قتل کیا گیا؟

چہل حدیث ______ فضائلِ جہاد

جہاد کے فضائل و مسائل سے متعلق رسولِ کریم ﷺ کی قولی اور فعلی روایاتِ حدیث اس کثرت سے منقول ہوئی ہیں کہ ان سب کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب ہو جائے۔ اس جگہ ان میں سے صرف چالیس حدیثیں پیش کی جاتی ہیں۔ اس عدد میں ایک خاص فائدہ یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص میری چالیس حدیثیں یاد کر کے میری امت کو پہنچا دے، اس کا حشر قیامت کے دن علماء مقبولین کے ساتھ ہوگا۔ اس برکت کو لکھنے والا بھی حاصل کر سکتا ہے اور اس کو چھاپ کر شائع کرنے والا بھی۔

حدیث نمبر ۱ :۔ **عن معاذؓ ابن جبل فی حدیث طویل قال قال رسول اللہ ﷺ :رأس الامر الاسلام وعمودہُ الصلوۃ وذروۃ سنامہ الجھاد.** (رواہ احمد والترمذی (از مشکوۃ)

ترجمہ :۔ حضرت معاذ بن جبلؓ ایک طویل حدیث کے ذیل میں روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "اصل کام اسلام ہے اور اسلام کا عمود جس پر اس کی تعمیر قائم ہے، نماز ہے اور اس کا اعلیٰ مقام جہاد ہے"۔

اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ مسلمانوں کی عزت و قوت جہاد پر موقوف ہے۔ جب وہ جہاد چھوڑ دیں گے ذلیل اور کمزور ہو جائیں گے۔

حدیث نمبر ۲ :۔ **عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ : مثل المجاھد فی سبیل اللہ کمثل الصائم القائم القانت بآیات اللہ لایفتر من صیام ولا صلوۃ حتی یرجع المجاھد فی سبیل اللہ.** (بخاری و مسلم)

ترجمہ :۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کیلئے جہاد کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص مسلسل روزے رکھتا

رہے اور رات بھر تہجد کی نماز اور تلاوتِ قرآن مین مشغول رہے۔ نہ کسی دن روزہ میں سستی کرے اور نہ کسی رات نماز میں، اور مجاہد کو یہ فضیلت اس وقت تک برابر حاصل رہے گی جب تک وہ لوٹ کر اپنے گھر نہ آجاوے۔

حدیث نمبر ۳ :۔ عن ابی ہریرةؓ قال مرّرجل من اصحاب رسول الله ﷺ بشعب فیه عیینة من ماء عذبة فاعجبته فقال لو اعتزلت الناس فاقمت فی هذا الشعب فذکر ذٰلک لرسول الله ﷺ فقال لا تفعل فان مقام احدکم فی سبیل الله افضل من صلٰوت فی بیته سبعین عاماً الا تحبّون ان یغفر الله لکم ویدخلکم الجنة اغزوا فی سبیل الله' من قاتل فی سبیل الله فواق فاقة وجبت له الجنة. (ترمذی)

ترجمہ :۔ رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی ایک پہاڑی درّہ میں ایک چشمہ پر پہنچے، چشمہ میٹھا اور صاف دیکھ کر ان کو پسند آیا اور دل میں کہا کہ یہ جگہ عبادت کیلئے بہت اچھی ہے۔ میں لوگوں سے الگ ہو کر یہیں قیام کرلوں۔ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس خیال کا ذکر آپؐ سے کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، "ایسا نہ کرو! اس لئے کہ ایک شخص کا اللہ کے راستہ میں (جہاد میں) کھڑا ہونا اپنے گھر میں رہ کر ستّر سال کی نماز سے بہتر ہے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے اور تمہیں جنت میں داخل کرے؟ جاؤ اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے تھوڑی دیر بھی، اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے"۔

فائدہ : اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہاد کی ضرورت کے وقت خلوت میں بیٹھ کر عبادت کرنے سے جہاد میں حصہ لینا بدرجہا بہتر ہے۔

حدیث نمبر ۴ :۔ عن ابی امامةؓ والذی نفس محمدؐ بیده لغدوة اوروحة فی سبیل الله خیر من الدنیا ومافیها ولمقام احدکم فی الصف خیر من صلٰوته ستین سنة. (رواہ احمد)

ترجمہ :۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے، اللہ کے راستہ (جہاد میں) ایک مرتبہ صبح یا شام کو نکلنا ساری دنیا اور اس کی تمام نعمتوں سے بدرجہا بہتر ہے اور ایک شخص کا جہاد کی صف میں کھڑا ہونا گھر میں رہ کر ساٹھ برس کی نمازوں سے بہتر ہے۔

حدیث نمبر ۵ :۔ عن عبدالله بن عمرؓ وان رسول الله ﷺ قال قفلة کغزوة. (رواہ' ابوداؤد)

ترجمہ :۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جہاد سے واپسی کے سفر میں بھی وہی ثواب ملتا ہے جو جہاد کے لئے جانے کے وقت ملتا ہے۔

حدیث نمبر ۶ :۔ وعن ابی موسیٰؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان ابواب الجنة تحت

ظلال السیوف، فقام رجل رث الهیئة فقال یا ابا موسٰی انت سمعت رسول الله ﷺ یقول هذا؟ قال نعم فرجع الی اصحابه فقال اقرأ علیکم السلام ثم کسر جفن سیفه فالقاه ثم مشٰی بسیفه الی العدو فضرب به حتٰی قتل...... (رواہ مسلم)

ترجمہ :۔ ابو موسٰی اشعریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنت کے دروازے تلواروں کے سایہ میں ہیں۔ یہ سن کر ایک خستہ حال آدمی کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ اے ابو موسٰی! آپ نے خود رسول اللہ ﷺ سے یہ ارشاد سنا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں! یہ شخص فوراً اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آیا اور ان کو آخری سلام کیا اور اپنی تلوار کی میان توڑ کر پھینک دی۔ ننگی تلوار لے کر دشمن پر ٹوٹ پڑا اور مسلسل لڑتا رہا یہاں تک کہ شہید کر دیا گیا۔

حدیث نمبر ۷ :۔ وعن ابی هریرةؓ ان رسول الله ﷺ قال عرض علی اوّل ثلثة یدخلون الجنّة شهیدٌ وعفیفٌ متعفّف وعبدٌ احسن عبادة الله ونصح لموالیه. (رواہ الترمذی)

ترجمہ :۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے سامنے وہ تین آدمی پیش کیے گئے (غالباً شبِ معراج میں) جو سب سے پہلے جنت میں جائیں گے۔ اوّل شہید فی سبیل اللہ۔ دوسرے وہ متقی پرہیزگار جو کوشش کر کے ہر گناہ سے بچتا ہے۔ تیسرے وہ غلام جس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی خوب کی اور اپنے آقاؤں کی خدمت و خیر خواہی میں بھی کوتاہی نہیں کی۔

حدیث نمبر ۸ :۔ وعن عبدالله بن حبشی ان النبی صلی الله علیه وسلم سئل ای الاعمال افضل؟ قال طول القیام قیل فای الصدقة افضل؟ قال جهد المقل قیل فای الهجرة افضل؟ قال من هجر ما حرم الله علیه قیل فای الجهاد افضل؟ قال من جاهد المشرکین بماله ونفسه قیل فای القتل اشرف؟ قال من اهریق دمه وعقر جواده. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ :۔ نبی کریم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ عبادت میں سب سے افضل کون سا عمل ہے؟ فرمایا کہ (نفل نماز میں) طویل قیام۔ پھر سوال کیا گیا کہ صدقہ کونسا افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ مفلس آدمی جو اپنی مزدوری میں سے خرچ کرے۔ پھر سوال کیا گیا کہ ہجرت کونسی افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا اس شخص کی ہجرت افضل ہے جو ہر اس چیز کو چھوڑ دے جس کو اللہ نے حرام کیا ہے۔ پھر سوال کیا گیا کہ جہاد کون سا افضل ہے؟ تو فرمایا جس نے اپنی جان اور مال کے ساتھ مشرکین سے جہاد کیا۔ پھر سوال کیا گیا کہ اللہ کی راہ میں قتل ہونا کون سا افضل و اشرف ہے؟ تو فرمایا کہ جس شخص کا اپنا بھی خون بہا دیا گیا اور اس کا گھوڑا بھی مار دیا گیا۔

حدیث نمبر ۹ :۔ عن کعب بن مرۃؓ فی حدیث مرفوع من بلغ العدّو بسهم رفعه الله به درجة قال ابن النّجاريا رسول اللهؐ وما الدّرجه؟ قال أما انها ليست بعتبة امّك ولكن بين الدرجتين مائة عام. (رواه النسائی)

ترجمہ :۔ رسولِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دشمن کو ایک تیر مارے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے ان کے درجات میں ایک درجہ کا اضافہ فرمادیں گے۔ ابنِ نجارؓ نے عرض کیا یارسول اللہؐ! درجہ سے کیا مراد ہے؟ آپؐ نے فرمایا ارے! درجہ کا مطلب تمہاری ماں کی دہلیز ہونے سے تو رہا بلکہ دو درجوں کے درمیان سو سال کی مسافت ہے۔

حدیث نمبر ۱۰ :۔ وعن انسؓ قال قال رسول الله ﷺ لغدوة فی سبيل الله وروحة خير من الدنيا وما فيها. (مسلم)

ترجمہ :۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک صبح کو اللہ کی راہ میں نکلنا اور ایک شام کو اللہ کی راہ میں (جہاد) میں نکلنا ساری دنیا اور اس کی تمام دولتوں اور نعمتوں سے بہتر ہے۔

حدیث نمبر ۱۱ :۔ عن ابی سعیدؓ ان رسول الله ﷺ بعث بعثا الی بنی لحيان من هذيل فقال ليبعث من كل رجلين احدهما والاجر بينهما. (رواه مسلم)

ترجمہ :۔ رسول اللہ ﷺ نے مجاہدین کا ایک لشکر قبیلہ ہذیل کی شاخ بنی لحیان کے مقابلے کے لئے بھیجا اور جہاد کیلئے نکلنے والے صحابہ کرام کو یہ حکم دیا کہ ہر دو مردوں میں سے ایک مرد جہاد کیلئے جائے، ایک گھر کی ضروریات وغیرہ کے لئے یہاں رہ جائے اور اس طرح کرنے سے جہاد کا ثواب دونوں میں مشترک ہو جائے گا"۔

شہری دفاع کی خدمت بھی جہاد ہی ہے :۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہاد صرف محاذ جنگ پر جا کر لڑنے ہی کا نام نہیں، جو لوگ اپنے اور دوسرے مسلمانوں کے گھروں کی حفاظت کے قصد سے شہر میں رہ جائیں وہ بھی مجاہد ہیں۔ کیونکہ محاذ پر لڑنے والے سپاہیوں کی وہ امداد کر رہے ہیں کہ ان کے اہل و عیال اور گھر بار کی حفاظت کر کے ان کو بے فکر کر دیا ہے۔ ہمارے ملک میں شہری دفاع کی خدمت انجام دینے والے جو بھی خدمت انجام دیتے ہیں وہ بھی اللہ کے نزدیک مجاہدین کے حکم میں ہیں۔

جہاد کی نیت

حدیث نمبر ۱۲ :۔ عن ابی هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ: لا يكلم احد فی سبيل الله والله يعلم من

يكلم في سبيل الله الاجاء يوم القيامة وجرحه يثعب دما ،اللون لون الدم والريح ريح المسك.

(بخاری و مسلم)

ترجمہ :۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کی راہ میں زخمی ہو جائے اور اللہ ہی جانتا ہے کہ کون اس کی راہ میں زخمی ہوا ہے، تو وہ قیامت کے روز اس حال میں آئے گا کہ اس کے زخم سے خون بہہ رہا ہو گا۔ وہ صورت میں تو خون ہو گا مگر اس کی خوشبو مشک جیسی ہو گی۔

فائدہ : اس حدیث میں جو یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ کون اس کی راہ میں زخمی ہوا ہے۔ اس سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جس شخص کی نیت، نام و نمود اور شہرت کی یا کسی اور دنیوی مفاد کے لئے لڑنے کی ہو اور زخمی ہو جائے، وہ اللہ کی راہ میں زخمی نہیں ہوا۔ اس کو یہ فضیلت نہیں ملے گی بلکہ یہ فضیلت خاص اس شخص کا حق ہے جو اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت اور اسلامی ملک سے دشمنانِ دین کی مدافعت کی نیت سے لڑتا ہے۔

حدیث نمبر ۱۳ :۔ عن ابی موسیٰؓ قال جاء رجل الى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: الرجل يقاتل للمغنم والرجل يقاتل للذكر والرجل يقاتل ليرى مكانه في سبيل الله قال من قاتل لتكون كلمة الله هي العلياء فهو في سبيل الله. (بخاری و مسلم)

ترجمہ :۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک آدمی آیا اور عرض کیا کہ (جہاد میں لوگ مختلف نیتوں سے شریک ہوتے ہیں) ایک شخص اس نیت سے جہاد میں شریک ہوتا ہے کہ مالِ غنیمت میں سے حصہ ملے گا۔ ایک شخص اس لئے جہاد کرتا ہے کہ دنیا میں اس کا چرچا ہو گا اور تاریخ میں یادگار باقی رہے گی۔ ایک شخص اس لئے جہاد کرتا ہے کہ دنیا کے لوگ یہ محسوس کرلیں کہ یہ اسلام کا بڑا خدمت گزار اور جانثار ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ان میں سے صرف وہ ہے جو اس نیت سے جہاد کرے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور اُس کے دشمن زیر ہوں۔

رباط یعنی اسلامی سرحدوں کی حفاظت

حدیث نمبر ۱۴ :۔ وعن سهلؓ بن سعد قال قال رسول الله ﷺ: رباط يوم خير من الدنيا وما عليها. (بخاری و مسلم)

ترجمہ :۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک دن کا "رباط" یعنی اسلامی سرحدوں کی حفاظت کا کام ساری دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، ان سب سے بہتر ہے۔

حدیث ۱۵ :۔ عن فضالۃ بن عبید عن رسول اللہ ﷺ قال کل میت یختم علی عملہ الا الذی مات رابطاً فی سبیل اللہ فانہ ینمی لہ عملہ الی یوم القیامۃ ویأمن من فتنۃ القبر۔ (ترمذی، ابوداؤد، دارمی)

ترجمہ :۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر مرنے والے کے عمل پر مہر لگادی جاتی ہے۔ مرنے کے بعد اس کے عمل میں کوئی زیادتی نہیں ہوسکتی، بجز اس شخص کے جو اللہ کی راہ میں کسی سرحد کی نگرانی کرتے ہوئے مر گیا تو اس کا عمل قیامت تک اس کے اعمال نامے میں بڑھایا جاتا رہے گا اور قبر کے سوال وجواب سے بھی آزاد رہے گا۔

حدیث نمبر ۱۶ :۔ عن سلمان الفارسیؓ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: رباط یوم ولیلۃ فی سبیل اللہ خیر من صیام شھر وقیامہ وان مات اجری علیہ عملہ الذی کان یعملہ واجری علیہ رزقہ وامن الفتّان۔ (مسلم)

ترجمہ :۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک دن رات کا رباط یعنی اسلامی سرحدوں کی حفاظت کی خدمت انجام دینا ایک مہینے کے مسلسل روزے اور ساری رات نماز تہجد سے افضل ہے اور جو شخص اس حال میں یعنی کسی اسلامی سرحد کی حفاظت کی حالت میں مر جائے تو قیامت تک اس کے تمام نیک عمل، جو وہ روزانہ کیا کرتا تھا، برابر اس کے نامۂ اعمال میں لکھے جاتے رہیں گے اور اس کا رزق اللہ کی طرف سے جاری رہے گا اور قبر کے عذاب سے محفوظ رہے گا۔

حدیث نمبر ۱۷ :۔ عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ ﷺ: عینان لا تمسھا النّار عین بکت من خشیۃ اللہ وعین باتت تحرس فی سبیل اللہ۔

ترجمہ :۔ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو آنکھیں ایسی ہیں کہ انہیں آگ نہیں چھوئے گی۔ ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی ہو۔ دوسری وہ آنکھ جس نے جہاد فی سبیل اللہ میں پہرہ دیتے ہوئے رات گزاری ہو۔

رینجرز پولیس کیلئے عظیم الشان بشارت

آج کل سرحدوں کی حفاظت کرنے والی پولیس جن کو رینجرز کہتے ہیں، ان میں سے بہت سے آدمی اس کو محض ایک نوکری سمجھ کر انجام دیتے ہیں، اگر اس عظیم ثواب کی نیت سے انجام دیں تو نوکری کے ساتھ یہ عظیم الشان دولت بھی ان کو حاصل ہوگی۔ ان کی اپنی اور خانگی ضرورتوں کے لئے جو تنخواہ ملتی ہے وہ اس ثواب سے ان کو محروم نہ کرے گی۔ شرط یہی ہے کہ اس خدمت کی انجام دہی میں اصل نیت "رباط" یعنی اسلامی سرحد کو دشمنانِ دین سے محفوظ رکھنے کی ہو۔

حدیث نمبر ۱۸:۔ عن ابن عباسؓ رفعه :ألا اخبركم بخير الناس منزلا؟ قلنا بلى يا رسول الله! قال رجل اخذ برأس فرسه في سبيل الله حتى يعود اويقتل الا اخبركم باالذي يليه؟ قلنا نعم يارسول الله قال رجل معتزل في شعب من الشعب يقيم الصلوة ويؤتي الزكوة ويعتزل الناس شره، او اخبركم بشر الناس؟ قلنا نعم يارسول الله قال الذي يسئل بالله ولا يعطي به. (مالك. ترمذی. نسائی)

ترجمہ :۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :کہ میں تمہیں بتلاؤں کہ سب انسانوں سے زیادہ اچھا مقام اللہ کے نزدیک کس کا ہے ؟ صحابہ نے عرض کیا ضرور بتلایئے ! آپ نے فرمایا، وہ شخص جو اپنا گھوڑا لے کر اللہ کی راہ میں کسی اسلامی سرحد کی حفاظت میں لگ گیا اور یہیں مقیم رہا یہاں تک کہ مر جائے یا قتل کر دیا جائے۔ پھر فرمایا کہ میں تمہیں بتلاؤں کہ اس شخص کے قریب کس کا درجہ ہے ؟ صحابہ نے عرض کیا ضرور فرمایئے۔ فرمایا جو کسی پہاڑ کی گھاٹی میں جا کر مقیم ہو گیا اور نماز اور زکوٰۃ ادا کرتا رہا، لوگوں کو اپنی ایذاؤں سے بچایا۔ پھر فرمایا کہ تمہیں سب سے بدترین آدمی کا بھی پتہ دوں ؟ صحابہ نے عرض کیا ضرور ! آپؐ نے فرمایا کہ وہ شخص جو دوسرے سے اللہ کے نام پر مانگتا ہے مگر جب کوئی اس سے اللہ کے نام پر مانگے تو اسے کچھ نہیں دیتا۔

شہید فی سبیل اللہ کا مقام

اور اس کے درجات

حدیث نمبر ۱۹:۔ عن انس قال قال رسول الله ﷺ: ما من احد يدخل الجنة يحب ان يرجع الى الدنيا وله ما في الارض من شئى الا الشهيد يتمنى ان يرجع الى الدنيا فيقتل عشر مرات لما يرى من الكرامة. (بخاری و مسلم)

ترجمہ :۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص جو جنت میں داخل ہو جائے اور پھر اس کو یہ کہا جائے کہ تو لوٹ کر دنیا میں چلا جا، ساری دنیا کی حکومت و دولت تجھے دے دی جائے گی تو وہ کبھی جنت سے نکل کر دوبارہ دنیا میں آنے پر راضی نہ ہو گا، بجز شہید کے جو یہ تمنا ظاہر کرے گا کہ مجھے دنیا میں بھیج دیا جائے تاکہ میں پھر جہاد کر کے شہید ہوں۔ اسی طرح دس مرتبہ زندہ کر کے دنیا میں بھیجا جاؤں، پھر شہید ہو کر آؤں۔ کیونکہ اللہ کی راہ میں شہید ہونے والا بڑے اعزاز و اکرام کا مشاہدہ کرے گا (جو کسی اور عمل کا نہیں ہے)۔

حدیث نمبر ۲۰:۔ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: والذي نفسي بيده لوددت ان اقتل في سبيل الله ثم

احیٰ ثم اقتل ثم احیٰ ثم اقتل. (بخاری و مسلم)

ترجمہ :۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری تمنا ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں اور پھر مجھے زندہ کیا جائے، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کر دیا جائے، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کر دیا جائے، پھر قتل کیا جاؤں۔

شہید کے تین درجے

حدیث نمبر ۲۱ :۔ عن عقبةؓ بن عبد السلمی قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: القتلی ثلثة مومن جاهد بنفسه وماله فی سبیل الله فاذا لقی العدو قاتل حتی یقتل' قال النبی ﷺ فیه فذالك الشهید الممتحن فی خیمة الله تحت عرشه لا یفضله النبیّون الا بالنبوّة ومومن خالط عملا صالحاً واخر سیّئاً جاهد بنفسه وماله فی سبیل الله اذا لقی العدو قاتل حتی قتل قال النبی ﷺ مصمصة محت ذنوبه وخطایاه ان السیف محّاء للخطایا وادخل الجنة من ای باب شاء ومنافق جاهد بنفسه وماله فی سبیل الله اذا لقی العدو قاتل حتی یقتل فذالك فی النار ان السیف لا یمحو النفاق. (دارمی از مشکوٰۃ)

ترجمہ :۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جہاد میں قتل ہونے والے تین طرح کے آدمی ہیں۔ ایک وہ شخص ہے جو خود مومن کامل، صالح ہے۔ اس کے ساتھ اس نے اللہ کی راہ میں اپنی جان ومال سے جہاد کیا اور جب دشمن سے اس کا مقابلہ ہوا تو ڈٹ کر لڑا یہاں تک کہ قتل کر دیا گیا۔ اس شخص کے بارے میں رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہی وہ اصل شہید اور امتحان میں کامیاب ہے جو قیامت کے دن عرشِ رحمٰن کے نیچے خیمہ میں ہوگا اور انبیاء سے اس کا مقام صرف اتنا ہی کم ہوگا جو درجۂ نبوت کا تقاضا ہے۔

دوسرا وہ شخص ہے جو مومن مسلمان تو ہے مگر عمل میں کچھ نیک کام کئے، کچھ بُرے کیے، پھر اس نے اپنی جان ومال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور دشمن کے مقابلہ میں لڑا، یہاں تک کہ قتل کر دیا گیا۔ اس شخص کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا جہاد مصمصہ (یعنی سینگ کی طرح چوس کر فاسد مادہ نکالنے والا) ہے جس نے اس کے سب گناہوں کو مٹا دیا۔ اور تلوار سب خطاؤں کو مٹا دینے والی ہے۔ یہ شخص جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو سکے گا۔

تیسرا وہ منافق ہے جس نے اپنی جان ومال سے جہاد کیا اور دشمن سے لڑ کر مقتول ہو گیا (مگر نیت خالص اللہ کیلئے نہیں تھی) یہ جہنم میں جائے گا، کیونکہ تلوار کفر ونفاق کو نہیں مٹا سکتی۔

مجاہد اپنی موت مر جائے تو بھی شہید ہے

حدیث نمبر ۲۲ :۔ عن ابی سھل بن حنیف قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سأل اللہ الشھادۃ بصدق بلّغہ اللہ منازل الشھادۃ وان مات علٰی فراشہ. (رواہ مسلم)

ترجمہ :۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے شہید ہونے کی دعا مانگے تو اس کو اللہ تعالیٰ شہیدوں ہی کے مرتبے پر پہنچا دے گا، اگرچہ وہ اپنے بستر پر مرے۔

حدیث نمبر ۲۳ :۔ عن ابی مالک الاشعریؓ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: من فصل فی سبیل اللہ فمات اوقتل او وقصہ فرسہ او بعیرہ اولدغتہ ھامۃ اومات علٰی فراشہ بای حتف شاء اللہ فانہ شھید وان لہ الجنۃ. (ابوداؤد)

ترجمہ :۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جہاد کیلئے نکلا، پھر اس کو موت آگئی یا کسی نے قتل کر دیا، یا سواری سے گر کر مر گیا، یا کسی زہریلے جانور نے کاٹ لیا یا اپنے بستر پر کسی مرض میں مر گیا تو وہ بھی شہید ہے اور اس کیلئے جنت ہے۔

مال اور زبان سے بھی جہاد ہوتا ہے

حدیث نمبر ۲۴ :۔ عن انسؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال جاھدوا المشرکین باموالکم وانفسکم والسنتکم. (رواہ ابوداؤد والنسائی والدارمی)

ترجمہ :۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مشرکین کے خلاف جہاد کرو اور اپنے مالوں سے، اپنی جانوں، سے، اپنی زبانوں سے۔

مال کا جہاد تو یہ ہے کہ جہاد کے کاموں میں مال صرف کیا جائے، اور زبان کا جہاد یہ ہے کہ لوگوں کو جہاد کی ترغیب دے کر اس پر آمادہ کریں اور جہاد کے احکام بتلائیں اور یہ بھی کہ اپنی گفتگو اور تقریر سے دشمن کو مرعوب کرے۔ ایسی نظمیں جن سے مسلمانوں میں جذبۂ جہاد قوی ہو، یا جن سے دشمنوں کی تذلیل ہو، وہ بھی اسی جہاد میں شامل ہیں۔ جیسے حضرت حسان بن ثابتؓ جو شعرائے صحابہ میں ہیں، ان کی نظمیں جو مشرکینِ مکہ کے مقابلہ پر کہی گئی ہیں، ان کو جہاد قرار دیا گیا ہے۔ اور قلم سے لکھنا بھی زبان سے بولنے کے قائم مقام ہونے کے سبب اسی حکم میں ہے۔

جہاد کیلئے مال خرچ کرنے کا ثوابِ عظیم

حدیث نمبر ۲۵ :۔ عن حزیمؓ بن فاتک قال قال رسول اللہ ﷺ من انفق نفقۃً فی سبیل اللہ کتب

له بسبع مائة ضعف. (الترمذی والنسائی)

ترجمہ :۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کی راہ میں یعنی جہاد میں کچھ مال خرچ کرتا ہے تو سات سو گنا لکھا جاتا ہے۔ یعنی ایک روپیہ خرچ کرتا ہے تو سات سو روپیہ خرچ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

حدیث نمبر ۲۶ :۔ وعن ابی الدرداءؓ وابی ہریرۃؓ وابی امامۃؓ وعبداللہؓ بن عمرؓ وجابرؓ بن عبداللہؓ وعمرانؓ بن حصین رضی اللہ عنہم کلهم یحدث عن الرسول اللہ ﷺ انه قال: من ارسل نفقة فی سبیل اللہ واقام فی بیته فله بکل درهم سبع مائة درهم ومن عزا بنفسه فی سبیل اللہ وانفق فی وجهه ذٰلك فله بکل درهم سبع مائة الف درهم. (ابن ماجه)

ترجمہ :۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے جہاد کے لئے کچھ مال خرچ کیا مگر خود جہاد میں نہیں گیا اس کو ایک درہم پر سات سو درہم کے برابر ثواب ملے گا اور جس نے خود جہاد بھی کیا اور اس میں اپنا مال بھی خرچ کیا تو اس کے ایک درہم کا ثواب سات لاکھ درہم کے برابر ہوگا۔

حدیث نمبر ۲۷ :۔ عن عدی بن حاتمؓ سئل النّبی صلی اللہ علیه وسلم ای الصدقة افضل؟ قال اخدام عبد فی سبیل اللہ او اظلال فسطاط فی سبیل اللہ. (ترمذی)

ترجمہ :۔ کسی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ سب سے افضل صدقہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جہاد کے لئے کوئی غلام دے دینا یا مجاہدین پر سایہ کرنے کے لئے کوئی خیمہ بطور عاریت کے دے دے۔

ہندوستان پر جہاد کی خاص اہمیت اور فضائل

حدیث نمبر ۲۸ :۔ عن ابی ہریرۃؓ قال وعدنا النبی ﷺ غزوة الهند فان ادرکتها انفق فیها نفسی ومالی فان قتلت کنت افضل الشهداء وان رجعت فانا ابوهریرة المحرر. (نسائی)

ترجمہ :۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہم سے ہندوستان کے جہاد کا وعدہ فرمایا ہے۔ اگر میں نے اپنی زندگی میں اس کو پالیا تو میں اپنا سارا زور اور اپنی جان اس میں خرچ کروں گا، پھر اگر میں قتل کر دیا گیا تو افضل الشہید ہو جاؤں گا اور اگر زندہ لوٹا تو میں جہنم سے آزاد ابو ہریرہ ہوں گا۔

فائدہ :۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے بیان سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہندوستان کے جہاد میں شریک ہونے والوں کیلئے یہ عظیم الشان خوشخبری دی ہے کہ جو شخص اس جہاد میں شریک ہو جائے گا وہ افضل الشہداء ہوگا اور جو زندہ واپس آجائے گا وہ عذاب الٰہی سے آزاد قرار دیا جائے گا۔

ہندوستان کے جہاد کی خاص فضیلت کا بیان جیسے حضرت ابو ہریرۃؓ کی اس حدیث میں ہے اسی طرح ایک دوسری حدیث حضرت ثوبانؓ سے منقول ہے جس کا متن یہ ہے :

حدیث نمبر ۲۹ :۔ وعن ثوبانؓ رفعه عصابتان من امتی اجارهما الله من النار عصابة تغز والهند وعصابة تكون مع عيسىٰ ابن مريم. (اوسط، طبرانی)

ترجمہ :۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دو جماعتیں میری امت میں ایسی ہیں جن کیلئے اللہ تعالیٰ نے جہنم سے نجات لکھ دی ہے۔ ایک وہ جماعت جو ہندوستان پر جہاد کرے گی۔ دوسری وہ جماعت جو آخر زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کے بعد ان کے ساتھ ہو گی۔

ہندوستان کے جہاد سے کونسا جہاد مُراد ہے ؟

ان دونوں حدیثوں میں جو فضائل غزوۂ ہند کے ارشاد فرمائے گئے ہیں ان میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہندوستان پر جہاد تو پہلی صدی ہجری سے لے کر آج تک مختلف زمانوں میں ہوتے رہے ہیں، اور سب سے پہلا سندھ کی طرف سے محمدؒ بن قاسم کا جہاد ہے جس میں بعض صحابہؓ اور اکثر تابعین کی شرکت نقل کی جاتی ہے۔ تو کیا اس سے مراد صرف پہلا جہاد ہے یا جتنے جہاد ہو چکے ہیں یا آئندہ ہوں گے وہ سب اس میں شامل ہیں ؟

الفاظِ حدیث میں غور کرنے سے حاصل یہی معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ حدیث کے عام ہیں اس کو کسی خاص جہاد کے ساتھ مخصوص و مقید کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اس لیے جتنے جہاد ہندوستان میں مختلف زمانوں میں ہوتے رہے وہ بھی اور پاکستان کا حالیہ جہاد بھی اور آئندہ جو جہاد ہندوستان کے کفار کے خلاف ہو گا وہ سب اس عظیم الشان بشارت میں شامل ہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

ترکِ جہاد کی وعید اور دنیا میں اُس کا وبال

حدیث نمبر ۳۰ :۔ عن ابی هریرةؓ قال قال رسول الله ﷺ : من مات ولم يغز ولم يحدث به نفسه مات على شعبة من النفاق. (رواه مسلم)

ترجمہ :۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جس شخص نے نہ کبھی جہاد کیا اور نہ اپنے دل ہی میں جہاد کا ارادہ کیا وہ ایک قسم کے نفاق پر مرے گا۔

حدیث نمبر ۳۱ :۔ وعن ابی امامةؓ عن النبی ﷺ قال من لم يغز او يجهزْ غازيا او يخلف غازيا فی اهله بخير اصابه الله بقارعة قبل يوم القيامة. (رواه ابوداؤد)

ترجمہ :۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے نہ کبھی جہاد کیا، نہ کسی مجاہد کو سامانِ جہاد دیا، اور نہ کبھی کسی مجاہد فی سبیل اللہ کی یہ خدمت انجام دی کہ اس کے اہل و عیال کی نگرانی بلا کسی غرضِ دنیوی کے پوری طرح کی تو قیامت سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ اس پر عذاب نازل فرمائیں گے۔

ترکِ جہاد مصائب کو دعوت دینا ہے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ جہاد میں کسی نہ کسی طرح حصہ ضرور لے۔ اگر محاذ پر جا کر لڑنے کی قوت و قدرت نہیں تو مجاہدین کو سامان فراہم کرنے میں حصہ لے، اور یہ بھی نہ ہو سکے تو مجاہدین کے اہل و عیال کی خدمت خالص اللہ کے لئے دنیوی اغراض سے پاک ہو کر کرے اور جو لوگ جہاد کے کسی کام میں حصہ نہ لیں وہ خدا کے عذاب اور مصائب کو دعوت دیتے ہیں۔

کچھ عجب نہیں کہ پاکستان کے مسلمانوں کو جو اللہ تعالیٰ نے جہاد میں حصہ لینے کا یہ موقع عطا فرمایا ہے، اگر ہم اس کی اہمیت محسوس کر کے آگے بھی جہاد کی تیاری کو نہ چھوڑیں تو ہم پر جو آفات و مصائب طوفانوں اور دوسری صورتوں سے آئے دن مسلط رہتے ہیں اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ پورے پاکستان کو ان سے نجات عطا فرمائیں۔

حدیث نمبر ۳۲ :۔ وعن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ من لقی اللہ بغیر اثر من جہاد لقی اللہ وفیہ ثلمۃ. (رواہ الترمذی وابن ماجۃ)

ترجمہ :۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص قیامت کے روز اللہ کے سامنے اس طرح حاضر ہو گا کہ اس کے بدن پر کوئی نشان جہاد کا نہ ہو تو وہ ایک عیب کے ساتھ اللہ سے ملے گا۔

جہاد کیلئے اسلحہ اور جنگی سامان بنانا اور مہیا کرنا بھی جہاد ہے

حدیث نمبر ۳۳ :۔ عن عقبۃ بن عامرؓ قال سمعت رسول اللہ ﷺ وہو علی المنبر یقول واعدّوا لہم ما استطعتم من قوۃ الا ان القوۃ الرمی الا ان القوۃ الرمی الا ان القوۃ الرمی. (رواہ مسلم)

ترجمہ :۔ حضرت عقبہ بن عامر فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو برسرِ منبر یہ فرماتے ہوئے پایا کہ قرآن کریم کی آیت میں جو مسلمانوں کو دشمنوں کے مقابلے کے لئے قوت بہم پہنچانے کا حکم ہے، یہ قوت تیر اندازی ہے۔ یہ بات آپ نے تین مرتبہ مکرر کر کے فرمائی۔

فائدہ :۔ آنحضرت ﷺ کے عہدِ مبارک میں چونکہ جنگ ہی تیر اور تلوار کی تھی اس لئے تیر اندازی اور نشانہ کی مشق و استعداد ہی کو قوت فرمایا۔ مگر اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جب جنگ توپوں اور بموں کی ہو تو ان کے استعمال کے طریقے ہی

جنگی قوت قرار دیے جائیں گے اور حکم قرآنی کی تعمیل انہی طاقتوں کی فراہمی سے ہوگی۔

حدیث نمبر ۳۴ :۔ عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ من احتبس فرساً فی سبیل اللہ ایمانا باللہ و تصدیقا بوعدہ فان شبعہ وریّہ وروثہ وبولہ فی المیزان یوم القیامہ. (رواہ البخاری)

ترجمہ :۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اللہ کی راہ میں کوئی گھوڑا جہاد کیلئے وقف کر دیا اللہ پر ایمان اور اس سے وعدہ کی تصدیق کرتے ہوئے، تو اس گھوڑے کا کھانا پینا، لید اور پیشاب کرنا سب کا ثواب قیامت کے دن اس کی میزان عمل میں رکھا جائے گا۔

حدیث نمبر ۳۵ :۔ عن عقبۃ بن عامرؓ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: ان اللہ یدخل بالسھم الواحد ثلث نفر فی الجنۃ صانعہ یحتسب فی صنعتہ الخیر والرامی بہ ومنبلہ فارموا و ارکبوا وان ترموا احب الیّ من ان ترکبو. (ترمذی)

ترجمہ :۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک تیر کی خاطر تین آدمیوں کو جنت میں داخل کرے گا۔ اول اس کا بہ نیت ثواب و جہاد بنانے والا، دوسرا اس کو جہاد میں استعمال کرنے والا، تیسرا اس کی نوک اور بھال کو درست کرنے والا، اس لئے تیر اندازی کیا کرو اور گھوڑے کی سواری کی مشق کرو، اور میرے نزدیک تیر اندازی کی مشق گھوڑے کی سواری کی مشق سے زیادہ بہتر ہے۔

کسی غازی کو جہاد کیلئے سامان دینا یا اسکے گھر کی خبر گیری کرنا بھی جہاد ہے

حدیث نمبر ۳۶ :۔ عن عبداللہ بن عمروؓ قال رسول اللہ ﷺ للغازی اجرہ' وللجاعل اجرہ واجر الغازی. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ :۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ غازی کو تو اس کے غزوہ اور جہاد کا ثواب ملتا ہے اور جس شخص نے اس کو مال دے کر جہاد کے لئے بھیجا ہے، اس کو اپنے مال کا ثواب بھی ملے گا اور اس غازی کے عمل کا بھی۔

دفاعی فنڈ میں چندہ کا ثوابِ عظیم

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہاد کرنے والے فوجیوں کی تنخواہ یا دوسرے سامان کے لئے مال خرچ کرنے والے بھی ان مجاہدین کے جہاد کا ثواب پاویں گے۔

حدیث نمبر ۳۷ :۔ وعن زیدؓ بن خالد ان رسول اللہ ﷺ قال من جھّز غازیا فی سبیل اللہ فقد غزی ومن خلف غازیا فی اھلہ فقد غزی. (بخاری و مسلم)

ترجمہ :۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی غازی کو جہاد کا سامان دے دیا اس نے بھی جہاد کیا اور جو شخص کسی غازی کے گھر والوں کی نگرانی اور خبر گیری میں لگا رہا اس نے بھی جہاد کر لیا۔

جہاد سے ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے مگر قرض اور امانت میں خیانت معاف نہیں ہوتی

حدیث نمبر ۳۸ :۔ وعن ابن مسعودؓ القتل فی سبیل اللہ یکفر الذنوب کلھا الا الامانۃ والامانۃ فی الصلوٰۃ والصوم والامانۃ فی الحدیث واشد ذٰلک الوداع. (کبیر طبرانی)

ترجمہ :۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں قتل ہونا سب گناہوں کا کفارہ کر دیتا ہے مگر امانت میں خیانت معاف نہیں ہوتی، پھر فرمایا کہ امانت صرف مال ہی میں نہیں بلکہ نماز، روزے اور کلام میں بھی ہے۔ البتہ ان سب میں زیادہ سخت وہ امانتِ اموال ہے جو کسی کے سپرد کی گئی ہو۔

حدیث نمبر ۳۹ :۔ عن عبداللہ بن عمروؓ بن العاص ان النبی ﷺ قال :القتل فی سبیل اللہ یکفر کل شی الا الدین.

ترجمہ :۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں قتل ہونے سے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں مگر جو کسی کا قرض اس کے ذمہ ہے وہ معاف نہیں ہوتا (اس کو یا خود ادا کرے یا وصیت ادا کرنے کی کسی معتمد کو کر دے)۔

بحری فوج کے لئے عظیم سعادت

حدیث نمبر ۴۰ :۔ عن انسؓ قال قال رسول اللہ ﷺ : من حرس لیلۃ ساحل البحر کان افضل من عبادۃ فی اھلہ الف سنۃ. (رواہ الموصلی بلین)

ترجمہ :۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ایک رات سمندر کے کنارے پر پہرہ دے تو اس کا یہ عمل اپنے گھر میں ایک ہزار سال کی عبادت سے افضل ہے۔

جہاد کی دعائیں

زمانۂ جنگ کی چند مختصر دعائیں لکھی جاتی ہیں جن کا زبانی یاد کر لینا بھی مشکل نہیں۔ یہ سب دعائیں رسول کریم ﷺ کی تعلیم فرمائی ہوئی ہیں اور دین و دنیا کی فلاح کے لئے بہترین اور مجرب نسخہ ہیں۔

دشمن کے بالمقابل موثر ترین ہتھیار

ایک موقع پر کائنات کے سب سے بڑے اور سب سے سچے انسان سید الرسل محمد ﷺ نے فرمایا:

الا ادلکم ما ینجیکم من عدوکم ویدر کم ارزاقکم تدعون الله فی لیلکم ونهارکم فان الدعاء سلاح المومن. (الحاکم فی المستدرك وابویعلی)

ترجمہ:۔ کیا میں تمہیں ایسے راز سے آگاہ نہ کروں جو تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دلائے اور تمہاری معیشت میں اضافہ کا سبب ہو؟ وہ راز یہ ہے کہ تم رات دن اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔ دعا مومن کا اسلحہ ہے۔

یہ اسلحہ ہر گھر میں، ہر فرد، بغیر کسی مادّی ذرائع کے ہر وقت تیار کر سکتا ہے اور اس اسلحہ کی اثر انگیزی کی شہادت خدا کے رسول ﷺ اپنے ارشادِ گرامی سے بھی دے رہے ہیں اور آپ نے ہر شدید ترین مرحلہ پر اس ہتھیار سے کام لیا ہے اور خدائے ذوالجلال نے اس ہتھیار سے آپ کی امت کے لاکھوں سپہ سالاروں اور کروڑوں فوجیوں کو کامیابی عطا فرمائی ہے۔

اس حدیث کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں:

الدعاء سلاح المومن وعماد الدین و نور السمٰوات والارض. (مستدرك)

ترجمہ:۔ دعا مومن کا اسلحہ ہے، دین کا ستون ہے اور آسمان و زمین کا نور ہے۔

اور تاریخ شاہد ہے کہ اہلِ ایمان نے جب بھی دین کے اس ستون کا سہارا لیا اور جب دعا کی شمع جلا کر یہ میدانِ جنگ میں کود ے ہیں، آسمان و زمین کی ساری قوتیں ان کی حمایت میں کفار سے لڑنے لگیں اور بالآخر انہیں کامیابی اور فتح حاصل ہوئی۔

یقین بھرے دل سے دعا کریں

سیّد الانبیاء ﷺ فرماتے ہیں ''اللہ تعالیٰ سے اس کیفیت میں دعائیں کرو کہ تم ان کی قبولیت پر یقین رکھتے ہو، تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ لاپرواہ، متوجہ نہ ہونے والے اور دعا کی قبولیت پر یقین نہ رکھنے والے دل کی دعا کو قبول نہیں فرماتے۔ (ترمذی، مشکوۃ)

ضعفِ قلب اور بزدلی کا علاج

۱:۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ اَرْذَلِ الْعُمُرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔

ترجمہ :۔ میرے اللہ میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں بزدلی اور بخل سے اور میں پناہ طلب کرتا ہوں ناکارہ عمر سے اور دنیا کے فتنوں اور آزمائشوں سے اور پناہ مانگتا ہوں عذابِ قبر سے۔

۲ :۔ حَسْبِیَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۔

ترجمہ :۔کافی ہے مجھے اللہ جسکے سوا کوئی معبود نہیں' میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور وہی ہے عرشِ عظیم کا رب۔

۳ :۔ حَسْبِیَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ.

ترجمہ :۔ کافی ہے مجھے اللہ بہت اچھا وکیل، بہت بہتر سرپرست سب سے بہتر مددگار۔

۴ :۔ يَا حَیُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ.

ترجمہ :۔ اے ہمیشہ زندہ رہنے والے! اے سدا قائم ودائم! میں تیری رحمت کے سہارے تجھ سے فریاد کرتا ہوں۔

۵ :۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِيْمِ.

ترجمہ :۔ حالات کو بدلنے کی اور ہر قسم کی قوت صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے جو بہت ہی بلند شان اور عظمتوں کا مالک ہے۔

۶ :۔ اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا رَادَّ لِمَا قَضَيْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَالْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ.

ترجمہ :۔ اے اللہ! آپ کچھ عطا فرمانا چاہیں اسے کوئی محروم نہیں کر سکتا۔ جسے آپ محروم کر دیں اسے دینے والا کوئی نہیں۔ جس بات کا آپ فیصلہ صادر کریں اُسے رد کرنے کی قوت کسی میں نہیں اور کوئی بڑی سے بڑی عظمت و دولت والا ایسا نہیں جسے یہ دولت و عظمت آپ کے عذاب سے محفوظ رکھ سکے۔

جب اپنے آپ کو بے سہارا محسوس کریں

اَللّٰھُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْ فَلَا تَكِلْنِیْ اِلٰى نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَ اَصْلِحْ شَاْنِیْ كُلَّه' لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ.

ترجمہ :۔ میرے اللہ! میں آپ ہی کی رحمت کا امیدوار ہوں۔ آپ مجھے ایک لمحہ کیلئے میرے نفس کے سپرد نہ کیجئے اور میرے احوال و ظروف کی اصلاح فرمایئے۔ آپ تمہارب و معبود ہیں۔

خدا کی پناہ کا قلعہ

حضرت عبداللہ اسلمیؓ نے فرمایا کہ ہم ایک عمرہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ باد وباراں کا طوفان شروع ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے راستہ سے ہٹ کر ایک ٹیلے کے نیچے قیام فرمایا اور رات بھر نماز میں مشغول رہے۔ صبح کو عبداللہ اسلمیؓ آپ

کے قریب پہنچے تو آپ نے ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر قل ھو اللہ احد، قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس پڑھنے کی تلقین فرمائی اور فرمایا کہ جو شخص ان سورتوں کو پڑھ کر اللہ کی پناہ لے گا اس کو کوئی چیز نقصان نہ پہنچائے گی۔

(رواہ البزار و رجالہ رجال الصحیح از مجمع الزوائد)

سورۂ اخلاص :۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ. اَللّٰهُ الصَّمَدُ. لَمْ يَلِدْ. وَلَمْ يُوْلَدْ. وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ.

ترجمہ :۔ کہو اللہ تنہا ہے، وہ بے نیاز ہے، نہ اس کی اولاد ہے نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ ہی اس کا کوئی مثیل ہے۔ وہ بے مثال اور اکیلا ہے۔

سورۂ فلق :۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ. مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ. وَ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ. وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ.

ترجمہ :۔ کہو، میں پناہ طلب کرتا ہوں اس رب کی جو پو پھٹنے کا رب ہے۔ (کھجور کی گٹھلی اور گندم کے دانے، ایٹم کے پھٹنے کا رب، یعنی کائنات کی ہر چھوٹی اور بڑی قوت حتی کہ ایٹم بم بھی اس کے قبضہ و تصرف میں ہے اور اسی کے اِذن سے وہ کسی کو ضرر پہنچا سکتا ہے۔ اگر اِذن نہ ہو تو وہ محض بیکار اور قطعی بے ضرر ہو سکتا ہے) ہر اس چیز کی برائی سے جو اس نے پیدا کی، رات کی تاریکی میں آنے والے (حوادث، ہوائی حملوں اور دشمن کے مکر و فریب سے جب کہ رات پوری طرح چھا جائے۔ ان کے شر سے بھی پناہ مانگتا ہوں جو بند ھی ہوئی اشیاء اور دھاگے کی گرہوں سے نقصان پہنچانا چاہتے ہیں اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کر رہا ہو۔

سورۂ والناس :۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ. مَلِكِ النَّاسِ. اِلٰهِ النَّاسِ. مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ. الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ. مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ.

ترجمہ :۔ کہیے، میں پناہ طلب کرتا ہوں سارے انسانوں کے رب سے جو سب کا معبود و حاکم بھی ہے (کوئی بھی ہو خواہ کتنا بڑا سرکش، زور آور اور کافر ہی کیوں نہ ہو اس کے دائرۂ اختیار سے باہر نہیں) ان سب کے شر سے جو وسوسہ اندازی کرنے والے ہیں جو دلوں میں توہمات اور وساوس پیدا کرتے ہیں (کہ تم شکست کھاؤ گے اور تمہارا کوئی پرسانِ حال نہ ہوگا) یہ (شر انگیز) انسانوں میں بھی ہیں اور جنوں میں سے بھی"۔

جب خطرات منڈلا رہے ہوں :۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ وَ فُجَاءَةِ نِقْمَتِكَ وَ جَمِيْعِ سَخَطِكَ.

ترجمہ :۔ اے اللہ! میں پناہ طلب کرتا ہوں آپ کی نعمت کے زوال سے اور آپ کی عطا فرمودہ عافیت کے (مصیبت سے) بدل جانے سے، اور آپ کے ناگہانی عتاب سے اور ہر قسم کی ناراضگی سے۔

جب دشمن کی قوت سے گھبراہٹ ہو :۔ غزوۂ خندق کے دن صحابہ نے حضور ﷺ سے عرض کیا اللہ کے رسولؐ! اب تو دل منہ کو آنے لگے (سخت گھبراہٹ طاری ہے) کوئی دعا اس وقت کے لئے بھی ہے؟ حضورؐ نے فرمایا ہاں! یہ دعا مانگو :

اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا.

ترجمہ :۔ اے اللہ! ہمارے کمزور پہلوؤں پر پردہ ڈالیے اور خطرات سے محفوظ رکھیئے۔

صحابہؓ کہتے ہی ہم نے یہ دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے ایسی ہوا بھیجی جس نے کفار کا مُنہ توڑ دیا۔

میدانِ جنگ میں مجاہدین کی دعا :۔ اسلام دینِ کامل ہے اور اس کے کمال کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ زندگی کے ہر مرحلہ میں انسان کی توجہ اس کے خدا کی جانب مبذول کرتا ہے۔ ان ہی مراحل میں سے ایک مرحلہ "میدانِ جنگ میں کودنے کا بھی ہے۔ چونکہ مسلمان کی جنگ خدا کے لیے ہوتی ہے، اس لئے یہ جنگ بہت بڑا ذریعہ ہے قلبِ مومن کے خدا کی جانب متوجہ ہونے کا۔ قرآن مجید نے اہلِ ایمان کو تلقین فرمائی ہے کہ :

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ.

ترجمہ :۔ اے ایمان والو! جب تم دشمن کے بالمقابل میدان میں آؤ تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بکثرت یاد کرو تاکہ تمہیں کامیابی حاصل ہو۔

عین معرکۂ قتال میں اللہ کو بکثرت یاد کرنا کامیابی کا ضامن ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کا مشاہدہ اس امت نے ہر معرکۂ قتال میں کیا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے اوّلین اور فیصلہ کن معرکۂ بدر سے اب تک مسلمانوں نے جتنے مواقع جہاد میں کامیابی حاصل کی وہ شجاعت، ایثار، فدویت، اور راہِ حق میں قربان ہونے کے حیرت انگیز جذبہ کی معجزہ نمائیوں کی مرہونِ منت تو کسی نہ کسی درجہ میں ہے لیکن اس سے کہیں زیادہ دخل اس کامیابی میں اس حقیقت کو ہے کہ مسلمانوں نے عین معرکۂ قتال میں خدائے قدوس کو اس کثرت سے یاد کیا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی رحمت ان کی جانب منعطف ہوئی اور انہیں تعداد کی قلت اور اسلحہ کی کمی کے باوجود ان کے دشمنوں پر غلبہ عطا کیا گیا۔

مجاہدین کے مصروفِ جہاد و قتال ہونے کے ارادہ سے لے کر **فتح و کامرانی تک کے ہر لمحہ کے لئے** حضور ﷺ سے **دعائیں منقول ہیں یہ دعائیں مجاہدینِ** کرام کی رہنمائی کے لئے درج ذیل ہیں :

شرِ دشمن سے حفاظت کے لئے :۔ ۱ :۔ اَعُوْذُ بِوَجْهِ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ الَّذِيْ لَيْسَ شَيْءٌ اَعْظَمَ مِنْهُ وَبِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ الَّتِيْ لَا يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ وَّبِاَسْمَاءِ الْحُسْنٰى مَا عَلِمْتُ مِنْهَا وَمَالَمْ اَعْلَمُ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَأَ وَبَرَأَ.

ترجمہ :۔ میں **عظمتوں کے مالک اللہ کی** ذات اقدس سے پناہ طلب کرتا ہوں جس سے کوئی بھی چیز بڑی نہیں اور اللہ کے کامل ترین کلمات کی پناہ چاہتا ہوں جس سے کوئی بھی نیک و بد متجاوز نہیں ہو سکتا اور میں اللہ کے اسمائے حسنیٰ کے توسط سے پناہ مانگتا ہوں ان تمام فتنوں، حوادث اور مصیبتوں سے جو میرے علم میں ہیں اور جو میں نہیں جانتا ہوں، ان تمام قوتوں کے شر سے جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں۔

ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسولِ خدا ﷺ نے جہاد کرنے والی جماعت میں بھیجا اور حکم دیا کہ ہم حسبِ ذیل آیات پڑھا کریں ہم یہ آیات پڑھتے رہے۔ دشمن کے ہاتھوں قتل ہونے سے محفوظ بھی رہے اور ہمیں مالِ غنیمت بھی ملا۔

آیات یہ ہیں

۲ :۔ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثاً وَّاَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ. فَتَعَالَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ. وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُوْنَ. وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِيْنَ.

ترجمہ :۔ کیا تم اس خیال میں مگن ہو کہ ہم نے تمہیں بے مقصد پیدا کیا؟ اور کہ تم ہماری جانب نہیں لوٹائے جاؤ گے۔ تو (واضح رہے) اللہ کی شان سب سے بلند ہے وہ (تمام کائنات کا) برحق بادشاہ ہے۔ اس کے سوا کوئی بھی معبود نہیں اور نہ کوئی جس سے مشکلات کے وقت پناہ طلب کی جائے۔ ہی عرشِ عظیم کا رب ہے اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارتا ہے جس کے معبود ہونے کی کوئی دلیل موجود نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے ہاں ہوگا اور سچ یہ ہے کہ کافر کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔ اور تم کہو کہ اے ہمارے رب ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے ورحم فرما آپ سب سے بہتر رحم فرمانے والے ہیں۔ (اخرجه ابن السنى وابونعيم وابن منده)۔

میدانِ جنگ میں قدم رکھنے پر :۔ جب خدا کی راہ میں قدم کرنے والا میدانِ جنگ میں قدم رکھے تو خشوع و خضوع سے اپنے رب سے عرض کرے :

۱ :۔ اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ سَرِيْعَ الْحِسَابِ اَللّٰهُمَّ اهْزِمِ الْاَحْزَابَ اَللّٰهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ.

ترجمہ :۔ اے اللہ! کتاب کو نازل فرمانے والے! جلد حساب لینے والے! اے اللہ (دشمن کے) لشکروں کو شکست فاش دے۔ اے الٰہ حق! انہیں شکست دے اور ان کے قدم اکھاڑ دے۔

۲ :۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ.

ترجمہ :۔ اے اللہ! ہم آپ کو دشمنوں کے بالمقابل لاتے ہیں اور ان کے شر و فساد سے آپ کی پناہ مانگتے ہیں۔

قنوت نازلہ

احادیثِ صحیحہ میں ہے کہ جب مسلمانوں پر کوئی شدید حادثہ پیش آتا تھا کہ آنحضرت ﷺ نمازوں میں مسلمانوں کی حفاظت اور دشمنوں کیلئے دعائے قنوت پڑھا کرتے تھے۔ شرح منیہ میں ہے کہ یہ قنوت نازلہ اب بھی مسنون ہے، در مختار شامی میں ہے، قنوتِ نازلہ ہر مصیبتِ عامہ اور جنگ و جہاد کیلئے اب بھی مستحب ہے۔ اس وقت جب کہ سارا عالم مصائب و آلام میں مبتلا ہے' خصوصاً پاکستان کی سرحدات پر اعدائے اسلام نے بھرپور حملے شروع کر دیئے۔ مناسب ہے کہ مسلمان اسلام اور پاکستان کی حفاظت کیلئے دعائے قنوت پڑھا کریں۔ صبح کی نماز کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد امام آوازِ بلند یہ دعا پڑھے اور مقتدی آمین کہتے رہیں۔ اس دعا کیلئے نہ تکبیر کہی جائے نہ ہاتھ اٹھائے جائیں۔ دعا کے بعد تکبیر کہہ کر امام کے ساتھ سجدہ میں جائیں۔

اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا فِيْمَنْ هَدَيْتَ. وَعَافِنَا فِيْمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنَا فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ. وَبَارِكْ لَنَا فِيْمَا اَعْطَيْتَ. وَقِنَا شَرَّمَا قَضَيْتَ. فَاِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ. اِنَّهٗ لَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ. وَلَا يَذِلُّ مَنْ

وَّالَيْتَ. تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ. اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ. وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ. وَاَصْلِحْهُمْ وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِهِمْ. وَاَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ. وَاجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَالْحِكْمَةَ. وَثَبِّتْهُمْ عَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِكَ. وَاَوْزِعْهُمْ اَنْ يَّشْكُرُوْا نِعْمَتَكَ الَّتِيْ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ. وَاَنْ يُّوْفُوْا بِعَهْدِكَ الَّذِيْ عَاهَدْتَّهُمْ عَلَيْهِ. وَ انْصُرْهُمْ عَلٰى عَدُوِّكَ وَعَدُوِّهِمْ. اِلٰهَ الْحَقِّ سُبْحَانَكَ لَا اِلٰهَ غَيْرُكَ. اَللّٰهُمَّ انْصُرْ عَسَاكِرَ بَاكِسْتَانَ. وَالْعَنْ كَفَرَةَ الْهِنْدَ وَالشُّيُوْعِيِّيْنَ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ رُسُلَكَ وَيُقَاتِلُوْنَ اَوْلِيَائَكَ. اَللّٰهُمَّ خَالِفْ بَيْنَ كَلِمَتِهِمْ. وَفَرِّقْ جَمْعَهُمْ. وَشَتِّتْ شَمْلَهُمْ. وَزَلْزِلْ اَقْدَامَهُمْ. وَاَلْقِ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ. وَخُذْهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ. وَاَنْزِلْ بِهِمْ بَاْسَكَ الَّذِيْ لَا تَرُدُّه' عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ.

یااللہ راہ دکھا ہم کو ان لوگوں میں جن کو تو نے راہ دکھائی۔ اور عافیت دے ہم کو ان لوگوں میں جن کو تو نے عافیت بخشی۔ اور کارسازی کر ان لوگوں میں جن کے آپ کارساز ہیں۔ اور برکت دے اس چیز میں جو آپ نے ہم کو عطا فرمائی اور بچا ہم کو اس چیز کے شر سے جس کو آپ نے مقدر فرمایا کیونکہ فیصلہ کرنے والے آپ ہی ہیں آپ کے خلاف فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ بے شک آپ کا دشمن عزت نہیں پاسکتا۔ اور آپ کا دوست ذلیل نہیں ہوسکتا برکت والے ہیں آپ اے ہمارے پروردگار اور بلند وبالا ہیں' یااللہ مغفرت فرما مومن مردوں اور عورتوں کی اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتوں کے گناہ معاف فرما اور ان کے حالات کی اصلاح فرما اور ان کے باہمی تعلقات کو درست فرمادے اور ان کے دلوں میں الفت باہمی اور محبت پیدا کردے اور ان کے دلوں میں ایمان و حکمت کو قائم فرمادے اور ان کو (اپنے رسول ﷺ کے دین پر ثابت قدم فرما اور توفیق دے انہیں کہ شکر کریں تیری اس نعمت کا جو تو نے انہیں دی ہے اور یہ کہ وہ پورا کریں تیرا وہ عہد جو تو نے ان سے لیا ہے۔ اور غلبہ عطا کر ان کو اپنے دشمن پر اور ان کے دشمن پر اے معبودِ برحق تیری ذات پاک ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں یااللہ پاکستان کی افواج کی مدد فرما اور ہندوستان کے کفار اور اشتراکیوں پر اپنی لعنت فرما جو آپ کے رسولوں کی تکذیب کرتے ہیں اور آپ کے دوستوں سے مقاتلہ کرتے ہیں یااللہ اُن کے آپس میں اختلاف ڈال دے اور ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دے اور ان کو ایسے عذاب میں پکڑ لے جس میں قوت و قدرت والا پکڑتا ہے اور ان پر وہ عذاب نازل فرما جس کو آپ مجرم قوموں سے اٹھایا نہیں کرتے۔

بندہ محمد شفیع ۶/ شوال

۱۳۹۱ھ

سلطنت فارس